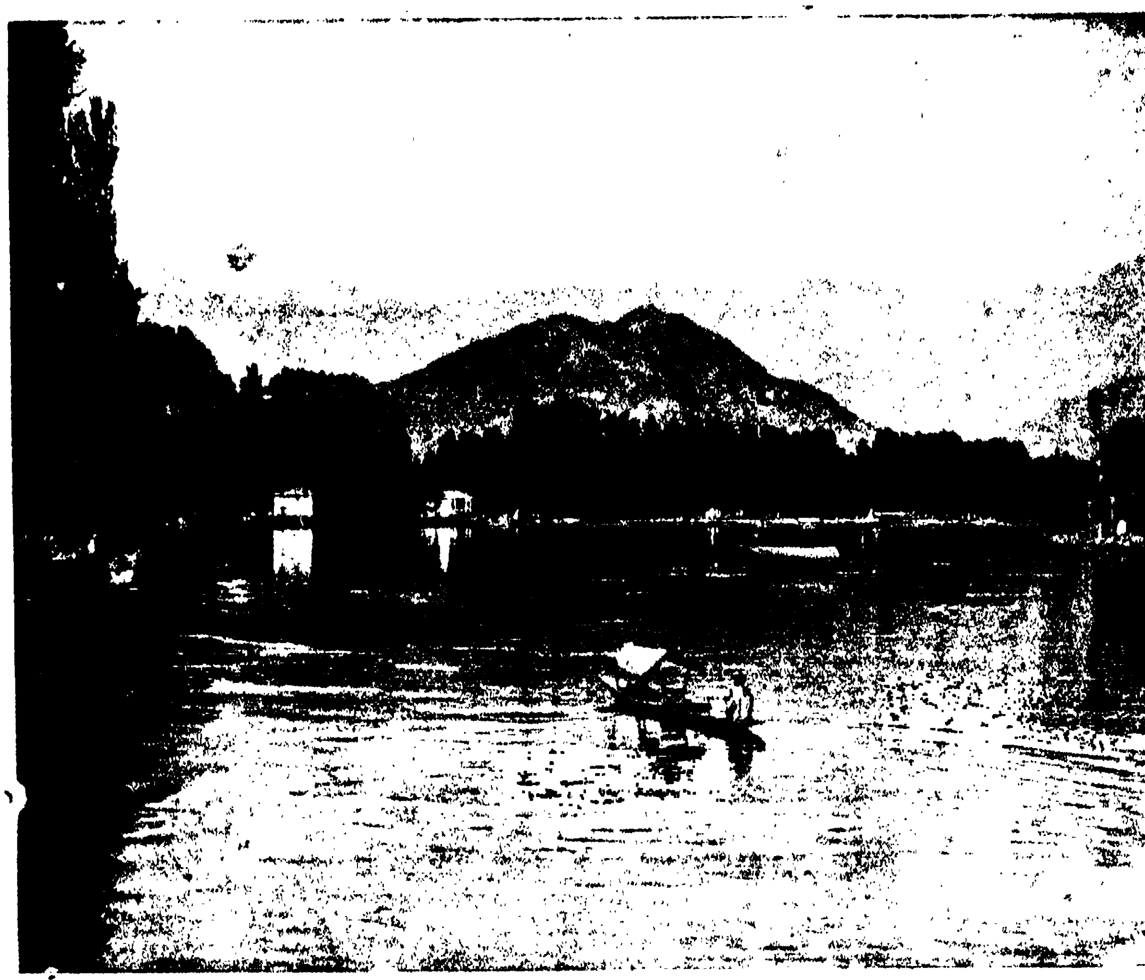
تیج ویکلی دہلی

ہندوستان کا بہترین با تصویر ہفتہ وار رسالہ

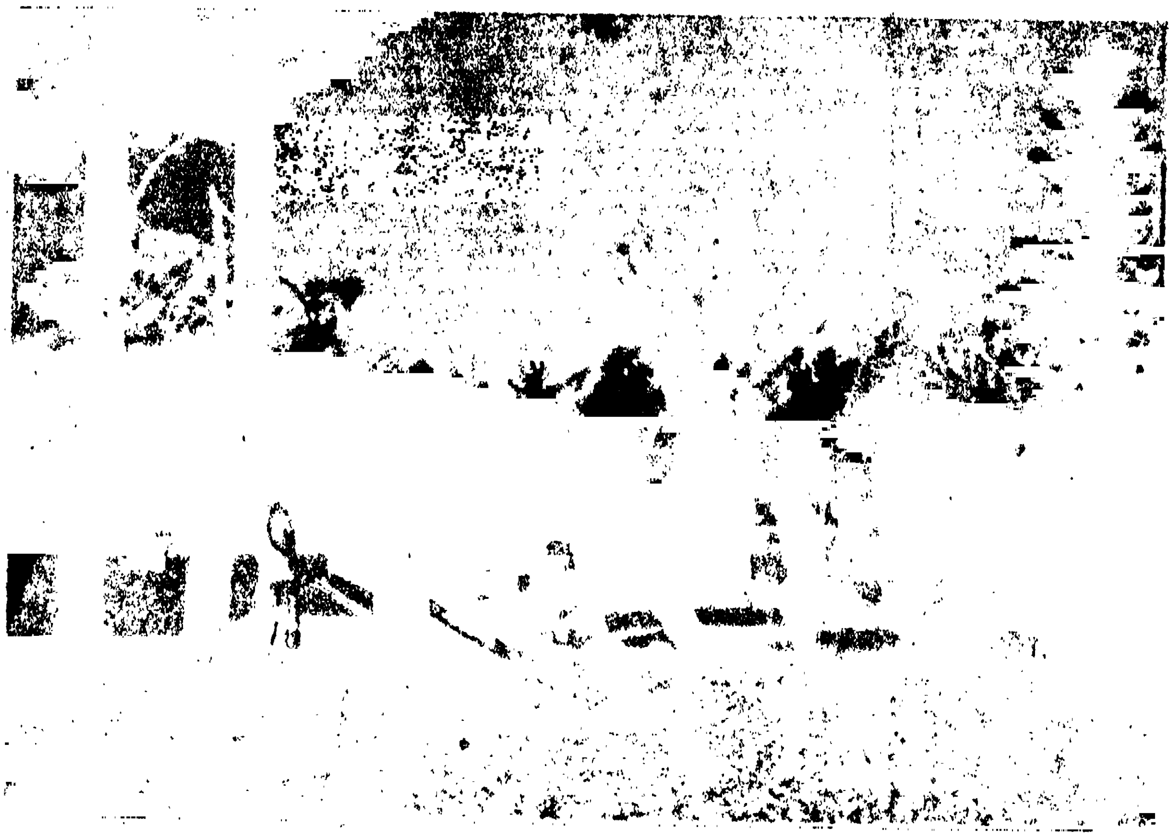
NO. 119 DELHI 4TH MAY 1937. V. NO. 16.



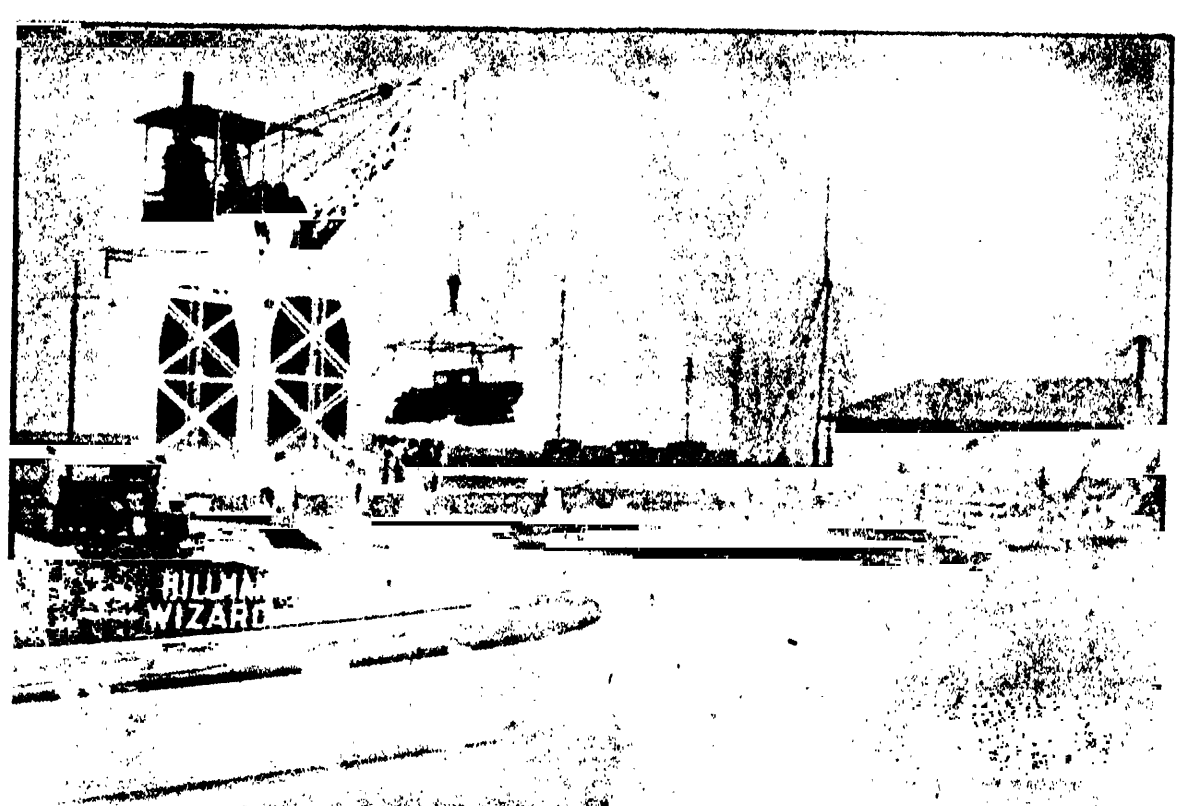
گرمیوں میں سیر دریا کا ایک روح پرور نظارہ



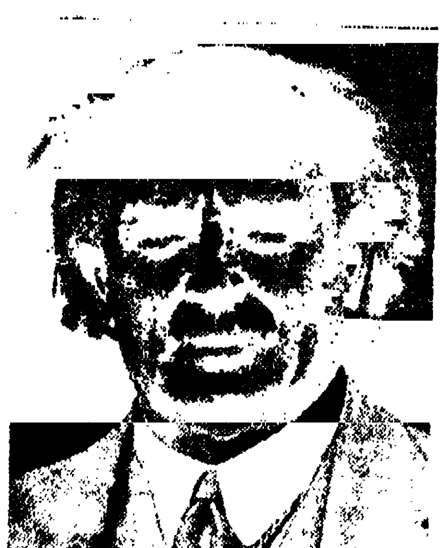
شریمت سبھاش چندر بوس
آپنے الہ آباد میں کانگریس ورکنگ کمیٹی میں شرکت کی۔ اور لاہور جاتے ہوئے ۳۰ اپریل کو دھلی والوں کی طرف سے ایک خدمت میں ایڈریس پیش کیا گیا



گلمرگ کشمیر کے برفانی پہاڑوں کا ایک دلکشا منظر۔ موسم گرما میں سیاحوں کی یہ بہترین قیام گاہ ھے



جام نگر ریاست کی بندرگاہ بیوری پر وزنی سامان کی نقل و حرکت کا بہترین انتظام کیا گیا ھے



مسٹر لائڈ جارج
سابق وزیراعظم برطانیہ
ایک بیان کے دوران میں آپنے فرمایا کہ حکومت برطانیہ کو ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی انجمن انڈین نیشنل کانگریس سے سمجھوتہ کر لینا چاہیئے



نوٹ:- الہ آباد میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ ملک کو سودیشی، ہندو مسلم اتحاد، ہریجن ادھار اور ترک منشیات کے پروگرام پر سختی سے عملدرآمد کرنا چاہیئے، اسی پروگرام سے راستہ کی تمام رکاوٹوں کو سر کرتے ہوئے سوراجیہ تک پہنچ جائینگے

آج کی خبریں

جرمنی میں مئی ڈے کی تقریب
دو لاکھ نوجوانوں کے سامنے ہرہٹلر کی تقریر

(ڈینچ رائٹر اسپیشل سروس)

برلن یکم مئی۔ مئی ڈے کے موقعہ پر برلن اولمپک سٹیڈیم میں ایک لاکھ اسی ہزار نازی لڑکے اور لڑکیوں کے سامنے ہرہٹلر ڈکٹیٹر جرمنی نے تقریر کرتے ہوئے ان لوگوں کو تنبیہ کی جو ابھی تک افتراق پیدا کر کے نوجوانوں کو اثر انداز کرنا چاہتے ہیں۔ ہرہٹلر کا اشارہ کیتھولک چرچ کی طرف تھا جو کیتھولک نوجوانوں کو اپنی تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ ہرہٹلر نے اعلان کیا کہ ایک مہینہ دس سال کی عمر کے ۴۳۳۴۱۷۱۹ لڑکے اور لڑکیاں نازی تحریک میں شامل ہو چکے ہیں۔

سندھ میں آندھی اور لو
فصلوں کی تباہی

کراچی یکم مئی۔ زبردست آندھی کے بعد جس کے ساتھ کچھ چھینٹے بھی پڑے حیدرآباد اور سندھ کے دیگر اضلاع میں زبردست لو چل رہی ہے جس سے فصلوں کو بہت نقصان ہو رہا ہے۔ مکانات اور درختوں کو بھی آندھی سے نقصان پہنچا۔ گرم لو سے کئی تین لڑکوں کو سرسام ہو گیا۔ اس کے علاوہ کئی مقامات پر آگ بھی لگ گئی۔ (ا۔ پ)

مزدوروں کی لائنوں میں جانیکی ممانعت
کلکتہ کے سرکردہ لیبر لیڈران کو نوٹس

کلکتہ یکم مئی۔ سب ڈویژنل آفیسر علی پور کی طرف سے مسٹر شب ناتھ بنرجی ممبر اسمبلی صدر آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگریس لیبر زسد معندر پرمانک۔ رادھا بی مکرجی۔ سیر رائے۔ بنکم مکرجی ممبر اسمبلی اور دیگر تمام لیبر لیڈران کے خلاف زیر دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری امتناعی احکامات صادر ہوئے ہیں کہ وہ دو ماہ تک بج بج ہیش ٹولہ۔ اور سستہ پور۔ پولیس اسٹیشن کی حدود میں داخل نہ ہوں کیونکہ سب ڈویژنل افسر کا خیال ہے کہ یہ لوگ۔ ان علاقوں کے مزدوروں کی لائنوں میں جا کر خفیہ جلسے کر کے یہاں کمیونسٹ مرکز بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ (ر۔ ی۔ پ)

کلکتہ میں جوٹ ملوں کی ہڑتال
پنڈت جواہر لال تقریر کرینگے

کلکتہ یکم مئی۔ سنٹرل جیوٹ ہڑتال کمیٹی کے نام پنڈت جواہر لال نہرو صدر کانگریس کا ایک تار موصول ہوا ہے جس میں پنڈت جی نے لکھا ہے کہ وہ جیوٹ ملوں کی ہڑتال کے سلسلہ میں سہرمئی ... گے۔ (ر ی پ)

وزیرستان کی صورت حالات
گورنر سے بنوں کے کمیٹی ممبروں کی ملاقات

بنوں یکم مئی۔ گورنر صوبہ سرحد نے آج بنوں کے میونسپل کمشنروں سے ملاقات کی۔ دوران ملاقات میں موجودہ صورت حالات اور حفاظتی تدبیروں پر غور کیا گیا۔ ابھی جو ہندو وزیرستانی اٹھا لئے گئے ہیں ان کے متعلق گورنر صاحب نے کہا کہ جس وقت تک یہ لوگ واپس نہیں مل جائیں گے اس وقت تک قبائل سے سمجھوتہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میونسپل کمشنروں کی جانب سے گاؤں والوں کی حفاظت کے لئے ہتھیاروں کی مفت تقسیم اور لائسنسوں کے زیادہ تعداد میں اجرا کا سوال اٹھایا گیا گورنر صاحب نے کہا کہ اس وقت تک ایک ہزار کے قریب رائفل مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ اور مزید رائفلیں اور لائسنس دینے کا سوال ان کے زیر غور ہے۔ (ا۔ پ)

مدراس میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ

مدراس یکم مئی۔ شہر کے کچھ حصوں میں فرقہ وارانہ جذبات کی کشیدگی کے پیش نظر کمشنر پولیس مدراس نے چودہ دن کے لئے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا ہے۔ جس کی رو سے مدراس شہر کی حدود میں جلسے۔ جلوس اور دیگر مظاہرہ کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ (ر ی پ)

مسٹر بٹلر کا آخری بیان
بابو راجندر پرشاد کا اظہار خیال

پٹنہ یکم مئی۔ بالا گھاٹ ڈسٹرکٹ سیاسی کانفرنس کی صدارت کرنے کیلئے جانے سے پیشتر شری یت بابو راجندر پرشاد نے مسٹر بٹلر نائب زیر ہند کے آخری بیان کے متعلق فرمایا کہ مسٹر بٹلر کے بیان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جس وقت صوبجاتی گورنر یہ خیال کریں گے کہ آئین کی رو سے انہیں مداخلت کرنے کی اجازت ہے وہ ضرور مداخلت کریں گے۔ دہلی ریزولیوشن کے مطابق ہمیں کوئی یقین نہیں دلایا گیا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ مطلوبہ یقین حاصل ہو جانے پر کانگریس کسی وقت بھی عہدے قبول کر سکتی ہے

ٹیلیفون کمپنی کی بلڈنگ میں دھماکہ
چار آدمی زخمی۔ ایک کی نازک حالت

کراچی یکم مئی۔ بمبئی ٹیلیفون کمپنی کی لوکل برانچ کی نئی بلڈنگ میں بیٹری پھٹ جانے سے زبردست دھماکہ ہوا۔ جس سے دو اینگلو انڈین نوجوان جو اس کمپنی کے ملازم تھے اور دو مسلمان لائن مین شدید زخمی ہوئے۔ عمارت کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے۔ آگ بھی لگ گئی۔ جسے فوراً بجھا دیا گیا۔ دھماکہ اس قدر زبردست تھا کہ عمارت کا اندرونی حصہ شکستہ ہو گیا۔ زخمیوں کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ ایک کی حالت نازک بیان کی جاتی ہے۔ (ا۔ پ)

(باقی اگلے صفحہ پر)

وزارتوں کے خلاف عدم اعتماد

بیان پر دستخط ہو رہے ہیں

بمبئی میں کانگریس پارٹی کی سرگرمیاں

بمبئی یکم مئی۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل پریذیڈنٹ کانگرس پارلیمنٹری سب کمیٹی مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی۔ اور مسٹر بی۔ جی کھیر آج الہ آباد سے یہاں واپس آ گئے ہیں۔ یہاں آنے کے فوراً بعد مسٹر کھیر لیڈر کانگرس پارٹی بمبئی اسمبلی نے مستقبل وزارتوں کے خلاف ایجی ٹیشن کرنے کے متعلق آئندہ پروگرام پر سردار پٹیل سے مشورہ کیا۔ وزارتوں کے خلاف عدم اعتماد کے بیان پر دستخط کئے جا رہے ہیں۔ جو قریب قریب مکمل ہے۔ جس وقت اس بیان پر کانگرس پارٹی اور اسمبلی میں کانگرس سے موافقت کرنے والے دیگر ممبران کے دستخط ہو جائیں گے تو گورنر کے سامنے پیش کر دیا جائیگا (ی۔ پ)

بمبئی میں مہیب آتشزدگی

اسی ہزار روپیہ کا نقصان

بمبئی یکم مئی۔ دادر میں ایک بلڈنگ میں آگ لگ جانے سے دس خاندان بے خانماں ہو گئے۔ آگ لگنے کی وجہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکی۔ نقصان کا اندازہ اسی ہزار روپیہ لگایا جاتا ہے [illegible] کی دکانیں بھی خاک ہو گئیں۔ سیڑھیوں تک [illegible] پہنچ گئی۔ آگ بجھانے کے پانچ انجن مصروف کار تھے۔ اور انہوں نے بالائی منزلوں کے رہنے والوں کو بچا لیا (ا۔ پ)

۳ کروڑ کا منافع

انڈین آئرن سٹیل کمپنی کا تقسیم منافع

کلکتہ ۳۰ اپریل۔ جیسا کہ امید کی جاتی تھی ۱۹۳۷ء کا منافع دو کروڑ سے اوپر ہوگا اور ۳۰ اپریل کو جن حصہ داروں کے نام کمپنی کے رجسٹر پر ہوں گے ان کو ۱۹۳۶ء کے لئے ایک روپیہ فی حصہ تقسیم کیا جائے گا۔ یہ اعلان اس سرکاری سرکلر میں موجود ہے جو ڈائریکٹروں نے حصہ داروں کے نام نکالا ہے۔ انڈین آئرن کے ساتھ بنگال آئرن کے الحاق ہو جانے کے کارن آئندہ چار ماہ تک حساب مکمل نہیں ہو سکیگا اس لئے آخری تقسیم منافع کا اعلان اس کے بعد کیا جائیگا

بہاردربین وزیر تعلیم الور کی آمد

دکانیں کھلوانے کیلئے ہندوؤں سے شرائط

بہاردر یکم مئی۔ سردار سلطان سنگھ پلوا وزیر تعلیم ریاست الور راؤ [illegible] کے ہمراہ یہاں آئے اور ہندو مسلمانوں کو سٹور وو پارہ دو پارٹیوں کی کشیدگی ختم کر دیں۔ ہندو اپنی دکانیں اس شرط پر کھولنے کیلئے تیار ہو گئے کہ نقصان کا اندازہ کسی دوسرے راستے سے ہو جائیں۔ اور ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جائے تاکہ سلطان سنگھ نے ہندوؤں کو یقین دلایا کہ الور کے وزیر اعظم

تازہ تجارتی سماچار

(دھارنا ربمبئی یکم مئی رات)

جرمنی مع اپریل مئی جولائی ۰ - ۱۲ - ۲۲۵ فی کینڈی

لندن صرافہ (لندن یکم مئی)

چاندی حاضر فی اونس یکم ۲۰ وعدہ ۲۰ پنس

بازار خاموش پرنتو مضبوط تھا۔

پنس۔ شلنگ۔ پونڈ

سونا ۸ - ۷

لیورپول روئی (لیورپول یکم مئی)

اکتوبر وعدہ بند ہوئی ۷ - ۷

برابر ۸ پوائنٹ تیز

نیویارک روئی (نیویارک یکم مئی)

اکتوبر وعدہ کھلی	۱۲ ۶ ۷۱
بند ہوئی	۱۲ ۶ ۷۷

برابر ۱۰ نیچے مندہ

بمبئی بند بازار (بمبئی یکم مئی)

صرافہ

چاندی حاضر ۸ - ۵۰ پہلا وعدہ ۱۴ - ۵۲ سو تولہ

دوسرا وعدہ [illegible] ۵۲ سو تولہ

سونا حاضر پہلا وعدہ ۳ - [illegible] ۳۴ فی تولہ

دوسرا وعدہ ۶ - ۹ - ۳۴

روئی

عالمی آثار اور سٹوریوں کی لیوالی پر چڑھے۔

بیروچ اپریل مئی	۰	۴	۲۲۷	فی کینڈی
جولائی اگست	۰	۴	۲۳۲	”
اپریل مئی ۱۹۳۹ء	۰	۱۲	۲۴۰	”
اومرا مئی	۰	۴	۲۱۵	”
جولائی	۰	۴	۲۱۸	”
دسمبر جنوری	۰	[illegible]	۲۱۹	”
بنگال مئی	۰	۲	۱۸۵	”
جولائی	۰	۴	۱۸۷	”
دسمبر جنوری	۰	۸	۱۸۰	”

[illegible] تیزی مندی ۴ ر ۷ روپیہ تیزی ۶ ر ۳ ر ۳ روپیہ مندی ۱۰/۳ روپیہ تیزی مندی ۱۹۳۸ء ۶ ر ۱۰/۳ روپیہ

روئی کے تازہ سماچار

لیورپول کا تار۔ یورپ کے دساوروں کی لیوالی پر مضبوط رہا۔ نیویارک میں بازار مضبوط کھلنے کے بعد نیچے بھاؤ پر کارٹ مندہ میں رہا اس نہ ہونے کے کارن لوگوں میں گھبراہٹ ہے۔ منڈی میں باہر کی مانگ نہیں۔ زیادہ لیوالی مندہ میں جانے والوں کی نقصان پورا کرنے کی خاطر تھی۔

نیویارک کا تار۔ بازار کی حالت اچھی ہے اور کبھی بھی تیزی کے سماچار کا اثر بھاؤ پر پڑ سکتا ہے۔ بینکوں سے کے دیش کے کام کرنے والے منڈے وعدہ کی لیوالی ہے۔ جب تک یہ شرح قائم نہیں ہوتا تب تک معمولی کام رہیگا۔

تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جائیگی۔ پہلے تو مسلمانوں نے تعزیہ دوسرے راستہ سے لیجانے پر رضامندی ظاہر کی مگر بعد میں پہلے راستہ سے ہی تعزیہ لیجانے پر اصرار کیا (ی۔ پ)

جواہر لال سے!

(سحبان الہند حضرت علامہ کیفی چریاکوٹی کے قلم سے)

(خاص نیشنل ہیرالڈ کے لئے)

نوائے وطن سنائے جا | وطن کو ہاں جگائے جا
یہ آگ ہے لگائے جا | لگائے جا، بجھائے جا
جلال ہے دکھائے جا
دکھائے جا دکھائے جا

اُٹھائے سر اُٹھائے چل | بڑھا قدم، بڑھائے چل
گھٹا کی شکل چھائے چل | تو بجلیاں گرائے چل
دلِ عدو جلائے جا
جلائے جا جلائے جا

یہ وقت کارزار ہے | جہان، بے قرار ہے
وطن کو انتظار ہے | عدو کو انتشار ہے
دبا ہے یہ، دبائے جا
دبائے جا، دبائے جا

وطن کسی کے بس میں ہے | چمن ہے اور قفس میں ہے
گھٹک نفس نفس میں ہے | جو ہاتھ کانگرس میں ہے
اِدھر اُدھر چلائے جا
چلائے جا، چلائے جا

کسی کا پاس کچھ نہ کر | کسی کی آس کچھ نہ کر
غم و ہراس کچھ نہ کر | قنوط و یاس کچھ نہ کر
تو حوصلہ بڑھائے جا
بڑھائے جا بڑھائے جا

تو شیر ہے، تو مرد ہے | تو حوصلے میں فرد ہے
جو تیرا ہم نبرد ہے | وہ تیرے آگے گرد ہے
وہ خاک ہے اڑائے جا
اڑائے جا، اڑائے جا

تو طمع زر سے پاک ہے | یہ زر، قدم کی خاک ہے
تو مہرِ تابناک ہے | جہاں پہ تیری دھاک ہے
چمک دمک دکھائے جا
دکھائے جا دکھائے جا

دلوں کی آرزو ہے تو | وطن کی آبرو ہے تو
چمن کا رنگ و بو ہے تو | نسیم کو بہ کو ہے تو
چمن کو آ بسائے جا
بسائے جا بسائے جا

یہ راز کائنات ہے | کہ سب کی ایک ذات ہے
جو تفرقے کی بات ہے | ذلیل واہیات ہے
یہ تفرقہ مٹائے جا
مٹائے جا مٹائے جا

جو تنگ دل غلام ہے | اسیرِ بندِ دام ہے
یہ "ہند" کا پیام ہے | کہ عشق میرا جام ہے
پیے جا اور پلائے جا
پلائے جا، پلائے جا

خیالِ تنگ نام پر | جمالِ رنگ و فام پر
تمیزِ خاص و عام پر | زبان پر، کلام پر
تو ٹھوکریں لگائے جا
لگائے جا، لگائے جا

یہ سن لے اے کیفیِ حزیں | سخن ہے صاف دلنشیں
اگر بجائے آف | کہیں [illegible] سب نہیں نہ

فرقہ وارانہ فسادات کی ذمہ داری کس پر ہے؟

مشرقی معاملات کی مشہور مبصرہ مس فراسٹ کے خیالات

مشہور برطانی جریدہ (گریٹ برٹن اینڈ ایسٹ) میں انگلستان کی خاتون اور جینس فراسٹ نے ہندوستان کی فرقہ وارانہ کشیدگی پر ایک مقالہ اظہار خیالات کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کبھی کوئی سمجھوتہ مستقل طور پر نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی سنجیدگی اور صحت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس افسوسناک صورت حال کی ذمہ داری حکومت برطانیہ پر عائد ہوتی ہے۔ اس نے اصل مسئلہ کے حل کرنے کی طرف بہت کم توجہ کی ہے ہم نے ہندو مسلم مناقشات کو آئینی و دستوری طور پر طے کرانے کی کبھی بھی کوشش نہیں کی۔ آگ اندر ہی اندر سلگتی رہتی ہے اور ہم اسے بڑھنے دیتے ہیں جب فساد ہو جاتا ہے تو فوج طلب کر لیتے ہیں۔

برطانیہ کو بحیثیت برا انگریز و منتظم رہنا ہے کہ اسکی ایڈمنسٹریشن کے مفاد ضرورت نہ ہوں اس کے علاوہ جو کچھ ہے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

بعض لوگ یہی کہتے ہیں کہ ہندو مسلم مناقشات اور فرقہ وارانہ فسادات انگریزوں کی اور اس کی انگریزوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہم ہندوستان کی نگرانی و حفاظت کرنے کیلئے سمجھتے کے لئے مستحق ہو سکتے ہیں۔ چونکہ اس طرح ہمیں اپنے اقتدار کی حفاظت کا ایک موقع مل گیا ہے اس لئے فرقہ وارانہ کشیدگی کے اصل اسباب معلوم کرنے کے لئے ہم کبھی کوشش نہیں کرتے اور نہ کبھی اس کی سعی کی گئی کہ آپس میں باعزت سمجھوتہ کرا دینے کے لئے حکومت ہندو مسلمانوں کے بیچ میں پڑی ہو۔

یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ نسلی، مذہبی و تمدنی اختلافات کی وجہ سے ہندو مسلمانوں میں ٹکر ہو جاتی ہے مگر یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہمیشہ یہی حالت قائم رہے گی میری رائے ہے کہ ہندوستان کو جو اس قدر وسیع رقبہ ہے منقسم کر دیا جائے اور ہر قوم کو آباد ہونے کے لئے علیحدہ علیحدہ علاقے دے دئے جائیں۔ (یہ بات عملاً ناممکن ہے۔ ایڈیٹر) ہندوستان اتنا وسیع ملک ہے کہ لوگ اسے علیحدہ علیحدہ اپنا حقیقی قومی وطن بنا کر صلح و آشتی سے رہ سکتے ہیں اور اس سکیم پر عمل کیا جا سکتا ہے اور لوگ مختلف قومی نظاموں کے ماتحت نسبک روی کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔

نیا آئین نیا آئین ہندوستان کے لئے زیادہ مستحکم ثابت نہیں ہو سکا۔ دو ایسے عناصر کو ملانے کی کوشش ... [illegible]

کس نے کہاں تک ترقی کی؟

(از جناب عبد الاحد معظم آبادی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

زمانہ نے یہاں تک ترقی کی کہ پڑھے لکھے لٹے پھرنے لگے اور دنیا کا دور ہی بدل گیا

جاپان	کہ دنیا کی تمام منڈیوں پر چھا گیا
روس	کہ اسکی ترقیاں غیر معمولی حد تک پہنچ گئیں
جرمنی	کہ اس کا ہر بچہ سپاہی بن گیا۔
اٹلی	کہ حبش کو زندہ نگل گیا۔
انگلینڈ	کہ سیاست کے بازار کا چودھری بن گیا
ترکی	کہ مذہب کو سیاست اور سیاست کو مذہب بنا دیا گیا
مصر	کہ آزادی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔
امریکہ	کہ قارون کا خزانہ اس کی دولت کے مقابلہ میں افسانہ بن کر رہ گیا۔
چین	کہ سوتے سوتے جاگ اٹھا۔
ہندوستان	کہ غلام بن کر رہ گیا۔
سائیکل	کہ پانی پر دوڑنے لگی۔
موٹر	کہ ہوا میں اڑنے لگی۔
سینما	کہ رانیاں اور بہو بیٹیاں ناچنے لگیں،
ریڈیو	کہ آواز کے علاوہ تصویریں بھی سامنے آنے لگیں؛
اردو صحافت	کہ بہت سے جاہل آدمی ایڈیٹر بن گئے۔
شاعری	کہ ہر چھوٹے بڑے نے شعر کہنا شروع کر دیا
سائنس	کہ انسان خدائی کا دعویٰ کرنے لگا۔
تہذیب	کہ بیٹا باپ اور باپ بیٹا بن گیا۔
مذہب	کہ مندروں اور مسجدوں کے درمیان جھگڑے ہونے لگے؛
عورت	کہ مرد بن گئی،
جہاز	کہ ایک منٹ میں ۰۰۰ میل کی رفتار سے پرواز کرنے لگا!

۱۰۴ برس کا کنوارا

برطانیہ کا سب سے بڑا کنوارا ۱۰۴ برس کا ہے جس کا نام جون سٹیڈن ہے؛

ایک پریس کے نمائندہ کو بیان دیتے ہوئے اس ... اپنی خوش قسمتی کو زندہ جاوید رکھنے کے لئے ... گا۔ اس لئے کہ آجکل نوجوان لڑکیاں ... بنا سکتیں۔

پراچین ہندوستان میں تاج پوشی کی رسم

(از مسٹر ایڈرین ڈوارلی ——— ترجمہ از شیو پرشاد)

(اس وقت جبکہ برطانیہ میں نئے بادشاہ کی تاج پوشی کے انتظامات ہو رہے ہیں پراچین ہندوستان کے فرمانرواؤں کی تاج پوشی کے متعلق ذیل کا مضمون جو معاصر السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا کے ایک مضمون سے ترجمہ کر کے شائع کیا جا رہا ہے ناظرین کے لئے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا۔ اس سلسلہ کے چند مضامین آئندہ ہفتوں میں بھی شائع کئے جائیں گے ——— ایڈیٹر)

تاریخ کہتی ہے کہ ... پاتی تھی ... راجاؤں کی تاج پوشی اور ... تھا ... ہے۔ اپنے موقع پر جو رسمیں ... زمانے سے تعلق رکھتی ہیں ... پراچین آرین اور ہندو سلطنت ... ہیں۔ اصل رسم اور اس کی ادائیگی ... تھا کہ تاجپوشی کی تقریب اتنی ... کہ ہندوستان کی قدیم تاریخ ... عجیب چیز نہیں پائی جا سکتی ...

تاج پوشی کی رسم کی اصلی ... "ابھیشیکا" ... یا "... رسم ہے جو تین مرکزی رسموں پر مشتمل ... صندل، خوشبو دار تیل کا قشقہ لگانا، حلف ... اٹھانے کی رسم اور تاج و تخت عطا کر کے اس کی فرمانروائی کا اعلان کرنا۔ یہ رسمیں چند ابتدائی اشلوکوں اور منتروں اور ... کی چند ظاہری رسموں کی ادائیگی کے ساتھ وہ "راج سویہ" کی رسم ... تھی جس کو پراچین ...

... ہندوستان کے ہندو ... سب سے زیادہ قدیم ... ابتدائی آرین ... ظاہری شان و شوکت ... اپنے ساتھ رکھتی ... ریتوں کو آپس میں ... نواز بنا دی گئی تھی ... اس سے زیادہ ...

... کے بیٹھنے کے لئے ایک تپائی ہوتی تھی:

ایک مرکزی دائرے کے چاروں طرف اور ان دیواروں تک جو رنگین کپڑوں سے مزین ہوتی تھیں آرین سوسائٹی کے ہر طبقے کے نمائندے موجود رہتے تھے، بوڑھے سفید بال اور مقدس لباس والے رشیوں، ویدک منتروں کے ماہر برہمنوں، جنگ آزما اور مسلح کھتریوں، ویشیوں اور شودروں اور قبیلوں سے تاج پوشی کا ہال بھرا رہتا تھا:

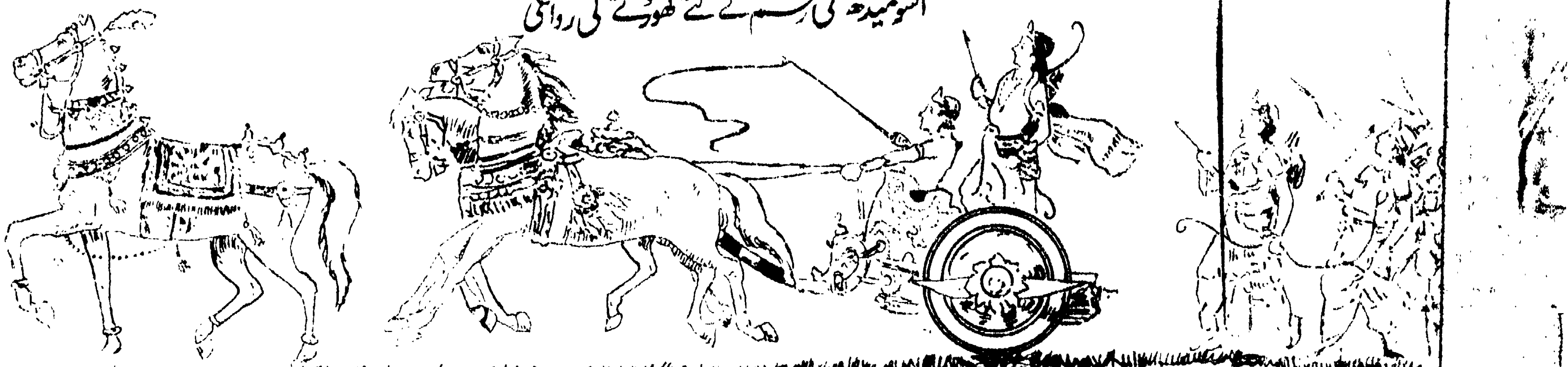
پروہتوں کی متعین کی ہوئی نیک ساعت اور شبھ گھڑی پر ہونے والا راجہ اس ہال میں داخل ہوتا تھا۔ گنڈی کے پاس اپنی تپائی پر بیٹھ جاتا تھا۔ راجہ کسی پُر شوکت اور شاندار لباس

اور منتروں کے آخری الفاظ پڑھے جا چکے ہوتے تھے مجمع میں سے چار آدمی اٹھتے تھے۔ ایک برہمن، ایک کھتری، ایک ویشیہ اور ایک شودر اور یہ چاروں آدمی باری باری اپنے راجہ کو مقدس پانی سے غسل دیتے تھے۔ (چھوت کی لعنت کے حامیوں کو غور کرنا چاہئے۔ ایڈیٹر) آرین سوسائٹی کے یہ چاروں نمائندے راجہ کو نہلا کر یہ ثابت کرتے تھے کہ وہ چاروں طبقے کا حکمران ہے اور مقدس پانی، تمام سمندروں، دریاؤں، جھیلوں اور پہاڑی چشموں سے جمع کر کے لایا جاتا تھا جس سے یہ ظاہر کرانا مراد تھا کہ راجہ ان تمام خطہ ہائے زمین کا فرمانروا ہے جن کی فرمانروائی اس کی رعایا نے اس کے سپرد کی ہے:

اور سیاسیات کے تمام فرائض ادا کروں گا اور کبھی بے انصافی نہیں کروں گا"

راجہ جب حلف کے الفاظ کہہ چکتا تھا تو سب سے بڑا برہمن اس پر مقدس پانی کے چند چھینٹے ڈالتا تھا۔ اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہتا جاتا تھا: "اے راجہ میں تجھ پر سوم کی عظمت سورج کی شان و شوکت، اگنی کی حرارت اور اندر کی طاقت کے چھینٹے دیتا ہوں۔ تُو اپنی فرمانروائی میں بے مثال ہو اور دشمنوں پر ہمیشہ فتح پائے، تُو تمام حکمراں طاقتوں کا محافظ ہے۔ اے لوگو! یہ شخص تمہارا اور ہمارا راجہ ہے"

اب راجہ اپنے سنگھاسن کے تین زینوں پر چڑھتا تھا اور اس سے قبل کہ وہ سنگھاسن پر براجمان ہو رسمی طور پر ان الفاظ میں اسے بادشاہت عطا کر دی جاتی تھی "اے راجہ! تجھے یہ سلطنت دی جاتی ہے تو اس کا ہادی اور رہنما ہے اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے تجھے طاقت اور استقلال سے کام لینا چاہئے۔ اے راجہ! تجھے یہ سلطنت زراعت کی ترقی اور



"اسومیدھ" کی رسم کے لئے "گھوڑے" کی روانگی

(مسٹر ایس، پی کلکارنی کے شکریہ کے ساتھ)

آرین زمانہ میں اصلی تاج پوشی اور تخت نشینی کی رسم کہا جا سکتا ہے:

آئینی اور دستوری اعتبار سے اس رسم میں کتنے وسیع اور عظیم معنی پنہاں تھے ان کا کافی اندازہ لگانا اسوقت تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک ہم اپنے تصور کی دنیا کو پانچ ہزار برس پہلے کے قدیم ہندوستان تک واپس نہ لے جائیں، صرف اسی حالت میں ... شوکت رسوم کی تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے آ سکتی ہے:

پراچین آرین تاجپوشی ... دربار کی طرح کوئی باہر کی رسم نہ تھی بلکہ حقیقت میں ... انگی اور اندرونی رسم تھی جو راجہ کے محل کے بڑے کمرے ... خاص میں ادا کی جاتی تھی، ایک کھلی ہوئی جگہ ... سرے پر سنگھاسن رکھا جاتا تھا جس پر شیر کی کھال ... تی تھی اور جس کے دونوں بازوؤں پر شیر دہانے ہوتے ... اس جگہ کے دوسرے سرے پر شاہی تخت کے سامنے گنڈ ... بھی رکھی جاتی تھی جس کے ایک طرف پروہت اور پجاری ... اور دوسری طرف ...

میں نہیں بلکہ ایک سادہ اور سفید لباس میں ملبوس ہوتا تھا۔ اس کے بیٹھ جانے کے بعد "ہون" شروع ہوتا تھا آگ میں گھی اور متعدد خوشبو کی چیزیں ڈالی جاتی تھیں، اور برہمن لوگ بہ آواز بلند ضروری منتروں کو پڑھ پڑھ کر دیوتاؤں سے یہ دعائیں کرتے تھے کہ وہ ان کے راجہ کو شاہانہ اچھائیاں اور نیکیاں عطا کریں، حکمرانی کی طاقت، زمین کی پیداوار، ہرے بھرے درختوں اور گئوؤں کی حفاظت، سچائی، خوش بیانی، قانون و انصاف کی نگرانی اور اس طرح کی تمام خوبیاں مختلف دیوتاؤں سے طلب کی جاتی تھیں:

پراچین ہندوستان کے لوگ اس حقیقت کو جانتے تھے کہ انسان کو تمام اچھے اوصاف دیوتاؤں کی طرف سے عطا کئے جا سکتے ہیں مگر فرمانروائی کا اختیار یعنی راجہ کا عہدہ پرجا ہی کی طرف سے دیا جا سکتا ہے (یعنی دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ راجہ اسی وقت راجہ ہو سکتا ہے جب پرجا اس کو راجہ بنائے اور یہی اصول انتخاب جمہوریت کی اصلی روح ہے۔ ایڈیٹر) اس لئے جوں ہی "ہون" ... ہوتی تھی

حلف تاجپوشی

پہلی رسوم ختم ہو جانے کے بعد راجہ کو اس کا خلعت اور تاج پہنایا جاتا تھا اور جب وہ چند قدم چل کر سنگھاسن کے قریب بچھی ہوئی شیر کی کھال پر کھڑا ہوتا تھا تو بہت لوگ زمین و آسمان کو مخاطب کر کے اس کی بادشاہت کا اعلان کرتے تھے اس کے بعد وہ رسم ادا کی جاتی تھی جو سب سے زیادہ اہم تھی یعنی حلف تاج پوشی۔ اس حلف کے الفاظ جو راجہ کے منہ سے ادا کئے جاتے تھے اتنے باثر، اتنے مقدس اور اتنے پُر معنی ہوتے تھے کہ ہندو تاریخ یقیناً اس پر فخر کر سکتی ہے۔ وہ الفاظ یہ تھے:-

"اگر میں اپنی پرجا پر ظلم کروں یا ان کو کسی طرح کا نقصان پہنچاؤں تو پیدائش سے لے کر موت تک کی تمام نیکیاں مجھ سے چھین لی جائیں، اور میں اپنی زندگی، اولاد اور آخری نجات سے محروم کر دیا جاؤں، میں اپنی حکومت کو اس طرح چلاؤں گا جیسے خود دیوتا مجھے چلاتے ہیں، ... تمام اخلاقیات

پرجا کی بہبودی اور خوشحالی کے لئے دی جاتی ہے":

اس کے بعد راجہ تخت نشین ہوتا تھا اور چند منٹ تک سنگھاسن پر بیٹھ کر چپ رہتا تھا۔ اور اپنے شاندار رتھ میں ایک جلوس کے ساتھ شہر کا دورہ کرتا تھا۔ واپس آ کر پھر اپنے تخت پر بیٹھتا تھا۔ اور اس کی پرجا وفاداری کا ثبوت پیش کرتی تھی۔ پہلے پانچ برہمن ہرن کی کھال میں ملبوس ہو کر راجہ کے تخت کے سامنے سے گزرتے تھے اس کو پرنام کرتے تھے اور یہ کہتے تھے "اے راجہ تو بڑی طاقت والا ہے اور یہ طاقت تجھے ان لوگوں نے دی ہے جنہوں نے تجھے اپنا راجہ منتخب کیا ہے" اس کے بعد اسی طرح باری باری کھتری، ویشیہ اور شودر بھی اپنی وفاداری کا اظہار کرتے تھے:

... تقریب کا اصلی ... حصہ یہاں پر ختم ہو جاتا تھا۔ لیکن اس کے بعد کچھ ضمنی رسوم ادا عمل میں لائی جاتی تھیں جن سے ظاہر ... صورتوں ... تمام حقوق کا اعلان کیا جاتا ہے جو آرین قوم کو بہت زیادہ عزیز تھیں پہلی رسم ... پر ...

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحے سے

ایک نکڑی کی عصا کے وجہ کے ...کو چھوتا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ حکمراں کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ وہ قانون اور آئین سے اوپر ہوا ... نہیں ہے۔ بلکہ نیچے ہے۔ اس کے بعد ... کو ایک نکڑی کی تلوار دے کر یہ کہتا تھا کہ اس کے ذریعے مجھ پر حکمرانی کیجئے مگر ... چاہے اس تلوار کو لے کر اپنے پاس نہیں رکھتا تھا بلکہ سلطنت کے کام ... کو واپس کر دیتا تھا وہ یہ کہتا تھا کہ اس کے ذریعے سے میری ... کیجئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر بہتر سے بہتر ... کوئی ... حالِ حکومت کا اخلاقی عمل حاصل نہ ہو تو وہ سلطنت کو بھی طرح نہیں چلا سکتا۔

یقیناً وہ ... رسوم میں ... ہندستان میں ... راجاؤں کی تاج پوشی ہوتی تھی ... مقصد ... جاتا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کی ہر ایک ... تاج پوشی کے ... میں اپنا اپنا پارٹ ادا کرتے تھے لیکن بعد کو ... سلطنتیں ختم ہو گئیں تو ... کا عہدہ بھی ... ہو گیا پھر بھی تاج پوشی کی وہی پرانی ... جاری رکھی گئیں۔ ایک طرف تو اس کی آئینی حیثیت کم ہو گئی اور دوسری طرف شان و شوکت اور شاہانہ جلوس ... ہوتا گیا تخت ... پر ... جو اہر کا ... سنگھاسن ... طلائی ستونوں کے ذریعہ ... نصب کیا جانے لگا ... تاج پوشی کے ... میں ... مبتدل ہو گیا ... کے لئے رکھنے کی جگہ ... استعمال کیا جانے لگا ...

... اس رسم کو ... کی تکمیل ہوگی

اس رسم کو ... کہتے تھے۔ جب کوئی ... ہمیں ... "EMPEROR" یعنی تخت نشینی کے بعد ... تھا کہ اس کے قریب ... اس کی شہنشاہیت

... بالا ... کو مان لیں تو ... سیلہ گھوڑا ... ضروری رسوم کی ادائیگی کے بعد اس طرح چھوڑ دیا جاتا تھا کہ جدھر اس کا جی چاہے چلا جائے اور دوسرے راجاؤں کی ... میں جگہ لگاتا رہے۔ اس گھوڑے کے ساتھ ایک ... کا مقرر کردہ ایک نشانہ ہوتا تھا جس کے پیچھے ... کی فوج چلا کرتی تھی۔

... حکومت میں ... گھوڑے کے ... اگر ... سمجھا جاتا تھا کہ ... کاربیاست ...

... چیلنج کرتا ... اور اس کا ... وہ ... حالت میں ... جنگ کرنا ہوتا تھا اگر اس جنگ میں ... کا دعویٰ باطل سمجھا جاتا تھا ... لیکن اگر شکست ہوتی تھی تو ... جنا ہوتا تھا۔

اسوسیدھ کا گھوڑا ... پر دیکھئے اسی طرح ... پہلے ایک سال تک ایک ... دوسری ... سفر کیا کرتا تھا۔ اور ... جب وہ گھر واپس آتا تھا تو اس گھوڑے کو تمام ... ماجدوں کی موجودگی میں ... کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا تھا۔

اسومیدھ کی رسم کا مطلب بہت صاف اور غیر مشتبہ ہے ... گھوڑا ... سب سے زیادہ تیز جانور ... ہی کی ... علامت ... اور ... کی طرح ... کے پیچھے ...

... کو نے دیتے تھے اور سونے کی بڑی بڑی ... سے واپس لیتے تھے اور ...

... انتظام کیا جاتا تھا ... کھلایا جاتا تھا۔ ... ولوت وغیرہ تقسیم کئے جاتے تھے۔ بعد کے ... اسومیدھ کی رسم کو ترک کر دیا گیا ... پانچ ... تاج پوشی کی ... کی تحت ... باقی تھی کہ ... ایک ... کے تحت ... اس کی زندگی کی ... کے کام کے لئے مخصوص ہو جاتی تھی کہ وہ اپنی ... کی کوشش کرتا ہے۔

... ہندو دیشں کی مثال اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے؟ ... کا خیال یہ تھا کہ سلطنت اور حکومت جب تک کہ خدا کی عبادت اور ... کی خدمت کے لئے نہ ہو اس کی کوئی اہمیت اور کوئی حیثیت نہیں ہے۔

چنانچہ ہندو شہنشاہوں کے عہد میں اسومیدھ کی رسم بھی زیادہ شان و شوکت سے مزین کی گئی۔ گھوڑا جب اپنے کامیاب اور فاتحانہ سفر سے واپس آتا تھا تو اس خوشی میں چند روز چراغاں کئے جاتے تھے اور جشن منائے جاتے تھے ... دیتے ... جاؤں اور ... کے لئے

تیج ویکلی دہلی

۴ مئی ۱۹۳۷ء

کانگریس ورکنگ کمیٹی کا فیصلہ

حکومت کیلئے اقدام کا بہترین موقع

اُن چھ صوبوں میں جہاں کانگریس نے انتخابات کی مہم میں کامل اکثریت حاصل کی ہے کانگریسی وزارتوں کے قیام کے متعلق جس وقت سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس منعقدہ دہلی میں پاس شدہ "شرط" حکومت کے سامنے پیش کی گئی تھی اس وقت سے اب تک حکومت کے بعض ذمہ دار افسروں، برطانوی سیاست دانوں اور ہندوستان کے سربرآوردہ لیڈروں کے درمیان سوال و جواب کا ایک طویل سلسلہ جاری تھا۔ اگر اس سلسلہ میں آئین و قانون کے ماہروں کا نام لیا جائے تو پروفیسر بیری ڈیل کیتھ اور سر تیج بہادر سپرو وغیرہ کے بیانات ہمارے سامنے تھے، اور اگر برطانوی سیاست دانوں اور ہندوستانی رہنماؤں کی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو لارڈ زٹلینڈ، لارڈ لوتھین، مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو وغیرہ کے متعدد بیانات بھی شائع ہوئے، مگر جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کے تمام سربرآوردہ حضرت کی رائیں ان کی شخصی اور انفرادی رائیں تھیں بہ حیثیت پریزیڈنٹ کے مستند ہونے کی حیثیت سے البتہ مہاتما جی کی رائے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی، مگر انہوں نے بھی یہ اعلان فرما دیا تھا کہ اس سلسلہ میں وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اُن کے ذاتی خیالات ہیں، کانگریس کی طرف سے اصلی جواب کانگریس کی ورکنگ کمیٹی ہی دے سکتی ہے۔

اس کے بعد ملک بھر میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے فیصلہ کا بے چینی سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ معاملہ بہت اہم تھا۔ ملک نے انتخابات میں جس سرگرمی اور جوش و خروش کے ساتھ حصہ لے کر کانگریسی اُمیدواروں کو کامیاب بنایا تھا اس کا خمار ابھی دلوں میں موجود تھا۔ بالخصوص چھ صوبوں میں جہاں کانگریس کو اکثریت حاصل ہوئی تھی، غریب کسانوں، ٹیکس دہندوں اور افلاس زدہ لوگوں کی آنکھیں کانگریسی وزارتوں کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ برسر اقتدار آتے ہی ان کی فلاح و بہبود کی کوشش کریں گی، اپنے "مینی فسٹو" میں شائع شدہ پروگرام پر عمل کر کے غریب ہندوستانیوں کے حالات کو بہتر بنائینگی، لیکن صورت حال دفعتاً بدل گئی اور حکومت نے کانگریس کی پیش کردہ معمولی سی شرط کو جو معنوی اعتبار سے صرف اتنی ہی تھی کہ وزراء کے اُن روزانہ کاموں میں جو دائرۂ آئین کے اندر ہوں گورنروں کی طرف سے مداخلت نہیں کی جائیگی، ٹھکرا کر حالات کی کایا پلٹ کر دی، اور ہندوستان میں تلخی اور بےچینی کا پھر ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ ان حالات کے پیش نظر ملک کا انتہائی بےچینی کے ساتھ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے فیصلہ کا انتظار کرنا بالکل حق بجانب اور ایک فطری امر تھا۔

وہ فیصلہ اب ہمارے سامنے ہے۔ ورکنگ کمیٹی نے الہ آباد میں ۲۸ اپریل کو ہماری ریزولیوشن ملک کے سامنے پیش کر دیا اور لوگوں کے انتشار کو رفع کرنے کے لئے اس نے اپنے فیصلہ کا اعلان ایسے صاف اور غیر مشتبہ لفظوں میں کر دیا کہ اس کے صرف ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ جب تک حکومت کی طرف سے اس بات کا یقین نہ دلایا جائے کہ وزراء کے آئینی کاموں میں گورنروں کی طرف سے مداخلت نہیں کی جائے گی کانگریسی ممبران اسمبلی اپنی وزارت جو حقیقی اکثریت کی وزارت ہوتی قائم نہیں کرینگے یہاں پر ہم پورے ریزولیوشن کے الفاظ کو نقل کرنا نہیں چاہتے لیکن ان کے چند ضروری نکتے پیش کر کے صرف یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ یہ ریزولیوشن اگرچہ ایک خوددار، باوقار اور ملک کی نمائندہ کمیٹی کا آخری فیصلہ ہے تاہم اس نے سمجھوتہ کا دروازہ بند نہیں کیا ہے صرف اس کمیٹی کا نہیں بلکہ آئین و قانون کے مشہور ماہروں کا بھی یہی خیال ہے کہ آئین کے اندر رہ کر سمجھوتہ کا مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے ورکنگ کمیٹی پھر اس بات کا اعادہ کرتی ہے کہ اس کی شرط میں آئین کی ترمیم شامل نہیں ہے، اور نہ وہ گورنروں سے اس اختیار کو چھین لینا چاہتی ہے جو وزراء سے سخت یا اختلاف کی حالت میں ان کو معزول یا برطرف کر دینے کے لئے گورنروں کو حاصل ہے وہ صرف اسی قدر چاہتی ہے کہ گورنر اپنی مداخلتوں سے ایسے حالات پیدا نہ کریں کہ وزراء کو اپنی ذمہ داری پر مستعفی ہونا پڑے بلکہ گورنر خود ان کو معزول کرنے کی ذمہ داری لے لیں ... ... اور فیصلہ کو برطرف کر کے نیا انتخاب جاری کر دیا جائے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آئین کے رو سے یہ مطالبہ بالکل صحیح ہے

یہاں پر یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ وزراء کے خود مستعفی ہونے اور گورنر کے حکم سے معزول کئے جانے میں کیا فرق

آئینۂ خیال

وزیرستان میں فوجی حکمرانی!

پچھلے ہفتہ میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ وزیرستان کے قبائلی خطوں میں حکومت نے مارشل لا جاری کر دیا ہے اور اس کا سیاسی کنٹرول فوجی حکام کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے، وزیرستان کے معاملہ پر ملک میں کچھ غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں، کچھ ہندوستانی لوگ اور ان کے ساتھ ساتھ نیم سرکاری طبقہ سرحد کی اس ہنگامہ آرائی کو فقیر ایپی کی طرف منسوب کرتا ہے جس نے وزیرستان کے چند قبیلوں میں اندرونی شورش پیدا کر دی ہے اور ان کو مذہب کے نام پر شر و فساد کی ترغیب دے رہا ہے، ہندوستان کے ایک دوسرے طبقہ کا خیال ہے کہ یہ سارا کھیل حکومت کی طرف سے کھیلا جا رہا ہے، وہ چاہتی ہے کہ آزاد علاقہ میں سڑکیں بنائے مورچہ بندی کرے اور مغرب کی طرف سے

باقی نوٹ اگلے صفحہ پر

ہے تو اس کے جواب میں موجودہ صورت حال موجود ہے جس طرح آج کانگریس کی طرف سے انکار کے بعد چھ صوبوں میں عارضی اور نقلی وزارتیں قائم کر دی گئی ہیں اور اسمبلیوں کا پہلا اجلاس بھی منعقد نہیں کیا گیا بلکہ معرض التوا میں ڈال دیا گیا ہے اسی طرح کل کو بھی اگر کانگریسی وزراء عہدے قبول کرنے کے بعد مستعفی ہو جائیں گے تو یہی طریقہ بہ آسانی اختیار کیا جائے گا۔ اور پھر جمود کی ساری ذمہ داری کانگریسی وزراء پر عائد کی جائے گی، لیکن گورنر اگر کانگریسی وزارت کو برخاست و برطرف کر کے نئے انتخابات جلدی کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کانگریسی ممبروں کی اکثریت، بلکہ اس وقت سے کہیں زیادہ بھاری اکثریت پھر اسمبلیوں میں آ پہنچے گی۔

بہرحال۔ اب آئینی نکتوں پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے جیسا کہ مسٹر بٹلر نے کہا ہے اگر گورنروں کے خصوصی اختیارات اس لئے نہیں ہیں کہ وزراء کے روزانہ کاموں میں ان کے ذریعہ مداخلت کی جائے اور جیسا کہ کانگریس کا مطالبہ ہے کہ اگر وہ اپنے "مینی فسٹو" کے پروگرام پر عمل کرے تو گورنروں کی طرف سے مداخلت نہ کرنے کا یقین دلا دیا جائے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آئندہ کیا ہونا چاہیئے ؟ تو اس کا حل کچھ مشکل نہیں ہے۔ حکومت کی طرف سے یہ اقدام ہونا چاہیئے کہ کانگریس کے لیڈروں سے گفت و شنید کر کے اگر کوئی غلط فہمی ہے تو اس کو رفع کر دے۔ صوبجاتی اسمبلیوں کے اجلاس کو اب تک نہ بلانے کے باعث ملک میں بڑی بداعتمادی اور بےچینی پھیل رہی ہے، گورنروں کو چاہیئے کہ فوراً اسمبلیوں کا اجلاس منعقد کریں عارضی اور نقلی وزراء جلد سے جلد برطرف کر دیے جائیں، اور کانگریس کو دعوت دی جائے کہ وہ اپنے "مینی فسٹو" کے پروگرام پر عملدرآمد کرنے کے لئے اپنی اکثریت والے صوبوں میں وزارتیں قائم کرے، حکومت برطانیہ کے سامنے اس وقت خود مسٹر لائڈ جارج کی رائے موجود ہے کہ جدید آئین نے ہندوستان کو تقریباً کچھ نہیں دیا ہے۔ اس لئے ہندوستان کی سب سے زیادہ طاقتور آرگنائزیشن کی تائید برطانیہ کو حاصل نہ ہو سکی، اس وقت یہ موقعہ نہیں ہے کہ جدید آئین کو زبردستی اس کے سر منڈھا جائے بلکہ یہ کہ اس سے صلح کر لی جائے، کیا برطانی سیاست داں اور مدبرین اس اہم خیال کے پیش نظر کانگریس کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں گے ؟

اس آرٹیکل کے پریس میں جانے کے وقت الہ آباد سے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کی کارروائیوں کے متعلق تازہ اطلاعات آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس کی کیبنٹ کانگریس کے آئندہ کاموں کے متعلق نہایت اہم فیصلے کرنے میں مشغول ہے اور مہاتما گاندھی کی بعض تجویزوں پر انہیں گھنٹہ تک غور و بحث کرنے کے بعد بھی ارکان کمیٹی ابھی کسی آخری فیصلہ پر نہیں پہنچے ہیں، یہ تجویزیں کیا ہیں ابھی کسی کو معلوم نہیں، لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ملک کے مستقبل کے لئے ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے، اس اطلاع میں ایک دوسرا اشارہ بھی ہے جس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مہاتما گاندھی پھر کسی عام اور وسیع تحریک کی رہنمائی کرنے والے ہیں ؟ ورکنگ کمیٹی کے ایک ممبر نے اس خیال کا اظہار بھی کیا ہے کہ چونکہ حکومت اور کانگریس کے درمیان اختلاف کی خلیج وسیع ہو چکی ہے اس لئے حصول آزادی کے آنے والی جدوجہد کی روشنی میں ایک پروگرام مرتب کیا جا رہا ہے۔ بہرحال جب تک کوئی فیصلہ ہمارے سامنے نہیں ہے ہم اس پر رائے زنی نہیں کر سکتے۔ لیکن حکومت کے جسم و دماغ میں جو پرسٹیج کا پرانا مرض موجود ہے اس پر نظر کرنے کے بعد بھی آئندہ حالات خطرے سے خالی نظر نہیں آتے، دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ ہم اب تک یہ کہنے کی ہمت نہیں کرتے کہ حکومت اور کانگریس کے درمیان گفت و شنید کا دروازہ ایسا بند ہو گیا ہے کہ کھل ہی نہیں سکتا۔ ہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ اب صرف بیانات اور سوال و جواب سے کام نہ لیا جائے بلکہ ذاتی ملاقاتوں اور بات چیت کے ذریعہ اس جمود کا حل پیدا کیا جائے، سب کا خیال یہی ہے کہ وائسرائے کو چاہیئے کہ مہاتما گاندھی کو ملاقات کی دعوت دیں، لیکن عمل کرنا لارڈ لنلتھگو کے اختیار کی بات ہے۔

پچھلے صفحہ کے باقی نوٹ

ہندوستان پر حملہ کے خدشہ کا سدِ باب کر دیا جائے چونکہ آزاد قبائل اپنے علاقہ میں حکومتِ ہند کی اس دست اندازی کو پسند نہیں کرتے۔ اس لئے وہ شورشیں پیدا کرتے ہیں۔ ایک طرف ہمیں یہ خبر ملتی ہے کہ جب سے یہ ہنگامہ جاری ہے وزیریوں نے ہندوؤں کو اغوا کرنے اور ان کو لوٹنے کا ایک سلسلہ جاری کر رکھا ہے اسی کے ساتھ ساتھ یہ اطلاع بھی آتی ہے کہ بہت سے برٹش افسر اور ہندوستانی سپاہی مارے جا چکے ہیں پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سرکاری فوجوں کی نقل و حرکت بھی تیزی کے ساتھ جاری ہے اور ابھی تک وزیری شورش ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ ان تمام حالات کو مدِنظر رکھ کر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس پراسرار معاملہ کو صحیح زاویہ نگاہ سے دیکھنے کا ہمیں موقعہ نہیں دیا جا رہا ہے اور وزیرستان سے آنے والی خبریں ہمیں مشتبہ اور متضاد خیالات میں الجھا رہی ہیں۔ جغرافیائی حیثیت سے گلگت سے، جسے حکومت برطانیہ نے کشمیر سے لے لیا ہے، چترال، بلوچستان کی ترتیب تک ہندوستان اور افغانستان کے درمیان ایک ایسا پہاڑی علاقہ ہے جس نے اب تک کسی کی حکمرانی تسلیم نہیں کی۔ اسکی STRATEGIC یعنی فوجوں کی نقل و حرکت کے اعتبار سے جو اہمیت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ پروفیسر سندر لال کے حوالے سے ایک معاصر لکھتا ہے کہ افغانستان کے فرمانروا امیر عبدالرحمن نے ان سرحدی قبائل کے متعلق لارڈ لینسڈاؤن کو ایک خط میں یہ لکھا تھا۔ "آپ ہمیشہ ان سے مصروفِ جنگ رہیں گے یا اسی قسم کی دوسری تکلیفیں اٹھاتے رہیں گے، یہ لوگ ہمیشہ آپ پر دھاوے کرتے رہیں گے اور اگر کسی وقت کوئی بیرونی طاقت ہندوستان کی سرحد پر حملہ آور ہو گی تو یہ قبائل آپ کے بدترین دشمن ثابت ہوں گے۔" اس وقت سے ان وحشیوں کو دوست بنانے اور اطاعت و فرمانبرداری کا سبق سکھانے کے لئے حکومت ہند پوری کوشش کر رہی ہے اور تقریباً ایک کروڑ روپیہ سالانہ ان پر صرف کرتی ہے، لیکن ان قبائل نے نہ تو ابتک دوستی کی کوئی رسم بڑھایا ہے نہ اطاعت ہی قبول کی ہے۔ آجکل جو ہنگامہ ہو رہا ہے اس کی خبریں اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ جب تک وزیرستان کے پوشیدہ حالات معلوم نہ ہوں اس جنگ و جدل اور ان کے اسباب کے متعلق وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا ——

ہندوستان کی سرحد کو بیرونی حملوں سے محفوظ کرنا صرف یہ کہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے بلکہ ایک مفید، ضروری اور لازمی عمل ہے۔ لیکن اگر کسی دوسری قوم کو زبردستی غلام بنانا برطانوی امپیریلزم کی پالیسی کا ایک حصہ ہے تو ہندوستان اس کو پسند نہیں کر سکتا۔ اور اگر یہ اطلاع صحیح ہے کہ وزیریوں کو مذہبی جنون و تعصب کی بنا پر ہندوؤں ہی سے عداوت ہے اور وہ ان کو ایذا پہونچانا، لوٹنا اور اغوا کرنا چاہتے ہیں تو اس قابلِ نفرت رویہ کے متعلق سارا ہندوستان سخت سے سخت پروٹسٹ کرے گا۔ اور حکومت سے مطالبہ کرے گا کہ جلد اس کا سدِ باب کیا جائے۔ ضرورت اس کی ہے کہ ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جائے جو اپنی آنکھوں سے حالات کا معائنہ کر کے ایک صحیح اور غیر جانبدارانہ رپورٹ پبلش کرے۔

دہلی کی ہریجن بستیاں!

معاصر "ہریجن" مورخہ ۲ اپریل میں شریمتی رامیشوری نہرو کا ایک مضمون دہلی کی ہریجن بستیوں کے متعلق شائع ہوا ہے جو اس لائق ہے کہ دہلی کی میونسپلٹی اسے اپنا آئینہ بنائے اور اپنی قبیح صورت کو اس آئینہ میں دیکھے۔ ان بستیوں کی ذلیل اور گندی حالت کے متعلق "ہریجن سیوک سنگھ" کی طرف سے ایک پمفلٹ ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی تھی لیکن جو حالت اس وقت تھی وہی حالت آج تک موجود ہے۔ دہلی میونسپل کمیٹی نے گزشتہ تین چار سال کے اندر ان کو بہتر بنانے اور یہاں کی غلاظت اور گندگی کے خاتمہ کی کوئی کامیاب کوشش نہیں کی ہے۔ وہ حالت کیا ہے؟ اس کو بیان کرنے کے لئے الفاظ کافی نہیں ہو سکتے۔ شریمتی رامیشوری نہرو کہتی ہیں کہ زندگی کا سب سے بڑا صدمہ مجھے ان بستیوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر ہوا۔ ایک زمانہ میں [illegible] نے بستی [illegible] کو دیکھا تھا اور اسے جہنم کی جگہ کا نام دیا تھا، تمام دوسری ہریجن بستیوں کا اب تک یہی حال ہے اور [illegible] کا سب سے بڑا خطرہ [illegible] ہے کہ سارے ہندوستان میں اسکی حالت [illegible]۔ شریمتی رامیشوری نہرو کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہریجن بستیوں کو صاف کرنے یا ہریجنوں کے لئے انسانوں کی طرح رہائش کا ذریعہ پیدا کرنے کے لئے فنڈ کی کمی کا بہانہ کیا جاتا ہے، جب باغوں، سڑکوں، روشنی کے لئے برقی قمقموں اور دیگر چیزوں کے لئے روپیہ کی کمی نہیں ہوتی تو اس فوری اصلاحی کام کے لئے روپیہ کیوں نہیں پیدا کیا جاتا؟ کیا اب بھی شریمتی جی کی اپیل دہلی میونسپلٹی کے بند کانوں کو کھول کر اس کو عمل کی طرف رجوع کر سکتی ہے؟

ابتدائی تعلیم کی رپورٹ!

ابتدائی تعلیم کے متعلق حکومتِ ہند کے ایجوکیشنل کمشنر کی رپورٹ جو ابھی شائع ہوئی ہے اس پر غالباً پبلک توجہ کا کوئی اظہار نہیں کیا جائے گا [illegible] حکومت کے تعمیری کاموں کی رفتار اس قدر سست ہے کہ ۳۲-۱۹۳۱ء کی رپورٹ ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ دوسرے یہ رپورٹ بھی اسی طرح کی ہے جیسی حکومت کی دوسری رپورٹیں ہوا کرتی ہیں۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں اس متمدن دنیا میں تعلیم یافتہ لوگوں کا اوسط تمام ممالک سے کم ہے اور جہاں ابتدائی تعلیم کے لئے ہر لڑکے پر تقریباً تین روپیہ چھ آنہ زیادہ کی رقم سالانہ خرچ کی جاتی ہے۔ البتہ اس رپورٹ کا صرف ایک دلچسپ پہلو ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سو پچہتر سال کی برطانی حکمرانی کے دور میں ہندوستان میں تعلیم کا ایسا فقدان ہے جس پر خود حکومت اور ہندوستان کو شرم آنی چاہیئے۔ ہماری حکومت کے پاس فوج کے اخراجات، اور بڑی بڑی تنخواہوں کے لئے بجٹ میں روپیہ کی کبھی کوئی کمی نہیں ہوتی لیکن جب تعلیم اور دیگر پبلک مفاد کے کاموں کی نوبت آتی ہے تو رنگ کٹ جاتی ہے اور روپیہ کی کمی کا دکھڑا رویا جاتا ہے۔ اب تعلیم ایک صوباتی مسئلہ ہے مگر جب تک صوباتی وزارتیں نیم سرکاری زنجیروں میں ہیں حالات کی بہتری کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

مسٹر آصف علی کی اپیل

دہلی کے مشہور قوم پرست لیڈر مسٹر آصف علی نے درمیانے تعلیم یافتہ طبقہ کے بیروزگاروں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے متاثر ہو کر اخبارات میں ایک اپیل شائع کی ہے کہ ان کو امداد پہنچانے اور روزگار کے ذرائع پیدا کرنے کے لئے ہر مقام پر کوئی منظم فوری کوشش کرنی چاہیئے۔ انہوں نے اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر لکھا ہے کہ اکثر نوجوان بیروزگار تعلیم یافتہ لڑکے ان کے پاس مشورہ یا امداد طلب کرنے کی غرض سے آتے ہیں۔ اور جب ان مصیبت کے ماروں کی آنکھوں سے مایوسی اور مجبوری کے آنسو رواں ہوتے ہیں تو انسان کا دل ہل جاتا ہے اور اسے یہ سوچنا پڑتا ہے کہ آیا سوسائٹی کی موجودہ عمارت صحیح بنیاد پر قائم ہوئی ہے یا نہیں؟ مسٹر آصف علی نے سردست دہلی کے لئے ایک مرکزی دفتر یا بیورو کے قیام کی تجویز پیش کی ہے جس میں ملازمت یا کام تلاش کرنے والے بیروزگاروں کی فہرستیں رکھی جائیں۔ اور سرکاری دفاتر، میونسپلٹی کے دفاتر، کاروباری دفاتر، دوکانیں اور بینک، ادارے اور پرائیویٹ اشخاص اپنی ضرورتیں اس مرکزی بیورو کو لکھ کر بھیجا کریں۔ اس طرح یقیناً بہت کچھ بیروزگاروں کے لئے روزگار کا ذریعہ پیدا ہو جائے گا اور یہ ادارہ بہت مفید ثابت ہوگا۔ اگر دہلی کے لئے یہ مقامی اسکیم کامیاب ثابت ہوئی تو دوسرے مقامات میں بھی اسکی تقلید کی جا سکتی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ مسٹر آصف علی کی اس خیراندیشانہ اپیل کا نہایت حوصلہ افزا جواب ان لوگوں کی طرف سے دیا جائے گا جو اس ضروری اور نیک کام میں حصہ لیکر دہلی کے بیروزگاروں کی مصیبت کو دور کرنا چاہتے ہیں۔

غیر پیشہ ور سینما سوسائٹی

بمبئی کی ماڈرن کلچرل سوسائٹی کے زیر اہتمام ایک نئی سینما سوسائٹی قائم ہوئی ہے جس کا نام "امیچر سینما سوسائٹی" یعنی غیر پیشہ وروں کی سینما سوسائٹی ہے۔ ہر متمدن قوم کی زندگی میں اب فلم کا عنصر جس طرح داخل ہو گیا ہے اور فلم سے جو قومی مفاد اخذ کئے جا سکتے ہیں ان کے پیش نظر ہم اس سوسائٹی کا خیر مقدم کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہر بڑے شہر میں ایک ایسی سوسائٹی قائم ہو جو پیشہ ور فلم سازوں کو اصلاح و ترقی کا سبق سکھا سکے۔ ایسی سوسائٹیاں برطانیہ، امریکہ اور دیگر ممالک میں ہر جگہ قائم ہیں اور نہ صرف بلند پایہ کی فلموں کیلئے بلکہ شائقینِ فلم کے لئے ان کے ذوق کی رہنمائی کا باعث ہوتی ہیں۔ امیچر سینما سوسائٹیاں اگر فلم تیار کرنے چاہیں تو ہندوستان کے تمام شہروں اور دیہاتوں میں ان کے لئے ایسے موضوعات موجود ہیں جو پردے پر آ کر قوم کی بہتری اور بہبود کا باعث ہو سکتی ہیں۔

ایک طویل سزا

بنگال کے موجودہ وزیر مالیات مسٹر نلنی رنجن سرکار کو "فضل الحق وزارت" میں شامل ہونے اور کانگریس سے بدعہدی کرنے کے سلسلہ میں بنگال پراونشل کانگریس کمیٹی نے ان کو کانگریس سے تین سال کے لئے خارج کر دیا ہے اور اس مدت کے اندر وہ کانگریس کی معمولی سے معمولی ابتدائی انجمنوں کے ممبر بھی نہیں ہو سکیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ مسٹر سرکار کا طرزِ عمل کسی سیاسی یا اخلاقی اصول کی بنا پر جائز اور معقول نہیں کہا جا سکتا۔ اور جو سخت سزا ان کو دی گئی ہے اس کے وہ مستحق تھے۔ لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ سزا کی مدت بہت طویل ہے۔ گذشتہ انتخاب کے بعض واقعات کے سلسلہ میں خود پنڈت جواہرلال نہرو نے بھی صوبجاتی کانگریس کمیٹیوں کی طرف سے دی جانے والی سزاؤں کو "ضرورت سے زیادہ سخت" کہا تھا۔ اتنی طویل سزاؤں کا ایک نقص یہ ہے کہ مجرم کے لئے اصلاح اور کفارۂ گناہ کا موقعہ باقی نہیں رہتا۔

کھدر اور علیگڑھ

علیگڑھ یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس یونین کے ایک جلسہ میں طلباء نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ غیر ملکی کپڑے کو ترک کر کے اب صرف کھدر استعمال کریں گے۔ ملک اور قوم کے لئے مسلم طلباء نے جس طرح اپنے فرض کا احساس کیا ہے اسے یقیناً ہم ایک بہتر مستقبل کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں۔ یہ بات بہت دنوں سے کہی جا رہی تھی کہ طلباء کے طبقہ میں فرقہ پرستی کے جراثیم داخل نہیں ہوئے ہیں۔ علیگڑھ نے اسکا عملی ثبوت پیش کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا یہ فیصلہ علیگڑھ یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر کیلئے جنہوں نے طلباء کو دھمکی دی تھی، ایک کھلا ہوا چیلنج ہے۔ ہم مسلم نوجوانوں کو اس نئی سپرٹ پر مبارکباد دیتے ہیں اور یونیورسٹی کے ان اعلیٰ عہدہ داروں کے طرزِ عمل پر جو امپیریلزم کا ذریعہ بننا چاہتے ہیں اظہارِ افسوس کرتے ہیں۔

پونہ میں ستیاگرہ

ہر عاقل اور ہوشمند انسان ان حالات پر افسوس کرے گا جو پونہ میں مسٹر کرندیکر کے ستیاگرہ کا باعث ہوئی ہے۔ ستیاگرہ کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہے اور جب بمبئی کی لیجسلیٹو اسمبلی کے ایک ذمہ دار ممبر نے ستیاگرہ کرنا ضروری سمجھا ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ معاملہ بہت اہم ہے اور پونہ کے لوگوں میں اس کا احساس موجود ہے کہ مندر میں موسیقی بند کرنے کا جو حکم مجسٹریٹ نے دیا ہے وہ حق بجانب نہیں ہے۔ یہ امر آفتاب کی طرح روشن ہے کہ مندروں میں موسیقی بھی پوجا کا ایک لازمی جزو سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اس پر کسی طرح کی پابندی عائد کرنا مذہبی پوجا کے طریقہ میں مداخلت کرنے کے برابر ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ مجسٹریٹ نے اپنا حکم جاری کرنے سے پہلے ہندوؤں اور مسلمانوں میں سمجھوتہ کرانے کی کوئی کوشش کی تھی یا نہیں۔ لیکن تلخیوں کو دور کرنے کے لئے اب یہ فرض سربرآوردہ لیڈروں پر عائد ہوتا ہے کہ وہ ہندوؤں کو مطمئن کر کے اس ستیاگرہ کو ختم کرانے کی کوشش کریں۔

[illegible]

لالہ زار

رودِ توی!

(از مولٰینا ظفر علی خاں)

دُعا میں نے مانگی توی کے کنارے
فرشتے بھی آمین جس پر پکارے

کہ یارب کر آزاد ہندوستاں کو
مگر خود مرے بازوؤں کے سہارے

اسی طرح آباد ہوں مسجدیں بھی
ہیں جس طرح آباد ٹھاکر دوارے

ملاتے ہیں ہند جہاں رنگ لیاں
یہ سب گھر بسائے ہوئے ہیں ہمارے

وہ وقت آگیا فصلِ گل کے جلو میں
کہ دستِ جنوں میر دکپڑے اتارے

ہر اگلشن دیں ہوا چاہتا ہے
اُدھر سے ہی ہوئے ہیں اشارے

نیا آسماں ہے نئی اس کی رونق
یہ میہر ہے چاند اور امّت ستارے

غبار اُڑنے والا ہے تہذیبِ نو کا
کہاں تک وہ اور اُس کے برقی غبارے

رودِ جمنا

(ترنج و بجلی کے خاص شاعر کے قلم سے)

گیا سیر کو جب میں جمنا کنارے
کھڑے تھے وہاں ہیچ بھارت کے پیارے

وہ ہمت کی دنیا کے چاند اور سورج
وہ چرخِ سیاست کے روشن ستارے

یہ کہتے تھے آپس میں مسرور ہو کر
کہ آزاد ہونے سب کے سہارے

مٹے جلد فرقہ پرستی کی لعنت
خلوص اور الفت کا دور آئے بارے

بپا شورِ ناقوس ہو مندروں میں
اذاں ریز ہوں مسجدوں کے منارے

ہیں پرماتما کی یہ سب جلوہ گاہیں
کہیں مسجدیں ہوں کہ ٹھاکر دوارے

یہاں تک کے غیروں نے گلچینیاں کیں
وہ گلشن لگائے ہوئے ہیں ہمارے

ہمارے قدم لینے کو آرہی ہے
عروسِ بہار اپنے گیسو سنوارے

ہے منزل قریب آگئی حریت کی
زمانہ یہی کر رہا ہے اشارے

اشارات

بابو راجندر پرشاد نے فرمایا ہے کہ کانگریس پالیسی اور پروگرام کو لیکر مسلم عوام تک پہنچنے میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔

لیکن راجندر بابو کو غالباً یہ معلوم نہیں کہ یہ مسلمانوں کے حقوق کا سوال نہیں ہے بلکہ مسٹر جناح کے "قدرتی حقوق" کا سوال ہے، بالکل اسی طرح جیسے ہندوستانیوں کی حفاظت کرنے کا حق برطانیہ کو قدرت کی طرف سے عطا کیا گیا ہے!

راجندر بابو مزید فرماتے ہیں کہ کانگریس کے پروگرام میں کسی مسلم لیڈر کے خلاف کوئی سازش نہیں ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کسی سازش کے بغیر ہی اگر فرقہ پرست لیڈروں کی لیڈری چھن جائے تو ان کی دل دردی کا مسئلہ راجندر بابو کیونکر حل کریں گے؟

اور سنئے! راجندر بابو کہتے ہیں کہ میں نے مسٹر جناح کو کوئی چیلنج نہیں دیا ہے۔

لیکن اگر اس کا یہ مطلب نکالا جائے کہ مسلم عوام مسٹر جناح کے زرخرید غلام نہیں ہیں، بلکہ اپنی اچھائی اور برائی کا فیصلہ خود کر سکتے ہیں تو مسٹر جناح کے لئے یہ چیلنج نہیں تو اور کیا ہے؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کے "اشارات" راجندر بابو اور مسٹر جناح ہی کی نذر ہو جائیں گے۔ بہرحال ایک بات اور سن لیجئے۔ راجندر بابو مسٹر جناح سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے صوبہ بہار میں اپنا کوئی امیدوار کیوں نہیں کھڑا کیا تھا؟

یہ تو یقیناً مسٹر جناح کا دل جلانے کی بات ہے یا اگر کوئی مذاق ہے تو بجا طور پر نازک مذاق ہے۔ کیونکہ اس سوال سے تو یہی اشارہ پیدا ہوتا ہے کہ مسٹر جناح سات کروڑ مسلمانوں کے غیر محدود لیڈر نہیں ہیں!

ڈیماکریٹک سوراج پارٹی کے لیڈروں نے صاف صاف اعلان کر دیا ہے کہ ان کی پارٹی کانگریس کی سہیلی بننے کو تیار نہیں ہے!

بالکل صحیح ہے، وہ پارٹی تو برٹش امپیریلزم کی خادمہ ہے!

ایک یوروپین اخبار یہ سرخی شائع کرتا ہے:۔

"پیرس میں آج کل تفریح کا کوئی سامان نہیں ہے"

یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ مسٹر جناح کے ہاتھ میں مسلم لیگ نہیں ہے۔

مسٹر نلنی رنجن سرکار کہتے ہیں کہ میں نے کانگریس کی وفاداری کے خیال سے کانگریس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔

اور اسی "وفاداری" نے ان کو وزیر مالیات بنا دیا؟

چٹکیاں

بہار کے چیف منسٹر کا قول ہے کہ صرف بڑا عہدہ کسی کو بڑا نہیں بناتا۔ بلکہ انسان کا فعل و عمل اس کو عزت و ذلت دیتا ہے۔

اس قول کی ایک مثال خود انہوں نے پیش کی ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کے بڑے عہدہ پر خود قابض ہو جانا۔

مسٹر بالڈون فرماتے ہیں: "برطانیہ کے باشندے ہمیشہ آزادی کے علمبردار رہے ہیں اور ہمیشہ سے زیادہ آج ان کا فرض ہے کہ وہ اس مقصد پر قائم رہیں"

ہندوستان، فلسطین، حبش اور اسپین کی طرف سے پُرزور تالیاں!

سر مارس ہیلٹ گورنر بہار نے نہایت پُر درد لہجہ میں کہا ہے کہ "ہم سیاسی اور اقتصادی حیثیت سے بڑے مشکل دور سے گزر رہے ہیں"

کیوں؟ کیا بات ہے؟ ملازمتوں کی تنخواہیں اور گورنروں کے خصوصی اختیارات تو بالکل محفوظ ہیں!

پروفیسر بیریڈیل کیتھ۔ لارڈ لوتھین کے اس عقیدہ کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کانگریسی رہنماؤں کو ذمہ دارانہ حکومت کا مطلب نہیں معلوم ہے۔

اگر پروفیسر کیتھ لارڈ لوتھین سے ملاقات کر کے اس حقیقت کو دریافت کریں گے تو سب کچھ سمجھ جائیں گے!

سر محمد یعقوب پر مجلس اسمبلی کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جب دوسرے لوگ بولتے رہیں تو سونا چاہئے اور جب دوسرے سوتے رہیں تو بولنا چاہئے!

ایک شہور پرند کا عقیدہ اور عمل بھی یہی ہے!

کہا جاتا ہے کہ مدراس کے انٹیرم وزراء کا یہ خیال ہے کہ صوبائی گورنمنٹ کی کسی پارٹی کو اس بات کا یقین نہیں دلا سکتے۔ ناشکرگزاری اور احسان فراموشی کی بدترین مثال ہے!

معاصر خلافت بمبئی (ہفتہ وار ایڈیشن) مطبوعہ ۲۵ اپریل سنہ ۳۷ء سرورق پر اسمبلی کے صدر سر عبدالرحیم کی تصویر چھاپ کر اس کے نیچے لکھتا ہے:۔

سر عبدالرحیم
قیمت دو آنہ

ہمارا جواب یہ ہے ؎
"نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز"

دُنیا کا عجائب خانہ

البانیا کی پانچ لاکھ عورتیں پردہ سے باہر

شاہ زوغو نے حال ہی میں ایک فرمان جاری کیا ہے جس کی رُو سے البانیا کی نصف لاکھ خواتین جو صدیوں سے پردہ کے رسم و رواج میں جکڑی ہوئی تھیں آئندہ سے پردہ کی پابند نہ رہیں گی۔ یہ حکم شاہ کی ہونے والی بیوی ہنگری کی شہزادی جنانی اپاری ہوبوید کاؤنٹس جنانی نے البانیا کی ملکہ بننے کے لئے یہ شرط پیش کی ہے کہ تمام مسلم خواتین سے پردہ کی پابندی اٹھالی جائے۔

حجامتوں کا ریکارڈ توڑ دیا

باٹن کے ایک حجام نے حال ہی میں تیس منٹوں میں ستر آدمیوں کی حجامت بنا کر دنیا کا ریکارڈ توڑ دیا۔ اس حجام کا بیان ہے کہ اس کے پاس دنیا کے تیز ترین حجامت بنانیوالے کا ڈپلومہ ہے۔ اس کا گزشتہ ریکارڈ اکتوبر ۱۹۳۱ء میں قائم ہوا تھا جبکہ اس نے ساٹھ آدمیوں کی حجامت ۲۸ منٹ میں کی اور ۷۰ آدمیوں کی حجامت ۳۶ منٹ میں پوری کی۔

ایسی جگہ جس پر بم اثر نہ کرے گا!

ساؤتھ ہالینڈ میں ایک بیرونٹ نے خفیہ طریقہ پر ایک ایسی جگہ تیار کی ہے کہ جس پر ہوائی جہاز کے بم بھی اثر انداز نہ ہوں گے۔ یہ جگہ ایک وقت میں ۱۵ آدمیوں کو بمباری سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

ایک کروڑ پونڈ والی دُلہن

حال ہی میں مسٹر ولیم بابنگٹن جو آسٹریلیا کی ذی سٹیٹ کے وزیر ہیں انہوں نے ایک بیوہ سے شادی کی ہے جس کے پاس اس وقت ایک کروڑ پونڈ موجود ہے۔

یہ جوڑا شادی کے فوراً بعد ہنی مون منانے کے لئے روم کو چل دیا ہے اسے کہتے ہیں چٹ پٹ کی دنیا۔

اندھے بھی ٹیلی ویژن دیکھ سکیں گے

مسٹر ڈبلیو۔ ایچ۔ ولسن جو ایک نوجوان ریسرچر ہے اس نے حال ہی میں اپنی معلومات سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اندھے لوگ ٹیلی ویژن کے ذریعہ اپنی انگلیوں سے محسوس کریں گے کہ کون شخص ہے۔ اگر مسٹر ولسن کا یہ تجربہ کامیاب ہو گیا تو سائنس کی معلومات میں ایک قابل قدر اضافہ ہوگا!

اٹھارہ سال میں پانچ ہزار کتابیں

امریکہ کے صوبہ نبراسکا میں ایک نوجوان فلورنز آدورڈ جس کی عمر ۱۸ سال کی ہے اپنی اس قلیل عمر میں پانچ ہزار کتابوں کا نہ صرف مطالعہ بلکہ ان پر ماہرانہ بحث و تمحیص کر چکا ہے۔

اس کی قوت حافظہ کا یہ عالم ہے کہ ایک بار جس کتاب کو دیکھ لیتا ہے وہ اس کے دماغ میں محفوظ رہ جاتی ہے۔ اور تحقیق کی یہ کیفیت ہے کہ جو تصنیف اس کی نگاہ سے گزر جاتی ہے اس کے متعلق ماہرانہ رائے قائم کرنے میں اُس کو دیر ہی نہیں لگتی علاوہ ادبیات انگریزی کے وہ علوم فلسفہ کا بھی ماہر ہے۔

انگلستان کی مشہور کھلاڑی عورت مس میریا ایلزبتھ لیلن تیس سال کی عمر میں عورت سے مرد بن گئی ہے اب یہ مسٹر ولیلن کے نام سے مشہور ہے۔

ڈنمارک میں مکھن بہت پیدا کیا جاتا ہے اوسطاً ہر دو آدمیوں کے پاس ایک گائے ہے۔

میری لینڈ (امریکہ) میں خون چوسنے والی مکھیوں کی وبا پھیلی تو کسانوں کو مجبوراً اپنی گایوں کو کپڑے پہنانے پڑے، جن کی شکل پاجامے سے ملتی تھی۔

شملے کے پاس ہمالیہ کے دامن میں ایک ایسی بکری دیکھی گئی ہے جس کے کان پندرہ انچ لمبے ہیں۔

سلیسیا (پولینڈ) میں ایک عورت ۱۸۲۷ء میں پیدا ہوئی تھی۔ اب اس کی عمر ۱۰۶ سال کی ہے۔ اس کے ۸۵ پوتے، ۱۰ پڑپوتے اور ۳۰ پوتوں کے پوتے ہیں وہ کہتی ہے کہ دل زندہ رہنا چاہیئے پھر بڑھاپے کی کوئی پروا نہیں۔

— یورپ کے ایلپس پہاڑ کی سُرنگ سوا بارہ میل لمبی ہے۔

— ٹوکیو جاپان کا دارالخلافہ ہے اور برّ اعظم ایشیا کا سب سے بڑا شہر ہے۔ آج ٹوکیو دنیا بھر میں سب سے بڑا تیسرا شہر ہے سب سے بڑا شہر لندن ہے اور دوسرا نیویارک، ٹوکیو کی آبادی اس وقت ۵۰ لاکھ ہے اور رقبہ ایک لاکھ ۴۰ ہزار ایکڑ ہے

— پچھلے سال دنیا میں بتیس ارب شراب کی بوتلیں خرچ ہوئیں۔ سب سے زیادہ شراب امریکہ میں صرف ہوئی۔

— انگلستان میں ہر منٹ میں چائے کے ایک لاکھ ۸۰ ہزار پیالے پیئے جاتے ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں برطانیہ نے ۵۴ کروڑ پونڈ چائے خرچ کی۔

— امریکہ کے ایک ماہر اسلحہ نے ایک ایسی فیلڈ گن بنائی ہے جس کا وزن اڑھائی ہزار پونڈ ہے، اور نشانہ ۱۳½ گز تک۔

— لاس اینجلیز میں ایک عورت مسز اینیز سومین نے بارہ مردوں سے شادی کی ہے۔ ۳۳ برس کی عمر میں وہ دادی اور ۵۶ برس کی عمر میں وہ پردادی بھی ہوگئی

بڑا پاپ

افسانہ

از جناب
پنڈت کرشن مراری لال
بی۔اے
گوڑگانوہ

خاص "بیچ و بجلی" کے لئے

پیران ناتھ آپ تو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں، پرماتما جانے
کیا ہو گئی آپ چلنے کی کہتے ہیں، میں کہاں چلوں
یہ تو کچھ بتایا ہی نہیں کہ آخر چلنا کہاں ہے
مت کرو، وقت تنگ ہے میں
بتاؤں گا کہ کہاں چلنا ہے
فکر کی کوئی بات نہیں
ہے! "واہ فکر کی
بات کیوں نہیں ہے
چلنا ہے تو سامان وغیرہ کا
ظلم کرتے ہے، سفر کا موقع ہے
آخر ہیں کہ ویسے ہی پڑے رہیں
بھی تو بات کیا ہے
کوئی ساتھ ہو جگہ پر جلدی پہونچنا ہے۔ مدد موقع ہاتھ
خیر ہاں بتاؤ
معاف کچھ بیماری ہے لئے پڑے گا!
سے نکل جائے گا۔ اور کف افسوس
تو کوئی امید ہے، شکر پرماتما!

کانتا اور سری کشن تانگے میں سوار ہو اسٹیشن پر آئے اور آپ پور کے ٹکٹ خریدے، دہلی کے اسٹیشن
پر بہت زیادہ بھیڑ تھی، تل دھرنے کو بھی جگہ نہ تھی، اتوار شن کر کے دو سوار ہو گئے۔ ریلوے گاڑی جانتریوں کو
بھری ہوئی تھی، چند لمحہ کے بعد گاڑی دہلی سے روانہ ہوئی۔ کانتا نے سری کشن سے مختلف سوال کئے، مگر انہ
کسی کا بھی جواب نہ دیا۔ لاچار اس نے کہا کہ افسوس کا مقام ہے کہ جس بات کو بھی دریافت کرتی ہوں وہ تم بالکل
نہیں بتلاتے سب کچھ اس جگہ پر چل کر معلوم ہو جائے گا ایسی
سری کشن:۔ کون سی جلدی ہے؟ تم ایسی باتوں میں کیوں الجھتی ہو اور دماغ کو پریشان
کرتی ہو۔ اس طرف دیکھو کہ کیسا اچھا سبزہ نظر آ رہا ہے۔ اور نظارہ کیسا خوشنما ہے۔ نہر میں پانی
موجیں لے رہا ہے ایسا کہہ کر وہ پھر باہر کی طرف دیکھنے لگ گیا!
کانتا نے دل میں خیال کیا کہ وہ تو کسی گہرے خیال میں غرق ہیں اور چہرے سے بجائے خوشی
اور فرحت کے پژمردگی کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں، زمانہ کیسا بدل گیا کہ سوامی اپنی
استری سے اپنا غم بھی نہیں بتلاتے یا تو وہ وقت تھا کہ استری کو
ہر بات سے واقف کر دیتے تھے اور اس کی ہر طرح حفاظت کا خیال ہوتا
تھا مگر اب پتی بولتے بھی نہیں، اگر ان سے دریافت کیا جائے تو غصہ
میں ہو جاتے ہیں، کیا استری کا اپنے سوامی سے پوچھنے کا بھی حق
نہیں ہے زمانہ قدیم میں تو لوگ استری کے لئے جان دیتے تھے اور استری
بھی پتی سیوا میں رات دن ایک کرتی ہے آج کل بھی ایسا ہی ہے کیونکہ:۔
"ہر بزرگ زن است نہ ہر مرد مرد" خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد؛ عورتوں میں تو پتی سیوا
کا مادہ اب بھی ہے مگر مرد بڑا نہیں کرتے ہمدردی ملک میں تو ہوا ہی اور ہے، عورتوں کا سایہ ہی بُرا ہے،
آج میرے سوامی نے مجھ سے کوئی پچھلا بدلہ نکالا ہے۔ اس نے ہمت کر کے دوبارہ سوال کیا:۔
"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جواب بھی نہیں دیتے؟"
سری کشن:۔ مجھے نیند آ رہی ہے
اتنے میں غازی آباد کا جنگشن آ گیا۔ سری کشن پانی پینے کے
بہانہ اتر گیا۔ اور پانی پی کر پھر وہ گاڑی میں نہیں آیا چند سکینڈ کے بعد گاڑی چلدی مگر وہ اس
وقت تک آئے نہیں تھے، کانتا گھبیر پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی کہ نظر آ جائیں مگر خدا
جانے کہاں غائب ہو گئے کہ دُور تک دکھائی نہیں دئیے، اس کا پھول سا چہرہ
مرجھا گیا آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بندھ گئی، جاتری جو کہ پاس بیٹھے ہوئے تھے تسلی و تشفی
کی اور کہا، بہیر بہت ہے اپنا ڈبہ بھول گئے ہوں گے آگے مل جائیں گے مگر وہ ہاپوڑ تک نہیں آئے
وہ وہاں آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی مگر پتہ نہیں لگا وہ ایک جگہ بیٹھ کر زور زور سے رونے لگی اسٹیشن ماسٹر نے جو کہ
بہت سنجیدہ اور رحمدل تھا تمام واقعات دریافت کئے۔ اس نے عورت کو تسلی دی اور ٹیلیفون پر پچھلے اسٹیشنوں پر
دریافت کیا کہ سری کشن نام کا شخص جس کے پاس ہاپوڑ کا ٹکٹ تھا وہاں پر اترا تو نہیں ہے۔ وہاں سے کوئی جواب نہ ملا۔
دوبارہ بتایا گیا کہ وہ تعلیم یافتہ ہے نوکری کے لئے در بدر پھرا ہے آخر جواب نفی میں ملا۔
کانتا کے بدن میں کاٹو تو خون نہیں وہ غم سے زرد پڑ گئی اور بے ہوش ہو گئی جب ہوش میں آئی تو کسی اُدھیڑ
بُن میں تھی کہ کہیں اس کے سوامی کو پولیس نے گرفتار تو نہیں کر لیا۔ کبھی وہ اس کو بھی تنہا جان کر تنگ نہ کریں، دنیا
میں اب میرا کوئی مددگار نہیں، بغیر پتی کے زندگی کس کام کی! بہتر تو یہی ہے کہ زندگی کو فنا کر دوں اور مصیبت سے چھوٹوں، وہ لوگوں
کی نظریں بچا کر چل دی، اس کے پیچھے ایک بدمعاش ہو لیا۔ اس نے وہاں تو آدمیوں کے خوف کی وجہ سے کچھ نہ کہا مگر آگے
جا کر کانتا سے کہا:۔
تو یہاں کہاں جا رہی ہے؟
میں اپنی زندگی کو برباد کرنے جا رہی ہوں
تم ایسا کیوں کرتی ہو۔ تم میرے ساتھ چلو عیش سے زندگی بسر کرنا۔ میں تمہیں اپنے دل کی ملکہ بناؤں گا
نہیں میں تو اپنے جیون کو ختم کر دوں گی۔ میری زندگی کا ستارہ اب چھپ گیا ہے۔ بغیر پتی کے زندگی کس کام کی۔ جیسے
مچھلی بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح میں بھی بغیر پتی کے زندہ رہ کر کیا کروں گی تم یہاں سے چلے جاؤ بدمعاش۔
میں بدمعاش!
ہاں بدمعاش جو ایسی باتیں بناتا ہے۔ اور ایک اکیلی مصیبت زدہ استری کو قابو میں کرنا چاہتا ہے۔ میں کبھی نہیں

غزل!

[از حضرت آغا شاعر قزلباش دہلوی]

(خاص بیچ و بجلی کیلئے)

نظر کے سامنے نیلا سا آسماں کیوں ہو
جو دل جلے نہ کسی کا تو یہ دھواں کیوں ہو

چلے بھی آؤ اکیلے ہی بدگماں کیوں ہو؟
جہاں خدا ہے، وہاں غیر درمیاں کیوں ہو؟

کوئی ٹھکانہ بتا دو تو دل ٹھکانے اپنا
تم ایک جا نہیں رہتے جہاں تہاں کیوں ہو

ابھی کلی تھی ابھی پھول کھل کے مرجھایا
ہمیشگی ہو تو یہ رنگ بوستاں کیوں ہو

انھیں یہ ضد کہ پلک پر سی گر پڑیں آنسو
مجھے یہ دھیان کہ محنت یہ رائیگاں کیوں ہو

وہ مہ جمال جنھیں فرش گل پہ چین نہ تھا
لحد میں اُن سے یہ پوچھو کہ تم یہاں کیوں ہو؟

یہ سچ ہے ناظم ملک سخن ہوا شاعر
نہیں تو آج زبانوں پہ داستاں کیوں ہو

جاؤں گی، تجھے عورت ذات سے پالا کس نے بنایا ہے۔ جا چلا جا!
نہیں، میں تجھے لے کر جاؤں گا۔ وہ اس کی طرف لپکا۔
اگر تو نے میرے بدن کو ہاتھ لگایا تو تیرا سر توڑ دوں گی، وہ رونے لگی
بدمعاش، عورت کو مارنے کے لئے بڑھا ہی تھا کہ ایک سادھو وہاں آ گیا۔
اس نے کہا: او بے شرم! عورت پر ہاتھ اٹھاتے شرم نہیں آتی۔ عورت پر ہاتھ اٹھانا کہاں جائز ہے؟
تجھے ان دنیوی باتوں سے کیا مطلب، یہاں سے چلا جا۔
دنیا میں پرماتما جانے اتنے بدمعاش کہاں سے آ گئے۔ انھوں نے شیطانی کا بازار گرم کر رکھا ہے جس کو چاہا قابو میں کر لیا
ان سے کوئی جواب بھی تو طلب نہیں کرتا۔ بدمعاش کچھ ڈر گیا۔ اور الگ ہٹ گیا۔ سادھو نے لڑکی سے حقیقت دریافت کی، تو کون
ہے اور یہاں کیسے آئی؟
کانتا۔ میں ایک بدنصیب دکھیا عورت ہوں۔ میں اپنے پتی سے الگ ہو گئی، وہ نہ جانے کہاں چلے گئے۔ وہ مجھے اکیلا چھوڑ
گئے، یہ بدمعاش میرے پیچھے ہو لیا ہے۔ میں اپنی زندگی فنا کرنا چاہتی تھی کہ اتنے میں تم آ گئے۔
سادھو:۔ بیٹی زندگی کیوں برباد کرتی ہے تیرا پتی تجھ کو مل جائے گا۔
کانتا:۔ کیا کروں۔ اس کا دل بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے،
سادھو:۔ بیٹی، فکر مت کر، تو میرے ساتھ چل، میرے ساتھ رہنا آج سے تو میری دھرم کی بیٹی اور میں تیرا دھرم کا باپ!
بس اب میرے آشرم پر جو کہ نربدا کے تٹ پر ہے وہاں چل اور آرام سے رہنا۔ تیرا پتی تجھ کو مل جائے گا۔ بیٹی کانتا
سادھو کے سنگ ہو لی۔ وہ اب آشرم میں رہتی اور سادھو کا کام کرتی۔ وہاں پر خوب صفائی کرتی اور آشرم میں
بیل بوٹے خوب لگائے۔ وہ اپنا غم غلط کرنے کی خاطر درختوں کے نیچے پرندوں

باقی اگلے صفحہ پر

ہٹلر کا اُستاد

ڈاکٹر گوئبلز کی پُراسرار شخصیت اور عجیب و غریب نفسیات

(از قلم کارل لون ہینڈرری)

جس دن کہ جنرل ہنڈنبرگ نے جو صدر مملکت جرمنی تھا، ہٹلر کو جرمنی کی چانسلری اختیار کرنے کے لئے کہا، ہو گیا، برلن کے ایک رہائشی مکان میں ایک ضیافت منعقد کی گئی، بہت مختصر مگر اور پُر سکون۔ ——— آج وہ خواب منتشر تعبیر ہونے والا تھا جسے ہٹلر دس بارہ سال سے دیکھ رہا تھا۔

یہ ضیافت کوئی بھی بڑی ضیافت نہ تھی، صرف ایک مہمان تھا اور وہ اس قدر بے تکلف کہ خود گھر کا ایک ممبر سمجھا جاتا تھا۔

پال جوزف گوئبلز، دبلا پتلا، مضبوط، چالاک، تیز خرام روشن چشم، روشن دل اور فراخ حوصلہ، مسرت آمیز نیت اپنے مکان میں خاموشی سے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے ایک خوبصورت عورت بیٹھی تھی، جو اس کی شریک حیات اس وقت بن چکی تھی جب گوئبلز ایک معمولی سی ہستی تھی، اور اسے یہ خواب بھی نہ تھا کہ کسی دن وہ اس زبردست پوزیشن یا شہرت کے راستہ پر گامزن ہوگا۔

چند بچے بھی تھے، یہ بچے گوئبلز کے تھے جن کی تربیت کے بارے میں ڈاکٹر گوئبلز نے ہمیشہ فخر و مسرت محسوس کی تھی اور جن کی فطرتی اور مذہبی تربیت سے وہ مطمئن تھی۔

اور ادھر ایک شخص بیٹھا تھا۔ اڈولف ہٹلر جس کا نام تھا۔ یہ اس خاندان کا ایک بے تکلف دوست تھا۔ پچھلے سات سال میں گوئبلز کا مکان ہمیشہ اس مہمان کی مہمان داری کے لئے کھلا رہا تھا اور اس کے لئے یہ مکان سکون و اطمینان و راحت کا دوسرا نام تھا۔

اور ہٹلر

کھانا کھایا جا رہا تھا، دونوں دوستوں نے ایک دوسرے سے کھانے کے دوران میں اس چیز کا ذکر بالکل نہیں کیا جو دونوں کے دماغوں پر سب سے زیادہ غالب اثر ڈالے ہوئے تھی، ہٹلر کو اور گوئبلز دونوں کو معلوم تھا کہ وہ تاریخی وقت عنقریب آنیوالا ہے جب ہٹلر کا نام کوئی معنی رکھتا ہوگا۔

کھانے کے بعد ہٹلر نے ایک آرام کرسی گھسیٹی اور اس پر لیٹ کر اپنا مخصوص و محبوب موسیقی کا پروگرام سنتا رہا۔ پھر گوئبلز کے بچوں سے کھیلتا اور ہنستا بولتا رہا۔

دوسری رات کا ذکر ہے کہ وہ ایک شہ نشین میں کھڑا ہوا اپنے مخصوص انداز میں ان ہزاروں لاکھوں انسانوں کا سلام لے رہا تھا جو اس کی شہ نشین کے نیچے شمعیں ہاتھ میں لئے ہوئے نعرۂ مسرت سے قیامت صغریٰ برپا کرتے گزر رہے تھے۔ ہٹلر آج محسوس کر رہا تھا کہ اس کا خواب پورا ہوا۔ اور اس نے اپنی منزل مقصود کو پا لیا ہے۔

آج پہلا ہاتھ جو ہٹلر کی طرف مبارکباد دینے کے لئے بڑھا وہ ڈاکٹر گوئبلز کا تھا اور یہ وہ دن تھا جس کی دونوں بے قراری کے ساتھ راہ دیکھ رہے تھے۔

ڈاکٹر گوئبلز کا ہٹلر کی زندگی سے بہت گہرا اور قریبی تعلق ہے۔ وہ ایک عجیب و غریب ہستی کا مالک ہے۔ اسے ہٹلر کی ترقی میں بڑا دخل ہے۔ وہ ہٹلر کی امیدوں، کاموں، رازوں اور پُراسرار دلی گہرائیوں سے بخوبی واقف ہے، اس نے ہٹلر کو بنایا ہے اور ہٹلر اس عظیم ہستی کی اہمیت کو سراہتا ہے۔ صرف ایک شخص دنیا میں ایسا ہے جو ہٹلر کے دل میں اترا ہوا ہے جسے جرمنی میں گوئبلز DR. GOEBBELS ہٹلر کا ہمزاد کہا جاتا ہے۔

تاریکی کا شیطان

ڈاکٹر گوئبلز کے دشمن اور ہٹلر کے مخالفین اسے تاریکی و ظلمت کا شیطان کہتے ہیں۔ بلکہ ہٹلر کا منسٹو فلیس[1]۔ اب اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر گوئبلز کو ہٹلر کی زندگی کی ایک ایک حرکت، ذہنی چالوں اور کامیابیوں یا ناکامیوں کا پورا ذمہ وار گردانا جا سکتا ہے، ہٹلر نہیں در اصل گوئبلز ہی جرمنی پر حقیقی حکومت کرتا ہے۔ ہٹلر کا ہر قدم، اس کی ہر حرکت اور ہر نیا اور یہ سیاست گوئبلز کی نگرانی، ہدایت اور نظر انتخاب کے ماتحت ہوتا ہے۔

گوئبلز کون ہے؟

یہ گوئبلز بھی ایک عجیب ہستی ہے۔ اس کی ترقی بھی ہٹلر کی ترقی کی طرح ایک عجیب و غریب ستارہ کے طلوع کی طرح حیرت انگیز ہے۔ جب جنگ ختم ہوئی تو وہ ایک معمولی طالب علم تھا ہائیڈلبرگ کے مقام پر، اس وقت اس کی عمر ۴۸ سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے ہٹلر کے برخلاف فوج میں کبھی خدمت نہیں کی، اس کی وجہ اس کا پیدائشی لنگ ہے۔

وہ ایک بہت تیز فہم اور زیرک نوجوان تھا۔ اور بہت چھوٹی عمر میں اس نے ڈاکٹر آف فلاسفی کا علمی اعزاز حاصل کر لیا اس کے بعد وہ زندگی کی دوڑ میں شامل ہوا۔ اور ہائیڈلبرگ یونیورسٹی کی چار دیواری میں رہ کر وہ اپنے علم کی شعاعوں سے دوسروں کے سینے منور کرنے لگا۔ اور اس نے جتنا علم سیکھا تھا اس کا استعمال شروع کیا۔

جرمنی اس وقت ایک عجیب و غریب ہیجان و اضطراب کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس عہد میں بھلا فلسفہ کی موشگافیوں کو کون سنتا تھا مگر گوئبلز نے فیصلہ کیا کہ اس کی آواز تو ضرور ہی سنی جائے گی، اور اس کا انتظام کرنا چاہئے، چنانچہ اس نے ایک اخبار کی ایڈیٹری شروع کی، جو ایلبرفیلڈ سے نکلتا تھا، جرنلزم میں آنے کی وجہ سے وہ سیاسیات حاضرہ میں دخل اور رسوخ پا گیا۔

اس کے قلم سے جو مضامین نکلتے تھے آتش فشاں پہاڑ ہوتے تھے، یا صور قیامت، اور جب وہ پلیٹ فارم پر آ کر بولتا تھا تو تحریر کی طرح تقریر کی گرج سے بھی لوگ چونک جاتے تھے۔ لوگوں پر اثر اندازی کرنا اور مجمع کو مٹھی میں لے لینا اس کی زبان کا معمولی اعجاز تھا۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہ تھی اس کی تقریر میں ایسی چستی، الفاظ کی نشست میں وہ گہرا اثر ڈالنے والے نشتر نہاں ہوتے تھے کہ لوگوں کے دلوں میں پیوست ہو جاتے تھے۔ اس لئے اسے بہت جلد ایک مشہور ہستی بنا دیا۔

رُوہر RUHR

رُوہر میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ ابھی تک کسی کی ملاقات اس ہستی سے نہیں ہوئی تھی، جس نے [illegible] کے ایک نئی فروش کی دوکان سے اپنا نعرۂ جنگ بلند کیا تھا اور جس کے بعد وہ ترقی اور تسخیر کی منزلوں کا راستہ طے کرتا چلا گیا۔

ہٹلر اور گوئبلز کی ملاقات برلن میں ہوئی۔ یہاں آتش مزاج آتش نفس آتش بیاں گوئبلز نے محسوس کیا کہ سیاست کو پیشہ کے طور پر اختیار کرنے کا جو حوصلہ مند نصب العین اس نے قائم کیا تھا اس کو پورا کرنے کے لئے ہٹلر اس کا رفیق ثابت ہوگا۔

گریگر سٹراسر کی سیاسی پارٹی شمالی جرمنی میں شہرت خاص کی مالک تھی، اس کی تنظیم ڈاکٹر گوئبلز کی مرہون منت ہے، مگر اب وہ ہٹلر کا دست راست بن گیا تھا۔ ہٹلر آج کل ضلع برلن کا لیڈر تھا۔

صرف گوئبلز کی ہی ہمت افزائی اور مدد تھی جس نے ہٹلر کو ہٹلر بنانے میں مدد کی۔ گوئبلز نہ صرف ایک پیدائشی منتظم و مرتب بہت اچھا ہے بلکہ اس میں ایک خداداد قابلیت و ذہانت آنے والے حقائق و معاملات کو جانچنے اور صحیح و بروقت فیصلہ کرنے کی حیرت انگیز قوت بھی ہے۔

دراصل اس کی قوت کا راز یہ ہے کہ اسے انسانی نفسیات کا بڑا گہرا عبور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ ہٹلر کے کابینہ میں لیا گیا تو اس نے اپنے لئے جو عہدہ قبول کیا وہ "پروپیگنڈے اور تعلیمات عامہ" کا شعبہ ہے۔

اخبارات، ریڈیو، سینما، تحریر، تقریر، جلسہ، نشر و اشاعت کے ذرائع سب اس کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ یہی وہ شخص ہے جو ہٹلر کے تمام ڈرامی مظاہرات کا انتظام کرتا ہے، تقریریں اور خاص خاص فقرے عوام پر اثر ڈالنے والے تیار کر کے ہٹلر کے منہ میں دیتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جو ہٹلر کی ساری پُراسرار ترقی کا مرکزی "پاور ہاؤس" ہے۔

یہ ان تھک، میانہ قد، خوش مزاج انسان عجیب چیز ہے۔ یہی وہ ہستی ہے جو جرمنی کی اصل طاقت کا راز ہے۔

[1] ڈاکٹر فاؤسٹ نامی مشہور جرمن تمثیل کا شیطانی کردار۔

رباعی

سمجھے [illegible] سلطانِ ملک کے [illegible] ہیں ہم
[illegible] بیت [illegible] ہیں ہم
جب وقت [illegible] سنبھلے [illegible]
جب [illegible] زمین [illegible] ہیں ہم

(ج پ [illegible])

پچھلے صفحہ سے

کی آواز سُنتی تھی، پرندے اس سے اس قدر مانوس ہو گئے کہ جب وہ جاتی تو اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ اس نے ایک بندری کو پال لیا۔ اگر کانتا تنہائی میں ہوتی تھی تو وہ بندری اس کے پاس موجود ہوتی تھی۔ گو کانتا وہاں خوش تھی مگر پتی کی یاد دل میں کانٹا سا چبھو دیتی تھی، وہ اپنا وقت اکثر پرماتما کی پوجا میں گزارتی، کہ اے پرماتما میرا پتی مجھ سے ملا دے۔ اس طرح وہاں رہتے ہوئے عرصہ گزر گیا۔

بسنت کا موسم آ گیا۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے، سرسوں پھول رہی تھی، پرندے چہچہا رہے تھے غرضیکہ ہر ایک کے من میں ترنگ تھی اور اُمنگ تھی مگر کانتا کے دل میں حسرت تھی اس کا دل اچاٹ ہو رہا تھا۔ وہ اس موسم کو اکیلا محسوس کر رہی تھی اور کہتی تھی کہ استری کا بغیر پتی جیون کہاں؟

ایک دن شام کو ندی کے کنارے بیٹھی ہوئی لہروں کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی کہ پورب کی طرف سے کچھ دوری کے فاصلہ پر ایک شخص دکھائی دیا وہ درخت پر چڑھ کر رسی کا پھندا ڈال رہا تھا، رسی باندھ کر نیچے اترا۔ اور وہاں پتھر رکھے، کانتا سب کچھ دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر میں وہ پھندے کی طرف گیا اور سر کا پھندے میں ڈالنا ہی تھا کہ وہ وہاں پہونچی، ہنس کے اس کو [illegible] آدمی ہو کر شرم تو نہیں آتی کہ ایسا برا فعل کرتے ہو اور گناہ کے مرتکب ہوتے ہو وہ فوراً اٹھ گیا۔ اور دیکھا آنکھیں چار ہوئیں۔ اور شرم سے آنکھیں نیچی کر لیں، کانتا کو پہچان لیا۔

کانتا تم کہاں؟

سوامی آپ یہاں کہاں؟ دونوں بغلگیر ہو گئے اور آنسوؤں کی لڑی بندھ گئی، کانتا نے اپنی داستان از سر نو سنائی اور سوامی کو آشرم میں لے گئی۔ سری کشن گم شدہ پتنی کو پا کر خوش ہوا اور کانتا بھی مل کر بہت ہی نہال تھی کہ پھر دوبارہ ملاپ ہوا اور زندگی دوسری زندگی ہو گئی۔

مزاحیہ

سودا

از جناب کوثر چاند پوری

سودا ست ہماری مراد جنون یا مراق نہیں ہے نہ وہ سودا مراد ہے جسے خیاط عنون کی تلچھٹ کہا کرتے ہیں اور جس کی اصلاح کے لئے ان کے یہاں "ماء الجبن" والا نسخہ تجویز کیا جاتا ہے بلکہ مقصد اس "سودا" کی تباہ کاریوں کا بیان کرنا ہے جو اکثر شریف اور اطاعت شعار آدمی بیوی کے کہنے یا ڈانٹنے یا ذرا خفا ہو جانے کے خوف سے بازار سے خرید کر احتیاط کے ساتھ رومال میں باندھ لاتے ہیں یا کوٹ کی جیبوں میں بھر لاتے ہیں، اور گھر آتے ہی بیچے ہوئے چیلوں کے ساتھ تمام سودا بیوی کے حوالے کر کے اور سبکے ساتھ منتظر رہتے ہیں کہ وہ کس چیز کو پسند کر کے رکھتی ہیں اور کس کو ناپسند کر دینے کے بعد واپس کرنے کا حکم صادر فرماتی ہیں یہ وقت نہایت نازک ہوتا ہے کیونکہ ہر چیز آپ احتیاط سے چھانٹ کر لائے ہیں اور دوکاندار سے لڑ جھگڑ کر دو چار مرتبہ اسے بدل بھی لیا ہے، ایسی صورت میں اسے پھینے جانا کسی طرح اقدام توہین سے کم نہیں، چنانچہ جب وہ اپنی حنا آلود انگلیوں سے رومال کی گرہ کھول کر آپ کے لائے ہوئے "سودا" کا معائنہ شروع کرتی ہیں تو آپ دل ہی دل میں دعا کرتے ہیں کہ خدا کرے کوئی چیز ناپسند نہ ہو، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک گنہگار شوہر کی ہر دعا مقبول ہی ہو جائے لہذا عام طور پر دعا ختم ہونے سے قبل ہی وہ تیور بدل کر فرما دیتی ہیں:-

یہ چھالیہ تو بالکل گلی ہوئی ہے!

کس سے کھائی جائے گی؟

کتھا بھی رتیلا ہے، واپس ہونا چاہیئے!

مرچیں سب کی سب ٹوٹی ہوئی ہیں۔ میں نے مرچیں منگائی تھیں مرچوں کا چورا نہیں منگایا تھا!

ادرک میں تو آدھے گوڑے ملے ہوئے ہیں۔

آپ کتنی ہی عاجزی، متانت اور خوشامد سے کہیں کہ میں اچھی طرح دیکھ بھال کر لایا ہوں، چھالیہ نہایت عمدہ ہے ذرا کتر کر تو دیکھئے اور کتھے میں ریت کہاں سے آئی یہ تو پہاڑی ملک کا بنا ہوا ہے مرچیں اگر ٹوٹی ہوئی ہیں تو کیا حرج ہے، بہرحال توڑ کر ہی ڈالی جاتی ہیں مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوگا اور وہ بگڑ کر بولیں گی، بس آپ کو تو باتیں بنانا آتی ہیں دکان تک جاتے ہوئے پیر تو نہ چھن جائیں گے آپ کے، آخر پیسے دئے ہیں مفت تو لائے نہیں آپ یہ سودا۔ آپ کا کیا ہے آپ کو تو جو سڑی بسی چیزیں ملیں لا کر ڈالدیں، مصیبت تو مہینہ بھر تک ہمیں بھگتنی پڑے گی۔

اس کے بعد دو ہی صورتیں ہیں یا تو آپ کمر ہمت باندھ کر ان سے لڑائی پر آمادہ ہو جائیں یا خاموشی سے سودا واپس کر آئیں مگر اس میں سب سے بڑا خطرہ دوکاندار کی خفگی کا ہوتا ہے دوکاندار کم بخت ویسے ہی نازک مزاج ہوتے ہیں جن دکانوں پر فرخت اچھی ہوتی ہے اور سامان بھی عمدہ ملتا ہے وہ تو بہت ہی خفا ہو جاتے ہیں چنانچہ جب سامان لے کر آپ دوکاندار کے سامنے جائیں گے اور جرأت کر کے اس سے کہیں گے جناب یہ سامان خراب دیدیا آپ نے، ہم تو آپ کی دکان کے پرانے گاہک ہیں مہربانی کر کے اس کو واپس کر لیجئے، تو وہ ڈانٹ کر کہے گا۔ آپ کوئی بچے تو ہیں نہیں کیا اس وقت آنکھیں نہیں تھیں؟ میں نے کوئی چھپا کر تو سودا دیا نہیں تھا، دیا تھا آپ کے سامنے اور آپ نے بیسیوں جھنجٹوں کے بعد لیا تھا۔ آپ پہلے ہی بہت مین میخ نکال چکے ہیں بس اب جائیے میں ایسے ہل آدمیوں کے ساتھ بیوپار کر کے اپنا دماغ خراب کرنا نہیں چاہتا۔ مہینے میں دو روپلی کا تو سودا لیتے ہیں میاں اور وہ بھی بازار سے چھٹانک آدھ پاؤ زیادہ ہی دیتا ہوں اس پر احسان یہ ہے کہ میں آپ کا مستقل گاہک ہوں۔ گویا آپ ہی کی توجہ سے تو چل رہی ہے میری دکان! دوکاندار کی ان باتوں میں کوئی بات بھی خلاف



ڈاکٹر:- (موٹاپے کے مریض سے) آپ کہتے ہیں کہ آپ ورکنگ کمیٹی کے صدر ہیں، اسی سے یہ حالت ہوگئی ہے، آپ کو کچھ کام کرنا چاہیئے۔

حقیقت نہیں ہوتی۔ یقیناً آپ سمجھدار قسم کے انسان ہیں، پھر سامان لیتے وقت ہر چیز کو سونگھ سونگھ کر اور چکھ چکھ کر آپ دیکھ چکے تھے پھر کیا وجہ ہے کہ دوکاندار سودا واپس لے، اب اگر آپ کی جیب میں پیسے موجود ہیں تو دوسرا سودا چپکے سے لے جائیے اور بیوی کی ناراضی سے نجات حاصل کیجئے، ورنہ سر نیچا کئے گھر چلے جائیے اور ہمیشہ بھر تک بیوی کے دلخراش جملوں سے اپنے کلیجہ کو چھلنی بنائے رہئے۔۔

میرا تو منہ سڑ گیا یہ گلی ہوئی چھالیہ کھاتے کھاتے، کتھا اتنا کرکرا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ریت ڈالدی کسی نے پان میں! سالن میں آخر مزہ آئے تو کیونکر آئے نمک اور مرچ ہی سے ہنڈیا درست ہوتی ہے وہی نہ ہو تو کیا لطف آسکتا ہے، مرچیں کیا ہیں اچھا خاصا بھس ہے نہ تیزی نہ چرپراہٹ۔ ایک مٹھی کی جگہ دو مٹھی بھی دال دو تو پتہ نہیں چلتا کدھر گئیں۔

آخر ایسی بھی کیا لاپروائی؟

گھر ہے تو آخر کیونکر ہے۔

یوں آنکھیں بند کر کے ہم نے کسی کو پیسے پھینکتے نہیں دیکھا!

ایک آپ ہی کے حصہ میں دنیا بھر کی نوابی آگئی ہے نا!

میرا کیا ہے میں تو یوں ہی کتے کی طرح بھونکتے بھونکتے ایک دن مرجاؤں گی پھر معلوم ہوگا آپ کو آٹے دال کا بھاؤ!

اور اگر خدانخواستہ اس درمیان میں کوئی مہمان آگیا آپ کے یہاں تو گویا یوں سمجھ لیجئے کہ آسمان ہی ٹوٹ پڑا آپ کے سر پر بھیگی بلی کی طرح آپ گھر میں جا کر عرض کریں گے محمود صاحب آگئے ہیں وہ بگڑ کر کہیں گی ——— آگئے ہیں تو میں کیا کروں؟

ذرا کھانے میں دو چار چیزیں زیادہ کر دو!

سر پکا کر رکھدوں اپنا یا کلیجہ نکال کر بھون دوں کیا کروں سر اور کلیجہ سے کیا بحث ہے ذرا کوئی عمدہ سی چیز پکالو!

کیا عمدہ سی چیز پکاؤں، گھر میں لا کر رکھی ہے کوئی عمدہ سی چیز آپ نے؟ شکر ہے اس میں آدھے سے زیادہ کیڑے کوڑے ملے ہوئے ہیں، گھی ہے اسے آگ پر رکھتے ہی چڑاہند آنے لگتی ہے اسی دن کے لئے تو میں چیختی چلاتی رہتی ہوں مگر میرے کہنے کا اثر ہی کب ہوتا ہے آپ پر سمجھ لیا ہے آپ نے تو کہ ایک کتا ہے گھر میں جو ہر وقت بھونکتا رہتا ہے!

آپ کتنی ہی خوشامد کریں مگر وہ خدا کی بندی ذرا نہ پسیجیگی، مجبوراً شام کو کھانا کھاتے وقت جب ارد کی بلا دھلی دال اور آلوؤں کا بھرتا آپ کے سامنے آئے گا تو شرمساری کے ساتھ آپ مہمان سے معذرت کرتے ہوئے عرض کرینگے کیا کہوں بہت شرمندگی ہے گھر میں طبیعت خراب تھی کھانے میں کوئی اہتمام نہ ہوسکا۔

اب کون ایسا شریف مہمان ہوگا جو ایسی معقول معذرت کے بعد آپ کے اندرونی حالات کی طرف متوجہ نہ ہوگا۔ البتہ اگر پرانا مہمان ہے اور دو چار مرتبہ پہلے بھی آپ کے یہاں اسے کچی روٹی اور بلا بگھری دال سے واسطہ پڑ چکا ہے تو سمجھ لیگا کہ یا تو آپ کی بیوی ضرورت سے زیادہ حسین اور نازک مزاج واقع ہوئی ہیں اور چولھے کے سامنے جانا نہیں چاہتیں، یا آپ اور وہ دونوں مہمانوں سے گھبراتے ہیں، اس لئے دال روٹی سے ان کی تواضع کرتے ہیں تاکہ آئندہ قیام کے لئے وہ کوئی دوسرا گھر تلاش کریں، یا پھر آپ کوئی فدوی قسم کے شوہر ہیں اور بیوی نے آپ کو ہدایت کردی ہے کہ فضول مہمانوں کو اپنے یہاں نہ ٹھہرنے دیں!

بہرحال ہم بتائے دیتے ہیں ناتجربہ کار شوہروں اور نوجوان شادی کے امیدواروں کو جو عنقریب شوہر بننے والے ہیں کہ سودا خریدنے کے عادی نہ بنیں اور شروع ہی سے بیوی کو اس امر کا یقین دلادیں کہ یہاں کی معاشرت میں بازار جا کر سودا خریدنا سخت معیوب ہے، نیز بازار سے منگائی ہوئی چیز کا واپس کرنا نہایت مذموم خیال کیا جاتا ہے لہذا جو چیز آپ کو منگانی ہو ملازم سے منگا لیا کریں اور کسی حال میں بھی اسے واپس نہ فرمایا کریں، جن عورتوں نے ماں باپ کے یہاں غربت اور افلاس کی زندگی بسر کی ہے بالعموم وہ ایسی حرکتیں کیا کرتی ہیں آپ تو ماشاء اللہ ویسے ہی کھاتے پیتے گھر کی بیٹی ہیں آپ کو ان باتوں سے کیا تعلق!

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ اور آپ کا ملازم دونوں دوکانداروں کی جھڑکیوں سے بچ جائیں گے اور بیوی اپنے ماں باپ کی عزت کے خیال سے کبھی یہ جرأت نہ کریگی کہ آپ سے سودا لانے کو کہے یا ملازم کا لایا ہوا سودا واپس کرے۔ ورنہ یاد رکھئے کبھی آپ کو وقت پر کھانا نہ ملے گا روزانہ دس گیارہ بجے تک ملازم بازار کے چکر لگاتا رہے گا۔ ایک چیز لائے گا پھر اسے

(باقی اگلے صفحہ پر)



نوکر:- حضور، ڈاکٹر صاحب آئے ہیں!
مریض:- میں اس وقت ملاقات نہیں کرسکتا، کہہ دیں بیمار ہوں!

(پچھلے صفحہ سے)

واپس کرنے جائیگا اسی میں آدھا دن ختم ہوجائے گا اور آپ جیسے میاں بیٹھے جمائیاں لیا کریں گے، اس نصیحت کی ہمیں محض اس لئے ضرورت ہوئی کہ ہمیں خود اس قسم کا ایک تلخ تجربہ ہوچکا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہم اپنے ایک دوست بے تکلف کے یہاں مہمان ہوئے اور پہنچتے ہی ہم نے بے تکلفانہ طریقہ پر حکم دیا کہ جلد چائے پیش کی جائے! وہ فوراً اندر گئے پھر باہر آکر کہنے لگے:-

کیا چائے پینا بہت ضروری ہے؟

کیوں؟ کیا چائے تیار ہونے میں کسی دشواری کا احتمال ہے؟

جی ہاں کچھ ایسا ہی تھا!

بہت اچھا جانے دیجئے مگر کھانا جلد مل جانا چاہئیے!

یہ کہہ کر ہم مطمئن ہوگئے کہ زیادہ سے زیادہ گیارہ بجے کھانا مل جائے گا۔ مگر بارہ بجے جب ہماری آنتوں میں بھوک کی شدت سے تشنج ہونے لگا اور ہاتھ پیروں کی جان نکلنے لگی تو ہم نے بگڑ کر اپنے میزبان سے کہا، بھائی یہ کیا حرکت ہے کھانا کیوں نہیں لاتے اتنا تکلف ہی کیوں کیا تم نے کہ اتنی دیر ہوئی کھانے میں کیا تم میری عادت سے واقف نہیں ہو؟

انہوں نے ذرا جھینپ کر جواب دیا نہیں تکلف تو خدا کی قسم بالکل نہیں کیا اور آپ سے تکلف ہی کیا کرتا مگر ملازم کم بخت اس قدر بے تمیز ہے کہ ایک دفعہ بازار گیا تو کچھ ساگ لے آیا دوسری مرتبہ گیا تو سڑے ہوئے آم اٹھا لایا اور تیسری مرتبہ گیا ہے تو اب تک پتہ نہیں!

سبحان اللہ! اس کے یہ معنی ہوئے کہ ابھی دو گھنٹہ اور ہمیں انتظار کرنا پڑے گا!

نہیں میں خود سائیکل پر جاتا ہوں!

چنانچہ وہ گئے اور جلد ہی واپس آگئے۔ اس کے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد جب بھوک نے دوران خون کو اتنا سست کردیا تھا جتنا غشی والے مریض کا ہوجایا کرتا ہے تو خدا خدا کرکے اندر سے کھانا آیا جس میں حسب ذیل کھانے تھے، یعنی ایک پلیٹ ارہر کی دال جو آدھی کچی تھی اور جس میں دو سوکھے ہوئے آم بھی پڑے ہوئے تھے، ایک طشتری میں آلو کا بھرتہ جس کے اندر کچا جما ہوا گھی پڑا تھا۔ اور چند ٹھنڈی روٹیاں جن پر چولھے کی راکھ کا پلیتھن کثرت سے لگا ہوا تھا۔ ہم تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ کتنی ہی بے تکلفی کیوں نہ ہو مدتوں میں ملاقات ہوئی ہے اور کھانے میں بھی غیر معمولی دیر ہوگئی ہے اس لئے کچھ بھی نہیں تو پلاؤ ضرور پکا ہوگا۔ اس کے نہ ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں ممکن ہے فیرنی اور زردہ بھی ہو رہے قورمہ تو چونکہ یہ ایک عمدہ صحت بخش غذا ہے مہذب آدمیوں کے دسترخوان پر اس کا ہونا ضروری ہے اسی لئے ان کے لئے اتنا اہتمام ہورہا تھا۔ اسی کے ساتھ ہم یہ بھی سوچ رہے تھے کہ تنے کھانوں کو دیکھ کر بظاہر ہم اظہار ناراضی کریں گے اور کہیں گے اتنے تکلف کی کیا ضرورت تھی خدا کی قسم تم نے بڑا ظلم کیا مجھ پر کہ میرے لئے بھاوج صاحبہ کو اتنی تکلیف دی مگر دسترخوان کو دیکھتے ہی جسم میں آگ سی لگ گئی اور جی چاہا کہ کھانا چھوڑ کر چلے جائیں اور بازار میں جاکر پیٹ بھریں مگر یہ بات ہمارے اُن کے مراسم کے بالکل خلاف تھی پھر بھی پہلا لقمہ کھاتے ہی ہم نے سوال کیا:-

کیا تمہاری بیوی تم پر بہت زیادہ حاوی ہیں؟

نہیں تو ———— یہ کیوں پوچھا آپ نے؟

تم مجھ سے کوئی سوال نہ کرو صرف میرے سوالات کا جواب دیتے رہو ———— سودا تم ہی لاتے ہو بازار سے؟

یہ تو کوئی عیب کی بات نہیں!

عیب اور صواب سے تمہیں کیا بحث میری بات کا جواب دو!

جی ہاں کبھی میں لے آتا ہوں کبھی ملازم!

واپس کرنے بھی دو چار مرتبہ ضرور جانا پڑتا ہوگا؟

جی ہاں اگر کوئی چیز خراب ہوتی ہے تو لامحالہ جانا پڑتا ہے، چنانچہ آج ہی دو مرتبہ ملازم کو ٹماٹر پھیرنے بھیجا گیا تیسری مرتبہ بھی وہ لایا تو پسند نہیں تھے مجبوراً میں خود گیا اور عین وقت پر آلو لیکر آیا۔

اب سمجھ گئے کہ یہ غریب بھی زن مریدی کے چکر میں ہے اور بغیر مزید کچھ کہے چپکے سے کھانا کھالیا۔ پھر اُن سے دریافت کیا

کیا آپ کی اہلیہ علیلہ رہتی ہیں؟

جی ہاں ہمیشہ علیل رہتی ہیں۔

پھر تو کھانا پکانے میں بڑی تکلیف ہوتی ہوگی؟

کیا پوچھتے ہیں آپ بس میں ہی جانتا ہوں خصوصاً جب کوئی مہمان آجاتا ہے تو بس آفت ہی آجاتی ہے، جیسی آج آگئی،

وہ ہماری صورت دیکھ کر شرمندہ سے ہوگئے اور ہنس کر بولے، آپ مہمان تھوڑا ہی ہیں!

پھر بھی زحمت تو ہوئی ہوگی؟

اب اس کے اظہار کی کیا ضرورت ہے!

شام کو چائے مل جائے گی؟

دیکھئے اندر جاکر کہتا ہوں کہ دودھ نہ ہو تو منگا لیا جائے مگر مہربانی کرکے ابھی سے آدمی بھیجد یجئے تاکہ چائے کے وقت تک وہ بازار کے دس پانچ چکر لگا سکے،

وہ تو اندر گئے اور ہم بستر باندھنے میں مصروف ہوگئے انہوں نے واپسی پر ہمیں جو اس کام میں مشغول دیکھا تو حیرت سے سوال کیا۔

یہ کیا کررہے ہیں آپ؟

بستر باندھ رہا ہوں!

کیوں؟

جانے کے لئے!

اتنی جلدی کیوں جارہے ہیں آپ؟

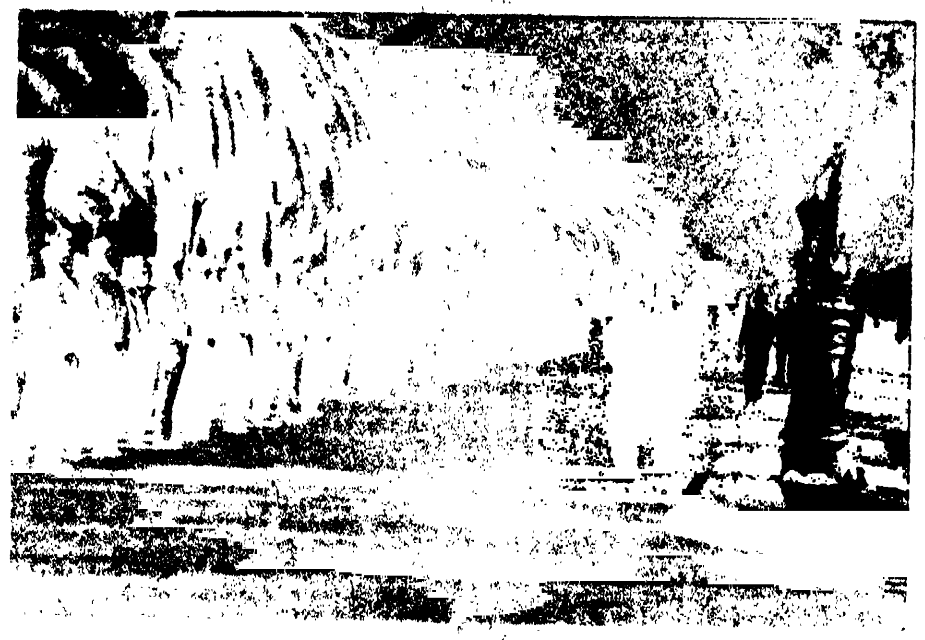
خیریت اسی میں ہے کہ جلدی بھاگ جاؤں ورنہ تو آپ کو دو چار دن میں دق ہوجائے گی یا کم سے کم ہمارا کھانا بند ہوجائے گا!



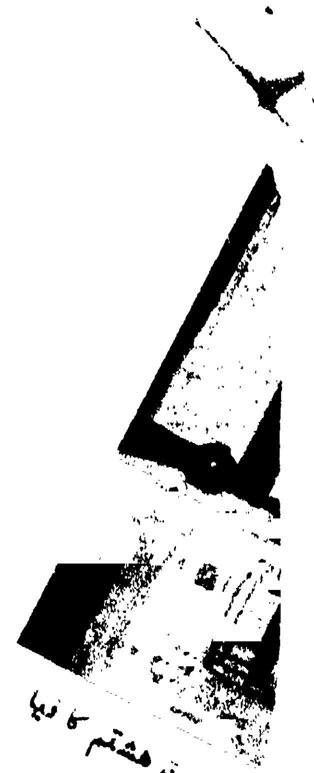
شریمتی کملادیوی چٹوپادھیائے جنہوں نے لاہور میں
پنجاب ٹریڈ یونین کی صدارت کی



ڈیوک آف ونڈسر نے آسٹریا جاتے ہوئے راستہ میں میلک کی قدیم خانقاہ کی زیارت کی



جنرل فرانکو کی فوج ملاگا میں قواعد کر رہی ہے



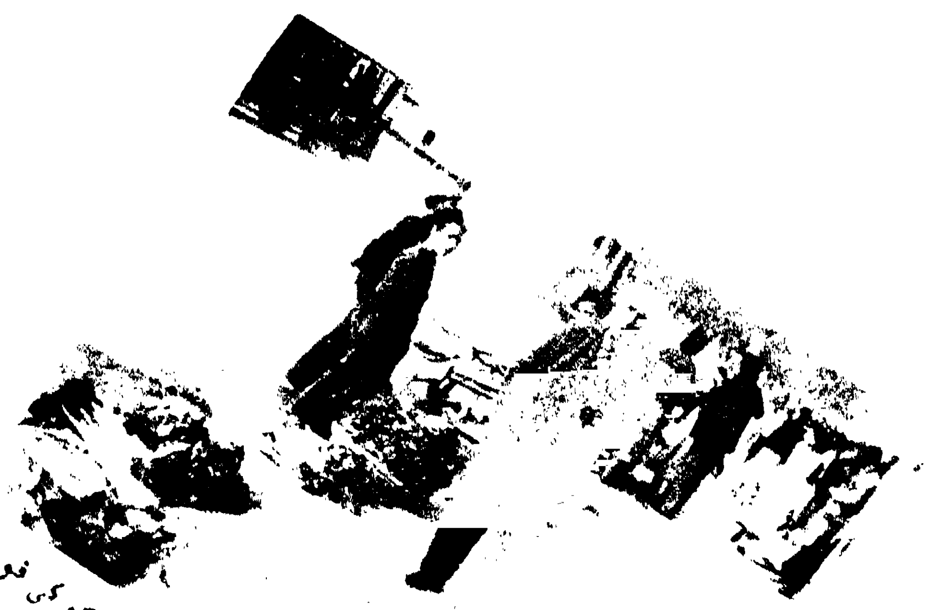
ـب ایڈورڈ ہشتم کا دیا
اب رہینگے



القصر (سپین) میں کان کے پھٹ جانے کے باعث جو تباہیاں ہوئیں ان میں یہ بیش قیمت چیز بچ رہی جو آرٹ کی قیمتی یادگار ہے

جاپان کی عالیشان امپیریل یونیورسٹی





ملاگا (سپین) پر باغیوں کے کمانڈر جنرل فرینکو کی فوج کا قبضہ



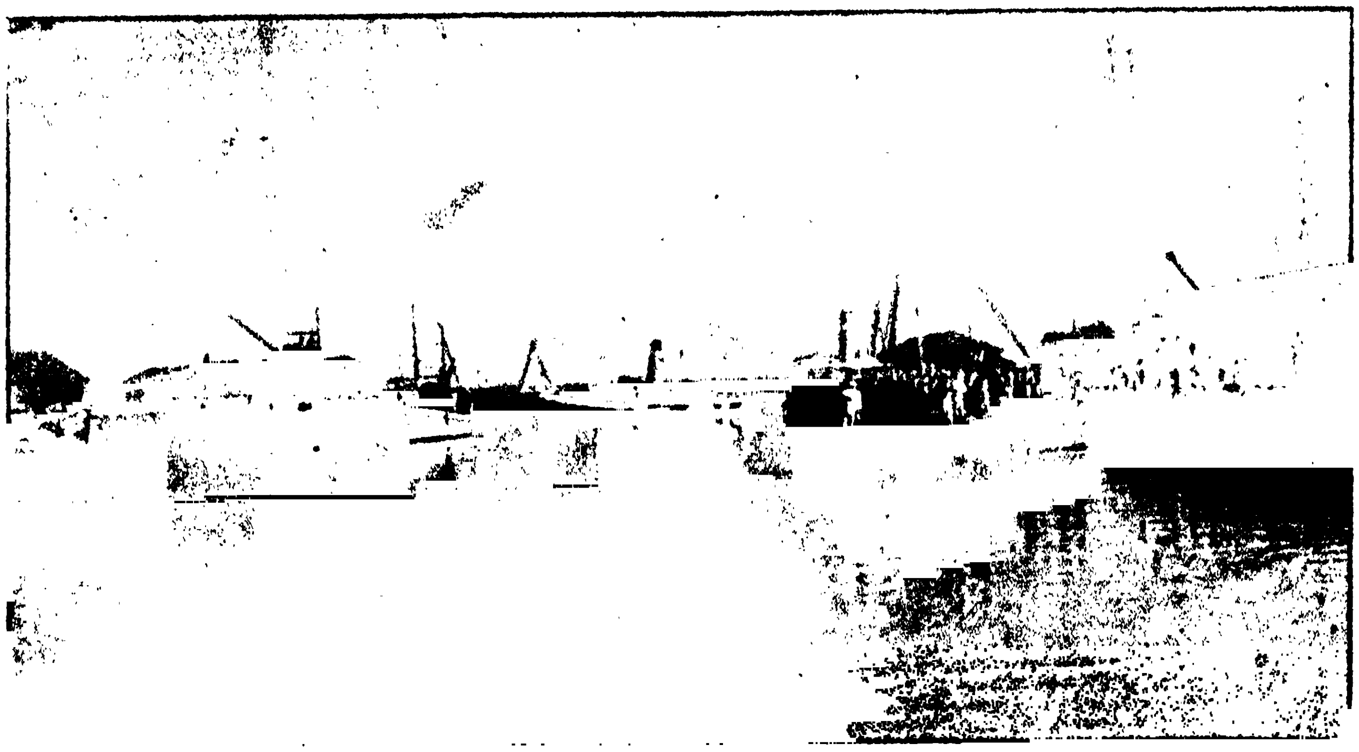
ہند بمبئی کی چند سرکردہ ارکان جو وہاں کی سوشل زندگی میں بڑا حصہ لیتی ہیں



لاهور میں گندهرو مہاودیالیه کا ۳۶ واں سالانہ جلسہ—یہ ودیالیه هندوستان کے مشہور گائناچاریہ وشنودگمبر جی مرحوم نے قائم کیا تھا



بارہمولا کشمیر کا ایک سایہ‌دار راستہ



ریاست جامنگر کاٹھیاواڑ کی مشہور بندرگاہ بیڈی جہاں تجارتی جہازرانی کا کاروبار بہت ترقی کر رہا ہے

مسلم لیگ کا کارنامہ

(از جناب حاجی نبی احمد بریلوی)

مسلم لیگ کی حیات و موت کا مسلم کش ڈرامہ کئی بار کھیلا جا چکا ہے اور ہر بار مسلمانوں کو سخت سیاسی نقصان پہنچا ہے۔ مگر ہم ہر بار اس کے فریب میں مبتلا ہو کر اور جنگ آزادی میں ابنائے وطن کا ساتھ چھوڑ کر اس کی بیعت کر لیتے اور اس کے پیچھے چلنا اختیار کر لیتے ہیں۔ اور پھر کچھ عرصہ بھٹک کر اپنی جگہ واپس آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ابنائے وطن کا قافلہ آزادی کوسوں دور آگے نکل جاتا ہے۔ الغرض برادران وطن میں پست ترین اچھوت اقوام تک نجات غلامی و حصول آزادی کے آخری دروازہ پر پہنچ کر دستک دے رہی ہیں۔ اور عنقریب باب آزادی بھی وا ہونے والا ہے مگر ہمارے مسلمان بھائیوں کو ہنوز منزل آزادی میں پہلا قدم اٹھانا بھی میسر نہیں ہوا ہے۔ اگر غفلت و گمراہی کا یہی عالم رہا تو ع

دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

ہند کی آزادی جہاں کی منزل سے گذر کر اب یقین کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ فطرت ظلم و نا انصافی کی عادی نہیں۔ وہ کسی قوم کی مسلسل جانفروشیوں اور مردانہ کوششوں کو ضائع نہیں کرتی۔ ہر قطرۂ خون کی قسمت میں ایک معاوضہ مقدر ہوتا ہے اس پر مسلم اور ہندو کی قید نہیں۔ خدا کے گھر میں ہر شخص کے قطرۂ خون کی قربانی کی یکساں قیمت ہے۔ چنانچہ برادران وطن کی قربانیوں کا بار آور ہونا اور ہندوستان کا آزاد ہونا اسی طرح یقینی ہے جس طرح ظہور آفتاب پر حرارت و روشنی کا پھیلنا۔ ہاں عبرت و ماتم کا جو کچھ مقام ہے وہ یہی ہے کہ ان مسلمانوں کو جو کسی وقت میں آزادی کے علمبردار تھے اور جن کی زندگی کا مشن یہ تھا کہ دنیا کو خدا کی بندگی کے علاوہ ہر طرح کی غلامی سے نجات دلائیں۔ خود اپنی آزادی کے لئے ہموطنان ہند کے دوش بدوش جنگ آزادی میں شریک ہونے کے نام سے جسم پر رعشہ اور قلب و جگر پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

دوسری جانب برادران وطن اس درجہ بیدار اور منظم طاقت کے مالک ہو چکے ہیں کہ اب ان کو حصول آزادی کی جنگ میں مسلمانوں کی چنداں ضرورت نہیں۔ اور ہماری گراں گوشیاں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ ان میں شور نشو کے پہنچنے کا بھی کوئی ظاہری امکان نظر نہیں آتا۔

اگر ہمارا یہی حال رہا تو خوش نصیب ہندوستان کی آئندہ نسلیں جس وقت ہند کی تاریخ آزادی مرتب کریں گی تو اس میں مسلمانان ہند کے جمود و غفلت اور ہلاکت و موت کا سیاہ باب بھی مرتب ہوگا جس میں جلی حروفوں کے ساتھ ان کے اسباب مرت کی فہرست میں حکمرانوں کی امداد اور پناہ ڈھونڈنے والی "مسلم لیگ" کا نام بھی نظر آئے گا۔ اور قیامت تک گذرنے والی اسلامی نسلیں مسلم لیگ کے نام کو بدگمانی کے ساتھ یاد کریں گی۔ ہندوستان جس قدر منزل آزادی سے قریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے زندہ اور بیدار دل مسلمانوں کے حساس قلوب میں خاموشی کے ساتھ ساتھ اضطراب و تشویش کا بے پایاں بحر مواج قیامت انگیز تلاطم بھی برپا کرتا چلا جا رہا ہے خوشی تو اس لئے کہ وطن عنقریب غلامی کی ذلت سے نجات پانے والا ہے اور اضطراب اس لئے کہ ہماری قوم کے ہر انقلابی مدوجزر میں خیر نظر نہیں آتی۔ بقول غالب ع

در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

ملک کی ۲۶ کروڑ آبادی کانگریس کے علم آزادی کے نیچے جمع ہو کر جدوجہد آزادی میں صف آرا ہو چکی ہے۔ نیز وہ وطن اور ملک کی آزادی کے صرف ایک ہی نصب العین کی رسی کو مضبوط ہاتھوں سے پکڑ کر مقابلہ کی غیر معمولی قوتوں کے مالک ہو کر حریف حکومت کو کھلا ہوا الٹی میٹم دے چکے ہیں۔ اب اگر ۹ کروڑ مسلمان کانگریس میں نہیں بھی شریک ہوتے ہیں تو نہ ہوں۔ ملک کے باقی ۲۶ کروڑ انسانوں کی منظم طاقت کا برطانیہ کے مٹھی بھر لوگ ہرگز ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بالآخر غیر ملکی شہنشاہیت کو سپر ڈال ہو گا۔ طاقت کا مقابلہ دنیا میں کوئی نہیں کر سکتا۔ آج تک برطانیہ جس کانگریس کو دشمن سمجھتی رہی ہے کل وہی دشمن یعنی کانگریس سے دوستی کرنے اور ہندوستان کو آزادی عطا کرنے کے لئے مجبور ہوگی۔ ساری دنیا اور بالخصوص انگریز قوم طاقت کی ساتھی ہے۔ یہ ہر طاقتور قوم اور ملک کے ساتھ دوستی کرتی ہے اور کمزور اور ضعیف الحال اقوام اور ملک پر توجہ کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتی ہے۔ آخر کانگریس کی طاقت کا اس پر اب بھی اثر ہو چکا ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان اور مدبر ارکان کا یہ خیال ہے کہ کانگریس سے مل کر کام کرنا چاہیئے۔

دوسری طرف مسلمانوں کے انتشار و پراگندگی اور گمراہی و اختلاف کا یہ عالم ہے کہ ہندوستان میں ان کی بے شمار جماعتیں ہیں اور فی الحقیقت ایک بھی نہیں۔ کیونکہ ان کی اپنی طاقت کی دال اپنی ہی جوتیوں میں تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ ان کی سیاسی کس مپرسی اور قومی لامرکزیت کا یہ عالم ہے کہ وہ ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت کانگریس کو صرف ہندو جماعت تصور کر کے اس سے قطعی دست کش ہو بیٹھے ہیں۔ اور لطف یہ کہ کانگریس کے ساتھ ساتھ کام کرنے کے لئے اپنا علیحدہ کوئی سیاسی نظام بنانے کی جانب بھی متوجہ نہیں ہوتے۔ بدذوقی حیات اور بے عملی نے ان کے قلب اور دماغ کو بدست و پائے فرق عمل و لطف آزادی کے احساسات کو کچھ اس طور سے باطل کیا ہے کہ ان پر وقت کی رفتار کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہاں چند نام نہاد سیاسی جماعتیں اگر ہیں بھی تو باہمی جنگ و جدال کے مرض الموت نے ان کو جاں بلب کر رکھا ہے۔ احرار اتحاد ملت کی افسوسناک مثال ہمارے سامنے موجود ہے کس قدر ہنگامہ خیز و بلند بانگ دعاوی سے لبریز شورش و اضطراب عمل ان کی رفتار زندگی سے ٹپکتا تھا۔ مگر نتیجہ انتخاب نے بالآخر یہ سمجھنے کے لئے مجبور کر دیا کہ ع

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

ویسے ہی جمعیۃ العلماء یقیناً یہ ایک آزاد خیال اور مقتدر جماعت ہے۔ لیکن یہ صرف ایک قائدانہ نظام ہے جس کو جمہور مسلمین کی نمائندگی ابھی حاصل نہیں ہوئی ہے۔

اب رہی مسلم لیگ۔ اس کی شان وجود ہی بہت غلط طور پر واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ اس عمارت کی بنیاد کی کجی آج تک رنگ لا رہی ہے۔ چونکہ اس کی سرشت ہی کو محکومی کے پانی سے خمیر دیا گیا تھا اس لئے اس کی زندگی کا ہر کارنامہ منجر بہ غلامی رہا۔ ۱۸۸۶ء سے ہندوستان کی سیاسی بیداری کا آغاز ہوا ہے جب کہ انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی ۱۸۵۷ء کے بعد سے مسلمانوں نے بعض اسباب کی بنا پر انگریزوں کے آگے ایسی سپر عاجزی ڈالی تھی کہ ہندوستان میں ان کی تمام تر پالیسی حاکموں کی رضا جوئی پر منحصر ہو کر رہ گئی تھی۔ چنانچہ کسی مسلمان نے کانگریس کی جانب توجہ نہ کی۔ اور اگر کی تو مخالفانہ حیثیت سے۔ کانگریس ابتداً ایک نیم سرکاری جماعت تھی جو غیر ملکی حکومت کی تائید کی غرض سے وطنی لباس میں ایک انگریز کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئی تھی۔ مگر ہندوؤں کی یہ کمال سیاست دانی اور دور اندیشی کا ثبوت ہے کہ وہ رفتہ رفتہ کانگریس کو سرکاری پنجے سے نکالنے اور اعتدال پسند قوم پرست طبقہ کے ہاتھوں اس کی عنان اختیار سپرد کرنے میں بالآخر کامیاب ہو گئے۔ مسلمان غافل رہے اور کانگریس خاموشی سے برابر اپنا کام کرتی رہی حتیٰ کہ ۱۹۰۵ء میں اس کی ملکی کوششوں کا نتیجہ منٹو مارلے اسکیم کی شکل میں نمودار ہوا۔ اب مسلمان بھی چونکے اور ان کو بھی خیال ہوا کہ سیاست میں ہمیں بھی حصہ لینا چاہیئے ورنہ وہ سیاسی حقوق کے حصول میں برادران وطن سے پیچھے رہ جائیں گے۔ شومیٔ اعمال کہ اب بھی انہوں نے یہ حرکت خیال خود پیدا کرنے کی زحمت گوارا نہ کی بلکہ دوسرے کے اشارے پر ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم ہندوؤں سے پیچھے رہے جاتے ہیں۔ ہم بھی ان کے مقابلے میں اٹھ کر گورنمنٹ سے حقوق کی بھیک مانگیں۔ ان کے دلوں میں حکومت کی جانب سے اس خیال کو راسخ کر دیا گیا کہ اگر وہ حکومت کی پناہ ڈھونڈتے رہیں گے تو ان کو بغیر ہاتھ پیر ہلائے ہی ہندوؤں سے نسبتاً زائد حقوق دیئے جائیں گے۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں مغلوب و خوفزدہ مسلمانوں کے قلوب میں محکومی کی روح پیوست ہو چکی تھی اس لئے انہوں نے اسی گداگرانہ سیاسی مسلک کو پسند کیا۔ کانگریس روز بروز طاقتور ہونے لگی تو حکومت اس کو کمزور کرنے کے لئے اقلیت کے حقوق کی حفاظت کے نام پر اسلامیان ہند کے نام پر یہ افسوں پھونک دیا کہ چونکہ ہم وجہ بدیں ملک کو نو آبادیات کے حقوق عطا کرنے والے ہیں لہٰذا تم بھی اٹھو اور آ کر ہم سے اپنے حقوق کی حفاظت کا سوال کرو تا کہ ہم تمہارے سوال کو سبب قرار دے کر تمہاری موثر و جداگانہ اقلیت تسلیم کر لیں اور پھر تمہارے حقوق کا قانون بنا سکیں۔ اس مقصد کے پیش نظر مسلمانوں نے کانگریس سے جدا سیاسی جماعت بنائی اور اس جماعت کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت قرار دے کر اس کی معرفت مسلمانوں کے جداگانہ حقوق کے تحفظات کا مطالبہ کیا تاکہ اس طرح ان کو ہندوؤں کے مقابلہ میں زائد حقوق لینے کا بہانہ ہاتھ آ جائے۔

الغرض چند سر بر آوردہ مسلمانوں نے اس سیاسی بدعت کا آغاز کیا جس کا آج تک ملک کو خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے اور خدا ہی جانے کب تک بھگتنا پڑے گا۔ اور جو اب تک آزادیٔ ملک کی راہ میں عظیم سنگ گراں بن کر ثابت ہوا۔ غرضیکہ ہندو مسلم تفرقہ اس طرح تیر بہدف نشانہ پر بیٹھا کہ برطانیہ کو عرصہ دراز تک ہندوستان پر حکمرانی کرنے کا نسخہ ہاتھ آ گیا۔ اور ہندوستان بالخصوص مسلمانوں کی غلامی و تباہی کا تمام تر عتاب مسلم لیگ اور اس کے پیشرو سر آغا خان بالقابہ کے سر رہا۔ جنہوں نے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کے اعلان کے زیر سایہ وفادارانہ حصول حقوق کی بنیادوں پر مسلم لیگ کی تاسیس کی اور ۱۹۰۶ء میں شملہ کی سرد وادیوں میں ہندو مسلم اتحاد کا جنازہ بہت شان کے ساتھ اٹھایا گیا۔ یعنی مسلم لیگ نے سر آغا خان کی سرکردگی میں جداگانہ حقوق مسلم کے تحفظات کا مطالبہ منجانب قوم پیش کیا اور جداگانہ انتخاب نشستوں کی خواہش کا اظہار کیا۔ حکومت کے لئے یہ بہت بڑی نعمت تھی فوراً مسلم لیگ کے اس مطالبے کو منظور کر لیا گیا اور اس طرح اس مسلم لیگ کے ہاتھوں جداگانہ حقوق [illegible] اور ہندو مسلم اختلاف کی سیاسی بدعت کا آغاز ہوا۔

الغرض اس طرح غلامی کے آب و گل سے خمیر کر کے مسلم لیگ کا مجسمہ بنایا گیا اور خیر خواہان سرکار مسلم رؤسا اور امرا اس میں شامل ہوتے رہے اور ہندو مسلم اختلاف کی آگ کو ہوا دیتے رہے۔ ادھر کانگریس میں چونکہ ہندو طبقہ کافی بیدار اور شعور سیاسی کا مالک ہو چکا تھا وہ اس صورت میں بھی مایوس نہ ہوا۔ بلکہ آزادی کی جدوجہد کو تیز سے تیز تر کر دیا۔ ادھر مسلم لیگ خزاں و بہار اور موت اور زندگی کے مراحل سے دوچار ہوتی رہی۔ کبھی بے ضرورت موسم میں مردہ ہو جاتی اور بر وقت ضرورت اس کے بے جان لاشہ میں روح پڑتی رہی اور حقوق مسلم، حقوق مسلم کے نام کی رٹ لگا کر اور اس کا واسطہ دے کر مسلمانوں کو کانگریس سے الگ اور جدوجہد آزادی سے دور تر کرے اور ہندوؤں سے خوف دلا کر غیر ملکی غلامی کی پناہ ڈھونڈنے کی ترغیب دلانے میں مصروف رہی۔

تا آنکہ بصد خرابیٔ بسیار صوبجاتی خود مختاری کے نام سے کمیونل ایوارڈ اور فیڈریشن کا آئین جدید ۱۹۳۷ء میں نافذ کر دیا گیا اور فرقہ پرستوں نے پھر مسلم لیگ کے جسد مردہ میں روح دم کرائی۔ تماشا شروع ہو گیا۔ ملک

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

آخر اس کی سعادت مند بیوی نے دیوان خانہ کو فروخت کرنے کی صلاح دی۔ اپنے خاندان کو ٹوٹ کر تعلیم پوری دینے کو کہا جس سے اسے اپنی شکل آسان نظر آنے لگی۔ اور دھندلے اور دھوئیں دھار مستقبل میں کامیابی کی چمک کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

رمیش نے بی۔ اے پاس کر لیا تھا لیکن زمانہ وہ زمانہ نہ تھا جو کہ چند سال پیشتر اس کے زمانہ طالب علمی میں تھا۔ نوکریاں نہ تھیں۔ امیر و غریب سب ہی نوکری کے خواہاں تھے۔ مگر نالاں تھے۔ رمیش نے بھی ملازمت کے لئے بہت دوڑ دھوپ کی۔ عرضیاں بھیجیں۔ مگر سب بیکار ثابت ہوئیں۔ آخر مایوسی کے عالم میں بے چارہ گھر بیٹھ رہا۔ لیکن کب تک؟ دیوان خانہ کا روپیہ کوئی قارون کا خزانہ تو تھا نہیں کہ جو صرف نہ ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رمیش پیسہ پیسہ کے لئے دست نگر ہو گیا۔ اور تین دن سے تو فاقہ پر نوبت آ پہنچی تھی۔

عورت ذات میں صبر و تحمل کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ وہ امیری اور غریبی کی کچھ پروا نہیں کرتی۔ جس حالت میں اس کا شوہر دن گذارتا ہے اسی حالت کو وہ اپنے لئے بہتر سمجھتی ہے۔ فاقے پر فاقے گذریں مگر زبان پر حرف تک نہ لائے گی۔ پہلے شوہر کو کھلائے گی بعد میں خود کھائے گی۔

یہی حال رمیش کی نیک بیوی کا تھا۔ فاقے پر فاقے گذرے۔ لیکن بیچاری نے زبان تک نہ ہلائی لیکن ایک دن اس کے معصوم اور ننھے بچے کے بھوک سے چلانے نے اس کی ہمت توڑ دی۔ اس لئے ہاتھ جوڑ کر اپنے پتی سے عرض کی:

"پران ناتھ مجھے اپنی بھوک کی تو کچھ پروا نہیں مگر پریم کا رو رو کر رونا نہیں سنا جاتا!"

رمیش یہ بات سن کر کچھ انتظام کرنے کے لئے باہر چلا گیا۔ اسے مانگتے شرم آتی تھی۔ اس نے مصیبت سے کچھ دنوں تک نجات پانے کے لئے ایک تدبیر سوچی۔ اپنا مکان باہر والی کوٹھڑی کو بود و باش کے لئے چھوڑ کر لالہ بدھومل کے ہاتھ بیچ ڈالنے کا ارادہ کر لیا۔ اس طرح کرنے پر اسے کل پانچ سو روپے ملے۔

بچہ کی بیتابی کو بڑھتا دیکھ کر اس کی ماں پڑوس سے کچھ آٹا ادھار لے آئی۔ اور پریم کے لئے روٹیاں پکانی شروع کر دیں۔ اتنے میں رمیش بابو بھی پانچ سو روپے کے نوٹ لے کر گھر میں داخل ہوئے اور اپنی بیوی کے حوالے کر دیئے۔ وہ بیچاری کھانا پکانے میں مشغول تو تھی ہی اس نے انہیں چولھے کے پاس ہی رکھ لیا۔ رمیش بابو اپنے کو تفکرات سے آزاد سمجھ کر دل بہلانے کے لئے باہر چلے گئے۔ لیکن نہ جانے ان کے دل میں خود بخود یہ خیال کیوں پیدا ہوا کہ انہیں روپیہ احتیاط سے رکھ دینا چاہئے تھا۔ وہ واپس گھر کی طرف لوٹ پڑے اور آ کر نوٹ بیوی سے طلب کئے۔ لیکن افسوس بے خبری میں وہ سب آگ کی نذر ہو چکے تھے۔

رمیش کی حالت اس وقت بیان سے باہر تھی۔ غصہ کا بھوت اس کے سر پر سوار تھا۔ اسے اپنا اور بیگانہ کوئی نہ سوجھتا تھا۔ چہرہ غیظ و غضب میں تمتما رہا تھا۔ آنکھیں ابل رہی تھیں۔ مٹھیاں کس گئی تھیں۔ منہ سے کف نکل رہا تھا۔ اس پر ایک فوری جنون سوار ہو گیا اور اس نے پاس کھیلتے ہوئے پریم کو اٹھا کر چولھے میں جھونک دیا۔ بے چارہ چند ہی منٹوں میں دم توڑ کر مر گیا۔ اب ماں کی ممتا نے جوش کھایا۔ اس نے پاس ہی کے ایک کنوئیں میں گر کر اپنی زندگی کے فسانہ کو ختم کر دیا۔

اب رمیش کے لئے دنیا اندھیر تھی۔ مکان بھی ہولناک قبرستان نظر آ رہا تھا۔ وہاں کی ہر چیز کاٹنے کو دوڑتی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس کے دماغ پر خون سوار ہو رہا ہے۔ وہ دیوانہ ہو گیا تھا۔ کپڑوں کی دھجیاں دھجیاں کر ڈالی تھیں۔ بال نوچنے لگا تھا ... ... آخر اسی حالت میں گھر کو چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل کھڑا ہوا۔ وہ دیوانہ وار جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتا تھا۔ قدرتی مناظر سے دل بہلاتا تھا۔ کبھی گھنٹوں ہنستا اور ... ... کبھی روتا رہتا۔ جب کوہساروں کی خاموشی سے جی اکتاتا بستی کے قریب آ جاتا۔ کھیتوں میں جا کر کسانوں کے جلتے ہوئے رہٹوں پر بیٹھ جاتا۔ اور چلاتا رہتا۔ جب وہاں سے بھی دل گھبرا اٹھتا تو بستی میں آ کر ایک بڑ برگد کے درخت کے نیچے بیٹھ جاتا اور دیوانگی میں یہ گانے لگتا۔

کچھ راہ خدا دے جا ... جا تیرا بھلا ہوگا

کبھی اپنی ترنگ میں آ کر لوگوں کے دیئے ہوئے پیسوں کو درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندوں پر پھینک پھینک کر ختم کر دیتا۔

اب کئی سال سے وہ فقیر تو نظر نہیں آتا لیکن برگد کے اسی درخت کے نیچے اب بھی سایہ نظر آتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رات کی خاموشی میں جب چاندنی برگد کے درختوں سے چھن چھن کر زمین پر بچھ کر مانند کھیتی ہے کبھی کبھی ہوا کے ایک جھونکے کے ساتھ ایک سناتی ہوئی آواز آتی ہے۔

کچھ راہ خدا دے جا ... جا تیرا بھلا ہوگا

سطح سمندر پر کسی چیز کے تولنے سے اسکا وزن بڑھ جاتا ہے۔ اگر ایک معمولی مچھلی سطح سمندر پر تولی جائے تو اس کا وزن ریلوے کے ایک بڑے انجن کے برابر یعنی ۱۴۰ ٹن ہوگا۔

جزیرہ انڈمیان کے باشندے ساری دنیا میں چھوٹے قد کے باشندے ہیں۔ عام طور پر وہاں کے ایک نوجوان کا قد تین فٹ گیارہ انچ اور وزن ۷۰ پونڈ ہوتا ہے۔

سائنس کا ایک دلچسپ مضمون

"عقلِ حیوانی"

ہر موسم میں پرندے کیونکر جگہ تبدیل کرتے ہیں؟

(از جناب تارا چند ترسل سالک کاشمیری ـــ خاص تیج ویکلی کیلئے)

۱

سرد ملکوں کے پرندے جب وہاں سردی پڑ جاتی ہے تو گرم ملکوں میں چلے جاتے ہیں۔ ہر سال پرندوں کا یہی حال رہتا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ غور ہے کہ ہر سال کس طرح عین صحیح وقت اور مقررہ تاریخ پر یہ جانور سیدھے اپنے اپنے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ اور جب گرمی اور سردی کا موسم تبدیل ہو جایا کرتا ہے تو کیسے ان کو اپنے اپنے مقام کا خیال آتا ہے۔ اور کس طرح ہزاروں میلوں کا سفر کر کے بلا کسی غلطی کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتے ہیں۔

ابابیل کی نسبت سالہا سال تک تجربہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح صدہا اشخاص نے دیگر جانوروں کی نسبت مشاہدہ کیا اور کر رہے ہیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ بھاگن سندی اشٹمی کو بلا ناغہ ابابیل کشمیر پہنچ کر اپنے گھونسلوں کا پتہ لیتے ہیں۔ درست حالت میں ہوں تو ان میں رہتے ہیں۔ کوئی نقص ہوا ہو تو مرمت کرتے ہیں یا مسمار ہو گئے ہوں تو نئے بنا لیتے ہیں۔ میں نے کسی سال میں بھی یہ نہیں دیکھا کہ بھاگن شدی اشٹمی کو ابابیل نہ پہنچے ہوں۔ اب ان چند تجربوں کا تذکرہ کیا جائے گا جو اس نسبت میں کئے اور پڑھے ہیں۔

ملک سویڈن میں ایک سائنس داں نے تجربہ کیا ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ سے جنگلی پرندوں کو دانہ کھلانا شروع کیا کچھ عرصہ کے بعد وہ پرندے نقل مکان کر گئے اور مصر (افریقہ) میں چلے گئے۔ اگلے موسم میں یہی پرندے پھر سائنسدان کے مکان پر آ گئے۔

اس تجربہ اور اسی قسم کے مشاہدوں کی تشریح اس طرح کی جاتی ہے کہ پرندوں کے دماغ میں چھوٹی چھوٹی مقناطیسی سوئیوں کی طرح بجلی کی سوئیاں سی ہوتی ہیں۔ ان سوئیوں کی مدد سے پرندے شمال۔ جنوب۔ مشرق اور مغرب کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ بجلی کی اس قسم کی سوئیوں سے ہوائی جہازوں والے اپنے صحیح راستہ کا پتہ لگاتے ہیں بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ہوا کی لہروں کی مدد سے پرندے ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ جاتے ہیں۔

اگر یہ بجلی کی سوئیوں والی تھیوری درست ہو تو پتہ لگ جاتا ہے کہ جب ہوا میں کہر وغیرہ یا دھواں ہوتا ہے تو بھی پرندے کیوں سیدھے راستہ پر اڑتے چلے جاتے ہیں۔ کس طرح پرندے نواسکوشیا سے وینزویلا تک جو کہ ۲۴۰۰ کے فاصلہ پر ہے اور جس راستہ میں سمندر ہی سمندر ہے بغیر راستہ بھول جانے کے پہنچ جاتے ہیں۔ اور کوئی طوفان اور آندھی ان کو راستے سے نہیں ہٹاتی۔ بلکہ اس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ کیوں وہ ہر سال ایک ہی راستے کو اختیار کرتے ہیں۔

اس تھیوری سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا کہ نامہ بر کبوتر کس طرح اپنے گھر پر آ جاتا ہے خواہ اس کو گھر سے ۱۰۰۰ میل کے فاصلہ پر لے جا کر چھوڑا جائے۔ کیونکہ اس کے واپس آنے میں کسی خاص مقررہ راستے کا پتہ نہیں چلتا۔

بعض سائنس داں کہتے ہیں کہ اس کبوتر میں چھٹی حس ہوتی ہے لیکن زیادہ تر سائنس دانوں کا قول ہے کہ عادت شدہ جگہ کی واقفیت۔ حافظہ اور مناسبت وغیرہ سے کبوتر اپنے گھر پہنچ جاتا ہے۔

ایک اور خیال ہے کہ پرندے موسم کی تبدیلی کو محسوس کر سکتے ہیں جو ان کو نقل مقامی کی تحریک کرتی ہے اور وہ تبدیل مقام کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔

بیان کیا گیا ہے کہ پرندے موسم خزاں میں امریکہ سے جب جنوب کی طرف جاتے ہیں تو سمندر پر سے اڑتے ہوئے جاتے ہیں۔ اور جب موسم بہار میں واپس آتے ہیں تو خشکی کے راستے سے واپس آتے ہیں۔ کیونکہ خزاں میں سمندر کی ہوا قدرے گرم ہوتی ہے اور بہار میں خشکی کی ہوا قدرے گرم ہوتی ہے

اسی طرح درجۂ حرارت پرندوں کے لئے نقل مکان کا اشارہ ہوتا ہے۔ مثلاً جب موسم گرما ختم ہونے لگتا ہے اور دن چھوٹے ہونے شروع ہو جاتے ہیں تو پرندے اپنے سفر کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ پرندے سورج کی روشنی اور جنگلی [illegible] ذریعہ اپنے جسم میں چربی کا ذخیرہ جمع کرنے لگتے ہیں جس سے ان کے اتنے لمبے سفر میں غذا وغیرہ کی ضرورت نہ پڑے۔

ایک سائنس داں نے ایک ایسے پرندے کو نیبرسکے ڈار میں دیکھا۔ اور وہاں اسے پکڑ کر اس کے گلے میں دھاگا ڈال دیا تاکہ پہچانا جا سکے۔ یہ ۲۲ مئی ۱۹۲۶ء کا واقعہ تھا۔ یہ پرندہ یکم اکتوبر ۱۹۲۶ء کو فرانس میں پکڑا گیا جو پہلے مقام سے ۲۵۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے

اسی طرح ایک اور پرندے کو ۴۱۰ میل اڑنے کے بعد پکڑا گیا تھا۔

جب میں ۱۹۱۶ء میں تحصیل ہندواڑہ میں تھا تو راجہ غلام محمد خاں جاگیر دار راجوار نے ایک بطخ کو پکڑا تھا جس کی ٹانگ پر ایک پیتل کا سکہ بندھا تھا۔ اس پر کسی دوسری زبان کے حروف کندہ تھے۔ طرز خط انگریزی تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ شاید سائبیریا سے اڑ کر آیا تھا۔ اور وہاں کسی نے یہ سکہ اس کی ٹانگ میں باندھ دیا تھا۔

نقل مکان کرنے والے پرندوں کی نسبت جو تحقیقات کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ یہ ۳۰۰۰ فٹ سے نیچے نہیں جاتے۔ لیکن بعض پرندے ۲۹۰۰۰ فٹ کی اونچائی پر دیکھے گئے ہیں۔

چھوٹے چھوٹے پرندوں کی رفتار ۳۰ سے ۲۵ (تیس سے پچیس) میل فی گھنٹہ معلوم ہوئی ہے۔ کئی پرندوں کی رفتار چالیس ۴۰ سے ۴۲ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔

ایک ہوائی جہاز راں کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ اس نے ایک چڑیا کو ۷۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑتے ہوئے دیکھا تھا۔

پرندے کیوں نقلِ مکان کرتے ہیں اور انہیں کون سے واقعات اور کون سی بات اس کام کی ترغیب دیتی ہے؟

اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ پرندوں کی غذا نہیں ملتی۔ کیونکہ موسم تبدیل ہونے لگتا ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ درجۂ حرارت کی کمی انہیں ترغیب دیتی ہے۔ کیونکہ وہ سردی سے بچنا چاہتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان میں ایک قسم کے غدود ہوتے ہیں، جنہیں حرکت و جوش آ جاتا ہے۔ وہ اڑنا چاہتے ہیں ان کے دل میں اڑنے کی خواہش اور جذبہ پیدا ہو جاتا ہے

کہتے ہیں کہ لنڈن میں ۱۷۰۳ء میں ایک کتاب چھپی تھی جس میں لکھا تھا کہ نقل مکان کرنے والے پرندے انگلینڈ کو چھوڑ کر چاند میں چلے جاتے ہیں اور وہاں سردی کا موسم گذارتے ہیں۔

سویڈن کے ایک قدیم سائنس داں کا مقولہ تھا کہ چڑیاں تالابوں کے پانی میں غوطہ لگا کر زمین میں دفن ہو کر اپنا سردی کا موسم گذارتی ہیں۔

کئی پرندوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اب تک پتہ نہیں لگا کہ وہ سردی کا موسم کہاں گذارتے ہیں صرف اس قدر معلوم ہے کہ وہ موسم کے بدلنے پر اڑ کر چلے جاتے ہیں۔ مگر معلوم نہیں کہ کس ملک میں جاتے ہیں۔

پرندوں کے اس قسم کے حالات معلوم و مشاہدہ کر کے سائنس داں حیران ہو رہے ہیں کہ قدرت نے ان کو کیسی حیرت انگیز حیرانی عقل عطا کی ہے!

۲

یہ تو پرندوں کا حال ہے۔ اب مختصر سا حال جنگلی چارپایہ جانوروں کا سنیئے۔

شیر، چیتا۔ بارہ سنگھا وغیرہ کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بھی سردی میں سرد ملک سے اور گرمی میں گرم ملک سے نقل مکان کرتے ہیں۔

میں نے تحصیل کولہگام کے ایک بھاری جماعت بارہ سنگھوں کی دیکھی جو بہت زیادہ دن دھاڑے آبادیوں کے درمیان میں سے ایک دریا کو عبور کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ ہم کو ان کی اس قدر بڑی تعداد دیکھ کر خوف پیدا ہوا۔ [illegible] ہی ان کا حال دیکھتے [illegible] تھی۔ زیادہ عمر کے [illegible]

(باقی اگلے صفحہ پر)



مریض:- ڈاکٹر صاحب! میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ اپنے کمزور حافظہ کا علاج کراؤں۔
ڈاکٹر:- تو پہلے میری فیس ادا کر دیجئے۔

(پچھلے صفحے سے)

میں چھوٹے چھوٹے تھے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ایسے مقامات سے روانہ ہو کر آ رہے ہیں جو اس جگہ سے تقریباً چالیس میل کی دوری پر واقع تھا۔ مقامی زمینداروں اور عمر رسیدہ لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ہر سال اسی تاریخ کو اسی طرح یہ جانور نقل مقام پر تموت جاتے ہیں اور جنگلوں میں رات گذارتے ہیں۔

(۳)

مَیں ایک چوہوں کا واقعہ سناتا ہوں۔ وہ بھی خاصی دلچسپی کا موجب ہوگا۔

میرے ایک رشتہ دار نے اپنی چوکی پر ملینا سو روپیہ نقد گن کر رکھے۔ چونکہ جلدی میں کسی جگہ جانا ضروری تھا لہٰذا اس نے خیال نہ کیا کہ روپیہ کھلا پڑا ہے۔ وہ چلا گیا۔ اور کمرے کے دروازہ پر تالا لگا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو میز پر کوئی روپیہ نہ پایا۔ طرح طرح کے شکوک اس کے دل میں پیدا ہوئے۔ گھر والوں سے پوچھا مگر سب نے لاعلمی ظاہر کی۔ وہ حیران ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے وہ عقلمند تھا اس نے فوراً تاڑ لیا کہ چوہا لے گیا ہوگا اس خیال کی تائید اور لوگوں سے بھی اس کو ہوئی۔ بالآخر چندہ دی جمع ہوئے کہ کس طرح اس کا پتہ لگایا جائے۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ تو بہت آسان ہے۔ تم شراب لاؤ۔ چنانچہ شراب کی ایک بوتل منگوائی گئی اور اس کا کارک کھول کر ایک پرات میں اس کو ڈال دیا اور اس میں کھانڈ ملا دی گئی۔ سارے کمرے میں فرش پر سفید لٹھا کی چادر بچھائی گئی۔ اور درمیان میں یہ شراب سے بھری ہوئی پرات رکھی گئی۔ قریب ہی اس کے چند روٹیاں رکھی گئیں۔ اور ایک شمعدان جلا دیا گیا۔ کمرہ ہر طرف سے بند کر دیا گیا۔ صرف ایک سوراخ کھلا گیا جس سے اندر کا حال معلوم ہو۔ اور دیکھ لیا جائے۔ دو بجے رات تک تو کوئی بات نہ ہوئی۔ اس کے بعد ایک بڑا سا چوہا نکلا۔ وہ اس پرات کے پاس گیا اور میٹھی شراب پینے لگا۔ بعد ازاں وہ ناچنے اور کودنے لگا۔ پھر کیا تھا۔ وہ ایک ایک روپیہ ایک سوراخ سے نکال نکال کر فرش پر بچھاتا گیا۔

جب سب روپیہ فرش پر بچھا چکا تو اس پر لوٹنے لگا۔ اتنے میں صاحب خانہ کو اس شخص نے جس نے یہ ترکیب بتائی تھی کہا کہ اب دروازہ کھولو۔ فوراً دروازہ کھول دیا گیا۔ چوہا بھاگ گیا۔ روپیہ گنا گیا تو پورا نکلا۔ پھر دو دن تک چوہا بل سے نہ نکلا۔ جب یہ سب لوگ چلے گئے اور کمرہ کئی دن تک خالی رہا تو معلوم ہوتا ہے کہ چوہا نکلا لیکن روپیہ نہ پا کر بیمار ہو گیا اور پھر ایک دن صبح کو دیکھا گیا کہ فرش پر مردہ پڑا ہے۔

(۴)

پالتو چارپائے جانوروں کے متعلق تو ہزاروں قصے کہانیاں ہیں۔ بالخصوص کتوں کے متعلق جنہوں نے وہ وہ کام کئے ہیں کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

میرے گھر میں ایک بنارسی گائے تھی جس کی پرورش میری اہلیہ کرتی تھی۔ جب میری اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو گائے تین دن سوائے رونے کے کچھ نہ کیا حتیٰ کہ تین دن تک کھانا تو درکنار پانی بھی نہ پیا۔

اسی طرح مَیں نے دیکھا کہ ایک راجا صاحب کے چچا کا جب انتقال ہو گیا تو ان کی گاری کے گھوڑے جو سٹر نگر بیڈ کوارٹر سے بیس میل دور ایک مقام پر تھے۔ اور میں اس علاقہ میں دورہ پر تھا۔ دیکھا کہ ان گھوڑوں نے سخت شور مچایا۔ روتے رہے اور کچھ نہ کھایا پیا۔

یہ دیکھ کر میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی کہ ان کو کس طرح الہام ہو گیا کہ ان کا مالک ان سے جدا ہو گیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بہت سے لوگوں سے اس قسم کے دیگر واقعات معلوم ہوئے ہیں۔

(۵)

ان حالات سے قارئین کرام اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جانوروں کو کس قدر قدرت نے طاقت عقلی اور تمیز ذاتی بخشی ہے۔

میرا خیال ہے کہ اگر ہم میں جانوروں کی بولیاں جاننے کا مادہ ہو اور ہم اُن سے بات چیت کر سکیں یا کم از کم ان کی بولیاں سمجھ لیں تو ضرور ہم کو ان کے خیالات اور اس قسم کے واقعات معلوم ہو سکتے ہیں۔ لیکن فی زمانہ یہ ناممکن ہے۔ گو شاستروں اور پرانوں میں اشارۃً ذکر آیا ہے کہ قدیم زمانہ میں

اُن کے ساتھ آخری سیر

میری ملکہ نے اپنی بھنوؤں کو سکیڑا۔ اس نے نگاہیں جن میں رحم کے ساتھ ساتھ عزم کا عنصر بھی موجود تھا میرے اوپر لمحہ بھر کے لئے جما دیں۔

ترازو کے ایک پلڑے میں زندگی تھی اور دوسرے میں موت۔

"اچھا!———"

خون یکایک میری رگوں میں کھولنے لگا۔۔۔ آہ میری آخری توقع غلط تھی۔

مَیں اور میری ملکہ پہلو بہ پہلو سیر کو جانے والے تھے۔

اس طرح میں ایک دن اور زندہ رہ گیا۔ اور کون جانتا ہے کہ آج رات دنیا اپنے انجام کو نہ پہنچ جائیگی۔

(انگریزی سے ترجمہ)

مشین اور ہاتھ کا مقابلہ

ایک دلچسپ فلسفیانہ مضمون جس میں مشین کے شیطانی شرارے اور انسانی ہاتھ کی رُوحانی عظمت کے جلوے دکھائے گئے ہیں۔

(از شریمتی نندرا دیوی صاحبہ)

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ زمانے میں ہاتھ ایک معمولی شغل سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ دستکاریوں کو پرانے وقتوں کی جھلک ابھی کہا جاتا ہے جب انسان کے پاس مشین نہ تھی اور ہر کام ہاتھ سے کرنا پڑتا تھا۔ اب جبکہ انسان ترقی کر چکا ہے وہ پرانے زمانے کے ہاتھ کے کام کی چیزوں کو کیوں پسند کرے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ جذبات کے ماتحت ہم ان کی قدر کر سکتے ہیں ورنہ موجودہ افادی نقطہ نظر سے صنعت و حرفت کے میدان میں مشین کی طرح تیز چلنے والے زمانہ میں دستکاریوں کی طرف جانا ایک لاحاصل بات ہے۔

جو لوگ مشین کے مقابلہ میں ہاتھ کی بے قدری کرتے ہیں وہ مادہ کی الجھنوں میں گرفتار ہو گئے ہیں اور خدا کی دی ہوئی اصلی نعمت (ہاتھ) کی خوبیوں اور اس کے ذریعہ ظاہر ہونے والی خدائی برکتوں سے ظاہراً آگاہ نہیں ہیں۔ انسان کی رُوحانی برتری۔ عقلی ترقی اور خدا کے دیئے ہوئے گُن صرف ہاتھ سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔ کون ہے جو کسی مذہبی رسم کے ادا کرنے کے لئے مشین بنانے کی فکر کرتا ہو۔ کون ہے جو پیانو یا رباب بجانے کے لئے انسان کے ہاتھ کی بجائے کسی مشین کو لگا دینا بہتر جانتا ہے۔ کون ہے جو نازک و پیچیدہ عمل جراحی میں انسان کے ہاتھ کی بجائے مشین کے بے پروا استعمال کی اجازت دیگا۔ ہر جگہ انسان کو اپنی انسانیت ہاتھ کے ذریعہ ظاہر کرنی پڑتی ہے۔ خدا اگر اپنے بندہ کے ذریعہ ظہور میں آتا ہے تو وہ صرف ہاتھ ہیں۔ پس دستکاریوں کو میکانی کاموں اور (MECHAiCAL) مشینوں پر ہمیشہ نقلی روحانی برتری حاصل رہے گی۔ جس طرح ملاوٹ ملا ہوا دودھ یا دیگر غذائیں نہ صرف انسان کو طاقت نہیں پہنچاتیں۔ اسی طرح ملاوٹ ملے ہوئے کام یعنی جن میں ہاتھ کی بجائے صرف مشین کارفرما رہی ہو انسان کی فطرت میں ہمیشہ پیدا کر دیتی ہے۔ مگر اس کا اظہار فوراً نہ ہوا اور اس قدر براہ راست نہ ہو جس قدر مثال میں بیان کیا گیا ہے۔

"دریائے زندگی"!

زندگی ایک حقیقت ہے۔ اور ایک ایسا تجربہ جسے انسان خود اپنے لئے شروع کرتا ہے۔ اپنے تک محدود رکھتا ہے اور خود ہی اسے بھوگتا ہے۔ وہ جب تلاش حق کرتا ہے تو دوسروں کے لئے کم اور اپنے لئے زیادہ۔ اسے بنایا ہی گیا ہے کچھ ایسی ساخت پر کہ وہ اپنے آپکو زیادہ سمجھے اور دوسرے کو کم۔ اور بعض اوقات صرف اپنے ہی آپ کو سمجھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے لئے پہلے کچھ کرتا ہے اور جس سماج میں وہ پیدا ہوا ہے یا پلا گیا ہے اس کے لئے بعد میں کرتا ہے۔ مگر انفرادی اور اجتماعی عمل بکانے کے لئے دلچسپ ہونا لازمی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان فطرتاً خود غرض ہے بلکہ یہ کہ انسان خود اپنی آگاہی اور اپنی مدد کا شعور زیادہ رکھتا ہے۔ اور جب تک انسان میں خود داری کی قوت اور شعور نہ ہو۔ باہر کے دائرہ تک اس کی مدد اور رابطہ کا پہنچنا دشوار ہے۔ انسان کبھی کسی محدود دائرہ سے آگے بڑھنے کے لئے وضع نہیں کیا گیا تھا۔ مثال کے طور پر مشرق یا مغرب کی سب سے بہتر عمارت ایتھنز کو لیجئے۔ ایتھنز کی تہذیب مکمل مانی جاتی ہے۔ اسے بہترین حکمت و سیاسی ادارہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن خود ریاست ایتھنز ایک میونسپلٹی سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہم بستی میں رہتے اور تمدن کو وسیع دیتے ہیں اور پیدا کرتے رہے کی جو سہولتیں ہمیں حاصل ہیں۔ ہم پھر گاؤں اور دیہات اور چھوٹے چھوٹے انسانی گروہوں میں منقسم ہو جائیں اور تکلفات اور آرائشات تہذیب کو چھوڑ کر ما قبل تاریخ کے انسانوں کی جنت ہو جائیں؟ اس سوال کا جواب دینا ذرا مشکل ہے۔

انسان اپنی ذات کی معرفت، اور گیان کیونکر حاصل کرے کیا اس طرح کہ آلتی پالتی مار کر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائے اور سوچنا شروع کر دے کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ کہاں جا رہا ہے۔ دنیا میں آنے کا کارن کیا ہے؟ میری ذاتی رائے میں یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اکثر لوگ آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور کرتے کچھ نہیں۔ ان کے دل کی آنکھ بھی بند ہی رہتی ہے لیکن اگر کوئی اپنی ہستی کو سنوارنے کے لئے اس قسم کی مشق اور عمل کرتا ہے تو کیا عجب ہے کہ اسے معرفت کائنات اور خود شناسی کا گیان ہو سکے۔ مگر یہ خود انسان کی اپنی دشوار طاقت اور مجموعی حواس پر منحصر ہے جن سے وہ ایسی حالتیں کام لیا کرتا ہے پس جو لوگ اپنے جسم اور روح کو اس بلندی پر لیجا سکتے ہیں ان کے جسم میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے اور وہ نور "دریائے حیات" ہوتا ہے جس سے وہ اپنی اپنی زندگی کو سیراب کرنے کے لئے نہریں نکال لیجاتے ہیں۔ جب تک نفوذ اور مقناطیسیت جسم و روح کا یہ معیار برتر انسان حاصل نہ کر سکے وہ روح کے لئے کار آمد نہیں ہو سکتا۔ اور یہ وہی کر سکتے ہیں جنہوں نے جسم اور روح سے بڑا کام نہیں لیا ہے اور پاکیزگی بر دستور اس رکھتے ہیں۔

یسوعؑ نے کہا تھا!

انسان کے پیچھے دنیا کے جھگڑے لگے رہتے ہیں جن کی وجہ سے انسان میں جو برتی اور روحانی عظمت اور جلال کی ہوتی ہے وہ بجھ جاتی ہے اور اس کی مقناطیسیت ذات میں کوئی کشش باقی نہیں رہتی۔ خواہ ہم پرانے طریقہ سے مراقبہ یا سمادھی کریں یا نئے طریقہ سے (یعنی نیک اعمال کے ذریعہ) آتم گیان یا نا اور جاننا ضروری ہے کہ مہاراج کرشن نے جسے کام کرنے کی طاقت اور گن کہا ہے وہ حاصل کرنا لازمی ہے "انسان کا نرن" اور "امرت" زندگی کا اس کی روحانیت کے عروج میں ہے نہ کہ زندگی کی مادی و جسمانی تسکین کے حصول میں۔

یسوع نے کہا جب مجھ میں سے نیکوکاری چلی جائے گی تو روحانی روشنی ختم ہو جائے گی۔

آج ہم نے یہ سنا ہے کہ ہنگری میں ایک شخص ہے جو ہاتھ پھیر کر قطب نما کی سوئی ٹھہرا دیتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں یہ غضب کی مقناطیسیت کہاں سے آئی۔ وہی اندرون قلب کی روشنی ہم سب ایسا کیوں نہیں کرنے لگتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نیکوکار نہیں رہے۔ نیکی کا مقصد صرف عمل حیات کی نیکی ہی نہیں بلکہ جسم کو بھی آلائیشوں سے پاک رکھنا ہے۔ ہم میں یہ عنصر حیات، یہ مقناطیسیت روح و عمل ہر وقت موجود ہوتی ہے۔ مگر اس کا احساس ہمیں نہیں ہوتا۔ آیئے ہم زندگی کو نباہیں۔ ان اندازوں سے نہیں جو ہماری تہذیبوں کے معیار کے مطابق ہیں بلکہ اندرونی احساس کے مطابق جو ضمیر و ایمان اور دھرم کہلاتا ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

اور جو ہمارے قلب میں روشنی کی ایک باریک لکیر روش لکیر کی طرح جگمگاتا رہتا ہے۔

مصنوعیت کا غلبہ

ہم پر مادہ کا غلبہ اس قدر ہے کہ شروع ہو ... چیز غیر فطری اور مصنوعی استعمال کرتے ہیں۔ جسموں میں ملاوٹی غذا پہنچا کر انہیں ... کرتے ہیں اور روح کو پژمردہ کرتے ہیں کیا جسم و روح کی اس پژمردگی کو دور کرنے اور اسے فطرت کی طرف موڑنے کے لئے ہم کچھ کر سکتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان جب تک عادت اور تصنع کا عادی اور شیدا ہے روح شفاف نہیں ہو گی اور جسم سے نوجوان کوئی نقل ... نہیں کرتا ہیں معدوم یا کمزور ہو جائینگی پس ضرورت ہے کہ جدید انسان میں جو چیز مفقود ہو گئی ہے آہستہ آہستہ دوبارہ واپس لایا جائے۔ انسان میں چونکہ تخلیقی قوت کم ہو گئی ہے ... اور وہ ہر بات میں مشین کے بھروسہ اور مادہ اور آلات کی طاقت پر زیادہ گھمنڈ کرنے لگا ہے۔ اس لئے اسکی اصلاح کی ضرورت ہے۔ آرٹ اور ڈرامہ کو دیکھئے کیا یہ چیزیں واہیات مذاق اور فضول وقت گذاری کے لئے ضبط کی گئی تھیں۔ نہیں ان کا مقصد روح کے لئے نشاط اور ولولہ اور طاقت عمل پیدا کرنا تھا۔ مگر اب ڈرامہ اور موسیقی کو جس طرح مشین میں مقید کر دیا گیا ہے وہ ظاہر ہے۔ انسان کی انسانیت اب مشین کے واسطے سے معکوس ہوتی ہے۔ موسیقی کو جو دل سے نکلتی ہے مشین میں بند کر کے بیچنا اس قدرتی عطیہ اور جوہر کے ساتھ انتہائی بدسلوکی ہے۔ کیا موسیقی کو مشین کی گنتی کرنے والی ناانصافی سے بچایا جا سکتا ہے۔ معاشرتی اصلاح کرنے والے کہاں چلے گئے ہیں۔ آئیں اور دیکھیں کہ انسان کی روحانی رفعت اور اسکی خوبیوں کو جو اس نے اپنے جسم کے اعضاء سے پیدا کیا تھا کس طرح مشین اور اسکی بلی بھگت سے نشٹ کیا جا رہا ہے۔

مشین کو بالکل نیست و نابود نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ اصل میں جس چیز کی ضرورت ہے وہ مشین کو ضابطہ اور قابو میں رکھنے کا سوال ہے۔

یہی ضرورت ہے کہ تمام آرٹسٹ، دوست کار، انسانیت پرست، فطرت پسند اور سبکدوش لوگ۔ دستکاری کی ترقی اور مشین کو کمتر درجہ میں رکھیں۔

جو مشینیں انسان کی مددگار ہیں انہیں تو برقرار رہنے دو۔ باقی سب کو فنا کر دو۔ زیادہ مشینیں انسان کی غلامی اور ذلالت کا باعث بن گئی ہیں۔ ان کے استعمال کی ضرورت ہے۔ ہر چیز انسان کی حیات کی تکمیل میں حارج ہو۔ جو چیز انسان کی انسانیت اس کی کشش اور مقناطیسیت کو فنا کرے اسے روکنے اور قابو میں رکھنے کی ضرورت ہے دنیا میں آرٹ آرٹ کہنا ایک بے معنی بات ہے۔ آرٹ زندگی کی خاطر ہونا چاہیئے۔ اور مشین انسان کے لئے بننی چاہیئے نہ کہ انسان غلام و مقید ہو اس آہن کا جو اس نے خود اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔

ہم خدا کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے اور پڑھا کرتے ہیں مگر میرا خیال ہے کہ ہم نے ہاتھوں سے جو کام لیا ہے اور ہاتھ جو چیزیں بنا کر دنیا کی مشکلات میں اضافہ کر رہے ہیں اس کی وجہ سے ہاتھ ناپاک ہو گئے ہیں اور خدا کی طرف اٹھنے کے لائق نہیں رہے۔ ہم خدا کے مندر یعنی جسم کو ہاتھوں کی مدد سے ناپاک کرتے رہتے ہیں۔ ہاتھ خدا کی دی ہوئی وہ چیز ہیں سے جو مشینوں کی بنائی ہوئی ہے ہاتھوں ... دوسروں کی چیزیں چھیننے کے لئے اور بیٹی تک بڑھتے ہیں ... استعمال کیا جا رہا ہے ... ہاتھوں کی ناپاکی ہے۔ تہذیب عالم ... مردوں اور عورتوں کی متحدہ سرگرمیوں اور انتھک کوششوں کی

تعمیر کا نتیجہ ہے ان میں انسان کے اس عضو نے جسے ہاتھ کہا جاتا ہے جتنا زبردست حصہ لیا ہے اسے کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا۔

پس حصول آسائش، حصول زر اور حصول ذاتی نفع کے لئے اس مقدس چیز کا استعمال کرنا انتہائی تذلیل ہے انسانیت کی اور اس خالق کی جس نے یہ نعمت ہم کو عطا کی تھی۔

خود میری زندگی اس قدر میکانی گذری ہے کہ کیا بیان کروں۔ ایک زمانہ میں مجھے پیشے کام کی وجہ سے سات سات ٹیلیفون سننے پڑتے تھے جب سو کر اٹھتی تھی تو جسم پر مصنوعی کپڑے

مصنوعی آرائش اور فیکٹریوں کی مسموم ہواؤں سے گذرنا پڑتا تھا۔ جب ہماری انفرادیت اس طرح مشین کے پرزوں کی طرح منجمد ہو جائے تو اسے خودکشی نہ کہوں تو اور کیا کہوں کیا انسانیت پرست اور روح و مقناطیسیت انسانی کے ارتقاء کے قائل مشین کو پس پشت ڈالکر ان ہمارے ہاتھوں ان مقدس ہاتھوں کی برتری دنیا میں ظاہر کرنے کی کوشش کریں گے جو قدرت نے ہمیں انسان بننے اور رہنے کے لئے دیئے ہیں۔



حفظانِ صحت

پانی کا پرہیز

(از جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی)

چونکہ انسانی زندگی کے لئے سب سے زیادہ ضروری پانی ہے۔ غذا کے بغیر یہ ممکن ہے کہ ہم دس بیس دن گذار لیں بعض ممالک میں تو بھوک ہڑتال ایک فیشن بن گئی ہے اور لوگ مہینہ بغیر کچھ کھائے زندہ رہ لیتے ہیں۔ لیکن پانی کے بغیر شاید ایک ہفتہ بھی زندگی گذارا جا سکے لیکن تماشہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اسی چیز کا ہوّا بنا دیا گیا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے اس طرح پانی کو بھی ایک خوفناک زہر سمجھا جاتا ہے۔ ڈبل روٹی یا سالن روٹی تو ضرور ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے بعد پانی پینے کی اجازت دیدی جاتی ہے ورنہ دوسری چیزوں کے متعلق ہر سن رسیدہ بوڑھوں اور بڑی بوڑھیوں کا یہی کہنا ہوتا ہے کہ انہیں کھانے کے بعد پانی نہ پینا چاہئے۔ گھی کی کوئی چکنی چیز کھالی اور اب پانی حرام ہو گیا۔ تیل کی بنی چیز میں ڈال دی اور اب اس کے بعد پانی سے کھیرا بن گیا سیب امرود۔ انگور، جامن، آم، سردے کا کاٹ خربوزہ کوئی پھل کھا لیا بس اب پانی نہیں پی سکتے۔ مٹھائی کھالی تب بھی پانی بند۔ کھٹائی کھائی تب پانی بند ہو جاتا ہے۔ پانی کو ترسیئے۔ اور سوڈا یا شربت پی لیا تب پانی کو زہر سمجھئے۔ اور اگر کہیں بدقسمتی سے بیمار ہو گئے تب تو گھر میں گویا کربلا کا میدان بن جاتا ہے۔ آپ پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جائیے۔ حکیم یا ڈاکٹر اجازت بھی دیدے تب بھی تیمار دار پانی کا گلاس مریض کے قریب نہیں لے جاتے۔ بیمار بخار میں جل رہا ہے۔ زبان خشک ہو گئی ہے۔ تالو میں کانٹے پڑ گئے ہیں حلق چٹخا جاتا ہے لیکن تیمار دار صاحب ایک انداز حکیمانہ کے ساتھ سر ہلا کر یہی فرماتے رہتے ہیں کہ:۔

"بخار میں پانی دے سکتے کیا مریض کو مارنا ہے۔ پانی تو صرف گرم ہونے سے سرسام ہو جاتا ہے۔"

ہیضے کے بیمار کو اس سبب سے پانی کی بے انتہا ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے خون کا قریب قریب تمام سیال حصہ قے اور دستوں کے راستے نکل جاتا ہے۔ اور خون اس قدر گاڑھا ہو جاتا ہے کہ آسانی سے رگوں میں دورہ نہیں کر سکتا۔ لیکن خون گاڑھا پڑ جائے یا کیسا اگرم ہی جائے تب بھی اس طرح قدرت تیمار داروں سے پانی کا ایک گلاس دینا گناہ عظیم خیال کرتا ہے۔

مجھے خود ایک سے زائد مرتبہ تیمار داروں کے منہ سے یہ الفاظ سننے کا اتفاق حاصل ہوا ہے کہ "جی اسے پانی کی بہت پیاس ہے۔ اور جب یہ پانی مانگتا ہے تو ترس بھی بہت آتا ہے۔ مگر صاحب ہم نے گھر میں کہہ دیا تھا کہ اگر اسے پانی دے دیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

یہ اور اسی قسم کے اور بہت سے نقرے انتہائی فخر کے لہجہ میں کہے جاتے ہیں۔ اور ان بزرگوں کو یہ توقع ہوتی ہے کہ حکیم صاحب یا ڈاکٹر صاحب ان کی اس سنگدلی کی تہ دل سے داد دیں گے۔ اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کوئی ڈاکٹر یا حکیم محض اس خیال سے کہ تیمار دار اس سے خوش رہیں اور اسے بے وقوف نہ خیال کریں ان کی اس سختی کی بھی تعریف کر دیتا ہے۔ اسی طرح کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر غلطی سے ڈاکٹر یا حکیم نے ان کے اس عمل پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو دوسرے ہی دن مریض کی ڈولی سیدھی کسی دوسرے ڈاکٹر کے مطب میں پہنچ جاتی ہے

اور اس نئے ڈاکٹر کے سامنے تیمار دار صاحب سب سے پہلے یہی قصہ بیان فرماتے ہیں کہ "صاحب فلاں ڈاکٹر کا علاج تھا مگر انہوں نے ایسی حالت میں پانی پینے کی اجازت دے دی اگر کوئی بے وقوف آدمی ہوتا تو بیمار کو پانی دے ہی دیتا مگر ڈاکٹر صاحب آپ تو جانتے ہیں کہ ہماری ساری عمر مریضوں کی تیمار داری میں گذری ہے۔ اور ہم نے ڈاکٹر عزیزی اور حکیم جمال الدین جیسے طبیبوں کی آنکھیں دیکھی ہیں ہم ایسی غلطی کیسے کرتے۔ ہم نے تو اسی وقت یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ بیمار کی جو دوا آگئی ہے وہ تو اور پی سے اور کل خدانے چاہا تو کسی اور اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں گے۔"

اب اگر ان نئے ڈاکٹر یا حکیم صاحب کو "اچھے طبیب" کا خطاب حاصل کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ دبی زبان ہی سے سہی لیکن یہ تیمار دار صاحب کی ہاں میں ہاں ضرور ملائیں گے ضرور۔ اور ایک مرتبہ جہاں ان کی زبان سے یہ نکلا کہ "آپ نے اچھا کیا کہ پانی نہ دیا" اور مطب میں جتنے مریض اور تیمار دار بیٹھے تھے سب نے اس طبی نکتے کو خوب کس کر گرہ میں باندھ لیا۔ اور آئندہ بوقت ضرورت کے ذخیرے پر اس "معلومات" سے فائدہ اُٹھاتے رہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا پانی درحقیقت ایسی ہی خطرناک چیز ہے کہ اس سے زہر کی طرح پرہیز کیا جائے؟ پانی ہمارے جسم کا جزو اعظم ہے۔ اور ہمارا خون کہ جب مدت ہائے دراز تک انسان کی روح یا انسان کی جان سمجھا جاتا رہا وہ تو قریب قریب سارا کا سارا پانی ہی ہے۔ اگر ہمیں پانی نہ ملے یا ہمارے جسم کا بہت سا سیال حصہ نکل جائے تو ہمارا خون اس حد تک گاڑھا ہو جائے گا کہ باریک باریک رگوں میں دورہ نہ کر سکیگا اور خون کا دورہ رک جانا ہی تو موت ہے۔

پانی کا صرف یہی ایک فائدہ نہیں ہے۔ وہ جس طرح ہمارے بدن کے اوپر کے حصوں کو دھو کر صاف کر دیتا ہے اسی طرح وہ جسم کے اندر کی تمام غلاظتوں کو بھی صاف کر لیا کرتا ہے پیشاب اور پسینہ درحقیقت وہ پانی ہی ہوتا ہے جو ہم پیتے ہیں۔ اور جو ہمارے بدن کے اندر سے تمام میل کچیل کو اپنے ساتھ بہا کر لئے چلا آتا ہے اور ان فضلی رستوں سے باہر نکل جاتا ہے۔ اگر پانی نہ ہو تو نتیجہ یہ ہے کہ یہ تمام غلاظتیں خون کے اندر ہی رہیں گی اور بدن سے باہر نہ نکل سکیں گی۔ زخمیوں کو ہمیشہ پیاس زیادہ معلوم ہوا کرتی ہے۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ ان کے جسم کا خون بہت سا نکل جاتا ہے۔ اور جسم کو ضرورت ہوتی ہے کہ باہر سے کوئی سیال چیز اندر پہنچے تاکہ خون آسانی سے دورہ کر سکے بخار کی گرمی خون میں سے پانی کے ایک بہت بڑے حصے کو بھاپ بنا کر اڑا دیتی ہے اس لئے جسم پانی مانگتا ہے تاکہ خون کے دوران میں فرق نہ آنے پائے۔ ہیضہ، ذوسنطاریا وغیرہ سب ایسی بیماریاں کہ ان میں خون کا سیال حصہ بکثرت خارج ہو جاتا ہے اور خون کا دوران قائم رکھنے کے لئے پانی کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی حالتوں میں اگر پانی میسر نہ آئے تو مریض اپنی بیماری کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف پانی کی کمی کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ جسم اور خون کے اندر بیماری کا جو زہر یا جراثیم گھس گئے ہیں انہیں باہر نکالنے کے لئے بھی پانی ہی کی ضرورت ہے۔ اگر کافی مقدار میں پانی پہنچتا رہے تو پیشاب پاخانہ اور پسینے کے راستوں سے یہ زہر بکثرت اور بآسانی خارج ہو سکتا ہے۔

پانی کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ گرم چیزوں کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ اور چونکہ بخار کی حالت میں بدن کے تمام اعضا بہت گرم ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں کسی قدر ٹھنڈک پہنچانے کے لئے بھی بار بار پانی پیتے رہنا بہت ضروری ہے۔

یہ خیال کہ چکنائی کھانے کے بعد پانی نہ پینے دیا جائے سراسر بے بنیاد ہے اور اس کی لغویت اسی سے ظاہر ہوتی ہے کہ چکنائی یا چیں وغیرہ کھانے کے بعد اگر روٹی کا ایک نوالہ کھا لیا جائے تو پھر پانی پینے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ روٹی کا وہ ایک نوالہ معدہ کے اندر چکنائی کی طرح بھی نہ ہے پردہ کی حیثیت اختیار کر سکتا جو بیشتر کی کھائی ہوئی سب چیزوں کو ڈھک لے اور جب پانی پیا جائے تو اسے چکنائی اور پھلوں تک نہ پہنچنے دے۔

پانی ہمارے جسم کے لئے انتہائی ضروری چیز ہے اور ہمیں بلا تکلف خوب زیادہ اس کا استعمال کرنا چاہئے تاکہ ایک طرف تو خون کا سیلان قائم رہے اور دوسری طرف جسم کے اندرونی اعضا سب اچھی طرح دُھل کر صاف ہوتے رہیں۔ بیماری کی حالت میں پانی کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور مریض کو پانی پینے سے روکنا اس کے ساتھ انتہائی دشمنی ہے۔

پانی کے متعلق جس احتیاط کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ پانی صاف اور ہر قسم کے جراثیم سے پاک ہو۔ اگر کوئی وبا پھیلی ہوئی ہو تو سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ پانی کو جوش دیکر برتنوں میں بھر لیا جائے پھر ٹھنڈا ہونے پر پیا جائے۔ جوش دینے سے پانی کے تمام جراثیم مر جاتے ہیں۔

دو [redacted] عرض

(از جناب مہتہ عجیب چند صبا۔ ماڈل ٹاؤن خاص تیج دیکلی کے لئے)

اک گلِ رعنا کی کرنے جستجو آیا ہوں میں
بن کے گلشن میں نسیم مشکبو آیا ہوں میں
اشک خونیں سے کرونگا نخل الفت پُربہار
گلشن ہستی کو دینے رنگ و بُو آیا ہوں میں
ایک مدت سے ہوئی ہے جو زبانِ گل خموش
اُسکو کرنے آشنائے گفتگو آیا ہوں میں
اب ریاضِ دہر ہوگا غیرتِ باغِ جناں
لے کے جنت سے بہارِ رنگ و بو آیا ہوں میں
رند و زاہد کو پلا دینے مئے وحدت کا جام
پھر مٹانے امتیازِ ما و تو آیا ہوں میں
ہے اگر میخانۂ ہستی کی یہ کہنہ شراب
لے کے محفل میں نئے جام و سبو آیا ہوں میں

پھر تقاضہ لن ترانی کا کروں گا طور پر
بیخودی میں لیکے شوقِ گفتگو آیا ہوں میں
چاک دامانی نہ دیکھی جائیگی اب قوم کی
تارِ الفت لے کے پھر بہرِ رفو آیا ہوں میں
پھونک دوں گا قلبِ مردہ میں نئی روحِ رواں
پھر اٹھانے ایک حشرِ گفتگو آیا ہوں میں
بیکس و مظلوم کی آنکھوں سے جو آنسو گرا
اُس دُرِ یکتا کو دینے آبرو آیا ہوں میں
انقلاباتِ زمانہ ہیں مری آنکھوں میں سب
زندگی کے واسطے رونے لہو آیا ہوں میں
ہے بھری جس میں شرابِ نغمۂ صبحِ ازل
لے کے محفل میں وہی جام و سبو آیا ہوں میں

شاعرِ رنگیں بیاں ہوں مختصر ہے یہ صباؔ
گلشنِ ہستی میں بنکر رنگ و بُو آیا ہوں میں

جواہر پارے

(از جناب دیا ساگر ہریانہ ضلع فیروزپور)
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

زندگی ایک طویل سفر ہے

(ڈکٹر ہیوگو)

زندگی ہم میں سے گذرتی ہے۔ لیکن ہمارے قبضے میں نہیں آسکتی۔

(اسپیل)

زندگی ایک خوشگوار خواب ہے جس کی تعبیر موت ہے

(کارلائل)

موت جیتی رہتی ہے۔ لیکن زندگی ختم ہو جاتی ہے

(ملٹن)

موت ایک ایسا دروازہ ہے جس سے ہر شخص کو گذرنا ہے۔

(سعدی)

موت سے ڈرنا یقیناً بزدلی ہے۔

(بائرن)

موت ایک خوشگوار نیند ہے۔ لیکن جو سوتا ہے وہ بیدار نہیں ہوتا۔

(خسرو)

موت ایک بہترین اُستاد ہے۔ اس سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔

(لینن)

موت کی یاد انسان کو نیک بناتی ہے

لطیفے

کالج میں کا ایک نئے فرد۔ (جو بہت باتیں کرتا تھا)

دوست:- میں نے تم کو کہیں دیکھا ہے؟

دوسرا:- (جو باتوں سے تنگ آچکا تھا) ہاں میں جیل میں داروغہ تھا۔ وہاں ہی دیکھا ہوگا

(ارسطو)

اے انسان تو نیکی اور ایمانداری سے دولت کما اور اسے نیکی کی راہ میں خرچ کر۔

(وید)

دولت خدا کی رحمت کا سایہ ہے۔

(مہابھارت)

دولت کا سب سے پاکیزہ مصرف یہ ہے کہ اس سے غریبوں کی حاجت روائی کی جائے۔

(دلیہ کوپر)

دولت بذات خود نہ اچھی ہے نہ بُری۔ اس کا استعمال اچھا اور بُرا ہے۔

(بیکن)

موسیقی محبت و ہمدردی کی ماں اور مذہب و تمدن کی لوکرانی ہے۔

(جان لیک)

دشمن کے ساتھ ہمیشہ بہتر سلوک کرو تاکہ وہ تم سے شرمندہ ہو جائے۔

(ہیلی)

پہلا:- بالکل ٹھیک۔ مجھے بھی یاد آگیا میں ہی انسپکٹر تھا اور میں نے تمہیں برخاست کیا تھا۔

ایک دوست:- میرے سامنے دریا تھا۔ ایک طرف شیر اور دوسری طرف اژدہا منہ کھولے میری طرف آرہا تھا۔ تم جانتے ہو پھر کیا ہوا؟

دوسرا:- ہاں آنکھ کھل گئی ہوگی۔

پہلا:- نہیں۔ اس کے بعد پھر میں سو نہ سکا۔

نئی شادی شدہ بیوی ایک بڑھیا سے:- تمہارا خاوند کیا چیز کھانا پسند کرتا ہے؟

بڑھیا:- وہی جو گھر میں نہ ہو۔

اُستاد:- (شاگرد سے) طاقت کا ضیاع ہونا کسے کہتے ہیں؟

شاگرد:- کسی ایسے آدمی کو درد نگے کھڑے کرنے والی کہانی سنانا جس کے سر کے بال نہ ہوں۔

ایک دوست:- اگر تمہاری بیوی مجھے مل جائے تو دنیا میں کوئی مجھ سے بڑھ کر خوش قسمت نہ ہوگا۔

دوسرا:- نہیں۔ میں ہوں گا۔

جج:- (چور سے) نقدی چرانے کے بعد تم نے زیورات کیوں چرا لئے۔ کیا اس سے تمہاری تسلی نہیں ہوئی تھی؟

چور:- حضور میں نے سنا تھا کہ صرف دولت ہی سے خوشی حاصل نہیں ہوتی۔

ایک آدمی باؤلے کتے کے کاٹنے سے بے ہوش ہوگیا۔ جب ڈاکٹروں کی کوششوں سے وہ ہوش میں آگیا تو اس نے کاغذ اور پنسل مانگی۔ جس پر ڈاکٹر بولا۔

آپ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔ وصیت کی کوئی ضرورت نہیں۔

مریض نے جواب دیا۔

وصیت نہیں بلکہ میں ان آدمیوں کی فہرست بنانا چاہتا ہوں جنہیں اب میں کاٹوں گا۔

بچوں کا صفحہ

متواتر کوشش

(از جناب رام سروپ بھٹناگر ماسٹر مڈل اسکول چندوسی ضلع مراد آباد۔ خاص تیج ویکلی کیلئے)

جو پتھر پہ پانی پڑے متصل ‖ تو گھس جائے بے شبہ پتھر کی سل
رہوگے اگر تم یوں ہی مستقل ‖ تو اک دن نتیجہ بھی جائے گا مل
کئے جاؤ کوشش میرے دوستو

متواتر کوشش سے دنیا کا ہر ایک کام حل ہو گیا ... ذہن طلبہ لگاتار محنت سے امتحان میں کامیاب ہو گئے ... کا لگاتار محنت کرنا اور اس سے مختلف قسم کے مفاد حاصل کرنا مشہور ہے ... تاریخ شاہد ہے کہ جو سپاہی اپنی دھن میں مست رہے وہ ... بادشاہ کہلائے۔ تاریخ سے چند امثلہ انتخاب کرکے لکھی جاتی ہیں جن کے مطالعہ سے متواتر کوشش کے بہترین نتیجے معلوم ہو جائیں گے۔

۳۲۳ قبل مسیح کے قریب مگدھ پر مہاپدم نند کی حکومت تھی۔ چندر گپت موریہ خاندان کا ایک چھتری سورما اسی کوشش میں تھا کہ مگدھ کی سلطنت پر خود قابض ہو۔ اس نے اپنا خیال اسکندر اعظم سے بھی ظاہر کیا اور مگدھ پر حملہ کرنے کو اکسایا مگر اس کی فوج نے ساتھ نہ دیا۔ اور چندر گپت موریہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ لیکن جو لگن دل میں لگی ہوئی تھی وہ کب آرام سے بیٹھنے دیتی۔ آخر وہ دن آیا کہ چندر گپت وشنو گپت چانکیہ کی امداد سے مگدھ کا راجہ کہلایا۔ جس کے پوتے اشوک نے تمام ہندوستان پر حکومت کی اور اس کی عظمت کے نشان ہندوستان کے مختلف مقامات میں اب بھی موجود ہیں۔ مثلاً الہ آباد کی لاٹھ۔ سانچی کا اسٹوپ وغیرہ۔

اگر چندر گپت سلطنت مگدھ کے حاصل کرنے میں متواتر کوشش نہ کرتا تو شاید اشوک کو بھی آج کوئی نہ جانتا۔ اور اس کے ذریعہ جو بدھ مذہب کی اشاعت میں نمایاں کام ہوئے وہ ہرگز ظہور میں نہ آتے۔

دوسری مثال محمد غوری کی ہے۔ اس کی دلی خواہش ہندوستان میں حکومت قائم کرنے کی تھی۔ چنانچہ اس خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی غرض سے اس نے ہندوستان پر جو ہمیشہ سے غیر ملکی باشندوں کا جولانگاہ بنا رہا ہے متعدد بار حملے کئے۔ آخر ۱۱۹۲ء میں ہندوستان کے مایۂ ناز راجپوتوں کے سرتاج مہاراجہ پرتھوی راج کو شکست دے کر خود دہلی کی حکومت پر قابض ہوا۔ اور انجام یہ ہوا کہ اس وقت سے ۱۸۵۷ء تک ہندوستان میں مسلم سلطنت کا دور دورہ رہا۔ مغلوں کو ہندوستان پر حکومت کرنے کا شوق تھا۔ ان کے حملوں کی روک تھام کو التمش اور بلبن نے شمالی مغربی سرحد پر کئی قلعے تعمیر کرائے۔ اور قدیم قلعوں کی مرمت کی۔ مگر ان کے جوش دریا کی طغیانی کے مانند تھے۔ ۱۳۹۸ء میں جب تغلق خاندان کی حکومت چراغ سحری کے مانند تھی تیمور لنگ نے حملہ کیا اور دہلی کو تاخت و تاراج کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

اسی کے خاندان میں ظہیر الدین بابر نے ۱۵۰۴ء میں ہندوستان پر کئی بار حملے کئے۔ مگر ہندوستان میں ان دنوں سکندر لودھی کی حکومت تھی۔ بابر نے ہرچند کوشش کی مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ آخر بزمانہ ابراہیم لودھی ۱۵۲۶ء میں بابر فتحیاب ہوا۔ اور اس کے جانشینوں نے ۱۸۵۷ء تک ہندوستان میں حکومت کی۔

متواتر کوشش کی ایک زبردست مثال جنوبی ہندوستان میں ملتی ہے جس نے لگاتار کوشش سے دکن میں مرہٹوں کی سلطنت قائم کی۔ سیواجی جنہوں نے مرہٹوں کے اندر نئی روح پھونکی۔ غیروں کے دست تعدی سے ہندوؤں کی حفاظت کی جنوبی ہند کی وہ عظیم الشان ہستی ہے جس نے متواتر کوشش سے اپنا اور اپنے بزرگوں کا نام روشن کیا۔ افضل خاں مقابلہ کو آئے۔ شائستہ خاں نے سر اٹھایا۔ مغل بادشاہ اورنگ زیب نے بھی قید کیا۔ دو تین بار کئی بڑی بڑی فوجیں دکن میں ان کے مقابلہ کو روانہ کیں۔ مگر سیواجی نے آخر کامیابی حاصل کی۔

الغرض ۱۶۷۴ء میں رائے گڑھ کو راجدھانی بنا کر مرہٹہ سلطنت کی بنیاد دکن میں قائم کی جو ایک زمانہ تک نہایت آب و تاب سے حکومت کرتی رہی۔ اور اب بھی کئی مرہٹہ ریاستیں ہندوستان میں قائم ہیں۔ اگر سیواجی کے اندر متواتر کوشش کا مادہ نہ ہوتا تو شاید مرہٹہ قوم کی اس درجہ ترقی نہ ہوتی۔

انگریز جو آج دنیا کے ہر ایک حصہ پر حکمران ہیں۔ ان لوگوں کے اندر یہی مادہ ہے کہ جس کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں اس کو پورا کرکے چھوڑتے ہیں۔ خواہ اس میں کیسی ہی مشکلات کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ ہندوستان میں بلیک ہول کا حادثہ۔ پٹنہ کا قتل۔ درہ خیبر میں اکبر خاں کے ہاتھ سے ۱۸۴۲ء میں فوج کا خاتمہ وغیرہ ایسے واقعات ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے اندر لگاتار کوشش کرنے کا مادہ ہے۔

ان کے علاوہ ریلوے انجن کا موجد جارج اسٹیفنسن ایک کان کن کا لڑکا تھا اور مدت تک کان کھودنے کا کام کیا۔ مگر لگاتار کوشش سے ایک عجیب و غریب مشین بنا گیا۔ اور لیلینتھل ہوائی جہاز کا موجد ایک معمولی آدمی کا فرزند تھا مگر اس کی متواتر کوشش سے آدمیوں کا ہوا میں پرواز کرنا جو کہ کسی وقت میں انسان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا ممکن ہو گیا۔ مسٹر ہنری فورڈ موٹر کار کے موجد ایک کاشتکار کے بیٹے ہیں۔ مگر ان کی انتھک کوششوں کا نتیجہ یہ ہے کہ دولتمندوں میں دوسرا نمبر ان کا ہے۔ ہمارے اندر ایک زبردست کمی یہ ہے کہ جس کام کو شروع کرتے ہیں ابتدا میں بیحد جوش و خروش دکھاتے ہیں مگر درمیان میں معمولی رکاوٹ دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں اور انجام یہ ہوتا ہے کہ اس کام کو ادھورا چھوڑ کر دوسرے کام کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ الغرض تمام عمر اسی ادھیڑ بن میں صرف کرکے نہ کوئی بڑا کام کر سکتے ہیں اور نہ خود آرام سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

میرے چاند آجا

(از جناب [illegible])

میرے چاند آجا تیری بلائیں لوں میں
کیا بھولی بھولی صورت تجھ کو خدا نے دی ہے
ماں باپ کا کھلونا گھر بھر کا کھیل ہے تو
پیارا ہو کیوں نہ تجھ سے گھر بار ماں باپ کا بھی
آنکھوں کی روشنی ہے تو ہے چراغ سب کا
[illegible] تیری پروان ہو چڑھے اب
[illegible]
سائنس میں ادب میں پائے کمال پورا
تن ہو ترا توانا اور بازوؤں میں بل ہو
معقول ہو [illegible]
پھولے پھلے یہ بچہ پورا ہو مدعا یہ

[illegible] تجھ پہ میں واروں میں
کیا پیاری پیاری صورت پیارے سے تجھ کو ملے
اس گھر کے باغ میں اک نوخیز بیل ہے تو
کیا [illegible] تجھ کو خدا نے بھی
[illegible] سے تیری دل باغ باغ سب کا
علم و ہنر کے درجے محنت سے طے کرے سب
ہمت کبھی نہ ہارے کوشش کرے ہی جائے
جو کام بھی کرے تو چھوڑے نہ وہ ادھورا
اخلاق اور ادب کے وصفوں میں بے بدل ہو

مشرقی عورت سے!

(از جناب شاہد صدیقی لکھنوی)

نہیں اب لطف کوئی مشرقیت کے فسانوں میں
نکالی جا رہی ہے گنگی تہذیب کے گھر سے
مرتب ہونیوالا ہے نیا آئین بیداری
نہیں ہے کوئی شمع نورانی نگاہوں میں

الجھ کر رہ گئی ہیں کاکلیں مغرب کے شانوں میں
سنواری جا رہی ہیں تن پہ پوشاکیں نئے سر سے
قبائے ہوش کا رکھا گیا ہے نام ہشیاری
جلائی جا رہی ہیں مشعلیں منزل کی راہوں میں

تمدن کی فضا میں ہو رہا ہے اہتمام نو
سُن اے خدمت گذار آدمیت اک پیام نو

تجھے آباد کرنا ہے محبت کی فضاؤں کو
تجھے تبلیغ کرنی ہے اصولِ آدمیت کی
تجھے ہر نیک شعبے میں اک اصلاح کرنی ہے
جفا کی دشمن مردانگی تسخیر ہو جائے

مٹانا ہے جہاں سے خود پرستی کی جفاؤں کو
جہاں والوں پہ اک رحمت کھلے من و مسرت کی
بدی کے بدنما تیلوں میں تجھے نیکی بھرنی ہے
جو تو چاہے تو پھر قصرِ وفا تعمیر ہو جائے

زمانہ درپئے تخریب ہے اوسان قائم رکھ
ترقی کر، مگر نسوانیت کی شان قائم رکھ

دُلہن کو نصیحتیں

جاپانی دُلہن کو آٹھ نصیحتیں

جاپانیوں میں لڑکی کو رخصت کرتے وقت حسب ذیل نصیحتیں کی جاتی ہیں جو فی الحقیقت آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں:-

۱:- تم اس وقت سے میری دختر نہ رہیں بلکہ سُسرال والوں کی بہو بن گئیں۔

۲:- بیاہ ہو جانے سے تم کسی کی مملوکہ اور کوئی تمہارا حاکم ہو گیا اس کے حکم سے انحراف مت کرنا۔

۳:- اپنی ساس کو ہمیشہ خوش رکھنا۔ یہ تمہاری ابدی خوشی کا باعث ہوگا۔

۴:- اگر تمہارا شوہر کسی وجہ سے غصہ کرے تو اس کے جواب میں زبان درازی نہ کرنا۔ بلکہ نرمی اور چاپلوسی سے اس کے غصہ کو کم کرنا۔

۵:- کسی سے حسد، بغض، کینہ یا عداوت مت رکھنا

۶:- اپنے پڑوسی کی بُرائی مت کرنا۔ اور نہ جھوٹ و مذہب کی عادت اختیار کرنا۔

۷:- علی الصبح بیدار رہنا اور رات کو دیر سے سویا کرنا۔

۸:- خانہ داری کا انتظام سلیقہ سے کرنا۔

عربی دُلہن کو سات نصیحتیں

۱:- اے میری عزیز بیٹی! تو ہمیشہ قناعت اختیار کرنا۔ اور شوہر کے احکام کو سر اور آنکھوں پر رکھنا۔

۲:- شوہر کی آنکھ اور ناک پر دھیان رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ اسکی آنکھ تیرے کسی فعل قبیح کو دیکھے اور اسکی ناک تیری طرف سے خوشبو کی بجائے بدبو سونگھے۔

۳:- شوہر کے کھانے اور سونے کے وقت ہمیشہ نرم رہنا کیونکہ بھوک کی شدت انسان کو غضبناک بنا دیتی ہے اور نیند میں خلل اندازی آتشِ غضب کو بھڑکاتی ہے۔

۴:- اسکی کبھی نافرمانی نہ کرنا۔ اور نہ کبھی اسکا بھید ظاہر کرنا۔

۵:- جب وہ غمگین ہو تو کبھی خوشی ظاہر نہ کرنا اور خوشی ہو تو کسی غم کا ذکر مت کرنا۔

۶:- اسکی خوشی کو اپنی خوشی پر ترجیح دینا اور اسکی خواہشات کو اپنی خواہشات پر مقدم رکھنا۔

۷:- اس بات کو کبھی مت بھولنا کہ مرد جب دنیا کی تھکا دینے والی جد و جہد اور تکلفات سے تنگ آ جاتا ہے تو خوشی اور اطمینان کی تلاش میں اپنے گھر کا رُخ کرتا ہے اس لئے تم ہمیشہ ان چیزوں کے مہیا کرنے کی کوشش کرنا۔

فلم کے ذریعہ دیہات سدھار

(از جناب اے - آر - رشدی - بھوپال) ــــ خاص توجہ ویکلی کے لئے

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آجکل سینما نے بے حد مقبولیت حاصل کرلی ہے۔ اور دن بدن لوگوں کا رجحان اس کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ اور یہ ایک مسلم امر ہے کہ جس چیز کی طرف پبلک زیادہ راغب ہو اُس سے بہت اہم کام لئے جاسکتے ہیں۔ اور مفید اصلاحات کی جاسکتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فلم پبلک کا مرکزِ دلچسپی بن گیا ہے۔ لوگوں کو کسی کام کی تحریک دینا تقریر سے ہوا کرتی ہے۔ لیکن سینما ایسی چیز ہے کہ تقریر اور تحریر سے زیادہ پُراثر اور مفید ثابت ہوتا ہے۔ تقریر میں صرف جوش پیدا ہوتا ہے لیکن فلم میں جوش کے ساتھ ساتھ کام بھی کرکے بتایا جاتا ہے۔ جس سے دیکھنے والے کے دماغ پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اور جو نقوش اس کے لوحِ دل پر مرتسم ہوجاتے ہیں ان کا مٹنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔

چنانچہ سرسری طور پر تک فلم کے ذریعہ بڑے بڑے کام کررہے ہیں جب ہم ہندوستانی صنعت فلم سازی پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو اس کی حالت پر رونا آتا ہے اور فلم سازوں کی پست مذاقی پر ماتم کرنا پڑتا ہے۔

ہندوستان میں ہر ماہ ایک نہ ایک نئی فلم کمپنی جنم لیتی ہے۔ اور کچھ عرصہ تک پست معیار فلم بناکر جب ناکامی کا منہ نظر آتا ہے تو وہ کمپنی غائب ہوجاتی ہے۔

اگر یہ لوگ اعلیٰ معیار اور مفید فلم پردۂ سیمیں پر پیش کریں تو یقیناً بہت زیادہ کامیابی حاصل ہو۔ اس لئے کہ آجکل لوگوں کا مذاق بدل چکا ہے۔ اور وہ اعلیٰ اور مفید فلموں کے متمنی ہیں۔ پست معیار اور لغو فلموں سے پبلک بہت بیزار ہوگئی ہے۔

مگر ان فلمسازوں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ وہ اس قسم کے فلم بنانا اپنے لئے باعثِ اہانت خیال کرتے ہیں۔ ان کا مقصدِ حیات تو صرف یہ ہے کہ پبلک کو کسی نہ کسی طرح لوٹ کر اپنی جیبیں گرم کی جائیں۔ کاش یہ فلم ساز ان باتوں کو چھوڑ کر اصلاحی اور مفید فلم بنائیں! دیہات سدھار فلم بنائے جائیں جس سے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کا موقع ملے۔

آجکل گاؤں والوں کی حالت سدھارنے کے لئے محکمہ "لاسلکی" بھی سرگرم کار ہے۔ اور "لاسلکی" کے ذریعہ ان کو بہت کچھ سدھارا جارہا ہے۔

واضح رہے کہ ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے۔ اور یہاں کے زیادہ تر باشندے کاشتکاری کرتے ہیں۔ اور ہندوستان کی خوشحالی کا دار و مدار کاشتکاری کی خوشحالی پر ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ فلمساز کیوں اس نوعیت کے فلم بنانے سے گھبراتے ہیں؟

دیہات سدھار کی کوشش آج کل ہندوستان میں جس طرح ہو رہی ہے وہ اربابِ نظر سے مخفی نہیں۔ لیکن اگر اس خشکی کو دلچسپی کی تری میں تبدیل کردیا جائے تو کیا ہرج ہے۔ اس قسم کے مختصر فلم بنائے جائیں جن میں دیہات سدھار کے سارے نکات آجائیں۔ کیونکہ کسانوں پر فلم کا زیادہ اثر پڑے گا اور وہ یقیناً اس پر عمل کرنے کی بھی کوشش کریں گے۔

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ گاؤں میں صفائی نہیں رہتی جس سے طرح طرح کے امراض آئے دن پھیلتے رہتے ہیں۔ جانوروں کی پرداخت اچھی طرح نہیں کی جاتی جس سے بہت سے مویشی ضائع ہوجاتے ہیں۔ اگر ان باتوں کو فلم کے ذریعہ کاشتکاروں کو بتایا جائے تو ضرور وہ اپنی خامیوں کو دور کردیں گے۔

زمین کی صفائی، جانوروں کی دیکھ بھال، حفظانِ صحت کے اصول، زراعتی کام کاج فلموں میں نہایت موثر پیرائے بنائے جائیں جس سے اُن کے دلوں میں بھی اس کا والہانہ ذوق شوق موجزن ہوجائے اور جذبۂ بیداری کارفرما ہوکر اُن میں ایک نئی عملی روح پھونک دے۔ ان حقائق کو غیر ممالک نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور وہ اس پر عمل پیرا بھی ہیں۔

نیوز فلم بھی بنائے جائیں جس سے کسانوں کو تمام جگہ کا حال اور طرزِ معاشرت، سائنٹفک طریقے سے کاشتکاری اور تمام اس کے رازہائے سربستہ سے آگاہ کیا جائے۔

کیا ہم امید کریں کہ ہمارے ملک کے فلم ساز اپنی توجہ ان فلموں کے بنانے کی طرف مبذول کرکے ملک کی گراں قدر خدمت سرانجام دیں گے؟

ہفتہ کی مختصر خبریں

بہار کی نئی وزارت نے فیصلہ کیا ہے کہ صوبہ کی بہت سی لوکل باڈیز کو جو اسوقت معطل ہیں بحال کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں حکومت کا ایک کمیونک شائع ہوا ہے۔

سونیا ماروتی مندر کے سامنے باجہ بجانے کا جو حکم پولیس کی طرف سے نافذ کیا گیا تھا اسکی خلاف ورزی میں ایک اور جتھے نے ستیاگرہ کیا اور چھ اشخاص جنمیں ڈیموکریٹک سوراجیہ پارٹی کی مقامی برانچ کے سیکرٹری بھی شامل ہیں گرفتار کر لئے گئے۔ معلوم ہوا ہے کہ ڈیموکریٹک سوراجیہ پارٹی کے لیڈر مسٹر ایل بی بھوپٹکر حکومت بمبئی کو مطلع کرنے کی غرض سے کل بمبئی گئے ہیں۔

گورنمنٹ مہاتما گاندھی کی اس تجویز کو منظور نہیں کر سکتی کہ ایک ٹریبونل کا تقرر کیا جائے۔ جو یہ فیصلہ کرے کہ آیا گورنروں نے انڈیا ایکٹ اور ہدایات کے مطابق ان فرائض سے دست کش ہو سکتا ہے جو پارلیمنٹ نے ان دستاویزات کے ذریعہ گورنروں کے سپرد کی ہیں۔ یہ وہ بیان ہے جو مسٹر بٹلر نے مسٹر ٹامس ولیم کے سوال کے جواب میں پارلیمنٹ میں دیا۔

مسٹر آر جی بھاٹے جو روزانہ اخبار کیسری پونہ کے شاف میں کام کرتے ہیں۔ نیز مسٹر باپٹ سیکرٹری سرو جنک سبھا نے ایک اور والنٹیر کے ہمراہ سونیا ماروتی مندر کے سامنے ستیاگرہ کیا اور گرفتار کر لئے گئے۔ اس سلسلہ میں اسوقت تک ۱۳ گرفتاریاں ہو چکی ہیں۔

ہڑتال کی موجودہ صورت حالات کے پیش نظر کمشنر پولیس کلکتہ نے یوم مئی کی تقریبات کے موقعہ پر تمام پبلک جلسوں جلوسوں اور دیگر مظاہروں پر پابندی عائد کر دی ہے۔

معاصر ٹائمز کا نامہ نگار مقیم استنبول رقمطراز ہے کہ ترکی میں مقیم سوویٹ سفیر مانشیر کا رخاں کو واپس بلا لیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ ترکی اور روس کے دوستانہ تعلقات جو کہ معاہدہ مانٹریکو اور افغانستان ایران۔ عراق اور ترکی کے معاہدے کے بعد سے خوشگوار تھے کچھ کشیدگی پیدا ہو گئی ہے اس لئے سفیر مذکور کو واپس بلا لیا گیا ہے۔

مسٹر لائڈ جارج سابق وزیر اعظم برطانیہ نے معاصر سنڈے ٹائمز میں ایک چٹھی شائع کرائی ہے جس میں وہ ملک معظم جارج ششم کے عہد حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت ہندوستان کو اس قدر جکڑ دیا گیا ہے کہ وہاں کی سب سے زیادہ طاقتور سیاسی انجمن کا اعتبار حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کے برخلاف اس نے حکومت کے مخالفوں کو شرانگیزی کے لئے بہت کچھ اختیارات دے دیئے ہیں اور پھر بھی وہ حکومت کے مخالف ہی ہیں یہ وقت آئین کو تھوپنے کا نہیں ہے بلکہ سمجھوتہ کرنے کا ہے حکومت کی موجودہ پالیسی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اہل ہند کے معتمد اور منتخب شدہ لیڈر ملک معظم کی تاجپوشی کے وقت ویسٹ منسٹر ایبے میں موجود نہ ہوں گے۔

معاصر ٹائمز کے نامہ نگار مقیم شملہ کو معلوم ہوا ہے کہ حکومت ہند نے ابتک بعض صوبجاتی حکومتوں کا جواب موصول ہونے تک پنڈت جواہر لال نہرو صدر کانگریس کے دورہ برما کے سلسلہ میں کیا کارروائی کی جائے اور اسکا کیا اثر پڑنے کا امکان ہے عارضی طور پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ پنڈت جی نے خلاف امتناعی حکم نافذ کیا جائے۔ نامہ نگار موصوف کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان اور برما دونوں کی حکومتوں کو خدشہ ہے کہ اگر پنڈت جی کو ایسے وقت میں برما جانے کی اجازت دی گئی جبکہ برما ہندوستان سے علیحدہ ہی ہوا ہے تو بہت ممکن ہے کہ برما میں ہنگامہ برپا ہو جائے جس سے اسکی علیحدگی کے تمام اثرات زائل ہو جائیں۔

رقص کا متحرک فرش

کیلی فورنیا کے ایک نوجوان انجینیر نے رقص کے لئے ایک ایسا فرش FLOOR تیار کیا ہے جو موٹر ٹرک پر رکھ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ تک بہ آسانی لے جایا جا سکتا ہے۔ اس کو کسی باغ، میدان یا عمارت میں بچھا کر مستحکم کرنے میں صرف ایک گھنٹہ صرف ہوتا ہے۔ اس کا ایک منٹہ رقص کے لئے بہت مسطح اور چکنا بنا ہوا ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں

محبت اور دولت

میں نے گڑگڑاتی ہوئی زبان سے اس سے کہا "میں تمہارے پاس پیغام لایا ہوں۔ کیا تم اسے قبول کرو گی؟"

وہ طنزاً مسکرائی اور یوں گویا ہوئی۔ "اگر تم دولت لاتے تو میں اپنی جان تم پر نثار کرتی محبت بیچارگی کا نام ہے اس سے ہمیں کیا فائدہ"

میں مایوس واپس لوٹا۔

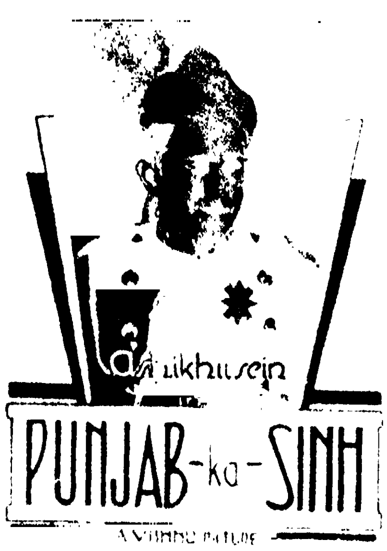
اسکی محبت نے مجھے دولت حاصل کرنے پر آمادہ کیا۔ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا مگر اصلی محبت کھو بیٹھا۔



"چیلنج" کا ایک سین
پرکاش پکچرس کا بےنظیر فلم جسمیں گھوڑے اور
کتے نے قابلِ دید کام کیا ھے



"ریجنیریشن عرف انقلاب" کا ایک سین
ٹانی وود سٹڈیو کا بہترین فلم جلد آنیوالا ھے

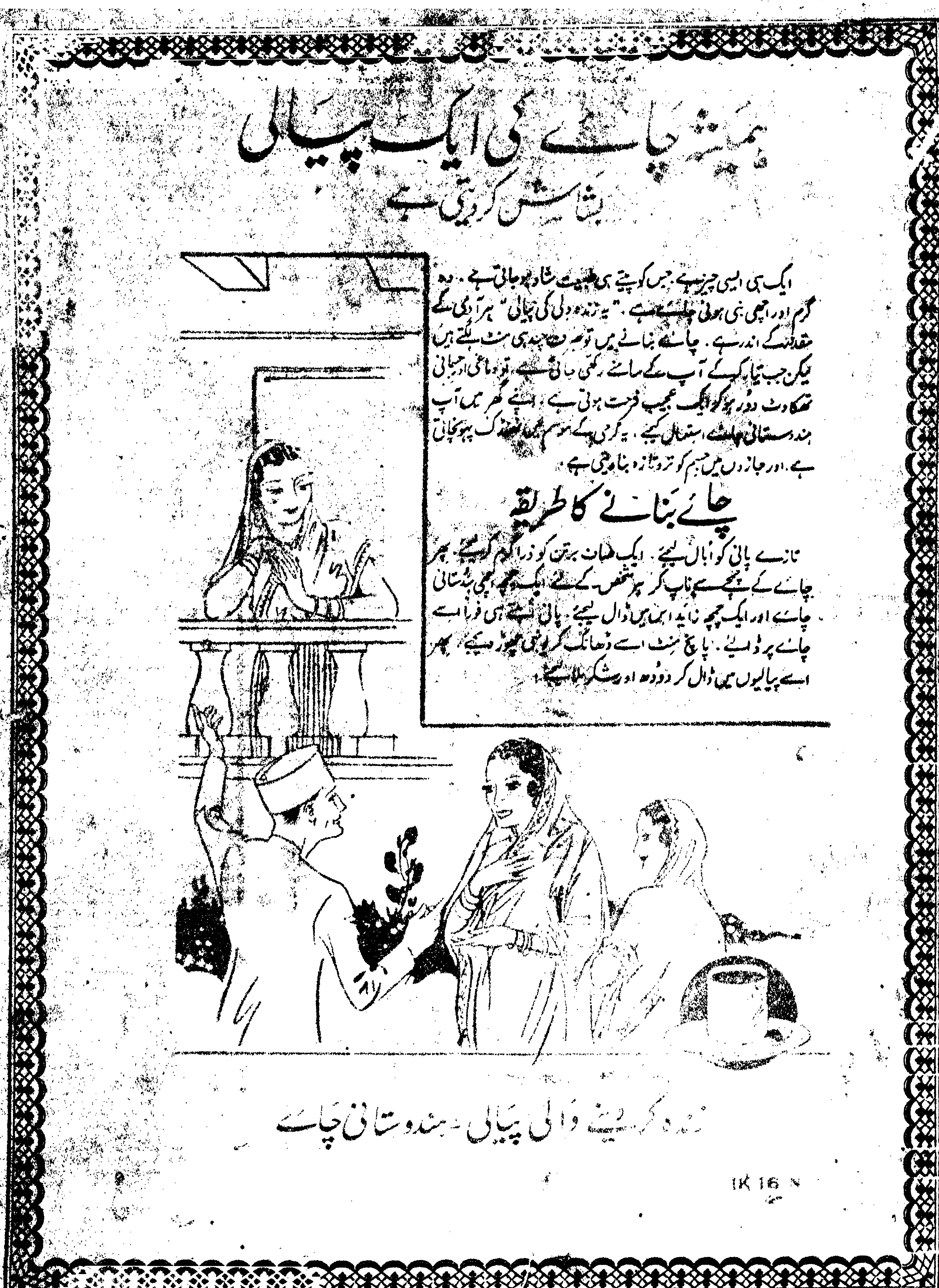


عاشق حسین "پنجاب کا سنگھ" میں
وشنوسنیٹون کا مشہور کھیل جوکہ
کمل ٹاکیز میں چل رھا ھے

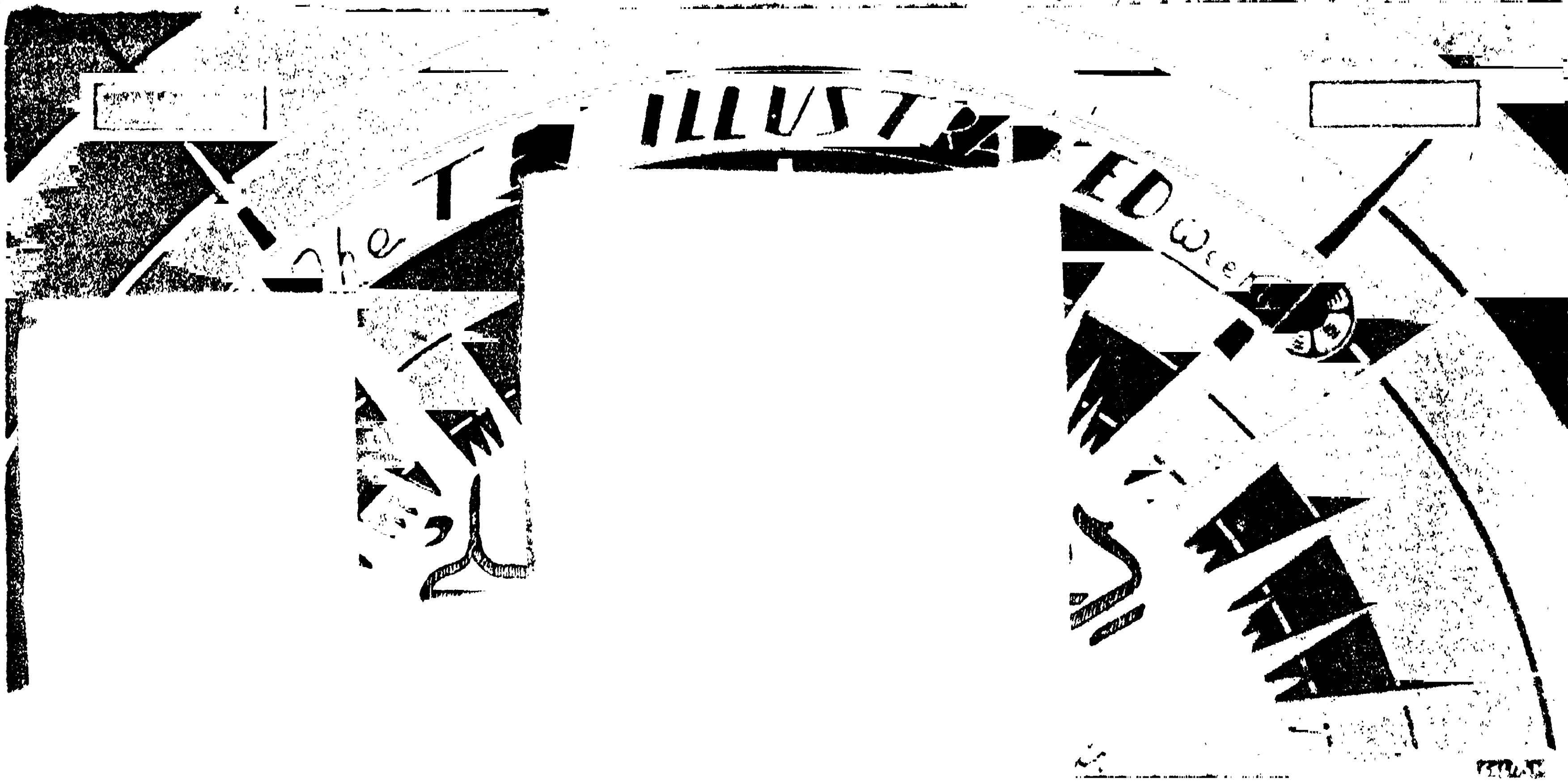


"بلرام کسیری" کا ایک سین
وشنو سنیٹون کا بہترین کھیل جلد آنیوالا ھے

دستوری بیوٹر:- ایمپائر ٹاکیز دھلی،



Printed and published by Dharampal Gupta at the TEJ Press, Burn Bastion Road, Delhi.



V. NO. 15



چاندنی رات میں پہاڑوں کی فلک بوس چوٹیوں کا خوشنما نظارہ

ہفتہ کی مشہور شخصیتیں



مسٹر اے-کے-ایم- ذکریا
آپ کلکتہ کارپوریشن کے ڈپٹی
میئر مقرر ہوئے ہیں

، اپ کی تاجپوشی ۔ ۔
جائیگی



ڈیوک آف ونڈسر

مسز سمپسن

مسز سمپسن کی طلاق کی میعاد پوری ہو گئی ہے اب
آپ دونوں کی شادی عنقریب ہونے والی ہے

سر بر قدم حسن قدم بر کلہ وتاج
دیوانہ عجب شان سے دیوانہ ہوا ہے (سیماب)





لارڈ زٹلینڈ کے تازہ ترین بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھوتہ کا کوئی ذریعہ نکالنے کے عمل کو ترک کر کے پُرانی لکیر پیٹ رہے ہیں لیکن کانگرس اپنے عملی پروگرام کی طرف جا رہی ہے

آج کی خبریں

رنگون میں راشٹرپتی کا پروگرام
قومی جھنڈے کی سلامی۔ پنڈت جی کی اپیل

رنگون ۸ مئی۔ آج تمام دن راشٹرپتی پنڈت جواہر لال نہرو کا ہمہ گیر پروگرام رہا۔ سب سے پہلے آپ پگوڈہ پر تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کا پگوڈہ کے پریسیڈنٹ نے پرجوش خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد چینی کے چاول بازار بذریعہ موٹر سیر کی۔ ازاں بعد ... باغ میں راشٹرپتی نے قومی جھنڈے کی سلامی کی رسم ادا فرمائی۔ جہاں ہزاروں ... ہندوستانی اور برمی اس تقریب میں شامل ہوئے۔ پنڈت جی نے ہندی اور انگریزی دونوں زبانوں میں تقریر کی۔ اور قومی جھنڈے کی اہمیت اور اس کی تاریخ وضاحت کے ساتھ بیان فرمائی۔ برما میں مقیم ہندوستانیوں سے آپ نے پرجوش اپیل کی کہ وہ قومی جھنڈے کی عزت کریں۔ ... گارڈن سے واپسی کے بعد آپ ... ہسپتال گئے۔ جہاں آپ نے تمام وارڈوں کا معائنہ فرمایا اور یہاں کا حسن انتظام دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے ... اور ... کا معائنہ کیا اور ... ڈاکٹر ... کا ... کی جائے رہائش پر کھانا تناول فرمایا۔ اس کے بعد بذریعہ موٹر آپ ... سے ... گفتگو ... یہاں سے کل صبح آپ ... جائیں گے اور ... رنگون آئیں گے۔ ہندوستان کو واپسی کی تاریخ کے متعلق ابھی تک فیصلہ نہیں کیا ہے۔ کیونکہ ... جانے کے لئے ابھی تک خط و کتابت ہو رہی ہے۔ دوسری صورت میں ۱۸ مئی کو بذریعہ جہاز آپ کلکتہ کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ (ی۔ پ)

شری بھولا بھائی دیسائی ولایت روانہ
کانگرس کے موجودہ رویہ کی حمایت

بمبئی ۸ مئی۔ مسٹر بھولا بھائی دیسائی لیڈر کانگرس پارٹی مرکزی اسمبلی اور ممبر کانگرس ورکنگ کمیٹی آج ولایت کو روانہ ہو گئے۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کے دوران انٹرویو میں آپ نے فرمایا کہ موجودہ سیاسی جمود کو ختم کرنے کی ذمہ داری کانگرس کی نسبت حکومت پر زیادہ عائد ہوتی ہے اور اس سلسلہ میں کانگرس نے جو شکل اختیار کی ہے آپ اس سے بالکل مطمئن ہیں۔ اور جمود اسی صورت میں ختم ہو سکتا ہے کہ حکومت کانگرس کے مطالبہ کو منظور کرے۔ شری دیسائی پہلے پیرس جائیں گے۔ اور پھر دیگر مقامات کا دورہ کرنے کے بعد جون کے وسط میں لندن آئیں گے۔ ایک ہفتہ کے قریب لندن میں قیام کریں گے اور مقامات کا دورہ کریں گے۔ اور پھر ہوائی جہاز سے ... جولائی کو کراچی پہنچیں گے۔ (ا۔ پ)

پانی پت کے ہندو مسلمانوں کا جلسہ

پانی پت ۸ مئی۔ پانی پت کے سرکردہ اور معزز ہندو اور مسلمانوں کا ایک جلسہ ڈپٹی کمشنر صاحب کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں مصالحتی بورڈ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس کے ممبران دونوں قومیں نامزد کریں گی۔ بورڈ ہندو مسلمانوں کے تنازعات کو ختم کر کے باہمی تعاون پیدا کرنے کا کام کرے گا۔ ڈپٹی کمشنر نے ہندو مسلمانوں سے اپنے جھگڑے ختم کر کے اتفاق کرنے کی اپیل کی۔ (ا۔ پ)

کمپنی باغ میں قتل

دہلی ۹ مئی۔ کل بعد دوپہر کمپنی باغ میں چاندنی محل کے ایک دلال مسمی بدری ناتھ کو قتل کر دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حملہ آور کا جو ... بدری ناتھ سے دیرینہ دشمنی تھی۔

میرٹھ ۸ مئی۔ ڈسٹرکٹ کانگرس کمیٹی میرٹھ کی ایک میٹنگ میں مندرجہ ذیل عہدہ دار منتخب کئے گئے:۔ صدر پنڈت شو دیال۔ نائب صدر مولوی غلام صدیق اور شریمتی اُرملا شاستری۔ سیکرٹریان:۔ چودھری خوشی رام ... اور مسٹر ... ایشور پرشاد۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

سونا مارگ؟ ... کا ستیہ گرہ

پونہ ۸ مئی۔ حالانکہ آج صورت حالات کل جیسی نہیں تھی۔ مگر آج بھی شب کے آٹھ بجے تک ستیہ گرہ کے سلسلہ میں ۸ گرفتاریاں ہو چکی ہیں۔ اطلاع ہے کہ وہاں سے ہندو سبھا کے ایک لیڈر کی زیر سرکردگی ستیہ گرہ کے لئے جتھہ بھیج رہا ہے۔ بمبئی سے ایک لیڈر کے ساتھ جتھہ آ رہا ہے۔ ہر یجنوں نے بھی اس سلسلہ میں امداد کا یقین دلایا ہے۔

سی۔ پی کے کانگرسی ممبران اسمبلی کا اجلاس

ناگپور ۸ مئی۔ مسٹر بی۔ جی کھاپرڈے ریونیو منسٹر سی۔ پی گورنمنٹ نے ڈاکٹر کھرے کے دعوت نامہ کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جو پروگرام ممبران اسمبلی کی میٹنگ کے لئے آپ نے ... ہے اگر وہ پاس بھی ہو گیا تو اس سے کوئی ... حاصل نہیں ہو گا کیونکہ ... قانونی اجازت نہیں ملے گی۔ ... شرکت سے انکار کرتے ہوئے ... موجودہ سیاسی ... اختلافات کی خلیج وسیع تر ہو جائے گی۔ آپ نے ... کانگرس کی یہ تجویز نامناسب ہے۔ ناگپور ریونیو کے اراکین نے کانگرس کی ... کنونشن ... ایک مقامی کنونشن ... ہو گا۔ (ا۔ پ)

اٹلی میں برطانی اخبارات کا داخلہ بند

لندن سے اطالوی نمائندگان کی واپسی

برطانی پریس کو اٹلی کا جواب

(تیج ڈاسٹر اسپیشل سروس)

لندن ۸ رمئی۔ اٹلی اور اٹلی کی مسلح فوجوں کے ساتھ تقریباً تمام برطانی اخبارات کے مخالفانہ رویہ کی بنا پر مزید احکامات جاری ہونے تک اٹلی میں برطانی اخبارات کا داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔ یہ حکم ڈیلی میل "ایوننگ نیوز" اور "آبزرور" پر عائد نہیں ہوتا۔ لندن میں مقیم اٹلی کے تمام اخبارات کے نمائندوں کو واپس بلا لیا گیا ہے۔ اطالوی لوگ خاص طور پر برطانی اخبارات کی ان اطلاعات پر ناراض ہیں جو سپین کی جنگ کے سلسلہ میں اٹلی کے خلاف شائع کی گئی ہیں۔ یہ بھی افواہ ہے کہ روم سے برطانی نمائندگان بھی کو نکال دیا جائے گا لندن سے اطالوی نمائندگان پریس کو واپس بلانے کا یہ مطلب ہوگا کہ اٹلی کی طرف سے کارونیشن کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا ہے

امریکہ میں سنیماؤں پر پکیٹنگ

فلم سٹوڈیو کے ہڑتالیوں کا فیصلہ

ایکٹریس بھی واک آؤٹ کریں گی؟

(تیج ماسٹر اسپیشل سروس)

ہالی ووڈ ۸ رمئی۔ سٹوڈیو کے چھ ہزار ہڑتالیوں کے لیڈر چارلس لنیگ نے اعلان کیا ہے کہ امریکہ کے تمام بڑے شہروں کے سینماؤں پر سوموار سے پکٹنگ شروع ہو جائیگی پکٹنگ کی حمایت میں آپ فرماتے ہیں کہ فلم پیپر کے ساتھ سٹوڈیو والوں کا رویہ مناسب نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ انڈسٹریل آرگنائزیشن کمیٹی کے ماتحت دس ہزار مرد اور عورتیں پکٹنگ میں حصہ لیں گی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ہالی ووڈ کی تقریباً ایک سو بہترین ایکٹریسوں نے جن کی تنخواہیں پندرہ ہزار پونڈ فی ہفتہ سے زیادہ ہے سٹوڈیو والوں کو مطلع کیا ہے کہ وہ ہڑتالیوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کے طور پر فوری "واک آؤٹ" کریں گی۔

"ہنڈنبرگ" کا جانشین تیار ہوگا

جنرل گورنگ کا اعلان

(تیج ماسٹر اسپیشل سروس)

برلن ۸ رمئی۔ جنرل گورنگ نے جرمنی کے تمام ہوابازوں کے نام ایک پیغام شائع کیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک ہوائی جہاز کے جلد از جلد تیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو "ہنڈنبرگ" کی جگہ لے گا آپ مزید کہتے ہیں کہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم فوراً اور ہمیشہ کے لئے ایک بار جرمنی اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے درمیان ہوائی سروس کا بے خطر راستہ قائم کر دیں۔

تازہ تجارتی سماچار

لندن صرافہ (لندن ۸ رمئی)

چاندی حاضر ۲۰ پنس

بندش ہوئی سامانیہ وعدہ ۲۰ پنس

پنس۔ شلنگ۔ پونڈ

سونا

نیویارک روئی (نیویارک ۸ رمئی)

اکتوبر وعدہ کھلی ۱۲۶۸۷

بند ۲ فیصد مندہ

اکتوبر وعدہ بند ہوئی ۱۲۶۸۸

فصل اچھی ہونے کے کارن بازار کا رخ مندہ کی طرف تھا۔ پرنتو سٹوریوں کے لئے، وعدہ سودوں کی کاٹ ہو چکنے کے کارن اور بیچنے کی بکوالی نہ ہونے سے بکوالی سا دو معاون تھے اکتوبر وعدہ کل کے بند بھاؤ سے ۲ پوائنٹ مندہ کھلا۔ مدراس کے سماچار آنے پر بازار خاموش پرنتو مضبوط تھا۔ اور ۱۲۶۸۸ پر بند ہوا

لیورپول گیہوں (لیورپول ۸ رمئی)

جولائی وعدہ ۸ شلنگ اور اکتوبر ۰۵ شلنگ پر کھلا بکوالی کے بڑھنے پر بھاؤ مضبوط رہے۔ پرنتو بازار خاموش بند ہوا۔

شکاگو گیہوں (شکاگو ۸ رمئی)

کھلے ہیں موٹے اجناس کی سوا فقت میں بازار تھوڑے مضبوط تھے بعد میں نارتھ اور کنساس میں بارش ہونے کے کارن نئی فصل کی بکوالی کا ڈر تھا۔

لیورپول روئی (لیورپول ۸ رمئی)

اکتوبر وعدہ بند ہوئی ۷۶۲۱

بمبئی بازار حصص (بمبئی ۸ رمئی)

روئی

بازار خاموش کھلا۔ پرنتو جاپانیوں کی ہلکی بکوالی اور ملز کے بیوپاریوں کے بکوالی سے بھاؤ بعد میں کچھ شارٹ والوں کی لیوالی سے بڑھے بازار میں کوئی خاص کام نہیں تھا۔

بھڑوچ اپریل مئی ۱۹۳۷ء	۲۲۱-۸-۰	فی کنڈی
،، جولائی اگست	۲۳۶-۱۲-۰	،،
،، اپریل مئی ۱۹۳۸ء	۲۲۳-۴-۰	،،
اومرا مئی	۲۱۹-۱۲-۰	،،
،، جولائی	۲۲۲-۰-۰	،،
،، دسمبر جنوری	۲۲۲-۴-۰	،،
بنگال مئی	۱۹۰-۱۲-۰	،،
،، جولائی	۱۹۳-۴-۰	،،
،، دسمبر جنوری	۱۸۸-۸-۰	،،

اجناس

گندم ستمبر ۵-۱۲-۰ اسی ستمبر ۸-۷-۳ فی من

تل ۹-۶-۰ ارنڈی ۷-۶-۰ ،،

بنولہ ۲-۱۵-۰ مہوا ۶-۴-۰۰ ،،

سونگ پھلی حاضر ۸-۵-۶ خانڈیش ۸-۱۰-۰ ،،

صرافہ

چاندی حاضر ۵۲-۱۵-۰ پہلا وعدہ ۵۳-۰-۰ سو تولہ

دوسرا وعدہ ۵۲-۷-۰ سو تولہ

سونا حاضر ۳۶-۱۱-۳ پہلا وعدہ ۳۵-۷-۳ ... فی تولہ

ترانۂ وطن

(از علامۂ عصر پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفیؔ دہلوی)

راحت کہاں نصیب تھی جواب کہیں نہیں
وہ آسماں نہیں ہے کہ اب وہ زمیں نہیں

ہو عشق صدق دل میں تو راحت بغل میں ہے
قائم پھر آسمان رہے یا زمیں نہیں

حبِّ وطن کو ہمتِ مردانہ چاہیئے
درکار آہِ سینۂ اندوہگیں نہیں

خونِ دل و جگر سے اِسے سینچ اے عزیز
کِشتِ وطن ہے یہ کوئی کِشتِ جویں نہیں

حق گوئی کی صدا اُٹھی نہ رُکی نہ رُک سکی
لب دار کی سِنانیں گلو میں چبھیں نہیں

داغِ غمِ وطن ہے نشانِ عزیزِ خلق
دل پر نہ جس کا نقش ہو یہ وہ نگیں نہیں

جنگِ وطن میں صدق کے ہتھیار کا ہے کام
درکار اس میں اسلحۂ آتشیں نہیں

گھر بار تیرا، پر تو کسی چیز کو نہ چھیڑ
یہ بات تو حریفوں کی کچھ دِلنشیں نہیں

جس بات پر عزیز اَڑے ہیں اَڑے رہیں
کہنے دیں اُن کو اونچے گلے سے نہیں! نہیں!

کیا جانے دل جگر کو مرے جو یہ کہہ گیا
دامن بھی تار تار نہیں آستیں نہیں

معبود ہے وطن، ہوں پرستار اسی کا میں
دَیر و حرم میں جو جھکے یہ وہ جبیں نہیں

کیفیؔ اسی سے حُرّیتِ ہند میں ہے دیر
حُبِّ وطن کا جوش کہیں ہے، کہیں نہیں

دنیا کا عجائب خانہ

انسانی دماغ میں پانی

انسان کے دماغ کی ساخت میں تین چوتھائی سے زیادہ حصہ پانی کا ہے گویا اگر کسی فلاسفر، ڈاکٹر، انجینیر یا سیاسی مدبر کے دماغ کا وزن دو سیر ہے تو اس میں ڈیڑھ سیر سے بھی زیادہ پانی ہوگا۔ اب تو ماننا پڑے گا کہ پانی سے زیادہ طاقتور اور کوئی چیز نہیں ہے

آلو اور ٹماٹر

آلوؤں کے متعلق اب تک یہ خیال تھا کہ ان میں نشاستہ کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اور وہ صرف ایک اچھی نشاستہ دار غذا ہیں لیکن تازہ تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان میں "وٹامن سی" کی پوری اتنی ہی مقدار ہوتی ہے کہ جتنی ٹماٹروں میں ہم لوگ بالعموم آلو ٹماٹر ملا کر پکاتے ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک نہایت اچھی ترکیب ہے۔

امریکہ میں امراضِ قلب

ہم ہندوستانی یورپ اور امریکہ کے تندرست آدمیوں کو دیکھ کر ان کی صحت ہی پر رشک کیا کرتے ہیں لیکن اعداد و شمار سے ثابت ہوا ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں دو لاکھ سے پانچ لاکھ انسان ایسے امراضِ قلب میں مبتلا ہیں کہ جن میں قلب کی ساخت متاثر ہوتی ہے اور جو ایک بہت بڑی حد تک فوری اور اچانک موت کا باعث ہو جاتے ہیں۔

پھل اور سبزی کے ٹکٹ!

بلغاریہ میں ڈاکخانے کے ٹکٹوں پر آئندہ پھل اور مختلف قسم کی سبزی ترکاریوں کے نقش ہوں گے۔ اس کا مقصد ہے کہ بلغاریہ کے پھلوں اور سبزیوں کا پروپیگنڈا بیرونی ممالک میں آسانی سے ہو سکے!

ان کے ڈیزائن بنانے کے لئے تمام آرٹسٹوں کا مقابلہ ہوا۔ یہ ٹکٹ جون میں تیار ہو جائیں گے جن دنوں میں کہ پھلوں کا موسم ہوتا ہے۔

وصیت نامہ میں بندروں کا حق

پچھلے دنوں ایک عورت کی وصیت اخبارات میں شائع ہوئی جس میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ ان کے پڑیا گھر کو ... پونڈ دئے گئے۔ اس رقم سے جو آمدنی ہو اس سے ہر برس تین مہینوں تک روز ان بندروں میں پھل خرید کر تقسیم کئے جائیں جو پبلک کی غیر ذمہ داری کا شکار ہوں۔

ایک نئی بیماری

ڈاکٹر ہیری جی آرمسٹرانگ نے جو امریکہ کے جنگی طبی محکمہ سے تعلق رکھتے ہیں حال میں ایک نئے مرض کی تحقیقات کی ہے جس کا نام "ایرو نیوروسس یعنی ہوائی سوزش اعصاب" ہے۔ یہ مرض بالعموم ہوا بازوں کو ہوا کرتا ہے اور اس کی خاص خاص علامتیں حسب ذیل ہیں:۔ بے چینی اور اضطراب، ہضم کی خرابی، نیند نہ آنا اور دماغ کے اعلیٰ عصبی مرکزوں کا ہر وقت مصروفِ کار رہنا۔

بیس بچوں کی ماں

انگلستان کے ایک شہر مانچسٹر میں ایک عورت مسز ڈکن کا جس کی عمر اس وقت ۴۲ سال ہے اور جو انیس بچے جننے کے بعد آجکل پھر حاملہ ہے اور چند ہی روز میں بیسواں بچہ جننے والی ہے، یہ قول ہے:۔

"اگر تم اچھے بچے چاہتے ہو تو زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرو۔"

نیو ساؤتھ ویلز (آسٹریلیا) میں ایک فوارہ ہے جس کا پانی دو سو فٹ تک اوپر اچھل سکتا ہے۔

امریکہ میں کپاس چننے کی ایک مشین ایجاد ہوئی ہے یہ کوئی ڈیڑھ سو آدمیوں کا کام انجام دے گی۔

ایک سنگھالی لوہے کی سلاخ سرخ کر کے اپنی زبان پر رکھ لیتا ہے اُسے ذرا بھی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

لندن سے کیپ ٹاؤن تک ایک سڑک بنانے کی تجویز ہو رہی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ سڑک دنیا میں سب سے لمبی ہوگی!

ایتھنز (یونان) کی ایک عورت لیون نے محض اس لئے اپنی زبان کاٹ ڈالی کہ وہ ملک کے قومی کام کرنے والوں کا بھید حکومت کے سرکاری افسروں کے سامنے نہ کہنے پائے۔ اس بہادر عورت کی یادگار میں ایک مجسمہ بنایا گیا اس کی شکل شیرنی کی تھی جس کے زبان نہ تھی۔

سنگھائی کے ایک پادری کے ناخن بائیس انچ لمبے ہیں۔ اس نے ۲۷ سال سے انہیں بڑھنے دیا ہے۔

ڈلیڈو میں ایک طالب علم کے ہاتھ اتنے بڑے ہیں کہ اپنے ایک ہاتھ میں فٹ بال پکڑ سکتا ہے۔

پیٹرس برگ (افریقہ) کے ایک حبشی سردار کا قد تین فٹ سے بھی کم تھا۔ مگر اس کے دس بیویاں تھیں اور ۲۷ بچے۔

پراچین ہندوستان میں تاج پوشی کی رسم ۲

یدھشٹر کی تاج پوشی

پراچین ہندوستان میں تاج پوشی کے سلسلہ کا پہلا مضمون پچھلے ہفتہ کے "تیج ویکلی" میں شایع ہو چکا ہے دوسرا مضمون جو اب شایع کیا جا رہا ہے پانڈووں کے مشہور فرمانروا یدھشٹر کی تاج پوشی کا ایک پُرشوکت اور دلچسپ منظر پیش کرتا ہے۔
——— (ایڈیٹر) ———

اب سے صدیوں پہلے ماگھ کے سرد اور خوشگوار مہینہ میں اندر پرست (پراچین دہلی) کا پُرشوکت اور حیرت انگیز شہر گھوڑوں کی ٹاپوں اور رتھوں کے پہیوں کی صداؤں سے گونج رہا تھا۔ اس لئے کہ ہندوستان کے مختلف اطراف و حصوں سے پانڈووں کی راجدھانی میں بڑے بڑے راجاؤں اور فرمانرواؤں کی آمد ہو رہی تھی تاکہ یدھشٹر کی رسم تاج پوشی میں شریک ہوں اور ان کے سرتاجِ راجگان یعنی شہنشاہ اور "امپیرر" ہونے کا اعلان کریں۔ ان معزز مہمانوں کی آمد سے اندر پرست گلزار بنا تھا، بعض راجہ ہاتھیوں پر اور بعض سنہری اور روپہلی رتھوں پر تھے، اور سب کے جلو میں ان کے مصاحبین اور ان کی فوجیں تھیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی آمد دھرت راشٹر کی تھی جو کوروؤں کا فرمانروا اور پانڈووں کا چچا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے ایک سو بیٹے تھے جنہیں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ مغرور دریودھن تھا۔ اس کے بعد قرب و جوار کے ان راجاؤں کی آمد ہوئی جنھوں نے یدھشٹر کی حکمرانی کو تسلیم کر لیا تھا۔ پانچالوں کا راجہ دروپد، چھیدی کا فرمانروا ششوپال اور متسیہ کا دلیر راجہ وراٹ پھر دوارکا سے قبیلہ جادو کے سردار سری کرشن جی جنھوں نے امپائر کے قیام میں یدھشٹر کی امداد کی تھی، بعدہٗ پانڈووں کا سب سے چھوٹا شہزادہ سہدیو جو مگدھ (بہار) کا راجہ بنا دیا گیا تھا، سندھ کے راجہ جے درتھ اور گندھارا کے فرمانروا سوال، یہ لوگ اور ان کے علاوہ نزدیک و دور کے تمام چھوٹے بڑے راجگان جب اندر پرست میں آ چکے تو یدھشٹر کی تاج پوشی کی رسم شروع ہوئی،

اگرچہ بظاہر تمام حالات اچھے، دلچسپ اور پُرشوکت تھے تاہم بعض راجاؤں کے دلوں میں رشک و حسد کی آگ جل رہی تھی، پانڈووں کے دارالسلطنت کی بڑھتی ہوئی شان اور عظمت، اور یدھشٹر کے راجسویہ (تخت نشینی) کی تیاریوں نے بالخصوص دریودھن اور کوروؤں کی اس دبی ہوئی آگ کو روشن کر دیا تھا۔ جو پانڈووں کی مخالفت میں ان کے دلوں میں موجود تھی، دریودھن نے پہلے تو اپنے باپ ہی سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ بھارت کی سلطنت کا کوئی حصہ یدھشٹر اور اس کے بھائیوں کو نہ دیا جائے، لیکن جب پانڈووں کو ایک جنگلی اور غیر آباد خطہ عطا کر دیا گیا تو پانڈووں نے اپنی محنت، اپنی ذہانت اور اپنی ہر دلعزیزی کے باعث اس خطہ کو ایک آباد اور بارونق سرزمین میں مبدل کر دیا تھا۔ اور اس کے دارالسلطنت اندر پرست کو ایسا خوبصورت اور شاندار شہر بنا دیا کہ وہ سورگ کی دلکشی سے مقابلہ کرنے لگا

مزید برآں سری کرشن جی کی امداد سے انھوں نے اپنی سلطنت کو اس قدر وسیع بنا لیا کہ ایک امپائر بن کر اس نے شمالی ہند کی تمام سلطنتوں کو اپنا مطیع کر لیا۔ اس لئے یدھشٹر کی موجودہ تاج پوشی کوئی معمولی چیز نہ تھی بلکہ اس کی امپیریل طاقت کی انتہائی ترقی کی نمائندگی کرتی تھی، اور اس راجسویہ کا مقصد یہ تھا کہ ساری کھتری دنیا میں اس طاقت کا اعلان ہو جائے۔

دریودھن دل ہی دل میں نفرت اور حسد کی آگ سے جل رہا تھا۔ لیکن وہ اور اس کے بھائی چونکہ دوستانہ بھیس میں آئے تھے اور پانڈووں کے معزز مہمان اور رشتہ دار ہونے کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے اس رسم تاجپوشی کی کوئی ظاہری مخالفت ممکن نہ تھی۔ تشدد اور جنگ کے ذریعہ بھی سردست کامیابی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا لیکن چونکہ کینہ ور اور حاسد طبیعتیں کبھی مطمئن نہیں ہو سکتیں اس لئے دریودھن نے بہت دیر تک اس مسئلہ پر غور و خوض کرنے کے بعد شر و فساد کا ایک دوسرا ذریعہ پیدا کیا۔ چھیدی کے راجہ ششوپال کے دل میں جادو فرمانروا سری کرشن کی طرف سے جو یدھشٹر کے حلیف و مددگار تھے ایک پرانی عداوت بیٹھی ہوئی تھی، اس لئے دریودھن نے سوچا کہ ششوپال کی عداوت کو بھڑکایا جائے، اور اس کو سری کرشن سے جھگڑا کرنے پر آمادہ کر دیا جائے تو کارونیشن کا یہ خوبصورت ڈراما فتنہ و فساد میں ختم ہو جائے گا۔ اور یدھشٹر کی طاقت کمزور ہو جائے گی، سری کرشن جی سے ششوپال کی عداوت کا سبب رکمنی جی اور کرشن جی کی شادی تھی جس کی تفصیل یہاں پر نظر انداز کر دی جاتی ہے۔

بہرحال، "راجسویہ" کی رسم کی ادائیگی کا پُرشوکت اور نور افروز دن آ پہونچا، تمام راجے اور مہاراجے زرق برق لباس میں اپنے مصاحبوں کے ساتھ کارونیشن کے اسمبلی ہال میں جمع ہوئے، یہ ایک ایسا پُرشوکت منظر تھا کہ الفاظ اُن کو بیان نہیں کر سکتے۔ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں، اس وسیع اور شاندار گمبد شالہ کے ایک سمت پر ایک بلند چبوترہ تھا جس پر سنگھاسن (تخت) چمک رہا تھا، سنگھاسن پر ایک زر دوزی سرخ چھتر سایہ فگن تھا، اور اس کے دونوں پہلوؤں پر لوگ سفید چنور اپنے ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے، سنگھاسن کے چبوترے کے نیچے ایک تپائی اور ویدی تھی جس کے چاروں طرف روحانی عظمت رکھنے والے پروہتوں کا مجمع تھا، بھیشم پتا، درونا چاریہ جیسے بزرگ یہاں جلوہ افروز تھے۔ اور تمام پروہتوں کے سردار اور مفتی اعظم سفید بالوں والے نارد جی تھے۔ جن کی موجودگی کے باعث ایک روحانی عظمت سب کے دلوں پر اثر انداز تھی اس کے روبرو ایک نصف دائرے کے اندر ہندوستان کے تمام راجے اور مہاراجے اپنی اپنی نشستوں پر براجمان تھے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اندر کے دربار میں دیوتاؤں کا مجمع ہے۔ راجاؤں کے سروں پر اُن کے مکٹ کے جواہرات چمک رہے تھے، اور ان کے شاہانہ ملبوس کی طلائی اور نقرئی کرنیں سارے کمرے کو منور کر رہی تھیں، چاروں طرف جھروکوں پر رانیاں اور راجدھانی کی معزز دیویاں بیٹھی ہوئی تھیں، اور ان کے جواہرات اور پرزر لباس طرح طرح کے پرنور جلوے دکھلا رہے تھے۔

اتنے میں نارد جی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مجمع پر ایک پُرشوکت خاموشی طاری ہو گئی اور انھوں نے آگے بڑھ کر مقدس آگ کو روشن کیا، سینکڑوں چاندی کے سنکھ دفعتاً پھونکے گئے، اور ان کی دلکش صداؤں کے ختم ہوتے ہی یدھشٹر اپنی خوبصورت رانی دروپدی اور سری کرشن کے ساتھ اس کارونیشن دربار میں داخل ہوا۔

اس موقعہ پر ایک قدیم رسم کے مطابق میزبان کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنے سب سے زیادہ معزز مہمان کو "ارگ" یعنی نذر پیش کرے، اس لئے یدھشٹر نے بھیشم سے دریافت کیا کہ یہ "ارگ" کس کو دینا چاہیئے؟ بھیشم نے سوچ کر جواب دیا کہ یہ سری کرشن کا حق ہے کیونکہ ایک تو وہ سب سے زیادہ معزز مہمان ہیں، دوسرے ایشور کے اوتار ہیں اس لئے کرشن جی کے گلے میں مالا ڈالکر ان کے چرنوں میں پھلوں اور پھولوں کا ارگ پیش کیا گیا۔ فوراً ہی ششوپال اُٹھ کھڑا ہوا۔ غصے سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، اور وہ کرشن جی کو برا بھلا کہنے لگا۔ ششوپال کی حرکت سری کرشن کے لئے ایک چیلنج تھی، لیکن وہ جانتے تھے کہ اس نفرت انگیز اور فتنہ پرور مظاہرے کی تہ میں دریودھن کا ہاتھ ہے۔ جو یدھشٹر کی آمریت کو چیلنج کر کے مجمع کو دو مخالف جماعتوں میں تقسیم کرنا اور تاج پوشی کی رسم کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے۔ ایک باعظمت خاموشی کے ساتھ سری کرشن کھڑے ہوئے اور مجمع کو مخاطب کر کے یوں گویا ہوئے:-

"اے تاجدارو اور معزز راجاؤ! چھیدی کے راجہ ششوپال مجھے اس لئے گالیاں دے رہے ہیں کہ میں نے بھیشم جی کے ایماء سے وہ ارگ قبول کیا ہے جو پانڈووں نے مجھے نذر کی ہے، جس طرح میں نے ششوپال کی دوسری زیادتیوں کو برداشت کیا ہے اسی طرح اس ظلم کو بھی برداشت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگوں کو غالباً یہ معلوم ہے کہ اس نے مجھ پر اور میرے دوستوں پر کیسے کیسے ستم ڈھائے ہیں، جب میں باہر گیا ہوا تھا تو اس نے دوارکا شہر میں آگ لگا دی تھی، اور مقدس مندر کو توڑ دیا تھا، اس نے میرے باپ کے بھیجے ہوئے اسومیدھ کے گھوڑے کو چرا لیا تھا۔ اس نے میرے دوستوں اور مددگاروں سے ساز باز کر کے ہمیشہ مجھے دکھ پہونچایا، لیکن میں نے ان تمام باتوں کو اس لئے برداشت کیا کہ ششوپال کی ماں ہمارے ہی خاندان کی ایک لڑکی ہے اور میں اپنے کسی رشتہ دار کو بے سبب ضرر پہونچانا نہیں چاہتا۔"

سری کرشن جی کی اس تقریر نے تمام راجاؤں پر اثر کیا اور ششوپال کی ان حرکتوں پر دوسروں نے شرم سے سر جھکا لیا۔ مگر دریودھن خوشی سے پھولے نہ سماتا تھا، اور ششوپال اب تک کرشن جی کی ہنسی اُڑانے اور اُن کو برا بھلا کہنے میں مشغول تھا۔ اس حرکت پر سب لوگ خفگی کا اظہار کر رہے تھے لیکن ششوپال اس سے باز نہ آتا تھا، آخرکار جب اس کی فتنہ انگیزی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو کرشن جی کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ اُس کو گناہ کی سزا دی جائے چنانچہ انھوں نے سدرشن چکر کو ایک بار گھما کر ششوپال کی طرف پھینکا اور ششوپال کا سر کٹ کر زمین پر گر پڑا۔

ان واقعات سے حیرت زدہ ہونے کے بعد جب مجمع کے ہوش بجا ہوئے تو یدھشٹر نے اپنے بھائیوں کو حکم دیا کہ ششوپال کی لاش کا داہ کرم سنسکار شاہانہ عظمت کے ساتھ کیا جائے جب یہ ضروری کام ختم ہوا اور تمام رکاوٹیں دور ہو گئیں تو یدھشٹر کی تاجپوشی کی رسم سری کرشن جی کی نگرانی میں ادا کی گئی اور تمام راجاؤں نے ضروری رسومات کے بعد رخصت طلب کی، اور "راجسویہ" کی تقریب پوری شان و شوکت کے ساتھ ختم ہوئی۔

متھرا اور اُس کے مضافات

(از جناب رام سروپ بھٹناگر چندوسی ضلع مرادآباد)

...... (خاص تیج دہلی کے لئے) ......

متھرا وہ متبرک اور مقدس مقام ہے جس کی سرزمین پر ایک ایسی عظیم الشان ہستی پیدا ہوئی جو اپنے زمانہ میں آسمان شہرت پر مثل آفتاب درخشاں رہی اور تمام ستارے اس کی ضیاء سے ماند ہو گئے اور آج بھی جبکہ اس کو گزرے کئی ہزار سال ہو گئے، ہر خاص و عام بلا لحاظ مذہب ملت اس کا اسم گرامی عزت و احترام سے لیتے ہیں اور اس کا ذکر زبان زد خلائق ہے۔ گو ہندوستان کے اندر متعدد مقامات ایسے ہیں جن کے مناظر دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن متھرا اپنی سینری کے لحاظ سے عدیم المثال ہے۔ دریائے جمنا کے کنارے فلک بوس مندروں اور صاف شفاف گھاٹوں کا نظارہ ایسا دلفریب اور دلچسپ ہے جو سیاحوں کی نگاہ کو فوراً اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔ اگر متھرا کے واقعات مفصل قلمبند کئے جائیں تو کافی ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن یہاں پر اجمالاً اس کے حالات کو لکھا جاتا ہے۔ اس شہر کا قدیم نام مدھوپوری تھا۔ کسی زمانہ میں یہاں پر راجہ مدھو راج کرتا تھا۔ اس کا بیٹا لون اس کے بعد وفات اپنے والد کے گدی کا مالک ہوا۔ رام چندر جی مہاراج کے برادر عزیز شری شترو گھن نے اس کو شکست دی اور یہ جنگ میں مارا گیا۔ اس فتح کی یادگار میں ایک شہر آباد کیا جس کا نام مدھوپوری رکھا۔ شری کرشن جی مہاراج کی پیدائش تک یہ شہر ان تمام خاندانوں کا جو کہ اس علاقہ پر حکمران تھے، پایۂ تخت رہا۔ چنانچہ جب مہاراج کرشن کا جنم ہوا تو یہاں پر راجہ سورسین کا بیٹا اگرسین جو کنس کا والد تھا تخت حکومت پر متمکن تھا۔ اور اس زمانہ میں متھرا کا شمار ہندوستان کے مشہور و معروف مقدس مقامات میں ہوتا تھا۔ جب مہاراج کرشن نے کنس کو قتل کیا تو بھی یہی شہر راجدھانی بنا رہا۔ اور اسی طرح برابر اگرسین کی حکومت رہی، لیکن جب جراسندھ کے متواتر حملوں سے رعایا کو تکلیف میں مبتلا دیکھ کر مہاراج کرشن نے راجہ اگرسین کی راجدھانی دوارکا تجویز کر دی تو یہ شہر کچھ عرصہ تک کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہا۔ جب مسلمانوں کی آمد ہندوستان میں ہوئی تو اس شہر کو بعض مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ یہ شہر دولت کا مرکز اور مندروں کا مخزن تھا۔ مشہور حملہ آور محمود غزنوی نے ۱۰۱۸ء میں اس کے سینکڑوں مندروں کو لوٹ کر اس کی دولت سے غزنی کے خزانے مالا مال کر دیئے، اسی طرح محمد غوری نے ۱۱۹۴ء میں جبکہ وہ راجہ جے چند کو شکست دیکر واپس ہوا اس کی لوٹ کا کثیر مال افغانستان کو روانہ کیا اس کے بعد جو اسلام بادشاہ ہندوستان میں ہوئے انہوں نے بھی اس شہر کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہ کیا۔ الغرض اس شہر کو بھی عرصہ تک زمانہ کے انقلاب کا تماشا دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اب مختصر طور پر یہاں کے چند مقدس مقامات کا بیان کیا جاتا ہے:-

پوتر کنڈ، یہاں پر بھگوان کرشن کا جنم ہوا تھا جہاں پر بسدیو اور دیوکی کنس کے دست تعدی سے جیل خانہ میں رہ کر اپنے ایام مصیبت بسر کرتے تھے۔

مل پور، کہا جاتا ہے کہ اس جگہ کرشن بھگوان نے چانور اور مشٹک راکشس کے ساتھ کشتی لڑ کر دونوں کو ہرایا تھا۔

کبجا کوپ، اس جگہ مہاراج کرشن نے کبجا کا کوبڑ درست کیا تھا۔

کنس کا ٹیلہ، اس جگہ مہاراج کرشن نے ستم شعار کنس کو قتل کیا تھا۔

بشرام گھاٹ، جمنا کنارے بنا ہوا ہے اس جگہ مہاراج کرشن نے کنس کو مار کر آرام فرمایا تھا۔

یوگ گھاٹ، اس جگہ پر مایا جوگنی کو جو کہ یشودا کی لڑکی تھی اور جس کو بسدیو جی گوکل سے لائے تھے، کنس نے پٹکا تھا۔

کنکالی ٹیلہ، اس جگہ پر اپگپت بھکشو کا بھکشو آرام تھا، جس کے پند و نصائح سے متاثر ہو کر اشوک نے بودھ دھرم قبول فرمایا تھا۔

متھرا بذات خود ایسا دلچسپ مقام ہے کہ اس کی توصیف مشکل ہے، یہاں کا پیڑا اور کھرچن دور دور تک مشہور ہے اس کے آس پاس کے مقامات بھی ایسے ہیں کہ جہاں پر شرفت قدرتی مناظر دل بہلاتے رہتے ہیں۔ دریائے جمنا کا حسن ان کی خوبیوں کو چار چاند لگاتا ہے۔ ذیل میں ان کا بھی بیان مختصر طور پر درج کیا جاتا ہے:-

گوکل:- یہ وہی قابل فخر بستی ہے جہاں پر مہاراج کرشن نے ابتدائی زندگی کے ۵ سال بسر کئے تھے ان کی یاد میں متعدد مندر موجود ہیں۔ دریائے جمنا کے کنارے موجود ہے جس کے کنارے نہایت عمدہ گھاٹ بنے ہوئے ہیں، یہاں کا مکھن مشہور ہے۔

بندرابن:- یہ قصبہ کافی بڑا ہے میونسپل بورڈ کا انتظام نہایت معقول ہے۔ یہاں پر رنگ جی کا مندر قابل تعریف ہے اس میں ایک سونے کا کھمبہ کافی اونچا بنا ہوا ہے۔ دوسرے مندر میں سنگ مرمر کے ٹیڑھے کھمبے موجود ہیں، جو اپنی نفاست میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، یہاں پر ایک مندر راجہ مان سنگھ کا موجود ہے جو سرخ پتھر کا ہے۔ اس مندر کی سنگ تراشی بہت عمدہ ہے۔

نند گاؤں، ایک چھوٹا سا گاؤں متھرا سے تقریباً ۲۰ میل کے فاصلہ پر ہے اس میں ایک بہت اونچا ٹیلہ ہے جس پر ایک مندر بنا ہوا ہے گاؤں کی زیادہ تر آبادی اس ٹیلہ پر ہے۔

برسانہ، نند گاؤں سے آگے برسانہ ہے یہ بھی ایک موضع ہے مگر نند گاؤں سے بڑا ہے اس میں ایک پہاڑی سلسلہ ہے جس پر عالیشان مندر بنے ہوئے ہیں۔

[illegible]

۱۱ مئی سنہ ۱۹۳۷ء

اصلی آزادی یا نقلی "آٹونومی"؟

حکومت کو کانگریس کا وقار تسلیم کرنا چاہیئے

کانگریسی اکثریت والے چھ صوبوں میں جمود کے متعلق جب مسلسل بیانات و اعلانات شائع ہو چکے، کانگریسی رہنماؤں اور برطانی حکومت کے درمیان سوال و جواب کا سلسلہ بہ ظاہر ختم ہو چکا، اور عبوری وزارتیں اپنی پُشت پناہ طاقت کے بل بوتے پر میدان عمل میں مضحکہ انگیز طریقے سے بڑھنے لگیں تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ کم از کم چھ ماہ تک یعنی جب تک کہ ان وزارتوں کی فطری یا آئینی موت کا وقت نہ آجائے اس بحث و مباحثہ کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ ہم نے ارادہ کر لیا تھا کہ جہاں تک ایڈیٹوریل آرٹیکل کا تعلق ہے، اس کتاب کو بند کر دیں، اس پر اب کوئی تحریر نہ لکھیں اور اپنے قلم کو موجودہ وزارتوں کے آنے والے بُرے دن کے لئے مرثیہ لکھنے کو تیار کریں۔

لیکن ہم ایسا نہ کر سکے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ لامتناہی سلسلہ کبھی ختم ہی نہیں ہوگا۔ اس وقت ہمارے سامنے "ہندی" کا اخبار ہے جس میں ایک طرف تو وزیر ہند لارڈ زٹلینڈ کا نہایت پرانا اور بعد ازاں نئے الفاظ اور نئے جامہ میں موجود ہے اور دوسری طرف ایسوسی ایٹیڈ پریس کے نمائندہ کا مہاتما گاندھی سے وہ سوال و جواب ہے جس میں مہاتما جی نے اپنے نہایت حقائق افروز اور صداقت آمیز خیالات از سر نو پیش کئے ہیں۔ مختصر الفاظ میں مہاتما گاندھی کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) اسمبلیوں میں اکثریت رکھنے والی پارٹی کے لیڈر گورنروں کے سامنے "درخواست دہندہ" کی سی حیثیت کو گوارا نہیں کر سکتے۔ (۲) حکومت برطانیہ اگر کانگریس کی مکمل آزادی کے مطالبہ کو پسند نہیں کرتی تو اسے دنیا سے صاف صاف کہہ دینا چاہیئے اور آزادی کے نام پر محض نقلی "آٹونومی" کے لفظ سے کھیلنا نہیں چاہیئے۔ (۳) اگر برطانی حکومت ہندوستان کی فطری ترقی اور اس کی قسمت کی آخری منزل کو تسلیم نہیں کرتی تو اسے کانگریس کی پوزیشن کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ باعزت سلوک کرنا چاہیئے اور ان شکوک کو رفع کر دینا چاہیئے جو لوگوں کے دلوں میں برطانی ذمہ دار افسروں کے قول و عمل سے پیدا ہو گئے ہیں۔

ان مخلصانہ تجویزوں کے بعد جن میں برطانی کیبنٹ کو بہترین مشورے دئے گئے ہیں اور جن سے یہ اشارہ ٹپکتا ہے کہ اگر سمجھوتہ کرنا ہے تو حکومت کا فرض ہے کہ میجارٹی پارٹی کے لیڈروں سے گفت و شنید کرنے کے لئے اقدام کرے، ہم ایک نظر لارڈ زٹلینڈ کے بیان پر ڈالتے ہیں جو انہوں نے لارڈ اسنل کے سوال پر برطانی پارلیمنٹ میں دیا ہے۔ لارڈ موصوف کا سوال اس بات پر مبنی تھا کہ اگر وائسرائے اور مہاتما گاندھی میں گفت و شنید ہو تو کوئی ایسا آسان فارمولا پیدا کیا جا سکتا ہے جس میں گورنروں کے مخصوص اختیارات کے محلِ استعمال کی تشریح کر دی جائے۔ لیکن لارڈ زٹلینڈ نے اس کا جواب کیا دیا؟ وہی پرانی دلیل اور بے معنی بحث پیش کی کہ قانون کی رُو سے جو ذمہ داریاں گورنروں پر عائد کی گئی ہیں ان کو وہ ترک نہیں کر سکتے۔

وزیر ہند کے خیال میں کانگریس کا مطالبہ منظور کر لینے پر ایک دوسری مشکل یہ پیدا ہوگی کہ مخصوص حالتوں میں اس شرط کی توضیح و تشریح (INTERPRETATION) پر جھگڑے پیدا ہوں گے اور بدعہدی کے الزامات لگائے جائیں گے۔ یہ دلیل ہماری سمجھ میں نہ آئی، مہاتما گاندھی اپنے پہلے بیان میں صاف صاف کہہ چکے ہیں کہ کانگریس اپنے انتخابی "مینی فسٹو" پر عمل کرنا چاہتی ہے اور اگر کانگریسی وزراء کو اس بات کا یقین دلا دیا جائے کہ اس "مینی فسٹو" کے مطابق پروگرام بنانے اور عمل کرنے کی صورت میں گورنر کی طرف سے کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی تو اس ذمہ داری کو لینے کے لئے تیار ہو جائیں گے، پھر جب سمجھوتہ کی شرائط اس قدر صاف ہوں گی تو کسی خاص حالت میں اس کی مختلف توضیح یعنی "انٹرپریٹیشن" کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ لارڈ زٹلینڈ نے کہا ہے وہ سب بنائی ہوئی باتیں ہیں اور ظاہر ہے کہ جہاں ایسا اہم سیاسی مسئلہ درپیش ہو وہاں باتیں بنانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ حکومت غالباً اتنا سمجھنے سے بھی قاصر ہے کہ اس مسئلہ کا سیاسی پہلو اس کے آئینی پہلو سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ حکومت کے طرز عمل سے جو نتائج پیدا ہوں گے اس کی ذمہ داری یقیناً حکومت ہی پر ہوگی!

[illegible]

مزدوروں کی ہڑتال اور وزارتِ بنگال!

کانگریس کی وزارتیں تو قائم ہوئی نہیں جن کو صحیح معنوں میں ہندوستانیوں کی نمائندگی کرنے والی وزارتیں کہا جا سکتا تھا، لیکن جن صوبوں میں نام نہاد ہندوستانی وزارتیں قائم ہوئی ہیں، وہاں کے حالات میں کوئی بہتری نظر نہیں آتی اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک گزشتہ ایگزیکٹو کونسلوں ہی کی قسم کی حکومتیں قائم ہیں، یا اُن مرحوم کونسلوں کی رُوح نے نئی وزارتوں کا جسم اختیار کر لیا ہے، اس کا ثبوت کلکتہ، ہوڑہ اور بارکپور وغیرہ کے جوٹ ملوں کے ہڑتالی مزدوروں کے ساتھ اس سلوک سے ملتا ہے جو وزارت بنگال کی طرف سے کیا جا رہا ہے کہنے کو تو یہ وزارتیں "ذمہ دار ہندوستانی وزارتیں" ہیں مگر ان کے عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی امپیریلزم کا جامہ پہن لیا ہے۔ بنگال کے وزیر اعظم مسٹر فضل الحق نے پنڈت جواہر لال نہرو کے جواب میں جو بیان شائع کیا ہے وہ اخبارات میں آ چکا ہے۔ اس بیان میں بجائے اس کے کہ صلح جوئی اور مزدوروں کی خیر خواہی کی اسپرٹ سے کام لیا جاتا، [illegible] الفاظ میں مسٹر فضل الحق نے اپنی پوزیشن کا ڈھنڈورا پیٹا ہے۔ اور پنڈت جواہر لال نہرو پر وزیر اعظم بنگال کو بُرا بھلا کہنے [illegible] کا مذاق اڑانے کے غلط الزامات عائد کئے ہیں، اب اس کا جواب تو بہر حال خود پنڈت جی موصوف دیں گے، لیکن [illegible] بلند آہنگ، عاری، اور کھوکھلے دعووں کی بھیڑ بھاڑ میں اگر وزارت بنگال کے عملی کارناموں کو تلاش کیا جائے تو ذرہ برابر بھی کسی ایسے کام کا پتہ نہیں چلتا جو پبلک مفاد سے تعلق رکھتا ہو، جوٹ ملوں کے مزدوروں کی ہڑتال کو دس ہفتے ہو چکے ہیں اور گیارھواں ہفتہ شروع ہے، ہڑتالیوں کی تعداد دو لاکھ پچیس ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ اس کے علاوہ کم از کم دس لاکھ اشخاص تو ایسے ہوں گے جن کا گزارہ ان مزدوروں کی کمائی پر تھا، اور جو اب روٹی کے لئے محتاج ہو گئے ہیں۔ لیکن دیکھئے کہ بنگال کی وزارت نے اس سلسلہ میں کیا کیا؟ صرف یہی نہیں کہ اس نے ہڑتال کو ختم کرانے اور سمجھوتہ کرانے کی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ مزدوروں کے مطالبات اور حقوق سے بالکل بے اعتنائی برتی۔ اور دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کے مزدور لیڈروں کو ہڑتال کے علاقہ میں جانے سے روک دیا۔ یہ اس وزارت کا کارنامہ ہے جو کسانوں اور مزدوروں کی حمایت ہی کے دعوے پر قائم ہوئی تھی! مسٹر حسین شہید سہروردی جو کسی زمانہ میں مزدوروں کے لیڈر تھے اب محکمہ وزارت کے وزیر بن کر اپنے اصلی جامہ میں ظاہر ہو رہے ہیں، اور مزدوروں کے مطالبات کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ مسٹر فضل الحق کے اس بیان میں جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے یہ کہا گیا ہے کہ وزارت کا یہ کام نہیں ہے کہ جج بن کر لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرے اور کسی فریق پر اس فیصلہ کو عائد کرے۔ اس دور از کار قانونی نکتہ سے الگ ہو کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ وزارتیں کس مرض کی دوا ہیں؟ اور کیا ان کو "ذمہ دار" ہندوستانی وزارت کہنا جائز بھی ہے یا نہیں؟

ایک بڑی دلچسپی کی بات یہ ہے کہ مسٹر فضل الحق اس حقیقت کو بھی تسلیم نہیں کرتے کہ جوٹ ملوں کے مزدوروں کی ہڑتال کسی اقتصادی اور معاشی بنیاد سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا جواب خود مزدوروں کے مطالبات ہی میں موجود ہے، جن میں بعض اہم مطالبات یہ ہیں:- (۱) ملوں کے مالکان مزدوروں کی یونین کو تسلیم کریں۔ (۲) ملازمت مستقل ہو (۳) بڑھاپے کے لئے پنشن کا انتظام کیا جائے (۴) سال میں ایک مہینہ کے لئے تنخواہ کے ساتھ رخصت ملا کرے۔ (۵) گالی گلوچ، مار پیٹ اور رشوت کا انسداد کیا جائے (۶) حاملہ عورتوں کو دو ماہ کی رخصت با تنخواہ ملنی چاہیئے (۷) ۱۹۳۲ء میں جو تنخواہ اور اُجرت گھٹا دی گئی تھی اس کا دوبارہ اجرا ہونا چاہیئے۔

ہم نہیں جانتے کہ انسان کی اقتصادی اور معاشی ضرورتوں کو جانچنے کے لئے مسٹر فضل الحق کو کون سا نیا آلہ ان کے نئے عہدۂ وزارت نے عطا کر دیا ہے، مگر ہر آدمی جو آنکھیں رکھتا ہو مندرجہ بالا مطالبات میں اقتصادی اور معاشی بہتری کی ایک جائز خواہش سے زیادہ کوئی چیز نہیں دیکھ سکتا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنگال کی وزارت بھی امپیریلزم کے سایہ میں آ کر "راج ہٹ" کا شکار ہو گئی ہے اور اس کی آنکھیں وہی کچھ دیکھتی ہیں جو حقیقت کے بالکل برعکس ہو۔

غیر آئینی اور خلافِ قانون!

"مدراس ایڈووکیٹس ایسوسی ایشن" مدراس کے وکیلوں کی انجمن، ہندوستان میں قانون دانوں کی ایک بڑی با اثر اور مستند انجمن ہے۔ اس نے اپنے ایک ریزولیوشن میں چھ صوبوں کی عارضی اور نقلی وزارتوں کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ اس کی رائے ہے یہ وزارتیں غیر آئینی، خلافِ قانون اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعات کے منافی ہیں۔ ہمیں مسرت ہے کہ اس انجمن نے بھی بعض دوسرے ماہرین آئین کی طرح حکومت ہند اور وزیر ہند کے لئے غور و فکر کا سبب پیدا کر دیا ہے، لیکن حالات بتا رہے ہیں کہ گورنمنٹ [illegible] کو غور و فکر کی صلاحیت سے محروم کر دیا ہے۔ انفرادی حیثیت سے بڑے بڑے ماہرین آئین نے بھی [illegible] کا اظہار کیا ہے جو مدراس کی اس انجمن کی رائے ہے اب دیکھنا [illegible] کا حکومت کے حلقہ میں کوئی اثر ہوتا ہے یا نہیں۔

ریاست حیدرآباد کی ہندو رعایا

کچھ عرصہ ہوا کہ یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ریاست حیدرآباد کے ہندوؤں کا ایک ڈیپوٹیشن مسٹر کاشی ناتھ راؤ کی سرکردگی میں سر اکبر حیدری کے پاس گیا تھا تاکہ ریاست حیدرآباد کی سرکاری ملازمتوں میں ہندوؤں کی نمائندگی اُن کی آبادی کے تناسب سے طلب کرے۔ اس ڈیپوٹیشن نے یہ بھی شکایت پیش کی کہ ریاست کے عدالتی حکام میں ۲۷ مسلمان ہیں اور صرف ۱۷ ہندو ہیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ریاست حیدرآباد میں جہاں ہندوؤں کی آبادی کو اکثریت حاصل ہے ان کے حقوق ایسی حالت میں جب کہ پامالی کے علاوہ اور کوئی لفظ نہیں ہے۔ ریاست مذکورہ کی مجموعی آبادی میں جو ۱۴۳۶۱۴۸ ہے ہندوؤں کی تعداد ۹۶۹۹۷۱۵ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کثیر آبادی کے خلاف جو امتیازی سلوک روا رکھا گیا ہے وہ جلد تر اصلاح کا طالب ہے پبلک ملازمتوں کو صرف ایک فرقہ کی اجارہ داری بنا دینا ہرگز جائز نہیں کہا جا سکتا۔

فرانسیسی ہندوستان میں شاردا ایکٹ

جب سے ہندوستان میں کم عمری کی شادی پر شاردا ایکٹ نے پابندی عائد کر دی ہے بعض قدامت زدہ اور کٹر منتقی لوگ اس قانون سے بچنے کے لئے چند روز کے لئے فرانسیسی ہندوستان میں چلے جاتے ہیں اور ۱۸ برس سے چھوٹے لڑکے اور ۱۴ برس سے کم عمر والی لڑکیوں کی شادی رچا لیتے ہیں۔ فرانسیسی مملکت چندرنگر اور ینام وغیرہ میں بینکڑوں شادیاں اس قسم کی ہو چکی ہیں۔ اس سلسلہ میں فرانسیسی حکومت برطانی ہند کے باشندوں کے شکریہ کی مستحق ہے کہ ابھی حال ہی میں فرانسیسی مالیاتی لیجس لیٹو اسمبلی میں بھی شاردا ایکٹ کی قسم کا ایک قانون پاس کر کے ۱۸ برس سے کم عمر کے لڑکوں اور ۱۴ برس سے کم کی لڑکیوں کی شادی کو ممنوع قرار دیدیا ہے اب دیکھئے ان کٹر متعصبوں کی غیرت ان کو ایسے قبیح کاموں کے لئے کہاں لے جاتی ہے۔ ابھی پرتگالی ہندوستان باقی ہے۔ وہاں بھی جلد از جلد اسی طرح کا قانون پاس ہونا چاہئے۔

افسوسناک سانحہ

پنڈت جواہر لال نہرو کے دورۂ کلکتہ کے وقت ہوڑہ اسٹیشن پر ریل گاڑی سے ایک شخص کے زخمی ہونے اور اس کا پیر کاٹ دیئے جانے کا سانحہ انتہا درجہ افسوسناک ہے۔ اس میں شک نہیں کہ راشٹرپتی اور قوم کے رہنما کے درشنوں کے لئے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ایسے کثیر مجمع کا اکٹھا ہونا بعض حالات میں خطرہ سے خالی نہیں ہے مگر دل کی اس تڑپ کو کیا کیا جائے جو لوگوں کو بھیڑ بھاڑ میں آگے بڑھ کر پنڈت جی کی زیارت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ راشٹرپتی کو اس حادثہ سے جو صدمہ ہوا وہ محتاج بیان نہیں۔ ہمدردی اور محبت کا ایک بے پناہ جذبہ ان کو خود اس زخمی مریض تک لے گیا اور انہی کی نگرانی میں اُسے ہسپتال بھجوایا بہرحال ہم اسے بہتر سمجھتے ہیں کہ ایسے مواقع پر راشٹرپتی کے خیر مقدم کا جو انتظام کیا جائے وہ اتنا مکمل ہو کہ آئندہ ایسے سانحات کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

ایک ہڈی اور اسکا جادو

اس اشاعت میں صفحہ ۲۹ پر سر ایگر نیڈر سٹین مشہور باشندہ ایڈنبرگ (اسکاٹ لینڈ) کے قلم سے لکھا ہوا ایک دلچسپ اور حیرت انگیز مضمون شائع ہوا ہے۔ چند دنوں سے اخبارات میں یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ مصر کے ایک قدیم مقبرہ سے نکالی ہوئی ہڈی نے جو ہڈی مسٹر اسٹین اپنے دوران سیاحت میں وہاں سے لائی تھیں اُن کے گھر آ کر عجیب و غریب اثرات پیدا کئے ہیں اور وہ اس کی کرشمہ سازیوں سے پریشان ہو کر پھر اس ہڈی کو قبر کے سپرد کرنے کے لئے مصر جانے والے ہیں۔ حالات کی تفصیل مضمون میں موجود ہے۔ اور سر ایگر نیڈر خود اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ مصر قدیم کے مقبرے کھود کر جو ہڈی نکالی جاتی ہے اور دوسری جگہ کو منتقل کی جاتی ہے وہ اپنا ساحرانہ اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ اس وقت سائنس کی دنیا حیرت زدہ ہے کہ ان واقعات کی تاویل کیونکر کی جائے غالباً اسے بہت جلد انسانی زندگی میں روحانیت کے حصہ کو بھی تسلیم کرنا پڑیگا۔

جدید ترین جاپانی پرواز

ہوائی جہازوں کی پرواز کا ریکارڈ بنانا اور چیز ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ تیز رفتاری جو انگلینڈ اور آسٹریلیا کے درمیان ہوائی دوڑ میں کام میں لائی گئی تھی روزانہ استعمال میں نہیں لائی جا سکتی۔ گذشتہ ہفتہ میں دو نوجوان جاپانی ہوا باز ٹوکیو (جاپان) سے لندن تک تین دن، بائیس گھنٹے، چودہ منٹ میں پہنچے ہیں۔ حالانکہ اُن کو راستہ میں سخت سے سخت مخالف ہواؤں اور ابر و باد کے طوفانوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اس سے صرف یہی ظاہر نہیں ہوتا کہ جاپان نے فن پرواز میں یہاں تک ترقی کی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جاپان میں طیارہ سازی کی صنعت اب اس منزل پر پہنچ چکی ہے کہ اس کے بنائے ہوئے مضبوط ہوائی جہازوں پر یورپ اور امریکہ کی قومیں بھی رشک کر سکیں۔ جدید ترین جاپانی پرواز کے ریکارڈ کی اگرچہ یورپ میں تعریفیں کی جا رہی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دل ہی دل میں یورپین قومیں جاپانی طاقت کے متعلق زاویۂ نگاہ قائم کر رہی ہوں گی۔

بندرگاہ بیدی

کاٹھیاواڑ کی بڑی ریاستوں میں ریاست نوانگر کی مشہور بندرگاہ بیدی کے متعلق ہمارے پاس ایک پمفلٹ موصول ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بندرگاہ نے گذشتہ چند سال میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ اس کا مقابلہ اب بمبئی اور کراچی جیسی بندرگاہوں سے کیا جا سکتا ہے تجارتی جہازرانی کا کاروبار اس بندرگاہ میں رفتہ رفتہ بہت وسیع ہو رہا ہے۔ اور ہندوستان کی اکثر بڑی بڑی کمپنیاں اب اپنا مال اسی بندرگاہ کے ذریعہ بھیجنے اور وصول کرنے لگی ہیں۔ بیدی بندرگاہ کی تعمیر بھی ایک بڑے پیمانے پر جدید ضرورتوں کے مطابق کی گئی ہے۔ میسرز کیشولال کلیان جی چھتبار جو جامنگر کے خاص شپنگ اور کلیرنگ ایجنٹ ہیں اس بندرگاہ کے تجارتی کاروبار کو بہت ترقی دے رہے ہیں ہمیں امید ہے کہ یہ بندرگاہ شمالی، مرکزی اور مغربی ہند کے تجارتی ٹرافک کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوگی۔

پچھلے صفحہ سے

ننگا پربت کی جدید مہم!

شمالی مغربی ہمالہ کی سب سے اونچی چوٹی ننگا پربت پر چڑھائی کرنے کے لئے جرمنی سے ایک دوسری مہم ڈاکٹر ایکس وین کی ماتحتی میں ہندوستان آئی ہے اس جماعت میں دو آدمی وہ ہیں جو ۱۹۳۴ء کی جرمن مہم میں بھی ہندوستان آئے تھے۔ لوگوں کو یاد ہوگا کہ تین سال پہلے جب جرمن مہم نے ننگا پربت پر چڑھائی کی کوشش کی تھی وہ صرف تھوڑی ہی بلندی پر جا کر کثرت بارش کے باعث واپس چلی آئی تھی، اور اس کے چار ممبران ہلاک ہو گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس تباہی کے باوجود جرمن ہمت نے اپنی شکست تسلیم نہیں کی ہے۔ دیکھئے اس مرتبہ کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے کچھ روز ہوئے اخبارات میں اس سلسلہ کی ایک ہندوستانی مہم کا ذکر بھی آیا تھا۔ لیکن معلوم نہیں یہ تجویز کہاں چھپ گئی کیا ہندوستان میں نوجوانوں کی کوئی ایسی جماعت نہیں بنائی جا سکتی جو پہاڑوں کی چڑھائی کے فن میں مہارت حاصل کرے؟

البانیہ اور رسم پردہ!

یورپ میں البانیہ ایک چھوٹی سی اسلامی حکومت ہے جس پر بادشاہ زاغو کی فرمانروائی ہے، لیکن کہا جاتا ہے کہ اس مختصر سی قوم کا حکمران بہت اصلاح پسند ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔ ترکی عورتوں میں رسم پردہ کا جو حشر ہوا وہ معلوم ہے اب البانیہ کی ایک خبر کہتی ہے کہ زاغو نے اپنے ملک کی عورتوں میں پردہ ممنوع قرار دے دیا ہے، اور البانیہ عورتوں نے نہ صرف یہ کہ پردہ اتار پھینکا ہے بلکہ بعض بعض مقامات پر انہوں نے اپنے نقابوں کو آگ لگانے کی پبلک تقریب انجام دی ہے۔ ہندوستان میں اب تک جو لوگ پردہ کی قدیم اور غیر صحت بخش رسم کے حامی ہیں اُن کے لئے البانیہ کی اس جدید تحریک میں کافی سبق موجود ہے۔

بدیسی زبان میں خط و کتابت!

ایک اطلاع کہتی ہے کہ ضلع کانگڑہ کے زنانہ اسکولوں کے لئے اسسٹنٹ انسپکٹرس آف اسکولز نے یہ سرکلر جاری کیا ہے کہ دفتر کے ساتھ تمام خط و کتابت انگریزی میں ہونی چاہئے حیرت ہے کہ اس اصلاح کے دور میں جب کہ تمام صوبوں میں دیسی زبانوں کے ذریعہ تعلیم دینے کی تجویزیں رفتہ رفتہ زیر عمل لائی جا رہی ہیں، اور بدیسی زبان کو مجبوراً اپنی زندگی میں داخل کرنے کا طریقہ ترک کیا جا رہا ہے بعض ذہنیتیں ایسی بھی موجود ہیں جو اب تک انگریزی زبان کو ترجیح دینا چاہتی ہیں، کانگریس کے تمام لیڈر اور کروڑوں ہندوستانی یہ چاہتے ہیں کہ ہر جگہ دیسی زبان کو تعلیمی اور سرکاری زبان بنا دیا جائے لیکن انسپکٹرس صاحبہ موصوف آج بھی انگریزی ہی میں خط و کتابت کرنے کا راگ الاپ رہی ہیں، یہ ایک شدید غلطی ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ یہ سرکلر جلد واپس لے لیا جائے گا!

پنڈت جواہر لال نہرو اور مسٹر جناح!

کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو اور مسٹر جناح کے درمیان سوال و جواب کا ایک سلسلہ جاری ہے جس کی تازہ ترین کڑی یہ ہے کہ پنڈت جی موصوف نے مسٹر جناح کو جو دندان شکن جواب ۳ مئی کو دیا تھا پھر اس کا ایک بے ربط اور بے معنی جواب مسٹر جناح کی طرف سے ۵ مئی کو دیا گیا ہے ہمیں اس سلسلہ میں داغ کا ایک شعر یاد آ گیا ع

وعدے پہ ہے اُن کے قیامت کی یہ تکرار
اور بات ہے اتنی کہ اُدھر کل ہے اِدھر آج

بات تو صرف اتنی ہی سی ہے کہ مسلمانوں کو کانگریس میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں، پنڈت جواہر لال نہرو نے مسلمانوں کو قومی جد و جہد میں شریک ہونے کی دعوت دی ہے، ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اس کا اثر ہوا ہے اور مسلمان کانگریس میں شریک ہو کر اپنی حب الوطنی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں لیکن مسٹر جناح اپنی رٹ لگائے ہیں اور ان کو اپنے متعلق ایک غلط فہمی یہ ہے کہ اب بھی اُن کی پرانی فرقہ پرستانہ لیڈری قائم ہے۔ خدا کرے اس غلط فہمی سے جلد اُن کو نجات حاصل ہو۔

بھوپال کے ہندوؤں پر پابندی!

بھوپال کی ہندو سبھا نے یہ تجویز کی تھی کہ ۱۵، ۱۶ اور ۱۷ مئی کو وہ ریاست مذکور کے ہندوؤں کی ایک کانفرنس اس غرض سے منعقد کریں گے کہ ہندوؤں کی موجودہ پست حالت کے اسباب پر غور کر کے اُن کی بہتری اور بہبودی کے ذرائع پیدا کئے جائیں، اس کی تیاریاں جاری تھیں کہ دفعتاً بھوپال کے مجسٹریٹ نے اس کانفرنس کے خلاف امتناعی حکم جاری کر دیا ہے اور اس کے لئے یہ بہانہ ڈھونڈا گیا ہے کہ یہ لوگ حکومت کے خلاف نفرت پھیلائیں گے، اور فرقہ وارانہ امن میں خلل واقع ہوگا۔ ہندوؤں میں اس امتناعی حکم سے سخت بے چینی پیدا ہو گئی ہے ہم نہیں سمجھتے کہ اگر کوئی جماعت اپنی حالت کو بہتر بنانے کے لئے کانفرنس منعقد کرے تو اس سے نقض امن کا اندیشہ کیونکر پیدا ہو سکتا ہے حکام ریاست کا فرض ہے کہ وہ اس امتناعی حکم کو جلد واپس لے لیں۔

"دی نیوز اینڈ ویوز"!

یہ مختصر سا خوبصورت پمفلٹ انڈین ٹی مارکٹ بورڈ کے کمشنر نے شائع کیا ہے جس میں "چائے" کی خوبیوں کے متعلق چند دلچسپ مضمون اور چھوٹی چھوٹی خبریں اور معلومات بہم پہونچائی گئی ہیں اس پمفلٹ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چائے نے دنیا کے مختلف حصوں میں کس طرح اپنا گھر بنا لیا ہے چائے کی ہر دلعزیزی ہندوستان میں بھی بڑھتی جا رہی ہے اور چائے نوشوں کے لئے یہ پمفلٹ دلچسپی کا باعث ہے!

اشارات

"مسٹر جناح اور دوسرے لوگوں کو مسلم لیگ کی تنظیم کا نقطہ بولتے ہوئے غور کرنا چاہیئے۔ مسلم لیگ اس مُردہ جماعت کا نام ہے جس کی سڑی ہوئی لاش چند اصحاب فرض اپنے کاندھوں پر لئے پھرتے ہیں، اور غریب مسلمانوں کے نام پر اپنی ذاتی اغراض پوری کیا کرتے ہیں۔ یہ تمام لوگ شہنشاہیت کے ایجنٹ ہیں اور ان کی تمام امیدیں صرف انگریزی حکومت سے وابستہ ہیں"

آپ کو ایک پہیلی بجھواتا ہوں۔ بوجھئے تو کہ اوپر کی تحریر کس کی ہے؟ غالباً آپ سمجھیں گے کہ اس کو کسی کٹر مہا سبھائی نے لکھا ہوگا۔ لیکن ایسا نہیں ہے، یہ ایک مسلم اخبار "ہند" کلکتہ کی تحریر ہے جس کے ایڈیٹر مولوی عبد الرزاق ملیح آبادی ہیں۔ اب مسٹر جناح کے دل سے پوچھیئے کہ مسلم لیگ کی حقیقت کیا ہے!

"کٹھ پتلیوں کے اچھے تماشے کا راز نصف درجن آدمیوں پر موقوف ہوتا ہے جو اسٹیج کے پیچھے رہتے ہیں اور اپنے فن میں اس قدر ماہر ہوتے ہیں کہ اپنی پھرتیلی انگلیوں سے تاروں کے ذریعہ کٹھ پتلیوں کے سر، ہاتھ اور پیر کو اس طرح حرکت دیتے ہیں کہ پورا ڈراما بغیر کسی غلطی کے دکھلایا جاتا ہے۔ پس پردہ ہاتھوں کی لکڑیوں کے اشارے سے کٹھ پتلیاں اپنی حرکتوں میں نہایت مکمل ہم آہنگی پیدا کرلیتی ہیں"

یہ بھی ایک پہیلی ہے لیکن دوسری شکل میں۔ بمبئی کے معاصر "اسٹار ٹیڈ ویکلی" میں مندرجہ بالا مضمون کٹھ پتلیوں کے تماشے کے متعلق لکھا گیا ہے، لیکن حسنِ اتفاق دیکھئے کہ اس میں بھی نصف درجن آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو چھ صوبوں میں پس پردہ بیٹھ کر وزارتوں کی کٹھ پتلیاں نچا رہے ہیں!

مسولینی نے اٹلی میں زیادہ بچے پیدا کرنے کی تحریک کے سلسلہ میں جو نئے نئے طریقے ایجاد کئے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ لوگوں کو شادی کے لئے حکومت کی طرف سے رقمیں قرض دی جائیں گی، لیکن ان رقموں کو نقدی کی صورت میں واپسی کی ضرورت نہیں ہے، صرف بچہ پیدا کرنے سے قرض خود بخود ادا ہو جائے گا۔

اب تو روما کے بازاروں میں دوکانوں کی تمام کھڑکیاں بچوں کے کپڑوں اور کھلونوں سے بھر گئی ہوں گی!

مسٹر بالڈون کہتے ہیں کہ اب میں پرائیویٹ زندگی میں داخل ہو کر بوڑھا ہونا چاہتا ہوں اور کسی کے لئے لعنت بننا نہیں چاہتا!

لیکن سوال یہ ہے کہ اب تک آپ کیا تھے؟

لالہ زار

ڈیوک آف ونڈسر اور مسز سمپسن

(" ریاست ویکلی" کے خاص شاعر کے قلم سے)

نسیمِ صبح گاہی دُور سے مژدہ یہ لائی ہے
گل و بلبل نے حُسن و عشق کی محفل سجائی ہے

وفورِ رنگ و بُو سے ذرّہ ذرّہ بن گیا گلشن
بندھیں گے رشتۂ شادی میں ونڈسر اور مسز سمپسن

جہاں میں غلغلہ ہے اس بہارِ عیش ساماں کا
زباں بن کر دُعا کرتا ہے ہر پتّہ گلستاں کا

خوشی ایسی ہے اس تقریب کی چھائی ہر اک دل پر
کہ زہرہ مشتری کا رقص ہے تاروں کی محفل میں

بنا کر گلشنِ فردوس سے اک خوشنما سہرا
فرشتے لائیں گے سُورج کی کشتی میں ترا سہرا

پری بن کر مسرّت جھولنے آ نکلی جھولوں میں
بہاریں آ کے خود کھیلیں گی اس سہرے کے پھولوں میں

شعاعِ مہر کے چترِ زری کا سر پہ سایا ہے
کہ اس دولت کو تاج و تخت دے کر تو نے پایا ہے

ترے پیمانۂ دل میں محبت کا ہے میخانہ
ترے سر پر وفا و عشق کا ہے تاجِ شاہانہ

تری چشمِ حقیقت آشنا مخمورِ اُلفت ہے
ترے سینے میں دل، سرچشمۂ عشق و محبت ہے

مُبارک ہو کہ لُطف و شادمانی کی گھڑی آئی
مُبارک ہو کہ عیش و کامرانی کی گھڑی آئی

مُبارک ہو کہ کشتی عشق کی آئی لبِ ساحل
مُبارک ہو کہ اب دل کی تمنا ہو گئی حاصل

یہی شکتی یہی رازِ ازل ہے اور طاقت ہے
جو سچ پوچھو تو دنیا میں محبت ہی محبت ہے

چٹکیاں

اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس مرتبہ جب چٹکیاں لکھنے بیٹھا تو جا بجا ہندوستان کی وزارتوں کے متعلق اتنا مسالا ہاتھ آ گیا کہ اسی نے تقریباً تمام کی تمام چٹکیوں پر قبضہ جما لیا۔ جب یہ وزارتیں دوسروں کے وزارتی حقوق پر ناجائز قبضہ کر لیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ان کے متعلق چند دلچسپ واقعات نے بھی ہماری چٹکیوں پر قبضہ کر لیا۔

مدراس کے ایڈووکیٹوں کی انجمن نے یہ ریزولیوشن پاس کیا ہے کہ "انٹیرم" وزارتیں غیر آئینی، خلاف قانون اور انڈیا ایکٹ کے منافی ہیں"

بہتر ہے کہ تعزیراتِ ہند کی رُو سے ان کو "انجمن خلاف قانون" قرار دے دیا جائے"

لالہ شام لال ممبر اسمبلی نے انبالہ میں تقریر کرتے ہوئے ان وزارتوں کے متعلق ایک دلچسپ حقیقت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ "یہ پردہ نشین بیوائیں ہیں جو عدت کے دن پورے کر رہی ہیں"

غالباً عدت کے بعد ان کا نکاحِ ثانی ہوگا!

یو۔ پی کی انٹیرم وزارت نے اپنے کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے یہ اعلان کیا تھا کہ اس سال وہ پہاڑ پر نہیں جائے گی، لیکن اب خبر آئی ہے کہ جا رہی ہے۔

ایک شعر سُن لیجئے ؎

نہ جائیں گے کبھی یہ عہد تھا جن میں مرے دل میں
مگر دونوں گئے اور بے بلائے اُن کی محفل میں

صوبہ بہار کے وزیر اعظم مسٹر یونس نے بابو راجندر پرشاد کو دعوت دی ہے کہ وہ اُن کے ساتھ چھاؤنا اور کل لیکر شمالی بہار میں چلیں اور سیلاب کو روکنے کے لئے بند بنائیں،

راجندر بابو تو جانتے ہیں کہ یہ سب ذرا پروپیگنڈا ہے کیا مسٹر یونس کانگریس کے آنے والے سیلاب کو بھی روک سکیں گے؟

کانگریس ورکنگ کمیٹی نے الہ آباد میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ کانگریس کے ممبر نام نہاد وزراء سے کوئی تعلق نہ رکھیں اور ان سے ملاقات نہ کریں۔

بے شک اصلی اچھوت وہی لوگ ہیں جو قوم سے بیوفائی کرتے ہیں

انٹیرم وزارتوں کے قیام کے سلسلہ میں جب میں نائب وزیر ہند کا نام مسٹر بٹلر لکھتا ہوں تو وہ "ہٹلر" ہو جاتا ہے کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس کا سبب کیا ہے؟

میرا آسیب زدہ مکان

قدیم مصر کے ایک مُردے کی ہڈی کے کارنامے

(سر الیگزنڈر سٹین کی آپ بیتی)

اس مضمون کے متعلق ایک نوٹ صفحہ ۲۹ پر دیکھیئے

اخبارات و جرائد جب سر الیگزنڈر سٹین کی قیام گاہ ایڈنبرا کے اندر واقع ہونے والے غیر معمولی حوادث کے متعلق خبریں شایع ہوئیں تو اخبار "نیوز کرانیکل" کے ارباب بست و کشاد نے سر موصوف سے درخواست کی کہ ازراہ کرم وہ خود اپنی سرگذشت بیان فرمائیں۔ سر الیگزنڈر نے مندرجہ ذیل داستان قلمبند کر کے جریدہ مذکور کو بہم پہنچائی:-

سال گذشتہ میں اور میری بیوی نے بغرض تعطیل مصر کی سیاحت کی۔ ہم نے قاہرہ کو اپنا مستقر بنایا اور حسب معمول مقامات و مناظر کی سیر و گشت کرنے لگے۔

۱۹۲۵ء تک یہاں کا یہ نقشہ تھا کہ جو رقبہ اہرام اعظم اور ابوالہول کی پشت پر واقع ہے وہ ایک واحد ناپیداکنار ریگزار تھا۔ اس ریگزار وحشت زا کے سینے پر اگر کوئی چیز جاذب نظر پائی جاتی تھی تو وہ "ابوالہول" ہی تھا۔

لیکن اس وقت کے بعد سے تاریخی آثار کی کھوج کرنے والی دو سوسائٹیوں نے اس راز سربستہ کا انکشاف کیا کہ یہ صحرا ایک وسیع اور بعض گورستان ہے جس میں ہزاروں برس پہلے کے مقبرے اور مزارات مخفی ہیں۔ ان مقبروں میں سے بہتوں کی لحدیں کھول لی گئی ہیں اور اب اس ناحیہ میں چاروں طرف گورستانی ہڈیاں بکھری ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ سر سبز درختوں کے ڈھانچے کا کاٹ ... اہرام اعظم ہی کی کمین میں اپنا چہرہ کئے ہوئے ہے۔

عام لوگوں کو اس علاقے میں آنے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اور اس حکم امتناعی کی پابندی حاصل کرنے کے لئے مصری حکام نے مسلح گشت کناں پہرہ دار تعینات اور آہنی جنگلے نصب کر رکھے ہیں۔ لیکن ایک نادر حسن اتفاق کے طفیل ہیں ایک ایسی ہستی کی سفارش پر جو مصر کے حلقۂ دندار کے اندر بڑا رسوخ اور رسائی رکھتی ہے ہم نے ان مقابر و آثار کے تماشے کی اجازت حاصل کر لی۔

جس دن ہم وارد مقبرہ ہوئے ہیں عین اسی دن ایک مقبرہ کھولا گیا تھا۔ اُس وقت ہر چیز اسی موقع و محل اور اسی وضع و نشست پر نظر آتی تھی جیسی کہ وہ تین ہزار سال قبل مسیح کی تھی۔

ہمارے باہر نکلنے پر پاس اس کے بہت سے مقبرے ہم کو دکھائے گئے۔ ان میں سے ہر ایک کی مٹی میں ہڈیاں پڑی ہوئی صاف نظر آتی تھیں۔ میری بیوی نے ان میں سے ایک ہڈی کے حاصل کرنے کا بڑا اشتیاق ظاہر کیا۔ الغرض بڑی محنت اور ترغیب کے بعد ہم نے ایک عرب کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک سوراخ نما گذرگاہ سے قبر میں اترے اور ایک ہڈی نکال لائے۔ یہی وہ ہڈی ہے جو اس وقت ہمارے گھر میں موجود ہے۔

جب ہم اپنے ہوٹل میں واپس آئے تو یہی ہڈی ہماری تمام دلچسپی کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ ایک بوڑھے مصری نے میری بیوی سے بار بار کہا کہ وہ ہڈی کو ساتھ نہ لیجائے لیکن اس نے منظور نہ کیا۔ اور ہڈی ہمارے قیام مصر کے زمانے میں ہمارے پاس ہی

آثارِ نحس کا آغاز

میں مصر سے واپس ہو کر اپنی بیوی سمیت تقریباً ایک ماہ قبل ایڈنبرا آگیا یہی وہ وقت تھا کہ ہماری بدنصیبی رنگ لانے لگی کیونکہ میں اور میری بیوی دونوں سخت بیمار ہو گئے۔ وہ مرتے مرتے بچے۔

گذشتہ نومبر کو ہمارا نوعمر بھتیجا ہمارے پاس عید کا قیام کرنے کے لئے وارد ایڈنبرا ہوا۔ ہم نے طے کر لیا کہ ہڈی کا کوئی ذکر اس کے سامنے نہ کریں گے۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ وہ غسل خانہ میں گیا۔ اور ہم نے اسے چیختے ہوئے سُنا۔ وہ بالائی منزل پر بھاگتا ہوا گیا جہاں میری بیوی سو رہی تھی اور نہایت دہشت کی حالت میں اس نے یہ کہا کہ اس نے ایک جسم کو دیوانخانے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

دوسرا ... یہ پر اسرار انسان محو ہو گیا۔ وہ تھا جبکہ ایک خاتون ہمارے چند مہمان رہی تھیں۔ تاہم یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ وہ اس ہڈی کی ساری سابقہ داستان سے بے خبر تھی۔ اور اس دن سے مجھکو بھی اس ہڈی کے سلسلہ میں ایک خاص تعلق سا رہنے لگا۔

۱۰ جنوری کا ذکر ہے کہ ہمارا ایک دوست ایک کتاب کی ورق گردانی میں مشغول تھا اس عمل کے دوران میں ہمیں ایسا معلوم ہوا کہ ہمارا مکان ایک آسیبی سایہ کے زیر اثر آگیا ہے اس کے تھوڑے ہی دن بعد میں پھر بیمار پڑ گیا اور کافی عرصہ تک صاحب فراش رہا تاہم یہ امر گوش گذار کر دوں کہ یہ بیماری میری ایک دیرینہ شکایت کی بازگشت تھی۔

پھر جنوری کے آخر میں میری بیوی سخت بیمار ہو گئی تقریباً چار ہفتے تک اس پر بیماری کا سخت دورہ رہا۔

ہولناک وحشت اور دہشت

ایک شب میں نے اپنے دل و دماغ کو شدید دہشت زدگی سے دوچار پایا۔ میں اسکی توجیہہ سے معذور ہوں۔ میرا یہ خیال نہیں کہ یہ خرابی ہڈی کی کرشمہ سازی تھی یا کچھ اور سبب تھا۔ لیکن یہ ساری کارنرائی غالباً اس تصور کی تھی کہ فضائے مکان کے اندر بعض نامعلوم طرح میری

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

ریویو

ہمیں یہ جانکر بڑی مسرت حاصل ہوئی ہے کہ انڈین انشورنس کارپوریشن لمیٹڈ لاہور کافی ترقی کر رہی ہے۔ کارپوریشن کا فروخت شدہ سرمایہ زائد از چار لاکھ روپیہ ہے۔ ادا شدہ سرمایہ زائد از اکسٹھ ہزار روپیہ ہے۔ کارپوریشن نے ۲۵ ہزار روپیہ زرضمانت گورنمنٹ کے پاس داخل کیا ہوا ہے۔ قریباً ساڑھے تین لاکھ روپیہ (... Capital) جو حصہ داروں سے واجب الادا ہے پالیسی ہولڈروں کے لئے ایک نئی کمپنی اس سے بہتر ضمانت پیش نہیں کر سکتی۔ کارپوریشن کے چیرمین شری یت ڈاکٹر ستیہ پال صاحب پریزیڈنٹ پنجاب پراونشل کانگریس کمیٹی لاہور اور ڈائرکٹران میں شری یت ایس ستیہ مورتی ایم۔ ایل۔ اے مدراس و شری یت مسٹر آصف علی بار۔ ایٹ۔ لا و ایم۔ ایل۔ اے ہندوستان کی برگزیدہ شخصیتوں میں سے ہیں۔ کارپوریشن کے منیجنگ ڈائرکٹر مسٹر آر۔ آر۔ ناگپال کارپوریشن کو بام ترقی پر لیجانے میں سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ کارپوریشن بہت جلد ہندوستان کی بیمہ کمپنیوں میں صف اول میں ہو گی۔

افسانہ

خاص تیج دہلی کیلئے

(جملہ حقوق محفوظ)

از جناب
شیام نرائن سجل
ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ

چاروں طرف سناٹا تھا، چاند بادلوں میں تھوڑی دیر پہلے آفتاب کی کرنوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، وہ اب تاریکی میں نہا رہی تھیں، صرف ایک کونے میں پلنگ بچھا تھا جس پر چنی سکتے کے عالم میں خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی زندگی نے گلابی دن دیکھے تھے۔ ان کے ساتھ اٹھکیلیاں کی تھیں لیکن اب صرف چار پانچ سال کے عرصہ میں ہی ان اٹھکیلیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اسی طرح جس طرح اس کے کمرے کی دیواروں نے ابھی ابھی اس کی آنکھوں کے سامنے ہی اپنا گلابی لباس چھوڑ دیا تھا دیواروں کی طرح چنی بھی مجبور تھی، عورت ذات کی کمزوری ہی اس کو حالات کا غلام بنا دیتی ہے۔

پلنگ کے ایک کونے میں ایک خط پڑا تھا آج وہ اسے کئی بار پڑھ چکی تھی، اگرچہ اس وقت رات کی تاریکی نے تمام چیزوں پر اپنا اثر جمانا چاہا تھا لیکن چنی کی آنکھوں کے سامنے اس خط کا ایک ایک حرف موجود تھا۔

چنی کو طوائف ہوئے چار سال ہوئے تھے اس عرصہ میں کتنی ہی چٹھیاں اس کے پاس آئی تھیں، کتنے ہی خطوں میں اسے خوشی و رنج کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لیکن آج دکھ سکھ کی انتہا ہوگئی تھی خط پڑھتے پڑھتے وہ کانپ گئی تھی۔

خط پڑھنے کے بعد وہ کچھ سوچ رہی تھی خط کا ایک ایک حرف اس کی گزشتہ زندگی کی ایک ایک گانٹھ کو کھول رہا تھا۔ ان گانٹھوں میں پوشیدہ تھیں غلطیاں چنی کی نہیں اس کے شوہر کی، نہیں اس کے شوہر کی بھی نہیں، دونوں کی، اس خیال میں نہ معلوم کتنے درد چھپے ہوئے تھے، چنی کے سوا کون جانتا تھا!

چنی طوائف ہوگئی تھی اور اپنے گزشتہ واقعات پر سیاہ پردہ ڈال کر حسن کے بازار میں بیٹھ گئی تھی، آج اس پردے کو اس خط نے اٹھا دیا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی، سینما کے پردہ کی طرح ایک ایک نظارہ اس کی آنکھوں کے سامنے گزر رہا تھا۔

وہ خط اپنی زندگی کے گزشتہ واقعات یاد دلانے والے لفظوں میں اس کی کمزوریوں کی یاد دلا رہا تھا۔ ان کمزوریوں کی جنھوں نے اس کی بھولی بھالی زندگی کو گناہوں کے بھنور میں ڈبو دیا تھا۔ اس کی بنی بنائی عمارت کو گرا دیا تھا۔ اس کے رونگٹے رونگٹے میں اشکوں کا ایک دریا موجزن کر دیا تھا۔

(۲)

پہلے پہل جو کیفیت خط کے دیکھتے ہی ایک دم اس کی آنکھوں کے سامنے تصویر بن کر آئی وہ اس وقت کی تھی جب وہ نادان لڑکی تھی، اس نے باغ جوانی میں قدم نہ رکھا تھا اور اس کا پیمانۂ شباب ابھی لبریز ہوا تھا۔

اگرچہ یہ تصویر چنی کی تصوری دنیا میں اپنا عکس دکھا رہی تھی، تاہم اس تصویر کے خاکہ میں اس کی ابھی ابھی جاگی ہوئی یادداشت نے روح پھونک دی تھی، وہ چراغ کی زبان کی طرح اس کے سامنے چمک رہی تھی، اس کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ اسی وقت اپنی یادداشت میں تالا لگا دیتی لیکن وہ مجبور تھی، پلنگ پر پڑا ہوا خط اسے مجبور کر رہا تھا۔

مانا کہ وہ بات اتنی بڑی تھی کہ اس کا نام لینا بھی گناہ ہے لیکن چنی کی کیا خطا تھی چنی اس وقت نادان تھی اس نے شباب کی منزل میں قدم رکھا گر ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی تھی، جسے وہ اپنا ہمدرد اور دوست سمجھ رہی تھی وہ اس کے باغ جوانی پر اوس ڈال گیا تھا اور چنی کی بڈھی ماں بھی تو راجن پر بھروسہ کرتی تھی نہیں تو کیا وہ اپنی پیاری چنی کو راجن کے پاس پڑھنے کو بھیجا کرتی۔

اس روز جس وقت راجن کے گھر سے نکل کر آئی تھی اس وقت وہ کتنی سہمی ہوئی تھی اس کے دل کا گناہ چہرے میں ظاہر ہو رہا تھا۔

گھر پر پہنچتے ہی جب اس نے اپنی ماں کو دروازے پر دیکھا تو وہ ڈر گئی، اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے پاپ اس کے چہرے پر ایک گھناؤنا نقشہ کھینچ رہا ہو۔ اس کے دل میں آیا کہ ماں سے راجن کی شکایت کرے، وہ منہ کھولنا چاہتی تھی لیکن منہ بند رہنا چاہتا تھا اس کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ کچھ کہے چنی کو اسی دن معلوم ہوا کہ پاپ کرنے سے کہیں زیادہ پاپ کہنے کے لئے ہمت چاہیئے۔

آج چنی طوائف ہی سہی لیکن پہلے اس نے اپنے پاپ کو چھپانے کے لئے راجن سے شادی کرنے کی بھی کوشش کی تھی وہ راجن سے محبت نہیں کرتی تھی، لیکن وہ سمجھتی تھی کہ اگر اس کی شادی راجن سے ہو جائے گی تو پاپ کٹ جائے گا۔

پاپ اور پن کے دماغی مباحثے نے اسے ایسا دیوانہ بنا دیا تھا کہ اس نے راجن سے شادی کرنے کو بذریعہ خط پیغام بھیج دیا تھا۔

خط کا جواب آیا چنی کانپ گئی، راجن نے لکھا کہ میری شادی ہوگئی ہے ورنہ میں ضرور تمہارا ہو جاتا۔

چنی نے اسی دن سے اس سے انگریزی پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ راجن کے پاس پھر نہیں گئی۔

(۳)

دن آئے اور گوتے چاند تے چلے گئے، چنی کی شادی ہوگئی، بات اگرچہ پرانی ہے لیکن چنی کو یاد ہے کہ وہ ایک ڈولی میں بیٹھ کر اپنے شوہر کے گھر آئی تھی۔

اس کے شوہر کا نام نریندر تھا چنی کو ایک بے نظیر شوہر ملا تھا۔ وہ اس کی پوجا کرتی تھی، اسی پوجا میں اسی پتی ورت میں اسے اپنا بھیانک پاپ کٹتا نظر آ رہا تھا۔

اس وقت چنی کو یاد آیا کہ اس کی سہاگ رات خوشی سے گزر رہی تھی اور اس کے بعد جو دن گزرے وہ بھی رنگینیوں سے لبریز تھے۔ اس کو شوہر کی محبت نے ہمدردی کے بوجھ سے دبا دیا تھا۔ جب وہ اس ہمدردی کا اپنی راجن کی بدسلوکی سے دل ہی دل میں مقابلہ کرتی تو اس کی آنکھیں پلکوں کے اندر ہی رو دیا کرتیں۔ وہ مقابلہ نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن ہر ایک ہمدردی اسے مقابلہ کرنے پر مجبور کرتی تھی، وہ کسی سے اپنا حال کہنا چاہتی تھی، کسی کو اپنی بپتی سنانا چاہتی تھی لیکن وہ مجبور تھی۔

کبھی کبھی چنی سوچا کرتی تھی کہ کیا اسے اب شوہر سے سچا حال نہیں کہہ دینا چاہیئے، کیا اس کا چھپانا پاپ نہیں؟ لیکن جب اس کا بے چین دل شانتی کی موجوں میں بہنے لگتا تھا تب اسے پتہ چلتا تھا کہ پاپ کو ظاہر کر دینا کتنا بھیانک ہوگا۔ چنی ایک نادان لڑکی تھی جو عورت کی شکل میں بدل گئی تھی۔

چنی کو آج پلنگ پر لیٹے وہ دن یاد آیا جب اس کا شوہر اس کے محبت کے سیلاب میں بہ کر اپنی زندگی کی اُن کمزوریوں کو سنا گیا تھا جنھیں اسے چھپانا چاہیئے تھا۔ لیکن ویسی ہی کمزوری تو چنی کی زندگی میں بھی آ گئی تھی اس کے شوہر نے شادی سے پہلے ایک عورت سے محبت کی تھی، محبت ہی نہیں اپنے ارمانوں کی کشتی کو گہرے سمندر میں ڈال کر اس جگہ لا کر کھڑا کر دیا تھا جس جگہ کو سماج آنکھیں بند کر کے دیکھتی ہے۔

نریندر نے اپنی پیاری چنی سے سچ سچ کہہ دیا تھا اپنی کمزوری کو اس نے بیان کر دیا تھا۔

لیکن نریندر کی پہلی داستان سن لینے کے بعد چنی کی کیا حالت ہوئی تھی، چنی کے دل میں ایک درد پیدا ہوا تھا۔ ایک ایسا درد جسے وہ زبان پر لاتے سے خوفزدہ ہوگئی تھی، جس کے کہنے ہی سے اسے اپنی خوشی کی عمارت گرتی نظر آتی تھی۔

لیکن چنی سوچا کرتی تھی جب اس کے شوہر نے اپنی پہلی کمزوری کا حال

باقی اگلے صفحہ پر

غارت گریٔ شباب

(از حضرت ساغر نظامی)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

ترے نام پر نوجوانی لٹادی
جوانی نہیں زندگانی لٹادی

یہاں عشرت زندگانی لٹادی
وہاں دولت جاودانی لٹادی

تقاضہ تقاضہ مقدر مقدر
جوانی نے خود ہی جوانی لٹادی

جوانی کے لٹنے کا غم ہو تو کیوں ہو
جوانی تھی فانی، جوانی لٹادی

خرد کو یہ ضد تھی نہ لٹتی یہ دولت
اسی ضد پہ ہم نے جوانی لٹادی

وہ کلیاں ابھی تک حسین و جواں ہیں
جہاں ہم نے اپنی جوانی لٹادی

محبت میں ہم اور کیا کچھ لٹاتے
متاع غرور جوانی لٹادی

جنوں کی سخاوت پہ قرباں دو عالم
محبت گنوادی، جوانی لٹادی

جہاں کو تعلق؟ زمانے کو مطلب؟
لٹادی جوانی، جوانی لٹادی

جوانی نے بڑھ کر محبت کو لوٹا
محبت نے ہنس کر جوانی لٹادی

جو لٹ جائے تو عمر رفتہ سے پوچھو
یونہی لٹ گئی یا جوانی لٹادی

جو ساقی نے ہنس کر کبھی جام بخشا
تو ساغر نے اٹھ کر جوانی لٹادی

پچھلے صفحہ سے

سنا رہا تھا۔ جب اس نے اپنی غلطی کہہ دی تھی، جب اس نے اپنی گستاخی کی معافی بھی مانگ لی تھی تو کیا اسے اپنی غلطی کو، اپنے پاپ کو اپنی کمزوری کو ظاہر کر دینا نہیں چاہئیے؟

اُسے یاد آیا کہ اس دن وہ چپ رہی تھی، اس نے کچھ نہیں کہا تھا، اپنے شوہر کے ساتھ اتنے دن رہنے کے بعد وہ مرد اور عورت کے درمیان رہنے والی گانٹھوں کو خوب سمجھنے لگی تھی۔ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ مرد راجہ ہے لیکن عورت رانی نہیں، داسی ہے، مرد کے قلعہ کو عورت نہیں ڈھا سکتی، لیکن مرد عورت کے قلعہ کو ڈھا سکتا ہے۔

(۴)

ان دو واقعات کے بعد اسے اس واقعہ کی یاد آئی جس نے اسے بالکل تباہ کر دیا تھا جس نے اسے طوائف بنا دیا تھا۔ اور جس واقعہ کی وجہ سے آج وہ حسن کے بازار میں پلنگ بچھائے بیٹھی تھی، ایک روز چنی اپنے شوہر کے گھر پر چین سے بیٹھی ہوئی تھی، وہ دھیرے دھیرے اپنے پچھلے پاپ کو بھولتی جا رہی تھی، اس بھولنے ہی میں اسے اپنی شادی شدہ زندگی کی خوشی حاصل ہو رہی تھی، وہ سب کچھ کہہ دینے کو تیار تھی مگر اسے خوب معلوم تھا کہ مرد کے کان ان باتوں کو سُن کر برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے وہ بھول رہی تھی اور بھولنے کی کوشش کر رہی تھی،

لیکن جس بات کی اُسے امید بھی نہ تھی، جس بات کو اس نے خواب میں بھی نہ سوچا تھا وہی بات اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے شوہر نے لا کر کھڑی کر دی تھی، وہ راجن کا نام اپنے شوہر کے منہ سے سنتے ہی کانپ گئی تھی اور پھر جب اس کے شوہر نے کہا تھا کہ آج راجن ملا تھا اور وہ نہ جانے کیا کیا کہہ رہا تھا تو چنی کی روح کے تار بکھر گئے تھے کپکپی نے باہری جسم پر نہیں بلکہ روح پر بھی قبضہ جما لیا تھا۔ اس کے منہ پر یکایک آئی ہوئی زردی خود ہی بول اٹھی تھی، اس کے ماتھے پر سردی کے ایام میں چمکنے والی پسینہ کی بوندیں زرینہ کے لئے الفاظ بن گئی تھیں۔

چنی اس دن سمجھ گئی تھی کہ بات چھپانے سے نہیں چھپے گی، اس کے جسم کی ایک ایک رگ پاپ کو خود ہی چلا چلا کر ظاہر کر رہی تھی، وہ چپ تھی اور سوچ رہی تھی کہ کیا اسے ایسا کرنا چاہئیے تھا؟

لیکن اس کا شوہر کہہ رہا تھا چنی سچ سچ بتا دو میں تمہیں معاف کرنے کی کوشش کروں گا۔ کیا میں نے تمہیں اپنی گزشتہ زندگی کی کمزوری نہیں سنائی ہے؟ اور کیا تم نے اس طرح اپنے پاپ کو چھپا کر اور نہیں بڑھایا؟ کہو جلدی کہو نہیں تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔

چنی اس دن بہت روئی تھی اور روتے روتے اپنے خاوند کے پیروں پر گر پڑی تھی، اس نے کہا تھا کہ میرے ساتھ زبردستی کی گئی تھی میرا پاپ مجبوری کا تھا، اور اس کے بعد تو اس نے معافی مانگنے کا طومار باندھ دیا تھا لیکن اس کے شوہر کی نگاہوں نے معافی دینے سے انکار کر دیا تھا

چنی آج طوائف تھی لیکن آج بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس کے خاوند نے اس کا قصور کیوں نہیں معاف کیا تھا۔ اور کیوں وہ روز بروز اس سے دور ہٹتا گیا تھا اور کیوں یکایک اس نے چنی کو ایک دن اپنے گھر سے باہر نکال دیا تھا۔ کیا دنیا میں پاپ انہوں نے خود نہیں کیا تھا۔ اور کیا چنی نے اسکو معاف نہیں کیا تھا۔ تو پھر چنی اور اسکے پاپ میں تو بہت بڑا فرق تھا۔ چنی اپنی مرضی کے بغیر پاپ کی طرف گئی تھی لیکن اسکے خاوند نے تو اپنی مرضی سے پاپ کیا تھا۔ دونوں میں کتنا فرق تھا۔ دونوں پاپ کی شکلیں کیساں ہونے کے باوجود بھی دنیا نے اس کے لئے علیحدہ علیحدہ سزائیں کیوں بنائی تھیں۔ اسی لئے مرد طاقتور ہے عورت کمزور ہے۔ اور عورت بھیگی بلی کی طرح اس کے احکام پر چلتی ہے۔ سوسائٹی نے طاقتور مرد کو بہت سے پاپوں سے بری رکھا ہے اور چنی بھی ایک ایسی ہی سوسائٹی کی پتلی تھی۔

اس دن کے بعد سے چنی کی اپنے شوہر سے نہیں بنتی تھی۔ اس لئے نہیں کہ وہ اپنے خاوند سے ناراض تھی بلکہ اس لئے کہ خاوند اس سے ناراض تھا اس کا دل اس سے ہمیشہ کیلئے پھٹ گیا جب عورت کی ایسی غلطی صاف طور سے مرد کے سامنے آ جاتی ہے تو وہ عورت سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ لیکن مرد اپنی غلطیوں کو بڑی آسانی کے ساتھ عورت کے معاف کر دئے جانے والے خزانے میں رکھنا جانتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سماج میں آدمی پوجا کرتا ہے عورت کی اس لئے وہ اس مورتی میں کوئی بھی دھبہ نہیں چاہتا۔ پجاری کے پاپی ہونے سے کچھ فرق نہیں آتا لیکن اگر مورتی ہی پاپ کرنے لگے تو پجاری کا دل پھٹ جاتا ہے۔ یہی حالت چنی کی ہوئی تھی۔ چنی کا خاوند اپنی غلطی برداشت کر سکتا تھا کیونکہ وہ پجاری تھا مگر اپنی مورتی میں غلطیاں دیکھنا اس کے لئے غیر ممکن تھا۔

بات یہاں تک رہتی تو کچھ نقصان نہ تھا۔ لیکن زرینہ تو چنی کو اکیلا چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ اور چلتے چلتے غصہ میں کہہ گیا تھا کہ ایسی حرافہ کے ساتھ وہ اپنی زندگی نہیں گذار سکتا۔ وہ طوائف ہے یہ سُن کر تو چنی اس دن غصہ سے لال پیلی ہو گئی تھی۔ چنی کو یاد آ رہا تھا کہ اس دن اس نے منت کی تھی۔ لیکن خودغرض دنیا کے باشندے زرینہ کی آنکھوں میں کسی کے دل کو پڑھنے کی طاقت نہ رہی تھی اس نے اس کی منتوں کو ٹھکرا دیا تھا ٹھکرا ہی نہیں دیا تھا بلکہ ایسی باتیں کی تھیں کہ چنی کے اوپر اب نے غصہ کا جامہ پہن لیا تھا۔ عورت زیادہ تاؤ میں آنے پر چڑیل ہو جاتی ہے۔ یہی حالت چنی کی بھی تھی۔

زرینہ چلا گیا اور چنی بھی چلی گئی۔

(۵)

اس کے بعد چنی کو اپنی زندگی کا تیسرا واقعہ یاد آیا۔ اس واقعہ کا تعلق اس کے طوائف ہونے سے تھا۔

تو ہاں وہ کیوں طوائف ہوئی تھی۔ اگر اس کا شوہر اس سے کہہ دیتا۔ پیاری چنی غلطی آدمی ہی سے ہوتی ہے تو شاید اس کی زندگی کی دھار گندے نالے کی صورت میں نہ بہکر گنگا کی شکل میں بہتی۔ وہ طوائف کیوں ہوئی۔ اسی لئے کہ راجن نے جگہ جگہ اس کو بدنام کیا تھا۔ اور اس کے خاوند نے بھی اسے ٹھکرا دیا تھا۔ جس دن سے اسکا شوہر اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا جو لوگ راجن کی بات کو جھوٹ بھی سمجھتے تھے وہ سچ سمجھنے لگے تھے۔ سوسائٹی اس کی صورت سے نفرت کرنے لگی تھی۔ عورتیں اسکی طرف تھوک کر چلتی تھیں۔ پھر ایسی سماج میں وہ کس صورت سے رہ سکتی تھی۔ اب جس شکل میں سماج اسے دیکھنا چاہتی تھی وہ شکل بس یہی تو تھی جسے اس نے اپنایا تھا۔ اس کا خاوند بھی تو اس سے یہی کہہ کر چلا گیا تھا کہ تو طوائف ہے۔

پھر اس نے سوچا شاید وہ اتنی باتوں پر بھی ایسا کام نہ کرتی اگر پڑوس میں رہنے والی طوائف نے اسے لالچ نہ دیا ہوتا لالچ ہی نہیں۔ اس نے تو نہ جانے کیا کیا باتیں اسکی آنکھوں کے سامنے کھول کر رکھ دی تھیں ایسی باتیں جو شاید ہی کوئی دکھی آتما ٹھکرانے میں جھجکے۔ اور پھر جس شوہر نے جس طرح سے اُسے نفرت کی نگاہ سے دیکھا تھا، اسکی بے عزتی کی تھی اُسے کہیں کا نہ رکھا تھا۔ اس کے سامنے اس بھیانک شکل میں جانے میں کونسی غلطی کی تھی۔

(۶)

یہ چنی کی زندگی کا مکمل افسانہ تھا۔ جو آج ایک دم اس خط کے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا۔ یہ خط آج کئی برس کے بعد اس کے شوہر نے بھیجا تھا۔ اس نے اپنی غلطی محسوس کی تھی۔ اس لئے لکھا تھا۔

چنی میری ہی غلطی کی وجہ سے تم آج ذلیل زندگی گذار رہی ہو۔ کیا تم مجھے معاف نہیں کرو گی۔ کیا تم اب میری نہیں ہو سکو گی۔ چنی اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ میں تم سے ملنے آؤں گا۔ اور امید ہے کہ تم میرے ساتھ چلی چلو گی۔

اس رات کو چنی نہ سوئی۔ وہ اپنی گذشتہ زندگی کو سوچتی رہی۔ اگر اُسے یہ معلوم ہوتا کہ اس کا شوہر اُسے پھر اپنا بنائیگا تو شاید ہی وہ اپنے ایک پاپ پر اتنے بڑے پاپ کی عمارت کھڑی کرتی۔ نہیں۔ نہیں سچ مچ چنی نے جلدی کی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ دنیا نے اسے دھتکار دیا تھا پھر کیا اس دھتکار کا جواب اُسے دھتکار ہی سے دینا چاہیئے تھا۔ اب اس کا شوہر اُسے بلا رہا تھا۔ کیا وہ سنبھل سکتی تھی۔ اُسے کبھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب نہیں جانا چاہیئے پھر کبھی وہ سوچتی کہ جانا چاہیئے۔ ایک غلطی کر کے اس نے ہزاروں غلطیاں کی تھیں۔ اب کیا اُسے یہ نئی غلطی کر کے پھر لاکھوں غلطیوں کو پیدا کرنا چاہیئے۔ پلنگ پر پڑے ہوئے خط کو اس نے اُٹھا لیا۔ اور اُسے چومنے لگی۔

خط کے چومنے کے ساتھ ہی کمرے کی دیواریں صبح کی سنہری کرنوں میں نہلانے لگیں۔ چنی سوچ رہی تھی کہ جس طرح یہ دیواریں تاریکی سے سنہری ہو گئی ہیں۔ کیا اس کی سیاہ زندگی کا پیالہ اسی طرح سنہرا نہیں ہو سکیگا۔

چڑیوں کے چہکنے کے ساتھ ہی چنی کی آنکھوں نے سادھو کی شکل میں ایک کشمیدہ پوش نوجوان کو دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ اشک جاری ہوئے۔ چنی کا سر زرینہ کی گود میں آ گیا۔ اور دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

ہندوستان میں چند شہروں کا اختلاف وقت

(از جناب پیارے لال وشیش کیرانہ ضلع مظفرنگر)

جس وقت مدراس میں دوپہر کے بارہ بجیں گے اُس وقت ذیل کے مقامات میں کیا وقت ہوگا وہ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا۔

نام شہر	قبل دوپہر یا بعد دوپہر	وقت: گھنٹہ	وقت: منٹ
ایبٹ آباد	قبل دوپہر	۱۱	۳۳
آگرہ	〃	۱۱	۳۰
الہ آباد	بعد دوپہر	۱۲	۷
بنگلور	قبل دوپہر	۱۱	۵۰
بریلی	〃	۱۱	۵۷
بلگام	〃	۱۱	۳۷
بلاری	〃	۱۱	۴۷
بمبئی	〃	۱۱	۳۰
کلکتہ	بعد دوپہر	۱۲	۳۳
کانپور	〃	۱۲	۱
کولمبو	قبل دوپہر	۱۱	۵۸
کٹک	بعد دوپہر	۱۲	۲۳
ڈھاکہ	〃	۱۲	۴۱
دارجلنگ	〃	۱۲	۳۲
ڈیرہ اسمٰعیل خاں	قبل دوپہر	۱۱	۲۲
دہلی	〃	۱۱	۵۰
دھارواڑ	〃	۱۱	۲۹
فتح گڑھ	〃	۱۱	۵۸

نام شہر	قبل دوپہر یا بعد دوپہر	وقت: گھنٹہ	وقت: منٹ
سندھ	قبل دوپہر	۱۱	۲۱
حیدرآباد	〃	۱۱	۱۳
سکھر	〃	۱۱	۱۵
انبالہ	〃	۱۱	۳۶
جہلم	〃	۱۱	۳۴
کراچی	〃	۱۱	۷
لاہور	〃	۱۱	۳۶
لکھنؤ	بعد دوپہر	۱۲	۳
میرٹھ	قبل دوپہر	۱۱	۴۱
مئو چھاؤنی	〃	۱۱	۴۲
ملتان	〃	۱۱	۲۵
کوہ مری	〃	۱۱	۲۳
کوہ منصوری	〃	۱۱	۵۲
ناگپور	〃	۱۱	۴۷
نینی تال	〃	۱۱	۵۷
امراوتی	〃	۱۱	۵۰
پشاور	〃	۱۱	۲۶
راجمندری	بعد دوپہر	۱۲	۷

۱۰ "ڈاؤننگ سٹریٹ" کیا ہے؟

سلطنت برطانیہ کیونکر چلتی ہے؟

کابینہ وزراء، گورنر، سول سروس اور حکومت کے دیگر سیاسی و کاروباری ادارے

(از سر ہربرٹ سیموئل ممبر پارلیمنٹ)

سلطنت برطانیہ دنیا کا سب سے بڑا انتظامی و سیاسی ادارہ ہے

(مسٹر رابرٹ سیموئل رکن پارلیمنٹ)

جو سابق ہوم سیکرٹری برطانیہ تھے اور فلسطین کے ہائی کمشنر بھی رہ چکے ہیں، اور آجکل لبرل پارٹی کے لیڈر ہیں، اس مضمون میں برطانوی حکومت، دل و دماغ اور جسم کی دفتری مشینری یعنی کابینہ برطانیہ کی اندرونی زندگی، عملی کاموں اور نمبر ۱۰ ڈاؤننگ سٹریٹ لندن کا پورا نقشہ پیش کرتے ہیں، یہ جگہ وہ ہے جہاں تاریخ عالم کی سب سے بڑی سلطنت کا انتظام کرنے والے دماغ اور ہاتھ جمع ہوتے اور کام کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔

لندن میں اگر آپ سیاحت کے لئے نکلیں تو پارلیمنٹ کے ایوانوں کے نزدیک ہی ایک تنگ گلی آپ کو ملے گی جس میں حکومت برطانیہ کے دفاتر اور محکمہ جات کی قطاریں دور تک چلی گئی ہیں اور ان کے سلسلے کی قطاروں میں معمولی رہائشی پختہ مکانات بنے ہوئے ہیں ہم جس جگہ کھڑے ہیں اسے ڈاؤننگ سٹریٹ کہتے ہیں پورا کوچہ (۲۵۰) سال گزرے کہ ایک شخص جارج ڈاؤننگ نے بنوایا تھا۔ مگر اب اس کا صرف وہی حصہ رہ گیا ہے جسے دفاتر حکومت نے ابھی تک اپنے قبضہ میں رکھ چھوڑا ہے۔ جارج ڈاؤننگ ہاورڈ کا گریجویٹ تھا۔ اپنے والدین کے ساتھ امریکہ چلا گیا تھا مگر اس کے بعد ہی ولایت واپس آگیا اور بادشاہ چارلس دوم کے عہد میں اسے بڑا دخل و رسوخ حاصل ہو گیا۔ اس رسوخ کی بدولت اسے کافی دولت حاصل ہو گئی اور اس دولت کا کچھ حصہ اس نے یہ کوچہ تعمیر کرنے پر لگایا جو اب تک اس کے نام سے مشہور ہے ۔

سر رابرٹ والپول پہلے وزیر اعظم برطانیہ تھے ان کے عہد سے آج تک نمبر ۱۰ ڈاؤننگ سٹریٹ کی عمارت سرکاری دفاتر اور وزیر اعظم برطانیہ کی کابینہ کے لئے مخصوص ہیں، یہ مکانات اب تک تقریباً سابقہ حالت پر ہیں، بالکل معمولی قسم کے پرانی وضع کے متوسط درجے کے لوگوں کی عمارت کا نمونہ ہے جس کی کچھ کچھ جھلک اب تک لندن میں کہیں کہیں پائی جاتی ہے ۔

ایک پرانا مکان

نمبر ۱۰ ڈاؤننگ سٹریٹ، ایک معمولی خشتی مکان ہے بالکل پرانی قسم کا جس کی ظاہری شکل و صورت نہ تو امتیازی ہے نہ اس کے اندر ہی کوئی آسائش کا معقول انتظام ہے، رہائش کے لئے بالکل ناموزوں، لیکن لندن کا کوئی باشندہ، کوئی فرد انگریز قوم کا، کوئی فرد برطانوی نوآبادیات کا ایسا نہ ہوگا جو اس مختصر پرانے مکان سے واقف نہ ہو، آج تک کسی وزیر اعظم نے اس مکان کو بدل کر زیادہ آرام دہ اور بہتر خوبصورت وسیع مکانات میں جانے کا خیال نہیں کیا، اور نہ کبھی یہ تصور ہو سکتا ہے کہ حکومت برطانیہ کا ہیڈ کوارٹر کبھی بھی نمبر ۱۰ ڈاؤننگ سٹریٹ سے تبدیل کیا جائے گا ۔

آپ اس مکان پر پہنچئے جس طرح کسی اور مکان پر جا کر ایک معمولی سی گھنٹی بجاتے ہیں بالکل اسی طرح یہاں بھی اسی طرح کی ایک گھنٹی لگی ہوئی ہے۔ عام دروازہ جیسا ہوتا ہے ایسا ہی دروازہ اس عمارت کا ہے۔ اس میں سے ہو کر آپ ایک ہال میں پہنچیں گے، بس اتنا بڑا ہال جیسا لندن کے کسی اور مکان میں ہوتا اتنا بڑا ہو آپ کو ملے گا، اس ہال میں مدبرین سیاست کی تصویریں اور مجسمے دیوار کے ساتھ قرینہ سے لگائے گئے ہیں، یہاں سے ایک تنگ راستہ ایوان کابینہ تک جاتا ہے ۔

کابینہ کے کمرہ میں دیواروں کے ساتھ کتابوں کی الماریاں لگی ہوئی ہیں، سامنے فرنچ دریچے ہیں جو باغ کی طرف کھلتے ہیں اور سامنے سے سینٹ جیمز کا منظر دکھائی دیتا ہے یہاں ہر چیز سفید دکھائی دیتی سوائے اس میز کی پوشش کے جو تمام کمرہ کے طول و عرض کو بیچا بیچ میں بچھی ہوتی ہے اس کا میز پوش گہرے سبز رنگ کا ہے، اردگرد دریچے، پشت پر آتشدان اور بیچ میں ایک آرام کرسی پڑی رہتی ہے اور باقی کرسیاں جو میز کے گرد ہوتی ہیں بالکل معمولی قسم کی ہوتی ہیں، شاید ہی باہر کہیں مختلف النوع سیاسی مجلس اگر سب سے زیادہ حیرت انگیز ترتیب کے ساتھ کہیں پائی جاتی ہے تو وہ اس کمرہ میں،

وزرائے کابینہ کی تعداد زیادہ ہونے کے باعث زیادہ کرسیوں کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو اس سے زیادہ بھی ۔

بے تکے بے ڈھنگے وزیروں کا مجمع

ان کرسیوں پر کون بیٹھتا ہے، برطانوی حکومت کے وزیر ایسے بے جوڑ بے تکے اور بے ڈھنگے مجمع کو جن میں آپس میں کوئی ربط نہیں لوگ برطانوی کابینہ کہتے ہیں، دنیا

یہ کون ہیں، وزیر ہند، جن کے ماتحت ہندوستان ہے (۳۶۰،۰۰۰،۰۰۰) انسانوں کے معاملات کی دیکھ بھال، یعنی تمام دنیا کے ۱/۵ حصہ کی نگہداشت، ہندوستان کی اصل حکومت وائسرائے کے ہاتھ میں ہے یا (۱۱) گورنروں اور (۵۶۰) دیسی ریاستوں کے پاس، تمام گورنری صوبوں میں اور تمام برطانوی ہند کے لئے ایک مجلس آئین ساز الگ ہی نئے قانون کی رو سے وزیر ہند، وائسرائے اور گورنروں

کے بہت سے کام ہندوستانی وزراء کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئے ہیں اور پہلی بار (عنقریب) یک وفاق ہند قائم کیا جائے گا جس میں دیسی ریاستیں برطانوی ہند سے قریبی طور پر آکر مل جائیں گی ۔

یہ کون ہیں ——— وزیر نوآبادیات

برطانیہ، ان کے ماتحت کوئی چالیس نوآبادیات ہیں، یہ نوآبادیات دنیا کے چار براعظموں میں پھیلی ہوئی ہیں، اور یہ نوآبادیات ہر سائز کی ہیں، نائیجیریا سے لے کر جس کی آبادی دو کروڑ ہے جزیرہ سینٹ ہلینہ تک جس کی آبادی صرف چار ہزار ہے ۔ ہر نوآبادی کا اپنا گورنر ہوتا ہے اور اپنا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے، بعض جگہ کامل جمہوریت رائج کر رکھی ہے جہاں وزیر بھی ہیں، مجلس آئین ساز بھی ہے اور بعض پس ماندہ نوآبادیوں میں کامل بالادستی حکومت ہے ۔

وزیر نوآبادیات کے ماتحت وہ انتداب بھی ہیں جن پر برطانیہ کی نگرانی ہے اور لیگ اقوام جس کی دیکھ بھال کرتی ہے فلسطین ان سب میں بڑی ہے ۔

وزیر نوآبادیات برطانیہ کو دیکھئے یہ خود مختار نوآبادیات مثلاً کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، جنوبی افریقہ اور آئرستان آزاد، نیو فاؤنڈ لینڈ اور جنوبی روڈیشیا کے معاملات کے مالک ہیں آپ تمام دولت متحدہ برطانیہ کے مابین ایک کڑی کی طرح کام کرتے ہیں، تمام مقبوضات و نوآبادیات کی سیاسی تجارتی اور عمومی مفاد کی باتوں پر نگرانی رکھتے اور باہمی تعلقات خوشگوار بنانے کا دلچسپ اور پیچیدہ کام کرتے ہیں، بہت سی نوآبادیات چونکہ آئین ویسٹ منسٹر کے پاس ہونے پر ۱۹۳۱ء میں آزاد ہو گئی ہیں، اس لئے وزیر نوآبادیات کے تعلقات اور ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں تمام نوآبادیات ایک بڑے کاروبار میں برابر کے شریک ہیں ہر نوآبادی کا گورنر جنرل خود بادشاہ مقرر کرتے ہیں جس کی سفارش حکومت داخلہ نہیں بلکہ حکومت نوآبادی متعلق کرتی ہے ۔

۱۹۲۲ء تک ایک عہدہ دار ہوتا تھا جسے سیکرٹری برائے ملک آئرلینڈ کہتے تھے، مگر چونکہ آئرلینڈ کا ۵/۶ حصہ خود مختار و آزاد ہو چکا ہے اس لئے یہ عہدہ معطل ہو گیا ہے اب آئرلینڈ اور حکومت برطانیہ کے محکمہ مقبوضات کے مابین براہ راست معاملات طے پاتے ہیں اور جو اکثر بہت گرم بلکہ تلخ گفت و شنید کا نتیجہ ہوتے ہیں، آئرلینڈ کا ۱/۶ حصہ اب تک اپنے نمائندے پارلیمنٹ برطانیہ میں بھیجتا ہے اس کی اپنی علیحدہ حکومت ہے اور اپنے علیحدہ وزراء ہیں یہ شمالی آئرلینڈ کی حکومت کہلاتی ہے کابینہ میں وزیر امور داخلہ ہے جو شمالی آئرلینڈ کے ساتھ معاملات طے کرنے کا واحد ذریعہ ہے جزیرہ مین سے بھی اس کا یہی رابطہ قائم ہوا ہے ان دونوں جگہوں پر اپنے اپنے گورنر ہیں اپنی پارلیمنٹیں بھی ہیں ۔

کیا حکومتوں کے تنوع اور متفرق الاصل ہونے کی کوئی اور مثال سلطنت برطانیہ کے باہر کہیں مل سکتی ہے کیا یقین ہو سکتا ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

تجزیۂ شعر و شعراء

از جناب جوش ملیح آبادی — خاص "تاج ویکلی" کیلئے

(۱)

[illegible]

(۲)

[illegible]

(۳)

[illegible]

(۴)

[illegible]

پچھلے صفحہ سے

کہ کاؤنسل مکمل نہیں ایک چھوٹے سے کمرہ میں سما سکتی ہیں، جس میں ہندوستان بھی ایک اکائی کے طور پر شامل ہوتا ہے ایک حکومت دوسرے سے بالکل مختلف، ایک کے معاملات دوسرے سے بالکل علیحدہ، مگر متعاون ہوتے ہیں مگر پھر وہ ایک بڑے ادارہ کی صورت میں اور ہر وہ عنصر ہیں۔

اس کابینہ کا کام کافی خراب، بعض وقت تکلیف دہ اور قابل اعتراض تو اکثر ہوتا ہے مگر کابینہ کی نوعیت کا بیان کام ہے۔ مگر ایک طرف وزیر لیات برطانیہ منصب جو ہیم فاتح انگلستان سے ہی ملنے کی گدی ہے یعنی ۹۰۰ سال پرانی تو دوسری طرف زیر مقبوضات منصب ہے جس کا عہدہ صرف ۱۹۱۵ء میں قائم کیا گیا تھا۔

جنگ عظیم کے زمانہ میں صرف پانچ ارکان کابینہ مقرر کر دیئے گئے تھے جن کی میٹنگ تقریباً ہر وقت رہتی تھی جنگ کے بعد جب حالات درست ہو گئے تو کابینہ اپنی پرانی تعداد پر لوٹ آئی مگر ۱۹۳۱ء میں جب عالمگیر اقتصادی بدحالی پیدا ہوئی تو ایک کابینہ صرف دس آدمیوں کا مقرر کرکے فوری امور چلانے کے لئے مقرر کیا گیا اور باقی وزراء کو علیحدہ کر دیا گیا۔ مگر جب حالات ٹھیک ہو گئے تو پورا کابینہ پھر مجتمع ہو گیا۔

وزیر اعظم برطانیہ کے ماتحت ایک مجلس دفاع برطانیہ بھی ہے جس میں تمام سلطنت برطانیہ کے لشکروں، سرحدی فوجوں، بحری بیڑوں، ہوائی جہازوں اور سپاہیوں کی نمائندگی ہوتی ہے، اور جس کا مقصد سلطنت برطانیہ کی عسکری پالیسی کو وزیر اعظم کے مشورہ سے استوار و برقرار رکھنا اور برطانوی ہیبت و تسلط کو قائم و جاری رکھنا ہے۔

ہندوستان اور نوآبادیات میں سول سروس کے حکام کا ایک بڑا معاملہ فہم طبقہ سلطنت کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے معاملہ کو دیکھنے اور مناسب نظم و نسق کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے، ہر نوآبادی اور مقبوضہ میں ہائی کمشنر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے دار الحکومت میں اپنے اپنے ہائی تجارتی و سیاسی کمشنر رکھتے ہیں برطانوی حکومت کے محکمہ خارجہ کا یہ فرض رہتا ہے کہ وہ ہندوستان اور دیگر مقبوضات برطانیہ سے ہر وقت مربوط رہے خاص کر جہاں غیر ملکی برطانوی پالیسی کا تعلق ہے۔

تمام برطانیہ کی ایک پارلیمنٹری ایسوسی ایشن ہے جس میں تمام آزاد مقبوضات برطانیہ کے نمائندگان شامل ہوتے ہیں اور جس کا مرکز ملک معظم برطانیہ ہوتے ہیں، ہر چار سال کے بعد ایک امپیریل کانفرنس لندن میں ہوتی ہے جس میں تمام سلطنت برطانیہ کے مندوبین جمع ہوتے ہیں، وزراء برطانیہ اور نمائندگان عوام و حکومت ہر حصہ سلطنت سے آتے ہیں اور باہمی فلاح اور بہتر نظم و نسق کی تجاویز پر غور کرتے اور باہمی تنازعات کا حل تلاش کرتے ہیں۔

سب سے زیادہ دلچسپ بات اور سن لیجئے ڈاؤننگ سٹریٹ کا حال آپ نے پڑھ لیا اور خود جا کر دیکھ لیا لیکن اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ ڈاؤننگ سٹریٹ کے اور مکانات کیسے ہیں تو مجھے مایوسی کے ساتھ جواب دینا پڑے گا کہ ۱۰ سے ۹ تک کا کوئی مکان ڈاؤننگ سٹریٹ میں نہیں ہے صرف ۱۰ اب تک برقرار رہا ہے ورنہ باقی ساری گلی اپنا نقشہ بدل چکی ہے۔

پہلا تیر

زہرہ بنت بر انصاری بی۔ اے

خاص تیج ویکلی کے لئے

بسم بہار کی ایک فردوسی صبح تھی، زہرہ کی دیوی یاسمن کے نازک نازک لچکدار شاخوں میں رگ گل کی باریک باریک ریشمی ڈوریوں کا جھولا ڈالے، حیات آفریں پینگیں لے رہی تھی، اس کے لمبے لمبے سنہری اور چمکدار بال سبزہ زمین سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔

زہرہ نے جوش نشاط میں اپنی سیمیں انگلیوں سے بربط کے تار چھیڑ دیئے۔ اس کے عنابی لب مترنم ہوئے نغمات مرغزار ملکوتی نغموں سے معمور ہو گئی، ہر برگ گیاہ مقدس ترانہ حسن سے وجد کرنے لگا۔

زہرہ کے روح پرور نغمے اور بربط کا سرود سرمدی آسودہ خواب ہو چکا تھا۔ مگر ابھی تک کائنات حسین کا ذرہ ذرہ مستیوں سے بسا ہوا تھا۔

اسی عالم کیف میں رنگین تیتریوں سے کھیلتا ادھر آ نکلا — اس کی رگ رگ میں جوش طمانیت سرایت کر گیا۔

اسپر ایک غیر مرئی بیخودی طاری ہونے لگی۔ مستی میں، کاندھے سے کمان لی، ترکش سے چھوٹا سا تیر نکالا۔ کنول کی پنکھڑی پر سان رکھی، چلہ میں جوڑ کر اپنی پوری قوت سے سر کر دیا۔

تیر، ہوا میں سنسناتا ہوا آیا اور — زہرہ کے شفاف و نقرئی سینہ میں پیوست ہو گیا۔

"آہ! بدبخت" زہرہ درد سے چیخ اٹھی،

کون؟ — ماں!

پیاری ماں مجھے معاف کرنا۔ میں نہ چاہوں تو کیوپڈ نے عاجزی سے کہا، اور تیتریوں سے کھیلنے لگا۔

-(آزاد ترجمہ)-

فلپائن کی غلامی اور آزادی

از جناب صہبائی، بی اے آنرز

ہندوستانی دستور اور فلپائنی آئین کا مقابلہ

خاص "تیج ویکلی" کے لئے

اردو اخبارات میں اکثر اہم ترین و تعارف عالم نہیں لائے جاتے۔ مجھے خیال نہیں ہے کہ اردو کے کسی ایک آدھ اخبار یا علمی رسالہ کے علاوہ گزشتہ دو تین سال میں جزائر فلپائن کے متعلق میں نے کوئی مفید یا کارآمد مضمون دیکھا ہو، غالباً چھ سال کا عرصہ گزرا جب ایک رسالہ میں سرسری طور پر ان جزائر کے متعلق کچھ اس طرح اظہار خیال کیا گیا تھا کہ امریکہ جیاں حریت جمہوریت اور آزادی کا علمبردار ہے وہیں فلپائنی قوم کی غلامی کو بھی اپنا طرۂ امتیاز سمجھتا ہے، حسنِ اتفاق سے حال ہی میں ایک دن میں جب اپنے جمع کردہ تراشوں کا جائزہ لے رہا تھا تب مجھے ان کے اندر جزائر فلپائن پر ایک مختصر سا انگریزی مضمون نظر آیا۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ ایک چھوٹا سا مضمون زیرِ نظر انگریزی مضمون سے استفادہ کرنے اور اپنی ذاتی معلومات کی مدد سے اردو میں بھی مشرق بعید کے ان خوبصورت جزائر اور فلپائنی سیاسیات کے متعلق لکھوں، چنانچہ ذیل کے مضمون میں جزائر فلپائن کے جغرافی اور سیاسی حیثیات پر بالکل اجمالی طور پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے ممکن ہے میری یہ کوشش قارئین کی معلومات میں اضافہ کا باعث ہو سکے،

صہبائی

جزائر فلپائن

جزائر فلپائن کا مجموعہ بحرالکاہل میں جاپان کے جنوب چین خاص کے مشرق اور شرقی مجمع الجزائر کے بالکل شمال میں واقع ہے، خط استوا سے یہ جزائر کافی شمال میں ہیں، اور موسمی تجارتی ہوائیں ان کے مغرب، شمال مغرب پر کافی اثر انداز ہوتی ہیں جن کی وجہ سے بارش عمدہ ہوتی ہے جزائر کی کل تعداد تو ہزاروں تک ہے لیکن ان میں سے صرف اٹھارہ قابلِ ذکر ہیں، یا کچھ اہمیت رکھتے ہیں، ان کا رقبہ ایک لاکھ ۲۰ ہزار مربع میل ہے۔ اٹھارہ جزیروں میں سے دس بہت چھوٹے اور آٹھ نسبتاً بڑے ہیں لیکن سب سے اہم جزیرہ شمالی جزیرہ ہے اور اسی کے مغرب میں منیلا کی بہت مستحکم، خوبصورت اور مشہور بندرگاہ واقع ہے یہی مجمع الجزائر کا دارالحکومت بھی ہے۔ اور اس کی آبادی تقریباً ۴ لاکھ ہے۔

پورے مجمع جزائر کی آبادی ایک کروڑ نفوس پر مشتمل ہے جس میں ۹۵ فی صدی خود فلپائنی باشندے ہیں، قریب قریب ۹۰ فیصدی عیسائی، باقی بدھ اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں، مقامی زبانیں پچاس کے قریب بولی جاتی ہیں، اور سرکاری زبان امریکی انگریزی ہے، فلپائنی نسل کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ خالص منگول نسل سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ بحر روم کی قدیم ہسپانی اور منگول نسل کے اختلاط سے یہ نسل معرض وجود میں آئی ہے۔

سطح اور پیداوار وغیرہ

جزائر فلپائن میں یوں تو تمام جزیرے پہاڑی ہیں لیکن شمالی اور جنوبی دو بڑے جزیروں کے علاوہ باقی کسی جگہ پہاڑی بلندی ۳ ہزار فٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ بعض جزیروں پر خاموش آتش فشاں پہاڑوں کا وجود بھی ہے، کم بلندی پر چاول، تمباکو اور شکر وغیرہ کی پیداوار بہت عمدہ ہو سکتی ہے اور خام اشیاء کی صنعتیں بالکل اسی طرح ترقی پا سکتی ہیں جس طرح انھوں نے جاپان میں ترقی پائی ہے۔

جنوبی اور شمالی جزیروں میں پہاڑ نسبتاً بلند ہیں، جنوبی جزیرہ میں مغربی ساحل کی سمت میں ان کی بلندی دس ہزار فٹ تک شمالاً جنوباً مل سکتی ہے۔ البتہ شمالی بڑے جزیرہ میں پہاڑوں کے سلسلے ایک وسیع ساحلی پٹی کو چھوڑ دیا ہے جس میں چاول، تمباکو، شکر، پٹسن، اور کیلے کی بہترین پیداوار کی جا سکتی ہے، منیلا کے گرد و پیش نہایت قیمتی اور نہایت معیاری تمباکو کے کارخانے قائم ہیں اور یہاں کا سگار دنیا بھر میں مشہور ہے۔ جزائر کی پیداوار میں پٹسن، ناریل، کیلا بھی مخصوص درجہ رکھتے ہیں۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جزائر فلپائن ہی سب سے زیادہ روغن نارجیل اور کھوپرے کی رسد دنیا کو مہیا کرتے ہیں،

اس وقت تک ان جزائر کے صرف آٹھویں حصہ کو قابلِ زراعت بنایا گیا ہے۔ حالانکہ مزروعہ رقبہ سے چار گنا زیادہ رقبہ ہنوز قابلِ زراعت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ چاول کی کل پیداوار یہاں ناکافی ہونے کے باعث باشندگانِ فلپائن، برما، چین، سیام اور انام سے چاول کی کچھ درآمد کرتے ہیں، خام رس کے معاوضہ میں امریکہ مشینری، کپڑا اور دیگر مصنوعات فلپائن کو بہم پہنچاتا ہے

فلپائنی باشندے

فلپائنی باشندے قد و قامت میں کسی قدر چینی باشندوں سے ملتے جلتے ہوتے ہیں، لیکن ان کی ناک نسبتاً لمبی اور آنکھیں منگول نسل کے برعکس ذرا بڑی اور اکثر کبود ہوتی ہیں امریکی اور یورپین جغرافیہ داں تو ہمیشہ ان باشندوں کو غیر مہذب اور وحشی قوم سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، ایک ایسے ملک کے باشندوں میں جو غیر ملکی تسلط اور سرمایہ دارانہ امپیریلزم کے بوجھ میں دبے رہے ہوں جہالت کا عام ہونا لازمی ہے کیونکہ کسی حاکم سفید فام قوم کا کسی نوآبادی یا کسی مقبوضہ و مفتوحہ ملک میں یہ مشن ہی نہیں رہا ہے کہ وہاں کے باشندوں کی رفعت و بلندی اور تعلیمی بہبودی کو مدِنظر رکھا جائے اس کے باوجود بھی فلپائنی باشندے بڑے ہی با اخلاق سادہ دل، مہمان نواز اور بڑے محنتی ہوتے ہیں خصوصاً وہ لوگ جو حوادث روزگار اور اپنے سفید فام آقاؤں کی مصلحتوں کے ماتحت تعلیم سے بہرہ اندوز ہو چکے ہیں، فلپائنی باشندوں کی صلاحیت و اخلاق کا بہت ہی کامل و جامع نمونہ ہیں، غرض یہ کہ ان کی صلاحیتوں کا اندازہ جاپانی، ہندوستانی چینی اور دوسری تمام ترقی پرور ایشیائی قوموں سے کیا جا سکتا ہے، اور اگر یہ باشندے بھی اقتصادی غلامی اور شاہی کا جوا اتار پھینکنے میں کامیاب ہو گئے (جیسی کہ حالاتِ حاضرہ کے اندر قوی امید ہے) تو نصف صدی کے اندر ہی اندر ان کا شمار بھی ایشیا کی انتہائی ترقی یافتہ قوموں میں ہوئے بغیر نہ رہے گا۔

فلپائن کی داستانِ غلامی

صنعتی انقلاب کے نتیجہ میں جو ذہنی انقلاب و معاشرتی تبدیلی سترہویں صدی کے آخر سے یورپ اور امریکہ میں رونما ہوئی ہے اس کا سب سے تاریک پہلو ان سفید فام اقوام کی وہ ہوا و ہوس ہے جس کا شکار ایشیا اور افریقہ کی تمام رنگین نسلوں کو ہونا پڑا ہے، ہندوستان، چین، مشرقی مجمع الجزائر، ترکی اور براعظم افریقہ کی طرح جزائر فلپائن بھی اسی صنعتی انقلاب اور اقتصادی غلامی کی زنجیروں میں اسی زمانہ سے جکڑے ہوئے نظر آتے ہیں، سنہ ۱۹۰۵ء تک ان جزائر کو ہسپانوی امپیریلزم کی تہرانی طاقتیں اپنے قبضہ و تصرف میں کئے رہیں، جنگ امریکہ و ہسپانیہ کے نتیجہ میں آخر الذکر کو اپنے بعض بیرونی مقبوضات اور نوآبادیات سے ہاتھ دھونا پڑا اور فلپائن کے سفید آقاؤں کی تبدیلی عمل میں آئی، اس وقت سے اب تک یہ معصوم اور بے وسیلہ قوم اپنے نئے آقا امریکہ کی خوشنودیٔ مزاج حاصل کرنے میں منہمک رہی ہے، سفید فام آقاؤں نے اس قوم کو بھی اقتصادی محکومی کے اسی درجہ پر پہونچائے بغیر نہیں چھوڑا ہے جس پر ہندوستان کو برطانوی امپیریلزم کے ڈیڑھ سو سالہ شاندار کامیابی نے پہونچا دیا ہے۔

امریکی دستبرد کی کہانی

ریاست ہائے امریکہ کو دنیا میں آزادی اور جمہوریت کا بانی کہا جاتا ہے لیکن جمہوریت اور آزادی کی اصطلاح سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہیئے، بلکہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کا خاصہ ہی یہ سمجھنا چاہیئے اور خصوصاً سفید فام اقوام کے مشن کا افریقہ اور ایشیا میں تو لازمی نتیجہ ہی یہ ہے کہ وہاں سے خام رسد مہیا کریں اور اپنی مصنوعات کی کھپت اور اقتصادی و معاشی لوٹ کھسوٹ کے لئے بطور مارکیٹ کے ان براعظموں پر سیاسی اقتدار قائم رکھیں،

آج تک امریکہ کی اقتصادی اور سیاسی چیرہ دستیوں کی خون آشام داستان فلپائن کے ہر ہر چپہ زمین پر اپنا زندہ ثبوت پیش کر سکتی ہے، یہ کھلی حقیقت ہے کہ ان جزائر کی تمام بڑی بڑی صنعتوں پر امریکی سرمایہ داری کا کامل قبضہ ہے، تمباکو، پٹسن اور نارجیل کی کاشت اور صنعتوں پر عملاً امریکہ کے سرمایہ دار کمپنیوں کی مکمل اجارہ داری ہے، فلپائنی باشندوں کی حیثیت صرف یہ ہے کہ وہ جبری مزدور بن سکیں اور اپنے آقاؤں کے جلب منفعت میں خاطر خواہ امداد پہونچاتے رہیں۔

اب سے تھوڑے عرصہ پہلے تک تو یہی جمہوریت اور آزادی کا دلدادہ ملک امریکہ نوع انسانی کی تجارت میں بھی باک نہیں کرتا تھا۔ اور فلپائنی باشندوں کا بطور زرخرید مزدوروں کے تبادلہ روزانہ کاروبار کی ایک عام چیز تھی، بعض بعض اوقات تو جب یہاں کی آبادی کے کسی حصہ میں ذرا سی بے اطمینانی کے آثار بھی نمودار ہوتے تھے تو ایسے خون آشام مظالم توڑے جاتے تھے، جن کے اظہار سے بھی نوع انسان لرزہ براندام ہو جائے چنانچہ ہوائی کے شہر میں ایک بار جب مزدور آبادی نے ایک متشددانہ جبری مزدوری کے قانون کے خلاف ایک نہایت ہلکا سا احتجاج کیا تو لاکھوں مزدوروں کے کوڑے جلاد نے گئے، ہزار ہا قید خانوں میں ڈال دئے گئے، سیکڑوں کو پھانسیاں دی گئیں اور متعدد لیڈر گولی سے اڑا دئے گئے۔ یہ اور اسی قسم کے صدہا واقعات اکثر و بیشتر ظہور پذیر ہوتے رہے ہوں گے۔ لیکن یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے کہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ایک غیر معروف قوم کے حالات صحیح طور پر اقصائے عالم میں شہرت پذیر نہ ہونے دئے جائیں۔

تحریکِ آزادی

جنگِ عظیم کے نتائج میں ایک بڑا ہی مفید نتیجہ محکوم ممالک کے حق میں یہ نکلا کہ ان کے اندر قومیت اور آزادی کے جذبات نے بہت ہی سرعت کے ساتھ ترقی کرنی شروع کر دی۔ چین۔ ہندوستان، مصر، ایران، بلاد اسلامی اور مشرق بعید کا ہر ہر حصہ [illegible] انقلاب پرورانہ ذہنیت کے رنگ میں

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

رنگ گیا۔ جزائر فلپائن بھی اس سیلاب میں بہے بغیر نہ رہ سکے اور یہاں بھی دنیا کے عام رجحانات کے مطابق تعلیم یافتہ جماعت نے تحریک آزادی کا سنگ بنیاد رکھا۔

۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۵ء تک پورے دس سال فلپائنی قوم نے جنگ آزادی کو جاری رکھا۔ بالآخر تشدد اور مظالم کی انتہا کے بعد سامراجی امریکہ کو قوم کے مطالبۂ آزادی کے سامنے سر جھکا دینا پڑا۔ اور خود مختار حکومت کی پہلی قسط دی گئی۔ امریکی آقاؤں نے اصلاحات کی پہلی قسط کافی تحفظات کے ساتھ اس شرط کے ماتحت عطا کی کہ ۱۹۲۵ء کے بعد دس سال کے اندر اگر فلپائنی باشندے آزادی کامل کے لائق ہو گئے تو ان کا یہ پیدائشی حق انہیں دیا جائے گا۔

۱۹۳۰ء میں مانئر قوئزان نے جو تحریک آزادی کا فلپائن میں سب سے زبردست علمبردار محرک تھا اپنے قوم سے آزادی کامل کے مطالبات لکھ کر امریکی حکومت کو بھیجے اور اپنی جد و جہد کو مقصد آزادی کے حصول تک جاری رکھنے کی قسم کھائی، لیکن ۱۹۳۵ء میں اصلاحات کی جو دوسری قسط نافذ کی گئی وہ اگر کامل آزادی نہیں تو یقیناً اس نام نہاد آزادی سے کہیں بہتر ہے جو ہمارے بدنصیب ہندوستان کو اصلاحات کی چوتھی پانچویں قسط کے طور پر سلسلۂ چالیس سالہ جد و جہد کے بعد برطانوی سفید فام آقاؤں کے ہاتھوں مرحمت کی گئی ہے۔ اور اس سے جبری قبول پر جیت پسند برطانوی حکومت ہندوستان کی عام ناراضی اور ناپسندیدگی کے باوجود بھی تلی ہوئی ہے۔

فلپائن کی آزادی میں رکاوٹ

ہندوستان کے مطالبۂ آزادی کو برطانوی حکومت برابر تعویق التوا میں ڈال رہی ہے خصوصاً دفاع اور خارجی تعلقات کے مسائل تو مدبرین برطانیہ کے نزدیک اس قابل ہی نہیں ہیں کہ ان پر غور کیا جا سکے۔ ان مدبروں کی جانب سے اس کی تاویلات یہ کی جاتی ہیں کہ ہندوستان آپ اپنی حفاظت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ میں اس توجیہ کو ذرا بھی لائق اعتبار نہیں سمجھتا ہوں، کیونکہ جب انگریز صرف دو لاکھ فوج سے بغیر کسی طاقتور ہندوستانی فضائی بیڑہ اور ہندوستانی بحری طاقت کے ہندوستان کی حفاظت بکمال حسن و خوبی اس نازک زمانہ میں کر سکتے ہیں اور صرف اس دفاعی بجٹ کے لئے انہیں محاصل ہند کا ۵۰ فی صدی بطور مصارف درکار ہے تو یقیناً ہندوستان بھی اپنے بجٹ کی اسی قدر رقم خرچ کر کے مضبوط بحری اور فضائی طاقت کے ساتھ ساتھ بیس لاکھ ہندوستانیوں کی ایک عظیم الشان فوج مہیا کر سکتا ہے ایسی فوج جو دنیا کی ہر قوم کی فوجی طاقت سے زیادہ مضبوط ثابت ہو سکے۔

اب رہے خارجی تعلقات سو ان کے متعلق کچھ کہنا ہی فضول ہے کیونکہ خود برطانیہ کے بھی مدبر اس مسئلہ کے متعلق کوئی معقول توجیہ اب تک پیش نہیں کر سکے ہیں۔

فلپائن کے متعلق جمہوریہ امریکہ بھی یہی عذر رکھتا ہے کہ فلپائنی ذرائع اور فلپائنی قوم کے مسائل اس قابل نہیں ہیں کہ وہ اپنی حفاظت آپ کر سکے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ فلپائنی دفاع کے متعلق یہ اظہار صحیح ضرور ہے گزشتہ دس سال میں جاپان

نے ایسی زبردست فوجی طاقت حاصل کر لی ہے اور منچوریا و منگولیا کے مسائل میں جاپان کچھ اس قسم کی جارحانہ ذہنیت کا ثبوت دے چکا ہے کہ مشرق میں اس کے ہمسایہ ممالک یعنی آسٹریلیا، نیوزیلینڈ اور جزائر فلپائن کی موجودہ صورت میں قطعاً خیریت نہیں معلوم ہوتی خصوصاً جبکہ وہ کامل خود مختار ہوں اور اپنی حفاظت کے آپ ہی ذمہ دار بنا دئے جائیں۔

یہ غلط نہیں ہے کہ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جزائر فلپائن کی کامل آزادی میں جاپان کی یہ جنگجویانہ مغربی ذہنیت کافی حائل و مانع ہو رہی ہے اور خود ان ممالک کے قومی رہنما بھی اس مسئلہ کی اہمیت کو اور عہد مخالفت کے سیلاب تک میں نظر انداز نہیں کرتے ہیں۔ مانئر قوئزان کا قول ہے کہ "اب ریاست ہائے امریکہ سے مکمل قطع تعلق کا سوال قابل غور نہیں ہے۔ جاپانی جنگجویانہ ذہنیت آج سارے مشرق بعید کو جھنکا رہی ہے اور فلپائنی باشندوں کی اکثریت خوب سمجھتی ہے کہ ایسی صورت میں جلد یا بدیر جاپانی کوئی موقع نکال کر فلپائنی مجمع الجزائر کو بیک وقت یا ایک ایک کر کے ہڑپ کر جائیں گے۔"

جاپان کی تمدنی اور صنعتی ترقی اور چین میں مسلسل جدوجہد و دست برد نے وہاں فاشستی ذہنیت کو درجۂ کمال پر پہونچا دیا ہے۔ اور مغربی فاشستی اقوام کی طرح "امن، امن" کے نعرے بلند کرنے کے باوجود بھی جاپان جارحانہ توسیع کی نشو و نما میں کسی طرح جرمنی اور اطالیہ سے پیچھے نہیں ہے۔ یقیناً جاپان مسئلہ منچوریا میں جمعیۃ اقوام کو ٹھکرا کر اپنی ہمسایہ اور کمزور اقوام پر سے اپنا اعتماد کلیتہً اٹھا چکا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ ایشیا کی ان کمزور اقوام اور آسٹریلیا کا محافظ و پاسبان اور دوست بن کر رہتا خود کو رہزن اور غارت گر کی حیثیت میں پیش کر چکا ہے۔

جاپانی حیلہ سازیاں

میں نے حال ہی میں کسی ہندوستانی اخبار کے نامہ نگار مقیم ٹوکیو کا ایک خط پڑھا ہے جس میں جاپان کے نیم سرکاری اخبار کا ایک اقتباس مسئلہ فلپائن اور جاپان کے متعلق اس اخبار کے الفاظ میں نقل کیا گیا ہے کہ جاپان، فلپائن پر بالکل نگاہ نہیں رکھتا۔ اخبار مذکور لکھتا ہے کہ:

"سینیٹر جے جلٹن اوتی (فلپائن) مشرق بعید کی ایک بہت ہی بے باکانہ تقریر چھپی ہے۔ سینیٹر مذکور کا عقیدہ ہے کہ ۱۹۳۵ء تک جزائر فلپائن اور فلپائنی قوم کو کامل آزادی عطا نہ کی جائے کیونکہ یہ قوم (جاپان) جنگ شروع ہوتے ہی ہمارے جزائر پر قبضہ کر لے گی۔"

"وہ موافق لکے مستقبل کے بارے میں بھی پر امید نہیں ہے لیکن یقیناً سینیٹر موصوف نے مشرق بعید میں اس قوم (جاپان) کی پالیسی کو غلط سمجھا ہے جاپان نے ماضی میں بڑی زبردست قربانیاں



ضرورت ہے کہ اس غلط فہمی کی اقوام امن و اطمینان سے زندگی گزار سکیں۔

دسمبر ۱۹۳۵ء میں جمہوریت فلپائن کا آغاز ہوا اور نیشنل اسمبلی کا پہلا اجلاس منعقد کیا گیا۔ مانئر قوئزان صدر جمہوریہ فلپائن منتخب کئے گئے۔ جنہیں یہ کامل اختیار دیا گیا کہ وہ دس سال کے عرصہ میں کامل آزادی کے ذرائع اور قومی حکومت کی مجوزہ تدابیر کو عملی جامہ پہنائیں۔ صدر قوئزان نے عنان اختیار اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد فوجی دفاع کے مسئلہ پر خاص توجہ مبذول کر دی ہے۔ اس کے علاوہ اندرونی نظم کی درستی میں عامۃ نظم و نسق اور قومی حکومت کے قبضہ و اقتدار کو مالیات، تعلیم، فنانس، صنعت و تجارت اور عدل کے شعبات تک وسیع کر دیا گیا ہے۔ ۱۹۳۵ء سے برابر نیشنل اسمبلی کے ارباب اختیار کے ہاتھوں میں مسئلہ دفاع کے علاوہ حکومت فلپائن ریاستہائے امریکہ کے تعاون سے پوری کامیابی کے ساتھ قومی حکومت اور اندرونی و عارضی نظم و نسق کو چلا رہی ہے اور مستقبل قریب میں یقیناً فلپائنی باشندوں کو ایک متمدن قوم کی حیثیت سے سربلند کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

جزائر فلپائن اور ہندوستان

فلپائنی باشندے اس حیثیت کے اعتبار سے جو اُن کے سینہ قائم آزاد اُن کے لئے قائم کرتے ہیں ہندوستانی باشندوں کے مقابلہ میں اب بھی بالکل جاہل اور نا تعلیمیافتہ ہیں۔ اکثر فلپائنی جزائر میں ابتک انسانی گذر نہیں ہوا ہے۔ ملک کا بڑا حصہ کاشت کے بغیر ویران پڑا ہے۔ باشندوں کی ایک بڑی تعداد زراعت اور تمدن سے نا آشنا ہے۔ لیکن اس کا مقابلہ ہندوستان سے کیجئے اور اس آئین کا جو ہمیں دیا جا رہا ہے اُس آئین سے مقابلہ کر کے دیکھئے جو فلپائن کو دیا گیا ہے تو فرق عجیب نا انصافیوں کا آئینہ دار ہوگا۔

ہماری تہذیب کم از کم تین ہزار سالہ قدیم ہے۔ ہم ایک طاقتور قوم ہیں۔ ہم میں کروڑوں انسان تعلیمیافتہ ہیں خود برطانیہ نے تین کروڑ ہندوستانیوں کو اس قابل سمجھا ہے کہ وہ آئینی اداروں کا انتخاب اپنی رائے سے کیا کریں۔ نظم حکومت میں بعض بعض اوقات تو ہم نے اپنے آقاؤں سے بھی زیادہ قابلیت کا ثبوت دیا ہے۔ ہمارا ملک چار ہزار سال سے زراعت اور گھریلو صنعتوں کا ماہر ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہم خود مختار حکومت کے قابل نہیں ہیں۔

لیکن اپنے آقا برطانیہ کی نظر میں ہم واقعی اسی قابل ہیں کہ ہمارے سروں پر مڑھی جانے والی جدید آئین کی مصیبتیں گورنروں اور گورنر جنرلوں کو ڈکٹیٹروں اور مسولینیوں سے بھی زیادہ اختیارات تفویض کر دیئے جائیں تاکہ اسی بہانہ سے ہماری اقتصادی اور سیاسی محکومی کو ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھا جائے۔

لیکن ہندوستان اپنی خودداری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیگا۔ وہ گزشتہ انتخابات کے موقع پر اس کا پورا پورا ثبوت دے چکا ہے۔ وہ دنیا کی ایک عظیم الشان تہذیب اور قومیت کا علمبردار ہے۔ برطانیہ کو نئے آئین کے متعلق جواب مل چکا ہے اور مستقبل قریب یہ بتا دیگا کہ وہ اپنے ہر سرفرزند کی بہبودی کا خواہاں ہے۔ وہ امپیریلزم کا جوا اُتار پھینکنے کی سر توڑ کوشش کر رہا ہے۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے اگر مصر اور فلپائن جیسی کمزور اقوام آزادی کامل حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہیں تو اسے اپنی کامیابی بھی کس طرح ناممکن نظر آسکے۔



لاہور میں موٹر یونین کانفرنس کے صدر منتخب ڈاکٹر
خان صاحب لیڈر کانگریس پارٹی سرحدی اسمبلی کا خیر مقدم

شریت لاہور میں اپنے میزبان شریت ڈاکٹر اور
مسز دھرم وِیر سے بات چیت کر رہے ہیں



ڈاؤننگ سٹریٹ لنڈن جس میں گذشتہ دو سو برس سے برطانی وزراے
اعظم رہتے چلے آئے ہیں



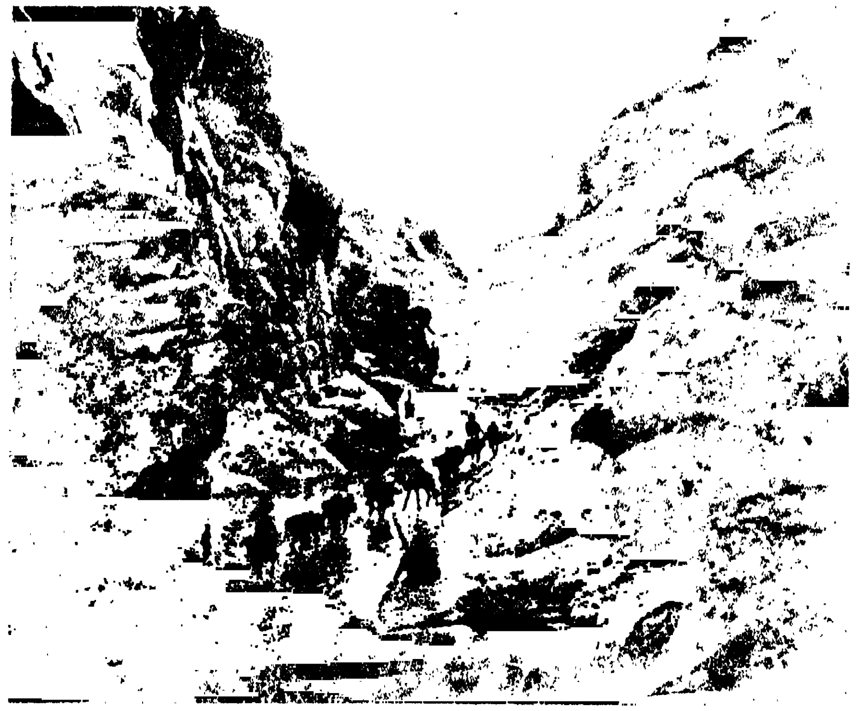
مسٹر حمید الحق چودھری
جو بنگال لیجسلیٹو کونسل کے
ڈپٹی پریذیڈنٹ مقرر ہوئے ہیں



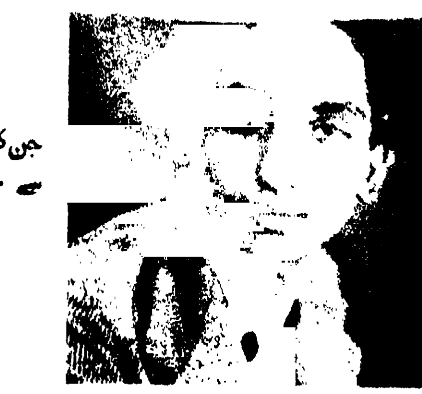
کے زیر اثر ہے



انسانی ہوائی جہاز — کلکتہ فزیکل ایسوسی ایشن میں مسٹر کانتو گھوش نے ورزش کا یہ حیرت انگیز طریقہ ایجاد کیا ہے



سرحد کا ایک درہ شاہور تنگی جسمیں برطانی فوجوں نے اٹیروں پر حملہ کیا تھا۔ یہاں سے اونٹوں کا ایک قافلہ گذر رہا ہے



بھاتیہ
جن کو آل انڈیا میوزک ایک لاہور کی طرف سے موسیقی کا پہلا انعام ملا ہے



مسٹر راجر املی میمبر پارلیمنٹ جو لارڈ برابورن کی جگہ بمبئی کے گورنر مقرر ہوئے ہیں



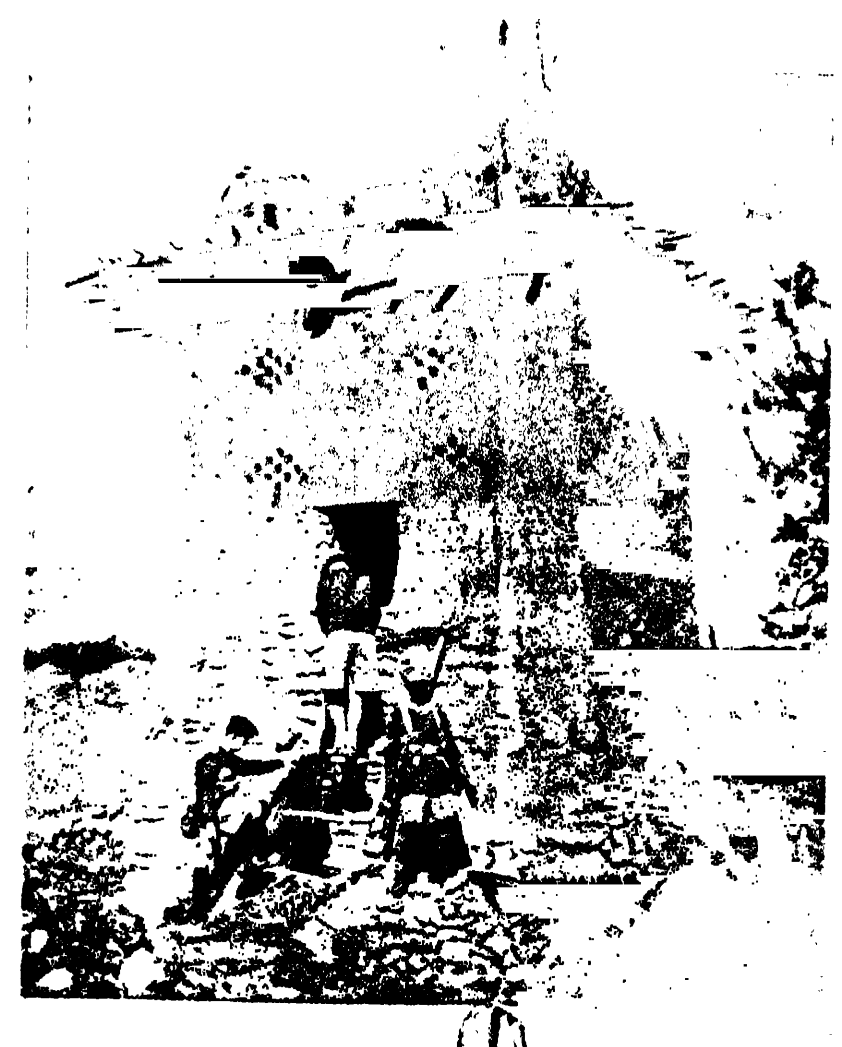


ملک خدابخش
آپ سرحدی اسمبلی کے سپیکر مقرر ہوئے ہیں

کرنل ڈی۔ایچ۔رائے آئی۔ایم۔ایس۔ انسپکٹر جنرل سول ہسپتال پنجاب جنہیں سرحد کا انسپکٹر جنرل مقرر کیا گیا ہے



ایک سرحدی وزیری پٹھان مسلح ہوکر کمین گاہ میں بیٹھا ہے



فقیرایپی کا مکان جو سرحدی شورش کا مرکز تھا اب انگریزوں کے قبضہ میں آگیا ہے



مسٹر مساکی ایڈوما اور اُن کا ہوائی جہاز جس نے جاپان سے لندن تک اڑھائی دن میں پرواز کیا ہے



روس میں پیراشوٹ کے ذریعہ ہوائی جہاز سے
کودنے کی بڑی مشق کی جارہی ہے- یہ مشق بھی
روس کی جنگی تیاریوں کے شامل بتائی جاتی ہے



لاہور میں گوردوارہ شہید گنج کے باہر سردار
کھڑک سنگھ جی کا اُنکی رہائی کے بعد پرجوش
استقبال- بابا کھڑک سنگھ جی کے گلے میں پھولوں
کے ہار پڑے ہوئے ہیں

بچوں کا صفحہ

پریم

بجلی سے کہیں روشنی پیدا ہوتی ہے کہیں گرمی کہیں مقناطیسی کشش پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک ہی طاقت کے مختلف کرشمے ہیں۔ اسی طرح پریم کی زبردست طاقت مختلف صورتوں میں رونما ہوتی ہے۔

خیرات

جب پریم ہمارے اندر دوسروں کے دُکھ کے لئے دُکھ پیدا کرتا ہے تو ہم غریبوں اور دُکھیوں کی امداد پر آمادہ ہوتے ہیں۔ اور اس طرح سے ہم دوسروں کی امداد میں تن من دھن سے کوشش کرتے ہیں۔

بھگت پریم

جو شخص ہر ایک شخص سے محبت کرتا ہے۔ اپنے ساتھیوں کے دُکھ دور کرتا ہے۔ اُسے اس سے مطلب نہیں ہوتا کہ امداد کا مستحق کس قوم۔ ذات اور ملت کا آدمی ہے۔ ایسا شخص دوست خلائق کہلاتا ہے۔ راجہ ہریش چندر۔ حاتم طائی اور کرن جیسے بڑے داتی ہو گذرے ہیں۔

پریم پیدا ہونے کے اسباب

۱۔ شکر گذاری۔ ماں باپ ہماری پرورش کرتے ہیں۔ استاد ہمیں تعلیم دیتے ہیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن کے شکر گذار ہوں شکر گذاری سے دل میں محبت پیدا ہوگی۔

۲۔ ہمدردی:۔ جب ہم دوسروں کے دُکھ سے دُکھی ہوتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم بھی اس دُکھ میں گرفتار ہوتے تو ہماری خواہش کیا ہوتی۔ تو ہم دوسروں کی مشکلات کو سمجھتے ہیں اور اُن کے دُکھ کو محسوس کرتے ہیں۔ اس طرح ہم اُن کی خوب امداد کرتے ہیں۔ ہمدردی سے ہی یہ خیال ہوتا ہے کہ دوسروں کا دکھ کیسا ہے۔ اور اس خیال سے ہی رحم کا جذبہ پیدا ہوتا ہے

محبت کا اثر

جب دل میں محبت ہوتی ہے تو ہم دوسروں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے ہیں۔ ان کی امداد کرتے ہیں۔ زخمی کی چوٹ دیکھ کر یتیموں اور بیواؤں کی مصیبت دیکھ کر اُن کا دُکھ درد کرتے ہیں۔

بے غرضی

جو شخص اپنی آسائش اور اپنے آرام کا خیال کرتا ہے۔ وہ دوسروں کی امداد نہیں کر سکتا۔ دوسروں کی امداد وہی کر سکتا ہے جو دوسروں کے دُکھ کو اپنا دکھ سمجھتا ہو۔ ایسے پریمی شخص میں بے غرضانہ کام کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ جو شخص اپنا روپیہ۔ اپنا وقت اپنی دولت، اپنی طاقت دوسروں کی امداد میں خرچ کرتا ہے اس میں انکساری کا مادہ پیدا ہونا قدرتی

فیاضی

(از جناب ماسٹر بہاری لال جی رام تالاب آشرم۔ مہرولی دہلی ——— خاص تیج دیکی کے لئے)

امر ہے۔

جو آدمی دوسروں سے محبت کرتا ہے وہ فیاض بن جاتا ہے۔ فیاض آدمی نہایت خوشی سے دوسروں کی امداد کرتا ہے۔ جو کچھ اس کی طاقت میں ہوتا ہے دوسروں کو دیتا ہے۔ دل میں بڑا بڑا نہیں اور نہ ہی دُکھ محسوس کرتا ہے۔ وہ غریب جو اپنے خون پسینے کی کمائی سے ایک پیسہ غریبوں کی مدد میں دیتا ہے زیادہ فیاض ہے۔ لیکن وہ دولتمند جو محض نام اور دکھاوے کی خاطر ہزار روپے دیتا ہے اور دل میں دکھی ہوتا ہے۔ فیاض نہیں ہے۔ سر سکھ سڈنی پیاسا تھا۔ لیکن پاس ہی ایک زخمی سپاہی پڑا تھا۔ وہ بھی پیاسا تھا۔ سر سکھ سڈنی نے خود پانی نہ پیا اور اُسے دیدیا۔

حضرت عیسیٰ نے سُولی چڑھتے وقت کہا کہ اے خدا انہیں معاف کر کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔

سوامی دیانند کو رسوئیے نے زہر دیا تھا۔ اس وقت ان کو فوراً یہ خیال آیا کہ اس رسوئیے کو میرے بعد تکلیف ہوگی تو سوامی جی نے روپیہ دے کر اُسے نیپال میں بھجوا دیا اور فیاضی سے اُسے معاف کر دیا۔

سچائی

(از جناب گیندن لال جی بیتوا۔ پیلی بھیت ——— خاص تیج دیکی کے لئے)

جا رہے تھے کچھ مسافر اپنی راہ\
اتفاقاً اک پہاڑی کے قریں\
پا کے آہٹ راہگیروں کی مدام\
آ پڑے یکبارگی وہ بےحیا\
ساتھ مظلوموں کے اک لڑکا بھی تھا\
کیا ہے تیرے پاس جو ہے تو کھڑا!\
بولا لڑکا آپ کہتے ہیں غلط\
میرے جوتوں میں چھپے دینار ہیں\
اتنا کہکر اس نے جوتوں کو اُتار\
ڈاکوؤں پر یہ اثر اُس کا ہوا\
اور اُس دن سے خدا کی بندگی\
اور وہ لڑکا ہوا پہنچا فقیر

تھا ارادہ لیں کہیں چل کر پناہ\
ڈاکوؤں کا ایک اڈا تھا وہیں\
مارنا اور لوٹنا تھا انکا کام\
لے لیا ہر اک مسافر سے جو تھا\
ایک ڈاکو نے یہ لڑکے سے کہا\
لے چکے تیری تلاشی بھاگ جا\
آپ نے کپڑے ہی دیکھے ہیں فقط\
آپ مجھ کو ڈھونڈنے کے کار ہیں\
کر دیئے دینار جو کچھ تھے شمار\
مال جو لوٹا تھا سب لوٹا دیا\
رات دن کرنے لگے ڈاکو سبھی\
راست گوئی کی ہے یہ اچھی نظیر

پیارے بچو جھوٹ مت بولو کبھی\
راست گوئی چیز ہے سب سے بڑی

محبت اور مہربانی کا فائدہ

مکان کی اینٹیں اور پتھر چونے سے جوڑے جاتے ہیں۔ اور سیمنٹ لگانے سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر عمارت کھڑی نہیں رہ سکتی اسی طرح بغیر پریم اور بے غرضی کے سوسائٹی کی عمارت کھڑی نہیں ہو سکتی۔

اگر ہم ایک اچھوت کو پیاسا مرتے دیکھتے ہیں اور ہمارے اندر اس کے لئے پریم پیدا نہیں ہوتا تو ہم زندہ رہنے کے قابل نہیں ہیں۔ پیر میں کانٹا چبھتا ہے تو سر کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح زندہ قوم اپنے ہر ایک انسان کے دُکھ کو محسوس کرتی ہے۔ پریم کے بغیر نہ کنبہ امن سے رہ سکتا ہے اور نہ قوم میں امن قائم رہ سکتا ہے۔ اور نہ دنیا سکھی رہ سکتی ہے۔ پریم کے بغیر سوسائٹی کی عمارت دھڑام سے نیچے گر پڑتی ہے۔ پریم کے بغیر سوسائٹی مردہ ہو جاتی ہے۔ راکھ بن جاتی ہے۔ پریم کے بغیر سوسائٹی دوسرے کے ظلم کا شکار ہوتی ہے۔ اس لئے پریم کے دائرے کو وسیع کرنا چاہیئے۔ کیونکہ:۔

۱:۔ دیس کی محبت بھائی سے بھائی کا رحم ہر ایک شخص کا دوسرے کی امداد کرنا قوم کو شاندار بناتا ہے بطور قوم کے اُسے زندہ رکھتا ہے۔ جب یہ بات کم ہو جاتی ہے تو ملک کے مختلف فرقوں میں لڑائی ہوتی ہے۔ مہا بھارت نے ملک کو غارت کیا۔ قوم کمزور ہو گئی۔ روس میں اندرونی جھگڑے تھے۔ جاپان نے روس پر فتح پائی۔ چین کمزور ہے۔ اس لئے جاپان کو اتنے بڑے ملک پر حملے کی ہمت ہوئی۔ ہندوستان بھی اگر طاقت حاصل کرنا چاہے تو اُسے چاہیئے کہ پریم کے دائرے کو وسیع کرے۔

۲:۔ ماں باپ۔ بہن بھائی کی باہمی محبت کنبہ کو امن سے رکھتی ہے۔ پریم کے بغیر کنبہ نہیں بن سکتا۔ جب گھر میں جھگڑے ٹھگڑے ہوتے ہیں تو گھر تباہ ہو جاتا ہے۔

۳:۔ کمزوروں اور بیماروں کی مدد کرنا ہماری سوسائٹی کا فرض ہے۔ اس کے بغیر نہ ہسپتال بن سکتے ہیں۔ نہ دھرم شالہ اور نہ کوئی اور دھرم کا کام جاری ہو سکتا ہے۔

مہاتما بودھ اور اُن کے ششوں نے اُن آدمیوں کے ساتھ محبت کی جو اُن سے نفرت کرتے تھے۔ سوامی دیانند نے اپنے زہر دینے والے کو روپے دیکر اسکی جان بچائی۔ حضرت عیسیٰ نے اُن لوگوں کے حق میں دعا کی جو اُن کو سُولی پر چڑھا رہے تھے۔ دیالو بننے کے لئے ہمیں اپنے آرام اور آسائش کو تیاگنا پڑتا ہے۔ اور اسی وقت صحیح اور اصل محبت کا پتہ لگتا ہے۔

جواہر پارے

(از مس ... ساگر ہریانہ ضلع ہوشیارپور)
(خاص تیج دہلی کے لئے)

عورت ... آسمانی نغمہ ہے۔
(...)

عورت! تو فرشتہ ہے۔ مگر آزاد نہیں کیونکہ فرشتہ ... بلند ... ہے
(اٹرج)

اے عورت ... ہے کہ میں اپنا سب کچھ تیرے قدموں پر نثار کر دینا چاہتا ہوں۔
(شیکسپیر)

عورت زندگی ... میری عزیز ترین اور ... پرستش گاہ ہے
(بریش)

خدا سے محبت یہ ہے کہ اس کی مخلوق سے محبت کی جائے

کسی کی بدگوئی نہ کر تاکہ تیری قدر و منزلت ہو۔

دنیاداروں کی صحبت سے دُور رہ۔ ورنہ سیاہ باطن ہوگا۔

موت کو یاد کرنے سے نیک آدمی زیادہ پرہیزگار بن سکتا ہے۔ اور بُرا آدمی بُرائیوں سے بچ سکتا ہے

زندگی ایک مٹی کا کھلونا ہے جو ٹوٹ جانے پر نہیں بن سکتا۔

دُنیادار دوست کی تلاش نہیں کرتے بلکہ ٹکا کی تلاش کرتے ہیں۔

ہمارے سب مذہبی جھگڑے مردوں کے بارے میں ہیں۔

تم ہر شخص سے اچھا سلوک کرو۔ لیکن کسی سے کوئی امید نہ رکھو۔

مفلسی میں گھر کی جانتیں پر دیس اچھا ہے

مرد کی محبت کا کچھ اعتبار نہ کرو۔ مرد کی محبت پائدار نہیں ہوتی۔

لطیفے

(از جناب احمد حسن خاں، عاجز پشکر)
(خاص تیج دہلی کے لئے)

جج:- (مجرم سے) تمہاری شادی کس سے ہوئی ہے؟
مجرم:- حضور ایک عورت سے
جج:- بڑے بے وقوف ہو۔ کیا کوئی مرد سے بھی شادی کرتا ہے
مجرم:- حضور میری بہن نے کی ہے

آقا:- (نوکر سے) تم کو دیوار پر کاغذ لگانے کو کس احمق نے کہا تھا؟
نوکر:- حضور بیگم صاحبہ نے۔
آقا:- معلوم تو اچھے ہوتے ہیں۔

استاد:- (شاگرد سے) ابے پڑھتا ہے یا میرا منہ دیکھ رہا ہے
شاگرد:- جناب میں تو پڑھ رہا ہوں جس نے آپ کا منہ دیکھا ہو اُس نے اُلّو کا منہ دیکھا ہو۔

کارخانہ کا مالک:- نئے ملازم سے کیا فورمین نے تم کو سب کام بتا دیا ہے کہ تمہیں کیا کیا کرنا ہے؟
ملازم:- جی حضور اس نے مجھے بتا دیا ہے کہ آپکو آتے دیکھکر میں اُسے جگا دیا کروں۔

دوست:- کہیئے مرزا صاحب جب سے آپ کے صاحبزادہ صاحب بمبئی کاروبار اور روپیہ کمانے کے لئے گئے ہیں اُن کا کوئی خط بھی آیا ہے یا نہیں۔
مرزا صاحب:- ہر مہینے ماہواری خرچ کا بل باقاعدہ آ جاتا ہے جو ہمیں ادا کرنا پڑتا ہے

مجسٹریٹ:- (مجرم سے) تمہیں معلوم ہے کہ یہ جگہ کیا ہے
مجرم:- جی نہیں۔
مجسٹریٹ:- یہ عدالت ہے۔ جو یہاں آتا ہے اسکو سزا ملتی ہے۔
مجرم:- مگر آپ کو تو ایک روز بھی سزا نہ ملی۔

اُفق بحرالکاہل میں سیاسی تلاطم

(از مسٹر رام بہادر چترویدی - دھولپور ـــ خاص تیج دہلی کے لئے)

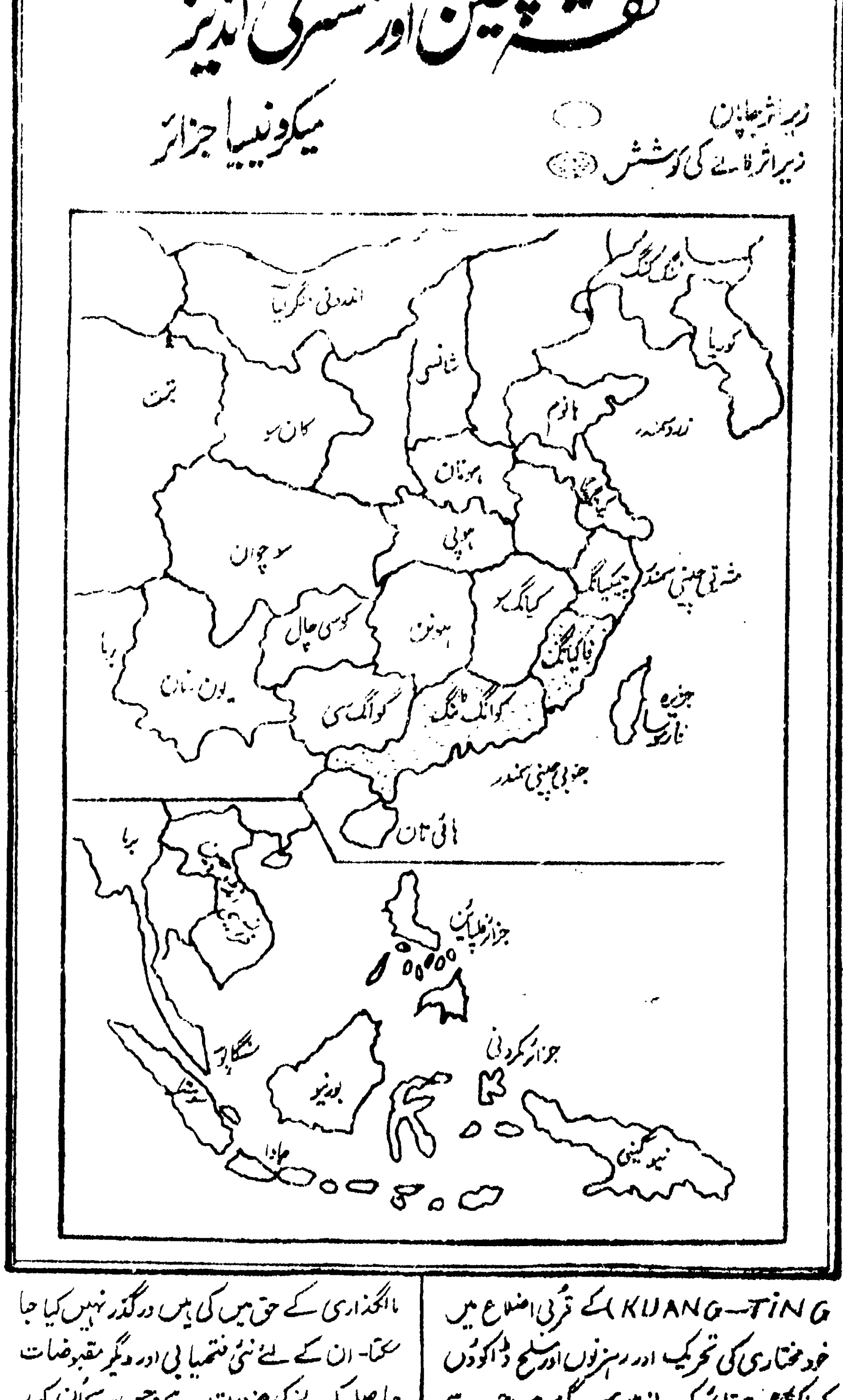
جاپان میں ملکی تنظیم کا زمانہ فروری ۱۹۳۶ء کی فوجی سازش کے بعد قطعی ختم ہوگیا۔ کیبنٹ - فوج اور سول سروس (CIVIL SERVICE) میں تبدیلیوں کے نمودار ہونے کی وجہ سے فوجی غیر ذمہ دارانہ نفسی عقیدہ خود بخود رخصت کرگیا۔ اور جنگی مدبرین کی حالت بہت مستحکم ہوگئی۔ ان کا نظام حکومت میں کافی قابو ہوگیا۔ جاپانی جنگی مدبرین کی تحریکوں سے ہر شخص آشنا ہے۔ یہ لوگ اسلحہ بندی میں زبردست ترقی کے خواہاں ہیں۔ علاوہ اس امر کے کوشاں ہیں کہ جاپان دیگر ممالک میں قبضہ آور ہو جس سے کہ ملک کی تجارت وغیرہ میں مزید اضافہ حاصل ہوسکے۔ مگر سوویٹ اتحاد (SOVIET UNION) اور اہل منگول کے خلاف آمادۂ سازش ہونے کے لئے سیاسی اور جنگی تیاریوں کی اشد ضرورت ہے۔ جس وقت تک یہ حاصل نہ ہو۔ اس وقت تک آگے قدم بڑھانا جاپان کے حق میں خطرناک اور مضر ثابت ہوگا۔ کیونکہ روس کی مشرق بعید سرحدی طاقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا جہاں تک گمان کیا جاتا ہے۔ جاپانی بیرونی حملہ چین کی جانب مخاطب کیا جائے گا۔

جاپانی اخبارات بیک زبان اور بہ آواز بلند یہ مشتہر کررہے ہیں کہ ہیروٹا (HIROTA) گورنمنٹ کو (آجکل یہ گورنمنٹ بدل گئی ہے) فوجی رائے سے اتفاق کرنا چاہیئے۔ جو یہ چاہتے ہیں کہ حکومت نانکنگ (NANKING) کو اہل چین کی گورنمنٹ تصور نہ کریں۔ یہ کس قدر باطل تجویز ہے جس کا اندازہ خود لگایا جاسکتا ہے۔ اور جس کا یہ منشا صاف معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین چین پر جاپانی آہستہ آہستہ اور یکے بعد دیگرے قبضہ حاصل کریں۔ کسی حد تک فی الحال جاپانی سیاست اپنے عزم میں ناکام رہی۔ مگر اب پھر اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ مسٹر ہیروٹا کے تین مشہور اصولوں کو جن کو اہل چین ہرگز قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہیں وہ منظور کرلیں۔

چند عرصہ تک شمالی چین کی حالت نہایت ابتر رہی اور اس اطراف کے پانچ صوبوں میں نظام آزادی قائم نہ ہوسکی۔ کیونکہ جاپان کے پاس معقول جنگی طاقت نہ تھی۔ جس کے زور پردہ چینی جنرلوں کو زیر اثر لاسکتے۔ مگر جاپان نے چین کے تین خود مختار صوبہ حکومتوں سے فائدہ ضرور اٹھایا۔ اور اس کی وجہ سے صوبہ ہوپی (HU—PE) اور چہار (CHAHAR) پر حکومت جاپان نے اپنا پورا تسلط قائم کرلیا۔ اندرونی منگولیا (MANGOLIA) پر بھی ان کا قریب قریب قبضہ ہوگیا ہے۔ ہوپی اور چہار کے راضی نامہ سے جاپان کو شاید اب صوبہ شانسی (SHAN—SI) پر جو اندرونی منگولیا کے جنوب میں واقع ہے حملہ آور ہونے کا موقع دستیاب ہوجائے۔ بادشاہت پسند جاپانی صوبہ فوکین (FO—KIEN)۔ اور صوبہ کوانگ تُن (KUANG-TING) کے قریبی اضلاع میں خود مختاری کی تحریک اور رہزنوں اور مسلح ڈاکوؤں کی ایک فوج قائم کرنے میں سرگرم ہیں جس سے جاپان کا چین پر حملہ آور ہونے کا ارادہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔

اس تحریک نے چین اور ممالک غیر میں زبردست تشویش پیدا کردی ہے۔ مگر ایسا کرنے پر ایک حد تک بادشاہت پسند جاپانی اپنے ملک کی اندرونی اہم حالت کی وجہ سے مجبور ہیں۔

ملک میں بے اطمینانی لہریں اٹھ رہی ہیں باشندگان کی ان قربانیوں کو جو انہوں نے جنگی مالگذاری کے حق میں کی ہیں درگذر نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے لئے نئی فتحیابی اور دیگر مقبوضات حاصل کرنے کی ضرورت ہے جس سے ان کو یہ اطمینان ہوجائے کہ ان کی قربانیاں ضائع نہیں ہوئیں۔ اس وجہ سے حکومت عجلت کرنے پر مجبور ہے۔



ان کا اولاً یہ خیال تھا کہ حبش کی جنگ کے دوران میں برطانیہ مشرق بعید معاملات میں کوئی حصہ نہ لے سکیگا۔ مگر جنگ کے ختم ہوتے ہی جاپان کو از سر نو انگلستانی سیاسی مدبرین کی تجاویز سے دوچار ہونا پڑا۔ اس موقعہ پر جب کہ چین میں اندرونی اتحادی تحریکیں زور پکڑ رہی ہوں جاپان یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ کوئی غیر ملکی سلطنت کسی طرح اس میں مخل ہو۔ لیکن انگریزی محققین نے اپنی رغبت چین کی طرف مائل کردی ہے۔ انہوں نے چین کی مالی حالت درست کرنے کے لئے اس کو روپیہ قرض دینا اور لیتھ روس کمیشن کی تجویز کو منظور کرلیا ہے۔

آج کل چین میں جاپان کے خلاف تحریکیں بڑی سرگرمی سے پیش عام کی جارہی ہیں۔ یہ تحریکیں محض طلباء تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ فوج میں سرایت کر گئی ہیں۔ اہل چین کی یہ زبردست خواہش ہے کہ خانہ جنگی ختم کی جائے۔ اور لوگ جاپان کا متحدہ مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں اور جاپان کے بڑھتے ہوئے وقار کو حتی المقدور روکنے کی کوشش کریں۔ اس کا اثر ان فوجوں پر بھی پڑا ہے جو اب تک حکومت کے خلاف تھے۔ حتیٰ کہ حکومت نانکن کو اب یہ قطعی دشوار ہوگیا ہے کہ وہ زیر اثر جاپان رہ سکے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ نیشنل فوج کا جو ہمیشہ نبرد آزمائی کے لئے کمربستہ رہتے رہے مقابلہ کرنے کے قابل ہوگئے۔

جاپان بھی ان تحریکوں کا مقابلہ بڑی مستقل مزاجی اور تندہی سے کررہا ہے۔

اولاً اس نے ہوپی اور فوکین میں بلا محصول مال کا خفیہ داخلہ شروع کردیا ہے جس کی وجہ سے کروڑوں ڈالر کا نقصان حکومت نانکن کو پہنچا ہے اور معمولی تجارت میں بھی فرق آگیا ہے۔

دوئم۔ اس نے چند جزائر میکرونیشیا (MACROUISIA) جو جاپان کی زیر حکومت بروئے ہدایت نامہ لیگ اقوام آئے ہیں قلعہ بندی کی۔ کہ جن کی قلعہ بندی بموجب ہدایت نامہ لیگ اقوام جاپان ہرگز نہیں کرسکتا تھا۔ اور اپنی ان شرائط پر کاربند ہونے سے فروگذاشت کردیا ہے۔ جس پر اقوام لیگ اور حکومت امریکہ پریشان نظر آتے ہیں۔ کیونکہ یہ جزائر جنگی نقطۂ نظر سے جنوبی بحر میں اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ کاش ان جزائر کی اگر پوری قلعہ بندی ہوگئی تو امریکہ کی تجارت جاپانی حسن ظن پر مبنی ہوجائے گی۔ وجہ یہ ہے کہ جاپانی جنگی طاقت جنوبی بحر میں کافی بڑھ جائے گی۔ کیونکہ یہ جزائر

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

تقریباً دو ہزار پانچ سو کیلومیٹر ہیں جو دو ہزار سات سو میل کی مسافت پر واقع ہیں۔ یہاں سے ہوائی جہاز صرف تین گھنٹے میں مشرقی انڈیز (EAST-INDIES) اور چند گھنٹے میں آسٹریلیا (AUSTRALIA) پہنچ سکتے ہیں۔

میکرونیشیا کے تمام جزائر میں جزائر پیلو (PELU) جنگی لحاظ سے ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان جزائر سے جزائر فلپائن (PHILIPPINE) تقریباً پانچ سو میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ جاپان نے ٹوکیو (TOKIO) سے پیلو تک ہوائی ڈاک جاری کر دی ہے جس کا اثر اگر اس وقت نہیں تو آئندہ اہل فلپائن پر ضرور پڑے گا۔

دوسرے یہ کہ سنگاپور (SINGAPURE) سے یہ جاپانی جزائر دیگر جاپانی مقبوضات سے نزدیک ہیں اور ایام جنگ میں ان سے خطرے کا احتمال لازمی ہے مگر چونکہ جاپان کی کل روغنی اخراجات امریکہ اور مشرقی انڈیز سے پورے ہوتے ہیں۔ لہذا جنگ کے دوران میں جاپان کو تیل مہیا کرنا دشوار ہو جائے گا۔ اس لئے بحری تجارتی راستے بند کرنے میں جاپان کو تامل ہوگا

یہ بھی سنا جاتا ہے کہ حکومت سیام نے (SIAM) جاپان کو مقام کرا (KRA) میں جہازی نہر جو خلیج بنگال کو خلیج سیام سے ملا دے گی بنانے کی اجازت دے دی ہے۔ اس امر پر ایک عرصہ تک گفت و شنید جاری رہ چکی ہے۔ اس جگہ سطح سمندر سے زمین کی اونچائی صرف سو فٹ ہے۔ کوہسار انڈوچین اور جزیرہ نما ملایا نے اس جگہ ایک تنگ قدرتی درہ قائم کر دیا ہے جس سے نہر کی مضبوطی قدرتاً دوبالا ہو جاتی ہے۔ اس نہر کے ذریعہ کلکتہ سے چین کا سفر چھ سو ساٹھ میل اور بینکاک سے برما کا سفر ایک ہزار تین سو میل کم ہو جاتا ہے۔ ایک عرصہ گذرا کہ جب اس راستہ کی پیمائش ہوئی تھی لیکن اس کی نقشہ پر کوئی کاروائی عمل میں نہ لائی گئی آج کل اگر جاپان نے غیر ملکی تجارتی ضروریات کی وجہ سے پھر گفتگو شروع کر دی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اس راستہ کے جاری ہونے پر ایک دوسرے مقام سے آمد و رفت میں وقت کم صرف ہوگا اور نہر کے ٹیکس سے حکومت سیام کو بھی مزید آمدنی کا ذریعہ کھل جائے گا۔ مگر سیاسی اور جنگی نقطۂ نظر سے ایک غیر معمولی معمہ دیگر ممالک کو پیش ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر یہ نہر جاپانی قبضہ میں آ جائے گی تو جاپان اپنا بحری جنگی مرکز وہاں قائم کرے گا جس کی وجہ سے امریکہ کی تجارت پر اثر پڑنے کا اندیشہ لاحق ہو جائے گا۔ اور سنگاپور کے بحری جنگی مرکز کی اہمیت قدرے مفقود ہو جائے گی۔ مگر

اس کا کوئی خاص خطرہ سنگاپور پر اثر انداز نہ ہوگا۔ چونکہ برما جو کہ زیر حکومت والیسرائے ہند ہے اس کے بہت قریب واقع ہے جہاں سے جاپانی جنگی کاروائی بآسانی زیر نگرانی رہ سکتی ہے

دوسرے یہ کہ جاپانی جنگی بیڑے فاصلہ کی وجہ سے زیادہ خطرناک ثابت نہ ہو سکیں گے۔

یہ تجویز سنہ ۱۹۳۳ء میں جاپان نے پیش کی تھی جس کو حکومت سیام نے منظور کر لیا تھا۔ اور جس کی رو سے ۱۹۳۸ء کے آخر تک یہ نہر تیار ہو جانی چاہئے اور اس میں تقریباً چودہ لاکھ پونڈ کے خرچ کا تخمینہ کیا گیا تھا۔ کارخانے، موٹر سڑکیں اور دیگر ضروری اوزار فراہم کئے گئے۔ مگر سیام نے جس کی کہ جنگی طاقت پر بھروسہ نہیں ہے اور جو بیرونی تجارتی اشیاء کے لئے غیر ممالک کا محتاج ہے۔ انگلستان اور فرانس کے زیر اثر رہنا ٹھیک سمجھا اور جاپانی ہمدردی سے دست کشی اختیار کی اور اس منظور کردہ تجویز کو نامنظور کر دیا۔

انجام یہ ہوا کہ نہر کی تعمیر قطعاً روک دی گئی۔ مگر جاپان اپنا اثر قائم رکھنے میں بڑی حکمت عملی اور مستقل مزاجی سے گامزن ہے اور سیام کی تجارت کو اپنے ہاتھ میں لینے جا رہا ہے۔ اگر اس کو اس سیاسی حرکت پر پوری قدرت حاصل ہو گئی تو اس کی طاقت ان اطراف میں دیگر ممالک کے لئے خالی از علت نہ ہوگی۔

چاند

(از جناب عبدالاحد صبا مظفر آبادی)
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

خوبصورت چاند، ستاروں کو حسین اور سندر بنانے والے چاند! تو جب افق مشرق سے نمودار ہو کر آہستہ آہستہ اپنی ہلکی روشنی کی چادر سطح ارض پر پھیلا دیتا ہے تو دنیا والوں کی زندگی میں لطف و سرور کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے

شعراء تیری ٹھنڈی روشنی میں درد و معانی تلاش کرتے ہیں۔ بچے تیری دلفریب روشنی کو دیکھ کر اچھلنے کودنے لگتے ہیں بدنصیب عشاق تجھکو ہم شبیہ یار کر نالے کرتے ہیں۔

دلفریب چاند تجھے یاد نہیں لیکن مجھے یاد ہے تیری روشنی پورے شباب پر تھی اور تو آسمان سے نور کے پھول برسا رہی تھی۔ ساری فضا سو رہی تھی چشموں کی لَے بربط و سرود کے تاروں سے زیادہ دلکش اور فریب کن تھی

باغ سے دور ایک مکان تھا۔ غالباً کسی تارک الدنیا سادھو کا۔ ستار سے منہ موڑے ہوئے بیراگی کا۔ وہ گا رہا تھا۔ ایک دلکش نغمہ۔ آہ۔ وہ اس کی روح پرور آواز اب تک کانوں میں گونج رہی ہے۔

چاند۔ حسینوں کے خوبصورت دیوتا۔ تو نے دیکھا ہوگا کہ میں کس طرح نغموں میں کھو گیا تھا۔



حسن کی زنجیر

افسانہ

از جناب قاضی نبی اشرف کوٹلوری
خاص تیج ویکلی کے لئے

رات کافی گذر چکی تھی۔ قریب ۹ بجنے کو ہوں گے۔ سیر و تفریح کے بعد مس مارگریٹ اپنی موٹر میں سوار گھر کی طرف جا رہی تھی۔ جب مارگریٹ کی گاڑی گورنمنٹ ہاؤس کے قریب پہنچی۔ دوسری گاڑی جو گورنمنٹ ہاؤس کی طرف سے آ رہی تھی ٹکرا گئی۔ مس مارگریٹ خوفزدہ ہو گئی۔ کیونکہ اس کی موٹر کا انجن خراب ہو گیا تھا۔ مسٹر ایڈورڈ نے اپنی موٹر سے اتر کر مس مارگریٹ کے شوفر سے پوچھا۔

"کچھ نقصان تو نہیں ہوا؟"

"جی نہیں" ۔ مارگریٹ کے شوفر نے کہا۔

"خدا نے بڑا فضل کیا ہے صرف انجن خراب ہو گیا ہے جس کی وجہ سے کچھ دیر رکنا ہو گا۔"

یہ سنکر مسٹر ایڈورڈ نے اظہار غم کرتے ہوئے مارگریٹ سے کہا۔

"خاتون اس ناگہانی حادثہ کا مجھے بے حد افسوس ہوا ہے۔ چونکہ آپ کی موٹر کا انجن خراب ہو گیا ہے اس لئے معلوم نہیں آپکو کتنی دیر ٹھہرنا ہو گا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میری کار موجود ہے"

"شکریہ"

مارگریٹ نے موٹر سے اترتے ہوئے کہا۔

مارگریٹ حسن کا بہترین مجسمہ تھی۔ اس کی پیشانی شکن سے پاک و صاف چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن و پر نور تھی۔ ناک سیدھی اور بے عیب غرض صاف و سادہ لباس میں وہ جنت کی حور معلوم ہوتی تھی۔ بجلی کی روشنی میں ایڈورڈ کی نظر جس وقت اس ماہ جبینہ پر پڑی تو وہ حیران رہ گیا۔ اور اس کے منہ سے بے ساختہ آہ نکل گئی۔ مسٹر ایڈورڈ نے اپنی جیب سے چمڑے کا کارڈ کیس نکالا۔ اور اپنا کارڈ مس مارگریٹ کی طرف بڑھایا۔

"آہا۔ آپ ہیں انگلستان کے مایہ ناز ادیب مسٹر ایڈورڈ؟ ۔ مجھے مارگریٹ کہتے ہیں"

"مارگریٹ ۔ آہ یہ کتنا پیارا نام ہے"۔ خدا جانے مارگریٹ کے نام میں وہ کون سی کشش تھی جس نے ایڈورڈ کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا۔

مارگریٹ نے کہا۔ صاحب! آپ کے اخلاق کو دیکھ کر کسی طرح انکار کی جرأت نہیں ہوتی۔ اور دوسرے مجھے اپنے بوڑھے باپ کا بھی خیال ہے۔ وہ بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اس لئے میں آپ کی اس عنایت کو شکریہ کے ساتھ قبول کرتی ہوں۔ یہ سنکر ایڈورڈ مس مارگریٹ کو سہارا دے کر موٹر میں سوار ہو گیا۔

"عبدل! موٹر مکان پر جا کر ٹھیک کر لینا"

مارگریٹ نے کھڑکی سے منہ باہر نکال کر اپنے شوفر سے کہا۔

"ہاں ہاں اب جلدی کی کیا ضرورت ہے۔ موٹر میری موٹر سے باندھ لو۔"

ایڈورڈ نے کہا۔

بہت خوب کہہ کر عبدل نے موٹر کو ایڈورڈ کی موٹر سے باندھ دیا۔

"کہاں چلوں حضور؟"

ایڈورڈ کے شوفر نے معلوم کیا۔

مس مارگریٹ نے جواب دیا۔

اسٹرینڈ روڈ۔ کوٹھی نمبر ۱۲

ٹیٹ صاحب آرام کرسی پر لیٹے ہوئے مطالعہ میں محو تھے۔ کمرہ بجلی کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ دیواروں پر فن مصوری کی بہترین تصویریں آویزاں تھیں۔ مارگریٹ نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

"ابا جان"

ٹیٹ صاحب نے مارگریٹ کی شیریں آواز سنکر کہا۔

"بیٹا تم آ گئیں۔ اور یہ کون صاحب ہیں؟"

مارگریٹ نے اپنے باپ سے کہا۔

"ابا جان یہ ہمارے محسن ہیں۔ مجھے مصیبت سے بچانے والے۔"

"محسن! مصیبت! ۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو مارگریٹ"

مارگریٹ ایڈورڈ کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور راستے کا کل قصہ بیان کرنے لگی۔

جب ٹیٹ صاحب پورا قصہ سن چکے تو انہوں نے ایڈورڈ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

"شریف لڑکے میں شکریہ ادا کرتا ہوں"

ایڈورڈ نے جواب دیا۔

شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ تو ایک انسانی فرض تھا۔ مارگریٹ کے باپ نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ اور نوکر کے داخل ہونے پر چائے اور سیگرٹ لانے کا حکم دیا۔

الغرض چائے سے فارغ ہو کر ایڈورڈ نے مارگریٹ کے والد سے اجازت چاہی۔ ایڈورڈ ٹیٹ صاحب سے ہاتھ ملا کر مارگریٹ کے چہرہ پر محبت بھری نظر ڈالتا ہوا رخصت ہو گیا۔

ایڈورڈ ایک بہت بڑے ڈیوک کا لڑکا تھا۔ اس کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور ابھی اسکی شادی نہیں ہوئی تھی۔ بات یہ تھی کہ اسکو عورتوں سے سخت نفرت تھی وہ ہمیشہ ان کو فتنہ و فساد کی جڑ کہا کرتا تھا۔ لیکن اس کو کیا معلوم تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ وہ اسی فتنہ و فساد کی جڑ کو باعث عزت سمجھے گا۔

ایک دن شام کے وقت ایڈورڈ اور مارگریٹ دریا کے کنارے ٹہل رہے تھے۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ جس کی رخصت ہونے والی کرنیں پانی کی لہروں پر پڑ کر عجیب بہار دکھا رہی تھی۔

ایڈورڈ نے مارگریٹ سے کہا کہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے مارگریٹ نے کہا فرمایئے۔

ایڈورڈ نے کہا۔ "مجھے تم سے محبت ہے"

مارگریٹ یہ سنکر خاموش ہو گئی۔

ایڈورڈ نے مارگریٹ کو خاموش دیکھ کر دل میں سوچنا شروع کیا کہ شاید وہ ناراض ہو گئی ہے۔ آخر اس سے ضبط نہ ہو سکا اور اس نے نہایت عاجزانہ انداز میں کہا۔

"مارگریٹ۔ کیا تم ناراض ہو گئیں؟"

مارگریٹ نے کہا۔

"ایڈورڈ ہم تم آپس میں دوستانہ تعلقات ہی رکھ سکتے ہیں"

"کیا ہم اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے؟"

مارگریٹ بولی:۔

"نہیں"

ایڈورڈ نے کہا

"کیوں؟"

مارگریٹ نے جواب دیا۔

"اس لئے کہ میں دوسرے کی ہو چکی ہوں۔ میرے والد نے میری شادی میرے خالہ زاد بھائی ہیریسن سے کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اس لئے میں مجبور ہوں"

تو کیا تمہاری بھی یہی خواہش ہے مارگریٹ؟

(باقی اگلے صفحہ پر)

وزارت

(از جناب بزمی ۔ بلند شہری ۔ خاص تیج ویکلی کے لئے)

کس شان سے آتی ہے نظر شان وزارت
آئینۂ آئین ہے ایوان وزارت

برہم ہو سجاتے ہیں خریدار ابھی سے
چلتی نظر آتی نہیں دوکان وزارت

لیلائے وزارت پہ جہاں ہو گیا لٹو
مجنوں کا برادر بھی ہے دیوان وزارت

ہے باعث تضحیک بہر حال یہ ترتیب
بازیچۂ اطفال ہے چوگان وزارت

بنیاد ستونوں کی نہایت ہی ہے بودی
گر جلئے نہ صاحب! کہیں دالان وزارت

ہے جن سے کہ بھارت کو ہمیشہ سے شکایت
پھر ملتے ہے ان ہی کو قلمدان وزارت

کیا وزن وزارت جو نہ ہو دل سے تعاون
اور ضد پہ تلے بیٹھے ہوں ارکان وزارت

جمہور کے دل پر نہ اثر اس کا ہوا کچھ
کانوں سے تو بیشک سنا اعلان وزارت

(پچھلے صفحہ سے)

اگر میری مرضی نہیں ہو تو بھی میں اپنے والد کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتی۔

مگر مارگریٹ کی صورت سے عیاں تھا کہ وہ ایبراہن کو پسند نہیں کرتی۔ آخر مارگریٹ نے یہ کہکر بات کو ختم کیا کہ مجھے آپ سے بہت دیر ہو گئی ہے اور شام بھی ہو چکی ہے اس لئے اب گھر چلنا چاہیئے۔ دونوں نے آگے کو قدم بڑھایا ہی تھا کہ یکایک "بس آگے نہ بڑھنا" کی خوفناک آواز نے دونوں کو ڈرا دیا۔ اور چند نقاب پوش ان پر ٹوٹ پڑے اور دونوں کو باندھ کر موٹر میں رکھ لیا اور موٹر چل دی۔

ٹیٹ صاحب کے یہاں مارگریٹ کے واپس نہ آنے کی وجہ سے فکر لازمی تھی۔ بالآخر ملازم دوڑائے گئے۔ ابھی ملازم باہر ہی تھے کہ ایک موٹر ٹیٹ صاحب کے مکان کے دروازے پر آکر رکی اور اسمیں سے مارگریٹ اور ایبراہن اترے اور اندر آئے۔ مارگریٹ کو دیکھکر ٹیٹ صاحب خوشی کے مارے اچھل گئے اور کہا کہ جلد اندر جاؤ اور اپنی ماں کو جاکر تسلی دو۔ وہ سخت پریشان ہے

مارگریٹ کے اندر جانے کے بعد ٹیٹ صاحب نے ایبراہن کو کہا کہ آج مارگریٹ کو اتنی دیر کیوں ہوئی۔

"چچا جان گستاخی معاف یہ آزادی کا نتیجہ ہے اگر میں تھوڑی دیر اور نہ پہنچتا تو پھر خدا جانے آپکو مارگریٹ دیکھنے کو بھی نہ ملتی"۔

"کیا کہتے ہو ایبراہن میں تمہاری بات نہیں سمجھا

چچا جان بات یہ ہے کہ ایڈورڈ جس کو آپ خدا جانے کیا سمجھے ہوئے ہیں مارگریٹ کی آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔"

"یعنی؟"

"یعنی لے بھاگتا"

"جھوٹ بالکل جھوٹ ابا جان"۔ مارگریٹ نے کمرہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ایبراہن تو میری غیر حاضری سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے ابھی میں اندر نہیں گئی تھی اور دروازے کے پیچھے ساری باتیں سننے کو رک گئی تھی"

ٹیٹ صاحب گھبرائے کہ کیا ماجرا ہے۔

مارگریٹ نے اب سے کل حال بیان کرنا شروع کیا۔

"آج شام کے وقت جب میں اور ایڈورڈ ٹہل رہے تھے کہ ایبراہن نے چند شخصوں کے ساتھ ہم دونوں پر حملہ کر دیا اور باندھ کر موٹر میں رکھ لیا۔ موٹر سیدھی پولیس اسٹیشن پر آئی ایبراہن نے اتر کر ایڈورڈ کو پولیس کے حوالہ کیا اور مجھ سے اظہار عشق کرنے لگے" ٹیٹ صاحب یہ سنکر غضبناک ہوکر بولے "شرافت کے نام کو دھبہ لگانے والے کمینے میرے سامنے سے دور ہو جا" ایبراہن کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور بغیر کچھ منہ سے کہے اٹھکر چلا گیا۔ ٹیٹ صاحب نے ایڈورڈ کو رہا کرایا اور مارگریٹ کی اس سے شادی کر دی۔ ایبراہن کو اسکا بہت بڑا اثر ہوا اور اس نے چچا سے معافی مانگی اور اچھے لوگوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگا۔

بربط نواز

{ از جناب سیفی گنوری }

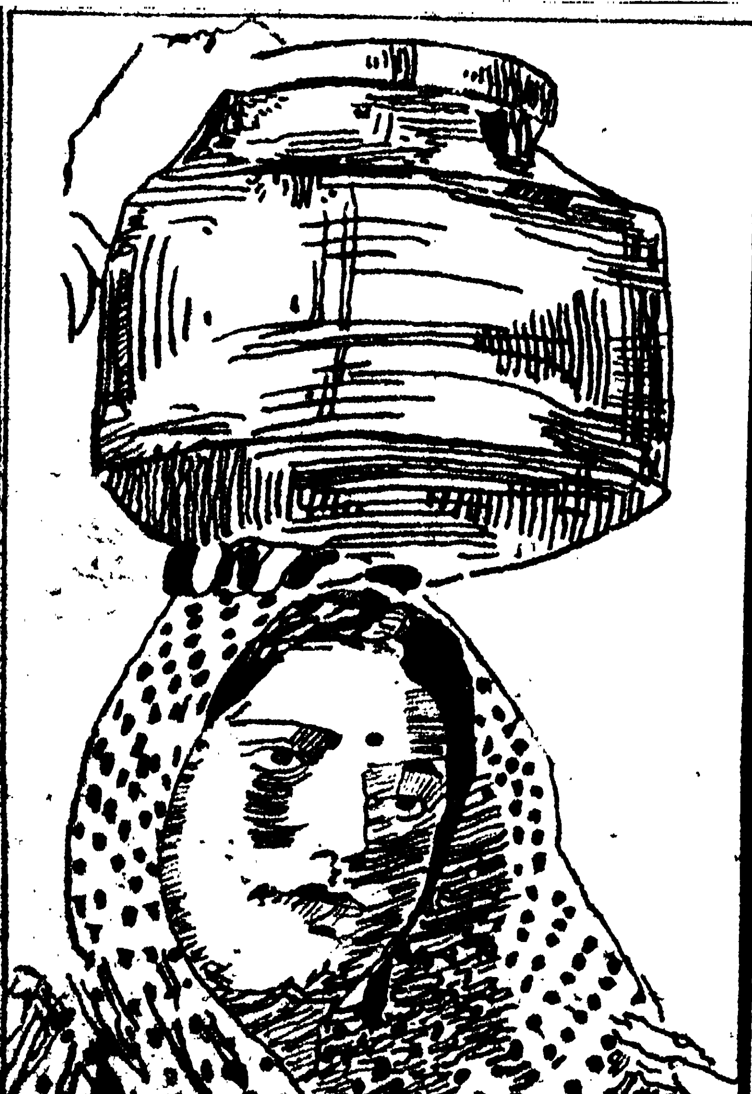
چاندنی چھٹکی ہے۔ تنہائی ہے اے بربط نواز
چھیڑ نالے میں اک ساز محبت چاہیئے

اے بربط نواز۔ اے سراپا حسن و جمال اس وقت فضا نکھری ہوئی ہے۔ نصف عالم پر خواب آسا سکون مسلط ہے۔ تابانی ماہتاب کی جلوہ گستری سے دہر کا ذرہ ذرہ منور و درخشاں ہے خنک سبک رو اور مشک بیز و گلاب ریز ہوا کے جھونکے کائنات میں کیف و مستی کے چھینٹے برسا رہے ہیں۔ ماحول نشیلا و بانکا ہو رہا ہے۔ اور ایک روح افزا و وجدانی کیفیت طاری ہے۔ فرش سے لیکر عرش تک کسی پردہ نشین کے حسن عالم افروز اور جمال جہاں آرا کے ہوش ربا جلووں کی سحر آفرینیاں کارفرما نظر آتی ہیں۔ لیکن آہ! مجھ بدنصیب کو اس نشاط انگیز و دلفریب منظر کے پیش نظر ہوتے ہوئے بھی سکون میسر نہیں۔ سینے میں انقلاب کا طوفان برپا ہے۔ اور دل مصروف کاوش ہے۔ میں ایک لا انتہائی الجھن میں پھنسا ہوا ہوں میرا دل ایک کمی محسوس کرتا ہے جس کی تلافی تجھ سے اور صرف تجھ سے ہو سکتی ہے۔

اے مغنیہ۔ اے غذائے عشق! اگر میری التجا تیری بارگاہ حسن میں شرف قبولیت حاصل کر لے تو میں عرض کرنے کی جسارت کروں۔ خدارا میری التجا گوش دل و گوش ہوش سے سن۔ ہاں ایک شکستہ و مضطرب قلب کی آرزو کو پورا کر دے اور سن۔

اے مطربہ۔ اے کان حسن آفریں۔ اس خوشگوار و لطیف منظر کی تو بھی کچھ قدر کر۔ بیکار اس قابل قدر و کیف آفریں لمحے کے وقت کو اپنی بے نیازی اور غفلت سے اس طرح مجروح نہ کر۔ میری یہ دلی تمنا ہے کہ تو بھی بربط کو ہاتھ میں لیکر ایک حشر زا نغمہ چھیڑ دے۔ اور مست و بیخود ہوکر لحن دلکش میں وہ نغمہ سرائی کر جس سے میری بیتابیاں دو چند ہو جائیں۔ میری بیتابی اضطراب میں زلزلے آ جائیں۔ میرے دل سے احساس غم جاتا رہے۔ اور قلب کے ذرہ ذرہ میں کیف و سرور نیز انبساط کی روح وجدانہ انداز میں دوڑ جائے۔ تجھ کو تیرے بہار حسن کی رعنائی کا واسطہ میری التجا کو نہ ٹھکرا۔ تجھ کو تیری عنبر بدوش زلفوں اور ساغر بکف و سحر پیشہ فسوں ساز آنکھوں کی قسم میری التجا کو تشنۂ التفات نہ رکھ۔ اور وہی ترانۂ روح نواز ایک بار پھر سنا دے جس کو سنکر بزم ازل میں ساری کائنات رقص کرنے لگی تھی۔ مدہوش و سرشار ہو گئی تھی۔ اور اس ترانہ کو سنا کر میری روح کو بیدار کر دے۔

پر حقائق و معارف کی کیفیت میں غرق ہو جاؤں میرے ساز دل کے پردے نغمہ ریز ہو جائیں۔ میرے دلی جذبات اس قدر برانگیختہ ہو جائیں کہ میں ایک غزل کہکر اور ایسی غزل جس کی کیفیت کی لذت آہوں کو مسحور کر کے خود مجھ پر اور ہر سننے والے پر استغراق کا عالم طاری ہو جائے۔ ہاں! اٹھا۔ اٹھا۔ اپنا حسین ساز اور کر دے کائنات کو مسحور!



(صفحہ ۱۲ سے آگے)

مفر یک صحبت و مصاحبت ہیں۔ میں نے اس مکان کی سکونت ترک کردی اور اپنے ایک عزیز کے ہاں منتقل ہوگیا۔ میں اس ہڈی کو ایک ممتاز سرجن کے پاس لے گیا جس نے مجھے بتایا کہ یہ ملکیہ بکرنیانی کے نظام استخوانی کا ایک خاص حصہ ہے۔ ڈاکٹر نے مجھے بتایا کہ میں اس ہڈی کو تشریح الابدان کا ایک مرضوع سمجھکر بغرض تحقیق و تدقیق مصوراب بھیجدوں۔ ضمناً یہ بھی بیان کردوں کہ ڈاکٹر صاحب باینہمہ حکمت و فضیلت اس ہڈی کو اپنے دارالشفا میں رکھنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

الغرض میں نے ہڈی کا ایک پارسل بنایا اور اسے مکان میں رکھدیا تاکہ دوسرے دن کی ڈاک سے روانہ کردیا جائے۔ جب کچھ دیر بعد میں مکان میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ پارسل کچھ درہم برہم سا ہے۔ ایک ناقابل فہم طریقہ سے یہ پارسل میز سے گر گیا تھا۔ اس معمے کا حل آسان نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ بعید از امکان کے طور پر یہ فرض کیا جاسکتا تھا کہ شاید یہ بلی کی جست و خیز کی کارستانی ہو۔

اب میں نے اس بلا سبب بے درماں ہڈی کو دوبارہ اسی میز پر اسی گلاس کیس کے اندر نصب کر کے رکھ دیا۔ اور آئندہ سے اس پارہ جسم مردہ کے ساتھ ایک احترام آمیز رویہ اختیار کیا۔

جو واقعات و حوادث اب پیش آنے لگے وہ مبہم طور پر ایک روح کے حامل نظر آتے تھے۔ میں ان سب کی تعبیر سے قاصر ہوں۔ البتہ اپنے جو کچھ مشاہدات و قیاسات بیان کر رہا ہوں بالکل خالی الذہن ہو کر۔

گذشتہ جمعہ کو ہماری نظیر العجائب، ہڈی میز پر شیشہ کے اندر رکھی ہوئی تھی۔ ۵ بجے کا وقت تھا۔ اس موقعہ کے تین عینی شاہد ہیں۔ میری بیوی معہ میرے بچے اور ایک اور خاتون جو معروف تناول تھی۔ نرس، ڈھائی بجے روانہ ہوگئی تھی کیونکہ اسے سینما دیکھنے جانا تھا۔

کپتان مارشل جو آج کل میرے مہمان تھے ان کی طبیعت ناساز تھی۔ میں نے انہیں کہا کہ وہ میری خوابگاہ میں آرام فرمائیں اور مجھے بھی موقعہ دیں کہ میں چند تاریخی نگارشات جرائد کو بذریعہ ڈاک روانہ کردوں جن کے لئے ۵ بجے کا وقت دیا گیا تھا۔

میں نے کپتان موصوف کو اپنی خوابگاہ تک پہنچادیا اور پھر واپس نیچے کے کمرے میں آیا کہ اپنی تنہا خادمہ سے جانے کی تیاری کے متعلق انتظامات کرائیں۔ لیکن کیا دیکھتا ہوں کہ اس کی حالت غیر ہو رہی ہے۔ میں سیدھا بالاخانے کو روانہ ہوا تاکہ دیکھوں کہ کپتان مارشل کا کیا حال ہے۔

اس دوران میں میں ایک لمحہ کے لئے بھی دیوان خانے سے ۵ منٹ سے زیادہ دور نہ ہوا تھا۔ یہ ہال بھی بند تھا۔ میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ دیوان خانہ بالکل خالی تھا اور اس میں انسان یا حیوان ایک متنفس بھی نہ تھا۔

میں دیوان خانے میں داخل ہوا کہ وہاں سے کچھ سگریٹ نکالوں۔ مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب میں دیکھا کہ ہڈی کا کانچ والا خول معہ ہڈی کے چور چور پڑا ہوا ہے۔ یہ افتاد کوئی معمولی نظر نہ آتی تھی اس لئے کہ فرش پر نہایت دبیز قالین بچھی ہوئی تھی اور اگرچہ یہ ممکن تھا کہ کانچ میں شگاف پڑ جائے تاہم یہ کسی طرح قرین قیاس نہ تھا کہ اس کے ٹکڑے پانچ یا چھ فٹ کے حلقے میں منتشر ہوجائیں اور خود ہڈی اپنے مرکز نصب سے آٹھ فٹ جست کر جائے۔ یہ چیز بجائے خود کوئی نصف پونڈ وزنی ہوگی۔ تاہم اس وقت وہ میز سے تین یا چار فٹ کے فاصلے پر پڑی ہوئی تھی۔

معاً میں نے کپتان مارشل کو پکارا اور ملازمہ کو ہوشیار اور خبردار کر کے تاکید کی کہ وہ دیکھتی رہے کہ کوئی شے میری ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ تو نہیں رہی ہے۔ ہر دو اشخاص نے جب اس پر نظر ڈالی تو وہ بھی میری ہی طرح سراسیمہ و حواس باختہ تھے۔

میں حیران و سرگشتہ ہوں۔ میں ان واردات اور سوانح کی کوئی وجہ پیش نہیں کرسکتا۔ میں اپنے قارئین اور ناقدین کو یقینی طور پر اطمینان دلانا چاہتا ہوں کہ میں کوئی مریض نہیں ہوں۔ نہ مجھ میں "اک انداز جنوں" رکھنے والا یہ ذوق تخریب موجود ہے کہ اپنے کاشانے کے شیشہ آلات توڑ پھوڑ کر رکھدیا کروں۔

میں بجز اس کے کوئی دوسرا نظریہ قایم نہیں کرسکتا کہ بہ مدت سے زبان زد خاص و عام روایت چلی آتی ہے کہ عہد عتیق کے اہل مصر میں خاص طور پر یہ قوت مسحور تھی کہ جو شخص ان کی قبروں اور لحدوں کے اندر رکھی ہوئی ان کی باقیات جسمانی کو چھوئے یا چھیڑے گا اس پر کوئی نہ کوئی وبال ضرور نازل ہوگا۔ کچھ نہ کچھ اصلیت سے خالی نہیں۔

وہ حسین تھی

(از جناب برج کشن شرما کرنالوی۔ خاص پنچ ویکلی کے لئے)

شاعر کے تخیل سے زیادہ حسین، مصور کے شاہکار سے زیادہ اس کا حسین بھولا بھالا چہرہ۔ اس کی لمبی ریشم کی طرح ملایم سنہری زلفیں، اس کی کالی کالی نرگسی آنکھیں۔ جب وہ مسکراتی تھی تو اسکے دانت گوہر آبدار کی سی چمک دیتے تھے۔ جب وہ شرماتی تھی تو پسینے کے قطرے اسکے رخساروں پر ایسے معلوم ہوتے تھے گویا گلاب کی پنکھڑیوں پر شبنم۔ وہ قدرت کی صناعی کا بہترین نمونہ تھی۔ میں اُسے محبت کرنا چاہتا تھا۔

میں نے اپنا دل پیش کیا

اُس نے ٹھکرا دیا۔

شاید اُسے اپنے حسن پر ناز تھا۔

رام نام ست ہے ... ... رام نام ست ہے۔ اس دردناک صدا سے فضا گونج اٹھی۔

چاند مسکرایا۔

ستارے ہنس دیے۔

گرتے ہوئے آبشار کھلکھلا اٹھے

اس وقت جبکہ ایک مٹھی بھر راکھ میں تبدیل ہو رہا تھا۔

... ... وہ حسین تھی ... ...

حوروں سے زیادہ حسین

پریوں سے زیادہ خوبصورت

مگر اس کا حسن فانی تھا۔

پھیپھڑے نہایت ضروری ہیں

یہ عام قاعدہ ہے کہ ہم ضروری اور قیمتی کاغذات کو فولادی الماریوں میں اور تجوریوں میں نہایت محفوظ جگہ میں رکھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ خالق نے ہمارے پھیپھڑوں کو چھاتی کے اندر چھپا کے رکھا ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کو ہمیشہ محفوظ اور تندرست رکھیں۔ خون ہی ہماری زندگی ہے۔ پھیپھڑے خون کو صاف رکھتے ہیں۔ جگر ہر منٹ ۔ بار خون کو باہر نکالتا ہے اور سارے جسم میں حرکت دیکر بُرا خون کو صاف کرتا رہتا ہے، اور جسم کو قوی بناتا رہتا ہے اس لئے خون کی خرابی دور ہوکر پھیپھڑوں کو آکسیجن ہوا ملتی ہے، اگر یہ قدرتی طریقہ ایک لمحہ کے لئے بھی رک جائے تو موت سر پر سوار ہوجاتی ہے۔ اس لئے ہمارے پھیپھڑے ہماری زندگی کے لئے نہایت ضروری ہیں، پھیپھڑوں کی بیماری سے مرنے والوں کے فہرست نامہ پر نظر ثانی کی جائے، تو صاف معلوم ہوگا کہ ہم اپنے پھیپھڑوں اور جگر سے کتنے لاپرواہ ہیں، کھانسی، سردی کو معمولی بات سمجھکر ہم ان کی طرف سے لاپرواہ رہتے ہیں، لیکن یہی آگے چلکر نمونیہ، برونکائیٹس، ٹی۔ بی تپ دق وغیرہ کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ ان میں ہر ایک بیماری مہلک ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہم سردی اور کھانسی سے لاپرواہ نہ رہیں، اور سرولین روشن کو استعمال کرکے مہلک بیماریوں سے محفوظ رہیں، پھیپھڑوں کی تکلیفوں کے لئے سرولین شربت اکسیر ہے۔ یہ سردی مٹاتی ہے، سوکھی کھانسی روکتی ہے اور تازہ ہوا کی راہ صاف کرتی ہے، اس لئے یہ ہم کو مہلک بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

تمام الہامات کا ذریعہ

ایک چائے کا حلقہ

نیسکورسکی یونیورسٹی واقع لیو پو میں چند سال پہلے قائم کیا گیا تھا۔ اس شاعر نے اورنتھ چائے پر چند نہایت عجیب گیت لکھے تھے جو چائے کے حلقہ کی صحبتوں کے وقت گائے جاتے تھے۔

ان میں سے ایک گیت کہتا ہے۔

"آؤ اے بے قرار لوگو چائے پینے کو آؤ
اُن پرندوں کی طرح جو اپنی پیاس بجھانے کے لئے شبنم کے سوا کوئی چیز نہیں پیتے"

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کے شاعر اعظم کی طرف سے چائے کی یہ دعوت ان کی اس قدر دانی کی تحریک کا نتیجہ تھی جو دماغ کو الہام دینے والی اور خیال کو بیدار کرنے والی اس پینے کی چیز کے لئے ان کے دل میں موجود تھی۔

اسی طرح ہر ملک میں شاعروں اور مفکروں نے چائے سے الہام حاصل کیا ہے۔ اور علم و قابلیت رکھنے والے لوگوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ان کی ذہانت کی تیزی اسی خوش کرنے والی پیالی کے باعث ہے۔

سڈنی اسمتھ جو ایک تیز طبع آدمی تھا اور گفتگو کو گھر کے اندر بہترین دلبستگیوں میں سمجھتا تھا۔ چائے کی قدردانی کے جوش میں آ کر کہا کرتا تھا۔

"چائے کے لئے خدا کا شکر ہے۔ چائے کے بغیر دنیا کیا کرتی تھی؟ کس طرح قائم تھی؟ میں خوش ہوں کہ میں چائے سے پہلے پیدا نہیں ہوا تھا۔"

سڈنی اسمتھ ایک ایسا شخص تھا جس کے متعلق بائرن نے جو کسی کی تعریف کرنے کا بہت کم عادی تھا لکھا تھا۔

"باہر کھانا کھانے والا ایک ذہین آدمی اگرچہ وہ صرف ایک کیوریٹ تھا"

اور جو مذاق وہ کرتا تھا اس کے متعلق خراج تحسین ضرور حاصل کرتا تھا۔ خیالات اور گفتگو میں الہام پیدا کرنے والی چیز کی حیثیت سے چاء کے متعلق انگریز اہل قلم کی شہادتیں انگریزی ادبیات پڑھنے والوں کو معلوم ہیں۔

ڈاکٹر جانسن بالخصوص جو چائے کے سمندر کو پی جاتے تھے اور اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ ان کا علم "محض ایک خزانہ تھا جس کو شیطان رکھتا تھا یہاں تک کہ چائے اس خزانے کو عمل اور استعمال کی طرف رجوع کر دیتی تھی" وہ جب چائے پی کر مناسب طاقت حاصل کر لیتے تھے تو جیسا کہ گیرک نے کہا ہے کہ۔ "کسی شخص کو بھی ہنسی سے لوٹ پوٹ کر سکتے تھے"

کوپر نے بھی جس کا لکھا ہوا یہ مصرعہ بار بار دہرایا جاتا ہے کہ "وہ پیالیاں جو خوش کرتی ہیں مگر نشہ نہیں لاتیں" اس امر کو تسلیم کیا تھا کہ چائے کے بغیر اس کا دماغ کچھ کرنے کے لائق نہ تھا۔ اس زمانے کے انگریز مصنفوں کو نا مو جات

میں مشہور مضمون نگار ہیبت اور ہیزلٹ جن کے بارے میں لیہنٹ نے لکھا تھا کہ اس کی گفتگو کے سوا لندن میں اور کوئی گفتگو کامل طور پر سننے کے قابل مجھے نہیں ملتی۔ دونوں چائے کے نہایت پر جوش شیدائی تھے۔ اور غالباً یہی ان کی تاریخی دوستی کا سبب تھا۔

پھر ارلی کو دیکھئے جو ہمیشہ یہ چاہتا تھا کہ کوئی میری طبیعت میں الہام پیدا کرے۔ اور میری چائے تیار کر دے۔ اور ایک بار جب اس سے یہ سوال کیا گیا کہ وہ چائے کی کتنی پیالیاں پیتا ہے تو کولرج نے نہایت حقارت سے جواب دیا۔

"پیالیاں! میں بیہودوں کی گنتی نہیں کرتا۔ میں چائے دانیوں کی گنتی کرتا ہوں"

لیکن یہ فرض کر لینے کی ضرورت نہیں ہے کہ چائے نے اپنی الہامی خوبیوں کو صرف ادبیات کے دائرے میں ثابت کیا ہے۔ گلیڈاسٹون کا ایک معمولی سا فخر یہ تھا کہ وہ آدھی رات اور چار بجے صبح کے درمیان ہاؤس آف کامنز کے ہر ممبر سے چار پیتا تھا۔

زمانہ جنگ کے فرانس کے تجربہ کار سیاستدان ہم کلیمنکو کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بھی اس سلسلہ میں گلیڈاسٹون کی تقلید کرنا فائدہ مند پایا تھا۔ انگلستان کے بڑے سیاست دانوں میں سے بامرسٹن بھی چائے کی اتنی ہی زیادہ مقدار پیا کرتا تھا جتنا کہ "وہ بزرگ آدمی"

انیسویں صدی کے آخر تک

چائے نا مقبول کی بجائے دماغی کام کرنے والوں نے اچھی طرح تسلیم کر لیا ہے۔ کارلائل کے جذبات کو قریب قریب دہرانے ہوئے مسٹر ڈی۔ ایل۔ رائے آنجہانی نے جو بنگال کے مشہور ڈرامہ نویس تھے کہا تھا۔

"مجھے نہ شہرت کی ہوس ہے اور نہ دولت کی ہے خدا جب میں صبح کو اٹھوں تو مجھے اچھی چائے کی ایک پیالی عطا کر"

تو پھر یہ کون سی حیرت کی بات ہے کہ بہترین دماغوں نے چائے کو ایک بڑی الہام پیدا کرنے والی چیز سمجھا ہے۔ ان لوگوں کو جن کو قدرت نے تیز طبعی کی نعمت عطا کی ہے، چائے بڑی بلندیوں تک پہنچنے کے قابل بنا دیتی ہے۔ اور ہر شخص کے لئے یہ اچھی دوستی اور صحت کا ایک بے خطا ذریعہ ہے۔

روزی کمانے کے عملی طریقے

(از جناب صوفی لچھمن پرشاد صاحب ایڈیٹر مستانہ جوگی لاہور — خاص الجمعیۃ دہلی کے لئے)

رنگ خرید کر گھر میں یا بک میں لیں اور تھوڑا سا میتھیلیٹڈ سپرٹ ملا کر حل کریں۔ جامن کا رنگ اگر تیار ہو تو اس میں ایک پونڈ گلیسرین تھوڑی تھوڑی ڈالکر تمام گلیسرین میں رنگ حل کر کے بوتلوں میں بھر لیں۔ نہایت نفیس مہریں لگانے کی روشنی تیار ہے۔ اس کو پیڈ پر ڈالکر مہریں لگائیں۔ نہایت صاف مہریں لگیں گی۔ آپ اس کی تجارت سے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ بازار میں جو اس سیاہی کی شیشیاں ملتی ہیں وہ ایسی اچھی نہیں ہوتیں۔ وہ زیادہ نفع اٹھانے کی خاطر گلیسرین کی بجائے گڑ یا کھانڈ کی راب وغیرہ یا سستی چیزیں ملا کر تیار کرتے ہیں۔ راب چونکہ بہت سستی چیز ہے اور لیا کر ہیں ڈالنے کے کام میں آتی ہے۔ اور اس کے سوا اسکو نکما سمجھا جاتا ہے اس سے راب کا کنستر پانچ چھ آنے میں بازار سے مل جاتا ہے۔ اور جامن رنگ بھی بہت سستا ہوتا ہے۔ اس لئے ایک اونس کی شیشی پر بمشکل تمام معہ شیشی کے دو پیسے لاگت آتی ہے۔ لیکن یہ سیاہی مہریں لگانے کے حق میں زیادہ اچھی نہیں ہوتی کیونکہ یہ یا غذ پر بہت دیر میں خشک ہوتی ہے گلیسرین سے روشنائی بنا کر اگر اسمیں تھوڑی سی میتھیلیٹڈ اسپرٹ بھی ڈال جائے تو بہت جلد خشک ہونے والی سیاہی بن جاتی ہے۔

ملک کی بدقسمتی ملاحظہ فرمائیں کہ ربڑ کی مہریں لگانے کی سیاہی بھی لاکھوں روپیوں کی ہر سال یورپ سے آتی ہے۔ حالانکہ اس کا تیار کرنا بالکل آسان ہے اور ہمارے ملک کے نوجوان بالکل معمولی سرمایہ سے اسکی تجارت کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سرخ اکسی اور رنگ کو میتھیلیٹڈ اسپرٹ میں حل کر کے گلیسرین ملانے سے جو رنگ آپ ڈالیں گے اسی رنگ کی روشنائی بن جائے گی۔ لیکن ہمیشہ رنگ کو اسپرٹ مذکورہ بالا میں حل کر کے ہی پھر گلیسرین ملا کر خوب گھول کر کے بوتلوں میں بھرنا چاہئے۔

بلو بلیک روشنائی بنانے کا طریقہ

اخباروں اور رسالوں میں بلو بلیک روشنائی بنانے کے سینکڑوں نسخے درج ہوتے رہتے ہیں لیکن تجربہ پر درست نہیں اترتے اس لئے پبلک کا وقت اور روپیہ ضائع ہو جاتا ہے۔ آج میں تجربہ شدہ سو فی صدی درست نسخہ نہایت آسان الفاظ میں تحریر کرتا ہوں یورپ کی اعلیٰ سے اعلیٰ اقسام کی بلو بلیک روشنائی سے کسی صورت میں کم نہیں۔ یورپ والے اس دام میں سستی تیار کر رہے ہیں جو کہ میں نیچے لکھ رہا ہوں۔ آپ بھی یہ روشنائی بنا کر اسکی تجارت کریں۔ یورپ کی دو اونس جو کہ بازار میں چار پانچ آنے میں ملتی ہیں اگر آپ بنائیں گے تو تین پیسے فی بوتل لاگت آئے گی۔ اب منافع کا اندازہ آپ خود کر لیں۔

ایسڈ ٹینک	۸۰ گرین
ہیرا کسیس	ایک ڈرام
گوند کیکر صاف شدہ	۱۷ گرین
سالوبل بلو (ولایتی رنگ)	[illegible]
تیزاب گندھک	۵ [illegible]
ایسڈ کاربالک	۲ [illegible]
آب مقطر	[illegible]

ترکیب تیاری:-

ایسڈ ٹینک اور ہیرا کسیس کو تین اونس آب مقطر میں حل کر دیں۔ اور ایک ہفتہ تک پڑا رہنے دیں تاکہ کیمیائی عمل سے خود بخود رنگ درست ہو جائے۔ ایک ہفتہ کے بعد اس کو چھان کر مندرجہ بالا باقی ماندہ چیزیں ملا دیں۔ اعلیٰ قسم کی بلو بلیک روشنائی تیار ہے جو کہ لکھتے لکھتے سیاہ ہوتی جائے گی۔ اونٹین پن میں بھی یہ خوب کام دیتی ہے۔

مندرجہ بالا تمام چیزیں بازار سے مل جاتی ہیں۔ ہیرا کسیس اور گوند کیکر پنساریوں سے مل جاتی ہے۔ ہیرا کسیس کو انگریزی میں آئرن سلفیٹ کہتے ہیں کیکر کی گوند کو پانی میں حل کر کے چار پانچ گھنٹے تک پڑا رہنے دیں جب بخوبی حل ہو جائے تب روشنائی میں ملانا چاہئے۔ سالوبل بلو کا اردو میں مطلب یہ ہے کہ پانی میں حل ہونے والا نیلا رنگ۔ آپ بڑی سے بڑی مقدار میں یہ روشنائی مندرجہ بالا تناسب سے اجزا ملا کر تیار کر سکتے ہیں۔ گوند کیکر کو صاف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خالص کیکر کی گوند لے کر ہر طرح کے گرد و غبار اور مٹی کنکر سے صاف کر کے اور کوٹ کر پانی میں بھگو دیں جب

ربڑ کی مہروں کی روشنائی

ربڑ کی مہریں لگانے کی سیاہی کی ایک اونس کی شیشی بازار میں تین چار آنے میں ملتی ہے۔ مجھ کو بھی اپنے دفتر میں اس کی ضرورت رہتی ہے۔ میں گذشتہ دس سال سے یہ سیاہی خود ہی بنا کر اپنے دفتر میں استعمال کرتا ہوں جو کہ نہایت نفیس ہوتی ہے اور بازاری سیاہی سے بہت بہتر ہوتی ہے۔

اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ بازار سے جامنی

[illegible]

(باقی [illegible] صفحہ پر)

(پچھلے صفحے سے)

کروڑوں روپیہ کما چکی ہیں۔ آپ بھی اس تجارت سے فائدہ اٹھائیں۔ اب میں آپ کے لیے سرخ روشنائی بنانے کا نسخہ درج کرتا ہوں۔

سرخ روشنائی بنانے کا طریقہ

یورپ سے طلب کیے ہوئے روشنائی کے علاوہ سرخ روشنائی بھی لاکھوں کی فروخت ہوتی ہے۔ اس کا بھی تجربہ شدہ نہایت اعلیٰ نسخہ حوالہ قلم کرتا ہوں۔ یہ سرخ روشنائی بھی بالکل یورپ کی روشنائی جیسی تیار ہوگی۔ آپ خود بنا کر اس کی تجارت کریں یا گھریلو ضرورت کو پورا کریں۔ نسخہ مندرجہ ذیل ہے:-

نسخہ:-

ایوسین	ایک حصہ
گوند ببول صاف شدہ	دو حصہ
آب مقطر	۵۷ حصہ

ایسڈ کاربالک تمام نسخہ کے وزن سے سواں حصہ۔ یعنی تمام نسخہ کے وزن کا ۱/۱۰۰ حصہ

ترکیب تیاری:-

گوند کو پانی میں حل کر لیں۔ اور ایوسین رنگ کو علیحدہ پانی میں حل کرنے کے بعد دونوں کو ملا کر پھر ایسڈ کاربالک شامل کر کے بوتلوں میں بھر لیں۔ بس سرخ روشنائی تیار ہے۔

ایک اعلیٰ قسم کی سیاہی بنانے کا طریقہ

اب میں ایک اور آزمودہ لیکن بہت درست نسخہ سیاہی بنانے کا حوالہ قلم کرتا ہوں جو کہ پانی کے بجائے آپ تیار کر سکتے ہیں۔

نسخہ:-

پانی کشید شدہ	۱۶ اونس
کاربالک ایسڈ	۱۰ قطرے
پھٹکری سفید	۲/۱ دو تولہ

کھانڈ دانہ دار ... ایک تولہ

ترکیب تیاری:-

پھٹکری اور کھانڈ کو علیحدہ علیحدہ پانی میں حل کر لیں اور پھر دونوں کو ملا کر ایسڈ کاربالک شامل کر دیں۔ اب اس مرکب میں کوئی سا بازاری رنگ کہ جس سے سیاہی بنائی جاتی ہیں جس قسم کا پسند ہو بازار سے خرید کر ڈال دیں۔ جو رنگ آپ ڈالیں گے اسی رنگ کی روشنائی بن جائے گی۔ رنگ کی مقدار آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ اگر آپ کم رنگ ڈالیں گے تو ہلکا رنگ آئے گا۔ اور اگر زیادہ رنگ ڈالیں گے تو شوخ رنگ آئے گا۔ (نسخہ نمبر ۱ میں ایسڈ ٹینک ڈالنے کو لکھا ہے۔ یہ دراصل مازو کا ست ہے جو کہ ہندوستان میں بکثرت پیدا ہوتا ہے)۔

اس نسخہ میں اگر نائگروسین بلیو ڈالیں گے تو نہایت عمدہ روشنائی تیار ہو گی۔

کنول کا پھول

(از جناب سعید خاں صاحب سعید دہلوی)

(خاص تیج ویکلی کے لیے)

موسم خزاں نے کنول کے پھول کو برباد کر دیا تھا۔ سارے تالاب میں صرف ایک ہی کنول کا پھول کھلا ہوا تھا وہ اپنی جان کو چھپائے تالاب پر گھس گیا۔ ... ... پھول توڑ کر بازار میں بیچنے کیلئے چلا۔ راستہ میں ایک نے پوچھا۔

"مالی اس پھول کی قیمت کیا لیگا۔ میں اسے بھگوان کے چرنوں پر چڑھاؤں گا"

مالی نے کہا۔ "ایک سونے کی مہر"۔

اس نے جیب سے مہر نکالی۔ اتنے میں مہاراج اُدھر سے آنکلے اور بولے:

"مالی کنول کا پھول کتنے کو دے گا؟"

مالی نے کہا۔ مجھے ایک سونے کی مہر مل رہی ہے۔

راجہ نے کہا۔ میں دس مہریں دوں گا۔ پہلے خریدار نے کہا کہ میں بیس مہریں دوں گا۔

مالی نے سوچا کہ جن چرنوں میں چڑھانے کے لیے لوگ کنول کے اتنے دام لگا رہے ہیں۔ ان کی پوجا میں ہی کیوں نہ کروں۔ اس نے کہا۔ آپ دونوں صاحب معاف کریں۔ میں پھول نہیں بیچوں گا۔

شہر کے باہر آم کے درخت کے نیچے مالی بھگوان کے قریب جا کھڑا ہو۔ بھگوان کے چہرہ پر شانتی برس رہی تھی مالی نے وہ پھول اُن کے چرنوں میں رکھ دیا اور بھگوان کو پرنام کیا۔ بھگوان نے مسکرا کر پوچھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟"

مالی نے جواب دیا۔

"آپ کے پاک قدم"

حفظانِ صحت

مریض کا کمرہ

(از جناب ڈاکٹر احمد سعید صاحب بریلوی - ایڈیٹر رسالہ طبیبِ نسواں دہلی)

خدا کے متعلق غالباً ہر مذہب کا یہ تخیل ہے کہ وہ ہر جگہ موجود ہے"۔ اسی کو بہ الفاظ دیگر یوں بھی کہا جا سکتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ،

"اس کا کوئی مکان نہیں ہے۔ اور وہ ہر مکان اور ہر مقام میں ہے۔"

مریض چونکہ اللہ سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور چونکہ ہر مریض کے متعلق یہ امید ہوتی ہے کہ وہ بہت جلد اپنے خدا سے ملنے والا ہے اس لئے ہمارے ملک میں اس بات کی انتہائی کوشش کی جاتی ہے کہ جہاں تک بھی ممکن ہو اس کے اندر خدائی صفات پیدا کر دی جائیں۔

مثلاً یہ کہ ذاتِ باری کھانے پینے سے مستغنی ہے لہٰذا ہم مریضوں کے متعلق بھی یہی کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو انہیں غذا اور پانی کی آلودگیوں سے بالکل پاک و صاف کر دیں ——— ذرا سا مونگ کی دال کا پانی یا بیدمشک کا عرق کبھی کبھی اگر دے دیا جاتا ہے تو وہ صرف اس لئے کہ بندہ کہیں ضعف سے بالکل ہی خدا نہ بن جائے ———

بالکل یہی صورت مریض کے مقام اور مکان کے متعلق بھی اختیار کی جاتی ہے یعنی یہ کہ گھر بھر میں مریض کا کمرہ کہیں نہیں ہے اور اس کے باوجود مریض تقریباً ہر کمرے میں موجود ہے۔ میں نے "تقریباً" کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ مریض اگر ہر جگہ موجود ہو جائے تو پھر بندہ اور خدا کا فرق اٹھ جائے گا۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ ہم ایک مفلس اور نادار قوم ہیں یہ بھی اسی قدر صحیح ہے کہ صدیوں کی محکومی اور غلامی نے ہم میں اب کوئی اچھی عادت باقی نہیں چھوڑی ہے لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود بھی یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ ہم میں سے جو لوگ صاحبِ دولت ہیں۔ اور جن کے محلوں میں دو چار نہیں بلکہ دسیوں، بیسیوں اور بیسیوں کمرے موجود ہیں انہیں اس میں کیا دقت ہے کہ مریض کے لئے ایک کمرہ الگ کر دیں۔ اوسط درجہ کے لوگ بھی عام طور پر ایسے ہی مکانوں میں رہتے ہیں کہ جن میں ایک سے زیادہ کمرے ہوتے ہیں۔ اور تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر یہ انتظام کیا جا سکتا ہے کہ مریض کے لئے ایک کمرہ یا دالان کا ایک حصہ علیحدہ کیا جائے۔

جانوروں کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو گھر کے کسی کونے میں الگ جا کر خاموش لیٹ جاتے ہیں۔ اور اگر وہاں انہیں چھیڑا جائے تو غصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ بیماری کی حالت میں انسان بھی طبعی طور پر خاموشی اور سکون ہی کو پسند کرتا ہے۔ بچوں کا شور و غل، عورتوں کی چیخ و پکار اور تیمارداروں یا عیادت کرنے والوں کی بھرمار اسے پسند نہیں آتی۔ فطری طور پر کوئی شخص اس بات کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس کی کوئی کمزوری دوسروں پر ظاہر ہو۔ اور بیماری چونکہ کمزوری ہے اس لئے وہ اسے بھی دوسروں سے پوشیدہ ہی رکھنا پسند کرتا ہے۔ اسے یہ بھی اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ بیماری نے جو اس کی صورت بگاڑ دی ہے وہ عام طور سے دوسروں کی نظر سے گذرے۔ اس لئے بھی وہ اسی بات کو پسند کرتا ہے کہ بیماری کے دوران میں لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ خاموشی کے ساتھ پڑا رہے۔ اور اس وقت دوسروں کے سامنے آئے کہ جب بیماری سے بگڑی ہوئی صورت ذرا درست ہو جائے۔

اس کے علاوہ بہت سی بیماریاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ایک سے دوسرے کو لگ جاتی ہیں۔ چیچک، خسرہ، موتی جھرا، نمونیا، دق، ہیضہ، کھجلی وغیرہ سب ایسی بیماریاں ہیں جو ایک سے دوسرے کو لگ جاتی ہیں۔ ایسے مریضوں کے پاس دیر تک بیٹھنا۔ ان کے منہ اور ناک سے نکلی ہوئی ہوا میں سانس لینا! ان کے بدن اور کپڑوں کو ہاتھ لگانا۔ غرضیکہ ان کے ساتھ تندرستوں کے سے تعلقات رکھنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اکثر ایسا دیکھا جاتا ہے کہ گھر میں ایک بچے کے خسرہ نکلی اور ایک ایک کر کے چند روز میں سب بچے مبتلا ہو گئے۔ یا گھر میں ایک آدمی کو ہیضہ ہوا۔ اور اوپر تلے تین چار موتیں ہو گئیں۔ اس کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ بیمار سے تندرستوں نے پرہیز نہ کیا اور بیمار کو تندرستوں سے الگ کوئی جگہ نہ دی گئی۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

صرف عورتوں سے چند باتیں

(از محترمہ حنیفہ خاتون صاحبہ)

اگر عورتوں کو دنیا کی حکومت دیدی جائے تو وہ لوگوں کی آسائش اور بہبودی کے لئے کیا کریں گی؟

اگر آپ سے یہ بات کہی جائے تو آپ شاید مسکرا دیں گی۔ لیکن دنیا کی عورتوں کی جو بین الاقوامی کانگریس پیرس میں ہوئی تھی وہاں اس مسئلہ پر خاص طور سے بحث و مناظرہ ہوا تھا۔

مسز ہڈلٹن نے انگلستان کی جانب سے بات کہی تھی کہ میں سب سے پہلے اپنی توجہ اپنے ملک کے دختروں اور جنگلات اور دیہاتی آبادی کی طرف مبذول کروں گی۔ دوسری بات جو میرے ذہن میں ہے وہ بیروزگاری کا انسداد ہے اور میں پہلا کام اس کو دور کرنے کا کروں گی۔ لیکن مجھے ابھی یہ معلوم نہیں ہے کہ اس مقصد کو میں کیونکر حاصل کر سکوں گی۔

آپ نے بین الاقوامی امن کے قیام کے لئے ایک نہایت دلچسپ تجویز پیش کی اور وہ یہ تھی کہ ہر یورپین قوم کے کم از کم تین فیصدی نوجوانوں کو (جن کا انتخاب پرچیاں ڈال کر کیا جائے گا) مجبور کیا جائے کہ وہ دوسری اقوام کی اسّی فیصدی آبادی سے باہمی رشتہ، مناکحت اور شادی استوار کریں۔

یہ بین الاقوامی شادیاں امن کے قیام میں بہت مدد دے سکتی ہیں۔ مسز ہڈلٹن نے کہا تھا:۔

"اس طرح کرنے سے ہم ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار ہو جائیں گے۔ بہت ممکن ہے کہ ہم اپنے چچوں اور بھتیجوں سے نفرت کرتے ہوں، انہیں برا سمجھتے ہوں لیکن انہیں گولی مارنے اور ان کی جان لینے کے لئے تو ہم کبھی بھی تیار نہیں ہوں گے۔"

میری رائے میں یہ اسکیم بہت دل پسند ہے مجھے تو تعجب ہے کہ عقلمند اور جہاں دیدہ مردوں نے جو قیامِ امن کی تدابیر کے لئے مغز مارتے ہیں آخر اس بات کی طرف کیوں توجہ نہیں کی۔ بہتر ہے کہ اس اسکیم کو چلایا جائے اور اس کے نتایج پر غور کیا جائے۔ ذرا اس کی تفصیلات سوچیئے۔

فرض کیجیئے کہ ایک انگریز لڑکی ہے جسے آئرلینڈ کے لوگوں سے سخت نفرت ہے لیکن قرعہ کی پرچی یہ بتاتی ہے کہ اسے ایک آئرش جوان سے شادی کرنی پڑے گی اور یہی اس کی شادی قانوناً درست ہوگی۔ ایسی لڑکی اس شادی کے خلاف سخت احتجاج کریگی۔ مگر اسے کسی طرح چھوڑا نہ جائے گا۔ سرکاری افسر آ کر اسے پکڑ کر جہاز پر سوار کرا دیں گے اور کسی ایسے لڑکے سے جو آئرش ہو اور انگریز لڑکیوں سے شاید نفرت بھی کرتا ہو اس سے اس کی شادی کر دی جائے گی۔ کیسی عجیب و غریب شادیاں ہوں گی کیسی عجیب اور انوکھی ترکیب ہے دنیا میں امن قائم کرنے کی۔

شادیوں کے سلسلہ میں ایک دوسری تجویز بھی میری رائے میں مناسب ہے۔ نہ صرف بین الاقوامی شادیوں کے سلسلہ میں بلکہ ایک ہی قوم و نسل کی باہمی شادیوں کے سلسلہ میں بھی۔ اور وہ یہ کہ تمام مردوں کو محبت کرنے سے قانوناً روک دیا جائے۔ انہیں صرف شادی کر کے چپ چاپ گھریلو زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور کیا جائے۔ انہیں گھر گرہستی کے سارے کام کاج کرنے پڑیں۔ جو آج عورتیں کر رہی ہیں۔ مرد عورت پر زمانۂ قدیم سے جس قدر ظلم کرتا چلا آ رہا ہے اسکا جواب دینے کا اب وقت آ گیا ہے۔

مس پرکنس ایک اور خاتون ہیں جو ذرا زیادہ عملی خیالات اور رحم کے جذبات سے پُر ہیں انہوں نے کہا ہے کہ مردوں پر ایسا ظلم ذرا دشوار ہے اور خلافِ انسانیت ہے کہ انہیں گرہستی کے جال میں پھنسایا جائے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عورتیں آرٹ اور جمالیاتی ترقی کی طرف زیادہ مائل رہیں۔ اور حکومت چلانے کے لئے اگر ہم کو دیدی جائے تو مردوں کو جو انسانی نسل کا دوسرا بڑا حصہ ہے اس سے بالکل محروم نہ کر دیا جائے۔

مگر اب سوال یہ ہے کہ ہم ہندوستانی خواتین اس سلسلہ میں اپنی کیا رائے رکھتی ہیں؟ ہمیں تو کبھی اس قسم کے خیالات ظاہر کرنے کا کبھی کوئی موقعہ ملا ہی نہیں۔ لیکن اگر دہلی کی انجمن خواتین کی تجاویز سے کچھ روشنی پڑتی ہے تو ہم وہ چیزیں یہاں پیش کرتی ہیں۔

(۱) نسل، پیدائش یا جنسی نوعیت کی بنا پر کوئی فرق پیدا نہ کیا جائے۔

(۲) عمومی ابتدائی جبریہ تعلیم ہر شخص اور فرد انسانی کو دی جائے۔ اور ثانوی تعلیم کے تمام نظام کی درستی کی جائے۔ تاکہ بہتر شہری ہم تعلیم کے ذریعہ پیدا کر سکیں۔

(۳) پردہ کا رواج اٹھانا۔ کثرتِ ازدواج۔ اور چھوٹی عمر کی شادیوں کا استیصال۔ عورتوں کی تجارت۔ تمباکو اور دیگر منشیات کے استعمال کے خلاف جہاد وغیرہ۔

(۴) بچوں اور ماؤں کی پرورش اور بہبودی کے مرکز۔ جذام۔ سرطان اور دیگر مہلک امراضِ نسوانی کے خلاف جہاد۔

(۵) کمزور۔ مریض۔ اپاہج وغیرہ لوگوں کے لئے سماجی بیمہ کا رواج۔ فیکٹریوں اور کانوں وغیرہ میں حادثہ کی نذر ہونے والوں کے لئے بیمہ۔

(۶) تعلیم یافتہ اور مزدور پیشہ طبقوں کی بیروزگاری کے انسداد کی تدابیر پر غور اور اس کے استیصال کے طریقے۔

(۷) شہری حقوق کی حفاظت۔

(پچھلے صفحہ سے)

ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہمیں لیسے مریض ایک آنکھ نہیں بھاتے جو سر اوندھا یا منہ لپیٹے خاموش پڑے رہیں۔ کوئی بیمار بھی ہو تو ہمیں یہی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہنستا بولتا رہے۔ اور اس کی ہنسی سے اپنا دل خوش کرنے کی کوشش میں ہم اکثر اس حد سے آگے نکل جاتے ہیں کہ جہاں تک بولنا چالنا مریض کو گوارا ہو سکتا ہے۔ بار بار مریض سے جلدی گفتگو کا یہ انداز ہوتا ہے کہ:

"میاں کیا ذرا سی حرارت کے لئے منہ لپیٹ کے پڑ گئے ہو۔ ذرا اُٹھ کے بیٹھو۔ چلو پھرو، جی ہی بہلے گا۔ ایسے پڑے پڑے تو تندرست آدمی بھی ہو تو وہ بھی بیمار ہو جائے"!

بار بار یہی باتیں سُنتے سُنتے یا تو مریض شرمندہ سا ہو کر زبردستی کسی نہ کسی طرح اُٹھ بیٹھتا ہے یا اُسے سخت صدمہ اور رنج پہنچتا ہے اور تیمار داروں سے نفرت ہو جاتی ہے۔

مریضوں کو رکھنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اگر حالات اجازت دیں تو انہیں الگ کمرے میں رکھا جائے۔ ان کے کھانے پینے کے برتن علیحدہ کر دیئے جائیں۔ ان کی تیمار داری کے لئے ایک شخص کو جو اُن کا عزیز ترین دوست یا رشتہ دار ہو نامزد کر دیا جائے۔ دوسرے لوگ بھی مریض کے پاس آئیں جائیں لیکن بس اتنی دیر کے لئے کہ اُسے ناگوار نہ گذرے۔ اور اُسی صورت میں کہ ڈاکٹر نے اجازت دے دی ہو۔ مریض کا کمرہ بالکل صاف ستھرا ہونا چاہیئے۔ مریض کے کمرہ میں ہوا کا گذر بالکل اچھی طرح ہونا چاہیئے۔ کمرے میں مریض کا بستر ایسی جگہ کرنا چاہیئے کہ کھڑکی یا دروازے میں آنے والے ہوا کے جھونکے سیدھے اس کے منہ پر نہ آئیں۔ مریض کے کمرے میں کھانے پینے کے برتن اور جہاں تک ممکن ہو گھر کا اور سامان بھی نہ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ بعض اوقات دوسروں کو بیماری سے محفوظ رکھنے کے لئے بیمار کے کمرے کا تمام سامان جلانا پڑتا ہے۔ گھر کے علاوہ جہاں تک اجازت دیں اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ گھر کا شور و غل مریض کے کانوں تک نہ پہنچے۔

مریض کی ضرورتیں رفع کرانے اور اُسے آرام پہنچانے کے لئے اگر مندرجہ ذیل چیزیں اس کے کمرے میں موجود رہیں تو اچھا ہے:۔

دو تین صاف جھاڑن۔ دو ایک تولیے۔ ایک مختصری میز جس پر دواؤں کی شیشیاں اور ضروری چیزیں رکھی جا سکیں۔ ایک کرسی ڈاکٹر یا تیمار دار کے لئے۔ ہاتھ دھونے کی چلمچی۔ صابون۔ پیشاب کا برتن (یورینل) پاخانے کا برتن (بیڈ پین) مریض کے پانی کی صراحی اور گلاس پنکھا اور مخصوص حالات میں برف رکھنے کی تھیلی۔ اور گرم پانی کی بوتل۔

[...] ہونا چاہیئے۔

احتیاطیں

مریض کے کمرے میں بیٹھ کر تیمار دار یا دوسرے لوگ کھانا نہ کھائیں۔ مریض اگر سونا چاہتا ہے تو اُسے بیدار رکھنے کی کوشش نہ کریں۔ بیمار کے لئے کامل آرام سب سے زیادہ ضروری چیز ہے اور یہ اس کا جائز حق ہے اس لئے گھر میں ہر شخص کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ اس کی کسی حرکت سے مریض کے آرام میں خلل نہ پڑے۔

امراضِ دندان کے لئے مُجرب نسخے

(از جناب پیارے لال ڈینٹس کیرانوی)
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

ذیل میں چند نسخے دانتوں کے امراض کے لئے دیئے جاتے ہیں

منجن دندان

ماجوپھل رومی ۹ ماشہ۔ مازو ایک تولہ۔ انیسون ۱ تولہ موچرس ۱ تولہ۔ شنگرفی ۱ تولہ۔ مرچ سیاہ ۹ ماشہ۔ پیپل ۹ ماشہ۔ کتھ ۱ تولہ۔ کافور ۱ تولہ۔ مازو الائچی کلاں ۹ ماشہ۔ خورد و کلاں ۱ تولہ۔ صندل سفید ۱ تولہ۔ صندل سرخ ۲ تولہ۔ سنگجراحت ۲ تولہ۔ سب کو کوٹ چھان کر شیشی میں رکھیں اور روزانہ استعمال کریں۔ خشکی۔ بدبو۔ دانتوں کے درد۔ بادی۔ خون جانا وغیرہ کو فائدہ کرتا ہے۔ مسوڑھوں کو صاف کرتا ہے۔

منجن پائریا اور دیگر امراض دندان

چھلکا بادام سوختہ ۲ اونس۔ سکاربولک ایسڈ ۲ ڈرام۔ بورک ایسڈ ۲ ڈرام۔ کافور ۲ ڈرام۔ مرمکی ۲ ڈرام۔ کتھ سفید ۲ ڈرام۔ چاک مٹی ۲ اونس۔ ست اجوائن دو ڈرام۔ ست پیپرمنٹ نصف ڈرام۔ سب کو پیس کر منجن تیار کر کے شیشی میں رکھیں اور صبح و شام دونوں وقت استعمال کریں۔ یہ منجن پائریا کے لئے خاص طور پر مفید ہے

درد دندان

اجوائن خراسانی سوختہ ۱ تولہ۔ کونین سلفیٹ ۲ ماشہ ہر دو کو ملا کر منجن بنالیں۔ جہاں درد ہو وہاں اسکو لگادیں۔ اگر دانت کے اندر گڑھا ہو تو اس گڑھے کے اندر بھر دیں۔ بہت جلد آرام ہو جائے گا۔ شاذ و نادر ہی دوسری مرتبہ ضرورت ہوتی ہے۔

نغمۂ مایوس

(از صدیقہ بیگم صاحبہ۔ سیوہارہ ضلع بجنور۔ خاص ہجر و یکلی کے لئے)

بہار نے باغوں میں پریم کے جھونکے ڈالے ہیں۔ پھول اپنے چہروں سے نئے سیر جسم تازگی بن گئے۔ کوئل پہاڑوں سے اڑ کر پیپہا خاکستر طلب سے زندہ ہوکر باغوں میں بہار کے نغمے گانے لگے۔ چمن کا ذرہ ذرہ پھولوں کو بہار کی آمد پر مبارکباد پیش کرنے لگا۔ مگر میں ان دلفریب مناظر سے کبھی متاثر نہیں ہوتی۔ کیونکہ مجھے یاد ہے کہ تم کہا کرتے تھے کہ سورج بغیر روشنی کے۔ چاند بغیر حسن کے۔ دریا بغیر روانی کے۔ ستار بغیر نغمے کے اور حسن بغیر حسن نواز کے بالکل بیکار اور بے معنی ہیں۔ اس لئے مجھے تمہارے بغیر کوئی لطف نہ آیا۔ آنکھوں کو تمنا ہے کہ پھر تمہارا جلوہ دیکھیں۔ دل کی آرزو ہے کہ تم پھر میرے پہلو نشین ہو۔ میں نے بادِ صبا کے ہاتھ تمہیں پیغام بھیجا۔ مگر افسوس۔ تم نہ آئے۔

گھنگھور گھٹاؤں نے آسمان پر سیاہ پردہ ڈالکر برق شوخ چمک چمک کر بادل گرج گرج کر تمہیں اپنا وعدہ یاد دلانے لگے اور پیارے سرتاج نہ جانے کیوں تم نے اپنے ایفائے عہد کا جذبہ دل سے نکال ڈالا۔ تم نے میرے پیغام کو سنا۔ ہاں ضرور سنا اور نہ جانے کیوں نفرت سے ٹھکرا دیا۔ بادل گرجے۔ بوندیں پڑیں۔ تیزی نے میرے جذبات دل کی ترجمانی کی۔ پپیہوں نے جھوم جھوم کر سبزہ نے لہلہا لہلہا کر میری حرماں نصیبی پر نوحہ گری کی۔ اور میرے تخیل پریشان نے بار بار تمہیں بلانے کی کوشش کی۔ مگر افسوس تم نہ آئے۔

اپنے تیرہ و سیاہ بختی و محرومی قسمت پر اشکباری کی گھنگھور گھٹاؤں نے سوگواری کی۔ بوندوں نے گریہ و زاری کی۔ برق نے ماتم کیا۔ کہکشاں نے زخموں پر نمک پاشی کی۔ اور پھر یکے بعد دیگرے سب میرے غمکدے اور خلوت خانے سے رخصت ہوئے۔ مگر میں بدستور اسی جگہ اپنے شکستہ اور بیم نسودوں سے بھیگے ہوئے دامن سے اپنے منہ کو ڈھانپے بیٹھی رہی۔ تمہارے تغافل۔ اپنی کم نصیبی اور محرومی قسمت پر برابر اشک بہاتی رہی اور اپنے خدا سے گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگتی رہی۔ اپنی بیم صداؤں سے۔ فلک شگن نالوں سے تمہیں بلاتی رہی اور نہ جانے کب تک بلاتی رہی۔ یہاں تک کہ میں بیہوش ہوگئی۔ مگر افسوس تم نہ آئے۔

نکلتے ہوئے سورج کی کرنوں کی لانبی لانبی سنہری روپہلی انگلیاں اسنسار کا ستار بجا رہی تھیں۔ زمین اور آسمان کانپتے ہوئے تار کی طرح شیریں جھنکار سے گونج رہے تھے عین اسی وقت تم نے میرا شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔

"باؤ! میں اب عنقریب یہاں سے چلا جاؤنگا" آہ وہ غم انگیز خبر جب تم نے مجھے سنائی تھی تو میں نے کہا تھا۔

"نہیں نہیں۔ اے میرے سرتاج میں تمہیں ہرگز نہ جانے دونگی یہ کیونکر ممکن ہے کہ تم مجھکو ماہی بے آب کی طرح تڑپتا چھوڑ کر چلے جاؤ۔ آہ۔ تمہارے بغیر میرا جینا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے"

لیکن تم نے مجھے ہنس ہنس کر یقین دلایا کہ تم پھر آؤ گے۔ تمہارے یہ جملے صبر نا امیدی کی کلیاں سرگرمیاں کر

رہی تھیں میرے خرمن دل کو جلائے ڈالتے تھے جب ضبط نہ ہوسکا تو میں ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔ تمہارے روکنے کی بیہودہ کوشش کرنے لگی۔ آہ۔ میری تمام کوششوں کو ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور آخر وہ منحوس دن آگیا جب کہ تم میری تمام آرزوؤں کو سپرد خاک کرکے چلے گئے۔ میں حسرت بھری نگاہوں سے تم کو تکتی رہ گئی۔ جب تک تم نظر آتے میری مایوس نظریں تم پر جمی رہیں۔ اور جب تم میری نظروں سے اوجھل ہوگئے تو میری امیدوں کی منور دنیا تاریک ہوگئی۔ تمنائیں اور آرزوئیں سر پیٹتی رہ گئیں۔ آہ۔ کلیوں نے مسکرا مسکرا کر۔ پھولوں سے رنگین جام بڑھا بڑھا کر۔ نونہالان چمن نے سر ہلا ہلا کر تمہیں بلانے کی کوشش کی مگر افسوس اب تم نہ آئے۔

دیکھو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک پہاڑ سے نکلی ہوئی چٹان کا کنارہ پکڑ کر یا پرسی کے سہیب غار کے منہ پر جھولا جھلا رہی ہوں قریب ہے کہ میں ہمیشہ کے لئے اس غار میں گر جاؤں۔ آہ۔ پریتم۔ اگر تم ایک بار نظر آجاؤ تو بھی بے چین دل کو کچھ قرار آجائے۔ آؤ۔ آؤ میرے

سرتاج صرف ایک بار تاکہ میں پریم کی نظروں سے تم کو دیکھ لوں آہ میری زندگی تمہاری دید سے وابستہ ہے۔ تمہیں معلوم تھا کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ پھر تم مجھے تنہا چھوڑ کر کیوں چلے گئے۔ شاید میری محبت آزمانے کے لئے۔ برائے خدا اب آزمائش ختم کردو۔ اور آؤ ہم تم یہاں سے چلیں آدمی کی دنیا سے۔ سورج چاند کی سلطنت سے۔ زندگی اور موت کے عمل سے باہر کسی اور دنیا میں چلیں۔ جہاں میں ہوں۔ تم ہو۔ اور محبت ہو۔ ہاں ہاں۔ جہاں ہر چیز میں پریم کا ہی جلوہ ہو۔ میرے سرتاج۔ میرے پریتم۔ تم کیوں نہیں آتے۔ تمہارا وعدہ تھا اور ایک مستحکم وعدہ کہ میں جلد آؤں گا۔ تم بھی رہنا۔ لیکن آہ۔ تم اپنا وعدہ بھول گئے لیکن میں نہیں بھولی۔ مجھے یاد ہے۔ اور خوب یاد ہے۔ بہار آئی اور چلی گئی۔ اسی طرح نہ جانے کتنی بار بہار اور خزاں آئیں اور چلی گئیں۔ لیکن میں اپنے وعدہ کی پابندی کے لئے اب تک بیٹھی ہوں اور تمہاری دید کی آرزو میں زندہ ہوں۔ آہ موت کا فرشتہ سرِ بالین آپہنچا۔ مگر افسوس تم نہ آئے۔

اس سال ہندوستان نے انگلینڈ کو ۲۹ ہزار ٹن لکڑی بھیجی ہے جب کہ سنہ ۱۹۱۴ء میں ۳۰ ہزار ۵۰۰ ٹن بھیجی گئی تھی۔

سنہ ۳۶-۱۹۳۵ء میں اکروڑ روپے سے کم قیمت کی جو چیزیں ہندوستان میں آئیں اُن کی تفصیل یہ ہے:۔

اسٹیشنری	۱۰ لاکھ ۷۶ ہزار روپے	کی۔
سنگ مرمر کی چیزیں	۶۶ " ۳ "	"
سگریٹ سگار وغیرہ	۶۱ " ۵۶ "	"
نمک	۵۶ " ۷۴ "	" کا
کتابیں	۵۳ " ۴۲ "	" کی
کھلونے	۴۷ " ۵۱ "	" کے
چینی مٹی کی چیزیں	۴۵ " ۹۰ "	" کی
صابن	۳۴ لاکھ ۲۷ ہزار روپے	کا
چھتریاں	۲۹ لاکھ ۱۸ ہزار روپے	کی
جوتے	۲۸ لاکھ ۷۸ " "	کے
گھڑیاں	۱۰ لاکھ ۱۵ ہزار روپے	کی
جواہرات	۱۰ لاکھ ۷۳ ہزار روپے	کے
دیاسلائی	۱ لاکھ ۹ ہزار روپے	کی

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں

تِجارتی دُنیا

سنہ ۱۹۳۴-۳۵ء میں ہندوستان سے باہر ۶ کروڑ ۶۰ لاکھ روپے کی ۱۴ ہزار ۴۳۲ اور سنہ ۱۹۳۵-۳۶ء میں ۶ کروڑ ۹۲ لاکھ کی ۱۳ ہزار ۵۰۹ موٹر کاریاں منگائی گئیں موٹر بس۔ موٹر لاری اور موٹر بین کی آمد ۹۹۷۳ سے گھٹ کر ۸۴۷۰ اور موٹر سائیکلوں کی تعداد ۹۴۴ سے گھٹ کر ۷۴۳ ہوگئی۔ مگر سائیکل کی آمد ۸۶۱۴۴ سے بڑھ کر ۱۳۲۵۹۰ ہوگئی (ماخوذ)

ہندوستان کے تمباکو کی برآمد (اکسپورٹ) ۴۳ لاکھ روپے سے بڑھ کر ۴۴ لاکھ تک پہنچ گئی ہے

... لاکھ روپے کی بند بوتلوں میں خوراک - ۱۱ لاکھ روپے کے پھل - پونے دو لاکھ روپے کا بناسپتی گھی - ۱۴½ لاکھ روپے کی پیٹنٹ چیزیں - ۴۵ لاکھ کا جما ہوا دودھ ۷ لاکھ روپے کا جام اور جیلی - ۷ لاکھ روپے کی چٹنی اور ۷ لاکھ روپے کا مکھن وغیرہ تھا۔

ہندوستان میں دُوسرے ملکوں سے مل ملا کر تقریباً ۱۵ کروڑ روپے کی شکر آیا کرتی تھی۔ مگر وہ اب قریب قریب آنا بند ہوگئی ہے کیونکہ وہ ہندوستانی شکر (کھانڈ) کے سامنے نہیں ٹک سکتی ہے۔ ہر سال ہندوستان میں ایک کروڑ ۵۰ لاکھ ٹن شکر خرچ ہوتی ہے۔ اور اتنی شکر پہلے سودیشی کارخانے تیار کر سکتے ہیں۔

لنکاشائر ہندوستانی روئی کو اپنا رہا ہے۔ اس سال لنکاشائر نے ہندوستان کی لمبے ریشہ کی روئی صرف ڈیڑھ فیصدی کم لی ہے۔ مگر چھوٹے ریشے کی روئی ۱۰ لاکھ ۱۰ ہزار من لی ہے۔ جبکہ پچھلے سال صرف ۸ لاکھ ۵۰ ہزار من۔ اور اس سے پچھلے سال صرف ۵۶ ہزار آٹھ سو من لی تھی۔

اس سال ہندوستان سے ۲۷ کروڑ کی سن (جوٹ) باہر گئی ہے جب کہ پچھلے سال ۲۲ کروڑ روپے کی گئی تھی۔

چائے کا لین دین کرنے والے ملکوں میں ایک سمجھوتہ ہوگیا ہے جس سے چائے کی تجارت منظم ہوگئی ہے۔ پچھلے سال ہندوستان سے ۱۸ کروڑ ۱۵ لاکھ روپے کی چائے انگلینڈ گئی تھی۔ مگر اس سال ۱۷ کروڑ ۶۸ لاکھ روپے کی ہی گئی۔

اس سال چاول کی پیداوار بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں ۶ لاکھ ۴۴ ہزار اور سنہ ۱۹۳۴ء میں ۸ لاکھ ۸ ہزار ہنڈرویٹ چاول ہندوستان سے انگلینڈ گیا تھا جب کہ سنہ ۱۹۳۵ء میں ۸ لاکھ ۷۹ ہزار ہنڈرویٹ چاول انگلینڈ بھیجا گیا ہے۔

سنہ ۱۹۳۵-۳۶ء میں حسب ذیل چیزیں ہندوستان میں آئیں

رنگ ۳ کروڑ ۳۴ لاکھ ۶۷ ہزار روپے کا۔
نقلی ریشم - ۳ کروڑ ۱۵ لاکھ ۸۷ ہزار روپے کا۔
سامان خورد و نوش ۳ " ۱۱ " " " "
کاغذ اور پوسٹ کارڈ ۲ کروڑ ۹۹ لاکھ روپے کے
اُون اور اُونی اشیا ۲ کروڑ ۷۸ لاکھ ۴۵ ہزار روپے کی۔
ریشم اور ریشمی اشیاء ۲ کروڑ ۷۷ لاکھ ۶۵ ہزار روپے کی۔
شراب ۲ کروڑ ۴۷ لاکھ ۶۰ ہزار روپے کی۔
ادویات ۲ کروڑ ۱۱ لاکھ ۱۷ ہزار روپے کی۔
ربڑ کی چیزیں ۲ کروڑ ۶ لاکھ ۸۵ ہزار روپے کی۔
اناج، دالیں، میدہ - ۱ کروڑ ۶۲ لاکھ ۷۴ ہزار روپے کا۔
مصالحہ ایک کروڑ ۶۱ لاکھ ۷۷ ہزار روپے کا
کانچ اور کانچ کا سامان ۱ کروڑ ۳۹ لاکھ ۴۰ ہزار روپے کا
پھل اور ساگ سبزی ۱ " ۳۳ " ۴۲ " "
رنگنے کی چیزیں ۱ " ۱ " ۷۷ " "

۳ کروڑ ۱۱ لاکھ روپے کی قیمت کا خورد و نوش کا جو ... آیا اس میں سے ۳۶ لاکھ روپے کے بسکٹ و کیک

سینما کی پبلسٹی

اشتہار و آگاہی عام کے فن سے فلمساز کیا اور کیسے کام لیں

(از مسٹر فلمکر، بی، اے)

ہر کاروبار کے لئے پبلسٹی یا اشتہار بازی لازمی ہے، مگر ہندوستان میں پبلسٹی بہت ہی معمولی حالت میں ہے۔ غیر ممالک میں تاجر و صناع اپنی چیزوں پر لاکھوں کروڑوں روپے کی پبلسٹی کرتے ہیں مگر ہندوستان ابھی شیر خوارگی کی حالت میں ہے بالخصوص فلموں کی پبلسٹی کے معاملہ میں تو ہندوستان کے فلمسازوں اور فلم کاروں کو ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے، سب صنعتوں سے زیادہ فلم کی صنعت کو پرو پیگنڈے، پبلسٹی کی ضرورت ہے کیونکہ مقابلہ بہت سخت ہے، آئے دن نئے نئے فلم منظر عام پر آتے رہتے ہیں اور ضرورت ہے کہ ہر فلمساز اپنے فلموں کو عوام کی نگاہ تک پہنچانے کے لئے زیادہ سے زیادہ وسیع اور موثر پبلسٹی کا انتظام کرے۔

ہمارے فلمسازوں نے اس ضروری چیز کی طرف بہت ہی کم توجہ کی ہے۔ غیر ممالک کے فلمسازوں کی پبلسٹی ہمارے لئے سبق کا باعث بن سکتی ہے اور اس اہم بات سے غفلت کرنا ملک کی اس ترقی پذیر صنعت سے ناانصافی کرنا ہوگا۔

ہندوستان کے فلمساز پبلسٹی پر بہت ہی کم روپیہ خرچ کرتے ہیں حالانکہ پبلسٹی انہیں سونے میں لدا سکتی ہے پھر پبلسٹی کے پرانے، پامال اور بیہودہ طریقے ابھی تک چلے آ رہے ہیں ان میں کوئی ترقی، جاذبیت اور جدت نہیں پیدا کی جاتی، ضرورت ہے کہ اس تمام فن کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور اس شیر خوار صنعت کا تحفظ کیا جائے۔

بازاروں، گلی کوچوں میں اشتہار بازی کرنا آنے والے فلموں کے نوٹس پہلے سے دکھانا، اخبارات و رسائل میں اشتہارات دینا سب اچھے طریقے ہیں مگر ان میں مزید کوشش ترقی اور جدت کی باقی ہے۔ جب سوچنا چاہئے، بازاروں میں اشتہار و منادی، دیواروں پر پوسٹر لگانے نہایت ضروری عناصر ہیں۔ سب سے، اخباروں میں اشتہار دینا بھی کم اہم نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا معقول طبقہ اخباروں کی طرف رجوع کرتا ہے آنے والے فلموں کے نمونے (ٹریلر) دکھانا ایک عام بات ہوگئی ہے مگر یہ ٹریلر در اصل ادھر ادھر کے ٹکڑوں کو دکھا دینے کا نام رہ گیا ہے۔ حالانکہ ضرورت اس کی ہے کہ کوئی موثر چیز ناظرین کو دکھائی جائے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے ہیبرڈ گوڈ ورن تھیٹر امریکہ کا سب سے بڑی فلمساز کمپنی کے ٹریلر کو دیکھا جو مشہور فلم "دوزخ کے فرشتے" کا آیا تھا جس میں لندن کی تباہی کا صرف ایک منظر دکھا کر سارے فلم کی نوعیت اور بھیانک خوبیاں دکھا دی گئی تھیں، ہندوستان میں پربھات والے اپنے ٹریلر دینے میں خاص کر "امرت منتھن" کا ٹریلر اچھا تھا، "نگار خانہ کے گرد" ایک اور طریقہ تھا پبلسٹی کا جس میں انہوں نے اپنے سٹوڈیو میں آنے والے فلموں کی شوٹنگ دکھائی تھی، ذرا سا نیا خیال پبلسٹی کے مضمون و مفہوم کو کہیں سے کہیں لے جاتا ہے۔

اخبارات و رسائل میں پبلسٹی سلیقہ اور ادبیت کے ساتھ کرنی چاہئے۔ مگر صرف مسلسل اور موثر اشتہارات ہی فلمساز کے لئے سودمند ثابت ہو سکتے ہیں۔

معمولی معمولی خیال سینما کی پبلسٹی کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں اس کا صحیح اندازہ لگانا بہت دشوار ہے۔ مثال کے طور پر میں دہلی کے ایک دو فلموں کی اشتہار بازی کا تذکرہ کرتا ہوں، میسرز انڈیا ٹاکیز نے "آہ کے نارموں پر مس مہتاب کے" آنے کی جو تیر اشتہار کے طور پر چھپوا کر تقسیم کی تو بقول اشتہار ایک غیر معمولی تصویر بن گئی اور اس قدر چلی کہ شاید ہی دہلی میں کوئی اور فلم چلا ہو۔ اسی طرح میسرز جگت ٹاکیز نے کاغذ کے خوبصورت پنکھوں پر "اسپرل کی دو زندگی" کا اشتہار دیا تھا۔ پربھات کے "چندر سینا" کا اشتہار قینچی سے کٹے چینی کے میش ٹرے دخاک دان) تقسیم کرکے کیا تھا۔

اسی طرح اور بہت سی مثالیں اچھی اور سلیقہ کی اشتہار بازی اور پروپیگنڈہ کی دی جا سکتی ہیں۔

لیکن سینما کی پبلسٹی صرف اسی جگہ ہی ختم نہیں ہو جاتی ہے فلمسازوں کا کام ہے کہ وہ اپنے آرٹسٹوں اور فلمسازوں کی بھی شہرت کے طریقے اور مقبولیت عام و خاص کے ذرائع اختیار کریں۔ فلمسازوں کو چاہئے کہ وہ اپنے چیدہ آرٹسٹوں کی مخصوص اسٹیشنری تیار کرکے تقسیم کریں، ان کی خط و کتابت کو بڑھائیں ان کی خود نوشتہ سوانح حیات شائع کریں، ان کی دستخطی تحریریں اور تصویریں جگہ جگہ پہونچائیں، وغیرہ وغیرہ مطلب یہ ہے کہ فلمساز اپنی تصویروں کے ساتھ ساتھ جس قدر اپنے اداکاروں کی شہرت و مقبولیت عامہ کا انتظام کریں گے اتنا ہی اُن کے لئے مفید ہوگا کیونکہ اداکاروں کی شہرت خود اُن کی تصویروں کی مقبولیت کا باعث بنیگی۔ کیونکہ یہ اکثر ہوتا ہے کہ افسانہ فلم کے موضوع سے زیادہ خود اداکار یا اداکاروں کی ہستی اور انفرادیت لوگوں کو کشاں کشاں ٹکٹ گھر کے سامنے لا کھڑا کر دیتی ہے۔

پبلسٹی کے بغیر کوئی تصویر کامیاب نہیں ہو سکتی، اور تصویروں کے لئے تو یہ از بس ضروری ہے۔ ایسی مثالیں بہت ہیں کہ اچھی پبلسٹی سے بُری تصویر چل گئی اور عمدہ پبلسٹی نہ ہونے کے باعث خاص معقول تصویریں نظر کردہ گئیں۔

پس ضرورت ہے کہ فلمساز جہاں اور چیزوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہاں سینما کی پبلسٹی کے اصول اور اس اہم پہلو کو بھی نظر انداز نہ ہونے دیں۔

ہفتہ کی اہم مختصر خبریں

— پنڈت جواہر لال نہرو کا ہوائی اسٹیشن پر پرجوش استقبال کیا گیا۔ جبکہ آپ اپنی بیٹی مسز اندرا گاندھی کے ہمراہ رنگون اور جزائر مشرق الہند کا دورہ کرنے کے لئے یہاں تشریف لائے۔ اسٹیشن کا پلیٹ فارم لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اور استقدر ہجوم تھا کہ ایک نوجوان جو کانگریس کو ہار پہنانے کی کوشش میں تھا پلیٹ فارم سے پھسل گیا جبکہ اس کی بائیں ٹانگ گاڑی کے پہیئے کے نیچے آکر کٹ گئی۔

— یہاں ایک اطلاع موصول ہوئی ہے کہ مہاتما جی عنقریب ہی تھل روانہ ہو جائیں گے جو ضلع سورت میں بمبئی سے ۱۷ میل کے فاصلہ پر ساحل سمندر پر ایک صحت افزا مقام ہے۔ سردار وبھ بھائی پٹیل بھی وہیں رہیں گے۔

— ڈھاکہ میں ڈانی اور دھوم گوڑا کے درمیان کل رات ۹ بجے اس قدر شدید آندھی آئی کہ گاڑی کے تین ڈبے ایک چوبچہ بچک اور ایک خالی ڈبہ اڑ گیا۔

— ڈیوک آف ونڈسر (سابق شاہ ایڈورڈ ہشتم) جن کی محبوبہ مسز سمپسن کی طلاق کل انتظامی طور پر مکمل قرار دی جا چکی ہے سالز برگ روانہ ہو گئے اور پیرس پہونچ گئے۔ معلوم ہوا ہے کہ مسز سمپسن سے آپ کی شادی غالباً جون کے شروع میں ہوگی۔ جس کے نزدیک ہی مسز سمپسن آجکل ٹھہری ہوئی ہیں۔

اب اس امر کا انکشاف ہو گیا ہے کہ یو۔پی میں یکم اپریل کو صوبجاتی خود مختاری نہایت ہی تشویشناک صورت حالات میں نافذ ہوئی۔ معلوم ہوا ہے کہ نواب چھتاری کی کمزور عبوری وزارت جب انڈین سول سروس اور دیگر اعلیٰ سرکاری ملازموں کی تنخواہوں میں ایک چھوٹی کوڑی کی بھی تخفیف کرنے پر ناکام رہی تو اس نے اب فیصلہ کیا ہے کہ ادنیٰ ملازموں پر جن میں چپراسی بھی شامل ہیں تخفیف کا ایک زبردست حملہ کیا جائے۔

— ہندو مہا سبھا کے ہیڈ آفس میں یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ گورنر جنرل نے ایجنٹ راجپوتانہ نے بہرور میں ہندوؤں پر پولیس کے گولی چلانے کے متعلق تحقیقات کیلئے ایک جوڈیشل کمیٹی مقرر کی ہے۔

— رنگون کے ضلع ڈیلٹا اور ساحل اراکان سے زبردست طوفان کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے ساندوی میں طوفان برپا ہوا جو علی الصبح تک جاری رہا اور اس کا زور

بڑھتا ہوا سانڈو، تبنا، ینیتو، تنگو اور دیگر مقامات تک بھی پہونچ گیا۔ مکانوں کی چھتیں اڑ گئیں، بڑے بڑے درخت جڑ سے اکھڑ گئے اور تار کے کھمبے گر گئے۔ مال سے بھری ہوئی ایک کشتی خلیج میں ڈوب گئی۔ ایک بدھ معبد مسمار ہو گیا۔ جان کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔

— پنڈت جواہر لال نہرو صدر انڈین نیشنل کانگریس کا نہایت ہی پر جوش خیر مقدم کیا گیا۔ جبکہ آپ آج صبح ۷ بجے برما کا دورہ کرنے کے لئے کلکتہ سے بذریعہ ہوائی جہاز اپنی بیٹی کماری اندرا اور اپنے سکریٹری کے ہمراہ رنگون تشریف لائے۔ سردار رگھو سنگھ صدر برما کانگریس کمیٹی نے دیگر اصحاب کے علاوہ پنڈت جی اور آپ کی پارٹی کا خیر مقدم کیا۔ اور آپ کو ہندوستانیوں کی مختلف سوسائٹیوں کے نمائندوں نے پھولوں کے ہار پہنائے۔ جہاز سے ساحل تک آپ کو ایک خاص لانچ کے ذریعہ لایا گیا۔ پنڈت جی کماری اندرا اور سردار لنگا سنگھ کو ایک خوبصورت اور آراستہ کار میں سپارکی سٹریٹ جیٹی تک لایا گیا جہاں ایک عظیم الشان اجتماع پنڈت جی کا استقبال کرنے کے لئے موجود تھا۔

— پونہ۔ سونیا ماروتی کے مندر کے سامنے ستیہ گرہ شدید اور نئی صورت اختیار کر گیا۔ جبکہ بیان کیا جاتا ہے کہ پولیس نے جلوس پر لاٹھی برسائی جو مسٹر ایل۔ بی بھوپٹکر صدر ڈیموکریٹک سوراجیہ پارٹی کے ہمراہ آج ساڑھے آٹھ بجے سونیا ماروتی کی طرف گیا۔ مسٹر جی۔ پی مہاجنی پرنسپل کنسٹر اور کئی دیگر شدید مجروح ہونے کا بیان کیا جاتا ہے۔ مسٹر پوپٹ لال ایک میونسپل کمشنر کو پولیس کے ایک سارجنٹ نے بہت بری طرح سے زد و کوب کیا۔

— سی پی اسمبلی کے ممبروں کی میٹنگ اور کانگریس کنونشن کرنے کی تیاریاں نہایت سرعت سے جاری

بہار کنونشن میں کل ۳۰۲ ممبر ہونگے جس میں صوبجاتی اسمبلی مرکزی اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ مہاکوشل صوبجاتی کانگریس کمیٹی۔ اور مہاکوشل صوبجاتی کانگریس کمیٹی ناگپور صوبجاتی کانگریس

ساگر اسٹوڈیو نیوز

لیٹی سے ممبران شامل ہونگے جن میں ممبران لیجسلیٹو کونسل ہونگے جنرل کمیٹی کے ۱۶ ممبران شامل ہوں گی مسلمان نائب صدر

ادارہ ساگر مووی ٹون ۱۰۸ فیسین سی روڈ بمبئی

بہو کو دیکھنے کیلئے ہجوم

ساگر فلم کمپنی کی فلم بہو برابر امپیریل سینما میں چل رہی ہے۔ اور ابتک لوگوں کا دیکھنے کیلئے ہجوم ہے۔ اور بمبئی کی پبلک اس کو بہت زیادہ پسند کر رہی ہے۔ سبیتا دیوی اور موتی لعل نے اداکاری کا اس فلم میں بہترین نمونہ پیش کیا ہے۔ ڈائرکٹر سروتم بادامی نے اپنی ڈائرکشن سے صرف اسٹوری کو بہترین فلم بنا دیا ہے۔ بلکہ خود وہ اسی فلم کی وجہ سے نہایت اعلیٰ پوزیشن میں آگئے ہیں۔

مسٹر بادامی نے آگے قدم بڑھا دیا

سلسلہ بہو کی کامیابی دیکھکر مسٹر بادامی نے کامیابی کی طرف ایک نیا قدم بڑھایا ہے اس وقت وہ ایک کلاسیکل اسٹوری "کوکلا" کو کامیاب بنانے میں اپنا زیادہ وقت صرف کر رہے ہیں۔ اس فلم میں ساگر کے بہترین اداکار مس سبیتا دیوی اور موتی لال کے علاوہ شوبانہ اور ایک نئی اداکارہ مایا بنرجی بھی بہت اچھا کام کر رہی ہیں۔ اس فلم کے متعلق امید کیجاتی ہے کہ ساگر کے بہترین فلموں میں اس کا شمار ہوگا۔

بمبئی میں کپتان کی آمد

ڈائرکٹر کرشن دیو کی فلم "کپتان" پیرابلنگ روم میں ہے اور عنقریب کسی سینما میں دکھائی جائیگی۔

ساگر کے شیر کی چنگھاڑ

مسٹر یعقوب کی ڈائرکشن میں فلم ساگر کا شیر مکمل ہو چکی ہے جو عنقریب بمبئی کے سوپر ٹاکیز میں پبلک کے سامنے پیش کیجائیگی۔

ساگر کے جاگیر دار کا کروفر

مسٹر محبوب نے ساگر میں پہلی ایک سوشل اسٹوری "جاگیر دار" کو مکمل کیا ہے اور ایک دوسری فلم کو بنانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

ٹیلی ویژن کیا چیز ہے؟

اگر یہ معلوم کرنا ہے تو ایک دو ہفتہ ساگر کی فلم آئڈیل میوزک میں دیکھ لیجئے کہ جس کو ڈائرکٹر وجیرن ڈائرکٹ کر رہے ہیں اور جس میں سریندر اور کرشنا کماری وغیرہ اپنی اداکاری کے جوہر دکھائیں گے۔

ڈائنامیٹ سے اڑا دینے کی کوشش

ساگر کے مشہور ڈائرکٹر لوہاری اپنی سنسنی خیز فلم "ڈائنامیٹ" کو تیار کرنے میں لگے ہوئے ہیں جن میں سریندر، شوبانہ، بیبو، پیسی اور پانڈے کی اداکاری پبلک کو اپنی طرف کھینچے بغیر نہ رہے گی۔ بمبئی کے لوگ مسٹر لوہاری کی خوفناک تیاریوں کو دیکھ رہے ہیں۔

ٹیمل کی فلمیں

مندرجہ بالا اردو فلموں کے علاوہ یہ دو فلمیں ٹیمل زبان میں بھی تیار ہو رہی ہیں۔ جو اپنی نوعیت میں اس کی بہترین نمونہ شمار کیجا سکیں گی۔ ان کے ڈائرکٹر مسٹر گوتم اور مسٹر بیلا ڈیسائی ہیں۔

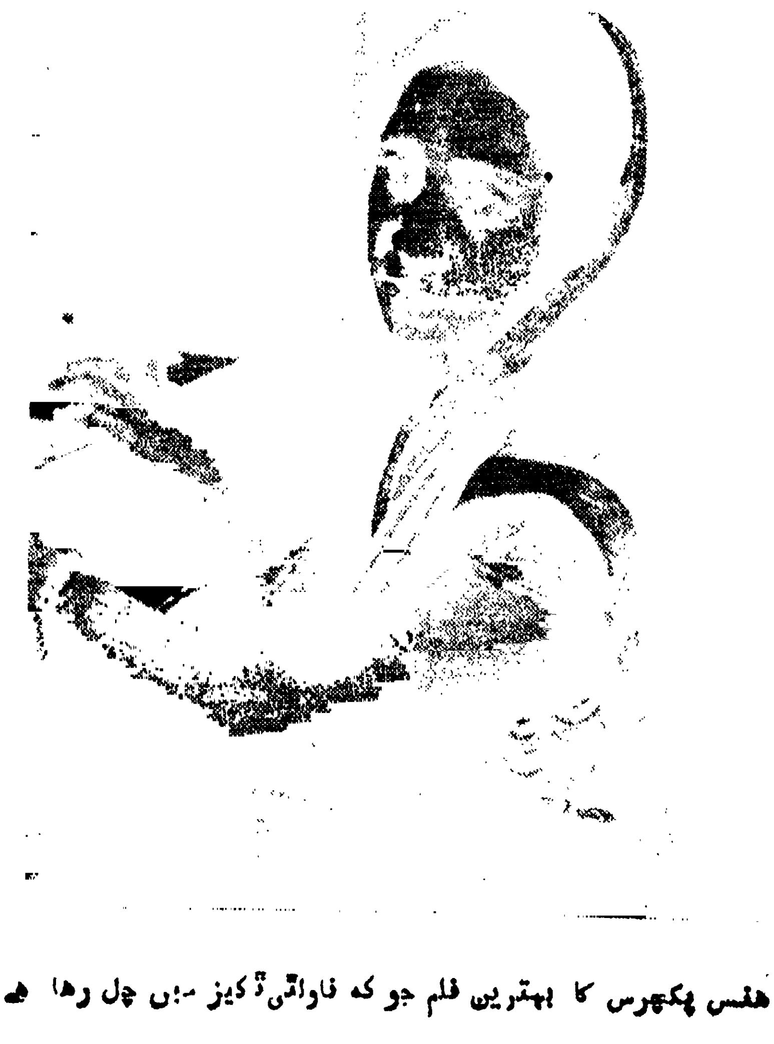


"ہری کین ہنسا" کا ایک سین جلد آنےوالا ہے



کجن "جگت موھنی"
مدن تھیٹرس کا بہترین فلم جو کہ
امپیریل سنیما میں چل رہا ہے

اندرا واڈکر "دھرم ویر یا بگلا بھگت" میں

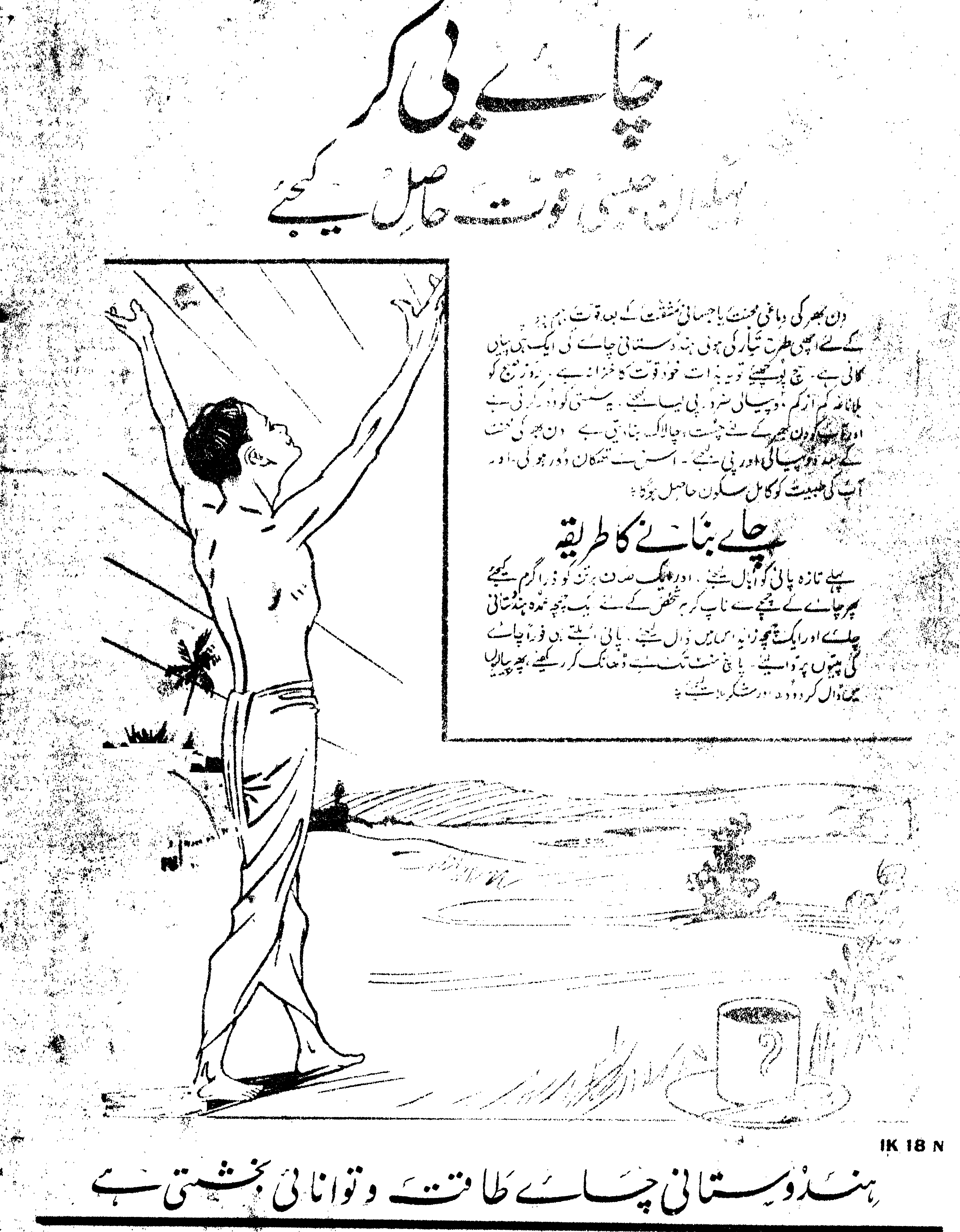


ہنس پکچرس کا بہترین فلم جو کہ ناولٹی ٹاکیز میں چل رہا ہے



"[illegible]" کا [illegible] پکچرس کا [illegible] فلم جو کہ [illegible] میں چل رہا ہے

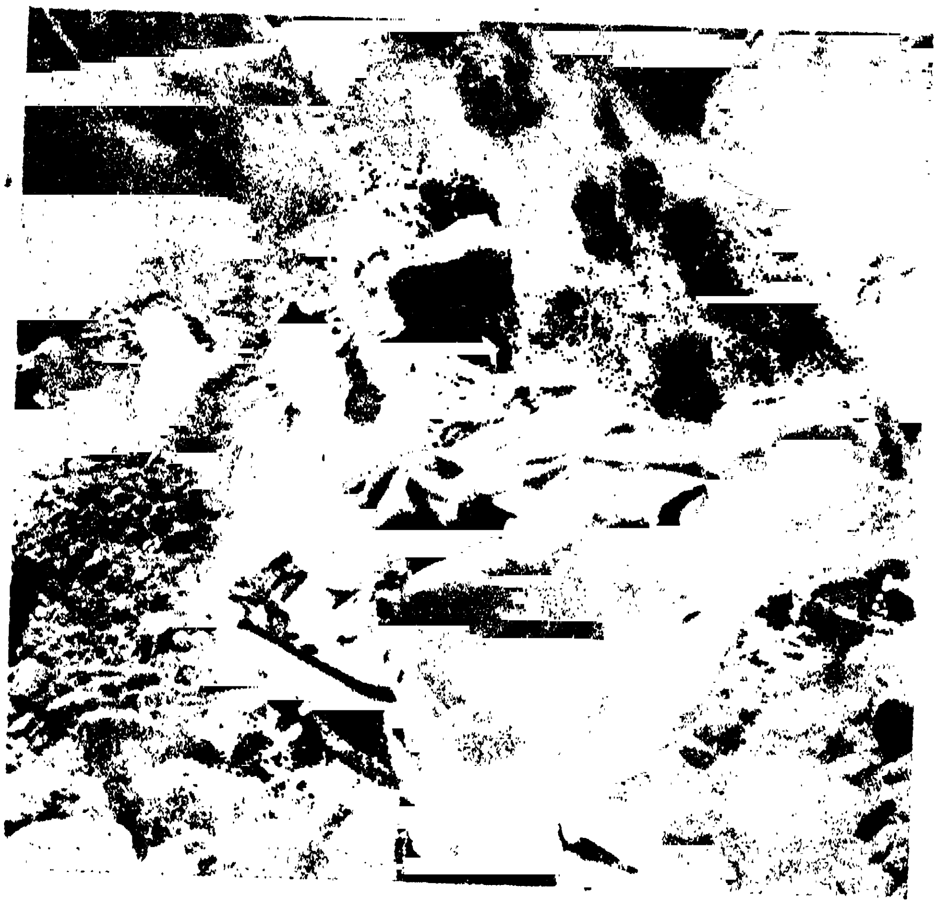
Regd. L. No. 1517



Printed and published by Dharampal Gupta at the TEJ Press, Burn Bastion Road, Delhi. [redacted]

دہلی ویکلی

ہندوستان کا بہترین باتصویر ہفتہ وار اخبار



چلد قبائلی سپاہی جو حکومت ہند کے ساتھ وزیریوں سے جنگ کر رہے ہیں



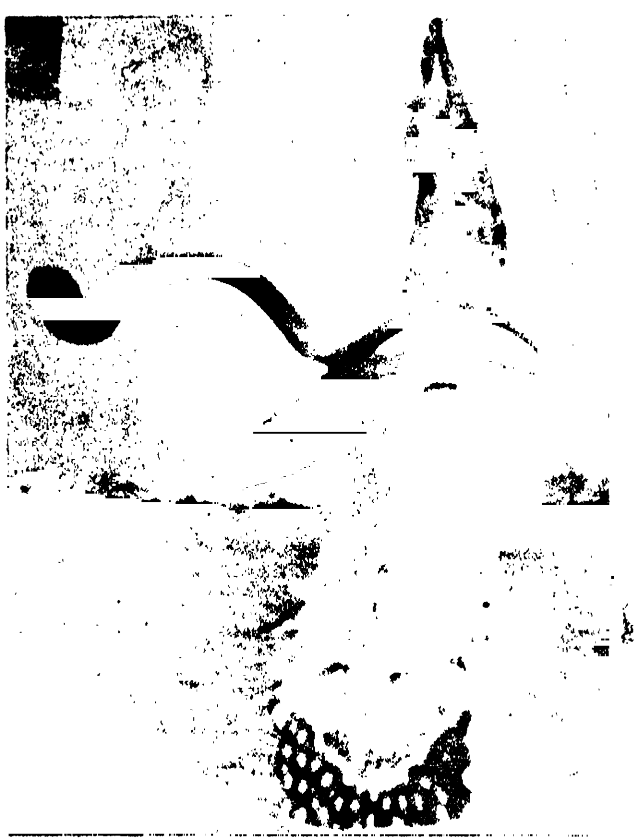
ملک معظم اپنے والد کی یادگار پر جو باشندگان ونڈسر نے قائم کی ہے
پھولوں کا ہار چڑھا رہے ہیں



لندن میں بحری عجائب خانہ کے افتتاح
کے موقعہ پر ملک معظم اپنی تقریر
براڈکاسٹ کر رہے ہیں



ہر ہٹلر ڈکٹیٹر جرمنی کے یوم پیدائش پر دو سو چالیس مسلح
ٹینکوں کا مظاہرہ کیا گیا



مشرقی افریکہ کے باشندے بہت بڑے بیلوں کے سینگ
کو سنکھ بنا کر بجاتے ہیں



خان عبدالقیوم خان بیرسٹرایٹ-لا
جو کانگریس کے ٹکٹ پر ڈاکٹر خاں
صاحب کی جگہ مرکزی اسمبلی کے بلا
مقابلہ ممبر منتخب ہوئے ہیں



نوٹ: مسٹر جناح دنیا پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے تمام مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ ہر مسلمان اب قوم پرست ہوتا جا رہا ہے اور کانگریس کی طرف رجوع کر رہا ہے۔

ہندوستان کے کانگریسی مسلمانوں کا اجتماع
مسلمانوں کو کانگریس میں لانے کی کوشش

الہ آباد ۱۵ مئی: کانگریسی مسلم ممبران اور کانگریس کی حمایت کرنے والے مسلم لیڈروں کی ایک نمائندہ میٹنگ یہاں سوا دو بجے سہ پہر خواجہ عبدالماجد بیرسٹر کی صدارت میں ہوئی۔ جن لوگوں نے میٹنگ میں شرکت کی۔ ان میں مولانا ابوالکلام آزاد۔ ڈاکٹر سید محمود ممبران کانگریس ورکنگ کمیٹی۔ خان بہادر بشیر الدین اور مسٹر سید وزیر حسن کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہندوستان کے تقریباً ۳۲ ضلعوں سے نمائندے آئے ہوئے تھے۔ پچاس سے زائد لیڈران شریک ہوئے۔ مولانا احمد سعید اور ڈاکٹر محمد عالم بھی آج یہاں آنے والے ہیں۔ مسلمانوں کو کانگریس میں شریک کرنے کے سوال پر غور کیا گیا۔ اس سوال پر بھی بحث کی گئی کہ کانگریس کے پروگرام پر کس طریقہ پر عمل کیا جائے۔ سات بجے شام تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اور اجلاس کل پر ملتوی کر دیا گیا۔ جبکہ ملک کے کئی سرکردہ لیڈران آنے والے ہیں

مولانا احمد سعید ناظم جمعیۃ العلماء ہند اور مسٹر ہلال احمد زبیری میونسپل کمشنر ایڈیٹر اخبار انصاری الہ آباد میں کانگریسی مسلمانوں کی کانفرنس میں شرکت کے لئے آج شام دہلی سے روانہ ہو گئے ہیں۔ مولانا بشیر احمد ممبر ورکنگ کمیٹی جمعیۃ العلماء بھی الہ آباد روانہ ہو گئے ہیں۔

آج کی خبریں

ہندوؤں کی گرفتاریاں
بھوپال میں ہندو کانفرنس کا شاخسانہ

بھوپال ۱۵ مئی: ہندو کانفرنس بھوپال کا شام کا اجلاس آج ماسٹر لال سنگھ کی زیر صدارت ہونے والا تھا۔ پولیس نے مندرجہ ذیل ہندوؤں کو گرفتار کر لیا۔ ماسٹر لال سنگھ بی۔ اے۔ مسٹر بھیرو پرشاد بی۔ اے۔ پنڈت چترنرائن بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ممبر کونسل۔ ڈاکٹر جمنا پرشاد مکھریا۔ اے۔ ایم۔ ایس۔ مسٹر اودھو داس مہتہ آیورویدآچاریہ۔ اس کے بعد اجلاس میں پولیس کی کارروائی کی مذمت کی گئی۔ ہندوؤں نے مکمل ہڑتال کر رکھی ہے

آزاد پارک میں عام جلسہ

دہلی ۱۶ مئی: آج شام کو سوا سات بجے آزاد پارک میں کانگریس کمیٹی کے زیر اہتمام ایک پبلک جلسہ ہوگا جس میں مولانا نورالدین صاحب بہاری اور مولانا عبدالماجد صاحب مشہور کانگریسی کارکنان کو حکومت کی جانب سے نوٹس دیئے جانے کے خلاف پروٹسٹ کیا جائے گا۔

گورنر بمبئی کا سیاہ جھنڈوں سے استقبال
متعدد کانگریسی کارکنوں کی گرفتاری

بمبئی ۱۵ مئی: بیلگام سے ایک اطلاع ملی ہے کہ گورنر صاحب بمبئی کی آمد پر یہاں ان کا کالے جھنڈوں سے استقبال کرنے کے سلسلہ میں پولیس نے چودہ کانگریسی کارکنان کو جن میں مسٹر جیون راو درے پریذیڈنٹ بیلگام تعلقہ کانگریس کمیٹی۔ مسٹر ادھیاپک سکریٹری بیلگام کانگریس کمیٹی بھی شامل ہیں گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا۔ گورنر صاحب کی واپسی کے بعد ان لوگوں کو رہا کر دیا گیا۔

لاری کا زبردست سانحہ

... ۱۶ مئی: ... فرید کوٹ ... کے ... ۲۸ آدمی اور تین ریاستی سپاہی ... کے ایک حادثہ میں زخمی ہو گئے۔ حادثہ ... پر ہوا۔

لکھنؤ میں ریڈیو سٹیشن

لکھنؤ ۱۵ مئی: لکھنؤ میں ریڈیو سٹیشن تعمیر کرنے کے جملہ انتظامات مکمل ہو گئے ہیں۔ یہاں کا سٹیشن ... کا ہوگا۔ ...

ایک گاؤں میں زبردست آتشزدگی
دو آدمی ہلاک۔ ۲۳ مکان جل گئے

لکھنؤ ۱۵ مئی: موضع منتولی ضلع فتح گڑھ میں زبردست آگ لگنے کے باعث ۲۳ مکان جل گئے۔ اور دو آدمی لقمہ اجل ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک لڑکے نے چھچھوندریاں جلانے کے لئے سوکھی گھاس سلگائی تھی۔ اس کے گھر میں آگ لگ گئی۔ اور آگ کے شعلے بلند ہو کر ہوا کی تیزی کے باعث پڑوس میں پھیل گئے۔ ... اور اس کی بیوی جو اپنا سامان بچانے کے لئے گھر میں گھس گئے تھے شعلوں سے جانبر نہ ہو سکے کئی ہزار روپیہ کے نقصان کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ ڈپٹی کمشنر ... امداد کے لئے پہنچ گئے ہیں۔

مرکزی اسمبلی کی نشست کا انتخاب
مجلس اتحاد اور کانگریس میں مقابلہ

لاہور ۱۵ مئی: مسٹر ... کے استعفے کے بعد مرکزی اسمبلی کی نشست کے انتخاب ... کانگریس اور مجلس اتحاد ملت میں مقابلہ ... آج کئی امیدواروں نے کاغذات نامزدگی داخل کئے۔ ... مولانا ... اور مسٹر عبدالعزیز (کانگریسی) ...

(باقی اگلے صفحہ پر)

میرٹھ ضلع سیاسی کانفرنس

سرکردہ لیڈروں کی شرکت

میرٹھ ۱۵ مئی۔ میرٹھ ضلع سیاسی کانفرنس کی تیاریاں زور شور سے شروع ہو رہی ہیں۔ کانفرنس کا اجلاس ۲۳ اور ۲۴ مئی کو ہوگا۔ امید ہے مسٹر رفیع احمد قدوائی سمپورنانند۔ شمبر دیال نرپاٹھی۔ سی پی گپتا آچاریہ جگل کشور۔ مسٹر شردا نیاگی۔ جگن پرشاد رودت ممبران اسمبلی۔ مسٹر منظر علی سوختہ۔ ڈاکٹر اشرف اور مسٹر یمنی چندر بی کانفرنس میں شریک ہوں گے۔ ڈاکٹر سنتیہ پال کے آنے کی بھی امید ہے (اپ)

سونیا مارو تی مندر کا ستیہ گرہ

مسٹر وشوراؤ کی گرفتاری

پونہ ۱۵ مئی۔ سونیا مارو تی مندر ستیہ گرہ نے آج شام کو ایک نئی شکل اختیار کر لی جبکہ شب کے وقت مسٹر وشوراؤ داور سے پریذیڈنٹ مہاراشٹر ورن آشرم سنگھ نے مندر میں داخل ہو کر گھنٹی بجا لی۔ آپ کو پولیس نے فوراً ہی گرفتار کر لیا۔ اور ضمانت لی گئی۔ اس وقت مندر کے باہر دو ہزار سے زائد لوگوں کا مجمع ہو گیا۔ اور بڑا جوش پھیل گیا۔ پولیس کا بڑا انتظام ہے (اپ)

شری سیٹھ جمنالال بجاج کٹک میں

کٹک ۱۵ مئی۔ شری سیٹھ جمنالال بجاج نے اس فنڈ کا افتتاح کیا جو دیہاتوں میں کانگریس کا پروپیگنڈا کرنے کے لئے والنٹیروں کی کو قائم کرنے کے واسطے کھولا گیا ہے۔ (اپ)

سونا چلا ہی جا رہا ہے

بمبئی ۱۵ مئی۔ آج ختم ہونے والے ہفتہ میں بمبئی سے ۴۰ ۶۴ ۳ ۲۳ روپیہ کا سونا غیر ممالک کو گیا۔ جب سے طلائی معیار ترک ہوا ہے اس وقت سے اب تک ہندوستان سے ۲۹۷۵۵۲۳۱۵ روپیہ کا سونا غیر ممالک کو جا چکا ہے۔ (اپ)

ٹیٹا گڑھ ملز بھی چل گئی

کلکتہ ۱۵ مئی۔ ٹیٹا گڑھ پیپر ملز کے کاریگر بھی آج کام پر چلے گئے۔ جس وقت سے کلکتہ کی دیگر ملوں کی ہڑتال کھلی ہے یہی ایک مل بند تھی۔ چنانچہ اس میں بھی آج کام شروع ہو گیا۔ (اپ)

دہلی میں گرمی

دہلی ۱۶ مئی۔ یہاں پرسوں سے گرمی خوب پڑ رہی ہے۔ اور کل شب کو بھی گرم ہوائیں چلتی رہیں۔ آج گرمی بہت زیادہ ہے۔

تازہ تجارتی سماچار

لنڈن صرافہ (لنڈن ۱۵ مئی)

چاندی حاضر فی اونس ۲۰ ۳/۸ وعدہ ۲۰ ۱/۴ پنس

بند ہوئی ۱/۱۶ مندہ

پنس۔ شلنگ۔ پونڈ

سونا ۶ ۳/۴ ۔ ۔ ۔ ۔

لیورپول منڈی (لیورپول ۱۵ مئی)

روئی اور گیہوں کا بازار بند تھا۔

نیویارک روئی (نیویارک ۱۵ مئی)

اکتوبر وعدہ کھلی ۱۲٫۵۲

امریکن سینیٹ نے ممبر نک ہیڈ کے اس اعلان پر کہ پریذیڈنٹ دوبارہ زراعت کے متعلق تو ریلیف کو نافذ کرنا چاہتے ہیں بازار میں دلچسپی تھی اکتوبر وعدہ کل کے بند بھاؤ سے ۹ پوائنٹ اونچی کھلی۔ پر تو بعد میں بازار کچھ قائم پڑ گیا پر تو بھاؤ پہلے کے لگ بھگ رہے۔

شکاگو گیہوں (شکاگو ۱۵ مئی)

دکشن پورب سے جو نساس میں نمی کی کمی کے سماچار پراپت ہوئے تھے پھر ان کا سمرتھن ہوا۔

بمبئی بند بازار (بمبئی ۱۵ مئی)

صرافہ

سٹوریوں کی بھاری بیانہ ہونے سے چاندی کا بازار رکھا ہوا تھا۔ بدیش سے بھی اچھے سماچار پراپت نہیں ہوئے۔

چاندی حاضر ۰-۱۵-۵۲ پہلا وعدہ ۰-۰-۵۳ سو تولہ

〃 دوسرا وعدہ ۰-۳-۵۲ سو تولہ

سونا حاضر ۰-۶-۳۴ پہلا وعدہ ۰-۲-۳۴ سونی تولہ

〃 دوسرا وعدہ ۰-۱-۳۴ فی تولہ

اجناس

گندم ستمبر ۹-۱۲-۵ السی ستمبر ۰-۴-۸ فی من

تل ۰-۲-۹ ارنڈی ۰-۶-۷ 〃

بنولہ ۰-۱۵-۲ مہوا ۰-۶-۶ 〃

مونگ پھلی حاضر ۶-۳-۸ خاندیش ۰-۷-۸ 〃

روئی

امریکہ سے تیزی کے سماچار پر بازار اونچا کھلا۔ اور سٹوریوں کی خرید سے بڑھے۔ بند ہونے سے پہلے آنس والوں کی بکوالی اور سونے کی طلائی سے بھاؤ گرے۔ بعد میں پھر عام بیوپاری پر ایک دم بڑھے۔

روئی بھروچ اپریل مئی ۱۹۳۷ء ۰-۸-۲۳۰ فی کنڈی

〃 جولائی اگست ۰-۲-۲۲۶ 〃

〃 اپریل مئی ۱۹۳۸ء ۰-۰-۲۲۲ 〃

〃 اوماسی ۰-۰-۲۲۲ 〃

〃 〃 جولائی ۰-۱۲-۲۲۲ 〃

〃 بنگال دسمبر جنوری ۰-۸-۲۳۰ 〃

〃 〃 مئی ۰-۰-۱۹۶ 〃

〃 〃 جولائی اگست ۰-۰-۱۸۴ 〃

〃 〃 دسمبر جنوری ۰-۸-۱۸۱ 〃

وفاق

(از شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی)

دُھومیں مچی ہوئی ہیں نظامِ وفاق کی / ہندوستاں ہنوز ظلوم و جہول ہے
اس نوحۂ خزاں کو سمجھ نویدِ گل / اک بے پناہ چوک ہے، اک سخت بھول ہے
یہ بوستانِ اہلِ سیاست کی شاخِ گل / شیطاں کے پائیں باغ کی سوکھی ببول ہے
یہ ہے نیا نکاح کہ دولھا تو ہے خموش / قاضی یہ کہہ رہا ہے کہ دل سے قبول ہے
ہشیار اہلِ ہند، کہ پھر اس زمین پر / گردوں سے ایک تازہ بلا کا نزول ہے
کہتے ہیں جس کو "دولتِ بیدار" اہلِ غرب / وہ اک متاعِ کاسد و جنسِ فضول ہے

ناداں اکڑ رہے ہیں کہ حاصل ہوا وفاق
دانا سمجھ رہے ہیں کہ اپریل فول ہے

قسمت کی بہار

(از حضرت قمر بدایونی)

(خاص صبحِ دہلی کے لئے)

کس مصیبت کا ہے موسم کس قیامت کی بہار / فصلِ گل سے دو قدم آگے ہے وحشت کی بہار
حورِ جنت کی طرح وہ ساتھ ہیں گلگشت میں / آج ہے صحنِ چمن میں باغِ جنت کی بہار
اے خدا لطفِ نظر جن کی نظر میں جرم ہے / اُن کو آنکھیں دے کہ دیکھیں تیری صنعت کی بہار
ہم خزاں سے قبل ہی کنجِ قفس میں آ گئے / چھوڑ کر صحنِ چمن میں اپنی قسمت کی بہار
فصلِ گل یا غنچہ و گل پر ہی کیا موقوف ہے / ذرے ذرے سے عیاں ہے تیری قدرت کی بہار
دیکھ کر صحنِ چمن میں آمدِ فصلِ خزاں / ہو گئی پھولوں سے رخصت رنگ و نکہت کی بہار
تو بتا ہاں اے گلِ گلزارِ خوبی تو بتا / غیر کی قسمت میں کیوں ہے میری قسمت کی بہار
سینچتے ہیں خونِ دل سے ہم نہالِ آرزو / پھولنا پھلنا ہے اس کا باغِ اُلفت کی بہار
اب کہاں خوش کن امیدیں اب کہاں ارمانِ عیش / لے گئی غم کی خزاں باغِ مسرت کی بہار
انقلابِ زندگی سے درسِ عبرت بن گئے / وہ گلِ مضموں جو تھی باغِ طبیعت کی بہار

چھٹتے ہی اس رشکِ گل کے چھا گئی غم کی خزاں
ہو گئی ختم اے قمر وہ عیش و عشرت کی بہار

درسِ آزادی

[از جناب حلیم آزاد انصاری]

اہلِ غیرت ہے تو غیرت پیش کر / مُلکی و ملّی حمیّت پیش کر
کبر و نخوت دیکھ کر یوں چپ نہ بیٹھ / اُٹھ جوابِ کبر و نخوت پیش کر
التماسِ عاجزی کے دن گئے / اب غرورِ تاب و طاقت پیش کر
عرضِ حالِ بیکسی کے دن گئے / اب وفورِ عزم و ہمّت پیش کر
عجزِ درویشانہ کی خو چھوڑ کر / بادشاہانہ جلالت پیش کر
مُلک گرمِ جنگِ آزادی ہے اُٹھ / جنگِ آزادی میں شرکت پیش کر
قوّتوں کے امتحاں کا وقت ہے / تو بھی اُٹھ اور اپنی قوّت پیش کر
دشمنوں کے سامنے بھی بار بار / جذبۂ صُلح و مودّت پیش کر
مرد کو خوف و خطر زیبا نہیں / مرد بن مردانہ خصلت پیش کر
ہر طرف بڑھ اور آزادی دِلا / ہر طرف جا اور یہ دولت پیش کر
مُلک بھر ہر مرد تیار ہے / مُلک کے آگے ضرورت پیش کر
لاکھ اقوالِ شجاعت رائیگاں / چند اعمالِ شجاعت پیش کر
داد پامردی بلا حجت نہ چاہ / کوئی پامردی پہ حجت پیش کر
جنسِ آزادی بلا قیمت نہ مانگ / جنسِ آزادی کی قیمت پیش کر

بادشاہی کی ہوس برحق، مگر
بادشاہی کی لیاقت پیش کر

سائنس کا ایک حیرت انگیز کرشمہ

ریڈیو کے ذریعہ امراض کی تشخیص اور علاج

{مسٹر ایوریٹ لاسن کے قلم سے}

شک، اشتباہ اور گمان کی حد سے نکل کر علم اب ایسی منزل تک پہنچ گیا ہے کہ جہاں اس قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی، ہر چیز کے لئے ایک ثبوت اور ہر اصول کے لئے ایک معین ضابطہ اور حقیقت موجود ہے۔ مثلاً ماورائے خورد برقی لہریں پہلے ایک گمان کی شکل میں تھیں، مگر اب حقیقت بن چکی ہیں اور انہیں انسان کے امراض کے ازالہ کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے، اس کا طریقہ بہت معمولی ہے۔

اس لہر سے انسان کے بہت سے امراض کا یا تو مکمل علاج کیا جا چکا ہے یا ان کو بڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔ مثلاً اعصابی امراض، کمر کا درد، گنٹھیا، دمہ، سانس کے امراض کھانسی، درد مفاصل، عرق النسا وغیرہ، یہ سب مرض ان برقی لہروں کے اثر کو فوراً قبول کر کے نہایت کامیابی کے ساتھ اچھے ہو جاتے ہیں، آجکل ریڈیو صرف تفریح طبع کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے مگر وہ وقت جلد قریب آ رہا ہے جب ریڈیو سے علاج الامراض کا بھی کام لیا جانے لگے گا۔

بجائے اس کے کہ آپ کسی مشہور گویئے کو گانا بٹن دبا کر سننا شروع کر دیں آپ اپنے عرق النسا کا بھی علاج کر سکتے ہیں بس ضرورت اس کی ہے کہ ایک چھوٹا سا سیاہ بکس اپنے ریڈیو کے ساتھ لگا دیں جسے ابراہم بکس کہا جاتا ہے یہ چھوٹا سا کالا بکس معجزہ دکھاتا ہے۔ اسے آپ مریض کے جسم کے ساتھ لگا دیجئے اور اسے پھر اپنے ریڈیو میں مختلف کنڈلوں کے ساتھ وابستہ و ملحق کر دیجئے، نتیجہ یہ ہوگا کہ تھوڑی ہی دیر میں برقی جنبش انسان کے جسم میں پیدا ہو جائیں گی اور فوراً تشخیص کر کے بتائیں گی کہ مرض کیا ہے، کس جگہ ہے اور پھر اسے کیونکر صحت سے بدل سکتے ہیں۔ شروع شروع میں جب یہ بکس ایجاد ہوا تو ڈاکٹروں نے اسے صبر و احتیاط کے ساتھ دیکھا، خاموشی سے کچھ عرصہ تک وہ اس کے تجربات کرتے رہے، غلطیاں کیں بہت سی خامیاں دیکھیں، اور کافی تگ و دو کے بعد بہت سے قابل ذکر حقائق اس سلسلہ میں معلوم کر لئے۔

ایک ماورائے خورد برقی لہر پیدا کرنے والا ننھا سا TRANSMITTER یا برق پاش بنایا گیا جس میں لہریں اونچی ذات کی نکلتی ہیں اور عام طور پر وہ ۲ ½ میٹر لمبائی کی ہوتی ہیں، تجربہ سے معلوم ہوا کہ انسانی امراض کے بعض جراثیم میں یہ خاص صلاحیت پائی جاتی ہے کہ وہ ان لہروں کو آسانی سے جذب اور مرکوز کر لیں، اگرچہ ہر لمبائی پر تو یہ عمل نہیں ہو سکتا مگر بعض بیماریاں ایسی ہیں کہ جن پر یہ عمل کامیابی کے ساتھ ہو جاتا ہے، مسلسل تجربہ کے بعد یہ چیز طے پا گئی کہ ہر قسم کے جراثیم کے لئے علیحدہ علیحدہ برقی لہروں کی لمبائی ہے، اور اپنی اسی بنیاد پر علاج الامراض کے لیے استعمال کرنا چاہیئے۔

پھر ان لہروں کا تجربہ بعض ایسے آدمیوں پر کیا گیا جن کی صحت بالکل درست تھی، تنومند اور صحت والے تھے، اور ان میں ایک خاص قسم کی برقی لہر کی لمبائی جذب کر دینے کی صلاحیت پائی جاتی تھی، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ان کے جسم میں جراثیم مرض داخل ہو جاتے ہیں تو ایک خاص قسم کی برقی لہر جو ان کے جسم میں ہوتی تھی غائب ہو کر جراثیم کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اگر اس لہر کو زیادہ داخل کیا جائے تو وہ پھر جسم میں کام دینے لگتی ہے، جب کوئی مرض دریافت ہو جاتا ہے تو ڈاکٹر برقی سرعت کے ساتھ اس کے جراثیم کی لہر کی لمبائی معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ فوراً اس کا تدارک کیا جا سکے، اور اسے خورد لہروں کے ساتھ ان آلہ کو وابستہ کر دینے سے بہترین نتائج حاصل ہوتے ہیں اور ان مشین کے ذریعہ تشخیص امراض میں ہم نے نہایت کامیابی کے ساتھ مسرت بخش نتائج حاصل کئے جا چکے ہیں۔

اب ماہرین اس کوشش میں ہیں کہ اس مشین کو مکمل کریں، یہ مشین ایک عام ریڈیو (وائرلیس سیٹ) کی مانند ہوگی جس میں مختلف بٹن ہوں گے، گھنٹیاں ہوں گی اور جراثیم کی تشخیص کرنے والی ہینڈلیں ڈائل کے ساتھ لگی ہوئی ہوں گی، ڈاکٹر کو آپ سے سوال کرنے اور مرض کی کیفیت پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی، ریڈیو سیٹ چلایا اور مرض کی کیفیت معلوم ہونی شروع ہو گئی، ابتدا میں تو کم از کم ڈاکٹر کو مریض سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہے گی، بس ڈاکٹر کا تو یہ کام ہوگا کہ اس نے برقی آلہ کے بٹن کو دبایا اور جراثیم کی نوعیت معلوم کر لی اور وہ مخصوص برقی لہر معلوم کر لی جو اس مرض کی صحیح تشخیص میں مدد دے، اس لہر کی لمبائی سے مخصوص جراثیم کا وہ حلقہ معلوم ہو جاتا ہے جس کو ڈاکٹر آسانی سے علاج کی زد میں لا سکتے ہیں!

بعض صورتیں ایسی آتی ہیں کہ برقی لہر کی لمبائی جراثیم کی بہت تر بہی تشخیص بتا کر رہ جاتی ہیں اور ایسی حالت میں ڈاکٹر شک میں رہتے ہیں کہ کن جراثیم کے حلقہ کا مرض ہے، مگر اس مشکل کو حل کرنے کے لئے بھی تدابیر سوچی گئی ہیں اور حال ہی میں بازار میں ایسے "برق پاش" آلات آ گئے ہیں جو ان معائب سے بڑی حد تک پاک ہیں۔

صرف تشخیص امراض کے لئے ہی نہیں بلکہ ادویہ و قیمتی ... کے لئے بھی بے تار برقی کے آلہ کو استعمال کیا جا سکتا ہے، اس آلہ میں ایسی پوشیدہ طاقت مضمر ہے کہ نہایت سخت درد اور خراب امراض میں لہر کی لمبائی استعمال کرتے ہیں فوراً آرام محسوس ہونے لگتا ہے۔

نظامِ شمسی

از مسٹر ستیندر ناتھ گھوشال

نظامِ شمسی سے ہماری مراد وہ سب کے سب سیارے ہیں جو اپنے اپنے چاندوں کے ساتھ آفتاب کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں اس سسٹم یا سیاروں کے اجتماع اور حرکت و عمل کو اگر ہمارا نظامِ شمسی کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کیونکہ فضائے بسیط میں صرف یہی ایک نظامِ شمسی نہیں ہے بلکہ ایسے ایسے سینکڑوں ہزاروں اور معلوم نہیں کتنے نظامِ شمسی موجود ہیں جن میں یہی عمل جاری ہے کہ متعدد سیارے اپنے آفتاب کے چاروں طرف گھوم رہے ہیں

جس نظامِ شمسی میں ہماری زمین ایک سیارے کی حیثیت رکھتی ہے، اس کی ساخت و ترتیب کا پتہ پہلے پہل گیلیلو نے لگایا تھا۔ پراچین ہندوستان اور یونان کے لوگ بھی علم نجوم کے بہت بڑے ماہر تھے اور ان کو اس نظامِ شمسی کے متعلق بہت کچھ علم حاصل ہو چکا تھا، لیکن وہ سیاروں اور ستاروں میں کوئی فرق نہیں جانتے تھے،

ہمارے آفتاب کا گھرانا اس وقت نو سیاروں پر مشتمل سمجھا جاتا ہے۔ آفتاب سے قریب چار چھوٹے چھوٹے سیارے ہیں، عطارد، زہرہ، زمین اور مریخ۔ یہ چاروں سیارے قدیم زمانے کے ہندو ماہرین نجوم کو بھی معلوم تھے۔ ان سیاروں سے بہت زیادہ فاصلہ پر دوسرے چار سیارے ہیں یعنی مشتری (جوپیٹر) زحل (سیٹرن) یورینس اور نیپٹون۔ ان چاروں میں سے صرف پہلے دو سیارے قدیم ہندو اہل نجوم کو معلوم تھے۔ ان سے بہت پرے اسی نظامِ شمسی سے متعلق اب ایک نیا سیارہ مارچ ۱۹۳۰ء میں امریکہ کی رصدگاہ لاول کی دوربین کے ذریعہ دریافت کیا گیا ہے جس کا نام پلوٹو رکھا گیا ہے۔

عطارد (مرکری) آفتاب سے قریب ترین ہے اس کے بعد زہرہ (وینس) ہے، یہ دونوں سیارے بعض ایام میں صبح سے پہلے یا شام کے بعد دیکھے جاتے ہیں، قدیم یونانیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہی سیارے صبح اور شام دونوں وقت دیکھے جا سکتے ہیں اس لئے انہوں نے دونوں کو الگ الگ نام دے رکھا تھا۔ مریخ، زہرہ اور عطارد زمین کے چھوٹے سیارے ہیں۔ مریخ کے محور سے پرے جب ہم فضا میں بہت دور آگے بڑھتے ہیں تو ہمیں بڑے سیاروں میں سے پہلا سیارہ مشتری (جوپیٹر) ملتا ہے۔ لیکن فضا کا یہ درمیانی حصہ بالکل خالی نہیں ہے اس میں ہزاروں بہت ہی چھوٹے چھوٹے سیارے اپنے اپنے محوروں پر چکر لگاتے رہتے ہیں ان کو "ایسٹرائڈ" کا مجموعی نام دے دیا گیا ہے۔ (نقشہ دیکھئے) جوپیٹر کا قطر ۰۰۰ر۹۰ میل ہے جو زمین کے قطر سے گیارہ گنا زیادہ ہے۔ اس کی جسامت کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ ہماری زمین کے برابر ایک ہزار چار سو زمینیں اس کے اندر رکھ دی جا سکتی ہیں اور پھر بھی کسی قدر جگہ خالی رہے گی۔

جوپیٹر کے بعد زحل (سیٹرن) ہے جس کا قطر ۰۰۰ر۷۰ میل ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر یورینس اور اس سے بھی پرے نیپٹون ہے، یہ دونوں سیارے بھی زمین سے بڑے ہیں اور دونوں کا قطر تقریباً ۰۰۰ر۳۰ میل ہے آخری سیارہ پلوٹو ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے پلوٹو ہمارے نظامِ شمسی کا نیا سیارہ ہے اور چونکہ اس کے حالات ابھی تک زیرِ مطالعہ ہیں اس لئے اس کی جسامت وغیرہ ابھی معلوم نہیں ہے تاہم اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ زمین سے چھوٹا ہے۔

نظامِ عالم کے متعلق دو حقیقتیں بہت زیادہ واضح ہیں ایک تو یہ اس کی انتہا کہیں نہیں ملتی۔ نظامِ شمسی ہی کو لیجئے، تو نواں سیارہ پلوٹو کہیں آفتاب سے سب سے زیادہ دور ہے لیکن یہ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ نظامِ شمسی یہیں پر ختم ہے، دوسری حقیقت یہ ہے کہ عالم کائنات کی تمام چیزیں حرکت کر رہی ہیں کوئی شے ساکن نہیں ہے، جیسے ہم، یہ زمین جس پر ہم رہتے ہیں، نظامِ شمسی کے باقی تمام سیارے، خود آفتاب اور وہ تمام ستارے جو ہمیں دکھائی دیتے ہیں سب کے سب حرکت کر رہے ہیں۔

ایک زمانہ ایسا بھی تھا جب لوگ جانتے تھے کہ بعض سیارے ساکن ہیں اسی سے ثابت و سیارے کے الفاظ وجود میں آئے تھے (یعنی غیر متحرک اور متحرک سیارے) لیکن اب جدید ترین تحقیقات نے ہمیں بتلا دیا کہ ساکن ستارے کہیں نہیں، آسمانوں میں جتنے ستارے بھی ہم دیکھتے ہیں سب کسی نہ کسی صورت میں حرکت کرتے رہتے ہیں اور ان کی حرکت ایسی ہے جو ازل سے شروع ہوئی ہے اور ابد تک جاری رہے گی،

لیکن خود ہمارے نظامِ شمسی کے سیاروں کی رفتار اور حرکت ہمارے لئے زیادہ واضح اور یقینی ہے، اس لئے کہ ہم ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور ان سے قریب ہیں،

گزشتہ مارچ کے وسط میں ہم جو سب سے زیادہ روشن ستارہ آسمانی فضا میں دیکھتے تھے وہ زہرہ سیارہ تھا۔ جو ہمیں غروب آفتاب کے بعد نئے چاند کے پہلو میں دکھائی دیتا تھا چند دنوں کے بعد اس کی روشنی رفتہ رفتہ کم ہونے لگی، اس کا سبب یہ تھا کہ یہ آفتاب سے قریب تر ہوتا گیا۔ ہفتہ دو ہفتہ بعد یہ ہماری نظروں سے بالکل غائب ہو گیا۔

لیکن مئی کی ابتدا میں یہ پھر ظاہر ہو رہا ہے، اس زمانے میں یہ آفتاب کی دوسری سمت پر ہو جاتا ہے، اس لئے اس کو طلوعِ آفتاب سے فوراً ہی پہلے علی الصباح دیکھ سکتے ہیں آجکل یہ روشن سیارہ زہرہ اپنی تمام پُر نور جلوہ آرائیوں کے ساتھ روزانہ صبح کو پہلے دکھائی دیتا ہے اور آفتاب کی شعاعوں کے ظاہر ہونے سے پہلے غائب ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صرف چند ہفتوں کی مختصر مدت میں زہرہ (وینس) جو شام کا ستارہ تھا، صبح کا ستارہ بن جاتا ہے۔ اس کی یہ رفتار ہماری آنکھوں کے سامنے ہے یہ آفتاب کے چاروں طرف بھی گردش کرتا رہتا ہے۔ جب یہ زمین سے قریب ترین رہتا ہے تو اس کی صورت ہمیں نئے چاند کی سی دکھائی دیتی ہے لیکن جب بہت زیادہ دور ہو جاتا ہے تو اس کا دائرہ مکمل نظر آنے لگتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ جب یہ بہت قریب ہوتا ہے تو زمین سے اس کا فاصلہ ۰۰۰ر۰۰۰ر۲۶ میل ہوتا ہے لیکن جب بہت دور ہو کر یہ نور کا ایک مکمل دائرہ نظر آنے لگتا ہے تو زمین سے اس کا فاصلہ ۰۰۰ر۰۰۰ر۔۔۔ میل ہوتا ہے

جن ستاروں کو اگلے ماہرین نجوم ساکن یا ثابت ستارے کہتے تھے، ان کی حرکت دیکھنے میں نہیں آتی، اسی لئے ان کو غیر متحرک سمجھ لیا گیا تھا مگر زمین جب اپنے محور پر گھومتی ہے تو قطب ستارے کے چاروں طرف وہ ستارے بھی راتوں کو حرکت کرتے نظر آتے ہیں، مگر یہ حرکت ویسی ہی ہے جیسے چلتی ہوئی ریل گاڑی میں ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں طرف کے مکانات اور درخت مخالف سمت کو بھاگے جا رہے ہیں۔ ان ستاروں کی اصلی حرکت زمین سے ہمیں دکھائی نہیں دیتی، لیکن جیسا کہ گلیلیو نے کہا تھا، ہم چاہے دیکھیں یا نہ دیکھیں وہ ہر حال میں گھوم رہے ہیں۔

مثال کے طور پر ان ستاروں کو لیجئے جو کہکشاں (MILKY WAY) کے جھرمٹ میں واقع ہیں۔ ستاروں کا یہ عظیم الشان جھرمٹ ایک مشترکہ محور پر ہر وقت بالکل اسی طرح گھومتا رہتا ہے جیسے نظامِ شمسی کے سیارے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں۔ لیکن ان ستاروں کی گردش ان کے فاصلہ کے باعث ہمیں نظر نہیں آتی، ہمارا آفتاب بھی اتنے فاصلہ پر اسی طرح کے نام نہادی ساکن اور ثابت ستاروں کی فہرست میں ہے، لیکن وہ ہر وقت چار سو بیس میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے کہکشاں کے دوسرے ستارے فضائے آسمانی میں ایک دلکش منظر پیدا کرتے ہیں اور روشنی کی ایک دلکش پٹی کی طرح پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں

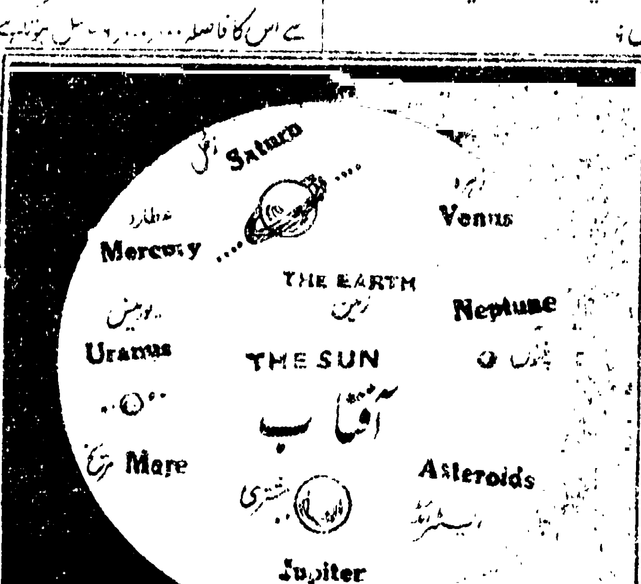
ماؤنٹ ولسن میں ایک سو انچ قطر کا شیشہ رکھنے والا جو ٹیلسکوپ ہے اس کے ذریعہ یہ معلوم کیا جا چکا ہے کہ ہمارے کہکشاں کی طرح ستاروں کے ہزاروں جھرمٹ موجود ہیں، اور یہ سب بجائے خود ایک طرح کے فضائی جزیرے ہیں جو تمام فضائے آسمانی میں تقریباً برابر کے فاصلوں پر پھیلے ہوئے ہیں، اور ہمارے نظامِ شمسی کے مانند سب کے سب مسلسل گردش کر رہے ہیں) اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ یہ ستارے روز بروز ہم سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ ہمارے آفتاب سے ان کا فاصلہ بڑھتا چلا جاتا ہے،

سب سے زیادہ فاصلہ جن کی پیمائش ماہرین نجوم نے اب تک کی ہے وہ ۰۰۰ر۰۰۰ر۔۔۔ روشنی کا سال ہے اور یہ وہ مقدار ہے جو سمجھ میں تو آ جاتی ہے لیکن انسانی تخیل تصور میں نہیں آتی، جو ستارے ہم سے اس قدر دور ہیں ان کے متعلق یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ چار ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہم سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں،

یہ ساری کائنات جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور آنکھوں سے اوجھل ہے ہر وقت حرکت میں ہے کسی ستارے کو قرار نہیں ہے لیکن ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک اور ایک جھرمٹ سے دوسرے جھرمٹ تک فاصلات اتنے زیادہ ہیں کہ ہم ان کی حرکت نہیں دیکھ سکتے۔ یہ سب کے سب ستارے کہاں جا رہے ہیں یہ کسی کو معلوم نہیں، بڑی سے بڑی دوربین بھی ہمیں ان کے منزل مقصود کا کوئی پتہ نہیں بتلا سکتی۔

اس مضمون میں نظامِ شمسی کی بہت ہی مختصر سی حالت بیان کی گئی ہے۔ لیکن یہ وہ پُر اسرار عالم ہے کہ اس پر ہزاروں جلدیں لکھی جا چکی ہیں، جب بھی ہماری معلومات مختصر سے دائرہ سے آگے نہیں بڑھ سکتیں، ہم نے اس تذکرہ میں زمین سے نکل کر عطارد (مرکری) سے اپنا سفر شروع کیا تھا، یہ سیارہ آفتاب سے قریب ترین ہے، اس کے بعد ہم نے آخری سیارے یعنی پلوٹو پر اپنا خیالی سفر ختم کر دیا۔ اس سے پرے ایک عالم کے بعد دوسرا عالم ہے، اور اس طرح کے ہزاروں اور لاکھوں عالم ایک غیر محدود فضا میں موجود ہیں سائنس صرف اتنا ہی کر سکتا ہے کہ اپنے معینہ اصولوں کے مطابق ان کے حالات بیان کرے۔ باقی پرماتما ہی کو معلوم ہے،

(اس مضمون کے ساتھ جو تصویر ہے اس میں سورج اور دوسرے سیاروں کی جسامت کا تناسب دکھلایا گیا ہے)



آفتاب اور سیارے

فیڈریشن اور مسلمان

خاص ترجمان دہلی کیلئے　از جناب صہبائی بی۔ اے (آنرز)　خاص ترجمان دہلی کیلئے

اس وقت ہندوستان جن نازک سیاسی دور سے گزر رہا ہے وہ ہندوستانی قوم کی تاریخ میں بڑا ہی تلخ اور عبرتناک تجربہ کہا جاتا ہے کانگریس نے ان صوبوں میں جہاں اس کی اکثریت ہے ہوزوروں کے اندر اس کے بغیر وزارتیں مرتب نہ کرکے ملک کی خودداری اور متانت کی بہانی رکھی ہے برطانوی حکومت اپنے "پرسٹیج" اور آن کی خاطر... ملک کی اصلی ضروریات حقیقی ... کے سب سے پہلے تو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ... ملی جو اس کے سر پر نازل کی گئی اور سب قسم وعدہ اساسات سے پوری کرکے قانونی موشگافیاں حیلہ یا بہانہ گناہ بنائی گئی ہیں اور اس طرح برطانوی مدبر یا سیاست اس کی کوشش کر رہے ہیں کہ ہندوستان ایک طوفان سیاسی میں گھر جائے۔

ملک کی موجودہ عام حالت کے پیش نظر تو یہ پیشین گوئی کرنا کہ کیا ہوگا بڑا ہی دشوار ہے ممکن ہے گورنمنٹ مان جائے اور کانگریس وزارتیں قبول کرلے، ممکن ہے کہ برطانوی حکومت اپنی بیجا ضد پر قائم رہے اور عارضی وزارتیں حلقہ رائے دہندگان کو بڑی بڑی امیدیں دلا کر کانگریس کا اثر زائل کرنے کی کوششیں جاری کرتی رہیں لیکن چھ ماہ کے بعد ان عارضی وزراء کو نکال باہر کیا جائے، مجالس قانون ساز کو ختم کر دیا جائے اور نیا انتخاب عمل میں آئے، یہ بھی ممکن ہے کہ گورنر مجالس قانون ساز کو شکست کر دینے کے بعد بادشاہ کی حکومت کو چلانے کی ذمہ داری خود لینے کا اعلان کر لیں، ایسی صورت میں اس کا امکان ہے کہ ملک میں برطانوی حکومت کی جانب سے ایک عام بے اطمینانی پیدا ہو جائے بہرکیف نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ کیا ہوگا!

فیڈریشن کی حیثیت!

لیکن حیثیت بالائے حیثیت جو ملک کے پیش نظر ہے وہ فیڈریشن یا مرکزی وفاقی نظام ہے جس کو نافذ کرنے کی پوری پوری تیاری کی جا رہی ہے، ساری دنیا کا قاعدہ تو یہ ہے کہ ملک کا مرکزی نظام نہایت مستحکم اور استوار ہوتا ہے لیکن ہندوستان میں اس کے برعکس فیڈرل نظام کو انتہائی رجعت پسندانہ، نہایت ہی غیر ذمہ دار بنا دیا گیا ہے، فیڈریشن کی نوعیت یا اس کے معائب کی تفصیلی کیفیت کا اظہار یہاں میرا مقصود نہیں ہے کیونکہ یہ ضرورت سے زیادہ تنقید و تبصرہ کیا جا چکا ہے، میں تو صرف موضوع کے اس پہلو پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں نے فیڈریشن میں ترقی پسند جماعت کا ساتھ نہیں دیا تو یقیناً وہ ایسی نام نہاد رجعت پسند مرکزی نظام کو عملاً ختم نہ کر سکیں گے جس کو خود مسٹر جناح کی تجویز پر ہندو اور مسلمان آل انڈیا لیجسلیٹو اسمبلی میں ناقابل قبول اور غیر ذمہ دار نظام قرار دے چکے ہیں!

اصل بات یہ ہے کہ گورنر جنرل کے تحفظات خصوصی سے اجو کسی فیڈرل آئین میں بطور مثال بھی نہیں مل سکتے) قطع نظر کرکے بھی اگر دیکھا جائے تو موجودہ فیڈرل عناصر کی ہیئت ترکیبی کچھ ایسی رکھی گئی ہے کہ اگر رجعت پسند ریاستی عنصر کو نظر انداز کر کے رجعت پسند برطانوی امپیریلزم کے ہاتھ مضبوط کرنے کا ذمہ دار رہا ہے اور جو والیان ریاست کے مخصوص مفاد کے ماتحت نہیں کام نہ کردہ ہوگا) بقیہ تمام عناصر متحد نہ ہو جائیں تو فیڈریشن میں نمائندگان عوام کو ہمیشہ ناکامی سے دو چار ہونا پڑے گا اور اس کی سب سے بڑی اور تنہا ذمہ داری صرف مسلمانوں کے کاندھوں پر ہوگی اور یہ سمجھا جائے گا کہ مسلمان نہ تو آزادی کے خواہاں ہیں کہ آزادی پسند جماعت کی امداد و حمایت ضروری سمجھتے ہیں اس کے برعکس وہ برطانوی امپیریلزم کے دست ہیں اور ملک کی راہ آزادی میں ایک سنگ گراں بن گئے ہیں بلکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ جس فیڈریشن کو وہ ناقابل قبول قرار دے چکے تھے اب ان کے لئے قابل قبول بن گیا ہے

فیڈرل کی اجزائے ترکیبی!

فیڈریشن یا مرکزی ایوانات کے اجزائے ترکیبی ظاہر کرنے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ وارانہ فیصلہ کی بنیاد پر مسلم نشستوں کے تناسب کو بھی ظاہر کر دیا جائے، فیڈریشن کے ہر دو ایوانات میں مسلم نشستوں کا تناسب ۳۳ فی صدی رکھا گیا ہے، ایوان عام میں کل ۳۷۵ نشستیں ہوں گی، جن میں سے ۱۲۵ ریاستی نمائندوں کے لئے وقف ہیں جو یقیناً حکومت کا ساتھ دیں گے اور ترقی پسند جماعت کی مخالفت کیا کریں گے، بقیہ ۲۵۰ نشستوں میں سے ۸۲ مسلمانوں کے لئے اور باقی عام نشستیں ہوں گی۔

ایوان بالا یا فیڈرل اسٹیٹ کونسل میں کل ۲۶۰ نشستیں ہیں جن میں سے ۱۰۴ ریاستی نمائندوں کے لئے ۴۹ مسلمانوں کے لئے اور بقیہ عام نشستوں کے لئے وقف ہوں گی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر مسلمانوں نے فیڈریشن کی مخالف عام جماعت کا ساتھ نہیں دیا تو اس کی مخالفت کے باوجود بھی ریاستی نمائندوں اور مسلمانوں کا مذموم اور غیر مبارک اتحاد حکومت کی حمایت کے مسئلہ پر حکومت کی حامی اکثریت بنا دینے میں کامیاب ہو جائے گا اور ہندوستان اپنی قسمت پر ماتم کرتا رہے گا۔

یقیناً یہ طرہ اس کا مقتضی ہے کہ کانگریس مسلم عوام سے زیادہ سے زیادہ رابطہ پیدا کرے اور موجودہ سیاسی حالات میں بغیر عہد کی قبولیت کئے ہوئے اس سیاسی منزل تک قریب ہو جائے۔

تیج ویکلی

۱۰ مئی ۱۹۳۷ء

اقلیت کا مطالبہ

اگر کانگریس کے بنیادی اصول کے منافی ہو؟

میر سودہ کہتا ہے ہنس کر، عشق میاں کچھ کھیل نہیں — بیٹوں ہنس ہوا، تو بہی سقط، بیٹا منبر امیبل نہیں

کانگریس کے جنرل سیکرٹری آچاریہ کرپلانی نے اپنے نام نہاد قوم پرست مسلم بھائیوں کی طرف سے نہایت مناسب موقعہ پر یہ ضروری فرض ادا کردیا ہے کہ اقلیت کے مطالبہ کے سلسلہ میں کانگریس کی پوزیشن کو واضح کرتے ہوئے مسٹر جناح کو صاف صاف بتلا دیا کہ جب تم یا تمہاری نام نہاد مسلم لیگ کانگریس کے بنیادی اصول ہی سے اختلاف رکھتی ہے تو تمہاری پیش کردہ شرائط پر سمجھوتہ کرنا کانگریس کے لئے ممکن ہی نہیں ہے اور نہ کانگریس بھی اس کے لئے تیار ہو سکتی ہے کہ اقلیت والی جماعت کے الٹے سیدھے مطالبات کو تسلیم کرکے اس کے اتحاد عمل کو خریدا کرے۔ اس طرز عمل کی تعبیر آزادی کی طلب اور وطن پرستی کے جذبہ سے نہیں کی جا سکتی، بلکہ یہ تو بازاری سوداگری یا خرید و فروخت کا طریقہ ہو جائے گا اور بالفرض اگر کانگریس مسٹر جناح اور ان کی مردہ لیگ کو اپنے اندر شامل کرنا بھی چاہے تو مسٹر جناح نے اس سودے کی جو قیمت لگائی ہے وہ اس قدر بیش قیمت ہے کہ کانگریس کو اپنے تمام بنیادی اصولوں کو خیرباد کہہ دینا اور جنگ آزادی کی کتاب کو ہمیشہ کے لئے بند کرکے طاق نسیاں پر رکھ دینا پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ کانگریس ایسا نہیں کر سکتی اور اس نے اتنی قربانیاں اس لئے نہیں کی ہیں کہ ایک شخص کے مطالبہ پر (اور وہ بھی ایسا شخص جس کی ذات سے ایثار و قربانی کی کوئی روایت وابستہ نہیں ہے) اپنے تمام زریں کارناموں کو تہ و بالا کر دے۔

یہ ایک چھوٹی سی بات ہے کہ جب دو پارٹیوں کے خیالات و مقاصد میں بنیادی اصول ہی پر اختلاف ہو تو ان میں میل نہیں ہو سکتا۔ کانگریس سے مسٹر جناح کا مطالبہ کیا ہے؟ مسٹر جناح مشہور چودہ نکات کے بانی ہیں۔ ہم ان کا یہاں پر اعادہ کرنا نہیں چاہتے۔ آچاریہ کرپلانی کا خیال ہے کہ چونکہ مسٹر جناح اب تک کوئی پندرھواں نکتہ نہیں سوجھا ہے اس لئے ان کے مزید فرقہ وارانہ مطالبات مبہم اور غیر معین ہیں لیکن ایک نکتہ ہے جس کو مسٹر جناح نے صاف طور پر ظاہر کر دیا ہے اور وہ نکتہ کانگریس اور نام نہاد مسلم لیگ کے بنیادی اختلاف سے متعلق ہے۔ مسلم لیگ چاہتی ہے کہ وہ جدید آئین کو جس قانون بھی ہو چلائے اور اس پر عمل کرے۔ کانگریس کا کھلے لفظوں میں اعلان موجود ہے کہ وہ جدید آئین کو کسی صورت میں بھی تسلیم کرنا نہیں چاہتی۔ وہ اس کے چلانے کی مخالف ہے اور اس کو کالعدم کروانا چاہتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس "نکتہ" کو بھی مسلم اقلیت کا ایک مزید مطالبہ سمجھ کر چودہ نکات کی فہرست میں داخل کر لیا جائے؟ آچاریہ کرپلانی کہتے ہیں کہ اگر یہ بھی اقلیت کا ایک مطالبہ ہے (جو کانگریس کے بنیادی اصول ہی کے منافی ہے) تو کانگریس لیگ اشتراک و اتحاد کے لئے مسٹر جناح کی یہ شرط کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہے؟ اس سے تو سیاسی اور قومی نصب العین ہی کا خاتمہ ہو جائے گا اور آزادی کی جد و جہد تباہ و برباد ہو جائے گی۔ مسٹر جناح کے اس پندرھویں نکتے کا حل خود انہیں کے فرشتوں کو معلوم ہوگا لیکن ہمیں مسرت اس بات پر ہے کہ عام مسلمانوں نے فرقہ پرست لیڈروں کی چالوں کو سمجھ لیا ہے اور ان کے جدید رویہ سے یہ ظاہر ہے کہ وہ مسٹر جناح کی لیڈری کو نہ صرف یہ کہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ اپنے اقتصادی اور معاشی مفاد کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں اور ان کی بڑی تعداد قومی جد و جہد میں شریک ہونے کے لئے تیار اور بے چین ہے۔ مسٹر جناح کسی حالت میں بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ پوری مسلم جماعت کے نمائندہ ہیں غالباً اب وہ صرف اپنے اور تقریباً نصف درجن فرقہ پرست لیڈروں کے نمائندہ ہیں۔

کانگریس کے بنیادی اصولوں کے خلاف اگر اقلیتوں کے مطالبات کی رفتار یہی رہی تو یہ سلسلہ قیامت تک ختم نہیں ہو سکتا۔ آچاریہ کرپلانی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ آج تو مسلم لیگ ہے، کل کو کسی دوسری اقلیت کی لیگ اگر یہ کہے کہ کانگریس اپنے عدم تشدد کے بنیادی اصول کو ترک کر دے اور پرسوں اگر اینگلو انڈین جماعت یہ مطالبہ کرے کہ کانگریس امپیریلزم اور موجودہ طرز حکومت کے خلاف اپنی جد و جہد ہی کو ملتوی کر دے تو کیا ان اقلیتوں کا اتحاد عمل خریدنے کے لئے کانگریس اپنے مقررہ اصول، اپنے نصب العین، اپنے مقصد اور اپنے آدرش کو بالکل چھوڑ دے گی اور اپنے دفتر کا دروازہ بند کرکے بیٹھ رہے گی!

یہ سچ ہے کہ کانگریس ایسے بے سر و پا مطالبات کو تسلیم نہیں کر سکتی، مسٹر جناح کو اپنے بیان پر نظر ثانی کرنی چاہیئے۔

اپنا خیال

سونیا مارو تی مندر کا ستیہ گرہ!

ستیا گرہ کے متعلق پونہ سے آئی ہوئی اطلاعات اس وقت سارے ہندوستان میں تشویش اور بے چینی کا باعث بنی ہوئی ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں حالات نے بہت نازک صورت اختیار کر لی ہے۔ جب ہندوؤں کے جائز مذہبی حقوق کے ساتھ ایسا سلوک کیا جا رہا ہے تو ان کی بے چینی و ناراضگی ایک قدرتی چیز ہے۔ مسٹر بھوپٹکر اور ان کے ساتھیوں پر جس طرح لاٹھی چارج کیا گیا وہ خبر اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ لوگ خاموشی سے اپنے لیڈر کے ساتھ ساتھ تھے، کوئی اشتعال نہ تھا، کسی قسم کے نقض امن کا اندیشہ نہ تھا، جلوس کی طرف سے کوئی زیادتی نہیں کی گئی تھی۔ مسٹر بھوپٹکر کا بیان ہے کہ حکام نے اس لاٹھی چارج سے پہلے کسی طرح کی آگاہی یا تنبیہ بھی نہیں دی۔ بہرحال ایسی حالت میں یہ لاٹھی چارج جس میں تقریباً ایک سو آدمی زخمی ہوئے یقیناً نہایت نامناسب اور قابل اعتراض رکھتی ہے۔ اس خبر سے صرف پونا میں نہیں بلکہ سارے ہندوستان میں بے چینی پھیل گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پوجا کے بنیادی حقوق کا مسئلہ ایک آل انڈیا مسئلہ ہے اور ہندوؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کریں۔ حکومت نے اپیل کی تھی کہ پونا کے ہندو اور مسلمان آپس میں سمجھوتہ کی کوشش کریں لیکن یہاں پر ایک دلچسپ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اس کوشش کی کیا ضرورت پڑی ہے۔ وہ تو خوش ہیں کہ ہندو تماشا دیکھنے والے ہوئے کہ مندر میں پوجا بند کر دی گئی ہے اور ہندوؤں سے ان کا مذہبی حق چھین لیا گیا ہے۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ حکومت کا فرض کیا تھا مگر حکومت نے اس فرض شناسی کا ثبوت لاٹھی چارج سے دیا۔ بمبئی کی وزارت بھی ہندوستان کی چھ وزارتوں میں ایک "انٹرم" وزارت ہے۔ ان وزارتوں نے خالی جگہوں پر اس طرح قبضہ کیا ہے جیسے خالی اور ویران مکانات میں آسیب داخل ہو جاتے ہیں۔ بمبئی کی وزارت نے کم از کم سونیا مارو تی مندر کی ستیا گرہ کے سلسلہ میں یہ ثبوت دے دیا ہے کہ اس سے کوئی توقع نہیں رکھی جا سکتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پونا ضلع کے حکام کو تمام اختیارات عطا کرکے یہ وزارت دست بردار ہو گئی ہے۔

ابھی ابھی جب یہ کاپی پریس میں جا رہی ہے ہمارے پاس یہ اطلاع آئی ہے کہ ستیا گرہ کے سلسلہ میں چند مزید گرفتاریاں ہوئی ہیں، اخبار کیسری کے ایڈیٹر مسٹر ایس ایس کارندیکر، راشٹریہ سیوک سنگھ کے بانی ڈاکٹر ہیڈگیوار اور چند دیگر حضرات گرفتار کر لئے گئے ہیں اور مسٹر بی ایم گپتے ایم ایل اے نے جو پونا سٹی کے حلقہ انتخاب کی طرف سے اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے ستیا گرہ کی اور گرفتار کر لئے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ مسٹر گپتے کو پولیس کی گاڑی تک لے جانے میں پولیس افسروں کے سامنے گھسیٹا گیا۔ ان افسوسناک واقعات پر تبصرہ لاحاصل ہے۔ حکومت کو برٹش کا مرض دامنگیر ہے۔ اس کی نظر میں مسٹر ہینڈ کا آرڈر اتنا مقدس ہے کہ اس کو ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا! اور موجودہ وزارت جو کچھ کر رہی ہے اس کی حیثیت اسی کا ظہار ہے۔

"جمود" کی موجودہ صورت حال!

ہندوستان کے چھ صوبوں میں موجودہ جمود کے متعلق لارڈ زٹلینڈ نے ہاؤس آف لارڈز میں جو تقریر کی تھی اس پر مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو کے بیانات شائع ہو چکے، مہاتما گاندھی یہ فرماتے ہیں کہ اس سے صورت حال میں کوئی بہتری پیدا نہیں ہوئی اور لارڈ زٹلینڈ کی تقریر ڈیڈ لاک کو دور کرنے میں کوئی مدد نہیں کرتی۔ پنڈت جواہر لال نہرو سے جب پوچھا گیا تو آپ نے یہ فرمایا کہ مجھے اس تقریر کے متعلق کچھ کہنا ہی نہیں ہے اس منزل پر پہنچ کر سر دست یہ معاملہ کچھ ختم سا معلوم ہوتا ہے اور موجودہ "انٹرم" وزارتوں کو غالباً اپنی حیات کے دن پورے کرنے پڑیں گے۔ اس کے بعد کیا ہوگا ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ حکومت نے غالباً مستقل ارادہ کر لیا ہے کہ وہ سمجھوتہ کی طرف کوئی قدم نہیں بڑھائے گی۔ "جمود" کا اثر یہ ہے کہ ملک میں بے چینی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔

ڈاکٹر انصاری ڈے!

گزشتہ منگل وار کو ہندوستان کے تمام شہروں میں "یوم ڈاکٹر انصاری" منایا گیا۔ لیکن چونکہ دہلی سے ڈاکٹر صاحب مرحوم کی زندگی کو گہرا تعلق تھا اور دہلی ہی ان کا وطن بن گیا تھا اس لئے دہلی والوں نے اس سچے محب وطن کی برسی کے موقعہ پر اپنی پوری عقیدت مندی کا ثبوت دیا۔ انصاری ڈے منانے کے لئے ایک جلسہ [illegible] کانگریس کمیٹی کے زیر اہتمام منعقد ہوا اس [illegible] مسٹر آصف علی نے نہ صرف یہ کہ ڈاکٹر صاحب کی قوم پرستانہ زندگی کے حالات بیان کئے بلکہ اس سلسلہ میں مسٹر جناح کے اس دعوے کا کہ مسلم لیگ ہی ایک ایسی انجمن ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی محافظ ہے، نہایت با اثر اور دندان شکن جواب بھی دے دیا۔ ڈاکٹر انصاری کی ساری زندگی قومی کاموں میں صرف ہوئی اور فرقہ وارانہ اتحاد و اتفاق کے لئے انہوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ایسی مخلص اور کام یاب ہستیاں ہر قوم کے لئے

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

سبق یاد کرتی ہیں، مسلمانوں کو ڈاکٹر انصاری کی زندگی سے یہ سبق لینا چاہیئے کہ قوم پرستی کی راہ میں ایثار، قربانی کس کو کہتے ہیں!

یو۔پی حکومت کا "غیر آئینی" عمل!

یو۔پی اسمبلی کی کانگریس پارٹی نے جو کانفرنس طلب کی تھی اس کا جلسہ ملیٹ وال میں منعقد ہوا اور اس میں ایک سو تیئیس ارکان اسمبلی شریک ہوئے۔ جن میں سے غیر کانگریسی تھے، اس جلسہ میں دو اہم ریزولیوشن پاس کیئے گئے جن کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ "انٹیرم" وزارت جمہوری آئین و اخلاق کے بالکل منافی ہے اور گورنر کو چاہیئے کہ فوراً اسمبلی کا اجلاس منعقد کریں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا حکومت یو۔پی بیچارٹی پارٹی کے اس مطالبہ کو ماننے کے لئے تیار ہے؟ اب جبکہ یہ رائے اور یہ مطالبہ کوئی شخصی رائے یا مطالبہ نہیں ہے بلکہ خود اسمبلی میں اکثریت رکھنے والی جماعت نے اس کو منعقدہ ریزولیوشن کی صورت میں پیش کر دیا ہے تو گورنر کا فرض ہے کہ اس پر عمل کرے۔ آخرکار تو ان انٹیرم وزارتوں کا خاتمہ ہونا ہی ہے پھر یوں ہی دن کو دور کرتے جانے کی کیا ضرورت ہے بہت ممکن ہے کہ گورنر اگر اس مطالبہ کو تسلیم کریں تو سمجھوتہ کی کوئی صورت پیدا ہو جائے!

مسلمان کس کا ساتھ دیں؟

اس عنوان کے تحت میں معاصر "ہند" کلکتہ جو ایک مسلم اخبار ہے لکھتا ہے۔ ہندوستان میں اس وقت دو قومیں برسر عمل ہیں، ایک قوت آزادی، ترقی، عزت، عظمت کی طرف لے جانا چاہتی ہے دوسری قوت غلامی، پستی ذلت اور نکبت کی طرف بلا رہی ہے ایک طرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے عزم صمیم کر لیا ہے کہ اپنے وطن کو آزاد کر کے رہیں گے اس راہ میں وہ ہر قسم کی قربانیاں دے چکے ہیں، ہزاروں مصیبتیں جھیل چکے ہیں مگر ہر قربانی نے اُن کی ہمت اور بڑھا دی ہے اور ہر مصیبت کے ساتھ ان کا عزم و استقلال پہاڑوں کی طرح اونچا اور اٹل ہوتا چلا گیا ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے بزدلی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے، جن کے نزدیک زندگی بس نام ہے کھانے پینے اور آرام کرنے کا، جن کے دل مُردہ ہو چکے ہیں، جن کے دل غیرت سے خالی ہو چکے ہیں جن کے سروں میں کسی بلند خیال کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے جو حکومت وقت کے سامنے سرنگوں ہو چکے ہیں اوندھے پڑے ہیں، خوشامدیں کر رہے ہیں، خود بھی ذلیل ہیں اپنے وطن کو بھی ذلت میں رکھنا چاہتے ہیں، یہ دو قوتیں اور دو جماعتیں ہندوستان میں موجود ہیں۔ اور آپس میں نبرد آزمائی کر رہی ہیں۔ مسلمان بتائیں کہ وہ کس کا ساتھ دیں گے؟ آزادی چاہنے والوں کا یا غلامی میں مگن رہنے والوں کا؟ مسلمانوں کو کامل غور و خوض کرنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ اس سوال کا ان کے پاس کیا جواب ہے، ایک طرف چند فرقہ پرست رہنما اور چند فرقہ پرست اخبارات ان کو بہکا کر اور بے وقوف بنا کر آزادی کی راہ سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف قوم پرست مسلم رہنما و اخبارات بآواز بلند مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ ان دھوکہ بازوں اور فریب سازوں سے بچو! کانگریس نے آزادی کی جدوجہد میں شرکت کے لئے مسلمانوں کو کھلی دعوت دے دی ہے اور کانگریس تمام ہندوستانیوں کی واحد نمائندہ انجمن ہے اور اس کے ہاتھ میں جماعتوں کے حقوق یقیناً محفوظ ہیں اب مسلمان فیصلہ کر لیں کہ وہ کس کا ساتھ دیں گے؟

وزارت یو۔پی کے دو کارنامے!

(۱) معلوم ہوتا ہے کہ یو۔پی کی "انٹیرم" وزارت کو آخر اس بڑھتی ہوئی گرمی اور دھوپ میں لکھنؤ کے میدانوں اور دریائے گومتی کی ہوا راس نہ آئی، اور اس کو مجبوراً اس کے فرحت بخش پہاڑوں پر جانے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اس وزارت نے لوگوں کے دلوں پر اپنا سکہ جمانے کے لئے پہلا اعلان یہ کیا تھا کہ حکومت یو۔پی نے پہاڑوں پر جانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے مگر اب یہ اعلان اور یہ دعوے کیا ہوا؟

(۲) نواب چھتاری نے یہ اعلان کیا تھا کہ کانگریس کے اور ہماری وزارت کے تعمیری پروگرام میں کوئی فرق نہیں ہے اس کا ایک تازہ ترین ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے چپراسیوں کی تنخواہ بارہ روپے سے گھٹا کر دس روپے کر دی ہے اب خود ہی فیصلہ کر لیجیئے کہ یہ پروگرام تعمیری ہے یا تخریبی؟ کیا یہ مشکل تھا کہ وہ اپنی اور اپنے رفقائے کار کی تنخواہوں میں کسی قدر کمی کر دیتے اور غریب چپراسیوں کی روٹی نہ چھینتے!

ہندوستان پر چند الزامات!

چیف اسکاؤٹ لارڈ بیڈن پاول نے چند روز ہوئے ہندوستان سے واپس گئے ہیں، اخبار نویسوں کے ایک جلسہ میں ہندوستانیوں پر تین الزامات عائد کئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قوم کی حیثیت سے ہندوستانیوں میں تین چیزوں کی کمی ہے، اخلاق کی کمی، تندرستی کی کمی اور اتحاد کی کمی، موخرالذکر دو چیزوں کی کمی کو تسلیم کرتے ہوئے ہم اس کی ذمہ داری حکومت پر عائد کر سکتے ہیں، ہندوستانی نظام حکومت اس قدر ناقص ہے کہ لوگ اقتصادی بدحالی میں مبتلا ہیں پھر تندرستی کہاں سے آئے؟ اتحاد کی کمی کا سبب یہ ہے کہ غیر ملکی حکومت کی بنیاد ہی غالباً اس کمی پر قائم ہے اگر ہندوستان میں مکمل اتحاد ہو جائے تو حکومت برطانیہ کو اس کی آزادی کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑے گا، لیکن تیسرا یعنی اخلاق کی کمی کا الزام ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ ہندوستانی اخلاق کی عظمت اور بلندی کو تمام قوموں نے تسلیم کیا ہے اور اس کی تمام مذہبی اور اخلاقی کتابیں اس ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں غالباً ہندوستان کے اخلاق ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج لارڈ بیڈن پاول کی قوم ہندوستانیوں پر حکمرانی کر رہی ہے۔ اور لارڈ موصوف کو ایسی بات کہنے کا موقع مل گیا ہے۔ لیکن ہم محکوم قوم ہیں، سب کچھ سُن سکتے ہیں اور خاموش رہ سکتے ہیں۔

کاٹھیاواڑ کے مندر میں ہریجن پرویش

ریاست ٹراونکور کی زرین مثال پر عمل کرتے ہوئے کاٹھیاواڑ کی ایک ریاست لاٹھی کے فرمانروا ہز ہائینس ٹھاکر صاحب نے "مکیشرو" کے مشہور سارد جنگ مندر کا دروازہ تمام ہریجنوں پر کھول دیا ہے، اس مندر میں شری رام چندر جی اپورنا دیوی، مہادیو، گنپتی، ہنومان جی اور ستیہ نراین کی مورتیاں ہیں، ہریجنوں کو عام اجازت دے دی گئی ہے کہ وہ اس مندر میں جا کر پوجا کر سکتے ہیں، ہم امید کرتے ہیں کہ کاٹھیاواڑ کی تمام ریاستیں اس مثال کی تقلید کریں گی، اور ریاستیں ہریجنوں کے معاملہ میں کسی رجعت پسندی کا مظاہرہ نہ کریں گی ٹراونکور اور لاٹھی کی ریاستوں کا رویہ ہندوستان کی سب ریاستوں کے لئے قابل تقلید ہے۔

آئرلینڈ کا مستقبل!

آئرلینڈ کے لئے ایک نئے آئین کا مسودہ آج کل ڈبلن (آئرش پارلیمنٹ) میں پیش ہے اور اس وقت تک جبکہ ہم یہ نوٹ لکھ رہے ہیں اس کی دوسری خواندگی ہو چکی ہے۔ اس آئین کی رو سے حلف وفاداری کے ساتھ گورنر جنرل کا عہدہ بھی منسوخ کر دیا جائے گا، اور آئرش فری اسٹیٹ کا نام "ایری" رکھ دیا جائے گا۔ یہ آئرلینڈ کا قدیم نام ہے اور وہاں کے باشندوں کو بہت عزیز ہے، "ایری" کا پریزیڈنٹ جو لوگوں کا منتخب کردہ نمائندہ ہوگا اور پارلیمنٹ جس کے اختیارات کو معین کر دے گی، عوام کے حقوق کا نگہبان ہوگا! دیکھا آپ نے! آزادی پرست قومیں جب آزادی کی منزل کی طرف چل پڑتی ہیں تو ان کی راہ سے رکاوٹیں اس طرح دور ہوتی جاتی ہیں، ہندوستان کے جدید "غلامانہ" آئین سے اس آزادانہ آئین کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے!

تیسرے درجہ کا مسافر!

ایسٹ انڈین ریلوے کے حکام نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ ماہ جون سے تیسرے درجہ کے مسافروں کا کرایہ بڑھا دیا جائے ہمیں مسرت ہے کہ یو۔پی کے "چیمبر آف مرچنٹس" نے اس فیصلہ پر پروٹسٹ کیا ہے اور حکام ریلوے سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس پر نظرثانی کریں۔ ہندوستان جیسے افلاس زدہ ملک میں جہاں زیادہ تعداد تیسرے درجہ ہی کے مسافروں کی ہے موجودہ شرح سے بھی کرایہ دگنا بار ہوتا ہے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ لوگ عام اقتصادی بدحالی اور بے روزگاری کے دو پاٹوں کے اندر پسے جا رہے ہیں۔ ریلوے کا یہ طرز عمل نہایت نامبارک ثابت ہوگا۔ ریلوے کی آمدنی کا انحصار انھیں تھرڈ کلاس مسافروں پر ہے جن کے روپے سے فرسٹ کلاس میں برقی پنکھے چلائے جاتے ہیں!

اٹلی میں برطانی اخبارات پر پابندی

چونکہ برطانی اخبارات اٹلی اور اس کی اسلحہ بندی کے خلاف عام پروپگنڈا کر رہے تھے، اس لئے مسولینی کے حکم سے برطانیہ کے تمام اخبارات کا اٹلی میں داخلہ بند کر دیا گیا ہے صرف تین اخبار یعنی ڈیلی میل، آبزرور، ایونگ نیوز کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، اس کے ساتھ ہی یہ خبر بھی آئی ہے کہ لندن کے تمام اطالوی نامہ نگاروں کو واپس بلا لیا گیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اٹلی اور برطانیہ کے درمیان مخاصمت اور تلخی بڑھتی جاتی ہے، پریس میں بھی ایک دوسرے کے خلاف جذبات کا اظہار کیا جا رہا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے!

سردار سردول سنگھ کی جاگیر!

سردار سردول سنگھ کی جاگیر کی ضبطی کے متعلق پہلے کسی اشاعت میں ہم اظہار خیال کر چکے ہیں لیکن حکومت کے اس بیان پر کہ سردار صاحب کی جاگیر سازش کے جرم کے سلسلہ میں ان کی چھ ماہ کی قید کے باعث ضبط کی گئی ہے خود سردار صاحب نے جو جواب گزشتہ ہفتہ میں شائع کیا ہے اُس نے اس معاملہ کی اہمیت بڑھا دی ہے۔ سردار صاحب فرماتے ہیں کہ ان کی گرفتاری اور قید کی سزا میرٹھ سازش کے سلسلہ میں ہوئی تھی۔ نہ کہ سازش کے جرم میں۔ اور دوسری عجیب بات یہ ہے کہ زیر بحث جرم کا ارتکاب ۱۹۳۲ء میں ہوا تھا۔ اور جاگیر کی ضبطی کی کارروائی ۱۹۳۱ء ہی میں یعنی دو سال پہلے شروع ہو گئی تھی، حکومت نے اس سلسلہ میں جو قابل اعتراض پوزیشن اختیار کی ہے اس کا جواز سرکاری قانون دانوں کے پاس کیا ہے؟

عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں!

صوبہ بہار میں ایک خطہ چھوٹا ناگپور ہے اور اسی طرح کا ایک دوسرا خطہ سنتال پرگنہ ہے ان دونوں جگہوں میں زیادہ تر قدیم باشندوں کے لوگ یعنی ABORIGINES آباد ہیں جن کو قدیم باشندہ قوموں میں کیا جاتا ہے، کول، بھیل، سنتال وغیرہ ان قبیلوں کے نام ہیں۔ اور ان میں بہت دنوں سے مختلف عیسائی مشن کام کر رہے ہیں، اور رفتہ رفتہ ان کو عیسائی بنا رہے ہیں، اب تک ہزاروں لوگ، ہندو عیسائی مذہب کی گود میں جا چکے ہیں، ان لوگوں کو عیسائیوں کی اس گرفت سے نجات دینے کے لئے دیگر سوسائٹیاں کام کر رہی ہیں جن میں شردھانند ہندو مشن بھی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ خطہ بہت وسیع ہے اور جو کچھ کام ہو رہا ہے وہ قطعاً ناکافی ہے، ضرورت اس کی ہے کہ منظم اور وسیع پیمانہ پر کام کر کے ان قدیم ہندوستانیوں کو عیسائی ہونے سے بچایا جائے اور ان کی اقتصادی حالت کی بہتری اور مذہبی حالت کی اصلاح کر کے ان کو اس لائق بنا دیا جائے کہ ان میں خودداری پیدا ہو جائے اور وہ افلاس یا دیگر حالات کے زیر اثر ہو کر تبدیل مذہب کی طرف رجوع نہ کریں۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں

نشتر

"مستقبل قریب میں اٹلی اپنے بحری جنگی بیڑے میں اپنے تحفظ، توسیع، دنیا میں پرسٹیج اور ضروری فرائض کی اہمیت کے تناسب سے اضافہ کرنے والا ہے" ۔۔۔ رائٹر

برطانیہ عظمیٰ کے لئے ایک لمحۂ فکریہ!

وزیر اعظم مسٹر بالڈون نے اپنی آخری پارلیمنٹری تقریر میں کہا ہے کہ دنیا کو امن قائم کرنے کا ہنر سیکھنا چاہیئے۔

کس سے؟ غالباً حکومت مدراس سے جس نے قومی جھنڈے کو ممنوع قرار دیا ہے!

بنگال کے جوٹ ملوں کی ہڑتال کے دوران میں (جو اب ختم ہوچکی ہے) مسٹر فضل الحق نے کہا تھا کہ اس کے لئے کوئی اقتصادی بنیاد نہیں ہے۔

غالباً اب مسٹر فضل الحق یہ بھی کہیں گے کہ "پرجا پارٹی" کے مطالبات کے لئے بھی کوئی اقتصادی بنیاد نہیں ہے کیونکہ اب تو کام نکل گیا۔ سچ کہا ہے کسی شاعر نے ؎

بات رہ جاتی ہے اور وقت گزر جاتا ہے

کانپور کی ڈسٹرکٹ مسلم لیگ یہ کوشش کر رہی ہے کہ مسلمانوں میں کھدر پہننے کا پروپیگنڈا کیا جائے۔

کہیں یہ خبر مسٹر جناح اور ان کی "آل انڈیا" مسلم لیگ تک نہ پہونچ جائے!

کارپوریشن میونسپلٹی کے ایڈریس کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر خان صاحب نے کہا ہے کہ آزاد ہندوستان میں بھنگی بن کر سڑکوں پر جھاڑو دینا زیادہ بہتر کام ہوگا!

میونسپل کمشنروں کے لئے اس سے بہتر ہدایت اور کیا ہوسکتی ہے، غلام ہندوستان کے شہروں کی صفائی کا حال معلوم ہے!

کہا جاتا ہے کہ تمام سوشلسٹ "ایزم" وزراء کی ایک مشترکہ کانفرنس ہونے والی ہے۔

ایک مشترک دشمن یعنی "جمہوریت" کے خلاف اتحاد عمل پیدا کرنے کی یہ تجویز دلچسپ ہے گو ابھی اس ہونے والی کانفرنس کے صدر کا نام پیش نہیں کیا گیا ہے۔ ایک معاصر کی تجویز ہے کہ جنرل فرانکو یا اخبار "مارننگ پوسٹ" کے ایڈیٹر کو اس کا صدر بنایا جائے، ہم مسولینی یا ہٹلر کا نام پیش کرتے ہیں!

مسٹر جناح ایک تقریر میں کہتے ہیں کہ عوام کے افلاس اور فاقہ کشی کا مسئلہ چھیڑ کر گاڑی کو گھوڑے کے آگے جوڑ دیا ہے۔

غالباً مسٹر جناح چاہتے ہیں کہ فرقہ پرستی کے گھوڑے کو فاقہ کشی کی گاڑی کے آگے جوڑ دیا جائے لیکن سوال یہ ہے کہ مسٹر جناح نے کبھی فاقہ بھی کیا ہو!

لالہ زار

پنجۂ یورپ ہے خود پروردگار انقلاب

(از مولانا ظفر علیخاں)

نکہت گل کے عوض دوش صبا پر اب کی بار
ہوئے جاں گلشن میں لائی ہے بہار انقلاب

جھومتے آتے ہیں محفل میں وہ رندان بزرگ
جن کی آنکھوں سے ٹپکتا ہے خمار انقلاب

وضع عالم میں تغیر کے ہویدا ہیں نشاں
جوش میں ہے جذبۂ بے اختیار انقلاب

پھوٹنے والی ہے آزادی کے سورج کی کرن
اٹھ رہا ہے پردۂ شب ہائے تار انقلاب

خیرہ ہو جائے گی بینائی استبداد کی
سر پہ آپہنچی ہے تیغ آبدار انقلاب

الحذر اے خرمن بیداد مغرب الحذر
مجمر مشرق میں رقصاں ہے شرار انقلاب

ہند کے چاک گریباں کا ہی کیا اسمیں قصور
پنجۂ یورپ ہے خود پروردگار انقلاب

سر بکف میداں میں آپہنچے جوانان وطن
جن کی قربانی پہ ہے دار و مدار انقلاب

کھیلتے آئے ہیں تل کے وقت سے ہندو جوا
ان کی یہ فطرت ہے اب ہے قمار انقلاب

گھر سے نکلے ہیں مسلماں بھی کفن باندھے ہوئے
نعرۂ تکبیر ہے مضراب تار انقلاب

خاک میں مل جائے گا سرمایہ داری کا غرور
گر یہی ہے گردش لیل و نہار انقلاب

(زمیندار)

کم نہیں بار امانت سے یہ بار انقلاب

(تیج ویکلی کے خاص شاعر کے قلم سے)

چلتی ہے جس دم ہوائے سازگار انقلاب
آسماں تک اڑ کے جاتا ہے شرار انقلاب

جنگ آزادی ہماری ہے تشدد سے الگ
ہے اہنسا پر یہاں دار و مدار انقلاب

آیئے اس مے کدے کا ایک ساغر پیجئے
پھر نہ اتریگا قیامت تک خمار انقلاب

قول کی پرسش نہیں اسمیں عمل کی قدر ہے
جاں نثاروں کی ہے اک بستی دیار انقلاب

صبح زریں، دن سہانا، شام رنگیں، شب حسین
اس جہاں سے ہے جدا لیل و نہار انقلاب

اس چمن میں رنگ لاتا ہے شہیدوں کا لہو
لالہ و گل سے نہیں ہوتی بہار انقلاب

انقلاب اتنے ہوئے ہیں مغربی ملکوں میں دفن
ہاتھ میں یورپ کے ہے شمع مزار انقلاب

حریت کو مذہبی ہنگاموں سے کیا واسطہ!
ہیں محبان وطن سرمایہ دار انقلاب

ہے ازل سے فرقہ بندی جنکی گھٹی میں پڑی
کھیلتے ہیں دوسروں سے وہ قمار انقلاب

نغمۂ حب وطن سے چھیڑ ساز زندگی
اتحاد قوم ہو مضراب تار انقلاب

ہے اگر ہمت تو اس بار گراں کو بھی اٹھا
کم نہیں بار امانت سے یہ بار انقلاب

چٹکیاں

ایک معاصر "مسٹر بالڈون اینڈ کو" سے سوال کرتا ہے کہ تاج و تخت چھوڑ دینے کے بعد ڈیوک آف ونڈسر اور مسز سمپسن میں پہلی ملاقات کس جوش و خروش سے ہوئی ہوگی؟

مسٹر بالڈون بہت بوڑھے ہوگئے ہیں ان کو اس کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا۔

ندیا (بنگال) کے ضلع مجسٹریٹ مسٹر اسٹوارٹ آئی، سی، ایس کہتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ دونوں کو ملکر ایک قوم کی طرح ترقی کرنی چاہیئے۔

اس ترقی کے ذرائع کیا ہیں؟ جداگانہ انتخاب، فرقہ وارانہ ملازمتیں، فرقہ وارانہ تعلیم گاہیں وغیرہ۔

ہٹلر نے فیصلہ کیا ہے کہ دس سال کے لڑکوں اور لڑکیوں کو ان کے والدین سے الگ کرکے تعلیم و تربیت دی جائے اور ان کو خالص جرمن بنا دیا جائے۔

امید ہے کہ آئندہ جرمن مال کے ساتھ جرمن آدمیوں پر بھی یہ لیبل لگا دیا جائے گا: "میڈ ان جرمنی"

(MADE IN GERMANY)

کہا جاتا ہے کہ فرانسیسی حکام مجمع کو منتشر کرنے کیلئے لوگوں پر روشنائی چھڑکنے کا طریقہ تجویز کر رہے ہیں۔

ہندوستانی حکام کو ابھی لاٹھیاں "چھڑکنے" سے فرصت نہیں ملی ہے۔

سنتے ہیں کہ لندن کے حلقوں میں وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کو "چپ شاہ" کا خطاب دے دیا گیا ہے اس لئے کہ وہ کانگریس اور حکومت کے درمیان جمود کے مسئلہ پر بالکل خاموش ہیں۔

جدید آئین کی درگاہ پر سجادہ بننے یعنی فاتحہ خوانی کی خدمت بھی غالباً آپ ہی انجام دیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ کارونیشن کے خطابات کی فہرست میں بہت سے ایسے لوگوں کے نام نہیں ہیں جنکو خطابات ملنے چاہیئے تھے! ان کو "یوم پیدائش" یا "نوروز" کا انتظار کرنا چاہیئے، اس اثنا میں خدمتوں کا مشغلہ بھی جاری ہے۔

بہار کے "ایزم" وزیر اعظم مسٹر یونس نے ایک کدال اور ایک پھاوڑا لیکر کھیت میں کام کیا اور کسانوں کو خود اعتمادی کا سبق دیا۔

ایکٹنگ سکھ کہتے ہیں! اسٹیج اور اسکرین والے ان سے سبق لے سکتے ہیں۔

امریکہ میں اخباروں اور رسالوں کی اشاعت

دنیا میں اس وقت امریکہ سب سے زیادہ دولتمند ملک شمار کیا جاتا ہے۔ اس ملک میں جتنے اخبارات اور رسالے شائع ہوتے ہیں شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں شائع ہوتے ہوں۔ ہمارے ملک میں اگر کوئی اخبار یا رسالہ دس پندرہ ہزار چھپنے لگے تو مالک اس اشاعت کو باعث فخر سمجھتا ہے۔ مگر وہاں کے اخباروں اور رسالوں کی اشاعت ملاحظہ فرماویں۔

اخبارات	اشاعت	اجرت اشتہار
ٹربیون شکاگو TRIBUNE CHICAGO	دس لاکھ ۹۳ ہزار	۲۳ روپیہ فی انچ
ورلڈ ٹیلیگرام WORLD TELEGRAM	چار لاکھ	۲۷ روپیہ " "
ان کوائرر INQUIRER	چار لاکھ ۵۸ ہزار	۲۹ روپیہ " "
پوسٹ POST	تین لاکھ ۵ ہزار	۲۳ روپیہ " "
سٹار STAR	تین لاکھ تیرہ ہزار	۱۰½ روپیہ " "

رسالے	اشاعت	اجرت اشتہار
فارم جرنل (زراعتی)	۱۵ لاکھ	سو روپیہ فی لفظ
جنٹل وومن نیویارک GENTLE WOMAN	۲ لاکھ ۱۰ ہزار	۱۸ روپیہ فی لائن
ہوم فرینڈ (گھریلو دوست)	۱۰ لاکھ ۱۰ ہزار	دو روپیہ فی لفظ
کنٹری ہوم COUNTRY HOME	۱۵ لاکھ	ڈیڑھ روپیہ " "
امریکن پولٹری جرنل (رسالہ متعلق پرورش مرغیان)	چار لاکھ	۱۲ر لفظ
ڈی ٹیکٹو گروپ (جاسوسی)	۵ لاکھ چالیس ہزار	۱½ روپیہ فی لفظ
فاسٹ وومن گروپ (عورتوں کے متعلق)	تیرہ لاکھ	۳½ روپیہ " "
گڈ سٹوریز (کہانیاں)	دس لاکھ	۱۲ روپیہ فی لائن
وومنز ورلڈ نیویارک WOMAN'S WORLD	۱۱ لاکھ	پندرہ روپیہ فی لائن
NEWYORK (عورتوں کی دنیا)	۱۰ لاکھ	بارہ روپیہ " "

ہزاروں اخباروں اور رسالوں میں سے چند کا نام بطور نمونہ درج کیا گیا ہے، جہاں تلاش علم کے لئے یہ حال ہو وہاں دولت کی بارش کیوں نہ ہو۔ اس کے مقابلہ میں ہندوستان کے اخبار نویس تو اس پیشہ سے کبھی پیٹ بھی نہیں بھر سکتے ہم لوگ تو امریکہ کے اخبارات کے اشتہاروں کے نرخ نامے پڑھ کر حیرت زدہ ہو جاتے ہیں اور اندازہ نہیں لگا سکتے، کہ وہاں کے اشتہار بازوں کو اشتہارات کے لئے کتنا روپیہ صرف کرنا پڑتا ہوگا۔ اور وہ کتنا کماتے ہونگے، بہرحال یہ اعداد و شمار ہندوستان کے لوگوں کی آنکھیں ضرور کھول دیں گے،

ہندوستانی شہروں کی آبادی

پشاور کی آبادی ۱۳۱۴۳۰ ہے	احمد آباد کی آبادی ۳۱۰۰۰۰ ہے	الہ آباد کی آبادی ۱۷۳۸۹۵ ہے	گوجرانوالہ کی آبادی ۵۸۷۱۶ ہے
ڈیرہ اسمعیل خان کی آبادی ۴۴۳۸۹۹ ہے	پونہ کی آبادی ۱۶۲۹۰۱ ہے	مرادآباد کی آبادی ۱۱۰۵۶۲ ہے	قصور کی آبادی ۴۶۸۱۵ ہے
دہلی کی آبادی ۳۴۷۵۳۹ ہے	شولاپور کی آبادی ۱۳۵۵۷۴ ہے	میرٹھ کی آبادی ۹۱۱۸۱۲ ہے	لائلپور کی آبادی ۴۲۹۲۲ ہے
نئی دہلی کی آبادی ۶۴۸۵۵ ہے	کلکتہ کی آبادی ۱۱۴۰۸۹۲ ہے	علی گڑھ کی آبادی ۸۳۸۷۸ ہے	انبالہ کی آبادی ۳۴۸۵۵ ہے
اجمیر کی آبادی ۱۱۴۲۶۸ ہے	بڑودہ کی آبادی ۱۱۲۸۶۲ ہے	متھرا کی آبادی ۶۰۵۹۰ ہے	پانی پت کی آبادی ۳۲۹۱۵ ہے
رنگون کی آبادی ۴۰۰۴۱۵ ہے	ڈھاکہ کی آبادی ۱۳۸۵۱۸ ہے	لاہور کی آبادی ۳۹۳۹۸۵ ہے	فیروزپور کی آبادی ۳۲۷۵۳ ہے
منڈلے کی آبادی ۱۴۷۹۳۲ ہے	بردوان کی آبادی ۳۹۶۱۸ ہے	امرت سر کی آبادی ۲۶۲۹۹۵ ہے	پٹنہ کی آبادی ۱۵۹۶۹۰ ہے
اکیاب کی آبادی ۳۸۰۹۴ ہے	دناپور کی آبادی ۳۲۰۲۱ ہے	ملتان کی آبادی ۱۰۷۳۶۶ ہے	گیا کی آبادی ۸۸۰۰۵ ہے
مدراس کی آبادی ۶۴۷۲۳۰ ہے	لکھنؤ کی آبادی ۲۵۱۰۹۷ ہے	سیالکوٹ کی آبادی ۸۳۹۲۳ ہے	جمشید پور کی آبادی ۸۳۷۳۸ ہے
ترچناپلی کی آبادی ۱۴۲۸۴۳ ہے	کانپور کی آبادی ۲۱۹۱۸۹ ہے	جالندھر کی آبادی ۷۱۳۱۴ ہے	ناگپور کی آبادی ۲۱۵۱۶۵ ہے
منگلور کی آبادی ۶۶۸۰۹	آگرہ کی آبادی ۲۰۵۴۸۷ ہے	راولپنڈی کی آبادی ۷۱۹۹۲ ہے	کراچی کی آبادی ۲۴۳۷۷۹ ہے
بمبئی کی آبادی ۱۱۶۱۳۸۳ ہے	بنارس کی آبادی ۲۰۰۴۷۳ ہے	لدھیانہ کی آبادی ۶۸۵۸۶ ہے	حیدرآباد سندھ کی آبادی ۹۶۰۲۱ ہے
سکھر کی آبادی ۶۴۹۶۴ ہے		شکارپور کی آبادی ۶۱۵۸۲ ہے	



نرک کے دروازے پر سوگ

افسانہ

از جناب کیلاش چندر اینڈلے نئی دہلی

خاص تیج ویکلی کے لئے

عمروں میں زیادہ فرق نہیں تھا مشکل سے کوئی سال ڈیڑھ سال بڑی ہوگی، مگر سمجھ اور بات چیت میں دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا شیلا کی باتیں تُلی ہوئی ہوتی تھیں، وہ بہت کم بولتی تھی، مگر جو کچھ زبان سے نکالتی تھی خوب سوچ سمجھ کر، لیکن کنول کا مزاج آتنا پکّا نہیں تھا، کہنے کو تو وہ سیانا ہو گیا تھا مگر اب بھی اس کے چہرے اور بات چیت سے بھولاپن ٹپکتا تھا۔ اس کی باتیں بہت بھلی اور لُبھانے والی ہوتی تھیں۔

کنول زیادہ تر اپنی ودھوا مامی کے پاس رہا کرتا تھا۔ خاص کر جب سے اس کی ماں مری تھی، جب سے تو وہ اپنے گھر کو بالکل بھول ہی گیا تھا۔ مامی بھی جان سے اُسے پیار کرتی تھی۔ اپنی اکلوتی بیٹی شیلا کے ساتھ اس خوبصورت بالک کو ہنستے کھیلتے کھاتے پیتے سوتے جاگتے دیکھ کر اس کا مُرجھایا ہوا دل خوش ہو جاتا تھا، اپنے آنگن میں اس جوڑی کو دیکھ کر وہ نہال ہو جاتی تھی جس وقت وہ اپنی پیار بھری گود میں بٹھا کر دونوں کو چومنے لگتی تو اُس کا چہرہ چمکنے لگتا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سورگ کی رانی ہے، وہ بھول جاتی تھی کہ اس کی دنیا میں نا اُمیدی اور دُکھ بھی کوئی چیز ہے اور وہ یہ بھی بھول جاتی تھی کہ وہ ایک بدقسمت دکھیا اور ودھوا ہے۔ اس کی دُکھ بھری چھوٹی سی دنیا اُمید کی جھلک سے چمک اُٹھتی تھی، اس کی جھونپڑی سونے کا محل بن جاتی تھی۔

صبح کا وقت تھا شیلا کی ماں چُپ چاپ بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی، اُسی وقت پنڈت بھوانی پرشاد بھی آ پہنچے، ان کے آتے ہی ودھوا سنبھل کر اُٹھ کھڑی ہوئی، پنڈت جی کو کھاٹ پر بٹھا کر بولی:۔

براجیئے مہاراج معلوم ہوتا ہے آپ بہت تھکے ہوئے ہیں؟

ہاں تھک تو ضرور گیا ہوں مگر یونہی نہیں،

کیا مطلب؟

مطلب یہی کہ جس لئے تھکا ہوں وہ کام بھی کر آیا ہوں۔

ودھوا کا چہرہ کھِل اُٹھا۔ بولی سب بات پکّی ہو گئی کیا۔

واہ! اب بھی پوچھنا باقی ہے۔ میں جاؤں اور بات پکّی نہ ہو۔ آخر عمر بھر کرتا ہی کیا آیا ہوں، بس اب دیر نہ کرنی چاہیئے، اس پورنماشی کا لگن ہے سب باتیں طے کر آیا ہوں، ایسا نہ ہو کہ یہ موقعہ ہاتھ سے نکل جائے۔ اور بعد میں ہاتھ ملنے پڑیں،

تو کچھ لینے دینے کی بات بھی ہوئی تھی؟ لڑکا کیسا ہے؟

لڑکا؟ لڑکا تو ایسا ہونہار ہے کہ بھگوان کرے سب کی بیٹیوں کو ویسا ہی ور ملے۔ اِنٹرنس میں پڑھتا ہے۔ اور دیکھنے میں اپنی بچی شیلا سے بھی زیادہ خوبصورت، رہی لینے دینے کی بات سو میں نے اپنی بیٹی کی بہت تعریف کی، اس لئے اُن کو ایک پیسہ بھی مانگتے نہیں پڑا۔ اور یہ بھی کہہ کر ذات میں آپ سے کچھ اونچے ہی ہیں۔ پھر تو سمدھی صاحب بالکل ہی پگھل گئے،

ودھوا نے اُمید بھری آنکھوں سے اپنے ادیکاری پروہت کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا، مجھے تو آپ پر ہی بھروسہ ہے جس طرح بھی ہو عزت کی ناؤ پار لگاؤ، کچھ جل پانی لاؤں۔

جل پانی! طبیعت تو نہیں کرتی، اچھا جب آپ دیتی ہیں تو تھوڑا سا لے آؤ، پانی پی لوں تب چلوں، مگر ایک یہ کہہ دیتا ہوں، بیاہ شادی کا معاملہ ٹیڑھا ہوتا ہے، دنیا میں سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں جو ایسے وقت میں سب کچھ کیا کرایا مٹی میں ملا دیتے ہیں۔ اور اگر کچھ بھی نہ کر سکے تو بیٹی والے کے عیب بیٹے والے کو اور بیٹے والے کے عیب بیٹی والے کو سُناتے ہیں، اس لئے بہن اس کا پورا دھیان رکھنا کسی کی باتوں پر دھیان نہ دینا ایسا نہ ہو کہ پیر منہ کالا ہو، ودھوا نے بھی کئی بار دیکھا تھا کہ جھوٹی باتوں میں آ کر کتنے ہی بیاہ چھوٹ گئے، اُس کے من میں اس بات نے گھر کر لیا تھا کہ بگاڑنے والے بہت ہوتے ہیں، اور سنبھالنے والا کوئی کوئی ہوتا ہے۔ دشواش بھری آنکھوں سے دیکھتی ہوئی بولی:۔

پروہت جی میں اس کے آگے نہیں جانتی کہ آپ ہی میری بدقسمت شیلا کے وارث ہیں آپ جو کریں گے وہی ہوگا!

پروہت جی یہ بات سُن کر ایک دفعہ سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھے، اور ان کے لئے وہاں زیادہ دیر تک ٹھہرنا بھاری ہو گیا۔ دبی زبان سے یہ کہہ کر چل دئے بھگوان میری شیلا کا سُہاگ ہمیشہ زندہ رہے، گرو ماتا کی آشیرباد سے کہیں گا ...

(۲)

کیوں بہن پرسوں تم سسرال جاؤ گی؟

ہاں بھیّا

تو تم وہاں جا کر کیا کرو گی، بہن یہاں تمہارا من نہیں لگتا؟

تم اتنے بڑے ہو گئے کنول پھر بھی نہ جانے بھگوان نے تمہیں سوچنے سمجھنے کی عقل کیوں نہیں دی ... پہلے سسرال نہیں جاؤں گی تو کیا

(باقی آگے صفحہ پر)

تجلیّات!

از جناب سادھو رام آرزو سہارنپوری

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

جب سراپا نغمہ بن کر رقص میں آتا ہوں میں
تیری منزل کے تصوّر سے بھی گھبراتا ہوں میں
ہر رگِ تارِ نفس پر چوٹ سی پاتا ہوں میں
جب تعیّن کی حدوں سے بھی نکل جاتا ہوں میں
تو بتا پھر کیوں تجھے خود سے جُدا پاتا ہوں میں
اب یہ کیوں فرما رہے ہو زحمتِ ترکِ ستم
ہائے وہ تیری نگاہوں کا پیامِ اوّلیں
تیرے عرفانِ تمنّا کا تو کس کو ہے دماغ
کچھ تری مخصوص نظریں، کچھ ترے اندازِ خاص
عشق کی دشواریوں کا اُف رے یہ رازِ لطیف
تیرے نظّارہ کی ارزانی کے تو صدقے مگر
لے سنبھال اب اے تجلّیِ دو عالم اپنا راز
روکنا اے اعتبارِ فطرتِ جلوہ مجھے
کیوں اُٹھاتے جا رہے ہو پردہِ برقِ جمال

سازِ فطرت کی ہر اک لے میں سما جاتا ہوں میں
کیا کروں دل کے اشاروں پر اُڑا جاتا ہوں میں
اب تو تیری یاد سے بھی آہ، تھرّاتا ہوں میں
خود تو کیا تجھ سے بھی بیگانہ نظر آتا ہوں میں
جب تری ہستی کا "رازِ خاص" کہلاتا ہوں میں
آپ خود اپنی نگاہوں سے گرا جاتا ہوں میں
آج تک اپنی نظر سے آپ شرماتا ہوں میں
اپنے احساسات میں خود گم ہوا جاتا ہوں میں
ہائے کیا جلوے ہیں جن میں حل ہوا جاتا ہوں میں
اپنے ہر ہر راز میں خود ہی اُلجھ جاتا ہوں میں
کیا کروں خود اپنی نظروں سے چھپا جاتا ہوں میں
عشق بن کر درمیاں سے خود اُٹھا جاتا ہوں میں
اپنی منزل کو بھی ٹھکرائے چلا جاتا ہوں میں
اپنے دل کی آگ میں خود ہی جلا جاتا ہوں میں

چھیڑ کر اے آرزوؔ افسانۂ حسنِ دوست
موج کی گہرائیوں میں نور برساتا ہوں میں

پچھلے صفحہ سے

تیرے ساتھ ساری عمر یہاں پڑی رہوں گی، گڑیا کے کھیل میں ہی تو ساری زندگی نہیں گزاری جا سکتی، میرے بھائی اگر کھیلتے کھیلتے ساری زندگی ختم ہو جاتی تو کیا کہنا تھا یہ کہہ کر شیلا اپنے بھائی کے گلے سے لپٹ گئی،

اچھا تم چلی جاؤ گی تو میں رہوں گا اکیلا ہی (اس دفعہ کنول کچھ کانپ سا رہا تھا)

نہیں، اکیلے کیوں رہو گے، اب بھوجی کو بلا لیں گے۔

بھوجی کو، کنول چونک گیا۔

ہاں بھوجی کو، چونکتے کیوں ہو، تمہارا بیاہ بھی وہاں ہی پر ہوا ہے جہاں میں جا رہی ہوں،

کنول اس پہیلی کو نہ سمجھ سکا۔ آج تک اُسے کسی نے نہ بتایا تھا کہ اُس کا بیاہ ہو چکا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اُس کی زندگی میں شیلا کے سوائے اور کوئی چیز نہیں ہے، بات بھی کچھ ایسی ہی تھی، بچپن سے لے کر اب تک کی ترتیب ساری گھڑیاں اس نے شیلا کے ہی ساتھ گزاری تھیں، اس کے لئے ساری دنیا ایک طرف تھی اور شیلا ایک طرف، کچھ کچھ جوان ہو کر بھی وہ اتنا بھولا بے سمجھ بالک بنا ہوا تھا۔ اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ اُسے شیلا کی دنیا سے باہر جانے کا موقعہ ہی نہیں ملا تھا، وہ یہ سمجھتا تھا کہ شیلا بہن کے سوا وہ کسی کا ہوں ہی نہیں، بہن کے منہ سے اپنی بہو کی بات سُن کر وہ سناٹے میں آ گیا۔ اس کا سارا بھولا پن اسی طرح بھاگ گیا جیسے کالوں کو چھوڑ کر تہمت بھاگ جاتی ہے۔ اُس نے پھر پوچھا تم کیا کہہ رہی ہو بہن؟

شیلا نے سادھارن مزاج سے جواب دیا۔ کیا آج تک میں نے تم سے ہنسی کی ہے کنول؟

نہیں پہلے تو کبھی ہنسی نہیں کی مگر اس وقت کیوں کر رہی ہو۔

تم بھولتے ہو، میں ہنسی نہیں کر رہی ہوں، بات آج کی نہیں، اُس وقت کی ہے جب ہم تم دونوں بہت چھوٹے تھے، اُس وقت تمہارا بیاہ کر دیا گیا تھا۔ میری ہی سسرال میں تمہاری بھی سسرال ہے، آج تک تو تم کو بتا نہیں سکی، آج بتائے دیتی ہوں، یہ بیاہ صرف اس لئے ہوا تھا کہ تمہاری ماں مرنے سے پہلے اپنے بیٹے کی بہو کا منہ دیکھنا چاہتی تھی ادھر وہ مر رہی تھی ادھر تمہارا بیاہ ہو رہا تھا۔

کنول بے چین ہو گیا۔ اس کے سارے حوصلے نہ جانے کدھر بکھر گئے۔ اُس کی ساری آشائیں نہ جانے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کدھر کو اُڑ گئیں، ابھی ابھی جو شانتی اور بھولے پن کی مورتی بنا ہوا تھا، جو جیون کو بالکل شانت سمجھے ہوئے تھا وہ بیچارا رنجیدہ ہو کر بُری طرح تڑپنے لگا۔ لڑائی کے میدان میں گھسنے سے پہلے ہی اُس پر ایسا تیر لگے گا یہ اسے معلوم ہی نہ تھا وہ اس وار کو نہ سہہ سکا اور کلیجہ تھام کر بیٹھ گیا۔

شیلا نے گھبرا کر کہا۔

میں یقین دلاتی ہوں کہ جو کچھ کہہ رہی ہوں سب سچ ہے، چاہے ماں سے پوچھ لو،

اب کنول کو یقین آ گیا کہ بات جھوٹی نہیں ہے، اور اس کی سمجھ میں آ گیا کہ شیلا اس کے لئے وہ موتی ہے جس کو وہ پکڑ کر نہیں رکھ سکتا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ بات دن ساتھ رکھنے سے ہی کوئی چیز اپنی نہیں ہو جاتی اور نہ ہی اپنی چیز ہمیشہ اپنے ساتھ رکھ ہی سکتا ہے جسے ہم اپنی سمجھتے ہیں وہ دوسرے کی بھی ہو سکتی ہے، ہوتی ہے اور ہے کنول کا بھولا پن بھاگ گیا۔ اب وہ فکر کی گود میں بیٹھا ہوا اپنی قسمت کا سبق پڑھ رہا تھا، بار بار پڑھتا اور بھول جاتا تھا، یکایک وہ پاگل کی طرح چلّا اُٹھا، کیوں بہن یہ تو زندگی کی لڑائی نہیں ہے؟

بہن نے بھائی کو گلے سے لگا لیا۔ اور کہا، ہاں یہاں سے جیون کی لڑائی شروع ہوتی ہے۔ کنول خوب سمجھ کر میدان میں جانا۔ میں دعا دیتی ہوں تمکو اس میں فتح نصیب ہو،

(۳)

عین موقعہ پر بیاہ کے مہورت کے چار پانچ گھنٹے پہلے بیٹے والے کی طرف سے یہ خبر آئی کہ لڑکے کی طبیعت خراب ہو گئی ہے وہ یہاں برات لیکر نہیں آ سکتا۔ اگر بیاہ کرنا منظور ہو تو برہمن جی کے ساتھ لڑکی کو یہاں بھیج دیا جائے۔

بیچاری دھوا یہ خبر پڑھ کر سہم گئی کہ اب کیا ہو گا؟ آج اگر بیاہ نہیں ہوا تو پھر پورے تین سال تک لگن نہیں ہے۔ لڑکی جوان ہو گئی ہے تین سال تک اسے کیسے گھر میں بٹھائے رکھوں گی، لوگ کیا کہیں گے، پھر یہ بھی سوچتی تھی کہ نہ جانے لڑکے کو کیا ہو گیا ہو۔ تو کیا لڑکی کو یوں ہی پانی میں بہا دوں، اپنی آنکھوں سے اس کا بیاہ بھی دیکھنا نہیں لکھا ہے۔ بیاہ کے لئے بھی زندگی میں اتنی بڑی بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ بیچاری طے نہیں کر سکتی تھی ابھی اُدھیڑ بُن میں بیٹھی تھی کہ کیا کرے کیا نہ کرے، اتنے ہی میں پنڈت جوالا پرشاد جی پالکی لے کر آنگن میں آ گئے، اور شیلا کی ماں سے میٹھی میٹھی باتیں بنانے لگے کہ کیا کیا جائے، بھگوان کی یہی مرضی تھی بیاہ تو اسی وقت ہو چکا جب دونوں طرف سے لگن چڑھ گئے، ہمارے شاستروں میں لکھا ہے کہ جہاں ایک دفعہ لڑکی کے من میں ور کا دھیان آیا کہ بیاہ ہو گیا۔ اس واسطے اب کیا کیا جائے، لشن ابھی لڑکا ہے ذرا سا سر میں درد ہو گیا ہو گا بس اُڑ گیا۔ بڑی مشکل سے تو بیاہ کرنے پر راضی ہوا تھا۔ ذرا پڑھا لکھا ہے اس واسطے نخرے کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ آگے اگر کوئی دن ہوتا تو کوئی بات نہ تھی، دن بھی آگے آئے گا تو تین سال بعد، اُف جب تک کون جانے کیا ہو جائے،

دھوا بیچاری بڑے دکھ سے بولی آخر کرنا کیا چاہتے ہو وہی کرو، میں تو آپ کو بات دے چکی کہ شیلا کے وارث تم ہی ہو،

ہاں یہ سب ٹھیک ہے میں آپ کا ہی ہوں، کوئی غیر تو نہیں ہوں جو آپ مجھ پر یقین نہیں کریں گی، سب ذمہ داری میں اپنے اوپر لیتا ہوں، بچی کو میرے ساتھ جانے دیجئے، بیاہ کر کے میں آج نہیں تو کل سویرے تو لوٹ آؤں گا یہ ٹھیک ہے نا؟ کہاں ہے بچی۔ کہو کہار لوگ پالکی ٹھیک کریں

تھوڑی ہی دیر میں شیلا پالکی کے اندر بند کر دی گئی

دھوا چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی، مگر کیا کر سکتی تھی؟

(۴)

بیاہ کے بعد پتہ چلا کہ شیلا کے خاوند لشن بابو تپ دق میں مبتلا ہیں۔ جس نے سنا وہی ماتھا ٹھونک کر بیٹھ گیا۔ شیلا کی ماں اپنی نادانی پر رو رہی تھی۔ اور شرما رہی تھی۔ کہ اسکی عقل کیوں ماری گئی۔ اس برہمن پر بھروسہ کر کے اس نے اپنی ہی ہاتھ سے اپنی بیٹی کے گلے پر چھری چلائی۔ اگر اسوقت وہ بیٹی کو نہ جانے دیتی خالی پالکی اپنے آنگن سے واپس کر دیتی تو کوئی اس کا کیا کر لیتا۔ یہی ہوتا کہ لڑکی تین سال تک کنواری رہ جاتی لوگ اسکی ہنسی اڑاتے، اپھر پھبتیاں کستے اور کیا ہوتا! لڑکی کی ساری زندگی تو برباد ہونے سے بچ جاتی۔ وہ بار بار ان ہی باتوں کو سوچتی رہتی اور من ہی من میں رو رہی تھی۔ گنہگار کو آنسو بہانے کا بھی حق کہاں ہے وہ بے چاری رونا چاہتی تھی مگر جو نہی رونا چاہتی اسے معلوم ہوتا کہ ساری دنیا اس پر ہنس رہی ہے۔ اسکی آنکھوں کے سامنے اسکا قصور ناچ رہا تھا۔ وہ جتنا سوچتی تھی اسے معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ سے یہ کام کیا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے اپنی جلائی ہوئی آگ میں زندگی بھر جلنا ہی پڑے گا۔

شیلا کی حالت بھی اس جگہ بیان کرنا ضروری ہے۔

بیاہ کے دنوں میں اسکی آنکھیں بند تھیں ان پر پردہ پڑ چکا تھا۔ جس کے ساتھ ساری عمر گزاری تھی اسکو ایک نظر اٹھا کر بھی دیکھنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اسکے سہاگ کی رات کتنی دردناک اور سونی تھی۔ ہائے پرماتما تو نے کیا عورتوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ مردوں کا سماج جسطرح چاہے انہیں جلائے جھلسائے اور یہ چوں بھی نہ کر سکیں۔ شیلا وہ شیلا جو کل اپنے سنگھاسن میں تھی، آج بالکل نا امیدی کی دنیا میں تڑپ رہی تھی۔ مگر کیا تڑپنے کا کچھ فائدہ بھی ہے۔

(۵)

لشن بابو کی حالت برابر بگڑتی ہی گئی۔ شیلا تمام رات دن سب کچھ چھوڑ کر اسی کی سیوا میں لگی رہتی تھی۔ مریض کا مزاج چڑ چڑا ہو ہی جاتا ہے، اس کی اتنی سیوا پر بھی لشن اسے بار بار گالیاں دیا کرتا تھا۔ اسی ایک مہینے میں نہ جانے بیچاری کو اپنے خاوند کے ہاتھوں کتنی دفعہ پٹنا پڑا تھا وہ روتی تو کیا۔ آنسو پی کر رہ جاتی تھی۔ اتنی خدمت کرنے کا یہ نتیجہ! شیلا ایشور کا نام لیکر سب کچھ چپ چاپ سہتی جاتی تھی۔ کیا کرتی۔ سوچتی تھی کہ میری قسمت میں یہی لکھا ہے اور اسے برداشت کرنا ہی پڑے گا۔ تو ور کر کیوں برداشت کروں جو کچھ ہونا جائے گا وہی برداشت کرتی جاؤں گی

آدھی رات کا وقت تھا شیلا آہستہ آہستہ اپنے سوامی کو پنکھا جھل رہی تھی۔ ایک دم لشن بابو کے منہ سے خون ابل پڑا۔ منہ ہاتھ دھو لینے کے بعد اسکی حالت اور بھی خراب ہو گئی۔ گھر کے سب لوگ جاگ اٹھے۔ مریض کی ہچکی کھاٹ پر تڑپنے لگا۔ تڑپتے تڑپتے اس نے ایک دفعہ پاس بیٹھی ہوئی بدقسمت شیلا پر ایک نظر ڈالی اور لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بڑے دکھ سے اس نے کہا۔ مجھے معاف کرنا۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔

شیلا اب اپنے آپ کو نہ سنبھال سکی۔ منہ پھاڑ کر رو پڑی۔ اس کا سر لشن کی ہتھیلی پر تھا۔

رونا سنتے ہی لشن کی ماں چلا اٹھی۔ کیسی بے لچھنی ہو چپ رہتی ہے یا نہیں۔

لشن کی بھاوج نے کہا بدقسمت نہیں ہے تو آتے ہی یہ حالت کیوں ہوتی۔ جس دن سے اس کے بیاہ کی بات چلی ہے اسی دن سے گھر میں تکلیف گھسی ہے۔ چپ رہو نہیں میرا بچہ جاگ جائے گا۔

اتنے ہی میں لشن کے باپ بھی آ گئے۔ انہوں نے بھی کہہ دیا۔ معلوم تو ہو گیا کہ بہو جی بڑی منحوس ہیں۔ اور اس طرح رو رو کر ہی تو میرے بیٹے کی بیماری بڑھا دی ہے۔ اب کیا خیال ہے۔

لشن اب تک اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اب آپے سے باہر ہو گیا۔ طاقت نہ رہتے ہوئے بھی پورے دم سے چلایا۔ جاؤ، ہٹو۔ تم لوگ میرے سامنے سے۔ ماں اور باپ۔ بھائی اور بھاوج بن کر تم لوگوں نے میرے ساتھ قصائی کا کام کیا ہے۔ اس بے چاری نردوش بالک کا ستیاناس کر دیا۔ اس کی تو شرم نہیں آتی الٹا اسی بیچاری کو منحوس کہتے ہیں۔ ہٹو، دور ہو جاؤ میرے سامنے سے۔ ہٹو ہٹو۔ سچ کہتا ہوں میرے سامنے سے بھاگ جاؤ۔

یہ کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ سب کے سب ڈر کے مارے سہم گئے۔ اس وقت اس کی شکل دیو سے بھی زیادہ بھیانک ہو گئی تھی۔ سب کے سب ایک ایک کر کے وہاں سے ہٹ گئے۔ شیلا کا رونا بند ہو چکا تھا۔ اس نے جھپٹ کر خاوند کو پکڑ لیا۔ اور اسے بستر پر لٹا دیا۔ لشن نے کہا "دیوی! مرتے وقت یہی بھیک مانگتا ہوں کہ مجھ پاپی کو معاف کرنا"

شیلا سوامی کے چرنوں میں لیٹ گئی۔ پیروں میں گرتے ہی وہ اپنے آپ میں کھو سی گئی۔ اور بیہوش ہو گئی۔ تھوڑی دیر میں وہ وہاں سے بھی دور پھینک دی گئی۔ سویرے ہوش آنے پر دیکھا۔ اسکی دنیا اجڑ چکی تھی۔

(۶)

شیلا سے الگ ہوتے ہی کنول سیدھا اپنے باپ کے گھر چلا گیا۔ آہستہ آہستہ اس کے دل میں ہوس کی آگ بھڑک رہی تھی۔ ساتھی بھی رنگیلے مزاج کے مل گئے تھے۔ دو سال ہو گئے مگر وہ شیلا سے نہیں ملا۔ اب اس کے سامنے جاتے اسے شرم آتی تھی۔ بُرے کاموں سے آدمی اپنی نگاہوں میں گر جاتا ہے۔ اور سمجھنے لگتا ہے کہ تمام دنیا ہمارے رنگوں سے واقف ہے۔

آخر وہ دن بھی آ ہی گیا کہ اس کے مکلاوہ کی بات ٹھہری۔ کنول کا دل اپنی بیوی کو دیکھنے کے لئے بلیوں اچھل رہا تھا۔ اس کے من میں طرح طرح کے خیال پیدا ہو رہے تھے۔ کہ دیکھنے میں اگر خوبصورت نہ ہوئی تو بڑا بُرا حال ہو گا۔ زندگی زندگی ہی نہیں رہے گی۔ وہ تو گلے کا بوجھ ہو جائیگا اور اسے ڈھوتے ہوئے بھی شرم آئے گی۔ اسی اُدھیڑ بُن میں وہ سسرال پہونچا۔

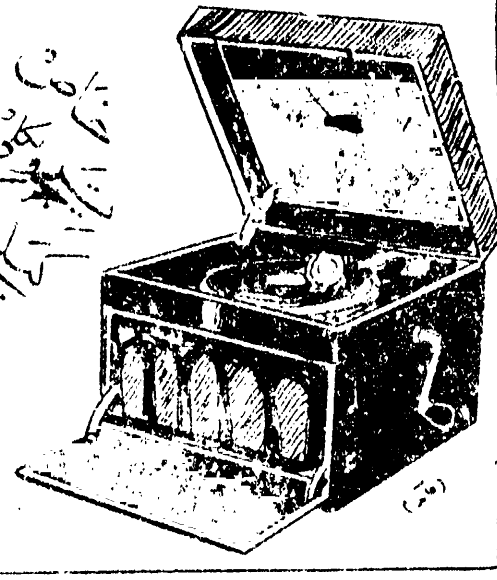
کنول کے خیالات اتنے سادے نہیں تھے کہ وہ اپنی بیوی کا روپ دیکھکر محو ہو جاتا۔ اسکی بیوی اپسرا کا رنگ

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

گراموفون!

(مزاحیہ)

از جناب حرکت [illegible]



مشاعروں میں غزلیں جب سے قوالی بھیرویں شام کلیان اور باگیسری کی دُھن میں پڑھی جانے لگیں ہم نے مشاعروں کی شرکت ہی ترک کر دی، بلکہ یوں کہئے کہ شاعری ہی کو استعفا دے دیا۔ گو طبیعت کی موزونیت میں کوئی شک نہ تھا لیکن گلا بھدا غیر موزوں تھا، اور آجکل طبیعت کی موزونیت سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ آواز کی علامت اور زیر و بم پر غور کیا جاتا ہے۔ ان حالات میں شعر و سخن کے معرکوں میں ہماری کوئی کامیابی نہ ہو سکتی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ شعر جب تک مشاعرے میں نہ پڑھا جائے اس کی قیمت وصول نہیں ہوتی، شعر ایک سکہ ہے جب تک سے بازار تک نہ پہونچایا جائے گا اس کی قدر نہ ہوگی، چنانچہ وہ اُردو کے کیسے ہی بڑے سے بڑے رسالوں میں چھپ جائے۔ لیکن شاعر کو ہرگز وہ لطف نہ آئے گا جو مشاعرے میں تحسین و ستائش کا غل ہونے پر آیا کرتا ہے۔

مشاعروں سے ترک موالات کرنے پر ہمارا ذوق شعر فنا نہ ہوا بلکہ اندر ہی اندر یہ زخم پھیلتا گیا۔ عرصہ تک ہمیں یہی فکر رہی کہ جس طرح بھی ممکن ہو مشاعرے کا لطف حاصل کیا جائے لیکن گلے کی گڑبڑ بدل نہیں جا سکتی نہیں اور ہماری آواز کو کسی طرح اچھی آواز میں منتقل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ [illegible] کے [illegible] سے بھی یہ ہمیز نہ ہو سکتی تھی کیونکہ اور لاپچی کا [illegible] گلے کی عدوائی میں کارآمد ہو سکتا تھا اور چونکہ ہمیں معلوم تھا کہ یہ مرض کس جڑ تک کی پہلوا نہیں ہے اس لئے کارہائے نوشتہ کے غراروں سے بھی یہ کام نہ ہو سکتا تھا۔ پہلے پہلے ہم گلدستوں سے طبیعت بہلاتے رہے یعنی غزل کبھی اور کسی گلدستہ میں اشاعت کی غرض سے بھیج دی مگر گلدستوں کے خاکسار ایڈیٹروں کی کسر نفسی کا یہ عالم ہے کہ وہ مشہور شاعروں کے علاوہ کسی کی پوری غزل شائع نہیں کرتے اور غیر مشہور شاعروں کی غزل خواہ کتنی ہی اچھی ہو اور انھوں نے چاہے پوری غزل استاد سے لکھائی ہو مگر صرف اس کا مطلع ایک شعر اور مقطع ہی چھپا کرتا ہے، شاگرد اور استاد دونوں اس حسن انتخاب سے ہمیشہ مجروح رہتے ہیں، چنانچہ اس ترکیب سے تسکین نہ ہوئی تو ایک دوست کے مشورے سے ہم نے گراموفون خرید لیا۔

پہلے ہی دن اپنے مردانہ کمرے میں چند احباب کی موجودگی میں ہم نے گراموفون بجایا تو ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، بالکل مشاعرے کا لطف آ گیا۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ، کیونکہ یہ جلسہ ہماری صدارت میں ہو رہا تھا، اور ریکارڈوں، اشعار، گلے بازی وغیرہ پر آہ اور واہ کی جو صدائیں بلند ہوتی تھیں، ہم ان کو تعلی اپنی طرف منسوب کر رہے تھے۔

کوئی صاحب ہیں ماسٹر نثار جن کی سکونت کے متعلق اول ہمارے دوستوں میں اختلاف رہا بعض راسی کہتے تھے بعض کے نزدیک کلکتہ اُن کا وطن تھا۔ ایک صاحب بہار کے باشندے تھے وہ بول اُٹھے ماسٹر نثار بہار میں رہتے ہیں چنانچہ زلزلہ کی قیامت میں ان کا گھر بھی منہدم ہو گیا ہے اور غالباً اُن کے بھی کچھ چوٹ آگئی تھی، پھر سلسلۂ تلمذ پر اختلاف ہوا۔ ایک بزرگ جو اپنی رائے میں گانے والوں کے شجروں سے بہت زیادہ واقف ہیں، فرمانے لگے۔ ماسٹر نثار پیارے صاحب کے شاگرد ہیں گانے کے انداز ہی سے معلوم ہو رہا ہے، کتنے سکون سے گاتا ہے کم بخت! مگر اس پر اتفاق رائے نہ ہو سکا کیونکہ بعض حضرات کے خیال میں انھیں محمد حسین نگینہ والے سے شرف تلمذ حاصل تھا، اور اس خیال کی تائید میں ضلع بجنور کے تمام باشندے ہم زبان تھے، بعض کی رائے تھی آواز میں لسّ نیت ہے، اس لئے شبہ ہوتا ہے کہ [illegible] جانکی بائی الہ آبادی سے تعلق ہو، یہ بحث تو یوں ہی رہ گئی مگر ریکارڈ انھیں کا بجایا گیا۔ غزل کا مطلع ختم ہونے سے پہلے ہی ہر طرف سے واہ واہ کی صدائیں بلند ہوئیں اور ہم نے قانون مشاعرہ کے مطابق سر نیاز خم کر کے ہاتھ کے اشارے سے آداب عرض کیا۔ مفہوم ظاہر کیا یعنی بغیر الفاظ کی امداد اور زبان کی حرکت کے سلام کیا جیسا کہ ایسے مواقع پر کیا جاتا ہے ہمیں اس وقت قطعی یہ معلوم ہو رہا تھا گویا ہم ہی غزل پڑھ رہے ہیں اور داد بھی ہمیں کو مل رہی ہے۔

جلسہ میں ایسے حضرات بھی تھے جو کلام کے مقابلہ میں موسیقی سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔ یعنی شربت کے مقابلہ میں گلاس کو پسند کرتے تھے وہ اب تک خاموش تھے مگر جب انھوں نے دیکھا کہ مشاعرہ شروع ہو گیا تو آخر ایک صاحب بول ہی اُٹھے:-

خدا کی قسم کیا گلا ہے!

دوسرے صاحب نے مجنونانہ انداز سے سر دھنتے ہوئے فرمایا۔ کیا کہنا ہے!

بھائی بھیرویں چیز ہی ایسی ہے۔

مگر یہ تو باگیسری ہے!

نہیں جی کلنگڑہ ہے!

سمجھتے بھی ہو تم دیس کی تانیں ہیں!

یہ قضیہ ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ شاعر قسم کے احباب میں ایک جدید نزاع شروع ہو گئی، غزل کا مطلع اچھا تھا۔ اس کی تعریف سے فارغ ہو کر کسی نے کہا:-

کیوں نہ ہو کلام بھی تو داغ کا ہے!

نہیں جی امیر معلوم ہوتے ہیں۔

ایک بولے، اجی کہاں کے داغ اور امیر لئے پھرتے ہو مطلع سے جگر کی ادا معلوم ہوتی ہے۔

مگر الفاظ میں تو "فانی" بول رہے ہیں۔

مجھے تو جلیل کی بو آتی ہے!

سبحان اللہ! کیا سمجھ ہے میاں جلیل صرف زبان کا شاعر ہے اور یہاں تخیل کی بلند پروازی ہے دوسرا شعر کہے تو پتہ چلے، اب تک تو میرے خیال میں آصغر کا رنگ ہے۔

اب غزل ختم ہو گئی تھی اور نوبت مقطع تک پہونچ گئی تھی، چنانچہ مقطع میں غالب کا نام آیا تو سب حیران ہوئے، مگر ایک صاحب نے برجستہ کہا، اچھا حضرت غالب ہیں وہ تو مطلع ہی پکار رہا تھا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

چند مزاحیہ رباعیات

(از جناب ہوش ملیح آبادی)

(خاص [illegible] کے لئے)

(۱)

[illegible]

(۲)

[illegible]

(۳)

[illegible]

(۴)

[illegible]

1. Cheers.
2. Tea.
3. Party

پچھلے صفحہ سے

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

کیا لاجواب مطلع کہہ گئے ظالم نے، ہم نے تو سنتے ہی قیاس کر لیا تھا کوئی نئے رنگ کا شاعر ہے جس کو جذبات کے اظہار اور کلام میں سوز وگداز پیدا کرنے میں خاص مہارت ہے۔

اب تک سب کی توجہ غزل اور گت کی طرف تھی کسی نے باجہ اور اس کے اجزاء پر تبصرہ نہیں کیا تھا، خوش قسمتی سے اس مختصر صحبت میں ہر قسم کے لوگ موجود تھے جنہا نچہ بعض حضرات احباب کا تھا جو شاعری سے ذوق رکھتے تھے نہ ہمیشہ سے، وہ ابھی تک خاموش بیٹھے یا تو ہماری صورت دیکھ رہے تھے یا انگلیاں چٹخا رہے اور جمائیاں لینے میں مصروف تھے، لیکن بہرحال راز کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ہندوستانی جلسوں میں خاموشی جہالت کی علامت خیال کی جاتی ہے ایسی مجالس میں دخل در معقولات ہی سے قابلیت اور معلومات کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ دوسرا ریکارڈ شروع ہوتے ہی ایک طویل القامت دوست جو اپنی عقلمندی، خوش مزاجی اور عظمت و جلال کے باعث ہمارے حلقہ میں نعمی طور پر سب سے بڑا کا لقب پا چکے تھے گردن کو زرا جھٹک کر بولے ساؤنڈ بکس خراب معلوم ہوتا ہے۔

مشہور ہے کہ خدا نے ہر زہر کا تریاق پیدا کیا ہے اس کی خدائی میں نقص نہ آئے اور ایک کی مضرت دوسرے کی منفعت سے باطل ہو جائے ہم کہتے ہیں کہ یہی خدا ہر معترض کی بغل میں ایک ایسا شخص بٹھا دیتا ہے جو اعتراض کرتے ہی بلکہ کرنے سے پہلے جواب عرض کر دیتا ہے، اور آنکھوں کی رستانہ گردشوں، لب و لہجہ کی التماسیانہ تبدیلیوں اور ہاتھوں کی مناظرانہ حرکتوں سے معترض کو مجبور کر دیتا ہے، کہ خاموش ہو جائے ورنہ ضابطہ کی کارروائی کی جائے گی حقیقتاً یہ خلوص کی علامت ہے کہ ایک شخص کسی دوست کی کسی چیز پر اعتراض کرے اور اعتراض خواہ کتنا ہی درست ہو مگر آپ پوری قوت سے اسکی تردید کر ڈالیں اور اس سلسلہ میں بیہودہ واقعات تک کی شہادت واقع ہونے کا انکار کر دیں۔

چنانچہ معترض کے پہلو سے دوسرے صاحب جو صرف گراموفون خریدنے کی بدولت دو چار گھنٹہ کے لئے ہمارے مخلص ترین دوست بن جایا کرتے تھے سرپر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے نہیں ساؤنڈ بکس میں تو کوئی خرابی نہیں،

اس تردید سے بحث شروع ہو گئی، اور اکثر شرکائے جلسہ کی تائید و حمایت ہمیں اور ہمارے باجہ کو حاصل تھی، کوئی ہماری تعریف میں قصیدہ عرض کر رہا تھا کوئی باجہ کی ستائش میں زبان اور دماغ کی طاقت صرف کر رہا تھا، کوئی کہتا تھا تم بڑے احسان فراموش ہو جس ہانڈی میں کھاتے ہو اسی میں چھید کرتے ہو، روزانہ رات کو بارہ ایک بجے تک یہاں بیٹھ کر باجہ سنتے ہو، پان کھاتے ہو، چائے پیتے ہو اور پھر برائی کرنے سے بھی نہیں چوکتے، معلوم نہیں کس نے شوق کے چنر کو برا کہنے کے لئے تمہیں دخل دیا ہے کوئی کہتا تھا تمہیں بیٹھے بٹھائے کی پہچان ہی نہیں مگر پہلے دوست کو بھی دلائے پر اس لئے کافی وثوق تھا کہ ان کے ماموں لکھنؤ میں باجوں کی دوکان کرتے تھے اور مرمت بھی کر دیا کرتے تھے، وہ خود بھی ان سے کسی زمانہ میں ڈیڑھ سو روپے کی ایک مشین خرید کر چکے تھے چنانچہ ذرا چیں بہ جبیں ہو کر بولے،

تم کیا جانو، دیکھتے نہیں آواز میں جھنجھناہٹ ہو رہی ہے جب ہی تو کہتے ہیں تم عقل سے پیدل ہو جھنجھناہٹ جسے کہتے ہو وہ کمانی کی آواز ہے،

کمانی میں اتنی آواز کہاں ہوتی ہے عقلمند!

بھائی باجہ نیا ہے تیل دیا جائے گا جب اس کا یہ عیب رفع ہوگا۔ سمجھے تم؟

ہم نے تو آج تک کبھی اپنے باجہ کو تیل نہیں دیا اور خدا کی قسم یہ معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی یہیں بیٹھا ہوا گا رہا ہو، کیا کہوں، بیس پچیس ۲۵ روپے خرچ ہوں گے نہیں تو کل ہی گھر چلا جاتا۔ اسٹیشن اٹھا لاتا۔ وہاں بالکل بیکار پڑی ہوئی ہے،

ابھی اللہ سب شوق دیتا ہے وہ ایسی چیزیں ساتھ ہی رکھتا ہے باجہ رکھنے کو بڑے دل گردے کی ضرورت ہے لیکن بیدھے کیا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ نئے ریکارڈ بھی ہونے چاہئیں، عمدہ سوئیاں بھی ہوں، اور پھر سننے والوں کے لئے پان اور چائے کا بھی بندوبست ہو، ورنہ یوں کون آتا ہے اپنا وقت خراب کرنے، اور یہ ہر شخص کا ظرف نہیں کہ وہ اس قدر اتنے انتظامات کرے، (ہماری طرف اشارہ کر کے) جو ان کی فیاضی اور سیر چشمی ہے!

ہم نے ایک ہاتھ سے قمیص کا گلا گھونٹتے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے پانوں کی طشتری اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا آپ مطمئن رہئے کل ہی دس ریکارڈوں کے لئے خط لکھا گیا ہے، سوئیوں کی ڈبیاں بھی منگائی گئی ہیں، اور ہاں چائے کا نیا ڈبہ تو ہم کھولنا ہی بھول گئے، آج ہی ایک نئی قسم کی چائے آئی ہے دیکھئے ابھی ہوا آتا ہوں، اب پورا جلسہ ہماری طرف ہو گیا اور معترض اس قدر زچ ہوئے کہ پھر کبھی نہ آنے کا عہد کر کے اٹھ گئے، بالکل اس جلے ہوئے شاعر کی طرح جس کو مشاعرے میں غزل پڑھنے سے روک دیا جائے اور وہ اپنی غزل کا پرچہ پھاڑ کر اٹھ جائے،

اب صرف ایک ریکارڈ ہی رہ گیا تھا جس پر اب تک تبصرہ نہ ہوا تھا۔ لیکن جہاں ایسے ایسے ماہرین فن موجود ہوں ناممکن ہے کہ وہاں بحث کا کوئی پہلو اور تنقید کا کوئی گوشہ تشنہ رہ جائے، چنانچہ ایک سنجیدہ بزرگ جن کو بدقسمتی سے نقص سماعت کی شکایت تھی اور اسی بنا پر وہ چائے سے پرہیز کرتے تھے، پان بھی نہ کھاتے تھے، فرمانے لگے،

خیر یہ تو سب کچھ ہوا مگر تم نے ریکارڈ خریدنے میں بڑی غلطی کی، پرانے گھسے ہوئے اٹھا لائے کہیں سے آواز بہت دبی ہوئی نکلتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت دور بیٹھا ہوا کوئی گا رہا ہے!

انہیں کی بغل سے ان کے ایک ہم سن بولے، کیا خوب! ناچ نہ جانوں آنگن ٹیڑھا، کان تو آپ کے بہرے ہیں اور الزام لگاتے ہیں آپ ریکارڈوں پر کہ آواز دبا ہوا ہے!

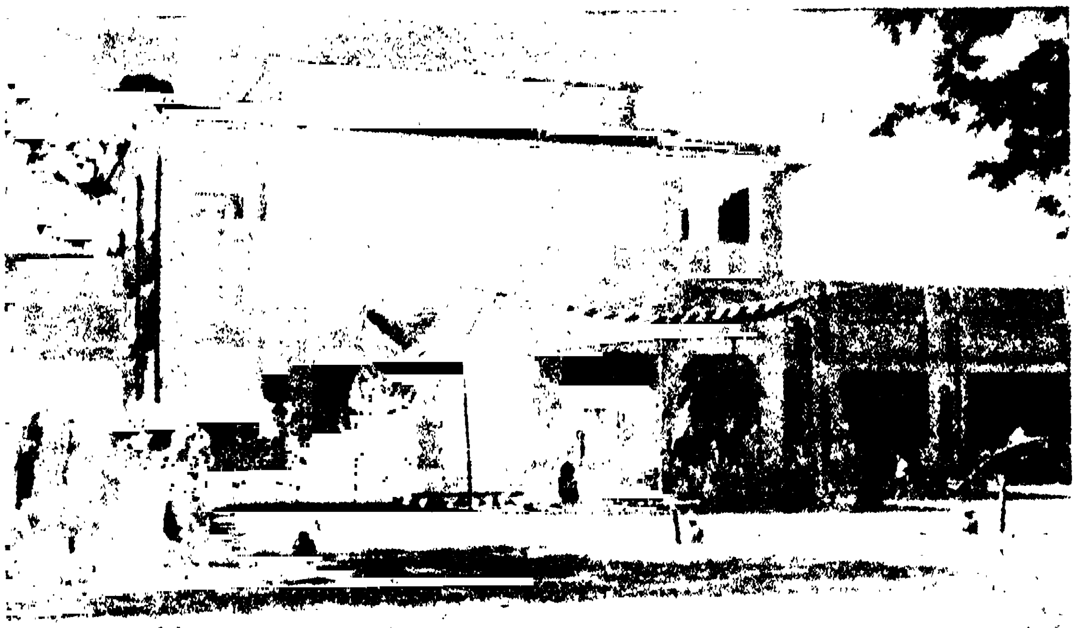
کیا کہا؟

باقی مضمون صفحہ ۳۲ پر



چینی ہندی اتحاد

ڈاکٹر ٹیگور کی مشہور یونیورسٹی شانتی نکیتن میں چینی ہال کے افتتاح کے موقعہ پر ڈاکٹر ٹیگور کی موجودگی میں پنڈت کشتی موہن وید منتر پڑھ رہے ہیں



شانتی نکیتن میں نیا چینی ہال

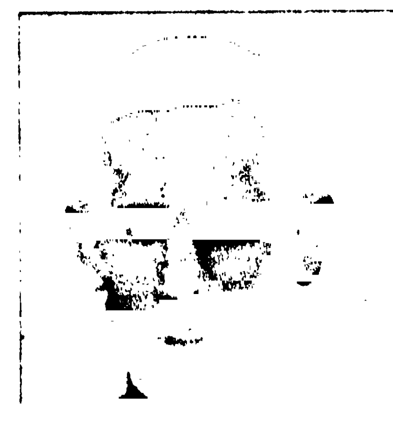


مسٹر بی-این بسواس کی لڑکی مس اُوشارانی جس نے بنگال میوزیکل ایسوسی ایشن کے جلسہ میں موسیقی کا پہلا انعام حاصل کیا ہے

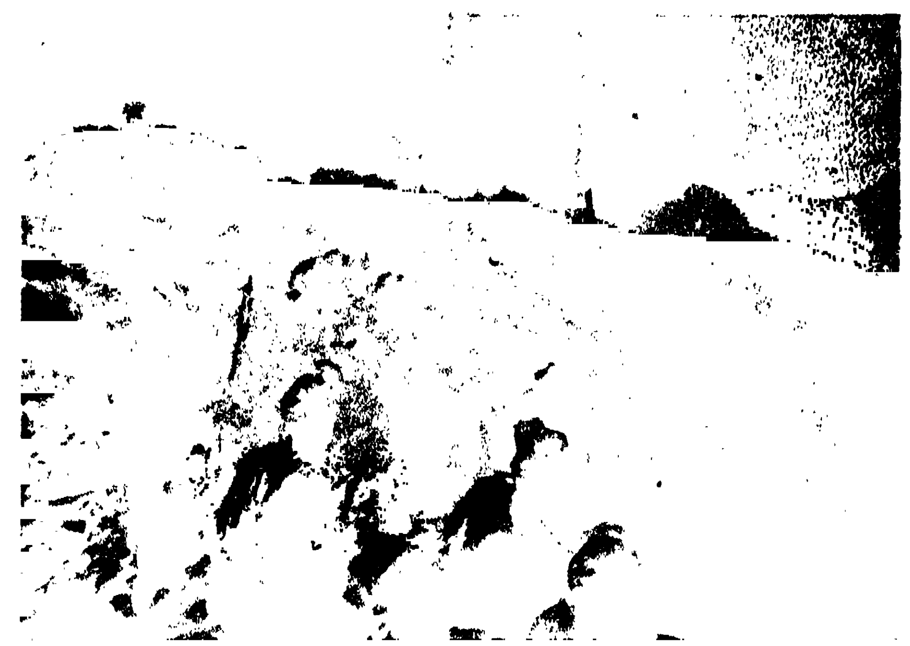
آچاریہ کرپلانی
جنرل سکرٹری انڈین نیشنل کانگریس
جنہوں نے مسٹر جناح کے جواب میں بیان کیا ہے کہ ایسا مطالبہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا جو کانگریس کے بنیادی اصول کے خلاف ہو



جنگ اور موسیقی — جرمنی کے بحری سپاہی مشہور جنگی جہاز "شلیشن" پر اپنے بجا رہے ہیں



حکیم محمد ناصر الدین زبیری
ریئس میرٹھ جو بورڈ آف انڈین میڈیسنز
یو-پی- کے ممبر مقرر کئے گئے ہیں



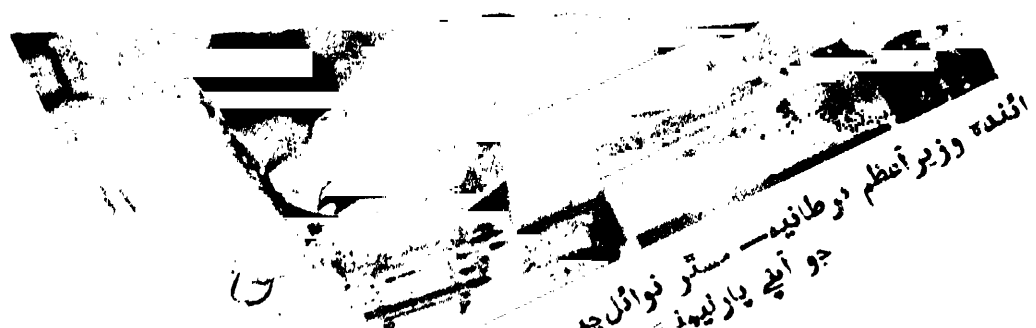
جنوبی وزیرستان کے چند قبائلی باشندے جو پہاڑی جنگ میں ماہر ہیں۔
حکومت کا ساتھ دے رہے ہیں



یہ کیا ہے؟— اسے چکی کا پاٹ نہ خیال کریں بلکہ یہ ایک سکہ ہے جو
جنوبی سمندر کے جزیرہ یاپ میں استعمال کیا جاتا ہے



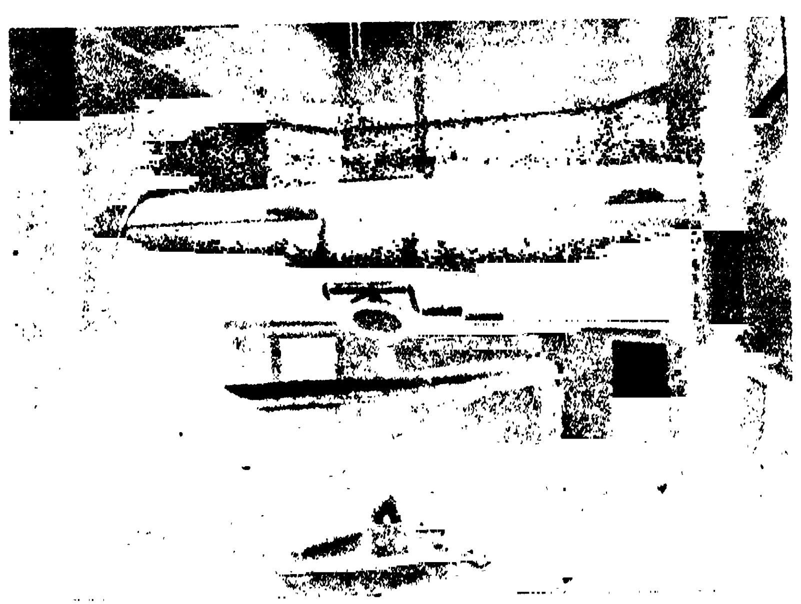
جزیرہ یاپ کا ایک دولتمند باشندہ بازار میں خریداری کرنے کے لئے
سکہ اپنے کندھے پر لیجارہا ہے



انگلستان کے وزیر اعظم برطانیہ— مسٹر نوائل چیمبرلین اس بجٹ پر غور کر رہے
جو آپنے پارلیمنٹ میں پیش کیا تھا



راؤبہادر چودھری چھوٹورام
وزیر پنجاب جنہیں دربار تاجپوشی کے
موقعہ پر سر کا خطاب دیا گیا ہے



ایکسریز کا ایک جدید ترین آلہ جو سرطان کے علاج میں
استعمال کیا جاتا ہے

Central's Travellers' Cheques.

سنٹرل بنک آف انڈیا لمیٹڈ نے پبلک کی
ہت کے لئے ٹریولرز چک جاری کئے ھیں
وبھہ سنٹرل بنک کی ھرایک شاخ اور
س سے مل سکتا ھے



چند روز ھوئے ایڈی لنلتھگو نے پارچہ بافی کے مشہور کارخانے دھلی کلاتھ ملز کا معائنہ کیا تھا تصویر میں لالہ شری رام لالہ شنکر لال اور ملز کے کئی سرکردہ ڈائرکٹر لیڈی لنلتھگو کے ساتھ کھڑے ھیں

مٹی کے تیل سے چلنے والا موٹر اِنجن

گرانڈ اِنڈیا موٹرز لمیٹڈ کے اِنجنیر نے ایک موٹرانجن تیار کیا ھے جو مٹی کے تیل سے چلتا ھے



یورپ میں پانچ بڑی طاقتوں کی جنگی تیاریاں!

موت کی دوڑ میں سب ہار جائینگے

دنیا کے امن کا جنگی تیاریوں اور دفاعی پروگراموں سے خطرہ عظیم

(از قلم مسٹر ہنسین ڈبلیو بالڈون)

اقوام یورپ کی اسلحہ بندی دوڑ جس سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے اس کا جسقدر قریبی مطالعہ کیا جائے عجب خیزیات دکھائی دیگی کہ اچھے خاصے معقول اور بڑے لوگ اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔

فرانس اور برطانیہ نے کروڑوں روپے کے قرض لئے ہیں تاکہ بزمانہ امن حفاظتی پروگرام" اور جنگ کے لئے عظیم الشان تیاریوں میں مدد ملے۔ یورپ کی نگاہیں اس وقت جرمنی کی طوفانی افواج پر لگی ہوئی ہیں۔ اور جو یورپین اسلحہ بندی میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ اور تعداد کے اعتبار سے دنیا میں سب سے زیادہ افواج اگر کسی کے پاس ہیں تو وہ روس ہے۔ جس کے برف پوش کوہستانی سلسلوں پر دور تک پھیلی ہوئی پلی گئی ہیں۔ اور اٹلی کی افواج ہیں جو جدید ترین آلات سے لیس ہیں۔ یہ تو وہ بڑی بڑی قومیں ہیں جن کا حال ہمیں معین طور پر معلوم ہے۔ اور علیحدہ علیحدہ بتائی جاسکتی ہیں۔ ورنہ جنگی تیاریاں دنیا کے ہر حصہ میں ہو رہی ہیں جنگ اور حفاظت کے نام پر تیاریاں کرنے والے ممالک کی طاقت کا اندازہ تو اس طرح نہیں لگایا جا سکتا ہے کہ جدید میکانی اور شینی عہد میں جب فنون جنگ سائنس نے بالکل بدل دیئے ہیں۔ قدیم دنیا کی پانچ بڑی طاقتوں میں برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی، روس کی صحیح فوجی اور دفاعی طاقت کا علم ہونا دشوار ہو گیا ہے کیونکہ صرف اسلحہ یا تعداد افواج ہی نہیں ہے جو اصل طاقت کا پتہ بھی دے سکے اور جدید یورپ کی سیاسی و اقتصادی الجھنوں میں دیگر عناصر اسقدر مستور ہو گئے ہیں کہ کوئی صحیح اندازہ لگانا دشوار ہے۔ کیونکہ بعض معلومات اور اعداد و شمار کی ضرورت ہے اس کے اخفا کی خاص کوشش کی جاتی ہے اور جنہیں ظاہر کیا بھی جاتا ہے، اس میں مبالغہ آمیزی ہوتی ہے۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی صحیح تعریف ہونا اور جن کی تصدیق اور صفائی ہونا ایک امر محال ہے۔

جرمنی کی طاقت

فرانس اور انگلستان میں جرمنی کی اسلحہ بندی اور افواج کے بارے میں ماہرین عسکریت سے جو گفت و شنید ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی کی فوجی طاقت کے بارے میں بہت مبالغہ سے کام لیا جا رہا ہے۔ اور اسکی فوجوں کی حالت بھی ایسے اچھے معیار اور اوصاف کی نہیں ہے جسقدر ہم لوگ خیال کرتے ہیں۔ بلکہ سخت مایوس کن ہے۔

فرانس کے پاس جو فوجیں ترقی یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں ان کی بنیاد پر وہ یہ سمجھتا ہے کہ کم از کم اس سال کے آخر تک وہ اسقدر مضبوط اور قابل اطمینان حالت میں ہے کہ جرمنی اگر چڑھائی کرے تو اس کا جواب دے سکے۔

برطانیہ میں بحری اور ہوائی پروگرام خاص طور پر تکمیل پہونچ رہے ہیں۔ گذشتہ سال برطانیہ کو اپنی حالت کی طرف سے جو خدشہ تھا، امسال نہیں ہے۔ مگر اس نے اسلحہ بندی اور حفاظت کا جو پروگرام شروع کرایا ہے وہ آئندہ کئی سال تک برابر جاری رہے گا۔

خواہ کچھ بھی ہو یورپ کی فوجی اور دفاعی معاملات کی بحث میں جرمنی اب بھی مرکز نظر بنا ہوا ہے۔ اس کے بعد اٹلی ہے۔ اور بحر روم کے اردگرد کے مقامات کی حالت عسکری

پردہ انقطاع میں جو یورپ کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے ہاں میں اس ذنعہ بڑا حصہ لیں گے۔

یورپ کے سمندروں میں برطانیہ کو اب بھی فوقیت اور بڑائی حاصل ہے ۱۹۴۳ء تک اس کا تعمیری پروگرام ایک عظیم درجہ تک پہونچ جائے گا۔ جبکہ اس کے پاس (۲۴) بارہ (۲) بڑے جنگی تباہ کن موجود ہوں گے۔ مگر یورپ کے سمندر ایسے تنگ ہیں کہ ان میں بڑے بڑے جہاز چلانا بڑا دشوار امر ہے۔ نیلسن کے وقت میں جو بات تھی اب اسکی جا سکتے ہیں۔ اور تقریباً ۱۰۰ فیصدی جہاز محفوظ کئے گئے ہیں۔ فوری اور ضروری امور کی طرف توجہ کرنے کے لئے وہ دن آ رہا ہے جب برطانیہ کو ہوا میں بھی ویسی ہی باعزت پوزیشن حاصل ہو جائیگی جیسی سمندروں میں اسے اسوقت تک حاصل رہی ہے۔

برطانیہ کو جس بات کا زیادہ خطرہ ہے وہ اس کی فوجوں کی کمی ہے۔ مگر اسے یورپ میں فرانس جیسا حلیف مل گیا ہے، جس کے پاس کافی فوجیں موجود ہیں۔ برطانیہ کی ہوائی اور سمندری طاقت فرانس کی افواج سے ملکر یورپ میں ایک قابل رشک اتحادی منظر پیش کریں گی۔

برطانیہ کی ہوائی طاقت

اگرچہ تمام یورپ کی توہین ہے مگر مغربی یورپ کی سب سے بڑی ہوائی طاقت بننے کے لئے برطانیہ نے تیزی سے ترقی شروع کر دی ہے۔ اس وقت اس کے پاس (۱۶۱۰) جہاز ہیں جو دنیا کی ہوائی جہاز بنانے کی صنعت کے بہترین اور جدید ترین آلات سے مزین ہیں۔ یہ افواج کی نقل و حرکت اور بمباری کے دوروں میں استعمال میں بہت تبدیلی ہو گئی ہے۔ اس لئے برطانیہ نے ہوائی طاقت کی طرف رخ کیا ہے۔

فرانس کی حالت

فرانس کو اپنی افواج کی طاقت پر بہت گھمنڈ ہے۔ اگرچہ اس کے پاس جنگی ٹینکوں مشینوں اور دیگر جدید آلات جنگ کی قابل لحاظ کمی ہے مگر اس کی فوجوں کو ایسی اچھی تربیت حاصل ہے کہ شاید ہی کسی اور ملک کی فوجوں کو ملی ہو۔ اس کا جنگی انتظام بہت اچھا۔ جنگی جہازوں میں کامل درستگی اور سمندر سے لیکر سوئٹزرلینڈ تک تمام ضروری موقعوں پر قلعہ بندی اور سپاہیوں کی تعداد فرانس کو یورپ کی ایک اہم طاقت بنا دیتی ہے۔ بظاہر موجودہ حالات میں فرانس کی طاقت ہر چند کم پیدا ہو گیا ہے لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ اپنے آپ کو بالکل تیار رکھیں کا نیتجہ ہیں۔ نیز تغیرات جنگ سے بخوبی متعین ہوتا ہے۔

فرانس کی فوجی ہوائی طاقت

ہوائی طاقت کے بارے میں فرانس کو ایک وزن حاصل ہے۔ اس کے پاس ہوائی جہاز دو ہزار کی تعداد میں ہیں مگر جدید آلات اور معاملات سے مزین ہوائی جہاز صرف ایک ہزار یا شاید اس سے بھی کم ہیں۔ جب موسیو بلوم کی حکومت فرانس میں برسر اقتدار ہوئی، ہوائی جہازوں کی تعمیر، ہوائی طاقت کی تنظیم اور ہوائی سپاہ کی تربیت کے کاموں کو بڑا صدمہ پہونچا کیونکہ وہ کوئی مدد دیتے اور اس طرف خاص توجہ کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ علاوہ ازیں فرانس کو ایک یہ خرابی بھی ستاتی ہے کہ برطانیہ کے برخلاف اس کی تینوں قسم کی فوجی طاقتوں یعنی بری، سمندری اور ہوائی طاقتوں میں کوئی ربط اور باہمی تعاون نہیں ہے۔ ہمارا سوال ہے کہ مکمل عسکری قوت کو نقصان اور بدنظمی بے عملی کا صدمہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

جرمنی کی قوت

تیسری "ریشلغ" (تیسری جرمنی حکومت) کی فوجی طاقت خاص طور پر مشہور ہے مشینوں اور تنظیم کے اعتبار سے جرمنی کی فوجی طاقت اس کے لیڈروں کے شایان شان ہے۔ جرمنی کے ہوائی جہاز جو صف اول کے ہوائی جہاز کہلاتے ہیں۔ اگرچہ برطانیہ کے مقابلہ پر کم ہیں۔ مگر یہ بات برطانیہ کے لئے فکر و تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے کہ جرمنی کے پاس محفوظ طاقت میں کتنی ہوائی قوت موجود ہے۔

روس اور اٹلی

پولینڈ کے اس پار روس ہے اور ہٹلر کہتا ہے کہ جرمنی روس کی طرف رخ کئے بیٹھا ہے۔ سمندری طاقت کے بارے میں روس کی کوئی خاص قوت نہیں ہے ما سوا اس آبدوز کشتیوں کی طاقت کے جو مشرق بعید میں اسے حاصل ہے۔ مگر اس کے پاس (۱۲۵۰۰۰۰) افراد پر مشتمل فوج ہے۔ جو دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یورپ میں ہوائی طاقت بھی روس کے ہی پاس زیادہ ہے۔

اٹلی

اٹلی پانچ بڑی طاقتوں میں آخری طاقت ہے اسنے معین طور پر اپنا رخ بحر اوقیانوس کے علاقوں اور افریقہ کی جانب کر لیا ہے۔ اسے بحر اوقیانوس میں ایک اہم پوزیشن حاصل ہے۔ خاصکر ہوائی طاقت کے اعتبار سے اسکی فوجیں اگرچہ تھوڑی ہیں مگر نئی تازہ دم اور ترقی یافتہ ہیں۔ جسکا ثبوت حال ہی میں فتوحات حبش میں ہم دیکھ چکے ہیں۔ بہر نوع ہم اٹلی کو یورپ کی دیگر طاقتوں کے ہم پلہ شمار کر سکتے ہیں۔

یہ پانچ طاقتیں اپنی موجودہ اسلحہ بندی اور فوجی تیاریوں سے پوری طرح مطمئن ہیں۔ بلکہ سمندر، ہوا اور زمین پر اپنی اپنی فوجی طاقتیں بڑھانے میں برابر لگی ہوئی ہیں اور نئے نئے پروگرام بر سر عمل لائے جا رہے ہیں۔ دیکھئے یہ دوڑ کس نقطہ پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ یہ موت کی دوڑ ہے — مگر یہ کہنا آسان ہے کہ اس موت کی دوڑ میں جیتنے کا کوئی نہیں سب ہاریں گے!!

ایک شہری شاعر کی جدت ہائے فکر

پھول کی تمنا

خاص تیج ویکلی کیلئے

از جناب مقبل شیدائی شاہجہانپوری

حسرت نہیں ہے زینتِ زلفِ بتاں بنوں
پیشانئ جمال کا رنگیں نشاں بنوں

مشاطۂ بہار کو ہو مجھ پہ نازِ حسن
یا عندلیبِ زار کی اک داستاں بنوں

مجھ پہ ہی تاج و تخت کی رونق کا ہو مدار
یا میں ہی روحِ جدتِ نور جہاں بنوں

حوروں کا ہار بنکے نہ جھولا سماؤں میں
یا محفلِ نشاط میں مطرب کی جاں بنوں

یا مورتوں کی نذر کریں برہمن مجھے
یا عاشقوں کی قبر کی روحِ رواں بنوں

یا حسن باوفا کی اداؤں سے کر کے ساز
زیبِ تنِ قلم بنوں شاعر کی جاں بنوں

حسرت یہ ہے کہ ڈال دے کوئی مجھے وہاں
ہو اہلِ حبِ قوم کا اکثر گزر جہاں

گراموفون! (مزاحیہ)

(صفحہ نمبر ۱۶ سے آگے)

آپ کی سماعت کا یہ حال ہے تو آواز دبنا ہی چاہیئے

کیا مطلب ؟

یعنی آپ معمولی گفتگو سننے ہی سے عاجز ہیں تو ریکارڈ کی آواز آپ ہی کم ہوکر پہنچے گی کانوں میں آپ کے، ... جاتے ہیں اتنے زور سے چیخ رہی ہے وہ غریب ... آواز دبی ہوئی ہے!

... صرف ... گفتگو کو ختم کر دیا۔

اتنی دیر میں ... ریکارڈ بج چکے تھے جو ایک طرف رکھے ہوئے تھے ... کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، ہمارے سامنے ... میز پر ... گراموفون رکھا ہوا تھا ... قریب ہی کرسی پر ... ریکارڈ منتخب کرکے ... ریکارڈ ان کو ... کاغذ کے لفافہ میں رکھ رکھ کر بکس میں بند کرتے جاتے تھے، ایک مرتبہ وہ بڑے غور سے لفافہ کی تصویر کو دیکھ کر بولے :-

گاتی تو اچھا ہے مگر صورت بڑی مکروہ ہے

یہ سنتے ہی متعدد حضرات اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جلسہ کے نائب صدر یعنی ہمارے ... صاحب کے پاس آکر جھک گئے اور ایک دم سے سب نے سوال کیا،

دیکھیں کون ہے ؟

ارے وہی ہے جو ابھی گا رہی تھی!

کون ہے ؟

ہاں دیکھو ... صورت ہے۔

کیا کہنے ہیں کیا بات ہے اس میں ... کا نقشہ کیسا دلفریب ہے، ناک بھی بڑی ... آنکھیں ہرنی کی آنکھوں کو شرما رہی ہیں۔

ہونٹ تو دیکھو ذرا جیسے کونپلے کے گلاب !

اور منہ کہ ... جیسے غنچہ سا!

ناک بھی چھپی ہے!

شاید چہرے پر چیچک کے داغ بھی ہیں!

رنگ بھی ... معلوم ہوتا ہے!

رہنے دو بس ... معلوم ...!

اچھے خاصے کتابی چہرے کو ... خط وخال ... لفریبی کا اندازہ کرلینا ہر شخص کا کام نہیں ہے یہ ایک مستقل فن ہے!

اور یقیناً اس فن کے پروفیسر آپ ہیں!

یہ تو نہیں کہتا کہ آپ سے زیادہ بصیرت رکھتا ہوں، میری اور آپ کی بصیرت میں صرف عینک کا فرق ہے ورنہ میں آپ سے اچھی نگاہ رکھتا ہوں،

زبانی دعووں سے کام نہیں چلتا۔

آپ بھی زبان کے علاوہ کسی اور آلہ حرب سے کام نہیں لے رہے ہیں۔

اچھا چپ رہو!

کیوں ؟

اس لئے کہ میں زیادہ بیہودگی پسند نہیں کرتا!

اور میں کم بیہودگی پر بھی آدمی کو مار بیٹھتا ہوں،

خدا کی قسم تم حد سے گزرتے جاتے ہو۔

آپ بھی حد کے اندر نہیں ہیں!

مگر میں نے اب تک کوئی بدتہذیبی نہیں کی!

یہ حرکت تو میں نے بھی نہیں کی،

اتنے میں چائے آگئی اور ہم نے فوراً پیالی ... پیش کرتے ہوئے کہا :-

بس اب خاموش ہو جائیے،

میں تو پہلے ہی خاموش ہو جاتا مگر ذرا دیکھئے تو ...

کیا ہو گیا ہے، زبردستی آنکھیں نکال رہے ہیں۔

میں زبان بھی نکالتا ہوں آدمی کی!

ذرا دیکھئے خدا کی قسم ان کو سنبھالئے،

میں نے شراب نہیں پی کہ مجھے کوئی سنبھالے،

لیکن نشہ کس چیز کا ہے ؟

اس کے جواب میں وہ بہت لیکر کھڑے ہوگئے ہر طرف سے ارے ارے اور ہائیں ہائیں کی صدائیں بلند ہوئیں بڑی مشکل سے معاملہ پر قابو پایا۔

ہم نے ایک دن وقت مقررہ پر اعلان کرا دیا کہ آج مشاعرہ نہیں ہوگا باجہ کی کمانی ٹوٹ گئی،

کب ٹوٹی ——— کیسے ٹوٹی ——— کس نے توڑی ——— اور اسی قسم کے اکثر سوالات ہم سے کئے گئے، ورنہ اب ہم خود ہی اندر سے باہر آگئے ——— بس ٹوٹ ہی گئی!

یہ تو کوئی بات نہ ہوئی!

معلوم ہوتا ہے بیوی نے جل کر توڑ ڈالی۔

چونکہ آج چائے اور پانوں کا کوئی انتظام نہ تھا اور یہ سب لوگ اس عرصہ میں ان چیزوں کے عادی ہوگئے تھے انہوں نے ایسی ایسی صلواتیں سنائیں کہ بس ہماری ہی کلیجہ تھا کہ پی گئے، ورنہ کوئی اور ہوتا تو نہ معلوم کیا کرتا۔ لیکن اس کے اگلے ہی دن ہم نے ... روپے کے نقصان سے باجہ فروخت کر کے ... بند ... دی۔

صفحہ ۱۴ سے آگے

گورا تھا۔ چہرہ بھرا ہوا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ بال لمبے لمبے تھے، سب کچھ تھا مگر وہ سندر نہ تھی۔ کم سے کم دو چار داغ چہرے پر اور ناک کچھ چپٹی۔ کنول کو اندر ہی اندر غصہ آرہا تھا۔ کیونکہ اس سے کہیں بڑھ کر خوب صورتی اسنے دیکھی تھی۔ اور روز دیکھتا تھا۔ اسے امید تھی کہ اسکی بیوی کی خوب صورتی سب سے بڑھ کر ہوگی۔ مگر وہ ہوا نہیں اسے اپنے ماں باپ پر غصہ آیا اور وہ بار بار اپنے جیون پر پچھتانے لگا۔

صبح وہ شیلا سے ملا تو اس طرح رونے لگا جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کے مرجانے پر روتا ہے۔ شیلا سے بھیا برسوں بعد ملا ہے، میری حالت دیکھکر آنسو نکل آئے ہونگے۔ وہ بھی بہت دیر تک اس کے ساتھ روتی رہی۔ رونے کے بعد دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا کتنا فرق تھا۔ کنول اب وہ کنول نہ تھا۔ شیلا اب وہ شیلا نہ تھی۔ دونوں بدل گئے تھے۔

رونا بند کرتے ہی کنول بول اٹھا۔ ایسی ہی خوبصورت بہو کو دیکھنے کو تمہاری بھوا یعنی میری ماں مری جا رہی تھیں۔

کیوں کوئی کانی کلوٹی تو نہیں ہے؟

ہاں، یہی ایک کمی باقی رہ گئی ہے۔

بات کیا ہے کنول؟

کچھ نہیں بہن۔ سب ٹھیک ہے۔

یہ کہکر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں سے چل دیا۔ شیلا کھوئی ہوئی سی چپ چاپ وہاں ہی کھڑی تھی۔

(۷)

ودھوا سے بڑھکر دنیا میں بری بلا کوئی نہیں جس گھر میں ایک بھی ودھوا ہوتی ہے وہاں کی حالت بالکل ہی الگ ہو جاتی ہے۔ وہ بے چاری سب کی آنکھوں کا کانٹا بن جاتی ہے۔ لاکھوں خوبیاں رہتے ہوئے بھی وہ کسی کام کی نہیں رہتی۔ جو چاہتا ہے اس کے دو ٹھوکریں لگا دیتا ہے۔ شیلا بھی ان ہی بد قسمتوں میں سے تھی۔ گھر کے کسی آدمی کو بھی اس کی حالت پر رحم نہیں آتا تھا۔

دن رات کام میں لگے رہنے کے باوجود بھی اسے ساس جٹھانی۔ اور نندکی کھا لیاں سننی پڑتیں تھیں۔ اسپر بھی کپڑے اور تیل کو ترسنا پڑتا تھا۔ کبھی اگر ذرا صاف کپڑے پہن لیتی تو اس کے اوپر طعنے پڑنے لگتے۔ شوق تو سب ہی کو ہیں۔ مگر نصیب کہاں سے لائے گی وہ تو پہلے ہی پھوٹ گئے۔

اگر کبھی بالوں کو سٹی سے دھونے بیٹھتی تو کانوں میں یہ لفظ گونجنے لگتے۔ صابن کے بغیر تو بال ملائم نہیں ہوتے مگر کیا کیا جائے لاچاری ہے۔ کلیجہ کو پتھر بنا کر وہ بے چاری ان باتوں کو بڑی شانتی سے سن لیا کرتی۔ اور صبر کر لیا کرتی تھی۔ مگر صبر کی بھی تو ایک حد ہوتی ہے۔

ایک دن کمرے میں بیٹھی ہوئی وہ اپنے بالوں کو سنوار رہی تھی، اسی وقت نندجی بھی آگئیں۔ دیکھتے ہی اس کا پارہ چڑھ گیا۔ کڑک کر بول اٹھی۔ اس طرح بن سنگار کرکے کس کو دکھاؤ گی۔ بھوجن بنانے کی بھی کوئی فکر ہے، ذرا دیکھو تو شام ہوگئی۔

اسی وقت جٹھانی جی بھی آگئیں اور کہنے لگیں ارے باپ رے باپ یہ جائیں گی کھانا بنانے، ان کے سنگار دن میں خلل نہ ڈالو بہن جی۔ نہیں تو بڑی بری بات ہوگی

شیلا اب زیادہ ضبط نہ کرسکی، چوٹ کھائی ہوئی ساپن کی طرح پھنکار مار کر بولی۔ جائیے آپ لوگ سامنے سے ہٹ جائیے، میں مزدورنی نہیں ہوں کہ دن رات آپ لوگوں کی حکم برداری میں لگی رہوں۔ اگر اسی طرح کیا کی زندگی گذارنی ہے تو اور کہیں گذارونگی یہاں نہیں!

یہ بھی ہی پھنکار تھی۔ دونوں جھلا کر وہاں سے چلدیں شیلا بیٹھی بیٹھی اپنی قسمت پر آنسو بہاتی رہی۔ ہائے اسکی قسمت میں کیا دکھ تھا!

(۸)

جٹھانی نے سوچا شیلا پر کوئی جھوٹی تہمت لگا کر اسے پوری سزا دلوانی چاہیئے۔

رات کو سوتے وقت شیلا کی جٹھانی نے اپنے پتی دیو کے کانوں کے پاس منہ لے جا کر کہا۔ کچھ سنا! کیا۔

چپ چاپ بیٹھے رہو پھر پتہ چلے گا۔

تم تو معمہ بتاتی جارہی ہو، کوئی سمجھے کیا خاک یا پتھر! جس کی عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں، وہ ایسی ہی باتیں کیا کرتا ہے۔

ارے بھئی کچھ کہو بھی،

ہوں کیا، یہ دلہن جی اب بگڑی اتروائے بنا نہیں رہیں گی۔

بات کیا ہوئی اے چارے گھبرا کر پوچھا۔

اور کیا بات ہوگی تمہارا بھیجا تو آجکل ہے۔

تم جی کیسی باتیں کرتی ہو کہیں ایسا ممکن ہے!

ہاں میں تو ایک نادان چھوکری ہوں۔ پڑ و گے پھیر میں جب معلوم ہوگا۔

تو کیا سچ کہتی ہو۔ یہ کام کس طرح ہوگیا۔

یہ کام کیسے نہ ہوتا۔ پڑوسی سے گھنٹوں باتیں ہوا کرتی تھیں، اگر اس بارے میں کہا جاتا تھا تو دیوی جی لڑنے جھگڑنے اٹھتی تھیں۔ اسی کا یہ پھل ہے اور کیا ہوگا۔

تو اب کیا ہوگا؟

ہوگا کیا۔ پرسوں پورنماشی ہے ہی، اشنان کے بہانے کاشی پہونچا دو۔ سب جھنجھٹ دور ہو جائیں گے

دونوں اسی بات پر راضی ہوکر اسوقت تو سو رہے سویرے اٹھتے ہی جٹھانی جی نے شیلا سے کہا۔ کل پورنماشی ہے ہم سب لوگ کاشی نہانے جارہے ہیں۔ گھر میں کوئی نہیں رہے گا۔ تم کو بھی چلنا پڑیگا۔

شیلا نے حامی بھرلی۔ اسے کیا معلوم کہ کاشی میں گنگا اشنان کرنے والی بال ودھواؤں کی کیا قیمت ہے اور ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔

(۹)

کنول کی بیوی اپنی قسمت کو الگ رو رہی تھی اس کے دکھوں کو کوئی سمیٹنے والا نہیں تھا۔ جب سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

چوتھے صفحہ سے

سسرال آئی ایک دن بھی پتی نے جی کھول کر اس سے بات چیت نہیں کی تھی۔ وہ ہر طرح سے کنول کی سیوا میں لگی رہتی تھی۔ کپڑے وغیرہ سجا کر رکھنا۔ کمرہ دھونا۔ جھاڑو دینا۔ لیکن ... کھانا کھلانا۔ یعنی اس کے ... ہر ایک ... کا ... رکھتی تھی۔ مگر اس کی طرف ... کوئی نہیں تھا۔ کنول صرف کھانا کھانے ... گھر میں قدم رکھتا تھا۔ ... کوشش کرتی تھی۔ مگر سب کوششیں بیکار ... تھیں۔ اسی طرح ایک سال گذر گیا۔

بسنت کی ... ہوا چل رہی تھی، موسم بڑا خوشگوار تھا۔ یار لوگوں کی پارٹی ایک ہوٹل میں جمی ہوئی تھی۔ پیالہ پر پیالہ ... چل رہا تھا۔ اور قہقہوں سے سارا ہوٹل گونج رہا تھا۔ ایک ... دوست نے کنول سے کہا۔ آج چلو، شام کو تم کو ایک بڑی عمدہ طائفہ دکھائیں گے۔

کہاں یار!

کنول کے منہ سے رال ٹپک پڑی۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح بھوکی بلی چھیچھڑے دیکھتے ہی کتے کے منہ میں سے ٹپک پڑتی ہے۔

ارے یار کچھ پوچھو مت، سارے بنارس میں اگر چراغ لے کر بھی ڈھونڈ لوگے تو ایسی حسین عورت نہیں مل سکتی ہے۔

تو چلو آج کی رات وہیں جلسہ ہو، کتنے روپے ساتھ لے چلوں؟

ارے یار لے لو چالیس پچاس روپے اور کیا۔

بس اتنے سے کام چل جائے گا!

نہیں چلے گا تو دیکھا جائے گا۔

اچھی بات ہے۔ مگر چلنے کا وقت بتا دو۔

یہاں سے ٹھیک گیارہ بجے چل دینا۔

سب لوگ تو چلدئے۔ کنول اور رمیش دونوں کہیں گھومنے چلے گئے۔ کنول نے راستے میں رمیش سے کہا کہ یار آج تو ہمارے ہی ہاں کھانا کھا لو۔ اب کہاں اپنے مکان پر جاؤ گے اور پھر واپس آؤ گے۔

رمیش فوراً ہی اس بات پر راضی ہو گیا۔ رات کے دس بجے دونوں دوست گھر میں گھسے۔ دونوں نے تھوڑی دیر باتیں کیں بعد میں کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد کنول اوپر کے کمرے میں گیا اور رمیش نیچے اتر گیا۔ کنول نے صندوق سے کچھ روپے نکالے اور جلدی سے واپس اتر آیا۔ دروازے پر پشپا کھڑی تھی۔ اس نے ان دونوں کی سب باتیں تو سن ہی لی تھیں، آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔ آخر میرا بھی آپ پر کوئی حق ہے یا نہیں۔

کنول نے جھلا کر کہا۔ یہ سب بیہودہ باتیں ہیں میں نہیں جانتا۔

پھر کون جانے گا؟

میں نہیں جانتا اور چاہے کوئی جانے۔

آپ روز اسی طرح ساری ساری رات غائب رہا کرتے ہیں۔ آج میں کسی طرح نہیں جانے دونگی۔

تم میرے پیروں کی بیڑی نہیں ہو، ہٹو مجھے دیر ہو رہی ہے۔

نہیں میرے دیوتا، میں آپکے پیروں کی بیڑی نہیں اس میں بیٹھی رہنے والی دھول ہوں۔ مجھ بدقسمت پر رحم کرو۔ میں صرف آپ کی داسی ہوں۔ میری دردناک حالت پر رحم کرو۔ میرے راجہ! اتنا کہکر پشپا نے کنول کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

بس بس بہت نخرے کر چکی۔ جاؤ ادھر جا کر رو۔ مجھے تمہاری شکل سے نفرت ہے۔ یہ کہکر کنول تیزی کے ساتھ سیڑھیوں سے اتر گیا۔

پشپا نراش ہو گئی اسے اپنی جیون سے نفرت ہو گئی ایسے جیون سے کیا فائدہ جس میں رونے کے علاوہ دوسرا کام ہی نہ ہو۔ اپنی اس قدر بے عزتی دیکھکر کون سی عورت زندہ رہنا چاہے گی۔ وہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔ دیوار میں ایک بڑا ہی خوب صورت پتی کا فوٹو لٹک رہا تھا اسے ہاتھ میں لے کر بار بار پرنام کیا اور پھر نہ جانے کیا سوچکر اسے وہیں ٹانگ دیا اور پیچھے سے گھر چھوڑ کر باہر کی راہ لی۔ رات کے اس سناٹے میں وہ نہ جانے کدھر نکل گئی۔

(۱۰)

رات کے بارہ بج گئے۔ کنول بابو اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ایک نوکرانی نے آکر کہا بائی جی ابھی آتی ہیں۔ نوکرانی کی بات ابھی ختم نہ ہوئے پائی تھی کہ بائی جی آگئیں اور کنول بابو کے سامنے بیٹھ گئیں۔ کنول نے ان کو دیکھا اور انہوں نے کنول بابو کو۔ کنول کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اور اسے سارا کمرہ گھومتا ہوا نظر آنے لگا۔ بائی جی کا سارا بدن پسینہ پسینہ ہو گیا ان کے سر پر ایک دم بجلی سی گر پڑی۔ سب کے سب حیرت میں تھے۔ ان دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ دونوں کا خون سوکھ گیا تھا۔ کنول اب چپ نہ بیٹھ سکا۔ ایکدم بولا، بہن میرا ادھار کرو۔ یہ کہکر وہ بائی جی کے چرنوں میں لوٹنے لگا۔ بائی جی اس سے لپٹ کر بچوں کی طرح رونے لگیں۔ دونوں کو روتے دیکھکر سب دوست وہاں سے ایک ایک کے چلدئے۔ کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ دل بھر کر رو لینے کے بعد کنول نے پوچھا۔ تم نے یہ کیا کیا بہن؟

ششیلا کا بدن غصے سے کانپنے لگا۔ بولی تم مردوں کو یہ پوچھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیا میں بھی پوچھ سکتی ہوں کہ تم اس نرک کے کیڑے کیسے بن گئے۔ میری کہانی سنوگے تو جیتے کوئی نہیں چاہے گا۔ میری جٹھانی کے پتی دیو مجھے یہاں گنگا اشنان کرانے لائے تھے، ان کی ہی وجہ سے میں آج اس نرک میں سڑ رہی ہوں کہانی لمبی ہے چلو اٹھو یہاں سے۔ اگر ہمت ہو تو مجھے اپنی بہن بنا کر اپنے گھر لے چلو۔ وہیں سب باتیں سن لینا۔

کنول سر جھکا کر ایک قیدی کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلدیا۔ سیڑھی پر پاؤں رکھتے ہی ششیلا نے بڑی کڑی آواز میں پوچھا۔ تم کون ہو؟ اس طرح دروازے پر کیوں کھڑی ہو؟

اپنے دیوتا کے آخری درشن کرنے کو کھڑی ہوں۔

بس بس کافی سزا پا چکا۔ اب اور زیادہ شرمندہ نہ کرو۔ میری دیوی اب میرے اوپر دیا کرو۔ اتنا کہکر کنول پشپا کے پاؤں پر گر پڑا۔ ششیلا اس کے گلے



دنیا کے گرد اپنے ریڈیو سیٹ پر

ہم غیر ممالک سے گھر بیٹھے کیونکر دلچسپ رابطہ پیدا کر سکتے ہیں؟

(از ڈی۔ ایم۔ ہاشمی صاحب)

گرمیوں کا موسم شروع ہو جانے کے باعث ہندوستان کے ریڈیو سننے والوں کے لئے مشکلات کا زمانہ آ گیا۔ ریڈیو کی آوازیں اپنے سیٹ میں آسانی سے سننا گرمیوں میں ممکن نہیں، ریڈیو سننے والے دعائیں مانگتے ہیں کہ جاڑا جلد آئے، موسم برسات بھی کچھ بہت زیادہ اچھا نہیں ہوتا، ہاں جاڑے کا موسم ریڈیو سننے والوں کے لئے نہایت اچھا ہوتا ہے،

جن کے پاس شارٹ ویو (چھوٹی لہر) کا ریڈیو سیٹ ہے اس کا معاملہ کسی قدر مختلف ہے، موسم کیسا ہی خراب ہو وہ نہایت کامیابی کے ساتھ جہاں گشتی کر سکتا ہے صاف طور پر شفاف آواز سے ہر وقت سنائی دیتی ہے کہ سال کے کسی موسم میں وہ اپنے سیٹ کی گھنڈی کبھی گھما کر اپنے شہر سے ہزاروں میل دور کے ریڈیو سٹیشنوں کی آواز وہ سن سکتا ہے اور گھر بیٹھے ساری دنیا کو اپنی جولانگاہ تفریح و عمل بنا سکتا ہے۔

میرے پاس ایک پانچ والو کا اے سی (A.C) سوپر ہیٹ سیٹ ہے ... وہ بہت سے رجحانات بیان کر سکتا ہے کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا ہو گا جب میں دنیا کے گرد اس سیٹ پر چکر نہ لگا لیتا ہوں گا، زبان کا معاملہ اگرچہ دشواریاں پیدا کر سکتا ہے مگر دنیا کے سب بڑے سٹیشنوں نے وقتاً فوقتاً انگریزی زبان میں کچھ نہ کچھ براڈکاسٹ کرنے کا جب سے اہتمام کیا ہے یہ مشکل بھی رفع ہو گئی ہے۔

مثلاً گزشتہ پندرہ روز میں اور اس پندرہ روز میں بھی میں نے شارٹ ویو کے جتنے پروگرام وصول کئے تھے خوب اور شاندار تھے، اس خوبی اور خوبصورتی کے بہت سے اسباب تھے جن کا تذکرہ میں ذیل میں کرتا ہوں یہ میرے وہ تجربات ہیں جو اس ہفتہ صبح و شام غیر ملکی براڈکاسٹ وصول کرنے کے سلسلہ میں مجھے ہوئے ہیں۔

انگلستان سلطنت برطانیہ کے پروگرام سننے والوں کو "بی بی سی" برٹش براڈکاسٹنگ کارپوریشن کا ممنون ہونا چاہئے کہ تقریباً سارے دن آپ جب چاہیں دولت برطانیہ کا پروگرام وصول کر سکتے ہیں اور ہر دم تازہ اور دلچسپ دل بہلاؤ کی چیزیں آپ کے سامنے دستیاب ہو سکتی ہیں۔

"بی بی سی" والے اسباب کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں کہ نہایت خوبصورت چسپندہ اور لاجواب پروگرام ہر وقت وہ اپنے نوآبادیوں کے لئے گزار کرتے رہیں، اس کارپوریشن نے یہ انتظام بھی بہت خوب کیا ہے کہ شارٹ ویو یعنی چھوٹی لہروں پر مختلف ملکوں کو نشر کے مختلف اوقات بہم کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ سوائے جرمنی کے باقی ساری دنیا میں صرف یہی ایک ریڈیو سروس ایسی ہے جو تمام دنیا کے لئے بہترین براڈکاسٹ سروس دن رات نہایت خوبی کے ساتھ مہیا کرتی ہے۔

جرمنی اگرچہ زیسین کے تمام براڈکاسٹ جرمنی زبان میں ہوتے ہیں۔ مگر بعض پروگرام بالخصوص شام کے ۵ بجے کا انگریزی خبرنامہ خاص طور پر ہماری توجہ کا باعث ہوتا ہے۔ دیو تیری انگلستان کی طرح جرمنی نے بھی اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ دن بھر کچھ نہ کچھ پروگرام براڈکاسٹ ہوتا ہے۔ یہ دونوں ریڈیو ادارے ایشیائی سامعین کے لئے ... دار ایریل استعمال کرتے ہیں اور ۱۶، ۱۹، ۲۵، ۳۱ اور ۴۹ میٹر پر کام کرتے ہیں۔ انگلستان اس کے علاوہ ۱۳۰۵ میٹر پر خاص ہندوستان کے لئے کام کرتا ہے جرمنی ریڈیو کے ذریعہ ملکی حمایت کا خاص طور پر پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے بالخصوص اپنی سابقہ نوآبادیات کے لئے اور اس میں بھی جنوبی افریقہ کے لئے خاص طور پر۔

فرانس فرانس کے شارٹ ویو ریڈیو سٹیشن کچھ اچھا کام نہیں کر رہے یا یہ کہنا چاہئے کہ پیچھے کے ماننے پڑتے ہیں۔ اس وجہ سے یہاں کے پروگرام ذرا ہلکے سنائی دیتے ہیں۔ مگر پھر بھی پیرس کا ریڈیو (پی ٹی ٹی) صبح سویرے کے اوقات میں ۲۳ اور ۲۵ میٹر پر آپ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے ریڈیو میں لے سکتے ہیں، ہمیں

حال ہی میں اس کا ایک خبر ... (نیوز بلیٹن) ہندوستان کے لئے ایک نیا ... مرتب کر دیا تھا۔ شیخ ... نے اس بات کی بھی درخواست کی تھی کہ اس پروگرام کو چھوٹی ہریں کے بارے میں اور آواز رسانی کے بارے میں ... سے متعلق ترین معلوم ہوتا ہے ... دوبارہ بن جائے گا اور نئی نئی چیزیں ان میں آراستہ پیش کی جاتی ہیں اور عنقریب ... کے ساتھ چلنے شروع ہو جائیں گے اور ... ریسرچ کا مزہ ... زیادہ ... سکیں گے۔

... حکومت دنیا میں براڈکاسٹنگ کی ترقی و ترویج کی وجہ سے مشہور ہے۔ ... کے مقام سے صبح کو ۳۱ میٹر پر نہایت دلچسپ پروگرام نشر کئے جاتے ہیں ... قدر دلچسپ ہوتے ہیں کہ ... سے زیادہ دلچسپی اور ... پروگرام میں نہیں ہے۔ حال ہی میں ... کا ایک۔

پروگرام ... دلچسپ آواز رسان اپنے سٹوڈیو کے گرد کے حالات بیان کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ماہتاب نہایت آب و تاب کے ساتھ نیلے سر پر چمک رہا ہے، رات کی بھیگی ہوئی معطر ہوائیں ... آ کر چھو رہی ہیں ... خوش الحان پرندے اور گرد کے درختوں پر چہچہا رہے ہیں وہ ابھی یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ یکایک اس کی سگریٹیں ختم ہو گئیں، اور وہ صد ہزار معافیاں طلب کرتا ہوا سٹوڈیو سے نکل گیا۔ اور میں یہ دلفریب داستان پوری نہ سن سکا

مجھے معلوم ہوا ہے کہ "بین الاقوامی ریڈیو کانفرنس" برلن میں ... نے اس بات کی شکایت کی ہے کہ بہت سے ممالک اس کے بنائے ہوئے لہری فاصلوں کی پوری کرتے ہیں اور اس کی ... جائز

روس ریڈیو کی آوازیں عمدگی کے ساتھ وصول کرنے کے اعتبار سے روس تمام یورپ میں تیسرے درجہ پر آتا ہے رات کو ۱۰ بجے (گرین وچ ٹائم) یا مشرقی وقت کے اعتبار سے صبح ... بجے ماسکو کا نہایت قوی ٹرانسمیٹر نشر شروع کرتا ہے اور ... تم ... ڈھائی گھنٹہ تک جاری رہتا ہے ... پروگرام میں انگریزی خبرنامہ، کمیونسٹ پروپیگنڈا، عورتوں کے مسائل ... فائدہ نما رہے ہیں۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

سنٹرل بنک کی نئی سکیم

ٹریولرز چیک

سنٹرل بنک آف انڈیا لمیٹڈ نے جو ہندوستان ... نیشنل بنک ہے دیگر بہت سی ... کے علاوہ ... پبلک کے لئے ایک ... ایجاد کی ہے ... مسافروں کو اکثر سفر میں ... بڑی دقت ... ہوا کرتی تھی اور ... ساتھ لے جانا ... خالی نہ ہوتا تھا ... محسوس کرتے ہوئے بنک نے ٹریولرز چیک جاری کئے ہیں۔ یہ چیک ۲۵ - ۵۰ اور ۱۰۰ روپیہ کے ہیں ... آدمی جتنے چیک چاہے خرید سکتا ہے ... روپیہ ہندوستان میں سنٹرل بنک ... اور ... آفس سے مل سکتا ہے اس کے علاوہ بنک ایک اور اسکیم پر غور کر رہا ہے جس کی رو سے یہ چیک ہوٹلوں اور دیگر بڑی بڑی فرموں میں بھی چل سکیں گے، ہمارے علم میں یہ پہلا ہندوستانی بنک ہے جس نے ٹریولرز چیک جاری کئے ہیں، امید ہے کہ ان سے پبلک کو بہت فائدہ اور سہولت ملے گی۔ چیک کا نمونہ اس اخبار میں کسی دوسرے صفحہ پر چھپا ہوا ہے، مفصل حالات بنک کی برانچ یا کسی دیگر برانچ سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

آخر اس درد کی دوا کیا ہے

(از جناب برہم سروپ شمس ورما رام پورا)
(خاص تیج ویکلی کیلئے)

اے سینہ میں ہر وقت گھبرانے والے دل تو کیا چاہتا ہے میں تجھے اپنے ساتھ دریا پر لیگیا مگر تیری دھڑکن

کم نہ ہوئی۔ صبح کے سہانے مناظر میں تجھے بہلانے لے گیا، مگر تجھ میں رہ رہ کر اٹھنے والا درد کم نہ ہوا۔ دوستوں کی محفل میں بٹھلا یا۔ گریری "چپ" کی بیماری نہ گئی، بزم عشق و سرود میں تونے کوئی دلچسپی نہ لی، کتاب کے مطالعہ سے تیرا دل اکتایا، بائسکوپ میں طالب مطلوب کے مل جانے پر تجھے رشک ہوا۔ گلاب کے تختہ میں تونے ٹھنڈی سانسیں لیں چنبیلی کی شاخوں کا لچکنا دیکھ کر تیری بیقراری کی انتہا نہ رہی، صبح صبح بولنے والی کوئل کی آواز سن کر تو تڑپ گیا

آخر تو چاہتا کیا ہے؟

دل نے جواب دیا۔

بے قراری، اضطراب، تڑپ، آنسو۔ کروٹیں، آہیں، نالے زمین کے خاکی گولے پر بسنے والوں کے لئے تکالیف ہو سکتی ہیں لیکن پریم کے آکاش پر رہنے والے دلوں کے لئے ان تکالیف کا نام شانتی ہے:

پچھلے صفحہ سے

اور موسیقی غرض سب ہی چیزیں ہوتی ہیں ماسکو کا مرکز ریڈیو ۲۵ ، ۳۱ میٹر پر کام کرتا ہے۔ چونکہ ہندوستان کا ٹائم ماسکو کے ٹائم سے صرف ۲½ گھنٹہ تیز ہے۔ اس لئے ۵ بجکر ۳۰ منٹ (ہندوستانی مدراس ٹائم) پر آپ ماسکو اپنے سیٹ پر سے سکتے ہیں:

امریکہ بحر اطلانتک کے عبور سے ریڈیو کی آوازیں لینا حال تک ناممکن ہی رہا ہے اس پار کی آوازیں بالکل صاف نہیں سنائی دیتی تھیں اور ان کے سننے سے کوئی خاص مقصد حل نہیں ہوتا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ نیشنل ریڈیو کارپوریشن نے اب یہ فیصلہ کیا ہے کہ ڈائرکشنل ایریئل لگا دئے جائیں اور پرانے آلات کی جگہ نئے آلات نصب کئے جائیں، چنانچہ اب بہت امید ہوتی ہے کہ امریکہ سے آنے والے پروگرام آسانی، صفائی اور قوت کے ساتھ وصول ہو سکیں گے:

اب بھی اگر زیادہ رات تک جاگتے رہیں تو شکاگو، نیویارک اور باؤنڈ بروک ۱۳، ۱۶ اور ۱۹ میٹر پر لے سکتے ہیں۔ آدھی رات کے بعد آواز ہلکی پڑجاتی ہے۔ اور پھر اس قدر گڑبڑ ہوتی ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا آواز آرہی ہے یہ کہنا تو بیکار ہی ہے کہ امریکن پروگرام حد درجہ دلچسپ ہوتے ہیں مگر افسوس کہ کامیابی کے ساتھ موصول نہیں ہوتے:

ناظرین تیج ویکلی کو خوش خبری

آئندہ ہفتہ سے جناب لالہ انوپ چند صاحب آفتاب پانی پتی کا ایک ڈراما "جذبات کی دنیا" جو نہایت دلولہ انگیز، پر اثر اور جوشیلے راجپوتی کارناموں کی ایک منہ بولتی تصویر ہے چند قسطوں میں شائع کیا جائے گا، ناظرین کو چاہئے کہ اپنی کاپیاں اپنے مقامی ایجنٹوں سے ریزرو کرلیں۔ (منیجر)



گاندھی جی کے چند زرّیں مقولے

— ۱ —

پچھلے تیس سال کے لمبے عرصہ میں میری تمام کوششوں اور آرزوؤں کا مدعا یہی رہا ہے اور اب بھی یہی ہے کہ میں اپنے آپ کو جانوں، پرماتما کے صاف صاف درشن کروں، اور مکتی یا نجات پاؤں۔ اس منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے میں ہر گھڑی بیقرار رہا ہوں۔ میری ہر تقریر، ہر تحریر بلکہ سیاسی میدان میں میری سرگرمی کا مدعا اور غرض بھی صرف یہی ہے،

— ۲ —

مجھے نہ سلطنت ہی چاہئیے، نہ نجات یا بہشت میں تو صرف غریبوں اور مظلوموں کی تکالیف دور کرنا چاہتا ہوں۔

— ۳ —

کوئی انسان جب تک سخت تکلیفوں میں سے نہیں گذرتا اصلی نہیں بن سکتا،

— ۴ —

میں نہ صرف گناہ بلکہ گناہ کے خیال سے بھی بچنا چاہتا ہوں

— ۵ —

جس سیوا میں آنند نہیں ملتا وہ بے معنی ہے۔ جب دکھلاوے کے لئے یا لوگوں کو خوش کرنے کے لئے سیوا کی جاتی ہے تو وہ ہماری ترقی کے راستہ میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہے،

— ۶ —

میں کسی سے بدلہ لینا نہیں چاہتا،

— ۷ —

اخباروں کا واحد مقصد صرف سیوا ہونا چاہیئے،

— ۸ —

پرارتھنا کے بغیر میں کوئی کام نہیں کر سکتا،

— ۹ —

جو کچھ مجھے ٹھیک اور صحیح معلوم ہوتا ہے، وہ مجھے کرنا ہی پڑتا ہے۔ چاہے میرا وہ کام دوسروں کو غلط ہی کیوں نہ معلوم ہو

گیارہ چیزوں سے گیارہ چیزیں

۱۔ پرہیزگاری سے صحت ۲۔ سخاوت سے دولت ۳۔ انصاف سے سلطنت ۴۔ نیک اولاد سے دلی راحت ۵۔ دل صفائی سے محبت ۶۔ نیک چلنی سے غیرت ۷۔ سچائی سے سرخروئی ۸۔ نفرت سے دشمنی ۹۔ فضول خرچی سے قرضداری ۱۰۔ راست گفتاری سے اعتبار ۱۱۔ صبر سے خوشی،

لطیفے

ملاقاتی:۔ تم اپنے ہاتھ میں وہ اینٹ کہاں لئے جا رہے ہو
راہرو:۔ میں اپنا گھر بیچنا چاہتا ہوں۔ یہ اس کا نمونہ ہے

مجسٹریٹ:۔ تم چوری کے جرم میں پندرہ مرتبہ سزا پا چکے ہو۔ یہ کام کیوں نہیں چھوڑ دیتے،
ملزم:۔ جناب عالی یہی تو میرا ایک شغل ہے،

محبوبہ:۔ مجھے خوشامد بہت ناپسند ہے،
عاشق:۔ اچھا تو اب تمہیں خوبصورت نہ کہوں گا،
محبوبہ:۔ لیکن تو بھی مجھے خوشامد اس وقت بری معلوم ہوتی ہے، جب کسی دوسری عورت کی کی جائے،

آپ کی موٹر کار کس طرح چل رہی ہے ؟
پٹرول ڈالا جاتا ہے اور ڈرائیور چلاتا ہے،

ایک دوست:۔ کیا تمہاری بیوی تم سے ہمیشہ کچھ طلب کرتی رہتی ہے
دوسرا دوست:۔ نہیں طلب نہیں کرتی حکم دیتی ہے،

محبوبہ:۔ میری تمہاری نبھ نہ سکیگی۔ ہائے ہمیں شادی نہیں کرنی چاہیئے، تم جانتے ہو۔ مجھے رات کو گھر سے باہر رہنے کی عادت ہے"
عاشق:۔ ہاں اور میں دن کو دفتر میں رہا کرونگا۔ جب ہم ملیں گے ہی نہیں تو لڑائی کیسے ہو گی،

مجسٹریٹ:۔ تم کہتے ہو کہ تم آٹھ فٹ اونچی دیوار کے پیچھے کھڑے تھے، تو پھر تم نے قتل ہوتے کس طرح دیکھا"
" آنکھوں سے"
" آٹھ فٹ اونچی دیوار کے پیچھے کھڑا ہو کر پانچ فٹ لمبا آدمی دیوار کی دوسری طرف کس طرح دیکھ سکتا ہے،
" سوراخ سے"

نئے چپراسی کو مالک نے ہدایت دی کہ ملنے والوں کو کیا جواب دینا ہے۔ اس کے بعد ایک آدمی نے آ کر مالک کے متعلق دریافت کیا تو وہ بولا۔
" تم ایجنٹ ہو بل کلکٹر ہو یا دوست"
ملاقاتی بولا:۔ " تینوں"
" تو پھر وہ ایک آدمی سے ضروری بات کر رہے ہیں، شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں، اور آپ اندر جا سکتے ہیں

ایک آسان ذریعہ معاش

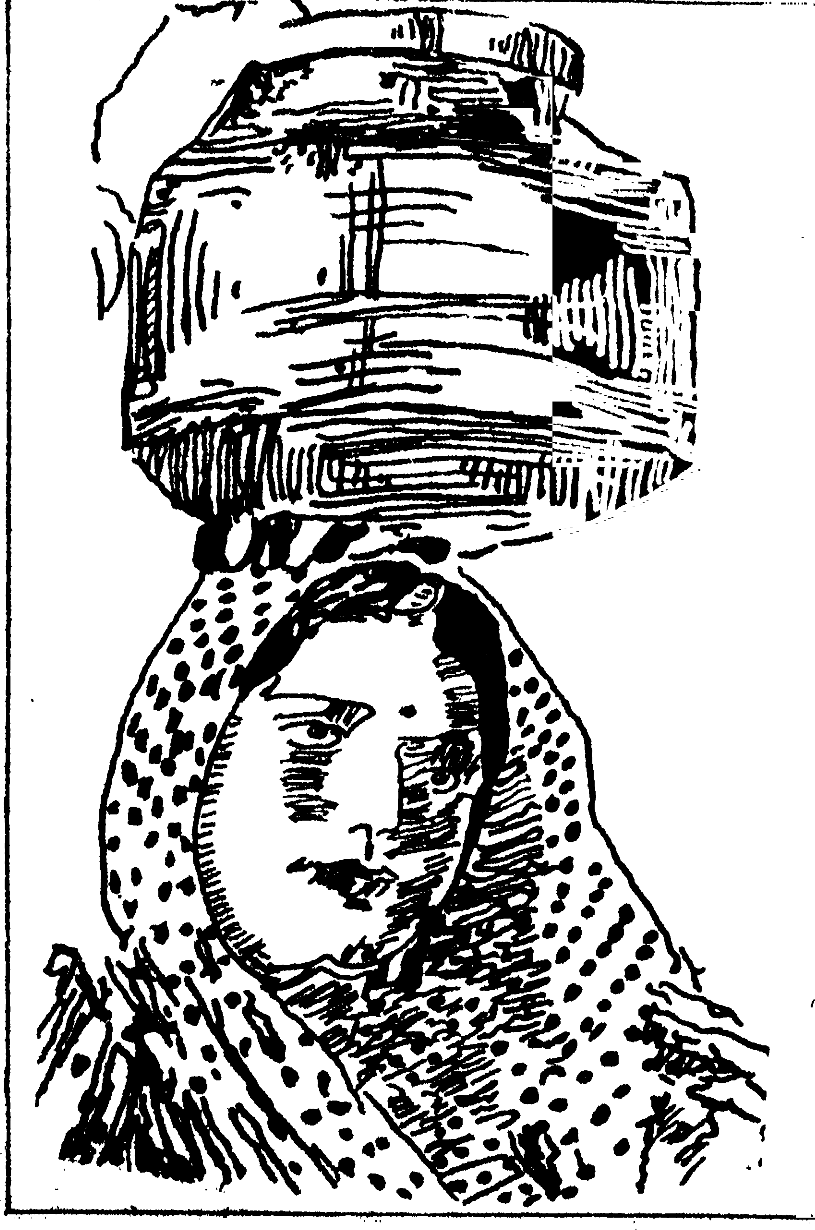
||| حمام بناؤ اور روزی کماؤ |||

[[از جناب صوفی لچھمن پرشاد ایڈیٹر رسالہ "مستانہ جوگی" لاہور]]

سب مہذب ملکوں میں حماموں کا رواج ہے کہ جہاں لوگ جا کر نہاتے ہیں سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں سرد پانی حماموں میں بکثرت ملتا ہے لیکن ہندوستان کے شہروں میں چند حمام ہیں جو کہ عوام کے لئے نہیں ہیں۔ ان میں نہانے کی فیس بھی بہت زیادہ ہے اس لئے اوسط طبقے کے لوگ ان سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ہمارے ملک کو ضرورت ہے کہ گلی گلی اور محلہ محلہ میں سستے حمام بنائے جائیں ان کی موجودگی سے جہاں عوام کو فائدہ پہنچے گا وہاں حمام کے مالک اس سے خوب روپیہ کما سکتے ہیں۔ بہت سے بیکاروں کو اس طرف توجہ دینی چاہیئے۔

تیاری حمام :۔ زمین سے پانچ چھ فٹ بلند دیواریں کھڑی کرنی چاہئیں، جو کہ چاروں طرف سے بند ہوں، اور بھٹی نما ہوں اور صرف اس بھٹی کا ایک منہ کھلا رہنا چاہیئے، ان دیواروں پر لوہے کے اینگل آئرن کے ٹکڑے اینٹ کی لمبائی کے فاصلہ پر بچھانے چاہئیں۔ دو دو اینگل آئرن کے درمیان اینٹیں لگا کر سیمنٹ کر کے پلیٹ فارم بنا لینا چاہیئے، اس پلیٹ فارم کے درمیان میں لوہے کی ٹنکی یا لوہے کا حوض رکھ دینا چاہیئے اور اس حوض کے نیچے دو تین لوہے کے گرڈر لگا دینے چاہئیں جو کہ دونوں دیواروں کے سہارے لگے ہوں اور جو ٹنکی کا بوجھ سہار سکیں، اور ٹنکی کے اردگرد مندرجہ بالا طریقے سے پلیٹ فارم بنا لینا چاہیئے۔ صرف ٹنکی کا نچلا حصہ بھٹی میں لٹکا ہے۔ اس بات کا خیال رہے کہ ٹنکی کا اوپر کا حصہ بند وق کی طرح بند رہنا چاہیئے، جو کہ بوقت ضرورت کھول کر ٹنکی کو صاف کیا جا سکے، بھٹی کے منہ کے عین بالمقابل پیچھے کی طرف بھٹی کی چھت میں ایک سوراخ چاہیئے اور اس پر چمنی یعنی دودکش لگا دینا چاہیئے کہ جس کی راہ بھٹی کا دھواں باہر نکل سکے۔ جن شہروں میں واٹر ورکس ہے وہ پانی کے نل کو ٹنکی میں لگا دیں۔ جہاں واٹر ورکس نہیں وہ ہینڈ پمپ کی نالی کے ذریعے ٹنکی میں پانی بھرنے کا انتظام کر لیں۔ اب ٹنکی کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے غسل خانے بنوا لیں کہ جن میں ٹنکی پر سے نالیاں جاتی ہوں۔ ٹنکی اور تمام غسل خانے ایک ہال میں ہونے چاہئیں۔ اب بھٹی میں آگ جلانے سے تمام ٹنکی کا پانی گرم ہو جائے گا۔ اور اس طرح تمام غسل خانوں کو گرم پانی دیا جا سکے گا۔ عام طور پر غسل خانہ کی بھٹی ریلوے انجن کی بھٹی جیسی ہوتی ہے کہ جس میں پتھر کا یا لکڑی کا کوئلہ جلتا ہے۔ اس لئے لاگت بہت آتی ہے۔ میں نے اوپر جس بھٹی کا نقشہ پیش کیا ہے وہ بالکل تنور کی شکل کا ہے۔ کہ جس کی چھت میں لوہے کی ٹنکی لٹکی ہوئی ہے اس بھٹی کا ایک منہ ہے اور دوسرا دھواں نکلنے کا راستہ ہے جیسے کہ دھوبیوں کی بھٹی ہوتی ہے یا ڈبل روٹی بنانے والوں کی بھٹی۔ اسی اصول پر مندرجہ بالا بھٹی تیار ہونی چاہیئے۔ لکڑی کا کوئلہ بیچنے والی دکانوں پر کوئلہ کا چورا اکثر مٹ سکتا ہے جس کو وہ خاکہ کہتے ہیں اور کئی جگہ دو دو پیسہ من ہوتے ہیں تب اس خاکہ کا نرخ صرف دو چار آنے من ہوتا ہے کیونکہ دنیا اس کو نکمی چیز سمجھتی ہے۔ اگر مندرجہ بالا حمام کی بھٹی میں لکڑی کے کوئلہ کا خاکہ دو چار بوری ڈال کر آگ لگا دی جائے، تو یہ بغیر دھواں دیئے آہستہ آہستہ سلگتا رہتا ہے اور اس کا تاؤ بہت تیز ہوتا ہے جب تمام خاکہ کو آگ لگ جائے تب بھٹی کا منہ تھوڑا سا کھلا رکھ کر باقی تمام منہ اینٹیں بغیر گارے کے لگا دیں تاکہ تھوڑی ہوا داخل ہوتی رہے۔ بھٹی میں آگ منہ سے خود بخود کھینچی رہے گی، اور دودکش سے خارج ہوتی رہے گی۔ اس ہوا کے مدد رفتہ کے سلسلہ سے آگ پیدا ہوتی رہے گی۔ اس آگ کی حرارت سے حمام کئی دن تک گرم رہے گا۔ یہ آگ دس دس اور زیادہ سے زیادہ دن تک سلگتی رہتی ہے اور دوسرے کوئلہ سے زیادہ حرارت دیتی ہے کیونکہ اگر کوئی اس کو ریڈیم کے بھٹے کی طرح کئی دن تک روشن رکھتا ہے۔ میں نے یہ طریقہ دراصل اینٹوں کے بھٹوں کو دیکھ کر ہی دریافت کیا ہے اور کئی سال اپنے خانگی حمام پر تجربہ کیا ہے۔ کوئلوں کے خاکہ کے علاوہ چاولوں کے چھلکوں کو جلا کر بھی ہم اپنے حمام خوب گرم کر سکتے ہیں۔ اس سے بھی سستا طریقہ یہ ہے کہ پتھر کا کوئلہ بیچنے والی دکانوں پر پتھر کے کوئلہ کا چورا یعنی خاکہ بکثرت ملتا ہے، جو کہ کسی کام نہیں آتا۔ وہ دو تین روپیہ ٹن کے حساب سے مل سکتا ہے۔ ایک چھکڑا بھر دیتے ہیں، جو کہ عموماً اینٹ کے بھٹے والے لیجا کر اینٹوں کے بھٹوں میں ڈالتے ہیں۔ اگر پتھر کے کوئلے کے خاکہ میں گائے بھینس کا گوبر ملا کر اس کو ہاتھ کر یا تھیاں بنا کر سکھا لیا جائے، تب یہ بطور ایندھن چولھوں اور انگیٹھیوں میں کوئلوں اور لکڑی سے بھی زیادہ عمدہ کام دیتا ہے اور اس کی آگ بھی خوب تیز ہوتی ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہر حمام میں دو ٹنکیاں ہوا کرتی ہیں ایک گرم پانی کی اور ایک سرد پانی کی اس لئے ہر غسل خانہ میں ایک سرد پانی کا اور ایک گرم پانی کا نل لگا ہوتا ہے تاکہ نہانے والا اپنے ٹب میں دونوں پانی ملا کر حسب منشا پانی گرم یا سرد کر لے۔ جس بڑے ہال میں حمام ہو انہیں روشن دان ضرور رکھنے چاہئیں، تمام ہال حمام کی گرمی سے خوب گرم رہتا ہے، جاہے برف پڑ رہی ہو اس ہال میں کھڑا ہونے سے ہی پسینہ آ جاتا ہے۔ حمام کے بنانے پر صرف ایک دفعہ ہی خرچ کرنا پڑتا ہے پھر تمام عمر اس سے آمدن آتی رہتی ہے۔ خود حمام بنا کر اور سینکڑوں روپیہ خرچ کر کے اس مضمون کی تکمیل کی ہے حماموں کے رواج دینے سے ہمارے ہموطنوں کو اشنان کا شوق ہو گا اور وہ سردیوں میں بھی ہر روز بغیر جھجک کے نہا سکیں گے جس سے ان کی صحت اچھی رہے گی۔ گرمیوں میں یہی حمام سرد غسل کے لئے کام آئیں گے۔ حمام کے غسلخانوں میں تولیہ صابن اور ٹب مہیا کرنے کا ذکر میرے لئے غیر ضروری ہے کیونکہ یہ اشیاء ہر حمام میں مہیا ہوا کرتی ہیں۔ سستے سے سستا گرم پانی ہندوستان میں دنیا کے تمام ملکوں کے مقابلہ میں زیادہ مہیا ہو سکتا ہے۔ پھر بھی یہ ملک گرم حماموں میں سب ملکوں کے



بچوں کا صفحہ

ماں کی عزت کرو!

(از جناب ہرجیندر سنگھ عارف خورجوی)

(خاص بچے ویکلی کیلئے)

بچو! انسانی فرائض میں ماں باپ کی عزت کرنا سب سے پہلا فرض ہے، تم کو ہمیشہ بزرگوں کی عزت کا لحاظ رکھنا چاہئیے تاکہ تمہارے بزرگ تمہاری کامیابی کے لئے ہمیشہ نیک دعائیں دیا کریں۔ ان میں بھی ماں و باپ ہر وقت اور سب سے زیادہ عزت کے مستحق ہیں۔

لڑکو! کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری ماں نے تمہارے لئے کیا کیا مصیبتیں برداشت کیں؟ تمہاری پرورش کے وقت کن کن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا؟ تمہاری تعلیم و تربیت میں کیسی کیسی آفتیں پیش آئیں؟ دیکھو تمہاری ماں نے نو ماہ تک تم کو اپنے پیٹ میں رکھ کر پرورش کی جب تم پیدا ہوئے تو ہزار ہا قسم کی تکالیف پیش آئیں، پیدائش کے وقت کی تکلیف کا سچا بیان ماں ہی دے سکتی ہے اس وقت بہت ہی بڑے دکھوں کا سامنا کرنا ہوتا ہے، ماں در حقیقت نئی زندگی حاصل کرتی ہے زچگی کا زمانہ ماں کی زندگی میں سب سے زیادہ مصیبت دینے والا ہوتا ہے بعد ازاں تمہاری ماں تمہاری پرورش میں دل و جان لگا دیتی ہے، گرمی ہو یا سردی، برسات ہو یا آندھی چلتی ہو، وہ بچہ کو ہر طرح سے آرام پہونچانے کی ترکیب کرتی ہے، خود تکلیف برداشت کرتی ہے لیکن تمہارا دل ذرا بھی نہیں دُکھنے دیتی، دنیا میں سب سے زیادہ پیار تم کو تمہاری ماں ہی کرتی ہے کیا کبھی تم نے نوٹ کیا ہے کہ ماں اپنا پرایا سب چھوڑ دیتی ہے اور تن من سے بچے کی محبت میں محو ہو جاتی ہے، چنانچہ "شفقت مادرانہ" آج تک مشہور ہے۔

بچو! ہم تم کو بتلاتے ہیں کہ ماں کی عزت سے ہی اپنی عزت بڑھتی ہے، دنیا کے جتنے مشہور بڑے آدمی ہوئے ہیں انھوں نے اپنی زندگی میں ہمیشہ اپنی ماں کی حد سے زیادہ قدر و منزلت کی ہے، وہ نہایت ہی مودب خیال کئے جاتے ہیں، ایک مرتبہ دنیا کے نامور یونانی فلاسفر سقراط کی ماں کسی بیماری میں مبتلا ہوگئی، سہ پہر تھا۔ اس کی ماں نے سقراط سے پانی طلب کیا سقراط نے فوراً حکم کی تعمیل کی لیکن اتنے ہی عرصہ میں اس کی ماں غنودگی کی حالت میں غافل ہوچکی تھی، سقراط نے ادب کا لحاظ کر کے اپنی بیمار ماں کو جگانا مناسب نہ سمجھا اور تمام رات اسی طرح ہاتھ میں پانی لئے کھڑا رہا جب ماں کی آنکھ کھلی تو اُس نے سقراط سے دریافت کیا۔

ماں: سقراط تم کھڑے کیوں ہو؟

سقراط: آپ نے مجھ سے پانی طلب کیا تھا لیکن آپ کی آنکھ لگ گئی، میں نے خلل اندازی مناسب خیال نہ کی اور اب پانی حاضر ہے۔

سقراط کی ماں حیرت میں رہ گئی اس نے اپنے فرزند کی کامیابی کے لئے طرح طرح کی دعائیں دیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سقراط دنیا کا مشہور و معروف فلاسفر ہوا۔

دوسری مثال سکندر اعظم کی ہے وہ اپنی ماں کی عزت دنیا کی سب بیش بہا اشیاء سے زیادہ کرتا تھا، اسی ادب اور قدر کی وجہ سے نپولین بونا پارٹ دنیا کا نامور دلیر ہوا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو بھی اپنی ماں کے سچے خادم بنے رہے ہیں۔

اس لئے بچو! کامیابی کا راز ماں کی عزت ہی میں چھپا ہوا ہے، ادب اور عزت کوئی دو چیزیں نہیں ہوتیں ادب سے ہی عزت کا مظاہرہ ہوتا ہے ادب سے ہی انسان کی شناخت ہوتی ہے بقول ے

ادب سے ہی انسان انسان ہے
ادب جو نہ سیکھے وہ حیوان ہے

لڑکو! اگر تم دنیا میں نام پیدا کرنا چاہتے ہو تو آج سے ہی اپنی ماتاؤں کی عزت خوب کیا کرو، جس قدر تم عزت زیادہ کروگے اُسی قدر اُن کی محبت تمہاری طرف زیادہ ہوگی، اور تم سے وہ زیادہ خوش رہیں گی۔

سوالات

۱۔ ماں کی عزت کرنا کیوں ضروری ہے؟
۲۔ ماں اپنے کس کام کیلئے مشہور ہے؟
۳۔ دنیا کے چار بڑے آدمیوں کے نام بتاؤ جنھوں نے ماں کی عزت کی بدولت قدر و منزلت حاصل کی؟
۴۔ سقراط کون تھا؟
۵۔ والدین سے کیا سمجھتے ہو۔ اُن کے فرائض ہم پر کیا کیا واجب ہیں؟



تتلی

(از حضرت درد کاکوروی)

اُڑتی پھرتی ہے چمن میں کس لئے تو یہ بتا
سونگھتی پھرتی ہے کیوں ہر گُل کی خوشبو یہ بتا

یہ تری پروازِ رقصاں یہ تری رنگین ادا
کس قدر ہے خوشنما یہ جامۂ زرّیں ترا

یہ تری پیاری ادائیں یہ ترے منقوش پر
ننھی مُنی تو ہے رقاصۂ چمن کی سربسر

ہر طرف گلشن میں یہ کیوں جھومتی پھرتی ہے تو
کچھ تو کہہ پھولوں کا منہ کیوں چومتی پھرتی ہے تو

اللہ اللہ کیا ترے خوش رنگ پر ہیں نازنیں
حسن ٹپکا پڑ رہا ہے رخ سے تیرے مہ جبیں

چھینٹے ہیں آبِ زمرّد کے کہ ہیں یہ نقشِ زر
چھوٹے چھوٹے یہ ستارے ہیں پروں پر جلوہ گر

اُڑتی پھرتی ہیں چمن میں پھول کی یہ پتیاں
یا تری ہستی ہوئے گل میں ہے جلوہ کناں

تجھ کو فطرت نے بنایا یوں ہے نازک جاں نثار
پیاری تتلی تیری ہستی ہو کسی گل پر نہ بار

گلستاں میں رُوئے گل پر جھومتی رہ تو یوں ہی
بوستانِ نقشِ فطرت چومتی رہ تو یوں ہی

اُڑ کے جاتی ہے کدھر کیوں شوخیاں کرنے لگی
تجھ سے کیا پیاری صبا اٹھکیلیاں کرنے لگی

میں ہوں جس گلزار میں فردوس کی منزل ہے یہ
ہاں مگر، ہے تو بھی ہرجائی بڑی مشکل ہے یہ

ہے مگر ہرجائی ہونے میں بھی کچھ حکمت تری
شوخ بچوں سے تو ڈرتی ہے نہ ہو ذلت تری

ہاں نہ تجھ کو دیکھ پائے کوئی بچہ بھاگ جب
بھاگ جا او پیاری تتلی اچھا اچھا بھاگ جا

شوخ بچے توڑ ڈالیں گے ترے پر کھیل میں
درد کی سُن درد اپنی ہو نہ ریل میں

نئی تانتی

از جناب آصف علی صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔ ایم ایل اے دہلی

یوں تو زمانہ میں ہمیشہ انقلاب ہوتا رہتا ہے اور ہر بیس برس میں ایک نئی نسل نئے خیالات اور نئے حالات دنیا میں پیدا کر دیتی ہے مگر بعض زمانے ایسے آتے ہیں کہ ان میں واقعات کی رفتار تیز اور نئے حالات اور نئے خیالات کی پیدائش کثیر ہوتی ہے۔ آجکل ہم جس دور سے گذر رہے ہیں اس میں انقلابات کا ایک طوفان برپا ہے۔ نئی [illegible] اور تازہ ترین روایات کے دفتر بڑھ رہے ہیں اور وہ نسل جو ان حالات میں پرورش پا رہی ہے اپنے متقدمین سے بالکل مختلف ہے۔ اور جوں جوں زمانہ گذرتا جائیگا مختلف ہوتی جائیگی۔ وہ تہذیب و تمدن جو آج سے پچاس برس پہلے تک ایک مستقل حیثیت اور امتیاز رکھتا تھا آج افسردہ بلکہ پژمردہ ہو چکا۔ اور ایک نئی تہذیب اور تازہ تمدن کی بنیاد پڑ رہی ہے۔ پھر یہ بھی کہ ابھی تبدیلی موسم کے زمانے میں جس طرح طبیعت کی آزردگیاں اور بے اطمینانیاں پیدا ہوتی ہیں جس طرح نئی فصل کے وقت لوگ اور [illegible] دیتے ہیں اور جب دانت نکلتے ہیں تو بچے بیمار پڑ جاتے ہیں اسی طرح جب ایک تمدن کی جگہ دوسرا تمدن اور ایک تہذیب کے بدلے دوسری تہذیب کا دور آنے لگتا ہے تو عجیب عجیب باتیں نظر آتی ہیں۔ خیالات میں ہیجان، لباس میں تبدیلی، معاشرت میں نئی حرکات، زبان میں جدتیں اور غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ایک عجیب بیقراری پائی جاتی ہے۔

بڑی بوڑھیاں نئی نسل کی رنگینیوں کو نئی تانتی کہا کرتی تھیں۔ نئی باتوں کو خواہ وہ لباس کی تراش خراش میں ہوں خواہ زبان کی ساخت میں ہوں خواہ آداب مجلس اور اخلاق کی تبدیلیوں میں ہوں حقارت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں اور کہا کرتی تھیں ان نئی تانتی والوں کا کیا ٹھکانا ہے نہ بڑوں کا لحاظ نہ چھوٹوں کا ادب نہ رسم نہ رواج نہ ادب جانیں نہ قاعدہ۔ ایک دیکھو تو وہ دنیا سے نرالی باتیں دیکھو تو زمانہ سے جدا۔ ہم نے بزرگوں کے زمانے کی لڑکیوں بیبیوں اور بہوؤں کو دیکھا ہے وہ باتیں نکلا کرتے تھے مگر ہم آجکل کی لڑکیاں ہیں پڑھی تو ہیں موٹی موٹی کتابیں اور بتیں کا کتنا تو وہ بیٹھ جاتی ہیں کہ مقابلہ بھی نہیں۔ جھگڑا لو تو نہ تھیں اور زبانیں بھی دراز ہیں ایک ایک کی پڑی ہیں گھر گھر جھگڑا ہے کوئی نہیں بتا سکتا۔ اپنی تنگیہ پر نی جاتی ہیں بچوں کو دیکھو تو بیدن بڑوں سے بچوں کے نتیجہ میں نکالتے کسی جگہ نہیں ہنس کی چال دوں اپنی بھی بھولا۔

اور ایک حد تک یہ صحیح ہے۔ آجکل کی نئی تانتی کا یہی حال ہے۔ درحقیقت تعلیم یافتہ اور سمجھدار میں ان کا شمار نہیں مگر عام طور پر زیادہ تر یہی طبقہ ہے جو بڑی بوڑھیوں کی زبانیں اور بیبیوں اور لڑکیوں کو حقارت سے دیکھتا ہے۔ تو ہم بیرون وہ ہندوستانیوں اور بیبیوں کی صحبت میں پرانی تہذیب سے بالکل نئی تہذیب کے بنیادی اصولوں سے بے بہرہ رہتا ہے مگر اس کی ظاہری چمک سے چوندھیا جاتا ہے اور ہر طرح کی بدنمائیوں کو خوشی سے اختیار کرنے لگتا ہے۔ دور کیوں جائیں۔ ذرا سی بات کو غور کر کے دیکھئے کہ باوجود اس تعلیم یافتگی کے زور شور کے جس میں کثرت سے زنانہ رسالے نکلتے ہیں اور عورتیں مضامین لکھتی ہیں عورتوں کی زبان لکھنے والے مرد تو ملتے ہیں مگر عورتیں نہیں نکلتیں۔ راشد الخیری تو عورتوں کی زبان کے امام اور مبصر مانے گئے اور وہ عورتیں جو مضمون نگاری کا دعویٰ کرتی ہیں وہ بھی ان کے مضمون کا نمونہ پیش کر سکیں۔ آج ہم میں بھی بڑی

بوڑھیوں میں ایسی وہ تو مل سکتی ہیں جو اصلی ٹکسالی باتیں کریں اور محاورات ٹھیٹ طور پر نہایت صاف صورت میں پیش کر دیں خصوصاً ہمارے بیگمات کی رسمی زبان کہاوتیں اور مثلیں ہر موقع اور ہر محل کے لئے ان کی زبان پر رہتی ہیں۔ یہ باتیں ان کی چھاپ ہی نہیں جہاں نئی تہذیب نے زیادہ زور دیا ہے وہاں تو مادری زبان کی واقفیت بھی اس حد تک محدود رہ گئی ہے کہ صحیح خیالات کا اظہار کرنے میں دقت ہوتی ہے۔

اور یہ کچھ عورتوں پر موقوف نہیں مردوں میں بھی نئی تانتی کے مردوں کی حالت بھی یہی ہے۔ نہایت نامعقول قسم کا بدقطع اور بے ڈھنگا مغربی لباس جس کا نہ تو انگریزی تہذیب سے تعلق ہے نہ پرانی ہندوستانی تہذیب سے گھروں میں رہتے ہیں۔ زندگی ہندوستانی ترکیب اور وضع کی مگر باہر نکلتے ہیں تو ہیٹ، سوٹ، نکٹائی، کسی کوٹھری کی کوٹھی پر توکوسٹ پتلون اور ٹائی تنگ رہتی ہوئی اور ہیٹ آنکھوں پر۔ سر پر روز خود پالش کرتے ہیں۔ گھر میں بیٹھتے ہیں تو ادب کے انگریزی بولتے ہیں جو اس سے بڑھ کر ہے کہ تین چار غلطیاں کر جاتے ہیں۔ ہندوستانی سے بھی انگریزی میں زیادہ گھر میں بولتے ہیں۔ اپنی زبان کو جو نہ بولیں تو مقتضیٰ [illegible] پہنچنے کی تاب نہ ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ اس دنیا کے اور نہ اس دنیا کے ہیں ہرگز انگریزی یا مغربی تہذیب کے مطابق زندگی بسر کرنے پر اعتراض نہیں مگر بدنما اور بھدی نقالی پر ضرور اعتراض ہے۔ مغربی تہذیب اور تمدن میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں اور نقائص بھی اگر اس کی خوبیاں حاصل کی جائیں تو بیشک قابل تحسین ہے مگر محض ظاہری نمائش کی بدنما نقل کیجائے تو وہ قطعی قابل مذمت ہے۔ خود انگریز اور مغربی تہذیب کا آدمی اس نقالی کو جس حقارت سے دیکھتا ہے اور جس غرض اعتقاد سے وہ پرانی ہندوستانی تہذیب، لباس، طرز معاشرت، تیز، سر اٹھاتا ہے اگر اس کا ذرہ بھی احساس ان نئی تانتی والوں میں ہو تو کبھی بھول کر اس نقالی کی طرف توجہ نہ کریں۔ اور ظاہر ہے انسان جس چیز کو بھی نگاہ سے دیکھتا ہے جو اس کی نگاہ میں اچھی ہے۔ انگریز حسن پرست ہے۔ آزادی کا دلدادہ ہے بھلا وہ غلامانہ نقالی اور جنس پرستی کو اچھی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کی نقالی ہندوستان کے افلاس کی وجہ سے بہتر قسم کی نقالی بھی نہیں ہو سکتی۔

اگر پرانی ہندوستانی تہذیب کی خوبیوں پر اعتماد اور سمجھداری سے عمل کیا جائے تو اس کا نتیجہ اچھا نکلیگا مگر پرانی

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

آنکھ کی حفاظت کے آسان طریقے

{خاص "تیج ویکلی" کے لئے}

(از حکیم عبدالرحیم رحمانی جلال آباد ضلع مظفر نگر)

یوں تو ہمارے جسم کا ہر ایک عضو اپنے مخصوص فعل کی وجہ سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے مگر ان تمام اعضا میں آنکھ ایک ایسا ضروری اور شریف عضو ہے کہ اگر اس میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو زندگی بے لطف ہو جاتی ہے۔ اور دنیا کی بڑی سے بڑی بہتر نعمت اس کا بدل نہیں ہو سکتی ہے جس طرح تمام اعضا کا غلط طریقہ استعمال نقصان دہ ہے اسی طرح اگر ہم آنکھ کی طرف سے لاپرواہی برتیں اور اس کی حفاظت کا کوئی خیال نہ کریں تو کچھ دنوں میں یہ بھی کمزور اور خراب ہو جاتی ہیں انسان کے لئے آنکھیں جاسوس و مخبر ہیں، خوبصورتی بدصورتی میں تمیز ان کے ہی ذریعہ ہو سکتی ہے اس عالم آب و گل کے مناظر کو ملاحظہ کرنے کا وسیلہ یہی دو نورانی نقطے ہیں، غرضیکہ خالق دو عالم کا یہ ایک بیش بہا عطیہ ہے جو ہر انسان کو عزت ہو ہے اس لئے ان کی حفاظت نہ کرنا ... کی ناشکری میں داخل ہے اور اس ناشکری کی سزا ضرور ملتی ہے اگر ہم آنکھ اور قوت بینائی کی حفاظت و تقویت کے طریقوں سے آگاہ ہوں اور ان مفید ہدایات پر عمل کریں تو یقیناً آنکھیں بہت سے امراض سے امن میں رہ سکتی ہیں اور ہماری نظر جلدی کمزور نہیں ہو سکتی ہے ذیل میں آنکھوں کی حفاظت کے چند آسان طریقے اور مفید ہدایات درج کی جاتی ہیں:-

بچوں کی آنکھوں کے متعلق ہدایات

پیدائش کے بعد بچوں کی آنکھوں کو نیم گرم پانی سے دھونا اور پھر کچھ دنوں بعد صبح و شام بچوں کی آنکھوں کو سرد پانی سے دھونا چاہیئے، بچوں کو زیادہ تیز روشنی میں رکھنا چاہیئے اور نہ بالکل اندھیرے میں، کیونکہ اس طریقے سے بھی بچوں کی آنکھوں کو نقصان پہنچتا ہے بلا ضرورت بچوں کی آنکھوں کو کسی دوا سے نہ دھوئیں، بلکہ صرف سرد پانی سے دھونا ہی مفید ہے اور نہ ان کو گرد و غبار یا میلی جگہ پر رہنے دیں، چھوت دار بیماریوں خصوصاً چیچک، خسرہ، موتی جھرا اور ہیضہ وغیرہ کے اثرات سے آنکھوں کو بچانے کی تدابیر کام میں لائیں۔

طالب علموں کیلئے مفید طریقے

نظر کو تقویت دینے اور اس کی حفاظت کے لئے یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ پڑھتے وقت گردن زیادہ نہ جھکے، پڑھنے کی کتاب یا لکھنے کی چیز اور آنکھوں کے درمیان کم از کم ایک فٹ کا فاصلہ ضرور رہنا چاہیئے، ناکافی روشنی میں نہ پڑھنا چاہیئے، عرصے تک مسلسل کئی گھنٹے پڑھ کر چھوڑ دینا چاہیئے، آنکھ دکھنے کی حالت میں پڑھنے لکھنے سے پرہیز کرنا چاہیئے گرد و غبار دھواں اور آگ وغیرہ میں کام نہ کریں۔

اپنے کام کی نوعیت کو بدل دینا چاہیئے مثلاً اب دو گھنٹے پڑھ کر لکھنا اور اسی طرح ایک دو گھنٹہ لکھ کر کسی اور شغل میں مشغول ہو جانا چاہیئے، اور اس قسم کا کوئی کام مسلسل جاری نہ رکھنا چاہیئے صبح کو صاف اور تازہ ہوا میں سیر کرنا، سرسبز گھاس، پھول، خوشنما اور دلفریب مناظر کی طرف دیکھنا، نظر کی تقویت و حفاظت کے لئے مفید ہے، جس وقت پڑھتے پڑھتے آنکھیں تھک جائیں تو کسی خوشنما چیز کی طرف دیکھنا بھی مفید ہے جسم کو صاف ستھرا رکھنا بھی آنکھ پر مفید اثر کرتا ہے، گندے اور میلے ہاتھوں سے آنکھوں کو نہ ملنا چاہیئے، ریگ، کنکر اور دھوئیں وغیرہ سے آنکھوں کو محفوظ رکھنا چاہیئے عینک کا استعمال کسی ماہر فن کے مشورہ سے کرنا چاہیئے، اور اگر آنکھ میں کوئی دوا ڈالنے کی ضرورت ہو تو بھی کسی قابل طبیب، ویدیا ڈاکٹر سے دریافت کر کے ڈالیں، عمدہ صحت، صاف معدہ، طاقتور پٹھے اور نسل آنکھ کی صحت کے ضامن ہیں جن کی آنکھ کمزور ہو ان کو لکھنے کے بعد پڑھنا نہ چاہیئے۔

آنکھوں کی حفاظت کی مفید عام باتیں

آنکھ کو دن میں دو ایک دفعہ سرد پانی سے دھونا اور صاف رکھنا نظر کو تقویت دیتا ہے، روشنی کو بالکل آنکھوں کے سامنے نہ رکھنا چاہیئے، بلکہ روشنی کو ذرا بائیں جانب جھکا ہوا ہونا چاہیئے، روشنی میں کام کرنے والے اشخاص کو کچھ دیر کے بعد

نظر کو کمزور کرنے والی عادتیں

چمکدار روشنی اور سورج گرہن کے وقت دیکھنا آنکھ کے پٹھوں کو کمزور کرتا ہے، آئینہ کو دھوپ میں رکھ کر اس میں دیر تک دیکھنا بھی نقصان دہ ہے، کشیدہ کاری کا کام اور باریک حروف پڑھنا، رونے کی زیادتی، دن کو زیادہ سونا، سب سے لیٹ کر کتاب پڑھنا وغیرہ عادات بھی بینائی کو نقصان پہنچاتی ہیں، دھواں، گرد و غبار، گرم اور زیادہ سرد ہوا بھی نظر کو نقصان دیتی ہے، شراب، چرس، افیون، تمباکو، سنکھیا اور بعض اور دیگر زہریلے اور نشیلے اجزاء کی عادات یا ان چیزوں کا دھواں آنکھوں کے لئے مضر ہے بعض قبض اور بعض دوسرے امراض مثلاً ... وغیرہ بیماریاں بھی نظر کو کمزور کرتی ہیں ... شراب نوشی، کھانے پینے میں بے احتیاطی ... نقصان پہنچتا ہے نیز ... کی آنکھوں کے لئے مضر ہے:

ناکافی روشنی ... کی چاندنی میں لیٹے پڑھنے سے بھی نظر پر برا اثر پڑتا ہے ... وغیرہ میں اخبار یا کتاب پڑھنا بھی ... (باقی اگلے صفحہ پر)

ٹکٹ جمع کرنا

از جناب رشدی بھوپال

بعض لوگوں کو ٹکٹ جمع کرنے کا جنون ہو گیا ہے۔ دنیا میں بہت سے ٹکٹ جمع کرنے والے موجود ہیں اور ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ٹکٹ کے جمع کرنے میں نہ صرف معمولی آدمی ہی جمع کرتے ہیں بلکہ بادشاہ تک اس شوق میں منہمک ہیں۔ ہر شہر میں ٹکٹ بیچنے والی اور تبادلہ کرنے والی کمپنیاں موجود ہیں۔ اور اس کام کو فروغ دے رہی ہیں نئے دن نئے نئے ٹکٹ نکلتے رہتے ہیں۔ ابھی حال میں ہندوستان میں شہنشاہ جارج پنجم کی "سلور جوبلی" کے موقعہ پر بہت سے ٹکٹ جاری ہوئے تھے۔ اس سے پہلے ۱۹۳۰ء میں بھی ہندوستان کے موقعہ پر بھی یادگاری ٹکٹ جاری ہوئے تھے۔ آجکل ان ٹکٹوں کی بڑی مانگ ہے اور یہ ٹکٹ کمیاب بھی ہیں۔ ابھی حال ہی میں لندن میں سابق شاہ ایڈورڈ ہشتم کے ٹکٹ چلے ہیں۔ چنانچہ ان کی قدر و قیمت میں اضافہ اس لئے ہو گیا ہے کہ ایڈورڈ ہشتم نے تخت چھوڑ دیا لہذا یہ ٹکٹ کمیاب ہو گئے ہیں۔ ٹکٹ جمع کرنے والے ان ٹکٹوں کے لئے بڑی تگ و دو کرتے ہیں۔

ڈاک کے ٹکٹ جبکہ وہ نئے نکلتے ہیں تو ان کی قیمت زیادہ ہوتی ہے جو وہ معاوضہ ہم سے طلب کرتا ہے، لیکن بہ لحاظ میعاد کے بعد وہ بیکار ہو جاتے ہیں لیکن ٹکٹ جمع کرنے والے ان کو بیکار نہیں سمجھتے۔ یورپ اور امریکہ کے لوگوں نے تو ٹکٹ جمع کرنے کا پیشہ ہی اختیار کر لیا ہے۔ امریکہ کے صدر مسٹر روزویلٹ خود ٹکٹ جمع کرتے ہیں۔ اور ان کے پاس نہایت بیش قیمت ٹکٹ ہیں مرحوم شہنشاہ جارج پنجم کو بذات خود ٹکٹ جمع کرنے کا بیحد شوق تھا۔ اور ان کے ٹکٹوں کا ذخیرہ دنیا کے مشہور ذخیروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جس کی قیمت کئی لاکھ پونڈ ہے۔ امریکہ میں ٹکٹ جمع کرنے والوں کی اس وقت ۵ لاکھ کے قریب تعداد ہے۔ یہ لوگ ٹکٹوں کو بڑی حفاظت اور نہایت ہوشیاری سے اپنے البموں (مرقعوں) میں چسپاں کرتے ہیں۔ اور ان کی نگرانی بالکل اسی طرح کرتے ہیں جیسے ہیرے جواہرات کی۔ آپ شاید اس بات کو مضحکہ سمجھیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ نہایت اچھا شوق ہے اور اس شوق میں امریکہ کے بڑے بڑے کروڑپتی، ڈاکٹر، بنکر، وکیل، طالب علم بھی شامل ہیں۔ حتیٰ کہ غریب سے غریب اور ہوٹلوں میں نوکری کرنے والے تک ٹکٹ جمع کرنے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ جس قدر پرانا ٹکٹ ہوگا اتنا ہی بیش قیمت ہے۔ چنانچہ اس طرح کا ایک ٹکٹ کئی لاکھ ڈالر میں فروخت ہوا ہے۔ ٹکٹ جمع کرنے والے اپنے آپ کو "فلاٹیلسٹ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان ہی ٹکٹ جمع کرنے والوں میں ایک مشہور ڈاکٹر بھی ہے جس کے پاس بہت قدیم ٹکٹ موجود ہیں۔ جو بہت بیش بہا اور نایاب خیال کئے جاتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر موصوف ان ٹکٹوں کو فروخت کر ڈالے تو اس کو ۲ لاکھ ڈالر مل سکتے ہیں۔

مگر بات یہ ہے کہ ڈاکٹر موصوف نفس طبع تفریح کی خاطر ان ٹکٹوں کو جمع کرتے ہیں اس لئے وہ ٹکٹیں فروخت کرنا نہیں چاہتے۔ ان کے پاس امریکہ کے بہت پرانے ٹکٹ جو ۱۸ سو سنتالیس کی یادگار ہیں موجود ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ شروع شروع میں جب یہ ٹکٹ چلے تھے تو ان کی قیمت ۵ سینٹ تھی لیکن اب ان ٹکٹوں کی قیمت میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ بغیر مہر کے ٹکٹ کی قیمت ۱۰۰ ڈالر ہے اور مہر لگے ہوئے کی ۶۰ ڈالر۔

ٹکٹ جمع کرنا صرف تفریح ہی نہیں بلکہ کیمیائی شغل ہے۔ اور ہزاروں آدمی ان ہی پرانے پٹے ہوئے ٹکٹوں کی بدولت مالدار ہو گئے ہیں۔ ٹکٹوں سے معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور تاریخ سے بھی واقفیت ہوتی ہے ہندوستان میں ابھی یہ فن ابتدائی منزلیں طے کر رہا ہے۔ اور ٹکٹ جمع کرنے والے بڑھتے جاتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں سینکڑوں اخبار اور رسالے ٹکٹ سے متعلق نکلتے ہیں جن میں ٹکٹوں کا حال، ان کی قیمت اور مفید باتیں ہوتی ہیں۔ اس سے ٹکٹ جمع کرنے والوں کو بہت سہولت ہوتی ہے۔ لیکن ہندوستان میں یہ آسانیاں ٹکٹ جمع کرنے والوں کو حاصل نہیں ہیں۔

(پچھلے صفحہ سے)

سر جھکا کر چلنا بھی بینائی کو نقصان دیتا ہے۔

نظر کی تقویت وحفاظت کی مفید اشیاء

شلجم کچا کھانا کمزوری نظر کو دور کرتا ہے۔ اسی طرح گاجر کا استعمال بھی نگاہ کو تقویت دیتا ہے۔

سونف اور مصری ملا کر رات کو سوتے وقت ایک تولہ کھانا نظر کو قوی و تیز کرتا ہے۔ درحقیقت سونف کا اس طریقہ پر مسلسل استعمال کچھ دنوں میں عینک کی عادت چھڑا دیتا ہے۔

سرمہ کو ہری سونف کے پانی میں کھرل کر کے لگانا نظر کی تقویت وحفاظت کرتا ہے۔ جب آنکھ میں درد ہو تو کچھ دیر کے لئے آنکھ کو بند کر دو۔ آنکھ میں جلن ہو تو صاف پانی سے دھونا مفید ہے اگر زیادہ رونے کا اتفاق ہو تو عرق گلاب میں کپڑا تر کر کے آنکھ پر رکھنا اور آنکھ کو عرق گلاب سے دھونا مفید ہے۔

آنکھ دکھنے کی مفید دوائیں

افیون ۳ رتی پھٹکری سفید ۳ ماشہ دونوں کو باریک کر کے عرق گلاب ۵ تولہ میں حل کریں اور حفاظت سے شیشی میں رکھیں۔ وقت ضرورت ۲ قطرہ صبح و شام آنکھ میں ڈالیں۔ پہلے ہی روز درد، چبھن وغیرہ کو آرام ہو جاتا ہے۔ اور دو تین روز میں آرام ہو جاتا ہے۔ دیگر۔ پروٹارگول (PROTORGOL) دس گرین ایک اونس گلاب میں حل کر کے شیشی میں رکھیں۔ وقت ضرورت دو تین قطرہ صبح و شام آنکھ میں ڈالیں۔ سوزش، کھٹک وغیرہ دور ہو جاتی ہے۔ آنکھ میں ٹھنڈک پڑ جاتی ہے۔

دیگر۔ آرجی رول (ARGYROL) ۱۰ گرین ایک اونس عرق گلاب میں حل کر کے شیشی میں رکھیں۔ دو تین قطرہ آنکھ میں ڈالیں۔ درد وغیرہ کو فوراً آرام ہو جاتا ہے۔

(صفحہ ۳۰ سے آگے)

تہذیب کی خوبیوں کو نظر انداز کر کے نئی تہذیب کے چھلکوں سے پوری بنیں گے۔ اگر پرانی تہذیب کے پردے میں نئے خیالات اور نئے حالات کو صحیح پیوند لگایا جائیگا تو بیشک

اس کے پھول اور پھل خوشبودار، خوش رنگ اور خوش ذائقہ ہونگے ورنہ آم میں سیب کا پیوند لگیگا۔ ایک قسم کے آم میں دوسرے قسم کے آم کا پیوند ضرور لگ سکتا ہے۔ جو اپنی قدیم تہذیب سے آشنا ہیں بلکہ جنھیں اپنی تہذیب

ٹریجیڈی اور ہندوستانی پردۂ فلم

{از مسٹر فلم کمار بی، اے}

بعض تصویر پسندوں اور ہندوستانی ناظرین فلم کی کچھ ایسی رائے معلوم ہوتی ہے کہ اسکرین پر اگر ٹریجیڈی یعنی افسوسناک انجام کی تصویریں نہ دکھائی جائیں تو بہتر ہو۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ تفریح چاہتے ہیں اور گھر دا سے جاتے ہوئے ڈوبا ہوا دل لے جانا نہیں چاہتے لیکن آخر اس بزدلی سے کیا فائدہ، جب ہم سب مل کر بھی دنیا سے دکھ دور نہیں کرسکتے اور دنیا میں جب تک دکھ بھرے واقعات اور سانحات ہوتے ہیں اس وقت تک ہمیں پردۂ فلم پر بھی انھیں دیکھنے کی توقع ہونی چاہئیے۔ اس میں کوئی منطق نہیں معلوم ہوتی کہ انسان دنیا کے پردہ پر سے تو دکھ اور سانحہ کو دور نہ کرسکے مگر پردۂ فلم پر دیکھنے سے انکار کرے، یہ ضرور ہے کہ انسان ہر وقت دکھ درد کی تصویریں دیکھنا پسند نہیں کرتا مگر دنیا میں ہر وقت آرام، نشاط اور تفریح حیات بھی نہیں ہے جب کامیڈی اور ٹریجیڈی انسان کی زندگی میں پہلو بہ پہلو چلتی ہے تو ہمیں زندگی کے عکس یعنی پردۂ تصویر پر بھی انھیں دیکھنے میں عذر نہ سمجھنا چاہیئے۔

یہ بات دیکھ کر کس قدر تعجب ہوتا ہے کہ اگرچہ لوگ ٹریجیڈی پسند نہیں کرتے مگر پھر بھی ایسی تصویریں جو انجام کے لحاظ سے اندوہناک اور رنجیدہ ہوتی ہیں کامیڈی یعنی بشاش انجام کی تصویروں کے مقابلہ پر بہت کامیاب، مقبول ہوتی ہیں۔ مثلاً دیکھئے لیلےٰ مجنوں، شیریں فرہاد، ستیں بالا، رادھا رانی، چنڈی داس، دیو داس، یہودی کی لڑکی اور جدید تصویر پریذیڈنٹ، بہت ممکن ہے بعض تصویریں ٹریجیڈی کی تعریف پر پوری نہ اتریں لیکن فی الحقیقت ان کے انجام کو پروڈیوسر اس طرح پردہ میں چھپا دیتا ہے کہ رنج کم ہوجائے یا اس طرح غیر محسوس اور ہلکا ہو جائے کہ دیکھنے والوں پر بار نہ ہو ورنہ دراصل وہ زندگی کی بھیانک اور صاف طور پر اندوہناک تصویریں ہوتی ہیں۔

دنیا کے مشہور مصنفین کی کہانیاں جن سے پردۂ فلم کو چار چاند لگ گئے سب کی سب نہیں تو بڑی تعداد میں ٹریجیڈی تھیں، شیکسپیر، ڈکنس، طلسطائی، ٹیمارک گالزوردی وغیرہ۔

سب سے پہلے ہمیں ٹریجیڈی کی ایک تعریف مقرر کرنی چاہیئے۔ تاکہ معاملہ کے سمجھنے میں دشواری نہ ہو، ٹریجیڈی کا مطلب آنسوؤں کے ایک دریا اور آہوں کے دھوئیں سے نہیں ہے بلکہ وہ لطیف جذبۂ رنج و تاسف جو دل کو جا کر چھوتا ہے اور وہ اسی جنبش سے ہمارے دماغوں میں روشنی پیدا کرکے انسان حیات کے رازوں کی پردہ کشائی کر دیتا ہے اور ہم کچھ سوچنے اور محسوس کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ٹریجیڈی کے اس نقطۂ نظر سے ایکٹر کو اپنے جوہر دکھلانے کا اچھا موقع ملتا ہے بشرطیکہ اس میں محسوس کرنے والا دل ہو اور وہ اپنی حیات کا پورا عکس پردۂ فلم پر پھینک سکے، دلی صفائی، اخلاص اور سنجیدگی عمل کے اظہار کے لئے ٹریجیڈی سے زیادہ اور کوئی کام کارآمد نہیں ہو سکتا۔ جس میں اداکار کو اپنے جوہر دکھلانے کا پورا موقع مل سکے، اور کامیڈی میں ملی ہوئی ٹریجیڈی اور بھی قدم پر سبقت دیتی کی اگر مثال دیکھنی ہو تو شہنشاہ ظرافت، چارلی چیپلن کی تصویر "نیاز مانہ" دیکھئے، ہندوستان میں ٹریجیڈی کا اچھا کام کرنے والے خصوصاً موثر اور بنگال کی تصویروں کے مسٹر بینرجی اور سہگل ہیں، خاموش فلموں کے عہد میں خلیل بھائی اور ستیو یا وغیرہ کئی اچھے ٹریجیڈی کا کام کرنے والے پیدا ہوگئے تھے، پیدرن ٹھگت کے ہمراہ کارنے کوئی خاص ترقی نہیں کی مگر نجم الحسن سے بہت کچھ امیدیں ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے مشہور ایکٹر ٹریجیڈی کا کام کرنے والے گزرے ہیں اور یہی ان کی مقبولیت کی وجہ ہوئی میری رائے تو ایک مشہور اداکار کی رائے کے مطابق یہی ہے کہ "زندگی" دراصل کامیڈی کی نسبت ٹریجیڈی کو زیادہ کہتے ہیں جب ہم یہ کہتے ہیں کہ "یہی تو زندگی ہے" تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ دنیا ہے یہاں کچھ تلخ حقائق بھی ہوتے ہیں جن سے ہم کتنی ہی چشم پوشی کرنی چاہیں مگر نہیں کرسکتے، جب ہم آرٹ کے کسی نمونہ کو دیکھتے ہیں تو اس کے وہ عناصر ہماری توجہ اور دلچسپی کا باعث زیادہ بنتے ہیں جن سے ہمیں "ہمدردی" ہوتی ہے جب ہمارے اپنے مشاہدات، زندگی کے اپنے تجربات اور حقائق کسی آرٹسٹ کی مدد سے مجسمہ بن کر ہمارے سامنے آجاتے ہیں تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو وہی ہے جو ہم دیکھ چکے ہیں اور جو ہم پر بیت چکی ہے۔ اور ہمارا وجود تو خود اس کہانی کا ایک حصہ ہے اور چونکہ فلم کے آرٹ میں ہم کو زندگی کی حقیقی تصویروں اور عکس حیات کی تلاش ہوتی ہے اس لئے اگر تکلیف اور دکھ اور سانحات زندگی نظر پڑیں تو ہمارا وہی جذبۂ ہمدردی بیدار ہو جاتا ہے جو ہمیں آرٹ کا ایک حصہ دار اور ہم خیال بنا کر اسے ہماری نظروں میں مقبول و محبوب بنا دیتا ہے۔

یہ بالکل درست ہے کہ انسان کامیڈی مانگتا ہے، مگر وہ خود بھی یہ سمجھتا ہے کہ کامیڈی بناوٹی چیز ہے، دل کی تسلی کے لئے ہے ورنہ اصل چیز تو وہ ہے جسے ٹریجیڈی کہتے ہیں اور ہماری روح کی، متلاشی روح کی جستجو کی تشفی ٹریجیڈی ہی کرسکتی ہے، کامیڈی نہیں اگرچہ طبیعت پھر بھی یہی کہتی ہے کہ یہ :-

کیسی ٹریجیڈی ہے!

افسوس اسکے انجام پر!

ہفتہ کی اہم اور منتخب خبریں

باغیوں کی جانب سے اعلان شائع ہوا ہے کہ جنرل مولا کی فوجیں جو بلبو پر چڑھائی کر رہی ہیں، سنگو یا سے صرف تین میل کے فاصلہ پر رہ گئی ہیں، یہ شہر میڈرڈ اور بلبو کے درمیان سلسلہ مراسلات کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اعلان میں مزید لکھا ہے کہ لڑائی میں سرکاری فوج کے تین سو آدمی مارے گئے اور باغیوں نے سرکاری فوج کے بہت سے آدمیوں کو قید کرلیا سپاہی اپنی فوجی ہتھیار چھوڑ کر بھاگ گئے۔

بنگال جوٹ ورکرز سنٹرل سٹرائک کمیٹی کی ہدایت کے مطابق جوٹ ملوں کے مزدوروں کی ہڑتال ختم ہوگئی مزدوروں نے کام شروع کردیا۔ ۲۵ جوٹ ملوں کے تقریباً ایک لاکھ مزدور کام پر چلے گئے۔

مشہور دیش بھگت مسٹر وی۔ ڈی۔ ساورکر غیر مشروط طور پر رہا کر دیئے گئے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ ساورکر کو ۱۹۱۰ء میں انگلینڈ میں گرفتار کیا گیا تھا اور اس وقت سے ان کی نقل و حرکت پر پابندیاں لگی ہوئی تھیں رہائی کے فوراً بعد مسٹر ساورکر نے نمائندہ پریس سے دوران انٹرویو میں کہا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ رتناگری نے مجھکو ایک سرکاری خط دیا جس میں لکھا تھا کہ مجھ پر سے تمام پابندیاں اٹھالی گئی ہیں۔ اور غیر مشروط طور پر رہا کردیا گیا ہے۔

ملک معظم اور ملکہ معظمہ کی جانب سے بکنگھم محل میں ایک شاندار دعوت دی گئی جس میں تقریباً چار سو پچاس مہمان شریک ہوئے۔ جن میں غیر ملکی وزیر، سربراہ و سرکردہ اصحاب شریک ہوئے، ملکہ میری نے بھی دعوت میں شرکت کی۔

بمبئی لیجسلیٹو اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے لیڈر مسٹر بی۔ جی کھیر جو کہ مہاراشٹر کا طویل دورہ کرنے کے بعد بمبئی تشریف لائے ہیں۔ انھوں نے بمبئی اسمبلی کے ۱۰۴ ممبروں کے دستخط اس بات کے واسطے لئے ہیں۔ کہ ان کا موجودہ عارضی وزارت میں اعتماد نہیں ہے۔

کابل میں زبردست آگ لگ گئی۔ جس سے وہاں کا ایک خاص بازار جو کہ چمن حضوری کے نام سے مشہور ہے۔ اور کاروبار کا خاص مرکز ہے، نیز افغانستان کے ایک مشہور اخبار اسلام کی عمارت جلکر تودہ خاک ہوگئی۔

حکومت ریاست بھوپال نے زیر دفعہ ۱۴۴ تعزیرات بھوپال ہند کانفرنس منعقد کرنے کے خلاف جو امتناعی حکم نافذ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں معلوم ہوا ہے کہ کانفرنس کے آرگنائزروں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس پابندی کے باوجود کانفرنس منعقد کی جائے۔

ملک معظم نے بکنگھم پیلس سے تقریر براڈکاسٹ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جذبات سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ آپ کے روبرو آج تقریر کرتا ہوں، مجھے الفاظ نہیں ملتے۔ جن سے میں آپ کے جذبۂ محبت و وفاداری کا جو آپ کے دلوں میں میرے اور میری ملکہ کے لئے ہے۔ شکریہ ادا کروں۔ میں صرف یہی کہوں گا۔ کہ اگر آئندہ سالوں میں میں صرف آپ کی خدمت کرتے ہوئے اپنا اظہار شکریہ کرسکوں۔ تو میں سب سے پہلے اس کام کو منتخب کرلونگا

اطلاع ملی ہے کہ ایک سی۔ آئی۔ ڈی کے افسر نے دہلی کے مشہور و معروف کانگریسی کارکن اور جمعیۃ العلما ہند کے اسسٹنٹ سکریٹری مولانا نور الدین بہاری کو جو کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں ہمہ تن کانگریس کے پروپیگنڈہ میں مصروف تھے، چیف کمشنر صوبہ دہلی کی جانب سے اس امر کا نوٹس دیا کہ وہ ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر صوبہ دہلی سے چلے جائیں، اور چھ ماہ تک واپس نہ آئیں۔

معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ مہاتما گاندھی کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے سردار ولبھ بھائی پٹیل نے بالآخر فیصلہ کرلیا ہے کہ کانگریس کا آئندہ اجلاس موضع ہری پورہ تعلقہ بارڈولی میں کیا جائے، موضع ہری پورہ تاپتی وادی ریلوے کے مادی ریلوے اسٹیشن سے گیارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

لاہور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ہمپین ریف نامی کان میں ایک سخت چٹان گر پڑی جس سے تین قلی فوراً ہلاک ہوگئے اور تقریباً ۲۴ مجروح ہوگئے، مجروحین میں سے بارہ کی حالت نازک بتائی جاتی ہے، تمام مجروحین کو ہسپتال پہنچا دیا گیا ہے ہلاک شدگان کی نعشوں کا ابھی تک پتہ نہیں مل سکا ہے۔ انھیں تلاش کرنے کے لئے سخت کوشش کیجا رہی ہے۔

اٹلی کے تمام اخبارات نے حکومت اٹلی کے حکم سے تاجپوشی کا بائیکاٹ کیا اور تاجپوشی کے سلسلہ میں اتنا حوالہ دیا کہ بھیڑ میں ایک آدمی کچلا گیا اٹلی کے ہزاروں آدمیوں نے "ایوننگ اسٹینڈرڈ" اخبار خریدا جس نے اٹلی کے حکم کی پروا نہ کرتے ہوئے تاجپوشی کے بارے میں طویل آرٹیکل شائع کیا۔

تیج ویکلی دہلی

کا

دوسرا افسانہ ایڈیشن

جون ۱۹۳۷ء کے آخری ہفتہ میں شایع ہو گا

تیج ویکلی کے گذشتہ افسانہ اور ہولی ایڈیشن اس قدر مقبول ہوئے ہیں، باوجود تعداد دوگنے چھپنے کے بھی ہم مانگ پوری نہیں کر سکے - گذشتہ اڈیشنوں کی کامیابی اور پبلک کی حوصلہ افزائی سے متاثر ہو کر ہم نے تیج ویکلی کا ایک اور افسانہ اڈیشن جون کے آخری ہفتہ میں شائع کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے - ہم ناظرین کو یقین دلاتے ہیں - کہ یہ اڈیشن گذشتہ اڈیشنوں سے زیادہ عمدہ اور زیادہ دلچسپ ہوگا۔

برہمانند گپتا منیجر "تیج ویکلی" دہلی



مسٹر چندرشنکر ٹی-ترویدی
ایمپائر ٹاکیز ڈسٹریبیوٹرز دہلی



گلاب "وفا کی پتلی" میں جوکہ جلد آنیوالا ہے



مایادیوی اور اشوک‌کمار "پریم کہانی" میں
بمبئی ٹاکیز کا بہترین فلم جوکہ نشاط‌ٹاکیز میں آنیوالا ہے



جال‌سرچوہنت "بنارسی ٹھگ" میں‌جوکہ نشاط ٹاکیز میں چل رہا ہے

Regd. L. No. 1517



تمام ہندوستانیوں کے لئے ہندوستانی چائے



چائے پینے والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ ہندوستان کی ہر جماعت اور مذہب و ملت کے لوگوں میں رفتہ رفتہ چائے پینے کا رواج زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ واقعی ایک نیک اندیش علامت ہے لیکن سب سے زیادہ مسرت بخش بات یہ ہے۔ کہ ہندوستان میں کروڑوں چائے کے نئے شوقین پیدا ہو گئے ہیں۔ اور ان میں سے ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ دنیا میں چائے سے بڑھ کر پینے کی کوئی چیز نہیں۔ ہندوستان میں جو چائے پیدا ہوتی ہے۔ وہی سب سے بہتر چائے ہے۔ آپ چائے کی عادت کو جاری رکھیے۔ کیونکہ اس سے آپ کے جسم کو طاقت اور دل کو فرحت حاصل ہوگی۔ یہ یاد رکھیے کہ چائے ہندوستان کی قومی پینے کی چیز ہے؛

ہمارا باتصویر رسالہ

چائے کا پورا لطف اٹھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ چائے اچھی طرح بنائی جائے



اگر آپ اس فن کو سیکھنا چاہتے ہیں۔ تو ہمارا باتصویر رسالہ "چائے بنانے کا طریقہ" منگوا کر پڑھیے۔ اس میں نفیس چائے تیار کرنے کا صحیح طریقہ بتایا گیا ہے،

اس اشتہار کو کاٹ لیجیے۔ اور اس کیساتھ اپنا نام، پتہ اور پیشہ لکھ کر کمشنر فور انڈیا - انڈین ٹی مارکیٹ ایکسپینشن بورڈ، بکس نمبر ۲۰۲۱، کلکتہ بھیجیے۔ یہ رسالہ مفت آپکے نام روانہ کیا جائے گا،

اصلی سودیشی پیداوار — ہندوستانی چائے

Printed and published by Dharamnal Gupta at the TEJ Press, Roza Bastion Road, Delhi. IK 25 1.

The TEJ ILLUSTRATED Weekly

دی تیج ویکلی

ہندوستان کا بہترین باتصویر ہفتہ وار اخبار

ایڈیٹر: دھرم پال گپتا | **NO.** 140 **DELHI** 25TH MAY 1937. **V. NO.** 15. | دیش بندھو



موسم گرما میں پہاڑوں کی دلکشی

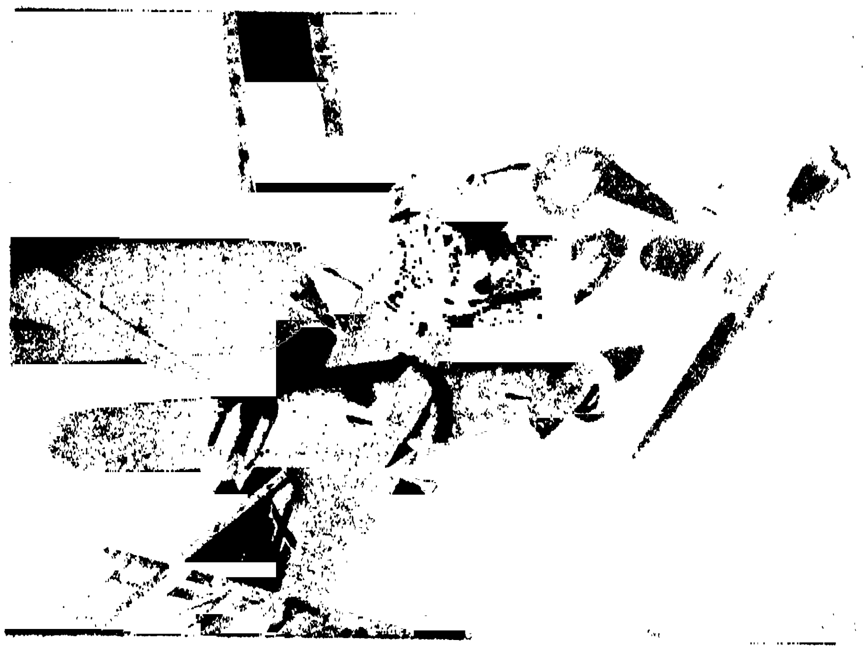
TEJ WEEKLY



پنڈت جواہرلال نہرو
برما میں آپ کا شاہانہ اِستقبال کیا
کیا اور دیویوں نے آپ کی پیشانی
پر تلک لگایا



برلن میں جرمن صنعت و حرفت کی عظیم‌الشان نمائش



ہٹلر کی پانچ سالہ سکیم میں ہوائی جہازوں کی ترقی کا ایک منظر



سیٹھ جگل‌کشور برلا
آپنے شردھانند ٹرسٹ کی اِمداد
کے لئے ساڑھے سات ہزار روپیہ
کی رقم دان دی ہے



بابو پرشوتم‌داس ٹنڈن
اپنے گورنر یو-پی کے خط کے جواب
میں لکھا ہے کہ اسمبلی کا
اِجلاس طلب کرنے سے اِنکار کرنا
جمہوریت کے بنیادی اصولوں کے
خلاف ہے



رامجس سکولوں کے بانی
رائےصاحب لالہ کدارناتھ جی ایم-اے
جن کے ہائی سکولوں کے لڑکوں نے
اِمسال بورڈ کے اِمتحان میں صوبہ
بھر میں اول- دوم اور سوم
پوزیشن حاصل کی



مہاراجہ الور
آپ کا اِس ہفتہ پیرس میں ٹینس
کھیلتے ہوئے سورگباش ہوگیا



برما میں پنڈت جواہرلال نہرو نے اہل برما سے کہا ہے کہ اگر ایک غیر ملکی حکومت نے ہمیں اور تمہیں الگ کر دیا ہے تو بھی اس کا خیال نہیں کرنا چاہیئے اس لئے کہ ہمارا تمہارا ماضی حال اور مستقبل ایک ہے، اور ہم دونوں مل کر آزادی کی منزل تک پہونچیں گے۔

آج کی خبریں

لکھنؤ میں شیعہ سنّی فساد
دس ہلاک - دو سو زخمی

لکھنؤ ۲۳ مئی: آج شیعہ سنیوں کے فساد کی صورت حالات کل سے بھی زیادہ نازک ہو گئی۔ آج متعدد مقامات پر مسلسل جھگڑے ہوئے۔ مسلح پولیس کے گشت کے باوجود ان علاقوں میں جہاں فساد ہوا ہے اکّے دکّے حملے کثرت سے جاری ہیں۔ فساد امین آباد تک بڑھ گیا۔ یہ جگہ کاروباری حیثیت سے بہت اہم ہے۔ آج شام کو ایک لڑکا کھیلتا ہوا ہلاک کر دیا گیا۔ اس سے بڑی سنسنی پھیل گئی اور یہاں کی تمام دوکانیں بند ہو گئیں۔ سعادت گنج وارڈ اور اردو چوک میں ایک مرتبہ پھر زیادہ فساد ہوا۔ جہاں ایک آدمی مر گیا۔ اس کے بعد ایک شخص کو اور ہلاک کر دیا گیا۔ شیعہ اور سنیوں کے خاندان پولیس کی امداد سے شہر خالی کر رہے ہیں۔ شہر میں خوف و ہراس کا عالم طاری ہے۔ غیر سرکاری طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ اب تک ہلاک شدگان کی تعداد دس تک پہنچ گئی ہے۔ اور زخمیوں کی تعداد ۲۲ ہے۔ (ر۔ پ)

ایسوسی ایٹیڈ پریس کا بیان ہے کہ ایک اردو اخبار کے ایڈیٹر کے گھر پر شیعہ لوگوں نے حملہ کر دیا مگر اس سے پیشتر کہ وہ اس کو گھیرتے گھر کے تمام افراد پڑوس کے ایک مکان میں چھپ گئے۔ ایک اور اطلاع ہے کہ ایک چھ سالہ لڑکی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ اور ایک بوڑھے کو ہلاک کر دیا گیا۔ ڈپٹی کمشنر نے طرفین کے لیڈروں سے گفتگو کی ہے۔ تاکہ کوئی فیصلہ ہو سکے۔ (ا۔ پ)

ہندو لڑکیوں کے اغوا کے خلاف پروٹسٹ
بنوں کے ہندوؤں کی ہڑتال
وکیلوں سے پریکٹس چھوڑنے کی اپیل

پشاور ۲۴ مئی: بنوں ضلع کے عمرتا تار خیل گاؤں میں چار ہندو لڑکیوں کے سنسنی خیز اغوا کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے یہاں کے ہندوؤں کا ایک عام جلسہ زیر سرکردگی بنوں سیوا ستی منعقد ہوا۔ جلسہ میں فیصلہ کیا گیا کہ جس وقت تک حکام ان لڑکیوں کو ان کے والدین تک واپس نہ کرا دیں اس وقت تک بنوں کے ہندو ہڑتال رکھیں۔ دریں اثنا یہاں کے وکلاء صاحبان سے اپیل کی گئی کہ وہ اس وقت تک اپنی پریکٹس ملتوی کر دیں۔ آج سے ہندوؤں نے ہڑتال شروع کر دی ہے

راشٹرپتی کو ۷۲۵۰۰ روپیہ پیش کیا گیا
برما میں پنڈت جواہر لعل کا استقبال

رنگون ۲۳ مئی: برما میں ان کے تیرہ دنوں کے قیام میں ایک درجن سے زائد ہندوستانی انجمنوں اور افراد کی جانب سے راشٹرپتی پنڈت جواہر لال نہرو کو جو رقمیں پیش کی گئی ہیں ان کی میزان تقریباً ساڑھے بہتر ہزار روپیہ تک پہنچ گئی ہے۔ اس میں سے رنگون کے گجراتی بھائیوں کے روپیہ کی تعداد چالیس ہزار ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس رقم کا بڑا حصہ تو کانگریس کے جنرل فنڈ میں جائے گا۔ اور باقی کملا نہرو ہسپتال فنڈ میں دیا جائے گا۔ (ا۔ پ)

دو ہندو نوجوانوں کی گرفتاری

نوا کھلی ۲۳ مئی: اطلاع ملی ہے کہ دو ہندو نوجوانوں کو رام گنج تھانہ کے ریوالور اپنے پاس رکھنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔ یہ دونوں ڈاکہ ڈالنے کی کوشش میں تھے۔ (ا۔ پ)

ایک ہندو عورت ہلاک کر دی گئی
سات ہندو دوکانیں لوٹ لیں
بنوں میں فسادیوں کی حرکات

ایبٹ آباد ۲۳ مئی: اطلاع ملی ہے کہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے جنوب مشرق میں نو میل کے فاصلہ پر موضع بجوری میں ۱۲ مئی کی شب کو ایک گروہ نے حملہ کر دیا۔ ایک ہندو عورت اور ایک لڑکے کو جنہوں نے مزاحمت کی گولی سے ہلاک کر دیا گیا۔ حملہ آور نقدی اڑا لے گئے۔ سات ہندو دوکانیں لوٹ لیں۔ اور ایک کو نذر آتش کر دیا۔ سیاسی دباؤ کی بنا پر دو ہندو جو گذشتہ مہینہ زبردستی اٹھا لئے گئے تھے ۱۳ مئی کو واپس کر دیئے گئے۔ اسی طرح ۲۰ مئی کو وزیری ملک نے ایک اور ہندو کو واپس کر دیا۔ (ا۔ پ)

پنجاب پولیٹیکل احرار کانفرنس

ملتان ۲۳ مئی: پنجاب پولیٹیکل احرار کانفرنس کا اجلاس آج بھی منعقد ہوا۔ شیخ حسام الدین صدر کانفرنس نے احراریوں سے اپیل کی کہ وہ ملک کی آزادی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیں۔ ایک ریزولیوشن میں حکومت کی سرحدی پالیسی کی مذمت کی گئی۔ (ا۔ پ)

(باقی اگلے صفحہ پر)

تازہ تجارتی سماچار

لندن صرافہ (لندن ۲۲ مئی)
چاندی حاضر فی اونس ۲۰ پنس وعدہ ۲۰ پنس
بازار خاموش تھا۔

پنس ۔ شلنگ ۔ پونڈ
سونا ۔ ۔ ۔ ۔ ۷

لیورپول روئی (لیورپول ۲۲ مئی)
بازار بند تھا۔

نیویارک روئی (نیویارک ۲۲ مئی)
اکتوبر وعدہ کھلی ۱۲٫۷۰
بند ہوئی ۱۲٫۷۷

ہندستان سے اچھے سماچاروں پر بازار میں قدرے مضبوطی تھی۔ پرنتو موسم موافق ہونے سے مقامی کام کرنیوالے سنکوچ میں تھے۔ اسلئے بھاؤ میں اتار چڑھاؤ بہت کم رہا۔ اکتوبر وعدہ کل کے بند بھاؤ ۵ پوائنٹ اونچا کھلا اور دوپہر کچھ بیوالی سے ۱۲ پر بند ہوئی

لیورپول گیہوں (لیورپول ۲۲ مئی)
جولائی وعدہ ۱۱۳ اور اکتوبر ۱۰۹ پر کھلا۔ مانگ اچھی کھلنے میں بازار قدرے مضبوط رہا۔ بعد میں بیچ کی بکوالی بازار کچھ مندا کے رخ پر تھا۔ پرنتو بازار کی ٹوٹنا کچھ زیادہ دیر تک نہیں رہا۔

شکاگو گیہوں (شکاگو ۲۲ مئی)
ہندستان کی فصلوں کے خراب ہونے کے سماچار اور پرائیویٹ گھریلو فصل کے خراب ہونے کے سماچار بازار مضبوط تھا۔

بمبئی منڈی بازار (بمبئی ۲۲ مئی)
روئی

بازار خاموش کھلا۔ نئی فصل کے وعدوں کی آڑھت والوں کی طرف سے بکوالی کے کارن نئی اور پرانی فصل کا فرق کم ہو گیا۔ شارٹ والوں کی لیوالی پر بازار کچھ مضبوط رہا۔

بیروچ اپریل مئی ۱۹۳۷ء	۲۳۳ – ۰ – ۰ فی کنڈی
۔۔ جولائی اگست	۲۳۷ – ۰ – ۰ ۔۔
۔۔ اپریل مئی ۱۹۳۸ء	۲۴۱ – ۸ – ۰ ۔۔
اومرا مئی	۲۲۶ – ۱۲ – ۰ ۔۔
۔۔ جولائی	۲۲۶ – ۴ – ۰ ۔۔
۔۔ دسمبر جنوری	۲۲۰ – ۸ – ۰ ۔۔
بنگال مئی	۱۹۷ – ۰ – ۰ ۔۔
۔۔ جولائی اگست	۱۹۶ – ۰ – ۰ ۔۔
۔۔ دسمبر جنوری	۱۸۳ – ۸ – ۰ ۔۔

صرافہ
چاندی حاضر ۵۲ – ۱۲ – ۰ پہلا وعدہ ۵۲ – ۱۳ – ۰ سو تولہ
۔۔ دوسرا وعدہ ۵۳ – ۰ – ۰ سو تولہ
سونا حاضر ۳۴ – ۹ – ۰ دوسرا وعدہ ۳۴ – ۷ – ۰ فی تولہ

اجناس
گیہوں ستمبر ۵ – ۱۱ – ۶ السی ستمبر ۸ – ۷ – ۰ فی من
تل ۹ – ۴ – ۰ ارنڈی ۷ – ۵ – ۰ ۔۔

برما کے سیاسی قیدیوں کی رہائی

رنگون ۲۲ مئی۔ جیسا کہ یونائیٹڈ پریس نے پہلے ہی اطلاع دی تھی برما کے سیاسی قیدیوں کی رہائی کے احکامات صادر ہو گئے ہیں۔ ان قیدیوں کی تعداد ۲۷۵ ہے۔ جن میں ۲۷ سیاسی قیدی ہیں۔ جو برما ریبلین کے سلسلے میں گرفتار کیے گئے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ انسین، پاپون اور سنٹرل جیل میں ان قیدیوں کو رہا کر دیا جائیگا جن کی رہائی گورنر برما نے اسمبلی کی خوشی میں منظور کی ہے (یو۔ پ)

مرکزی اسمبلی کا ضمنی انتخاب

ناگپور ۲۲ مئی۔ مسٹر جی۔ ڈی دیشمکھ بیرسٹر نے مرکزی اسمبلی کے ضمنی انتخاب کے لیے آج اپنے کاغذات نامزدگی داخل کر دیے۔ ڈاکٹر این۔ بی کھرے کے استعفے سے جو جگہ خالی ہوئی ہے آپ اس کے امیدوار ہیں۔ امید ہے کہ مسٹر دیشمکھ بلا مقابلہ منتخب ہو جائیں گے۔ کیونکہ کوئی دوسرا امیدوار معلوم نہیں ہوتا۔ (ی۔ پ)

ایک سفید پوش کی گرفتاری

لاہور ۲۲ مئی۔ لاہور ضلع کا ایک سفید پوش خیانت مجرمانہ کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے گاؤں والوں سے چالیس روپیہ ٹیکس وصول کر کے خزانہ میں جمع نہیں کرایا۔ (ا۔ پ)

شکارپور میں دفعہ ۱۴۴

کراچی ۲۲ مئی۔ گذشتہ شب شکارپور میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ نے بہت اثر کیا۔ اور اس کے بعد سے اب تک کوئی حملہ نہیں ہوا۔ اب تک جو اطلاع ملی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں میں صورت حالات پر قابو پا لیا ہے۔

دہلی کے ہندوؤں کا جلسہ

دہلی ۲۲ مئی۔ ہندو مہاسبھا ہال ریڈنگ روڈ نئی دہلی میں پراونشل ہندو سبھا کے زیر اہتمام مہاراجہ اوڑچھا کے سورگباش پر شوک پرگٹ کرنے کیلئے دہلی کے ہندوؤں کا ایک جلسہ آج شام کو چھ بجے ہوگا۔ جلسہ میں ریاست بھوپال کے خلاف بھی پروٹسٹ کیا جائے گا۔ (ی۔ پ)

دولہا کی واپسی

{ازشاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی}

"خیر مجھ ماں کو بھلا بیٹھا تو کچھ بیجا نہیں"
"تجھ دلہن کو بھول بیٹھا، آئے یہ کیونکر یقیں"
"لیکن اے بیٹی! مرا بیٹا سعادتمند ہے"
سچ مچ اپنے مرنے والے باپ کا فرزند ہے"
"بیٹی! ان بجھتی ہوئی آنکھوں میں نور آجائے گا"
"لال میرا، آج، یا کل تک ضرور آجائے گا"
"دل مرا بیچین ہے اس دلربا کے واسطے"
"جا ذرا تصویر تو لے آ، خدا کے واسطے"
"ہاں یہی، کیوں سر جھکاتی ہے؟ ادھر آ تو سہی"
"اس پہ میں قربان، میری دل کا ٹکڑا ہے یہی"
"بچپنا چہرے پہ ہے، بانو نیں ملتے جال سے"
"چودھویں کا چاند شرماتا ہے میرے لال سے"
"منہ سے کہہ "آمین" یہ کیسا حیا کا جوش ہے؟"
"میں دعائیں دے رہی ہوں، اور تو خاموش ہے"
"ہائیں یہ آواز؟ لاری! اور یہ کیا اے خدا؟"
"لاش! یہ کیا، ہائے اے اللہ یہ کیا ہو گیا؟"
"کیا ہے یہ اماں؟ ہوا جاتا ہے کیوں دل پاش پاش؟"
"میرے بچے کا جنازہ، اور ترے دولہا کی لاش!"

ارشادات عالیہ

(مصنفہ حضرت مولینا عبدالباری آسی لکھنوی مدظلہ)

(خاص سچ دہلی کیلئے)

یوں مری فرد عمل وقف مے و میخانہ ہے
کوئی سجدہ ہے تو وہ بھی لغزش مستانہ ہے

تشنہ کامی بھی حریف صحبت رندانہ ہے
دیدۂ پرنم نہیں چھلکا ہوا پیمانہ ہے

روندتے ہیں ساکنان باغ عالم رات دن
میری قسمت ہر شبیہہ سبزۂ بیگانہ ہے

کثرت حیرت سے فرحت ہو ہی ہے ناپدید
میرا ہر ارمان اندھیری رات کا پروانہ ہے

سلسلہ در سلسلہ ہے نامرادی عشق کی
ایک افسانے کے اندر دوسرا افسانہ ہے

ہر کسی کے واسطے ہے فیض نا محدود عشق!
جو کوئی جل جل کے مر جائے وہی پروانہ ہے

کثرت عصیاں بنا دیتی ہے نیکی کو گناہ
اب مری توبہ جواب جرأت رندانہ ہے

غیر کی جانب بھی دیکھ اے ساقی زہر فراق
کیا مجھی پر سب ترا الطاف بے پایانہ ہے

ظلمت مدفن بنی تاریکی شام فراق
بعد مردن بھی وہیں ہے یہ جہاں ویرانہ ہے

سینکڑوں انداز سے ٹوٹا ہے مجھ پر آسماں
جب مرا افسانہ سنئے اک نیا افسانہ ہے

ہر جگہ پر ہے نظر میں ایک دنیائے خیال
جس میں آبادی نہیں وہ کونسا ویرانہ ہے

اصل میں مجنوں ہے آسی واضع قانون عشق
اس کو جو دیوانہ کہتا ہے وہ خود دیوانہ ہے

جلاوطن شہنشاہ جرمنی قیصر ولیم کی خاموش زندگی!

(خاص نامہ نگار کے قلم سے)

ایک چھوٹے سے کمرہ میں جسمیں نہایت مختصر سامان سادگی سے رکھا ہوا ہے آپ ایک بوڑھے کو ایک زین پر بیٹھے دیکھیں گے اس کے سامنے ایک ڈھلواں وضع کی پرانی میز ہے جیسی اکثر سوداگروں کے پاس ہوتی ہے اسپر ایک اخبار کھلا ہوا ملے گا۔ اور وہ بوڑھا یہ اخبار بے خیالی میں پڑھتا دکھائی دیگا۔ اس کے گرد دیواروں پر جنگی میدانوں کی تصویریں، فوجی قواعد کی تصویریں، جنگی سپاہیوں، توپخانوں اور دیگر اسلحہ کے نقشے جابجا آویزاں دکھائی دیں گے!

یہ شخص کون ہے؟ سابق قیصر جرمنی جو اپنی گزشتہ عظمت کا مٹتا ہوا خواب خود اپنی آنکھوں کے سامنے معدوم ہوتے دیکھ رہا ہے ۸۰ سالہ بوڑھا جس کے بال برف جیسے سفید ہو چکے ہیں اور وہ بیٹھا ہوا اپنے وطن کے حالات پڑھتا رہتا ہے اور دھیان کرتا ہے اس وقت کا جب وہ کسی ڈیسک پر نہیں بلکہ جمنبوں اور شاہانہ طمطراق کے مغلوب کا سرِ ملت پر کرنگا دھرتا تھا اور ایک دنیا قیصر کے آگے سرنگوں بنی تھی؛ جس زین پر وہ بیٹھتا ہے وہ اس کے ایک پرانے رفیق گھوڑے کی یادگار ہے، یہ تصویریں بھی اسی عہد کی یادگاریں ہیں جو اسے اس کی گزشتہ عظمت اور جرمنی سے اس کی وابستگی کی یاد دلاتی ہیں اس زین کو اب ایک اسٹول کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور یہاں یورپ کا سب سے بڑا جنگی لارڈ اپنی گزشتہ عظمت کی بجھے ہوئے نقشوں پر سرنگوں بیٹھا دکھائی دیتا ہے،

جرمنی میں اب سابق شہنشاہ کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے نہ اب جرمنی میں اس کا کوئی تذکرہ سننے میں آتا ہے اگر کبھی کسی اخبار میں کوئی اطلاع اس کے بارہ میں چھپتی بھی ہے تو یہ کہ اس نے اپنی عمر کا فلاں سال آج ختم کر لیا۔ اور کل سے اس کی جلاوطنی کی زندگی کا نیا سال شروع ہوتا ہے؛

مگر قیصر اب بھی اس خیال خام میں مبتلا ہے کہ اس کے لوگ ہٹلر سے تنگ آکر آخر کار اسی کو واپس بلائیں گے اور اسے پھر ایک بار شہنشاہی مل جائے گی، اسی خیال کی وجہ سے اس کے ملازمین جب اس سے خطاب کرتے ہیں تو "اعلیٰ حضرت ملک معظم" کا لقب استعمال کرتے ہیں، قیصر جرمنی اب بھی اپنے ملک کی سیاسیات اور عہد بہ عہد کی تبدیلیوں سے باخبر رہتا ہے اور نئے انقلاب کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا ہے اس نے ہالینڈ کے ایک قدیم قلعہ ڈورن نامی میں زندگی کے آخری دن گزارنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہاں وہ کوئی بیس سال سے ہے ایک گاؤں میں تمام دنیا سے الگ پڑا ہے مقامی معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا مگر بہت مہربان اور غریبوں کا خبر گیر ہے، اور دیگر لوگ اسے پسند کرتے ہیں اور وہ بھی ان کے حال پر عنایت کرتا رہتا ہے۔

مقامی لوگ اسے ایک اور بات کی وجہ سے بھی پسند کرتے ہیں وہ اسے اپنے لئے ایک برکت خیال کرتے ہیں یہاں سیاحوں اور مسافروں کا آنا جانا رہتا ہے اور ذرائع آمد و رفت کا کام کرنے والوں کے لئے ابھی آمدنی ہو جاتی ہے نیز یہ کہ مقامی زمینوں کی قیمتیں بھی اس کے یہاں ہونے کے باعث بہت بڑھ گئی ہیں؛

اس کے اس دیہاتی محل میں پر تکلف ساز و سامان بہت ہے بعض فرنیچر تو برلن کے شاہی محلات سے ہی آئے ہیں کیونکہ جمہوری حکومت نے اسے جلاوطن ہونے سے پہلے سب متاع محلات کی چیزیں ساتھ لے جانے کی اجازت سے محروم نہیں کیا تھا؛

اس کے باغ میں بھی سلیقہ اور خوبصورتی دکھائی دیتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے چمن پر بڑا خرچ کرتا ہے قیصر کی مفلسی اور فاقوں کے بارے میں جتنی کہانیاں مشہور ہیں بالکل غلط ہیں جتنے معزول اور جلاوطن بادشاہ ہیں قیصر ان سب میں متمول ترین ہے؛

معلوم ہوا ہے کہ اس کے پاس کم از کم ۵ ملین پونڈ کی دولت ہے جس کی آمدنی اس قدر کافی ہے کہ اس کے شاہانہ اخراجات، خیراتوں اور پر تکلف دعوتوں کے لئے عرصہ تک کام دے سکے، وہ اپنے بچوں، خاندان کے دیگر افراد اور پورے ساز و سامان اور شاہانہ طمطراق کا برابر کفیل رہتا ہے اور اسے کوئی مالی تکلیف پیش نہیں آتی؛

جلاوطنی کی زندگی میں اس نے جنگ کے زمانہ کی وردی، خود، تلواریں، تمغے وغیرہ سب اتار دئیے ہیں اب وہ ایک ڈچ جنٹلمین کی طرح برجس اور فلیٹ ہیٹ پہنتا ہے، اس کا سفید سر اور مخصوص داڑھی اسے ایک نیک دل رحیم و پسندیدہ بزرگ کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے، روزانہ اپنے محل کے معائنہ کے لئے نکلتا ہے بطخیں اور دیگر آبی جانور بکثرت پال رکھے ہیں جنہیں وہ اپنے ہاتھ سے دانہ دیتا ہے اور یہ پرندے اس نیک صفت انسان کو دیکھتے ہی دور سے رحم و الطاف کا انعام حاصل کرنے کے لئے دوڑ کر آتے ہیں وہ لکڑیاں کاٹ کر ایک عمدہ ورزش بھی صبح ہی صبح کرتا ہے،

رات کو وہ گھر میں بیٹھ کر کسی کتاب میں سے کوئی چیز پڑھ کر اردگرد کے لوگوں کو سناتا ہے اور باتیں کرتا ہے یا اس کتاب کا جو وہ لکھ رہا ہے کوئی نیا باب تحریر کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے،

گرچہ قدیم شاہانہ دعوتیں اب باقی نہیں رہیں مگر پھر بھی پرانی آن بان کبھی کبھی اس کے محل میں دکھائی دے ہی جاتی ہے سالگرہ کے موقعوں پر، کرسمس کے موقعوں پر اور دیگر تقریبات پر طلائی پلیٹیں اور شاہانہ ساز و سامان سے اس کا محل جگمگانے لگتا ہے

۸۰ ویں سالگرہ سے عین پہلے اس عظیم المرتبت ہستی نے مجھے ملاقات کا شرف بخشا۔ خوب باتیں ہوئیں گفتگو کے دوران میں اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ جرمنی کے لوگوں کے ساتھ ہٹلر جو کچھ کر رہا ہے وہ کبھی ایسا نہ کرسکتا اس کے علاوہ اس نے ہٹلر بت پر اور کوئی قابل ذکر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کی؛

باقی صفحہ ۲۳ پر

سائنس اور مذہب

(از شریمتی بشیشور سین)

سائنس کی حیرت انگیز ترقی اور جدید تعلیم کی رو نے ایسے لوگوں کی کثیر تعداد پیدا کر دی ہے جو مذہب اور سائنس کو ایک دوسرے کا مخالف سمجھتے ہیں، اس مضمون میں وقت کے اس اہم ترین مسئلہ پر ایک فاضلانہ بحث کی گئی ہے اور پروفیسر آئنسٹائن اور مصنف کی گفتگو نے اس کی دلچسپی میں بہت اضافہ کر دیا ہے۔ یہ مضمون ۲ قسطوں میں ختم ہوگا۔ (ایڈیٹر)

اس سے قبل کہ سائنس اور مذہب کے رشتہ پر میں ایک مختصر سی بحث کروں، چند ضروری حقیقتیں پیش کر دینا چاہتا ہوں تاکہ کسی طرح کی غلط فہمی نہ پیدا ہو۔ پہلی بات یہ ہے کہ مذہب کی سربرآوردہ شخصیتیں اور سائنس کی سربرآوردہ شخصیتیں دونوں انسان کے دائرے سے باہر نہیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ سائنس اور مذہب انسانی زندگی اور انسانی مسرت کی ۲ مختلف ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ تیسری یہ کہ سائنس اور مذہب آپس میں کوئی متضاد اور مخالف چیزیں نہیں ہیں، بلکہ ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

ایک سوال

اب سوال یہ ہے کہ اس روشن خیال بیسویں صدی میں سائنس اور مذہب میں ایسا جھگڑا اور ناموافق مزاج کیوں پیدا کر لیا ہے؟ سائنس داں اکثر یہ کہتے ہیں کہ مذہب نام ہے توہمات کی ایک پوٹلی کا، اور انسان مذہب کے بغیر بھی ایک اچھی بلکہ بہتر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ مذہب کے مخالفوں نے یہ فقرہ ایجاد کیا ہے کہ مذہب لوگوں کے لئے افیون کا کام کرتا ہے۔ مذہبی آدمی اس الزام کا جواب یوں دیتا ہے کہ وہ سائنس کی تمام ایجادات کو تباہی اور بربادی کے شیطانی انجنوں اور مشینوں سے تعبیر کرتا ہے اور اس کی پیدا کی ہوئی بے چینی اور انتشار کو بنی نوع انسان کے لئے ایک لعنت اور اس کی روحانی ہستی کے لئے ایک مہلک آلہ سمجھتا ہے۔

ماہرین سائنس کا نظریہ یہ ہے کہ بنیادی اصول کے طور پر ہر انسان ایک دماغ رکھنے والا جسم ہے، "اور اگر ہم جسم اور دماغ سے صحیح کام لیتے رہیں اور ان کی کافی نگرانی کرتے رہیں تو روح (اگر حقیقت میں کہیں اس کا وجود ہے) خود اپنا کاروبار سنبھال لیگی"۔ اسی نقطۂ نگاہ سے اگر سائنس داں کبھی کوئی دعا کرے گا وہ مندرجہ ذیل قسم کی ایک چیز ہوگی:- "اے پرماتما اگر تو پرماتما ہے تو میری روح کو نجات دے، اگر کوئی روح ہے!" دوسری طرف مذہبی رہنماؤں اور بزرگوں کے لئے روح ایک حقیقت ہے، جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہ دماغ اور جسم یعنی مٹی کا ڈھیر اس پر ایک بارگراں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے لئے زندگی کا مقصد یہ ہے کہ روح کو ان متعلقات سے آزاد کر کے اس کی اصل یعنی پرماتما تک رسائی حاصل کریں۔

امید ہے یا نہیں؟

زندگی کے ان ۲ مقاصد یا ۲ نقطۂ نگاہ کو آپس میں یکساں یا متحد کرنے کی کوئی امید ہے یا نہیں؟ اس پر مجھے مشہور مصنف چارلس لیمب کی زندگی کا ایک واقعہ یاد آیا۔ ان سے جب کسی نے یہ سوال کیا کہ کیا آپ فلاں شخص کو جس سے آپ نفرت کرتے ہیں جانتے بھی ہیں؟ مصنف نے جواب دیا کہ "اگر میں اسے جانتا تو نفرت کیوں کرتا!" غالباً یہ

بہتر ہوگا کہ اس سلسلہ میں ہم سائنس اور مذہب دونوں کے بنیادی اصولوں کا دونوں کے دائرہ عمل اور حدود کا ایک سرسری مطالعہ کریں، ممکن ہے اس تحقیقات کے بعد ہمیں یہ معلوم ہو کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر اچھی اور ضروری چیزیں ہیں اور آپس میں مخالفت و منافرت نہیں رکھتے۔

باحیات اور بے حیات

زندگی رکھنے والی اور زندگی نہ رکھنے والی یعنی ذی روح اور غیر ذی روح چیزوں میں فرق واضح کرتے ہوئے ماہرین علم حیات نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ تمام زندہ چیزیں جن میں انسان بھی شامل ہے، دو ماحول اور درمیان عمل رکھتی ہیں، ایک تو اندرونی ماحول ہے جو انفرادی اور شخصی حیثیت رکھتا ہے اور دوسرا بیرونی ہے جو غیر محدود ہے، اور جس میں کائنات کی باقی مخلوق کے ساتھ شرکت کرنی پڑتی ہے۔ یہ دونوں ماحول ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں تاہم ان کی حدود اور سرحدیں موجود ہیں۔ نظام جسمانی کو برقرار رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں میں ضروری مادہ اور طاقت کا تبادلہ ہوتا رہے۔ اگر بیرونی چیزوں سے ہم اپنے اندرونی اعضا کو تقویت نہیں پہونچائیں گے تو زندگی ختم ہو جائے گی، اس لئے اندرونی ماحول کے لئے بیرونی ماحول کی موجودگی ایک ضروری چیز ہے لیکن بیرونی ماحول کا وجود کسی شخصی وجود پر منحصر نہیں ہے مثلاً انسانی زندگی ہوا اور پانی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، لیکن ہوا اور پانی کو انسان کے وجود کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

انسان اور دوسرے حیوانات میں فرق

جہاں تک ہمارا علم ہے، انسان اپنے خیال کی طاقت اور عقل و احساس کی اس صفت کے باعث جو اس کو اندرونی ماحول میں موجود ہے، دوسرے حیوانوں سے الگ پہچانا جا سکتا ہے، اس میں شک نہیں کہ ہر قاعدے کے لئے مستثنیات بھی ضروری ہیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خیال و احساس ہی کی یہ غیر معمولی طاقت ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے دونوں ماحول یعنی اندرونی و بیرونی چیزوں پر کنٹرول رکھتا ہے، جب تک انسان اپنے اندرونی اور بیرونی ماحول میں مطابقت اور ہم آہنگی قائم رکھ سکتا ہے وہ خوش رہتا ہے لیکن حقیقت میں یہ ہم آہنگی ہم زندگی کی کسی طویل مدت تک محسوس نہیں کرتے، اس کا سبب یہ ہے کہ اندرونی اور بیرونی ماحول ہمیشہ ایک حالت پر قائم نہیں رہ سکتے، ان میں تبدیلی کا ہونا لازمی ہے اور وہ ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔

محسوس یا غیر محسوس طریقہ پر انسان اس کھوئی ہوئی مطابقت اور ہم آہنگی کو حاصل کرنے کے لئے ۲ طریقوں پر مسلسل کوشش کرتا رہتا ہے ایک تو یہ ہے کہ وہ اپنے بیرونی ماحول پر اس طرح قابو پانا چاہتا ہے کہ اس کی تمام انفرادی ضرورتیں اور بدلتی ہوئی خواہشیں آسانی سے پوری ہوتی رہیں اور دوسری طرف وہ اندرونی خواہشات کو اس طرح کنٹرول کرنا چاہتا ہے کہ وہ باہر کی بدلتی ہوئی حالت سے متاثر ہونا ترک کر دیتی ہیں،

سائنس اور مذہب کے مقاصد

اس لئے اجمالی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اول الذکر مقصد کا حاصل کرنا سائنس کا کام ہے اور موخر الذکر انسانی مقصد مذہب کے تحت میں ہے۔ باہر کی دنیا، برقی ذرات سے لے کر ستاروں تک سائنس کے دائرے سے متعلق ہیں اور خواہشات و احساسات کا اندرونی عالم مذہب سے تعلق رکھتا ہے، سائنس کی دنیا خیال و جذبات کی دنیا سے بڑھ کر تجربوں اور مشاہدوں کی طالب ہے، اس کے چند اسباب ہیں (۱) انسان کے حواس خمسہ، یعنی آنکھ، کان، ناک اور زبان وغیرہ بیرونی دنیا کے حالات کو جاننے اور سمجھنے کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں، اور دوسروں کے تجربات سے مقابلہ کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنا آسان ہو جاتا ہے لیکن یہی چیزیں انسان کی اندرونی دنیا کو جاننے کے لئے مددگار ثابت نہیں ہوتیں۔

(۲) سائنس کی مقصدی چیزوں کا تعلق مقدار سے ہوتا ہے، مثلاً ۲ نصف روٹیوں سے ایک پوری روٹی بن سکتی ہے، لیکن ۲ نصف خیال یا عقل کے ایک پورا خیال نہیں پیدا ہو سکتا۔

(۳) سائنٹفک تحقیقات کے لئے تمام چیزیں جو ایک طرح کی ہیں غیر محدود مقدار میں موجود ہیں، اس لئے مختلف مقامات پر بڑی بڑی مدتوں تک ایک ہی طرح کی تحقیقات جاری رہ سکتی ہے، مثلاً ہوا، بجلی، پانی، روشنی، ستارے اور آفتاب ہر جگہ ہیں اور یہی وہ ضروری اشیاء ہیں جو سائنس کے تحقیقاتی میدان کو وسیع کرتی ہیں۔

(۴) سائنس کی جتنی دریافتیں ہیں وہ بیرونی آلات اور ظاہری چیزوں کے ذریعہ جانچی جا سکتی ہیں ان کی تصدیق بالکل آسان ہے،

(۵) سائنس جن حقیقتوں کو پیش کرتا ہے وہ انسانی ضروریات کے مخصوص کاموں میں استعمال کی جا سکتی ہیں،

(۶) سائنس کی جد و جہد غیر محدود ہے، جوں ہی وہ تحقیقات کی ایک منزل پر پہونچتا ہے، نئی نئی منزلیں اور نئے نئے امکانات دور پر نظر دکھائی دینے لگتے ہیں اور تحقیقات کی دلفریبی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اس لئے جوں جوں سائنس آگے بڑھتا جاتا ہے اس کی منزل مقصود بھی دور ہوتی چلی جاتی ہے۔

مذہب سے مقابلہ

اس کے مقابلہ میں مذہب یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کا آخری مقصد دائرہ حصول کے اندر ہے، بعض مذہبی بزرگ اور دیوتا ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے اپنا روحانی مقصد حاصل کر لیا ہے، اور آخری منزل پر پہنچ گئے ہیں، سادہ سے سادہ الفاظ میں مذہب کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اپنی سچائی اور تزکیہ نفس کے ذریعہ ابدی مسرت حاصل ہو جائے، چونکہ مسرت کا مرکز خود انسان کی اندرونی ہستی میں واقع ہے اس لئے اندرونی عمل ہی کے ذریعہ سے یہ مسرت حاصل ہو سکتی ہے اور اگر وہ کوئی ظاہری سامان اور ملکیت نہیں بھی رکھتا ہو جب بھی اس کی منزل کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔

لیکن مذہب کے بعض بنیادی نظریئے انسان کے لئے پریشانی کا باعث ہیں سب سے پہلے اسے یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ تمام انسانوں کے لئے خواہ وہ اوتار ہوں یا پیغمبر ہوں یا مذہبی بزرگ ہوں یا روحانی کمال رکھتے ہوں یا معمولی آدمی ہوں جلد یا بہ دیر موت لازمی ہے یعنی ہر انسان مرنے کے لئے دنیا میں آیا ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں ہو سکتا جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

⁂ ⁂ ⁂

(باقی آئندہ)

دُنیا کا عجائب خانہ

سمندر اور قطرے!

فرانس کے سائنس دانوں نے حال میں ایک عجیب وغریب دریافت کی ہے یعنی تمام سمندروں میں پانی کے جتنے قطرے ہو سکتے ہیں ان کی تعداد کا پتہ لگایا ہے۔ ان کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندروں میں اتنے قطرات موجود ہیں کہ جو لفظوں میں نہیں لکھے جاسکتے مگر وہ ۲۹ ہندسوں پر مشتمل ہیں جو حسب ذیل ہیں:-

13,000,000,000,000,000,000,000,000,000

جرمنی اور ردّی کاغذ

گزشتہ چند ماہ سے کاغذ کی مانگ بڑھ رہی ہے چنانچہ ہندوستان میں بھی کاغذ بہت مہنگا ہو گیا ہے کہتے ہیں کہ مال کی کمی کی وجہ سے یہ تکلیف ہو رہی ہے اس کمی کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت جرمنی نے یہ نیا حکم نافذ کیا ہے کہ اخبارات کے ردّی پرچے ملک کی حفاظت کریں تاکہ ان کی اندرونی مانگ کو پورا کیا جاسکے اور جرمنی کے چار سالہ پروگرام میں مدد ملے۔

سب سے پرانا انسانی دماغ

پراگیو کے کنٹری بنک میں ایک انسانی دماغ ہے جو ایک لاکھ برس کا پرانا دماغ شمار کیا جاتا ہے، یہ دماغ حال ہی میں ایم جارسولز نے سلوویکیہ کے ایک مقام پوپ راڈ میں پایا ہے کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کا سب سے پرانا دماغ ہے۔

خوشبودار پٹرول

موٹروں کے ٹینکس میں آئندہ بدبودار پٹرول کی جگہ خوشبودار پٹرول بھرا جاسکے گا، کیونکہ اب ایسا عمل دریافت ہو گیا ہے جس کے ذریعہ سے خوشبودار پٹرول تیار کیا جاسکتا ہے آئندہ موٹروں میں جو پٹرول بھرا جائے گا اس سے گلاب، چنبیلی، موتیا، نرگس کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو آیا کرے گی، پٹرول کیا ہو گا اچھا خاصا عطر بن جائے گا۔

ایسا عمل بھی دریافت ہو چکا ہے جو انجنوں کے اندرونی آکسیجن سے پیدا شدہ گیسوں کی ناخوش گوار بدبو کو دور کر دیتا ہے، پٹرول کے ہر گیلن میں چھ گرام مصنوعی کستوری کا مرکب بڑھا لینے سے گیس کی بدبو کو خوشبودار بنایا جا سکتا ہے

مہینے میں صرف ایک گھنٹہ سوتا ہے

لارڈ نیوفیلڈ جو دنیا کے آرام و عیش کے لئے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں موٹر تیار کر کے پیش کرتا ہے اور جو ہمیشہ اپنی قوم کے لئے شاہانہ طریقہ پر سخاوت کرتا ہے اور جو اپنی ہر دلعزیزی اور دولت کی وجہ سے ہر چیز پر قادر ہے، صرف ایک چیز پر اس کا قابو نہیں یعنی وہ سو نہیں سکتا۔ اس کو ہر ماہ میں صرف ایک گھنٹہ نیند آتی ہے جو لطف اس کا مزدور ہر رات اٹھاتا ہے، اس سے وہ محروم ہے۔

تباہ کن شعاع

جرمنی کے متعدد محکموں میں ایک شعاع تیار ہو چکی ہے جس سے چشم زدن میں آسمان پر اڑتے ہوئے ہوائی جہازوں کے انجن بیکار کئے جاتے ہیں چنانچہ پچھلے دنوں ایک ہوا باز آسٹریا کی حدود سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر اڑ رہا تھا کہ یکایک اس کا انجن بیکار ہو گیا۔ اس وقت ہوا میں کوئی دوسرا جہاز پرواز نہیں کر رہا تھا۔ ڈرائیور کو معلوم ہوا کہ جو ہوائی جہاز اس راستہ سے گزرتا ہے اس کا یہی حشر ہوتا ہے۔ چند ہوا بازوں نے اس کے متعلق پولیس سے دریافت کیا تو اس نے انہیں تسلی دی کہ تشویش نہ کرو تم اپنا سفر جاری رکھ سکتے ہو لیکن اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔

جراثیم کی قسمیں

جراثیم دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو ہمارے دشمن ہیں، یعنی ہمیں بیماریوں میں مبتلا کرتے اور ہم پر موت طاری کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو بیماریوں سے بچاتے اور ہمیں زندگی بخشتے ہیں اول الذکر جراثیم وہی ہیں جن سے بیماریاں اور وبائیں پھیلتی ہیں، آخر الذکر جراثیم وہ ہیں جو اپنے ان دشمن حیات بھائیوں کو قتل کرتے رہتے ہیں نیز ہمارے لئے بہت سی غذائیں بناتے ہیں۔ مثلاً الکحل، خمیر، پنیر، سرکہ، وغیرہ بن ہی نہیں سکتے اگر جراثیم ان کے اجزاء میں شامل نہ ہوں۔

ان جراثیم کا یہ فائدہ ہی کیا کم ہے کہ زمین پر ہمیں رہنے کی بالکل جگہ نہ ملتی اگر ان میں مردہ اجسام کو سڑانے اور مٹانے کی قوت موجود نہ ہوتی، اگر یہ جراثیم نہ ہوتے تو شروع سے اب تک جتنے درخت، جانور اور آدمی مرے ہیں ان کی سب لاشیں اپنی اصلی حالت میں زمین پر موجود ہوتیں اور ظاہر ہے کہ وہ اتنی زیادہ ہوتیں کہ زندوں کے لئے زمین پر کوئی جگہ باقی نہ رہتی، اسی قدر نہیں بلکہ یہ جراثیم زمین کو کھیتی پیدا کرنے میں مدد دیتے ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو زمین غالباً کچھ بھی پیدا نہ کر سکتی۔

عمر بھر میں ایک روز بھی بیمار نہیں ہوا

مدکوئیس آف ہنٹلی کا نوے سال کی عمر میں بمقام پیٹر برو اورٹن ہال میں انتقال ہو گیا ایک ہفتہ بعد آپ کی عمر پورے ۹۰ سال کی ہو جاتی، آپ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ۵۰ سال سے آپ کا بڑھاپا ایک حالت پر قائم تھا آپ اپنی عمر میں ایک روز بھی بیمار نہیں ہوئے۔

۲۵ مئی ۱۹۳۷ء

کانگریس میں مسلمانوں کی غیر مشروط شرکت!
ان کے لئے گورنمنٹ ہاؤس بہتر ہے یا آنند بھون؟

"اس کانفرنس کا منقفقہ طور پر یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کے لئے صرف ایک ہی صحیح پالیسی اور درست راستہ یہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کو غیر مشروط طریقہ پر انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ اور آزادی وطن کی جدوجہد میں حصہ لینا چاہیئے۔"

یہ وہ ریزولیوشن اور اعلان ہے جسے آزادی وطن کے مسئلہ پر کانگریس کے ہم خیال مسلمانوں نے الہ آباد میں اپنی ایک کانفرنس منعقد کرنے اور کامل غور و بحث کرنے کے بعد بالاتفاق رائے شائع کیا ہے۔ اس کانفرنس میں ملک کی بہت سی سربرآوردہ ہستیاں شریک تھیں۔ صرف وہی مسلمان نہیں جنہیں فرقہ پرست مسلمانوں کی طرف سے کانگریسی ذہنیت رکھنے کا "الزام" عائد کیا جاتا ہے بلکہ ایسے حضرات بھی اس کانفرنس میں موجود تھے جو مسلمانوں کے مذہبی پیشوا ہیں۔ جن کو انتہا پسندی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور جن میں بعض خطاب یافتہ بھی ہیں۔

ہر وہ شخص جو آنکھیں کھول کر دیکھنے اور حالات کے مطالعہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یہ دیکھ رہا ہے کہ ملک اس وقت آزادی کی ایک عظیم جدوجہد میں لگا ہوا ہے۔ اور اس جدوجہد کی نوعیت تمام دنیا کی تحریکوں سے بالکل جداگانہ ہے یعنی ایک طرف منظم طاقت اور فوج و اسلحہ کے تمام ذرائع موجود ہیں اور دوسری طرف صرف عدم تشدد ہے اور ایک محکوم قوم کی متفقہ رائے ہے کہ اسے آزادی حاصل کرنی چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کسی ملک میں صرف دو ہی پارٹیاں ہو سکتی ہیں ایک تو حکومت کی پارٹی جو آزادی عطا کرنے پر (خواہ کسی عذر و بہانہ سے) رضامند نہ ہو اور دوسری طرف وہ پارٹی جو آزادی کی طالب ہے اور آزادی کے لئے جدوجہد کرتی ہے اس کے علاوہ جو جماعتیں بھی ہوتی ہیں ان کو وقتی حالت مجبور کر لیتی ہے کہ وہ مذکورہ بالا دونوں پارٹیوں سے کسی ایک پارٹی میں شامل ہو جائیں اور اپنے مفاد کو اس کے ساتھ ملا دیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ بہت دنوں تک مختلف پارٹیاں مختلف ناموں سے مختلف مقاصد کو لیکر الگ الگ کام کرتی رہیں۔

یہی حال اس وقت ہندوستان کا ہو رہا ہے کانگریس اور حکومت ہی صرف دو ایسے فریق ہیں جو ایک دوسرے کے مدمقابل بنے ہوئے ہیں اور جوں جوں کانگریس کی جدوجہد آگے بڑھتی جاتی ہے وہ تمام چھوٹی چھوٹی پارٹیاں جو وجود میں آگئی تھیں ناپید ہوتی چلی جاتی ہیں۔ سچ پوچھیئے تو جماعت کی حیثیت سے اب لبرل پارٹی، جوابی تعاون پارٹی، ڈیماکریٹک سوراج پارٹی، جسٹس پارٹی وغیرہ وغیرہ کا اب کہیں پتہ نہیں ہے۔ صرف دو چار آدمی ان پارٹیوں کے نام پر اپنی اپنی ڈفلی بجا رہے ہیں اگر دنیا دیکھ رہی ہے کہ ان کی اصلیت کیا ہے۔ مسٹر جناح کی مسلم لیگ بھی وقت کی اس قدرتی رو سے نہ بچی ہے اور نہ بچ سکتی ہے اور حالات بتلا رہے ہیں کہ جس طرح تمام پارٹیاں محض دو چار آدمیوں کا تماشا (SHOW) بن کر رہ گئی ہیں اسی طرح مسلم لیگ بھی جناح، شوکت علی اینڈ کمپنی کا کاروبار بنکر رہ جانے گی اور عام مسلمانوں کو اس سے کوئی واسطہ نہ اب ہے اور نہ آئندہ رہے گا یہی وہ حقیقت ہے جسے مسلم کانفرنس منعقدہ الہ آباد کے فیصلہ نے صاف طور پر واضح کر دی ہے اب مسلمانوں کے لئے صرف ایک ہی راہ ہے کہ وہ کانگریس میں بلا کسی شرط کے شریک ہو جائیں اور اس بات کا یقین کریں کہ جب کانگریس آزادی کے لئے لڑ رہی ہے تو تمام اقلیتوں کے حقوق اس کے ہاتھ میں محفوظ ہیں۔

مسٹر جناح نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ "جہاں ہم گورنمنٹ ہاؤس کا دروازہ کھٹکھٹانا نہیں چاہتے وہاں آنند بھون کے سامنے بھی اپنا سر نہیں جھکا سکتے"۔ ہمیں اب تک کسی خبر رساں ایجنسی یا خاص نامہ نگار نے یہ خبر نہیں دی ہے کہ آنند بھون سے مسٹر جناح کو اطاعت قبول کرنے یا فرمانبرداری میں سر جھکانے یا مسلم لیگ کے قلعہ کو حوالے SURRENDER کرنے کی دعوت دی گئی ہے، کانگریس کا دروازہ ہر ہندوستانی کے لئے کھلا ہوا ہے کوئی ہندو، کوئی مسلمان، کوئی سکھ، کوئی عیسائی، کوئی ہریجن اس میں دن یا رات کو کسی وقت اپنا سر اونچا کئے ہوئے داخل ہو سکتا ہے اس سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تمہارا مذہب اور تمہارا عقیدہ کیا ہے بلکہ صرف یہ پوچھا جائے گا کہ ہندوستان کی آزادی کے نصب العین میں تم کانگریس کے ہمخیال ہو یا نہیں اور اگر ہو تو کانگریس

(باقی مضمون اگلے صفحہ کے کالم ۴ پر)

ادلۂ خیال

"ایک خطرناک اصول!"

گورنر یو۔ پی۔ کے مراسلہ کا جواب دیتے ہوئے شری یت پرشوتم داس ٹنڈن نے گورنر کے اس طرز عمل کو ایک خطرناک اصول کہا ہے کہ انٹیرم وزارت کو لیجسلیچر کے فیصلہ سے بچ کر کچھ دنوں تک اپنے پروگرام پر عمل کرنے کا موقعہ دیا جا رہا ہے، اسمبلی کا اجلاس منعقد نہ کرنے کے تین اسباب گورنر نے پیش کئے تھے ایک تو یہ ہے کہ لیجسلیچر کے ممبروں کو نہایت اہم آئینی معاملات پر تمام پہلوؤں سے غور کرنے کے لئے کافی وقت ملنا چاہیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ جلدی میں وہ ان کی اہمیت کو نظر انداز کر دیں دوسرے یہ کہ عارضی وزارتوں کو موقعہ ملنا چاہیئے کہ وہ اپنا پروگرام ملک کے سامنے پیش کر کے رائے عامہ کا تعاون حاصل کریں، اور تیسرے یہ کہ جب اکثریت رکھنے والی پارٹی وزارت کو مرتب کرنے سے انکار کر دیتی ہے تو آئین خود خطرے میں پڑ جاتا ہے اس لئے آئین کو بچانے کے لئے بھی چند روز ان عارضی وزارتوں کا قائم رہنا ضروری ہے، ان تینوں دلیلوں کا جواب یہی ہے کہ نہ گورنر یو۔پی کا رویہ صحیح ہے اور نہ آئینی اعتبار سے وہ باتیں صحیح ہیں جو آپ نے اس رویہ کی تائید میں پیش کی ہیں یہ "عذر گناہ بدتر از گناہ" ہے۔ انٹیرم وزارتوں کو قائم کرنے کی اجازت تو آئین نے دی ہے اور نہ دنیا کی آئینی تاریخ میں کہیں اس کی مثال ملتی ہے کہ کامل اکثریت والی پارٹی کے مطالبہ کو ٹھکرا کر اقلیت کی وزارت قائم کی گئی ہو، شری یت پرشوتم داس ٹنڈن نے صحیح فرمایا ہے کہ لیجسلیچر کے ارکان کوئی بچے نہیں ہیں جن کو یہ سمجھا یا جا رہا ہے کہ اسمبلی کا اجلاس منعقد کرنے سے وہ کوئی نہ کوئی ایسا فعل کر بیٹھیں گے جس سے خود انہیں کو نقصان پہنچ جائے گا۔ گورنر کو پورا اختیار ہے کہ وہ اسمبلی کے اجلاس میں اپنے خیالات پیش کرے، اگر ان خیالات میں معقولیت ہو گی تو لوگ خود بخود ان سے متفق ہو جائیں گے اور ڈیڈلاک پیدا کرنے میں جلدی نہیں کریں گے لیکن نئے نئے بہانے نکال کر اسمبلی کا اجلاس منعقد نہ کرنا کوئی آئینی کارروائی نہیں ہے صحیح طرز عمل یہی ہے کہ گورنر اپنی پیدا کی ہوئی "کٹھ پتلی" وزارت اور لیجسلیچر کے درمیان ایک حفاظتی دیوار بن کر حائل نہ رہیں بلکہ عوام کے نمائندوں کو اظہار رائے اور فیصلہ کا موقعہ دیں۔

"انڈو جاپانی" تجارتی معاہدہ!

پچھلے دنوں جاپان اور ہندوستان کے درمیان ایک تجارتی معاہدہ کی جو طرح ڈالی گئی ہے اس نے ملک کے صنعتی حلقوں میں بڑی بے اطمینانی اور بے چینی پیدا کر دی ہے اور خصوصاً چھوٹی چھوٹی ہندوستانی صنعتیں بے خطرے میں پڑ گئی ہیں کہ ان کا وجود بہت جلد مٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے

اس سلسلہ میں حکومت نے غیر سرکاری مشیروں کی متفقہ سفارشات کو یک گخت نظر انداز کر دیا ہے۔ اور ہندوستانی صنعتوں کے ساتھ جتنی زبانی ہمدردی کا اظہار حکومت کی طرف سے ہوتا رہا ہے اس کا عملاً کوئی ثبوت نہیں پیش کیا گیا بڑی صنعتوں کے علاوہ ملک کی چھوٹی چھوٹی صنعتیں جاپانی مقابلہ کے باعث بہت دنوں سے دم توڑ رہی ہیں اور حکومت کا پہلا فرض یہ تھا کہ غریب ہندوستانی کاریگروں کے عام اقتصادی مفاد کے لئے ان کو غیر ملکی حملوں سے محفوظ کر دیتی اسی حقیقت کو پیش نظر رکھ کر انڈو جاپانی معاہدہ کی شرائط طے ہونی چاہئیں، حکومت کو چاہیئے کہ وہ ایک بیان شائع کر کے اس سلسلہ میں پبلک اندیشہ کو رفع کر دے۔

بیروزگاروں کی مردم شماری!

اس ملک میں عام بے روزگاری اور خصوصاً درجۂ وسطی کے تعلیم یافتہ طبقہ کی بیکاری کو دور کرنے کے سلسلہ میں بے روزگاروں کی مردم شماری کا مطالبہ بہت دنوں سے کیا جا رہا ہے۔ لیکن حکومت اس کو ہمیشہ اس طرح نظر انداز کرتی رہی جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، اب شملہ کی بلند چوٹیوں پر ایک ہلکی سی حرکت دکھائی دے رہی ہے اور حکومت ہند نے مسئلہ بیروزگاری کو غالباً اس لائق سمجھا ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے مگر چونکہ حکومت کا کاروبار پبلک کے مطالبہ سے بالکل برعکس ہے اور اگر اسے کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو اس کا سلسلہ الٹی طرف سے شروع کیا جاتا ہے اس لئے حکومت ہند نے صوبجاتی حکومتوں کو ایک سرکلر بھیجا ہے کہ وہ بے روزگاروں کا نہیں بلکہ روزگار والوں کا شمار کرے اس سے غالباً یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ اگر روزگار والوں کی تعداد اتنی ہے تو باقی سب لوگ بے روزگار ہیں۔ یہ الٹا طریقہ کم از کم ہماری سمجھ سے تو باہر ہے؛ لیکن حکومت کے ارباب حل و عقد کی مصلحتیں شملہ کی چوٹیاں ہی سمجھ سکتی ہیں یہ بھی اسی حقیقت کی ایک دلیل ہے کہ حکام کے اس رویہ میں جسکی تعبیر غفلت اور بے پروائی سے کی جاتی ہے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، بے روزگاری کے علاج کی ضرورت تو یقینی ہے لیکن مرض کی سختی اور وسعت کی تحقیقات کے بغیر علاج ہی کیا ہو سکتا ہے۔ یہ وقت ٹالنے کی باتیں ہیں۔

جزیرہ انڈمان کی رپورٹ!

لالہ ہنسراج اور مسٹر یامین خاں نے جو جزیرہ انڈمان کے حالات کا چشمدید مطالعہ کرنے کے لئے بھیجے گئے

(باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

…ہال سے واپس آکر اپنی رپورٹ پیش کر دی ہے، لیکن شملہ کے دفتری حلقوں میں اس اہم دستاویز کے متعلق بالکل خاموشی اختیار کر لی گئی ہے۔ نہ تو رپورٹ ہی شائع کی گئی ہے اور نہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس پر کون سی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ غرض جو کچھ ہے وہ پردۂ راز میں ہے۔ اور عوام کی نظروں سے چھپا رکھا گیا ہے۔ ان دونوں حضرات کے انڈمان بھیجے جانے کا سبب یہ تھا کہ سرکاری حکام کہتے تھے کہ اگر دنیا میں کہیں جنت ہے تو وہ یہی جزیرہ ہے اور غیر سرکاری ہندوستان کہتا تھا کہ انڈمان بہت ہی خراب جگہ ہے۔ اس کی آب و ہوا اچھی نہیں ہے۔ اور اس کی بہت سی صفتیں اس کو دوزخ کا نمونہ بناتی ہیں اس لئے ہندوستانی قیدیوں کو وہاں بھیجنے اور رکھنے کا سلسلہ ہی ترک کر دیا جائے۔ اب جبکہ دو ہندوستانیوں نے انڈمان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر وہاں کے حالات پر روشنی ڈالی ہے تو جب تک ان کی رپورٹ شائع نہ ہو پبلک کو کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ کالا پانی حقیقت میں جنت ہے یا دوزخ ہے۔ اگر حکومت رپورٹ شائع نہیں کرے گی تو اس سے پبلک صرف یہی نتیجہ نکال سکتی ہے کہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے اور کچھ ایسے ناگفتہ بہ حالات ہیں جن پر حکومت پردہ ڈالنا چاہتی ہے ایسی حالت میں حکومت کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔

آئرلینڈ اور مصر!

آئرلینڈ اور مصر بھی ایک زمانہ میں برطانی مقبوضات میں داخل تھے، اور ہندوستان کی طرح برطانیہ کے محکوم تھے، ایک ملک میں مسٹر ڈی ویلرا نے غیر ملکی حکمرانی کا جوا اتار پھینکا دوسرے ملک میں زغلول پاشا کے نقش قدم پر چلکر نحاس پاشا نے برطانیہ سے مصر کے لئے آزادی حاصل کی۔ پچھلی اشاعت میں ہم ایک نوٹ لکھ چکے ہیں کہ مسٹر ڈی ویلرا برطانی تعلقات کی آخری نشانیوں کو بھی ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں گورنر جنرل کا عہدہ منسوخ کیا جانے والا ہے۔ اور آئرش فری اسٹیٹ کا نام ایری رکھ دیا گیا ہے۔ یہ تمام تبدیلیاں بالکل آئینی طریقہ پر کی جا رہی ہیں مسٹر ڈی ویلرا کی تجویزیں حلقہ ہائے انتخاب کے سامنے رکھی جائیں گی اور یقین ہے کہ عامۃ الناس کا فیصلہ برطانیہ کی پارلیمنٹری حکومت تسلیم کرے گی، لیکن ہندوستان کی حالت جداگانہ ہے، یہاں حلقہ ہائے انتخاب کا فیصلہ کوئی چیز ہی نہیں ہے بلکہ مخصوص ذمہ داریوں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ برطانی حکمرانوں کا دعویٰ ہے کہ ہندوستان کے مفاد کو وہ ہندوستانیوں سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں۔ آئرلینڈ کے رہنے والے خود اپنے مفاد کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

مصر اور برطانیہ کے رشتہ کا حال بھی اس سے ملتا جلتا ہے چند ماہ پہلے جب برطانیہ و مصر کے درمیان معاہدہ ہوا تھا تو اس میں یہ شرط بھی شامل تھی کہ غیر ملکی باشندوں کو جو خصوصی "امتیازات" مصر میں حاصل ہیں اور جن کے ماتحت کسی غیر ملکی مجرم کے مقدمہ کی سماعت کسی مصری عدالت میں نہیں ہو سکتی تھی وہ جلد منسوخ کر دئے جائیں گے چنانچہ یہ خبر آئی ہے کہ مصر میں اب یہ اجارہ داریاں CAPITULATIONS بالکل منسوخ کر دی گئیں اور اب سرزمین مصر پر جرمن ہزار انگریز، چھپن ہزار یہودی، بیس ہزار فرانسیسی اور چار ہزار اطالوی مصر کے باشندوں کی طرح مصری قانون اور عدالت کے تحت میں آگئے حقیقت یہ ہے کہ آزادی کی حقیقی جدوجہد کبھی بیکار ثابت نہیں ہوتی۔ کیا ہندوستان کے لئے آئرلینڈ اور مصر کوئی سبق مہیا نہیں کرتے؟

ریاست بھوپال کا رویہ!

بھوپال دربار نے ایک اعلان شائع کیا ہے کہ چونکہ ہندو کانفرنس کے سلسلہ میں چند پوسٹروں کے الفاظ ایسے تھے کہ ان سے شورش اور فرقہ وارانہ جھگڑا پیدا ہونے کا احتمال تھا اس لئے اس نے کانفرنس کے انعقاد کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اگر چہ ریاست بھوپال کی تمام تفصیلات ہمارے سامنے نہیں ہیں پھر بھی یہ ظاہر ہے کہ کسی غیر جانبدار شخص کو بھوپال دربار کا یہ اعلان مطمئن نہیں کر سکتا، اگر پوسٹر ایسے ہی تھے جیسا کہ بتلایا گیا ہے تو ان کے مصنفوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جا سکتی تھی۔ گر ریاست مذکور کو اسی پرامن انجمن کو روکنے کا حق نہ تھا جو محض اس لئے منعقد کی جا رہی تھی کہ ہندو اپنی جائز طریقہ پر اپنی شکایات اور مطالبات کو دربار کے گوش گزار کر سکیں بھوپال کی ریاست کے اس غیر ذمہ دارانہ عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حکمرانی کے جدید اور معقول راستہ پر چلنا نہیں چاہتی۔ ایسی حالت میں اگر ہندوؤں میں کوئی بے چینی پیدا ہو جائے تو ریاست کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔

کاغذ کی قیمت!

ہندوستانی اخبارات کے مالک آجکل کاغذ کی غیر معمولی گرانی سے تنگ آگئے ہیں، اور تقریباً ہر روز حکومت ہند کی توجہ اس اہم صورت حال کی طرف منعطف کر رہے ہیں جو کاغذ کی قیمت بڑھ جانے سے ملک میں پیدا ہو گئی ہے اکثر اخبارات میں تو اس موضوع پر لیڈنگ آرٹیکل لکھے جا رہے ہیں حقیقت حال یہ ہے کہ گذشتہ دو ماہ کے اندر کاغذ کی قیمت ۵۰ فیصدی سے بڑھ کر تقریباً دو گنی تک پہنچ گئی ہے مستقبل میں کچھ امید نظر نہیں آتا۔ اگر یہی سیل ونہار ہے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے اخبارات کی اشاعت بند ہو جائیگی اور بڑے اخبارات کو یا تو خسارہ برداشت کرکے اپنا سرمایہ برباد کرنا پڑے گا یا اخبار کی قیمت میں اضافہ کرنا پڑے گا، حکومت ہند نے باہر سے کاغذ کی درآمد پر ۲ فیصدی ڈیوٹی لگا رکھی ہے لیکن بعض ممالک ایسے بھی ہیں جہاں اخبارات کے کاغذ پر کوئی ڈیوٹی ہی نہیں لگائی جاتی۔ حکومت ہند کو بہت جلد اس مسئلہ کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

فیل شدہ طالب علم کی خودکشی!

میرٹھ سے ایک اطلاع موصول ہوئی ہے کہ ریلوے لائن پر ایک لڑکے کی لاش پائی گئی اور اس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے گذشتہ سالانہ امتحان میں فیل ہو جانے کے باعث خودکشی کی ہے اگر خودکشی کا سبب حقیقت میں یہی ہے تو اس سے بھی ہمارے اس طریقہ تعلیم کا نقص ثابت ہوتا ہے جس میں امتحانات کو غیر معمولی اہمیت دے دی گئی ہے اور امتحان نہ پاس کرنے پر لڑکوں کو سخت مایوسی کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

مولانا شوکت علی کی گریہ وزاری

خبر ہے کہ پچھلے دنوں مولانا شوکت علی نے بمبئی میں ایک پوسٹر بازاروں میں چسپاں کیا ہے جس میں اپنی غریبی کا رونا روتے ہوئے لکھا ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو غریبوں کے دکھ کو کیا جانیں وہ تو منہ میں سونے کا چمچہ لیکر پیدا ہوئے تھے، ہم مسلمان البتہ غریب ہیں جن کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا میں گھر کے برتن تک فروخت کر چکا ہوں اور میرا بھائی قرضدار ہو کر فاقوں میں مر گیا۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ کانگریس سے الگ رہیں اور میری طرح مسٹر جناح کے پیرو ہو جائیں۔

ہم مولانا کی ان بے تکی باتوں اور کانگریس پر اس بے سروپا الزام پر کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتے۔ مسلمانوں میں تو مولانا شوکت علی کی اس بوکھلاہٹ پر اظہار مذمت کیا جا رہا ہے اور لوگ انکی اس تازہ ترین روش کو انکی سیاسی زندگی اور لیڈری کا خاتمہ سمجھ رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زمانہ کی ترقی کرنے والی روکو کوئی رجعت پسند طاقت کو باقی نہیں رہنے دے سکتی۔ ہاں جہانتک مولانا کی جسامت کے اعتبار سے انکے پیٹ کا تعلق ہے ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس پیٹ میں اتنی گنجائش ہے کہ باوجود بھی مولانا کو کبھی کھانے کی کمی کی شکایت نہیں ہوئی ہوگی۔

لاہور میں مکانات پر ٹیکس

پچھلے دنوں سے لاہور کا شہری نظم ونسق میونسپل کمیٹی کی بجائے ایک ایڈمنسٹریٹر کے ہاتھ میں ہے جس نے یہ اسکیم پیش کی ہے کہ لاہور میں نئی سڑکوں کی تعمیر اور پرانی سڑکوں کی مرمت کیلئے ہر مالک مکان سے اسکے سالانہ کرایہ کا ۱۲ فیصدی حصہ وصول کرکے ڈھائی کروڑ روپے کی رقم مہیا کی جائے۔ اس تجویز سے لاہور کے مکانداروں اور کرایہ داروں کے حلقوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا ہے۔ ایک طبقہ کیلئے تو یہ خطرہ ہے کہ اسکی آمدنی کا ایک معقول حصہ اس سے چھن جائیگا۔ اور دوسرا طبقہ یہ کہتا ہے کہ اگر اس ٹیکس کے باعث کرایہ مکان میں اضافہ ہوا تو اسے مکانات کو خالی کرکے میدانوں میں ڈیرہ ڈالنا پڑیگا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ نیا ٹیکس ہر حالت میں ناقابل برداشت ہوگا اور جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے بہتر یہی ہے کہ ایڈمنسٹریٹر صاحب حکومت سے قرض لیکر اس شہری ضرورت کو پورا کریں اور اس قرض کو بہ اقساط ادا کریں لیکن بجائے شہریوں پر ایک نئے ٹیکس کی بلا عائد نہ کریں۔ معلوم ہوا ہے کہ خود ایڈمنسٹریٹر صاحب کی تنخواہ چھتیس ہزار روپیہ سالانہ اور سکرٹری کی تنخواہ بارہ ہزار روپیہ سالانہ ہے اور ہر سال اسی ہزار روپیہ سرکاری آڈیٹروں اور نوے ہزار روپیہ امپروومنٹ ٹرسٹ کو دیا جاتا ہے۔ کیا ان اخراجات میں کوئی تخفیف کرکے دوسرے اخراجات پورے نہیں کئے جا سکتے۔

مسٹر جناح ایک مسلم اخبار کی نظر میں

ایک مسلم اخبار میں مولانا محمد بشیر الدین کی ادارت میں ۲۹ برس سے اٹاوہ سے شائع ہو رہا ہے۔ اس اخبار نے بھی کانگریسی یا انتہا پسند ہونیکا وہم وگمان بھی نہیں ہو سکتا ہے، اسکے چند فقرے ملاحظہ ہوں:۔

"یہ امر واقعہ کے خلاف ہے کہ مسٹر جناح ہندوستانی مسلمانوں کے لیڈر ہیں۔ کیونکہ کروڑوں مسلمان مسٹر جناح کے نام سے بھی واقف نہیں جن لوگوں نے مسٹر جناح کا نام اخبارات میں پڑھا ہے ان میں کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے مسٹر جناح کی صورت تک نہیں دیکھی۔ ہم نے بھی کہا ہے اور اب بھی کہتے ہیں کہ مسٹر جناح ایک قابل بیرسٹر اور دولتمند ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہم کو نہیں معلوم کہ مسٹر جناح کی دولت کا کتنا حصہ مسلمانوں کی ترقی تعلیم یا مسلمانوں کی بیداری کیلئے صرف ہوتا ہے؟

مسلمانوں کے تمدن اور انکی زبان سے مسٹر جناح کو دور کی نسبت بھی نہیں ہے اور انکی زندگی کا کوئی ایسا پہلو نظر نہیں آتا کہ جس کی بنیاد پر مسلمان مسٹر جناح کو اپنا لیڈر تصور کریں۔" اس سے اندازہ کر لیجئے کہ مسلمانوں میں مسٹر جناح کی پوزیشن کیا ہے؟

بقیہ مضمون صفحہ ۹

کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتا ہو یا نہیں۔ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو آنند بھون اور کانگریس کا دفتر اسکی اپنی چیز ہے اور کانگریس کے تمام ذرائع اس کی امداد کیلئے حاضر ہیں۔ لیکن اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور وہ کانگریس کے نصب العین کا مخالف ہے تو پھر آزادی پسندوں میں اس کا خیر مقدم کیونکر ہو سکتا ہے جب وہ اس پارٹی سے الگ ہوا تو اس کیلئے صرف ایک ہی پارٹی باقی رہ جاتی ہے اور وہ حکومت یا مخالفین آزادی کی پارٹی ہے۔ ان دونوں کے درمیان اب کوئی بیچ کا راستہ باقی نہیں رہا ہے۔ آنند بھون کا دروازہ ہر قوم پرست کیلئے کھلا ہوا ہے اور یہاں کسی کے سامنے سر جھکانے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن گورنمنٹ ہاؤس کی چوکھٹ جبین سائی کی طالب ہو سکتی ہے۔

اب یہ فیصلہ خود مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے کہ وہ کدھر جائیں گے۔ الہ آباد کی کانفرنس کا فیصلہ کانگریس کا فیصلہ نہیں ہے بلکہ نود سربرآوردہ قابل قدر باعزت اور وطن پرست مسلم رہنماؤں کا فیصلہ ہے۔ کانگریس کسی ایک فرقہ کی انجمن نہیں ہے۔ وہ جتنی ہندوؤں کی ہے اتنی ہی مسلمانوں کی اور اتنی ہی باقی تمام اقلیتوں کی اس انجمن میں نہ کوئی حاکم ہے نہ محکوم ہے۔ نہ کوئی فرمانروا ہے نہ رعایا نہ راجہ ہے نہ پرجا نہ آقا ہے نہ غلام، بلکہ اس غلام آباد ہند میں ابھی سب کے سب غلام ہیں اور سب کے سب ملکر اپنا انسانی حق ایک دوسری غیر ملکی قوم سے طلب کر رہے ہیں۔ کوئی پارٹی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ دوسری پارٹی کو اس کے حقوق عطا کرے۔ مسلمانوں کیلئے سب سے بہتر عمل یہی ہوگا کہ وہ آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کی پہلی صف میں آکھڑے ہوں اور برادران وطن کا ساتھ دیکر اپنے کارنامے پیش کریں۔ اس جنگ آزادی سے الگ رہکر اپنے حقوق کا دکھڑا رونا دوسرے لفظوں میں حکومت کا دروازہ کھٹکھٹانے کے برابر ہے۔

انشائے

پنڈت جواہر لال نہرو فرماتے ہیں:۔ "اصولوں کو قربان کر کے سستا ادنےٰ چیزوں پر سمجھوتہ کر لینا کوئی سمجھوتہ نہیں ہے، ایسا کرنا پوری عمارت کو ڈھا دینے اور توازن کو بالکل برباد کر دینے کے برابر ہے!"

مسٹر جناح کہتے ہیں کہ ادنےٰ ہی چیزیں اعلیٰ ہیں، اور اعلیٰ چیزیں کچھ بھی نہیں۔

کلکتہ کا ایک اخبار کہتا ہے کہ جدید ہند کے باشندے ان کے مطالعہ سے بہت پریشان ہو گئے ہیں!

غالباً یہ خبر اس کو آج معلوم ہوئی ہوگی، دنیا تو بہت دنوں سے جانتی ہے۔

لارڈ ستھ کہتے ہیں کہ صوبجاتی گورنروں کا پہلا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ لوگوں کی بہبودی اور مفاد کو ترقی ہو

یہاں صوبجاتی گورنروں کا پہلا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے نمائندوں کو پس پشت ڈالکر اپنے دربار میں کٹھ پتلیاں نچائیں!

کارونیشن میں شریک ہونے کے لئے جو ہندوستانی فوج لندن گئی تھی اس کا حال رائٹر نے صرف تین الفاظ میں بیان کیا ہے یعنی بالکل صاف ہے

ہمیں کچھ نہیں معلوم ہوا کہ کیا چیز صاف ہے، کیا کوئی صاحب اس معمہ کو حل کر سکتے ہیں؟

لندن کی ایک اطلاع کہتی ہے کہ امپیریل کانفرنس کے متعلق ابتدائی گفتگو تو شروع ہو گئی ہے مگر اصلی کانفرنس ابھی حمل کے اندر ہے!

دنیا منتظر ہے کہ بچہ کب پیدا ہوگا!

مدراس یوروپین ایسوسی ایشن کے صدر مسٹر لینگ آئی گورنر سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اسمبلی کا اجلاس جلد بلانا چاہیئے ہمیں بلی اور چوہے کا کھیل پسند نہیں ہے۔

لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ نئے آئین کے تھیلے میں جو بلی چھپا کر بھیجی گئی تھی وہ بہت جلد باہر آگئی،

حکومت ہند نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ رائل ادہ منراج اور سریامین خاں کی رپورٹ نہیں شائع کی جائے گی۔

اسی فیصلے نے رپورٹ مذکور کو کافی شائع کر دیا اور لوگ سمجھ گئے کہ اس میں کیا ہے۔

خط کا مضموں بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر

لالہ زار

[" ریجیو وکلی " کے خاص شاعر سے]

جزیرہ انڈمان کی رپورٹ!

ہے مثل "سانچ کو نہیں کچھ آنچ" | جھوٹ گر ہو تو شرمساری ہے
"کالا پانی" اگر ہے باغ بہشت | تو سمجھئے کہ فضل باری ہے
اور اگر ہے یہ واقعی دوزخ | تو بجا سب کی آہ وزاری ہے
کیوں چھپاتے ہیں آپ اسکی رپورٹ | کیوں یہ اخفا کا شوق طاری ہے
سچ کہا ہے پرانے شاعر نے | "کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے"

(خبر ہے کہ حکومت ہند جزیرہ انڈمان کی رپورٹ شائع کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی)

حیرت انگیز

آئی ہے آج طرف چمن سے نئی خبر | ذرہ نے آشیانۂ بلبل چرا لیا
گر یہ ہی سچ تو یہ بھی ہے شایانِ اعتبار | لوگوں نے بھاری لوہے کا اک پل چرا لیا

(دہلی سے اطلاع آئی ہے کہ چند آدمیوں نے کئی سو ٹن وزنی اور ۱۰ فٹ لمبا ایک فولادی پل چرا لیا ہے)

رقص شرر

ایک لمحہ کے لئے ہے یہ چنگاریوں کا رقص | کیا یہ وزارت اور ہے کیا اس کا پروگرام!
کہدی ہے سچی بات یہ "اسٹیٹسمین" نے | گر موت ہو قریب تو کیا ہو کسی سے کام

(معاصر اسٹیٹسمین نے کہا ہے کہ ستمبر میں جن وزارتوں کی موت آنے والی ہے انکا پروگرام کیونکر یقینی ہو سکتا ہے؟)

ایک سوال!

وزیری کر رہا ہے شورشیں بہ پا جو سرحد پر | ہے بنوں تک وزیرستان سے شدت وفساد اسکا
سوال اپنا حکومت سے یہ ہے اغوا کے بارے میں | کسی صورت سے کیا ممکن نہیں ہے انسداد اسکا؟

(خبر ہے کہ بنوں سے وزیری پھر چار ہندو لڑکوں کو اغوا کر لے گئے ہیں)

ایک نواب کی اپیل

محکوم دل ہے اور زباں حریت پسند | حب وطن تو فرقہ پرستی سے دور ہے
پیدا ہو قول و فعل میں کیونکر مطابقت | ہے بات ہی سے کام عمل کیا ضرور ہے

(بنگال کے وزیر زراعت نواب ڈھاکہ نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے اپیل کی ہے)

چٹکیاں

مسٹر کرپلانی سوال کرتے ہیں کہ مسٹر جناح کس کی نمائندگی کرتے ہیں۔

غالباً صرف اپنی یا اپنی بھی نہیں!

لندن میں کچھ عرصہ سے موٹر بسوں کی ہڑتال جاری ہے، اب خبر ہے کہ اظہار ہمدردی کے طور پر ٹریم گاڑیوں کی بھی ہڑتال ہونے والی ہے!

پھر تو صرف ریلوے باقی رہ جاتی ہے، ہڑتالیوں سے ہمدردی ایک پھیلنے والی متعدی چیز ہے۔

"عدم مداخلت کمیٹی" نے یہ اپیل کی ہے کہ اسپین میں دونوں فریق ہوائی جہازوں سے بم برسانا ترک کر دیں

سوال یہ ہے کہ جنگ ہی کیوں نہ ترک کریں؟

بیروزگاری کے باعث ہندوستان میں خودکشی کی واردات بڑھتی جارہی ہیں ناگپور کی اطلاع ہے کہ گزشتہ ہفتہ میں وہاں چند خودکشیاں ہوئیں!

برتھ کنٹرول کے مخالفوں کے لئے ایک لمحۂ فکر ہے!

بمبئی میں کانگریس پارٹی کے رہنما مسٹر بی۔ جی۔ کھیر کہتے ہیں کہ درخت کی پہچان اس کے پھلوں سے ہوتی ہے!

اسی طرح گورنر کی پہچان اسکے انٹریم وزراء سے ہوتی ہے

"کانگریس اور حکومت کے درمیان جمود کے باعث معمولی پبلک دماغ میں حکومت کے ارادوں کے خلاف شبہات پیدا ہو رہے ہیں"

یہ سرچمن لال سیتلواد کا بیان ہے چاہے آپ اسے مانیں چاہے نہ مانیں!

ایک خبر کی سرخی یہ ہے:۔

"سرحدی گاندھی مسلمانوں کیلئے ایک ہلکی سی جانچ ہیں" کہ ڈی مسر جو فرقہ پرست معلوم ہوتے ہیں کیلئے یقیناً بہت بھاری جانچ ہوگی

صحیح کہا۔ کہ ایک شخص نے انتخابات میں کانگریس کی عملی تنظیم اور دوسروں پر مہاتما گاندھی کے نام کے جادو کے اثر کا اعتراف کیا ہے۔

اگرچہ یہ اعتراف بہت دیر سے کیا گیا پھر بھی نہ کرنے سے تو بہتر ہی ہے۔ یہ اس حقیقت کا بھی اعتراف ہے کہ عوام اب تک مہاتما جی اور کانگریس کے ساتھ ہیں۔

پیغامِ سفر

از جناب احسن عثمانی

آگے بڑھو آگے بڑھو
اے نونہالانِ وطن

بیدار ہو! بیدار ہو! اے ہمصفیرانِ وطن
ہشیار ہو! ہشیار ہو! اے نوجوانانِ وطن
ہو جاؤ مصروفِ روائی صورتِ گنگ و جمن
اے نونہالانِ وطن
آگے بڑھو آگے بڑھو

اوروں کو بھی دیتے ہوئے گویا پیامِ زندگی
لے لو بڑھا کر ہاتھ تم پہلے تو جامِ زندگی
ہاں پھر کرو تبدیل صبحِ نو سے شامِ زندگی
اب چھوڑ بھی دو یہ سُست رفتاریٔ دورِ کہن
اے نونہالانِ وطن
آگے بڑھو آگے بڑھو

گرمِ سفر ہے کارواں لیکن ابھی منزل ہے دور
آزادی پرور سفینوں سے ابھی ساحل ہے دور
یعنی ابھی تک دامنِ آزادی کا ملنا ہے دور
اب کشورِ ہندوستاں کب تک رہے دار المحن
اے نونہالانِ وطن
آگے بڑھو آگے بڑھو

ہاں کارزارِ زندگی میں سب ہیں سرگرم ستیز
اور اٹھ رہی ہے ہر طرف سے اک صدائے رستخیز
ہو جاؤ تم بھی اب شرار و برق کی مانند تیز
عہدِ حیات تو تمہارے سر پہ ہے سایہ فگن
اے نونہالانِ وطن
آگے بڑھو آگے بڑھو

[illegible] حیات و زندگی پڑھتے رہو
[illegible] کردار عمل کی دوڑ میں بڑھتے رہو
[illegible] بامِ ترقی پر یونہی چڑھتے رہو
دل میں لگی ہو ارتقائے ملک و ملت کی لگن
اے نونہالانِ وطن
آگے بڑھو آگے بڑھو

راہِ عمل میں دامنِ اربابِ رجعت چھوڑ دو
اٹھو بڑھو اور بڑھ کے زنجیرِ غلامی توڑ دو
اس دیش کے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو باہم جوڑ دو
ہندوستاں میں پھر کھلا دو حریت کا اک چمن
اے نونہالانِ وطن
آگے بڑھو آگے بڑھو

افسانہ

انسانیت

از جناب کوثر چاندپوری

(۱)

رجب علی خاں پُرانے خیال اور قدیم وضع کے سیدھے سادے آدمی تھے ان کی عمر کا بہت بڑا حصہ فوج کی ملازمت میں بسر ہوا تھا۔ آخر میں پنشن لے کر وہ اپنے وطن میں آگئے تھے، پانی پت کے جس محلہ میں ان کا گھر تھا اس کے چاروں طرف ہندوؤں کے مکانات تھے۔ رجب علی کا چھوٹا سا پختہ مکان جس کو انھوں نے زمانہ ملازمت میں تعمیر کرایا تھا سب کے درمیان واقع تھا اور وہ نہایت آرام و سکون کے ساتھ اپنی بیوی، چند لڑکیوں اور ایک لڑکے کی معیت میں اپنی زندگی بسر کر رہے تھے، ان کے قریب ہی ایک برہمن مہاراج رہا کرتے تھے ان کی عمر بھی پچاس پچپن سال کی تھی، سن و سال کے اعتبار سے محلہ میں وہی رجب علی کی ٹکر کے تھے، دونوں میں مراسم بھی تھے اکثر پنڈت جی خاں صاحب کے پاس بیٹھنے آجایا کرتے تھے کبھی رجب علی بھی اپنا ناریل بھر کر رات کو ان کے چبوترے پر جا بیٹھتے اور پنڈت جی کی طرف سے منہ پھیر کر حقہ کا دھواں اڑاتے رہتے۔ دو چار دن کو پنڈت جی کہیں جاتے تو چلتے سے کہہ چلتے خاں صاحب ذرا بال بچوں کا خیال رکھنا!

خاں صاحب بہت بے پروائی سے پوچھتے کب آؤ گے؟

دو چار دن سے پہلے تو شاید نہ آؤں۔

خاں صاحب اندھیری راتیں ہیں شہر میں چوری کی کئی واردات ہو چکی ہیں رات کو ذرا کھانستے کھنکارتے رہا کرو گے تو بال بچوں کی ہمت بندھی رہا کرے گی!

جاؤ پنڈت جی اطمینان سے چلے جاؤ مجھے کیا سمجھاتے ہو یہاں تو بقول شخصے "عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں" پہرہ دیتے دیتے دیکھو بوڑھے ہوگئے!

پنڈت جی لُٹیا ڈور ہاتھ میں لے کر اور کمر پر بستر لاد کے روانہ ہو جاتے، اُن کے جاتے ہی خاں صاحب کا فرض ہو جاتا کہ وہ ایک وفادار سپاہی کی طرح ان کے گھر کی نگہبانی کریں۔ گرمیوں کا زمانہ ہوتا تو وہ اپنی چارپائی پنڈت جی کے چبوترے پر ڈال لیتے اور رات کو وہیں سوتے۔ اور جاڑے میں اپنی بیٹھک میں کواڑ کھول کر لیٹتے تاکہ بار بار جھانک کر دیکھتے رہیں، دو چار مرتبہ تجربہ کرنے کے بعد پنڈت جی ان کی طرف سے اتنے مطمئن ہوگئے تھے کہ جاتے وقت انھیں صرف اطلاع کر جاتے اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہ ہوتی، وہ بارہا آزما چکے تھے کہ خاں صاحب کس طرح ان کی عدم موجودگی میں گھر کی حفاظت کرتے ہیں اور رات کو کس ہوشیاری سے پہرہ دیتے ہیں۔

کئی برس دونوں کو اسی طرح رہتے گزر گئے اور مراسم میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ کبھی کوئی بات ایسی نہ ہوئی جو شکر رنجی کی حد تک پہونچتی۔ پنڈت جی تو خیر مزاج کے ویسے ہی نرم تھے مگر خاں صاحب کی طبیعت ذرا تیز واقع ہوئی تھی پھر فوج کی ملازمت نے لب و لہجہ میں بھی خشونت پیدا کر دی تھی، بات کرتے تھے تو بار بار شبہ ہوتا تھا کہ لڑ رہے ہیں۔ اور ہفتہ میں ایک آدھ لڑائی بھی ان کی کسی نہ کسی سے ہو جایا کرتی تھی، مگر تعجب ہے کہ پنڈت جی کے مقابلہ میں ہمیشہ وہ سیدھے ہی رہتے تھے۔ اس کی وجہ غالباً اس کے علاوہ کوئی اور نہ تھی کہ فوجی آدمی ملنے جلنے میں طبعاً بہت ہی مخلص، سچے اور بے ریا ہوتے ہیں اور پڑوس والوں کے ساتھ ان کے تعلقات صرف دوستانہ ہی نہیں بلکہ عزیزانہ ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ان کی یہ عادت طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اور دوستوں سے ہمیشہ وہ عزیزوں کا سا میل جول رکھتے ہیں، چنانچہ خاں صاحب نے فوج کی ملازمت میں اگر کوئی اچھا سبق سیکھا تھا تو وہ یہی تھا۔

اب نوبت یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ تیوہاروں پر آپس میں ہدایا کا تبادلہ بھی ہونے لگا تھا۔ دیوالی آتی تو پنڈت جی خود بازار جاکر تازہ مٹھائی لاتے اور خاں صاحب کی لڑکی کو آواز دے کر اُسے دے جاتے، ہولی کے موقعہ پر کوری ہنڈیا میں "دہی بڑے" بھر کر خاں صاحب کے لئے جاتے۔ اسی طرح شنکرات اور دسہرے پر گرم گرم پوری کچوری ان کے لئے جایا کرتی تھیں۔

خاص "تیج وِیکلی" کے لئے

خاں صاحب نے بھی لڑکے کی شادی کی تو پنڈت جی کے گھر بھر کو دعوت دی اور بڑے تکلف سے طیافت کا تمام سامان ان کے یہاں بھیجا گیا۔

(۲)

رجب علی کا لڑکا بشارت علی جوان ہو گیا تھا اس کی شادی بھی ہو چکی تھی مگر ملازمت کہیں نہ ملتی تھی فوج میں خاں صاحب نے کئی درخواستیں بھیجائیں مگر بھرتی بند تھی ہر مرتبہ کورا جواب آیا، پولیس میں کوشش کی گئی تو وہاں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ مجبور ہو کر خاں صاحب نے بیٹے سے کہا۔

"بشارت علی یوں کب تک بیٹھے رہو گے۔ محنت مشقت کے یہی دن ہیں۔ تم میرے ساتھ احمد آباد گجرات چلو، وہاں کپڑے کے کسی مل میں تمہیں نوکری دلا دوں گا ہماری پلٹن عرصہ تک پونا ستارے میں رہی ہے اور میں کئی مرتبہ احمد آباد گیا ہوں وہاں کے مل میں نے دیکھے ہیں، ایک ایک مل میں ہزاروں آدمی کام کرتے ہیں، تنخواہ بھی معقول ملتی ہے بڑا اچھا روزگار ہے۔ آدمیوں کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے میرے بھی کئی ساتھی اور ان کے رشتہ دار وہاں ملازم ہیں۔ سب مل کر تمہارے لئے کوشش کریں گے، تو نوکری آسانی سے مل جائے گی"، بشارت علی جوان تھا اور کام چور بھی نہ تھا مگر قسمت سے مجبور تھا کوئی روزگار ہی نہ ملتا تھا۔ ورنہ وہ کب چاہتا تھا کہ اتنے بڑے کنبہ کے مصارف کا بوجھ اکیلے باپ کے کندھوں پر رہے۔ اور وہ مزے اڑاتا رہے۔ اس کے ہاتھ پیر مضبوط اور تندرستی اچھی تھی پھر سپاہی کا بیٹا تھا۔ محنت مزدوری سے بھی اسے کوئی عار نہ تھا۔ باپ کا منشاء پاتے ہی چلنے کو تیار ہو گیا۔ ماں بہنوں سے پوچھا تو انھوں نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن دونوں باپ بیٹے بستر باندھ کر احمد آباد چلنے کو تیار ہو گئے۔ بیٹے نے بستروں کا پلندا سر پر رکھا اور خاں صاحب نے ایک ہاتھ میں ناریل لیا دوسرے ہاتھ میں کوئلوں کی اور تمباکو کی تھیلیاں لیں اس شان کے ساتھ پانی پت سے ریل میں بیٹھ کر دونوں دہلی آئے

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

حسرت!

(از جناب منوّر لکھنوی)

ہائے اُس جانِ تمنّا کا منوّر دیدار
جس سے آبادیٔ آغوشِ تمنّا نہ ہوئی

دیدِ نادید کی اس عید سے حاصل ہی کیا
گوشۂ دل میں اگر انجمن آرا نہ ہوئی

ہائے اُس نیم نقابی کا وہ اندازِ ستم
ہو کے بھی پردہ درِ جلوۂ رعنا نہ ہوئی

کس لئے مرغِ نظر کو ہو اُلجھنے کی ہوس
دامِ صیّاد اگر زلفِ چلیپا نہ ہوئی

ہوگئے خاک بھی ہم سوزِ محبّت سے اِدھر
آگ یہ دل میں اُدھر نام کو پیدا نہ ہوئی

پردہ پردہ میں رہا شغل پرستاریٔ حسن
نہ ہوئی ہم سے منوّر کبھی توبہ نہ ہوئی

رُباعی

ہستی بیدار، موت شرمندہ ہے
ہر طرح سے کائنات پائندہ ہے

ہے چشمِ کرم نے جان ڈالی تن میں
مُردہ پہلے تھا جو وہ اب زندہ ہے

پچھلے صفحے سے

دو چار دن یہاں وہاں چل پھر کر دیکھا مگر دس بارہ روپے سے زیادہ کی نوکری بشارت علی کو نہ مل سکی، رجب علی کو پہلے بھی مگر بشارت نے کہا " ابا گھر سے جو ارادہ کر کے چلے ہو اسی پر قائم رہو دس روپے تو میں ڈھونڈھ کر بھی پیدا کر لوں گا اتنی سی بات کے لئے دلی آنے کی کیا ضرورت تھی؟

احمد آباد پہونچے تو وہاں کئی آدمی خاں صاحب کی جان پہچان کے مل گئے، وہ بھی سب ملوں میں نوکر تھے انھوں نے خاں صاحب کی بڑی آؤ بھگت کی اور بڑی عزت سے اپنے یہاں مہمان رکھا۔ چار پانچ دن کے اندر ہی ایک مل میں چالیس روپے مہینہ کی جگہ بشارت علی کو مل گئی، خاں صاحب کو اس کامیابی سے اتنی مسرت ہوئی گویا اُن کی جوانی لوٹ کر اُن سے آملی، جس طرح وہ جوانی میں ہر وقت خوش و خرم رہتے تھے، اسی طرح اب بھی رہنے لگے اور سر سے ایک بھاری بوجھ کم ہو گیا جس کے بعد وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا محسوس کرنے لگے، دو چار دن میں ہی ان کے دل کی حالت بدل گئی شباب کی بے فکری، آزادی اور لا ابالی پن جو نہ معلوم کب سے سویا ہوا پڑا تھا کروٹیں لے کر آنکھیں ملنے لگا۔ خاں صاحب نے ابھی بیٹے کی کمائی کھائی نہ تھی مگر اُن کا خون رگوں میں اُبال کھا رہا تھا جیسے کوئی گرم چیز انھوں نے کھالی ہو۔ دو ہفتہ قیام کر کے خاں صاحب نے واپسی کا قصد کیا اسٹیشن تک بیٹا ساتھ آیا باپ کا بستر اس کی کمر پر لدا ہوا تھا۔ گاڑی آنے میں دیر تھی بشارت علی نے کوئلے سلگا کر چلم بھری، رجب علی روکتے بھی رہے کہ اب وقت نہیں تم میرے پاس آ کر بیٹھو مگر بشارت کا دل چاہتا تھا کہ اس تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ باپ کی خدمت کرے نہ معلوم پھر کب یہ سعادت نصیب ہو۔

انجن نے سیٹی دی تو خاں صاحب نے بیٹے کو خدا کے فضل سے گرانڈیل جوان تھا چھاتی سے لگایا، اور دعائیں دے کر کہا، بشارت خدا کو سونپتا ہوں، بیٹا بڑی ہوشیاری اور نیک چلنی سے وقت گزارنا۔ دیکھو پردیس کا معاملہ ہے کسی کو انگلی اٹھانے یا ہنسنے کا موقعہ نہ ملے سپاہی کے بیٹے ہو ایمان اور دیانت ہاتھ سے نہ جائے، سستی اور کاہلی پاس نہ پھٹکے، بُرے آدمیوں سے دوستی نہ کرنا، اور اچھے لوگوں سے دوستی نباہنے میں بزدلی نہ دکھانا۔

بشارت بہت ہی سعادت مند بیٹا اور نیک طبیعت جوان تھا اُس نے باپ کے ہاتھوں کو چوم کر کہا۔ ابا جی! میری طرف سے اطمینان رکھیے، میں دس روپے میں گزر کر لیا کروں گا تیس آپ کو بھیجوں گا۔ گھر جا کر سب کی خیریت کا خط لکھ دینا۔

بشارت علی تم نے میرا مطلب نہیں سمجھا میں یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ تم تکلیف اٹھا کر مجھے اتنی بڑی رقم بھیج دیا کرنا، بلکہ میرا منشا یہ تھا کہ بُرے آدمیوں سے بچنا اور اچھی صحبت میں بیٹھنا۔

میں سمجھ گیا ابا۔ ایسا ہی ہو گا آپ مطمئن رہیئے،

اتنے میں گاڑی چھوٹ گئی، اور بشارت علی کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، جب تک ریل نظر آتی رہی وہ پلیٹ فارم پر کھڑا ٹکٹکی باندھے باپ کو دیکھتا رہا۔ آج پہلا موقع تھا کہ وہ تنہائی اور غریب الوطنی کی زندگی کا آغاز کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں، اور گلا بند ہوا جا رہا تھا جیسے کسی نے زور سے حلق دبا لیا ہو۔ اس وقت وہ بولنا چاہتا تو کسی طرح بول نہ سکتا تھا۔ گاڑی چھوٹتے ہی اُسے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے بادلوں کا کوئی ٹکڑا سر کے اوپر سے ہٹ گیا۔ اور اس کے پیچھے سے سورج نکل آیا جس کی تمازت سے وہ اب تک محفوظ تھا۔ ذرا دیر بعد بشارت علی نے کُرتے کے دامن سے آنسو پونچھے اور کان کی بربراہٹ ہاتھ میں لئے اسٹیشن سے نکل کر گھر کی طرف چلا گیا۔

(۳)

خاں صاحب چند بار پنڈت جی کے گھر کی اُن کی عدم موجودگی میں نگہبانی کر چکے تھے، اور پنڈت جی کے خیال میں اُن کی خوش قسمتی تھی کہ خاں صاحب کے احسان سے سبکدوش ہونے کا وقت انھیں حاصل ہو گیا تھا، وہ دُبلے پتلے آدمی تھے عمر بھی زیادہ تھی، پھر بیماریوں نے ان کے رہے سہے جسم کو بھی گھلا دیا تھا تاہم دل کے مضبوط اور جری تھے، سن بوڑھوں کا مگر ہمت جوانوں کی رکھتے تھے شباب میں کئی بار چوروں کے مقابلہ میں لاٹھی چلا چکے تھے، اکثر رات کو اکیلے دکیلے سنسان جنگلوں میں انھوں نے سفر کیا تھا اس لئے دلیری طاقت سے زیادہ اُن میں موجود تھی،

کوئی کام دھندا تو پنڈت جی کو تھا نہیں اور جو کچھ تھوڑا بہت تھا وہ دانستہ انھوں نے دس پانچ دن کے لئے چھوڑ دیا۔ پنڈتائن نے کہا بھی کہ دن کو یوں ہاتھ پیر باندھ کر بیٹھنے کی کیا ضرورت ہے، اپنے کام کاج سے نمٹ کر رات کو آ جایا کرو مگر پنڈت جی نے بیوی کی بات نہ مانی اور ناک بھوں چڑھا کر کہا نہیں اس مشورہ کی جگہ مجھ سے یوں کہنا چاہیئے تھا کہ ہر وقت خاں صاحب کی بیٹھک میں بیٹھے رہا کرو، خاں صاحب کے احسان کا بدلہ یہی تھا مگر تم الٹا میرے فرض سے مجھے بد دل کرتی ہو، تمہیں معلوم نہیں خاں صاحب کی تین جوان بیٹیاں گھر میں بیٹھی ہیں پرماتما نہ کرے کوئی ایسی ویسی بات ہو جائے تو مجھے کوئیں میں ڈوب کر جان دینی پڑے، مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ رجب علی کی عدم موجودگی میں گھر سے باہر پیر نکالوں، جب وہ آ جائیں گے چلا جاؤں گا۔ کھانے کمانے کو عمر پڑی ہے اور اب تک ہم نے اس کے سوا اور کام ہی کیا کیا ہے اگر دس بیس دن آرام سے گھر میں بیٹھ کر کھائیں گے تو کیا آفت آ جائے گی، جو مجاس میں ہے وہ اب اور جب ہر حالت میں ملنے کا جانا کہاں ہے!

پنڈتائن ان کی اس گفتگو سے شرمندہ ہو گئیں۔ اور اپنی غلطی کو محسوس کر کے بولیں تم تو بڑے شکی آدمی ہو، تمہارے دل میں وہم ہی وہم بھرا ہے،

ہاں کچھ ہی سمجھو، وہمی کہو یا شکی کہو میں خاں صاحب تب تک ان کی دیوار ہی سے لگا بیٹھا رہوں گا۔

بیٹھے رہو میں کب منع کرتی ہوں، مگر وہم کی دوا تو لقمان کے پاس بھی نہیں۔

تو سہی میں بھی تو خوشامد نہیں کرتا تم مجھے لا کر پلا دو۔

خاں صاحب کو گئے بیس یا اکیس دن تھا کہ شہر کے ہندو مسلمانوں میں کچھ کشیدگی ہو گئی جس نے بہت جلد فساد کی صورت اختیار کر لی، اور سارا شہر اس آگ کے شعلوں کی زد میں آ گیا۔ ہر طرف سے ڈنڈے، خنجر، لاٹھی اور بلم لے کر لوگ نکل پڑے، اور جہاں جس کو موقعہ ملا قتل و غارت گری میں مصروف ہو گیا۔

پنڈت جی کو بھی اس کی اطلاع ہوئی ان کے محلہ کے ناسمجھ افراد بھی اس جنگ میں شریک ہو گئے، پنڈت جی اب تک تو مطمئن تھے چوروں کے علاوہ کسی اور چیز کا انھیں ڈر نہ تھا مگر اب ذرا وہ چونکنا ہوئے، اور یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ خاں صاحب کا مکان بالکل ہندوؤں کے محلّہ میں ہے چاروں طرف سے ان میں گھرا ہوا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ فسادی لوگ ان کے گھر کو مردوں سے خالی پا کر ٹوٹ پڑیں اور پٹھانی داغدار ہو جائے بڑھاپے میں آبرو پر بٹہ آئے۔ اس خطرے کو محسوس کرتے ہی انھوں نے بیوی سے کہا ذرا اندر سے کواڑ بند کر لو، جلدی سے اٹھ کر میں باہر جا رہا ہوں۔

کیوں؟ ایسے میں کہاں جاتے ہو؟

کہیں نہیں، بڑا نازک وقت ہے ذرا سی غفلت میں عزت مٹی میں مل جائے گی، میں خاں صاحب کی بیٹھک میں چھپ کر بیٹھتا ہوں شاید لوگ ان کے گھر پر حملہ کر دیں۔

حملہ کر بھی دیں تو تم اکیلے کیا بنا لوگے؟

یہ تو ایشور کو معلوم ہے کیا کروں گا بس وقت پر جو بن آئے!

کیا دھرم کا خیال بھی دل سے نکال دیا تم نے؟

دھرم تو جان کے ساتھ ہے جب تک جسم میں جان موجود ہے دھرم کو نہیں بھلا سکتا۔

پھر یہ ڈنڈا کیوں بغل میں دبائے لئے جاتے ہو؟

بس اسی خیال سے کہ خاں صاحب کے گھر پر کوئی نہ چڑھ آئے۔

تم تو کہتے تھے دھرم جان کے ساتھ ہے!

اس میں کیا شک ہے، باؤلی تو یہ سمجھتی ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے دھرم کے لئے ہو رہا ہے اسے دیوانی دھرم میں کہاں لکھا ہے کہ لہو بہانا اور کسی کی جان لینا درست ہے، دھرم کسی سے بیر رکھنا نہیں سکھاتا۔ سب ہمارے بھائی بند ہیں پھر عمر بھر کی مروت کیونکر توڑی جا سکتی ہے؟

ابھی وہ اسی حیص بیص میں تھے کہ گلی کے نکڑ پر غل شور کی آواز آئی، اور لمحہ بھر میں خاں صاحب، و پنڈت جی کے گھروں کے سامنے آدمی ہی آدمی نظر آنے لگے، یہ ایک مشتعل ہجوم تھا جو مسلمانوں کے حملوں کا جواب دینے کے لئے شہر کے مختلف محلوں میں گھوم رہا تھا، اکثر آدمی زخمی تھے، اور ان کے جسموں سے خون بہہ رہا تھا، سب کے سب غصہ میں آپے سے باہر تھے کسی نے خاں صاحب کے گھر کی طرف انگلی اٹھا کر کچھ کہا اور ایک دم سے سارا مجمع اُدھر پل پڑا۔ گھر کے دروازے پہلے ہی بند ہو چکے تھے، لوگوں نے انھیں توڑنے کا ارادہ کیا تو پنڈت جی ہجوم کو چیرتے ہوئے لپلپاتے ہاتھوں میں موٹا سا لٹھ لے کر پہونچے اور جاتے ہی خاں صاحب کے دروازے سے کمر لگا کر کھڑے ہو گئے پھر مجمع کو للکار کر کہا

عورتوں پر ہاتھ اٹھانا مردانگی نہیں ہے۔

سب حیران رہ گئے، اکثر پنڈت جی کو جاننے والے بھی وہاں موجود تھے، پھر یہ تو صورت سے سب ہی پہچان سکتے تھے کہ پنڈت جی ہندو ہیں اور ایک مسلمان کے گھر کی حفاظت کے لئے لٹھ لے کر نکل آئے ہیں، بعض کو ان کی اس نادانی پر ہنسی آئی، بعض نے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور اُن کی اس حرکت پر تحسین کی لیکن اکثر ایسے تھے جو اُن کی بوٹیاں نوچ لینا چاہتے تھے، اور انھیں مذہب سے خارج سمجھتے تھے، آخر ایک نوجوان نے آگے بڑھتے ہوئے کہا " ہٹئے ادھر، سامنے سے ہٹ، نہیں تو کھوپڑی پھوڑ دوں گا!

پنڈت جی آستینیں چڑھا کر بولے بیٹے جی تھوڑ نہ

(باقی مضمون صفحہ ۲۴ پر)

رباعی

[illegible]

مجبوری

[illegible]

فنا کے بعد ہی شاید ملے گی آزادی
دعا کو ہاتھ بھی اب تو اٹھا نہیں سکتے

کیا برطانیہ بغیر "امپائر" کے زندہ رہ سکتا؟

ممالکِ عالم کی آبادی، قدرتی ذخائر اور اقتصادی حیثیت!

(مسٹر سی، پیٹرک طامسن مشہور سیاسی مدبر کے قلم سے)

ہمیں سب کو یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ ہمارے پیش رؤں کو جس چیز کا سامنا کرنا پڑا وہی انجام ہمارے لئے بھی قدرت نے مقرر کر رکھا ہے، بابل، مصر، روما اور سپانیہ کے عروج و زوال کی کہانی ہمیں بتاتی ہے کہ ہم بھی ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں تو انہی کے انجام اور انہی کی منزل تک پہنچیں گے۔ ان الفاظ کے ساتھ پروفیسر ہاکسن شہرۂ آفاق ماہر علم زمین نے برٹش ایسوسی ایشن کے جلسہ میں اپنی تقریر میں ملک سائنٹیفک ذہنوں کو متنبہ کیا تھا۔

تاریخ کی سب سے زیادہ طاقتور سلطنت کے شہری (جس سلطنت میں اس دنیا پر باقی رہنے والی چند جمہوریتیں بھی شامل ہیں) نہایت درجہ کاوشوں کے ساتھ سلطنت کے مسائل اور اس کے عروج و توسیع کے وسائل پر غور کر رہے ہیں، وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر جان بل کو اس کی شہنشاہیت کے لباس سے معرا کر دیا گیا یا اسے زبردستی شہنشاہیت کے تخت سے اتار دیا گیا تو برطانیہ کا حشر کیا ہوگا۔

سلطنت و شہنشاہیت برطانیہ کے باب میں ایک غلط انداز اقتصادی جرح یا استدلال کا مہیا کر دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ سویڈن کے ملک کو لیجئے! یہ وہ مملکت ہے جس کا کوئی وسیع رقبہ اور شہنشاہی سلطنت نہیں ہے مگر وہ یورپ کی کیا دنیا کی سب سے زیادہ متمول اور خوش حال سرزمین ہے، دنیا کا واحد ملک جہاں بے روزگاری کا مسئلہ نہیں ہے، اعلیٰ معیار، زندگی، عمدہ تعلیم، اس کی فوج صرف ۲۵ ہزار ہے، اس کے پاس صرف گیارہ آہن پوش بحری جہاز ہیں اور قومی قرض صرف ۴۴,۰۰۰,۰۰۰ پونڈ کا ہے یعنی برطانوی قرضہ کا ۱/۱۵۰ !!

۲۱-۱۹۲۰ء میں عراق میں عربوں نے بغاوت کی جانتے ہیں آپ جان بل کو اس کے فرو کرنے میں کتنی خطیر رقم خرچ کر کے اپنی بگڑی سنبھالنی پڑی "۹۰,۰۰۰,۰۰۰ پونڈ! اب فلسطین میں عربی یہودی نزاع رنگ لا رہا ہے اور اس کی درستی کے لئے بھی شاید اتنی ہی رقم خرچ کرنی پڑے گی۔ جان بل نے جنوبی افریقہ میں ایک معمولی سی لڑائی لڑی تھی اس پر کچھ نہیں تو ۱۶۰,۰۰۰,۰۰۰ پونڈ خرچ آیا تھا!

جنگ عظیم چھڑنے پر برطانیہ عظمیٰ کا قرض ۶,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ پونڈ تھا اور جب جنگ ختم ہوئی تو یہ ہندسہ ۷,۸۰۵,۶۴۲,۰۰۰ پونڈ تک پہنچ چکا تھا یعنی تقریباً ہر سال ۴,۰۰۰,۰۰۰,۲۲ پونڈ کی رقم ہمیں ان خدمات کے لئے برداشت کرنی پڑیں، دنیا میں اس سے زیادہ مہنگی خدمتیں شاید ہی کبھی خریدی گئی ہوں۔

۳۶-۱۹۳۵ء کے برطانوی خزانہ کے مالیانہ کی آمدنی ۷۴۴,۰۰۰,۰۰۰ پونڈ ہے، اور یہ اس آمدنی میں شامل ہے، جو کسٹم ٹیکس، محصولات، سود دستاویزات وغیرہ کی مدوں سے برطانوی خزانہ تک پہنچتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ روپیہ کہاں سے آتا ہے روپیہ ہم ہی لوگ دیتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر ہم کچھ نہ کچھ گورنمنٹ کے خزانہ میں پہنچاتے ہیں۔ آپ نے دیا سلائی جلائی ہے روٹی کا لقمہ کھایا ہے کوئی جراب پہنی ہے، بجلی کا بٹن دبایا ہے، کسی ریل یا بس پر سفر کیا ہے۔ مرے ہیں یا جیتے ہیں غرض کوئی کام بھی کیا ہے آپ نے کچھ نہ کچھ رقم حکومت کے خزانہ میں ضرور دی ہوگی، خواہ آپ کو یہ بات معلوم ہو یا نہیں، معمولی قلی سے لے کر انکم ٹیکس تک دینے والے شہری تک سب ہی حکومت کے خزانہ میں اپنے اپنے حالات کے موافق روپیہ دیتے رہتے ہیں۔

ہم یہ سب روپیہ کس طرح دیتے ہیں، کس جانفشانی سے حاصل کیا ہوا روپیہ کس بے پروائی کے ساتھ خرچ کیا جاتا ہے اس کی داستان نہ چھیڑیئے، ہمیں تو سویڈن پر رشک آتا ہے وہاں اس قسم کے جبریہ ٹیکس اور پُرتکلف اخراجات کے بار کا نام بھی کوئی نہیں جانتا کیسا خوش نصیب ملک ہے۔ مگر ابھی اور سنئیے، تخفیف کے بہت سے کلہاڑے بھی ہمارے لئے موجود رہتے ہیں۔

سویڈن میں جس کا رقبہ ۱۷۳,۵۰۰ مربع میل ہے صرف ۶,۰۰۰,۰۰۰ انسان آباد ہیں، مگر جزائر برطانیہ کی حالت دیکھئے، سویڈن کے رقبہ سے نصف کے قریب زیادہ رقبہ اس کے پاس نہیں ہے، مگر اتنی سی جگہ میں ۹۴,۰۰۰ مربع میل جگہ میں ۴۶,۰۰۰,۰۰۰ انسانوں کو ٹھونس دیا گیا ہے۔

سویڈن کا ملک یورپ یا نسل انسانی کے تبائلی تنازعات اور جنگ زرگری سے بھی علیحدہ رہتا ہے۔ مگر انگلستان ہر خلفشار میں پیش پیش اور ہر جھگڑے میں گھسنے کو تیار رہتا ہے۔

سویڈن کو قدرتی ذخائر و خزانوں کی دولت بھی قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ عطا کی ہے صنعتی اور زرعی کاموں کے لئے خام اشیاء بڑی مقدار میں وہ تیار کر سکتا ہے، سیسہ، جست، شورہ، لکڑی، لوہا، گندھک، سنکھیا، گرنائٹ پتھر، سنگ مرمر، کوئلہ، کاغذ، دودھ مکھن بالائی، غرض دنیا کی ضروریات کی کیا چیزیں ہیں جو بہ تعداد کثیر اور بہ مقدار عظیم سویڈن میں مہیا نہیں ہیں؟ برطانیہ اتنی بڑی سلطنت ہونے کے باوجود اپنی ضروریات کا خود کفیل نہیں ہو سکتا۔ اسے اپنے باشندوں کے پیٹ بھرنے کے لئے غلہ کارخانوں کی شکم پوری کے لئے خام اشیاء جو علی الترتیب ۵,۰۰۰,۰۰۰ ٹن اور ۱۵,۰۰۰,۰۰۰ ٹن میں ہیں مہیا کرنی پڑتی ہیں اور یہ چیزیں اسے روز باہر سے لا کر اپنے ملک کے ساحل پر اتارنی پڑتی ہیں۔

اس کی برآمد میں سے تین تہائی سے زیادہ چیزیں سلطنتی رقبہ جات میں چلی جاتی ہیں اور برطانیہ کو اپنی تجارتی ساکھ اور بیرونی منڈیوں کی مانگ پورا کرنے کے لئے ہمیشہ تگ و دو کرنی پڑتی ہے اور مسلسل [illegible] خوف سے اسے نجات نہیں!

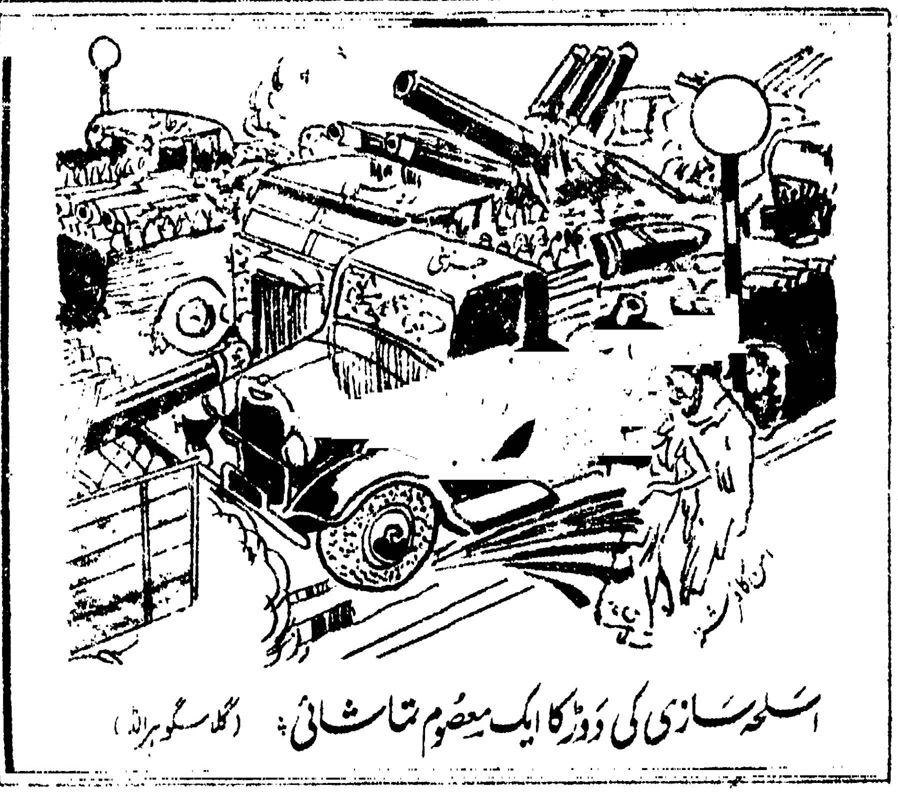
ہندوستان برطانوی کارخانوں سے ۱۰۰,۰۰۰,۰۰۰ پونڈ کا سامان فروخت کرتا ہے۔ اگر ہندوستان برطانوی سلطنت کے حلقہ سے نکل جائے یا اس پر کسی اور کی حکومت ہو جائے تو کیا ہندوستان کی یہ تجارت برطانیہ کے پاس رہ سکے گی؟ اگر برطانیہ کا ایسا بڑا گاہک اس کے پاس سے نکل گیا تو اس کی تجارت کا کیا انجام ہوگا یہ سب پر ظاہر ہے۔

اگر دنیا میں آزاد تجارت کا دستور ہو جائے اور پابندیاں نہ رہیں تو کافی فائدہ پہنچے اور برطانیہ اپنی ۴۶,۰۰۰,۰۰۰ افراد کی آبادی کو لقمۂ رزق آسانی کے ساتھ مہیا کر سکے گا، اس کے کارخانے برابر چلتے رہیں گے، ہر شخص کو آزادی اور آسانی کے ساتھ روزگار مہیا ہو سکے گا۔ اور دنیا میں مالی دشواریاں اس قدر نہ رہیں گی جیسی اب ہیں۔ جب برطانیہ میں آزاد تجارت کا دستور تھا وہ ایک خوش حال اور متمول ملک تھا۔ مگر آزاد تجارت کا دستور تو اب ہمیشہ کے لئے ختم سمجھنا چاہیئے، اور برطانیہ میں اس وقت تک یہ دستور واپس نہیں آئے گا جب تک تقریباً [illegible] قومی سلطنتیں اس کے ارد گرد حریفانہ [illegible] لئے ہوئے موجود ہیں۔ اگر برطانیہ کے مقبوضات سلطنتی دائرے سے نکل جائیں اور برطانیہ تنہا رہ جائے تو اس کی حالت کیا ہوگی۔ [illegible] ستانی تصور [illegible] کی ضرورت نہیں ہے موجودہ زمانہ میں [illegible] اگر اس کی مثالیں موجود ہیں مسولینی اور ہٹلر کی شعلہ فشانیاں اور [illegible] کے نیچے انسانیت کی چیخ پکار، حبشہ [illegible] کچلے ہوئے آزادی، جاپان کی [illegible] میں عربی یہودی تصادم، سپین کی خانہ جنگیاں اور فسطائیت و کمیونزم کی چپقلش ——

غرض دنیا ایک مستقل [illegible] کا نام ہے [illegible] انواع و اقسام کے ایندھن انسانیت کے [illegible] جلا ڈالنے کے لئے دہک رہے ہیں۔

سٹالین اس وقت رقبہ کے اعتبار سے دوسری بڑی سلطنت کا مالک ہے یعنی ۸,۰۰۰,۰۰۰ مربع میل کو محیط سلطنت جس پر ۱۶۸,۰۰۰,۰۰۰ افراد آباد ہیں فرانس کے پاس جو سلطنت ہے وہ گو اس قدر بڑی نہیں مگر آبادی کے لحاظ سے وہ روس کے بعد دوسرے نمبر پر ہے یعنی ۴,۵۰۰,۰۰۰ مربع میل پر ۱۰۳,۰۰۰,۰۰۰ انسان آباد ہیں، خود اصل ملک روس کا رقبہ ۲۱۲,۶۰۰ مربع میل سے زیادہ نہیں ہے باقی مقبوضات ہیں بالستثنا بلانشاں خود ایک چھوٹی سی سلطنت ہے جس میں صرف ۸,۰۰۰,۰۰۰ افراد آباد ہیں مگر مشرقی اضلاع میں اس کا پرچم ایک وسیع [illegible] پر لہراتا ہے جس پر

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)



اسلحہ سازی کی دوڑ کا ایک معصوم تماشائی (گلاسگو ہیرالڈ)

پچھلے صفحہ سے

۔۔۔۔۔۔۶۰ انسان آباد ہیں، پرتگال بھی تقریباً اتنی ہی بڑی سلطنت ہے، جس میں ۔۔۔۔۔۔۱۰ افراد آباد ہیں۔
حد یہ ہے کہ ڈنمارک جو شہرت ان کی آبادی سے مختلف آبادی رکھتا ہے جس کے پاس صرف ۱۲ ہزار فوج اور ایک معمولی سا بحری بیڑہ ہے۔ ۵ ہزار مربع میل کو محیط سلطنت کا مالک ہے۔ وہاں سلطنت میں ۵۰ ہزار انسان آباد ہیں۔
ڈکٹیٹری حکومت کے ماتحت رہنے والے اٹلی کے پاس ۔۔۔۔۔۔۴۲ افراد ہیں اور ۱۰ لاکھ مربع میل پر اس کی سلطنت پھیلی ہوئی ہے۔
جرمنی کے پاس ۲۰۰، ۱۸۲ مربع میل ہیں جس پر ۔۔۔۔۔۔۶۵ افراد پھیلے ہوئے ہیں۔ اور کوئی نو آبادی نہیں ہے، جرمنی کے پاس خام مصنوعات کی بھی کمی ہے، خاص کر سونے کی، برطانیہ تمام دنیا کی طلائی سپلائی کا ۶۰ فی صدی پیدا کرتا ہے۔

منچوریا پر قبضہ کر کے جاپان نے بھی اپنی چھوٹی سی سلطنت کو وسیع کر لیا ہے۔
منچوریا کی آبادی ۔۔۔۔۔۔۳۰ لیکر اور قدرتی پیداوار ذخیروں سے مالا مال ہو کر جاپان بہت پھول گیا ہے۔ اب جاپان کے پاس ۔۔۔۔۔۔۱۲۰ افراد کی آبادی ہے۔ مگر اصل وطن میں صرف ۔۔۔۔۔۔۷۰ افراد ہیں، جاپان کا مقصد یہ بھی ہے کہ جس طرح برطانیہ ہندوستان کا انتظام کرتا ہے ہم چین کو کیوں نہ قبضہ میں کر کے اس کا انتظام کریں۔ اور برطانوی امریکی جنگی جہازوں کو خطرے میں نہ لاتے ہوئے جاپان کی توسیع پسند پارٹی بیرونی حملہ آوری کو دعوت دیتی ہے اگرچہ تقریباً جاپانی گھر گھٹنے اور غیر جاپانی آبادی کو اپنے ہاں بسنے کے خلاف ہیں مگر تجارتی اور توسیع پسند پارٹی کی سرگرمیاں جاپان کو کہیں سے کہیں لے جا چکی ہیں۔
عرصہ دراز ہوا امریکہ دنیا کے ایک فالتو رقبہ کے طور پر شروع ہوا، مگر اس کے بعد اتفاق اور توسیع کے سلسلہ اور قدرتی ذخائر نے اسے دنیا کا سب سے بڑا اور متمول ترین ملک بنا دیا ہے، نو آبادیاتی توسیع، معاہدات، الحاق، خرید، فروخت، کرایہ داری، غرض جملہ طریقوں سے امریکہ کو بڑھایا گیا ہے اور اب ۔۔۔۔۔۔ مربع میل اس کے ماتحت ہے، اور ۔۔۔۔۔۔۱۲ انسان اس سرزمین پر بستے ہیں، اور تجارتی قدر کے حساب سے اگر سمجھا جائے تو دنیا کے متمول ممالک میں امریکہ دوسری بڑی سلطنت ہے، سلطنت امریکہ آبادی کے لحاظ سے بالکل پُر ہو چکا ہے، اصل وطن میں ۔۔۔۔۔۔۱۲۲ افراد ہیں، جو چین کے رقبہ کی برابر رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں، چین میں اسی رقبہ پر ۔۔۔۔۔۔۴۰ افراد بستے ہیں۔
جان بل یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کی سلطنت میں آبادی کی کثرت ہے، اور اس کو منتشر اور منقسم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایمپائر کی توسیع کی جائے۔ امریکہ کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ گنجان آبادی برطانیہ کی ہے، یعنی فی مربع میل ۵۰۴۷ انسان آباد ہیں، صرف بلجیم

اور ہالینڈ اس تناسب میں اس سے بڑھ جاتے ہیں علی الترتیب وہاں کی آبادی فی مربع میل ۶۵۰ اور ۶۱۰.۵ نفوس پر مشتمل ہے۔
امریکہ میں بلحاظ حیثیت سے آبادی کی تقسیم ۴۱.۳ فی مربع میل ہے، خاص جاپان میں ۴۳۴.۳ جرمنی میں ۳۶۰.۷ اٹلی میں ۳۴۹.۱ فرانس میں ۱۹۶.۹ یورپی روس میں ۶۱ اور ایشیائی روس میں ۴ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ "سلطنت وار" اور "محروم سلطنت" اقوام کے درمیان نزاع کی اصل وجہ کیا ہے اور آبادی کا مسئلہ کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔
جنگ عظیم سے پہلے برطانیہ سے ترک وطن کرنے والوں کی سالانہ تعداد ۔۔۔۔۔۔۲۵۰ تھی۔
گزشتہ ۱۹۳۳ء میں کیفیت یہ ہوئی کہ سلطنت برطانیہ میں جانے اور بسنے والے لوگوں کی تعداد کم ہو گئی، وہاں اصل وطن کی طرف لوٹنے والوں کی تعداد ان سے بڑھ گئی، یہی چیز ظاہر کرتی ہے کہ جان بل کی سلطنت کیوں خالی ہوتی جا رہی ہے اور آبادی کی تقسیم میں یہ تفاوت کیوں پیدا ہو رہا ہے۔
کنیڈا میں آبادی کی حالت ۲.۸ فی مربع میل ہے، نیوزی لینڈ میں ۱۴.۹ فی مربع میل ہے، برطانوی ہندوراز میں ۵.۹ فی صدی ہے، جنوبی افریقہ میں ۱۷.۱ ہے، نیو فاؤنڈ لینڈ میں ۲.۶، برٹش گینی میں ۳.۵ ہے، آسٹریلیا میں آبادی بہت ہی کم ہے، یعنی شہر لندن

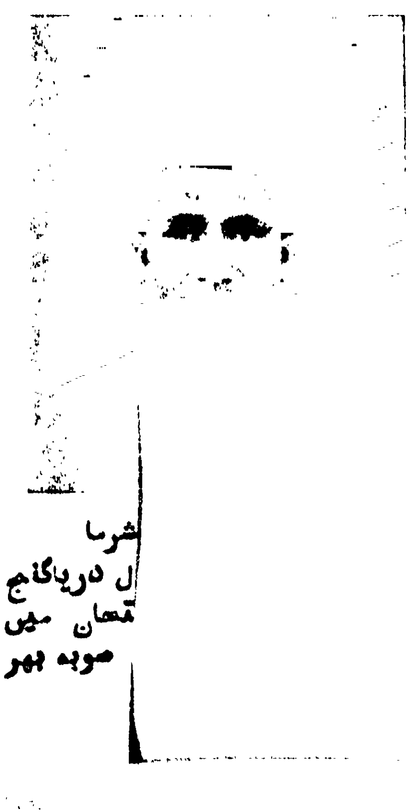
سے ۲۰ لاکھ کم، گو وہ اس قدر قلیل آبادی کے باوجود اپنے قدرتی ذخائر کی وجہ سے متمول و خوش حالی کی زندگی بسر کر رہا ہے، ۔۔۔۔۔۔۳ مربع میل پر اس کی سلطنت پھیلی ہوئی ہے، آبادی ۲.۲ فی مربع میل سے متجاوز نہیں ہونے پاتی۔
انگلستان اور تمام مقبوضات برطانیہ اپنی آبادی بڑھانے کی طرف متوجہ ہیں، اور اسے اس وسیع سرزمین پر پھیلا دینا چاہتے ہیں جو فالتو ان کے سامنے پڑی ہوئی ہے، نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کے لیڈروں کا نعرہ ہے کہ ہم اپنے ملک کو اپنے ملکیوں سے آباد کرنا چاہتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ لوگ آئیں کہاں سے؟
ان ممالک میں کیا سب جگہ کی آبادی کی رفتار گھٹ رہی ہے سوائے جاپان اور روس کے تمام ممالک میں برطانیہ کو شامل کر کے آبادی کی فی صدی گھٹ رہی ہے یا اپنی جگہ قائم ہے، اور یہ تمام نسل انسانی کے لئے ایک مسئلہ عظیم ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟!

رباعی

ھال آف آنر



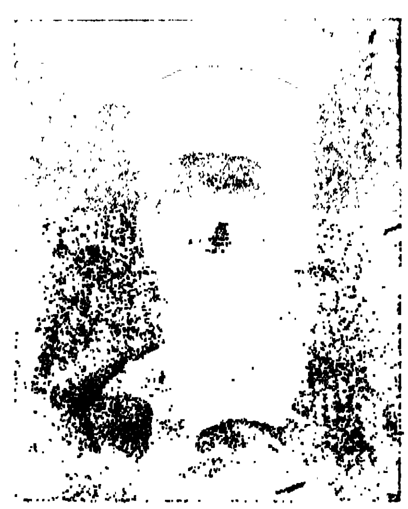
جرمنی کی سب سے بڑی قومی نمائش کا برلن میں افتتاح—ھٹلر کی پانچ سالہ سکیم کے تحت میں جرمنی نے ترقی کے حیرت انگیز کارنامے پیش کئے ھیں



شرما
ل دریاگنج
متحان میں
صوبہ بھر



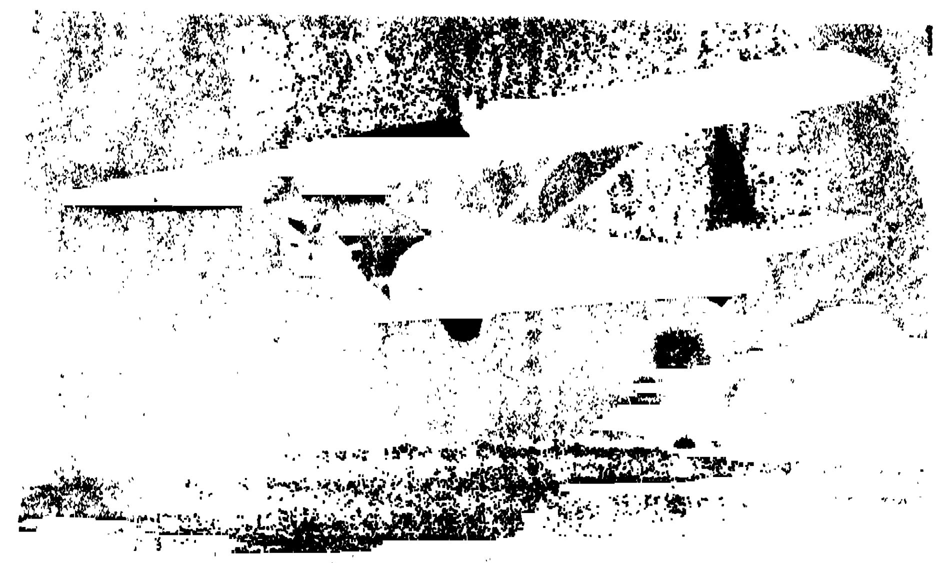
مسٹر نندکشور گپتا
رامجس ھائی سکول نمبر ۲ آنندپربت
جو امسال بورڈ کے امتحان میں
۶۸۰ نمبر حاصل کرکے صوبہ بھر
میں دوم رھا ھے



مسٹر برج نارائن گپتا
رامجس ھائی سکول دریاگنج
جو امسال بورڈ کے امتحان میں
۷۳۳ نمبر حاصل کرکے صوبہ بھر
میں اول رھا ھے



شملہ میں لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند کا روبکاری کے موقعہ پر غریبوں کو کھانا کھلانے کا انتظام دیکھ رہے ہیں۔ اسکا خرچ خود آپنے برداشت کیا تھا



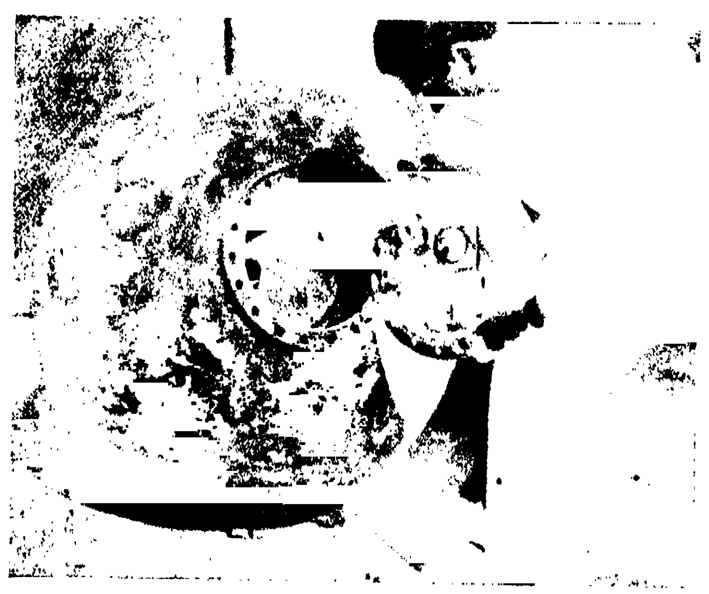
دنیا کا سب سے زیادہ سستا ہوائی جہاز جو برطانیہ میں بنایا گیا ہے اور قیمت صرف ۱۸ پونڈ ہے



فتح چند زنانہ کالج لاہور کے جلسہ تقسیم انعامات کی آنریبل مسٹر سکیمپ نے صدارت کی جو تصویر میں دائیں جانب سے دوسرے نمبر پر ہیں



مولانا ابوالکلام آزاد
جنہوں نے تمام مسلمانوں کو غیر مشروط طور پر کانگریس میں شریک ہونے کی دعوت دی ہے



اسپین کے باغی سمندر میں اس طرح کے "مائن" بچھا کر جہازوں کو تباہ کرتے ہیں

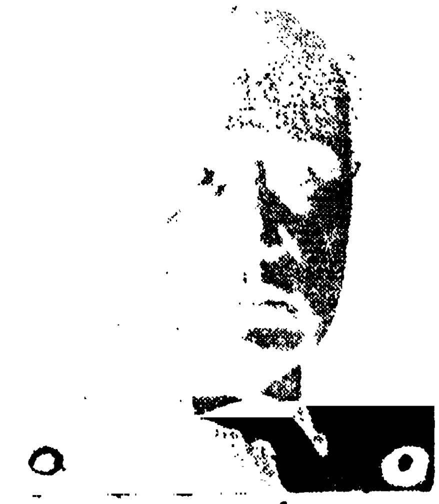
خان عبدالغفار خان
آپنے بمبئی میں الہ آباد کے رزولوشن کی تائید کرتے ہوئے مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت کا مشورہ دیا ہے



ہندوستان میں ننگا پربت کی جرمن مہم جس کے صدر ڈاکٹر کے-وین درمیان میں کھڑے ہیں اور جو اس موسم گرما میں ہمالیہ پر چڑھائی کرنیوالی ہے



میاں عبدالعزیز
جو کانگریس کے ٹکٹ پر مرکزی اسمبلی کے لئے مولانا ظفرعلی خاں کے مقابلہ پر کھڑے ہوئے ہیں



سائنور مسولینی.
ڈکٹیٹر اٹلی
جو هر هٹلر ڈکٹیٹر جرمنی سے
ملاقات کرنے کیلئے جرمنی جا رہے
هیں



جرمنی کا جدید ترین ریلوے اِنجن جو برلن کی نمائش میں دکھایا گیا ہے۔
یہ ترقی بھی جرمنی کی پانچ ساله سکیم کے تحت میں هے



هرهٹلر—ڈکٹیٹر جرمنی
جن سے ملاقات کیلئے سائنور
مسولینی جرمنی آرہے هیں

بوسہ کی تاریخ

دنیا کی قوموں میں بوسے کے متعلق عجیب و غریب رسمیں

{مسٹر انطونی لیبن کے قلم سے}

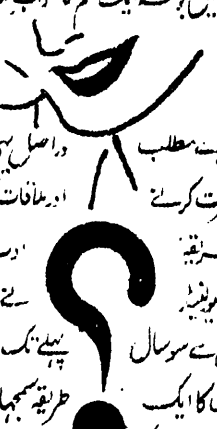
"اگر کوئی مرد کسی عورت کا اس کی مرضی کے بغیر بوسہ لیلے تو اس عورت کو اس مرد کی ناک چبا ڈالنے کا اختیار حاصل ہوگا اگر وہ ایسا کرنا چاہے۔"

ایک انگریز جج نے ان الفاظ میں ایک مقدمہ اس نوعیت کا خارج کر دیا تھا جس میں طامس سیمورلینڈ نے کاردین میوٹن نامی ایک خاتون پر نالش کی تھی۔ طامس نے کاردین کا بوسہ اس کی مرضی کے بغیر لے لیا تھا۔ مگر کاردین بھی ایک تیز و تند قسم کی عورت تھی، اس نے بھی انتقام لینے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگائی اور ناک پکڑ کر چبا ڈالی۔ اس سے پہلے کہ طامس اپنے بوسہ کی حلاوت کا مزہ چکھ سکتا اس کی ناک کاردین کے مضبوط موتی جیسے سفید دانتوں میں پہونچکر مجروح ہو چکی تھی۔

طامس نے سوچا کہ چونکہ اس لڑکی نے مجھ پر بیجا حملہ کیا ہے اور میری شکل بگاڑ دی ہے اس لئے مجھے ہرجانہ کا دعویٰ کرنا چاہئے لیکن حاکم نے اس کے خلاف فیصلہ دیا۔

گرچہ یہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے مگر اب بھی قانون کی رو سے کسی لڑکی کا اس کی مرضی کے خلاف بوسہ لینا ہرجانہ اور حملہ مجرمانہ میں داخل سمجھا جاتا ہے۔

امریکہ میں اکثر ریاستوں میں بوسہ لینا مضر صحت ہونے کے باعث ممنوع ہے۔ اور اس کی سزا بھی ہے۔



ابتدا میں بوسہ ایک قسم کا آداب ملاقات تھا۔ بالکل ایسا ہی تھا جیسا آجکل مصافحہ کرنے کا ہے۔ بوسہ کا مطلب دراصل یہی تھا کہ ایک دوسرے کی عزت کرنے اور ملاقات کو مضبوط کرنے کے لئے یہ طریقہ ادب استعمال کیا جاتا تھا۔ طامس سویلینڈ نے بوسہ لینے میں غلطی کی اس سے سو سال پہلے تک اس قسم کے بوسوں کو عام ملاقات کا ایک طریقہ سمجھا جاتا تھا بالخصوص سولہویں صدی عیسوی تک تو بوسہ دینا آداب مجلس میں ملاقات کا بہترین طریقہ شمار ہوتا تھا۔

انگلستان میں بالخصوص یہ طریقہ رہا ہے کہ بوسہ دینا بہترین طریقہ آداب مانا جاتا تھا۔ اگر کوئی کسی کے ہاں مہمان آ جائے۔ تو گھر کے سب لوگوں کو حتیٰ کہ گھر کے پالتو جانوروں (اور مالک مکان کو بھی) بوسہ دینا لازمی تھا۔ ہالینڈ کا ڈلا اسفر اراز مس جب انگلستان آیا تو حیران و پریشان ہو گیا کہ اسے کس قدر بوسے لینے اور دینے پڑتے ہیں اور یہ عجیب رسم ہے اس ملک کے اطوار مجلسی اور آداب تمدن کی۔

رومی شہنشاہ (پومپونی عس) ایک اور تکلف کے طلبگار تھے، مملکت رومہ کے بہترین اور چیدہ آدمی ہی جن کی پوزیشن بہت اونچی تھی، شہنشاہ کو بوسہ دے سکتے تھے، اس سے کمتر درجہ کے لوگ اس کے ہاتھ کو چومنے پر ہی فخر محسوس کرتے تھے اور ان سے کم درجہ کے لوگ چرن چھو کر ہی صبر کر لیتے تھے!

مغربی افریقہ کے قبائل میں اس قسم کی تقسیم اب تک پائی جاتی ہے، جو سب سے کمتر درجہ کا آدمی ہے وہ سردار کا پیر چومیگا، جو اس سے اونچے درجہ کا ہے وہ گھٹنا چومیگا اور علیٰ ہذا القیاس جوں جوں اونچی پوزیشن کا ہوتا جائے گا اوپر ترقی کرتا جائے گا۔

پیر چومنا قدیم زمانہ سے اظہار عقیدت، اطاعت گزاری کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے، بادشاہان ذی وقار فاتحوں، معززوں اور بزرگان دین کے قدم چومنا عزت و فخر کی بات سمجھی جاتی تھی، اور اطاعت گزاری کا عمومی طریقہ شمار ہوتا تھا اور اونچے درجہ کی رعب ہستیاں اس طریقہ اظہار عقیدت و ادائیگی خراج طاعت کو کچھ زیادہ ناپسند بھی نہ کرتے تھے، اور لوگوں کو ایسا کرنے کی اجازت دے دیتے تھے۔

جب چارلس سادہ مزاج بادشاہ انگلستان کے دربار میں وائیکنگ قوم کا ایک حکمران رولو نامی پیش ہوا اور اس سے قدم چومنے کے لئے کہا گیا تو اس نے کچھ تذبذب کیا۔ یہ ایک باجگزار ماتحت حکمران کرنے کے لئے ضروری تھا۔ اسے بادشاہ کے قدم چومنے پر اتنا اعتراض نہ تھا جس قدر اس رسم پر کہ باجگزار کو بالا دست سردار کے سامنے بے حقیقت ہو کر جھکنا پڑتا ہے، گر یہ وائیکنگ بادشاہ بھی غضب کا نکلا اس نے ایک تدبیر یہ کی کہ بادشاہ کی ٹانگ اٹھا کر اپنے لبوں سے لگا لی۔ اور اس طرح جھکنے سے باز رہا مگر غریب بادشاہ تخت سے گر پڑا!

لیکن چارلس ایک سادہ مزاج انسان تھا اس نے جب یہ دیکھ لیا کہ اس نے خراج تعظیم تو ادا کر ہی دیا ہے اب اس رسم کی تفصیلات اور جاہل حکمران سے جھگڑنے کی کیا ضرورت ہے، چلو جانے دو!

اب بھی بوسہ دے کر اظہار تعظیم کیا جاتا ہے تاج پوشی کے موقعہ پر امراء بادشاہ کے رخسار کو بوسہ دیتے ہیں اور جب وزراء بادشاہ سے منصب و قلمدان وزارت پاتے ہیں تو شہنشاہ کے دست مبارک کو بوسہ دیتے ہیں۔ مگر آج کل بوسہ محبت، تعلق اور عشق کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ گو یہ استعمال حال ہی میں شروع ہوا ہے بوسہ اپنی جگہ اب محبت کے اظہار اور لطف کام و دہن کا ذریعہ بن گیا ہے، اگرچہ محبت کے اظہار کے اور طریقے بھی ہیں اور جانوروں میں بھی اس کے علاوہ اور طریقے اظہار الفت کے پائے جاتے ہیں:

بلیاں آپس میں ناک رگڑتی ہیں۔ کتا جب چاٹتا ہے تو اظہار عشق کرتا ہے، پرندے اپنی چونچوں سے اظہار محبت کرتے ہیں حتیٰ کہ زمین پر رینگنے والے سانپ بھی اپنے پھن کو مس کر کے اظہار الفت کر سکتے ہیں۔

> غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں!
> بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں!!
>
> غالبؔ

بوسہ کا مطلب

حملہ مجرمانہ !
مضر صحت !!
اظہار الفت !!!
معمولی ملاقات !!!!
سلام شوق !!!!!
تعظیم و عقیدت !!!!!!
ٹھرٹھری !!!!!!!
عمر کا یکسال کم !!!!!!!!

انسانوں میں تعلق قلب کو ظاہر کرنے کے لئے بہت سے طریقے ہیں۔ بزمیوں اور سامن جزیرہ کے باشندوں میں ایک ایسا ہی طریقہ ہے، اسکیمو، ملایائی، اور پالینشیا کی جنگلی قبائل میں اظہار الفت کے لئے آپس میں ناک رگڑتے ہیں اور منہ کھول کر ہنستے بھی ہیں، چینی اور جاپانی لوگ بوسہ سے آشنا نہیں۔

شروع ہی سے یورپ میں بوسوں کا رواج خاص اہمیت کے ساتھ رہا ہے۔

فرانس میں سب سے پہلے بوسوں کا رواج عام ہوا، معلوم ہوا ہے کہ بادشاہ فرانس لوئی دوازدہم نے نارمنڈی کے علاقہ کی ہر عورت کا بوسہ لیا تھا۔ فرانس میں سولہویں صدی تک جری اور بہادر لوگوں کو اختیار تھا کہ وہ عورتوں کے بوسے علانیہ لیں مگر یہ سب بوسے عزت اور ملاقات ذاتی کے اظہار کے لئے استعمال ہوتے تھے، ان میں عشق اور جنسی رغبت کا حصہ بہت ہی کم ہوتا تھا۔ اور اس نوع کے بوسے اب بھی رودبار انگلستان کے نواحی علاقوں میں لئے جاتے ہیں۔ گو فرانس میں ان کا رواج زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ جب ہم کسی فرانسیسی فوجی افسر کی تصویر دیکھتے ہیں تو یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ انعام دیتے یا ملاقات کرتے ہوئے اپنے معمولی سپاہی کو چومتا ہے یا برطانوی سفیروں اور مدبرین سے ملتے ہوئے فرانسیسی مدبرین چومتے ہوئے ضرور دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی قومی روایات میں بہت گہرے طور پر داخل ہے۔



ایک امریکن سائینسدان نے اعلان کیا ہے کہ ایک بوسہ لینے سے انسان کی عمر کا ایک سال گھٹ جاتا ہے۔ یعنی بوسہ لینا اور دینا انتہائی مضر چیز ہے۔ شاید اس کی وجہ سے ہی فرانس میں شرح اموات بہت زیادہ ہے۔

اس بیان میں صداقت ہو یا نہ ہو مبالغہ آمیزی کو چھوڑ کر بھی دیکھا جائے تو یہ باور کرنا پڑے گا کہ بوسہ لینے سے ہم جراثیم دوسرے میں ضرور منتقل کرتے ہیں۔

کورنیس گلیس اور ٹیطالس ہیٹ ری عس نامی دو رومیوں کے بارہ میں ایک قصہ مشہور ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ہاتھ چومتے ہوئے دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے، مگر تاریخ سے یہ بات نہیں معلوم ہوتی کہ یہ عورتیں آخر کس وضع و قماش کی تھیں۔

جواہر پارے

(۱)

کامیابی کی زندگی کی عمارت بنانے کے لئے مفلسی اعلیٰ درجہ کی بنیاد ہے۔

(۲)

اپنی طاقت کو منتشر نہ کرو۔ صرف ایک ہی قسم کا کاروبار کرو۔ اور جب تک اس میں کامیابی حاصل نہ ہو لگے رہو۔

(۳)

کام کرنیوالا محنتی کبھی پست حالت میں نہیں رہ سکتا ترقی خود بخود اس کو آگے کی طرف لیجاتی ہے اور وہ بہت جلد اپنے برابر والوں سے بازی لے جاتا ہے۔

(۴)

وقت کو اپنی جائداد سمجھو۔ اور اس کے ضائع ہونے کا اتنا ہی رنج کرو جتنا دولت کے برباد ہونیکا کرتے ہو۔

(۵)

دولت کی ضرورت ہے تو آرام سے محبت نہ کرو دولت محنت سے ملتی ہے۔

(۶)

محنت اور مشقت ہی انسان کو ایک دم پستی سے بلندی پر پہنچا دیتی ہے۔ کاہلی اور کم ہمتی بلندی سے پستی میں [illegible] گرا دیتی ہے۔

(۷)

ناکامیابی کی حالت میں نہ گھبرانا۔ مشکلات جو راہ میں پیش آئیں ان میں ثابت قدم رہنا چاہیئے۔

(۸)

روپیہ بیکار [illegible] اس کو ایسے کام میں لگا دو جس سے وہ بڑھتا رہے۔ روپیہ کو اپنا غلام بنالو۔ تاکہ جب تم سوتے رہو۔ تو وہ تمہارے لئے روپیہ کماتا رہے۔

(۹)

اگر امیر بننا ہو۔ اور دولت کمانی ہو۔ تو آمدنی کو دنوں اور گھنٹوں میں پھیلاؤ۔ اور اخراجات کو گھٹاؤ۔ اور ہر وقت آمدنی کو پیش نظر رکھو۔

(۱۰)

کاہلی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ اس کو ہرگز پاس نہ آنے دو۔ ہر وقت محنت سے کام میں لگے رہو

(۱۱)

ہزاروں آدمی صرف ۵ منٹ کی دیر کی وجہ سے [illegible] میں تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ اس لئے پابندی وقت ہر کام میں ضروری ہے۔ کبھی بیکار نہ بیٹھو [illegible] صبح ہو یا شام۔ دن ہو یا رات۔

(۱۲)

جس کام کو خود کر سکتے ہو۔ اسکو ملازم کے سپرد نہ کرو۔

لطیفے

ایک ڈاڑھی والے صاحب سائیکل سوار جا رہے تھے کہ ایک بڑھیا سے ٹکر ہو گئی۔ مضروب بڑھیا حادثہ سے گھبرائی ہوئی جو اٹھی اور بائیسکل والے کو سامنے پاکر کوسنے لگی۔ اتنی لمبی ڈاڑھی ہے شرم نہیں آتی ہوئے کو بائیسکل روکنا بھی نہیں آتا۔ اس ڈاڑھی والے نے ڈاڑھی پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ کہ مائی یہ ڈاڑھی ہے کوئی بریک تو نہیں کہ استعمال نہ کر سکا۔

مجسٹریٹ :۔ (ملزم سے) تم نے گورنمنٹ ٹکٹ کہاں پر دیکھو

ملزم :۔ کہیں حضور کمپنی کے ٹکٹ پہ

مجسٹریٹ :۔ کمیٹی تمہارے گھر کی ہے،

ملزم :۔ گھر کی تو نہیں البتہ شہر کی ضرور ہے۔

استاد :۔ زمین گول ہونیکے ثبوت بتاؤ۔

پہلا لڑکا :۔ اگر زمین گول نہ ہوتی تو لائیں صاحب لائبریری کا گول نقشہ کیسے بناتے،

دوسرا :۔ اگر زمین پہیے کی مانند گول نہ ہوتی تو وہ اپنے محور کے گرد ہرگز نہ گھوم سکتی۔

تیسرا لڑکا :۔ اگر زمین گول نہ ہوتی تو میں سکول سے گھر جاکر کبھی واپس سکول نہ آسکتا۔

مسافر (قلی سے) یہ گاڑی کہاں جائے گی۔

قلی :۔ ملتان۔

مسافر :۔ جانا تو مجھے لاہور تھا۔ پر قسمت ملتان جانے پر مجبور کر رہی ہے،

دو مسافر ایک کشتی میں جاکر بیٹھے۔ کشتی جب منجدھار میں جاکر ہچکولے لینے لگی۔ تو ایک نے دوسرے سے کہا۔ کہ کشتی ہچکولے کھا رہی [illegible] جائے، تو اس نے جواب [illegible] نہیں کیا۔ [illegible]

ملٹن شاعر سے کسی [illegible] کتنی زبانیں سکھاؤ گے [illegible] ہی زبان سے مرد عاجز [illegible]

لمبے قد کا آدمی (میوہ فروش سے) یہ انار کس بھاؤ لگاؤ گے

میوہ فروش :۔ "دو آنے فی انار"

لمبا آدمی :۔ "مگر یہ تو بہت چھوٹے ہیں"

میوہ فروش :۔ حضور بیٹھ کر دیکھیں۔ اتنے فاصلے سے تو چھوٹے ہی نظر آئیں گے،"



موت اور حیات پر سائنس کا قابو

راکفیلر انسٹی ٹیوٹ کے ڈاکٹر الیگزس کیریل نے نیویارک کے طبی دبستان (اکیڈمی) میں ایک تقریر کی ہے جس میں آپ نے پیشین ... اگرچہ وہ مستقبل ابھی بعید ہے پیک ... کی کچھ عرصے کے لئے اپنے ... جس طرح مشین کو پھر چلایا جا سکتا ... دیا جائے۔ اور اس طرح انسان کو ... کیا جائے،



... دو قسمیں بتائیں، ایک قابل رجعت اور دوسری ناقابل رجعت" اول الذکر قسم کی موت سے آپ نے ترقی صحت اور درازیٔ عمر کی تمام توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔ آپ نے کہا کہ سائنس حیات بعد الموت یعنی مرنے کے بعد پھر زندہ ہونے کے متعلق نہ تو یہ ثابت کر سکی ہے۔ کہ وہ ناممکن ہے اور نہ اس کا ثبوت بہم پہونچا سکی ہے۔ کہ وہ ممکن ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کا ذاتی خیال یہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کر لینا کہ مرنے کے بعد انسانی شخصیت کا کوئی جزو زندہ رہتا ہے، خلاف عقل نہیں ہے

ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگر سائنس کو اسی طرح آٹھ دس صدیوں تک کام کرنیکا موقع ملتا رہا، تو ممکن ہے کہ بیماریوں پر انسان پورے طور پر غالب آ جائے، لیکن اسکی کوئی امید نہیں ہے کہ وہ انسان کی طبعی فرسودگی یعنی بڑھاپے اور اس کی موت پر قابو پا سکے،

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے "قابل رجعت اور ناقابل رجعت موتوں کی تشریح کی۔ قابل رجعت موت کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے دل میں چھری بھونک دی جائے، اور وہ مر جائے تو قلب کی حرکت اور سانس بند ہو جائیں گی اصطلاحاً یا قانوناً اب یہ شخص مردہ ہے۔ لیکن اگر مناسب تدابیر عمل میں لائی جا سکیں تو یہ آدمی پھر زندہ ہو سکتا ہے۔ اس کے جسم کے تمام اعضا اور اس کا دماغ ابھی زندہ ہے۔ اب اس کے بعد چند منٹ اور گذر جائیں، تو پھر وہ موت طاری ہو جائیگی، جو ناقابل رجعت ہے، اور جس کے بعد پھر زندہ ہونا محال ہے کیونکہ اس عرصہ میں وہ عصبی مرکز بیکار ہو جائیں گے۔ جو دماغ اور نظام مغز میں ہیں لیکن ناقابل رجعت موت کے بعد بھی انسان کا بدن قریب قریب زندہ رہتا ہے۔ مختلف اعضا اور بدن کی مختلف بافتیں آہستہ آہستہ اپنی اپنی باری سے مرا کرتے ہیں

روح کی بقا کے متعلق بھی ڈاکٹر صاحب نے یہ کہا کہ ان واقعات کی اہمیت کو کہ جن پر اسی قسم کے دعوؤں کی بنیاد ہے حصنڈا یا نہیں جا سکتا۔ لیکن ان لوگوں نے جو نتیجے نکالے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں بقا روح کے معتقد لوگ اس بات پر نظر نہیں کرتے کہ روشن ضمیری بھی ایک چیز ہوتی ہے ہم یقین کیساتھ جانتے ہیں کہ روشن ضمیر لوگ گذشتہ اور آئندہ میں آنیوالے واقعات کو دیکھ سکتے ہیں ایسی صورت میں ان غیر معمولی باتوں کے متعلق جو ظہور میں آتی ہیں یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہے کہ وہ روح کی کارگذاریاں ہیں یا روشن ضمیر کے کشف و کرامات، دراصل یعنی روح کی موت کا ہمارے پاس کوئی علمی ثبوت موجود نہیں ہے، اس لئے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ یہ کہدے کہ روح کی بقا ناممکن ہے، یہ اعتقاد کہ شخصیت کا کوئی نہ کوئی جزو موت سے محفوظ رہتا ہے (گویا بالفاظ دیگر روح کو موت نہیں آتی) معقولیت سے ہرگز دور نہیں ہے

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ یہ ممکن ہے کہ کسی دن ہم حیات ہر متنفس بڑھاپے کی وجہ سے مر جائے، اور پھر سوال کیا کہ کیا ہم اس سے آگے ترقی کر سکتے ہیں؟ اس کے جواب میں انھوں نے خود ہی کہا کہ شائد ایسا ہو سکے، اگر ہمیں اپنی زندگی کے اس نظام سے مزید واقفیت ہو جائے تو ہم پر موت طاری کیا کرتا ہے، اس مسئلہ پر مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے غور کیا جا سکتا ہے،

پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم ان تمام حالات کا پورے طور پر تجربہ کریں جو بڑھاپے کی آمد کا باعث ہوتے ہیں موت کا مقابلہ کرنیکا دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم بدن کے اندران اجزا کی جستجو کریں جو زندگی اور عمر کو بڑھاتے ہیں، ان اجزا میں نسل، خوراک اور زندگی بسر کرنیکے طریقے داخل ہیں ان میں سے آخری چیزوں پر غور کیا جا رہا ہے اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ "اعادۂ شباب" (یعنی بڈھے کو پھر سے جوان بنانا) کے آپریشن کے ذریعہ بھی موت کو ٹالا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ڈاکٹر اسٹائناخ کے آپریشن کا ذکر کیا۔ جو ایک مخصوص نالی کو بند کر دیتے ہیں اور ڈاکٹر ووروناف کے طریق عمل کا بھی جو بن مانس کے غدود انسان کے قلم لگاتے ہیں،

لیکن انھوں نے کہا کہ اعادۂ شباب کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہے ایسی آسانی سے اس کا تصفیہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بڑھاپا کسی ایک غدود کی کمی کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ تمام جسم کی تمام بافتوں کے اندر بیک وقت تبدیلیاں پیدا ہونیکا نام ہے،

متذکرہ بالا تینوں طریقوں کے علاوہ ایک چوتھا طریقہ موت کو ٹالتے رہنے کا اور بھی ہے۔ اگرچہ وہ ذرا دور کا طریقہ ہے پھر بھی تھوڑے سے افراد کچھ عرصہ کے لئے اس سے نفع اٹھا سکتے ہیں یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ بعض ادنیٰ درجہ کے حیوانات (کیڑے مکوڑے) میں یہ قدرت ہے، کہ وہ عارضی طور پر کچھ دنوں کے لئے اپنے جسم کے تمام نظام کو کام کرنے سے بالکل روک دیتے ہیں اس طرح ان کے اندر زندگی کی ایک پوشیدہ لہر قائم رہتی ہے۔ اب اگر چند ہفتہ گذرنے کے بعد ان بظاہر سوئے ہوئے کیڑوں پر ذرا سا پانی چھڑک دیا جائے۔ تو وہ پھر زندہ ہو جاتے ہیں، اور ان کے جسم کا تمام نظام اپنا کام صحیح طریق پر انجام دینے لگتا ہے۔ یہ خیال بھی صحیح نہیں ہو سکتا کہ یہ کیڑے سب سے ادنیٰ قسم کے جاندار ہیں اور ان کے جسم کی بناوٹ میں بالکل سادہ قسم کے حصے داخل ہیں جن میں پھر پیدا ہو جانے کی خاصیت ہوتی ہے، کیونکہ ان کیڑوں کے بافتی خلیے اچھے خاصے پیچیدہ قسم کے اور مختلف الانواع ہوتے ہیں، حتیٰ کہ ان میں عصبی خلیے تک پائے جاتے ہیں پھر بھی یہ بالکل خشک ہو جانے کے بعد پھر جی اٹھتے ہیں، حال ہی میں ڈاکٹر الیگزنڈر لپ شوٹز نے ایک سور کے جسم میں ایک ایسے خصیۃ الرحم کا قلم لگایا۔ جسے پہلے کسی قدر خشک کر لیا گیا

(باقی صفحہ ۳۴ پر)

احسان کا بدلہ

صفحہ ۱۴ سے آگے

ہوتگا۔ عزت اور آبرو کا معاملہ ہے تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس گھر میں کوئی مرد نہیں ہے صرف عورتیں ہی عورتیں ہیں۔

اکثر آدمی پنڈت جی کے منہ سے یہ الفاظ سُن کر نرم ہوگئے اور انھوں نے اپنا رُخ پھیر دیا۔ اب تک ہجوم کو یقین تھا کہ اس گھر میں مفسدوں کا مجمع ہے مگر پنڈت جی نے اس کے خلاف باور کرا دیا تو انھوں نے محض عورتوں پر حملہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مگر اس نوجوان کو پنڈت جی سے کچھ بیر ہو گیا تھا وہ ان کی اس ہمدردی کو ان کی لا مذہبی پر محمول کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے بڑھ کر لاٹھی کی نوک سے پنڈت جی کے سینہ کو ٹھونک کر کہا پہلے تجھے ہی ماروں گا! پنڈت جی پھرتی سے اپنی جگہ سے ہٹے۔ اور اس کے لمحہ پر اتنے زور سے لاٹھی ماری کہ نوجوان کا ہاتھ جھنجھنا گیا۔

یہ منظر ایسا نہ تھا کہ ہجوم اس سے متاثر نہ ہوتا، مارو، مارو کی متعدد آوازیں آئیں، ایک وقت چند لاٹھیاں اُٹھیں مگر پنڈت جی بال بال بچ گئے، خوش قسمتی سے اسی وقت پولیس کا ایک دستہ پہونچ گیا۔ اور ہجوم نہایت بے ترتیبی کے ساتھ منتشر ہو گیا۔ لیکن پنڈت جی گرفتار ہو گئے، وہ میدان سے لاٹھی لئے گھر رہے تھے، کہ سپاہیوں نے بغیر پوچھے انھیں باندھ لیا۔ وہ چیختے ہی رہے کہ میرا کوئی قصور نہیں، میں فساد میں شریک نہ تھا۔ اس گھر کو بچانے آیا تھا مگر کسی نے ان کی نہ سُنی، اور محض اس خیال سے کہ وہ ہندو دھرم کے ایک گروہ کی ہمدردی میں خاں صاحب کے گھر کے پاس گھومتے ہوئے تھے انھیں پابند سلاسل کر لیا گیا۔ پنڈت جی بہت بہت پچھتائے کہ دوستی بھی گئی اور عزت بھی، ہماری ہمدردی کی تو کسی نے قدر نہ کی اُلٹا مجرم بنا دیا۔

(۴)

خاں صاحب کو دلی پہونچکر معلوم ہوا کہ اُن کے وطن میں فساد ہو گیا ہے۔

جس مقام کو چند روز پہلے وہ امن و سلامتی کا گہوارہ چھوڑ کر گئے تھے آج قتل و غارتگری کا مرکز بنا ہوا تھا۔

راستہ میں طرح طرح کی خبریں سُننے میں آئیں کوئی کہتا تھا، پانی پت کے سارے ہندو، مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے، کوئی کہتا تھا وہاں ایک مسلمان زندہ نہ بچا، سب کو ہندوؤں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

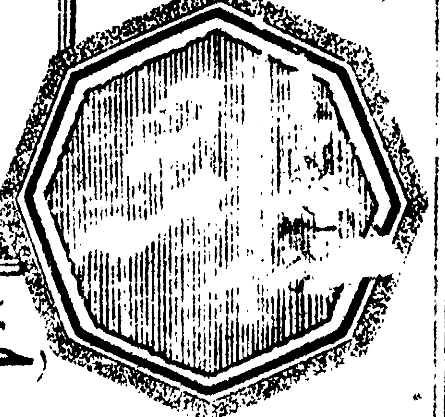
غرض دلی سے پانی پت تک کے مختصر سفر میں انھوں نے ایسی ایسی باتیں سُنیں کہ اور کوئی ہوتا جس نے قتل و خون کے مناظر دیکھے ہوتے تو یقیناً چیخیں مار کر رونے لگتا، اور یقین کر لیتا کہ گھر کے سارے آدمی مارے گئے مگر خاں صاحب بڑے دل گردے کے آدمی تھے، انھوں نے متعدد لڑائیوں میں شرکت کی تھی اس لئے ان کا دل سخت ہو گیا تھا وہ بڑے اطمینان سے پانی پت کے اسٹیشن پر اُترے، اور اسٹیشن سے گھر تک جانے میں بھی انھیں کوئی تشویش نہ ہوئی، البتہ جب وہ گھر کے سامنے پہونچے تو امید و بیم و خوف و ہراس نے انھیں کافی بدحواس کر دیا۔ طرح طرح کے شبہات دل میں آنے لگے، کبھی سوچتے تھے گھر کے سارے آدمی مرے ہوئے پڑے ہوں گے اور ان کی نعشیں سڑ رہی ہوں گی، کبھی خیال کرتے تھے گھر کا تمام سامان لُٹ گیا ہوگا۔ اور عورتوں کی بڑی بے آبروئی ہوئی ہوگی، وہ اسی اُدھیڑ بن میں تھے کہ ایک شخص نے چلتے چلتے فساد کے کچھ واقعات بیان کئے جس سے خاں صاحب کو کوئی دلچسپی نہ ہوئی البتہ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ پنڈت جی اُن کا گھر لوٹنے گئے تھے اور اس کوشش کے دوران میں پولیس نے انھیں گرفتار کر لیا تو ان کی آنکھوں کے سامنے تاریکی آگئی، اور اس اطلاع کے باور کرنے پر ان کا دل کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔

دروازے کے قریب پہونچ کر انھوں نے کواڑ دستک دی، امکان تھا کہ شاید اندر سے کوئی آواز آتی ہے یا نہیں؟ دروازے پر ان کا ہاتھ پڑتے ہی اندر سے ان کی سب لڑکیوں نے مل کر کہا۔ آبا آگئے! اور دوڑ کر کواڑ کھولنے کا ارادہ کیا۔ مگر خاں صاحب کی بیوی نے چیخ کر کہا ابھی مت کھولنا کواڑ! پہلے بات کر لو اور اچھی طرح پہچان لو!

خاں صاحب نے یہ سب کچھ سُنا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ سب زندہ ہیں کوئی مرا نہیں سرسری اطلاعات سے انھیں معلوم ہوا تھا کہ گھر کے سب آدمی بخیریت ہیں، مگر انھیں اس پر شبہ تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہندوستانی رسم کے مطابق خطرات سے ایسے موقعوں پر آگاہ نہیں کیا جاتا، اور اس کو بُرا سمجھا جاتا ہے کہ پہلے وہ بات بتا دی جائے جو بہر حال کچھ دیر بعد معلوم ہو کر رہے گی بیوی اور لڑکیوں کی باتیں انھوں نے سُنیں جب ذرا جان میں جان آئی، اندر قدم رکھتے ہی لڑکیاں چیخیں مار کر اُن سے لپٹ گئیں، پھر سنبھل کر سب نے کہا پنڈت جی کو چھڑا لاؤ، ان پر جھوٹا الزام لگایا گیا ہے وہ ہمیں بچانے آئے تھے مگر گرفتار ہو گئے، خاں صاحب نے منہ ہاتھ دھونے سے پہلے پنڈت جی کی رہائی کے متعلق وکیلوں سے مشورہ کیا اور دو تین دن کے اندر ہی پنڈت جی کو ایک مختصر جلوس کے ساتھ تانگہ میں بٹھا کر گھر لے آئے۔

(نوٹ) اس افسانہ میں تمام کرداروں کے نام فرضی ہیں۔

جے بھارت کی دُنیا



ازجناب لالہ انوپ چند آفتاب رئیس پانی پتی

ایک ڈراما جو نہایت وَلولہ انگیز اور شاندار راجپوتی کارناموں کی مُنہ بولتی تصویر ہے!

منگلا چرن

گانا

تمہارا نام جپے سنسار
بیچ بھنور میں ہیں جیون
نیا آج ہو کیوں ہار
لگا دو بھو ساگر سے پار
تمہارا ......
سارے جہاں میں شور مچا ہے ہو تا ہے ہا ہا کار
بیاکل سارے ہیں نرنار
تمہارا ......

تلسی آس نہ چھوڑیو جب لگ گھٹ میں پران
نہ جانے کس کال میں درشن دیں بھگوان

سوتردھار:۔ جس بھارت میں بھیشم پتامہ سے سداچاری تھے، جس بھارت میں لب دیو اور دیوکی سے نرناری تھی جس بھارت میں ارجن اور رام سے تیرانداز تھے، جس بھارت میں بھیشم پتامہ اور کرن سے راست باز تھے، آج اسی بھارت میں ہر آنکھ اشکبار ہے اتنا ہی نہیں بلکہ ؎

ہزاروں ہند کے لخت جگر قلاش بیٹھے ہیں
ہزاروں بے خبر ہیں ننگے جو عیاش بیٹھے ہیں

دیوی۔ ہزاروں روز و شب چوسر، ڈاؤ اور تاش بیٹھے ہیں
ہزاروں پاس رکھے حسرتوں کی لاش بیٹھے ہیں

سوتردھار۔ سراسر غیر حالت ہو چکی ہے ہند والوں کی
ملی ہے آرزو میں خاک میں ہم خستہ حالوں کی

اے رفتار زمانہ تیری نیرنگیوں کا کیا ٹھکانا کل جن کے بازوؤں میں ہاتھیوں کا بل ہو، آج ان کی اولاد اتنی کمزور اور بزدل ہو کہ ذرا سی بات سے گھبرا جائے، بھیڑ اور بکریوں سے خوف کھائے ؎

کبھی ہندوستاں کے نوجواں وہ بیر ہوتے تھے
کہ بستر جن کے خنجر اور بچھونے تیر ہوتے تھے
ہزاروں بھیم و بھیشم سینکڑوں رگھبیر ہوتے تھے
بڑے بلوان ہوتے تھے بڑے بلدھیر ہوتے تھے

دیوی:۔ سوامی اُس وقت کا تو ذکر ہی کیا، کل کی بات ہے کہ باپا راول، رانا سانگا، ہمیر، چوہان اور مہارانا پرتاپ سنگھ وغیرہ نے وہ کام کیا تھا کہ جس کا سکہ دنیا کو ماننا پڑا تھا۔

سوتردھار:۔ اگر ان کے کارناموں پر غور کیا جائے

(خاص تب بجے وکلی کیلئے)

نو مرُدہ جاتی میں جان پڑ جائے
رگوں میں دوڑنے لگے خون ویروں کے نشانوں سے
بدل جائیگی قسمت ملک کی قومی ترانوں سے

دیوی:۔ آج زندہ دل پبلک نے یہاں آکر اپنے قومی جوش کا ثبوت دیا ہے، اس پریم منڈپ کی رونق کو دوبالا کیا ہے اس لئے آج آفتاب پانی پتی کے قلم سے نکلا ہوا کوئی ڈراما دکھائیں جس سے بھارت ویروں کی یاد تازہ کرائیں۔

سوتردھار:۔ کون سے سورما کا ڈراما دکھایا جائے۔

دیوی:۔ دلاور کرم بیر سنگھ، جس کے کارنامے کمزوروں کو مضبوط بناتے ہیں، جس کے نام سے دشمن خوف کھاتے ہیں ؎

ابھی تک نام پر جس کے ہزاروں سر کٹاتے ہیں
ابھی تک جس کی عظمت کے بہادر گیت گاتے ہیں

(سوچکر) لیکن خیال رہے ڈراما بہت نفیس ہو زبان عام فہم اور سلیس ہو۔

سوتردھار:۔ اس کا مطلب؟

دیوی:۔ چونکہ دیکھنے والے ہندو اور مسلمان دونوں ہیں اس لئے ایسی زبان استعمال کی جائے کہ سب کی سمجھ میں آئے یعنی ؎

سلیس اُردو نفیس ہندی ملاؤ باہم کہ لطف آئے
دلوں میں اُلفت کی لہر اک تمام منڈپ کے دوڑ جائے

(سوتردھار جانا چاہتا ہے، دیوی روکتی ہے)

دیوی:۔ زبان کے علاوہ سین سینریز کریکٹر اور ایکٹنگ وغیرہ سب اچھے ہوں۔

سوتردھار:۔ فکر نہ کرو پرماتما مالک ہے۔

(گانا کورس) (گانا نمبر ۲)

بھارت کا سکہ ہر دل پہ بٹھلا دیا بھارت ویروں نے
رشیوں کی آن پر مر مٹ کر دکھلا دیا بھارت ویروں نے
نہ رام کو تاج کی حسرت تھی نہ بھرت نے راج کی خواہش کی
ٹھوکر سے تخت اجودھیا کا ٹھکرا دیا بھارت ویروں نے
اک بات پہ تھے قربان ہوئے وکھ درد زمانے بھر کے سہے
بازار میں بیوی بچوں کو بکوا دیا بھارت ویروں نے
دنیا کے چپے چپے پر اک شور لگا ہونے برپا

جب تیغ و تبر کو میداں میں چمکا دیا بھارت ویروں نے

سین اوّل　پہلا

{ ایک پہاڑ کا عجیب وغریب نظارہ۔ سپہ سالار اور پریم سندری کے ہمراہ ظالم سنگھ کا ہرن کا شکار کھیلتے ہوئے نظر آنا۔ }

ظالم سنگھ:۔ وار خالی جا نہیں سکتا ہمارے بان کا

مہاتما:۔ خون کیوں کرتا ہے تو اک بے زباں حیوان کا

پریم سندری:۔ وہ بے زبان سادھو تو کیا کہتا ہے؟

ظالم سنگھ:۔ دستگر خوف کیوں کرتا نہیں
کیا مری طاقت سے تو ڈرتا نہیں

مہاتما:۔ تو رحم ہو کر بے زبان پر تیر کا وار کرتا ہے

ظالم سنگھ:۔ یہ راجاؤں کا دھرم ہے خود رام نے شکار کھیلا ہے۔

مہاتما:۔ نہیں بچہ! رام نے کبھی بے زبان پر تیر نہیں چلایا۔ بلکہ آدم کے بھائی ماریچ کو ہرن کے روپ میں مارا تھا۔

ظالم سنگھ (تلوار نکالکر) بس چپ بدزبان

مہاتما:۔ رام رام سادھو مہان۔

[مہاتما کا غائب ہونا۔ پہاڑ میں آگ لگنا اور سمراٹ ظالم سنگھ وغیرہ کا گھبرا کر بھاگنا۔ نیز پریم سندری کا سمراٹ سے جدا ہو جانا۔]

سین دُوسرا
ہولناک جنگل

پریم سندری:۔ آؤ آؤ جلد آؤ، مجھ مصیبت زدہ کے حال پر غم کے آنسو بہاؤ۔ آہ! ایک چکرورتی راجہ کے گلے کی پریم مالا ان خوفناک جنگلوں میں سر پیٹ پیٹ کر چلائے اور کوئی رحمدل انسان نظر نہ آئے، اے ہولناک جنگل کے پرندو! تمہیں جاؤ، میرا پیغام پران پیارے تک پہنچاؤ، کہ جب سے آپ کا ساتھ چھوٹا ہے پریم سندری کو جنگلوں میں سر دھننا پڑا ہے۔

(تیج سنگھ کا آنا)

تیج سنگھ:۔ (چونک کر) ہیں! درد بھری آواز!
اے رام اور کرشن کے نام لیوا راجپوت ایک ابلا کی دکھ بھری آواز تیرے کان تک پہنچے، اور تیرا سخت دل نہ پسیجے۔
(آگے بڑھ کر) ماتا تم کون ہو؟ اور یہاں کیسے آنا ہوا؟

پریم سندری:۔ (خودبخود) یہ انسان کتنا خوبصورت ہے، آنکھیں اس کی ہرن، پر راجپوتی شان نچھاور ہے پیشانی پر تیج برستا ہے۔ بھوؤں سے بل ٹپکتا ہے اگر یہ میرے بس میں آجائے تو زندگی سپھل ہو جائے۔
(تیج سنگھ سے، شرماکر) پران پیارے!

تیج سنگھ:۔ دیوی ایسا نہ کہو (خودبخود) ہیں! میں کیا سُن رہا ہوں؟

مرینگے سورما بھارت میں قومی آن پر!
داغ لگ سکتا نہیں پر راجپوتی شان پر!

پریم سندری:۔ (شرماکر) ایک پریم مالا کا اس طرح ترسکار نہ کرو، آؤ آؤ میرے سچے پریم میں لے ہو جاؤ

تیج سنگھ:۔ کیا بتیے پریم میں؟ دیوی تیرے پریم کے لئے تو ایک چکرورتی بھوپال ہے۔

پریم سندری:۔ (شرماکر) نہیں نہیں، میرا پریم آپ کے گلے کی جے مال ہے ؎

پریم کی منزل میں جس کا قافلہ ہو لُٹ گیا
اُس کے حال زار پر اے سنگدل آنسو بہا

تیج سنگھ ؎ آدمی کو چاہیئے جھوٹی محبت چھوڑ دے
بند معصوں کو پاپ کی طاقت سے ڈھیلی توڑ دے

پریم سندری:۔ (شرماکر) بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک پریم مالا تمہارے گلے کا ہار ہونا چاہیئے اور تم اس طرح انکار کرو۔

تیج سنگھ:۔ میں!

پریم سندری۔ (خودبخود) اندھے کے آگے رونا اپنے نین کھونا ہے۔
(شرماکر) گلے میں ڈال کر باہیں چلا آ پریم مندر میں
کہ سچے پریم کا سودا بھرا ہے آج کل سر میں

تیج سنگھ:۔ نگاہیں دھیان جن کا سرب شکتی مان ایشور سے لرز جاتا ہے اُن کا آتما اس پاپ کے ڈر سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

پریم سندری۔ پھر کٹے پر نمک لگاتے ہو
بے بس اور لگاتے ہو۔

تیج سنگھ:۔ پرماتما سے ڈر!

پریم سندری:۔ پروا نہ کر، انسان اس
لئے بنا ہے کہ وہ پریم میں ڈوب جائے، اور دنیا میں
مزے اڑائے،

تیج سنگھ، نہیں انسان کی زندگی کا مقصد
وشے بھوگ نہیں، بلکہ کرم بندھن سے آزاد ہونا ہے،

پریم سندری:۔ بس دل نہ دکھاؤ
آؤ میرے کلیجے سے لگ جاؤ،

تیج سنگھ: یہ تو ہو سکتا ہے سر پتھر سے ٹکرا کر مریں
غیر ممکن ہے بہادر ستیا کا خون کریں

پریم سندری:۔ (خود بخود) یہ گھی سیدھی
انگلیوں نکلنے والا نہیں، اب ذرا ڈانٹ سے کام لینا
چاہیئے، (تیج سنگھ سے) او بے وقوف! اگر تو ہٹ سے
باز نہ آیا تو تجھے قتل کیا جائے گا!

تیج سنگھ:۔ (غضبناک ہو کر) کیا قتل؟
آن پر مرنے سے رشیوں کی کسے انکار ہے
سر کٹانے کو ہمیشہ سورما تیار ہے

پریم سندری (خود بخود) افسوس،
صد افسوس، یہ دھمکی سے گھبراتا ہے اور نہ پریم کے رنگ
میں رنگا جاتا ہے۔ (تیج سنگھ سے) میں منظور سمجھوں گی
کہ یہ پاپی میرا شیل بھنگ کرنا چاہتا ہے۔

تیج سنگھ۔ ہیں!

پریم سندری:۔ مہندو پت بیر راجپوت
میں تیری بہادری اور روپ کی کتھا سن کر اپنے من
کو تیرے چرنوں میں بھینٹ کر چکی ہوں۔ اے منموہن پیارے
ترس کھاؤ، میری کامناؤں کو اس طرح نہ ٹھکراؤ
کیا میری عرض کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

تیج سنگھ۔ نہیں ہو سکتا! نہیں ہو سکتا!
ظلم کی تلوار گردن پر اگر چل جائے بھی
ساری دنیا کی مصیبت میرے سر پر آئے بھی
غیر ممکن ہے کہ چھوڑوں راجپوتی آن کو
کیا سمجھ رکھا ہے تم نے رام کی سنتان کو

(شیر دھاڑنے کی آواز آنا۔ اور پریم سندری
کا گھبرانا)

پریم سندری:۔ (گھبرا کر) او پرماتما!
(شیر کا آنا۔ تیج سنگھ کا تیر مارنا۔ شیر کا
سندری پر حملہ کرنا۔ اور تیج سنگھ کا
شیر کو تلوار سے قتل کر دینا)

پریم سندری (ہاتھ جوڑ کر) مجھے معاف کریں
(تیج سنگھ کے پاؤں میں پریم سندری کا گرنا)

تیج سنگھ:۔ دیوی کیا کرتی ہو؟

سین تیسرا
محل

ظالم سنگھ جس وقت مجھے غصہ آتا ہے بڑے
بڑے راجاؤں کا دل دہل جاتا ہے۔ تمام دنیا پر راج کرنا
کوئی معمولی بات نہیں لیکن مجھ کو اِن بازوؤں
میں زور اور ہاتھوں میں خنجر ہے میرے سامنے سارا عالم
پتھر اور سپوؤں کے برابر ہے ۔

خوف کھاتا ہے بجھاؤں سے مری سارا جہاں
نام سے میرے لرزتے ہیں زمین و آسمان
میں اگر چاہوں ابھی ہستی مٹا دوں سنسار کی
میں اگر چاہوں جلا کر خاک کر دوں پرتھوی

(پریم سندری کا آنا)

پریم سندری، واہ کیا بہادری ہے،
(زور سے ہنسنا)

ظالم سنگھ:۔ پیاری پریم سندری تجھے
ہنسی کیوں آئی، کیا میرے نام کا ڈنکا مغرب سے مشرق
تک نہیں بجتا۔ کیا میرے زور بازو کا لوہا ایک عالم
نہیں مانتا۔

پریم سندری:۔ مانتا ہے، لیکن!

ظالم سنگھ۔ (خود بخود) او میرا اپمان
کرنے والی سندری! کیا تجھے خبر نہیں کہ میری تلوار کا
لوہا بڑے بڑے راجپوت مانتے ہیں، مجھے اپنی موت
کے لئے یم کا دوت جانتے ہیں۔

ہزاروں ویر میرے سامنے گردن جھکاتے ہیں
ہزاروں ویر میرا نام سن کر کانپ جاتے ہیں

(سندری سے) سندری! تو بات کیوں ٹالتی ہے؟
سچ بتا اس نے کونسی ماتا کے پیٹ میں جنم لیا ہے جو مجھ
سے زیادہ سورما ہے میں ابھی اس مغرور کے بازوؤں کا
بل (تلوار نکال کر) اس تلوار سے نکال دیتا ہوں،

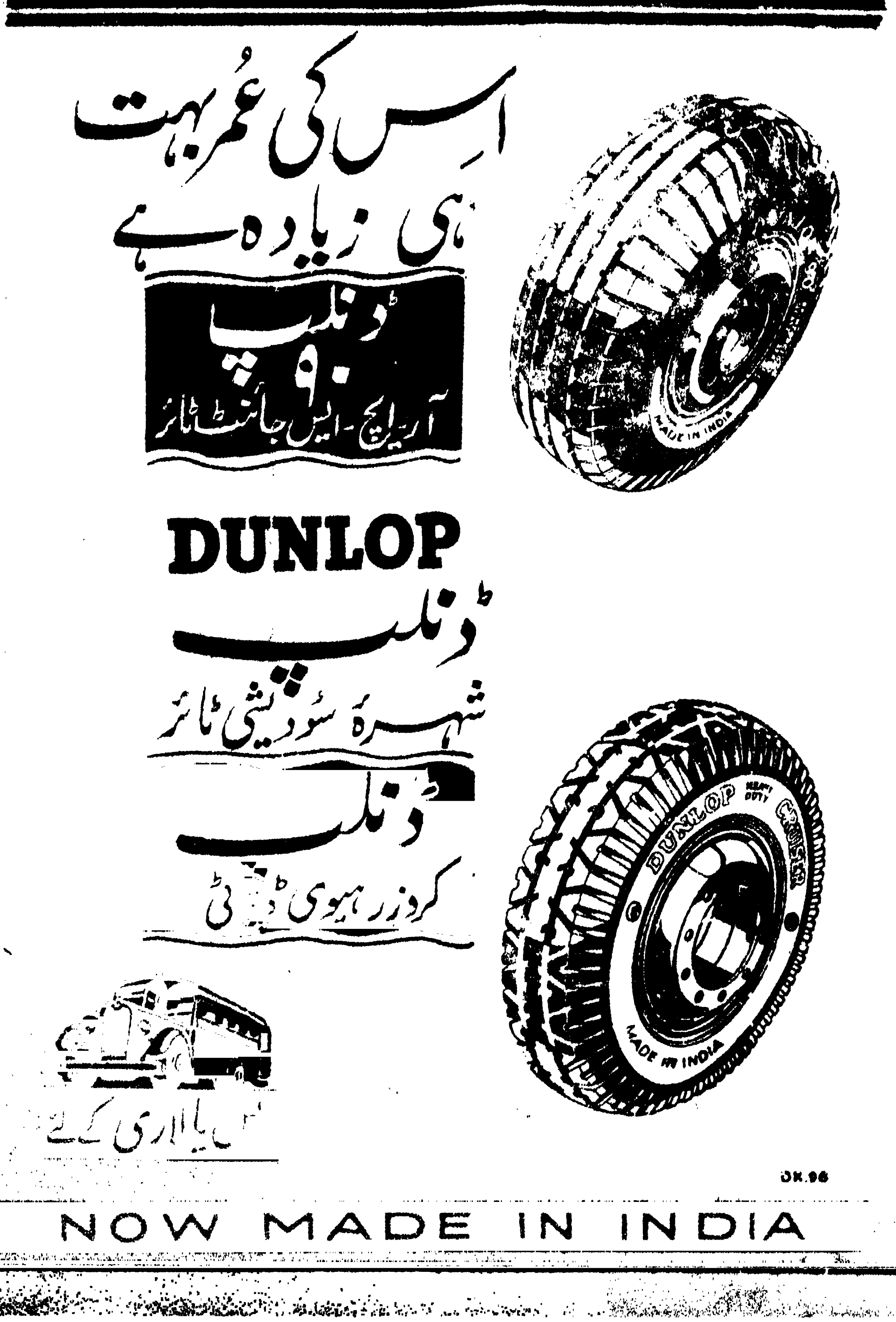
پریم سندری۔ خبر یہاں ملتا فرمائیں (خود بخود)
اسے معلوم ہو کس بیقراری میں یہ جاں میری
مری آنکھوں سے دیکھو گر کوئی بیتا بیاں میری
ستم اشک حسرت مجھ پر ڈھاتے ہیں آنکھوں سے
چلی جاتی ہے سوز آہ سے بھی زباں میری

ظالم سنگھ۔ اف میرے دل پر خنجر ستم چلایا
جائے، ایک سراٹ پر غم کا پہاڑ گرایا جائے،
اے کالو! تم کیا سمجھ رہے ہو؟ اے پریم سندری
سچ بتا ورنہ یاد رکھ ظلم کا انجام دکھا دوں گا۔ تیرا لہو
میں تلوار کی دھار سے بہا دوں گا۔

پریم سندری:۔ (خود بخود) جس تیج سنگھ نے
میرے خیالات کی رو کو ایک دم بدل دیا جس بانکے سورما نے
مجھے شیر سے بچانے کا اپکار کیا۔ آہ! آج اسی بہادر سورما
کا نام بتانا پڑے گا!

ظالم سنگھ:۔ جلد بتا۔ اس ظالم بدکار کا نام جلد بتا!

(باقی آئندہ)



اولمپک کھیلوں کا حال

دنیا میں کھیل اور جسمانی ورزش کی سب سے قدیم رسم

(ایک نامہ نگار کے قلم سے)

شہر اولمپیا جس کے نام پر بین الاقوامی اولمپک کھیلوں کے مقابلہ کی بنیاد پڑی ہے ملک یونان میں ورشہولد دریائے ڈی آئیس اور الفی) آئیس کے سنگم پر واقع ہے یہ شہر پیرگاس کے مشرق میں اور مغربی پولو پی نیس کے مغرب میں واقع ہے اور بہت پر فضا مقام ہے۔ آج کے مغرب سے ریل کے ذریعہ یا پیٹراز سے بذریعہ موٹر وہاں تک آسانی کیساتھ پہنچ سکتے ہیں۔ اولمپیا کے قدرتی نظارے اور خوبصورت شاعرانہ ماحول زمانہ قدیم سے مشہور ہے سکون نفس اور طبیعت کے فراغ کیلئے بہترین جگہ ہے۔

اولمپیا کا شہر کبھی بھی ایک منجمدہ سیاسی اور سماجی مرکزیت کی حیثیت کوئی وجود نہ رکھتا تھا۔ اصل میں یہ جگہ ایک یاترا کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ یہاں کی آبادی کی زندگی کا دارومدار قریبا اسکے شہر کی آبادی پر تھا سب سے پہلے لیپیا کا شہر اور بعد الیس کا شہر یہاں کی یاترا کے لوگوں کی پرورش کرتا رہا۔ یہ ایک مشہور یاترا تھی۔ یہاں کے قدیم مندر۔ اور کھنڈرات ہی لوگوں کی توجہ کا باعث تھے اور دور دور سے لوگ یہاں مرادیں اور منتیں مانگنے آیا کرتے تھے۔ یہاں کی مستقل آبادی کا بڑا حصہ پروہتوں۔ ان کے چیلوں اور سیوکوں پر مشتمل تھا۔ مگر جب ہر چار سال کے بعد یہاں اولمپک کھیل ہوتے تھے تو اسوقت کی قدیم دنیا کے ہر حصہ کا آدمی یہاں کھنچا چلا آتا تھا اور وادیٔ اولمپیا ہزاروں انسانوں سے بھر جاتی تھی جس میں ہر ملک ونسل ورنگ کے لوگ علیحدہ علیحدہ آن بان کے ساتھ دکھائی دیتے تھے۔

یہ مقدس مقام یا تیرتھ دراصل کس معبود یا دیوتا کی یادگار میں مشہور ہوا اس کی بابت کسی کو علوم نہیں۔ ولادت مسیح سے دو ہزار سال قبل کے حالات مفقود و تاریک ہیں یہاں کی یاترا کے قیام اور عام کھیلوں اور ورزشوں کے مقابلہ کی اصلیت کے بارے میں توہم پرستی اور اعتقادیات کے قصے اسقدر زبان زد خاص و عام ہیں کہ ان سے اصل تاریخی واقعات کا پتہ چلانا دشوار ہے۔

عام طور پر روایات مشہور ہیں ان سب میں بادشاہ پیلوپیس کو ان کھیلوں کا قائم کرنیوالا بتایا جاتا ہے اور اسکی اصلیت یہ بیان کیجاتی ہے کہ اس بادشاہ نے پسا کے بادشاہ سے ایک رتھ دوڑ کی تھی جو اولمپیا سے استھمس کے مقام تک ہوئی تھی جس میں پیسا کا بادشاہ او نامس ہار گیا تھا۔ اس فتح کی یادگار اور تقدس۔ بعد ازاں میں اولمپیا میں کھیلوں کی بنیاد کا باعث بن گیا۔ بادشاہ اونامس کو پیشگوئی کرنیوالی دیوی کے مندر سے بشارت ہوئی تھی۔ کہ وہ اپنے داماد کے ہاتھ سے مارا جائیگا اس نے اپنی لڑکی ہپوڈیمیا کے بہت سے خواستگاروں کو چیلنج کیا تھا۔ اور اولمپیا سے کے مقام پر شکست دیتا تھا۔ اولمپیا کے عطارد دیوتا کے مندر میں مشرقی دیوار پر اس قدیم کہانی کو تصویر کی صورت میں منقش کیا گیا ہے۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اولمپیا کی یاترا کا وجود علاقہ پیلوپونیس میں قبیلہ ڈورین کی آمد سے قبل نہ پایا جاتا تھا مگر مورخ ڈوپ فیلڈ کا کہنا یہ ہے کہ اس واقعہ سے قبل اولمپیا کی یاترا کا وجود پایا جاتا تھا کیونکہ شاعر اعظم یونان ہومر نے اپنی رزمیہ نظم میں ایجی ملنس سرد کی تعریف گائی ہے۔ اور اسکا وجود ڈورین لوگوں کی آمد سے قبل تاریخ سے ثابت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ڈوڈنی (شہر یونان) کی طرح یہاں بھی قدیم ایام سے ایک کنواں چلا آتا تھا جس میں سے دیوی بولتی تھی اور گفتگو کیا کرتی تھی۔ یہ دیوی اب خاموش تھی اور گی کے مقام پر ایک اس کا مندر بنا ہوا تھا جو بعد میں ایک بڑی خانقاہ اور یاترا کی جگہ بن گیا۔ عطارد دیوتا زیوس کی یہاں عبادت بعد میں شروع ہوئی ورنہ پہلے ہیرا اور رتیا دیویوں کی پوجا ہوتی تھی۔ بادشاہ پیلوپس اور اسکی لڑکی ہپوڈیمیا کی یاد میں میلہ لگتا تھا۔ یہ میلہ زیوس کے مقدس باغ میں الطیس کے مقام پر ہوتا تھا۔

اولمپک کھیلوں کا وجود نویں صدی قبل مسیح تک تاریخ میں ملتا ہے۔ اس زمانہ میں کامل امن رہتا تھا۔ ایتھنز اور سپارٹا کی رقابتی لڑائی بھی ملتوی ہو جاتی تھی اور التوائے جنگ میں یہ کھیل منائے جاتے تھے۔ ہر چار سال کے بعد یہ کھیل ہوتے تھے اور یونان کی ساری ریاستیں اپنی لڑائیاں ختم کر دیتی تھیں تاکہ کھیل آسانی کے ساتھ انجام پائیں اس عہد کو "اولمپیڈ" کہتے تھے اور یونانی لوگ اسے اپنا تقدس سمجھتے تھے۔ سب سے پہلا اولمپیڈ ۷۷۶ قبل مسیح میں ہوا تھا۔

قدیم یونانی عہد میں اولمپیا کا شہر ایلس کی ریاست کا تخت تھا کیونکہ یہ اس کا بگذار علاقہ تھا۔ مقدونیہ کا حاکم فیلقوس اور اس کا لڑکا سکندر اعظم یاترا کی بہت عزت کرتے تھے اور سکندر ہوا سے مالا مال کر دیا تھا۔ رومیوں نے بعض مواقع پر ان کھیلوں کی مخالفت کی تھی اور یہاں جشن منانے کو روکا تھا جس کے لئے مختلف ذرائع اختیار کئے گئے تھے اور بعض موقعوں پر مثلاً تراجان اور ہیڈریان شہنشاہوں کے عہد میں انہوں نے ان کھیلوں کی ہمت افزائی اور ترقی میں زور دیا اور بہت اہتمام رکھی تھی۔ رومی بادشاہ خود اس جشن میں حصہ لیتے تھے۔ بلکہ نیرو تو خود کھیلوں کے مقابلہ میں شریک ہوتا تھا اور ججوں کو مجبور کرتا تھا کہ وہ اسے کھیلوں میں فتحمند و کامراں ہونیکا فیصلہ کریں اور اسکی عزت بڑھائیں۔ اسکے مقابلہ پر رومی بادشاہ کالیگولا نے زیوس (عطارد دیوتا) کا سونے اور ہاتھی دانت کے مجسمہ کو اٹھوا کر اولمپیا سے روما لیجانا چاہا اور حکم دیا تھا کہ اسکا سر توڑ دیا جائے گر قصہ اس طرح مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بت اسپر قہقہہ مار کر ہنسنے لگا اور جو کاریگر یہ کام کرنے آئے تھے ڈر کر بھاگ گئے اور اس کے بعد کسی نے یہ ارادہ نہ کیا۔

عیسائیت کے شروع شروع میں بھی یہ کھیل ہوتے تھے۔ مگر اس شان و شوکت کے ساتھ نہیں جو یونانی تہذیب کے زمانہ میں تھی۔ جولین نے ان کھیلوں کی قدیم عظمت قائم کرنیکی کوشش کی مگر بیسود آخری اولمپک کھیل ۳۹۴ء مسیحی میں ہوا جس کے فوراً بعد بادشاہ تھیوڈوسیس نے انہیں منہی کر دیا اور اس کے بعد کسی نے ان کا نام نہ لیا ۴۹۵ء میں وحشی قبائل گوتھ نے الارک پر حملہ کیا تھیوڈوسیس ثانی کے حکم سے زیس دیوتا کا مندر جلا کر منہدم کر دیا گیا۔ زلزلوں اور سخت بارشوں نے اس کی قسمت پر ایک آخری مہر لگا دی قدیم و عظیم یونانی شہر دب گیا اور اسکے کھنڈروں پر ایک نیا چھوٹا عیسائی قصبہ آباد ہو گیا جس کے گرد شہر پناہ بنی ہوئی تھی۔ سلاطین قوم کی حملہ آوری کے وقت کوئی اولمپیا کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔ بلکہ یہاں کے لوگ اس قدیم بستی کو سردیا یا سروی یا ملکی کے نام سے جانتے تھے۔ ترکی حکومت کے عہد میں یہ علاقہ اور بھی اجاڑ ہو گیا اور اس کا نام نقلی لالو اگو نیچ پڑ گیا۔ گر یونان کے قدیم کھیلوں کی اس خوبصورت و پر عظمت آماجگاہ کی گونج ایک بار پھر مہذب دنیا کے مرد و عورتوں کے کانوں میں گونجنے لگی اور یہ خیال ترقی کرنے لگا کہ اولمپک کھیلوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے۔

اولمپک کھیل جو تمام قدیم کھیلوں میں سب سے زیادہ مشہور کھیل مانے جاتے ہیں۔ اولمپیڈ ہر چار سال کے بعد جون جولائی کے مہینوں میں کھیلے جاتے تھے۔ ہمیشہ پورے چاند کے زمانہ میں کھیلے جاتے تھے اور پانچ روز تک جاری رہتے تھے۔

ایلس کے لوگ مختلف دیار اور شہروں میں ایلچی بھیجتے تھے جو لوگوں کو مقابلہ میں آنے اور تماشہ میں آنکی دعوت دیتے تھے۔ فوراً التوائے جنگ کا اعلان ہو جاتا تھا اور یہ خیال تھا کہ الطس کے مقدس مقام پر سب یونانی بھائیوں کی طرح آکر ملیں نہ کہ دشمنوں کی طرح۔

تمام سلطنت ہائے یونان سے لوگ جوق در جوق ان چیزوں کو دیکھنے آتے تھے۔ غیر ملکی سفیر نمائندے۔ اور عام پبلک کا بھی بڑا اثر دہام ہوتا تھا شادی شدہ عورتوں کو اولمپک کھیل دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔ غیر یونانی بھی سوائے خاص حالتوں کے کھیل دیکھنے نہیں آسکتے تھے۔ صرف آزاد شہری خواہ وہ امیر ہوں یا غریب کھیل دیکھ سکتے تھے مگر وہ بھی وہ

باقی اگلے صفحہ پر

ان کھیلوں کے علاوہ حسن و شعرو ادب کے درمیان بھی کئی مقابلے اولمپیا میں ہوتے تھے اور ان کھیلوں کا نام ہی "میرآبا" تھا۔ ان مقابلوں میں جیتنے والوں کو صرف یہ انعام ملتی تھیں کہ ان کی تصویریں زہرا دیوی (یعنی کھیل کی دیوی) کے مندر میں آویزاں کر دی جاتی تھیں جو انتہائی عزت و تقدس کی بات مانی جاتی۔

نوجوان فنکاروں کی بنائی ہوئی چیزیں جو بعد میں اس مقدس فن سے بھی زیادہ صاحب کمال مانا گیا ہے ان موقعوں پر موجود رہتا تھا اور خوب غور سے اسکی تحریریں سنتا تھا اور ان پر دل ہی دل میں اعتراض کرتا رہتا تھا۔ غرض یہ کہ اولمپیا یونانی تہذیب کا گہوارہ خفظ تھا۔

نت نئی چیزیں اپنے اپنے ہنروں اور کاموں میں پیدا کرتے تھے۔

فوجی جنرل اور سیاست داں اسوقت کے بڑے بڑے اہل دماغ فلسفیوں سے ملتے تھے۔ اولمپیا ہی میں ہیروڈوٹس اپنی شہرہ آفاق تاریخ پڑھ کر سناتا تھا۔ اور

پہلے صفحہ سے

جو کبھی قتل یا کسی مقدس مقام میں چوری کے الزام میں پکڑے نہیں گئے تھے۔

کھیل شروع ہونے سے پہلے تمام کھلاڑی اور ورزشی زیوس کے مندر میں قسم کے دیوتا کے سامنے جھک کر یہ سوگند کھاتے تھے کہ ہم کھیلوں کی حرمت اور پاکی کو برقرار رکھیں گے اور اصول و قواعد مقررہ کے خلاف کوئی عمل نہ کریں گے۔ کھیلوں اور ورزشوں میں بہت سی چیزیں شامل تھیں۔ ورزشی مقابلے کشتیاں قدموں سے دوڑ کرنا۔ رتھ میں دوڑنا۔ گھوڑے میں دوڑنا وزن پھینکنا۔ اور دیگر عجیب و غریب۔

ایمپائر لوگ جو کھیلوں کی ہار جیت کا فیصلہ کرتے تھے آخری دن انعام تقسیم کیا کرتے تھے۔ فضا جوش و خروش سے مملو ہوتی تھی اور ہر شخص نتائج معلوم کرنے کیلئے بیتاب نظر آتا تھا۔ کھیل میں شریک ہونے والے لوگ روپیہ یا مال و دولت کے خیال سے شریک نہیں ہوتے تھے بلکہ انعام میں صرف شاخ زیتون دیجاتی تھی۔ اگرچہ یہ انعام بہت معمولی نوعیت کا ہوتا تھا مگر اس کے حاصل کرنے کیلئے اسقدر مقابلے ہوتے تھے اور لوگوں میں اسکی اتنی عزت ہوتی تھی کہ انعام جیتنے والے کو اپنے شہر یا قوم کا قابل فخر فرد سمجھتے تھے جب کوئی نوجوان کوئی انعام جیت کر اپنے شہر میں واپس آتا تھا تو ہزاروں مرد و عورت اس کے استقبال کیلئے جوش و خروش سے آگے بڑھتے تھے۔ دیواریں توڑ دی گئی ہیں ان جوانمردوں کے استقبال کے لیئے۔ جیتنے والوں کے مجسمے وادی اولمپیا میں نصب کئے جاتے تھے اور ان کے کارناموں کو غیر فانی بنانے کیلئے پنڈار جیسے عالی مرتبت شعراء نظمیں کہتے تھے۔

اولمپیا میں کھیلوں کے ہونیکا ایک یہ بھی فائدہ تھا کہ ملک یونان کے تمام بڑے بڑے لوگ ایک جگہ جمع ہو جاتے تھے اور آپس کے میل جول اور تبادلۂ خیالات سے

بچوں کا صفحہ

مقناطیس

(از جناب ذاکر صاحب علی گڑھی)

آؤ آج تمہیں ایک کارآمد لیکن دلچسپ چیز کے متعلق کچھ بتائیں ؏

آج سے کوئی دو ہزار برس پہلے ایک چینی سائنس داں نے ایک ایسا پتھر دریافت کیا جس کو اگر لٹکا دیا جائے تو اس کا ایک سرا شمال کی طرف اور دوسرا جنوب کی طرف ہو جاتا تھا، یہ پتھر کہیں لٹکا کر گھما دیا جاتا تو ٹھہرنے پر بھی اس کی سمت میں تبدیلی نہ ہوتی، اس پتھر کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ لوہے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کھینچ لیتا تھا۔ اس پتھر کو مقناطیس کہتے ہیں ؏

اس سائنس داں نے اس پتھر کو کارگزار کرنے کے لئے پتھر پھر گھسا، اب یہ بھی مقناطیس کا کام دینے لگا اور لٹکانے پر اپنا رخ شمالاً جنوباً کر لیتا۔ یعنی اب مقناطیس دو قسموں میں تقسیم ہو گیا، ایک قدرتی مقناطیس جو صرف (LODE STONE) ہی تھا، دوسرا وہ جو قدرتی مقناطیس کو لوہے پر گھس کر بنایا جاتا ہے ؏

مقناطیس بنانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایک لوہے کے ٹکڑے پر بجلی کی لہر دوڑائی جائے، لوہا بھی مقناطیس بن جاتا ہے، اور لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، لیکن یہ مقناطیس عارضی ہوتا ہے ؏

مقناطیس کے استعمال } لوہے کے کارخانوں میں جہاں لوہے کے بڑے ٹکڑے ادھر ادھر پھیلے ہوتے ہیں اسی بجلی کے بنائے ہوئے مقناطیس کے ذریعہ اٹھائے جاتے ہیں، ایک پہیوں دار گاڑی میں ایک لٹھے میں زنجیر لٹکی ہوتی ہے، اس زنجیر میں لوہے کا ٹکڑا لٹکا ہوتا ہے، جس پر بجلی کے تار لپٹے ہوتے ہیں، جن لوہے کے ٹکڑوں کو اٹھانا ہوتا ہے یہ زنجیر میں لٹکا ہوا لوہا اس کے اوپر سے گزارتے ہیں اور بجلی کی لہر اس پر گزرنے دیتے ہیں۔ اس طرح وہ تمام ٹکڑے جن پر سے یہ مقناطیس گزر رہا ہے آ آ کر چپک جاتے ہیں، اور جہاں کہیں ان کو لے جانا منظور ہوتا ہے، لے جاتے ہیں اس سے ہزاروں مزدوروں کی محنت بچ جاتی ہے ؏

دوسرا استعمال } مقناطیس سے سمت معلوم ہو سکتی ہے کیونکہ مقناطیس اپنا ایک رخ شمال کی طرف دوسرا جنوب کی طرف رکھتا ہے، قطب نما بھی اس اصول پر بنا ہوتا ہے اور سمت معلوم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ قطب نما کی سب سے بڑی اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ایک سے سرے آپس میں کشش رکھتے ہیں اور مختلف سرے ایک دوسرے کو بھگاتے ہیں یعنی اگر دو مقناطیسی سلاخوں کے شمالی سرے قریب لائے جائیں تو وہ دونوں سلاخیں ہل جائیں گی، برخلاف اس کے اگر ایک سلاخ کا شمالی سرا اور دوسری سلاخ کا جنوبی سرا قریب لایا جائے تو وہ ایک دوسرے کو بھگاتے ہیں اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا تم کوئی کارآمد چیز بنا سکتے ہو؟

آؤ ہم مقناطیس سے ایک بجلی کی قسم کا پنکھا بنائیں، سب سے پہلے مقناطیس بنانا سیکھو۔

لوہے کی چادر میں سے چند لمبے لمبے ٹکڑے کاٹو، ان ٹکڑوں پر مقناطیس کے ایک ہی سرے کو صرف ایک ہی رخ دیا تو اوپر سے نیچے اور یا دائیں سے بائیں کو رگڑو، ایسا نہ کرنا کہ پہلی مرتبہ اوپر سے نیچے رگڑو اور دوسری مرتبہ دائیں سے بائیں، ایسا کرنے سے مقناطیس خراب ہو جاتا ہے) رگڑو، اب تم دیکھو گے کہ یہ لوہے کی چادر کے ٹکڑے بھی مقناطیس بن گئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں ؏

اب ان لوہے کی چادر کے ٹکڑوں کو ایک کیل میں جڑ دو پھر دوسری کیل میں اس طرح لگاؤ کہ یہ آسانی سے گھوم سکے، لیکن اتنا خیال رکھنا کہ سب ٹکڑوں کے ایک سے سرے ایک طرف رہیں ؏

صفحۂ نسواں:—

کیا حیاتِ انسانی کی تکمیل اور مسرت کے لئے شادی ضروری ہے؟

(از محترمہ راج کماری بی، اے)

(ایڈیٹر کا مضمون نگاروں کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)

جیسا کہ ہر شخص کو معلوم ہے شادی تہذیبِ انسانی کی قدیم ترین اداروں میں سے ہے۔

پہلے زمانے میں یہ خیال تھا کہ شادیاں یا انسانی جوڑے آسمان پر طے ہوجاتے ہیں اور جو جس کے نصیب میں ہوتا ہے وہی اس دنیا میں ملتا ہے بے شک ازدواج اور شادی بیاہ کا تعلق اب تک آسمان سے ہی ہے اور شادیاں اب بھی رہی ہوجاتی ہیں، شادی بنیادی طور پر جس قدر مقدس، پراسرار اور پاکیزہ انسانی عمل کا نام ہے اور انسانی مسرت کی بنیاد اور اس کی اہمیت و ضرورت اس قدر واضح ہے کہ مزید تشریح کی حاجت نہیں معلوم ہوتی۔

ممکن ہے آجکل کے جدت پسند طبقہ میں دنیا والے یہ کہیں کہ یہ خیال غلط ہے کہ عورت کا نصب العین حیاتِ ازدواج اور گرہستی ہے مگر اس امر کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا کہ عورت کی زندگی میں مسرتِ بے پایاں اور تکمیل حاصل کرنے کا صرف ایک ہی موقعہ آتا ہے اور وہ موقعہ اس کی شادی کا ہوتا ہے اس موقعہ کو ہاتھ سے جانے دیا جائے یا غلط استعمال کیا جائے تو تکمیلِ مسرت نامکمل رہ جاتی ہے۔ ازدواج اور زندگی کا ساتھ ہے، عورت محبت کرنے اور محبت کئے جانے کے لئے ہی پیدا ہوئی ہے، شادی کرنا اور ماں بننا اس کی زندگی کا عین قدرتی انجام ہے۔

ڈاآرن نے بالکل صحیح کہا ہے کہ محبت جنسی رغبت اور شادی انسان کی زندگی کے لئے کوئی اتفاقی حوادث نہیں ہیں۔ بلکہ متعین، عالمگیر اور عمری قوانینِ فطرت ہیں، ذرہ ذرہ میں باہمی کشش پائی جاتی ہے، ایک دوسرے میں جذب ہوجانے کی ایک قدرتی جنبش ہر ذرہ میں موجود ہوتی ہے مقناطیس کو اور مقناطیس لوہے کو اپنی جانب کھینچتا ہے کانوں میں بھی نر اور مادہ قسم کے الگ الگ ذخیرے ہوتے ہیں سورج اپنے ستاروں سے شادی کرتا ہے اور ہر وقت ایک رقص میں معروف رہتا ہے پرندہ پرندے سے محبت کرتا ہے اور حیوان و وحوش ایک دوسرے سے قریب تر رہنے کی کوشش کرتے ہیں"

مگر نکتہ چیں بھلا کب چین سے بیٹھتے ہیں وہ اس کے جواب میں کیا فرمائیں گے۔ سنئے،

روزانہ اخبارات اٹھا کر دیکھئے، طلاقوں کے کس قدر واقعات دنیا کے ہر حصہ میں ہوتے ہیں۔ شادیوں کا یہی انجام ہوتا ہے، روزانہ اخبارات آپ کو بتائیں گے کہ شادی انسانی مسرت کی تکمیل کے لئے ضروری چیز ہے یا ایک لعنت؟

مگر ذرا اس مسئلہ کو غور سے سوچئے طلاقوں کی تعداد تو آپ نے دیکھ لی لیکن کبھی آپ نے اس پر بھی غور کیا کہ دنیا میں شادی صرف تکلیف و کلفت حیات کا ہی دوسرا نام ہے یا مسرت و فخر و اطمینانِ نفس بھی اس سے حاصل ہوتا ہے جتنی طلاقیں ہوتی ہیں کیا شادیاں کامیاب اور پرمسرت انسانی رشتے بننا اس سے کہیں زیادہ نہیں ہوتے؟ کامیاب پرمسرت شادیاں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں پائی جاتی ہیں مگر کیا اخبارات ان شادیوں کا حال اپنے کالموں میں لکھتے ہیں؟

کیا ایسی شادیوں کے لئے وہ بھی چوڑی سرخیاں اور کالم کے کالم تحریر کرتے ہیں؟ نہیں! اس کی وجہ صاف ظاہر ہے پبلک کوئی معمولی بات جس میں سنسنی نہ ہو نہیں چاہتی پڑھنے والی پبلک کو نمک مرچ لگی ہوئی خوبصورت سنسنی چاہیئے، اور ظاہر ہے کہ وہ پرمسرت ازدواجی زندگی اور گرہستی کی کامیابی کے واقعوں میں نہیں ہوسکتی، طلاق کی کہانی میں ہوسکتی ہے۔

بجائے خود شادی انسان کے لئے اس قدر ضروری چیز نہیں ہے مگر کامیاب اور پرمسرت شادی انسانی حیات کے لئے از بس ضروری ہے، شادی ایک معمولی رشتہ کا نام نہیں ہے، شادی دو انسانی روحوں کے پیوست اور ایک دوسرے میں جذب و حل ہوجانے کا دوسرا نام ہے یعنی کامل اتحادِ نفس جو کسی اور رشتہ اور تعلق سے انسان کبھی بھی حاصل نہیں کرسکتا۔

سچی محبت! پروفیسر تھانی نے بالکل برمحل کہا ہے سچی محبت ایک روح اور دوسری روح، ایک نفس اور دوسرے نفس و ذہن کے مابین کامل اتحاد کا نام ہے، جب دو دماغ، دو دل، دو روحیں دو زندگیاں مکمل رشتہ میں منسلک ہوجائیں، ہمارے انسانی خمیر و تعمیرِ جسم کا سب سے اہم پہلو ایک سرچشمۂ لذت کا ہویدا ہونا ہے اور وہ بغیر اتحادِ روحانی کے حاصل نہیں ہوسکتا، اور نہ اس کے بغیر ایک عظیم و بے دریغ آزاد نفسی انسان پیدا کرسکتا ہے۔ اگر محبت نہ ہو تو سونا اور جواہرات اور ظاہری دولت کے انبار سے پیدا نہیں کرسکتے اور نہ اس کی کمی کو پورا کرسکتے ہیں، محبت ہو تو انسان کا گھر جنت کا نمونہ ہوسکتا ہے ممکن ہے اس راستہ میں خار بھی ہوں مگر فردوس ایک ایسا انعام ہے کہ اس پر راستہ کی ساری مشکلات قربان ہیں"

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

مفلوک الحال مسلمان اور انکے لیڈر

(از جناب سید اظہر مہدی ۔ بہرائچ ۔ اودھ)

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

بڑے بڑے سحر بیان مقررونکی تقریریں اور بڑے بڑے مادہ رقم مضامین نویسوں کے مضامین سنتے سنتے اور پڑھتے پڑھتے آخر دل پک گیا اور جام صبر لبریز ہو گیا اور مجھ ایسے بیچماں کو اپنے جذبات ظاہر کر دینے پر مجبور کر دیا۔

گزشتہ الیکشن اور یکم اپریل کی مکمل ہڑتال نے پورے ہندوستان کے جذبات کا انکشاف کر دیا جس سے انکار قطعاً ناممکن ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ بہت سے مسلم رہنمایان رہنمائی کی پھر بھی آنکھیں نہ کھلیں۔ یہ رہنمایان تو وہی حضرات ہیں جو سر بفلک عمارتوں کے ڈرائنگ روم میں بیٹھکر تہہ بند ہوں کے سہتے دستے اور بے خانماں فاقہ کشوں کی قسمت کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بعینہ ویسا ہی ہے جیسے کوئی سی قطب کا رہنے والا افریقہ کی گرمی کے متعلق کا افسانہ یا کوئی شکم سیر فاقہ کی روداد بیان کرے۔

غضب کرتے ہیں ستم ڈھاتے ہیں
کہانی کسی کی زبانی کسی کی!

مسٹر جناح کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کو کانگریس دھوکہ دے رہی ہے مسلمان اسوقت تک کانگریس میں ہرگز نہ شریک ہونگے جب تک ہندو ان کے پورے پورے حقوق تسلیم نہ کریں۔ پہلے ہمیں یہ بات دیکھنی ہے کہ عرصے سے جو حقوق زیر بحث ہیں۔ اور جن پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے اس میں ان فراموش کردہ بدنصیب غریبوں کا کہاں تک حصہ ہے۔ ایک تو سرکاری عہدے ہیں اور دوسرے کونسلوں کی نشستیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں میں غربا کو خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان کتنا کیا ملیگا۔ اگر یہ فیصلہ فریقین کی خواہش کے مطابق طے بھی ہو جائے جب بھی اس کا فائدہ سرمایہ داروں اور متوسط درجے کے طبقہ کے لوگوں کو پہنچے گا۔ اور مجموعی حیثیت سے ملک کی ایک قلیل تعداد کو کچھ ملازمتیں مل جائیں اور کیا ہے۔ غریبوں کے حصہ میں وہی فاقہ پریشانیاں اور ذلتیں۔ گزشتہ واقعات کے لحاظ سے ہمارا خیال ہے کہ اگر کانگریس ان مطالبات کو کلیتہ تسلیم بھی کرے تو پھر آئندہ کیلئے اس کے تحفظ کی ضمانت طلب کی جائیگی۔ خلاصہ یہ کہ سلسلہ لامتناہی کبھی ختم ہی نہ ہوگا۔

مسلم رہنمایان قوم میں ایسے ہی حضرات کی زیادہ تعداد ہے جو غریب کے شدائد سے قطعاً ناآشنا ہیں۔ ہندو مسلم منافقات کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی کوشش میں منہمک رہنا ان کے خصوصیات سے ہے۔ بلکہ انکی رہنمائی کا راز اس میں مضمر ہے۔ بالفرض اگر وہ بجائے خود نیک نیت ہی کیوں نہ ہوں پھر بھی زمانہ اب ایسی رہنمائی سے تنگ آچکا ہے کیونکہ کشمکش روزگار سے مفلس کم از کم اپنا نفع نقصان اب بخوبی سمجھنے لگے ہیں۔

تقریباً اٹھارہ سال سے مسلمانوں کو علیحدہ رکھنے کی سر توڑ کوشش کی جا رہی ہے۔ اور ان کے جذبات حریت کو مردہ کر کے غلامی کی زنجیروں کو روز بروز مضبوط کر کے جکڑ دیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ ان غریبوں کو علیحدہ تو رکھا گیا مگر یہ کبھی نہ ہوا کہ ان کیلئے کوئی پروگرام بنا کر عملاً کوئی فلاح و بہبود کا سامان کیا گیا ہوتا ان میں مل جل کر انکی مستی، انکی فاقہ کشی، انکی بیکسی اور انکے آئے دن کے مصائب ہی کا اندازہ کیا گیا ہوتا۔ یہ تو کبھی نہ ہوا البتہ ہمیشہ علیحدہ رہنے کی ہدایت اور تلقین بڑے زور و شور کے ساتھ ہوتی رہی۔

مسلم لیگ یا دوسری مسلم سیاسی جماعتوں کے خوب خوب جلسے ہوئے اور خوب دھواں دھار تقریریں ہوئیں اور بڑے بڑے شاندار رزیولیشن پاس ہو گئے۔ بس سب لیڈر اپنے فرائض سے سبکدوش ہو گئے۔ البتہ الیکشن کے زمانہ میں بسلسلہ انتخاب جو رزیولیشن پاس ہوئے ان پر بڑی سرگرمی سے عمل کیا گیا۔ غریبوں سے ووٹ لے لئے گئے۔ پھر انکا کوئی پرسان حال نہیں کہ ان بیچاروں پر کیا گذر رہی۔

تقریباً ستر و اٹھارہ سال سے برابر ہم یہی دیکھ رہے ہیں کہ جب بھی کوئی صورت اتحاد کی پیدا ہوتی ہے تو بالعموم کسی مصالحانہ روش کے ایسے ناممکن العمل سوال پیش کر دیے جایا کرتے ہیں کہ جس کا نتیجہ بجز تخریب اور ناکامی کے کچھ نہیں نکلتا۔ اگر بہ طیب خاطر صلح مقصود ہو تو کوئی بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتی۔ مگر جب رہنمائی مقصود ہو تو ہر وقت ہزاروں عذرات یا توجیہات پیش کیجا سکتی ہیں۔

اگر یہ مسلم رہنمایان قوم اپنی فاقہ کش زدہ قوم کے واقعی دردمند ہوتے تو انکے لئے مصائب جھیلتے۔ ناکام ... زندہ رہ کے دکھلاتے دنیا ان کو خود ہی اپنا رہنما تسلیم کر لیتی۔ ہندوستان ہی میں انکی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن کے زرین کارناموں، ایثار اور قربانیوں سے سبق حاصل کیا جا سکتا ہے محض قابلیت کے مظاہروں اور زبانی جمع خرچ کی بیسویں صدی میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔

سب سے بڑی مصیبت ... غربا کو اپنے سے پست درجہ کا حیوان اور اپنے کو غلام تصور کر کے لیڈری کو اپنا ذاتی حق خیال کرتے ہیں ان کے نزدیک دولت کی فراوانی، عالیشان عمارتوں کی رہائش موٹروں کی سواری اس نیت کی دلیل اور نشانی ہے ... لیڈری کی سند ہے۔ انہیں نہ تو احساس فرائض کا وجود ہے اور نہ ضرورت زمانہ کی کوئی پروا۔ زمانہ اب حقیقی لیڈر ہی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے جو گرفتاری کو آزادی کی سند ... سمجھتا ہو ... جاوداں جانکر ہر وقت سر بکف رہتے ہیں ... کہ جب خلیل خاں فاختہ اڑا یا کرتے تھے۔

باقی آئندہ صفحہ پر

صفحہ ۳ سے آگے

میں اس کی قائل ہوں کہ عورتوں کو بھی روزی اور رزق حاصل کرنے کا ایسا ہی حق حاصل ہے جیسا کہ مردوں کو ہے۔ اسلئے انسانیت کے ایک حصہ سے بےحقیقت کو قابل اور ناپختہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ اگر عورتیں ایک آزاد اور خودامدادی زندگی گذارنے کو ترجیح دیں تو اس میں مردوں کو جھگڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ انہیں اس خیال کی تائید کرنی چاہیئے تاکہ گھر کا بوجھ دونوں مل کر اٹھائیں۔ اس حصول کیلئے کوئی سخت قانون یا دستور وضع نہیں کیا جاسکتا مگر کوئی طریقہ اپنانا پڑے گا کہ عورتوں کو ان مشکلات حل کرنے کیلئے کوئی نہ کوئی کام ضرور کرنا چاہیئے۔ اور یہ بھی کہ شادی اور کاروبار دونوں ایک ساتھ رکھے جاسکتے ہیں اور دونوں میں کوئی تنازع نہیں ہوسکتا۔

مگر اس بات کو خوب سمجھ لیجئے کہ انسانی مسرت کیلئے اور تکمیل حیات کیلئے شادی عین ضروری چیز ہے ایک ایسی عورت کو لیجئے جس نے شادی نہیں کی۔ مگر وہ بیحد متمول یا خوشحال ہے۔ یا کسی جگہ اچھی ملازم ہے۔ وہ اپنی زندگی کی کاروباری کامیابی آزادی و ترقی کو بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ مگر دراصل اس کی زندگی بہت سی کلفتوں اور خامیوں سے داغدار ہے۔ ...

وہ شال اوڑھے آتشدان کے سامنے بیٹھی ریڈیو سن رہی ہے اور بظاہر اس کی زندگی بڑی آرام دہ اور پرمسرت و مطمئن معلوم ہوتی ہے۔ مگر دیکھا جائے تو شادی کے بغیر اس نے اپنی زندگی کی بہار خزاں سے تبدیل کرلی ہے۔ اس کے مقابلہ پر ایک اس عورت کو دیکھئے جو بال بچوں کو لئے بیٹھی ہے۔ بچوں کی پرمسرت آوازیں ملتیں دل لبھاتی ہیں۔ اگرچہ یہ غریب گھرانہ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اس کیلئے وہ مسرت ہوگی۔ جو دوسری عورت کے قلب میں کبھی نہیں گئی۔

فرنکلین لکھتا ہے "جس نے شادی نہیں کی اس نے دنیا سے اپنے آپ کو علیحدہ کرلیا۔ اس طرح جیسے قینچی کا ایک پھلا۔ جو اپنی جگہ بغیر دوسرے پھل کے بیکار ہوتا ہے۔ ایک چینی ضرب المثل کہتی ہے "ہزار مرد ان گرتشکر بنا سکتے ہیں۔ مگر گھر بنانے کیلئے صرف ایک عورت کی ضرورت ہوتی ہے!"

بیشک عورت ہی وہ ہستی ہے جو زندگی کے اسرار اور فلسفی راز کو جانتی ہے۔ جو اس صفحۂ عالم پر مسرت کی تکمیل کا واحد ذریعہ ہے۔ عورت ہی ہے جو کرہ ارض پر فردوس بنا سکتی ہے۔ وہ ایک چھوٹا سا نقطہ اجتماع جہاں ہم سب کھینچکر پہنچتے ہیں اور جو اس دنیا میں ہر چیز سے زیادہ قیمتی اور صاحب کشش معلوم ہوتی ہے۔ جسے ہم گھر کے پیارے اور میٹھے نام سے کس چاؤ سے یاد کرتے ہیں!!

(پچھلے صفحہ سے)

ان لیڈروں کا مستقل تعلق بجز ضمنیات الیکشن کے صرف متوسط طبقے سے ہے۔ کیونکہ انکی رسائی ان تک ہے۔ یہی زمانہ کی دربارداری اور بیجا ناز برداری کرنیوالے اور انکے آلہ کار ہیں انہیں اپنے مشاغل سے کب فرصت جو غربا کی عسرت کے دلخراش مناظر دیکھکر بیٹھے بٹھائے اپنے مسرت بخش دنوں کیلئے سامان رنج و الم مہیا کریں۔ کیا انتعال ماسکو اور ما عراق میں دورہ کرنیکی جسارت کرینگا کہ انکے دنوں میں اگر قوم کا حقیقی درد ہے اور رہنمائی کا ذوق ہے تو محلات چھوڑ کر جھونپڑوں کی زندگی کا لطف اٹھائیں۔ موٹریں چھوڑ کر پیدل چلکر دیکھیں۔ لباس فاخرہ اتار کر برہنگی کا ذائقہ چکھیں۔ بیتے ازلی خدمتگذار دوام کے پیاسے بچونکو فاقونسے بلکنے سسکنے اور انکی غریب ماؤنکو اپنی نامرادی پر زندگی سے بیزاری کے دلخراش مناظر دیکھکر دلمیں درد پیدا کرکے انکی خدمت اپنا فرض عین قرار دیں پھر دیکھیں دنیا کسطرح انکی آواز پر لبیک کہتی ہے۔ اب فقط خدمت کے نام کو اپنا آلہ کار بنانے سے کام نہیں چلتا۔ خلوص نیت کے پہلے خود ہی کی خدمت کیجئے پھر مخدوم بننے کی آرزو اور دعویٰ کیجئے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ کانگریس سے انکی بیزاری کی صرف ایک وجہ ہے وہ یہ کہ کانگریس میں قدم رکھتے ہی سب سے پہلے ان مصیبت زدہ انسانوں سے برابری برتنی پڑتی ہے۔ جو غریب وفاداری کی وجہ سے قابل نفرت ہی نہیں بلکہ خارج از انسانیت سمجھے جاتے ہیں۔ کانگریس کی بہتری میل کے دروازے کھولتی ہے اور بڑے بڑے ڈنر اور بال کی بجائے دارورسن کی دعوت دیتی ہے۔ وہاں کی رہنمائی کی منزل بیحد کٹھن اور بہت دشوار گذار ہے۔ نہ وہاں خان صاحبی ہے نہ خان بہادری۔ نہ ملازمتیں ہیں نہ انعامات۔

بیچارے جاہل مسلمانوں کو مذہب کی آڑ میں کانگریس کی شرکت سے محض اسلئے روکا جاتا ہے کہ وہاں دلدادگان لیڈری کا عرصہ لیڈری تنگ ہو جائیگا اور عیش پرستی اور دولت کے مظاہروں کا باب مسدود ہو جائیگا۔

ہمیں کوئی شک نہیں کہ مسٹر جناح کی ہستی بلحاظ قابلیت ایک قابل فخر ہستی ہے۔ مگر جس ممتاز سرمایہ دارانہ ماحول میں آپنے اپنی زندگی گذاری ہے اسکے اثرات بہر اسلوب مستولی ہیں کیا ب بھی پہلے انکو اسکی جدائی گوارا ہوئی نہ اب ہو سکتی ہے۔ بیس برس پہلے آپ کی رائے کا کوئی وزن ہو سکتا تھا مگر اب انکی رائے اور انکا عمل زمانہ سے مساعدت نہیں کرتا کیونکہ پیرانہ سالی نے انکے جذبات کو بھی ٹھنڈا کر دیا ہے اب وہ زمانہ کی تیزروی کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

ہم آپسے یہ عرض کریں گے کہ خدارا اب وہ اس چلتی گاڑی میں روڑے نہ اٹکائیں۔ اگر اب وہ تھک گئے ہیں اور پیرانہ سالی کے باعث سختیاں برداشت کرنیسے عاری ہیں تو پھر غریب فاقہ کش مسلمانوں کو انکے حال پر چھوڑ دیں اور خود آرام فرمائیں۔

ہفتہ کی اہم اور مختصر خبریں

...کی عدالت میں ... جج میں عبداللطیف کے مشہور لیڈر مسٹر این سی کیلکر، ڈیموکریٹک سوا جیہ پارٹی کے لیڈر مسٹر ایل بی بھوپٹکر کانگریسی لیڈر مسٹر پی ایم گپتا ممبر کیبل، مسٹر جی، ڈی سوکر اور دیگر ممتاز ہندو لیڈر شامل ہیں، سونیامار دتی ہندو کے ستیہ گرہ کے سلسلہ میں سٹی مجسٹریٹ کے امتناعی احکام کی خلاف ورزی کرنے کے الزام میں ۲۵-۵۰ روپیہ جرمانہ یا بصورت عدم ادائیگی ایک ایک ہفتہ قید سخت کی سزا دی ؀

حکومت روس نے ایک اعلان کے ذریعہ تمام ملک میں فوجی راج قائم کر دیا ہے تاکہ ہر ایک وطن کی حفاظت کی جا سکے، اعلان کے مطابق تمام ملک میں فوجی کونسلیں قائم کی جائیں گی جن کو نہایت وسیع اختیارات دئے گئے ہیں کہ اس سے قبل آج تک کبھی اتنے اختیارات فوج کو نہیں دئے گئے تمام تعلیمی درس گاہیں بھی فوج کے کنٹرول میں رہیں گی سیاسی حلقوں میں یہ رائے ظاہر کی جا رہی ہے کہ فوجی کونسلیں قائم کرنے کی ضرورت اس وجہ سے لاحق ہوئی کہ ٹراٹسکی روس کیخلاف غیر ملکی حکومتوں کے ساتھ سازش کرنے پر مصروف ہیں ؀

باغیوں نے ہوائی جہازوں سے آگ لگانے والے بم برسائے جس سے شہر امرو بائنا میں شدید بارش کے باوجود آگ لگ گئی، اور وہ جل گیا۔ لیکن شہر حکومت اسپین کے ہی ہاتھ میں رہا۔ باغیوں نے چھ مواضعات پر قبضہ کر لیا ہے باغیوں نے کئی پہاڑیوں پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔

سانیور نگوین نے نئی کیبنٹ بنالی ہے اس میں جو شامل جو بائیں بازو کے ریپبلکن ہیں شامل ہیں کیبنٹ میں تین سوشلسٹ اور دو کمیونسٹ ہیں۔

نمائندہ ''تیج'' نے ڈاکٹر اشرف سے جب انٹرویو کیا تو انہوں نے یہ بتایا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے مسلم کانفرنس کے، دیگر مسلمانوں کے عمل کے لئے جو اسکیم پیش کی تھی کانفرنس نے اتفاق رائے سے منظور کرلیا۔

چونکہ کانگریس کی حمایت کرنے والے مسلمانوں کی بے ضابطہ کانفرنس نے اتفاق رائے سے انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا ہے لہٰذا آئندہ پروگرام یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو بڑی تعداد میں کانگریس میں شامل کیا جائے گا۔

ڈاکٹر محمود ۵ رجون کے بعد تمام ہندوستان کا دورہ کریں گے۔

برما سے اطلاع ملی ہے کہ راشٹرپتی پنڈت جواہرلال نہرو کا ہندوستانی حلقوں میں بے نظیر طریقہ پر سواگت کیا گیا۔ سنہری مندروں کی اس سرزمین میں پنڈت جی کے خیر مقدم کا منظر قابل دید تھا۔ جن عورتوں نے پنڈت جی کا سواگت کیا وہ کیسری، سبز اور سفید رنگ کی ساڑیوں میں ملبوس تھیں۔ برما کے دورہ میں پہلی مرتبہ صدر کانگریس کا ہندوستانی عورتوں نے جلتی ہوئی دھوپ کے ساتھ سواگت کیا۔ ہندوستانی رواج کے مطابق پنڈت جی کی پیشانی پر رولی کا ٹیکا لگایا۔ توپ کی سلامیوں کے ساتھ پنڈت جواہرلال نہرو اور ان کی سیکرٹری کی ... ساحل برما کا اعلان کیا گیا۔

پٹنہ شہر میں ایک زبردست دھماکہ ہوا جو کہ بم پھٹنے کا حادثہ خیال کیا جاتا ہے اس سے ایک نوجوان لڑکا شدید زخمی ہو گیا۔

اس سلسلہ میں شہر پٹنہ میں تقریباً ایک درجن مکانوں کی تلاشی لی گئی اور رات کے وقت کئی اشخاص گرفتار کرلئے گئے زبردست تحقیقات جاری ہے ؀

حکومت بہار نے مندرجہ ذیل کتابوں کو زیر دفعہ ۴ پریس ایکٹ ۱۹۳۱ء ضبط شدہ قرار دیدیا ہے (۱) ملوکیت پرستی کے خلاف جنگ کرنے والوں کے نام (۲) چندر شیکھر آزاد دوس مرزا پور ضلع کمیونسٹ پارٹی کی اپیل ہندی کا ایک اشتہار (۳) چندر شیکھر آزاد کی یاد میں ہندی کا ایک اشتہار

ڈاکٹر این۔ ایس۔ ہارڈیکر پر زیر دفعہ ۱۴۴ قانون ضابطہ فوجداری کے ماتحت ریاست میسور کے دو مجسٹریٹوں کے حکم کی تعمیل ہوئی ہے کہ وہ ریاست کے چھ تعلقوں میں دو ماہ تک کسی عام جلسہ میں تقریر نہ کریں ؀

پیرس ۲۵ ... سرکاری طور پر اطلاع موصول ہوئی ہے کہ ہز ہائینس مہاراجہ ... کا اچانک سورگباش ہو گیا۔ مہاراجہ صاحب (کرنل ہز ہائینس ... مہاراج شری جے سنگھ) ۱۴ رجون ۱۸۸۲ء کو پیدا ہوئے تھے، ۵ رجون ۱۸۹۲ء کو گدی نشین ہوئے مہاراجہ صاحب کو ۱۰ دسمبر ۱۹۰۳ء کو اختیارات ملے تھے اور انہوں نے ۱۹۲۹ء میں اپنی ... جوبلی منائی، مہاراجہ صاحب کو الور میں میوا تیوں کی شورشوں کے سلسلہ میں ریاست سے علیحدہ کر دیا گیا تھا

پنڈت جواہرلال نہرو، ... سیکرٹری کماری اندرا نہرو اور سیکرٹری مسٹر اپادھیائے کے ہمراہ پینانگ سے بذریعہ بس روانہ ہوگئے، سرکردہ ہندوستانی اور برمی اصحاب پنڈت جی کو الوداع کہنے کے لئے ساحل سمندر پر موجود تھے ؀

پریم

وہ لازوال ساز ہے جو زندگی کے آخری لمحہ تک رگ رگ میں سرایت کئے رہتا ہے۔ پریم دریا کی روانی میں، سمندر کی خاموش فضا میں اور اسکی گہرائی میں۔ آبشار کے پانی کے قطرات سے بھرے ہوئے ماحول میں اپنا اثر کرتا ہے۔ پریم ایک نغمہ ہے جس کی آواز ہر ساز کے پردے سے۔ ہر طائر کے ترنم سے اور موسیقی کے ہر لحن سے آتی ہے

(ایم۔ اے خان نشتر)

قدرت لاپرواہی کو کبھی معاف نہیں کرتی

با علم یا بے علم کی لاپرواہی انسان کا سب سے بڑا سبب ہے۔ ہم جتنا محسوس کرتے ہیں۔ واقعی وہ اُن سے کہیں زیادہ ہیں چاہے فرداً ہو یا مجموعی۔ ہمیں ان کے نتیجے بھگتنے پڑتے ہیں۔ نیز کم و بیش یہ خاص و عام اس بلا میں مبتلا ہیں۔ کوئی مبرا نہیں غور طلب ہونے سے صاف ظاہر ہے، کہ ہماری زندگی لاپرواہیوں سے بھرپور ہے، اگر ہم اپنی ناکامیابیوں پر نظر ڈالیں کہ بلاشک کوئی ضروری بات وقت سے نہیں کی گئی یا ضروری شئے کی لاپرواہی کی گئی ہوگی۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے۔ کہ تیز طبع طالب علم صرف اپنی لاپرواہی کی وجہ سے امتحان میں ناکامیاب ہوتے ہیں۔ لاپرواہی ایک بڑی بلا ہے۔ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ملکوں کی تواریخ اس بات کی شاہد ہیں۔ کہ ان کے سیاسی لیڈروں نے لاپرواہی کی تھی جن پر ملک کی بہبودی کا دارومدار تھا۔ وہ بالکل لاپرواہ تھے وہ اپنی آزادی مدتوں کے لئے کھو بیٹھے۔ ہم لمیٹڈ کمپنیوں کے منیجروں اور ... سخت خیانتوں کو بھی کبھی کبھی سزا دار اس لئے ٹھہرایا جاتا ہے کہ انہوں نے لاپرواہی کی تھی۔

ہم کبھی کبھی علمی یا لاعلمی افعال کے زیر اثر ناحق گر پڑتے ہیں۔ پر قدرت اس کے لئے کوئی رعایت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ قدرت کے اصول کو توڑا نہیں جا سکتا۔ ذرا بھی قانون توڑا کہ فوراً سزا ہوئی۔ چھوٹا بچہ بھی لاعلمی سے آگ میں ہاتھ ڈالے تو قدرت کی سزا سے مبرا نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ قدرت کی اطلاعوں سے ہمیشہ ہوشیار رہنا ہے۔ ممکن ہے کہ تپ دق، نمونیا، سیرون کا لہیں یا دمہ کی بیماری نہ ہو۔ لیکن سردی اور کھانسی کے ... معلوم ہوتے ہی ہمیں باخبر ہونا چاہئے، ہمیں یہ جاننا چاہئے کہ قدرت نے مہلک بیماریوں سے بچنے کے لئے ... کیا ہے۔ اور ان سے بچنے کے لئے ''سروان روپ'' کا استعمال کرنا چاہئے، شروع میں ایک دو شیشی ہی ساری مہلک بیماریوں سے مبرا رہیں گے۔

(صفحہ ۱۳ سے آگے)

تھا، یہ شگوفہ کہ مُردہ منجمد زندہ جسم کھانا رینچکر زندہ ہوگیا اور بہت جسکی مخصوص رطوبت تراوش پانے لگی۔ اس سے یہ امید ہوتی ہے کہ آئندہ ایسے ذرائع دریافت ہو سکینگے کہ جن کے ذریعے سے انسانی جسم کی بافتوں کو لیکر خشک مردہ مگر بہاں زندہ حالت میں رکھا جاسکے گا۔

وہ وقت آنیوالا ہے کہ ہم بعض آدمیوں کو سکھا کر کچھ عرصہ کے لئے انکا پھر مردہ حالت میں بنکر کے رکھدیا کریں اور ایک مدت گذر نے کے بعد انہیں پھر زندہ کرلیا کریں اور موت وحیات کا یہ عمل صدیوں تک جاری رہے ہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ "آج کے خیالی پلاؤ کل کی حقیقتیں بن جاتے ہیں"

"ڈاکٹر کیرل نے اپنی تقریر میں جن امکانات کا ذکر کیا ہے وہ سائنس کے لئے ممکن ہے کہ نئی چیزیں ہوں لیکن غالباً ہندوستان میں خیالی پلاؤ کو صدیوں پہلے حقیقت بنا چکا ہے۔ اور ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو کبھی کی جیتی جاگتی حقیقتیں آج خیالی پلاؤ بن گئی ہیں" ہندوستان میں یوگیوں کے سمادھی لگانے اور مدت ہائے دراز کے لئے زندہ زمین کے اندر دفن ہو جانیکے واقعات کوئی نئی چیز نہیں ہیں۔ سمادھی لگانا درحقیقت یہی چیز ہے ایک طویل مدت کے لئے زندگی کے تمام افعال کو بالکل روک دیا جائے، اور پھر سو پچاس برس گذر نے کے بعد اسی جسم میں اسی زندگی کو بحال کرلیا جائے، اس کے علاوہ کون کہہ سکتا ہے کہ مصر میں ایک خاص مصالحہ لگا کر لاشوں کو جو خشک حالت میں بغیر سڑے محفوظ رکھا جاتا تھا۔ اس کا مقصد بھی یہی ہو کہ آئندہ سو دو سو برس بعد وہ دوبارہ زندہ ہوکر اپنی اسی پُرانی زندگی کا سلسلہ جاری کرسکینگے

(طبیب نسواں)

(صفحہ ۶ سے آگے)

میرا خیال ہے کہ گذشتہ عظمت کی یاد۔ اپنے ملک کی بہبودی اور آئندہ ترقی کی اُمیدیں اور سب سے بڑھکر ایک نہایت بہادر او باہمت بیوی کی موجودگی اسے ابتک زندہ رکھنے اور خوش وخرم رکھنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔

شہزادی ہرمائن قیصر کی دوسری محل ہیں۔ پہلی حرم ولیہہ کی ماں ہیں ابھی زندہ ہیں۔ قابل تعریف تو یہ شہزادی ہے جس نے ایسا بادشاہ اپنے لئے مخصوص کیا جس کی عظمت کا ستارہ ڈوب رہا تھا۔ گو ویسے یہ عورت بہت ہنس مکھ بہت باتونی اور دلچسپ ہے۔ ہر وقت باتیں کرتی ہے یا کچھ بنتی ہے یا پڑھتی ہے۔ اپنے شوہر سے باتیں کرتے رہنا اسکا عین مشغلۂ حیات ہے۔ "شاہی" مواقع پر پہلی بیوی ہی فوقیت رکھتی ہے مگر دوسری بیوی کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ وہ تو صرف اپنے شوہر سے باتیں کرنے پر مگن ہے۔

قیصر اپنی جلا وطنی میں کسی امداد ہمدردی یا تشفی کے طلبگار نہیں ہے۔ اس کی رائے میں وہ اب بھی کامیاب ہی ہے دیکھنا ہے۔ کہ تمام دنیا غلطی پر تھی اور وہ صحیح رائے رکھتا تھا۔

وہ اب بھی یہ سوچ رہا ہے۔ کہ دنیا کی عظیم ترین قوم یعنی اہل جرمنی کا وہ حکمران ہے۔ اور ملال تو اس بات کا ہے کہ ابھی تک اس کے دماغ سے یہ بات نہیں نکلی ہے۔ کہ عنقریب وہ پھر قیصریت کے تخت پر جلوہ افروز ہوگا

چین میں فلمسازی

(ازجناب رشدی بھوپالی)

آجکل ہندوستان میں صنعت فلمسازی کی جیسی کچھ حالت ہے وہ ارباب نظر سے مخفی نہیں۔ برخلاف اس کے دیگر ممالک میں اس صنعت سے لامحدود استفادہ حاصل کیا جارہا ہے۔

ایک چین ہی کو لے لیجئے چین میں اسوقت تقریباً دو سو سینما ہال موجود ہیں جن پر تقریباً ......۲۰ ڈالر سالانہ صرف ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر روی منوورین نے حال ہی میں ایک تقریر کی ہے جس سے چینی صنعت فلمسازی کا مقصد اور اسکی ترقی کے حالات روشنی میں آگئے ہیں ۱۹۳۵ء میں تماشائیوں کی تعداد ۱۰۰۰،۰۰۰ تھی۔ ڈاکٹر موصوف نے نیز یہ فرمایا کہ سینما کی ابتدا چین میں ۱۹۲۲ء سے ہوئی ہے لیکن ۱۹۲۹ء تک چینی حکومت نے اس صنعت کی طرف کچھ توجہ نہیں کی اور نہ دلچسپی کا اظہار کیا۔ اصل کامیابی کا دور ۱۹۳۳ء سے شروع ہوتا ہے گورنمنٹ نے "سنسر شپ" قائم کرکے اس صنعت کو بہت تقویت بخشی ہے جسکی وجہ سے اعلےٰ فلم دکھائے جانے لگیں اور لچر فلموں کے دیکھنے اور انکے مضر اثرات سے لوگ محفوظ ہوگئے۔

چین کو پہلے پہل فلم بننے میں بڑی بڑی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا لیکن بعد میں انہوں نے بڑے کارہائے نمایاں دکھائے چین میں جو ذہین کے بجائے مفیدی فلم دکھائے جاتے ہیں اور اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ فلم تعلیمی ہوں۔

چنانچہ امریکہ، کمرشل یا سٹیج اسسٹنٹ کو ڈک کمپنی اور نانکنگ یونیورسٹی تعلیمی فلم بنانے میں سب سے زیادہ پیش پیش ہیں اور اپنی ساری جدوجہد بروئے کار لارہے ہیں کہ تعلیمی فلموں کو ترویج دی جائے۔ اس ذوق وشوق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایک قومی ایجوکیشنل سوسائٹی کا قیام ہوا سوسائٹی نے نہایت سختی سے چینی فلمسازوں کو متنبہ کردیا ہے کہ وہ فلم بناتے وقت ذیل کی پانچ باتوں کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

(۱) اصلاحی فلم بنائے جائیں جس سے ملک وقوم میں بھی فلاح وبہبودی کا جذبہ پیدا ہو اور ملک کے ہونہار نوجوانوں میں اتحاد عمل اور محنت کی روح پیدا ہوجائے۔

(۲) سائینٹفک فلم تیار کئے جائیں جن سے لوگ سائنس کی معلومات جدیدہ سے آگاہ ہوں اور نوجوانان وطن میں ترقی کا مادہ پیدا ہو۔

(۳) ایسے فلم بنائے جائیں جن سے لوگوں میں تعلیم کا شوق پیدا ہو اور جہالت چھوڑکر تہذیب وتمدن کی زندگی اختیار کریں

(۴) ایسے فلم ہوں جن سے لوگوں کی عادات واخلاق پر برا اثر نہ پڑے بلکہ ان میں جذبۂ کایا پلٹ پیدا ہو جائے۔

(۵) تمام فلم اخلاقی ہوں اور انکا معیار کسی حالت میں کم نہ ہو چنانچہ ان اصولوں کے ماتحت ہی چین میں فلم بنائے جاتے ہیں اور مندرجہ بالا پانچ اصولوں کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ ۱۹۳۶ء میں بلجیم میں جو بین الاقوامی نمائش ہوئی تھی اس میں نانکنگ یونیورسٹی اور سنٹرل اسٹوڈیو میں بھی اتحاد عمل کا معاہدہ ہوگیا تھا اور اس کو تیسرا انعام ملا۔ علاوہ ازیں ای۔سی۔ایس کے آٹھ صوبہ اور ہیں جو اس کام میں منہمک ہیں۔

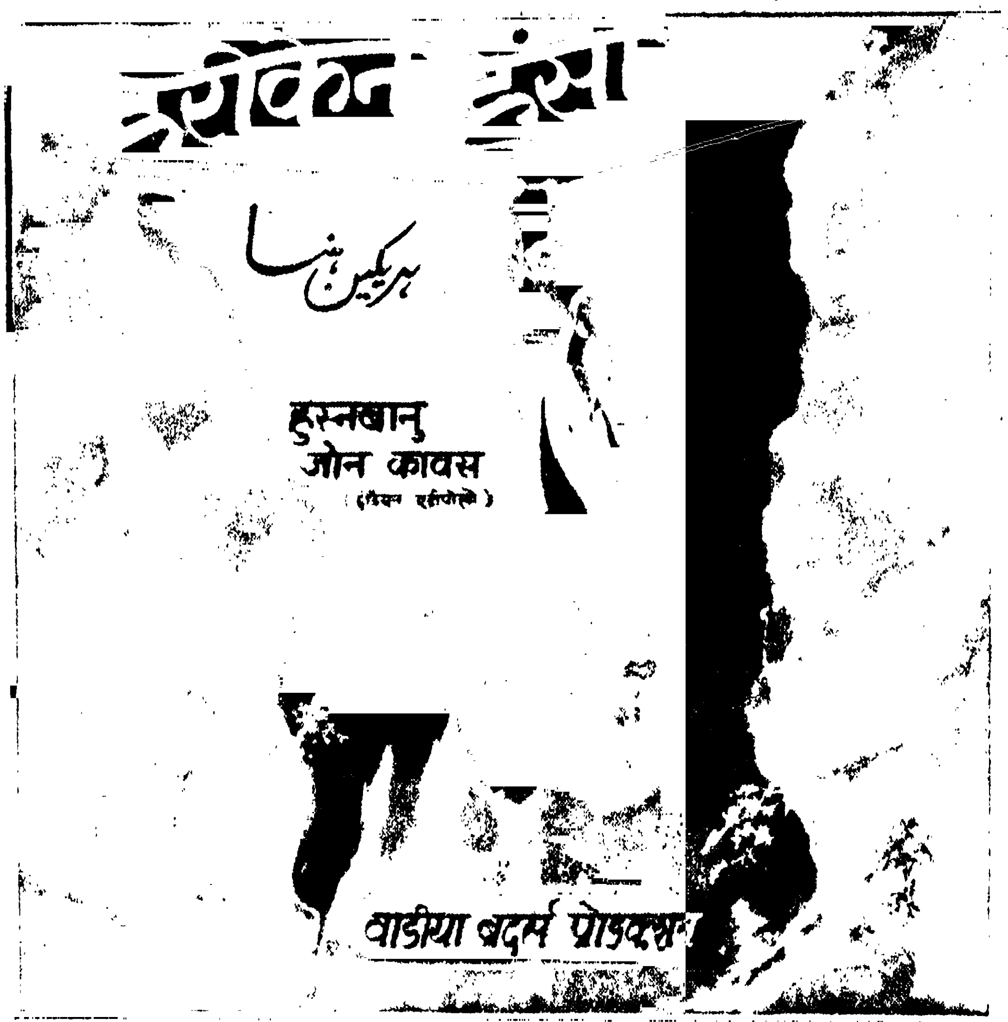
چین جدید کے، ایک یونیورسٹی اور ایک ملٹری اور دو مذہبی محکمے متفقہ طور پر تعلیمی فلموں میں بڑی دلچسپی کا اظہار کررہے ہیں خصوصاً نانکنگ یونیورسٹی تعلیمی فلموں کے بارے میں بہت زیادہ جدوجہد کررہی ہے۔ نانکنگ کی صوبجاتی حکومت تعلیمی فلموں کی تیاری میں میدان فلمستان میں بہت آگے قدم زن ہے اور نہایت سرگرمی کے ساتھ مصروف عمل ہے ملٹری میں تعلیمی اور فوجی فلموں کی ترویج ہو رہی ہے۔ غرضکہ ہر قسم کی آسانیاں تعلیمی فلموں کیلئے بہم پہنچائی جارہی ہیں اور پبلک بھی ان میں انتہائی دلچسپی کا اظہار کرتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سینما ہی آجکل ہر شخص کا مرکز تفریح بنا ہوا ہے۔ لہذا انہی فلموں سے چینیوں میں روشن خیالی اور مستعدی کی روح پھونکی جارہی ہے۔ کئی کالجوں اور مڈل سکولوں میں انکی اپنی سینما مشینیں ہوگئی ہیں اور وہ تعلیمی فلموں سے اچھی طرح استفادہ کررہے ہیں۔

نانکنگ یونیورسٹی اور این۔ای۔سی اس نے ملکر ابھی ابھی ایسا فلم تیار کرنیکا ارادہ کیا ہے جس میں سائنس سے متعلق تمام معلومات ہونگی۔ مشاہیر کی سوانح دکھلایا کریں گی۔ اور عنقریب ہی تمام مدارس میں سینما جاری ہونیوالے ہیں۔ چین نے جب سے تعلیمی فلم بنانا شروع کئے ہیں اس صنعت میں چار چاند لگ گئے ہیں اور ان تعلیمی فلموں پر نیشنل گورنمنٹ کے ......۲۰ لاکھ ڈالر صرف ہوتے ہیں۔ تعلیمی فلموں کے علاوہ نیوز فلم اور پروپیگنڈا فلم بھی شامل ہیں۔ نانکنگ میں ایک نہایت دلکش نگارخانہ ہے جس میں تمام قسم کے آلات جدیدہ متعلق بینائی وخاموش موجود ہیں۔

نیشنل ہیلتھ ایڈمنسٹریشن بھی حفظان صحت کے متعلق فلم بنانا شروع کررہے ہیں جو ملک بھر میں بنظر استحسان دیکھے جارہے ہیں۔ غرضکہ لوگوں کیلئے ہر طرح کی آسانیاں مہیا کردی گئی ہیں جس سے چینیوں کے والہانہ ذوق سینما بینی کا پتہ چلتا ہے۔



"ھوائی ڈاکو" کا ایک سین
اسکے ساتھ حرمنی جہاز اپوڈن کی آمد بھی ذاولٹی ٹاکیز
میں دکھائی جارہی ھے



جو کہ نیورایل سنیما میں چل رہا ھے



مادھوری "زمین کا چاند" میں جو ناولٹی ٹاکیز میں آنیوالا ھے



" چیلنج " کے چند سین
جو کہ سنٹرل ٹاکیز میں چل رہا ھے

Regd. L. No. 1517.

ہندوستانی چائے پیجئے
کیونکہ
یہ سودیشی ہے



ہندوستانی چائے آپ کے ملک کی پیداوار اور آپکے ہموطنوں کی کاشت کی ہوئی چیز ہے۔ اور آپ ہی کے ملک کے لوگوں کی محنت و مشقت سے تیار ہوتی ہے اس لئے آپکو لازم ہے۔ کہ ہندوستانی چائے کی آپ سرپرستی کریں۔ روزانہ چند پیالی چائے پی کر آپ اپنے ملک کی بہبودی میں تائید کر سکتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ آپکو چائے جیسی لذیذ اور فرحت بخش شے کا لطف بھی حاصل ہوگا۔ ایسی چیز کو جو صحت بخش بھی ہو اور سودیشی بھی آپ ضرور پئیں۔ کیونکہ آپ کے خاندان اور آئندہ نسل کے لئے ایک ایسی نظیر ہوگی۔ جس کی تقلید کرنے میں انھیں فخر ہوگا۔

چائے بنانے کا طریقہ

پہلے تازہ پانی کو جوش دیجئے۔ اور ایک صاف برتن کو ذرا گرم کیجئے۔ پھر چائے کے ایک چمچے سے ناپ کر ہر شخص کے لئے ایک چمچہ عمدہ ہندوستانی چائے اور ایک چمچہ زائد اس میں ڈال دیجئے۔ پانی ابلتے ہی فوراً چائے کی پتیوں پر ڈالئے پانچ منٹ تک اسے ڈھانک کر رکھیے۔ پھر پیالیوں میں ڈال کر دودھ و شکر ملا لیجئے۔



آپ کے ملک کی پیداوار — ہندوستانی چائے

Printed and published by Dharampal Gupta at the TEJ Press, Barn Bastion Road, Delhi. IK 17 N.

The TEJ ILLUSTRATED (Weekly)

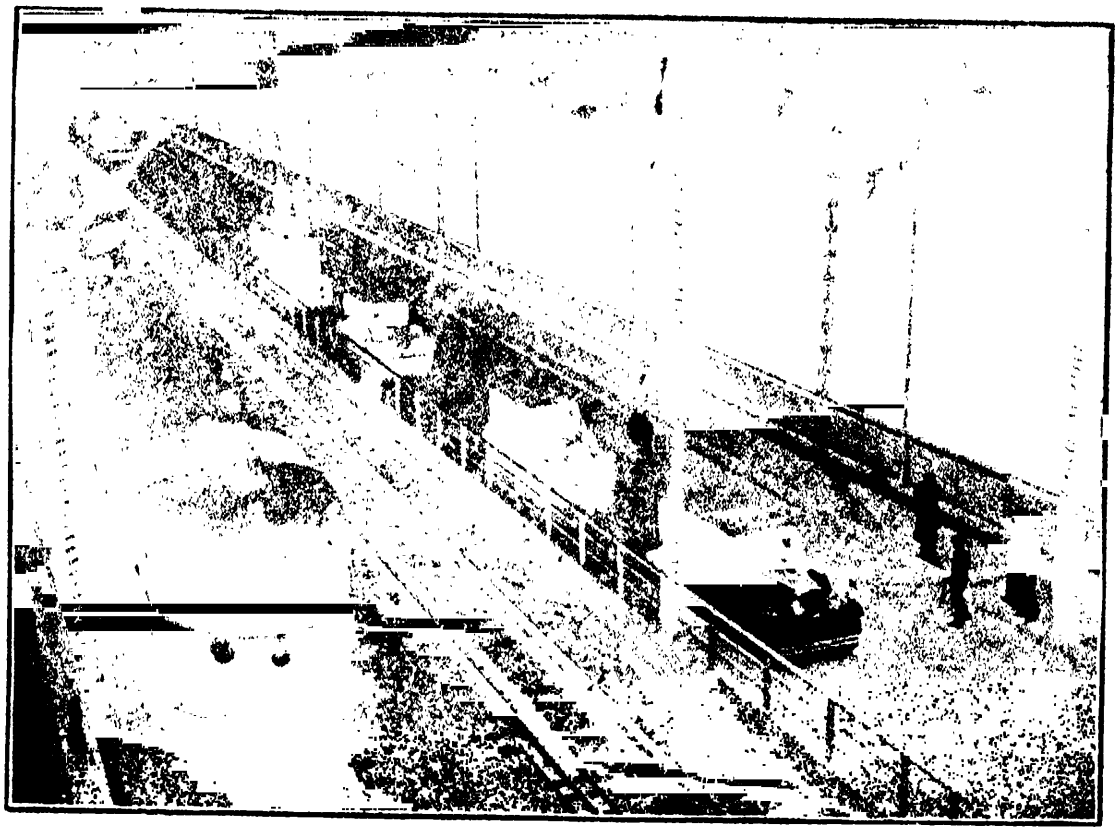
ویکلی

ہندوستان کا بہترین باتصویر ہفتہ وار اخبار

ایڈیٹر: دھرم پال گپتا

NO. 150 **DELHI** 8TH JUNE 1937. **V. NO.** 15.

لالہ دیش بندھو



ڈنمارک کی تجارتی ترقی نے یورپ کو حیرت زدہ کردیا ہے یہ تصویر ایک عظیم الشان
پل کی رسم افتتاح کی ہے

TEJ WEEKLY

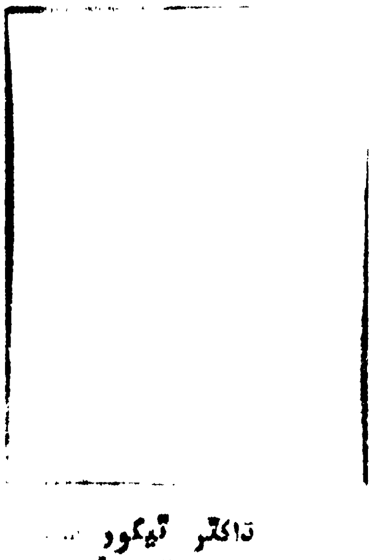
ہفتہ کی مشہور شخصیتیں



مسٹر ڈی۔ ولیرا
صدر جمہور آئرلینڈ
آپنے آئرلینڈ کی جمہوریت کے سلسلہ میں لیا آئین پیش کیا ہے جو صفحہ ۲۷ پر ملاحظہ فرمایئں



مسٹر روزولٹ
صدر جمہوریہ امریکہ
آپنے کہا ہے کہ ولایات متحدہ قیام امن کے مسلہ پر تمام دوسری قوموں کے ساتھ اتحاد کرنے کیلئے تیار ہے



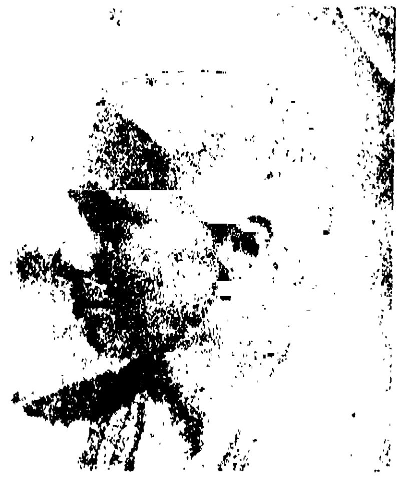
ڈاکٹر ٹیگور
الموڑہ میں پنڈت گوبندولبھ پنت کی صدارت میں آپ کو ایڈریس پیش کیا گیا جس کے جواب میں آپنے ایشیائی تہذیب کو برقرار رکھنے کی اپیل کی



شریمت سی راجگوپال اچاریہ
آپنے ایک بیان کے دوران میں فرمایا کہ بمبئی سے مدراس کو واپسی کے وقت تمام راستہ پولیس نے ان کی کڑی نگرانی رکھی اور ... کو ہر دو گھنٹہ کے بعد انہیں دکایا گیا



مسٹر اے۔ لطیفی
پنجاب کے فائنینشل کمشنر جو اپنے عہدے سے جلد ریٹائر ہونے والے ہیں



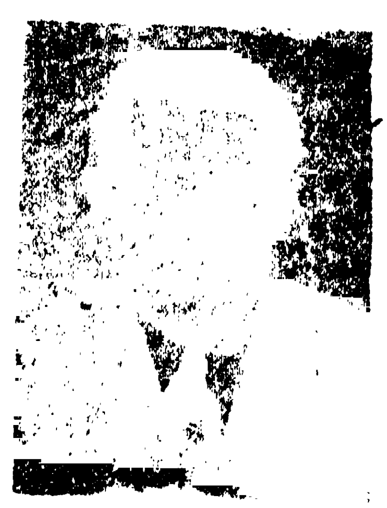
مسز فریدا ایم۔ بیدی
آپ امرتسر میں ہونے والی سول لبرٹیز کانفرنس کی صدر منتخب ہوئی ہیں



مسٹر ستیہ پال ورمانی
جو ریزرو بنک کے ڈائرکٹر منتخب ہوئے ہیں آپ ایک نوجوان مل اونر ہیں اور عمر بیس سال سے کم ہے



مسٹر کستوربھائی لال بھائی
ہندوستان کے مشہور مل مالک جو ریزرو بنک کے ڈائرکٹر مقرر ہوئے ہیں



جنرل گوئرنگ
ہر ھٹلر کے دست راست
آپ ھنگری اور یوگوسلاویہ جارہے ہیں جسے یورپ کی جنگی فضا کے پیش نظر بڑی سیاسی اہمیت دی جارہی ہے

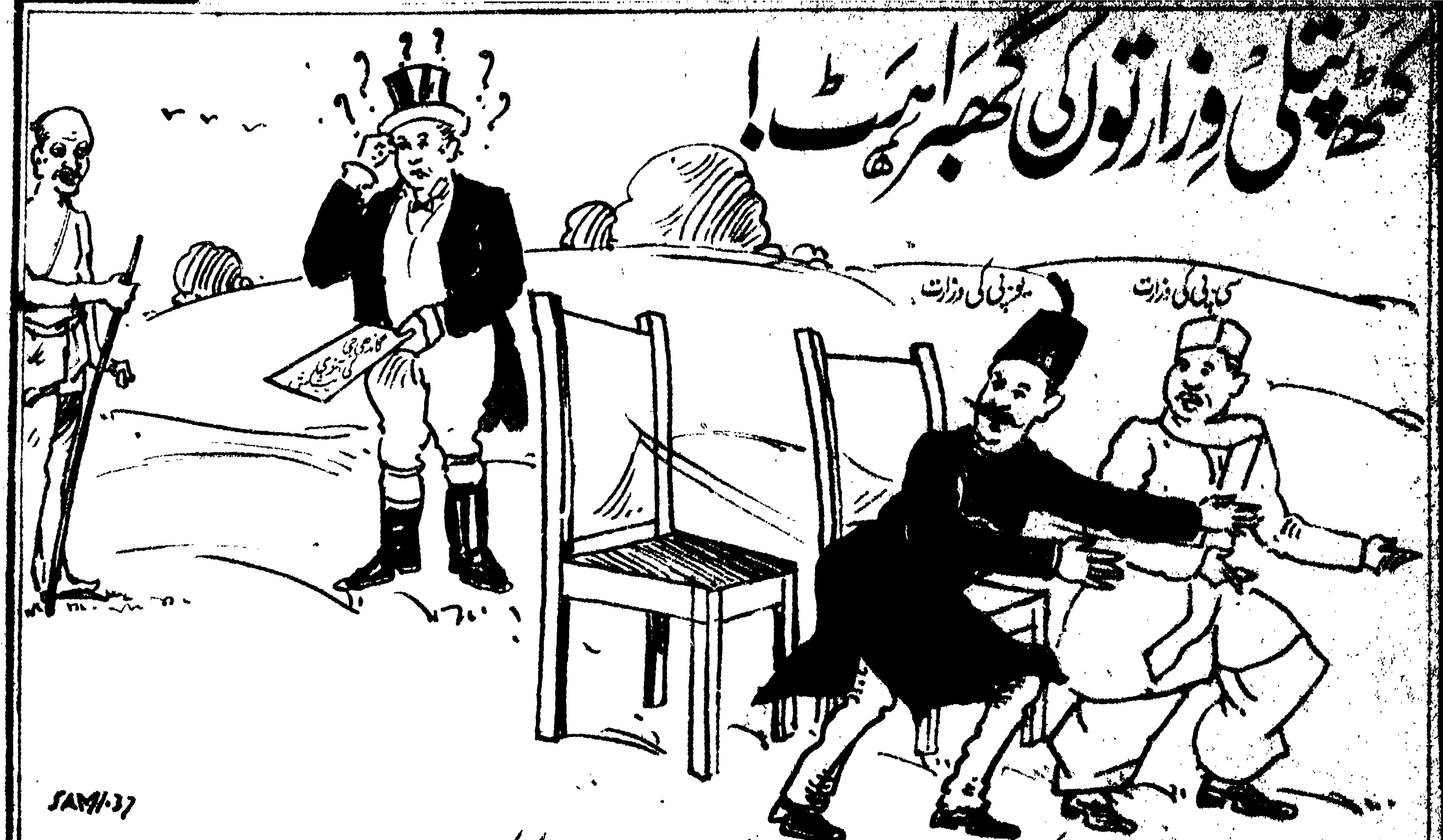


ڈاکٹر جان نگری
جنھوں نے اسپین میں نئی سوشلسٹ وزارت قائم کی ہے۔ اور باغیوں کا مقابلہ کر رہے ہیں



لارڈ زٹلینڈ
وزیر ہند
آپنے ہندوؤں کو اُن کی تعمیری قابلیت پر خراج تحسین ادا کیا ہے

کٹھ پتلی وزارتوں کی گھبراہٹ!



(نوٹ) گاندھی جی کی آخری پیشکش سے ہندوستان کے مختلف صوبوں کی کٹھ پتلی وزارتوں میں گھبراہٹ پھیل رہی ہے کہ اگر حکومت نے گاندھی جی کی یہ بات مان لی تو ہمیں اپنی کرسیاں چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا!

آج کی خبریں

پنڈت جواہر لال جی کا پروگرام

الہ آباد ۵ رجون۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کے ایک ذمہ دار ممبر سے پتہ لگا ہے کہ جو تازہ ترین اطلاعات موصول ہوئی تھیں ان سے ظاہر ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو ۱۷ یا ۱۸ جون کو کلکتہ پہنچ سکیں گے۔ کیونکہ پینانگ سے جس جہاز میں پنڈت جی سوار ہیں وہ اپنے معینہ وقت سے پیچھے پہنچ رہا ہے۔ چٹاگانگ ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی کے سیکرٹری کے نام پنڈت جی ایک خط میں فرماتے ہیں کہ وہ چند گھنٹے چٹاگانگ میں گذارنا چاہتے ہیں۔ اور اس دوران میں وہاں کے کانگریسی ممبران اور کارکنان سے ملاقات کریں گے۔ جس کے بعد آپ کلکتہ چلے جائیں گے۔ (ر-پ)

بجلی گرنے سے چار آدمی ہلاک

پورنیا ۵ رجون۔ اس ضلع کے کئی مواضعات سے اطلاع ملی ہے کہ یہاں بجلی کی گرج سے زبردست نقصان ہوا۔ چار آدمی بجلی گرنے سے ہلاک اور کئی زخمی ہو گئے کئی...

خالصہ کالج امرتسر کی ہڑتال ختم

امرتسر ۵ رجون۔ سکھوں کے مشہور لیڈر بابا کھڑک سنگھ کی کوششوں سے آج خالصہ کالج امرتسر کی ہڑتال ... ختم ہو گئی ... طلباء ... اپنی ... واپس لے لیے

گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پرنسپل نے یہ یقین دلایا کہ وہ طالب علموں کے خلاف کالج سے اخراج کے احکامات منسوخ کر دیں گے۔ اور ہڑتالی طالب علموں کے خلاف ان کے گذشتہ عمل پر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ (ر-پ)

سبھاش بوس کانگریس فنڈ

تیس ہزار روپیہ جمع ہو گیا

کلکتہ ۵ رجون۔ سبھاش بوس کانگریس فنڈ میں اب تک تیس ہزار روپیہ کی رقم جمع ہو گئی ہے۔ کانگریسی لیڈران کو امید ہے کہ ۱۶ رجون تک اس فنڈ میں پچاس ہزار روپیہ ہو جائے گا۔ چندہ جمع کرنے کے لئے پندرہ دن کا مزید اضافہ کر دیا گیا ہے۔ تاکہ ایک لاکھ کی رقم جو اس فنڈ کے لئے تجویز کی گئی تھی جمع ہو جائے۔ (ر-پ)

چوری کا مال برآمد کیا

نئی دہلی ۵ رجون۔ پولیس نے چاندنی چوک دہلی کے دو صرافوں کی دوکان پر چھاپہ مارا اور ۵۰۴ تولے کے سونے کے زیورات جو چوری کے بتائے جاتے ہیں اپنے قبضہ میں کر لئے۔ اس سلسلہ میں پولیس نے دو آدمیوں کو شبہ میں گرفتار کیا ہے جو چوری کے ذمہ دار بتائے جاتے ہیں۔ (ا-پ)

فرقہ وارانہ فساد ہوتے ہوتے رہ گیا

راولپنڈی کے ہندوؤں کی بُردباری

راولپنڈی ۵ رجون۔ آج یہاں کے لال کرتی بازار کے ہندوؤں کے تدبر اور تحمل کی وجہ سے فرقہ وارانہ فساد ہوتے ہوتے رہ گیا جبکہ مسلمان دیہاتیوں کی ایک پارٹی نے جو لاٹھیوں وغیرہ سے مسلح تھی لال کرتی کے کنٹونمنٹ بورڈ سکول کے چند ہندوؤں پر حملہ کر دیا۔ اس وقت یہاں وارڈ نمبر چھ کا الکشن ہونے والا تھا۔ دو سکھ۔ ایک بارہ سالہ لڑکے اور ایک ہندو کو چوٹیں آئیں (ر-پ)

باشندگان ریاستہائے دکن کی کانفرنس

مسٹر زیمان کا شاندار جلوس

کدمی (بیلگام) ۵ رجون۔ دکن کی ریاستوں کے باشندوں کی کانفرنس کے صدر منتخب مسٹر کے۔ ایف نریمان اور ریاستوں کی مجالس آئین ساز کے ممبران کے اجتماع کے صدر منتخب مسٹر ایل۔ بی بھوپٹکر پریذیڈنٹ ڈیموکریٹک سوراجیہ پارٹی آج صبح یہاں تشریف لائے۔ ہر دو صدر صاحبان کا ایک شاندار جلوس نکالا گیا جسے بیلوں کی کئی جوڑیاں کھینچ رہی تھیں۔ ریلوے سٹیشن سے کانفرنس کے پنڈال تک جلوس نکالا گیا۔ (ر-پ)

بمبئی میں گرفتاریوں کی بھرمار

۱۳۸۴ آدمی پکڑے گئے

بمبئی ۵ رجون۔ مشتبہ چال چلن والوں اور پولیس نیز مجسٹریٹ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کی جو گرفتاریاں جنوری سے اب تک ہوئی ہیں ان کی تعداد ۱۳۸۴ تک پہنچ گئی ہے۔ اب تک اس سلسلہ میں ۱۳۸۴ آدمی گرفتار کئے جا چکے ہیں۔ (ر-پ)

ڈسٹرکٹ بورڈ بریلی کا چیئرمین

کمشنر کے پاس استعفےٰ بھیج دیا

بریلی ۵ رجون۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پنڈت نند کشور ارشاد ممبر (کانگریس) ممبر اسمبلی چیئرمین ڈسٹرکٹ بورڈ بریلی نے جن کے خلاف ۱۹ ممبران کی جانب سے عدم اعتماد کا ریزولیوشن معرض التوا میں پڑا ہوا تھا کمشنر روہیلکھنڈ ڈویژن کے پاس اپنا استعفےٰ بھیج دیا ہے۔ بورڈ کی آئندہ میٹنگ میں جو ۱۰ رجون کو ہوگی استعفےٰ پر غور ہوگا۔ (ا-پ)

برما کی خلاف قانون انجمن

رنگون ۵ رجون۔ گورنر برما نے فیصلہ کیا ہے کہ قانون ترمیم ضابطہ فوجداری کے ماتحت قرار داد کی ضمن میں ۱۱۷ انجمنیں خلاف قانون قرار دی گئی تھیں اب ان پر سے یہ پابندیاں اٹھالی جائیں (باقی اگلے صفحہ پر)

تازہ تجارتی سماچار

لنڈن صرافہ

لنڈن ۵ جون

چاندی حاضر فی اونس ۲۰ ۰۰ وعدہ ۲۰

بازار خاموش پرنتو مضبوط تھا

پنس ۔ شلنگ ۔ پونڈ

سونا ۔ ۔ ۔ ۔

لیورپول روئی

لیورپول ۵ جون

اکتوبر وعدہ ۵ بند ہوئی ۔ ۔ ۔ ۷.۹۰

نیویارک روئی

نیویارک ۵ جون

اکتوبر وعدہ کھلی ۱۲.۶۹

پہلے دن روزولٹ کے سونے خرید سمبندھی وشواس کے بارے میں بازار مضبوط کھلا پرنتو تیزی کا اثر کوئی کارن نہ ہونے سے بھاؤ میں آتار چڑھاؤ بہت کم رہا۔ بازار کل کے بند بھاؤ سے ۲ پوائنٹ اونچا کھلا اور ہلکی بیوپاری پر بند ہوا۔

لیورپول گیہوں

لیورپول ۵ جون

جولائی وعدہ ... اکتوبر ۹۹ پر کھلا۔ بدیش سے ... سماچار ... اور بکوالی ہونے سے بھاؤ گرے

شکاگو گیہوں

شکاگو ۵ جون

بارش ... زیادہ ہے ... ہوئی ہے ... فصل کے متعلق شکایت پاپت ہوئی ہے۔

بمبئی بند بازار

بمبئی ۵ جون

روئی:۔ بازار مضبوط کھلا ... ولایت وعدہ والوں کی بیوپاری ... سے بڑھا ہوا ہے بازار کے ... کاٹ سے بھاؤ گرے بازار خاموش بند ہوا

روئی بروچ جولائی اگست ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۲۰ فی کھنڈی

۔۔ ۔۔ اپریل مئی	۔ ۔۱۲ ۔ ۲۲۲	"
۔۔ اومارا جولائی	۔ ۔۱۲ ۔ ۲۳۴	"
۔۔ ۔۔ دسمبر جنوری	۔ ۔ ۔ ۔ ۲۲۴	"
۔۔ بنگال جولائی	۔ ۔ ۱۲ ۔ ۲۳۴	"
۔۔ ۔۔ دسمبر جنوری	۔ ۔۸ ۔ ۱۸۷	"

... اپریل مئی ...

السی ستمبر ۔۶۰ ۔۵	اجناس بنولہ ۔۳ ۔۱۰ ۔۵	فی من
السی ستمبر ۲ ۔۳ ۔۱۰	تیل ۔۰ ۔۴ ۔۹	"
ارنڈی ۔۰ ۔۵ ۔۷	بنولہ ۔۰ ۔۱۲ ۔۲	"
مونگ پھلی ۔۳۰ ۔۸	خاندیش ۔۰ ۔۴ ۔۸	"

صرافہ

پونڈ ۔ ۰ ۔ ۱۲ ۔ ۵

چاندی حاضر ۔۲۰ ۔۵۲ پہلا وعدہ ۔۰ ۔۱۴ ۔۵۲ سو تولہ

دوسرا وعدہ ۔۰ ۔۵۳ سونا حاضر ۔۰ ۔۹ ۔۳۴ فی تولہ

پہلا وعدہ ۔۶ ۔۳۴ دوسرا وعدہ ۔۰ ۔۱ ۔۳۴ "

علاقہ تورہ خیل کا جرگہ

بنوں ۵ جون کل تورہ خیل کے باشندے سمجھوتہ کی شرائط پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ آج پھر ایک شدہ جرگہ بلایا گیا ... کل تک جاری رہے گا۔ خیال کیا جاتا ہو کہ جرگہ کی دونوں پارٹیاں مندرجہ ذیل شرائط ماننے پر رضامند ہو گئی ہیں

تورہ خیل والے ان سو رائفلوں کے علاوہ جو ضبط ہو چکی ہیں مزید پچاس رائفل جمع کرینگے۔ تورہ خیل کے علاقہ میں ... اپنی داخل نہیں ہو سکیگا۔ تمام ہندو اور سکھ اغوا شدہ واپس کئے جائیں گے۔ ایک سال تک ایک ... کا انعام ضبط رہے گا۔ برخاست شدہ خاصہ دار بحال کئے جائیں گے۔ مگر اس دوران کی تنخواہ نہیں ملیگی۔ ایک سو تورہ خیل والے جو حراست میں ہیں رہا کئے جائیں گے۔ ان تمام شرائط پر کل جرگہ میں مہر تصدیق ثبت کی جائیگی۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت فقیر ایپی جنوبی ... کے علاقہ میں ایک پہاڑی کھڈ میں چھپا ہوا ہے (ا۔پ)

باجلی نظربند کیمپ توڑ دیا جائیگا

حکومت بنگال کا فیصلہ

کلکتہ ۵ جون۔ خبر ہے کہ مدناپور ضلع کا باجلی نظر کیمپ بنگال گورنمنٹ کے حکم سے بہت جلد توڑ دیا جائیگا۔ کیمپ کے بہت سے نظر بند تو مختلف جیلوں میں تبدیل کر دیئے گئے ہیں۔ باقی نظربندوں کو بھی جلد ہی یا تو جیلوں میں بھیج دیا جائے گا یا ان کے گھروں میں نظربند کیا جائے گا۔ آج سے سات سال قبل جب کہ اس صوبہ میں تشدد کا ... زوروں پر تھا باجلی کیمپ قائم کیا گیا تھا جس میں چار سو کے قریب نظربند رکھے گئے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد زنانہ کیمپ بند کر دیا گیا تھا کیونکہ تقریباً تمام زنانہ نظربند رہا کر دی گئی تھیں ایک سال ہوا کہ ملی پور کا نظر بند کیمپ بھی بند کر دیا گیا ہے۔ جس کے کچھ نظربند بہرام پور کیمپ اور دیولی کیمپ میں بھیج دیئے گئے تھے۔ (ا۔پ)

سندھ کے مصیبت زدہ ہندوؤں کی امداد

سیٹھ جگل کشور برلا نے ایک ہزار روپیہ دیا

شملہ ۵ جون سیٹھ جگل کشور برلا نے ڈاکٹر سر گوکل چند نارنگ صدر پنجاب پراونشل ہندو سبھا کو سرحد کے ان مصیبت زدہ ہندوؤں کی امداد کے لئے جنہیں وہاں کے لٹیروں کے ہاتھوں تکالیف برداشت کرنا پڑی ہیں۔ ایک ہزار روپیہ دیا ہے۔ ڈاکٹر نارنگ نے اس سلسلہ میں ملک کے دیگر دانی ہندوؤں سے اپیل کی ہے۔ (ا۔پ)

تاجِ شاہی

محبت کی ٹھوکروں میں!

(از مولانا سیماب اکبرآبادی)

جسے دیوانگی کہتے ہیں، اُلفت کی نبوت ہے
غنیمت ہے جو صدیوں میں کوئی دیوانہ ہو جائے (سیماب)

(۱)

مرحبا اے وارثِ اورنگ مغرب مرحبا
تُو نے رُوحِ ماضیٔ مشرق کو زندہ کر دیا
صرف دیجوئی ادائے مجلا ہی تُو نے کی
تو نے کی، ہاں فی الحقیقت بادشاہی تُو نے کی
تاجِ شاہی، ہے اِک انگڑائی ترے ایثار کی
قیصری ٹھوکر ہے، تیرے جذبۂ خودار کی
جوگ اُلفت کا لیا تُو نے بقیبِ سروری
مل گئی فیضِ محبت سے تجھے پیغمبری
تُو نے ثابت کر دیا، دنیا کی عظمت کچھ نہیں
دل کی دولت، دلکی دولت ہے حکومت کچھ نہیں
رشک ہے جسپر سلاطیں کو وہ قسمت ہے تری
دل کی لامحدود دنیا پر حکومت ہے تری
صرف تقویمِ سیاست میں سلاطین کا ہے نام
اور تاریخِ ادب میں مل گیا تجھ کو مقام
تیری منزل، منزلِ دارا و جم سے دُور ہے
تو دیارِ عشق کا اک صاحبِ دستور ہے
تو کہ اس مردود مطلوقہ کو ہے چھوڑے ہوئے
منفعل دُنیا کھڑی ہے تجھ سے مُنہ موڑے ہوئے
دیکھ اے شہزادۂ دردآشنا و دل شناس
سب بشارت دے رہے ہیں تجھکو مستقبل شناس
کس بلندی پر مذاقِ حُسن لایا ہے تجھے
عشق خود دینے مبارکباد آیا ہے تجھے

ہر نفس، دل بردرت نوبت زن فریاد باد
سینہ ات از سوزشِ غم شاد باد آباد باد

(۲)

اے محبت تجھ کو سجدے، تیری قوت کو سلام
جس کی قسمت تو بنائے، اُسکی قسمت کو سلام
ہے خدائی سے الگ تیرا نظامِ داوری
تیری ٹھوکر میں حکمرانی، تیری ٹھوکر قیصری
شادمانی تیری جنت کی ہوائے دلفروز
غم ترے آتشکدہ کا شعلۂ کونین سوز
بہتی آنکھیں تیرے دریا، خشک لب صحرائے تر
زخم تیری سیرگاہیں، داغ تیرے گلکدے
تیری دنیا ہے بلند اس عالمِ ناپاک سے
ٹوٹتے ہیں ترے انفاسِ آتش ناک سے
جنس و نسل و رنگ سے ہے تیری فطرت بے نیاز
کرمکِ ناچیز کا دل، اور موسیٰ کا گداز
تیرے آگے کیا بلا ہے احتیاطِ سلطنت
اک اشارے میں اُلٹتی ہے بساطِ سلطنت
زلزلے آتے ہیں محلوں میں تری آواز سے
نغمے کیسے، دل بندھے پھرتے ہیں تیرے ساز سے
تیرے اٹھوائے ہوئے ہاتھوں میں اتنا اختیار!
اک بھکارن مول لے سکتی ہے تاجِ شہریار!
فرش سے تا عرش، سب پردے اُٹھا دیتی ہے تو
بیخودی دے کر، خدا سے بھی ملا دیتی ہے تو
پردہ دارِ ما وراء الماورا تو ہی نہ ہو!
حُسنِ ظن کو ہے یہ اندیشہ، خدا تو ہی نہ ہو

گر خدائے دیگر است، ایں قوت و ہیجان کیست
انقلابِ عالمِ ایجاد، ہر زمان کیست

دنیا کا عجائب خانہ

مصنوعی عورت

برطانیہ ... ایک ایسی مصنوعی عورت تیار کی ہے جو ... ہاتھ سے خانہ داری کے مختلف فرائض انجام دیتی ہے۔

یہ مشینی عورت ... فرش کی ... صاف کرتی ہے ... اس کے علاوہ بالائی کی برف علاوہ اس قسم کی دوسری لذیذ چیزیں پکا سکتی ہے ... اگر اس ایجاد میں اسے مقبولیت کامیابی نصیب ہو جائے تو یہ بڑی خانہ ... لوگوں کو انسانی خادماؤں سے بے نیاز کر دے گی۔

مُردہ زندہ ہو گیا

امریکہ کے ڈاکٹر ... ڈاکٹر ... نے کلاوہ ... کے ... ایک ... کا جوہر نکالا ہے اس جوہر کی ... مردہ جسم میں ... ان کا تجربہ ہے کہ چار منٹ کے بعد قلب کی حرکت جاری ہو جاتی ہے ڈاکٹر صاحبان کا بیان ہے کہ تنفس ساقط ہونے کے بعد انسان نہیں مرتا بلکہ جسم سرد ہونے کے ... گھنٹہ بعد تک اس کی ہڈیوں میں زندگی کی حرارت باقی رہتی ہے اور جب غدود ... حیات کے ضامن ہوتے ہیں ... گھنٹہ بعد تک زندہ رہتے ہیں ... ڈاکٹر صاحبان نے مردے کو زندگی بخشنے کا راز معلوم کر لیا ہے۔

فولاد کے آدمی!

امریکہ کے مشہور شہر واشنگٹن کے ... کرنے کے کارخانہ میں تین عجیب و غریب ... ہیں جو فولاد پیکر ہیں ان کے اعضا گوشت پوست کی جگہ دھاتوں سے بنے ہوئے ہیں۔ ان تینوں کے نام آدم ... ہیں۔ حال ہی میں جب انگلستان کے انجینیروں کے جلسہ کا افتتاح ہوا تو ایک فولاد پیکر انسان خود اٹھ کر چبوترے پر گیا پھر اس نے سب کو سلام کیا اور اس کے بعد افتتاحی تقریر کر کے لوگوں کو محو حیرت کر دیا۔

درخت سے خون بہنے لگا!

چین کے ایک صوبہ ... ضلع ... ایک شخص کے پرائیویٹ باغ میں ایک بہت پرانا درخت ہے جب یہ شخص بہت فارغ البال تھا یہ درخت بہت ہرا بھرا تھا اور ہر سال اس کی نئی نئی ٹہنیاں اور پتے نکلتے تھے لیکن اب جبکہ اس کی مالی حالت کمزور ہو گئی ہے یہ درخت ...

بھی ... ہیں ... پتے ... رہ گئے ہیں یہ شخص ... بہت تھا اس نے ... سمجھا کہ ... اسی وقت میرے ... جب ... سے کٹوانے کا فیصلہ کیا ابھی اس پر کلہاڑے کے چند وار ہی لگنے پائے تھے کہ اس میں سے خون کی ... نکلی ... لوگ یہ دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے اور انہوں نے درخت کے کاٹنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ایک عورت کے ۲۴ بچے

برطانیہ کے شمالی ویلز میں سینٹ استاوف نامی ایک چھوٹا سا قصبہ ہے مگر اس نسبت سے بڑی شہرت رکھتا ہے کہ یہاں کی ایک عورت مارگریٹ ... جس کی عمر ... سال ہے ۲۴ بچوں کی ماں ہے ... سال ہوئے کہ اس کی شادی ہوئی تھی ... سال ہوئے وہ اسکول کی ملازمت سے ریٹائر ہوئی ہے اس عورت کے اس وقت ۳۹ پوتے اور پرپوتے موجود ہیں۔

چھ بہنوں کو خریدا اور ساتویں سے شادی کی

پولینڈ کے رواج کے مطابق چھوٹی بہن اپنی بڑی بہن سے پہلے شادی نہیں کر سکتی، جوسف ... نامی ایک نوجوان ... ڈاکٹر کی سات کنواری بہنوں میں سے سب سے چھوٹی بہن کے دام محبت میں گرفتار ہوا۔ اس کے لئے اپنی محبوبہ کو حاصل کرنے کے صرف دو ہی راستے تھے یا تو وہ دوسری چھ بہنوں کے بیاہ ہونے تک انتظار کرتا یا چھوٹی بہن سے شادی کرنے کے لئے بڑی بہنوں سے اجازت حاصل کرتا۔ اس اجازت کے لئے آخر اس نے ان بہنوں کو خریدنے کا فیصلہ کیا اس نے اس کی ہر بہن کو اس کی عمر اور خوبصورتی کے مطابق ایک معقول رقم پیش کی۔

بغیر تاروں کے پیانو

امریکہ میں آجکل ایک نئی قسم کا پیانو بنایا جا رہا ہے اسے ایک پروفیسر صاحب نے کئی برس کے تجربہ کے بعد ایجاد کیا ہے۔ اس عجیب باجہ میں تار بھی کوئی نہیں ہے اور باجہ کی جو آوازیں نکلتی ہیں وہ فولادی پتیوں کی تھرتھراہٹ سے پیدا ہوتی ہیں اور کیلی سے ان میں زور پڑ جاتا ہے، اس طرح سے جو آوازیں پیدا ہوتی ہیں وہ اتنی دھیمی ہوتی ہیں کہ مشکل سے سنائی دیتی ہیں لیکن جب یہ آوازیں ایمپلیفائر (آواز کو بڑھانے والا آلہ) میں سے ہو کر گزرتی ہیں اور جب بے تار برقی کے سیٹ میں لگایا جاتا ہے تو پھر نہایت صاف صاف سنائی دیتی ہیں۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

موت — علم حیات کی نظر میں

کیا ہر جاندار کے لئے مرجانا لازمی ہے؟

(از ڈاکٹر کے۔ بی۔ لال، ایم، ایس، سی، پی، ایچ، ڈی (اڈنبرگ) ایف، آر، ای ایس)

صدیوں سے انسان اس کوشش میں مبتلا ہے کہ بڑھاپے سے نجات اور موت سے آزادی حاصل کرے وہ دیکھتا ہے کہ ہر جاندار کچھ روز زندہ رہ کر مرجاتا ہے لیکن چونکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ موت کیا ہے اس لئے وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے، دنیا میں سب سے بڑی تعداد اُن لوگوں کی ہے جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے فطرت سے بلند تر یعنی SUPERNATURAL طاقت کی طرف رجوع کرتے ہیں، بیماریوں اور اتفاقی حادثوں کو چھوڑ کر عام طریقہ پر انسان کی موت بڑھاپے کی آخری منزل سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے لوگ یہی کوشش یہ کرتے ہیں کہ بڑھاپا ہی نہ آئے، اس لئے وہ شباب اور جوانی کو واپس لانے کی دُھن میں لگے رہتے ہیں پرانے زمانہ میں امرت اور آب حیات کی تلاش اسی مقصد کے پیش نظر ہوا کرتی تھی، لوگوں کا حال یہ ہے کہ جسمانی طاقت کو برقرار رکھنے کے لئے صحت بخش غذا معتدل زندگی اور عام سائنس کے فطری اصولوں کو ترک کرکے زیادہ تر کوئی ایسا جادو یا ایسی چیز کی تلاش کرتے ہیں جو آسانی سے اُن کی تمنا پوری کردے اور یہ فوراً منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔

چونکہ علم حیات نے سائنس کی روشنی میں اتنی ترقی حاصل نہیں کی تھی اور پرانے زمانے میں پوسٹ مارٹم کے تجربات لوگوں کو حاصل نہ تھے اس لئے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ موت کے مسائل کو حل کرنے کے لئے انسان زیادہ مذہب اور فلسفہ کی طرف نگاہیں اٹھاتا تھا۔ اور دوسرا یہی جو موجودہ زمانے میں ماہرین علم حیات کی تحقیقاتوں کی تنقید ہوتی ہے، زمانہ قدیم میں معلومات حاصل کرنے کے لئے صرف پراسرار ذرائع کو پیش نظر رکھنی تھی یہی سبب تھا اور اب بھی ہے کہ موت اور اس کے بعد کی زندگی کا مسئلہ بالکل مذہب سے متعلق سمجھا جاتا ہے۔ اور اکثر انسان اسی آخری گھڑی کو بہتر اور پاک وصاف بنانے کے لئے اپنی پوری زندگی صرف کرتے ہیں۔ لیکن سردست ہم موت اور مذہب کے مسئلہ پر کوئی بحث کرنا نہیں چاہتے۔ جو چیز جس دائرے سے تعلق رکھتی ہے اُسے اپنی جگہ پر چھوڑ کر ہم اس وقت صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ سائنس اور علم حیات کی نظر میں موت کیا چیز ہے؟ اس بات کو خیال رکھنا چاہیئے کہ اس تحریر کا تعلق صرف جسم سے ہے، "روح" سے نہیں، یعنی ہمارا موضوع صرف "سائنس" ہے۔ "مذہب" نہیں ہے۔

تجربہ اور تحقیقات نے ہمیں بتلا دیا ہے کہ موت ایک بائیولوجیکل BIOLOGICAL عمل ہے یعنی جسم کے اجزاء میں چند مخصوص تبدیلیوں کا نام ہے اور موت کے اسباب کی تاویل و تشریح سائنس کی روشنی میں مکمل طور پر کی جاسکتی ہے حیوانات کے اونچے طبقہ میں جس میں انسان شامل ہے موت اُس زندگی کی آخری شکل ہے جو جراثیم حیات کے پرورش پانے سے شروع ہوتی ہے۔ یہ جرثومہ ماں کے پیٹ میں بچہ کی صورت اختیار کرتا ہے اس کے بعد بیرونی دنیا میں آکر بچپن، شباب، جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کرتا ہے، آخری منزل میں اسکی جسمانی طاقتیں کم ہونے لگتی ہیں۔ مختلف اعضاء کے عمل کمزور ہوجاتے ہیں اور رفتہ رفتہ سب اپنا کام ترک کردیتے ہیں، سائنس کی اصطلاح میں اسی عضوی بیکاری اور ترکِ عمل کا نام موت ہے

اگر تمام حیوانی عالم پر نظر ڈالی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ جتنے نیچے طبقے ... بعض حیوانات میں یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر نئی زندگی نر اور مادہ کے اختلاط ہی کا نتیجہ ہو ... بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی ایک فرد کے جسم کا ایک جزو خودبخود دوسرا جسم بن کر الگ ہو جاتا ہے اور یہی ایک نئی زندگی کی ابتدا ہو جاتی ہے، پھر اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور افراد کے ٹوٹ جانے یا دو حصوں میں تقسیم ہو جانے ہی سے اولاد پیدا ہوتی رہتی ہے اس طرح کے "حیوانات" میں جو دراصل ارتقا کی ابتدائی منزلوں سے تعلق رکھتے ہیں نر اور مادہ کی کوئی پہچان ہی نہیں ہوتی، لیکن بعض اُن حیوانات میں بھی جو ترقی کرکے نر و مادہ شکلیں اختیار کرتے جاتے ہیں، یہ ضروری نہیں ہے کہ انڈے ہی کی پرورش سے اولاد پیدا ہو۔ ان میں اکثر مائیں "کنواری" ہوتی ہیں۔ اور اولاد پیدا کرتی ہیں۔

دوسری طرف حیات کی انھیں ابتدائی منزلوں میں بعض ایسے جاندار بھی ہیں جو کبھی نہیں مرتے۔ یعنی اُن پر جب بڑھاپا طاری ہونے لگتا ہے وہ فوراً دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور ایک بوڑھا گویا ازسرنو جوان ... دو نوجوان بنکر ... نئی زندگی شروع کرا دیتا ہے، یہ تقسیم کسی وقت میں اور کسی منزل پر پہنچکر محدود نہیں ہوتی بلکہ مستقل اور غیر فانی زندگی کا یہ لامتناہی سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ کبھی کوئی ایسی چیز وجود میں نہیں آتی جس کو "لاش" کہہ سکیں، ظاہر ہے کہ موت کا تخیل "لاش" کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔

اس لئے ہمارے پاس اس امر کو تسلیم کرلینے کا کوئی سبب باقی نہیں رہتا کہ ہر جاندار کے لئے موت ایک فطری اور لازمی چیز ہے۔ اس دعوے کا مزید ثبوت اس حقیقت میں ہے کہ حیوانات کے بلند ترین طبقہ یعنی انسانوں میں بھی نسل کو جاری اور باقی رکھنے کا اصلی عنصر مُردہ ہوئے بغیر والدین سے اولاد میں منتقل ہو جاتا ہے اور نئی حیات پیدا کردیتا ہے، یہ عنصر کبھی نہیں مرتا بلکہ صرف وہ جسم جو اس کو منتقل کرتا ہے موت کا شکار ہوتا ہے۔ لیکن ہم اس سے بھی آگے بڑھکر یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ اس فانی جسم کے بھی تمام اعضاء اور اجزاء ایک ہی بار اور ایک ہی ساتھ نہیں مرتے، زیادہ ترقی یافتہ اعضا مثلاً دل یا گردہ وغیرہ اگر بعض عضلات جدا کرلئے جاتے ہیں تو وہ جسم کے دوسرے حصوں کے مرجانے کے بعد بھی بہت دنوں تک زندہ رہتے ہیں اور بعض حالتوں میں ان کی حیات کبھی ختم ہی نہیں ہوتی، تجربہ گاہوں میں اکثر ایسا کیا گیا ہے کہ ایک مرغ کے دل کے عضلات کو پرورش کرکے پندرہ بیس سال تک زندہ رکھا گیا ہے، ایک امریکن ماہر سائنس کی جدید ترین دریافت یہ ہے کہ ایک ایسی مچھلی ہے جو کسی حادثہ کے بغیر کبھی نہیں مرتی اور اس پر بڑھاپا کبھی نہیں آتا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب پیدائش اور موت (جن معنوں میں ہم ان کو سمجھنے کے عادی ہیں) زندگی کے لئے لازمی چیزیں نہیں ہیں تو عالم حیات کے عام اسکیم میں ان دونوں اہم ترین چیزوں کی جگہ کہاں ہے؟ یہ ایک حقیقت ہے کہ نر اور مادہ جنسوں کا امتیاز پیدا ہونے اور دونوں کے اختلاط سے اولاد کے وجود میں آنے کے پہلے ہی موت وجود میں آئی اس لئے کہ بعض نچلے طبقہ کے جانداروں میں بھی مثلاً اسفنج (SPONGE) وغیرہ میں بھی جن میں نر و مادہ کا وجود نہیں ہے، فطری حد پر موت آجاتی ہے اور بعض دوسرے کیڑے بھی جو جنسی عمل کی پیداوار نہیں ہوتے چند روز زندہ رہ کر مرجاتے ہیں۔

موت کے صحیح معنی یہ ہیں کہ جس کی موت آئے اُس کی انفرادی ہستی کلیتہً برباد اور ختم ہو جائے۔ لیکن معائنہ اور مشاہدہ یہ بتلاتا ہے کہ یہ نتیجہ بھی ایک بار نہیں بلکہ رفتہ رفتہ اور مختلف اعضا میں مختلف منزلیں طے کرنے کے بعد واقع ہوتا ہے بعض نیچے طبقہ کے حیوانات میں اگرچہ مدت حیات کا اوسط کم ہوتا ہے مگر موت اس قدر آسانی سے نہیں آتی جیسے کہ اونچے طبقہ والے حیوانات کو آتی ہے، بعض کیڑوں اور چھوٹے جانوروں میں یہ قدرت ہوتی ہے کہ اگر ان کا کوئی عضو کسی حادثہ سے ٹوٹ جائے تو وہ فوراً اس کی مرمت کر لیتے ہیں، بعض نئے عضو پیدا کرلیتے ہیں اور یہ انکی معمولی زندگی کا ایک کرشمہ ہوتا ہے۔ بعض قسم کی جنگلی چھپکلیاں اپنی کٹی ہوئی دُم دوبارہ پیدا کرلیتی ہیں لیکن انسان میں یہ طاقت قطعاً ختم ہوگئی ہے اور اس کے آخری آثار صرف اتنے ہی باقی رہ گئے ہیں کہ وہ اپنے ناخنوں اور بالوں کو دوبارہ پیدا کرلیتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ارتقا کی ترازو میں جاندار

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحے سے

بستہ بلند ہوجاتا ہے، اسی قدر اس میں اپنے نقصانات کو کم کرنے اور موت کو دفع کرنے کی طاقت کم ہو جاتی ہے اس لئے اگر یہ کہا جائے تو منطق کی رو سے صحیح ہوگا کہ انسان کے جسمانی سسٹم کی پیچیدگی اس کی پیچیدگیوں کا لازمی نتیجہ موت ہے۔ وہ کیڑے جو ایک ترقی یافتہ جسم اور وہ دائمی صفات نہیں رکھتے جو انسانوں میں ہیں خوب اپنے کھوئے ہوئے اعضا کو دوبارہ پیدا کرنے کی حیرت انگیز قوت رکھتے ہیں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ان کے دو ٹکڑے کر دئیے جائیں تو دو کیڑے بن جاتے ہیں اس حد تک کہ موت اور قتل تباہی ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی جسم جتنا سادہ و معمولی ہوتا ہے اتنی ہی کم نوعیت کی ہوتی ہے جتنا کہ ہوتا ہے اسی قدر اس کے ٹوٹنے اور بیکار ہو جانے کا امکان ہوتا ہے یہی فرق نیچے درجہ کے حیوانات اور اونچے درجہ کے حیوانات میں ہے۔

انسانی زندگی کے ارتقا کی ابتدائی منزلوں میں زندگی کی تعمیر مادی کے تناسب کا ایک عنصر بن گئی جسم کو خود ایک پیچیدہ آرگنائزیشن کی ضرورت زیادہ محسوس ہونے لگی، لیکن یہی ایک دلچسپ اجتماع ضد ین ہے کہ سادگی سے گزر کر پیچیدگی صرف اس غرض سے حاصل کی گئی تھی کہ زندگی کی مدت میں اضافہ ہو لیکن اس کا نتیجہ بالکل برعکس ہوا۔ حیوانات کی غیر فانی بستی میں ایک نظری موت نمودار ہو گئی۔ آج بھی بعض ذی حیات جراثیم کے لئے زندگی ایک ابدی چیز ہے۔ ان کو موت نہیں آتی ہے لیکن وہ زندگی یہی ہے جو سادگی اور پستی کی انتہائی منزل ہے، زندگی ایسی ہے جو صرف ذرات کی صورت میں، پانی کے قطروں کی شکل میں، چھوٹے چھوٹے کیڑوں کی ہیئت میں، یا زیادہ سے زیادہ سائنٹفک تجربہ گاہوں کی شیشے کی بوتلوں اور ٹیوبوں میں موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ پست زندگی کس کام کی ہے؟ انسان تو اپنی موجودہ زندگی پر جس کے ساتھ موت بھی لگی ہوئی ہے، ایسی ابدی زندگی کو کبھی ترجیح نہیں دیگا جو پستی میں ہمیشہ کے لئے زندگی میں رہ کر مر جانا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

اس بحث سے اتنی بات تو ظاہر ہو گئی ہوگی کہ موت اس لئے نہیں واقع ہوتی کہ جن اجزاء پر جسم مشتمل ہے وہ فانی ہیں بلکہ اس لئے کہ ان اعضاء کے تعلقات سے جو ترکیب وحدت ہے وہ انتہائی شان اور ایسی اعلیٰ خصوصیات رکھتے ہیں کہ زندگی کے بدلنے والے ماحول میں جلد یا بدیر وہ اپنی زندگی کے مطابق حالات پانے میں ناکامیاب ہو جاتے ہیں جن حالات میں مخالف حالات ضرورت سے زیادہ قوی ہو جاتے ہیں وہ بھی شکست تسلیم کر کے فنا ہو جاتے ہیں یہ بات اس طریقہ پر بھی ثابت ہوتی ہے کہ جو سسٹم یا آرگن بیرونی چیزوں سے اکثر اور گہرا تعلق رکھتے ہیں وہ جلد کمزور اور بے جان ہونے لگتے ہیں اور جو یہ تعلق کا موقع نہیں رکھتے وہ زیادہ متاثر نہیں ہوتے۔ مثلاً سب کو معلوم ہے کہ سب سے زیادہ آدمی ہاضمہ اور تنفس کے اعضاء کی خرابی سے مرتے ہیں اور کم آدمی دماغ، خون یا گردہ وغیرہ کی بیماری سے موت کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ معدہ اور پھیپھڑہ غذا اور ہوا جیسی بیرونی چیزوں سے بہت زیادہ واسطہ رکھتا ہے لیکن دوران خون کا سسٹم بڑی حد تک براہ راست بیرونی اثرات سے آزاد رہتا ہے۔

اکثر اس بات پر اظہار تعجب کیا جاتا ہے کہ سوسائٹی کے ہر طبقہ کے لوگ مختلف عمروں میں کیوں مر جاتے ہیں انسان میں تو نظری اور مصنوعی عناصر ہر وقت کام کرتے رہتے ہیں مگر اس کا مکمل سبب بتلانا نہایت مشکل ہے لیکن علمی معنوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسانی زندگی کا پیمانہ بڑی حد تک دو چیزوں پر منحصر ہے ایک تو وہ جسمانی بناوٹ اور طاقت جو اس کو اپنے باپ دادا سے وراثتاً ملی ہے اور دوسرے وہ ماحول اور حالات جن میں وہ اپنی زندگی بسر کرتا ہے ان دونوں میں اول الذکر کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے اور درازی حیات کے سلسلہ میں وراثت کا عنصر بہت قدر اہمیت رکھتا ہے اس امر کو ماہرین نے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے انسانی عمر کی مدت پر کسی قدر اثر فطری انتخاب کے عمل کا بھی ہوتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ سب سے زیادہ اچھی چیزوں کو سب سے زیادہ دیر تک زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ اسی کو سائنس کی اصطلاح میں بقائے اصلح SURVIVAL OF THE FITTEST کہتے ہیں لیکن دوا کے استعمال اور صحت کی بہتری کے جدید طریقوں سے کمزور انسان بھی زیادہ دنوں تک زندہ رہنے کی کوشش کرتا ہے اور بعض حالات میں کامیاب بھی ہوتا ہے۔

حیوانی جسم کی ساخت اور تاریخ حیات کی حقیقتوں کی روشنی میں درازی عمر کے مسئلہ کو حیوانات کے مختلف طبقوں پر منطبق کرنے اور اس سے کوئی صحیح نتیجہ نکالنے کی بہت سی کوششیں کی گئی ہیں جو اب تک ناکامیاب ثابت ہوئی ہیں جسامت، ساخت یا ذہانت و شعور یا کسی دوسرے اوصاف نے اب تک عمر کی درازی یا کمی سے اپنا کوئی خاص تعلق نہیں ثابت کیا ہے۔ طوطے کی عمر گھوڑے سے زیادہ ہوتی ہے اور چیونٹیاں، شہد کی مکھیوں جیسی ذہین اور تیز فہم مخلوق بہت کم حیات رکھتی ہے۔ بعض چھوٹے چھوٹے سانپ ہاتھی سے بہت زیادہ زندہ رہتے ہیں ایک جنس کے افراد میں موت کی شرح تو کسی حد تک قائم کی جا سکتی ہے لیکن مختلف نوع کی حیات ہمیں اپنا کوئی سائنٹفک سبب نہیں بتلاتی۔

بہرحال راقم الحروف کو اس بات کا یقین نہیں ہے کہ اگر انسان کی زندگی بے حد طویل ہو جائے اور اس کو ایک ہی حالت پر جاری رکھنے کا امکان ہو تو اس سے انسان کو کوئی زیادہ فائدہ پہنچے گا حقیقت تو یہ ہے کہ اس کو زندگی سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہے گی۔ زندگی کی قدر و قیمت تو اسی میں ہے کہ موت کا ایک خدشہ ہر وقت لگا رہتا ہے اگر سب لوگ اسی طرح زندہ رہیں تو دنیا میں آبادی بہت بڑھ جائے گی اور کسی کو آرام سے رہنے کی جگہ نہ ملے گی اس لئے اگر غیر محدود زندگی کم از کم تمدن اور ترقی یافتہ انسان کے لئے تو کوئی نعمت نہیں کہی جا سکتی۔

جون سنہ ۱۹۳۷ء

مہاتما گاندھی کی آخری پیشکش

کیا حکومت اب بھی قدم نہ اٹھائیگی

مہاتما گاندھی صلح اور آشتی کے دیوتا ہیں۔ اُن کے متعلق یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ جب تک وہ صلح کے لئے آخری کوشش نہیں کر لیتے ہیں اور سمجھوتہ کا آسان سے آسان راستہ نہیں نکال لیتے ہیں وہ کبھی جنگ کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھاتے چونکہ وہ خود نہایت مخلص اور صاف دل انسان ہیں اس لئے دوسرے کے خلوص کو بھی پہلے جانچ لینا چاہتے ہیں اور اگر ان کو دوسرے کے دل میں خلوص کا جذبہ مل جاتا ہے تو سمجھوتہ کے لئے ہمیشہ تیار ہو جاتے ہیں یہی چیز مسٹر گاندھی اور ان سمجھوتہ میں بھی کارفرما تھی اور اس وقت بھی جو صورت میں جمود کے متعلق مہاتما گاندھی کے اعلیٰ کیریکٹر کا یہی عنصر دنیا کے سامنے آ رہا ہے آپ نے حال میں ٹائمز آف انڈیا کے خصوصی نامہ نگار کو ایک انٹرویو کے دوران میں جو بیان دیا ہے اس میں اپنی پہلی شرط کو بدل کر وہ حکومت کے لئے قابل قبول بنا کر پیش کر دیا ہے اور اس طرح جمود کو دور کرنے اور کانگریس کے وزارت قبول کرنے کی راہ میں جو آخری رکاوٹ تھی اس کو بھی دور کر دیا ہے۔ مہاتما جی کی پہلی شرط کیا تھی؟ انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ صوبوں کے گورنر صرف اس بات کا یقین دلا دیں کہ اگر گورنر اور کانگریسی وزراء کے درمیان کوئی شدید اختلاف رائے ہوگا تو گورنر اپنے حکم سے ان وزیروں کو برطرف (DISMISS) کر دیں گے۔ اب مہاتما جی کی آخری اور تازہ ترین شرط کیا ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں ذاتی طور پر صرف اتنی ہی بات سے مطمئن ہو جاؤں گا کہ گورنر اس بات کی ذمہ داری لے لیں کہ جب ایسی حالت پیدا ہوگی تو وہ اپنے وزیروں سے استعفیٰ کا مطالبہ کریں گے اب سوال یہ ہے کہ کیا حکومت مہاتما گاندھی کی اس آخری پیشکش کو قبول کر کے اپنے خلوص اور نیک نیتی کا ثبوت دیگی؟

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مہاتما گاندھی نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ان کی "ذاتی" رائے ہے لیکن چونکہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ریزولیوشن کی مشہور شرط کے مصنف وہی تھے اس لئے یقین ہے کہ وہی جو کچھ اس کی تشریح و تاویل کریں گے اس کو سمجھوتہ کی طرح ذاتی سمجھیں گے کانگریس بھی اسے تسلیم کرے گی اور چونکہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بہت جلد منعقد ہونے والا ہے اس لئے حکومت کے لئے بھی یہ بہترین موقعہ ہے کہ صلح کی اس پیشکش سے فائدہ اٹھا کر ورکنگ کمیٹی کو اپنے الہ آباد ریزولیوشن میں ترمیم کرنے کا موقعہ دے، مہاتما گاندھی نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ خلوص دل سے سمجھوتہ کے خواہشمند ہیں اور کانگریس نے صلح کا دروازہ بند نہیں کیا ہے جیسا کہ کانگریس کے نکتہ چینوں نے کہا ہے کہ کانگریس کا مطالبہ بہت معمولی اور وہ نئے TRIFLE تھا تو پھر یہ موجودہ مطالبہ جو اس سے بھی زیادہ معمولی ہے کیوں نہیں قبول کر لیا جاتا۔ حقیقت یہ ہے جو مہاتما جی نے ظاہر کی ہے یعنی یہ مطالبہ بذات خود کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ حکومت کے خلوص کی جانچ مطلوب ہے اور سوال یہ ہے کہ حکومت کانگریس کو وزارت کے عہدوں پر دیکھنا چاہتی ہے یا نہیں؟

حکومت سے یہ شکایت بالکل بجا اور درست ہے کہ اس نے براہ راست کانگریس کی طرف سمجھوتہ کا کوئی قدم نہیں بڑھایا ہے، اور برطانی سیاست دانوں نے بجائے اس کے کہ وہ اپنی تقریروں میں کانگریس کو مخاطب کرتے انہوں نے دنیا کو مخاطب کر کے یہ دکھلانے کی کوشش کی ہے کہ کانگریس حق کی راہ پر نہیں ہے یہ کون سی مشکل بات تھی کہ وائسرائے خود اس جمود کو دور کرنے کی کوشش کرتے اور کانگریس کے صدر کو ملاقات کی دعوت دیتے؟ اور سچ تو یہ ہے کہ اس کی بھی چنداں ضرورت اب باقی نہیں رہی ہے۔ مہاتما گاندھی نے اپنی شرط اتنی ہلکی کر دی ہے کہ صحیح معنوں میں وہ کوئی "شرط" ہی نہیں ہے، گورنروں پر سے وزیروں کو برطرف کرنے کی ذمہ داری بھی اٹھا لی گئی ہے وزارت کا استعفا ایک ایسی چیز ہے جو دنیا کے ہر جمہوری آئین کی رو سے شدید اختلاف رائے کی صورت میں ضروری ہو جاتا ہے ایسی حالت میں گورنر اگر اپنے کانگریسی وزراء سے استعفے کا مطالبہ کریں تو یہ کوئی غیر آئینی عمل نہیں ہے اور نہ گورنر کے مخصوص اختیارات سے دست برداری کے برابر ہے اب حکومت کے پاس یہ جواب بھی باقی نہیں رہا کہ کانگریس کا مطالبہ آئین میں تبدیلی و ترمیم کا مطالبہ ہے۔

بمبئی میں فرقہ وارانہ فساد!

بمبئی میں ایک ہفتہ کے اندر دو مرتبہ ہندو مسلم نزاع نے زور پکڑا اور دو مرتبہ پولیس کو گولی چلانی پڑی اور بمبئی کو فساد کے بعد بھی یہ اطلاع ملی تھی کہ حالات اب قابو میں آ گئے ہیں، مگر ۳ جون کی خبر کہتی ہے کہ وہی فساد از سر نو پھر شروع ہو گیا ہے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک مجمع پر جو پتھروں، اینٹوں اور سوڈا واٹر کی بوتلوں سے ایک دوسرے کی تواضع کر رہے تھے، پولیس نے گولی چلائی۔ کہا جاتا ہے کہ پولیس فائرنگ سے کوئی زخمی نہیں ہوا لیکن مجمع منتشر ہو گیا۔ ان فسادات میں اب تک آٹھ آدمی ہلاک اور ۳۰ آدمی زخمی ہو چکے ہیں اور ۴۰ آدمی گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ اب کوئی ان جنگ آزما لڑنے والوں سے پوچھے کہ اس ہنگامہ آرائی سے بجز اس کے کیا فائدہ ہوا کہ چند گھر بے چراغ، چند آدمی چوٹوں اور زخموں کے باعث لنگڑے اور لولے ہو گئے یہ تو نہ ہوا کہ ایک جماعت نے دوسری جماعت کو صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا پھر اس جوتی پیزار سے خود ہی نقصان اٹھانے کے سوا اور کیا نتیجہ نکلا جہاں ہمارا پبلک سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ اس طرح کی فرقہ وارانہ ذہنیت کو ترک کر دیں وہاں حکومت سے بھی ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ مجمع پر گولی چلانے کے علاوہ اور کوئی صورت ایسے فتنوں کے انسداد و روک تھام کی نہیں ہے؟

شری راجگوپال آچاریہ پر پولیس کا سایہ

مدراس کی کانگریس پارٹی کے لیڈر اور ملک کے مشہور کانگریسی رہنما شری راجگوپال آچاریہ نے وردھا سے واپس آ کر پریس کو ایک بیان دیا ہے جس سے پولیس کی قابل اعتراض کارروائیوں پر کافی روشنی پڑتی ہے آپ مہاتما گاندھی سے ملاقات کر کے واپس آ رہے تھے کہ راستے پر آپ نے ... اس تک سی آئی ڈی پولیس آپ کی نگرانی کرتی رہی ہر اسٹیشن پر آپ کا ٹکٹ دیکھا گیا۔ ہدایت کے سفر میں تقریباً ہر دو گھنٹے کے بعد آپ کو بیدار ہونے کی تکلیف دی گئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ ۲۲ سال کی سیاسی زندگی میں میں نے سفر میں پولیس کی نگرانی کے باعث ایسی تکلیف کبھی نہیں اٹھائی تھی۔ طرفہ یہ ہے کہ ٹکٹ چیکر کو آپ کے ٹکٹ کا نمبر بھی پہلے سے معلوم تھا ہم حیرت میں ہیں کہ نگرانی کی

باقی اگلے صفحہ پر

مہاتما گاندھی کے مذکورہ بالا بیان کے پہلو بہ پہلو جب ہم لارڈ زٹلینڈ کی اس تقریر پر نظر ڈالتے ہیں جو انہوں نے پہلی جون کو "کانسر ڈیو انڈیا کمیٹی" کے سامنے کی ہے تو ہمیں واقعی اس امر پر حیرت ہوتی ہے کہ آخر سمجھوتہ کیوں نہیں ہوتا؟ اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ ایک طرف خلوص، سچائی اور عمل کے لئے مستعدی ہے اور دوسری طرف صرف الفاظ کا گورکھ دھندا ہے خلوص کا فقدان ہے اور عمل کا نام و نشان بھی نہیں ہے، لارڈ زٹلینڈ اپنی تقریر میں کانگریس سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ عہدے قبول کر لے، اس بات پر اظہار افسوس کرتے ہیں کہ اعلیٰ قابلیت اور بلند ترین مقصد رکھنے والے لوگ ہندوستان کی اس خدمت میں شریک نہیں ہیں جو نئے آئین نے پیش کی ہے شری راجگوپال آچاری کے اس بیان کا حوالہ دیتے ہیں کہ کانگریسی وزارتیں اپنی طرف سے جمود پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں گی۔ اور اپنے اس عقیدے کو بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اہل ہند کی تعمیری قابلیتیں بہت بلند درجہ کی ہیں لیکن یہ سب کچھ کہہ کر اصل بات کے متعلق بالکل خاموش ہو جاتے ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ حکومت اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کیا قدم اٹھانا چاہتی ہے؟ یہ عمل ویسا ہی ہے جیسے وہ بڑی بلند آہنگی سے کچھ لوگوں کو ڈنر کی دعوت دے رہے ہوں اور جب ڈنر کے وقت لوگ آ جائیں تو میز پر کھانے پینے کی چیزوں کا کوئی پتہ ہی نہ ہو۔

کیسا دلچسپ معمہ ہے کہ برطانیہ ہندوستان سے اتحاد عمل کی اپیل کرتا ہے اور لارڈ زٹلینڈ کی زبانی یہ کہہ رہا ہے کہ ہماری مشترک تاریخ میں سب سے زیادہ نازک وقت آ گیا ہے" لیکن ہندوستان کی طرف سے اس اتحاد عمل کے صلہ میں کوئی معمولی سا معمولی مطالبہ پیش کیا جاتا ہے تو اس کے کان بند اور اس کی زبان خاموش ہو جاتی ہے اور یہ سمجھوتہ کا عزم رکھتے ہوئے سمجھوتہ کے لئے کوئی عملی قدم اٹھانے نہیں دیتا۔ لیکن ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا ہے۔ ہم پھر مہاتما گاندھی کے بیان کی طرف رجوع ہوتے ہیں جس میں انہوں نے کہا ہے کہ اگر کانگریس اور حکومت کے درمیان ایسا ہی جمود جاری رہا تو آئین ختم ہو جائے گا مہاتما جی فرماتے ہیں کہ میں اس کے لئے اور اس کے نتائج کے لئے بالکل تیار ہوں مگر میں خود ان نتائج کا خواہشمند نہیں ہوں اس سے برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان تلخی اور نفرت بہت زیادہ ہو جائے گی میں اس حادثہ کو روکنے کے لئے اپنی جان تک دینے کو تیار ہوں لیکن ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ میری یہ کوشش بیکار ہو جائے گی"

مہاتما جی کے اس بیان میں جس امر کی طرف اشارہ ہے اسے حقیقت آشنا دل بھی طرح سمجھ سکتے ہیں حکومت ابھی غالباً ان افسوسناک نتائج سے ناواقف نہیں ہے۔ یورپ کی پیچیدہ سیاسیات کہہ رہی ہیں کہ ممکن ہے برطانیہ کو بہت جلد ہندوستان کی دوستی کی ضرورت ہو پھر کیا سبب ہے کہ وہ دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھاتا اور اس معمولی سے مطالبہ کو پورا نہیں کرتا ہے اس کا خلوص دل ظاہر ہو جائے ہمارا خیال ہے کہ اب دیر کرنے کا وقت نہیں رہا ... سمجھوتہ کے لئے کوئی عملی قدم اٹھائے ...

پچھلے صفحے سے

اس [illegible] گورنمنٹ [illegible] یادرکھیں [illegible] گورنمنٹ [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] کے متعلق [illegible] نہیں ہوگی [illegible] ناز کرتا [illegible] اپنا نام [illegible] تمام نادروں کا [illegible] حیثیت سے چیف [illegible] کا مستحق [illegible]

سرحد پر ایذا کا سلسلہ ختم!

[illegible] ایک اطلاع [illegible] لوگوں کی جلد واپسی کا امکان ہے۔ اس سلسلہ میں [illegible] ایک جرگہ بھی [illegible] اور حکام نے [illegible] تمام اغوا شدہ [illegible] واپس [illegible] کردی جائیں گی تو قبیلہ مذکور کو [illegible] سزا [illegible] ہے [illegible] کہ یہ افسوسناک سلسلہ [illegible] ختم ہوجائے گا [illegible] امر پر غور کرنے کا [illegible] قیدیوں کے ساتھ حکومت کو کیسا سلوک کرنا چاہئے۔

سابق کنگ ایڈورڈ اور مسز سمپسن کی شادی!

ایک مدت کے انتظار کے بعد آخر [illegible] کینڈی (فرانس) میں سابق کنگ ایڈورڈ ہشتم اور مسز سمپسن کی شادی ہوگئی اور یہ جوڑا اب مستقل طور پر ڈیوک اینڈ ڈچز آف ونڈسر کے نام سے منسوب کردیا گیا۔ وہ تاج و تخت جو گل و بلبل اور شمع و پروانہ کے اس ملاپ میں حائل تھا بہت عرصہ پہلے ہی محبت کی راہ میں قربان کردیا گیا تھا لیکن اس شادی سے صرف تین ہی روز پہلے کی بات ہے کہ برطانیہ کے وزیراعظم مسٹر بالڈون جنھوں نے اس رشتہ کی مخالفت کرکے کنگ ایڈورڈ کو تخت چھوڑنے پر مجبور کیا تھا خود بھی عہدہ وزارت سے دستبردار ہوکر گوشہ گیر ہوگئے۔ بہرحال [illegible] کنگ ایڈورڈ کا کنکشن [illegible] سے [illegible] اور اب جبکہ [illegible] شادی کی [illegible] خبروں میں [illegible] ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔ دنیا سب [illegible] بھول جائے گی

[illegible] کینیڈی کے [illegible] خطاب کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے کہ تقدیر حسن عجیب و غریب واقعات پیدا کیا کرتی ہے انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عاشق [illegible] کی صورت میں [illegible] نیچے [illegible] کے باغ [illegible] ہم بھی [illegible] کہ یہ رشتہ ڈیوک آف ونڈسر کو مبارک ہو!

خالصہ کالج امرتسر کی ہڑتال!

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ طرفین کی ضد اور ہٹ کے باعث خالصہ کالج امرتسر کے طلبا کی ہڑتال روز بروز زیادہ زور پکڑتی جارہی ہے اور اس کالج کے پرنسپل [illegible] طلبا [illegible] کالج [illegible] صرف تین طلبا کلاس میں حاضر ہوتے تھے [illegible] شائع کیا ہے [illegible] کے خلاف اس نے کوئی کام نہیں کرسکتے [illegible] ہڑتال ختم ہو اور طلبا معافی [illegible] ان کا کوئی مطالبہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ بالفرض [illegible] مان لیا جائے کہ طلبا غلطی پر ہیں تو ہم یہ کہیں گے کہ [illegible] اور پرنسپل کو پھر بھی نوجوانوں کی جذباتی حیثیت اور [illegible] مزاج کا کسی قدر خیال کرنا چاہئے۔ ایک [illegible] مثل ہے کہ از خوردان خطا از بزرگاں عطا۔ اس لئے بہت جلد کوئی ایسی صورت پیدا کی جانی چاہئے کہ فریقین میں سمجھوتہ ہوجائے ورنہ ہڑتال کو بڑھانے میں کالج اور طلبا دونوں کا نقصان ہوگا۔

ناجائز نسلی غرور!

جبل پور کے ایک نامہ نگار نے ایک مقامی معاصر کو اطلاع دی ہے کہ دو یورپین مسافروں نے جو میل سے فرسٹ کلاس میں سفر کررہے تھے ایک ہندوستانی آئی سی ایس مسٹر ڈی۔ کمتھ کو جو نرسنگھ پور کے سب ڈویژنل افسر ہیں اس ڈبہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ ایسے واقعات ریل گاڑیوں کے سفر میں پہلے بھی رونما ہوچکے ہیں کہ ہندوستانیوں کے ساتھ نازیبا سلوک کیا گیا ہے اور ہمارا خیال ہے کہ یہی ناجائز نسلی غرور ہے جو ہندوستانیوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف تلخی پیدا کرتے ہیں۔ موجودہ واقعہ کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ریلوے ملازموں نے بھی جن سے امداد طلب کی گئی تھی اس معاملہ میں کچھ نہ کرسکے اور مسٹر کمتھ کو تکلیف کے ساتھ ساتھ ذلت بھی برداشت کرنی پڑی۔ اگر ریلوے حکام اس سلسلہ میں کوئی سخت اور مثالی کارروائی نہ کریں گے تو ہندوستانیوں میں یہ بات بڑی بے چینی کا باعث ہوجائے گی کہ انہیں کے ملک میں ان کے ساتھ ایسا امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

(خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں)

چیف اسکاؤٹ کا بیان

چیف اسکاؤٹ لارڈ بیڈن پاول نے پچھلے دنوں ہندوستان کے متعلق جب یہ کہا تھا کہ ہندوستانیوں میں اعلیٰ کیرکٹر کا فقدان ہے تو اس پر ہر طرف سے پروٹسٹ کی آوازیں اٹھائی گئی تھیں۔ اب انہوں نے رائٹر کو ایک بیان دیتے ہوئے اپنے اوپر سے اس الزام کو دور کرنے کی ایک ناکام کوشش کی ہے۔ آپ یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ کیرکٹر [illegible] اتفاق کی کمی اور [illegible] بھی ہے اور اسکاؤٹ ٹریننگ انہیں نقائص کو دور کرنا چاہتی ہے۔ مگر ہندوستان کے متعلق جو کچھ ان کے الفاظ تھے ان کو وہ واپس نہیں لیتے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میرے لئے ایک مشکل یہ تھی کہ ہندوستانی زبان میں مجھے کوئی لفظ ایسا نہیں ملا جو "آنر" (HONOUR) کے معنی میں صحیح استعمال کیا جاتا ہو۔ اگر لارڈ بیڈن پاول کو کوئی ایسا لفظ نہیں ملا تو یہ ان کی معلومات کی کمی ہے اس سے ہندوستانی زبان اور ہندوستانی کیرکٹر کی خامی ثابت نہیں ہوتی۔ ان کو کوشش کرنی چاہئے کہ وہ ہندوستان کے متعلق زیادہ علم حاصل کریں لیکن ایسی بے سروپا باتیں زبان پر نہ لائیں۔

دہلی کی ٹراموے

اخبار "سٹیٹسمین" کا نامہ نگار مقیم لندن لکھتا ہے کہ دہلی الیکٹرک سپلائی کمپنی کی صدارت کرتے ہوئے مسٹر [illegible] نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سرکاری کمیٹی کی رپورٹ میں کئی تجویزیں ایسی ہیں جن سے کمپنی کے مفاد کو نقصان پہنچے گا۔ اور کمپنی کے ڈائرکٹروں نے بددلی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر ممکن ہوسکا تو دہلی میں ٹراموے بند کردی جائے گی کیونکہ دہلی جیسے شہر میں جہاں سڑکیں بہت تنگ ہیں ٹراموے کی آمدورفت سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ جہاں تک پبلک کا تعلق ہے دہلی کی ٹراموے کمپنی کے کاروبار کو ہمیشہ دو زاویہ نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کا انتظام بہت زیادہ اصلاح طلب ہے اور اس کے نقائص سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ٹرام گاڑیوں کی سروس بہت محدود ہے۔ اور اب جبکہ دہلی کا رقبہ بہت زیادہ وسیع ہوگیا ہے اور آبادی دور دور تک پھیل گئی ہے لوگوں کو نقل و حرکت کے سلسلہ میں اس پرانی قسم کی ٹرانسپورٹ سروس اور محدود لائنوں سے جو صرف چند میل میں ختم ہوجاتی ہیں کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچتا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سڑکیں بہت تنگ ہیں لیکن ہم امید کرتے ہیں کہ جب دہلی کا امپروومنٹ ٹرسٹ دہلی کو ایک بہتر اور وسیع سڑکوں والا کھلا ہوا شہر بنادے گا تو لوگوں کے لئے کلکتہ اور بمبئی کی طرح بہتر ٹراموے سروس اور [illegible] سواریوں کی سروس کا انتظام کردیا جائے گا کیونکہ اس کاروباری دور میں جہاں تیز رفتاری بڑی اہمیت رکھتی ہے یہ ممکن نہیں ہوسکتا کہ ٹراموے بند کردی جائے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا انتظام نہ کیا جائے۔

شری سبھاش چندر بوس کا خواب

دکن میں ریاستی رعایا کی کانفرنس کو ایک پیغام بھیجتے ہوئے شری سبھاش چندر بوس نے کہا کہ ریاستوں میں سیاسی آرگنائزیشن کی ترقی تمام حامیان آزادی اور ارباب کانگریس کی طرف سے خیر مقدم کی مستحق ہے۔ ہم [illegible] خواب دیکھ رہے ہیں وہ ایک متحدہ ہندوستان ہے جو غیر ملکی تسلط سے آزاد ہو۔ جس میں [illegible] اور جس میں ہر ہندوستانی آزادی میں پیدا ہو۔ آزادی میں زندگی بسر کرے اور آزادی ہی میں مرجائے۔ [illegible] میں عنقریب وہ دن آئے گا کہ سارا ہندوستان آزاد ہوجائے گا اور برطانوی ہندوستان و ہندی ہندوستان میں کوئی فرق باقی نہ رہے گا۔ تو سبھاش بابو کے خواب کی تعبیر پوری ہوجائے گی۔ اس روشن مستقبل کے آنے میں کتنی دیر ہے یہ کسی کو معلوم نہیں لیکن یقیناً تمام محبان وطن کا اصلی مقصد یہی ہے۔

دہلی کے مہتروں کی شکایت

گذشتہ اتوار کو مہتر یونین کے زیر اہتمام ایک جلسہ ہوا تھا جس میں دہلی کے مہتروں کی شکایات پبلک کے سامنے پیش کی گئی تھیں اور چند ایسے ریزولیوشن پاس ہوئے تھے جن میں دہلی میونسپل کمیٹی کے ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ کے ماتحت عمال پر بعض ایسے الزامات عائد کئے گئے تھے جو یقیناً تحقیقات اور اصلاح کے طالب ہیں۔ یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ جس غریب و نادار طبقہ کی خدمت پر بڑی حد تک شہر دہلی کے باشندوں کی صحت و تندرستی منحصر ہے اسی کے ساتھ بیجا سلوک کیا جاتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ دہلی میونسپل کمیٹی بہت جلد اس کا تدارک کرنے کی کوشش کرے گی۔ اگر اعلیٰ حکام اپنے ماتحتوں کے طرز عمل کی کامل نگرانی کرتے رہتے تو غالباً مہتروں کو ایسی شکایتیں پیدا ہی نہ ہوتیں۔ دہلی میونسپلٹی اپنی بدانتظامی کے باعث کافی بدنام ہوچکی ہے۔ اگر اب بھی وہ اس کی تلافی کرے تو غنیمت سمجھنا چاہئے۔

آدرش بہو

[illegible] انگلستان کے ایک اخبار میں ایک دولت مند شخص مسمی [illegible] نے اپنے لڑکے کی شادی کے لئے ایک لڑکی کی ضرورت کا اشتہار دیا۔ اس باپ کے خیال میں ایک مثالی اور معیاری بہو بننے کے لئے لڑکی میں یہ اوصاف ہونے چاہئیں:-

"لڑکی خدا سے ڈرتی ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ گرجا میں جاکر عبادت بھی کرتی ہو۔ اطوار شائستہ ہوں۔ گھر کے کام کاج میں ماہر ہو۔ محبت کا جواب محبت سے دیتی ہو۔ بہت زیادہ حسین نہ ہو مگر قبول صورت ہو۔ اور بال [illegible] رنگ کے ہوں۔ عمر بائیس سے پچیس سال تک ہو۔ کلب میں جاکر [illegible] والی [illegible] نہ ہو اور چہرہ پر پوڈر کبھی نہ لگاتی ہو۔ درخواست کے ساتھ تازہ ترین تصویر بھی بھیجی جائے جو نامنظوری کی حالت میں بعزت طریقہ واپس کردی جائے گی۔" جب اس اشتہار کے متعلق مشتہر سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے ایسی ہی آدرش بہو درکار ہے۔ [illegible] ہندوستانی بابوؤں کو جو [illegible] زیادہ مغرب زدہ [illegible] اس اشتہار کو غور سے پڑھنا چاہئے [illegible] نہیں کریں گی۔

اشارات

پچھلے دنوں مدراس گورنمنٹ نے دیسی زبانوں کے اخباروں کی ایک بہت بڑی تعداد مفت تقسیم کی ہے جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کانگریس نے عہدہ قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ ہندو نے لکھا ہے کہ صرف یہی بات بچی ہے۔ اس کو یاد رکھو اور دوسروں کو بھی بتلا دو۔

اگر اس پمفلٹ کا مقصد یہ ہے کہ کانگریس کا اثر زائل ہو جائے تو بہتر تھا کہ اس کی تمام کاپیاں دریا میں پھینک دی جائیں!

— ◆ — ◆ — ◆ —

دہلی سے تار دیتے ہوئے رائٹر کہتا ہے کہ حکومت کے حکم پر شہر دہلی کے تمام عمارتوں پر برطانوی کارونیشن کا پاکٹ کاٹ کیا تھا۔ صرف ایک اخبار نے اتنا لکھا تھا کہ ایک آدمی پیٹر جلا میں پکڑا گیا۔

آزادی جرنلزم اسی کو کہتے ہیں!

— ◆ — ◆ — ◆ —

مسٹر محی الدین مرباکیلر (کانگریسی ایم۔ ایل۔ اے۔ مدراس) سوال کرتے ہیں کہ یہ کیا بات ہے کہ لوگ مسلم لیگ میں شامل ہونے کی بجائے اسے چھوڑتے چلے جاتے ہیں؟

انھیں سوالات سے تو مسلم لیگ کا ڈکٹیٹر پریشان ہوتا ہے!

— ◆ — ◆ — ◆ —

گزشتہ سیلاب میں دریائے گومتی (لکھنؤ) کا جو بند ٹوٹ گیا تھا۔ اس کی مرمت کے لئے حکومت یو۔ پی نے میونسپلٹی کو دھمکی دی ہے کہ اگر وہ پچاس ہزار روپیہ بہم کر کے اس بند کی مرمت نہیں کرے گی تو اس کے خلاف دفعہ ۴۵ میونسپل ایکٹ کے رو سے کارروائی کی جائے گی۔

کٹھ پتلی وزارت کا یہ ایک "تدبیر" کارنامہ ہے کہ روپیہ کی کمی کے باعث خود تو خرچ کرنے سے پرہیز کرتی ہے اور میونسپلٹی کا گلا دباتی ہے۔

— ◆ — ◆ — ◆ —

پچھلے ہفتہ میں مسٹر بالڈون وزارت عظمیٰ کے عہدے سے دستبردار ہو گئے اور ۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ مسٹر نیول چیمبرلین سے آباد ہو گیا ہے۔

لارڈ برکنہیڈ نے مسٹر بالڈون کو "دوسرے درجہ کا دماغ" کا خطاب دیا تھا۔ بہرحال ہم تو یہی کہیں گے ؎

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

— ◆ — ◆ — ◆ —

مسٹر ستیہ راجگوپال اچاریہ فرماتے ہیں کہ "کانگریس کے لیڈر انتہائی ایثار اور بے غرضی کے ساتھ کام کر رہے ہیں"

بے شک۔ یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن ہے!

— ◆ — ◆ — ◆ —

لالہ زار

{ "پتیج دہلی" کے خاص شاعر کے قلم سے }

موسم گرما اور برسات

شہروں اور قصبوں میں پھیلا فرقہ وارانہ فساد　　اک حرارت سی دماغِ ملک پر طاری ہوئی
موسم گرما کے آتے ہی بڑھیں سرگرمیاں　　فتنہ و شر کی ہر اک سو گرم بازاری ہوئی

(یہ بات دیکھی گئی ہے کہ موسم گرما کے آتے ہی ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کی کثرت ہو جاتی ہے)

"مانسون" کی اطلاع

مانسون آیا ہے، کلکتہ سے آئی ہے خبر　　مشرقی صوبوں میں بارش کی مچی اک دھوم ہے
میگھ کے جو دیوتا ہیں اُن سے ہے میرا سوال!　　دہلی اب تک آپ کی کرپا سے کیوں محروم ہے؟

(اطلاع آئی ہے کہ مانسون کے آنے سے بنگال، بہار، سی۔ پی وغیرہ میں خوب بارش ہو رہی ہے۔ دہلی اب تک گرمی سے جھلسا جا رہا ہے)

لاہور کی بہشت!

چندہ وصول کرتے ہیں جیبوں کو کاٹ کر　　نالاں غریب ہیں کہ یہ کیسی سرشت ہے
لوگوں سے ٹیکس لیتے ہیں تعمیر کے لئے　　جو اس طرح بنے، کوئی وہ بھی بہشت ہے؟

(لاہور کے ایڈمنسٹریٹر کا ارادہ لاہور کو "بہشت" بنانے کا ہے مگر اس کے لئے جو رقوں کی ضرورت ہو گی وہ ٹیکسوں کے ذریعہ لوگوں سے وصول کی جائے گی)

انقلاب زمانہ

جس کو کہتے ہیں مقدر اس کا یہ نیرنگ ہے　　چین مر کر بھی تہ چرخِ کہن ملتا نہیں
جس کے تھے اجداد کل تک دہر میں فرمانروا　　کیا ستم ہے، آج اسے گور و کفن ملتا نہیں

(خبر ہے کہ برما کے آخری بادشاہ کے پوتے کی لڑکی کی لاش تین ہفتوں سے پڑی ہے اور اس کے باپ کے پاس اسے ٹھکانے لگانے کے لئے روپیہ نہیں ہے)

بارود خانہ

عمل سے جرمنی کے چھا گئے ہیں جنگ کے بادل　　زباں پر ہر کسی کے بغض و نفرت کا فسانہ ہے
عجب کیا ایک چنگاری سی اس میں آگ لگ جائے　　معاذ اللہ یورپ ہے کہ اک بارود خانہ ہے

(جرمنی نے اسپین کی حکومت کے جہاز پر جو بمباری کی ہے اس سے بین الاقوامی جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے)

قومی جھنڈے کی توہین

آخر شب اک عمارت پر چڑھ آئے "دو شریف"　　جوش میں تھے، قومی جھنڈے کو گرا کر چل دئے
ہم یہ سمجھے ذہنیت خود ان کی رسوا ہو گئی　　وہ یہ سمجھے قوم کی عزت چرا کر چل دئے

([illegible] قومی جھنڈے کو اُتار لیا تھا)

چٹکیاں

کلکتہ اس وقت ۱۰۰ ڈگری کی حرارت پر ہے اور کلکتہ ۱۰۰ ڈگری کی حرارت پر گرمی سے پریشان ہو کر شور و واویلا مچا رہا ہے،

ہم دہلی والوں کی قسمت کو کون روئے جہاں ۱۱۰ ڈگری ٹمپریچر کا ہو جانا ایک معمولی سی بات ہے۔

— ◆ — ◆ — ◆ —

ڈیوک آف ونڈسر اور مسز سمپسن کی شادی ۳ جون کو ہو گئی لیکن شاہی خاندان کا کوئی فرد اس تقریب میں شریک نہیں ہوا

اس سے ڈیوک موصوف کے اعزاز میں کوئی کمی نہیں ہوئی، عشق کا دیوتا کیوپڈ خود اس تقریب میں شریک تھا۔

— ◆ — ◆ — ◆ —

رائٹر کہتا ہے کہ چونکہ انگلستان کے بادشاہ کو کارونیشن میں آئرلینڈ کے بادشاہ کی حیثیت سے بھی تاج پہنایا گیا ہے اس لئے سینٹ اسٹیفنس گرین (آئرلینڈ) میں جارج دوم کا جو مجسمہ نصب تھا وہ پروٹسٹ کے طور پر توڑ دیا گیا۔

آئرلینڈ والے کہتے ہوں گے کہ "مسٹر ڈی۔ ویلرا کی جے ہو"

— ◆ — ◆ — ◆ —

مہاتما گاندھی فرماتے ہیں کہ "تعمیری پروگرام خود ایک تعلیم ہے اور میرے لئے کوئی دوسری سیاسی تعلیم نہیں ہے یہی وہ منزل ہے جہاں پر انسان کا قول اور فعل بالکل ایک سا ہو جاتا ہے دشمن بھی اگر دیانتدار ہو گا تو اس بات کو تسلیم کرے گا کہ مہاتما جی کے قول و فعل میں ہمیشہ مطابقت رہتی ہے۔

— ◆ — ◆ — ◆ —

جنرل ہیاشی وزیراعظم جاپان نے اس لئے اپنے عہدے سے استعفا دے دیا کہ جاپان کی نئی پارلیمنٹ میں اکثریت ان کی مخالف ہے۔

ہمارے "قابل عزت" منسٹریل حضرات اتنے بھی معقول نہیں معلوم ہوتے۔

— ◆ — ◆ — ◆ —

اب آپ پوچھیں گے کہ ان دونوں میں فرق کیا ہوا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک نے اپنے آپ کو قلیت میں دیکھ کر کنارہ کشی اختیار کی، دوسرے نے اقلیت ہی کی وزارت قائم کر دی!

— ◆ — ◆ — ◆ —

خبر آئی ہے کہ لیڈی ولنگڈن جب انگلستان پہنچیں تو لیڈی ہیلی فیکس (سابق لیڈی ارون) سر ہاماسوامی اور سر ظفر اللہ نے ان کا استقبال کیا۔

معلوم نہیں لیڈی ولنگڈن صاحبہ کیوں خوش نہیں!

اُردو یا ہندوستانی؟

ہندوستان کے مشہور ادیب علامہ سید سلیمان ندوی نے اس مسئلہ میں کہ ہماری مشترکہ زبان کا نام اردو ہو یا ہندوستانی ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے جس کا مختصر اقتباس حسب ذیل ہے۔ اس سے مولانا موصوف کی یہ رائے ظاہر ہوتی ہے کہ "ہندوستانی" ہی ہندوستان کی اصلی زبان ہونی چاہئے۔

مسلمانوں کا یہ سمجھنا کہ یہ تجویز ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے ہے یا ہندوؤں کا یہ سمجھنا کہ یہ ان کو دھوکا دینے کی سازش کی جا رہی ہے بدگمانی کی انتہا ہے۔

یہ تحریک خالص لسانی اصول و مبادی کی بنا پر اٹھائی گئی ہے جس کے بہت سے سبب ہیں۔ ان میں سے کچھ ایک کو نہایت ہی اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔

(۱) اس زبان کے دو پرانے نام تاریخوں میں ملتے ہیں۔ زیادہ تر ہندی یا ہندوی اور اس کے بعد ہندوستانی ہے چونکہ ہندی کا نام ایک خاص زبان اور رسم الخط کے لئے بولا جانے لگا ہے اس لئے دوسرے پرانے نام ہندوستانی کو اس زبان کے لئے خاص کرنا چاہئے جس کو اب غلطی سے عام طور سے اردو کہنے لگے ہیں۔

(۲) دنیا کی ساری یا اکثر زبانوں کے نام کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ اس قوم کی نسبت سے مشہور ہوتی ہے جو اس کو بولتی ہے یا اس ملک کی نسبت سے موسوم ہوتی ہے جس میں وہ بولی جاتی ہے۔ اسی اصول کی بنا پر عرب کی زبان عربی۔ فارس کی زبان فارسی۔ ترکستان کی زبان ترکی اور انگلستان کی انگلش۔ فرانس کی فرنچ۔ جرمن قوم کی جرمن وغیرہ کہی جاتی ہے۔ اسی اصول کے مطابق اس زبان کو جو ہندوستان کے طول و عرض میں بولی جاتی ہے ہندوستانی کا نام دینا چاہئے۔

(۳) ایک شائستہ اور مہذب زبان کا یہ خاصہ ہے کہ اس کے نام لینے کے ساتھ وہ قوم یا ملک ذہن میں سننے والے کی سمجھ میں آ جائے جس کو اس زبان سے نسبت ہے نہ یہ کہ زبان کا نام لینے کے بعد اس کے ساتھ ایک تاریخی یا تعریفی فقرہ کا اضافہ کیا جائے جس سے اس کی جنم بھومی کی کہانی معلوم ہو۔ لفظ اردو سے اس قسم کی کوئی مدد ذہن انسانی کو نہیں ملتی۔ اس لئے اس کی جگہ اس کا اصلی نام "ہندوستانی" کو رواج دینا چاہئے۔

(۴) ہم کو اپنی بولی کا ایک ایسا نام رکھنا چاہئے جس کے سننے کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اس پورے ملک کی بولی ہے۔ لفظ اردو کے ساتھ اس قسم کا کوئی تصور ذہن میں نہیں آتا۔ بخلاف اس کے ہندوستانی نام سننے کے ساتھ پورے ملک کا نقشہ ہمارے ذہن میں آ جاتا ہے اور اس کے پورے ملک کی بولی ہونے کا یقین منطق کی آمیزش کے بغیر صرف نفسیاتی اثر سے ہمارے اندر اور سننے والے کے دل کے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔

کانگریس اور مسلمان

کلکتہ کے قوم پرست مسلم معاصر "ہند" نے "کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کے اہم موضوع پر" "اب تم بے وقوف بنا نہیں سکتے" کے عنوان سے مسٹر جناح کو مخاطب کرتے ہوئے ایک دلچسپ مقالہ لکھا ہے جس کا ایک مختصر اقتباس ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

مسٹر جناح کہتے ہیں کہ ہم حکومت کے سامنے نہیں جھکیں گے مگر حکومت کے سامنے جھکنا کسے کہتے ہیں یا حکومت کیا ہے؟ ... مسٹر جناح تو قوم پرستوں کے سامنے بھی جھکے

نہیں جھکے ہیں۔ مسٹر جناح نے کیا کیا ہے؟ سوال یہ ہے کہ مسٹر جناح نے یہ کیا ہے کہ مسلم لیگ کا سرا ان لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا ہے جن کی عمریں حکومت کی نوکر شاہی اور خوشامد میں گذری ہیں۔ ہم کوئی تہمت نہیں لگا رہے ہیں۔ بلکہ یہ واقعہ اور مشاہدہ ہے جو ہر شخص کے سامنے ہیں۔ مسٹر جناح اس سے انکار کر سکتے ہیں اور نہ کسی کو انکار کرنے کی جرأت ہو سکتی ہے۔

پھر مسٹر جناح کا یہ دعوے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ حکومت کے سامنے جھک نہیں رہے ہیں؟

کیا مسٹر جناح اس واقعہ سے انکار کر سکتے ہیں کہ مسلم لیگ کے تمام سربرآوردہ ارکان یا تو سرکاری ملازمت میں رہ چکے ہیں یا اس وقت ملازم ہیں۔ یا خوشامدی ہونے کی وجہ سے خطاب یافتہ ہیں؟

مگر اس واقعہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسٹر جناح کی پوزیشن ان لوگوں سے کہیں بدتر ہے جو حکومت کے سامنے سر بسجود پڑے ہیں کیونکہ مسٹر جناح کی مہاران ہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

... ہندو ... یا ... کانگریس باد و ذیل ہی ہے کہ ... کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

کانگریس مسلمانوں کے لئے کیونکر باد ... ہو سکتی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح خود مسلمانوں کی بھی ہے جبکہ اس میں ہزارہا مسلمان شریک ہیں اور جس کی صدارت کئی مسلمان کر چکے ہیں!

کانگریس کو مسلمانوں کا حریف قرار دینا بدترین غلط بیانی اور واقعات کی تحریف ہے۔ کانگریس مسلمانوں کی حریف نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی بھی اسی طرح انجمن ہے جس طرح ہندوؤں سکھوں عیسائیوں اور پارسیوں کی ہے۔ کانگریس کے دروازے مسلمانوں کے لئے بھی اسی طرح کھلے ہوئے ہیں جس طرح غیر مسلموں کے لئے اور اگر مسلمانوں کی تعداد اس میں ہندوؤں سے کم ہے تو اس میں کانگریس کا نہیں بلکہ خود مسلمانوں کا قصور ہے جو اپنی نادانی سے اب تک مسٹر جناح وغیرہ کے بہکاوے میں ہے اور کانگریس میں اپنی قوت نہیں بڑھاتے۔

خاص "تیج ویکلی" کے لئے

خاص "تیج ویکلی" کے لئے

افسانہ تقدیر

از "راہی"

نرملا بینیس کانفرنس سے ابھی واپس آئی تھی۔ وہ اس قدر تھک گئی تھی کہ آتے ہی بستر پر لیٹ گئی۔ شام کا وقت ہو رہا تھا اور اندھیرا ہوتا جاتا تھا مگر اس نے لیمپ میں ہاتھ لگانے کی ہمت گوارا نہ کی۔ دھندلی روشنی میں اس نے کمرے کے ہر گوشہ کی طرف نگاہ کی اس میں شک نہیں کہ وہ اس بیت سم کی آرائش کا عادی تھا لیکن اس نے ایک سرد آہ بھری اور چھت کی طرف دیکھنے لگی، وہ سوچ رہی تھی کہ جلسہ اس وقت سرشیش کیا کرتا ہوگا۔ کیا اس کو واپس جانے کے لئے انکار نہیں ملا ہے کیا انہیں لوگوں نے اس کا ساتھ چھوڑا۔ جو کچھ ہی دن پہلے سے اس کے پاس ہونے کی خوشی میں دعوتیں کھا گئے تھے!

دروازے کے کھلنے کی آواز ہوئی اور اس کے کمرہ کا پچھلا دروازہ پردہ ہٹا کر چیف سرامیر چند اندر چلے آئے۔ "ہو! ڈارلنگ۔ تم اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟" انھوں نے اپنی سیلن بیوی سے کہا اور کمرے کی بتی جلا دی، نرملا نے غور سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ نہیں وہ بدصورت نہیں تھا۔ ہاں اس کی آواز بہت بھاری تھی اور یہ نرملا کے کانوں پر گراں گزرتی تھی؛

"تمہاری کانفرنس کا کیا نتیجہ رہا؟" سرامیر چند نے پوچھا!

"سب ٹھیک رہا" نرملا نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا "ریزولیوشن تو سب پاس ہی ہو گئے ہوں گے" کاش کہ ہماری کونسل میں بھی ایسا ہی اتفاق ہوتا۔ مگر وہاں تو ہر ممبر کو اعتراض کرنے میں لطف آتا ہے! اچھا تو آج سینما چلو گی تم آج بہت تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔ تیار ذرا جلدی ہونا کیونکہ اب وقت بہت کم ہے؛

نرملا مجبوراً بستر سے اٹھی اور خادمہ کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی، نرملا کا دل آج بہت اداس تھا۔ دنیا اجیرن معلوم ہوتی تھی، لیکن کیا اس کے پاس وہ تمام چیزیں نہیں تھیں جن کی ایک انسان کو ضرورت ہو سکتی ہے؟ اس کے پاس دولت تھی، کپڑے تھے، نوکر تھے، سوسائٹی میں عزت تھی مختصر یہ کہ سب کچھ تھا۔ لیکن کیا اس کو ان چیزوں کی پرواہ تھی، پھر کیوں جب کہ اس نے ایک منسٹر سے شادی کی تھی، اس وقت اس کو اپنے ضعیف باپ کے جذبات کا خیال آ گیا جن کے لئے اس نے اپنے تمام جذبوں پر خود پانی پھیر دیا تھا اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آج اس کو سرامیر چند کی نذر کی ہوئی ساڑی اور کانوں کے بندے پہن کر ذرا بھی خوشی نہ ہوئی اس نے اپنی صورت جو آئینہ میں دیکھی تو اس کے دل کو بڑا رنج ہوا! اس نے اپنے گالوں پر بار بار پاؤڈر ملا مگر وہ تازگی جو رخصت ہو چکی تھی واپس نہ آ سکی؛

سرامیر چند منتظر تھے کہ بیوی کپڑے پہن کر آئے تو سینما چلیں لیکن ان کو بڑی حیرت تھی کہ ان کی بیوی آج اس قدر اداس کیوں ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ کبھی بھی خوش نہیں رہی تھی، مگر آج تو وہ ہمیشہ سے زیادہ اداس تھی، وہ خیال کرتے تھے کہ یہ فرق ہے کہ عورتیں فطرتاً اپنے خیالات میں اس قدر غرق رہتی ہیں کہ وہ اداس معلوم ہوتی ہیں مگر نرملا کی خاموشی تو دوسرے قسم کی معلوم ہوتی تھی، کیا اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے لئے اپنے کام میں مشغولیت کی وجہ سے زیادہ وقت صرف نہیں کر سکے۔ یا یہ اس ذلیل کانفرنس میں تضیع اوقات کا نتیجہ تھا۔ سرامیر چند نے عہد کر لیا کہ وہ اپنی بیوی کو اب کبھی کسی کانفرنس کی صدارت کرنے کی اجازت نہ دیں گے۔ انھوں نے اپنے دل کو اس خیال سے سمجھا لیا کہ خیر اب سینما جا کر اس کی طبیعت بہل جائے گی؛

نرملا کپڑے پہن کر آ گئی۔ وہ کس قدر حسین معلوم ہوتی تھی، سرامیر چند کا دل اپنی بیوی کو اس انداز میں دیکھ کر پھول کی طرح کھل گیا، وہ کیا جانتے تھے کہ ان کی بیوی کو زرق برق ملبوسات سے اسی قدر نفرت ہے جس قدر ان کی صورت پر فدا ہیں۔ وہ بہت خوش تھے وہ اپنی بیوی کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر موٹر کی طرف بڑھے، مگر ابھی بیٹھنے نہ پائے تھے کہ ایک چپراسی آیا اور ان کو ایک بہت ضروری سرکاری کام سے فوراً جانا پڑا۔ ان کو بہت افسوس ہوا۔ مگر اپنی بیوی سے کہا کہ خیر آج تم اکیلی ہی ہو آؤ، میں دوسری موٹر پر چلا جاؤں گا۔ نرملا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ سرامیر چند دوسری موٹر میں بیٹھ کر چلے گئے۔ نرملا کو سرامیر چند کے چلے جانے سے بڑی تسکین ہوئی۔ اس کا دل آج یہی چاہتا تھا کہ وہ اکیلی ہی موٹر ڈرائیو کرے۔ سرامیر چند کے چلے جانے سے یہ خواہش پوری ہو گئی، اس نے موٹر چلائی اور فوراً تیز رفتار پر چھوڑ دی اس کی موٹر سینما ہال کی طرف نہیں جا رہی تھی مگر اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ٹھیک جا رہی ہو۔ کوئی خطرے کی بات نہیں ہے۔ آخر کار اس کی موٹر اس مقام پر پہنچ گئی جہاں کا خیال اس کو بے چین کئے ہوئے تھا؛

ایک چھوٹے سے پرانے مکان کے سامنے نرملا کی موٹر رک گئی۔ نرملا نے موٹر کا ہارن بجایا۔ مگر مکان سے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ موٹر سے اتری اور دروازے کی کنڈی زور سے کھٹکھٹائی، دروازہ کھلا اور نرملا کی آنکھیں سرتیش کی آنکھوں سے مل گئیں۔ سرتیش کو یقین نہیں ہوتا تھا کہ اس کے سامنے نرملا ہی کھڑی ہے۔ مگر اس کی آنکھیں اس کو دھوکا نہیں دے رہی تھیں، وہ نرملا ہی تھی، مگر سرتیش کو حیرت تھی کہ نرملا کے اچانک آ جانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، کیا اس پر کوئی آفت آ گئی تھی لیکن اس کے انداز سے تو یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ چاہتی ہے۔ پھر کیا بات تھی کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی ملازمت سے برخاست ہو جانے کی خبر اس کو ہو گئی ہو۔ وہ بہت کوشش کر رہا تھا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ نرملا بغیر کچھ کہے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئی، اس وقت اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے سرتیش ایک کونے میں اس طرح کھڑا تھا کہ اس کا چہرہ چراغ کی دھندلی روشنی میں نرملا کو دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے مگر بعد نرملا نے اپنے آنچل سے آنسوؤں کو پونچھا۔ اور دل مضبوط کر کے کہا

"سرتیش تم بیٹھتے کیوں نہیں؟"

"بیٹھ جاؤں گا" سرتیش نے چراغ کی بتی اونچی کرتے ہوئے کہا۔

"تم اب تک کہاں رہتے؟"

"یہیں"

"یہیں! میں کچھ نہیں سمجھ سکی۔ میں بھی تو یہیں رہتی ہوں۔ مگر میں نے تو ہوتے تم کو آج تک کبھی نہیں دیکھا" سرتیش تم سمجھ سکتے ہو کہ میں تم کو دیکھنے کی کس قدر خواہش مند رہتی ہوں۔ آج شام کو جو تم دکھائی دے تو میں نے سوچا کہ آج تم سے ضرور ملوں گی۔

ان باتوں کو سنکر سرتیش کے دل کو بڑی تکلیف ہوئی وہ سوچ رہا تھا کہ کیا جو کچھ میں سن رہا ہوں سچ ہے نہیں یہ صحیح کیونکر ہو سکتا ہے وہ نور دور نرملا کو دیکھتا تھا۔ کیا یہ ممکن ہے

باقی آگلے صفحہ پر

"حسن و وفا شعار سے"

(از جناب محمد تقی ردولوی)

(خاص "تیج ویکلی" کے لئے)

ترا حسن! رونق شش جہات؟
ترا عشق! حاصل کائنات؟
ترا ہر نفس! پیام التفات؟
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں جو طلب وہ داد وفا کرے

ترا جلوہ عرش بریں پہ ہے
ترا نور چھایا زمیں پہ ہے
ترا سایا خلد بریں پہ ہے
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں جو طلب وہ داد وفا کرے

تو بہار عرش و زمیں سہی
تو نشاط خلد بریں سہی
تو رگ گلو کے قریں سہی
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں جو طلب وہ داد وفا کرے

ترا التفات ہے دلنشیں
ترا پیار ہے کرم آفریں
ترا درد جاں ہے بالیقیں
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں جو طلب وہ داد وفا کرے

تری گفتگو میں ہے کیا اثر
ہے وفا کی شان عیاں مگر
تری ہر نگاہ ہے شکوہ گر
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں جو طلب وہ داد وفا کرے

تری التجا کی ادا درست!
ترا وعدۂ وفا درست!
ترا عشق بے بجا درست!
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں جو طلب وہ داد وفا کرے

غم عشق تجھ کو بھی بار ہے
نہ سکوں ہے اب نہ قرار ہے
ترا رخ ہی آئینہ دار ہے
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں جو طلب وہ داد وفا کرے

ترے غم کا اتنا ملال ہے
کہ سرور زیست محال ہے
یہی حال ہے یہی قال ہے
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں جو طلب وہ داد وفا کرے

نہ تو سنگدل بخت ہوں میں
نہ تو بے نیاز وفا ہوں میں
نہ تو اب بھی تجھ سے خفا ہوں میں
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں جو طلب وہ داد وفا کرے

تجھے میرے دل کی نہیں خبر
کہ وہ کب سے ہے ہدف نظر
ہیں گواہ دامن و چشم تر
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں جو طلب وہ داد وفا کرے

دورا

از جناب ابن فاروق برقی

ایک مختصر افسانہ

ایلن کسان اپنے لڑکے ولیم اور بھتیجی ڈورا کے ساتھ اپنے کھیتوں پر رہا کرتا تھا - وہ ان دونوں کو بہت پیار کرتا تھا اور اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ولیم اور ڈورا کی شادی ہو جائے - ڈورا خود ولیم سے محبت کرتی تھی لیکن ولیم اُس کو نہیں چاہتا تھا - ولیم کے لئے وہ ایک بہن کی حیثیت رکھتی تھی، اور اس سے زیادہ کچھ نہیں - ایک روز کا ذکر ہے کہ ایلن نے اپنے لڑکے کو بلایا اور کہا کہ اب اس کی شادی کرنے کا وقت آ گیا ہے - اور ایلن نے اپنی خواہش ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ وہ ڈورا سے شادی کرلے - اور اپنے کھیتوں پر رہے - ولیم نے مختصر اور سختی سے جواب دیا کہ وہ نہ ڈورا سے شادی کر سکتا ہے نہ کرے گا -

وہ ضعیف کسان بہت غصہ میں آیا اور کہنے لگا: "تم نے مجھے ایسا جواب دینے کی کوشش کی کہ جو میری مرضی کے خلاف ہو اس جگہ میرے الفاظ قانون ہیں - بس تم کو ایک ماہ کی مہلت دی جاتی ہے کہ اس بارہ میں اچھی طرح غور و خوض کر لو اور یا تو میری مرضی کے مطابق جواب دو ورنہ میرے دروازے پر کبھی نہ پھٹکنا"۔

ولیم پہنے والے کے مکان پر اگلے مہینے تک ٹھہرا لیکن جتنی زیادہ ڈورا اسکے پیش نظر رہتی تھی اتنی زیادہ ولیم کے دل میں اس سے شادی کرنے کی مخالفت پیدا ہوتی جاتی تھی اور وہ اس سے بہت سختی سے پیش آتا تھا۔

ڈورا اس کے اس سخت برتاؤ سے غمگین رہتی تھی اور اس کو ملامت کرتی تھی، لیکن جیسے ہی دوسرے ماہ کا آغاز ہوا ولیم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھیتوں کو خیرباد کہا - وہ اور کھیتوں میں مزدور کی حیثیت سے کام کرنے لگا - کچھ دن اسی طرح گزر گئے اور اس زمانے کے بعد ولیم نے کچھ محبت کی وجہ سے اور کچھ ڈورا سے نفرت کی وجہ سے ایک مزدور زادی سے شادی کرلی جس کا نام میری موزسین تھا۔

جس وقت ایلن نے یہ افواہ سنی اس نے ڈورا کو اپنے پاس بلا کر کہا "میں تم سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوں لیکن اگر تم نے ولیم یا اس کی شریک زندگی کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو یہ گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا پڑے گا"

ولیم کے ایک لڑکا ہوا وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش و خرم رہتا تھا اور اپنی شادی سے خوش تھا کہ کسی کا وقت ہمیشہ ایک طرح سے نہیں رہتا - آخرکار ولیم کے سر پر بھی بدبختی کی گھٹا امنڈ آئی حتیٰ کہ وہ بہت سخت مشکل میں پھنس گیا وہ اپنے والد سے مدد مانگنے گیا لیکن وہ ہر دفعہ دھتکار دیا گیا۔

ڈورا ہمیشہ کچھ نہ کچھ نقد بچا لیا کرتی تھی - اور اپنے چچا سے پوشیدہ طریقہ پر وہ ولیم کو بھیجا کرتی تھی - لیکن ولیم یہ معلوم نہ کر سکا کہ یہ کہاں سے آتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ فصل کے دنوں میں ولیم کو بخار چڑھ آیا اور ولیم اس بخار میں راہی عدم ہوا۔

ڈورا باوجود اپنے چچا کے حکم کے میری سے ملنے گئی - میری کو اس کا خیال بھی نہ تھا کیونکہ وہ ان کے مصیبت کے زمانے میں کبھی اُن کے پاس نہ پھٹکی تھی ڈورا نے اس کو نہ آنے کی وجوہات بتائیں - اور کہنے لگی:

"تم اپنے لڑکے کو مجھے دو - میں اس کو غلہ کے کھیت میں لے جاؤں گی - تم کو شاید معلوم نہ ہو کہ پانچ سال کے اندر اس سے زبردست فصل کبھی نہیں ہوئی اور شاید سب سے پہلے بھی چچا جب کبھی اپنے فصل کو دیکھتے ہیں تو حد سے زیادہ مسرور ہوتے ہیں - شاید یہ بچہ ان کی نظر پڑ جائے اور وہ خوشی میں ولیم کی یادگار میں اسکو رکھ لیں۔

اس نے بچہ کو لیا اور پیڑوں میں بیٹھ گئی - اس کا چچا کھیت میں آیا لیکن اس نے نہ تو ڈورا کو اور نہ بچے کو۔

اگلے دن ڈورا نے ایک اور چال چلی - اس نے بچہ کو لیا اور ایک ٹیلہ پر بیٹھ گئی - اس نے بچے کو اپنی

گود میں بٹھا لیا اور اس کی ٹوپی میں پھول لگانے لگی - اس دفعہ اس کے چچا نے اس کو دیکھ لیا - اور یہ کہتا ہوا اسکی طرف چلا:-

"تم کل کہاں تھیں؟ - یہ کس کا بچہ ہے - اور تم اس کے ساتھ کیا کر رہی ہو؟

ڈورا نے نیچے دیکھتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا۔

"یہ ولیم کا بچہ ہے"

ایلن نے سختی سے جواب دیا۔

"میں نے تم کو اس حرکت سے منع نہیں کیا تھا؟"

اُس نے جواب دیا۔

"جی ہاں - آپ مجھکو جو چاہیں سزا دیں لیکن اس بچہ کو رکھ لیں"

ایلن نے پھر سختی سے جواب دیا۔

"یہ اُس عورت کی اور تمہاری چال ہے - میں تمہاری وجہ سے اس بچے کو رکھے لیتا ہوں - مگر تم نکل جاؤ اور مجھے آئندہ اپنی صورت مت دکھانا"

اتنا کہکر اس نے بچہ کو اس کی گود میں سے کھینچ لیا - اور سے چلا - ڈورا بچہ کی سہمی ہوئی چیخیں سنتی رہی - یہ چیخیں آہستہ آہستہ کم ہوتی رہیں اور کچھ فاصلہ پر جاکر بالکل ختم ہو گئیں - ڈورا بہت غمگین ہوئی اور رونے لگی - اس کو اپنے کھیت ہمیشہ کے لئے چھوٹ جانے کا بہت افسوس تھا - اور روتی ہوئی میری کے گھر کی طرف چل دی تاکہ اُس سے سارا قصہ بیان کر سکے جس وقت وہ میری کے گھر پہنچی تو کہنے لگی:-

"میری مجھکو اپنے ساتھ رکھ لو کیونکہ اب کبھی اپنے کھیتوں میں یا گھر پر نہ جا سکوں گی"

میری ڈورا کی حد سے زیادہ شکر گذار تھی لیکن کہنے لگی کہ وہ اسکو کبھی اتنی بڑی قربانی کی اجازت نہ دیتی - اور پھر کہنے لگی کہ وہ فوراً کسان کے پاس جائے گی - اور اپنا بچہ واپس لے کر ڈورا کو پھر واپس اس کے مکان پر بھیجے گی۔

ڈورا اور میری کسان کے گھر کی طرف روانہ ہو گئیں - دروازہ میں کہیں کہیں تختوں کے درمیان سوراخ تھے - وہ دونوں ان سوراخوں کے ذریعہ سے اندر کو جھانکنے لگیں - انہوں نے دیکھا کہ بچہ اپنے دادا کے گھٹنوں پر چڑھا ہوا ہے اور وہ ضعیف کسان اس کے ساتھ محبت سے کھیل رہا ہے اور بچہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اپنے دادا کی سنہری مُہر لینے کو پھیلا رہا ہے جوکہ آگ کی روشنی میں چمک رہی تھی۔

عورتیں اندر داخل ہوئیں اور جیسے ہی اس بچے نے اپنی ماں کو دیکھا اس نے اپنے دونوں ہاتھ گود میں جانے کے لئے پھیلائے - ایلن نے اسکو بٹھا دیا اور میری نے کسان سے مخاطب کرکے کہا۔

"جناب میں کچھ کہہ سکتی ہوں میں اپنے لئے ولیم کے لئے یا بچہ کے لئے کچھ کہنے نہیں آئی ہوں بلکہ ڈورا کے لئے کچھ التجا کرنا چاہتی ہوں - ان کو واپس اپنے پاس رکھ لو کیونکہ یہ آپ کو بہت چاہتی ہے - ولیم صلح اور راستی کے ساتھ مر گیا ہے - وہ اپنی شادی کی طرف سے کبھی رنجیدہ نہیں ہوا - اور جس وقت وہ مرا ہے اس کے الفاظ یہ تھے:-

"یا خدا میرے والد کو برکت دے کاش ان کو میری تکالیف کی خبر نہ ہو"

آپ مجھے میرا بچہ واپس کر دیں - کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ آپ اس کے خیالات بھی اتنے ہی سخت کر دیں گے جتنے کہ اس کے باپ کے تھے - اور ڈورا کو واپس اپنے پاس رکھیئے"

تھوڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی اس کے بعد اس ضعیف کا سخت دل ملائم ہو گیا - وہ کسان سسکیاں بھر کر کہنے لگا۔

"میں نے بہت سخت غلطی کی ہے - میں نے اپنے بیٹے کو مار ڈالا ہے - لیکن مجھے اس سے محبت تھی - بچو! دعا دو"

ان دونوں نے اس کو بہت دعائیں دیں - اور پہلے کو اُن کی پھر محبت آ گئی اور ان تینوں پر وہ بہت مہربان ہو گیا جب وہ ایک ساتھ سب کھیت پر رہتے تھے تو اس کی بہت تسکین ہوتی تھی - میری اور ڈورا ہنسی خوشی رہتی تھیں اور تمام کنبہ خوش تھا - اور آرام سے زندگی بسر کر رہا تھا کچھ زمانہ اسی طرح گذرا اور چند سال کے بعد میری نے پھر شادی کرلی لیکن ڈورا نے عمر بھر شادی نہ کی۔

(پچھلے صفحہ سے)

کہ نرملا نے صرف آج ہی اس کو دیکھا ہو۔

سریش کی خاموشی سے نرملا کا درد بڑھ رہا تھا وہ کہہ رہی تھی "کیوں سریش اب کیا تم مجھ سے کبھی نہیں بولو گے؟ کیا تم مجھ سے ذرا بھی محبت نہیں کرتے؟ کیا تم نہیں دیکھتے ہیں کس قدر مصیبت میں ہوں؟

سریش نے کہا کہ میں آپ کی خدمت کے لئے ہمیشہ تیار ہوں - مگر میں آپ کی مدد ہی کیا کر سکتا ہوں آپ دولتمند ہیں، آپ کے پاس کیا کچھ نہیں"

"ہاں میں دولتمند ہوں - بہت بڑی دولتمند ہوں - مگر میں "آپ" نہیں ہوں - تم مجھے آپ کیوں کہتے ہو میں تو ہوں ... ... میں ... ... میں

نرملا کی سسکیوں نے زیادہ کہنے سے اُس کو روک دیا۔

سریش سے اب نہ رہا گیا - اُس نے دیکھا کہ نرملا واقعی مصیبت میں ہے - وہ اُس کے قریب آیا اور پوچھا کہ:

"کیا سر امیر چند کا برتاؤ آپ ... ... آپ ... ... تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہے؟"

نرملا کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی، اُس کی غیرت کو جوش آیا وہ سر امیر چند کی برائی سننا نہیں چاہتی تھی، کچھ بھی ہو اُس کو اپنے شوہر کی محبت میں ذرا بھی شک نہیں تھا - قصور تو خود اُسی کی تقدیر کا تھا - وہ اُٹھی اور سیدھی کمرے کے باہر چلی گئی۔

کاسۂ سر کا اُبھار اور انسانیت

از قلم ڈیوڈ ایسن

علم کاسۂ سر کا آجکل بہت چرچا ہے ماہرین علم النفس اور اہل طب دماغ کی چھان بین میں جہاں اور سمت کوشش کرتے ہیں وہاں یہ بھی ہے کہ سر کی ساخت اور اس کے اُبھاروں سے انسان کی سیرت اور آئندہ زندگی کا پتہ چلایا جائے ؛

کردار کی تحقیق اور اس کے مطالعہ کے لئے انسان کے کاسۂ سر میں سائنسدانوں نے دو قسم کے اُبھار "یا گومڑیاں" معلوم کئے ہیں جن کے علیحدہ علیحدہ خواص اور اوصاف ہیں انہیں دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ فلاں شخص کس مزاج و طبیعت اور رفتار کا ہے۔

اس کردار خوانی CHARACTER READING کا تعلق کاسۂ سر کے مختلف اُبھاروں کے سائز اور ان کی پوزیشن سے ہے معمولی ساخت کے اُبھار یہ بتلاتے ہیں کہ انسان معمولی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ اور اگر ساخت زیادہ نمایاں ہوئی تو وہ صرف جس کا وہ اُبھار ہے اس شخص میں بدرجہ اتم پایا جائے گا ؛

بالوں کو چھوڑ دیجئے اور اگر کوئی خاص اُبھار معمولی سے کم ہو، بہت چوڑا اور پھیلا ہوا ہو تو اس شخص میں وہ خاص وصف جس کا وہ اُبھار ہے کم یا بالکل معمولی نوعیت کا ہوگا ؛

آپ کے تمام اندازے ذہنی ہوں گے۔ اس لئے زیادہ ضمانت اور صحت کے خیال سے آپ اپنے ہاتھ سے دوستوں یا رشتہ داروں کے سروں کو ٹٹولئے اور اُبھاروں کا اندازہ لگائیے ؛ بالوں کا کچھ خیال نہ کیجئے۔ انہیں بالکل نظر انداز کیجئے۔ اگر آپ کسی عورت کے کاسۂ سر کا اندازہ لگاتے ہیں تو اس کے بال کھول دیجئے اور پھر اپنی انگلیوں سے اس کے سر کے اُبھار ٹٹولنے شروع کیجئے۔ اصل چیز سر کی بناوٹ اور ساخت ہے، بالوں سے ہمیں کوئی تعلق نہیں۔

ماتھا ایسی نمایاں چیز ہے کہ اس کی طرف آپ کا ہاتھ شاید سب سے پہلی بار جائے، اونچی پیشانیاں آجکل بہت عام ہو گئی ہیں اور یہ معلوم کرنا آسان ہے کہ گزشتہ پچیس سال میں یہ خصوصیت زیادہ بڑھ گئی ہے ؛ اس کا اندازہ لگانے کے لئے آپ ذرا اپنے اردگرد نظر ڈالیں تو خود معلوم ہو جائے گا۔

پیشانی کے عین اوپر جو اُبھار بالوں سے نکلتا اور اُبھرتا ہوا آپ کی انگلیوں نے تلاش کیا ہے ایک بہت مضبوط دل و دماغ کے انسان کا پتہ دیتا ہے۔ ایسا شخص رائے کا پکا دماغ کا مضبوط اور بہت ہوشمند ہوتا ہے "پس و پیش" سوچے بغیر کوئی کام شروع نہیں کرتا ؛

ایسا شخص سراغرساں یا وکیل اچھا بن سکتا ہے کیونکہ اسے زندگی کے نشیب و فراز اور اس کی پُراسرار باتوں کی غوطہ خوری میں مزہ آتا ہے۔ اسے تجویزیں بنانے، تعمیری اور ساخت پردازی کی باتوں میں ملکہ ہوتا ہے اور نتائج اخذ کرنے میں ذہن کا تیز ہوتا ہے ؛

غیر معمولی حافظہ - ممکن ہے کہ پیشانی کی سطح دونو

اس قدر صحیح جیسے ریاضی، ایسے آدمی نقشہ نویس، انجینئر اور حساب داں اچھے بن سکتے ہیں۔ اگر ناک کے عین اوپر آنکھوں کے پاس یہ اُبھار زیادہ نمایاں ہوں تو غیر معمولی حافظہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اگر پیشانی کے وسط کے دونوں اطراف میں دو خاص اور نمایاں اُبھار آپ کو دکھائی دیں تو سمجھئے کہ ایسا آدمی باوجود ہوشیاری اور چالاکی کے اپنے ذہن کو کبھی زندگی کی سنجیدہ باتوں اور گہرائیوں کی طرف نہیں لے جائے گا اسے زندگی کا ہمیشہ مسخرے پن اور تفریح کا پہلو بھائے گا۔ اور دوسرے

کنپٹیوں کی جانب اُبھری ہوئی نظر آئے، ایسے آدمی کا حافظہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ یہ رنگوں کو ہندسے یا دیکھنے میں خاص مہارت ہوتی ہے۔ تاریخیں، حساب کتاب کے ہندسے، چہرے اور دیگر معمولی معمولی تفصیلات نہایت صفائی اور صحت کے ساتھ یاد رکھ سکتے ہیں۔ قد و قامت، وزن، پیمائش اور ناپ کے اندازے لگانے میں ان کی سمجھ بہت تیز اور تُلی ہوئی ہے اور

ذہنی اور سنجیدہ امور سے اسے رغبت نہ ہے گی اور اس وجہ سے وہ ہزیمت اٹھائے گا۔

جن لوگوں کے کاسۂ سر میں ظرافت کا اُبھار زیادہ نمایاں دکھائی دے وہ حاضر جواب بذلہ سنج ہوتے ہیں اور بعض اوقات تکلیف دہ ہو جاتے ہیں۔ جن کے ہاں یہ اُبھار مفقود ہو ان سے آپ ہمیشہ روتی ہوئی صورت کی ہی توقع رکھئے ؛



دادا: - تم نے دیکھا ہے کہ جب مجھے جمائی آتی ہے تو میں اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتا ہوں تم بھی ایسا ہی کیا کرو

پوتا: - لیکن میرے تو تمام دانت ابھی موجود ہیں ؛

(مائی میگزین)

ظرافت کے اُبھار کے قریب اطراف پیشانی میں ہم میں سے اکثر کے کاسۂ سر میں دو اُبھار ہوتے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو ہم میں کام کرنے اور چیزوں کو مکمل کرنے کی صلاحیت جاتی رہے یہ کامگاری کی نشانی ہے

اپنی آواز سے عشق کنپٹیوں سے [illegible]

عمدہ گویئے، موسیقار ہوتے ہیں۔ اگر [illegible] ہو تو یہ اُبھار

دے سکتے ہیں ؛

آنکھوں کے عین اوپر جو مشاہدہ کے یہ اُبھار واقع ہوتے ہیں ان کو ان سے متعلق کر دیجئے، کنپٹیوں کے [illegible] جو اُبھار نظر آتے ہیں وہ ترنم پسندی، موزونیت اور تناسب اشیاء کا احساس ظاہر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ [illegible] وقت اور ترنم آمیز وقت [illegible] کا بہت احساس [illegible] اور ایسے لوگ عمدہ نغمہ سنجی کرنے کی صلاحیت [illegible] اکثر آنکھوں کے گوشوں کے اردگرد بھی کچھ اُبھار دکھائی دیتے ہیں، یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ایسا شخص اچھا ایکٹر یا [illegible] بن سکتا ہے ؛

آنکھوں کے اُبھار تقریر و خطابت کی خوبی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اگر کنپٹیوں کے اُبھار نہ ہوں تو اس اُبھار کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ آپ میں زبان کی طراری تو ہے لیکن [illegible] حد تک کہ خود بولتے چلے جائیں اور دوسرے کو سننا گوارا نہ کریں ایسے لوگ صرف انسان سوسائٹی میں اپنی [illegible] نمایاں کرنے کے باعث جس نظر سے دیکھے جاتے ہیں ظاہر ہے

جن لوگوں میں سیاحت، سفر، کھلی ہوا میں زندگی گزارنے اور جہاں گشتی کا مادہ ہوتا ہے اور جنگل [illegible] کا مادہ بھی ہوتا ہے ایسے لوگوں کی کنپٹیوں کے عین [illegible] موسیقی پسند اور آرٹ پسند لوگوں کے اُبھاروں سے قریب [illegible] دو تنے ہوئے مگر نمایاں اُبھار محسوس کریں گے

بہت فیاض اور سخی یہ اُبھار اکثر مشاہدہ کے اُبھاروں سے مل جاتے ہیں یا آنکھ کے قریب تر ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مشاہدہ کے اُبھار سے بہت قریب جو اُبھار ہوتے ہیں وہ رنگ کے امتیاز اور دلچسپی کی علامت ہیں، نقاش، لباس کے نمونے بنانے والے اور دیگر رنگین کام کرنے والوں کے یہ اُبھار بروؤں کے پاس نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔

جو لوگ بہت سخی اور فیاض طبع ہوتے ہیں بالوں سے عین نیچے ان کی پیشانی پر ایک نمایاں اُبھار دکھائی دیتا ہے جن کے یہ اُبھار نہ ہو وہ خود غرض اور کنجوس ہوتے ہیں دوسروں کو ان سے کوئی فیض نہیں پہنچتا۔ لیکن اگر یہ اُبھار بہت زیادہ بڑا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ سب کچھ دے بیٹھیں گے اور فیاضی فیاضی میں پھوکا [illegible]

پچھلے صفحے سے

اور جنسی خیالات کا بھی زیادہ ہوتا ہے۔

سر کے کنارے پر ایک ابھار ہوتا ہے جو سخت گیر، مضبوط ارادہ اور ضدی طبیعت لوگوں کے لئے مخصوص ہے۔ اگر یہ ابھار بہت زیادہ بڑا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا مالک محض قوت ارادی اور دھن کا پکا ہونے کے سبب زندگی میں کامیابی حاصل کرے گا۔ بعض لوگوں میں یہی چیز بیجا ضد اور ہٹ دھرمی کے جذبہ تک پہنچ سکتی ہے، مگر یہ ضرور ہے کہ اگر یہاں کوئی ابھار نہیں ہے تو آپ کی اپنی کوئی رائے نہیں ہوگی۔

اس کے عین اوپر خود ستائی کا ابھار ہے۔ سر کے پیچھے ذرا ہاتھ پھیر کر دیکھئے یہاں جو ابھار آپ کے ہاتھ کو محسوس ہوگا وہ گرہستی انسان کی علامت ہے۔ ایک اچھا باپ، اچھی ماں، عمدہ شوہر یا بیوی اور بچوں سے پیار کرنے والا انسان۔ اگر یہاں ذرا نیچے ابھار زیادہ نمایاں ہو تو بچوں اور جانوروں سے محبت کرنے کی صلاحیت زیادہ پائی جاتی ہے۔

سر کے ہر دو جانب جو ابھار ہوتے ہیں ان سے وفاداری اور بھروسہ پن کی حالت ظاہر ہوتی ہے۔ جن لوگوں کے سر ان مقامات پر صاف ہوں اور کوئی ابھار نہ ہو ان پر کبھی بھروسہ نہ کیجئے۔ اگر کانوں کے عین اوپر ابھار نمایاں ہوں تو ایسے آدمی سخت جھگڑالو، ضدی، دوسروں سے حسد کرنے والے اور فسادی ہوتے ہیں۔

اگر یہ ابھار ذرا ہلکے اور معمولی قسم کے ہوں تو آپ کے دوست میں زندگی میں ابھرنے کی صلاحیت اور اچھی طبیعت کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ اگر ابھار بالکل نہیں ہیں تو اس سے معلوم ہوگا کہ ایسا شخص آگے بڑھنے کی خواہش ہی نہیں رکھتا۔

اگر گردن سے ذرا اوپر نیچے (کان کی طرف نہیں) اگر ابھار ہیں تو ایسا شخص محبت اور شادی کے معاملات میں بہت گرفتار رہے گا۔ اور طبیعت کا رنگیلا ہوگا۔

اگر شادی کرنا چاہتے ہو

اگر یہ ابھار بہت زیادہ نمایاں ہوں تو ایسا آدمی عشق کے معاملات میں بہت تیز ہوگا۔ مگر دوسرے معاملوں میں مثلاً بچوں کے پالنے، خبر گیری کرنے، گھر کے کام کاج وغیرہ میں وہ کامیاب انسان ثابت نہیں ہوگا۔ اگر یہاں ابھار بہت خفیف ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا انسان اپنی مخالف جنس کی طرف کم رغبت رکھتا ہے اگر گرہستی کے ابھار زیادہ ہوں تو ایسا آدمی محبت سے زیادہ گھر اور بال بچوں اور رفاقت زندگی کے لئے شادی کرتا ہے۔

شادی کرنے سے پہلے اس شخص کی گردن ضرور دیکھ لو جس سے شادی کرنا چاہتے ہو یا چاہتی ہو، اگر پشت کا سر کا حصہ صاف ہو تو ایسے آدمی اچھی ازدواجی زندگی بسر نہیں کر سکتے... کے رجحانات مختلف ہوں

چیزوں سے دلی تعلق کو بھی ظاہر کرتا ہے، اگر یہ بہت زیادہ نمایاں ہوں گے تو اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ انسان ہاتھ پیر ہلائے بغیر ہر چیز کو اس کی حسب مرضی چلنے کے لئے چھوڑ دینے کا عادی ہے۔ اور زیادہ فکر نہیں پالتا۔ جو ہوتا ہے اسے خندہ پیشانی سے قبول کرتا ہے۔ اور بیٹھ کر بے فکر رہتا ہے خواہ حالات کوئی بھی رخ اختیار کریں۔

بھروسہ نہ کرو

اگر یہاں کا حصہ کا سر صاف ہو اور کوئی ابھار محسوس نہ ہو تو ایسا آدمی بہت غمگین طبیعت، ہر چیز کی طرف سے مطمئن اور مستقبل کو سوچنے والا ہوگا۔ اور اسے فنون لطیفہ سے بھی کوئی رغبت نہ ہوگی۔ جس جگہ کنپٹیاں موسیقی نوازی کے ابھاروں کو ظاہر کرتی ہیں انہی کے قریب مصنفین، آرٹسٹ اور موسیقی دانوں میں نمایاں ابھار نظر آتے ہیں ان سے ذرا اوپر جوارادہ کی مضبوطی ظاہر کرنے والا ابھار ہے وہیں کچھ ابھار احتیاط اور ہوشیاری کے مادہ کو ظاہر کرنے والے پائے جاتے ہیں۔ اکثر لوگوں میں یہ ابھار متوسط حالت میں دکھائی دیتے ہیں جن لوگوں کے سر دونوں طرف سے ترچھے ہوں اور پشت کا حصہ سر ہموار ہو ان پر کسی کام کے انجام دینے کے لئے ہرگز بھروسہ نہ کیجئے۔ یہ لوگ کسی خاص اصول زندگی اور ضابطہ عمل کے قائل نہیں ہوتے اور بے سوچے سمجھے کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔

کان کے پیچھے کئی ابھار ان جذبات کو ظاہر کرتے ہیں جن کے ماتحت انسان دوسروں کی چیزیں اپنے قبضہ میں کرنے، بے صبری، سخت گیری اور اچکے پن کو ظاہر کرتے ہیں۔ کان کے بالکل اوپر اگر کوئی ابھار دکھائی دے تو ایسا آدمی موقعوں سے فائدہ اٹھانے کی خوب صلاحیت رکھتا ہے اگر یہ ابھار بہت زیادہ بڑا ہو تو ایسا آدمی طبیعت کا سخت بلکہ انتقامی جذبہ سے معمور ہوتا ہے اور طبیعت کا اوچھا ہوتا ہے بے صبری اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہوتی ہے۔

کان کے عین اوپر ایک دوسرے پر لگے ہوئے دو ابھار نظر آتے ہیں یہ کفایت شعاری، زیرکی اور ہوشمندی ظاہر کرتے ہیں۔ اگر یہ بہت زیادہ نمایاں ہوں تو راز داری، گھنا پن اور طبیعت کی گہرائی کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

ضروری بات

اس سلسلہ میں ایک ضروری بات جو یاد رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ ابھار دیکھتے وقت ایک ابھار کی جسامت اور اس کے متعلقہ وصف کے دوسرے ابھار کی جسامت اور وصف سے منطبق کر کے دیکھ لینا چاہئے۔ اگر کوئی ابھار بڑا ہو تو جذبہ کی زیادتی ظاہر کرتا ہے چھوٹا ہونا اعتدال کو ظاہر کرتا ہے اور مفقود ہونا یا بالکل چپٹا اور پتلا ہونا اس جذبہ کی کمزوری اور عدم وجود پر دال ہوتا ہے، یہ باتیں کردار خوانی کے وقت آدمی کو اپنے دھیان میں رکھنی چاہئیں، تاکہ اس علم کے مطابق آپ کسی کے کیرکٹر پر حکم لگانے میں غلطی نہ کریں، اور آپ کے اخذ کئے ہوئے نتائج قرین عقل و دانش ہوں۔

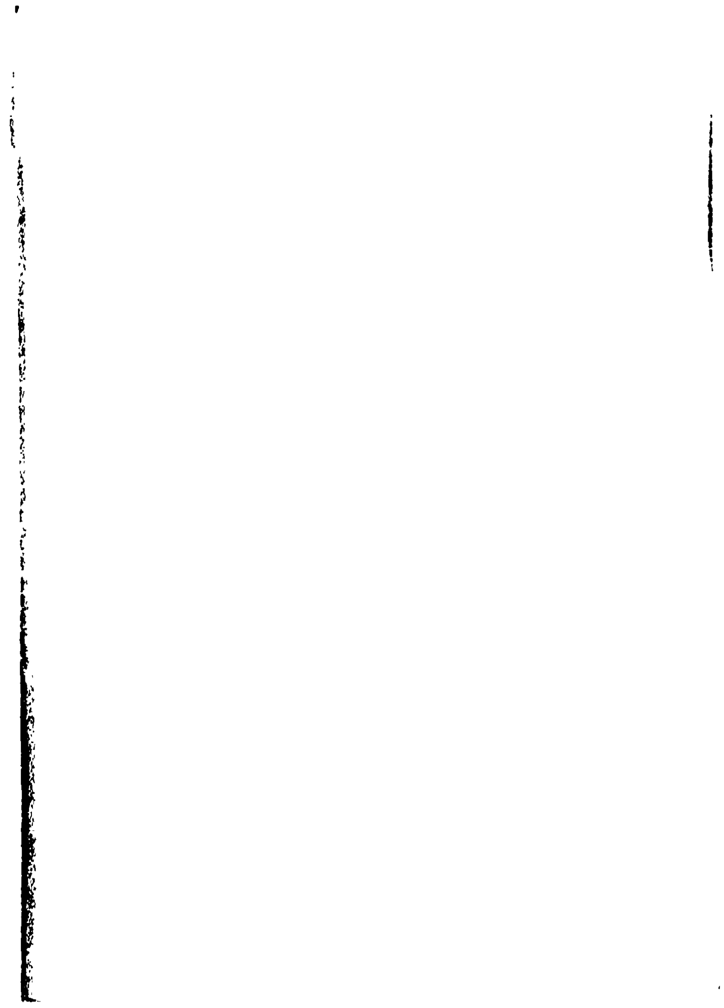
---

۲۷ جون کو ہندوستان کے شہرۂ آفاق اخبار تیج ویکلی کا افسانہ ایڈیشن شائع ہو کر معزز ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچ جائیگا۔ مینجر

سامت کی ابھا
... مستقبل
... اور تقدیر



فقیر ایپی
سرحد کے قبائل کے اِس سرغنہ
کی عادت خبر ہے کہ یہ ارسال
کوٹ کو فرار ہوگیا ہے



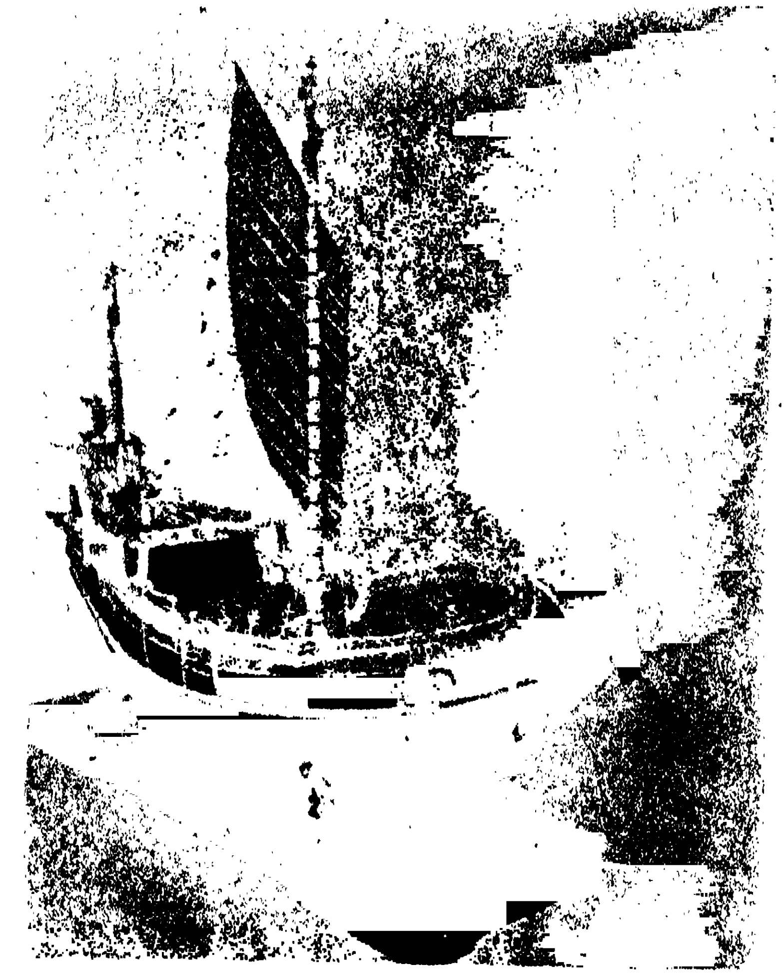
دنیا کا سب سے زیادہ بوڑھا آدمی جس کی عمر اِس وقت ١٥٧ سال کی ہے اور جس کے جسم کے تمام اعضا ابھی تک بالکل درست ہیں۔ روس کا یہ باشندہ "یکوپشعہ" اب تک دو تین میل روزانہ پہاڑوں پر چلتا ہے



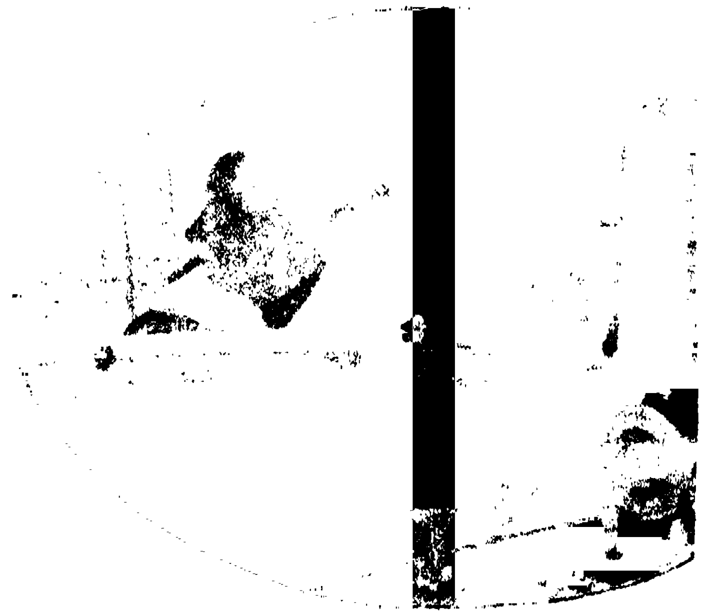
انسانی کھوپڑیوں کی بین الاقوامی کنونشن جس میں مسز ڈیگناریس کئی مختلف قسم کی کھوپڑیوں کا معائنہ کر رہی ہیں



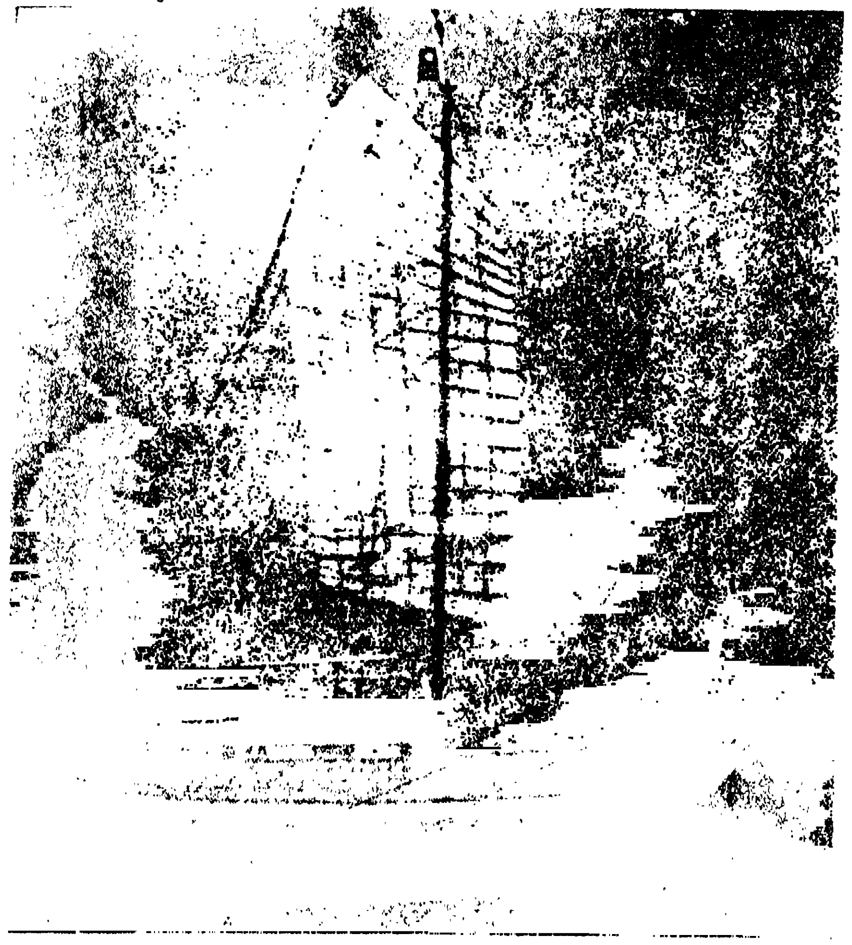
برلن کے ایک سنگتراش نے یہ دو رخ والا مجسمہ تیار کیا ہے جس میں ایک رخ رہسی لوآر لہان کا ہے اور دوسرا رخ دنیا کے سب سے دولتمند آدمی مرحوم راک فیلر کا ہے



قدیم چین کی ایک کشتی، جو ضلع فوچو کے آس پاس اب تک استعمال کی جاتی ہے

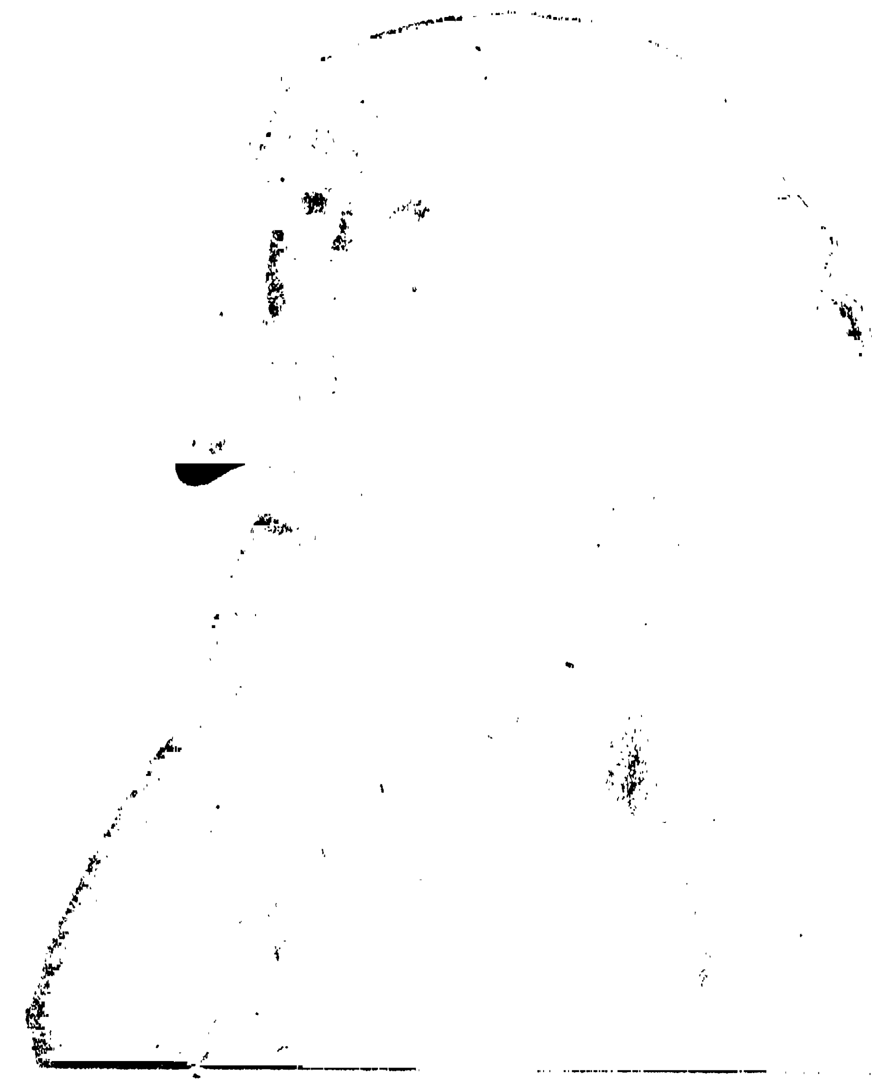


ڈیوک آف گلوسسٹر جن کے متعلق پچھلے دنوں یہ خبر تھی، کہ ہندوستان میں کنگ جارج ششم کی تاجپوشی کی رسم میں ملک معظم کی نمائندگی کرینگے



چین کی ایک اور قدیم کشتی جو دریا یانگ سی میں اب بھی چلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے

ویجی ٹیرین

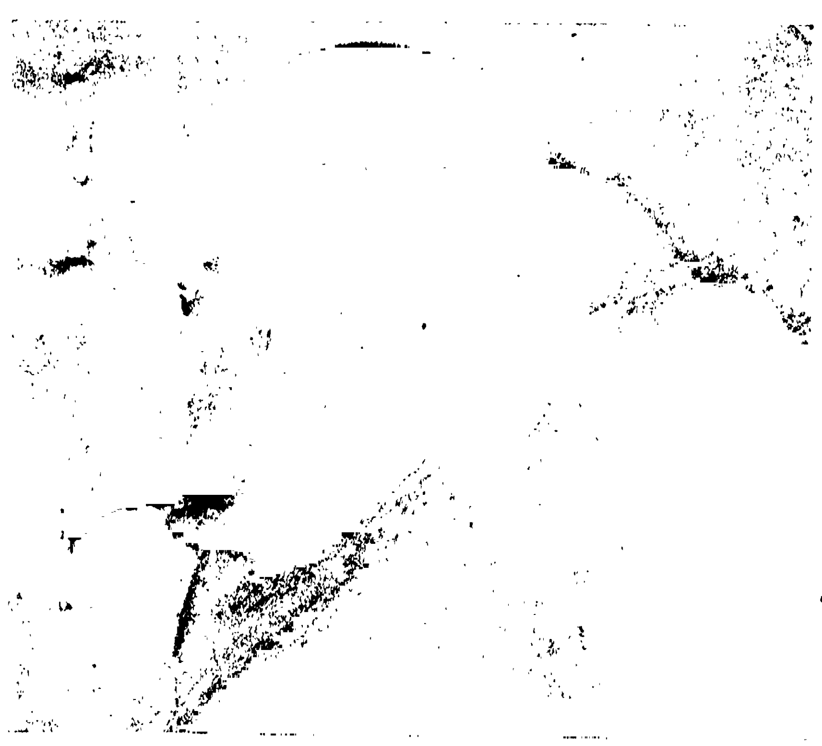


جزیرہ بورنیو کا ایک بندر جس کی ناک بڑی لمبی ہوتی ہے۔ اگر یہ سبزی نہ کھائے تو زندہ نہیں رہ سکتا



لاہور میں ڈاکٹر ستیہ پال کی کوٹھی کی حفاظت کرتے ہوئے چند سرخپوش

سچا وطن پرست



جزیرہ ملایا کا ایک بندر جو بورنیو کے بندر سے ملتا جلتا ہے۔ یہ اپنے وطن سے باہر زندہ نہیں رہ سکتا


ہالی ووڈ کے چند درخشاں ستارے
مس ایڈیلیڈ موف
مس کلیر ٹریو

ماڈرن شیخ چلی

مزاحیہ

(از جناب احسن عثمانی جرنلسٹ ——— خاص تیج ویکلی کے لئے)

ہندوستان میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جس نے شیخ چلی کا نام سُنا ہو۔ روایتی شیخ چلی سے خیالی شرف نیاز رکھنے والے تو بہتیرے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے عہد حاضرہ کے شیخ چلیوں پر ابھی نظر نہیں ڈالی اور نہ انکی شیخ چلیت کے تدریجی ارتقا کا جائزہ لیا۔ ہم آپکو یقین دلاتے ہیں کہ اگر آپ اس مسئلہ پر ذرا سی بھی توجہ مبذول فرمانے کی تکلیف گوارا کریں تو یقیناً آپ بھی ہماری طرح بکار اٹھینگے کہ موجودہ زمانہ کے شیخ چلی ایک مستقل حیثیت کے مالک ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں ذوقِ تسمیہ طرازی انکے موجودہ نقطۂ نگاہ سے انہیں "ماڈرن شیخ چلی" کے نام سے نہ بلانا، اپنا نندہ دلی کا خون ہوگا۔

روایتی شیخ چلیوں کی شیخ چلیت کے سلسلہ میں بہت سی روایات مشہور ہیں۔ ان میں سے زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ ایک شیخ چلی کہیں سے ایک انڈا ہاتھ لگ گیا۔ اب جو انہوں نے بحر تصور میں غوطہ کھایا ہے تو وہ انڈا مرغی کے نیچے رکھا گیا انڈے سے بچہ نکلا۔ بچہ بڑھکر مرغی بنی۔ مرغی نے بہت سے انڈے دیئے پھر یہ سب انڈے بھی مرغیوں میں تبدیل ہوگئے اور اچھا خاصہ پولٹری فارم تیار ہوگیا۔ پھر مرغیاں بیچکر بکریاں خریدی گئیں اور ترقی کرکے ان کا سیلوڈ تیار ہو... گیا۔ یہ بیدار بیچکر ... جنیں خریدی ... کہیں غرض یونہی ... ترقی کر کے شیخ چلی صاحب تخیلی ترقی کرگئے انکے بعد دوسری روایت شہد کے گھڑے والے شیخ چلی کی ہے جو سر پر گھڑا رکھے ہوئے عالم تصور میں ذرا سی دیر کے اندر ایک بڑے دولتمند تاجر بن گئے تھے مگر افسوس کہ ان کا شہد کا گھڑا انکی خیالی شادی کے بعد اپنے خیالی بچے کو گود میں لینے کیلئے جھکتے ہوئے شہید ہوگیا اور ساتھ ہی شیخ چلی صاحب کی ساری دلچسپی شہد میں بہہ گئی ورنہ آج ہم کو اسکا کوئی حق نہ پہنچتا کہ مسئلہ شیخ چلیت پر اظہار خیال کرتے اور ناظرین کو "ماڈرن شیخ چلی" سے لطف اندوز ہونے کا موقعہ ملتا۔

ماڈرن شیخ چلی کے متعلق اب یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ سلسلۂ شیخ چلیہ میں ان کا سلسلۂ نسب مذکورہ روایتی شیخ چلیوں سے ملتا ہے اور ہر ماڈرن شیخ چلی صحیح معنوں میں ان کا سجادہ نشین بننے کا حق رکھتا ہے۔ شاید آپ یہ خیال کر رہے ہوں کہ "ماڈرن شیخ چلی" کی پرواز فکر بھی انڈے یا شہد کے گھڑے سے شروع ہوتی ہوگی نہیں۔ یہ ماڈرن شیخ چلی کی "ڈائرکٹ انسلٹ" ہے پیٹھ پیچھے آدمی بادشاہ کو بھی گالی دے لے تو کیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ شیخ چلی موصوف اس قسم کی توہین برداشت کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوں گے اسکی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ "ماڈرن شیخ چلی" نئی روشنی کے تخیلات سے آراستہ فکر بلند کا مالک ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے خیال اور تصور میں اس قدر پکا ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسکی قدح نہیں کرسکتی اور جو قدح کرے کچھ سمجھیے کہ اس کی شامت آگئی۔ "ماڈرن شیخ چلی" کی اعلیٰ ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ خود کو عمل سے بے نیاز رکھتا ہے۔ دراصل اسکو عمل کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ وہ سر بفلک خیالی قلعوں اور اونچے تصورات کی لامحدود سلطنت کا بے تاج بادشاہ ہوتا ہے اور اپنی عمر کو بھی حیات خضر سے کم نہیں سمجھتا۔ "ماڈرن شیخ چلی" کسی ایک خود یا قوم یا جماعت یا سوسائٹی یا پارٹی کا نام نہیں بلکہ آپ اسے ہر قوم ہر ملک ہر جماعت اور ہر سوسائٹی میں اکثر و بیشتر یکساں طریق پر پائینگے جو چیز دنیا کے تمام شیخ چلیوں کو ایک رشتہ میں منسلک کرتی ہے وہ صرف شیخ چلیت کا رابطہ ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

ایک شیخ چلی صاحب اپنے دوست سے یوں مصروف کلام ہیں:-

"ہاں تو میں ابھی کیا کہہ رہا تھا مسٹر نیاز؟ اوہ! دیکھئے جس کمپنی کی اسکیم میں عرصہ سے سوچ رہا تھا میرا خیال ہے کہ اسے پچاس ہزار روپے سے کم میں نہ لمیٹڈ کرانا چاہیئے۔ میرے دوست (مسٹر نیاز کے زانو پر ہاتھ تھپاکر) آپ اس چیز کا تصور بھی نہیں کرسکتے جو میرے ذہن میں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میری اسکیم "ایک آل انڈیا بزنس کارپوریشن" قائم کرنے کی ہے جانتا ہوں کہ یہ لوگ جس قدر بھی الگ الگ تجارت کرتے ہیں میری کمپنی کے دائرے میں آجائیں۔ مسٹر نیاز میری اسکیم کامیاب ہوئی اور ضرور ہوگی تو "ہول انڈیا" پر میرا "بزنس کنٹرول" ہوگا۔ اور آپ جانتے ہیں "تجارتی کنٹرول" کے کیا معنی ہوتے ہیں (ہتھیلی پر مٹھی مارتے ہوئے) حکومت حکومت میرے دوست حکومت اقتصادی اور سیاسی اثر۔ بمبئی اور گجرات کے تمام سیٹھ تمام ساہوکار، راجے مہاراجے، وزیر، لیڈر اور کانگریس والے سبھی میری کارپوریشن سے تعلق رکھنا باعث فخر تصور کریں گے۔ مسٹر نیاز ذرا سوچو تو وہ کتنا شاندار وقت ہوگا جب میں اپنے دہلی کے عالیشان ہیڈ آفس میں بیٹھا تم سے کسی خاص مسئلہ پر گفتگو کر رہا ہوں گا کہ اتنے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجے گی اور صاحب کمشنر کی پارٹی میں ہم تم دونوں اٹھ کر چل دیں گے اور ... ... اور ... ...

مسٹر نیاز:- لاحول ولا قوۃ۔ کوئی حد بھی ہے تمہارے خیالی پلاؤ کی۔ کرنا دھرنا کچھ بھی نہیں خواہ مخواہ کان کھا رہے ہو۔

"ماڈرن شیخ چلی":- (نگاہیں تیز کرتے ہوئے) تم اسکو خیالی پلاؤ بتاتے ہو؟

مسٹر نیاز:- اور نہیں کیا۔

شیخ چلی:- (سیگرٹ کی راکھ چائے کی پیالی میں جھاڑتے ہوئے) تم ان باتوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے ...

مسٹر نیاز:- ار ار ار۔ دیکھو چائے خراب کرکے رکھدی عقلمند آدمی۔

غرض یہ صاحب وہ ہوں گے جو اپنے ہر ملنے والے سے اسی قسم کی شیخ چلیانہ گفتگو کرتے نظر آئیں گے۔ لیکن ان کا کام پلنگ اور کرسی توڑنے اور سیگرٹ پی پی کر ڈھیر لگانے کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

اسی طرح بے عمل لیڈروں کے طبقے میں ایک صاحب آپکو ایسے نظر آئیں گے جن کا کام اکثر آل انڈیا اور کبھی کبھی ایک بین الاقوامی آرگنائزیشن کا رت دن خواب دیکھنا ہوگا۔ ان صاحب کے نزدیک اپنے علاوہ باقی تمام لیڈر نرے حماقت کے پتلے ہوں گے اس لئے کہ انہیں انکی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے سیگرٹ نوشی ان کا محبوب شغلہ ہوگا۔ یہ کئی بے معنی سی انجمنیں قائم کرچکے ہوں گے اور مزید قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ اگر یہ خدانخواستہ کوئی تھرڈ کلاس اخبار نکالنے میں بھی کامیاب ہوگئے تو بس سمجھ لیجیے کہ انہیں شیخ چلیت کی عنقریب معراج حاصل ہونے والی ہے جب یہ اپنے اخبار میں کوئی زبردست مقالہ لکھیں گے تو اسکا انداز یہ ہوگا:-

"سنو سنو اور کان کھول کر سنو۔ اے لوگو پڑھو پڑھو اور بار بار پڑھو۔ یہ تمام بڑی بڑی انجمنیں اور تمام لیڈر کھانے کمانے کے لئے ہیں میری اسکیم پر چلو۔ میرے جھنڈے کے نیچے جمع ہو میرا اخبار خریدو۔ کیونکہ قوم اور ملک کی ترقی کا راز اسی میں ہے۔ اب سرکار ہمارے سب مطالبات مانتی جارہی ہے ہم کو بھی سرکار کی بات مان لینی چاہیئے۔ آزادی۔ آزادی پکارنے سے کیا ہوگا۔ اگر ہندوستان پر روس حملہ کردے تو اسکو کون بچائے گا۔ کانگریس سب زمینداروں کی زمینداریاں اپنے قبضہ میں کرنا چاہتی ہے۔ آزادی بڑی اچھی چیز ہے۔ انگریز ہم کو روحانی آزادی دیتے ہیں اسکو مضبوطی سے پکڑو میری تحریر پڑھو۔ سوائے میرے کسی کو چندہ نہ دو۔ نہیں تو سب کھا جائیں گے"

اس قسم کے بزرگوار کو بھی باوجود ہمہ شعبات فکر و ہدایت ہم "ماڈرن شیخ چلی" ہی کہیں گے کیونکہ ان کا انجام بھی ہمیشہ بجز پسپائی کے اور کچھ نہیں نظر آیا۔

ایک صاحب آپکو لکھنؤ کی وکٹوریہ سٹریٹ یا دہلی کے چاندنی چوک سے اس ہیئت کذائی سے گذرتے ہوئے نظر آئیں گے کہ بغل میں کچھ کاغذوں کا پلندہ سا ہوگا، شیروانی پر میٹ اوڑھے ہوئے ہونگے۔ نگاہیں زمین دوز ہونگی اور بحرِ تفکر کی حسب ذیل موجوں سے کھیل رہے ہوں گے۔

"جب میرے پاس اس قدر سندیں اور سارٹیفکیٹ موجود ہیں تو مشکل کاہے کی۔ اُونہہ (ایک اینٹ سے ٹھوکر کھاتے ہوئے) ابھی ہوٹل کے کرائے کے دام موجود ہی ہیں۔ پندرہ روپے کی کلرکی کرنا میری اور میری سات پشت کی توہین ہے۔ ہُنھ۔ تیس تیس روپے کی دو ملازمتیں تو میں چھوڑ چکا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ اب جتنے کہیں کرو۔ لاحول ولا قوۃ ایسی ملازمتیں جائیں چولھے میں۔ اب میں انشورنس کمپنی والی اسکیم کامیاب بناؤں گا۔ آہا۔ خوب یاد آیا۔ مسٹر افضل نے مجھ سے کوآپریشن کا وعدہ کیا ہے (فیصلہ کن انداز سے) بس بس۔ اب یہی ٹھیک ہے۔ اگر میری انشورنس کمپنی کامیاب ہوگئی۔ اور ہوگی کیوں نہیں۔ تو بس پھر میں ہی میں ہوں گا۔ ابا بھی خواہ مخواہ ملازمت ملازمت چیخا کرتے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم نہیں کہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ سال بھر میں دولت ہی دولت لیں۔ وہاں مدی ٹھیکیدار کی سول لائن والی زمین میں نے اپنے بنگلے کے لئے خریدنی طے کر رکھی ہے جس دن بنگلہ تیار ہوکر "فرنشڈ" ہوگیا میں تمام حکام اور معززین کو پارٹی دوں گا۔ کمشنر صاحب سے ہاتھ ملاؤں گا۔ اور وہ ... ... آہا ... ... میری ... ... وہ ... ... بھی شریک ہوگی ... ... پھر ... ... ہم" ... ... یہ خیالی فقرہ ابھی پورا بھی نہ ہو پائے گا کہ آپ فٹ پاتھ سے گذرنے والی کسی بڑھیا کے دھکے سے چونک کر بیدار ہو جائیں گے۔ یونہی وہ مدتوں شیخ چلیانہ منصوبے سوچتے نظر آئیں گے لیکن خدا کے فضل سے کریں گے کچھ نہیں۔ یہاں تک کہ ہوٹل کا کرایہ چڑھ رہا ہوگا اور وہ مکمل فارغ البال ہوں گے۔

کہیں دو صاحب انتہائی انہماک اور جوش کے ساتھ یوں مکالمہ فرمارہے ہوں گے۔

ایک صاحب:- (جنہیں مسٹر کلیم سمجھ لیجیے) بھئی واقعی اگر ایسا ہوجائے تو کیا ہی کہنے۔

دوسرے صاحب:- (جنہیں ہیرالال سمجھئے) کیا ہی کہنے کیا؟ ارے میاں یوں کہو کہ دولت اور عیش دونوں گھر کے لونڈی غلام ہوں گے۔

مسٹر کلیم:- بھئی واہ خوب کہی۔

ہیرالال:- مسٹر کلیم بس روپیہ چاہیئے۔ روپیہ۔

کلیم:- اچھا یہ تو بتلاؤ کہ کم سے کم کس قدر سرمایہ درکار ہوگا۔

ہیرالال:- یہی کوئی چالیس پچاس ہزار۔

کلیم:- (آنکھیں تیز کرکے) اوہو اس قدر؟

ہیرالال:- اور نہیں کیا۔ فلم کمپنی کھولنا کوئی معمولی کام ہے۔ وہ تو اسٹیڈیو کرایہ پر لے لئے جاتے ہیں ورنہ اسکی چوگنی رقم درکار ہو۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

کلیم: دوست اگر یہ سب مل جائیں تو بقول تمہارے دولت اور عیش گھر کے لونڈی غلام ہو گئے۔

ہیرالال: (رکھے کی فلمی تصویروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ مس کجن۔ یہ مس سلوچنا۔ یہ ترنابالی۔

کلیم: ہاں ہاں تو کیا یہ تصویریں تمہیں پسند نہیں۔

ہیرالال: نہیں بلکہ میرا کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ایسی ایسی ایکٹریسیں ہماری کمپنی میں ملازم ہونگی اور ہماری خوشامدیں کیا کریں گی۔

کلیم: (خوشی سے آنکھ چمکاتے ہوئے) ہاتھ ملاؤ۔ کیا تمہ کی کوڑی لائے ہو دوست ......

ہیرالال: اور ...

کلیم: ہاں۔ ہاں۔ اور

ہیرالال: اور پیشل وغیرہ جن کے گانے ترنگنا یا کرتے ہو اور جن سے ملنے کا ہم تمہیں اشتیاق ہے۔ یہ سب اپنی کمپنی میں بلائے جائیں گے۔

کلیم: بیشک جب ہم انکو کافی معاوضہ دیں گے تو کیوں نہ ہماری کمپنی میں آئیں گے۔

ہیرالال: میرا خیال ہے کہ جمنا اور راجکماری کو بھی اپنی پہلی پکچر میں شامل کر لیا جائے۔

کلیم: ضرور۔ مگر میری رائے میں پربھات کی شانتا آپٹے اور بمبئی ٹاکیز کی دیوکا رانی اور کمار کو بھی اپنی کمپنی میں آنے کی دعوت دی جائے۔

ہیرالال: خیر یہ بھی سہی۔ مگر رقم۔

کلیم: رقم ... ؟

اب اسکا اندازہ قارئین خود لگائیں کہ انکی شیخ چلیت کس ڈگری تک ترقی کر چکی ہوگی۔

بعض اوقات تو یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ شیخ چلیوں کی اچھی خاصی کانفرنس منعقد ہوتی ہے۔ ایسے موقعہ پر لازمی طور سے یہ لوگ کوئی نہ کوئی اسکیم تیار کرتے ہیں اور جس وقت اسکیم معرض گفتگو میں لائی جاتی ہے تو اسپر پُرجوش مباحثہ ہوتا ہے۔

ماڈرن شیخ چلی کو عموماً سیاسیات اور پبلک مسائل سے بھی دلچسپی ہوتی ہے مگر ان مسائل کا دائرہ جن کا تعلق تجویزوں اور اسکیموں سے ہو عموماً میونسپلٹی تک محدود ہوگا مثلاً دہلی کے کوئی شیخ چلی یا چند شیخ چلی صاحبان میونسپلٹی کو کوئی مشورہ دیں گے تو اسکی نوعیت حسب ذیل قسم کی ہوگی۔ میونسپلٹی کو چاہیئے کہ شہر کے چوہوں کو ختم کرنے کے لئے کوئی جارحانہ اقدام کرے۔ ہر محلے میں ایک ایک بلی خانہ قائم کرے۔ ضرورت ہے کہ مکھیوں کی خون آشامیوں سے بچنے کے لئے مچھر دانیوں کی طرح مکھی دانیاں بھی تیار کی جائیں۔ ایک صاحب مشورہ دینگے کہ میونسپلٹی الیکٹرک سپلائی کی طرح "حقہ سپلائی" کے لئے بھی ایک شعبہ قائم کرے جس کی بہترین صورت یہ ہوگی کہ شہر کی پانی کی سب سے بڑی ٹنکی سے حقہ کی متحدہ فرشی کا کام لیا جائے جس کے لئے اسی کی مناسبت سے ایک عظیم الشان چلم تیار کی جائے جس میں تمبرو میٹھا کڑوا؛ ورنہ حسب مرضی تمباکو کا انتظام ہو پھر جس طرح نلکے کے ذریعہ پانی کے نل گھروں میں لگائے جاتے ہیں اسی طرح حقوں کے نل بھی ہر حقہ نوش کے گھر میں مناسب مقام پر لگائے جائیں بس پھر کیا ہو ادھر حقہ نوش "اسموکنگ ٹیوب" لبائے اُدھر بیرقسم کا تمباکو چلنے پینا شروع کر دے۔ اس اسکیم سے کئی سیاسی اقتصادی و معاشرتی فائدے ہیں۔ اول تو چھوت چھات کا قصہ ختم ہو جائیگا۔ ہندو مسلم اتحاد کو تقویت پہنچے گی۔ لوگ الگ حقوں پر جو خرچ کیا جاتا ہے اسکی قیمت قریب قریب ہٹ جائے گا۔ بلکہ بھی جی کو بھی اور اچھوت اور حاملہ کے لئے ہر شہر میں یونائیٹڈ حقہ سپلائی کا اسی طرح انتظام کرنا چاہیئے۔

سننے میں آیا ہے کہ کچھ خوش باش شیخ چلیوں نے دہلی میں گپ کلب کے نام سے کوئی کلب قائم کر رکھا ہے۔ جہاں ہر روز شام کو یہ لوگ جمع ہوتے ہیں اور ہر شخص ایک عظیم الشان گپ اس طرح بیان کرتا ہے کہ ہم اور آپ بھی اگر سنیں تو یقین کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اور پھر شیخ چلیانہ اسکیمیں تیار ہوتی ہیں۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ یونائیٹڈ حقہ سپلائی اسکیم وہیں کی پیداوار ہے۔

غرض ماڈرن شیخ چلیوں کے حالات لامتناہی ہیں اگر آپ دلچسپی لینا چاہیں تو اکثر و بیشتر ذاتی طور پر لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کو شیخ چلی کہنے سے خطاب کرنا کوئی اخلاقی یا قانونی جرم تو نہیں ہے خواہ جرم ہو یا نہ ہو لیکن یہ لوگ کہلائے شیخ چلی ہی جائیں گے اسلئے کہ ان کے منصوبے روایتی شیخ چلیوں سے بالکل مشابہ ہوتے ہیں۔ در اصل شیخ چلیوں کی پیداوار غلام ممالک میں کافی ہوتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ غلامی، افلاس، بے کاری، اقتصادی کساد بازاری اور مجبوری نے ہی ان لوگوں کو شیخ چلی بنا دیا ہے ورنہ جہاں تک آزاد ممالک کا تعلق ہے وہاں اول تو شیخ چلیوں کی تعداد کم ہوتی ہے اور چونکہ ان کی اسکیموں اور منصوبوں کی کامیابی کے لئے وہاں کسی نہ کسی حد تک امکانات پائے جاتے ہیں اس لئے وہ کبھی کبھی اپنی اسکیم میں کامیاب ہو کر شیخ چلیت کے حلقہ سے باہر ہو جاتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہیں گے کہ ہر اسکیم سازی یا منصوبہ آرائی شیخ چلیت کے مترادف ہے۔ بلکہ ہندوستان میں جہاں تک اس کا بے عملی سے تعلق ہے اسے شیخ چلی کا منصوبہ ہی کہا جاتا ہے اور اس وقت تک کہا جاتا ہے جب تک کہ خیالی منزلیں طے کرتا رہے۔ اس معاملہ میں ہندوستان اور یورپ میں یہ فرق ہے کہ وہاں دماغوں سے نکلی ہوئی فرضی اسکیموں کی بھی قیمت ہوتی ہے۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان اسکیموں کے باعمل خریدار بھی ہاتھ لگ جاتے ہیں۔ لیکن یہاں ہر وہ شخص جو اپنی اسکیموں کو خواہ حماقت اور خواہ مجبوری کی وجہ سے صرف تصوراتی منزلوں سے گذر رہا ہو وہ یقیناً شیخ چلی کا خطاب پانے کا مستحق ہے۔ اسی وجہ سے بعض یورپ والے صرف تخیلی انسانوں کو آئیڈیلسٹ کے باعزت نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن ہمارے ہاں ان کی حیثیت شیخ چلی سے زیادہ نہیں ہے۔ بہر حال یہ معاملہ بھی افلاس اور غلامی کا۔ ورنہ کسی کی یہ جرأت ہو سکتی تھی کہ ان اونچے خیالات کے لوگوں کو "ماڈرن شیخ چلی" کے نام سے موسوم کرتے۔

کیا پیشنگوئیاں سچ ہوتی ہیں؟

سائینٹفک تحقیقات اور غیر فطری واقعات پر جرح!

(از قلم مسٹر آرتھر میچن جونز)

"محض قوت رُوحانی کی مدد سے میں نے کل کھانے کی میز زمین سے تین فٹ بلند کر دی تھی۔" (جونز)

"اگر یہ بات سچ ہے تو آپ کل میرے ہاں تشریف لائیے اور میرے اور چند دیگر حاضرین کے روبرو یہ عمل کر کے دکھائیے۔ اگر حاضری آپ ایسا کر سکے تو مجھے یقین ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ کائنات کی مادیت اور میکانیت کے بارے میں ہمارے جتنے علوم اور تصورات ہیں ان میں تبدیلی کرنے کی ضرورت ہو جائے گی۔" (پروفیسر سپروڈش)

یہ ایک خیالی ملاقات کا حال ہے۔ اس میں ظاہر کیا ہے کہ روحانی اور مادی طاقتوں کا نزاع جو قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے اب سائنس کی روشنی میں اس پر تجربات عمل میں آرہے ہیں۔ سائنس کی تجربہ گاہ میں ہم انسان کے کاموں اور کائنات کے بہت سے رازوں کا انکشاف کر سکتے ہیں۔ مگر بعض پہلو انسان کی زندگی کے، انسان کے کاموں کے اور کمالات کے ایسے ہیں کہ جنہیں سائنس کی لیبارٹری میں بند نہیں کیا جا سکتا اور نہ ایسا کرنا قرینِ دانش ہو گا۔ مثلاً آپ کسی شاعر سے کہیں کہ وہ آپ کے کمرے میں آپ کے حکم کے مطابق فوراً ایک عمدہ کلام پیش کر دیں تو یہ ناممکن ہے۔ شاعر پر حسب کیفیت اور حالت طاری نہ ہو وہ کسی کے حکم سے کوئی شعر پیدا نہیں کر سکتا۔

ایک اور مثال لیجئے۔ فرض کیجئے کہ ایک مشہور کرکٹ کا کھلاڑی ہے اس نے ایک میچ پر ۲۵۰ رنیں بنائیں۔ اب اگر اس سے دوبارہ اتنی رنیں بنانے کو کہا جائے تو وہ ایسا نہ کر سکیگا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ پہلی ہی بال "میں آؤٹ ہو جائے۔

اسی طرح انسانی زندگی کے بہت سے کمالات اور کیفیات پر یہ اصول پورا اُترتا ہے کہ ان کا ہونا یا نہ ہونا اور دوبارہ عمل حالات پر منحصر ہے۔ یہی حال عالم روحانیات اور بزرگ رُوحانی کا ہے۔ اس سے اس بات کی توقع رکھنا کہ ہر وقت اپنے روحانی جذبات کا مظاہرہ ہر شخص کے سامنے کر سکیگا غلط ہے۔ کچھ حالات مکمل یقین اور حالت تذبذب کے مابین کی سرحد میں ایسے آجاتے ہیں کہ جہاں پہنچکر انسان کی عقل و فراست کام نہیں دیتی۔ اور نہ وہ اس کی مشق و عمل کے دائرہ میں آکر کامل محفوظ و محکوم ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اس کا تعلق کچھ غیر معمولی عناصر کائنات پر رہتا ہے جن کے سمجھنے سے ہماری مادی عقلیں ناکام رہتی ہیں۔

بہر کیف جہاں تک مافوق البشر یا غیر معمولی روحانی باتوں اور مظاہرات کے بارے میں سائنٹفک

عقل آزادی در تحقیق جس جس کا تعلق ہے اس سلسلہ میں ہمیں ایک بات ذہن نشین رکھنی چاہئے اور وہ یہ کہ ہم عالم ارواح سے روحانی مظاہرات کی تکرار اور تواتر

نکلی تھی یا واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے بعد مسٹر ہیڈن جیمز فورمین کی کتاب "پیشنگوئیوں کی کہانی" اس قدر دلچسپ نہیں اُترتی اور یہ چیز روحانی تحقیقات کے بار

حکیم نبرجمبھر کی پولیٹیکل غزل

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

شرائط ہماری جو ٹھکرائیے گا — تو لیگ آف نیشن سے بھر پائیے گا
نو آبادی دل پہ ہے اُن کا قبضہ — ذرا جا کے ہٹلر سے کہہ آئیے گا
مری آہ کچھ گیس سے کم نہیں ہے — نہ سمجھے تو گھٹ گھٹ کے مر جائیے گا
عتاب اُن کا ہے امنِ عالم کو خطرہ — خُدا کے لئے اسکو رکوائیے گا
نہ آنے دیا اپنی محفل میں تو کیا — ذرا دل پہ سنسر تو بٹھلائیے گا
یہ کیوں رُخ پہ جاپان کی سی ہے زردی — ذرا سُرخ خطرے کو بُلوائیے گا
نہیں کم عتاب اُنکا اٹلی کے بم سے — ذرا بچ کے ورنہ لڑھک جائیے گا

ابھی مسٹر ایڈن کو ہم تار دینگے
اگر آتشی جنگ بھڑکائیے گا

کی امید نہیں رکھ سکتے لیکن یہ ضرور دیکھ سکتے ہیں کہ اس نے کسی روحانی مظاہرہ کا جو دعوے کیا ہے وہ ہی جگہ صحت اور درستی کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہے یا نہیں۔ یہ دیکھنا از حد ضروری ہے کہ آیا وہ عمل و مظاہرہ وجود میں آیا بھی تھا یا نہیں۔ روحانی پیشنگوئیوں کے بارے میں بھی یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ رُوحانی بزرگوں کی زبان سے کسی واقعہ کے ہونے سے پہلے پیشنگوئی

میں سب سے زیادہ ضروری چیز ہے۔

ایک مثال لیجئے:۔

جنگ سے پہلے جرمنی میں فنسبرگ کی پیشنگوئی کا بڑا چرچا تھا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ قیصر ولیم دوم پر فنسبرگ کی خانقاہ کے علمائے رُوحانیات کی کیگئی پیشنگوئیوں کا بڑا اثر تھا اور رات کو وہ اسی پیشنگوئیوں کو سوچ کر ڈر جاتا تھا اور اس پر ان پیشنگوئیوں کا بڑا بھیانک غلبہ

تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب ولیم دوم کا باپ ولیم اول ابھی شہزادہ پرشیا ہی تھا کہ وہ فنسبرگ کے قصبہ میں گیا۔ وہاں اس نے دیہاتی لڑکی سے جس کو اپنی سرائے میں جہاں وہ ٹھیرا ہوا تھا رُوحانی طاقتوں کے بارے میں سوالات کرنے کے لئے بُلایا اور اس نے جو پیشنگوئیاں کیں وہ حیرت انگیز ہیں۔

بیرن فان ڈی کا نڈ سیٹ نے اس قصہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شہزادہ پرشیا ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے وہ لڑکی تھی۔ اس نے روحانی سوالات اور رُوحانی جوابات میں شہرت حاصل کی تھی۔ چند معمولی سوالات دریافت کرنے کے بعد اس نے پنسل سے چند ہندسوں پر جو ایک دائرہ کی صورت میں ایک کاغذ پر لکھے گئے تھے لکیریں کھینچنی شروع کیں۔

ولیعہد نے سوال کیا۔

"میرے نصیب کا حال کیا ہے؟"

"آپ جرمنی کے شہنشاہ ہوں گے۔"

"آہ۔ مگر کب؟"

عورت نے سال لکھا جو ۱۸۴۹ء تھا۔ پھر ۱۸۴۹ کے نیچے یہی ہندسے اوپر سے تلے اس طرح لکھے۔

۱۸۴۹
۱
۸
۴
۹

اور بولی۔ ان ہندسوں کو جمع کرو تو وہ سال جس کی تم کو تلاش ہے یعنی سالِ جلوس تخت نشینی مل جائے گا۔

جمع کرنے سے سال ۱۸۷۱ء نکلا۔

اس کے بعد شہزادہ نے پوچھا۔

"میرا انتقال کب ہو گا؟"

عورت نے ۱۸۷۱ء لکھا اور پھر اسی طرح ہندسے اوپر سے نیچے لکھے:۔

۱۸۷۱
۱
۸
۷
۱

جمع کرنے سے سال ۱۸۸۸ء نکلا۔

شہزادہ نے پھر سوال کیا کہ:۔

"یہ سلطنت کتنے عرصہ تک برقرار رہے گی؟"

اس نے پھر یہ عمل کیا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحے سے)

۱۸۸۳
۱
۸
۸
۳
جس کا جواب نکلا سنہ ۱۹۱۳ء۔

مسٹر ذورنین نے اس پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قیصر کا زوال سنہ ۱۹۱۳ء میں بلکہ بعد ازاں سنہ ۱۹۱۸ء میں اس کی دست برداری سے ہوا۔ اور سلطنت جرمنی کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر اس پیشنگوئی یا واقعہ کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کی جرمنی میں بہت چرچا ہوا بالکل غلط ہے۔ ہمیں کوئی شہادت اس کے ماننے کے لئے نہیں ملی ہے کہ اس پیشنگوئی کا کوئی معقول چرچا کہیں بھی ما قبل جنگ جرمنی میں پایا جاتا تھا۔ ورنہ بتایا جائے کہ فنیسبرگ کی اس پیشنگوئی کا حال کس اخبار، رسالہ یا کتاب میں چھپا تھا۔

اس کے بعد دوسری پیشنگوئی کازوٹ کی آتی ہے جسے سال سنہ ۱۷۸۸ء سے متعلق بتایا جاتا ہے جس کے فوراً بعد بوربن شاہی کے خاندان کا زوال ہو گیا۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ بوربن خاندان شاہی کے ہاں ایک روز زبردست ضیافت کا انتظام ہوا۔ بہت سے امراء رؤسا معززین و سربرآوردہ ارکین سلطنت اعلیٰ و فضلا اور مصنفین و صاحب کمال کھانے میں شریک ہوئے۔ جب کھانا ہو چکا تو بحث و تمحیص کا دور چلا۔ کوئی کچھ کہہ رہا تھا اور کوئی کچھ۔ سب سے زیادہ گفتگو سیاسی انقلاب کے بارے میں ہوئی اور ہر شخص یہ سمجھ رہا تھا کہ انقلاب ہوگا اور ضرور ہوگا۔ عام رائے یہ تھی کہ خدا کی کوئی ہستی نہیں ہے اور ہر امر ایک بیوقوف تھا۔ توہم پرستی اور مذہبی جنون پرستی کی جگہ شائستگی خیال و فلسفہ کو لینی چاہیے۔ کازوٹ بھی ایک مہمان تھا۔ اور ابھی تک وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا کہ یکایک اس نے بھی گفتگو میں شرکت کی اور کہا۔

"آپ کے موسیو ڈی کانڈ ریسٹ تقریباً کسی جیل خانہ کی کوٹھڑی میں مر جائیں گے ہوشیار ہو جائیے۔ آپ جلاد سے بچنے کے لئے کوئی زہر چھپا کر اپنے پاس رکھ لیں گے اور اسے کھا کر ختم ہو جائیں گے۔ آپ خوش قسمتی سے زہر اپنے پاس چھپا کر رکھیں گے۔ اور کوئی اس کا پتہ بھی نہ چلا سکیگا کہ تمہارے پاس زہر ہے"

"موسیو کازوٹ" کانڈ ریسٹ نے مسکرا کر کہا۔ "بھئی یہ تو خوب چھوڑی۔ کہانی گھڑنے میں تو تم کمال کرتے ہو۔ مگر وہ جو کہانی آپ نے لکھی تھی "شیطان کا عشق" بہت خوب تھی۔ مگر یہ زہر جیل خانہ اور جلاد کی باتیں تمہارے دماغ میں کہاں سے گھس گئیں۔ آج کیسی طبیعت ہے۔ کچھ بہک تو نہیں رہے ہو۔ مگر اس کا عقل اور فلسفہ سے کیا تعلق ہے؟"

"میں نے جو کچھ کہا ہے وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوگا۔ اور جو کچھ کہا ہے وہ عقل فلسفہ اور انسانیت کی بہبود کے پیش نظر کہا ہے۔ اور کوئی بات خلاف دانش نہیں ہے۔ یہ فہم انسانی میں آنے والی چیز ہے۔ تمہارا انجام یہی ہوگا جو میں نے ابھی کہا ہے۔"

اس طرح ایک ایک کر کے اس نے سب حاضرین کے انجام بتا دیئے۔ جو از حد خوفناک اور بھیانک تھے۔ ایک خاتون نے طنز سے کہا۔

"ہم عورتوں کے بارے میں بھی آپ کوئی پیشنگوئی کر سکتے ہیں یا نہیں؟"

"کیوں نہیں مادام لا ڈچز ایگوئیلن۔ آپ اور کئی عورتیں جلاد کے حوالہ ہونگی آپ کے ہاتھ کمر کے پیچھے بندھے ہوئے ہوں گے۔ اور آپ جلاد کی گاڑی میں بیٹھی ہوئی مقتل کی طرف لے جائی جائینگی"

کازوٹ نے مہمانوں کو جو جو انجام بتایا تھا وہ حرف بحرف صحیح نکلا سنہ ۱۸۰۶ء میں اس کے مرنے کے بعد جو تحریریں اس کی شائع ہوئیں۔ ان میں ان واقعات کی پوری تفصیل اور حوالہ جات و ثبوت ملتے ہیں۔

مادام دی جنلیس نے سنہ ۱۹۲۵ء میں انقلاب فرانس کے بارے میں ایک خط لکھا تھا جس میں کازوٹ کی پیشنگوئیوں کو بھی سراہا تھا۔ مادام بھی اس روز دعوت میں شریک تھیں اور اُن پر کازوٹ کی پیشنگوئیوں کا بہت اثر تھا۔ مگر اس نے اپنے خط میں جو حوادث اور ثبوت پیش کئے ہیں وہ پیشنگوئی کی نوعیت کے نہیں ہیں بلکہ انقلاب کے بارے میں خیالات ہیں جو عام طور پر اخبارات بطور پیش بندیوں کے شائع کرتے تھے۔ لاہارپ کے بارے میں مادام دی جنلیس نے جو پیشنگوئی کی ہے وہ بھی شہادت کی کسوٹی پر ساقط الاعتبار ہے۔ مگر میں یہ نہیں کہتا کہ ساری کتاب ہی غلط ہے۔ بعض پیشنگوئیاں مثلاً "اہرام مصری کی پیشنگوئیاں اور بنی اسرائیل کی پیش گوئیاں درست ہیں۔

بہرکیف جن پڑھنے والوں کو اس کتاب سے دلچسپی ہو وہ ضرور پڑھیں۔ کتاب کا نام "پیشنگوئی کا قصہ" ہے۔ اور اس کا مصنف مسٹر ہیری جیمز فورمین ہے۔

دن کی نسبت رات میں بیماریاں زیادہ بڑھتی ہیں۔ اس لئے رات کے وقت صحت کے اصولوں کا زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔

سیاہ مرچ نمک کے ساتھ کھاتے رہنا چاہیئے

عورتوں کو مرد بننے کا شوق

(از جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی - ایڈیٹر طبیب نسواں دہلی)

ڈاکٹر صاحب کے اس مضمون میں ہم دوسرے ارباب قلم کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ وہ وقت کے اس اہم ترین موضوع پر اظہار خیال کریں۔ اور اپنی رائے خواہ موافقانہ ہو یا مخالفانہ ہمارے پاس بھیج دیں۔ ہم دونوں پہلوؤں کو شائع کریں گے اور یہ ضروری نہ ہوگا کہ ایڈیٹر خود بھی ہر مضمون نگار کی رائے سے متفق ہو۔ (ایڈیٹر)

سو عورتوں کو جنس نازک "صنف لطیف" اور دنیائے معانی کا نصف حسن کہتے تھکے جاتے ہیں لیکن عورتوں کی یہ حالت ہے کہ انہیں اپنی نسوانی خصوصیات سے نفرت اور بیگانگی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ مغرب کی عورت اپنی نسائیت سے بیزار ہو کر مرد بننے پر تلی ہوئی ہے۔ اور سالہا سال کی مسلسل کوششوں کے بعد اب وہ ایک "نیم مرد نیم زن" سی چیز ہو کر رہ گئی ہے۔ اسے کچھ اسی بات میں خوشی محسوس ہوتی ہے کہ مردوں کی طرح جنگلوں اور پہاڑوں میں ماری ماری پھرے وہ تن تنہا امریکہ سے چلتی ہے سمندروں کی ہوائیں اور ہوٹلوں کا کھانا کھاتی ہوئی افریقہ پہنچتی ہے۔ اور وہاں بھی اس کی سیر دریائے نیل اور شہر قاہرہ تک محدود نہیں رہتی بلکہ صحرائے اعظم کے تپتے ہوئے ریت پر لوٹتے اور خونخوار درندوں اور بن مانسوں سے بھرے ہوئے جنگلوں میں گھس کر درختوں پر اپنا آشیانہ بنانے میں مزہ آتا ہے اب اس کی نرم و نازک کلائیاں چرخے کا دستہ گھمانے میں مسرت حاصل نہیں کرتیں۔ وہ اب موٹر اور ہوائی جہاز چلاتی اور ہوائی دوڑ میں جیت کر ادائے ناز کے ساتھ نہیں بلکہ غرور کے ساتھ گردن ٹیڑھی کیا کرتی ہے۔ اس کی وہ نرم و گداز انگلیاں جنہیں عموماً پتیوں سے تشبیہ دی جاتی تھی اب شوقی تاگے اور بننے کی سلائیوں سے مانوس نہیں رہی ہیں۔ اب رمنگٹن اور انڈرووڈ کے ٹائپ رائٹر کے بٹن دن بھر ان کی انگلیاں گھستے رہتے ہیں اور شام کو دفتر سے نکلتے وقت جب وہ کاغذوں کے اس انبار کو دیکھتی ہے جو اس نے چھاپ کر تیار کیا ہے تو اسے اپنی اس کامیابی پر ناز ہوتا ہے کہ اس نے مردوں کے برابر کام کر لیا۔ اس کے لئے اب اس میں کوئی وجہ شادمانی نہیں ہے۔ کہ اس نے اپنے اور اپنے بچوں کے لئے نئی نئی اور خوبصورت وضعوں کے کپڑے سیئے ہیں۔ اب وہ اس بات پر اتراتی ہے کہ اس کے جسم پر شہر کے سب سے اچھے مرد درزی کے ہاتھ کی سلی ہوئی پوشاک ہے۔ اور سنئے! یہ تو اب عہد جہالت کے آثار قدیمہ میں داخل ہو چکے ہیں یا ہوتے جا رہے ہیں۔ اپنے گھر کے کھانوں میں اسے اب کوئی لذت نہیں ملتی۔ اور اب اگر اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کوئی سب ہونٹ چاٹتے رہ جائیں تو اسے اس پر کوئی فخر محسوس ہوتا ہے نہ مسرت۔ اسے اب انگریزی وضع کے کسی بڑے ہوٹل کا کھانا کھانے میں جہاں ہر چیز مردوں کے ہاتھوں نے پکا کر انتہائی کوردوقی سے پلیٹوں میں نکال کر رکھ دی ہو ان عورتوں کا مرد بننے کا شوق اسی جگہ ختم نہیں ہوتا۔ انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے۔ اور ان کے وہی ننھے ننھے اور نازک دل جو چند روز پہلے جنگ و خونریزی کے نام سے دہل جایا کرتے تھے۔ اب انہیں اس بات پر آمادہ کر رہے ہیں کہ وہ مردوں کی طرح فوج میں بھرتی ہوں اور میدان کارزار میں داد شجاعت لیں۔

سر کے بال مردانہ اشغال میں وبال معلوم ہوتے تھے اور ٹینس یا ہاکی کھیلتے وقت ایک لٹ کا بھی منہ پر آ پڑنا قیامت برپا کر دیتا تھا۔ اس لئے ان سے فارغ البالی حاصل کر لی گئی۔ عباؤں کے یا ساڑھی کے لمبے لمبے دامن قدم قدم پر الجھ کر مردوں کی طرح آزادانہ بھاگ دوڑ اور کود پھاند کا موقع نہ دیتے تھے اس لئے یا تو انہیں خیرباد کہہ کر مردوں کی طرح برجس پتلون اختیار کر لئے گئے یا اگر ابھی دقیانوسی سایوں کو برقرار رکھا تو ان کے دامن ناگفتہ بہ حد تک اونچے کر دیئے۔ بچوں کے گہوارے جھلانے اور گھر سے باہر تھوڑی دور تک ٹہل آنے کی ہلکی ورزش کرنا کافی خیال کر لیا گیا۔ اور عام طور پر جسم کو مضبوط اور سخت بنانے کے لئے پہلوانوں کی طرح باقاعدہ ڈنٹر بیٹھک شروع کر دی گئی۔ اور ان تمام چیزوں کا نتیجہ یہی نکلنا تھا اور یہی نکلا ہے کہ "مہذب" اور "ترقی یافتہ" مغرب کی عورت مرد تو نہ بن سکی لیکن عورت بھی نہ رہی۔

یہ وبا اگر مغربی خواتین تک محدود رہتی تو شاید ہمیں اس کی طرف توجہ کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ لیکن بدقسمتی سے آثار بتا رہے ہیں کہ آہستہ آہستہ مغربی تہذیب کے ساتھ ساتھ مرد بننے کا یہ ذوق بھی مشرق میں سرایت کرتا جا رہا ہے۔ اور اگر یہی سیل و نہار ہے تو وہ دن دور نہیں ہے کہ جب ہمیں اپنی موٹی موٹی اور بھدی انگلیوں سے انتظامی زندگی سب کچھ سنبھالنی پڑے گی اور ہماری فرزانہ کونسلر خواتین پنگھوڑے کو (اگر برتھ کنٹرول کی مبارک اور آرام دہ کوششوں کے باوجود کوئی پیدا ہو جائے) ہمارے سپرد کر کے کبھی اسمبلی کی کرسیوں پر بیٹھی نظر آئیں گی اور کبھی فوجی قواعد کے مطابق ڈبل مارچ کرتی ہوئی ملیں گی۔

یقیناً یہ بالکل جائز اور درست ہے کہ عورتیں اگر وہ بھی اہل ہیں تو فوج میں بھرتی ہوں اور اسمبلی میں جائیں۔ ہوائی جہازوں میں اڑیں اور موٹریں دوڑائیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس صورت میں تقسیم عمل کیا ہوگی۔ اس وقت تک خواہ وہ کسی سبب سے ہوا لیکن مردوں اور عورتوں کے کام بٹے ہوئے تھے۔ عورت اپنی بعض فطری معذوریوں کی وجہ سے اس بات پر مجبور تھی کہ لازمی طور پر ہر سال دو سال کے بعد چند روز سخت محنت اور مشقت کے کاموں سے اپنے آپ کو بچائے رکھے اور اپنی اس معذوری سے فارغ ہونے کے بعد بھی اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لئے اسے چند روز گھر ہی میں قیام کرنا پڑتا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ گھر کے اندر کے سب کام اس کے سپرد کر کے اور گھر سے باہر کے کل

(باقی اگلے صفحہ پر)

محبوبہ کے حضور میں

کیا تجھے وہ دن یاد نہیں جب میں ہچکچاتے ہوئے قدموں سے تیرے نیم وا دروازے پر پہنچا۔ اور رعب حسن سے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے تیرے حضور میں شرف باریابی کا طلبگار ہوا۔۔۔ تو اس وقت مسکرا رہی تھی۔

میں تیرے سامنے گیا اور زندگی کے بیش بہا تحفے تیرے قدموں پر ڈالدیئے۔ ان میں معصومیت تھی۔ ایمان تھا۔ عصمت تھی۔ صداقت تھی۔ اور ان سب پر ہوا کی مانند چھائی ہوئی محبت تھی۔ تو نے ان سب چیزوں کو دیکھا اور مجھ سے کسی قدر اضطراب سے پوچھا۔

"کچھ اور؟"

میں نے تیرے بھولے سے سفید چہرے کی طرف نگاہ کی۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ میری زندگی کے دیرینہ خواب مایوسی میں تبدیل ہو گئے۔ تو نے جواب دیا۔

"یہ اشیا میرے کس صرف کی ہیں؟"

میں نے اپنے نامنظور شدہ تحفوں کو اٹھایا اور روتا ہوا جنگل کو چلا گیا۔ وہاں میں نے ایک درخت کے نیچے ان سب کو دفن کر دیا۔ اور اپنی زندگی کے خوابوں کو اس کے ساتھ بہنے والی تیز رفتار ندی کے پانی میں بہا دیا۔

اب تو مجھے دیکھتی ہے تو تیرا چہرہ خوف سے زرد ہو جاتا ہے۔ مگر کیا تجھے وہ دن یاد نہیں جب میں اپنی زندگی کے بہترین تحفے لے کر تیرے حضور میں حاضر ہوا تھا اور تو نے ان سب کو نامنظور کر دیا تھا۔

(فرانسیسی سے)

زمانہ موجودہ کی عورت محبت سے باز نہیں رہ سکتی۔ آخر وہ کوئی نئی طرح کی عورت تو نہیں ہے۔

(لیتیشی)

مرد عورتوں کے کھلونے ہوتے ہیں۔

(وکٹر ہیوگو)

نیکی، حیا اور سچائی عورت کے محافظ فرشتے ہیں۔

(کرائن)

محبوب کے حضور میں

میرے محبوب! ہنگام جدائی اب بالکل قریب آ رہا ہے جب ہم ہم وطن ایک دوسرے سے نہ جانے کس قدر طویل عرصہ کے لئے جدا کر دیئے جائیں گے۔

گو ہمارے درمیان وسیع اور دراز سمندروں کا فاصلہ حائل ہوگا۔ تاہم ہمارے محبت آفرین دل ایک دوسرے کو ہمیشہ محبت کے ٹھنڈے ٹھنڈے سکون بخش الفاظ سے یاد کرتے رہیں گے۔

میری جان، دل کے مالک! میں تیرے حضور میں صدق دل سے عہد وفا باندھتی ہوں کہ میں تیری یاد میں کبھی بھی بے نیازی اور غفلت سے کام نہ لوں گی۔۔۔ ۔۔۔ محبت، ہاں تیری محبت میرے دل کے اندر ہمیشہ کے لئے پیوست ہو چکی ہے۔۔۔ ۔۔۔ مگر ہاں تو بھی عہد کر اور مجھے یقین دلا کہ میری طرح تو بھی ہمیشہ میری محبت میں ثابت قدم رہے گا۔ (انگریزی سے)

(پہلے صفحہ سے)

کام اپنے سپرد کر رکھے ہیں۔ عورت پر کوئی ظلم کیا تھا اور نہ اسے ذلیل و خوار کیا تھا۔ بلکہ قدرت نے جو کام عورت کے سپرد کئے تھے وہی خود ایسے تھے کہ جن کی وجہ سے اس کے مناسب حال یہی تھا کہ وہ گھر کو سنبھالے اور اولاد کو پالے اگر دنیا بھر میں دو چار دس عورتیں اپنے حصہ کا کام چھوڑ کر مردوں کے حصے کا کام سر انجام دینے لگیں تو یہ چنداں قابل اعتراض نہ ہوگا۔ ایسا ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے اور تاریخ ہمیں ایسی بہت سی عورتوں کے نام بتاتی ہے جنہوں نے فوجوں کے آگے رہ کر میدان جنگ میں فوجوں کو لڑایا ہے اور بڑے بڑے ملکوں پر اپنی قابلیت اور حسن تدبیر کی بدولت نہایت کامیاب حکومت کی ہے۔ لیکن اگر تمام عورتوں کی ذہنیت ہی یہ ہو جائے اور وہ سب کی سب چکی اور چولھا چھوڑ اور بچوں سے منہ موڑ کر اسی بات پر آمادہ ہو جائیں کہ ہم تو وہی کام کریں گی جو مرد کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ دنیا کا انتظام ہی برہم ہو جائے گا۔ قوموں کی تاریخ میں امن اور صلح کا زمانہ بھی آتا ہے اور جنگ و جدل کا بھی امن کے زمانہ میں عورتوں کی یہ مردانہ روش کسی نہ کسی حد تک چل سکتی ہے۔ لیکن زمانہ جنگ میں کیا ہوگا جب کہ قوم کو اپنی مردم شماری پوری کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بچوں کی ضرورت محسوس ہوگی جس کے لئے عورت کو گھر پر رہنا ضروری ہوتا ہے اور جنگ کی ضرورتیں انہیں اس بات پر بھی مجبور کریں گی کہ وہ گودیں سنبھالے کر نہیں بلکہ جھولیوں میں بم بھر کر مورچوں میں جائیں یا ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر دشمن کے مورچے کی خبر لائیں۔ اس وقت تو یہی ضرورتیں پھر انہیں مجبور کریں گی کہ اسی پرانی تقسیم عمل کو قبول کر لیں اگر انجام یہی ہونا ہے تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ عورت عورت رہ کر ہی ترقی کی منازل طے کرے اور خود کو صحیح معنوں میں نصف احسن بنائے؟ یہ یاد رہے کہ عورت اپنی نسائیت ہی کے ذریعہ سے مرد پر حکومت کر سکتی ہے اگر وہ مرد بنی تو پھر برابر کا مقابلہ ہوگا جس میں اس کی ہار یقینی ہے۔

ڈی ویلیرا کا بنایا ہوا جدید دستور اساسی — برطانیہ سے کامل تعلق [illegible]

آئرلینڈ کی آزاد مملکت کا نقشہ — اہلِ ملک کے لئے نئی سیاسی برکات!

مسٹر ڈی ویلیرا صدر ایگزیکٹو کونسل آئرش فری سٹیٹ نے پچھلے دنوں شائع کر دیا ہے جو آئرلینڈ کے لوگوں کے لئے جدید دستور کی ترتیب کے بارے میں وضع کیا گیا ہے:

یہ مسودہ ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور دونوں زبانوں میں ہے یعنی انگریزی اور آئرش۔ اگرچہ دونوں مسودات یکساں ہیں لیکن نزاع و اختلاف کی حالت میں آئرش زبان کا مسودہ مستند تسلیم کیا جائے گا۔

ان ابتدائی امور کے علاوہ سب سے بڑی تبدیلی جو جدید دستور میں کی جانی تجویز ہوئی ہے وہ مجلس مقننہ کی تشکیل سے متعلق ہے۔ گزشتہ دسمبر کے قانون کے مطابق گورنر جنرل کا عہدہ توڑ دیا گیا ہے۔ مجلس آئین ساز صرف ایک ایوان پر مشتمل کی گئی تھی اور صدر مجلس کو مسودات قانون پر دستخط کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔

جدید مسودہ قانون میں دکھایا گیا ہے کہ مجلس آئین ساز کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، ڈیل اور سینیٹ۔ صدر مملکت گورنر جنرل کا قائم مقام و جانشین بنایا گیا ہے۔ صدر مملکت کو پارٹی بازی، سیاسی چپقلش اور مسابقانہ تعلقات سے الگ تھلگ رکھنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اور ایسے بعض حقوق و اختیارات بھی دیئے گئے ہیں جو سابق میں گورنر جنرل کو بھی حاصل نہ تھے۔

صدر مملکت کو اپنے اختیارات استعمال کرنے میں اپنی کونسل آف سٹیٹ سے مشورہ کرنا ضروری ہوگا۔ اپنی من مانی کارروائی نہیں کر سکتا۔ اسے اختیار حاصل ہوگا کہ کسی بل پر منظوری دینے سے انکار کر دے۔ اسے اصطلاحاً "تواخطاران" (TUACHATARAN) کہا جایا کرے گا۔

پرانی سینیٹ کی جگہ جدید سینیٹ تجارتوں اور کاموں کے مفادات کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے۔ پرانی سینیٹ ایک سال ہوا توڑ دی گئی تھی۔

جدید دستور میں برطانیہ عظمیٰ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے جیسا کہ مسٹر ڈی ویلیرا نے ظاہر کر دیا ہے اگر آئرلینڈ کی جمہوریت عملاً قائم ہوئی تو اس اصول میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی اور نہ اب اس میں کسی ترمیم کو جگہ دی گئی ہے۔

لفظ آئرش فری سٹیٹ کی بجائے "آئیر" یا "آئرلینڈ" (داد) کی اصطلاح تجویز کی گئی ہے۔ دستور اساسی کا دیباچہ اس طرح کہتا ہے:

"شروع اس نام کے ساتھ جو تثلیث مقدس ہے، ہم جس کو ہم افراد و حکومتیں سب اپنے اعمال کا ملجا و ماویٰ سمجھتے ہیں۔ ہم آئرلینڈ کے باشندے بصدق دل و نیت سپاس گزاری [illegible] یسوع مسیح علیہ السلام کی پاک روح کے احسانات کا جو انہوں نے ہم انسانوں پر کئے، اقرار کرتے ہیں۔ ہمارے باپ دادوں نے صدہا سال تک کشمکش اور خلوص قلب کے ساتھ آزادی حاصل کرنے کے لئے جو تکالیف برداشت کیں ان پر ہم حضرت مسیح کی برکت انہیں اس آزمائش میں قائم رکھتی اور ہم باحساس قلب اس احسان کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان ہی کے طفیل ہمیں آزادی کے حق کے لئے ترغیب و تحریص دلائی۔ عقل و دانش سے کام کرنے کی توفیق ملی تاکہ افراد کو آزادی اور بہتری کی نعمت کو نہ ادا سے کوئی چھین نہ سکے۔ ہمارا ملک متحد رہے اور تعمیری عناصر متحد ہو جائیں۔ آج اس دستور کو بنا کر منظور کرتے اور اس کی برکت سے اپنے لئے قانون بنا کر اپنے آپ کو یہ تحفے سونپتے ہیں۔"

تمام آئرلینڈ

جدید دستور اساسی کی اہم دفعات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:—

۱— آئرستانی قوم اس بات کو تسلیم کرتی اور کامل طور پر مانتی ہے کہ طرز حکومت کا اپنے لئے انتخاب کرنے، دوسری اقوام کے ساتھ روابط قائم رکھنے، اپنی رعیت کی زندگی متعین کرنے میں قومی، معاشرتی، سیاسی، اقتصادی زندگی کے بنانے اور استوار کرنے میں ہم اپنی تاریخ، روایات و تمدن کی روشنی میں اپنی روش و طریق عمل خود وضع کرنے کے باب میں کسی کے محتاج اور کسی کے دستنگر نہیں ہیں۔ ہمارا یہ حق کامل طور پر آزاد، بلا استثنائے غیرے مکمل، بطریق اکمل جاری و بالا دست وجاری وساری ہے جس کے باب میں کوئی ہم سے استصواب کرنے یا چون و چرا کرنے کا مجاز و مختار نہیں ہے۔

۲— تمام مملکت آئرلینڈ اس قومی سلطنت کا جزو ہے جس میں تمام خشکیاں سمندری علاقے اور سرحدیں وغیرہ شامل ہیں۔"

۳— جب تک اس دستور کے ماتحت جائز پارلیمنٹ اور حکومت وضع اور قائم ہو اور تمام مملکت و مقامات محروسہ پر اس کا عملدرآمد شروع ہو اس پارلیمنٹ کے بنانے ہوئے قوانین اسی وسعت اور سرحدوں کو شامل کر کے جاری وساری ہوں گے اور ان کا حیطۂ کار ویسا ہی بالا دست وعریض ہوگا جیسا کہ آئرش فری سٹیٹ کے قوانین و آئین تھے" ورنہ انضمام کی ہوئی سرحدوں پر بھی یہ آئین محیط ہوں گے"

دفعہ ۴ اور ۵ سے ظاہر ہے کہ آئندہ سے آئرلینڈ کا نام "آئر" (EIRE) ہوگا اور یہ ایک بالا دست، خود دار، آزاد، خود مختار، کامل جمہوری سلطنت و مملکت ثابت شدہ ہوگی۔

دفعہ ۶ میں اعلان کیا گیا ہے کہ سب طاقتیں اور اختیارات خدا کے تفویض کردہ ہیں۔ جو لوگ اپنے کام کو انسان کو خود دیتا اور مملکت کا انتظام خدا کی برکت اور ناصر ملازمت کے سپرد کرتے ہیں۔

دفعہ ۷ سے ظاہر ہے کہ آئیر کا قومی جھنڈا ترنگا ہوگا یعنی سفید، سبز اور نارنجی۔ آئرش زبان مملکت کی اول درجہ سرکاری زبان شمار ہوگی۔ انگریزی زبان اس کے بعد دوسرے درجہ پر سرکاری زبان مانی گئی ہے۔

صدارتی انتخابات

دفعہ ۱۲ سے ظاہر ہے کہ کس طرح صدر اعظم مملکت کا انتخاب تمام عوام کیا کریں گے۔ اور ان کا عہدہ سات سال تک قائم رہے گا۔

صدر "ڈیل" (مجلس عامہ) کی نامزدگی پر تمام حکومت کے انتظام کا سہرا ایک وزیر اعظم کے سر باندھیگا جسے ان کی زبان میں طاوی سیچ TAOISEACH کہیں گے۔ صدر وہ تمام قوانین و آئین جاری و نافذ کیا کرینگے جو آئین ساز بنائیں گے اور منظور کریں گے۔ صدر مملکت کو تمام دفاعی امور اور لشکر ہائے کا کامل اختیار حاصل ہوگا۔ اسے معافی دینے اور سزا کے کم کرنے یا بڑھتی کرنے اور جا پہنچنے کا بھی اختیار حاصل ہوگا۔

قانونی، عدالتی، دیوانی، فوجداری جرائم اور مقدمات، نزاعات صدر مملکت کے خلاف عائد نہیں کئے جا سکتے جب تک کہ وہ اپنے منصب پر قائم ہے۔ ماسوا بغاوت، سازش، غداری یا سخت مجرمانہ حرکات اور بے راہ روی کی حالت میں سینیٹ کی ⅔ آراء کی بنیاد پر اس کا قومی احتساب و مقدمہ کیا جا سکتا ہے۔

ہر شہری کو جس کی عمر ۲۱ سال ہو گئی ہے عام اور مقامی انتخابات میں رائے دینے کا حق رکھتا ہے۔ سینیٹ میں ۶۰ افراد ہوں گے جن میں سے ۱۱ وزیر اعظم نامزد کرے گا۔ اور باقی حسب ذیل طریقہ سے (۳) یونیورسٹی کی طرف سے اور ۴۳ "ڈیل" (مجلس عامہ) کے نمائندے۔

دفعہ ۲۸ میں ذکر ہے کہ آئیر اس وقت تک کوئی اعلان جنگ نہیں کرے گا اور نہ جنگ میں حصہ لے گا جب تک "ڈیل" اسے منظور نہ کرلے۔

دفعہ ۲۹ میں آئیر اس بات پر زور دیتا ہے کہ بین الاقوامی عدل و انصاف اور رواداری و محبت [illegible]

[illegible] دیگر ملکوں اور قوموں کے ساتھ [illegible] ... [illegible] ... [illegible]

[illegible] ایک کونسل آف سٹیٹ [illegible] وزیر اعظم [illegible] ... [illegible] ... اور دیگر [illegible]

دفعہ ۴۱ [illegible] کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ظاہر کرتی ہے [illegible] خاندانی [illegible] کے حقوق [illegible] اعتراف و تحفظ کے طور پر کامل [illegible] طاری ہوں گے۔

[illegible] کا ذکر کرتے ہوئے [illegible] دستور میں لکھا ہے کہ گھر والی بنی کی بیوی [illegible] کی بہتری [illegible] کرنے کے بغیر کوئی مفید قومی کام و تعمیر ملک نہیں ہو سکتی اس لئے اس کی اہمیت تسلیم کی جاتی ہے پس حکومت وقت کا فرض ہوگا کہ وہ اس بات پر زور دے [illegible] یہ بات خاص طور پر دیکھتی رہے کہ [illegible] اقتصادی و مالی مشکلات کوئی مال گرہستی کے کام [illegible] گھر کی ذمہ داریوں [illegible] علیحدہ ہو کر گزر اوقات کرنے اور پیٹ پالنے کے لئے مجبور نہ ہو اور وہ ہمیشہ اپنے گھر میں رہ کر ہی قوم کی تعمیر کا نصب العین استوار کرتی رہے۔ مملکت آئیر نے یہ بھی عہد کیا ہے کہ شادی کے اصول و رسم کی حفاظت کرے گی اور اس امر کے لئے بھی عہد کیا ہے کہ شادیوں کو توڑنے اور کالعدم کرنے کا کوئی قانون اس مملکت میں نہیں بنایا اور جاری کیا جائے گا۔ (اس کا مطلب شاید یہ ہے کہ طلاق کی رفتار و منافع کو کم کیا جائے اور نکاح کو ایک دائمی ازدواجی تعلق قائم رہنے اور رکھے جانے والا رشتہ بنایا جائے نہ کہ محض ایک کھیل جیسا کہ آجکل کے تمدن میں ہوتا جا رہا ہے)

مذہب

مذہب کے بارے میں دستور میں یہ طے کیا گیا ہے کہ مملکت کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکے گی جو مذہب اور مالکانہ حقوق انسانوں سے چھیننے کی کوشش کرے۔

[illegible] تسلیم کیا جاتا ہے کہ [illegible] عظیم [illegible] ... [illegible] ... اس لئے یہی مذہب اکثریت [illegible]

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحے سے)

کی کثریت کا تسلیم کیا جاتا ہے

دستور کے شروع ہونے پر مملکت کی تمام کلیسائیں اور ان کے اداروں سے متعلق آئرش دستور نے سرپرستی ... وغیرہ عقائد کے ... کامل مذہبی آزادی کا اصول تسلیم کیا گیا ہے ... نام ... پیدا ... گیا ہے

دستور پر عمدرآمد اسی وقت سے ہوگا جب اسے عام رائے سے منظور کر لیا جائے۔ دستور کو قوت سے نافذ العمل ہوگا جب اسے منظور ہوئے ۱۸۰ دن گذر چکے ہوں گے۔ اس سے قبل بھی جب کہ اسے عاید کرنے کے لئے ... دستور کے الفاظ یہاں آکر ختم ہوتے ہیں:-

"خدا کی جلالت اور آئرلینڈ کی عزت کے نام پر تحریر مستمر کی گئی!"

خیال ہے کہ عام انتخاب بعد از استصواب رائے عامہ دون کے کچھ عرصہ میں منعقد ہوگا۔

ناانصافی جو ابھی تک ہے

مسٹر ڈی ویلیرا نے اس دستور کے بارے میں ریڈیو میں کہا تھا کہ یہ دستور خالص آئرش نقطہ نظر سے مرتب کیا گیا ہے۔ آپ نے کہا کہ یہ امید ہے کہ اس پر ہر گھر میں غور کیا جائے گا اور صحیح رائے دہی سے رہنمائی کی جائے گی۔ ۱۹۲۲ء میں جو دستور بنا تھا وہ کسی حکم یا دباؤ سے ہمنے نہیں آیا تھا مگر بعد میں تبدیلیاں اور ترمیمات ہوئی ہیں اور اب یہ اسے بالکل بدلا ہوا پاتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ دستور لوگوں کے ... اور انہیں ضابطہ میں رکھنے کے لئے ... آئرش لوگوں کی حفاظت ضرور کی جائے گی ... اس سے قبل کبھی اتنی پرورش نہیں ہوئی تھی جتنی آجکل

ہے۔ لیکن یہ دستور ما حقوق کی اور دیگر حقوق قسمت اور انسانیت کی حفاظت کرے گا۔ آپ نے خاص طور پر صدر کے اختیارات کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ ان کے ذریعہ گھر کے سے گھرے جرثیم قومی خرابی کے نکالے جائیں گے۔

آپ نے یہ بھی کہا کہ اس دستور کے بن جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ برطانیہ عظمیٰ سے ہمارے سلسلے اختلافات دور ہوگئے ہیں یا یہ کہ ہمارا مقصد اور منزل مقصود حاصل ہوگیا ہے۔ ابھی تک بہت سی ناانصافیاں ہیں جو باقی ہیں اور جن کا انسداد ابھی نہیں کیا جا سکا

ہے۔ ... کی تقسیم ... آئرلینڈ کی ... کا باعث ہے برطانوی ... وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن کا موجودگی میں کوئی خوشگوار ... نہیں ہو سکتا ... ہوگا۔

بیشہ تربوز کھاؤ کھاؤ اور میٹھے پھلوں کا استعمال زیادہ کرو

خربوزہ کھانے کے بعد شربت اور آم کھانے کے بعد دودھ پیا کرو۔ یہ طاقت دیتا ہے۔

پہلی دو قسطوں کا خلاصہ

سمراٹ ظالم سنگھ اپنے ہمراہ شکار میں پریم سندری کو لیجاتا ہے جہاں وہ گم ہوجاتی ہے۔ اس المناک عالم میں سندری آہ وزاری کر رہی ہے کہ اچانک وفادار تیج سنگھ وہاں پہنچکر اسکی امداد کرنا چاہتا ہے جس پر عورت مذکور عاشق ہوجاتی ہے۔ تیج سنگھ کے جسم میں راجپوتی خون جوش کھاتا ہے لہذا وہ اسکی خواہش کو ٹھکرا دیتا ہے۔ بعد ازاں ایک شیر آکر سندری پر حملہ کرنا چاہتا ہے کہ تیج سنگھ تلوار سے اس کا کام تمام کر دیتا ہے۔ واقعہ مذکور کا حال سمراٹ کو معلوم ہوتا ہے جس پر اسے کچھ شبہ ہوتا ہے بدیں وجہ وہ سندری کے سینہ میں خنجر بھونک دیتا ہے اور تیج سنگھ کی جان کا دشمن ہوجاتا ہے۔ تیج سنگھ کو مندرجہ بالا حالات کا علم ہوجاتا ہے لہذا وہ اپنی بیوی سوشیلا اور بچہ کو لیکر نہایت کس مپرسی کی حالت میں ایک پہاڑی مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں سوشیلا اور بچہ گفتگو کر رہے ہیں۔

سین ساتواں

خوفناک پہاڑ

(سوشیلا اور چاندکمار کا نہایت رنج کے عالم میں داخل ہونا)

چاندکمار:۔ مجھے بھوک لگی ہے۔ تو گھر کب جائیگی؟

سوشیلا:۔ بیٹا چاند! جب قسمت چاہے گی (خود بخود) اب گھر کہاں! تو ان ہولناک پہاڑی گپھاؤں میں رہنا ہوگا۔ نرم نرم بچھونوں کی بجائے گھاس پھونس کو بستر سمجھنا ہوگا۔

سارے دنیا کے سنے کل تک میسر تھے جنہیں
ٹھوکریں کھانی پڑیں گی جنگلوں میں اب انہیں
آج تک کاٹی ہے جس نے زندگی آرام سے
بھوک سے لالے پڑے ہیں حیف اسکی جان کے

(رونا)

چاندکمار:۔ تم کیوں رتی ہو؟

سوشیلا:۔ (پُردرد آواز میں) نہیں کچھ نہیں۔

چاندکمار:۔ تم مجھ سے چھپاتی ہو (ناراض ہو کر) اچھا کہو۔

سوشیلا:۔ بیٹا خفا ہو گئے؟ (خود بخود)

آج کیسا دن دکھایا گردشِ تقدیر نے
میرے بچوں کو رُلایا گردشِ تقدیر نے
سینکڑوں کا پیٹ بھرنا کام تھا جن کا مدام
آج ان کو یوں ستایا گردشِ تقدیر نے
مخملی گدے میسر جن کو محلوں میں ہوئے
گھاس پر ان کو سلایا گردشِ تقدیر نے

چاندکمار:۔ تم اُداس کیوں ہو؟

سوشیلا:۔ (خود بخود) آہ بیٹا چاند! بالکا سبب تو ہی جان سکتا ہے جو ہماری طرح مصیبتوں میں پڑ چکا ہو۔ گھر بار چھٹا! تمام مال لٹا۔ کرم پھوٹے۔ رشتہ دار چھوٹے۔ آزاد رہنا مشکل ہوگیا۔ پہلا سب کچھ برباد ہوا۔ یہاں آنا پڑا۔ بچوں کو گپھاؤں میں چھپانا پڑا۔ لیکن اس پر بھی میرے چاند کو بھوک لگے اور ایک روٹی کا ٹکڑا نہ ملے۔

سامنے آنکھ کے بچہ بھوک سے رویا کرے
درد سے تڑپا کرے اشکوں سے منہ دھویا کرے

چاندکمار:۔ ماتا یہ کیا ہوا؟

(تیج سنگھ کا آنا)

سوشیلا:۔ میرے چاند کو بھوک لگے اور ایک روٹی کا ٹکڑا بھی نہ ملے۔

تیج سنگھ:۔ پیاری صبر کرو شانتی ہاتھ سے نہ دو جب آرام کی زندگی تم بسر کرو تو پھر تکلیف کے ہو۔

سوشیلا:۔ اگر میں بھوکی مرتی تو ذکر نہ کرتی لیکن افسوس۔

سامنے آنکھوں کے اپنی لختِ دل بھوکا مرے
صبر سے ماتا ہے۔ ورنہ ظلم یہ دیکھا کرے

تیج سنگھ:۔ ہم ان راجپوتوں کی اولاد ہیں جنکی ساری زندگی مصیبتوں میں گذری لیکن کبھی دھرم پر آنچ نہ آنے دی۔ مہارانا پرتاپ سنگھ نے کس کس مصیبتوں پر گذارہ نہیں کیا یا راول نے خندہ پیشانی سے مصیبتوں کا سامنا نہیں کیا۔

سوشیلا:۔ ہاں بیشک کیا۔

تیج سنگھ:۔ دل اب حوصلہ چھوڑ گیا؟

سوشیلا:۔ ابھی نہیں۔

تیج سنگھ:۔ پھر تم کیوں گھبرائی ہو؟ ہمارے دلوں میں بھی سورماؤں کا جوش کام کر رہا ہے۔

سوشیلا:۔ سوامی سچ ہے لیکن کیا کروں جب چاند بھوک سے تڑپتا ہے میرے دل کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔

تیج سنگھ:۔ فکر نہ کرو۔ پرماتما پر بھروسہ رکھو جو ایک پتھر کے کیڑے کی خبر لینے والا ہے وہی میرے چاند کو بھی خوراک دینے والا ہے۔ دو سرے وہ بھی انسان ہوتے ہیں جو مینہ اور آندھی میں سڑکوں پر سوتے ہیں۔

سوشیلا:۔ آہ! جس بھارت کی ایسی گتی ہے اس کا پرماتما ہی بیلی ہے۔

تیج سنگھ:۔ اتنا ہی نہیں۔ بلکہ اب ہزاروں انسانوں کو کئی کئی دن کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ اس پاپی پیٹ پر پٹیاں باندھ کر گذارہ کرنا پڑتا ہے ہزاروں بیمار بلا دوا تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں سینکڑوں انسان زہر کھاتے ہیں۔ ہزاروں جوان لڑکیوں کی شادیاں بغیر پیسے کے نہیں ہوتیں (خود بخود) آہ! کہاں تک بیان کیا جائے۔

دل میں ہی رہنے دیجیئے جو دل کا راز ہے
رنج و الم کا اپنے فسانہ دراز ہے

سوشیلا:۔ اب کوئی تدبیر کرو۔ یہاں سے چلا جا کر کسی راجہ کی شرن لو میں اپنے بچوں کو سمجھا لونگی۔ بھوک میں روٹی کی بجائے دلاسا دوں گی۔

تیج سنگھ:۔ اچھا شریمتی۔

(جانا تیج سنگھ کا)

(گانا سوشیلا)

نند کے لال جسودھا کے دُلارے موہن
میرے بچوں پہ چلے ظلم کے آرے موہن
نند کے لال ... ...

روتے روتے ہوئی بھگتوں کی ترے عمر بسر
کس مصیبت میں شب و روز گذارے موہن
نند کے لال ... ...

پھر وہی سانولی چھب آئے نظر بھگتوں کو
نند کی گود میں جمنا کے کنارے موہن
نند کے لال ... ...

اپنے بھگتوں کی سدا ٹیر پہ آنے والے
آفتابؔ آج مصیبت میں پکارے موہن
نند کے لال ... ...

سین آٹھواں

(باغ)



ازجناب لالہ انوپ چند آفتابؔ رئیس پانی پت

(گوپیوں کا گاتے ہوئے نظر آنا)

رس گھولے میہا بولے سکھی ری دن آئے ہیں سولہ سنگار کے
چلو نغمے سنیں گے بہار کے۔

چھپ گئی تیری محبت میں کٹاری دل پر
آنکھ کی راہ سے نکلا ہے جگر خوں ہوکر
شب تری یاد میں رو رو کے گذاری گردھر
اپنا درشن نہ دیا تو نے مگر اک پل بھر
جی کے دل پہ ہیں پریم کٹار کے
رس گھولے ... ...

پریم کی آگ میرے دل میں لگانے والے
ٹیر بنسی کی گوالوں کو سنانے والے
موہنی شکل جسودھا کو دکھانے والے
اپنے بھگتوں کو کلیجہ سے لگانے والے
کہاں چھپتے ہو مجھ کو پکار کے
رس گھولے ... ...

(خوشامدی راجپوت نمبر ۱ و ۲ کا آنا اور لوگوں کا جانا)

خوشامدی نمبر ۱ و ۲:۔ شریمان مہاراج! نمسکار۔

ظالم سنگھ:۔ (نمسکار لے کر)

خوشامدی نمبر ۳:۔ شریمان ابھی خبر لگی ہے کہ تیج سنگھ کسی راجہ کی شرن لی ہے۔

ظالم سنگھ:۔ ہیں کس راجہ کی شرن لی ہے؟

خوشامدی نمبر ۱ و ۲:۔ ہاں شریمان۔

ظالم سنگھ:۔ (خود بخود)

دبدبے سے اپنے لرزتے ہیں زمین و آسمان
دشمنوں کے جسم سے پرواز کر جاتی ہے جان
اپنی ہمت اپنی جرأت اپنی فوجوں کے بل
ہمسے منہ آئے ستم ایجاد کی طاقت کہاں

(خوشامدیوں سے) نہیں یہ بات چھپی ہوئی نہیں کہ آج ہمارے خزانہ میں کچھ کمی واقع ہوئی ہے۔ اس لئے کوئی ایسی تدبیر بیان کرو جس سے یہ کمی پوری ہوجائے۔

خوشامدی نمبر ۱:۔ شریمان! عرض کرتا ہوں۔ (خود بخود) اور خود بھی اپنی امیدوں کا دامن گُلِ مراد سے بھرتا ہوں۔

ظالم سنگھ:۔ میرے وفادار ذرا جلد کہو۔

خوشامدی نمبر ۳:۔ زمینوں کا لگان بڑھا دو۔ لوگوں پر ٹیکس لگا دو۔

ظالم سنگھ:۔ شاباش!

خوشامدی نمبر ۲:۔ (خود بخود) مان سنگھ اور جے چند نے ہزاروں لاکھوں پر ظلم ڈھایا سینکڑوں مظلوموں کو تہ تیغ کرایا۔ بے شمار پتی ورتا دیویوں کو چتاؤں پر چڑھایا لیکن اپنا مطلب پورا کیا۔ اگر ہم نے خوشامد کی بات کہہ دی تو کیا برائی کی۔ جبکہ عقلمند انسان کا ہر کام مطلب کے لئے ہوتا ہے۔

ظالم سنگھ:۔ جو لوگ ہمارے خلاف پرجا کو بھڑکاتے ہیں اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

خوشامدی نمبر ۱ و ۲:۔ انہیں سخت سے سخت سزا دی جائے۔

ظالم سنگھ:۔ میرے سچے وفادارو! تم واقعی میرے سچے ہمدرد ہو۔

بوڑھا:۔ (ظالم سنگھ سے) بیٹا! کیا یہ سچے ہمدرد ہیں۔ اگر یہ ہمدرد ہوتے تو آپکی جاتی کا بیڑا نہ ڈبوتے بھیم اور ارجن کی اولاد ہوکر ان حرامزادوں کو نہ کھوتے۔

ظالم سنگھ:۔ (غضبناک ہوکر) ہیں!

بوڑھا:۔ (ظالم سنگھ سے) سمجھ سے کام کرو آستین میں سانپ نہ پالو۔ جو اپنوں پر ظلم کرتا ہے وہ دوسروں پر بھی وار کر سکتا ہے۔

(باقی اگلے صفحے ملاحظہ)

(پچھلے صفحہ سے)

ظالم سنگھ:- (نہایت غضبناک ہوکر) خاموش بدزبان۔ بند کر یہ طرز بیان۔

(ایک فوجی افسر کا آنا)

فوجی افسر:- (نمسکار کے بعد) ہماری تیج سنگھ سے مڈبھیڑ ہوگئی بہت دیر تک تلواریں چلتی رہیں۔ آخر ہمارا کوئی سُورما زندہ نہ رہا۔ سب کا کام تمام ہوگیا۔

ظالم سنگھ:- (ناراض ہوکر) کیا سب مرگئے؟

فوجی افسر:- (شرمندہ ہوکر) ہاں مہاراج

ظالم سنگھ:- (غضبناک ہوکر) افسوس۔

(ظالم سنگھ کا رنج میں جانا)

سین نواں

(کرم بیر سنگھ کا دربار)

کرم بیر سنگھ:- آج دل ہلانے والے سین نظر آتے ہیں۔ مظلوموں کی آہ و زاری سے کان پھٹے جاتے ہیں کہیں رشی منیوں کے نام بُرے الفاظ میں لئے جاتے ہیں۔ کہیں مظلوم ابلاؤں کی لاج اُتاری جاتی ہے۔ کہیں ظالموں کے ہاتھوں غریبوں پر مصیبت آتی ہے کہیں انتہائی مظالم کا دردناک نظارہ نظر آتا ہے جسے دیکھ کر پتھروں کا دل بھی دہل جاتا ہے۔

حشر کر دیتے ہیں برپا نت نئے ظلم و ستم
جاں بلب ہے وہ جلاتے جن کے دل پر تیر غم
آہ سے اپنی پگھل جاتا ہے دل فولاد کا
پر اثر ہوتا نہیں جلاد پر فریاد کا

جے دیو سنگھ:- پتھر میں جونک لگ سکتی ہے پانی میں آگ بھڑک سکتی ہے لیکن افسوس انسان نما درندہ کا دل نہیں پگھل سکتا۔

برگ گل پر اوس کی ڈلیاں ڈھلکنا چھوڑ دیں
پھول کھلنا چھوڑ دیں غنچے چٹکنا چھوڑ دیں
یہ تو ممکن ہے مگر ظالم بدل سکتا نہیں
رحم کے سانچے میں لحظہ سنگ ڈھل سکتا نہیں

تیج سنگھ:- شریمان! مہاراج جی۔ جے گوپال۔

کرم سنگھ:- جے گوپال۔ کہئے آج کیسے آنا ہوا ہے؟

تیج سنگھ:- یہ بہت دردناک قصہ ہے۔

کرم بیر سنگھ:- اب فکر نہ کرو۔ مختصر طور پر اپنا حال بیان کرو۔

تیج سنگھ:- چکرورتی مہاراجہ ظالم سنگھ کی عورت ایک ہولناک جنگل میں پاپ کرنا چاہتی تھی لیکن میرے جسم میں راجپوتی خون جوش کھا گیا۔ ماں مریادہ کا خیال آگیا۔

کرم بیر سنگھ:- پھر کیا ہوا؟

تیج سنگھ:- اس کے بعد اچانک ایک شیر تُندی پر جھپٹا جس کے میں نے فوراً تلوار سے دو ٹکڑے کر دیئے۔ یہ دیکھ کر اس ابلا کے خیالات میں تبدیلی آگئی۔

کرم بیر سنگھ:- (خود بخود) جو بشر سدا جاری ہوتا ہے وہ انسان کتنے بُرے خیالات بھی بدل سکتا ہے۔

تیج سنگھ:- ایک روز ظالم سنگھ اپنے بھائی کا راگ گانے لگا اور طرح طرح کی باتیں بنانے لگا جس پر اُسے ہنسی آگئی اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

کرم بیر سنگھ:- پھر کیا ہوا؟

تیج سنگھ:- وہ غصہ میں آگ بگولہ ہوگئے اور ہنسی کا سبب پوچھا۔ ابلا نے میرے ڈر کو چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن اس کی ایک نہ چلی۔ آخر سب باتوں کا ذکر کرنا پڑا۔

کرم بیر سنگھ:- ہاں میں خوب سمجھا۔ سمراٹ اس بات پر بگڑا کہ تمہیں اتنا سُورما کیوں کہا۔ لیکن کیا وہ مغرور تکبر کے انجام سے ناواقف ہے۔ جب کنس اور راون جیسے بلوان راجاؤں کا غرور نہیں رہا تو پھر اس ظالم کا بھی مزہ رکھا رہے گا۔

اسی کی وجہ سے انسان شکست کھاتا ہے
اسی کی وجہ سے انسان رنج پاتا ہے
اسی کی وجہ سے ملتا نہیں پتہ اُن کا
کہ جن کے نام کا بجتا تھا دہر میں ڈنکا

پردھان:- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنگر کا بُرا وقت آپہنچا ہے۔

جے دیو سنگھ:- افسوس تو یہ ہے کہ جو سمراٹ کی عورت کو موت سے بچائے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے۔

کرم بیر سنگھ:- (تیج سنگھ سے) اب فکر نہ کرو جب تک میرے جسم میں دل اور بھجاؤں میں بل رہیگا تمہارا کوئی بال بھی بینکا نہ کر سکیگا۔

جب تک بہادروں کا دنیا میں دل رہیگا
جب تک سپاہیوں کے ہاتھوں میں بل رہیگا
جب تک عدو کے ہاتھوں پہ سر قلم نہ ہوگا
ممکن نہیں کہ تیرا ہو جائے بال بینکا

تیج سنگھ:- (خود بخود) شاباش ہے ان سورماؤں کو جن کے خاندان میں ہمارا کا جنم ہوا۔ سارے زمانہ کو آزمایا لیکن کسی میں یہ حوصلہ نہ پایا۔ (کرم بیر سنگھ سے) شریمان! آپ نے مجھ مظلوم پر جو نظر کرم کی ہے اس کا کن الفاظ میں شکریہ ادا کیا جائے۔ اگر آپ کے لئے میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں تو پھر بھی آپکا قرض ادا نہ ہوسکے۔

کرم بیر سنگھ:- تم کسی بات کی فکر نہ کرو۔ راجپوتوں کا جنم ہی اس لئے ہوتا ہے کہ وہ مظلوموں کی فریاد سنیں اور انسان نما درندوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیں۔

تیج سنگھ:- یہ سچ ہے لیکن اپنے آپکو خطرے میں ڈالنا۔

کرم بیر سنگھ:- (بات کاٹ کر) جن کو رام اور کرشن کی اولاد ہونے کا ابھیمان ہے جن کی سچائی اور دوسروں کی بھلائی کے لئے جان ہے انہیں مصیبت کا خوف و خطر کہاں۔

پردھان:- (راجہ سے) ہاں بے شک آپ کو موت کا خوف نہیں۔ آپ جسم اور روح کے تعلق کو خوب جانتے ہیں وید اور شاستر کو سچا گیان مانتے ہیں۔ لیکن ذرا سوچ سمجھ کر کام کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک چکرورتی راجہ سے جنگ چھڑ جائے۔

کرم بیر سنگھ:- پردھان جی میں غور کر چکا۔ اب ظالم کا ظلم نہیں دیکھا جاتا جب اسکے فریادی آتے ہیں تو میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ بس میں نے سوچ لیا ہے کہ اپنے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دونگا لیکن غریبوں کی امداد ضرور کرونگا۔

کھیلنا اک کھیل ہے دیروں کا اپنی جان پر
سر کٹانا بات کیا ہے راجپوتی آن پر
راہ میں گر دھرم کی کٹ جائے سر پروا نہیں
آتما کا خون کرنا پر ہمیں زیبا نہیں

پردھان:- (خود بخود) راج ہٹ مشہور ہے اس لئے دُنیا بدل جائے تو بدل جائے لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ اپنی ضد سے باز آجائیں۔ افسوس! کہاں ایک معمولی راجہ اور کہاں ایک زبردست سمراٹ۔

کرم بیر سنگھ:- فکر نہ کرو۔ جو کمزوروں کی امداد کا حوصلہ کیا کرتا ہے اس کا محافظ پرماتما ہوتا ہے۔ یہ مانا کہ وہ ایک چکرورتی ہے اور میں ایک معمولی راجہ ہوں لیکن کیا کروں میرا دھرم مجبور کرتا ہے کہ تو جان تک فدا کر دے مگر ظالموں پر ظلم نہ ہونے دے۔ ؎

موت کا خوف و خطر ہم راجپوتوں کے لئے
سرفروشی فرض ہے بھارت سپوتوں کے لئے

پردھان:- یہ سچ ہے لیکن اپنی طاقت کو بھی دیکھنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ مفت ...

کرم بیر سنگھ:- (بات کاٹ کر) پروا نہیں۔

میری ہستی کی اگر کشتی پھنسے منجدھار میں
مجھ کو زندہ چُن دیا جائے در و دیوار میں
یہ اگر ہو جائے تو کچھ فکر اور پروا نہیں
راہ الفت سے قدم دیروں کا ہٹ سکتا نہیں

تیج سنگھ:- آپ میرے لئے فکر نہ کیجئے۔ مجھے پرماتما کے بھروسہ پر چھوڑ دیجئے۔ آخر میں بھی راجپوت ہوں اپنے دشمن سے خود نبٹ لوں گا۔

کرم بیر سنگھ:- یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی سچا فریادی میری شرن میں آئے اور اسے یونہی چھوڑ دیا جائے۔ نہیں نہیں یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جب تک مجھے راجپوت ہونے کا خیال ہے جب تک زندگی اور موت کا سوال ہے اپنی آن پر مٹوں گا لیکن تم پر آنچ نہ آنے دوں گا۔

پردھان:- (راجہ سے) ذرا عقل سے کام لو۔ دشمن کی بےشمار طاقت پر غور کرو۔ اگر آپ نے اسے شرن میں لیا تو ظالم سنگھ ضرور یہاں چڑھائی کرے گا۔

کرم بیر سنگھ:- فکر نہیں۔

پردھان:- ذرا شانتی سے کام لو۔

کرم بیر سنگھ:- مانا کہ وہ بہت بلوان ہے۔ لیکن ہماری رگوں میں بھی ان بہادروں کا خون رواں ہے جن کے نام سے بڑے بڑے سورماؤں کا دل لرزاں ہے۔ ؎

سینکڑوں پیدا ہوئے جن میں رام ارجن سے جوان
سینکڑوں پیدا ہوئے جن میں بھیم جیسے پہلوان
میری رگ رگ میں اُسی جاتی کا ہے خوں موجزن
نام ہے جس کے ابھی تک کا نپتا ہے آسمان

(تراہ مام تراہ مام پکارتے ہوئے ایک عورت کا داخل ہونا)

کرم بیر سنگھ:- (گھبرا کر) آہا یہ کیا ہوا؟

عورت:- آہ۔ میری آنکھوں کا تارا۔ میرے بڑھاپے کا سہارا۔ میری امیدوں کا باغ۔ میرے گھر کا ٹمٹماتا چراغ۔ بیدرد سمراٹ نے مجھ سے جدا کر دیا۔

(رونا)

میرا گھر بگاڑا۔ ستی استری کا سہاگ اجاڑا۔ دو معصوم بچوں کا لہو بہایا۔ میرا گھر جلا کر خاک سیاہ بنایا میں نے پھر بھی صبر کیا۔ چھاتی پر پتھر رکھا۔ لیکن مجھے کیا خبر تھی کہ وہ اور تکلیف دیگا۔ اندھی بڑھیا کا لال بھی چھین لے گا۔ (سر پیٹ کر) تراہ مام تراہ مام تراہ مام تراہ مام تراہ مام۔

(بڑھیا کا بیہوش ہونا)

کرم بیر سنگھ:- او پرماتما! یہ اور دُکھیا۔ آہ شانت۔ (خود بخود) اے آنکھو تم کیا دیکھ رہی ہو۔ اے کانوں تم کیا سُن رہے ہو؟ اے بھجاؤ تو کس دن کام آئے گا۔ اے راجپوتی دھرم تو ٹھنڈا پڑ جائے گا۔

(عورت کا گانا)

دل میں اک درد لئے بانسری والے آجا
خاک ذلت سے غریبوں کو اُٹھالے آجا
دل میں ... ...
داغ ماؤں کے دیئے غیر کے ہاتھوں نے مجھے
پڑ گئے آج میری جان کے لالے آجا
دل میں ... ...
سر نہتوں کے قلم کرکے ستمگار رہی ہے
اپنی ٹھوکر سے ستمگر نے اُچھالے آجا
دل میں ... ...
میرے بچوں کے کلیجوں پہ چلا کر برچھی
اپنے ارمان ستمگر نے نکالے آجا
دل میں ... ...
ایک جلاد کے ہاتھوں سے اگر جان بچی
پڑ گئے دوسرے جلاد کے پالے آجا
دل میں ... ...
چشم دل سے جو برستے ہیں لہو کے آنسو
میری رگ رگ میں نہاں بہتے ہیں نالے آجا
دل میں ... ...
کس مصیبت میں گرفتار ہے بھارت ماتا
ہاتھ سے کنس دشاشن کے چھڑالے آجا
دل میں ... ...

(پٹاخے کی آواز پر کرشن بھگوان کا درشن دینا اور طرح طرح کی روشنی ڈالنا)

کرشن بھگوان:- دیوی شانت ؎

نہتوں کے دلوں پر تیر غم کا وار ہوتا ہے
غریبوں کے سروں پہ خنجر خونخوار ہوتا ہے
یتیموں کی تڑپ سے غمزدہ سنسار ہوتا ہے
تو بیڑا پار کرنے کے لئے اوتار ہوتا ہے
نگھراؤ سُدرشن لے کے میں بھارت میں آتا ہوں
ستم کی ظلم کی بیداد کی ہستی مٹاتا ہوں

(پٹاخے کی آواز پر کرشن بھگوان کا غائب ہونا)

(باقی آئندہ)

بچوں کا صفحہ

گھر کی تربیت

(از جناب ماسٹر بہاری لال صاحب - رام تالاب جیہہ دہلی)

(خاص بچوں کے لئے)

دہلی - لاہور - کلکتہ - بمبئی بڑے بڑے شہر بن گئے ہیں - پہلے یہ اس قدر بڑے شہر نہ تھے جوں جوں تہذیب پھیلتی گئی شہر بھی بڑھتے چلے گئے -

جب تہذیب نے ترقی نہ کی تھی لوگ اپنی اپنی جھونپڑی میں رہتے تھے - قدرتی پھل پھول کھاتے تھے - درخت کی چھال سے تن ڈھانکتے تھے - جو کچھ رہ جاتا تھا اپنے بچوں کو سکھا دیتے تھے - وہی ماں باپ تھے وہی استاد تھے وہی دستکار - دہی درزی - غرض سب کچھ وہی تھے - جب ان کو دشمنوں سے حفاظت کی ضرورت پڑی تو بہت سے لوگ مل کر رہنے لگے تاکہ باہمی مدد کر سکیں - اس طرح تہذیب نے ترقی کی بہت سے گاؤں کے درمیان مرکز میں تجارت کے باعث قصبے اور شہر بن گئے -

پس قوم بہت سے کنبوں سے مل کر بنتی ہے شہر گھروں سے ملکر بنے ہیں - کنبہ کی زندگی نے شہریت کی اصل تعلیم گھر میں ہی بچوں کی قومی تربیت ہوتی ہے - اگر دریا کا منبع صاف ہو تو ہمیں صاف پانی آئیگا - اگر دریا کا منبع گدلا ہو تو تمام دریا کا پانی گدلا ہو جائیگا - اسی طرح اگر ہمارے گھر اچھے ہوں تو قوم اچھی بن جائیگی اور اگر ہمارے گھر خراب ہوں تو قوم غریب اور کمزور ہوگی - گھر ہی قوم کا منبع ہے -

گھر کا اثر

اپنے گھر پر جو کچھ سیکھتے ہیں آخری زندگی میں ویسے ہی بنتے ہیں - اگر ہم کسی بڑے آدمی کی زندگی کا کھوج لگائیں تو معلوم ہوگا کہ گھر کی تربیت کا اس پر بہت کچھ اثر پڑا ہے - جن لوگوں نے اپنی اپنی سوانح عمریاں لکھی ہیں انہوں نے ظاہر کیا ہے کہ ان کے ماں باپ کیسے تھے - بچپن میں ان کی تعلیم و تربیت کیسی ہوئی اُن کا رویہ بچپن میں کیسا تھا - مہاتما گاندھی - سوامی رام تیرتھ - دیانند کی بچپن کی زندگی سے ان کے ہوشیار ہونے کا ثبوت ملتا ہے اسی نے کہا ہے کہ بچہ انسان کا باپ ہے - یعنی بچپن کی زندگی بڑے آدمی کو بناتی ہے -

(ا) جو بچے شروع میں ہی اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ بے غرضانہ طور پر پیش آئیں تو وہ بڑے ہو کر دوسروں کے ساتھ بھی بے غرضانہ طور پر پیش آئیں گے اور خود غرض لڑکا بڑا ہو کر خود غرض شہری بنتا ہے -

(ب) جو بچے گھر میں ماں باپ کی فرمانبرداری کرتے ہیں - اسکول میں اُستادوں کا حکم مانتے ہیں - بڑے ہو کر وہ اپنے بزرگوں اور افسروں کا حکم مانتے ہیں - اور ملک کے قوانین کی فرمانبرداری کرتے ہیں - جو لڑکا اپنے ماں باپ کی فرمانبرداری نہیں کرتا وہ اپنے آقا کا حکم بھی نہیں مانتا - اور ملک میں ابتری کا باعث ہوتا ہے - اور اکثر اوقات جیل خانہ میں جاتا ہے -

اگر ہم نیک بننا چاہتے ہیں تو فرمانبردار اور بے غرض بننا چاہیئے - جس طرح ہم اسکول کا کام گھر پر کرتے ہیں - اسی طرح ہمیں آئندہ زندگی میں نیک شہری بننے کے لئے بھی گھر پر ہی تیاری کرنی چاہیئے - گھر کی ٹکسال میں زندگی کے کھوٹے کھرے سکے ڈھالے جاتے ہیں - جس طرح سپاہی کو میدان میں لڑنے کی تربیت دی جاتی ہے ورزش کرائی جاتی ہے اسی طرح زندگی کی جدوجہد کے لئے طیاری گھر میں ہی ہوتی ہے -

گھر کی زندگی ہی یہ بتاتی ہے کہ فی الواقع ہم کیا ہیں ہمارے سبھاؤ ہماری اصل پرکرتی ظاہر کرتی ہے - دوسروں کی نیک رائے کا زندگی پر بڑا اثر پڑتا ہے - اس بات کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے کہ بچے کی پرورش اچھی طرح ہو - یہ دونوں باتیں بیرونی دنیا میں لڑکے کو ٹھیک راہ پر چلاتی ہیں - گھر میں اس بات کا بہت کم خیال ہوتا ہے - وہ سمجھتا ہے کہ میں جس طرح چاہوں گھر میں کر سکتا ہوں - سوائے اس کنبہ کے گھر میں اور کوئی نہیں دیکھتا - بہت سے بچے گھر میں بے پرواہ بے ترتیب اور بے ڈھنگے رہتے ہیں - مگر باہر ٹھیک ٹھاک رہتے ہیں - کیونکہ انہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ گھر پر جس طرح زندگی بسر کریں انہیں کیا ڈر ہے - جو لڑکے گھر پر لاپرواہوں اور باہر ٹھیک ٹھاک رہتے ہوں ان کی زندگی بناوٹی ہوتی ہے - وہ ایسے ہی ہیں جیسے گوشے کا خول بغیر گودے کے - بادام بغیر گری کے - نارنگی بغیر پھانکوں کے - سیب کا گودا گلا ہوا اور چھلکا تر و تازہ معلوم ہو تو وہ سیب کسی کام کا نہیں - انسان کا سب سے زیادہ قیمتی حصہ اندرونی روح ہے - ایک جنگلی جانور کے سبھاؤ کا اصل پتہ نہیں لگتا جب کہ وہ قید میں ہو بلکہ اُس وقت پتہ لگتا ہے جب کہ وہ جنگل میں رہتا ہو - گھر کی زندگی ہماری اصلیت کو ظاہر کرتی ہے - اس لئے اگر کسی آدمی کے متعلق کچھ معلوم کرنا ہو تو سب سے پہلے یہ معلوم کرو کہ وہ گھر میں اپنے ماں باپ کا فرمانبردار رہا ہے یا نہیں -

گھر کی زندگی کا درست استعمال

بچوں کو چاہیئے کہ ماں باپ کا حکم مانیں - ان کے شکرگذار ہوں - ان کی امداد کریں تاکہ ان کے دلوں میں بچوں کے لئے محبت پیدا ہو - گھر ہی محبت اور مہربانی کی نشوونما کی جگہ ہے -

بچوں کو گھر کی زندگی پر فخر ہونا چاہیئے - بچے گھر کو امن و آشتی کی جگہ بنا سکتے ہیں بڑے بچوں کو چھوٹے بچوں کی مدد کرنی چاہیئے - لڑکیوں کو گھر کے کام کاج میں امداد کرنے کا فخر ہونا چاہیئے - گھر کی صفائی کا ہر وقت خیال رکھنا چاہیئے - بچوں کو چاہیئے کہ گھر پر نہایت بہتر زندگی بسر کریں - ہمیں گھر میں کوئی سخت لفظ نہیں بولنا چاہیئے نہ خراب رویہ اختیار کرنا چاہیئے - جس طرح غیر گھر میں ہمیں یہ بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے اسی طرح اپنے گھر میں بھی خیال رکھنا چاہیئے - ہماری گھریلو زندگی بہترین ہونی چاہیئے - ہماری بہترین طبیعت ہمارے اعلیٰ درجے کے بے غرضانہ کام ہمارے مردانہ طریقے گھر میں ہونے چاہئیں - یہ بزدلی کا فعل ہے کہ ہم گھر میں ایسا خراب رویہ رکھیں کہ گھر سے باہر جس کی جرأت بھی نہیں کر سکتے اگر ہمارا ظاہر باطن یکساں نہ ہوگا تو اس صورت میں ہم دوسروں کو دھوکہ دینے والے بنیں گے جیسے دو کشتیوں میں سوار ہو کر آدمی تیر نہیں سکتا بلکہ ڈوبتا ہے اسی طرح ظاہر باطن ایک جیسا نہ رکھنے والا شخص ہمیشہ تکلیف اُٹھاتا ہے -

گرمی کی شام

(از جناب بابو گیندن لال جی بنوا - بیسلی بھیتی - خاص بچوں کے لئے)

ہے خوشگوار کتنی گرمی کی شام بچو | چلتی ہوا ہے ٹھنڈی کیا خوش خرام بچو
خوشبو ہے عطر گلشن تمام بچو | باغوں میں ہیں بکثرت کیری کے آم بچو
جاڑے کے بعد گرمی بھی ہے ایک نعمت | بارش کا دے رہی ہے تم کو پیام بچو
پھولی ہوئی شفق ہے کیا خوشنما اُفق ہے | سر سبز بچھ رہا ہے قدرت کے دام بچو
مغرب بعد دیکھو مشرق کی زیب و زینت | آتا ہے ماہ نو بھی جھک کر سلام بچو
دریا کا ہے کنارا جنگل کا ہے نظارہ | بلبل چہک رہی ہے شیریں کلام بچو
چڑیوں کے چہچہے ہیں طاؤس بولتے ہیں | خوش ہو کے لے رہے ہیں ایشور کا نام بچو
سوڈے کی بوتلوں کا ہے خوب دور دورہ | محفل میں چل رہے شربت کے جام بچو
ہے برف کی طلب کا بازار گرم اتنا | دوکان پر لگا ہے اک اژدہام بچو
باغوں میں گھر بنا کر بیٹھی ہیں ہرنیاں بھی | جنگل میں ڈھاک پھولا ہے شاد کام بچو
چھوٹوں کے ساتھ آؤ الفت سے پیش ہر دم | جھک کر سدا بڑوں کو کرنا سلام بچو
بھارت کے تم ہو بچے اوروں کے ہو سچے | زیبا نہیں ہے تم کو بننا غلام بچو
علم و ہنر سے اپنے چمکاؤ زندگی کو | روشن کرو جہاں میں بھارت کا نام بچو

دنیا میں ہوں تمہارے چرچے بڑائیوں کے
خوش ہو مدام تم سے ہر خاص و عام بچو

لسّی (چھاچھ) کے فائدے

(از قلم: ڈاکٹر سری کرشن پرو پرائٹر ایس کرشنا لیبارٹریز انبالہ چھاؤنی)

تندرستی دولت... الصحت ... اصول حفظان صحت کی خلاف ورزی کرنے لگے ہیں تو ان کی عمر کم ہونے لگی ہم اچھے سے اچھے اور لذیذ کھانے کھانے کی خواہش رکھتے ہیں اور کھاتے بھی ہیں لیکن یہ خیال نہیں کرتے کہ کونسی کھانے کی چیز صحت کے لئے نقصان دہ ہے اور کونسی فائدہ مند۔ صرف ذائقہ کے لئے ہم نقیس سے نفیس اناج کھا لیتے ہیں لیکن اس کے ہضم کرنے کی پروا نہیں کرتے۔ ایک معدے کو ہضم کرنے کے لئے لسی (چھاچھ) نہایت فائدہ مند ہے۔ اسکو روزانہ استعمال کرنے سے انسان طویل العمر تندرست اور خوش رہ سکتا ہے یہ انسانی جسم کے لئے ایک بڑی قیمتی چیز ہے جسکی بہت قدر کرنی چاہیے کیونکہ چھاچھ میں بیسیلس ولگرکس (BACILLUS VALGARCUS) نامی جراثیم موجود ہیں جن کی خاصیت یہ ہے کہ پیٹ میں جاتے ہی امراض پیدا کرنے والے جراثیم سے جنگ کر کے ان کو مغلوب کر لیتے ہیں اس لئے تمام امراض کا مقابلہ کرنے کے لئے لسی قدرتی طور پر دافع امراض ہے۔ آیورویدک میں بھی اسے مرض شکرانی کا قاتل بیان کیا ہے یعنی جس طرح خس و خاشاک کے ڈھیر کو آگ اور تاریکی کو آفتاب زائل کر دیتا ہے اسی طرح لسی مرض سنگرہنی کو ضائع کر دیتی ہے۔ لسی میں لیکٹک ایسڈ (LACTIC ACID) پیدا ہوتا ہے اس لئے پیٹ میں وات (گیس) پیدا کرنے والے جراثیم پر اسکا نہایت عمدہ اثر ہوتا ہے اس میں پروٹین کے نہایت عمدہ اور لطیف ذرات ہوتے ہیں اس لئے یہ دیگر اشیاء کی طرح ہضم ہونے میں بھاری نہیں ہوتی۔ یہ پروٹین بہت جلد ہضم ہوتی ہے اور دوسری اشیاء کو بھی ہضم کرنے میں مدد دیتی ہے۔ چھاچھ میں مندرجہ ذیل کھار ہوتے ہیں۔

(۱) کیلشیم (CALCIUM) (۲) میگنیشیم (MAGNESIUM)
(۳) پوٹاشیم (POTASIUM) (۴) سوڈیم (SODIUM)
(۵) فاسفورس (PHOSPHORUS) (۶) کلورین (CHLORINE)
(۷) سلفر (SULPHUR)

مذکورہ بالا سب کھار گوشت اور ہڈی کی پرورش کرنے والے ہیں۔

... سے روٹی اچھی طرح ہضم نہیں ہوتی اور اس کا غیر منہضم حصہ انتڑیوں میں اٹک کر سڑنے لگتا ہے لیکن چھاچھ پینے سے انتڑیاں بالکل صاف ہو جاتی ہیں اور انتڑیوں سے خون کا دورہ ہوتا ہے لسی یا چھاچھ سے ہاضم رس (BILE) زیادہ مقدار میں پیدا ہوتا ہے اس لئے وہ قوت ہاضمہ کو بڑھا کر اس کے استعمال سے جسم تندرست بارونق اور قوی ہوتا ہے۔

آفت بول و براز کے افعال کو چھاچھ سے جوش ملتا ہے آلات انہضام کو مضبوط کر کے بھاجن تیار کرنے کا کام اچھی طرح سے کرتا ہے اس بارے میں قدیم مہرشیوں کا جو حصہ کے علم میں ماہر تھے یہ قول ہے۔

لسی کے روزانہ استعمال کرنے والے کو کوئی بھی تکلیف یا بیماری نہیں ہوتی، اس کے ذریعہ زائل شدہ بیماریاں از سر نو عود نہیں کرتیں۔

تجربہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ لسی کے استعمال سے بڑا پیٹ قوی رہتا ہے۔ چھاچھ نہایت اعلیٰ درجہ کی پرورش کرنے والی غذا ہے اور ٹھنڈی لسی پینے سے نئے رنگ، ریشہ کی پیدائش ہوتی ہے کیونکہ لسی پینے سے انتڑیوں میں زہر پیدا کرنے والے کیڑوں کا تو اسی وقت ناش ہو جاتا ہے جس سے رنگ و ریشہ کو لسی کے علاوہ دوسری کوئی بھی شے اتنی زیادہ نہیں بڑھا سکتی بلکہ ... کے مریضوں کو ہمیشہ گائے کی لسی استعمال کرنی چاہیے۔ بکری کے دودھ کی لسی بھی مندرجہ بالا مرض کے لئے مفید ہے بھینس کے دودھ کی لسی نہایت چکنی۔ بلغم پیدا کرنے والی۔ لذیذ اور بھاری ہوتی ہے اور خون کو خراب کرتی ہے۔

خاص طور پر گھی کی پکی ہوئی بھاری چیزوں کو ہضم کرنے کے لئے لسی سے بھاری مدد ملتی ہے آجکل کئی طرح کے مصنوعی زہر پیٹ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر بازار کی کچوریاں کو لیجئے۔ پکوڑی والے گرم پکوڑیاں نکالنے کے بعد اس گرم تیل کو ... تیل کو اتار کر رکھ دیتے ہیں اور پھر کام پڑنے پر اسی تیل کو گرم کرکے پھر استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح پیدا ہوئے زہر کو دفع کرنے کے لئے چھاچھ لاثانی ہے کیونکہ زہر ہضم کرنے کی عجیب طاقت اس میں موجود ہے۔ آج کل کے بہت سے اشخاص صبح چائے پینے کے عادی ہوتے ہیں اگر وہ لوگ چائے کی بجائے ایک پیالہ چھاچھ پینے کی عادت ڈالیں تو وہ تندرست اور طویل العمر ہوں گے۔ مکھن نکالی ہوئی لسی پینے میں بھاری ہوتی ہے اور مکھن نکلی ہوئی ہاضم اور ہلکی ہوتی ہے گائے اور بکری کے دودھ سے تیار کی ہوئی لسی تینوں دوشوں کو رفع کرنے والی ہوتی ہے بھینس کے مٹھے میں سونٹھ۔ کالی مرچ۔ فلفل۔ سیندھا نمک ان سب کا سفوف ڈال کر پینے سے کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔

کبھی کبھی کسی موسم میں لسی نقصان دہ بھی بتائی گئی ہے لیکن سیندھا نمک۔ کالی مرچ اور زیرہ ملا لینے سے وہ سب موسموں میں فائدہ مند ہے۔ نصف پاؤ لسی میں چار رتی سیندھا نمک۔ چار رتی کالی مرچ اور دو رتی زیرہ اسی انداز سے ملانا چاہیے۔ لسی کے ان تمام اوصاف کو سمجھ کر اس صحت افزا غذا کی غذا اور دوا کی دوا کا استعمال خلق خدا کی صحت کے لئے مفید کرنا چاہیے۔

چائے قہوہ وغیرہ جسمانی طاقت کو گھٹانے میں مدد دیتی ہیں اور عمر کو کم کرتی ہیں اس لئے سب کو چھوڑ کر صرف لسی کا ہی استعمال کرنا چاہیے۔

ہفتہ کی اہم مختصر خبریں

ممبئی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی دو پارٹیوں کے درمیان تصادم میں چار اشخاص مجروح ہوئے۔ ایک ہندو جلوس مسجد کے سامنے سے گذر رہا تھا ایک مسلم نوجوان نے اسے ۔۔۔ نعرے لگاتا ہوا گلی کے اندر چلا گیا۔ اس پر مسلمان جمع ہو ۔۔۔ شخاص پر حملے شروع ہو گئے۔ چار اشخاص ہسپتال میں داخل ہوئے۔

شمالی ہند کے سب سے بڑے کارخانہ دار لالہ کملا پت سنگھانیا ۵۳ سال کی عمر میں رحلت فرما گئے۔ سوگوار میں تین لڑکے چھوڑ گئے بشمیر ۔۔۔ ایک لڑکا پدم پت سنگھانیا ہیں جو فیڈریشن آف انڈین چیمبر آف کامرس کے پریزیڈنٹ رہ چکے ہیں۔ لالہ کملا پت کی موت کی وجہ سے ۔۔۔ کی بڑی بڑی فرمیں اور کارخانے بند رہے۔

مسٹر بھوندا ناتھ گپتا ایڈیٹر ایڈوانس کے خلاف ایک آرٹیکل بعنوان "ہندوستان اور تاج پوشی" شائع کرنے کے تعلق بغاوت کا الزام لگایا گیا۔

جنرل گورنگ وزیر جرمنی چیند روز کے اندر بلغراد پہنچنے والے ہیں۔ اس کی آمد کو بہت زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے کیونکہ ڈینیوب کے ڈیلٹا میں ایک سرگرم غیر ملکی پالیسی شروع کرنے والا ہے۔ اس کے بعد جنرل گورنگ یوگوسلاویہ جائیں گے جہاں شہزادہ پال سے ملیں گے۔

جرمن جہاز پر بمباری کے خلاف اٹلی میں زبردست ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اٹلی ہسپانوی سمندر سے اپنے جنگی جہاز واپس نہیں بلائے گا لیکن اگر ضرورت پڑی تو ۔۔۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہسپانی بندرگاہوں پر سامان جنگ ۔۔۔

پر کنٹرول برابر جاری رہیگا اور جنگی جہازوں کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ اگر وہ کسی جہاز کا دھمکی آمیز سلوک دیکھیں تو اس پر فائر کر دیں۔

ریاست بھوپال میں جلسوں کے انعقاد پر مزید پابندیاں لگا دی گئی ہیں۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو بھی پابندیاں عائد کرنے کا اختیار دیدیا گیا ہے۔ سرکاری اعلان نمبر ۹ امور خانہ ۔۔۔ کی رو سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی اجازت حاصل کئے بغیر کسی قسم کا کوئی غیر مذہبی جلسہ کرنا بالکل ممنوع قرار دیدیا گیا ہے۔

عدم مداخلت کمیٹی کے باقی ممبران اس امر کی کوشش کر رہے ہیں کہ اٹلی اور جرمنی کو یقین دلایا جائے کہ آئندہ ان کے جہازوں پر کسی قسم کا حملہ نہیں ہوگا اور وہ کنٹرول کی اسکیم سے علیحدگی اختیار نہ کریں۔ اس کے لئے برطانیہ اور فرانس خاص طور پر کوشش کر رہے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اگرچہ اٹلی اور جرمنی کنٹرول کی اسکیم سے علیحدہ ہو گئے ہیں لیکن وہ عدم مداخلت کے معاہدہ میں شریک رہیں گے۔

ٹو چی وادی قبیلہ والوں کا ایک جرگہ ۔۔۔ صاحب مشرقی ۔۔۔ میں صلح اور امن کی شرطوں پر غور کرنے کے لئے جمع ہو رہا ہے۔ ۔۔۔ قبیلہ کے ایک سرگروہ نے ۔۔۔ پولیٹیکل ۔۔۔ سے ملاقات کی جس پر اسے یہ جواب دیا گیا کہ امن کی شرطوں پر تب غور کیا جائے گا جب سب مفرور لوگ ۔۔۔

اور سال کوٹ کے غار سے فقیر ایپی کی فراری سے توری خیل کے ان جنگجو لوگوں کے حوصلے پست ہو گئے ہیں۔

سیڈ سد آلمیس ہوڈاما کی پہاڑیوں پر سرکاری فوجوں نے جو چڑھائی شروع کی تھی وہ منزل مقصود تک پہنچ گئی ہیں اور زبردست مقابلہ کے بعد سرکاری فوجیں پہاڑ پر چڑھ گئیں۔

ضلع پشاور کے بہت سے زمینداروں کو الیانہ اور آبیانہ کی رقمیں جو ۔۔۔ ۳۴ سے لیکر اب تک ادا کرنی ہیں وصول کی جا رہی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ زمینداروں کی گرفتاریوں سے جو ڈسٹرکٹ حوالات کھچا کھچ بھر گئی ہے۔

ملک معظم جارج ششم کی تاجپوشی کی خوشی میں حال ہی میں برما کی بغاوت کے قیدی اور سیاسی قیدی رہا کئے گئے تھے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ۔۔۔ قیدیوں کا ایک دستہ جلد انڈمان سے رہا کیا جائے گا۔

بالوٹ میں گھگنہ گنج ۔۔۔ ہریجنوں کی بستی میں آگ اچانک لگ گئی ۔۔۔ میں آگ کے شعلے بہت اونچے اٹھنے لگے۔ تمام آدمی پانی کے برتن لے کر موقعہ پر پہنچ گئے اور آگ بجھانے کی کوشش کی اور ۔۔۔

مشقت کے بعد ایک گھنٹہ میں آگ پر قابو پالیا۔

اسپین کے مشہور باغی لیڈر جنرل مولا جو بغاوت کے سرغنہ جنرل فرینکو کا بایاں بازو خیال کیا جاتا تھا ہوائی جہاز کے حادثہ سے ہلاک ہو گیا۔ باغیوں کے ریڈیو سے اعلان کیا گیا ہے کہ جنرل مولا کا اے ڈی کانگ جنرل اسٹاف کے دو افسر اور دو پائلٹ بھی ہلاک ہو گئے۔ ہوائی جہاز ۔۔۔ پر پرواز کر رہا تھا جبکہ کہر میں پھنس گیا اور ٹوٹ گیا۔

آنریبل بھولا بھائی جے دیسائی دہلی کلاتھ ملز میں

دہلی کلاتھ ملز کے مختلف ڈیپارٹمنٹس کا معائنہ کرنے کے بعد مسٹر بھولا بھائی جے دیسائی فرماتے ہیں کہ "میں نے دہلی کلاتھ ملز کا رنگ دار سوت کو اور نیز کارخانے میں ہر چیز دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ کوارٹرز بہت صاف ستھرے روشن اور ہوادار ہیں۔ اور ہندوستان میں دیگر کاریگروں کے کوارٹروں سے بہت اچھے ہیں۔ میں نے کوارٹروں سے متعلق شفاخانہ بھی دیکھا جو نہایت عمدہ طریقہ پر چل رہا ہے۔ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ اموات بچوں کی تعداد فیصد کے تناسب کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ میں مالکان ملز کی کوشش توجہ اور دلچسپی سے بہت خوش ہوں جو وہ کاریگروں کی بہبودی کے انتظام میں لیتے ہیں۔

بھولا بھائی جے دیسائی

واقع ہو گئی۔ مگر فن کے آخری عروج کے دوستوں نے ان کی
دنیا جنگ کے نقصان کے تجربے سے فائدہ اٹھایا ... اور
فلمسازی کو وہ رنگت دی جو آجکل موجود ہے۔ (باقی)

ابتدائی فلمیں اور ان کے بنانیوالے

(از مسٹر سی۔ رمیش صاحب ایم۔ اے۔ کلکتہ)

ہر ایک آدمی کو اپنی زندگی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مگر ایسے بہت کم موجد ہوں گے جن کو اس کی زندگی میں ہی شہرت نصیب نہ ہوئی۔ پچھلے دنوں لندن میں سینما کے بانی فریس گرین کی سوانح عمری بنائی گئی۔ یہ سینما کہانی ہے مگر اسے اپنی زندگی میں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ اس فرانسیسی سائنس دان نے اس کام کی ابتدا کی جس کو بعد میں انگریزی سائنس دانوں نے پورا کیا۔ اسکی زندگی میں لوگ اسے پاگل کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ مگر اب اس کی موت کے بعد اس کی یادگار منائی جا رہی ہے۔

گو سینما کا فرانس بانی ہے۔ مگر انگلستان بھی اس کے لئے نمایاں کام کر سکے ہیں۔ انگریز نوجوان فاکس ٹالبٹ نے آج سے ایک سو سال پہلے تصویر کشی کو اس شکل کے کیمرے میں بند کیا تھا جس سے کہ آجکل فلمیں بنائی جاتی ہیں۔ سیلولائڈ ہی فلموں کا دارومدار ہے۔ اسکا موجد بھی ایک انگریز ہی ہے۔ فریس گرین نے کسی طرح معلوم کر لیا کہ اس سے تصویریں بنائی جا سکتی ہیں جو بعد میں روشنی کی مدد سے کپڑے پر دکھائی جا سکیں۔ وہ اس کام میں ایسا منہمک ہو گیا کہ لاکھوں روپے کی جائداد تباہ کر دی۔ کئی کئی دن بھوکا رہا۔ مگر وہ اپنی دھن کا پکا تھا۔ اسکی آخری عمر نہایت مفلسی میں گذری۔ اسے جو کچھ کہیں سے ملتا اس سے وہ فلمسازی کے تجربوں کے لئے چیزیں خرید لیتا اور خود بھوکا رہتا۔ اسکی موت ایک جلسہ میں ہوئی جہاں کہ وہ اپنی کامیاب تصویر کی نمائش کرنے گیا تھا۔ جب وہ مر گیا تو اس کی جیب سے صرف ایک شلنگ دس پنس نکلے۔ سینما کے بانی کا یہ اثاثہ تھا۔

فلمسازی کو دنیا کی صف اول کی صنعت بنانے والوں میں فریس گرین کے بعد سیسل ہیپورتھ۔ سائمن ٹیری۔ بیڈ رڈ۔ جیمز کرلو اور ... کے نام آتے ہیں۔

سیسل ہیپورتھ نے ۱۸۹۶ء میں فلمسازی میں دلچسپی لینی شروع کی۔ آج برطانیہ کا ماڈرن ٹاکیز سٹوڈیو ٹھیک اسی جگہ پر واقع ہے جہاں اس نے پہلی فلموں کی ریسرچ کا کام شروع کیا تھا۔ انہوں نے چھوٹی چھوٹی فلمیں بہت تعداد میں بنائیں ان میں سے کسی ایک کی نمائش تو کبھی بھی نہیں ہوئی یہ سب تجربہ کے طور پر تھیں۔ ۱۹۰۲ء میں ملکہ وکٹوریہ کے جنازے کی فلم لی گئی یہ ان کی ۱۹۰۳ء میں ... تھی۔ اس نوجوان کو اپنی عمر میں بہت کامیابی نصیب ہوئی۔ مگر جو چیز یہ بنانا چاہتا تھا وہ ساری عمر میں نہ بنا سکا۔ ... آج سے ۳۰ سال پہلے سینما گھر بنانے کی طرف توجہ دی۔ جیسے کہ اگر اپنی فلموں کی نمائش کی گئی اور ٹکٹوں کے پیسے وصول کئے۔ سیسل ہیپورتھ چاہتے تھے کہ وہ سینما گھر بنائیں۔ مگر زمانہ ان کی ہمت جیسا نہ تھا۔ البتہ انہوں نے اتنا ضرور کیا کہ صاف اور نمایاں فلمیں بنائے۔

آج سے چالیس سال پہلے یاد کریں۔ ان دنوں آج کل کی طرح پروڈیوسر۔ ڈسٹری بیوٹرز اور ایگزیبٹرز (فلمساز۔ تقسیم کنندگان و نمائش کنندگان) الگ الگ نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ یہ سارے کام فلمسازوں کو خود ہی کرنے ہوتے تھے۔ اور عام تو انہیں دیکھنے کے سوا اس کے اور کسی کام میں دلچسپی نہ لیتے تھے۔ کرنل بروبیکر نے فلمساز اور نمائش کنندگان کے کام میں تفریق پیدا کر کے فلمسازوں کو نمائش کی تکلیف سے بچا دیا۔ پھر حالات نے پلٹا کھایا۔ فلمساز فلمیں بنا کر نمائش کنندگان کے ہاتھوں بیچ دیا کرتے تھے قیمت ۹ پنس فی فٹ کے حساب سے لگتی تھی۔

نمائش کی مشکلات

سینما کے موجدوں کی داستان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ مشہور سائنسدان رابرٹ ڈبلیو پال کا ذکر خاص طور پر نہ کیا جائے۔ اس نوجوان نے اپنی ساری عمر فلمسازی اور فلموں کی نمائش کے متعلق مشینیں بنانے پر صرف کر دی۔ نیز آپ نے کیمرہ میں ایسی تبدیلی کی جس سے چھوٹی چیز کی بڑی تصویر لی جا سکے۔ آپ نے کیمرہ میں بہت سی تبدیلیاں کیں اور منظر کشی کو آسان بنایا۔ مگر لطف کی بات تو یہ ہے کہ انہیں بھی اپنی عمر میں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ ہر وقت کی اور زیادہ محنت کی وجہ سے لوگوں نے ان کو پاگل قرار دے دیا تھا۔ اور کوئی ان کی بات دھیان دے کر سنتا بھی نہ تھا۔ مگر جب انہوں نے دوسروں کو ان کی باتیں سننے پر مجبور کر دیا اور اس کام میں دلچسپی رکھنے والوں کو بتا دیا کہ وہ کیا چیز تیار کر رہے ہیں تو اس کے دو سال بعد ان کی موت



مسٹر نظام — انسویا — مسٹر ہیمت لال

رنجیت سنیٹون کی بہترین فلم "بغراج کماری" میں جو که جوبلی ٹاکیز میں چل رہا ہے E.I.D.



[illegible]



" شیلا " کا ایک سین
جلد آنیوالا ہے

Regd. L. No. 1317

طاقت قایم رکھنے والی مُفرّح

ہندوستانی چائے



محنت کرنے والوں کے لئے چائے واقعی ایک لاجواب مُفرّح ہے۔ محنت کی زیادتی اور جدید طرز زندگی کی پریشانیوں کا اثر اس شخص کی تندرستی پر نہیں پڑ سکتا ہے جو روزمرہ چائے پیتا ہو۔ تھکے ہوئے جسم اور اعصاب کو اس سے جو آرام پہونچتا ہے وہ ہر محنت کرنے والے کے لئے ضروری ہے۔ چائے بذات خود ایک مفرح ہے۔ اور اگر غذا کیساتھ استعمال ہو تو کھانے کا لطف بڑھ جاتا ہے اور پوری آسودگی حاصل ہوتی ہے ؏

چائے بنانے کا طریقہ

پہلے تازہ پانی کو اُبال لیجئے۔ اور ایک صاف برتن کو ذرا گرم کر لیجئے۔ پھر چائے کے چمچے سے ناپ کر ہر شخص کے لئے ایک چمچہ عمدہ ہندوستانی چائے اور ایک چمچہ زائد اس میں ڈال دیجئے۔ پانی اُبلتے ہی فوراً چائے کی پتیوں پر ڈالئے۔ پانچ منٹ تک اُسے ڈھانک کر رکھیے۔ پھر پیالیوں میں ڈال کر دودھ اور شکر ملا لیجئے ؏

ہندوستان کی پیداوار ——— ہندوستانی چائے

Printed and published by Dharampal Gupta at the TEJ Press, Burn Bastion Road, Delhi. IK 20 N

TEJ ILLUSTRATED

تیج ویکلی

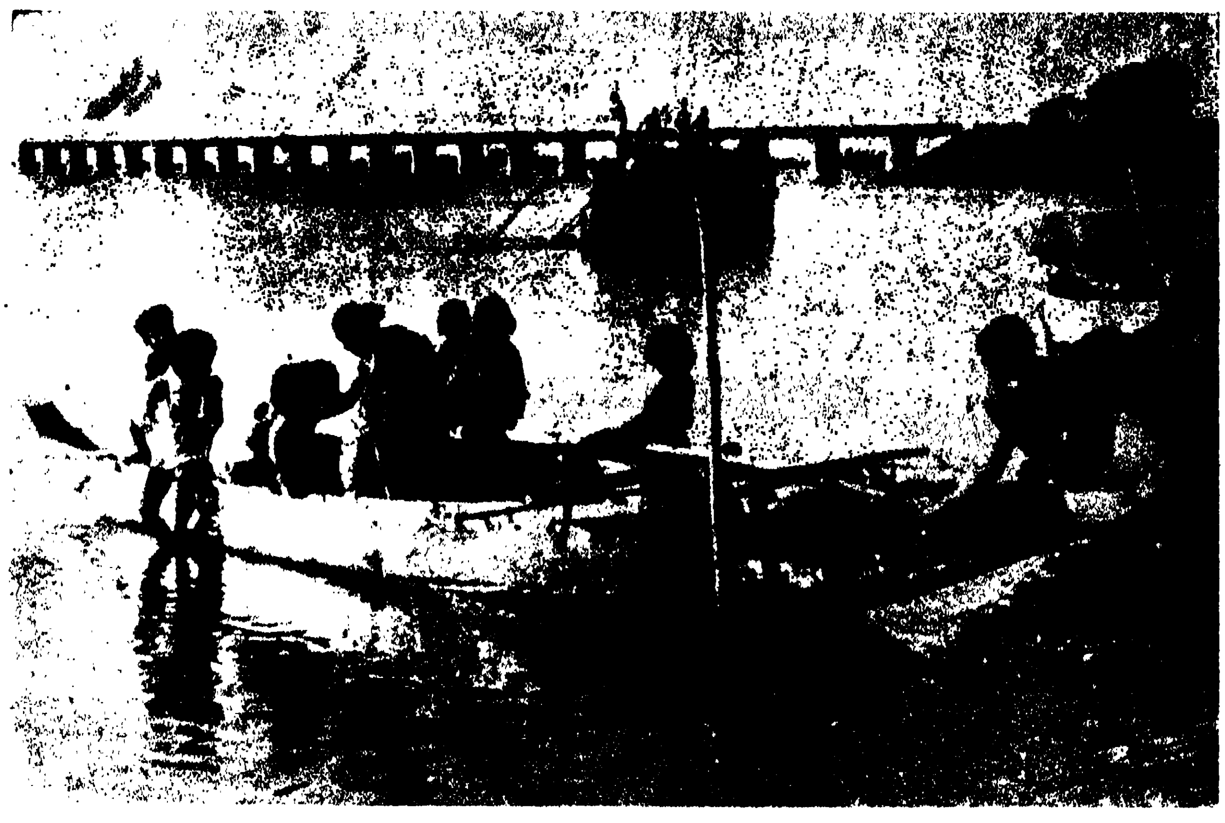
ہندوستان کا بہترین باتصویر ہفتہ وار اخبار

ایڈیٹر: دھرم پال گپتا

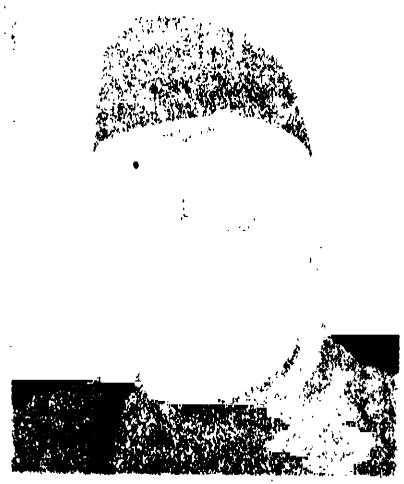
NO. 164 DELHI 22TH JUNE 1937. V.NO. 15.

ڈائرکٹر: لالہ دیش بندھو

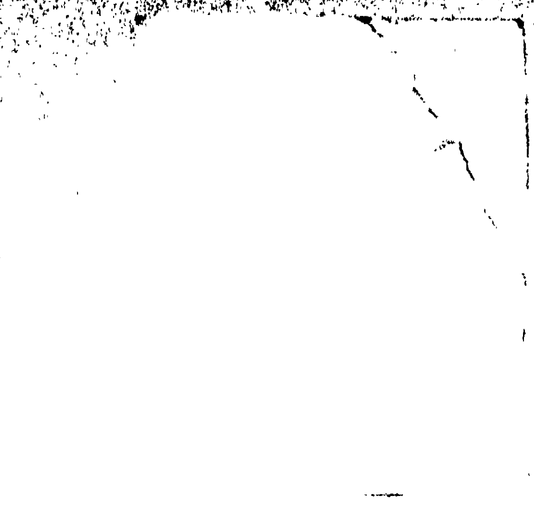
TEJ WEEKLY



بارش میں مشرقی بنگال کے دریاؤں کی سیر



ڈاکٹر خاں صاحب
بنوں میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہندوؤں کو لوٹنے اور اغوا کرنے والے سرحدی قبائل ڈاکو ہیں اور ہمیں انکے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے



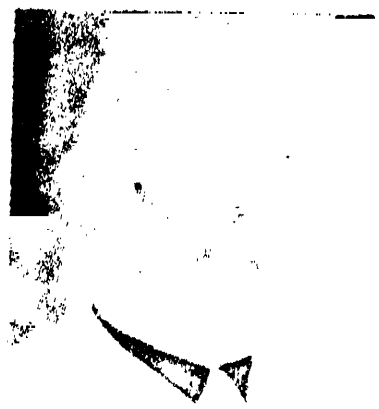
سورگیہ دیش بندھو
اپ کی بارھویں برسی کلکتہ میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ منائی گئی



سردار پٹیل
آپنے صدر کانگریس کو تار دیا ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کیلئے ۵ جولائی مقرر فرماویں



آنریبل سر شہاب الدین
صدر پنجاب اسمبلی
آپ نے پنجاب اسمبلی کے ملتوی اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے التوائے اجلاس کی تحریکیں بے ضابطہ قرار دیدیں



مسٹر منوہر لال
فائننس منسٹر پنجاب گورنمنٹ
پنجاب اسمبلی کے گرمائی اجلاس میں آپنے سالانہ بجٹ پیش کیا



مسٹر رابن چٹرجی — آپنے ہاتھ پاؤں باندھکر تیرنے میں دنیا کا ریکارڈ مات کردیا۔ آپ سورج کنڈ میں تیر رہے ہیں



مسٹر ڈی ۔ ولیرا
صدر جمہور آئرلینڈ
آپکا نیا آئین آئرش ڈیل میں پاس ہوگیا ہے



سر مرزا اسمٰعیل
دیوان ریاست میسور
میسور اسمبلی میں آپنے منافع کا بجٹ پیش کیا



آنریبل مسٹر سرینواس شاستری
حکومت ہند اور حکومت ملایا کے درمیان مزدوری کے سلسلہ میں آپ کی سفارشات پر گفتگو شنید ہو رہی ہے



نوٹ: شملہ سے خبر آئی ہے کہ ۲۲، جون ۱۹۳۷ء کو ہندوستان کے موجودہ سیاسی جمود کے متعلق لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند ایک اہم بیان شائع کریں گے۔

امرتسر میں حالات کی رفتار
کاروباری علاقہ میں ہڑتال

امرتسر ۱۹ر جون۔ آج شام کے چار بجے تک حالات پرسکون ہیں۔ آج صبح اور کل تمام شب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس، ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس نے تمام شہر کا گشت کیا۔ دو مزید سکھ پلٹنیں طلب کر لی گئی ہیں۔ فساد زدہ علاقوں میں برطانوی فوجیں اور گھوڑ سوار پولیس ابھی تک متعین ہیں۔ کاروباری علاقوں میں ابھی تک کام شروع نہیں ہوا ہے۔ کل کے فساد میں جو ایک مسلمان ہلاک ہو گیا تھا اس کی یاد میں مسلمانوں نے ہڑتال کر رکھی ہے۔ کانگریسی کارکنان کے دستے بھی شہر میں گھوم رہے ہیں۔ ماسٹر ... جنرل سیکرٹری پنجاب پراونشل کانگرس کمیٹی اور کئی دیگر سرکردہ کانگریسی کارکنان کل کے فساد کی تحقیقات کر رہے ہیں

کانگرس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس
۵ر جولائی کو ہو گا

بمبئی ۱۹ر جون۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے کانگرس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے انعقاد کے لیے جولائی کے پہلے ہفتہ میں کسی موزوں تاریخ کے لیے دریافت کیا تھا سردار پٹیل نے جواب میں انہیں لکھا ہے کہ اجلاس ۵ر جولائی کو کیا جائے۔ چنانچہ خیال کیا جاتا ہے کہ کانگرس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۵ر جولائی کو ہو گا۔ اس سلسلہ میں جلد ہی [illegible]

آج سب کی خبریں

ایشیائی معاہدہ
ٹرکی کی طرف سے عملدرآمد

انقرہ ۱۹ر جون۔ ٹرکی کے وزیر کی بغداد کے لیے روانگی کو بڑی سیاسی اہمیت دی جا رہی ہے جس کا مقصد ایشیائی معاہدہ پر عملدرآمد کرانا بتایا جاتا ہے۔ معاہدہ کا مطلب ایران۔ عراق، افغانستان اور ٹرکی کے درمیان اشتراک عمل اور رابطہ اتحاد پیدا کرنا ہے۔ (رائٹر)

دریائے برہم پتر میں طغیانی
کھڑی ہوئی فصلوں کو نقصان

ڈبرو گڑھ ۱۹ر جون۔ یہاں پر سات روز سے موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ جس کی وجہ سے اس علاقہ میں سیلاب کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ گذشتہ چوبیس گھنٹوں میں دریائے برہم پتر میں چار فٹ پانی چڑھ گیا ہے۔ جو نالیوں کے ذریعہ قصبہ میں داخل ہو سکتا ہے نشیبی علاقہ میں پانی ہی پانی بھر گیا ہے۔ لوگوں پر خوف و ہراس کا عالم طاری ہے۔ ضلع کے مواضعات کی اطلاعات ہیں کہ دریائے برہم پتر میں پانی چڑھنے سے کھڑی ہوئی فصلوں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ (ی۔ پ)

موضع مالک پور میں آتشزدگی
بارہ ہزار کا نقصان

دہلی ۱۹ر جون۔ دہلی سے سات میل کے فاصلہ پر موضع مالک پور میں آج دوپہر کو آگ لگ گئی۔ ڈیڑھ بجے یہاں خبر آتے ہی میونسپل کمیٹی فائر بریگیڈ کے چھ انجن فوراً ہی موضع مذکور کے لیے روانہ ہوئے۔ پچاس سے زائد جھونپڑیاں جل گئیں۔ فائر بریگیڈ کے کام شروع کر دینے پر آگ قابو میں آ گئی۔ اور بیس مکان۔ جانور اور دیگر قیمتی اشیاء جلنے سے بچا لی گئیں۔ فائر بریگیڈ کو آگ کے ساتھ متواتر پانچ گھنٹے جدوجہد کرنی پڑی۔ آگ لگنے کا سبب معلوم نہیں ہوا۔ نقصان کا اندازہ بارہ ہزار روپیہ کا کیا جاتا ہے۔ (ا۔ پ)

سونا چلا ہی جا رہا ہے

بمبئی ۱۹ر جون۔ آج ختم ہونے والے ہفتہ میں بھی بمبئی سے یورپ اور امریکہ کو ۸۳۲۹۹۰۴ روپیہ کا سونا گیا۔ طلائی معیار کے ترک ہونے کے وقت سے اب تک ہندوستان سے ۲۰۷۳۴۸۷۵۸۹۲۳ روپیہ کا سونا غیر ممالک کو جا چکا ہے۔ (ا۔ پ)

(باقی اگلے صفحہ پر)

لاہور میں حفاظتی تدابیر
کوتوالی میں فوج کی تعیناتی

لاہور ۱۹ر جون۔ حالانکہ صورت حالات بالکل پُر امن ہے مگر حفاظتی تدابیر پوری طرح اختیار کی گئی ہیں کوتوالی میں برطانوی اور ہندوستانی فوجی دستے موجود ہیں اس کے علاوہ دو ہزار سے زائد پولیس کے جوان گورکھا نوٹ رجمنٹ۔ حصار اور پھلور سے طلب کیے گئے ہیں۔ ان سب کو قلعہ اور دوسرے مقامات پر رکھا گیا ہے۔ مخدوش علاقوں میں مسلح پکٹ پڑے ہوئے ہیں۔ نرجلا اکادشی کا تیوہار امن و امان کے ساتھ گذر گیا۔

اخبار سیاست کی ضمانت اور پریس ضبط
حکومت پنجاب پر نکتہ چینی کا شاخسانہ

لاہور ۱۹ر جون۔ اخبار سیاست میں حکومت پنجاب پر نکتہ چینی کرنے اور وزیر اعظم کی ذات پر ہتک آمیز حملے کرنے کی بنا پر پنجاب گورنمنٹ نے ہمعصر سیاست کی چار ہزار روپیہ کی ضمانت جو اس نے حال ہی میں داخل کی تھی اور اس کا پریس ضبط کر لیا ہے۔ اخبار مذکور کو دس روز کے اندر اندر نیا ڈکلریشن داخل کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ آج شام کو پنجاب جرنلسٹ ایسوسی ایشن کی میٹنگ میں ایک ریزولیوشن کے ذریعہ ضمانت کی ضبطی کی مذمت کی گئی اور حکومت کے فعل کو پریس کی آزادی ختم کرنے کی کوشش تصور کیا گیا۔ (ی) پ

وائسرائے کا اعلان

شملہ ۱۹ر جون۔ وائسرائے ہند کا جو اعلان ۲۲ر جون کی صبح شائع ہوگا وہ مقامی حکومتیں اپنے اپنے مقامات پر تقسیم کریں گی۔ اس قسم کا انتظام حکومت ہند کی طرف سے کیا گیا ہے۔ اخبارات کو بھی براہ راست اعلان کی کاپیاں مل جائیں گی۔ (اے۔ پی)

دو مغویہ ہندوؤں کی واپسی

سرحد کی صورت حالات

شملہ ۱۹ر جون۔ ایک سرکاری اعلان مظہر ہے کہ ۱۷ر اور ۱۸ر جون کی شب کو تمام کیمپوں میں امن اور سکون تھا۔ صرف چند قبائلیوں نے ایک پل کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ مگر ٹوچی سکاؤٹوں کی گولیوں کی تاب نہ لا کر بھاگ گئے۔ اسی شب کو قبائلیوں کی ایک پارٹی مسعود خاصہ دار سوراستہ میں ملی جنہوں نے ان کو بھگا دیا۔ کل برٹش بریگیڈ شمال مشرقی حصہ میں گئی اور دوپہر کو واپس آگئی۔ دن بھر میں کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ دو ہندو گنیش داس اور سورن چند جنہیں ۲۶ر اپریل کو بنوں سے اغوا کیا گیا تھا ان کے گھر پہنچا دیئے گئے۔

ممبر یو۔ پی اسمبلی کو نوٹس

تقریر کرنے پر طلبی ضمانت

آگرہ ۱۹ر جون۔ مسٹر مکن پرشاد و راوت ممبر یو۔ پی اسمبلی کے خلاف زیر دفعہ ۱۰۹ ضابطہ فوجداری ایک نوٹس تعمیل کرایا گیا ہے جس میں ان سے وجہ دریافت کی گئی ہے کہ کیوں نہ ان سے نفاذ فتح پور سیکری کے سامنے پولیٹیکل کانفرنس کے صدر کے جلوس کے سلسلہ میں تقریر کرنے کے الزام میں ایک ہزار روپیہ کی ضمانت اور پانچ پانچ سو کے مچلکے طلب کئے جائیں۔ مسٹر جنیدرا اور مسٹر راوت دونوں کو ۲۴ر جون کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں حاضر ہونے کے لئے کہا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ دونوں اصحاب نے پنڈت جواہر لال نہرو اور پنڈت گووند ولبھ پنت کو مطلع کیا ہے۔ اور صفائی پیش کرنے کے متعلق ہدایات مانگی ہیں۔

انڈین ایجوکیشن سوسائٹی کی امداد

فن موسیقی اور رقص کا مظاہرہ

نئی دہلی ۱۹ر جون۔ انڈین ایجوکیشن سوسائٹی کی امداد کے لئے آج کیپٹل سینما کشمیری گیٹ میں ہندوستانی فن موسیقی اور رقص کا مظاہرہ کیا گیا۔ ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اور بہت سے لوگوں کو جگہ کی کمی کی وجہ سے واپس جانا پڑا۔ سوسائٹی کی امداد کے خیال سے شہر کے بہت سے سرکردہ ماہروں نے اپنا کمال بغیر کسی فیس کے دکھایا۔ جن میں مسٹر جوشی گوالیار۔ مس ... مسٹر جے۔ سی۔ رائے۔ اور مس مایا بینرجی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (اے۔ پی)

تازہ تجارتی سماچار

لندن صرافہ

لندن ۱۹ر جون

چاندی حاضر فی اونس ۱۹ ۱۵/۱۶ پنس

پنس ۔ شلنگ ۔ پونڈ

سونا ۶½ ۔ ۰ ۔ ۷

لیورپول روئی

لیورپول ۱۹ر جون

اکتوبر وعدہ ہندوستانی ۶٫۸۰

برابر ۶ پوائنٹ تیز

نیویارک روئی

نیویارک ۱۹ر جون

اکتوبر وعدہ کھلی ۱۲٫۱۴

دیوا کیرشے سے فصل کو نقصان کے سماچار شارٹ پیشن اور مقامی تجارتوں کی بیوپاری سے بھاؤ چڑھ گئے اور چڑھے بھاؤ پر نفع والوں کی کاٹ تھی۔

اکتوبر وعدہ کل کے مندے بھاؤ سے ۴ پوائنٹ اونچا کھلا لیورپول اونچا آنے مقامی اور پیش والوں کی بیوپاری سے بھاؤ بعد میں کاٹ سے گرے۔ اور ۱۲٫۱۰ پر مندے بھاؤ ہوگئے

لیورپول گیہوں

لیورپول ۱۹ر جون

جولائی وعدہ ۱۰۳ اور اکتوبر ۱۱۰ شلنگ پر کھلا۔ امریکہ سے اچھے سماچار آنے پر بھاؤ مضبوط رہے کام اچھا ہوا۔

شکاگو گیہوں

شکاگو ۱۹ر جون

فصل کے لئے موسم موافق ہونے اور بدیش کی فصل کی حالت بہتر ہونے سے بھاؤ گرے

بمبئی منڈی بازار

بمبئی ۱۹ر جون

بازار اجناس بند تھا۔

روئی

بازار مضبوط کھلا۔ بھاؤ میں ۲ تا ۳ روپیہ چڑھے۔ بھاؤ کم تھا اچھی بارش ہونے سے کاٹ رہی۔ پرنتو بازار حصص بہتر ہونے سے کاٹ کھپ گئی۔ بازار مضبوط بند ہوا۔

بھروچ جولائی اگست	۲۲۷-۸-۰	فی کھنڈی
" اپریل مئی	۲۲۲-۴-۰	"
بنگال جولائی	۱۹۱-۰-۰	"
" دسمبر جنوری	۱۷۸-۱۲-۰	

صرافہ

چاندی حاضر	۵۱-۱۰-۰ پہلا وعدہ ۵۱-۱۱-۰	سو تولہ
" دوسرا وعدہ	۵۱-۱۳-۰	سو تولہ
سونا حاضر	۳۴-۱۰-۸	فی تولہ
سونا پہلا وعدہ	۳۴-۱۰-۹	"
" دوسرا وعدہ	۳۴-۸-۰	"

افکارِ عالیہ

(از جناب پروفیسر ظفر تاباں صاحب دہلوی)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

وسعتِ کون و مکاں منزل گہِ جانانہ ہے ۔ ہوش کا دعویٰ یہاں جس کو ہے وہ دیوانہ ہے
اہلِ بینش کے لئے صحنِ چمن بتخانہ ہے ۔ غنچہ غنچہ پردہ دارِ جلوۂ جانانہ ہے
مستیٔ جاوید کا بخشا تری آنکھوں نے ذوق ۔ میری مے نوشی بقدرِ وسعتِ پیمانہ ہے
ہو کہیں آشفتگی بھی حسنِ فطرت کی ادا ۔ ہائے وہ گیسو جو اب تک بے نیازِ شانہ ہے
بے نیازِ منتِ نظارہ ہے میری بہار ۔ مجھ میں خوئے لالہ زارِ گوشۂ ویرانہ ہے
تیری تنویرِ دل سے مالامال ہے صحرا کا دل ۔ ذرہ ذرہ آشنائے مستیٔ میخانہ ہے
ایک ہی شعلہ ہے وجہِ سوز و سازِ انجمن ۔ شمع کب ناآشنائے سوزشِ پروانہ ہے
لطف سے خالی نہیں فطرت کی گلشن بندیاں ۔ برگِ گل کیا خار میں بھی رنگِ معشوقانہ ہے
کھل رہے ہیں پھر بتانِ کعبہ کے بندِ نقاب ۔ آج پھر صحنِ حرم میں رونقِ بتخانہ ہے
مست ہوں لیکن نہیں معلوم مستی کا سبب ۔ جامِ مے ہے یا نگاہِ ساقیِ میخانہ ہے

مر رہا ہوں دوسروں کی زندگی کے واسطے
اک کتابِ زیست میری موت کا افسانہ ہے

بیگانگی

(خاص تیج دہلی کے لئے)

(از حشمت حشم دہلوی)

رہے کس طرح مقصودِ سفر حاصل سے بیگانہ ۔ نہ منزل ہم سے بیگانہ نہ ہم منزل سے بیگانہ
ہماری سعیٔ پیہم ہو گئی حاصل سے بیگانہ ۔ رہے گی کشتیٔ مقصود اب ساحل سے بیگانہ
یہ کیونکر مان لوں او دینے والے ہو نہیں سکتا ۔ ترا فیضِ کرم ہو دامنِ سائل سے بیگانہ
دمِ آخر سرِ بالیں کھڑا ہے دم بخود کوئی ۔ مری آسانیاں ہیں آج ہر مشکل سے بیگانہ
فریبِ جستجو نے خاک دیوانے سے چھنوائی ۔ نہ تھا دراصل مجنوں صاحبِ محمل سے بیگانہ
درِ میخانہ ہی پر روک رکھا نامرادی نے ۔ سرِ منزل پہنچ کر بھی رہا منزل سے بیگانہ
رہا میں آہ ناکامِ شہادت سخت جانی سے ۔ رگِ جاں ہو گئی خود خنجرِ قاتل سے بیگانہ
سفر اس کا سفر ہے اور منزل اس کی منزل ہے ۔ رہے جو فکرِ قرب و دوریٔ منزل سے بیگانہ
رہے ناآشنائے کامیابی زندگی میری ۔ رہا جس وقت تک درد انکا تیرِ دل سے بیگانہ
دیا موقع نہ عرضِ حال کا پاسِ محبت نے ۔ لبِ گویا میں اب تک مدعائے دل سے بیگانہ

مرے قابو میں اس دم تک ہیں جذباتِ شہادت بھی
حشم ہے تیغ جب تک قبضۂ قاتل سے بیگانہ

جلوہ گاہ

(از جناب ظہیر الہ آبادی)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

یہ ہے مستیٔ خرام یہ ہے عالم نگاہ کا
ہر ذرہ جھومتا ہے تری جلوہ گاہ کا
جلوے کا ہوش تھا نہ مجھے جلوہ گاہ کا
گرنا وہ یاد ہے تری برقِ نگاہ کا
اب تو یہ سر ہے اور ترا سنگِ آستاں
جی بھر کے رنگ دیکھ چکا مہر و ماہ کا
دل اپنی شورشوں کے مزے لے رہا ہے اب
مجھ کو تو ہوش بھی نہیں تیری نگاہ کا
اندازِ بے قراریٔ دل دیکھتا ہوں میں
بس اک بہانہ ہے تری برقِ نگاہ کا
آنکھیں ہیں بند اور رواں ہوں کسی طرف
منزل کہاں کہ ہوش نہیں مجھ کو راہ کا
کیا کیفِ آرزو ہے کہ ان مستیوں پہ بھی
باقی ہے ان کو ہوش ہماری نگاہ کا

لذتِ اضطراب

(خاص تیج دہلی کے لئے) (خاص تیج دہلی کے لئے)

(از جناب احسن عثمانی)

خلش دل کی پھر سازگار آ رہی ہے ۔ غمِ زندگی میں بہار آ رہی ہے
یہ اشکوں کی لہریں یہ غم کی گھٹائیں ۔ بہارِ لبِ جوئبار آ رہی ہے
ہر اک داغِ دل جگمگانے لگا ہے ۔ غمِ آسودگی رو بہ کار آ رہی ہے
تمنائے دل حسرتِ دید بن کر ۔ تری سمت پروانہ وار آ رہی ہے
مری آرزو بن کے موجِ تبسم ۔ لبوں پر ترے بار بار آ رہی ہے
ٹھہر تیرے دامن کو رنگیں بنا لے ۔ مری چشمِ خونابہ بار آ رہی ہے
حریمِ تصور سے موجِ تمنا ۔ پلٹ کر سراسیمہ وار آ رہی ہے

وہ بھولی ہوئی داستاں آج احسن
یہ کیوں یاد بے اختیار آ رہی ہے

صفحہ معلومات

جنس کی تبدیلی کا راز!

لڑکا یا لڑکی حسب مرضی پیدا کرنا

(پروفیسر ایم۔ توگے سے ایک انٹرویو)

بارلے اسٹریٹ کے مشہور ڈاکٹر سائنس دانوں نے آخر کار ایک ایسا محلول بنا لیا ہے جس کے استعمال سے آپ لڑکے یا لڑکی کی جنس پیدائش سے قبل لازمی طور پر متعین کر سکیں گے اس وقت تک ان کے تجربات ۹۰ فی صدی کامیاب ہوئے بتلائے جاتے ہیں۔

اگر ان دعووں کو درست مان لیا جائے تو انسانیت کے بہت سے اہم مباحث اور مسئلہ آبادی کی پیچیدگیاں جن پر صدیوں سے لوگ سر مار رہے تھے خود بخود حل ہو جائیں گی۔

اس کا تذکرہ مسٹر ونٹے کرانیکل سے پروفیسر اے۔ ایم۔ توگے نے کیا تھا پروفیسر موصوف ایک شہرۂ آفاق محقق موجد اور سائنس دان ہیں؟

آپ نے فرمایا "بارلے سٹریٹ میں دو ڈاکٹر ہیں جنہوں نے یہ دریافت کی ہے اور جنس انسانی کی قبل از پیدائش تعین کے مسئلہ پر عرصہ دراز سے تجربے کر رہے تھے!

اگرچہ میں خود علم طب میں کوئی دخل نہیں رکھتا لیکن جہاں تک سائنس کی پرکھ کا تعلق ہے اس کی بنا پر یہ فرور کہہ سکتا ہوں کہ ان ڈاکٹروں کا دعویٰ بے بنیاد نہیں ہے"

پروفیسر توگے نے فرمایا کہ ان دونوں محققین نے اپنے تجربات کی بنیاد اس ابتدائی اصول پر رکھی ہے کہ ہر ماں باپ میں لڑکے لڑکی کی پیدائش کے عناصر موجود ہوتے ہیں۔

ان ڈاکٹروں نے جو محلول دریافت کیا ہے وہ سالہا سال کی محنت، تحقیقات اور دریافتوں کے بعد نکالا ہے اس کے استعمال سے لڑکے یا لڑکی کے پیدا کرنے والے خاص عناصر کی قوت بڑھ جاتی ہے اور آپ جیسی اولاد چاہیں پیدا کر سکتے ہیں۔

اس حل کا... کیسوں پر تجربہ کیا گیا ہے اور ان میں سے ۹۰ کیس بالکل درست نکلے ہیں۔ اور یہ ایک غیر معمولی تناسب ہے کامیابی کا جو کسی علمی تجربہ کو حاصل ہوا ہو"

پروفیسر توگے نے اس سلسلہ میں مزید گفتگو کرتے ہوئے فرمایا۔ "امید ہے کہ آئندہ چلکر اس محلول کی قوت اور بڑھ جائے گی اور اس سلسلہ میں مزید کامیابی حاصل ہوگی"

"ان ڈاکٹروں کے کام کا ایک جو اس سلسلہ میں آئے ہیں بڑے بڑے دولتمند ہیں مشغلہ ہے کہ اس دوا کے ایک ایک اونس کے سو سو گنی تک دے چکے ہیں۔

"ان ڈاکٹروں کے پاس نئے کیسوں پر اپنے تجربات کرنے کی درخواستیں ایک سیلاب کی طرح امنڈی چلی آ رہی ہیں"

پروفیسر توگے اس علمی دریافت کے سلسلہ میں صرف سائنٹفک قسم کی دلچسپی ہے اور وہ اس دریافت کے آئندہ نتائج کے بارے میں محض اندازہ سے جو تصویر کھینچتے ہیں حسب ذیل ہے:-

"بعض حلقوں میں اس طرح جنس کی تخصیص و تعین کرنا خدا اور قدرت کے کاموں میں دخل دینے کے مترادف سمجھا جائے گا اور اس پر بڑی لے دے ہوگی۔"

"مگر اصل بات یہ ہے کہ اگر ذرا بھی غور سے دیکھا جائے تو قدرت نے خود جنس کی تخصیص و تعین کے عناصر ایک دوسرے پر عمل اور ردعمل کرنے کے لئے خود ہم میں پیدا کئے ہیں۔ پھر ہم اس حقیقت سے کیوں کام نہ لیں؟"

صدیوں سے جنسی تخصیص و تعین کا خواب ڈاکٹروں اور سائنس دانوں کے دماغوں میں رہا ہے اور تجربے بھی ہوتے رہے ہیں اگر اس تجربہ کو عملی طور پر کامیاب حالت میں ہم دیکھ پائیں تو ایک بڑا خطرہ یہ ہے کہ کہیں ایک جنس کی تعداد دوسری جنس کی تعداد سے گھٹ بڑھ نہ جائے، لڑکے لڑکیوں کے غیر متوازن ہو جانے سے کیا خطرات پیدا ہو سکتے ہیں انہیں سوچا جا سکتا ہے۔

زیادہ تر لوگ اپنے ہاں لڑکے زیادہ چاہتے ہیں اور لڑکیاں کم۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو تین لڑکوں پر ایک لڑکی کا دور قائم ہونا پڑے گا۔

اگر سخت قانون مملکت و سلطنت ملک کی جانب سے عائد نہ کئے گئے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مردوں کی تعداد بڑھ جائے گی۔ کسی ایک جنس کے زیادہ ہو جانے سے نہ صرف قومی مباحث و تنازعات پیدا ہوں گے بلکہ گھریلو پیچیدگیاں بھی بڑھ جائیں گی۔ پروفیسر توگے نے فرمایا۔

"ڈکٹیٹر لوگ جو اپنی لشکری قوت اور سپاہیوں کی تعداد بڑھانے میں سرگرداں ہیں فوراً اس سے کام لیں گے اور مردوں کی تعداد اپنی قوم میں نہایت تیزی کے ساتھ بڑھا سکیں گے اور یہ ان کے ہاتھ میں ایک بڑا ہتھیار آ جائے گا۔

"اور آخرکار ایک وقت ایسا ضرور آ جائے گا جب لڑکیوں کی سخت ضرورت ہوگی۔ اور لڑکیوں کا خدا حال ہو جائے گا اور نزاع کی ایک جدید صورت پیدا ہو جائے گی"

"پہلے لڑائیاں عورتوں کے لئے لڑی جاتی تھیں ممکن ہے آئندہ بھی عورت وہ قیمتی شے ہو جائے جس کے لئے اقوام عالم دست و گریباں ہوا کریں گی"

حامد کا باپ جلتا ہوا سگرٹ ہاتھ میں لیکر سو گیا اور حامد پاس ہی خاموش بیٹھا رہا۔ حامد کی ماں نے کہا بیٹا تم بہت چھوٹے سے ہو سوتے میں باپ کا اس قدر خیال رکھتے ہو حامد نے ماں سے کہا چپ رہو جب ابا کی انگلی جلے گی تو بڑا مزہ آئے گا۔

کل کی دنیا کیسی ہوگی؟

۱۹۸۷ء کے حالات کا ایک دلچسپ نقشہ

مسٹر ڈینس سلیون کے قلم سے

(اس مضمون کے متعلق تصویریں میگزین سپلیمنٹ میں ملاحظہ فرمائیے)

سائنس

دنیا کے سامنے آج یہ سوال پیش ہے کہ اب سے پچاس سال بعد یعنی ۱۹۸۷ء میں سائنس کے کون کون سے معجزے ظہور میں آئیں گے۔ ریڈیو، فلم، ہوائی جہاز، موٹر کار، گراموفون اور اس طرح کی تمام چیزیں ہم پچھلے پچاس برس ہی کی پیداوار ہیں۔ کیا اب سے پچاس سال پہلے کے لوگوں کے سامنے اگر ان چیزوں کا تذکرہ کیا جاتا تو ان کو ایسے حیرت انگیز انقلاب کا یقین ہوتا؟ ہرگز نہیں!

لیکن اب دیکھئے کہ یہی تمام چیزیں روزمرہ کی معمولی حقیقتیں بن کر ہمارے سامنے موجود ہیں اور ہم ان سے بے تکلف آرام اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح غور کیجئے کہ پچاس سال بعد ہماری اولاد اور ہمارے پوتوں پڑپوتوں کے سامنے سائنس کی جو بدیع ترقیاں اور دریافتیں حیرت انگیز منزل پر ہوں گی وہ اگرچہ ہمارے خیال و قیاس میں مشکل سے آتی ہیں لیکن ان کے لئے معمولی حقیقتوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھیں گی۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کل کی دنیا کیسی ہوگی؟ اس کا جواب صرف سائنس دانوں کی تجربہ گاہوں کے اندر جھانکنے سے مل سکتا ہے۔ ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ آج کا تجربہ کل کی حقیقت بن جاتی ہے۔ ہم اس وقت مندرجہ ذیل سطور میں جو سائنٹفک پیشین گوئیاں کر رہے ہیں وہ سب کی سب ان عملی تجربات پر مبنی ہیں جو ہماری "نیشنل فزیکل لیبوریٹری" اور نیویارک کے "راک فیلر انسٹی ٹیوٹ" میں کئے جا رہے ہیں۔

آئیے، سب سے پہلے پچاس سال بعد کے مکان اور گرد و پیش دیکھیں۔ ۱۹۸۵ء کے بعد چھوٹے چھوٹے مکانات کی تعمیر رک گئی ہوگی اور نئے تعمیر شدہ خالی مکانات کے اشتہارات بالعموم یوں ہوں گے: "بیس ہزار مکانات کے بلاک میں چار چار اور چھ چھ کمروں والے مکان خالی ہیں جنہیں جدید آسائش کے تمام سامان موجود ہیں۔"

اس سلسلہ میں "جدید آسائش کے سامان" کا فقرہ قابل غور ہے۔ ۱۹۳۷ء میں تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مکان میں بجلی کی روشنی، پانی کا نل، اور سینیٹری غسل خانہ وغیرہ موجود ہیں لیکن ۱۹۸۷ء میں اس کے معنی کچھ اور ہوں گے۔ ہر بلاک تقریباً ایک سو ایکڑ میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہوگا۔ جدید آسائشوں کی فہرست میں دکانیں، سینما، ہوٹل، ہسپتال، اسکول، کپڑے دھونے کی فیکٹریاں بھی ہوں گی۔ بلاک کی تمام عمارتیں ایک دائرہ میں ہوں گی۔ اور اس کے وسط میں نہایت خوبصورت سیرگاہیں اور تفریحی مقامات ہوں گے۔ مکانات کی چھتیں ڈھلوان نہیں بلکہ مسطح ہوں گی اور ان پر ہوائی جہاز رکھنے کے لئے "گراج" ہوں گے۔ زمین کے نیچے ہوائی حملوں سے بچنے کے لئے تہ خانے بنے ہوں گے جنہیں کھانے کی چیزیں، کھیلنے کا سامان اور ٹیلی وژن کا آلہ موجود ہوگا۔ بم یا گیس حملے کی رسائی یہاں تک نہیں ہوگی لیکن دھوپ کی شعاعیں آئینوں کے مخصوص انتظام کے ذریعہ لائی جائیں گی۔

مکانات کے بلاکوں کے درمیان بے آواز کی زمین دوز ریلوے ہوگی جو مکان سے فیکٹریوں یا دفتروں تک جانے کے لئے استعمال کی جائے گی۔ خاص خاص ریلوے

لائینیں لوگوں کو چھٹیوں کے ایام میں سیر و تفریح کے لئے سمندر کے ساحل یا دیگر پر فضا مقامات تک لے جائیں گی اور بیرونی کونے کنارے سے بچا کر علاقوں میں پہونچائیں گی۔

۱۹۸۵ء کے بعد نرم سے نرم زمین پر بھی پانچ سو فٹ اونچی عمارتیں بنائی جا سکیں گی۔ اس وقت زمین کا زیادہ حصہ جو اب مکانات کے لئے استعمال ہوتا ہے بچ رہے گا۔ اور اس پر اچھے اچھے سبزہ زار، درختوں دار راستے بنائے جائیں گے۔ زیادہ تر عمارتیں شیشہ کی اینٹوں سے تعمیر کی جائیں گی۔ اور بعض میں مختلف رنگوں کی ایسی اینٹیں ہوں گی جن سے آفتاب کی الٹرا وائلٹ اور ماورائے بنفشی شعاعیں گزر کر مکینوں کو تندرست رکھ سکیں۔ شیشہ کی ان عمارتوں میں کوئی

کونا یا گوشہ نہیں ہوگا بلکہ تمام دیواریں زیادہ تر گول یا بیضاوی ہوں گی۔

صنعتی کارخانوں کی تعمیر میں زیادہ تر اصلی لکڑی نہیں استعمال کی جائے گی بلکہ ایسی نقلی یا مصنوعی لکڑی ہوگی جو بلکی اور سستی ہو اور آگ، رطوبت اور کیڑوں مکوڑوں سے قطعاً محفوظ ہوگی اور اس کے اندر آواز کا گزر نہ ہو سکے گا۔ ان عمارتوں میں کھڑکیوں کی کوئی ضرورت نہ ہوگی چونکہ آفتاب کی شعاعیں اور ہوا کی لہریں اس وقت انسان کے قابو میں آچکی ہوں گی اور ان سے روشنی اور ہوا "خود بخود" اندر پہونچ جائے گی۔ اس زمانہ میں روشنی ایسی کافی ہوگی کہ کسی کو عینک لگانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

تیرنے والے کمرے

مکانات کے کمرے وسیع ہوں گے۔ فرنیچر دیواروں سے ملحق ہوں گے۔ ٹیلی وژن ہر کمرے میں ہوگا اور ریڈیو سٹ سے تفریح کی بجائے سینکڑوں ضروری کام لئے جائیں گے۔ ذرا غور کیجئے کہ یہ کمرے کتنے خوشنما ہوں گے۔ ایک کمرہ دوسرے کمرے پر تیرتا ہوا ہوگا۔ اور دونوں کے درمیان سیال ربڑ حائل ہوگا جو کسی طرح کی آواز کو اندر گھسنے نہ دیگا۔ یہ ربڑ زیادہ تر سویابین سے بنایا جائے گا۔ اور یہی سویابین ہماری غذا، فرنیچر اور کپڑا سب کچھ مہیا کرے گا۔ جس طرح ۱۹۳۷ء کو کرومیم کا دور کہتے ہیں اسی طرح ۱۹۸۷ء سویابین کا زمانہ ہوگا۔ اور اسی کے مختلف کرشمے ہماری زندگی پر حاوی ہوں گے۔ ہنری فورڈ کا نام اس لئے نہ لیا جائے گا کہ وہ موٹر کار بناتا تھا بلکہ اس لئے کہ اس نے سویابین کی تحقیقات کے بعض ذرائع پیدا کئے تھے۔

۱۹۸۷ء کی غذائیں

جب آپ شیشہ کے دھاگوں سے بنے ہوئے کپڑے کے گدے پر بیٹھیں گے تو سوچیں گے کہ ہمیں اس وقت کیا کھانا چاہئے۔ ٹیلیفون کے پردے پر آپ فوراً دیکھیں گے کہ چالیس منزلیں نیچے ہوٹل میں کیا کیا کھانے تیار ہیں! ان تمام کھانوں کی تصویریں پردے پر نظر آئیں گی۔ آپ کی پوری غذا یعنی شہد، سبزی، پھل، مٹھائی، چائے، قہوہ وغیرہ صرف سویابین کی مختلف کیمیاوی شکلیں ہوں گی، شکر لکڑی کے برادے کی پیداوار ہوگی، اور روٹی سمندری گھاس سے بنائی جائے گی۔ لیکن یہ تمام غذائیں ۱۹۳۷ء کی غذاؤں سے کہیں زیادہ صاف، صحت بخش اور خوش ذائقہ ہوں گی۔ غذاؤں کی فراہمی کا مسئلہ ۱۹۸۷ء میں پرانے زمانہ کا مسئلہ بن چکا ہوگا۔ گھروں کے اندر ترقی یافتہ کاشتکاری کے سائنٹفک ذرائع ہمیں موسم اور بارش سے بے نیاز کر دیں گے اور قحط ہمارے دور جاہلیت کا ایک افسانہ سمجھا جائے گا۔ غلہ کی پیداوار کا یہ حال ہوگا کہ صبح کو بیج زمین میں ڈالا جائیگا اور شام تک فصل کاٹ لی جائے گی۔

اگر آپ اپنا کھانا خود پکانا چاہیں گے تو کسی ایک روز کا پکایا ہوا کھانا آپ سال بھر بعد بھی بہ آسانی کھا سکیں گے کیونکہ یہ "ریفریجریٹر" میں رکھے ہوں گے اور اس میں دو توں تک کسی طرح کی تبدیلی نہ ہوگی۔ اگر جلدی ہو تو صرف ایک کیمیاوی گولی کھا کر یا ریڈیو سے غذا کی لہر حاصل کر کے آپ نہ صرف اپنی بھوک کا علاج کر سکیں گے بلکہ بہترین تندرستی اور توانائی حاصل کر سکیں گے۔ پھر بارہ گھنٹہ تک آپ کو کچھ کھانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

صحت اور علاج

اگر آپ کو زکام ہو جائے یا کہیں پر نقرس یا گٹھیا کا درد ہو تو صرف ٹیلی فون کر کے کسی ہسپتال سے ایک نرس بلا لیں گے۔ وہ آپ کے گھر آ کر آپ ہی کے ریڈیو سٹ سے آپ کا علاج

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحے سے

الٹرا وائلٹ شعاعوں کے ذریعہ کر دیگی۔ اس سے بہتر علاج کوئی نہ ہوگا ۱۹۸۹ء میں عمل جراحی کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اس وقت صرف یہی عمل جراحی باقی رہ جائے گا کہ جب آپ کے جسم کو کسی نئے عضو کی ضرورت ہوگی تو اس کی جگہ ایک پلاسٹر کا عضو لگا دیا جائے گا۔ باقی ضرورتوں کے لئے ہر شخص مرئی شعاعوں کے ذریعہ اپنے جسمانی نقائص کو دور کر یگا۔ اور نیشنل ہیلتھ سروس اس کا پورا انتظام کر دے گی۔

غدود کا انجکشن قومی طبی تحریک کا سب سے بڑا نصب ہوگا۔ بیسویں صدی کے ابتدائی دور میں بندروں کے غدود کے ذریعہ اعادہ شباب کے دعوے پر لوگ ہنستے تھے اب رفتہ رفتہ لوگ اس کا یقین کرنے لگے ہیں لیکن ۱۹۸۹ء میں اس کے تجربات انسانی زندگی میں سب سے بڑی اہمیت حاصل کریں گے، دنیا کے لاکھوں آدمی اپنی عمر سے کم از کم پچیس سال پیچھے معلوم ہوں گے اور نوجوانی پرمنٹ لوگوں کے قدموں میں ہوگی، اس ذریعہ سے دیوانگی و جنون کا مرض دنیا سے ناپید ہو چکا ہوگا۔ اگر عشق بھی دماغی فتور یا جنون کا نام ہے تو اس کا علاج بھی بالکل آسان ہوگا۔ ۱۹۸۹ء کے بچے پانچ ماہ کی عمر میں تندرستی اور توانائی کے لحاظ سے پانچ برس کے معلوم ہوں گے۔ اور ان میں ہر بچہ کم از کم ایک سو برس کی عمر پائے گا۔

کام کے اوقات اور سفر

پچاس سال بعد لوگوں کے کام کرنے کی رفتار بہت تیز ہو جائے گی۔ اس لئے چار گھنٹہ کا کام صرف ایک گھنٹہ میں انجام پا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ کام کے اوقات زیادہ سے زیادہ نو بجے سے بارہ بجے دن تک ہوں گے۔ برقی طاقت کے خزانوں اور نقل و حرکت کے ذرائع کے ملازموں کے علاوہ غالباً کسی کو بھی سہ پہر کو کام کرنا نہیں ہوگا۔

لنچ کھانے کے بعد آپ کی سیر و تفریح یا ملاقاتوں کا وقت شروع ہو جائے گا۔ لیکن آپ کا یہ عمل کسی ایک شہر یا ایک ملک پر محدود نہ ہوگا۔ چند منٹ میں آپ لندن سے وینس پہونچکر اپنے کسی دوست سے ملاقات کر سکیں گے وہاں سے چلکر شام کی چار ماسکو میں پئیں گے پھر ارجنٹائن یا کسی دوسرے ملک میں کسی دوست سے ملتے ہوئے آپ لندن واپس آجائیں گے۔ مکان کی چھت پر ہوائی جہاز کا گراج ہوگا جس کی قیمت ۵۰ پونڈ ہوگی۔ اس کے بازو ویسے ہی تہ کئے جا سکیں گے اور یہ طیارہ زمین، پانی اور ہوا تینوں عناصر پر یکساں سفر کر سکے گا۔ اس کے ٹوٹنے اور گرنے کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا اور اس کی رفتار کم از کم دو سو پچاس میل فی گھنٹہ ہوگی۔ اسٹراٹوسفیر تک پرواز کرنے والے طیارے بھی آپ کو ہر گھنٹے دو گھنٹے بعد سٹیشنوں پر مل جائیں گے اور آپ ان پر سوار ہو کر زمین کے اوپر بھی سیر کر سکیں گے۔ ۱۹۳۹ء کے ہوائی جہاز ہماری بھدی عقل کی پیداوار سمجھ کر نمائش گاہوں میں اور عجائب خانوں میں رکھ دئے جائیں گے۔

موجودہ ریلوے کی جگہ منفرد "موٹروے" وجود میں آجائیں گی۔ انپر برقی گاڑیاں دوڑتی پھرتی ہوں گی جن کی رفتار ۵۰ میل فی گھنٹہ ہوگی۔ ایسے ہوائی جہاز بھی ہوں گے جو پنکھوں کے ذریعہ ریلوے لائنوں پر بندوق کی گولی کی طرح تیزی سے چل رہے ہوں گے ان کی رفتار ۲۵۰ میل فی گھنٹہ سے کم نہ ہوگی۔ لندن کی سڑکوں پر صرف ایک طرح کی گاڑی چلنے کی اجازت ہوگی اور وہی ایسی ٹیکسی ہوگی جو ہوا کی طاقت سے چلائی جائے گی، اس میں پٹرول کی ضرورت نہ ہوگی۔

سینما، ٹیلی ویژن اور دوسرے کھیل

ہمارے گھروں کے نیچے کسی منزل میں سینما ہوگا۔ اس میں کوئی پردہ استعمال نہ کیا جائے گا بلکہ ایک تھیٹر کے اسٹیج پر تمام تصویریں چلتی پھرتی اور بولتی ہوئی نظر آئیں گی لیکن سینما کے کیمرا کا استعمال اتنا کثیر ہو جائے گا کہ اس کی قیمت اتنی کم ہو جائے گی کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے لئے فلم پروڈیوسر ہو جائے گا اور فلم کمپنیاں رفتہ رفتہ ختم ہو جائیں گی۔

ٹیلی ویژن کا پروگرام ہمارے لئے خاص دلچسپی کا باعث بن جائے گا۔ اور ساری دنیا اس کے زیر اثر آجائے گی۔ کوہ ایورسٹ (جو اس وقت تک سر ہو چکے گا) کے ایک ہوٹل میں رقص کا منظر اور رنگون کے دلکش تہواروں کا تماشا ہم لندن میں بیٹھے بیٹھے دیکھ لیں گے۔

شطرنج کا میچ بھی ٹیلی ویژن کے ذریعہ آسان ہو جائے گا، ایک شخص ماسکو میں اور دوسرا جنوبی افریقہ میں بیٹھا ہوگا اور یہ دونوں آپس میں شطرنج کھیلا کریں گے۔ قطب شمالی سے قطب جنوبی تک ہوائی جہازوں کی دوڑ بھی ٹیلی ویژن کے پردے پر دیکھی جا سکے گی۔

سطح آب کے نیچے "باکسنگ" (مکہ بازی) کا میچ بہت دلچسپ ہوگا۔ ہم جس طرح ہوا میں رہتے ہیں اسی طرح پانی کے اندر بھی آرام سے رہ سکیں گے، غواصی کا جدید ترین لباس پہنکر پانی کے اندر سانس لینا ہمارے لئے کچھ مشکل نہ ہوگا۔

مجھے دو چیزیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جو ۱۹۳۹ء کے پرانے زمانے سے منتقل ہو کر ۱۹۸۹ء کے نئے زمانے تک ضرور پہونچیں گی۔ ایک میلبورن (آسٹریلیا) کا کرکٹ میچ اور دوسرا مانچسٹر کا فٹ بال میچ، ممکن ہے ان کی صورتوں میں وقتی تبدیلی ہو جائے مگر یہ مقابلے اسی طرح سے ضرور جاری رہینگے مانچسٹر کی خاطر سامنے رکھئے، آفتاب چمک رہا ہوگا اور فضا میں ابر کا کہیں نام و نشان نہ ہوگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ پانی برسانا یا نہ برسانا خود اپنے اختیار کی بات ہوگی۔ شہروں اور بیابانوں کے اندر موسمی حالات حسب ضرورت پیدا کئے جا سکیں گے، اگر بارش کی ضرورت ہوگی تو ابر کو بلا لیا جائے گا اور اگر بے وقت ابر آئے گا تو آسانی سے ہٹا دیا جائے گا۔ بہرحال سیر و تفریح کے وقت کبھی بے موقعہ بارش نہ ہونے پائے گی اور مانچسٹر کے سینما میں جب لوگ یہ دیکھیں گے کہ پچاس برس پہلے اس میچ کے لاکھوں تماشائی بارش میں بھیگ جاتے تھے تو اس پر ایک قہقہہ لگائیں گے۔ جتنے موجودہ کھیل جاری ہیں وہ غالباً اس لئے جاری رہیں گے کہ تقریباً دو صدی سے اب تک جاری ہیں اور انقلاب زمانہ اب تک ان کو ختم نہیں کر سکا ہے۔

(خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں)

تیج ویکلی دہلی

۲۲ جون ۱۹۳۷ء

وائسرائے کا "مون برت"

سیاسی جمود پر لارڈ لنلتھگو کی رائے کا انتظار

ہندوستان کے چھ صوبوں میں جب سے سودا بازی ہو گیا ہے اور عارضی وزارتوں کی جگہ قائم ہوئی ہیں، عارضی وزارتیں حکومت کے انتظامی میدان میں اپنی بے محل اور مضحکہ خیز اچھل کود کا تماشا دکھا رہی ہیں۔ اس وقت سے ہز ایکسیلنسی لارڈ لنلتھگو نے "مون برت" رکھ لیا ہے اور اس اہم وقتی مسئلہ پر آپ نے موافقانہ یا مخالفانہ کسی طرح کی رائے کا اظہار نہیں کیا ہے۔ اب شملہ کی برفانی چوٹیوں سے یہ خبر آئی ہے کہ وائسرائے کی خاموشی کی یہ ٹھوس اور جمی ہوئی سخت برف پگھلنے والی ہے۔ اور جون کی بائیسویں تاریخ نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے دور میں ایک ایسی تاریخ ہوگی جبکہ وائسرائے اپنے ہونٹوں کی مہر سکوت کو توڑ دیں گے اور ایک طویل خاموشی کے بعد مسئلہ جمود پر کچھ بولنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے ۔

ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اس "مون برت" کے خاتمہ کے لئے ۲۲ جون ہی کی تاریخ کیوں منتخب کی گئی ہے اور وہائٹ ہال اور دہلی کے پنڈتوں نے اس تاریخ کی نحوست یا سعادت کے متعلق کیا حکم لگایا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ لارڈ لنلتھگو جدید آئین کی تیاری کے دنوں میں جائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کے پریسیڈنٹ تھے، اور اس حیثیت سے ان کو یہ حق تھا بلکہ انہیں ہونا چاہئے تھا کہ وہ اس جمود پر اپنی رائے ظاہر کرتے اور کانگریس کے مطالبہ کے آئینی پہلو پر روشنی ڈالتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ بولنے کا کام لارڈ زٹلینڈ نے انجام دیا۔ اور چپ رہنے کا پارٹ لارڈ لنلتھگو نے ادا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وائسرائے کی اس خاموشی کو لوگوں نے مختلف پہلوؤں سے معنی خیز سمجھ لیا۔ جب معاصر "اسٹیٹسمین" نے چند آرٹیکل کانگریس کے مطالبہ کی موافقت میں اور لارڈ زٹلینڈ کی غلط پالیسی کی مخالفت میں لکھے تو بعض حلقوں میں فوراً اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ وائسرائے ہند اور وزیر ہند میں اس مسئلہ پر اختلاف رائے موجود ہے، ایک معاصر نے یہ افواہ اڑا دی کہ وائسرائے مستعفی ہو کر چلے جانے والے ہیں۔

بہرحال جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اور اب ہندوستان کو ۲۲ جون کی "تاریخی" تاریخ کا انتظار ہے۔ اور لوگ وائسرائے کے پیغام کے متعلق خیال آرائیاں کر رہے ہیں اس کے بارے میں کوئی پیشین گوئی یا پیش بندی نہیں کی جا سکتی، خصوصاً اس موسم میں جبکہ ہوا کا رخ پہچاننے والے ماہرین مانسون اور بارش کی آمد کی پیشگی اطلاع دیتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی جگہ پر صرف گرد و غبار کی آندھیاں آتی ہیں اور تپتی ہوئی ریت کے ذرّے آفتاب کی گرم لوؤں سے مل کر لوگوں کو بھون ڈالتے ہیں۔ وائسرائے کے آنے والے پیغام کے متعلق کچھ کہنا اور بھی غلطی ہوگی۔

اتنا تو ظاہر ہے کہ وائسرائے کا پیغام دو صورتوں میں ایک صورت ضرور اختیار کریگا۔ یا تو جو کچھ لارڈ زٹلینڈ نے کہا ہے اسی کو دوسرے الفاظ میں دہرا کر بات ٹال دی جائے گی اور خاموشی صرف اس لئے توڑی جائے گی کہ اس کے توڑنے کی ضرورت آپڑی ہے اور لوگ اس کو طرح طرح کے معنی پہنا رہے ہیں۔ یا وائسرائے یہ کوشش کریں گے کہ کانگریس اور حکومت کے درمیان سے یہ جمود دور ہو جائے اور صوبوں میں کانگریس کی میجارٹی پارٹی گورنروں کے آئندہ طرز عمل سے مطمئن ہو کر وزارت کی ذمہ داریاں سنبھال لے۔ اس جمود کے مسئلہ پر اتنی زیادہ آئینی بحثیں ہو چکی ہیں کہ ہماری رائے میں وائسرائے کو اب قانونی موشگافیوں اور الفاظ کے گورکھ دھندوں میں نہیں پڑنا چاہئے۔ مغربی ملکوں کا بنایا ہوا غالباً کوئی قانون ایسا موجود نہیں جس پر بحث کی گنجائش باقی نہ ہو۔ اور جس سے وقتی ضرورت کے مطابق پیچیدہ سے پیچیدہ معنوی پہلو نہ نکالے جاتے ہوں اگر لارڈ لنلتھگو بھی لارڈ زٹلینڈ کی طرح گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے الفاظ کی الجھنوں میں پڑ جائیں گے تو ہمیں اس گتھی کے سلجھنے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر وہ تدبر سے کام لیں گے، انسانی فطرت کا مطالعہ کریں گے، زندگی کے جذباتی پہلو پر نگاہ ڈالیں گے اور پریسٹیج کے غرور میں ضد اور ہٹ کو اپنا طریق عمل نہ بنائیں گے تو غالباً اس جمود کا دور ہو جانا کوئی مشکل کام نہ ہوگا۔

اگر حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو اس جمود کی ہستی کچھ بھی نہیں ہے صرف ایک صحیح نقطہ اور صحیح اشارہ اس کے دور کر دینے کے لئے کافی ہے۔ مہاتما جی چند بار کہہ چکے ہیں کہ ان کا مطالبہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں کسی تبدیلی کا مطالبہ نہیں ہے وہ صرف حکومت کے خلوص کا امتحان کرنا چاہتے ہیں، ہم امید کرتے ہیں کہ لارڈ لنلتھگو اس خلوص کا ثبوت دیکر اس وقتی کشمکش کا خاتمہ کر دیں گے تاکہ ہندوستانی عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا جا سکے۔ پارلیمنٹری بحث کے دوران میں مسٹر بائن (لا سبرل) نے صحیح کہا ہے کہ مہاتما جی نے پوزیشن کو صاف کرنے کے لئے بہترین کوشش کی ہے اور وائسرائے کو چاہئے کہ وہ کانگریسی لیڈروں سے گفت و شنید کر کے اس خلیج کو پاٹ دیں جو بہت آسانی سے پاٹی جا سکتی ہے۔

ہم بھی کہتے ہیں کہ اگر حکومت چاہے تو یہ خلیج بہت آسانی سے پاٹی جا سکتی ہے۔ اور اگر نہ چاہے تو اس کا علاج کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ قوم کے جذبات سے کھیلنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ قانونی الفاظ کے گورکھ دھندے مگر ہوا کے وہ جالے ہیں جو پہلی ہی آندھی میں اڑ جاتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ حقیقت کو حقیقت ہی کی نگاہوں سے دیکھنا چاہئے اور ٹھنڈے دل و دماغ سے سمجھنا چاہئے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ لارڈ لنلتھگو ہندوستانی جذبات کا احترام کریں گے اور اس سیاسی جمود کو دور کر کے اپنے وائسرائلٹی کے عہد کو کامیاب بنائیں گے ورنہ جیسا کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے لارڈ زٹلینڈ کے متعلق کہا ہے ہم بھی یہی کہیں گے کہ حکومت کے ارباب "حقیقتوں کی دنیا سے الگ رہتے ہیں"۔

آئینۂ خیال

پنجاب اسمبلی کا اجلاس!

انگریزی میں ایک پرانی ضرب المثل ہے:۔

"MORNING SHOWS THE DAY" یعنی صبح کی حالت سے پورے دن کی حالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، یہی مثال پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے پہلے اجلاس پر جو ۱۷ جون کو شملہ میں منعقد ہوا ہے صادق آتی ہے۔ ہم نے اس کو پہلا اجلاس اس لئے کہا ہے کہ لاہور میں جو اجلاس منعقد ہوا تھا وہ ایک مختصر اور چند روزہ رسمی اجلاس تھا اس کی سیاسی اہمیت کچھ نہ تھی شملہ کے اجلاس کے پہلے روز ہی کی کارروائی سے معلوم ہو گیا کہ پنجاب اسمبلی میں پبلک کے جذبات اور مطالبات کے ساتھ کیسا سلوک اور برتاؤ پنجاب کی موجودہ وزارت کے خزانے میں موجود ہے! اور آئندہ اس کی روش کیا ہوگی، حالات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نیا آئین نافذ ہی نہیں ہوا ہے اور جو صورت حال پہلے تھی وہ اب بھی جوں کی توں موجود ہے، رائے عامہ کے ساتھ وہی پرانا سلوک اب بھی جاری ہے، دفتری انتظام سے انسانیت کا عنصر اب بھی خارج ہے، حکومت کی پالیسی اب بھی وہی ہے، اور گو پینتی بدل گئی ہے لیکن اس کے پیچھے وہی پرانا شکاری بیٹھا ہے۔ یہ حقیقت ان واقعات سے ظاہر ہے کہ التوائے اجلاس کے متعلق جو تحریکیں مخالف بنچوں کی طرف سے پیش کی گئیں، وہ تقریباً سب کی سب نامنظور کر دی گئیں، سردار تیجا سنگھ کی نظربندی، کفتری ڈیپوٹیشن، امرتسر خالصہ کالج میں پولیس کا طرز عمل، مختلف مقامات پر خانہ تلاشیوں کی بھرمار، غرض جو مسئلہ بھی اسمبلی کے سامنے آیا اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ ہم اس حقیقت سے واقف ہیں کہ پنجاب میں کانگریس پارٹی اقلیت میں ہے مگر یہ وہ پارٹی ہے جس کا احترام ملک کے دماغ میں موجود ہے پنجاب کی وزارت کو جو وقتی اکثریت حاصل ہو گئی ہے اس کے

نشہ کو اتنا تیز نہیں ہو جانا چاہئے کہ رائے عامہ کی عزت اس کے دل میں باقی نہ رہے اور اقلیت پر چھاپہ مارے جو عوام کے مفاد کے لئے استعمال کیا جائے۔

تیج ویکلی کیلئے شادی کی تصویریں!

تیج ویکلی میں تصویروں کے متعلق ہم اب ان خوش نصیب دولہا دلہنوں کی تصویروں کو بھی جگہ دینا چاہتے ہیں جن کی شادی حال میں ہوئی ہو اور جو رشتہ ازدواج کی رنگین زنجیروں میں باندھے جانے کے بعد اپنی زندگی کا نیا دور شروع کر رہے ہوں، ہمارے ناظرین کا تقاضا ہے کہ ایسے جوڑوں کی تصویریں نہ صرف سب کی دلچسپی ہی کا باعث ہوں گی بلکہ شادیوں کے بعض ایسے واقعات پر بھی ان سے روشنی پڑے گی جو رسوم شادی میں اصلاح کا باعث ہوں گے۔ اس لئے ہم دعوت عام شائع کر رہے ہیں کہ "نئے جوڑوں" کی تصویریں ہمارے پاس برائے اشاعت بھیجی جائیں، ہر تصویر کے ساتھ اگر ایک مختصر سا تفصیلی نوٹ بھی ہوگا تو اس کی دلچسپی میں اضافہ ہو جائیگا

قومی بوائے اسکاؤٹ تحریک کی ضرورت

ہم ہندوستانیوں کی ایک صفت یہ ہے کہ ہمیں بیدار کرنے کے لئے ایک زبردست تازیانہ کی ضرورت ہوتی ہے، پچھلے دنوں جب لارڈ بیڈن پاول ہندوستان آئے تھے اور دہلی میں آل انڈیا بوائے اسکاؤٹ جمبوری کا کھیل تماشا بڑے زور شور سے ہو رہا تھا تو نہ صرف اینگلو انڈین اور سرکار پرست اخبارات اس بوائے اسکاؤٹ تحریک کی تعریف و توصیف میں آسمان و زمین کے قلابے ملا رہے تھے بلکہ بعض مقامی قوم پرست اخبارات کی آنکھوں کو بھی اس کی ظاہری طمطراق اور شان و شوکت سے چکاچوند سی لگ گئی تھی اور انہوں نے بھی بیڈن پاول کے لیڈر کو ناکام کرانے میں

باقی اگلے صفحہ پر

پچھلے صفحہ سے

تحریک کے مفاد پر روشنی ڈالی تھی ہم یہ سارا کچھ دیکھ رہے تھے اور خاموش تھے اور صرف ایک نوٹ کے ذریعہ دبی زبان سے اس نقار خانہ میں طوطی بن کر یہ کہا تھا کہ یہ نیم سرکاری تحریک ہندوستان کے لئے ہرگز مفید ثابت نہیں ہو سکتی لیکن اب جبکہ لارڈ بیڈن پاول نے ہندوستان کے [illegible] پر ناقابل اعتراض حملے کئے ہیں تو ساری دنیا جاگ اٹھی ہے اور تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ اس کے خلاف پروٹسٹ کیا جا رہا ہے۔ اور ایک نئی بوائے اسکاؤٹ تحریک کی ضرورت پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ بیداری بہر حال بیداری ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ملک کے ہر گوشہ میں اس تجویز کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ وقت اور موقعہ سے فائدہ اٹھانا عقلمندوں کا کام ہے۔ اب جبکہ لارڈ بیڈن پاول کی نمک حرامی کی وجہ سے اسکاؤٹ تحریک کے خلاف فضا پیدا ہو گئی ہے تو ہندوستانیوں کا فرض ہے کہ وہ ایک خالص قومی بوائے اسکاؤٹ تحریک از سر نو جاری کریں جس کا مقصد یہ ہو کہ نئی نسل کے لڑکوں، لڑکیوں اور نوجوانوں کے دل میں قوم پرستی کا جذبہ پیدا کیا جائے اور صرف بھارت ماتا کی خدمت کو اپنی زندگی کا فرض سمجھیں اور یہی قومی جذبہ ان کی رگوں میں دوڑتا ہوا نظر آئے۔ اس سلسلہ میں دو تجویزیں ہمارے سامنے آئی ہیں۔ ایک تو اکثر اخبار ڈیلی کی تجویز ہے جنہوں نے کہا ہے کہ "ہندوستانی سیوا دل" جو خلاف قانون انجمن قرار دئے جانے کے باعث ایک مردہ ادارہ بن چکا ہے۔ اس کی جگہ بھارت کماروں کی ایک انجمن ہر صوبہ اور ہر ضلع میں قائم کی جائے۔ دوسری تجویز مدراس کے ایک جلسہ میں پیش کی گئی ہے کہ پنڈت مدن موہن مالویہ کی قائم کی ہوئی "سیوا سمتی اسکاؤٹ ایسوسی ایشن" کو وسیع پیمانہ پر منظم کر کے اس کو مرکزی انجمن بنا دیا جائے اور اسکاؤٹوں کی تمام مقامی انجمنیں اس سے منسلک ہو جائیں۔ ہم موخرالذکر کو بہتر سمجھتے ہیں لیکن بہرحال اصلی مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مرکزی انجمن کہاں ہو اور اس کا نام کیا ہو، ضرورت تو اس بات کی ہے کہ کسی نہ کسی صورت میں ایک نئی بوائے اسکاؤٹ تحریک جاری ہو جو نیم سرکاری تحریک کی بجائے سارے ملک کے نوجوانوں پر حاوی ہو جائے۔

مے فروشی اور عصمت فروشی کے اڈے!

ایک لاہوری معاصر نے جو قوم پرستی اور وطن پرستی سے کوسوں دور رہتا ہے اتفاق سے ایک خدا لگتی بات بھی کہہ دی ہے اس کے چند فقرے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:-

"جو لوگ لاہور اور دوسرے بڑے شہروں کے بعض ہوٹلوں کی حالت سے باخبر ہیں ان کو معلوم ہے کہ چند ذی حیثیت ہوٹلوں کو چھوڑ کر باقی سب ہوٹلوں اور تناول خانوں میں شراب بے تکلفی سے فروخت ہوتی ہے حالانکہ ان کے پاس فروخت شراب کا لائسنس نہیں ہوتا ... ...

اور جن ہوٹلوں میں بلا لائسنس شراب ملتی ہے ان میں پرلے درجہ کی آبرو باختہ عورتیں بھی دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اور اکثر نوجوان ان کے مکروہ دھندے کے جال میں پھنس کر اپنا سب کچھ لٹا بیٹھتے ہیں"

ہم نے یہ سطریں اس لئے نقل کی ہیں کہ دہلی کے متعلق بھی ایسے حالات بہت مشہور ہیں۔ ایک تو شراب ایسی چیز ہے جس کا استعمال قطعاً ممنوع ہونا چاہئے دوسرے اگر یہ بلا لائسنس بھی اس طرح علانیہ فروخت ہونے لگے اور اس کے ساتھ ساتھ عصمت فروشی کے اڈے بھی قائم ہوں تو ظاہر ہے کہ لوگوں کے اخلاق کا کیا حال ہوگا!

شہر میں گداگری کا انسداد!

ایک اطلاع ہے کہ شہر دہلی میں عام گداگری کے انسداد کے لئے محکمہ پولیس اور میونسپل کمیٹی ایک مشترکہ کوشش کرنے والی ہے۔ اور سینیئر سپرنٹنڈنٹ پولیس نے میونسپل کمیٹی کے صدر کی توجہ اس کام کی طرف مبذول کی ہے۔ اس تجویز کے دو پہلو ہمارے سامنے ہیں ایک تو یہ کہ ان فقیروں اور لنگڑوں لولوں کے لئے جو کام کرنے کے لائق نہیں POOR HOUSE قائم کئے جائیں اور دوسرے یہ کہ تندرست و توانا آدمی اگر بھیک مانگیں تو ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے۔ دونوں تجویزیں اپنی اپنی جگہ پر اچھی ہیں۔ اول الذکر کام کو تو جلد انجام پا جانا چاہئے۔ اور موخر الذکر کے لئے ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں جو کچھ کیا جائے اس کے پیش نظر اس حقیقت کو بھی سامنے رکھا جائے کہ ملک میں بیروزگاری بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے اگر تندرست و توانا فقیروں کے لئے روزگار پیدا کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا!

"پولیس منسٹری"

کوئمبٹور (مدراس) کے ایک سمر اسکول کے ساتھ مدراس کی حکومت اور پولیس نے جیسا سلوک کیا ہے اس کی خبر اخبارات میں آ چکی ہے اور اس کے متعلق اکثر رہنماؤں کے بیانات بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان بیانات میں تازہ ترین بیان راشٹرپتی پنڈت جواہر لال نہرو کا ہے جنہوں نے الہ آباد واپس آ کر چند الفاظ اس سلسلہ میں فرمائے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ اس واقعہ نے ثابت کر دیا ہے کہ مدراس کی انٹیرم وزارت ایک پولیس منسٹری ہے جو ان تمام کارروائیوں کی ذمہ دار ہے اور اس نے دکھلا دیا ہے کہ نئی حکومت اور پرانی حکومت کے طرز عمل میں کچھ فرق نہیں ہے نیز موجودہ وزارت کے زمانے میں بھی پہلے کی طرح لاٹھی ہی حکومت کی علامت ہے۔ راشٹرپتی کا بیان کسی تبصرہ کا محتاج نہیں ہے حکومت کے لئے اب بھی وقت ہے کہ وہ وزارتیں کانگریس کے سپرد کر کے اپنے کو اس الزام سے بری کر لے!

کالجوں اور اسکولوں کے ڈرامے!

کلکتہ یونیورسٹی کی یہ رائے ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں کھیلے جانے کے لئے صرف ایسے ڈرامے منتخب کئے جائیں جن کے کرداروں میں کسی عورت کا پارٹ نہ ہو۔ بنگال کے ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن نے نوجوانوں کے لئے ایسے ڈراموں کی ایک فہرست تیار کی تھی مگر ان میں سے بعض ڈرامے اگرچہ بہت اعلیٰ اخلاق کے تھے تاہم ان سے زنانہ عنصر قطعاً خارج نہیں کیا جا سکتا تھا اس لئے یونیورسٹی نے ان ڈراموں کو نامنظور کر دیا ہے اور اپنی پسندیدہ فہرست میں داخل نہیں کیا ہے۔ یونیورسٹی کا یہ فیصلہ ایسا ہے جس سے اتفاق رائے کی بھی گنجائش ہے اور اختلاف رائے کی بھی۔ انسان کی زندگی اور معاشرت کبھی عورت کے عنصر سے خالی نہیں ہو سکتی اگر یونیورسٹی کا یہ اعتراض بھی صحیح ہو کہ جوان لڑکوں کے لئے عورتوں کا پارٹ ادا کرنا اچھا نہیں ہے اور اسی طرز عمل پر دوسرے اخلاقی اعتراضات بھی کئے جا سکتے ہیں۔

دہلی کی ٹریم سروس

معلوم ہوا ہے کہ دہلی کی ٹریم کمپنی اپنی ٹریم سروس کو بند کر دینے والی ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے لوکل گورنمنٹ کے سامنے اپنے لائسنس کی تنسیخ کے لئے درخواست پیش کر دی ہے۔ اور اب لوکل گورنمنٹ اس مسئلہ پر غور کر رہی ہے کہ شہر دہلی کے لئے ٹریم سروس کی بجائے سستی سواری اور نقل و حرکت کے دوسرے ذرائع کا انتظام کس صورت میں کیا جائے۔ اگرچہ دہلی ٹریم وے کمپنی کے انتظامی نقائص کے باعث لوگ مطمئن نہ تھے پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دہلی والوں کو ٹریم سروس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ٹریم گاڑی ایک معقول عام سستی سواری ہے اور اسی سروس کلکتہ اور بمبئی جیسے بڑے شہروں میں بھی موجود ہے۔ اس کی مقبولیت اس سے ظاہر ہے کہ گذشتہ سال دہلی میں ایک کروڑ آدمیوں نے ٹریم پر سفر کیا تھا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ بہت جلد اس سوال کا کوئی بہتر حل وجود میں آئے گا۔ یا کوئی دوسری کمپنی یا خود دہلی میونسپل کمیٹی ٹریم سروس کو بہتر اور اپ ٹو ڈیٹ طریقہ پر جاری کرنے کا انتظام کرے گی۔

آنجہانی سی۔ آر۔ داس کی برسی

کلکتہ نے ۱۶۔ جون کو آنجہانی دیش بندھو سی۔ آر۔ داس کی بارہویں برسی بڑے جوش و خروش سے منائی اور اس میں ہر طبقے اور ہر فرقے کے لوگ شامل ہوئے۔ سی۔ آر۔ داس مادر ہند کے ان چند مایہ ناز سپوتوں میں تھے جن پر ہندوستانی قوم رہتی دنیا تک فخر کر سکتی ہے بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سی۔ آر۔ داس اگر آج ہم میں موجود ہوتے تو بہت سے سیاسی اور فرقہ وارانہ مسائل اتنی پیچیدگی اختیار نہ کرتے بہرحال ان کی وفات کو بارہ سال گذر چکے ہیں۔ اور ہندوستان ابتک اپنی منزل آزادی سے دور ہے۔ ان کی برسی کے موقعہ پر سارے ملک کو ان کی یاد تازہ کر کے ان کی زندگی سے سبق لینا چاہئے۔ سی۔ آر۔ داس نے ایک موقع پر کہا تھا کہ "سارا ہندوستان ایک بڑا قید خانہ ہے۔ اگر ہندوستان زندہ رہے۔ اور کانگریس زندہ رہے۔ تو مجھے اپنے مرنے یا جینے کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے" وہ قید خانہ ابتک اپنی اسی حالت میں موجود ہے۔ پرماتما ہمارے الفاظ سے زیادہ ہمارے عمل کو طاقت عطا کرے۔

آئی۔ سی۔ ایس

انڈین سول سروس کے ڈنر میں تقریر کرتے ہوئے لارڈ ہیلی فیکس (سابق لارڈ ارون، وائسرائے ہند) نے کہا ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ نے اچھا کیا ہے۔ کہ "آئی۔ سی۔ ایس" کو سیاسی اثرات سے الگ کر دیا ہے۔ انھوں نے یہ امید ظاہر کی ہے کہ برطانوی سول ملازموں کی طرح ہندوستانی سول سروس کے ارکان بھی ہر طرح کی وزارتوں کے احکام بجا لائیں گے۔ عام اس سے کہ وہ قدامت پسند ہوں لبرل ہوں یا سوشلسٹ ہوں۔ اس خوش فکری کے دوران میں غالباً لارڈ ہیلی فیکس اس بات کو بالکل بھول گئے ہیں۔ کہ ہندوستان میں آئی۔ سی۔ ایس کی روایات مطلق العنانی اور خود سری سے وابستہ ہیں۔ اور نئے آئین نے ان کو وزراء کے کنٹرول سے باہر رکھ کر ان میں جمہوریت کی اسپرٹ کے پیدا ہونے کا امکان باقی نہیں رکھا ہے۔ برطانیہ کے سول ملازمین برطانوی کیبنٹ کے قطعاً ماتحت ہیں، ہندوستان کی سول سروس پارلیمنٹ کے کنٹرول سے قطعاً آزاد ہے،

امریکہ میں جرائم کا اضافہ

ولایات متحدہ امریکہ کے سلسلہ میں تعداد جرائم کا جو مسئلہ پیش ہے پچھلے سال میں مسٹر ایڈگار ہوور چیف آف دی فیڈرل پولیس نے فلیڈلفیا میں تقریر کرتے ہوئے چند حیرت انگیز اعداد و شمار پیش کئے ہیں۔ ان کا خیال ہے۔ کہ امریکہ میں اسوقت دنیا کے جرائم کی آبادی چالیس لاکھ (۴۰،۰۰،۰۰۰) ہے دوسرے اعداد و شمار حسب ذیل ہیں۔

(ا) ہر چالیس سیکنڈ میں ایک جعلسازی (ب) ۱۳۲۲۴ قتل و خون کی وارداتیں (ج) ۷۸۸۱ جنسی جرائم اور اغوا (د) ۳۰۰،۳۴۴ ڈاکے (ر) ۴۰،۵۴۳ شدید ضربات اور حملے (س) ۸۲۳، ۲۴۸ بڑی چوریاں (ص) ۱۱۰،۶۹۳ چھوٹی چوریاں (ط) ۲۱۲،۵۱۲ موٹر کاروں کی چوریاں (ع) ان سب بڑے بڑے جرائم کا سالانہ ٹوٹل ۱۲۹۳،۹۳۲ ہوتا ہے۔ اگر ان جرائم کی قیمت اور لاگت کا تخمینہ کیا جائے تو وہ فی منٹ ۵۰،۰۰۰ پونڈ ہے یعنی [illegible] پونڈ روزانہ اور ۲،۹۹۵،۹۲۰،۰۰۰ پونڈ سالانہ۔

جدید تمدن کی یہ بخشش ایسی ہے۔ جس پر یقیناً مس میو اور ان کے دیگر ہم خیال امریکنوں کو ناز کرنا چاہئے،

ایک تعلیمی افسر کا غیر معمولی جوش

دنیا جانتی ہے کہ پہلی اپریل کو یعنی جس روز نیا آئین ہندوستان میں نافذ کیا گیا۔ اس آئین کے خلاف پروٹسٹ کے طور پر سارے ملک کے عرض و طول میں بے شمار اسکول اور تعلیمی ادارے بند ہوئے تھے ان کا یہ طرز عمل خلاف قانون نہ تھا۔ اور ملک کے اکثر تعلیمی افسروں نے اس پر کوئی کارروائی کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ صوبہ بہار کے ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن غیر معمولی جوش و خروش رکھنے والے افسر ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے حاجی پور میونسپلٹی کے ممبروں سے پوچھا ہے۔ کہ چونکہ میونسپل اسکولوں نے پہلی اپریل کو ہڑتال منائی تھی اس لئے میونسپلٹی کو جو تعلیمی گرانٹ دی جاتی ہے۔ وہ کیوں نہ بند کر دی جائے۔ غالباً ڈائرکٹر موصوف کے دماغی توازن کا یہ حال اس لئے ہے۔ کہ صوبہ بہار میں انٹیرم وزارت کام کر رہی ہے۔ اور کانگریسی وزارت وجود میں نہیں آئی ہے ورنہ ان کو اپنے سرکاری محکمہ کا پرسٹیج قایم رکھنے کیلئے اتنی زحمت نہ اٹھانی پڑتی،

آئندہ ہفتہ ہمارا شاندار افسانہ ایڈیشن ملاحظہ فرمائیے

اشارات

بنگال کے وزیر مالیات مسٹر نلنی رنجن سرکار نے تجویز پیش کی ہے کہ دھوتی کو سرکاری لباس بنا دیا جائے اس پر گورنر نے کہا ہے کہ اگر وہ اس لباس کی مکمل تفصیل پیش کریں گے تو اس کو منظور کر لیا جائیگا۔

تفصیل کی کیا ضرورت ہے۔ کیا سر جان اینڈرسن نے بنگال میں کسی کو دھوتی اور قمیص پہنے ہوئے نہیں دیکھا ہے؟

⁂ ⁂ ⁂

سر ہوتی مودی نے انٹرنیشنل بیبر کانفرنس میں کہا ہے کہ ہندوستان کی زرعی آبادی قرضوں میں ڈوبی ہوئی ہے ان کا مجموعی قرضہ تقریباً ایک ارب پونڈ کے برابر ہے اور ہندوستانیوں کی فی کس آمدنی جاپانیوں کی آمدنی کا چوتھائی حصہ، فرانسیسی کا آٹھواں حصہ اور اہل امریکہ کا بارھواں حصہ ہے۔

غالباً سمندر کا سفر سر ہوتی مودی کے لئے مفید ثابت ہوا ہے اور ان کے خیالات میں بہتری پیدا ہو گئی ہے!

⁂ ⁂ ⁂

پنجاب گورنمنٹ نے اہل لاہور سے پوچھا ہے کہ ٹاؤن ٹیکس کے متعلق آپ لوگوں کی رائے کیا ہے؟

اس کا جواب اتوار کی ہڑتال نے غالباً دیدیا ہوگا!

⁂ ⁂ ⁂

بابو راجندر پرشاد ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں کہ صوبہ بہار کے چیف منسٹر نے آدم پور بند کو درست کرانے اور لوگوں کو سیلاب سے بچانے کے لئے "اپنی مدد آپ کرنے" کی جو جدوجہد شروع کی تھی اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

مسٹر یونس سے پوچھنا چاہئے کہ گوال دہپا نڈہ کیا ہوا؟

⁂ ⁂ ⁂

پنڈت گووند ولبھ پنت کے سرکار کے باعث ابتک تین سو سوالات یو۔پی گورنمنٹ کے اسمبلی ڈپارٹمنٹ میں پہنچ چکے ہیں غالباً اسی لئے نواب چھتاری نے کہا ہے کہ میں اپنا عہدہ خالی کر دینے کو تیار ہوں!

⁂ ⁂ ⁂

صوبہ بہار کی اطلاع کہتی ہے کہ دو ہزار مسلمان صرف ایک ماہ میں کانگریس کے ممبر بن گئے ہیں۔

مفتی محمد علی جناح کو جلد ان پر کوئی فتویٰ صادر کرنا چاہیئے!

⁂ ⁂ ⁂

جرمنی میں یہ حکم جاری کیا گیا ہے کہ کسی بچہ کا نام ہٹلر، گورنگ، اور گوئبلس نہ رکھا جائے!

نازی غرور کی حد ہو گئی، اب دیکھنا ہے آئندہ مسولینی کا کیا حکم ہوتا ہے؟

⁂ ⁂ ⁂

خبر آئی ہے کہ بنگال کے نظر بندوں کی حالت قابل فکر ہے اور اس سلسلہ میں چیف منسٹر نے مسٹر سبھاش بوس کے خط کا کوئی جواب نہیں دیا ہے!

لالہ زار

(" ویکلی " کے خاص شاعر کے قلم سے)

دعویٰ اور ثبوت!

برطانیہ کو اپنی صداقت کا ہے دعویٰ کہتا ہے کہ لوگ اسکی سنا کیوں نہیں کرتے
باتیں تو بناتے ہیں بہت اس کے گورنر وعدہ کو مگر اپنے وفا کیوں نہیں کرتے

(صوبہ بہار کے گورنر نے کہا ہے کہ برطانی پارلیمنٹ کا مقصد یہی ہے کہ گورنر اپنے وزراء کے کاموں میں غیر ضروری مداخلت نہ کریں تو سوال یہ ہے کہ آپ کانگریس سے اس کا وعدہ کیوں نہیں کر لیتے؟)

کوئلوں کا قحط

خبر ہے گرم ہی پڑ جائیگا اب قحط کوئلوں کا نہ کوئی مل چلائینگے نہ ہم کھانا پکائیں گے
مصیبت جھیل لیں گے ہر طرح ہندوستاں والے اگر کوئلے نہیں باقی رہے تو دل جلائیں گے

(بنگال کی چیمبر آف کامرس نے اطلاع دی ہے کہ ہندوستان میں کوئلوں کا قحط پڑنے والا ہے۔)

مرد یا عورت؟

دیکھا ہے دنیا والوں نے اک تازہ کرشمہ قدرت کا اک شخص ہے ایسا سلہٹ میں جو مرد بھی ہے اور عورت بھی
حیرت کی کوئی چیز نہیں اس ملک میں نامردی ہستی کچھ اس سے ملتی جلتی ہے ہندی لبرل کی حالت بھی

(سلہٹ میں ایک ایسا آدمی پایا گیا ہے جو مرد بھی ہے اور عورت بھی)

۱۰ جون ۱۹۳۷ء دہلی میں!

گرمی کی بڑھی ہوئی ہے شدت | شعلہ سر اپنا دھن رہا ہے
سورج کی شعاعوں سے زمانہ | انساں کا لباس بن رہا ہے
کرتی ہے جو خلق آہ و زاری | قدرت کا فرشتہ سن رہا ہے
پودوں کی نمو بھی ہے مشکل | ہر دانہ زمیں میں بھن رہا ہے

۲۰ جون ۱۹۳۷ء لاہور میں!

(از مولانا ظفر علی خاں)

برسات کے پہلے مینہ کا جھالا | میزان کرم میں تل رہا ہے
نابود ہوئی لپٹ لوؤں کی | رحمت کا دریچہ کھل رہا ہے
شاخوں کا نکھر رہا ہے جوبن | پتوں کا غبار دھل رہا ہے
توبہ شکنی کی آ گئی رت | مےخانہ میں مچ یہ غل رہا ہے

غالباً چیف منسٹر ابھی اپنی ہی حاصل کی ہوئی سول برٹش سے کسر سے لے رہے ہیں!

⁂ ⁂ ⁂

کہا جاتا ہے کہ بمبئی کی وزارت صرف عدم اعتماد کے ووٹ کے باعث مستعفی ہونے کو تیار نہیں ہے۔

ڈیماکریٹک سوراجی اصول کا تازہ ترین شاہکار ہوگا!

چٹکیاں

امید کی جاتی ہے کہ وزیرستان کے متعلق لارڈ زٹلینڈ جلد کوئی وہائٹ پیپر (سفید کاغذ) شائع کریں گے!

اور غالباً اسمیں حالات پر سفیدی پھیرنے کی کوشش کی جائیگی!

⁂ ⁂ ⁂

خبر ہے کہ بمبئی کی مسلم لیگ پارٹی نے ۹ گھنٹے تک مسلسل بحث کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ وزارت پر عدم اعتماد کے ووٹ کے سلسلہ میں اس کا رویہ کیا ہوگا۔

معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مشکل گتھی آ پڑی تھی جس کے سلجھانے میں بحث بکار کار ڈھو ڈھکو سلات ہو گیا!

⁂ ⁂ ⁂

مسٹر ایڈن کہتے ہیں کہ اٹلی نے حبش میں برطانی مسیحی مشن پر جو پابندی عائد کر دی ہے اس کا وہ ضرور بدلہ لیں گے!

ہم پوچھتے ہیں کہ برطانی پادریوں کو برطانیہ سے باہر جا کر مسیحی تعلیم دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اس تعلیم کی تو زیادہ ضرورت خود برطانیہ ہی کو ہے!

⁂ ⁂ ⁂

مسٹر جناح نے مسلم نوجوانوں سے کہا ہے کہ "میری اندھی تقلید نہ کرو بلکہ جو کچھ میرے بیانات ہیں ان پر غور کرو اور ان کی تشریح کرو"

اندھی تقلید کی جو مخالفت کی گئی ہے۔ اس سے مجھے اتفاق ہے لیکن اگر مسلم نوجوان مسٹر جناح کے سیکڑوں متضاد اور ایک دوسرے کے منافی بیانات پر غور کریں گے تو یقیناً ان کو دردِ سر کی شکایت پیدا ہو جائے گی!

⁂ ⁂ ⁂

سر کرمارٹی ریڈی کہتے ہیں کہ مدراس کی انٹیرم وزارت نے رعایا کے مفاد کے لئے وہ کچھ کر دکھایا ہے جو کانگریس اپنے تمام وعدوں کے باوجود نہ کر سکی تھی۔

کوئمبٹور سر اسکول کے واقعات شاہد ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

کمال اتاترک نے اپنی تمام ذاتی جائداد اور ملکیت قوم کو عطا کر دی ہے،

یہ ڈکٹیٹروں کے لئے ایک زرین مثال ہے!

⁂ ⁂ ⁂

سائکالوجی (علم دماغ) کے ماہرین کہتے ہیں کہ کسی خاندان میں جتنے زیادہ افراد ہوں گے اتنی ہی ان کی عقل اور ذہانت میں کمی ہوتی جائے گی۔

کیا یہ برتھ کنٹرول کی حمایت ہے؟

⁂ ⁂ ⁂

ماسکو (روس) کے عجائب خانہ میں ایک چوہا ہے جو جسم اور تمام گانا ہے چونکہ چوہے بہت دنوں تک زندہ نہیں رہتے اس لئے عجائب خانہ کی طرف سے اس کو چوہا ہوا بچا مہیا عطا کی گئی ہیں کہ اس کی اولاد بھی ماہر موسیقی ہوگی۔

آرٹ کی قدردانی زندہ باد!

امریکہ میں اخباروں اور رسالوں کی اشاعت

دنیا میں اس وقت امریکہ سب سے زیادہ دولتمند ملک خیال کیا جاتا ہے۔ اس ملک میں جتنے اخبارات اور رسالے شائع ہوتے ہیں شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں شائع ہوتے ہوں، ہمارے ملک میں اگر کوئی اخبار یا رسالہ دس پندرہ ہزار چھپنے لگے تو مالک اس اشاعت کو باعث فخر سمجھتا ہے مگر وہاں کے اخبارات اور رسالوں کی اشاعت ملاحظہ فرمائیے:۔

اخبارات		اشاعت	اجرت اشتہار
ٹریبون شکاگو	TRIBUNE CHICAGO	دس لاکھ ۱۹ ہزار	۶۳ روپیہ فی انچ
ورلڈ ٹیلیگرام	WORLD TELEGRAM	چار لاکھ	۲۷ 〃 〃 〃
ان کوائرر	INQUIRER	چار لاکھ ۸۰ ہزار	۲۹ 〃 〃 〃
پوسٹ	POST	تین لاکھ ۵۰ ہزار	۲۳ 〃 〃 〃
سٹار	STAR	تین لاکھ تیرہ ہزار	۱۰½ 〃 〃 〃

رسالے		اشاعت	اجرت اشتہار
فارم جرنل (زراعتی)		۱۵ لاکھ	سوا روپیہ فی لفظ
جنٹل ووئمن نیو یارک	GENTLE WOMEN	۱۲ لاکھ دس ہزار	۸ روپیہ فی لائن
ہوم فرینڈ (گھریلو دوست)		۱۰ لاکھ ۱۰ ہزار	دو روپیہ فی لفظ
کنٹری ہوم	COUNTRY HOME	۱۵ لاکھ	ڈیڑھ روپیہ فی لفظ
امریکن پولٹری جرنل (رسالہ متعلق پرورش مرغیاں)		چار لاکھ	۱۲ر فی لفظ
ڈی ٹیکٹو گروپ (جاسوسی)		۵ لاکھ چالیس ہزار	۱¼ روپیہ فی لفظ
فاسٹ ووئمن گروپ (عورتوں کے متعلق)		تیرہ لاکھ	۴½ 〃 〃 〃
گڈ سٹوریز (کہانیاں)		دس لاکھ	۱۲ روپیہ فی لائن
ووئمنز ورلڈ نیو یارک	WOMEN'S WORLD	۱۱ لاکھ	
(عورتوں کی دنیا)	NEW YORK	〃	پندرہ روپیہ فی لائن

ہزاروں اخباروں اور رسالوں میں سے چند کا نام بطور نمونہ درج کیا گیا ہے جہاں تلاش علم کے لئے یہ حال ہو وہاں دولت کی بہتات کیوں نہ ہو۔ اس کے مقابلہ میں ہندوستان کے اخبار نویس تو اس پیشہ سے کبھی پیٹ بھی نہیں بھر سکتے۔

ہم لوگ تو امریکہ کے اخبارات کے اشتہاروں کے نرخ نامے پڑھ کر حیرت زدہ ہو جاتے ہیں اور اندازہ نہیں لگا سکتے کہ وہاں کے اشتہار بازوں کو اشتہارات کے لئے کتنا روپیہ صرف کرنا پڑتا ہوگا۔ اور وہ کتنا کماتے ہوں گے بہرحال یہ اعداد و شمار ہندوستان کے لوگوں کی آنکھیں ضرور کھول دیں گے۔

دلچسپ اعداد و شمار

سوئیاں تیار کرنے والی مشین ایک ہفتہ میں پندرہ لاکھ سوئیاں تیار کرتی ہے۔

برٹش میوزیم لائبریری میں روزانہ ایک سو کتابیں نئی آتی ہیں۔

ایک سال میں ...... ۳۳ کروڑ آدمی مرتے ہیں اموات کی فی گھنٹہ اوسط ۳۷۶۷ اور فی منٹ ۶۳ ہوتی ہے۔

روس میں ۵ ہزار ایسے ابتدائی اسکول ہیں جہاں ۳ لاکھ دودھ پیتے بچے سائنٹفک طریق سے پالے جاتے ہیں

ہندوستان میں دودھ پیتے کوڑھی بچوں کی تعداد ۱۴۴۹ ہے۔

افریقہ میں سات سو کے قریب زبانیں بولی جاتی ہیں ہر شخص دن بھر میں اوسطاً ۱۲ ہزار الفاظ بول جاتا ہے۔ ایک عالم نے اندازہ لگایا ہے کہ انسان کے سر پر اوسطاً ایک لاکھ ۳۲ ہزار کے قریب بال ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں برما میں بوڑھے آدمیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے یعنی کل آبادی کا ۳ء۱۱ حصہ پچاس برس یا اس سے زیادہ عمر والوں کا ہے۔

دنیا میں یہودی لوگوں کی ایسی قوم ہے جس میں دنیا بھر کی ہر ایک قوم سے زیادہ بچے ہوتے ہیں یعنی فی گھر اوسطاً ۵ء۹ بچے موجود ہیں۔

صوبہ مدراس میں عورتوں کی تعداد اور تمام صوبوں سے زیادہ ہے یعنی اوسطاً ایک ہزار مردوں کے مقابلہ میں ۱۰۲۵ عورتیں ہیں۔ اور اس کے برعکس پنجاب میں ایک ہزار مردوں کے مقابلہ میں ۸۳۱ عورتیں ہیں۔

بادل زمین سے ۶½ میل سے زیادہ اوپر نہیں جا سکتے۔

ابابیل ۹۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑ سکتی ہے۔

آواز کی رفتار ایک ہزار ایک سو چالیس فٹ فی سکنڈ اور روشنی کی رفتار ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سکنڈ ہے۔

افسانہ

رنج و راحت

از جناب علی حسن مرادآبادی

رات کا وقت اور صرف سناٹا، ہوا بند تھی اور کھلے ہوئے آسمان سے نیا چاند اللہ گڑھ کے پہاڑی قلعہ کی فصیلوں اور برجوں پر اپنی روشنی ڈال رہا تھا اور سب لوگ بے خبر سوتے تھے۔ صرف پہرہ دار کے باقاعدہ رکھنے والے پاؤں کی آواز سنائی دیتی تھی جو کبھی رک رک کر اس تاریکی کی طرف دیکھنے لگتا تھا جو گھاٹی میں چاروں طرف چھائی ہوئی تھی۔ قلعہ دار تو دن بھر کا تھکا ہوا تھا اور پہرے والے سپاہی کے علاوہ قلعہ کی چار دیواری میں صرف ایک آدمی اور جاگتا تھا جو خوشبودار تمباکو کے دھوئیں سے اپنے اعصاب کو تسکین دے رہا تھا۔

حقہ نوش ایک بیش قیمت نرم قالین پر تکیہ لگائے اس طرح بیٹھا تھا کہ دایاں بازو تکیہ پر ٹیک کر سر کو سہارا دے رہا تھا اور بائیں ہاتھ میں ایک کا... گڑگڑی تھی جس کی چلم سے نکلے ہوئے دھوئیں کے حلقے بن بن کر چھت کی طرف اٹھ رہے تھے۔

یہ کون تھا؟ اس کا جواب قلعہ کا ہر شخص دے سکتا ہے گو مکھ پال سے لیکر بڈھے بھیلدی تک جو ڈیوڑھی میں بیٹھا بونیاں گانٹھا کرتا تھا کون ہے جو پرشادی لال صراف کے نام اور کام سے واقف نہیں، کپتان سنگھ دار... سے رام لال پنساری تک سب اس کے مقروض تھے گو پاس پہاڑی کے رہنے والوں میں وہ سب سے دولتمند مہاجن اور ساہوکار تھا۔

پرشادی لال اس وقت بہت خوش تھا حقہ کا کش لگا کر اس کا دھواں نتھنوں کی راہ سے نکالتے ہوئے وہ دن بھر کے منافع کا اندازہ بڑی مسرت سے لگا رہا تھا۔ آج کا دن واقعی اس بڈھے ساہوکار کے لئے بہت خوش نصیبی کا تھا معلوم ہوتا تھا کہ کسی بھاگوان کا منہ دیکھ کر اٹھا ہے۔ سر شام ایک شکستہ حال مہاجن اس کی ملاقات کو آیا۔ اس کا قصہ بہت دردناک تھا۔ خلاصہ یہ کہ اس کے غلہ کے اونٹ اجین سے آتے ہوئے ... ٹھگوں کے ہاتھوں لٹ گئے۔ اب وہ کسی سے روپیہ قرض لیکر نئے سرے سے بیوپار کرنا چاہتا تھا۔ پرشادی لال کو اب شکار خوب پھانسنا آتا تھا۔ سارا قصہ سنکر اس نے بدنصیب مہاجن سے ہمدردی کی مگر ساتھ ہی کہا کہ میری پونجی سا گر میں جمع ہے ورنہ آپ کی امداد سے ہرگز دریغ نہ کرتا۔

دونوں میں بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی مگر یہ بیان کرنا غیر ضروری ہے کہ جب مہاجن اٹھ کر چلنے لگا تو اس کے پاس پرشادی لال صراف کا دس ہزار روپیہ تھا، جو اس نے ۳۳½ فی صدی سود پر حاصل کیا تھا۔ اس کی ایک بہت بڑی حویلی ساگر میں تھی۔ پرشادی لال عرصہ سے اس پر دانت رکھتا تھا۔ موقعہ پاکر اس نے اسے اپنے نام گروی کرا لیا۔ اس بڑے منافع کے سودے کو یاد کرکے وہ اتنا خوش ہوا کہ جوش میں حقے کے لمبے کش لگانا شروع کر دئے جس سے بہت جلد سارا کمرہ دھوئیں سے بھر گیا۔

حقہ نوش کی آنکھیں تمباکو کے مسکن اثرات سے قدرے بند ہو چلی تھیں کہ دروازہ کا پردہ ہٹا۔ اور ایک سولہ سترہ سال کی حسین لڑکی داخل ہوئی، یہ پرشادی لال کی اکلوتی لڑکی شانتا کماری تھی۔ باریک ململ دوپٹہ کی سرسراہٹ بڈھے کے کانوں میں پہونچی تو چونک گیا۔ اور اس لڑکی کی طرف انداز حیرت سے دیکھنے لگا۔

"کیوں شانتا کیسے آنا ہوا؟" اس نے پوچھا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ سو گئی ہو۔ مگر شانتا کماری کے منہ پر ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں۔ دایاں ہاتھ جس سے اس نے دوپٹہ کو سنبھال رکھا۔ کانپ رہا تھا۔ بڑی کوشش سے کہنے لگی:-

پتاجی میں سو رہی تھی کہ ایک ڈراؤنی سپنا دیکھ کر ڈر گئی۔ میں نے اس کو بھولنے کی بہت کوشش کی مگر اور وہ فقرہ کو ناتمام ہی چھوڑ کر کانپنے لگی۔ بڈھے صراف نے سرسری طور سے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔

"بیٹا شانتا کماری تو بہت ڈر گئی ہے آ میری پاس آ، تجھ کو تسلی دوں!"

شانتا کماری باپ کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ اور خواب کی تفصیل بیان کرنے لگی اور اس کے بعد اس نے وہ تعبیر بھی بیان کی جو بوڑھی خادمہ کیسری نے بتائی تھی۔

پرشادی لال اس کی داستان کو غور سے سنتا رہا پھر بولا:-

"نہیں، نہیں تو اکیلی سو رہی تھی اس سے ڈر گئی ہے اب جا کر پنڈت اور دان کو بھول جا اور آرام سے سو۔ کیسری سے کہنا تیری پاس سو رہے گی۔ تو جانتی ہے کہ پریم چند کو مرے کے سال ہو گئے ہیں۔"

اس نے شانتا کماری کو تسکین دی اور آخر جب وہ تھکتے ہوئے قدم سے رخصت ہوئی تو خود بھی اٹھ کر پلنگ پر لیٹ گیا۔

غریب شانتا کماری باپ کے کہنے سے اپنے کمرہ میں چلی تو گئی مگر نیند کہاں اس دہشت ناک خواب کے سلسلہ میں جو اس نے اپنے بڈھے باپ سے بیان کیا تھا دل میں پریم چند اور پنڈت اروں کی نسبت کئی طرح کے خیالات پیدا ہو رہے تھے، اس جگہ اس کے دل کی حالت کا صحیح اندازہ کرنے کیلئے اس کی زندگی کے بعض واقعات کا ذکر کرنا ناموزوں نہ ہوگا۔ بچپن میں اس کی نسبت کوٹہ کے ایک نامی ساہوکار کے لڑکے پریم چند سے ہوئی تھی، جس سے ... کے باپ کا لین دین تھا۔ حسن اتفاق سے دونوں نے چھوٹی عمر میں ایک ہی جگہ پرورش پائی۔ پریم چند کی طبیعت میں فیاضی کا عنصر غالب تھا وہ دلیر پرجوش اور منہ پھٹ تھا۔ مگر بعض اوقات اس جوش کے غیر معمولی ابال سے حلیم الطبع شانتا کماری کو خائف بھی کر دیتا تھا۔ شانتا کماری کی بجائے کوئی اور ہوتا تو شاید ان باتوں پر پریم چند سے محبت کے عوض نفرت کرنے لگتا۔ مگر بعض عورتیں امتحان عشق میں بلا کی ثابت قدم ہوتی ہیں جس طرح انگور کی بیل اس ... جو بلوط کی جڑ کو ہلا دیتی ہے اس سے لپٹی رہتی ہے اسی طرح شریف اور وفادار عورت دلیر اور تند مزاج ...

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

گلابی شام!

(از جناب فطرت واسطی)

فضا سنہری شفق لالہ گوں گلابی شام
خنک ہوائیں، ہواؤں میں شام کے آثار
فلک پہ قوس قزح تتلیاں درختوں پر
ہوا میں اڑتی ہوئی ہرسنگار کی خوشبو
سبک طیور وابابیل و سار و کبک و قاز
گلابی ابر میں قازوں کی آسماں پہ قطار
چمن تمام بہاروں سے جنت بینوش
چمن کی بھیگی روش پر پری خوں کا جمال
گلابی جاڑا، بہاریں جوانیوں کا رس
یہ رنگ حسن، یہ باغ، بہار کیا کہنا

ہوائیں نشہ سے لبریز، ابر محو خرام
دلوں میں کیف، نگاہوں میں مستی بیدار
چمن میں پھولوں کا انبار شامہ پرور
فضا میں عطر کی موجیں رواں دواں ہر سو
ہوا میں نغمے، فضا میں سرود کی آواز
کہ جس طرح سر گردوں ہو کہکشاں کی بہار
حسین شام کے سایہ میں ہر نظر مدہوش
حسین جلوؤں میں اٹھتی جوانیوں کا گلال
خراب عشق و محبت ہر ایک موج نفس
میری نگاہوں کا عز و وقار کیا کہنا

برس رہی ہے محبت، ابل رہا ہے شباب
ہے آج شام کی ہر ساعت حسین نایاب

(پچھلے صفحہ سے)

کی بے باکانہ گرم جوشی کی اکثر مزاج پائی جاتی ہے۔ پریم چند میں بعض عیب ضرور تھے لیکن شانتا کماری اُن کو نظر انداز کر گئے تھی اس کے محاسن کو دیکھتی تھی۔ محبت اس کی طبیعت کا جزو بن چکی تھی، یہ پاک جذبہ اسی وقت سے ہی اس کے سینہ میں جوش زن تھا، جب تک اس بات کو سمجھنے سے قاصر رہتی ہے کہ محبت کس چیز کا نام ہے۔ آخر ایک وقت آیا جب پریم چند کو اس کے باپ نے گھر سے نکال دیا۔ رخصت ہوتے وقت وہ اپنی تصویر شانتا کماری کے قلب حزیں پر منقش چھوڑ گیا۔ ہجر کی آگ تیز ہوئی، دن کو تصورات کرخواب میں اس کے سیاہ گھر سے ہوئے بالوں سے چھپی ہوئی پیشانی نشیلی آنکھیں اور وہ ہونٹ جن پر دیوتا مدن نے اپنی صناعی ختم کر دی تھی، شانتا کماری کے پیش نظر رہتے۔ جب کبھی وہ چاندنی میں سیر کرنے جاتی یا صبح کو ہوا خوری کے لئے برآمدہ میں کھڑی ہوتی۔ تو اس کی تصویر اپنے سامنے دیکھتی تھی یا نسیم کے جھونکوں میں اسے پریم چند کی آواز سنائی دیتی اور وہ محسوس کرتی تھی کہ اس کا مقصود ہیولانی صورت میں میرے گرد منڈلا رہا ہے کس ذوق سے وہ اُن خطوط کو پڑھتی تھی جو گاہ بگاہ اس کی طرف سے وصول ہوا کرتے تھے۔ ان خطوط میں پریم چند عموماً اس بات پر زور دیتا تھا کہ تمہارے ساتھ میری محبت ذرہ بھر کم نہیں ہوئی۔ شانتا کماری ان خطوں کے مضمون کو خوش ہو ہو کر پڑھتی اور اسے اپنے دل میں جگہ دیتی تھی، لیکن افسوس کہ یہ تعلق عارضی تھا۔ دفعتہً پریم چند کے خط آنے بند ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ وہ مفقود الخبر ہے کسی کو معلوم نہ تھا کہ کہاں گیا۔ اسی دن سے شانتا کماری کے چشم نرگس سے اشک بہنے لگے عارض گلفام نے خزاں کی صورت اختیار کر لی۔ اور وہ دل جو کچھ عرصہ پہلے ہی محبت اور خوشی کا خزانہ بنا ہوا تھا اب الم و یاس کا مخزن تھا اور اداس ہو کر مرجھائی ہوئی کلی بن گیا۔

اور پریم چند۔ وہ کہاں تھا؟ حقیقت میں ابتدا سے ہی اس کو ساہوکاری لین دین سے نفرت تھی، اسکی طبیعت میں ایک ایسا جوش تھا جو تجارتی زندگی کی ہم آہنگی سے گھبرا جانا پسند نہیں کرتا۔ روح ایسے کاموں کے لئے بے قرار رہتی تھی جس سے چار دانگ عالم میں نام ہو۔ اس نے بہت جلد اپنا ارادہ مضبوط کر لیا۔ ان دنوں امیر خاں پنڈاری کا نام ہر گھر میں شہر میں مشہور تھا۔

پریم چند کو اس کی جماعت سے بہتر کوئی اور جگہ حصول شہرت کے لئے نظر نہ آئی، گھر سے نکلا تو اس کی رہبری اور ڈاکہ ڈالنے والی سپاہ میں شامل ہو گیا۔ اور بہت جلد اپنی دلیری اور اولوالعزمی سے اتنا رسوخ حاصل کیا کہ امیر خاں کا مشیر خاص بن گیا۔

مگر کیا وہ خوش تھا؟ کیا اس دلیری کی زندگی نے اس کو تسکین دی؟ نہیں! شوکت و دولت حاصل کرنے کی چاہ جب ایک بار پوری ہو گئی تو اس کے مزاحمانہ اثرات نے تاسف پیدا کرنا شروع کیا۔ کبھی اس کو حکومت کی آرزو تھی مگر جب اختیارات مل گئے تو انھیں ہیچ سمجھنے لگا۔ اس نے بعد از وقت محسوس کیا کہ شہرت و ثروت کی خواہش محض ایک سراب ہے کہ جتنا آگے بڑھو اتنا ہی پیچھے ہٹا جاتا ہے پہلے اس کو سپاہی کی زندگی میں دلفریبیاں نظر آتی تھیں مگر اب نابود ہو گئیں، وہ بہت جلد اپنے موجودہ طریق زندگی سے سیر ہو گیا۔ تب وہ سوچا کرتا تھا کہ کسی طرح پھر اپنے کنبہ میں واپس ہو مگر وہ زمانہ اور تھا کیونکر ممکن تھا کہ جو شخص ایک قزاق پٹھان کے ساتھ رہ کر اپنی ذات پات کھو چکا ہے اس کو اس کے متعلقین اب واپس آنے کی اجازت دیتے۔ گاہ بگاہ شانتا کماری کی معصوم شبیہ یاد دل میں اثر جنوں پیدا کرتی تھی جب وہ سوچتا کہ میں کیا تھا اور کیا ہو گیا جب وہ اپنے عہد ہستی کے عجیب و غریب حالات پر ایک نظر بازگشت ڈالتا تو سخت پریشانی اور پچھتاوے میں پڑ جاتا۔

اس حالت میں وہ کہا کرتا تھا: میں اسے بھلا دوں گا میں کوشش کروں گا کہ اس کی تصویر اپنے دل اور اس کا نام اپنی یاد سے محو کر دوں۔"

مگر افسوس، اب کرنا محال تھا بھلا دینا ممکن تھا

(۲)

پرشادی لال صراف کے مکان کے چھوٹے سے کمرہ میں چارپائی پر شانتا کماری بے ہوش پڑی تھی اور دوسری طرف ایک جوان اس کا خوشنما چہرہ دیکھ رہا تھا۔

اسی کمرہ میں پرشادی لال سخت اضطراب کی حالت میں ٹہل رہا تھا، آنکھیں سرخ تھیں اور پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے، یکایک رک کر کچھ سوچنے لگا۔ اس کے بعد پھرتی سے اس نوجوان کے پاس گیا۔ اور اپنا ہاتھ اس زور سے اس کے کندھے پر رکھا کہ پریم چند کیونکہ نوجوان وہی تھا سامنے کی دیوار سے جا لگا۔ خون کبوتر کی طرح سرخ آنکھوں سے اس کی طرف گھورتے ہوئے بڈھے صراف نے کرخت لہجہ میں کہا:۔

"کم بخت! کمینے جا! میرے مکان سے نکل جا۔ یہاں محض تیری بدولت ہی رنج و غم داخل ہوئے ہیں جلدی کر، ورنہ تجھے معلوم ہو گا کہ میرا خون اتنا سرد اور نہ میرا بازو ایسا کمزور ہے کہ تیری اس حرکت کا انتقام نہ لوں"

مگر پریم چند نے اس دھمکی کی پروا نہ کی، وہ دونوں بازوؤں کو فراخ چھاتی پر لپیٹے دیوار سے لگا ہوا کھڑا تھا جسم کا کوئی حصہ آنکھوں کے سوا حرکت نہ کرتا تھا۔ اور آنکھیں ٹکٹکی باندھے شانتا کماری کو دیکھ رہی تھیں،

چند منٹ بعد وہ آہستگی سے اور اداسی سے بستر کے پاس پہنچا اور بدستور پہلی حالت میں کھڑا ہو گیا۔ پرشادی لال دوبارہ اس کی طرف آنے کو تھا کہ پریم چند نے نفرت سے اس کی طرف گھورتے ہوئے دیکھا۔ اور کرخت لہجہ میں کہا: بڈھے صبر کر، میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک اسے ہوش نہ آ جائے پرماتما کا شکر ہے کہ وہ ابھی زندہ ہے"

شانتا کماری نے آنکھیں کھول کر حیرت سے دائیں بائیں دیکھا بوڑھی کیسری یہ حالت دیکھ کر بولی، مہابیر سوامی میں تیرے پانچ من کے لڈو چڑھاؤں جو میری شانتا کماری پھر صحیح و سلامت ہو جائے"

بیٹی کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر پرشادی لال کو بھی اتنی خوشی ہوئی کہ لمحہ بھر کو اپنے غصہ و اضطراب کو بھول گیا۔ اتنے میں پریم چند بولا: "شانتا کماری"

نازنین نے اس کی طرف دیکھا۔ نگاہ میں عشق و حسرت کا اشتراک تھا لیکن یکایک اس کا طور بدلا۔ پرانے واقعات کی یاد کام کر گئی، آنکھیں دوبارہ بند ہو گئیں۔

یہ اشارہ پاکر عاشق ناکام پریم چند اداسی سے سر جھکائے باہر نکلا اور اس کے پیچھے دروازہ بند کر دیا گیا تھوڑی دیر سنگریزوں پر گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اس کے ایک گھنٹہ بعد ہر ان نصیب عاشق ساگر کے قریب امیر خاں کے کیمپ میں پہونچ گیا۔

(۳)

شام ڈھل چکی، چاروں طرف اندھیرا پھیل رہا تھا آسمان پر چند ستارے جھلملا رہے تھے مگر وہ خاموشی یا سناٹا نہ تھا جو رات کا جزو لازم سمجھا جاتا ہے ہر طرف سے چیخ پکار، گریہ و زاری کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، جلتے ہوئے مکانوں کے ٹوٹ کر گرنے کی آواز گاہ بگاہ ان میں ملکر اور زیادہ خوفناک بنا دیتی تھیں۔

ساگر کی مغربی فصیل پر ایک سپاہی تنہا حالت اضطراب میں ٹہل رہا تھا۔ قدم تیز مگر ناہموار اپنے قیمتی لباس سے وہ کوئی ذی مرتبہ شخص معلوم ہوتا تھا علاوہ بریں تلوار جو اس کے ہاتھ میں تھی اس کے جڑاؤ دستے کے بیش قیمت جواہرات چاند کی روشنی میں آب و تاب پیدا کر رہے تھے،

اس کے چہرے کے آثار، بے رنگ پیشانی بے ربط الفاظ جو وقتاً فوقتاً اس کے ہونٹوں سے نکلتے تھے نیز اس کی چال، سب باتیں کسی دقیق الجھن کو ظاہر کرتی تھیں کیا عجب ہمارے ناظرین سمجھ گئے ہوں کہ یہ شانتا کماری کا عاشق ناکام پریم چند تھا۔

رفتہ رفتہ اس کا قدم زیادہ مستقل اور پیشانی صاف ہونے لگی۔ چلتا چلتا رک گیا۔ اور ناٹک کے طرز سے ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا۔

"نادان! تیرا یہ خیال عبث ہے کہ قسمت کی دیوی پھر ایک بار تجھ پر ہنسے گی، ان فضول ارادوں کو دل سے نکال، تجھ میں اور اس میں کالے کوسوں کا فاصلہ ہے"

وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ آواز آئی "پریم چند!" وہ رک گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک طویل القامت آدمی تاریکی سے نکل کر اس کی طرف آتا نظر آیا یہ امیر خان پنڈاری تھا۔

دونوں میں اس دن کے واقعات پر گفتگو شروع ہوئی، پریم چند نے شانتا کماری کے پاس جانے، اس کے لطف و سلوک سے پیش آنے مگر پچھلے دو ماہ کے واقعات سنکر بڈھے صراف کے طیش کھانے اور اپنی محبوب کے مکان سے نکال دئے جانے کا ذکر کیا۔ امیر خاں ساری کیفیت سنکر کہنے لگا: "پھر کیا اب اس لڑکی کو پانے کی آرزو ہے"

پریم چند نے جواب دینے سے پہلے چند منٹ توقف کیا۔ پھر بولا "خیال یہ آپ کی آنکھ اس کے باپ کی دولت پر لگی ہوئی ہے۔ واقعی وہ اتنا مالدار ہے جتنا میں غریب ہوں"

امیر خاں نے جواب دیا یہ وقت بحث کا نہیں ہے کل مجھ سے میرے خیمہ میں ملو، وہ اتنا کہہ کر رخصت ہوا اور اس کے تھوڑی دیر بعد پریم چند بھی کسی طرف کو چلا گیا۔

(۴)

گل و بلبل کی ملاقات کو دو ماہ کا عرصہ گزر گیا۔

جب سے پریم چند شانتا کماری کو بے ہوش چھوڑ کر آیا تھا شانتا کماری نے اس کی نسبت کوئی خبر نہ سنی تھی، خیال تھا کہ ساگر میں ہوگا مگر یقین نہ تھا تنہا اور اداس وہ اس کمرہ میں بیٹھی تھی جس سے حرمان نصیب پریم چند کو بیمار پر نکالا گیا تھا۔ اور اب اس کا دل طرح طرح کے خیالات سے بے چین تھا۔

یکایک اس طرح کی آواز سنائی دی جو آدمیوں کی چاپ اور گھوڑوں کی رفتار سے ملتی تھی دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ امیر خاں کی فوج ساگر سے کوچ کر رہی چلی آرہی ہے غرفہ میں بیٹھی ہوئی وہ ہر ایک سپاہی کی صورت کو نظر غور سے دیکھ رہی تھی، مگر تمام سپاہی گزر گئے اور پریم چند نظر نہ آیا۔ کچھ عرصہ سے افواہ تھی کہ امیر خاں پنڈاری ساگر کی لڑائی میں مارا گیا، خیال آیا کہ کہیں پریم چند بھی اس کے ساتھ کام نہ آ چکا ہو اور یہ دکھ دل وہ جھرکے سے اٹھی اور بے اختیار رونے لگی اس لئے کہ پریم چند کو اپنے ہاتھ سے نکلوا چکی تھی تاہم اس کی تصویر کو دل سے نکالنا اختیار سے باہر تھا۔

(۵)

اگلے دن قلعہ کا دروازہ کھلا اور امیر خاں ایک سو جوانوں کی جمعیت کے ساتھ داخل ہوا۔ اس وقت پریم چند اس کے ہمرکاب نہ تھا۔

پرشادی لال اپنے کمرہ میں بیٹھا حساب کی جانچ کر رہا تھا کہ دو پٹھان جن کی صورت سے وحشت اور خشونت ٹپکتی تھی، داخل ہوئے، اور کچھ کہے سنے بغیر اسے پکڑ کر گرفتار کپتان کے کمرہ میں لے گئے۔ کمرہ میں ایک آدمی اور بھی تھا جسے پرشادی لال نے پہچانا۔ یہ لٹیروں کا سرغنہ امیر خاں پٹھان تھا

امیر خاں یہ ارادہ کر رہا تھا کہ پرشادی لال پر طرح طرح کے ظلم کر کے اس سے بڑی رقم وصول کی جائے،

دفعتہً دروازہ کھلا اور پریم چند دندناتا ہوا داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر امیر خاں کے چہرہ پر اضطراب اور پریشانی کے علامات ظاہر ہوئے اور اس کے آدمی بکا بکا ہو کر رہ گئے۔ پریم چند پر اس بھیانک نظارہ کا اتنا اثر ہوا کہ چند منٹ تک کچھ نہ بول سکا آخر بھرائی ہوئی آواز سے کہنے لگا۔

"افسوس! افسوس! آپ اس ظلم میں مصروف ہیں اور ادھر آپ کی سپاہ باغی ہو کر شانتا کماری کو لے بھاگی،

بڈھا پرشادی لال جو اب تک مورت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا تھا اس خبر کو سنکر اتنے جوش میں آیا کہ اس رسی کو جس سے پاؤں بندھے ہوئے تھے جھٹکے سے توڑ ڈالا اور کھڑا ہو کر چیخ کر بولا۔

"او پریم چند اس کو بچا۔ اس کی خاطر میں ساری دولت تجھے دے دوں گا۔ لیکن پریم چند اس فقرے کو سنے بغیر ہی وہاں سے چلا گیا تھا بڈھا دیوانہ وار اس کے پیچھے دوڑا مگر وہ غائب ہو چکا تھا۔

باقی صفحہ ۴۴ پر

جرنلزم — افکار و حوادث

ایک اخبار نویس کی پُر آلام اور بے آرام زندگی!

[illegible]

ایک اخبار نویس کی زندگی غالباً ایک قیدی کی زندگی کی نسبت کم قابلِ رشک نہیں ہوتی، ایک اخبار نویس کو کس قدر روح فرسا ذہنی و جسمانی محنت کرنی پڑتی ہے اس کا بہت کم اندازہ غیر صحافی لوگوں کو ہوگا۔ قیدی کو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شام تک اسے یہ کام ختم کر لینا ہے۔ اور اس کے سوا کچھ نہیں مگر اخبار نویس کو دن رات ان تھک محنت کرنے پر بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا کس قدر کام تھا اور کتنا باقی ہے۔ ماہانہ ہفتہ وار یا روزانہ اخبار یا رسالہ کے صفحات ایسے ایسے مضمون اور مسالہ سے بھرنے ہیں جو اچھوتے اور نئے ہوں جو ابھی تک کسی اور کی سوجھ میں نہ آئے ہوں اور یہ کام اسے روزانہ کرنا پڑتا ہے اس سے اس کے کام کی سختی کا اندازہ لگائیے اسے دن رات قلم کی روانی و رفتار سے کام کرنا پڑتا ہے اور پھر اس کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے کہ وہ بے کیف اور پھیکے مضمون بھی پیدا نہ کرے۔

یہ وسیع دنیا ایک اخبار نویس کے قلم کی جولانگاہ بننے کے لئے بہت چھوٹی ہے جب ہفتہ کے اختتام پر دنیا کے اس سرے سے لے کر اس سرے تک کے معاملات اس کے صفحات پر آ چکتے ہیں تو اب وہ حیران ہوتا ہے کہ آگے کیا لکھے؟

دنیا کا اب کون سا حصہ اور گوشہ ہے جسے وہ اپنے قلم کی زد میں لائے۔ ایسے نازک موقعہ پر صحافی بیچارہ بجا طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کیا کر بیٹھے گا۔ اور کیا کر سکیگا!!

دنیا پر مضمون کی بہت کمی ہے ذرا تنگ دامنی کو دیکھئے صرف چند ممالک دنیا کے ایسے ہیں جن کے بارے میں کوئی دلچسپی کی گفتگو آپ اپنے اخبار [illegible] کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ لڑائی صرف اسپین میں ہو رہی ہے جہاں لوگ اپنے اہل ملک کو مار رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں خوب کشت و خون ہو رہا ہے اس سے اخبار نویس کیونکر اختلاف کر سکتا ہے مگر صرف اس کشت و خون کی خبریں چھاپ دیں تو پڑھنے والوں کی دنیا بے مزہ رہے گی، ضرورت اس کی ہے کہ پڑھنے والوں کو کچھ اور بھی بتایا جائے لڑائی کیونکر لڑی جا رہی ہے، قتل و خون کے حالات کیسے ہولناک ہیں کیا کیا طریقے جنگ کے استعمال ہو رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے پڑھنے والوں کو فضول تجسس اور سوال پسندی کی ایسی عادت ڈال دی ہے کہ اب وہ ایک معمولی بات سے تشفی حاصل نہیں کر سکتے، اگر کہیں قتل ہوا ہے تو انہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ قتل ہوا کیونکر اور ہوا ہی کیوں؟ یہی حال اسپین کی لڑائی کا ہے اخبار نویس کو ایک صدی میں وہ کرنی لکھنی ہے مگر جس قدر لکھے پڑھنے والوں کے لئے کم ہے وہ اپنا دماغ کہاں تک نت نئی باتیں سوچنے میں کھپائے گا۔ وہ اخبار نویس ہی کیا جو چارنس ڈکنس کے

کردار، دلیور ٹوسٹ کی طرح پڑھنے والوں کے لئے ---- اور ---- کچھ اور

سلسلہ وتیانہ رہے!!

فرانس، جرمنی اور اٹلی کی طرف نظر ڈالئے، یہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ فرانس، جرمنی کے خلاف ایک سنگ راہ پیدا کر رہا تھا، بقول وزیر اعظم فرانس، چونکہ ایک ناممکن بات کو ممکن نہیں کر سکتا تھا اس لئے لات دودھ کی مکھی کی طرح باہر نکال کر پھینک دیا گیا یعنی اس کو اٹلی، فرانس کا اتحاد کرتے ہوئے شرم پڑا اور مسولینی سے ساز باز کرنے کے کارن اس نے اپنے اہل ملک کو ناراض کر دیا۔

بقول کے بعد جو وزیر اعظم فرانس ہوا اس نے روس کی طرف اپنا رجحان ظاہر کرنا شروع کیا۔ اور برطانیہ سے بھی دل لگی جاری رکھی، اب یہ سب واقعات اس قدر عام ہیں کہ ہر ایک کو معلوم ہیں، پڑھنے والے اس سے زیادہ کچھ اور چاہتے ہیں، مثلاً پڑھنے والے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ پولینڈ کی فوج کے انسپکٹر جنرل نے فرانسیسی جنرل سٹاف کے حاکم اعلیٰ سے جو باتیں کی تھیں کیا تھیں؟ اب ان سب باتوں کا جواب دینے کے لئے اخبار نویس کے پاس ایک علی دماغ ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ جس قدر افسانے اور قصے تصنیف کرنا چاہے تصنیف کر سکتا ہے، اسے خبریں اور باتیں گھڑنی پڑتی ہیں اور اپنے پڑھنے والوں کے لئے جب تک یہ مصنوعی خبر تراشی اور تصنیف نہ کی جائے کوئی اخبار نویس کامیاب نہیں ہو سکتا۔

پڑھنے والوں کو وہ سب کچھ بتانا ہوتا ہے جو اس وقت ترکی، ترکستان، ایران اور یوگوسلاویہ میں ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے گویا اخبار نویس ایک ایسا حاضر و ناظر خدا ہے جو ہر ملک میں ہر وقت خبریں جمع کرنے کے لئے موجود رہتا ہے اور یہ کہ اسے عام پڑھنے والوں کی نسبت دنیا کا حال ذرا زیادہ معلوم ہے! میری اپنی رائے تو یہ ہے کہ اوسط درجہ کے ایک پڑھنے والوں کو جس قدر معلومات ہوتی ہیں اتنی ہی ایک جرنلسٹ کو ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود لوگ ہم سے اسی کی توقع کرتے ہیں کہ ہم کوئی نئی چیز ایجاد کر کے ان کے ذوقِ تجسس و تلاش جو [illegible] کی تسکین کریں

اگرچہ پڑھنے والے بھی اس بات سے بے خبر نہیں ہوتے کہ خبریں "گھڑی" جاتی ہیں اور خوب گھڑی جاتی ہیں اور سارا پیشہ اخبار نویسی ایک مستقل "فریب عظیم" ہے۔ مگر اس کے باوجود پڑھنے والا کچھ "دلچسپ دھوکہ" چاہتا ہے وہ جس قدر معلوم کر چکا ہے اس سے ذرا اور زیادہ معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اگرچہ غلط اور فریب وہی کیوں نہ ہو! دنیا میں ملک اس قدر کم ہیں کہ جرنلسٹ ان سب کے بارے میں سب کچھ کہنے اور بتلانے کے بعد حیران ہو بیٹھا رہتا ہے کہ اب کیا کہے اور کس ملک کے بارے میں کیا کہے بس ایسے نازک مرحلہ پر اسے خدا یاد آتا ہے اور وہ دعا کرتا ہے کہ اے خدا ہماری زمین کی طرف کسی ستارہ یا جرم فلکی کی طرف سے کوئی خوفناک فضائی حملہ کرادے جس کو دنیا چونک پڑے۔ اگر ایسا واقعہ نہ ہو تو اس قسم کی خبر تو ضرور ہی چھاپی جاسکے، اسی ہمت میں اس کو ایک اور بات سوجھتی ہے اور وہ یہ کہ کسی نئے دریافت شدہ ستارہ کا وجود ثابت کیا جائے اور پھر یہ کہا جائے کہ اس ستارہ کی تحقیق کے لئے انسانوں کی ایک مہم بھیجی جائے، اور یہ سوچا جائے کہ وہاں انسان آباد ہو سکتے ہیں یا نہیں، اگرچہ اسے خود بھی پختہ یقین ہوتا ہے کہ کوئی ستارہ ایسا نہیں ہے جسے وہاں کی آبادی سے انسان کلیتہً آزاد و صاف کر سکے اور جس طرح حبش پر اٹلی نے قبضہ کر لیا ہے اس طرح انسان اپنی نو آبادی بنانے کے لئے اس ستارہ کو مفتوح و مغلوب کر سکے۔ مگر اس کے باوجود وہ خبر تراشی میں مصروف رہتا ہے۔ اگر اس قسم کا کوئی مسالہ ہاتھ آ جائے تو اخبار نویس اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھتا ہے کیونکہ کچھ نہیں تو سال بھر کے لئے تو اسے اخبار کے کالم بھرنے کے لئے مسالہ ہاتھ لگ گیا ہے اس کے بعد کسی نئے ستارہ کی تحقیق کی کہانی شروع کی جاتی ہے۔

وہ وقت جب کائنات کے سارے اجسام فلکی اور ستارے معلوم ہو جائیں گے اور ان سب کے بارے میں سارا حال معلوم ہو جائے گا ابھی بہت دور ہے۔ اور بہت دور ہے اس لئے اخبار والوں کو خبروں کی اور معلومات کی کمی کی طرف سے کوئی تشویش سر دست محسوس نہیں ہوتی علاوہ ازیں ستاروں کے معاملات میں سماجی و سیاسی مسائل کو ابھی تک اخبار نویس نے داخل نہیں کیا ہے ورنہ گفتگو کا ایک لا انتہا سلسلہ شروع کر سکتا ہے کیونکہ یہ تو قطعی امکان ہے کہ ستاروں میں جنس سے زیادہ مہلک کوئی تحریک ضرور ہوگی اور ستاروں کو ایک قسم کی ضرورت وہاں کے کنٹرول کو دور کرنے کے لئے ضرور موجود ہونی چاہئے، ہم کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ستاروں کی مخلوق بیوقوف نہیں ہے اور اگر وہ واقعی بیوقوف ہیں تو اخبار نویس بتا سکتے ہیں کہ تم لوگوں کو اپنے حالات و ماحول پر مطمئن نہیں رہنا چاہئے اور "انقلاب" کی آواز بلند کرنی چاہئے۔ قناعت کار ایک حماقت ہے ہم ان سادہ مزاجوں کو بتائیں گے کہ ہم انسانوں کی مانند کس طرح بے اطمینان اور مضطرب و پریشان ہو سکتے ہیں!

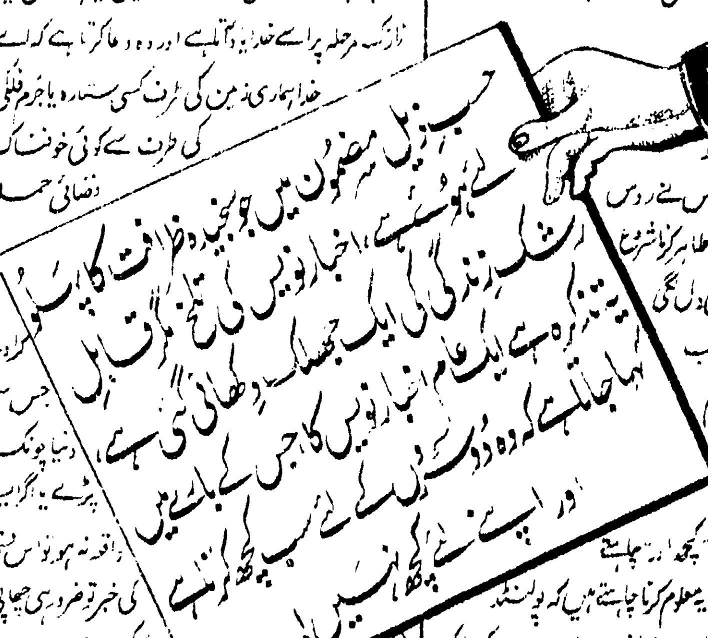
نئی نئی چیزوں کی دریافت اور نئے مقامات کے ملنے اور صحافی ضرورتوں نے تو یہاں تک جولانی دکھائی ہے کہ ذہن پرستوں نے دوسری دنیاؤں کی ممکن زندگی کے نقشے الفاظ میں کھینچنے شروع کر دئے ہیں چونکہ ابھی تک ان نئی دنیاؤں کا حال کسی نے چشم دید معلوم نہیں کیا ہے اس لئے جتنے جھوٹ اور زیب داستان قسم کی جس قدر اختراعات ہم کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ جھٹلائے گا کون؟

ہم تو اس دنیا میں تخفیف اسلحہ کی گتھی سلجھانے میں سر کھپا رہے ہیں مگر ہمارے صحافی بھائی جو منظر کشی کرتے ہیں اس میں بڑی آب و تاب کے ساتھ بتاتے ہیں کہ دوسری دنیا کے لوگوں کے پاس ہوائی جہاز، روس سے بھی زیادہ بڑے اور آسمانی غبارے "سرخ روسی" غباروں سے بھی زیادہ ہولناک ہیں ہمیں بتایا جاتا ہے کہ دوسرے ستاروں کی مخلوق جس قسم کے غبارے استعمال کرتی ہے ان میں باز و بھی لگے رہتے ہوتے ہیں اور پانی کے فیرن کی توپوں سے اس قدر خوفناک طریقہ پر نکلتے ہیں کہ کوئی دنیاوی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی!

بہرحال ضروری چیز یہ ہے کہ اس دنیا کے لوگوں کو بتایا جائے کہ دوسرے ستاروں کی مخلوق نے ترقی کہاں تک کر لی ہے۔ اور ہم کس درجہ پیچھے ہیں اس کا یہ نتیجہ تو ضرور ہوگا کہ حسد سے اہل دنیا جلنے لگیں گے اور بجائے آپس میں دست و گریباں ہونے کے دوسری دنیا سے مقابلہ و مسابقت کرنے کی ٹھانیں گے۔ ہمیں "روسی یوکرین" (لشکر) کو مفتوح کرنے، بیرونی منگولیا کے معاملہ پر غور کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ بلکہ ساری توجہات اور انسانی عمل و جد و جہد کا مرکز و نصب العین دوسری دنیاؤں کا مقابلہ کرنا رہ جائے گا۔

"جان بل" کے خاندان ذی شان کے لوگ ہندوستان یا دیگر ریشمانی زمینوں پر قبضہ کرنے کی فکر سے آزاد ہو جائیں گے۔ اور "عالم بالا" پر قابض و حاکم ہونے کی سوچنے لگیں گے اس کا ایک خوشگوار نتیجہ یہ بھی نکلے گا کہ انگریزوں کو بحر او قیانوس کے بحری راستہ کی حفاظت کرنے اور کیپ ٹاؤن

باقی اگلے صفحہ پر



سرمست ہے بشر

رنگ جدید

از جناب پنڈت اندرجیت صاحب شرما اچھرو ضلع میرٹھ

کس خواب کس خیال میں سرمست ہے بشر
یہ غافلی — یہ بے حسی
افسردگی — پژمردگی
کب ٹھیک ہے — تضحیک ہے
سستی سے کر حذر — چستی کے کھول پر
کس خواب کس خیال میں سرمست ہے بشر

دنیا کا خستہ حال ہے — دنیا کا تنگ حال ہے
ناداریاں — بے کاریاں
ناچاریاں — بے زاریاں
تو ہے کہاں — اے مہرباں
کیا ہے تری یہ چال — مستی کا توڑ جال
یہ وقت امتحاں کا ہے دکھلا کوئی کمال

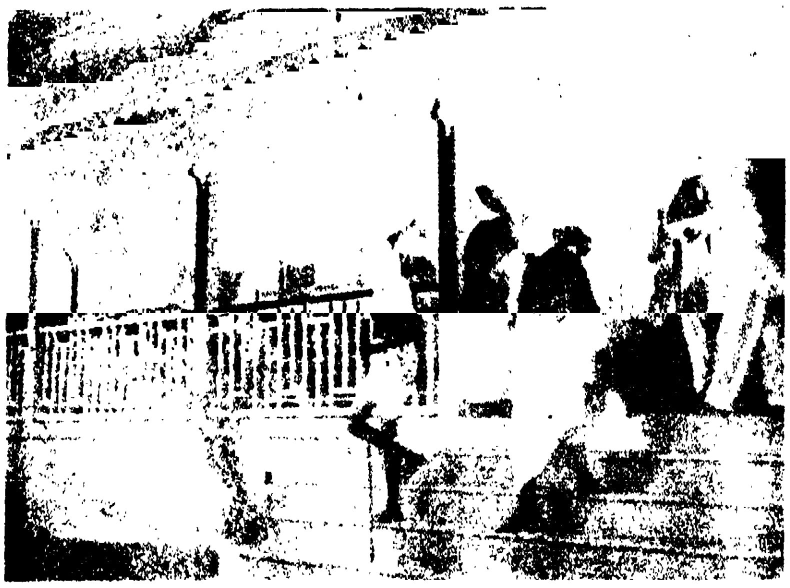
تو مورتی ہے فہم کی پتلا ہے عقل کا
فریاد کر — آزاد کر
آباد کر — دلشاد کر
یہ بزدلی — ہے کس لئے
بیدار ہو ہشیار — کیا سوچ کیا بچار
نصرت کا تیرے سر پہ ہے سایہ پڑا ہوا

کوشش کا اپنی پائے گا اک روز تو ثمر
اب ساز بن — آواز بن
پرواز بن — انداز بن
سب کو اٹھا — اونچا اڑا
ہمت پہ رکھ نظر — جرأت پہ رکھ نظر
سرشار کیوں نشہ میں ہے دیکھ آنکھ کھول کر
کس خواب کس خیال میں سرمست ہے بشر

پچھلے صفحے سے

کے راستہ کو صاف رکھنے کی زحمت جاتی رہے گی۔ موسیقی کی پستی ذلیل ہو جائے گی کہ وہ سیکنڈ ہینڈ چیزوں کی طرف دست درازی کرتا ہوا خودکشی کرلے!

گر غریب اخبار نویس کو تب بھی پڑھنے والوں کے لئے "سٹاپ پریس" کی خبریں دوسری دنیاؤں کے بارے میں تراشنا پڑے گا! اس کی مصیبت کا کوئی علاج نہیں ہے، نئی دنیائیں بنتی اور بگڑتی رہیں گی، گر جرنلسٹ کی کوششیں تلاش مضمون کی دوزخ کبھی نہیں بھرے گی، اسے ہر روز نئے اینڈ صنوں کی ضرورت ہوگی زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اخبار کا مالک ایڈیٹر کی جانفشانی کی داد دیگا اور کہیگا "شاباش پیارے! کیا کام کیا ہے!" اخبار ہاتھوں ہاتھ نکل جائے گا لوگ دوسری دنیاؤں میں جاکر بستیاں بنانے کی فکر میں غرق ہوں گے سلطنتیں سوچیں گی کہ اپنی پہلے سی بڑھی ہوئی وسیع سلطنتوں کو اب عالم بالا پر کیونکر اور وسیع کیا جائے گر ایک اوسط درجہ کے اخبار نویس کے لئے پھر وہی تھکا دینے والا پریشان کن سوال درپیش ہوگا کہ — "اب کیا؟!"

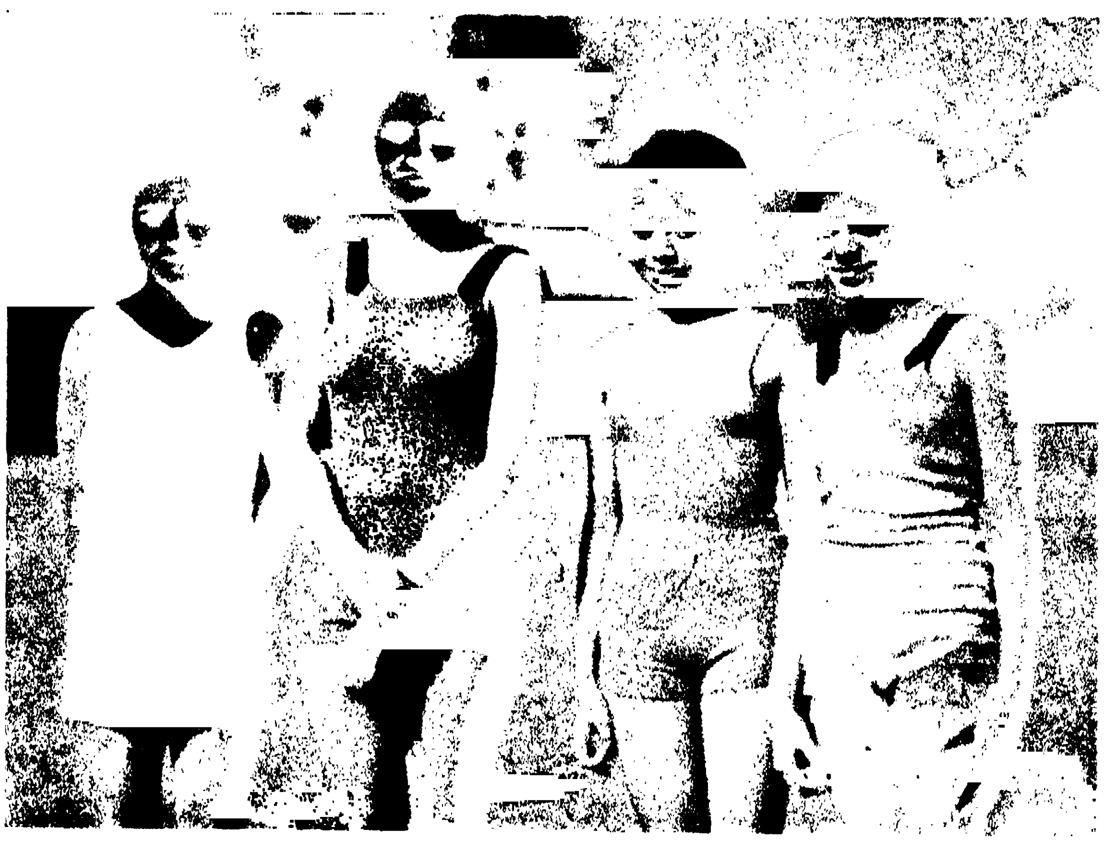


مہاتما گاندھی تھتھل کے مقام پر شام کی سیر کے لئے جارہے ہیں

پنڈت جواھرلال نہرو اور کماری اِندرا نہرو کا برما سے واپسی پر
کلکتہ میں شاندار اِستقبال



لارڈ لنلتھگو
وائسرائے ھند
اِطلاع ھے کہ آپ ھندوستان کے
موجودہ سیاسی جمود کے متعلق
۲۲ ماہ حال کو ایک اھم بیان شائع
فرمائینگے



پنجاب اولمپک پیراکی کے مقابلہ کے مختلف کھیلوں میں ان چار لڑکیوں نے اول اِنعامات حاصل کئے ھیں۔ تصویر میں بائیں جانب سے مس ایف-ھیس مس اُرملاسوندھی مس آر چٹرجی اور مس پلوتمہ سوندھی کھڑی ھیں



ڈیوک آف ونڈسر اور ڈچز آف ونڈسر شادی کی تقریب کے بعد گرجا سے باھر جارہے ھیں



کے دور میں اِنسانی صورتیں

ں ماسک پہنا کر زھریلی گیس کے کمرہ میں بھیجا
ں ٹوپیوں کے مفید ہونے کی جانچ کی جا سکے

جاپانی کی صورتیں ہیں۔ عورتوں کو گیس ماسک
ں کے کمروں میں اِمتحان کیلئے بھیجا جارہا ہے





جاپان کی ایک دوشیزہ اسکول جارہی ہے



جاپان کی فوج نقلی جنگ کی مشق کر رہی ہے

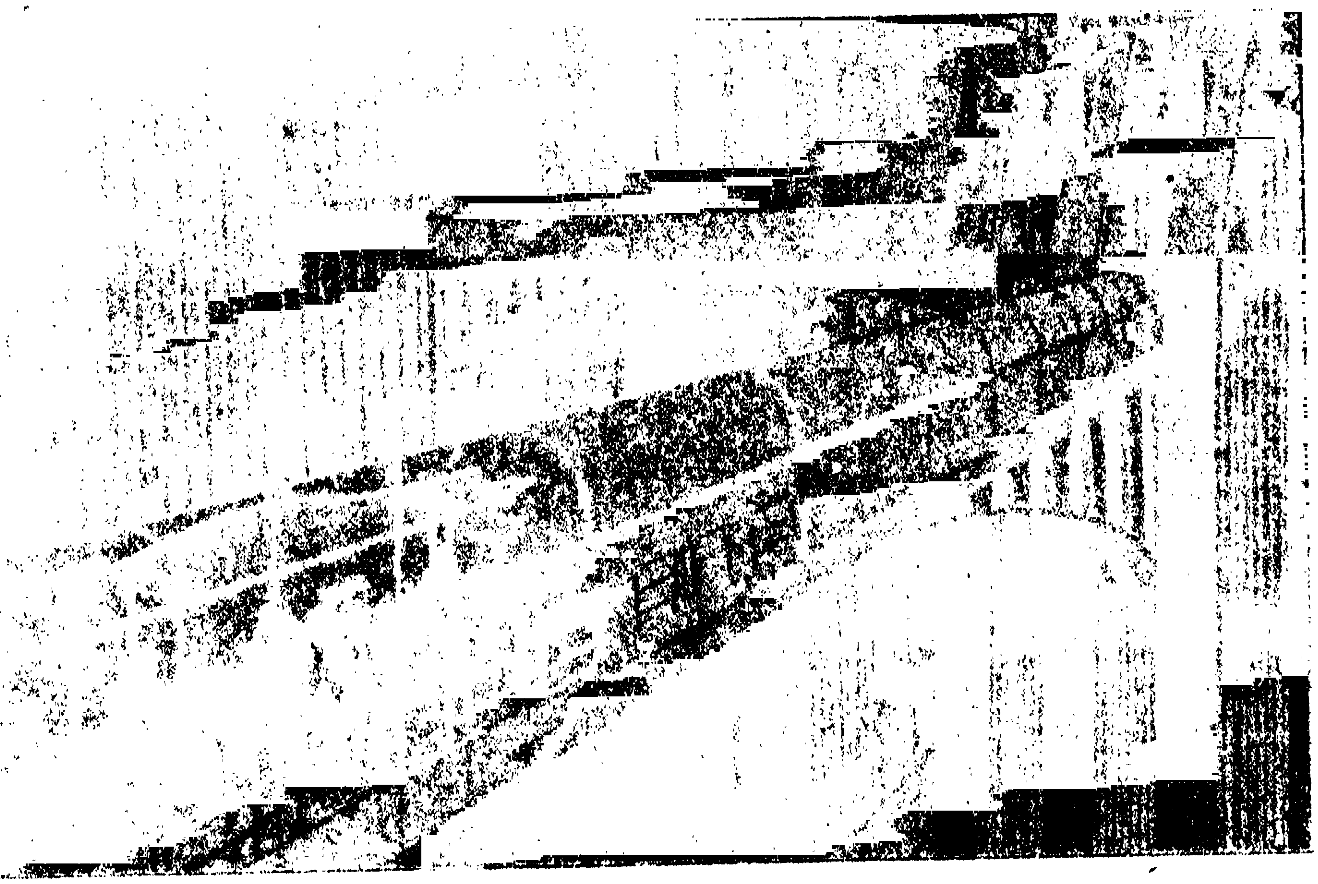


برلن کے مقام پر موٹرکاروں کی دوڑ میں مشہور چمپئن ڈبلٹس کی موٹرکار ایک ڈھلوان پہاڑ سے گذر رہی ہے



مس رواکا روڈیسہ جس کو سیلون کی سالانہ فینسی اور کارنیوال میں سیلون کی ملکہ حسن کا خطاب دیا گیا ہے۔ سادگی اسکا خاص طرہ اِمتیاز ہے

پچاس سال بعد کی دنیا (مضمون صفحہ ۷ پر دیکھئے)



جدید قسم کی ریلوے جو دس منزلہ عمارتوں کے اُوپر چلائی جائیگی- اور مسافروں کی نشستیں خود چلتی ہوئی نظر آئینگی



۱۹۸۷ء میں لوگوں کا لباس شیشہ کے دھاگے کا ہوگا- اور اِسکی وضع یہ ہوگی



دنیا کی سب سے پہلی خاتون مسز جی-بی- ملر اور اُسکا گھوڑا "مڈ-ڈے-سن" جس نے اِس سال ڈربی کی دوڑ جیتی ہے

کانگریس اور دیہات کا کام!

کسانوں کی اقتصادی حالت اور ترقی کے وسائل

(از قلم شریت شیو چرن لال)

گزشتہ انتخابات میں کانگریس کو جو زبردست کامیابی حاصل ہوئی ہے اس نے تمام ملک میں عموماً اور دیہات میں خصوصاً عجیب بیداری پیدا کر دی ہے، کانگریس کے ساتھ لوگوں کی بہی خواہیوں کا جذبہ بیحد بڑھ گیا ہے نیز اس وقت عوام اور بالخصوص اہل دیہات تک ہماری آواز پہونچ چکی ہے اور اس وقت اگر کوئی پائیدار تعمیری کام کیا جائے تو اس سے بہتر موقع شناسی اور کوئی نہیں ہو سکتی، یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ہندوستان کے دیہات یکسر انقلاب کے محتاج و منتظر بیٹھے ہیں اور ضرورت ہے کہ دیہاتی حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے۔

ہمارے دیہاتی بھائیوں کی جہالت، کامل افلاس، فاقہ کشی، خرابِ صحت، توہم پرستی، پرانے طریقِ زندگی اور خراب وسائلِ زراعت وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ جو ہماری فوری اصلاح کی محتاج ہیں۔

اب آئیے ہم یہ دیکھیں کہ گاؤں میں ہم کیا کیا کام کر سکتے ہیں میں دیہات کے کام کو چار حصوں میں تقسیم کرتا ہوں اقتصادی، سماجی، تعلیمی اور صحت و تندرستی علوم دیہاتی بھائیوں کی اقتصادی حالت بہت ناگفتہ بہ ہے ان کی آمدنی اس قدر قلیل ہے کہ نانِ جویں بھی مشکل سے میسر آتی ہے ان کی اقتصادی حالت کو درست کرنے کے لئے آمدنی کے ذرائع اور وسائل بڑھائے جائیں اور مصارفِ حیات کم کئے جائیں۔ دیہات کی آمدنی کے بڑے وسائل میں زراعت سب سے آگے ہے مگر زراعت کی ترقی و اصلاح کا کام بہت زبردست انقلاب کا محتاج ہے میں چند تجاویز اس اصلاح کے بارے میں پیش کرتا ہوں اور امید ہے کہ اگر ان پر عمل کیا گیا تو حالات بہت بہتر ہو جائیں گے۔

(۱) کاشتکاری میں استقلال کاشتکاروں کو اپنے کام میں استقلال حاصل ہونا چاہیئے اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ جو زمینیں ان کے پاس کاشت کے لئے ہوں وہ یا تو مالکانہ حیثیت سے قابض و عامل ہوں یا کم از کم ایسے کاشتکار ہوں جنھیں قبضہ و عمل کا پورا اختیار ہو اور مالکوں کی مرضی پر زمین سے بے دخل کر دئے جانے کا انھیں ہر وقت خوف نہ دامنگیر ہو۔ اس استقلال و استحکام کے حاصل کرنے کے لئے ہم قانون سازی سے مدد لے سکتے ہیں، اور یہ امر ازحد ضروری ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور جلد کیا جائے۔

(۲) اقتصادی ملک کاشتکاروں کے پاس جتنی زمین ہو وہ اقتصادی طور پر کامل ملک ہونی چاہیئے یعنی ایک کھیت کے ساتھ کاشتکار کے پاس اتنی ملک اور ہونی چاہیئے کہ وہ مویشی، مزدور، کنبہ، زمین کے جانور، ساز و سامان وغیرہ آسانی کے ساتھ الگ الگ جگہوں پر رکھ سکے۔ مگر ہمارے ملک کے اکثر حصوں میں کاشتکاروں کے پاس اتنی زمینیں اور وسعتیں نہیں ہیں کہ اقتصادی طور پر وہ کام کر سکیں اور ملک کا بڑا حصہ زراعت پر ہی بسر اوقات کرتا ہے چونکہ ملک پر بیجا اقتصادی دباؤ اور قابلِ بندی کی وجہ سے اکثر بیشتر زمینیں خراب و خستہ ہو جاتی ہیں اس لئے لوگ ہر پھر کر بالآخر زمینوں کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صنعتی زوال کے ساتھ زراعتی زمینوں پر لوگوں کا اثر دہام ہو گیا ہے اور زراعت کی زمینیں نہ اتنی تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔

اس صورت حال کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ ہم لوگوں کو وسائلِ روزگار کی نئی سمتوں کی طرف راغب کر سکیں اور اس کے لئے گھریلو صنعتوں کی ترقی و قیام کی ضرورت ہے گھریلو صنعتوں کا معاملہ ہماری علیحدہ و مکمل توجہ کا محتاج ہے یہاں صرف اتنا اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ ہماری بہت سی مشکلات کا حل گھریلو صنعتوں کے قیام و فروغ میں ہے مگر ملک کے ہر حصہ اور ضلع میں علیحدہ علیحدہ نوعیت کی صنعتیں قائم ہونی چاہئیں جس کا انحصار مقامی حالات و ضروریات اور ماحول پر ہے۔

(۳) اجتماعی کام آجکل ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے سب کام انتشار کا شکار ہو رہے ہیں یہی حال کاشتکاری کا ہے کھیت علیحدہ علیحدہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ملتے ہیں۔ اجتماعی کام کی ضرورت ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ کاشتکاروں کے پاس جتنی زمینیں ٹکڑوں کی صورت میں ہیں انھیں وسیع، پختہ اور مضبوط و منظم املاکوں کی صورت میں دوبارہ تقسیم کیا جائے اور اس کے لئے زمینداروں اور کاشتکاروں کو آپس میں مل کر کوئی سمجھوتہ کرنا چاہیئے اور زرعی زمینوں کی از سر نو تقسیم اس طرح کرنی چاہیئے کہ زرعی کام کامیابی کے ساتھ اور استقلال و استحکام کے ساتھ کئے جا سکیں اس سلسلہ میں قانون کی مدد لینی ہوگی۔

(۴) مالیانہ میں کمی ضرورت ہے کہ مالیانہ اور محصولات میں کمی کی جائے تاکہ زرعی آبادی بیجا بوجھوں سے بچ سکے۔

(۵) اصلاح یافتہ طریقہ ہائے زراعت

پانچویں ضروری چیز یہ ہے کہ کسانوں میں عام معلومات عام تعلیم اور اصلاح یافتہ طریقہ ہائے زراعت کی واقفیت پیدا کی جائے تاکہ ان کی آنکھیں کھلیں اور وہ یہ سمجھ سکیں کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے اور ان سے کس چیز کی ترقی کی باری ہے اصلاح یافتہ طریقہ ہائے زراعت کی تعلیم دینے کے لئے عملاً یہ کھیت بنانے پڑیں گے جہاں دیہاتیوں کو تعلیم و تربیت دی جا سکے۔ ان کھیتوں میں جدید آلات و طریقہ زراعت کا پورا انتظام ہونا چاہیئے۔ اصلاح یافتہ طریقہ ہائے زراعت سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ بڑی بڑی مشینیں اور کلیں ہم کھیتوں میں نصب کر دیں بلکہ میرا مدعا تو یہ ہے کہ موجودہ زراعتی طریقوں ہی میں اصلاح و درستی کی اتنی گنجائش ہے کہ اگر وہی درست ہو جائیں تو زراعت ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے۔

(۶) آسانی سے ستا روپیہ حاصل ہو

اب یہ ضرورت بھی ہے کہ آسانی کے ساتھ حاصل ہو جانے والے سستی شرح سود پر روپیہ کاشتکاروں کی پہنچ تک لایا جائے اس امر پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے کسانوں کے پاس کام شروع کرنے کے لئے کوئی سرمایہ نہیں ہوتا۔ ادھار کا روپیہ بڑی مہنگی شرح سود پر ملتا ہے اور وہ ہمیشہ اس کے بوجھ کے نیچے دبے رہتے ہیں۔ اگر امدادِ باہمی کی انجمنیں جگہ جگہ کھولکر کم شرح سود پر قرضہ دینے کی سبیلیں پیدا کی جائیں اور حکومت سے بھی تقاوی کی صورت میں روپیہ لیکر کسانوں میں منقسم کیا جائے تو سرمایہ کی مشکلات کا تھوڑا بہت حل ہم پیدا کر سکتے ہیں۔

(۷) آبپاشی کی آسانیاں آبپاشی کے ذرائع کی ترقی اور درستی کا کام بھی زرعی ترقی کے لئے ازحد ضروری ہے، آبپاشی کے مختلف وسائل ہیں مثلاً نہریں، ٹیوب ویل یعنی کل سے چلنے والے کنوئیں، عام کوئیں، جوہڑ، تالاب وغیرہ نہر سے پانی حاصل کرنے کی شرح بہت زیادہ ہے ضرورت ہے کہ اس میں معتد بہ کمی کر دی جائے، نیز امدادِ باہمی کی انجمنوں کے قرضہ کے روپے اور سرکاری امدادوں سے کاشتکاروں کے پاس اتنا روپیہ پہونچایا جائے کہ وہ آبپاشی کے وسائل کو بڑھا سکیں اور جگہ جگہ نہریں کرئیں، ٹیوب ویل، جوہڑ، تالاب اور دیگر آبی ذخیرے تعمیر کر سکیں،

جہاں تک ممکن ہو ہر زرعی مرکز میں کوئی نہ کوئی وسیلہ آبپاشی ضرور مہیا کیا جائے!

(۸) اچھے مویشی یہ بھی ضروری ہے کہ کسانوں کو اچھے مویشیوں کی بہم رسد پہونچائی جائے اور اس کے لئے اچھے بیلوں اور سانڈوں کی ضرورت زیادہ ہے اس سلسلہ میں بھی انجمن ہائے امداد باہمی (کوآپریٹو سوسائٹی) بہت مدد دے سکتی ہیں۔

(۹) مویشی خانے آجکل یہ قاعدہ ہے کہ زمیندار کی مرضی کے بغیر لوگ اپنے مویشی خانے اپنے کھیتوں میں نہیں بنا سکتے، قانوناً انھیں یہ حق دیا جانا چاہیئے تاکہ لوگ اپنے اپنے کھیتوں میں اپنی مرضی کے مطابق مویشیوں کے آرام کے لئے صحت کے اصول کے مطابق پختہ عمارتیں بنا سکیں اور رہنے کے لئے بھی مکان تعمیر کر سکیں۔

(۱۰) کچھ فالتو کام جب کاشتکار زرعی صنعت یعنی زراعت میں مصروف نہ ہوں یا اپنا وقت بچا سکیں تو ان کے لئے کچھ فالتو آمدنی کے ذرائع بھی حاصل ہونے چاہئیں اور اس کے لئے ضمنی صنعتیں جاری ہونی چاہئیں۔ یہ صنعتیں ایسی ہونی چاہئیں کہ وہ یا تو زراعت کے کام میں کچھ مدد کر سکیں یا زراعتی پیداوار سے متعلق ہوں مثلاً کھانڈ بنانا، مویشی اور جانور پالنا، مرغی، بطخ اور انڈے کی صنعت و تجارت، شہد کی مکھیاں پالنا، ریشم کے کیڑے پالنا، کھاد بنانا، رسیاں اور ٹوکریاں بنانا، پھل محفوظ رکھنے کا کام وغیرہ وغیرہ، ان طریقوں سے کسانوں کی اقتصادی حالت میں بڑی اصلاح و ترقی ہو سکتی ہے۔ مگر ان مختلف لائنوں میں کار آمد اور مناسب معلومات بہم پہنچانے اور کامل تربیت دینے کے لئے ان تھک اور منظم کوشش کی ضرورت ہوگی

(۱۱) مل جلکر فروخت کرنا اگر کسان پیداوار عمدہ قیمتوں پر فروخت کرنا چاہتے ہیں اور دیگر زرعی پیداواروں اور صنعتی مالوں کی عمدہ نکاسی کے خواہشمند ہیں تو انھیں باہمی اتحاد کے ذریعہ مشترکہ فروخت کا انتظام کرنا ہوگا۔ بیچ کے دلال جس قدر بڑی [illegible] یا نفع شیر ہضم کر جاتے ہیں وہ بند کرنا ہوگا۔ اس کی بجائے ایسی کوآپریٹو سوسائٹیاں بنانی ہوں گی جو شہروں میں زرعی مال فروخت کرنے کی دوکانیں چلائے اور بیرونی دنیا کو گاؤں کی پیداوار سے آگاہ کرے اور حتی المقدور دلالی کے حریص ہاتھوں سے کسانوں کے حلقوم بچا سکے۔

ابھی تک میں نے ان اسباب پر بحث کی ہے جن کے ذریعہ کسانوں کی آمدنی کے ذرائع بڑھ سکتے ہیں۔ اب میں اُن امور کو لیتا ہوں جنہیں اخراجات کم کرنے سے حالت بہتر ہو سکتی ہے، کسانوں کے اخراجات کے بڑے بڑے نقطے یہ ہیں۔

(۱) ضروریات کی چیزیں خریدنا

(۲) مالیہ، محصولات، سود وغیرہ کی ادائیگی

(۳) ادائیگی قرض و مطالبات مقدمہ بازیاں وغیرہ،

باقی اگلے صفحے پر

(بقیہ صفحہ ۔۔ سے)

(۴) شادی بیاہ ۔ میلے تماشے و دیگر تقریبات مجلس پر بے فائدہ فضول خرچیاں ۔

ہمیں تجربہ کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ کسانوں کی ضروریات زیادہ تر ان میں ۔ گو ہمارے دیہات زندگی میں نہایت ناقص حالت میں ہیں اور ہو کی مقدار ۔ ۔ بہت زیادہ ہے ۔ ضرورت ہے کہ دیہات زندگی سب کی سب تبدیل تو بڑی حد تک خود کھیتوں اور زمین اور دیہات ہی میں پیدا کی جائیں ۔ سامنے سپتنی کی بجائے شکر ۔ ۔ ۔ کھانڈ میں موتی ۔ بیل ۔ ۔ ۔ وغیرہ ۔ کوشش کرنی چاہئیے کہ ہر چیز دیہات ہی میں پیدا کی جائے اور باہر کے بازار سے حتی المقدور بے نیاز ہو جائے ۔ اس میں کوئی دانش نہیں معلوم ہوتی ۔ کہ روپیہ کی چار سیر روئی فروخت کرکے اور پھر چار روپے کا ایک سیر کپڑا خرید ا جائے ۔ نقطۂ دوم پر گفتگو ہو چکی ہے ۔ آپس کے جھگڑوں کو چکانے کے لئے پنچائیتوں سے کام لینا چاہئیے ۔ مہنگی مقدمہ بازی نے دیہاتوں میں کافی تباہی پھیلا رکھی ہے ۔ اس کے ازالہ کی ضرورت ہے ۔ ہو چکی چیز تقریبات میں فضول خرچی کو روکنے کا معاملہ ہے ۔ جہاں جہاں بیجا خرچ کی مدیں دیکھی جائیں خاص کر شادی بیاہ کے موقعہ پر اور تیوہاروں پر جو روپیہ بیکار طریقوں سے ضائع کیا جاتا ہے ۔ اسے روکا جائے ۔ جو لوگ نشہ کی چیزیں استعمال کرنے کے عادی ہو گئے ہیں یا اور معاشرتی برائیوں کا شکار ہو گئے ہیں ۔ انہیں راہ راست پر لایا جائے ۔

پس اس طرح خرچ گھٹا کر اور آمدنی کے وسائل میں اضافہ کرکے ہم دیہات کے لوگوں کی اقتصادی حالت میں ایک خوشگوار انقلاب پیدا کر سکتے ہیں ۔

اب ہم کام کے دوسرے حصے کی طرف رجوع ہوتے ہیں ۔ یعنی تعلیم کو ۔ ۔ ۔ اور جہالت کو دور کرنا ۔ ضرورت ہے کہ عام اور فنی تعلیم اور معلومات ۔ ۔ ۔ کتابیں ۔ ۔ ۔ وسعت سے پھیلائی جائیں ۔

تیسری چیز جس کی طرف ہماری توجہ ہونی چاہئیے وہ سماجی کاموں کا میدان ہے ۔ وہ اس قدر کافی طور پر زیر بحث آ چکا ہے ۔ کہ مجھے یہاں اس کی تفصیل میں جانے کی چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی ۔

صحت و صفائی

اس سلسلہ میں ہمیں بہت کچھ کرنا ہے ۔ عام تعلیم کے پھیلنے سے دیہات کے لوگ صفائی ستھرائی اور تندرستی کی برقراری کے اصولوں سے واقف ہو جائیں گے ۔ اور اس کی قدر پہچاننے لگیں گے ۔ مکانات ، کھیت اور دیگر تعمیرات صاف ستھری ہونی چاہئیں ۔ اور صحت کے اصول کے مطابق گاؤں کو صاف ستھرا رکھا جائے ۔ پینے کے پانی کی صفائی کا خود انتظام کیا جائے ۔ طبی امداد کا کام شروع کیا جائے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ اس سلسلہ میں اگر روپیہ قرض دے کر مکانات تعمیر کرنے میں کسانوں کی مدد کا انتظام ہو تو اور بھی بہتر ہے ۔ کسانوں کو اپنے مکانات میں درخت بونے اور کاٹنے کا اختیار حاصل ہونا چاہئیے ۔ اور اس کے لئے قانون کی مدد لینی چاہئیے

علیحدہ علیحدہ مرکز

یہ کام سینکڑوں کارکنوں کے کرنے کا ہے ۔ اور مختلف مرکزی تنظیم کی ضرورت ہے تاکہ ہر ضلع میں علیحدہ علیحدہ کام مقامی حالات کے مطابق شروع کیا جا سکے ۔ میری رائے میں چھ یا دس گاؤں کا ایک مرکز بن جانا چاہئیے ۔ جس میں ایک تربیت یافتہ پورا وقت دینے والا کارکن موجود رہے ۔ اسی طرح تحصیل بھی بنائی جا سکتی ہے ۔ اور سارے ضلع کا ایک بڑا مرکز بھی بنایا جا سکتا ہے ۔ ایک مرکز اوپر کے نکات کی روشنی میں وہ اعداد و شمار اور معلومات جمع کرے گا ۔ جن کی اس کے حلقہ میں ضرورت ہے ۔ پھر یہ فیصلہ کرنا ہوگا ۔ کہ کس مرکز میں کس کس سمت سے کام کرنا ہوگا ۔ اور اس کے کیا وسائل ہیں ۔

روپیہ

روپے کی فراہمی کے سوال کے جواب میں عرض ہے عام روپے کی حصول کے ذرائع کے علاوہ چندہ بھی وصول کیا جاوے ۔ میری ایک تجویز یہ بھی ہے کہ جس ضلع میں کام شروع کیا جائے ۔ وہاں کے کسانوں سے درخواست کی جائے ۔ کہ اس تنظیمی کام میں مدد دینے کے لئے کچھ نہ کچھ مدد کرے مثلاً ۲۰ سیر اناج سال میں دیا کرے ۔ یا اور کوئی آسان طریقہ ۔ اس طرح روپیہ آسانی کے ساتھ اور وافر تعداد میں دستیاب ہو سکے گا ۔ اور دیہاتی تنظیم کے کاموں میں مدد دے گا ۔ ہر حلقہ کار کا معاملہ جداگانہ نوعیت رکھتا ہے ۔ اس لئے جہاں جیسے حالات ہوں ۔ اسی کے مطابق عمل کیا جائے ۔

ادب لطیف ۔ خاص تیج دہلی کیلئے

چاند

از جناب عبدالاحد صاحب معظم آبادی

چاند آہستہ آہستہ افق مشرق سے نمودار ہو کر چاندنی ملکی شعاعیں سطح ارض پر پھیلا رہا ہے ۔ چند اشخاص تیرا خیر مقدم کر رہے ہیں تیری آمد پر خوشی سے تالیاں بجا رہے ہیں ۔ اور تیری تیز روشنی سے ہر چیز کو خوشنما اور دلفریب بنا رہا ہے ۔ دماغ کو فرحت بخشنے والے لوگ نازاں خراماں اپنے مکان کو واپس آ رہے ہیں ۔

اے چاند جوں جوں تو اوپر چڑھتا جاتا ہے ۔ شب اپنا حصہ گذارتی جاتی ہے ۔ تماشائیوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے ۔ اور صناع قدرت کی تعریف دل سے بے ساختہ نکلتی ہے ۔ اسے کافی صورت رکھنے والے ۔ دنیا کو اپنا شیدائی بنانے والے تجھ میں کہاں تک صنعت کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے ۔ کیا تجھ کو ناز ہے کہ تو اپنا نورانی چہرہ سیاہ ابر کے ٹکڑوں میں پوشیدہ کر لیتا ہے ۔ اور تمام عالم پر ہلکی سی تیرگی دوڑ جاتی ہے ۔

کائنات کے ذرے ذرے پر خاموشی چھا رہی ہے ۔ دنیا کے وہ لوگ جو کسی بے وفا معشوق کے ستائے ہیں ۔ اپنی فریاد و فغاں اور ظلم و ستم کی داستانیں سنا رہے ہیں ۔ افسوس کوئی سننے کے لئے تیار نہیں ہے دریا کی روانی میں مستی آ گئی ہے ۔ اگر ہوا لہروں کے ساتھ چل رہی ہے ۔ مینڈک اور جھینگر اپنی مختلف آوازیں سنا رہے ہیں ۔ جاب ۔ ۔ ۔

شادی کے قدیم طریقہ کیخلاف جدید سماج کی پکار

کیا بواہ ایک بیوپار ہے؟

از قلم شریت گنا کار باگچی

> ہندوستان میں کچھ عرصہ سے شادی بیاہ کے معاملات بزنس کے طریقوں پر طے ہو رہے ہیں۔ ہندوستان میں جہیز کی رسم نے اس قدر خوفناک صورت اختیار کر لی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ اس مضمون میں اس رسم قبیح کی بھیانک تصویر اور اصلاح رسوم کی چند عملی تجاویز دی گئی ہیں۔
>
> (ایڈیٹر)

جہیز کی لعنت سے بچنے کے لئے ایک ہندو لڑکی نے جس کا نام سنیہلتا تھا بنگال میں خودکشی کر لی تھی۔ گذشتہ سال میں اس طریق کار پر عمل کرتے ہوئے بیسیوں لڑکیوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ ایسا سب سے پہلے ہم ایسی مثالیں بہت کم پاتے تھے۔ مگر اب تو کثرت کے ساتھ یہ مثالیں سامنے آ رہی ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں کلکتہ کے ایک معزز ہندو بنگالی خاندان کی چار لڑکیوں نے افیون کھا کر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کو ان کی شادیوں کے بوجھ سے دبا ہوا اور پریشان دیکھنا نہیں چاہتی تھیں۔ ابھی اس افسوسناک حادثہ کی گونج ختم نہیں ہوئی تھی کہ بنگال میں ایک اور حادثہ اسی قسم کا ہوا جس کی بھیانک یاد نے ہمارے دل و دماغ کو بالکل پژمردہ کر دیا ہے۔ ہندوستان کے اکثر مقامات پر جوان العمر شادی کے قابل لڑکیوں میں یہ رجحان عام ہو گیا ہے کہ اگر جہیز کا روپیہ ان کا غریب باپ فراہم نہیں کر سکتا ہے تو وہ آخر اپنی جان ختم کر دیں گی۔ اس دکھ کا خاتمہ کر دیں گی۔ جب لڑکی یہ دیکھتی ہے کہ میرا باپ ایک ناکافی جہیز کی رقم کبھی فراہم نہیں کر سکتا۔ اور اس وجہ سے وہ ذلیل ہوتا ہے یا اس پر سماج کی انگلیاں اٹھتی ہیں تو اس کا ننھا سا دل بیٹھ جاتا ہے اور وہ یہ سمجھتی ہے کہ یہ سب دکھ میری بدولت ہے۔ اگر میں اس دنیا سے نہ ہوتی تو سب تکلیفوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ سوچ کر وہ اپنی جان کھو دیتی ہے۔

ہندوستان میں جہیز دینے کی رسم قبیح کس قدر بھیانک نتائج اپنے ساتھ لئے ہوئے موجود ہے۔ اس کا ہر شخص آسانی کے ساتھ اندازہ نہیں لگا سکتا۔ آج کل کے بیروزگاری اور عام افلاس اور تنگدستی کے زمانہ میں اچھے لڑکے تلاش کرنے کے لئے لڑکی کے باپ کو جس قدر مشکلات پیش آتی ہیں کچھ اسی کا دل جانتا ہے۔ اور جب کوئی اچھا بر مل جائے تو اسے خریدنے کے لئے ایک بھاری رقم دینے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ چند ہزار نقد۔ کپڑے۔ زیورات۔ برتن۔ کار یا موٹر سائیکل۔ کالج کے اخراجات تین چار سال تک۔ یہ سب اور ابھی کچھ زیادہ مطالبات دولہا کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔ اور جب تک یہ مطالبات پورے نہ ہو جائیں لڑکا شادی کرنے پر تیار نہ ہوگا —— خواہ صاحبزادہ صاحب خود ابھی یونیورسٹی میں جھٹکے ہی جھونکتے ہوں۔

جب لڑکی کا باپ جو عموماً غریب آدمی ہوتا ہے ان مطالبات کو دیکھتا ہے اور اپنی صبح و شام محنت کے قابل آمدنی کو دیکھتا ہے تو سراسیمہ ہو جاتا ہے۔ مگر ان کی دگرگوں حالت پر کوئی رحم نہیں کھاتا۔ کوئی رعایت اس کے ساتھ نہیں ہوتی نہ برادرانہ محبت و خیال کسی کے دل میں آتا ہے۔ بہر صورت و بہر نوع جہیز تو دینا ہی ہوگا۔ معہذا لڑکی اگر وہ شادی کی عمر کی ہو گئی ہے یا بیس سال کی عمر تک پہنچ گئی ہے تو سماج سے خارج کر دی جائے گی۔ اس کے باپ کو سب لوگ نکو بنائیں گے لڑکی کے باپ کو دولہا خریدنے کے لئے اپنا سارا اثاثہ بیچنا پڑے گا۔ گھر کے برتن تک گروی رکھ دینے ہوں گے۔ مہاجن سے قرض مانگنا پڑے گا۔ دوستوں سے بھیک مانگنی ہوگی۔ مگر روپیہ کہیں سے ضرور لینا ہوگا۔

لڑکی، جس کی خاطر یہ سب کچھ ہو رہا ہے ہرگز نہیں چاہتی کہ اس کا باپ اسکی وجہ سے ذلیل و خوار ہو۔ اس کے لئے دل گڑھ جاتے ہیں تکلیفیں برداشت کرے اور پریشانی مول لے۔ وہ ان تکلیفوں سے والدین کو بچانا چاہتی ہے۔ مگر کچھ نہیں کر سکتی۔ اس لئے اپنی جان کھو کر اس تمام قصے کو ختم کر دیتی ہے اور اس طرح ڈرامہ نہایت اندوہناک اور افسوسناک طریقہ پر اچانک ختم ہو جاتا ہے۔ بہت سی لڑکیوں نے اس طرح شہادت کا جام پی لیا ہے۔ بعض نے شاندار طریقہ پر اور بعض نے باعث ننگ طریقہ پر۔

بہر حال اب وقت آ گیا ہے کہ اس رسم بد کو قطعی طور پر بند کر دینے کے لئے سماج کی ساری قوتیں ایک جگہ کر دی جائیں۔ ضرورت ہے کہ ان چن کردہ اسباب تلاش کئے جائیں جن کی وجہ سے انسانی حیات کا یہ دکھ ہمیں دیکھنا پڑتا ہے۔ اور ان اسباب اور وجوہ کا خاتمہ کیا جائے اور اس میں کسی کی رد رعایت نہ کی جائے اور مؤثر طریقے انسداد کے اختیار کئے جائیں۔ جو والدین اپنے بچوں کو ریشیوں کی طرح سامان تجارت سمجھتے ہیں اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ نئی شادی شدہ دولہن اگر مر جائے تو نصیب جاگ اٹھا۔ اب لڑکے کی دوسری شادی کر کے نئے جہیز پر ہاتھ دیا جائے ——— ایسے سنگدل اور ننگ انسانیت والدین کی ہماری سماج میں کچھ کمی نہیں ہے۔ ان کے ضمیر سونے سے خریدے جا سکتے ہیں۔ جدھر نصیب ادھر ہی ان کے دلوں کی میزان جھک جاتی ہے چاندی کے ٹکڑے سے لڑکے لڑکیاں تو بازار سے بے شک خرید سکتے ہیں مگر کیا محبت بھی وہ خرید سکتے ہیں ——— ——— اور یہی دراصل وہ نکتہ ہے جسے وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے اور نہ سمجھنا چاہتے ہیں۔ لڑکے لڑکی سے ان کی مرضی اور منشا دریافت کئے بغیر ان کو شادی کے رشتہ میں منسلک کر دیا جاتا ہے۔ ان کی رائے طلب کرنا اصول قدامت اور حیاداری کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی لڑکا بے حیائی کر کے شادی بیاہ کے معاملہ میں اپنی رائے دینے کی کوشش بھی کرے تو نکو بنا دیا جاتا ہے اور اپنے بزرگوں کی مخالفت کرنے یا ایسے معاملہ میں جو ان کے نزدیک لڑکے کی دخل کاری سے بالکل علیحدہ ہے۔ رائے دینا انتہائی بے شرمی کی بات ہے۔ کیا یہ نقصان ہے کہ زندگی کے سب سے بڑے ساتھ اور زندگی کے سب سے بڑے مرحلہ اور مستقبل کی اچھائی برائی کے معاملہ کو اس طرح یک طرفہ کر دیا جائے۔ کیا دولہا اور دولہن کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ انہیں جس پابندی اور گانٹھ میں جکڑا جا رہا ہے آیا وہ اس کے لئے تیار بھی ہیں یا نہیں۔ اور وہ اسے پسند کرتے ہیں یا نہیں۔

ہندوستان میں شادی قومی اور نسلی روایات پر منحصر ہوتی ہے۔ شادی کے ذریعہ ایک نہایت اہم اور مضبوط رشتہ دو روحوں میں قائم کیا جاتا ہے۔ مگر جس رشتہ کی شان و شوکت پر اس قدر روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اس میں لڑکے لڑکی کی رائے کو بالکل دخل نہیں دیتے دیتے۔

جب اس معاملہ میں جبر، سختی یا عدم التفات اور سرد مہری کے جذبات کارفرما ہوں تو کیا خلوص اور سنجیدگی قائم رہتی ہے۔ کیا یہ نہیں ہوتا کہ لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو ناپسند کرتے ہیں اور شادی کے بعد ایک دوسرے کو حد درجہ ناپسند کرتے ہیں۔ مگر ظاہری برتاؤ سے ایک دوسرے کو دھوکہ دے کر زندگی کو جوں توں گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر اس ریاکاری کی ضرورت کیا ہے؟

کیا ہم نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ بہت سی شادیاں کیوں ناکام رہتی ہیں۔ بہت سے گھر کیوں بگڑ جاتے ہیں۔ ہم نے کبھی اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کیا ہے ہم ساری دنیا کو اپنی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کیا اس پر غور کیا ہے کہ ایک حساس لطیف روح کو ایک سخت روانسان سے منسلک کر دینے میں کتنی روحانی اذیت ہوتی ہے۔ لڑکیوں کے جذبات کچل دیئے جاتے ہیں جس نے سب سے زیادہ روپیہ پیش کیا اسی کے نام پر بولی چھوڑ دی جاتی ہے۔ عورت ملکہ نہیں رہتی بلکہ رسم کی کنیز ہو جاتی ہے۔ دوسرے لوگوں کی رائے اور نقطہ نظر کا صحیح اندازہ لگائے بغیر۔ طرفین کے جذبات کی صحیح پرکھ کئے بغیر دو روحوں کو منغم کر دینا انتہائی ظلم ہے خود غرضی ہے اور تمام معاشرتی خرابیوں کی بنیاد ہے۔

ماں باپ کی مرضی سے زیادہ محبت کا جذبہ شادی بیاہ کے معاملہ میں دخیل ہوتا ہے اور ہونا چاہئے کیونکہ فقط محبت ہی ہے جو شادی شدہ جوڑے کو ایک دوسرے کا وفادار رکھ سکتی ہے اور جہاں محبت نہیں۔ وہاں وفا نہیں۔ جب لڑکے اور لڑکی کا دل ایک دوسرے پر مرکوز ہونے کی بجائے الگ الگ ہو گیا ہے تو شادی ایک کھیل اور دھوکہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

جب تک یہ قدیمی رسم کہ لڑکے لڑکی کے والدین اپنی مرضی سے بچوں کی شادیاں کرتے رہیں گے اس وقت تک ہندوستان پر سماجی جہیز کے کیڑے موجود رہیں گے۔ جب لڑکے اور لڑکیوں کو شادیاں خود طے کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور دنیا کا زاویہ نگاہ نہیں بدلے گی اس وقت تک شادی ایک لفظ بے معنی ہی رہے گا۔ اس میں کوئی اثر۔ اس کا کوئی معقول نتیجہ اور بہتری انسانیت کے لئے پیدا نہیں ہو سکیگی۔ اور یہ شرمناک طریقہ کہ لڑکا (یا لڑکی) سونے چاندی کے عوض بیچا جاتا ہے اس وقت تک برقرار رہے گا۔ اور حالات بد سے بدتر ہوتے جائیں گے۔

مگر خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کے نوجوانوں میں بیداری اور احساس کی رو پیدا ہو چکی ہے۔ لڑکے نے رسم جہیز کے خلاف بغاوت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور کوششیں بارآور ہو رہی ہیں۔ اگر نوجوانوں نے ہمت نہ ہاری اور دنیا کے کہتے سننے کی پرواہ کئے بغیر اپنی رفیقہ حیات خود تلاش کرنے میں لگے رہے اور بزرگوں کے غلط طریقہ انتخاب کو امید و محبت کے زرین اصول سے متبدل کرنے میں منہمک رہے تو وہ دن دور نہیں کہ مخالفت کی باد مخالف جلد فرو ہو جائے گی۔ اور والدین یا سماج جو انہیں آج اپنے زمرہ سے خارج کر دینے کے لئے تیار ہیں اور اب تک انہیں جہیز طلب کرنے کے لئے مجبور کر رہے ہیں آخرکار مغلوب و مفتوح ہوں گے اور دنیا میں جس طرح شادیاں محبت و امید نفس کے بھروسہ اور انحصار پر ہوتی ہیں اسی طرح ہندوستان میں بھی ہوا کریں گی۔

"محبت" کے متعلق چند زرّیں اقوال

[ازجناب ملک سلمان الارشد فاروقی بھوپال]

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

(۱) محبت جنت کا راستہ ہے۔ (ابوٹالسائی)
(۲) محبت کی مانند آنکھیں نہیں۔ (نٹشے)
(۳) محبت دنیں کو شاعر بناتی ہے۔ گو اس سے پہلے اس نے شاعری کا نام نہ سنا ہو۔ (یوری پیڈیز)
(۴) محبت نے لئے حسین ترین لباس آنسو ہے۔ (لانگ فیلو)
(۵) محبت ایک آرزو ہے ۔۔ مستقل ۔۔ لیکن ۔۔۔ اور دلچسپ (اوینوس بین)
(۶) مقدس ترین محبت وہ ہے۔ جو مضمون ابلہ رہ ۔۔ (لا پلاس)
(۷) محبت آنکھوں سے نہیں دل سے دیکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محبت کا دیوتا اندھا بنا دیا گیا ہے۔ (شکسپیر)
(۸) محبت بہت سے خداؤں کی پرورش ہے (ٹیٹی پیس)
(۹) محبت کو کبھی زوال نہیں۔ (میری کارنس دل)
(۱۰) محبت کا درس خاص نظارہ ہے۔ (ٹی چارسن)
(۱۱) زندگی ایک جام بلوریں ہے۔ اور محبت اس میں سرباده جوشش (رابرٹ)
(۱۲) محبت کسی کی محکوم نہیں اور نہ اپنی تعلیم کے سوا کسی دوسری سے باخبر (زرین دل)
(۱۳) جو محبت سے واقف نہیں وہ خدا سے واقف نہیں کیونکہ خدا محبت ہے۔ (الیورسٹن)
(۱۴) محبت انسان کی کمزوری ہی ہے اور اس کا حربہ بھی (۔۔۔)
(۱۵) محبت کی موت ایک خوفناک ہے۔ لیکن محبت کا غم اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ (کورل)
(۱۶) محبت غیر فانی ہے۔ اس کا شعلہ ہمیشہ قائم رہتا ہے اس کا دل آسمان سے ہوتا ہے۔ اور آسمان ہی پر صعود کرتا ہے۔ (ساؤدی)
(۱۷) محبت روحوں کے بیاہ کا نام ہے (والٹیر)
(۱۸) محبت میں خاموشی ہی فصاحت ہے (کورن گرین)
(۱۹) محبت سب سے زیادہ ۔۔ سکھاتی ہے۔ اور اس سے ۔۔۔ دانائی حاصل ہوتی ہے۔ (کورل)
(۲۰) محبت کی غذا محبت ہے۔ اور یہ طرفین کے تعاون سے حاصل ہوتی ہے۔ (شکسپیر)
(۲۱) محبت جس قدر پوشیدہ رکھی جائے گی۔ اسی قدر وہ آشکار ہوگی (والٹر ڈیوس)
(۲۲) محبت کا دیوتا کھلونوں سے کھیلتا ہے۔ کیونکہ وہ بچہ ہے۔ (فورڈ)
(۲۳) محبت کی حقیقت کچھ محبت ہی سمجھ سکتی ہے۔ اے محبت ۔۔۔ تیرا ۔۔ تیر ۔۔ کیا ۔۔۔ بے پناہ ہے ۔۔۔ دل ۔۔ ہمیشہ کے لئے زخمی ۔۔۔ ہو جاتا ۔۔۔ ہے ۔۔۔ آہ ۔۔ یہ تو ۔۔۔۔۔ وہی جان ۔۔ سکتے ۔۔ ہیں ۔۔۔ جن کے دل ۔ زخموں سے ۔۔ چور ۔۔ ہوں (ڈوین یاسم)
(۲۴) نئی مسرتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ ایام بہار آ سکتے ہیں مگر ان سب کی محبت کے خواب شیریں کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ (طامس مور)
(۲۵) محبت کبھی برباد نہیں ہوتی۔ اس کی پاکیزہ چنگاریاں ہمیشہ روشن رہتی ہیں۔ (سوسے)
(۲۶) مہربانی انسان کے لئے دروازہ کھولتی ہے۔ مگر محبت اسے اندر پہونچا دیتی ہے (نامعلوم)
(۲۷) محبت کا دیوتا اندھا رہتا ہے۔ جو اس کے پیچھے چلتا ہے وہ راستہ بھول جاتا ہے۔ (کوئیڈر)
(۲۸) وہ کیا چیز ہے جو مکان کو ۔۔۔ محل ۔۔ معمولی عورت ۔۔۔ کو پری اور ۔۔۔ آدمی ۔۔۔ کو فرشتہ ۔۔۔ تبدیل کر دیتی ہے ۔۔۔ یہ ۔۔ محبت ۔۔ ہے (چانز)
(۲۹) میں پوچھتا ہوں محبت ۔۔ کیا ہے ۔۔۔ عقل جواب دیتی ہے ۔۔۔ جذبہ بیکار۔ کیا میں اسے بھی تسلیم کر لوں۔ فطرت کہتی ہے ۔۔۔ نہیں ۔۔ ایسے ۔۔ نہو ۔۔ یہ نصیحت ختم کرو۔ کیونکہ ۔۔۔ زندگی نے ۔۔ تمہارے ۔۔ دلوں کو ۔ بہار کی ۔ تاش کے مانند نہ کر دیا ہے۔ ۔۔ کیا میں ۔۔ تمہاری ۔۔ نصیحت ۔۔ سے ۔۔ کوئی ۔۔ فائدہ ۔۔ حاصل ۔۔ نہیں کر سکتا ۔۔ فطرت جواب دیتی ۔۔۔ نہیں۔
(۳۰) ورنیت کو واکر نیوالی محبت ہے۔ کہ عقل جہاں محبت ہے وہاں علم کا گذر نہیں۔ (ینگ)

"محبت" اہل مشرق کی نظر میں

(۱) محبت انسانیت کا دوسرا نام ہے (مہدی)
(۲) محبت دنیا کی روشنی ہے۔ (یسوع مسیح)
(۳) محبت انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ (چانکیہ)
(۴) میرا یہ حکم ہے کہ تم ایک دوسرے سے محبت کرو۔ (حکیم کنفیوشس)
(۵) محبت گنہگاروں کو بھی درست کر دیتی ہے۔ (کبیر)
(۶) محبت دنیا کی تمام تکالیف کا واحد علاج ہے۔ اگر دنیا محبت کے معنی سمجھ لے۔ تو یہ کل نہیں بلکہ آج ہی جنت بنجائے۔ (خالد علیم)
(۷) محبت ایک لازوال جذبہ ہے جو انسان کی فطرت میں راسخ ہوگیا ہے۔ اور وہ ایک مرد ایک عورت سے اور ایک عورت ایک مرد سے صرف ایک مرتبہ ہمیشہ کیلئے محبت کرتے ہیں (مہان)
(۸) سزا دینے کا حق اسی کو ہے جو محبت کرتا ہے۔ (ٹیگور)
(۹) نفرت کرنا شیطانوں کا کام معاف کر دینا انسانوں کا کام اور محبت کرنا دیوتاؤں کا وصف ہے۔ (بھرتری ہری)
(۱۰) شاعر صرف خواب دیکھنے والا شاعر نہیں۔ اس کا دل دنیا کے جذبات کا آئینہ ہے۔ اسکے گیت دنیا کی محبت کی گونج ہے۔ اور اسکا رونا انسانیت کے آنسو ہیں۔ (سروجنی نیڈو)

چھینک اور اُسکے متعلقہ توہمات

(از مسٹر گوپال دتّ)

مختلف اقوام عالم کے درمیان چھینک کے بارے میں توہمات و خرافات پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور تنوع میں بھی گوناگوں واقع ہوئے ہیں۔

نیلہ گوری میں بچے کے نام رکھنے کی رسم مندرجہ ذیل مجوزہ طریقے سے انجام دی جاتی ہے۔

پادری ناموں کی ایک طویل فہرست پڑھنا شروع کرتا ہے۔ اور دوران میں کسی موقع پر بچہ چھینکتا ہے۔ اس وقت جو نام پادری کی زبان پر ہوتا ہے۔ اسی کو منتخب کر لیا جاتا ہے۔ جس مجموعہ اسمار سے یہ نام اخذ کیا جاتا ہے۔ وہ خاندان کے بزرگوں کے نام ہی ہوا کرتے ہیں!

گنی کی آبادی میں بیماری کو عموماً کسی متوفی بزرگ کی روح کے تصرف یا نیلے سے منسوب کیا جاتا ہے تشخیص مرض کے تعین کے لئے کہا جاتا ہے کہ ایک "سیانی عورت" کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ جو کہ ایک لمبا چوڑا نسخہ تجویز کرتی ہے۔ اس نتیجے میں اگر کسی مریض کو شدید قسم چھینک آنی چاہیئے۔ عزیز و اقرباء کا فرض ہوتا ہے۔ کہ اسوقت آ کر دریافت حال کریں۔ اگر متعلقہ شخص چھینکا ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ انکی بیماری کوئی جسمانی عارضہ ہے۔ ... بزرگوں کی روح کے ... اعمال میں جاتی ہے۔

بحر الکاہل میں ایک جزیرہ ہے۔ "لیپوزرانی لینڈ" (جزیرہ جزر امیاں) وہاں کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ اگر ایک غیر ضروری چھینک مارے تو سمجھا جاتا ہے کہ انکی روح اُسکے جسم سے غیر حاضر تھی۔ جو اب اس عمل کے ساتھ واپس آگئی! جو لوگ آس پاس موجود ہوتے ہیں وہ دعائے خیر دیتے ہیں! یہ لوگ چھینک کی نوعیت سے یہ اندازہ لگا لیتے ہیں۔ کہ چھینکنے والے کا نام کس غرض و نیت سے کوئی کہیں لے رہا ہے۔ چنانچہ چھینک ملایم قسم کی ہے۔ تو کسی ضرر رسانی کا اندیشہ نہیں کیا جاتا۔ لیکن اگر یہ عمل شدید ہے۔ تو یہ عقیدہ قایم کیا جاتا ہے۔ کہ بچے کے خلاف کسی ساحرانہ وظیفے کے ذریعہ کسی خطرناک وبال کی کاوش کی جا رہی ہے۔

میلانیشیا کے خطے میں یہ توہم پایا جاتا تھا۔ کہ جب کوئی شخص چھینکتا تھا۔ تو خیال کیا جاتا تھا کہ کسی عزیز آشنا نے اُس کا نام لیا ہے اگر وہ چھینک چاہتا تھا لیکن چھینک نہ سکتا تھا۔ تو اُس کی تعبیر یہ کی جاتی تھی کہ کوئی شخص اُسکا نام لینا چاہتا ہے۔ لیکن نام زبان پر نہیں آتا ملایا کے لوگ جب چھینک آتی ہے۔ تو بآواز بلند اپنی روح کو واپس بلانے کیلئے پکارتے ہیں۔ اسی نواح میں ایک قوم ڈائیک نامی رہتی ہے۔ جب ان کا کوئی بچہ چھینک لیتا ہے۔ تو ماں کہا کرتی ہے "میرے بچے کی روح، پلٹ آ" ... اور گمنام قبیلہ ہے۔ جس کا نام ہے "توبائک"

جب ان کے کسی فرد پر چھینکوں کا کوئی دورہ پڑا کرتا ہے تو فی الفور وہ کسی "تیلنے" کو بلا بھیجتے ہیں۔ تاکہ وہ مریض کی روح آوارہ کو قفص جسم کے اندر واپس بلا سکے۔

چھینک اور روح

چھینکنے کا عمل دنیا کی اکثر نیم وحشی اقوام میں روح کے ایک مظہر سے پیوستہ خیال کیا جاتا ہے۔

دوسری طرف روح ہی سانس کی اہم حقیقت سمجھی جاتی ہے کانگو (افریقہ) کے علاقہ کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ کہ ایک شخص کو چھینک آئی۔ وہ موجود الموقع سامعین سے بولا۔ "جناب! یہ میں نہیں ہوں یہ کسی اور صاحب کی کارستانی ہے"۔ اور پھر وہ ہنسا اور تالی بجائی۔ پھر کسی پُراسرار مخاطب کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "آپ میری روح کو اڑا لیجانا چاہتے ہیں۔ اس خیال خام میں نہ رہے گا۔ میں ایسا سادہ روح اور خود فراموش نہیں ہوں" چھینک کا حملہ "روح کے سرقے" کی حقیقت رکھتا ہے۔ اور خیال یہ کیا جاتا ہے۔ کہ اس حملہ کی کے وقت ناک کے نتھنے گھر کے کھلے دروازوں کا کام کیا کرتے ہیں۔

جنوبی افریقہ کی زولو قوم کا بڑا راسخ عقیدہ ہے کہ مُردوں کی روحیں خواب کے دوران میں انکے گرد منڈلایا کرتی ہیں۔ اور موقع ملنے پر اندر داخل ہو جاتی ہیں۔ اور امراض کا باعث ہُوا کرتی ہیں! جب ایک زولو چھینکتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے۔ کہ میں برکات کا مورد ہوں۔ ابعاو زی روح خاندانی الا سامیرے سر پر ہے مجھے چاہیئے کہ جلدی کروں اور اس کی ثنا و صفت کروں۔ اُسی نے مجھے چھینک کی سعادت بخشی ہے۔ اُس کے بعد نام بنام وہ تمام متوفی بزرگان خاندان کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ اور مواشی۔ بیوی اور دوسری نعمتوں کے حصول و نزول کی التجا کرتا ہے۔ برٹش نیوگنی کی قوم کوتا کا وہم ہے۔ کہ سونیکی حالت میں چھینک کا آنا یدن کے مکان میں روح کی بازگشت کی آواز ہے! ابنایا لی تیشیا کی تعبیر بھی چھینک کے متعلق یہی ہے کہ وہ مراجعت روح کی مخبر ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ ان کی ایک خانہ آبادی کا ذکر ہے۔ کہ جب کوئی وہاں چھینکتا ہے تو آس پاس کے کھڑے ہوئے لوگ چیخ اُٹھتے ہیں۔ اور گویا روح سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اچھا تم واپس آگئیں؟!

سماٹیرا کے قبیلے نوریات کا خیال ہے۔ کہ خواب کی حالت میں چھینک آنا خاص طور پر اندیشہ ناک ہے۔ اس لئے کہ ایسے اوقات میں انسان کی روح اپنے طور پر جسم سے اچھل کر باہر جا پڑتی اور قبل اس کے کہ وہ پردۂ بدن میں پھر روپوش ہو۔ ارواح خبیثہ جو موقع کی تاک میں لگی رہتی ہیں۔ اُسے دبوچ لیتی ہیں۔

ناروے کے دہقانیوں کا ابھی تک یہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی مریض چھینکے تو وہ بیماری سے جانبر ہو جائے گا۔ چنانچہ جب کبھی ان کا کوئی بچہ چھینکتا ہے۔ تو وہ کہتی ہیں۔ "بڑھو۔ بڑھو! یہ صحت اور برکت کی باتیں ہیں! ایک اور مضبوط ضعیف الاعتقادی انکی یہ ہے۔ کہ چھینک آنے کے وقت آدمی جس چیز کا خیال کریگا وہ سچ مچ پیش آکر رہے گی

ہاپی لینڈر قوم کا دلچسپ عقیدہ یہ ہے۔ کہ جب آدمی کو چھینک آتی ہے۔ تو وہ اس خطرے کی زد میں آجاتا ہے۔ کہ پریاں اُسے اُڑا کر لیجائیں۔ البتہ اگر کوئی عامل کسی "اسم اعظم" کا وِرد کرنے لگے۔ تو اس اندیشے کا سد باب ہو جایا کرتا ہے۔

اس عام عقیدے کے باعث کہ چھینک کے وقت آدمی کی روح داخل یا خارج ہوا کرتی ہے۔ بعض وحشی قوموں میں ایک بیمار مریض کی ناک اور منہ دونوں بند کر دیئے جاتے ہیں تاکہ روح کے لئے کوئی راہ گریز باقی نہ رہے۔ وہ کبھی تو یہ کام اس غرض سے کیا کرتے ہیں کہ آمادہ پرافشانی روح کو قفص جسم سے پرواز کرنے سے باز رکھیں اور کبھی یہ نیت ہوتی ہے۔ کہ کسی دوسرے آدمی کی جان متینہ روح کی لپیٹ میں آجائے۔ جزائر سلیبس میں مرتے ہوئے مریض کے نتھنوں سے مچھلی کے کانٹے لگا دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ نکلتے ہوئے ماہیٔ روح انہیں پھنس کر رہ جائے۔

مغربی افریقہ میں چھینک ایک بڑا شگون سمجھا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ علامت ہے اس بات کی کہ خلوت جسم کے اندر رہنے والے روح پر کچھ غیر معمولی اُفتاد گزر رہی ہے۔ جسے کسی دوسری تب مہمان روح کو موقع دیا ہے کہ اگر ممکن ہو تو اس تخلیئے کے بعد خود داخل جسم ہو جائے۔ اسی نیت سے چھینک کی صورت میں متعلقہ آدمی کو بیمار کرنا شروع کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے۔ کہ یہ ایک عالمگیر ضعیف الاعتقادی ہے کہ جب آدمی

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

چھینکتا ہے۔ تو اُسکا نام لیتا ہے تو اسکا کوئی بدخواہ رہا ہے یا کوئی روح خبیث اس کا برا چاہتی ہے۔ اس عمل کے وقت اسکا خیال ہے کہ یہ بدمعاش روحیں فضائے عالم میں جاری و ساری ہو جاتی ہیں جس سے بس اس صورت میں بچا ممکن ہے کہ کوئی مثلاً اس قسم کا کلمہ استعمال کیا جائے کہ حافظ حقیقی تمہیں اپنی امان میں رکھے!

چھینک اور بھوت پریت

ایسے چھینکوں کے بارے میں جو توہمات ہیں وہ بے اختیار آیا کرتی ہیں۔ یہ توہم قائم کیا گیا ہے کہ وہ شخص جس پر کسی ایسی روح آسیبی کے جو مریض پر مسلط ہو گئی ہے۔ اور اسکے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی ہے کبھی کبھی اس حالت کی یہ تعبیر بھی کی گئی ہے کہ وہ خاص ہے اس واقع کی کہ روح خبیث بدن سے رخصت ہو گئی ہے۔ اور انسان کی اصلی روح دوبارہ بازیاب ہو رہی ہے۔ چنانچہ اسی قیاس کے تحت یہ دستور قائم ہو گیا کہ چھینکنے والے کو دعا و مبارکباد دی جاتی ہے۔

فلوریڈا (وسطی امریکہ) میں یہ وہم عام ہے کہ جب آدمی چھینکتا ہے۔ تو اسکا کوئی دشمن اسکا نام زبان پر لا رہا ہے۔ اس لئے یہ دعا سے رہا ہے یا کسی روح بد سے التجا کر رہا ہے کہ اسے فنا کر دے۔ چنانچہ اسکے جواب میں چھینکنے والا کسی اپنی مربی روح سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس کے بداندیش کو نامراد اور برباد کر ڈالے۔ دنیا کے ایک خطے میں کیفیت جہاں کا یا دستور ہے کہ جب کوئی آدمی دیکھتا ہے کہ خواب سے بیدار ہوتے ہی اُسے چھینک آئی تو وہ چیخ اٹھتا ہے۔ مجھے کون پکارتا ہے یا اگر اس کا ارادہ نیک ہے تب تو خیر لیکن اگر نیت بد ہے تو وہ دعا کرتا ہے کہ خدا روح میری نگہبان ہو۔ موت لاؤ ایک غیر معروف مقام دنیا کا ہے۔ وہاں جب کوئی بچہ چھینکتا ہے تو ماں کہا کرتی ہے۔ اسے دنیا میں آنے دو۔ اسے دنیا میں رہنے دو۔ ان کلمات و خطابات کے پس پشت یہ عقیدہ ہے کہ کوئی آسیب بچے کی روح کو چرا لیجانا چاہتا ہے۔

چھینک اور کلمات رد بلا

چھینک کے بارے میں جو توہمات پائے جاتے ہیں۔ وہ زمانہ قدیم اور عہد جدید نیز مہذب اور وحشی قوموں، دونوں زمان و مکان میں یکساں دیکھنے میں آتے ہیں۔

یونانیوں کا خیال تھا کہ چھینک ایک شگون نیک ہے۔ وہ اسکی خیر و برکت تک پہنچاتے تھے یعنی ٹوپ کہتا ہے کہ میرے بچپنے میرے تمام کلمات و کلیات پر ایک برکت و سعادت چھینک دی ہے۔ عام طور پر چھینکنے والے کا خیر مقدم اس طرح کیا جاتا تھا۔ کہ زندہ باش! اہل روم بھی کچھ اسی قسم کے الفاظ استعمال کیا کرتے تھے۔ یا چھینکنے والے کی صحت کے لئے دعا کیا کرتے تھے۔

ایران قدیم میں جب کسی کو چھینک آتی تھی۔ تو اُس کو زندگی کی ایک کوئی کلام تلاوت کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے کہ زرتشتیوں کا عقیدہ تھا کہ چھینک کے اندر ایک روح۔ ایک روح آتشین! جاگزیں ہے! یہ کلمہ اس روح کے خلاف معرکہ آرا ہوتا ہے۔ اور چھینک کا آنا بتاتا ہے کہ وہ مسلط روح بد اپنی گرفت کو ڈھیلا کرکے جسم سے باہر نکل رہی ہے۔

جب کوئی دوسرا حاضر مجلس چھینک کو سنا کرتا تھا۔ تو وہ بھی اسی دعا کی تکرار کیا کرتا تھا۔

یہودی جو کلمہ ایک ہم مذہب چھینکنے والے کے سامنے کہا کرتے ہیں۔ وہ ہے "الصحت" قرون متوسطہ اور بعد میں بھی یورپ کے مختلف حصوں میں جن کلمات کا استعمال تاریخ نقل کیا ہے۔ وہ بھی کم و بیش اسی طرح کے نظر آتے ہیں۔ مثلاً خدا تمہارا ناصر ہو! مسیح تمہارا دستگیر ہو!

چھینک ان ایام میں ایک بیان کی کسی کی علامت بھی سمجھی گئی ہے۔ چنانچہ یہ ایک آسیب چلیپا کا نشان بنایا جاتا تھا۔ لیکن بعد کے علمائے کلیسا کا فتویٰ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ چھینک کوئی بری یا اچھی روحانی معنویت نہیں رکھتی۔

اس طرح معلوم ہوگا کہ چھینک سے متعلق دستور کی بنیاد عقلی جا بجا اور بعید بعید متفاوت واقع ہوئی ہے۔ اگرچہ اپنے مبدء و ماخذ کے اعتبار سے وہ ارواح سے زیادہ کم و بیش وابستہ نظر آتا ہے۔ یعنی عموماً یہ خیال کیا گیا ہے کہ کسی روح یا آسیب کا حلول بدن کے اندر عمل میں آیا کرتا ہے۔ اب ارواح متعلقہ کی نیکی یا بدی کے اعتبار سے چھینک کو مبارک یا منحوس صحت بخش یا مضر صحت سمجھا گیا ہے۔ نیز یہ کہ جب چھینک روح کی واپسی کی آواز ہوگی۔ تو وہ خیر ہوگی۔ اور جب اسکی آوارگی کی تو شر!

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چھینکنے کا عمل اس لحاظ سے پُر خطر خیال کیا جاتا تھا کہ ممکن ہے اس کے باعث سے سانس یا روح باہر نکل

پڑے۔ اس قسم کی صورت کی تشریح الھدن ۔ بھی رسالہ میں ملا کرتی ہے!

رسم کی اصلیت

خیال کیا جاتا ہے کہ پہلا مٹی کا مصنوعی انسان ۔ جس میں پہلی علامت حیات کا اظہار کیا تھا۔ وہ چھینک ہی تھی۔ اس غرض خالق کی نیت سمجھا جاتا ہے۔ کہ وہ نظام شمسی کا ایک رکن تھا۔ اور آتشیں شعاعوں کی آگ کھینچ ان شعاعوں کو ایک تابیت سے ایک شیشی بھری۔ ولے سربمہر کر دیا۔ شیشی ایک خاص غرض و غایت سے تیار کی گئی تھی۔ وہ معاً اس کے بعد ہی اپنے وطن کارتلے کی طرف اُڑ کر واپس گیا۔ اور اپنی اسی شیشی کو کھولکر معلومہ مجسمہ کے قریب کر دی۔ شعاعیں جنہیں اب بھی انکی متحرک قوت عمل باقی تھی۔ انہوں نے ایک فلس ان کے ساتھ اپنے کو ایک خاص سنت کہ اللہ اور دنیا کے پہلے

حساس انسان کو چھینک آئی۔ یہ آتشیں ہاتھ اپنی آدمی کی طرف سے ہٹ کر عالم کیف میں رقص کرنے لگا۔ اس نے خلاق عالم کے حضور میں ایک تحت و حکمت کی سے اک یہ جوش التجا پیش کی کہ اسکی شادی کی مجلس کے طور سے سو مجمع بہتی وجود میں آئی تھی وہ ہمیشہ زندہ و پائندہ رہے۔ اپنے جسم کی ساختہ مخلوق نے اپنے خالق کے اس اظہار جوش کو دیکھ پایا۔ چنانچہ آئندہ سے چھینک نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس قسم کی دعائیں اس کے اپنے آنے والی نسلوں کے منسوب کر دیں۔ جنکی طرف سے وہ صرف ملہم طراز ہو کر کائنات میں بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیا کرتا تھا۔ اس کی اولاد اس وقت سے پشت در پشت ان دعاؤں کو اپنی ذریت میں منتقل کر رہی ہے۔ اور تمام عالم میں ان کی جہاں جہاں تو آبادیاں واقع ہیں۔ ان میں تقسیم کر رہی ہے!

عورتوں کی دُنیا

زچہ ہونے میں ہر سال تقریباً دو لاکھ عورتیں ہندوستان میں ضائع ہوتی ہیں، یہ اندازہ ہے سر کتھبرٹ برادسن کا جو حال ہی میں محکمہ میڈیکل سروس آف انڈیا سے ریٹائر ہوئے ہیں ہندوستانی عورتوں کی زچگی کے دوران میں یہ اندوہناک شرح اموات سب لوگوں کے لئے قابل غور ہے بالخصوص صحت عامہ کے کام کرنے والوں اور اہل طب کے لئے تو یہ امر از حد تشویش کا باعث ہے مگر ہندوستان میں اس بات کی طرف سے کوئی بیداری رائے عامہ میں نہیں پائی جاتی ہے زچگی کی اموات کی شرح ہندوستان میں پلیگ، زچگی کی اموات کی سالانہ اموات کے مساوی ہے اور مرض ہیضہ کی برابر بھی۔

بچپن کی شادیاں جن کا ہندوستان کے اکثر حصص میں اب تک رواج ہے نوجوان لڑکیوں کے ضائع ہونے کا واحد سبب نہیں ہے گو زچگی کی شرح اموات کی زیادتی میں اس عنصر کا بھی بڑا حصہ ہے

اس شرح اموات کی زیادتی کا باعث کیا ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کمسن و نوعمر لڑکیاں جسمانی اور دماغی طور پر ماں بننے کے تو کیا بیوی بننے کے بھی پورے اوصاف و احساس نہیں ہوتے بیویاں اور مائیں نہایت بے دردی و بے رحمی کے ساتھ بنا دی جاتی ہیں۔ ماں بننے کی ذمہ داریاں اور فرائض سے ذرا بھی کسی کو آگاہی نہیں ہوتی، مگر وہ مائیں بننے کے لئے مجبور ہو جاتی ہیں ہندوستان میں جہاں سات سے لے کر چودہ برس تک کی عمر شادی کے لئے بہترین زمانہ مانا جاتا ہے وہاں اگر اس نوعمری میں لڑکیوں کو ماں بننے کے لئے بھی مجبور کر دیا جائے اور اس کی نازک ذمہ داریاں بھی ان کے کندھوں پر ڈال دی جائیں تو اسے تعجب کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے

شاید ہی دنیا کے کسی ملک میں ماں بننے کی اتنی قدر و منزلت ہو جس قدر ہندوستان میں پائی جاتی ہے ادھر لڑکی کی شادی ہوئی ادھر بڑی بوڑھیوں نے لڑکی کو ماں بننے کی حالت میں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، ہندوستان کا لٹریچر ماں بننے کے قصائد سے لبریز دکھائی دیتا ہے یہاں کے گیتوں میں ماں بننے کی وہ وہ تعریفیں ہیں کہ اس طرف جس قدر بھی عزت و توقیر کی نظر سے اٹھیں بجا ہے تمام مہذب اقوام عالم اس وقت اپنی عورتوں کو مائیں دیکھنا چاہتی ہیں جب وہ سماج کے ایک معین ضابطہ اور مطمئن درجۂ زندگی کو پہنچ جائیں، ماں بننے کے فرائض اور ضروریات سے بخوبی واقف ہوں مگر ہم سب اقوام متمدن سے الگ ہیں کہ اپنی بیویوں کو اوائل عمری ہی میں مائیں دیکھنا چاہتے ہیں جبکہ ان کا درجۂ زندگی غیر معین، تجربات حیات بے معنی اور نقطۂ نظر بالیدگی و بلوغ نہیں، ایسی حالت میں اگر بچے کمزور اور دماغی طور پر کمتر پیدا ہوں اور زچگی کی حالت میں مرنے والی عورتوں کی زیادتی ہو تو کیا تعجب ہے؟

نوجوان لڑکیاں اول تو اس بات ہی سے ناواقف ہیں کہ قبل از وقت ماں بننے سے کیونکر بچا جا سکتا ہے

عورت کی قربانی

زچگی کی اموات سے ہندوستانی عورتوں کی تباہی

(از قلم شریمتی نیلما دیوی)

پھر نہ وہ آئین حیات سے انھیں کوئی آگاہی نہیں اور نہ ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچہ ہونے کی خطرناک حالت کے وقت انھیں کیا کرنا چاہئے۔

طبی تحقیقات کرنے والے لوگ آپ کو بتائیں گے کہ حفظ ما تقدم کی وجہ سے زچگی میں ہونے والی کتنی اموات کو روک دیا گیا اور طبی امداد پہنچنے سے کس قدر عورتوں کو قبل از وقت موت سے بچا سکتے ہیں۔

پھر ہماری توجہ ایک ضروری چیز کی طرف مبذول

جو بھی اعداد و شمار کو غور سے پڑھے گا اور صورت حال کی نزاکت سے آگاہ ہو جائے گا۔ ہندوستان میں بہت سی انجمنیں اور نرسیں زچگی کی اموات کے روکنے کے لئے مشغول کام کر رہے ہیں۔ مگر وہ اصل مرض سے ناواقف ہیں، ہماری سماجی تباہی کا اصل سبب ہندوستان کا سماجی سسٹم کا اندرونی عمل ہے جس کی تبدیلی کی ضرورت ہے ۹۰ فی صدی لوگ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے سماجی بیداری کی طرف سے ناواقف ہیں۔ ان میں سستی ہے اور وہ سمجھ ہی

عورت

(از جناب ملک سلمان ارشد فاروقی قطر التحریر بھوپال)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

(۱) عورت کے دل میں وہ ہے جو حد امکان سے باہر ہے۔ (منوری)
(۲) عورت خودداری اور حیا کا مجسمہ ہے۔ (بائرن)
(۳) عورت حسن ہے اور حسن عورت۔ (موتی)
(۴) عورت عقل کی طرح گہری اور انصاف کی طرح عزیز ہے۔ (ہوبج)
(۵) عورت نقدیس و تعظیم کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ (بے برڈ)
(۶) عورت محبت ہے اور محبت عورت ہے۔ (موتی)
(۷) عورت ایک گلاب کی کلی ہے جس میں خودآرائی کا ایک چھوٹا سا کانٹا لگا ہوا ہے۔ (ٹینی سن)
(۸) عورت زندگی کی کٹھن منزل کے لئے رہبر کامل ہے۔ (ہیلن)
(۹) عورت مرد کا نصف ایمان ہے۔ (موتی)
(۱۰) عورت کا دل محبت کا بحر اعظم ہے اور اس کا خشک ہونا غیر ممکن ہے۔ (بلدمن)
(۱۱) عورت بیشک تو فرشتہ ہے لیکن آزاد نہیں اس لئے تو فرشتہ سے بالاتر ہے۔ (اتردج)

کرتا ہے، ہندوستان میں لوگ گرہست کی زندگی اور جنسی معلومات کی طرف سے اس قدر غافل اور بے تعلق ہیں کہ یہ لاعلمی بھی زچگی کی اموات کی زیادتی میں مدد دیتی ہے۔ لوگوں کو زندگی گزارنے اور رہنے سہنے کی جدید ذمہ داریوں سے بالکل واقفیت نہیں، ہماری گھریلو زندگی اور ماحول کی پابندیاں اور سختیاں کوئی مہذب احساس ذمہ داری اور سماجی بیداری پیدا نہیں ہونے دیتیں چنانچہ اسی طرف مدراس کے محکمۂ میڈیکل سروس کے صدر سر نرینک بی گولز، سرجن جنرل نے ایک کانفرنس میں جو زچگی اور صلاح اطفال کے موضوع پر ہوئی تھی کہا تھا۔

"جب تک لوگوں کو صورت حال کی سنجیدگی اور حقیقت کی بھیانک تصویر سے آگاہ نہ کر دیا جائے گا اُس وقت تک یہ زبردست ہلاکت خیزی دور نہیں ہو سکتی"

نہیں سکتے کہ حالات کا تقاضا کیا ہے۔ غذا اور صحت بخش ماحول کی طرف سے عدم آگاہی اور غربت ہمارے اہل ملک کو تباہی و بربادی کی طرف دھکیلتی رہتی ہے سماجی صلاح و ترقی اور طبی امداد و تعلیم کی نسبت سے کام کرنے والے لوگ جس قدر محنت کر رہے ہیں یہ چیز ان کے کام کو کچھ بھی آگے نہیں بڑھنے دیتی۔

جہالت اور توہم پرستی نے زچگی کی اموات کو بڑھانے میں بہت مدد دی ہے۔ اور یہ چیز طبی امداد و سماجی کام کرنے والوں کی مدد اور حیطۂ عمل سے بھی باہر ہے پس ضرورت ہے کہ صحیح بیداری پیدا کرنے کے لئے جہالت اور توہم پرستی اور پرانی لکیر کے فقیر رہنے کی عادت کے دور کرنے کی طرف توجہ کی جائے جب تک یہ بنیادی خرابی دور نہیں ہو گی اصل مرض کا علاج نہ ہو گا۔

ہمارے اندھے سماجی قوانین اور رواجوں نے دولا کھ عورتوں کی بے وقت ہلاکت کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اور اس بے وقت شہادت کا انجام کیا ہوگا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا عورتوں کو اس طرح ذبح کرنے سے ہم کس منزل میں پہونچیں گے ذرا غور تو کیجئے غیر صحتمند والدین سے پیدا کی ہوئی اولاد و جہالت و مصیبت سے کیا اچھی نسلیں ہم پیدا کر سکتے ہیں؟

جو اموات زچگی میں ہوتی ہیں ان کی بڑی تعداد اس وجہ سے ہوتی ہے کہ عورتیں [illegible] نہیں کہ اپنی کیونکر حفاظت کر سکتی ہیں۔

ایک اوسط درجہ کی عورت کی [illegible] کے شوہر کی مالی حیثیت اور خاندانی [illegible] سوالوں کے بغیر اس کے ہاں بچہ ہونا مقرر ہو جاتا ہے، جو قومیں پرانی توہم پرستی اور قدامت پرستی سے نکل کر زیادہ باضابطہ اور بہتر و قرین عقل طریقۂ زندگی کے دائرہ میں داخل ہو چکی ہیں وہی والدین کے معاملہ میں عقل و خرد کی ضرور کام لیتے ہیں اور ان سوالات کا جواب ضرور اپنے سے دریافت کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قومی عروج و ترقی اور قومی صحت اور کمال و خوشحالی کی منزلیں طے کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اور یہی ان کی قومی و سماجی فلاح کا باعث ہے اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو جدید اطوار و اسالیب سے مزین کریں اور قومی تحفظ کے لئے زچگی کی اصلاح اور ماؤں کی حفاظت کا بندوبست کریں۔ غیر معین و بے علم و آلودہ زندگی سے پرہیز کریں تاکہ ہماری سماجی نکبت و تباہ حالی دور ہو۔

عورت کی زبان وہ تلوار ہے جو کبھی زنگ آلودہ نہیں ہوتی۔ (موتی)

مرد کی طرح عورت کو بھی آرام کی ضرورت ہے (کوشن)

عورت کی فطرت مرد کی فطرت سے زیادہ بلند ہے (ڈکنز)

عورت ایک عقدہ ہے جو کسی طرح بھی نہیں سمجھا (سمائن)

عصمت پرست عورت نہایت غیور ہوتی ہے وہ [illegible] ہمیشہ آسان راستہ اختیار کرتی ہے۔ (نوفلر)

عورت جب چاہتی ہے کہ چھپاوے بیاں بن جاتی ہے (موتی)

خاموشی اور حیا عورت کے خاص مصاحب ہیں (موتی)

عصمت پرستی عورت کا خاص وصف ہے (ایڈیسن)

عورت محبت اور وفا کی دیوی ہے (بیلیو)

دنیا پس تو ساری کی ساری ایک پونجی ہے [illegible] کی سب سے اچھی پونجی نیک عورت ہے (قرآن حکیم)

عورت خود مبارک ہے اور جہاں جاتی ہے اچھا اثر ڈالتی ہے۔ (رگوید)

عورت میں ایسا جادو ہے کہ خواہ مرد کتنا ہی وحشی ہو وہ اس کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے (کرالی)

عورت کی صحبت مرد کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے [illegible] کے بغیر مرد کا لفظ بے کار ہے۔ (کارٹن)

عورت کا دل محبت کے پانی سے سیراب اور [illegible] کیا گیا ہے۔ (شیکسپئر)

[بچوں کے لئے]

مُنہ سے کہنا اور ہے کرنا ہے اور

(از جناب مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر)

ایک دن کا ذکر ہے سُنئے ذرا
مل کے کچھ چوہوں نے اک جلسہ کیا
اپنے جلسے کی بڑھائی قدر بھی
ایک چوہے کو بنایا صدر بھی
مدعا یہ تھا کہ بلّی سے بچیں
اسکے حملوں سے سلامت رہ سکیں
سب نے کی کوئی نہ کوئی چیز پیش
ہو گئی آخر میں یہ تجویز پیش
گھنٹی اک اسکے گلے میں ڈال دیں
یوں بلا بلّی کی سر سے ٹال دیں
دور سے گھنٹی کی جب آواز آئے
چوہا ایک ایک اپنے گھر میں بھاگ جائے
سب نے اس تجویز کی تائید کی
ہو گئی چوہے کے گھر میں عید سی
واہ وا کا غل ہوا اس بات پر
تالیوں سے گونج اٹھے دیوار و در
ایک چوہا ان میں کچھ ایسا بھی تھا
جس نے کھائی تھی زمانے کی ہوا
پہلے تو تجویز ان سب کی سنی
اس نے آہستہ سے پھر تقریر کی
یہ طریقہ گو بظاہر خوب ہے
اس سبب سے آپ کو مرغوب ہے
چاہیئے لیکن ذرا سا غور بھی!
سوچئے اس بات کو کچھ اور بھی
بات اتنی سی مجھے دیجئے بتا
کون گھنٹی باندھنے کو جائیگا
سن کے یہ باتیں ہوئے خاموش سب
ہو گیا کافور ان کا جوش سب

مُنہ سے کہنا اور ہے کرنا ہے اور
کیجئے اس بات پر نیّر کچھ غور

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں)



ڈرامہ

جذبات کی دُنیا

از جناب لالہ انوپ چند آفتاب رئیس پانی پت

خاص تیج ویکلی کیلئے

بسلسلہ گزشتہ

(نوٹ) گزشتہ قسطوں کا ضروری خلاصہ:- سمراٹ ظالم سنگھ کو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے باغی تیج سنگھ کو راجہ کرم بیر سنگھ والئے ریاست دھرم گڑھ نے پناہ میں لے لیا ہے جس پر سمراٹ راجہ صاحب موصوف کے پاس اس امر کا پیغام ارسال کرتا ہے کہ آپ تیج سنگھ کو اپنے ہاں سے نکال دیں ورنہ آپ کی ریاست پر چڑھائی کرکے اسے ملیامیٹ کر دیا جائے گا اس کے جواب میں کرم بیر سنگھ نے اس کے مطالبہ کو ٹھکراتے ہوئے لکھ دیا کہ آپ جو کچھ کرنا چاہیں فوراً کریں، ایک منٹ کی دیر نہ کریں۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی شرن میں آئے ہوئے مظلوم کو ڈر یا دباؤ سے اپنے ہاں سے نکالدوں اس پر سمراٹ آتش پا ہوکر دھرم گڑھ پر چڑھائی کرا دیتا ہے سپاہ راہ میں دیہاتیوں کو لوٹتی پیٹتی اور ان کے گھروں کو آگ لگاتی ہوئی چلی جاتی ہے بعد ازاں ظالم سنگھ اور ایک عورت جنگل میں جاتے ہیں جہاں کچھ گفتگو کرتے ہیں۔

پانچواں سین

ہولناک جنگل!

(ظالم سنگھ اور ایک عورت کا آنا)

ظالم سنگھ:- پیاری آپ کو یہاں لانا مناسب تھا۔ لیکن کیا کروں میرا من پریم (دریسے اتنا جکڑا ہوا ہے کہ برہ (ہجر) کا ایک منٹ بھی سالوں کے برابر گزرتا ہے اس لئے معاف کرنا اس تکلیف پر کوئی دھیان نہ دینا۔

عورت:- یہ تکلیف ہے۔ نارائن! نارائن! میرے ایسے کرم کہاں تھے کہ ایک چکرورتی راجہ مجھ سے پریم کرے۔ پیارے پرماتما کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج دونوں کا دل سچے پریم سے شاد ہے ورنہ کل سے

داغ تھے سینہ میں لاکھوں چوٹ تھی دل پر کڑی
ابر باراں کی طرح آنکھوں میں تھی غم کی جھڑی

ظالم سنگھ:- ہاں پیاری سچ ہے سے
زخم فرقت بھر گیا ہے آج مجھ دلگیر کا
پریم سچا کام دل پر کر گیا اکسیر کا

عورت، یہ مبارک وقت بہت دنوں میں آیا ہے پرمیشور نے ہم دونوں کا جوڑا ملایا ہے۔

ظالم سنگھ:- دیکھئے پریم ساگر میں رہ میں سے اُبل رہا ہے اور جوش اُمنگ فوارہ بن کر اچھل رہا ہے

جوش خوشی اٹھا ہے جوش امنگ بن کر
دل بھی اچھل رہا ہے مست ترنگ بن کر

(دونوں کا گانا)

من پریم نے لوٹا ساجنا
تارے گن گن کے رین گزاری
گئی سپنا میں عمر ہماری
من پریم نے " " "
اپنے چرنوں کا داس بنانا
میرے دکھی کلی کو کھلانا
من پریم نے " " "

(دونوں کا جانا) جوتی سروپ کا آنا

جوتی سروپ:- جہاں ہمیشہ سکھ اور شانتی کا راج رہا ہو، جہاں رام اور کرشن کے نام کا ڈنکا بجا ہو جہاں چیونٹی سے بھی پریم کرنا سکھایا گیا ہو آج وہاں ایک آفت مچائی جا رہی ہے، مظلوموں کے گھروں کو آگ لگائی جا رہی ہے سے

جس ملک نے کبھی نہ اٹھائے ہوں رنج و غم
آنکھوں سے اس کی خون ٹپکتا ہے دم بدم

(گانا جوتی سروپ)

نادانو بھارت ماتا کے بچوں کو آنکھیں جا کر
کیا ظلم و ستم میں رکھا ہے دنیا میں پرچار کرو
نادانو بھارت " " "
اک پریم کی مالا بن جاؤ سب دشمن سنگ مل جاؤ
نفرت کا بھارت ماتا کے بچوں سے دور آزار کرو
نادانو بھارت " " "
دنیا کے گوشہ گوشہ سے پاپوں کی ظلمت دور ہوئی
غفلت میں سونے والوں کو اب آئی سحر بیدار کرو
نادانو بھارت ماتا " " "

(جوتی سروپ کا ایک طرف ہو جانا اور بھارت ماتا کا آنا)

بھارت ماتا:- او نرسنگھ روپ سے ہرناکش کو مارنے والے بھگوان! او پرہلاد کو جلتی آگ سے بچانے والے بھگوان! تو آج بے قرار کیوں نہیں ہوتا، قوم کا بھار اتارنے کو تیار نہیں ہوتا۔ آہ! مجھ بدقسمت کے پیٹ سے ایسے ایسے سورما جنے تھے کہ جن کے نام سے زمین و آسمان دہلتے تھے، لیکن آج کیا ہے آہ وزاری سے دل جل رہا ہے کوئی ظالم کی تلوار سے گھائل پڑا ہے کسی پر ظلم و ستم کا تیر چلا ہے کوئی ظالم سنگھ کے ہاتھوں زمین پر تڑپ رہا ہے؛

جوتی سروپ (پاس آکر) ماتا آج کیا حال ہے جو دل پر سخت رنج و ملال ہے!

بھارت ماتا:- نہ پوچھو دکھیا کا حال ذرا نہ پوچھو،

جوتی سروپ:- ماتا کچھ تو کہو!

بھارت ماتا:- بیٹا اس سوال کا جواب اپنے دل سے لو

جوتی سروپ:- (کچھ دیر سوچ کر)

لپٹ ملک و قوم پر ہم ڈالتے ہیں جب نظر
تیر سے آکر برستے ہیں دل بیتاب پر

(ظالم سنگھ کا اچانک آنا)

ظالم سنگھ:- او بے ایمان۔ بند کر یہ طرز بیان، ورنہ تم دونوں کا لہو بہا دوں گا اس ساری بدزبانی کا مزہ چکھا دوں گا۔

جوتی سروپ:- سے
میرے بھگوان کی گر مجھ پہ نظر ہو جائے
دست جلاد میں بے کار تبر ہو جائے

ظالم سنگھ:- کیا ابھی تک تیرے سر میں مرنے کا سودا ہے کہ اپنے خون سے تبر کی پیاس بجھانا چاہتا ہے

جوتی سروپ:- ہاں ہاں تبر کی پیاس میرے خون سے بجھا!

ظالم سنگھ:- اچھا ہوشیار۔

جوتی سروپ سے
شہیدِ قوم کا خوں رنگ لائیگا عیاں ہوکر
چمک اٹھیں گی آہیں بیکسوں کی بجلیاں ہوکر

ظالم سنگھ:- کہیں ایسی باتوں سے سورماؤں کا دل گھبراتا ہے

جوتی سروپ:- سے
زباں میں ناتواں مظلوم کی تاثیر ہوتی ہے
نکلتی ہے جو دل سے آہ مثل تیر ہوتی ہے

ظالم سنگھ:-
مجھے دیکھنا کیا آہ میں تاثیر ہوتی ہے
رواں مغرور کی گردن پہ شمشیر ہوتی ہے

(ظالم سنگھ کا جوتی سروپ کے گلے پر خنجر پھیر کر جانا)

بھارت ماتا:- جو ملک و قوم کی دیوی پہ سر چڑھاتے ہیں
نثار ہو کے شہیدوں میں نام پاتے ہیں

گانا بھارت ماتا

ملک میں چھائی ہوئی ہیں چار سو تاریکیاں
گوشہ گوشہ میں وطن کے رنج و غم کا ہے سماں
ملک میں چھائی " " "
دیکھئے ان بیکسوں کی جان اب کیونکر بچے
روز و شب آنے لگیں لاکھوں بلائیں ناگہاں
ملک میں چھائی " " "
آرزوؤں کے چمن میں پھول پھل آئیں گے کیا
گر پڑی ہیں خرمنِ ہندوستاں پر بجلیاں
ملک میں چھائی " " "
ان کے دل کا حال کیا جانے کوئی اے آفتاب
دستِ ظالم سے ہوا جن کا لہو گھر گھر رواں

چھٹا سین

دربار کرم بیر سنگھ

کرم بیر سنگھ:- میرے پیارے جاں نثار راجپوتو اب مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ اور جس طرح بھی ہوسکے راجپوتی آن قائم رکھو۔

راجپوت نمبر (۱):- ہم آپ کے اشارے پر جان نچھاور کریں گے لیکن راجپوتی آن پر آنچ نہ آنے دیں گے،

راجپوت نمبر (۲) (خود بخود) دشمنوں کو یاد رکھنا چاہئیے کہ راجپوتوں کے منہ آنا بچوں کا کھیل نہیں؛

(دکھی فریادیوں کا آکر دہائی دینا)

سب فریادی (نہایت پُر درد لہجہ میں) سرکار سرسیان کی دہائی ہے۔

کرم بیر سنگھ:- کیا ہوا؟

فریادی نمبر ۱:- ہائے افسوس ظالم سنگھ کے سپاہیوں نے سب کچھ لوٹ لیا۔ **فریادی نمبر ۲**:- ہمارے بچوں کا خون بہایا۔ گھر بار جلا کر خاک سیاہ بنا دیا۔ **فریادی نمبر ۳** میرے بڑھاپے کا سہارا۔ آہ میرا پیارا بیٹا۔ آہ!

(بوڑھے کا بے ہوش ہونا)

فریادی نمبر ۴:- میری پران پیاری پر بدمعاشوں نے بیداد کی، میرا لوک اور پرلوک خراب کیا۔ **فریادی نمبر ۵** آہ میرے معصوم بچے، آہ میرے کلیجے کے ٹکڑے۔

پردھان:- کیا ہوئے؟ **فریادی نمبر (۵)** انسان نما درندوں کی نذر ہو گئے۔ **فریادی نمبر (۶)** اف میری بوڑھی ماتا۔ اک آہ بھی نہ کر سکی کہ گھر کیساتھ جل گئی (بیہوش ہونا)

(فریادیوں کا گانا بطرز دیس)

تیرے ظلم و جور سے سنگدل ہوا ساری دنیا میں غم بپا
کہیں بے نواؤں کا درد و غم کہیں ناتواں کا ہے ماجرا
تیرے ظلم " " "
ہوئے مجھ پہ ظلم ہیں اس قدر کہ ہے غم سے پُر میری چشم تر
کٹی ساری زندگی اس طرح کبھی جی گیا کبھی مر گیا

باقی اگلے صفحہ پر

پچھلے صفحہ سے

ہوا اپنے بچوں پہ وہ ستم دشمن کے غیر کو ہو الم
کوئی خاک پر ہے پڑا ہوا کوئی جاں بلب ہے تڑپ رہا

ترے ظلم

کرم بیر سنگھ۔ بس بس کرو اب مجھ میں فریاد سننے کی طاقت نہیں رہی۔ اس درد انگیز بیان نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا میرے غصے کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا۔ وہ انصاف کے دشمن ظالم سنگھ تو نے غریب پرجا پر وہ ستم کیا ہے کہ ساری دنیا میں آہ و زاری کا شور مچ گیا ہے۔ مصیبت زدہ لوگوں کی فریاد سے پتھروں کے دل دہلتے ہیں مگر تیرے کان پر جوں تک نہیں رینگتی ؎

وہ ستمگار برا کام برا ہوتا ہے
ہر برے کام کا انجام برا ہوتا ہے

پردھان۔ اُف اتنا ستم؟ ابلاؤں کے سہاگ جاتے بے کسوں کے گھر اُجاڑ دئیے۔ ستیوں کا ستیل بھنگ کیا ماؤں کو اولاد کا داغ دیا لیکن تیرا کلیجہ پھر بھی ٹھنڈا نہ ہوا کہ ان غریبوں کو بھی تہس نہس کر دیا۔ **راجپوت نمبر (۲)** (خود بخود) آہ یہ بلاپ بھی دیکھنا پڑا۔ راجپوت گردنیں کٹوا سکتے ہیں اپنے خون کی نہریں بہا سکتے ہیں لیکن مظلوموں کی آہ و زاری نہیں سُن سکتے۔

کرم بیر سنگھ۔ میرے پیارے راجپوت سورماؤ، ظالم کے بیداد کی حد ہو چکی ہے جلد کمربستہ ہو جاؤ اور اس کام کے لئے تیار ہو جاؤ جس کے لئے راجپوتنیاں سپوت جنتی ہیں اب غور و فکر کا موقعہ نہیں رہا۔ ماؤں کے دودھ سپھل کرنے کا وقت آ چکا ہے۔ **سب**۔ ہم سب تیار ہیں۔

ساتواں سین

محل کرم بیر سنگھ

(ایک طرف سے کرم بیر سنگھ کا آنا، دوسری طرف سے ماتا کا آنا)

کرم بیر سنگھ۔ ماتا جی پرنام **ماتا**۔ جیتے رہو بیٹا

کرم بیر سنگھ۔ اب حد ہو چکی، غریب پرجا کی مصیبت نہیں دیکھی جاتی، ماتا جی حکم کیجئے کہ میں رن میں جاؤں اور مخالفوں کو تلوار کے وہ ہاتھ دکھاؤں کہ دشمنوں کی فوجوں میں کھلبلی پڑ جائے

ماتا۔ بیٹا اب بہت نازک وقت آ چکا ہے، زمانہ مصیبت میں پڑا ہے غریبوں پر ظلم ہو رہا ہے چاروں طرف آہ و زاری کا شور مچ رہا ہے ایسی حالت میں جو راجہ خاموش ہو جاتا ہے وہ مر کر سیدھا نرک میں جاتا ہے اب اپنا دھرم پالن کرو غریب رعایا کی حفاظت کرو۔

کرم بیر سنگھ۔ میرا جینا۔ میرا مرنا۔ میری سمجھ۔ میرا سب کچھ پرجا کے لئے ہے جس کی پرجا سکھی اس کا جنم سکھی جس کی پرجا دکھی اس کا جنم دکھی۔

ماتا۔ بیٹا تم میری آنکھوں کے نور اور دل کی ٹھنڈک ہو (تلوار ہاتھ میں دیکر) یہ تلوار لے کر میدان میں جاؤ اور اپنا فرض پورا کرو۔ دشمنوں کو دنیا سے مٹا دو ظالم سنگھ کو اچھی طرح دکھا دو کہ راجپوتنیوں کے دودھ میں یہ اثر ہوتا ہے اپنے کُل کی مریادا کو نہ بھولنا۔ میرا دودھ سپھل کرنا جوت م

بڑھے آگے بڑھے جو تیر لگے سینہ پر لگے۔

کرم بیر سنگھ۔ ماتا راجپوتوں نے ہمیشہ گردنیں کٹائیں دنیا بھر کی آفتیں اٹھائیں، جگر کے ٹکڑوں کو دیواروں میں چُنوا دیا اپنا سب کچھ بلیدان کیا لیکن کبھی دھرم نہ چھوڑا۔ (تلوار پر ہاتھ رکھ کر) مجھے اس تلوار کی قسم ہے میدان میں جا کر مر جاؤں گا لیکن دشمن کو کبھی پیٹھ نہ دکھاؤں گا۔ (کرم بیر سنگھ کا جانا)

آٹھواں سین ڈیرہ ظالم سنگھ

(قلعہ کے بالائی حصہ پر کرم بیر سنگھ اور پردھان وغیرہ کا بیٹھے ہوئے نظر آنا) (چندر کلا اسپرا کا گانا)

لیا ہے پریم میں تیرے جوگ
جانے کیا پیرا کہ رہائی پریم کے کارن شیام
ہوا ہے مجھ پایں کر سوگ

لیا ہے پریم میں …

ظالم سنگھ اگر کوئی سورما اس حسین عورت کو اپنے تیر کا نشانہ بنا کر دشمن کے رنگ میں بھنگ کر دے تو ہم سے انعام حاصل کرے۔

گیرو (ظالم سنگھ کے پاس آکر) شری مان!

ظالم سنگھ۔ کیا تو اتنا حوصلہ رکھتا ہے؟ **گیرو**۔ سیوک یہ کام خوب کر سکتا ہے لیکن مرد کا عورت پر وار کرنا۔ **ظالم سنگھ** (بات کاٹ کر) کیا گناہ ہے؟ **گیرو**۔ شری مان!

ظالم سنگھ۔ ہنس کر۔ میرے سورما جو انسان قبضہ میں آئے ہوئے سانپ پر رحم کھائیگا وہ ایک روز خود ہی سانپ کی نذر ہو جائے گا اس لئے بیوقوف نہ بنو سمجھ سے کام لو۔

گیرو۔ بہت اچھا شری مان (گیرو کا چندر کلا کے تیر مارنا)

چندر کلا۔ آہ **ظالم سنگھ**۔ خوب ہوا۔ خوب ہوا۔

کرم بیر سنگھ (غضبناک ہو کر) او ظالم!

ستمگر سنگدل نے اپسرا پر بان مارا ہے
بڑا سفاک جیتا ہے بڑا میدان مارا ہے

(تیج سنگھ کا تیر چلانا ظالم سنگھ کا تاج اُڑ کر زمین پر گرنا)

شاباش میرے سورما خوب جواب دیا

ظالم سنگھ (سہم کر) ہیں یہ کیا ہوا؟ **وزیر**۔ ذرا سامنے سے ایک طرف ہو جاؤ اور پرماتما کا شکر یہ ادا کرو۔

ظالم سنگھ۔ (ایک طرف ہو کر) او پرماتما او پرمیشر! تیرا اپکار

وزیر۔ راجپوتوں کا تیر ملاحظہ فرمائیے۔ بے خبری میں وار نہیں کیا بلکہ خبردار کرنے کو تاج پر تیر چھوڑا ہے۔ (سرجن سنگھ کا آنا)

سرجن سنگھ (ظالم سنگھ کے پاس آکر) شری مان نمسکار،

ظالم سنگھ (تعجب سے) تم کون ہو؟

سرجن سنگھ۔ داس کو سرجن سنگھ کہتے ہیں۔

(سرجن سنگھ کا اشارے سے ظالم سنگھ کو ایک طرف لیجانا)

داس راجپوتوں کو ناکوں چنے چبوا سکتا ہے۔ دھرم گڑھ کی اینٹ سے اینٹ بجوا سکتا ہے

ظالم سنگھ۔ کیا اینٹ سے اینٹ؟

سرجن سنگھ۔ ہاں شری مان! (دونوں کا جانا)

نواں سین میدان جنگ

(فوجوں کا لڑتے ہوئے آنا) کرم بیر سنگھ اور ظالم سنگھ کی فوجوں کا زبردست مقابلہ ہونا۔ آخر کار ظالم سنگھ کی فوجوں کا بھاگنا۔

تعلیمیافتہ اور غیر تعلیمیافتہ نوجوانوں میں بیکاری دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کے ثبوت کیلئے لمبے چوڑے بیانات۔ خاص لائیل اور صحیح اعداد و شمار کی ضرورت نہیں۔ آئے دن بیکاری سے تنگ آکر عین عالم شباب میں سینکڑوں حسرتیں دل میں لئے ہوئے نوجوانوں کا خودکشی کرنے پر مائل ہونا۔ دو چار اسامیوں کے لئے ہزاروں کی تعداد میں امیدواروں کا درخواستیں کرنا۔ اعلیٰ تعلیمیافتہ گریجویٹوں کا بوٹ پالش۔ پان فروشی و دیگر ایسے پیشے ذریعہ معاش کے لئے اختیار کرنا ایسے واقعات ہیں جو کہ بیکاری اور افلاس کے جیتے جاگتے ثبوت ہیں۔ چونکہ ہمارے ملک میں گورنمنٹ وقت کی طرف سے بیکاروں کے اعداد و شمار جمع کرنا اور ان کو رلیف دینے کا کوئی بندوبست نہیں۔ اس لئے وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ کہ ملک میں بیکاروں کی صحیح تعداد کتنی ہے۔ ہاں البتہ اندازاً کہا جا سکتا ہے۔ کہ ملک میں بیکاروں کی تعداد لاکھوں میں نہیں بلکہ کروڑوں میں ہے۔ جس کے لئے کوئی بھی حکومت مبارکباد کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی ہم اپنی اس قابل رحم حالت پر ناز کر سکتے ہیں۔

فرقہ پرستی کی وبا

مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات مرتب ہوتے ہی ملک پر فرقہ پرستی کی کالی گھٹائیں چھا گئیں۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ ہندوستان میں جتنے فرقہ وارانہ فسادات گذشتہ بیس سالوں میں رونما ہوئے ہیں۔ پہلے کبھی نہیں ہوئے کانگرس کی لگاتار کوششوں سے حالات قدرے سدھرے ہیں لیکن حالات ابھی تسلی بخش نہیں کہے جا سکتے۔ وقتاً فوقتاً کبھی نہ کسی جگہ سے فرقہ وارانہ فساد کی اطلاع آ ہی جاتی ہے جو کہ قوم پرست لیڈروں کو سخت پریشان کر دیتی ہے۔ مختلف فرقوں کا آپس میں برسر پیکار رہ کر ایک دوسرے کی گردن زدنی کرنا ملک کی بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے۔ ملک کے حقیقی اور فوری مسائل پس پردہ پڑ جاتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے مسائل پر لڑ جھگڑ کر اہل وطن اپنی طاقت کو زائل کر رہے ہیں۔ کبھی طریقہ نیابت پر اختلاف ہے۔ کبھی قومی جھنڈے کے رنگوں پر اختلافات ظاہر کرتے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ کبھی مندر یا مسجد کی "بے حرمتی" کا فتنہ کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ کوئی چودہ نکات پیش کرتا ہے۔ تو کوئی سولہ۔ کوئی کیمونل ایوارڈ جیسے اینٹی نیشنل فیصلہ کو ہی آزادی کا میگنا کارٹا سمجھ کر اس کو چھاتی سے لگائے بیٹھا ہے۔ اور کوئی ملک کے لئے اسے تباہی خیز بتلا کر ایجی ٹیشن کرتا ہے۔ کوئی زراعت اور غیر زراعت پیشہ کا سوال کھڑا کر کے اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا ہے۔ غرضیکہ اس بیس سالہ عرصہ میں ملک میں رجعت پسند عناصر اس سرگرمی سے حرکت کرتے رہے ہیں کہ ملک کے حقیقی مسائل نہایت بری طرح مجروح ہوئے ہیں۔ خودغرض لیڈر بھولے بھالے عوام کے سیاسی اور مذہبی جذبات کو بھڑکا کر آگ لگا دیتے ہیں اسی طرح ایک دفعہ فرقہ پرستی کی لگائی ہوئی یہ آگ بجھنے میں نہیں آئی۔ اور آتش فشاں پہاڑ کی طرح وقتاً فوقتاً پھوٹ ہی نکلتی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ فرقہ وارانہ ذہنیت اور

فرقہ پرستی، بیکاری اور آزادی

ازجناب اندر سین کوہلی بی۔ اے

خاص تیج ویکلی کے لئے

آپس کی سر پھٹول ملک کے لئے مجموعی طور پر اور مختلف فرقوں کے لئے انفرادی طور پر کہاں تک فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے۔ ہندو اور مسلمان آپس میں لڑتے ہیں۔ اور فائدہ تیسری طاقت اٹھا لیتی ہے۔ دراصل ہم سب نہتے مظلوم اور افلاس زدہ ہیں۔ اگر آج دنیا میں کوئی غریب ملک ہے۔ تو وہ ہندوستان ہے اور اہل ہند نیم برہنگی۔ نیم فاقہ کشی اور نیم مردہ حالت میں زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔ اپنے غریب ہم وطن بھائیوں کی حالت زار کو دیکھ کر ہر محب وطن کا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کوئی وقت تھا کہ سرزمین ہند کو "گلستان زماں" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور ہندوستان کی بیشمار دولت کی وجہ سے غیر ممالک اس کو "سونے کی چڑیا" کا لقب دیتے تھے۔ لیکن زمانہ نے ایسا پلٹا کھایا کہ آج "گلستان زماں" کے رہنے والے باشندے کوڑی کوڑی کو محتاج اور کئی کئی دن بھوکے پیٹ رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ملک میں اقتصادی بدحالی کا دور دورہ ہے۔ کسان، مزدور، دوکاندار، اور ملازمین سب اپنی اپنی جگہ پر تنگ ہیں۔ اور نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس اقتصادی جمود کی حالت اور کب تک رہے گی۔ بلکہ مستقبل قریب تو حال سے بھی زیادہ تاریک اور پریشان کن نظر آ رہا ہے۔ دیہات میں جا کر دیکھو وہ کسان اور زمیندار جو کبھی اناج۔ دودھ۔ گھی۔ مکھن کے چشمے سمجھے جاتے تھے۔ آج خود روکھی سوکھی روٹی کھا کر پیٹ بھرنے کے لئے مجبور ہیں۔ دیہات میں تازہ ہوا ہے، پانی ہے ہر طرف ہریاول ہے۔ لیکن خود دیہاتی عوام کے دل اقتصادی مجبوریوں کی وجہ سے ویرانہ بن رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کسانوں، مزدوروں اور دوکانداروں کی حالت تو ایک طرف بڑے بڑے زمیندار بھی پریشان حال ہیں۔ ہاں ان کے دل بہلاوے کے لئے اگر کوئی چیز ہے تو وہ ہے فرقہ پرستی کا زہر آلودہ کھلونا۔ ہندو مسلمانوں کا باہمی بائیکاٹ جاری ہو رہا ہے۔ ساہوکاروں کو موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔ غریب دوکانداروں کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر گاؤں چھوڑنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی آسودہ حال شخص ہے تو اس کا جان و مال محفوظ نہیں۔ غرضیکہ اب دیہات کے سیدھے سادے اور امن پسند باشندے بھی فرقہ پرستی کے شکار بن رہے ہیں۔ اور اب وہ بھی فرقہ وارانہ معاملات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے ملک کو ناقابل برداشت نقصان پہونچاتے ہیں۔ فرقہ پرستی کی بدولت بعض بعض شہروں کی اقتصادی حالت بھی ایسی ہی افسوسناک ہے۔ قدرت نے شہروں کو قدرتی مناظر۔ تازہ آب و ہوا اور ہریاول سے اگر محروم رکھا تھا۔ تو دولت کے انبار۔ سرکاری عہدے۔ اور اعزازی پارٹیاں ان کے لئے

(باقی اگلے صفحہ پر دیکھو)

سنگین تعب کا باعث بنتی تھیں۔ سوسائٹی کی ادنیٰ جماعتیں مثلاً مزدور، قلی اور غریب دوکاندار بھی خوشحال تھے۔ ان کی اوسط آمدنی اور معیارِ زندگی دیہات سے اعلیٰ طبقہ سے زیادہ بڑھ کر تھی۔ لیکن موجودہ کساد بازاری نے ان سا بھی کو مرنکال دیا ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ جنگ بنیاد میں بسنے والے کروڑوں باشندے بھوک اور افلاس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔ شہری لوگوں کی اوسط آمدنی بڑھنے کا کوئی امکان نہیں۔ حکومت کے اعلیٰ افسر بڑے بڑے سیٹھ ساہوکار اور جاگیردار لوگ گو زمانہ حال میں بھی خوشحال ہیں اور اُن کے عیش و آرام میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔ لیکن ان کی تعداد نہایت محدود ہے۔ صرف چند ایک سرمایہ داروں کی خوشحالی سے عوام کی دولت کا اندازہ لگانا سخت غلطی ہے۔ اس سلسلہ میں جائنٹ پارلیمنٹری رپورٹ کے اقتباس ملاحظہ ہوں۔ ہندوستان میں معاشرت کا معیار بہت پست ہے۔ اور یورپ کے پسماندہ ملکوں سے بھی اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

غیر ملکی حکومت کی سرد مہری سے ہماری صنعت و حرفت کی تباہی

لیکن یہ حالات آج سے ایک صدی پیشتر نہیں تھے۔ اس عرصہ میں جہاں غیر ممالک دن بدن صنعتی، زراعتی اور سوشل ترقی کی شاہراہ پر گامزن رہتے رہا ہندوستان کے برعکس افلاس، فاقہ مستی اور پستی کی گہری غار میں گرتا رہا۔ لیکن یہ حالات کیونکر پیدا ہوئے۔ انکو جاننے کیلئے ہم ناظرین کی خدمت میں چند ایک تاریخی حوالہ جات پیش کریں گا۔

یہ امر مسلّمہ ہے کہ کوئی ملک محض زراعت کی مدد سے ترقی کی شاہراہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ تاوقتیکہ زراعت کے ساتھ ساتھ صنعت و حرفت اور بیوپار کا خاطر خواہ بندوبست نہ ہو۔ ترقی یافتہ تمام مغربی و مشرقی ممالک میں یہی ایک سنہری اصول کام کرتا رہا ہے۔ آج جاپان کو ہی دیکھ لیجئے یہی صنعت و تجارت کو بام عروج پر پہونچا کر دنیا کی بڑی طاقتوں میں اس کا شمار ہونے لگا ہے۔ لیکن ہندوستان جو کبھی دور دراز ممالک میں مصنوعات بھیجا کرتا تھا۔ اور جن کی مصنوعات غیر ممالک خاص کر یورپ میں خاص قدر و قیمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں آج اپنے تن کے لئے بھی غیر ولایت کا محتاج بن رہا ہے۔

۱۸۳۳ء تک ہندوستانی مصنوعات غیر ممالک کو جاتی رہیں۔ آخر ایسٹ انڈیا کمپنی کی بے اعتنائی، غیر ممالک کے متعصبانہ رویہ اور ہندوستانی مال پر امتناعی ٹیکس لگانے سے ہندوستانی مال کی برآمد کم ہونے لگی۔ ادھر یورپ میں صنعتی انقلاب ہونے سے گھریلو دستکاریوں کی جگہ بڑے بڑے کارخانے قائم ہو گئے۔ جہاں کہ مشین سے کام ہونی شروع ہو گئیں نفیس زیب اشیاء سستے داموں پر تیار ہونے لگیں۔ لیکن ہندوستان پر بدیشی حکومت کی وجہ سے [illegible] اور وہ ایجادات جن سے مستفید ہو کر مغربی ممالک نے اپنی صنعت و حرفت میں حیرت انگیز ترقی کی۔ ہندوستان کی بدیشی گورنمنٹ کی عدم سرپرستی اور کچھ ذاتی مفاد کے پیش نظر ماڈرن انڈسٹریز جاری نہ ہو سکیں۔ لہٰذا ہماری گھریلو صنعتیں غیر ملکی مشین کے مال کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں اور [illegible] کے پاؤں لڑکھڑانے لگے کاریگروں میں بیکاری پھیل [illegible] صنعت و حرفت کو چھوڑ کر پیٹ پالنے کے لئے [illegible] کرنے کے لئے مجبور ہوئے۔ ۱۸۵۸ء سے پہلے

٪59 ہندوستانی زراعت پر انحصار رکھتے تھے۔ ۱۹۱۱ء میں 71 فیصدی اور ۱۹۳۱ء میں ٪73 ہندوستانی کھیتی باڑی کر کے اپنا گذارا چلا رہے ہیں۔ ان اعداد و شمار سے صاف ظاہر ہے کہ کس طرح ہندوستانی صنعت و حرفت کی تباہی سے لوگ زراعت کی طرف بھاگتے گئے۔ اس طرح اُن کی اوسط آمدنی میں بھی حیرت انگیز کمی واقع ہوتی گئی۔ جہاں ۱۸۸۰ء میں ہندوستان میں اوسط آمدنی [illegible] تھی۔ آج صرف ڈیڑھ آنہ رہ گئی ہے۔ ان حالات میں اگر ہندوستانی کاشتکار [illegible] پاؤں تک ساہوکار کے قرض میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ یہ ہے ہندوستان کے افلاس کی مختصر سی داستان۔ آج ہمارے ہموطن افلاس کے عمیق میں غوطے کھا رہے ہیں۔ لیکن ہم ترقی پسندی کے رنگ میں رنگے ہوئے۔ جائے اس کے کہ حقیقی وجوہات کی بنا پر صحیح راستہ تلاش کریں۔ ایک دوسرے کو ہی حالات کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں۔ اور اس طرح اپنے مفاد کو ہم خود ہی تباہ کر کے اپنی مزید بربادی کے سامان پیدا کر رہے ہیں۔

قومی یکجہتی کی سولج اور سوراج سے اقتصادی بحالی

مندرجہ بالا واقعات کے پیش نظر ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ گذشتہ صدی میں جہاں دوسرے ممالک ترقی کرتے رہے اور ان کی اقتصادی حالت میں حیرت انگیز تبدیلی ہوئی۔ وہاں ہندوستان افلاس اور فاقہ مستی میں مبتلا ہوتا گیا۔ ساتھ ہی اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات جس قدر پچھلے دنوں میں ہوئے ہیں پہلے کبھی نہیں ہوئے۔ بہت دور کی بات نہیں۔ ہمارے دادا کا اکثر مسلمان دوستوں سے اچھا میل ملاپ تھا اور شادی غمی میں شرکت ہوتی رہتی تھی۔ ان دیہات میں جہاں ابھی نئی روشنی اور تہذیب نہیں پہونچی۔ ہندو مسلمان شیر و شکر کی طرح رہتے ہیں۔ برطانوی مدبر پاک امن ہونے کا بے شک ڈھنڈورا پیٹیں۔ لیکن کمیونل ایوارڈ، مختلف جماعتوں کے لئے جداگانہ نیابت، ملازمتوں میں فرقہ وارانہ بھرتی۔ غرضیکہ ایسی بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے ثابت ہو سکتا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں فرقہ وارانہ کشمکش کی بہت حد تک حکومت وقت ذمہ وار ہے لیکن اس پر ہمیں حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ حیرت تو ان فرقہ پرست لیڈروں کی عقل پر ہوتی ہے۔ جو کہ چھوٹے چھوٹے اور غیر ضروری معاملات کو سامنے رکھ کر بجائے عوام کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر آگ لگا دیتے ہیں۔ جو آلکرن بجھانے پر بھی نہیں بجھتی۔ اس طرح قومی کاز کو ناقابل برداشت صدمہ پہنچا ہے بلکہ ہندوستان اور اہل ہند غیر ممالک میں بُری طرح سے بدنام ہوتے ہیں۔ لہٰذا عوام کو ان "فیصدی" والے لیڈروں سے حتی الوسع بچنا چاہئے۔ اگر کسی خاص فرقہ کو دو چار فیصدی زیادہ ملازمتیں یا حقوق مل بھی جائیں۔ تو یقیناً ہمارے فرقہ کی مشکلات دور نہ ہو سکیں گی۔ ہندوستان کی حقیقی مشکلات تو صرف سوراج گورنمنٹ ہی دور کر سکتی ہے۔ اور سوراج تبھی حاصل ہوگا۔ جب فرقہ وارانہ ذہنیت کو چھوڑ کر سب فرقے متحد ہو کر آزادی کے لئے پُر امن اور جائز طریقے سے کوشش کریں۔ بیکاری، افلاس اور



کملیش کماری۔ نادیا۔ رتن پربھا

از مسٹر فلم کمار بی۔ اے

کملیش کماری

فلمی آرٹسٹ اور اداکار کی ہی آخری تصویر دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس نے اپنے فن میں ترقی کی یہ منزل۔

کملیش کماری کی آخری تصویر پریذیڈنٹ ہے جس میں اس نے ہیروئن کا کام کیا ہے۔ اگرچہ پریذیڈنٹ سے قبل کملیش کماری نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس کے نقش ہمارے ذہنوں سے دور نہ ہو سکیں مگر پھر بھی اس نے ہمیں مایوس نہیں کیا ہے۔ اگر ہمیں اس کی تصویریں دیکھنے کا اتفاق ہو تو ہم پر ثابت ہو کہ ابتدائی بن سے نکل کر وہ اداکاری کی سیڑھی پر اس کی ترقی ہو رہی ہے۔

"پریذیڈنٹ" میں رجوش اور بہتر کمال آرٹ دکھانے کا ایک موقع نہیں ملا، وہ پردہ پر کملیش کے ساتھ آتے ہیں اس لئے کوئی خاص کام نہیں۔ بعض حلقوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ کملیش کماری نے اپنے فلمساز دوں کی پرکھ کی ہے کہ پردہ پر بہت زیادہ نوجوان نہ دکھا سکیں اس نے اپنی کافی عمر ظاہر کی ہے کہ اگر ہم زیادہ جوان اور زندہ دل بھی بنی تو بھی اس سے اہم کوئی نمایاں فرق نہ پڑتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کملیش کوئی غیر معمولی کمال نہیں دکھا سکی ہے۔ اگرچہ اس میں جو قابلیت کام کی پائی جاتی ہے وہ کسی طرح بھی معمولی نہیں کہی جا سکتی۔ اداکاری کی ذہنیت پہچانتی ہے مگر جس چیز کی خاص طور پر ضرورت ہے وہ تیکنیک اور اچھا تلفظ ہے اور دوسری چیز جو اس میں سب سے کم ہے وہ ایکٹنگ ہے۔

کملیش کماری کا اصلی بنگالی نام مس لیوی (۱۹۳۷) ہے۔ ۱۹۳۱ء میں آپ نے سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا۔ اس کے والدین اس کو ڈاکٹری کی طرف لے جانا چاہتے تھے مگر قدرت نے اس کے لئے ایک اور پیشہ تجویز کر رکھا ہے۔

خواہش کی درخواست پاس کے لئے ناچ دیکھنے کا انتظام کیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں معلوم ہوا کہ ناچ سیکھنے کی بہت ہی صلاحیت رکھتی ہے اور جلد ہی کہیں سے کہیں پہونچ گئی ہے۔

لکھنؤ اور دیگر کئی مقامات پر خیرانی کاموں کے سلسلہ میں اسٹیج پر چند کا انتظام کیا گیا جس میں کامیابی ہوئی اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ رقص کے فن کو بطور پیشہ اختیار کر سکتی ہے چنانچہ اس نے تمام ہندوستان کا دورہ کرنے کی ٹھان لی۔

ہندوستان میں رقص کے کمالات دکھلانے کے بعد اس نے مغربی ممالک میں جانے کی تجویز کی چنانچہ وہ یورپ گئی اور رقص کے کمالات کو کئی بڑے بڑے مرکزوں میں مظاہرہ کیا جس میں کیسی نو۔ ڈی۔ پیرس کا مرکز بھی شامل ہے۔

مس لیوی نے حال ہی میں فلمی پیشہ اختیار کیا اور سب سے پہلے سوجینی کے نام سے امپیریل کے "سندری" میں کام کیا۔ اس کے بعد وہ نیو تھیٹرز میں چلی آئیں اور پریذیڈنٹ

کو اس میں کام کرنے کا موقع ملا۔

مس لیوی کے ذہن میں یہ بھی ہے کہ ہالی ووڈ کی بھی ایک بار زیارت کی جائے اور اگر ہندوستان کے کمالات رقص و اداکاری سے وہ وہاں کچھ کام لے سکتی ہے تو وہ اور وہاں سے کچھ بہتر اہل ہنر سے کام سیکھے۔

نادیا

ہالی ووڈ میں تمام دنیا سے آئے ہوئے فلمسازوں کا جھرمٹ لگا رہتا ہے۔ نادیا ڈسٹری بیوٹرز کی بسرآں اور انگلینڈ کی کا بوسیدہ ن کی سوچا ہیں نادرے کی وغیرہ وغیرہ۔

نادیا میں ایک غیر ملکی ایکٹرس ہے مگر اس کے کام میں کوئی بھی حسن نظر نہیں آتا ہم صاحب کمال کہہ سکیں۔ اداکاری اور ہیئت کی موسیقی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ وہ خواہ مخواہ حاضرین میں کہ تھیٹر گانا آتا ہے وہ بھی ہندوستان کا گانا۔

نادیا پہاڑی علاقہ جنوبی آسٹریلیا کی رہنے والی ہے۔ نادیا واڈیا مووی ٹون میں آئی تو ایک نمائی ہوتی کر لوگوں کے دل ہتھیا لئے گئے۔ اس کے بعد نشتر زن نے "غضب کی دھادا" "ہنٹر والی"، "فرنٹیر میل" میں ہی کیا۔ دیگر ناظرین کے لئے کافی تھے۔ دادیاں میں پہاڑی کنیا اور زندگی کی تصویر میں کیرتی منیا میں اس کا کام اور بھی اچھا ہوا۔ اس کا کام کی ساری خوبی اس کے جسم کی بناوٹ اور اچھل کود ہے۔ اس قسم کے کاموں سے دلچسپی رکھنے والی پبلک کیلئے وہ بیشک سامان تفریح ہے۔

رتن پربھا

سب سے پہلے آپ نے "پرہلاد" فلم میں پرہلاد کی ماں کا کام کیا اور شروع ہی میں آتے ہی یہ سمجھ لئے گئے تھے کہ اس اداکارہ سے امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں چنانچہ اب ہیں اس کی اچھی فلم آتے تو اس خیال کی تائید ہوئی۔ آجکل وہ ہمارے گانے والوں کی بھی اداکارہ مانی جاتی ہے۔

رتن پربھا میں اداکاری کی پوری کیفیت ذہنی اپنے اوپر طاری کرنے کا جو ملکہ ہے وہ اسے ایک اچھے مستقبل کی بشارت دے رہا ہے۔

اس کے رنگ روغن کی جھلک ظاہر طور پر نرم و گداز جسم اسے مظلوم عورت کا پارٹ کرنے میں بڑی مدد دیتا ہے۔ رتن پربھا کو ہم خوبصورت نہیں کہہ سکتے لیکن اس کا جسم بھرا بھی نہیں ہے حیال میں ایک لچکدار خوبصورتی ورعنائی ضرور ہے۔ اس کی موسیقی میں نہ صرف جمال ترنم پایا جاتا ہے بلکہ ایک خاص قسم کا دل موہ لینے والا اثر بھی ہے۔

رتن پربھا موسیقی والوں کے مرکز مہاراشٹر کی رہنے والی ہے۔ سب سے پہلے اس نے سرسوتی فلمسازوں کے "پرہلاد" میں کام کیا تھا۔ اس کے بعد "آوارہ شہزادہ" کے ساتھ دکھائی دیں۔ اس فلم نے اسے خاص طور پر لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا دیا۔ اور جب وہ شالنی کی تصویر "اوشا" میں

پھر ایک بار نظر آئی تو لوگوں نے نعرہ مسرت بلند کیا۔ اس فلم میں اس کو خاص اداکاری کے فرائض انجام دینے پڑے اور اس نے لوگوں کو مایوسی کا موقع نہیں دیا۔

اس کے بعد ہم اسے "پربھات" کے "مہاتما" میں دیکھتے ہیں جسب معمول اس نے اس فلم میں بھی صورتحال کی پوری جانچ کرنے کے بعد عمدہ اداکاری سے سینکڑوں نئے ممدوح فلمی حلقہ میں پیدا کر لئے۔ اس کے بعد آپ امپیریل ٹون کے "بھگت چیتا" میں دکھائی دیں اس کے بعد ہنس بحر میں چلی آئیں۔ اور "چھایا" اور "دھرم" میں اس نے اپنے کام کو اور بھی عمدگی کے ساتھ انجام دیا ہے اور ہمیں امید ہے کہ بہت جلد وہ بام ثریا پر پہونچنے کی آشا ہے۔

ہفتہ کی اہم مختصر خبریں!

مسٹر ٹی سیسپائسر انسپکٹر جنرل فلسطین پولیس بال بال بچ گئے جبکہ شہر کے وسط میں ان کی کار پر لگاتار پانچ بار گولی چلائی گئی۔ کار کا ڈرائیور ایک برطانی کانسٹبل تھا۔ حملہ آور نامعلوم عرب کسان بتلائے جاتے ہیں جو گولی چلانے کے بعد بھاگ گئے۔ پہلی گولی ملازم کے گلے پر لگی لیکن اس نے فوراً ہی کار روک دی اور کار سے کود گیا۔ پھر دوسری گولی اس کے سینہ میں لگی جس سے وہ بیہوش ہو گیا۔

لندن کی خبر ہے کہ اس مراسلہ کے متعلق بالکل اتفاق رائے ہو گیا ہے کہ برطانیہ، فرانس، جرمنی اور اٹلی نے حکومت سپین اور باغیوں کے پاس بھیجا ہے۔ اس میں نگرانی کرنے والے جہازوں کی گارنٹی دی گئی ہے۔

مسٹر ایڈن نے فرانس، جرمنی اور اٹلی کے سفیروں سے تیسری مرتبہ ملاقات کی ہے جبکہ اس مراسلہ پر بہت دیر تک غور ہوتا رہا ہے۔

۴۰ ووٹ کے مقابلہ میں ۶۲ ووٹ کی اکثریت سے آئرلینڈ کا نیا آئین پاس کرنے کے بعد آئرلینڈ کی پارلیمنٹ توڑ دی گئی۔ مخالف پارٹی کے لیڈر مسٹر کاسگریو نے ووٹروں کو مشورہ دیا کہ وہ پولنگ کے موقع پر نئے آئین کو مسترد کر دیں۔ بحث میں معمولی ہی ترمیمیں پیش کی گئیں۔ مسٹر ڈی ولیرا نے یہ تجویز منظور کی کہ ملک کا انگریزی نام آئرلینڈ اور قومی نام آئرہو۔ عام انتخابات اب یکم جولائی کو ہوں گے۔

۱۵ جون۔ موضع آہلہ ضلع گجرات میں آج پولیس کو گولی چلانی پڑی جس سے دو مسلمان ہلاک ہو گئے۔ اور بہت سے زخمی ہوئے۔ حالات یوں بیان کئے جاتے ہیں کہ موضع آہلہ میں ایک سکھ قتل کر دیا گیا تھا جس سے سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان زبردست کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ ۱۵ و ۱۶ جون کو سکھوں کا ایک دیوان طلب کیا گیا جس میں بڑی تعداد میں سکھ شامل ہوئے۔

دریائے راپتی جس میں گزشتہ سال بڑے زور کا سیلاب آیا تھا اور ضلع گورکھپور میں زبردست نقصان ہوا تھا اس میں پھر سیلاب کا اندیشہ ہو رہا ہے۔

اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے راپتی میں پانی بڑے زور سے چڑھ رہا ہے۔

برما اور جزائر مشرق الہند کا اہم ہفتہ تک دورہ کرنے کے بعد راشٹرپتی پنڈت جواہر لال نہرو کماری اندرا نہرو اور اپنے سیکریٹری مسٹر اپادھیائے کے ہمراہ الہ آباد واپس آ گئے۔

حکومت سپین کا ایک کمیونک شائع ہوا جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ولینشیا میں زبردست ہوائی جنگ ہوئی جس میں باغیوں کے سات ہوائی جہاز گولی سے نیچے گرا دئیے گئے۔ حکومت کے تین جہازوں کو شکست ہوئی، چار توپیں بھی حکومت کے قبضہ سے چھن گئیں۔

باخبر اور ذمہ دار کانگریسی حلقوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ لارڈ زٹلینڈ نے دار العوام میں ہندوستان کے آئینی جمود کے متعلق جو تقریر کی ہے اس کی وجہ سے کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس جلد بلا لیا جائے۔ پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جلسہ جولائی کے پہلے ہفتہ میں منعقد کیا جائے گا لیکن اب توقع کی جاتی ہے کہ اجلاس ایک ہفتہ کے اندر اندر بلا لیا جائے گا۔

یونائیٹڈ پریس کے لندنی نامہ نگار کا ایک بحری تار موصول ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ شری یت اکھل چندر دت ڈپٹی پریذیڈنٹ سنٹرل اسمبلی نے گزشتہ سہ پہر وزیر ہند لارڈ زٹلینڈ سے بہت دیر تک تبادلۂ خیالات کیا اور شری یت دت نے موجودہ صورت حالات کا نقشہ ان کے روبرو پیش کیا۔ شری یت دت نے کہا کہ موجودہ آئینی جمود کو حل کرنے کے لئے دوسرا قدم حکومت کی جانب سے اٹھانا چاہیئے۔ وزیر ہند سے نظربندوں کی رہائی اور کمیونل ایوارڈ کے مسئلہ پر بھی بحث کی گئی۔ لارڈ زٹلینڈ نے مسٹر دت کو یقین دلایا کہ میں سمجھوتہ کرنے میں کانگریس سے بھی ایک قدم بڑھنے کی انتہائی کوشش کروں گا اور کمیونل ایوارڈ اور نظربندوں کے مسئلہ پر اچھی طرح غور کیا جائے گا!

پنجاب اسمبلی کا ملتوی اجلاس شروع ہو گیا جس میں مسٹر منوہر لال فنانس منسٹر نے ۳۸-۱۹۳۷ء کا بجٹ پیش کیا اس سلسلہ میں آپ نے ایک تقریر بھی فرمائی جس میں بجٹ کی مدوں کی تشریح کی۔

انڈین جوٹ ملز ایسوسی ایشن نے ایک بیان شائع کیا ہے کہ اس کے کارخانوں میں حال ہی کی ہڑتال کی وجہ سے مزدوروں کو ۰۰ ۵۲ ۴ ۵ ۳ ۲ روپیہ کا نقصان ہوا ہے۔

مسٹر سری کرشن سنگھ لیڈر کانگریس پارٹی بہار اسمبلی کو گورنر بہار کے سیکریٹری سے مندرجہ ذیل تار موصول ہوا ہے:۔

گورنر صاحب اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کے متعلق تاریخ کے سلسلہ پر غور کر رہے ہیں فیصلہ سے آپ کو جلد مطلع کیا جائے گا!

کوزہ میں دریا بند



تیج کرشن نمبر

تیج کا کرشن نمبر ایک ایسا حیرت انگیز کوزہ ہے جس میں زمانہ قدیم وجدید کے علم وادب۔ تہذیب وتمدن۔ سائنس وفلسفہ سیاست اور روحانیت کے دریا موجزن ہیں۔ یہ دریا دنیا کے اُن فیض رساں چشموں سے جاری ہوئے ہیں جو آج علمی اور ادبی دنیا کو سیراب کر رہے ہیں۔ جب آپ کرشن نمبر کا مطالعہ کرینگے۔ تو اپنے کو ایک ایسی دنیا میں پائیں گے۔ جہاں کا ہر منظر آپکو محو حیرت بنا دیگا۔ اور آپ اپنے دل ودماغ میں ایک نئی کیفیت اور نیا جوش وخروش محسوس کرنے لگیں گے۔

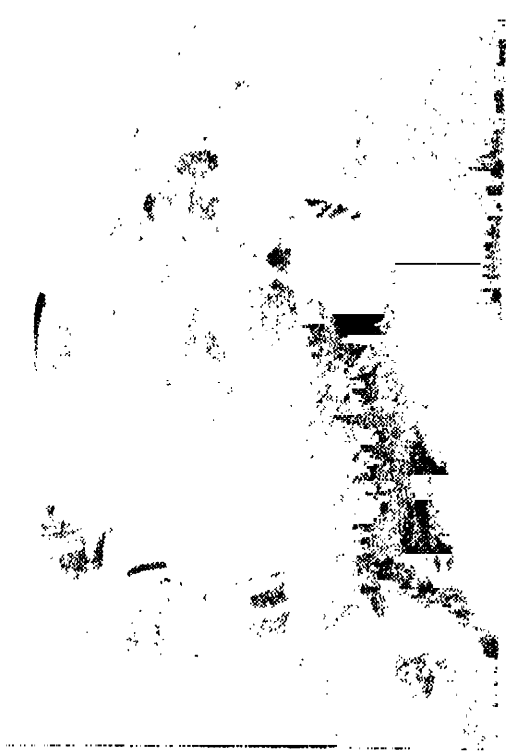
اس سال کا کرشن نمبر نئی اصلاحوں۔ ترقیوں اور نئے جذبات سے پُر ہو کر ماہ اگست میں آرہا ہے۔ مایوسی سے بچنے کے واسطے اپنی کاپی کا انتظام مقامی نیوز ایجنٹ یا براہ راست دفتر سے جلد کر لیجیے۔

قیمت فی کاپی چھ آنے - ڈاک کے ذریعہ ساڑھے سات آنے

مشتہرین حضرات

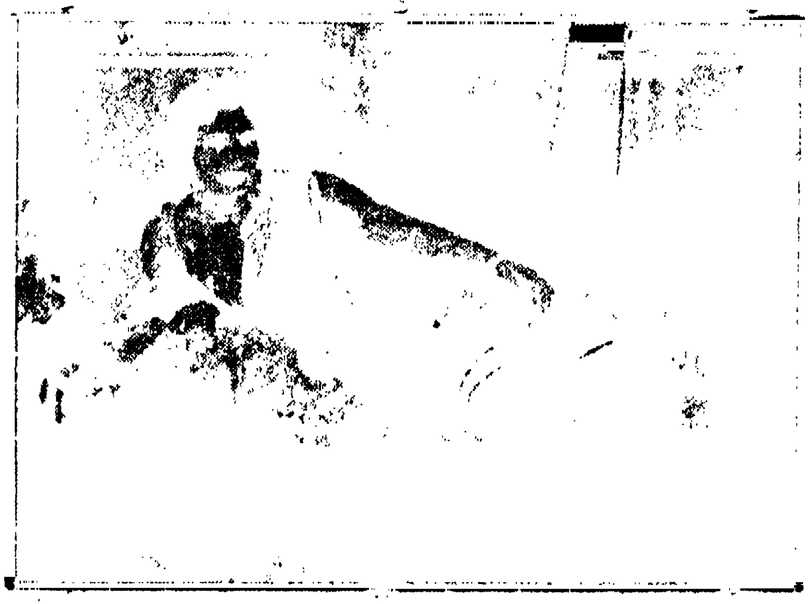
اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جو نمبر اس قدر مقبول ہردلعزیز اور قابل احترام ہو۔ وہ تجارت کی اشاعت کے لئے کس قدر مفید ہو سکتا ہے۔ بڑی بڑی فرموں اور مستند کمپنیوں کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کی خاص کوشش کی جاوے گی کہ کرشن نمبر میں بوگس اور دھوکہ باز کمپنیوں کے اشتہارات شائع نہ کئے جاویں۔ اگر آپ کو اپنی اشیاء کے مفید اور کار آمد ہونے پر پورا یقین ہے۔ تو تیج کا کرشن نمبر آپ کے لئے بہترین ذریعہ اشاعت ہے۔ چونکہ کرشن نمبر کے لئے اشتہاروں کی بکنگ شروع ہو گئی ہے۔ اس لئے اپنا اشتہار جلد بھیجیے۔ تاکہ اطمینان سے نفیس کتابت کرا کے موزوں جگہ پر لگایا جا سکے۔ نرخ اشتہارات اور دیگر حالات پتہ ذیل سے طلب فرمائیے۔

برہمانند گپتا ایڈورٹائزنگ منیجر "تیج اخبار" دہلی



"ڈاکو کا لڑکا" کا ایک سین
جو جلد آنیوالا ہے

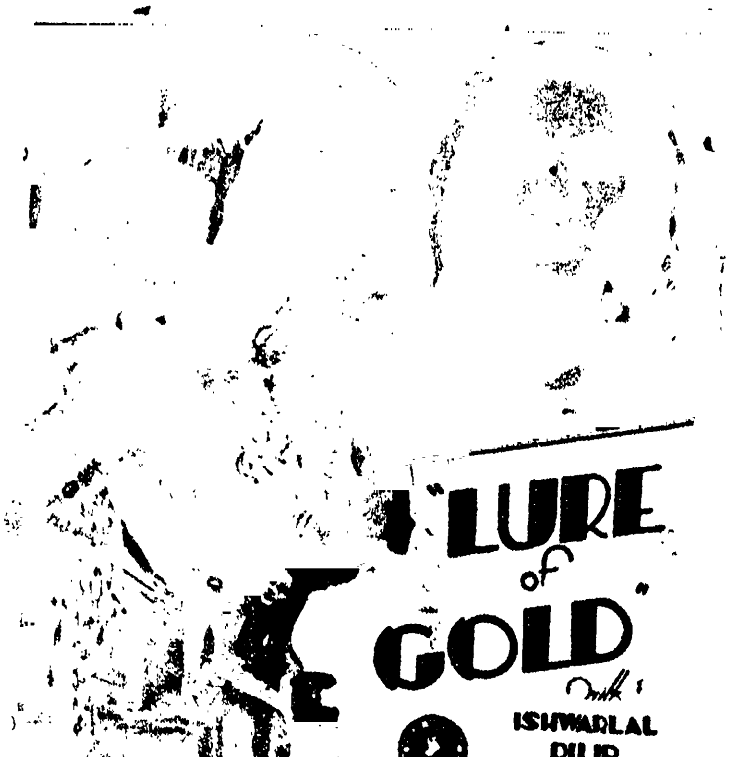
"انقلاب یا پریورتن" میں کملا جھریا



مشہور گراموفون آرٹسٹ جسلے تائیووت کمپنی کے پریورتن فلم میں کام کیا ہے جوکہ پکچرھاوس میں چل رہا ہے



جوکہ منگلوار ۲۲ جون سے سنگم ٹاکیز میں چلیگا



"شرافی لوٹ" کا ایک سین
جوکہ نشاط ٹاکیز میں آنیوالا ہے

Regd. L. No. 15171



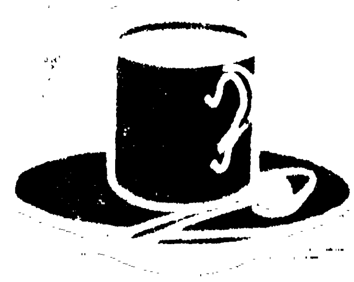
چائے

سُستی اور غنودگی کو رفع کرتی ہے

جسمانی تھکان کو جلد رفع کرنے میں چائے سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز کارگر نہیں ہو سکتی اچھی بنی ہوئی ہندوستانی چائے کی ایک پیالی دماغ کی سستی ایک پل میں دور کر دیتی ہے۔

سستی اور غنودگی کو ہٹانے کے لئے چائے سے زیادہ مناسب اور کوئی چیز نہیں۔ چائے پینے کے جو لوگ عادی ہیں۔ وہ یہی کہیں گے۔ کہ ہر پیالی میں ایک نئی زندگی ہے۔ اگر آپ ان چند لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے ابتک اس لطیف و صحت بخش پینے کی چیز کو نہیں چکھا ہے۔ تو آج ہی اسے پینا شروع کیجئے ؛

چائے بنانے کا طریقہ



پہلے تازہ پانی کو جوش دیجئے۔ اور ایک صاف برتن کو ذرا گرم کر لیجئے۔ پھر چائے کے چمچے سے ناپ کر فی کس ایک چمچا اور ایک چمچہ زائد عمدہ ہندوستانی چائے اس میں ڈال دیجئے۔ پانی اُبلتے ہی فوراً چائے کی پتّوں پر ڈالیئے۔ پانچ منٹ تک اسے ڈھانک کر رکھیئے پھر پیالیوں میں ڈال کر دودھ اور شکر ملا دیجئے ؛

ہندوستانی چائے مُفرّح اور صحت بخش ہے

IK 37

Printed and published by Dharampal Gupta at the TEJ Press, Burn Bastion Road, Delhi.

THE TEJ ILLUSTRATED WEEKLY

تیج ویکلی

ہندوستان کا بہترین باتصویر ہفتہ وار اخبار

ایڈیٹر دھرم پال گپتا

SINGLE COPY 2 ANNAS

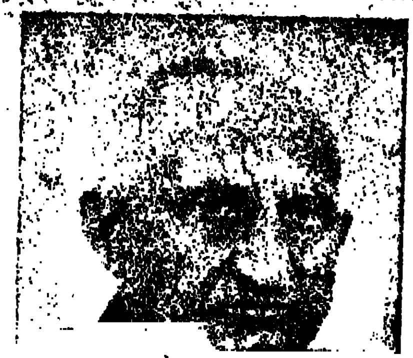
NO 171 DELHI: 20TH JUNE 1937 V.NO 15

Facts are stranger than fictions



ماضی اور حال کے چار افسانے

(تفصیل صفحہ ۳ پر دیکھئے)



شریمت بھولابھائی ڈیسائی
آپ لنڈن سے بذریعہ ہوائی جہاز ۳۰ جون کو ہندوستان پہنچ رہے ہیں تاکہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ میں شریک ہوسکیں



سر صاحبجی مہاراج آنند سروپ
پیشوا رادھاسوامی مت
مدراس سے یہ افسوسناک خبر آئی ہے کہ وہاں آپکا سورگباش ہوگیا



شریمت ایل-این- برلا
آپ نیوایشیاٹک لائف انشورنس کمپنی لمیٹڈ کے مینجنگ ڈائرکٹر ہیں اور کمپنی کے کام کو خوب ترقی دے رہے ہیں

برسات کا افسانہ



ہندوستان کے مشرقی حصہ میں مان سون کی آمد کا پرشوکت نظارہ



لالہ دیش بندھو گپتا
ممبر پنجاب اسمبلی
آپنے پنجاب اسمبلی کے شملوی اجلاس میں پنجاب کے سیاسی اسیروں کی رہائی کے مطالبہ کا ریزولوشن ایک پرجوش تقریر کے ساتھ پیش کیا



مسٹر لیون بلم
وزیر اعظم فرانس
آپ کا مالی بل ایوان زیرین کے پاس کرنے کے باوجود ایوان بالا نے مسترد کردیا اس لئے آپ اپنے عہدہ سے مستعفی ہوگئے ہیں



سر عبدالرحیم



سر اکبر حیدری



سر تیج بہادر سپرو

آکسفورڈ یونیورسٹی نے ان حضرات کو ڈاکٹر آف سول لاء کی آنریری ڈگریاں عطا کی ہیں

مختصر افسانہ

جیون

از شری تی ویوزنٹ سروَن

ڈونکسپپلی جتوسنے بڑے جنگل کے سنسان اور ویران حصہ میں ایک مندر واقع تھا، مندر کی بجائے اس کو کھنڈر کہنا غالباً زیادہ صحیح ہوگا کیونکہ اس مندر کی اوپری عمارت اگرچہ قائم تھی مگر اندر والی حصہ ٹوٹ پھوٹ کر گر گیا تھا کوئی آدمی اس دور افتادہ مقام تک پوجا پاٹ کے لئے نہیں آتا تھا، جو مسافر ادھر سے گزرتا تھا وہ دن کے وقت بھی اس مندر سے دور رہتا تھا کیونکہ اس مندر کے متعلق بعض مشتبہ روایات مشہور تھیں کہ یہاں قدیم پجاریوں کی روحیں آتی تھیں، کسی کا بیان تھا کہ لوگوں کو یہاں عجیب و غریب قسم کی روشنیاں ٹمٹاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

اسی مندر کی طرف اندھیری رات میں جبکہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور بادو باراں کا طوفان فضا کو مرتعش کر رہا تھا، ایک شخص جس کے تمام کپڑے بری طرح ڈھلکے ہوئے تھے تن تنہا چلا جا رہا تھا اس کا لاغر اور نحیف جسم پھٹے ہوئے کپڑوں میں ملبوس تھا، اس کے شل ہاتھوں کی ہڈی اور پتلی انگلیاں اس کی آنکھوں کو بارش کے تھپیڑوں سے بچانے کی ایک ناکامیاب کوشش کر رہی تھیں وہ چند قدم چلتا تھا اور تھک کر ٹھہر جاتا تھا، اس کے پاؤں حرکت کرنے سے جواب دے رہے تھے، وہ بارش سے بچنے کے لئے جب تیزی سے چلنا چاہتا تھا تو اس کا سانس پھولنے لگتا تھا اور وہ ایک آہ کر کے کھڑا ہو جاتا تھا، کبھی کبھی اس کی کھانسی کی صدا یہ بتلاتی تھی کہ اس کے سینہ میں درد ہو رہا ہے، یا اس کا پھیپھڑا زخمی ہے، اس مندر کی طرف جاتے ہوئے غالباً وہ اپنی زندگی کی آخری منزل طے کر رہا تھا۔

اسی حالت میں وہ گرتا پڑتا آخرکار مندر کے سائبان میں پہنچ گیا۔ وہ بہت زیادہ بھیگ گیا تھا۔ اور اس کے بھیگے ہوئے کپڑوں کی نمی اس کے جسم تک پہونچ گئی تھی وہ سردی سے تھرتھرا رہا تھا، یکایک بجلی چمکی اور اس کی روشنی میں اس کا مضمحل چہرہ دکھائی دیا، اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ اس کو خدا نے فراموش کر دیا ہے اس کو سکون کی تلاش تھی مگر سکون و آرام اس کو عمر بھر نصیب نہ ہوا تھا۔

وہ مندر کے اندر داخل ہوا۔ یہاں ایک ٹوٹی ہوئی مورتی تاریکی میں کھڑی تھی، ہر قدم پر ایک پُر درد آہ کھینچتا ہوا وہ مورتی کے پاس پہونچا۔ اور دوزانو بیٹھ گیا، وہ شخص جس کی ساری عمر دکھ درد میں بسر ہوئی تھی اور جو اب موت کے دروازے پر پہونچ چکا تھا اس وقت اپنے پیدا کرنے والے سے جواب طلب کر رہا تھا اور اس کی عبادت اس کی دماغی تلخی اور دلی رنج و غضب کا پتہ دے رہی تھیں وہ کہنے لگا:-

"اے پرماتما تو نے مجھے اس دکھ درد کے لئے پیدا ہی کیوں کیا تھا، تجھ سے میں نے کب یہ مطالبہ کیا تھا کہ مجھے اس دنیا میں بھیجے۔

لوگ کہتے ہیں کہ تو انصاف اور رحم کا خدا ہے، پھر تو نے میری زندگی کا پیمانہ مصیبتوں سے کیوں لبریز کر دیا؟"

اسی طرح عبادت کرتے کرتے اسے نیند آ گئی، مندر کے باہر ہوا زلزلے بھر رہی تھی، بارش زیادہ تیز ہو گئی، اور تاریکی اور بھی گہری ہو گئی تھی، وہ مظلوم شخص سویا ہوا تھا اور خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ آسمان سے ایک فرشتہ اس کے پاس پہونچا اور یوں کہنے لگا،

"اے شخص اٹھ! اور میرے ساتھ چل، میں تجھے زندگی اور تخلیق عالم کا راز بتلاؤں گا۔ پھر تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تو دنیا میں کیوں پیدا کیا گیا تھا۔؟"

فرشتے نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دونوں آسمان کی طرف اڑ گئے، جوں جوں وہ فضائے آسمانی میں اڑتے جاتے تھے، زمین ان سے دور ہوتی جاتی تھی، وہ سیکڑوں سیاروں اور ہزاروں ستاروں سے بھی آگے گذر گئے، بے شمار نظام شمسی ان کے پیچھے چھوٹ گئے، نور کی رنگارنگ شعاعیں ان کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں، اور وہ آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے، یہاں تک کہ وہ تمام اجرام فلکی کی دنیا سے گزر کر ایک ایسے "خطہ" میں پہونچے جہاں مکان و زماں کی حد ختم ہو چکی تھیں، اور خود وقت بھی غیر متحرک کھڑا تھا۔

یہاں دفعتہً ایک ایسی روشنی نمودار ہوئی کہ دونوں میں سے کسی کی آنکھیں اس جلوۂ پُرنور کی تاب نہ لا سکیں، فرشتہ دفعتاً غائب ہو گیا اور انسانی دنیا کے مسافر نے آنکھیں بند کر لیں دور سے ایک نہایت دلکش اور روح پرور آواز آئی جو نہایت خوش آہنگ الفاظ میں یہ کہہ رہی تھی:-

کیا تو اپنی زندگی کا راز معلوم کرنا چاہتا ہے؟

اچھا تو سن:-

جب میں نے ازل میں اس عالم موجودات کو پیدا کیا تو اپنی تمام مخلوق کا حال پہلے سے لکھ رکھا۔ اور اس پیش نویسی کو جامۂ عمل پہنانے کے لئے مجھے قسمت کو پیدا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جب میں نے قسمت کو پیدا کیا تو وہ تمام چیزیں جو میں نے پہلے سے لکھ رکھی تھیں، اٹل ہو گئیں، اور ان میں کسی طرح کی تبدیلی کا امکان باقی نہیں رہا۔ اسی کا نام تقدیر ہے اور یہی تیری تقدیر تھی۔"

صبح کو لوگ جب اس شخص کو تلاش کرتے ہوئے مندر کی طرف آئے تو دیکھا کہ وہ مندر کے اندر مورتی کے سامنے مردہ پڑا ہے اور اس کے چہرے پر ایک پُرسکون تبسم کھیل رہا ہے۔

— ✤ — ✤ — ✤ — ✤ — ✤ — ✤ —

آج کی تازہ ترین خبریں صفحہ (۴) پر ملاحظہ فرمائیے

ماضی اور حال کے چار سچے افسانے

سرورق کی تصویر سے متعلق

(از شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی)

سابق شاہ ایڈورڈ ہشتم

حسن، میں نے پھینک دی شاہی قبا تیرے لئے
بن کے نکلا ہوں گدائے بے نوا تیرے لئے
اس قدر جرأت کہاں ہے بندگانِ ہوش میں
تاج کو ٹھکرا کے آیا ہوں ترے آغوش میں

شاہ راس تفاری سابق والئے حبش

میں ہوں ریگستان کا اک پھول کملایا ہوا
ہوٹلوں میں بند ہوں محلوں کا ٹھکرایا ہوا
دیو استبداد کے احکام سے معزول ہوں
میں سیہ قسمت سفید اقوام کا مقتول ہوں

شاہ امان اللہ خاں سابق فرمانروائے افغانستان

میں اٹھا تھا قوم کی اصلاح کرنے کے لئے
مضطرب تھے ولولے میرے، ابھرنے کے لئے
لیکن اب بے خانماں ہوں، خستہ ہوں، حیران ہوں
مولوی نے لکھ دیا ہے جس کو وہ سلطان ہوں

قیصر ولیم سابق شہنشاہ جرمنی

کل زمیں جنباں تھی میرے جنگ کے پیغام سے
لرزہ براندام تھے ہملئے میرے نام سے
کھل گیا آخر کہ شاہی دبدبہ کچھ بھی نہیں
آج صرف اخبار بینی کے سوا کچھ بھی نہیں

آج ــــ کی ــــ خبریں

ریاست کشمیر میں دوبارہ شورش

مسلم جتھہ کی ریاست کو روانگی

سرینگر ۲۶ر جون۔ ریاست پونچھ میں گڑبڑ ہونے کے باعث اطلاع ہے کہ وہاں کے ہندو ریاست چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ مسلم کانفرنس کو ایک اطلاع ملی ہے کہ آٹھ ہزار مسلمانوں کا ایک جتھہ کشمیر یا ریاست کے وزیر اعظم کے روبرو اپنی شکایات پیش کرنے کے لئے پونچھ سے سرینگر گیا ہے۔ ریاست پونچھ سے گیا۔ ۸۰ آدمیوں کو گرفتار کیا ہے۔ اور دو آدمی ریاست سے نکال دیئے گئے ہیں کچھ لیڈران یہاں سے پونچھ جا رہے ہیں۔ تاکہ فرقہ وارانہ مصالحت کرائی جاسکے۔ پونچھ میں مخالفانہ مظاہرے ابھی تک ہو رہے ہیں۔ سرینگر کے حالات میں کسی تبدیلی کے آثار نہیں پائے جاتے۔ گذشتہ شب ... کے خلاف ایک مسلم پارٹی نے تقریریں کیں اور جلوس نکالا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سرینگر نے میونسپل حدود میں دس دن کے لئے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا ہے۔ جس کی رو سے تمام جلسے اور جلوس ممنوع قرار دے دیئے گئے ہیں۔ مہاراج گنج میں تمام دوکانیں بند ہیں۔ پولیس نے جلوس روک دیا ہے مسلم کانفرنس کا پبلسٹی سیکرٹری بذریعہ تار مطلع کرتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے وقت بیس ہزار سے زائد مسلمانوں کے اجتماع نے ایک ریزولیوشن کے ذریعہ پاس کیا کہ ریاست کشمیر کے وزیر اعظم کے روبرو اپنی شکایات پیش کرنے کے لئے ایک جتھہ روانہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک ... بڑا جتھہ اس سلسلہ میں روانہ ہو گیا ہے۔ مزید اطلاع ہے کہ ریاست پونچھ کو بہت سی فوج روانہ کر دی گئی ہے۔ (ا۔ پ)

پنجاب کے فرقہ وارانہ جھگڑوں کا حل

صوبہ کے سرکردہ لیڈروں کی میٹنگ

شملہ ۲۶ر جون کے سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب نے صوبہ کے سرکردہ لیڈروں کی جو کانفرنس بلائی تھی اس کی ایک میٹنگ آج صبح منعقد ہوئی بحث صوبہ کے ... ریزولیوشن پاس کئے گئے جن میں فرقہ وارانہ فسادات کی ... کی گئی۔ اور ان فسادات کا ... اختیار کیا گیا۔ عوام۔ اخبارات اور لیکچراروں سے اپیل کی گئی کہ وہ ان افسوسناک واقعات کا خاتمہ کرنے ... اور لوگوں میں رواداری اور اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ایک ریزولیوشن کے ذریعہ صوبجاتی اور ضلع وار امن بورڈ مقرر کرنے پر زور دیا گیا۔ سب سے ریزولیوشن میں جو ابھی زیر بحث تھا ایک سب کمیٹی بنانے پر زور دیا گیا جو فرقہ وارانہ جھگڑوں کی وجوہات معلوم کرے گی۔ میٹنگ میں سر سکندر حیات اور ان کی وزارت کے دیگر اراکین۔ راجہ نریندر ناتھ۔ بھائی پرمانند۔ ماسٹر تارا سنگھ۔ گیانی شیر سنگھ۔ ڈاکٹر گوپی چند بھارگو۔ ڈاکٹر عالم۔ دیوان چمن لال۔ ملک برکت علی۔ غلام محی الدین خاں۔ سردار اجل سنگھ۔ ڈاکٹر کچلو۔ مولانا ظفر علی خاں اور نواب مظفر خاں مشہور باتوں کے نمائندے بھی میٹنگ میں شامل تھے۔ (ا۔ پ)

ایک گھر میں چار قتل

کانپور ۲۶ر جون کے قصبہ کے پاس ایک گاؤں سے ایک گھر میں چار آدمیوں کا قتل ہونے کی افسوسناک اطلاع ملی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک سکھ نوجوان نے جو افیون کھانے کا عادی تھا کچھ افیون خریدنے کے لئے اپنے گھر سے گیہوں چرائے۔ اس کی سوتیلی ماں نے اسے خوب ڈانٹا اور گیہوں دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ نوجوان بپھر گیا اور اس نے ایک گنڈاسے سے اپنی سوتیلی ماں اور اس کے تین چھوٹے سال بچوں کو قتل کر دیا۔ اس کے ہاتھوں سے صرف آٹھ ماہ کا ایک بچہ بچ سکا۔ پڑوس کی ایک عورت جو موقعہ پر پہنچ گئی زخمی ہوئی۔ مبینہ قاتل فرار ہے (ا۔ پ)

کانگریس میں مل کر کام کرو

نوجوانوں کو سرت بابو کا پیغام

کلکتہ ۲۶ر جون کے شری سرت چندر بوس نے ایک بیان دیتے ہوئے پنجاب میں مارشل لا کے قیدیوں کی رہائی کا تذکرہ کیا۔ اور کہا کہ بنگال میں بھی بہت سے سیاسی قیدی ایسے ہیں۔ جو بہت زیادہ عرصہ سے جیلوں میں سزا کاٹ رہے ہیں۔ اور جنہیں اب رہا کر دینا چاہیئے۔ آپ نے نوجوانوں سے اپیل کی کہ وہ جنگ آزادی کے لئے عدم تشدد کے راستہ پر گامزن ہوں۔ اور کانگریس سے علیحدہ اپنی کوئی پارٹی نہ بنائیں۔ کیونکہ اس قسم کی علیحدہ علیحدہ پارٹیاں بنگال کی قومی زندگی کیلئے زہر ثابت ہو رہی ہیں۔

دریائے جمنا میں دس آدمی ڈوب گئے

بوگرا ۲۶ر جون کے سولہ مسلمان جن میں ایک نوجوان لڑکی بھی شامل تھی دریائے جمنا کو کشتی میں پار کر رہے تھے کہ یکایک آندھی آ گئی اور ان کی کشتی پانی میں ڈوب گئی جس کی وجہ سے دس آدمی تو جانبر نہ ہو سکے۔ چار آدمی بڑی مشکل سے باہر نکالے گئے۔ (ا۔ پ)

مسٹر یوسف مہر علی کی گرفتاری

بمبئی ۲۶ر جون کے کانگرس سوشلسٹ پارٹی کے سیکرٹری کی اطلاع ہے کہ بمبئی کے سرکردہ سوشلسٹ لیڈر مسٹر یوسف مہر علی کو پولیس نے کالی کٹ میں تقریر کرتے وقت گرفتار کر لیا اور انہیں تھانہ میں لے گئی۔ جلسہ مالابار ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی کے زیر اہتمام ہو رہا تھا۔

مسٹر یوسف مہر علی تالیوں کی گونج کے درمیان جلسہ گاہ میں تشریف لائے اور آپ نے تقریر شروع کی۔ ابھی آپ تقریر کر رہے تھے کہ پولیس آئی اور آپ کو گرفتار کر کے لے گئی۔ (ا۔ پ)

تین ہزار کاریگروں کی ہڑتال

کانپور ۲۶ر جون کے نیو وکٹوریہ ملز کے تین ہزار کاریگروں نے آج دوپہر سے ہڑتال کر دی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہڑتال کی محکموں میں تخفیف اور اجرتوں میں کمی کی وجہ سے کی گئی ہے (ا۔ پ)

کانپور میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ

کانپور ۲۶ر جون کے نیو وکٹوریہ ملز میں آج بعد دوپہر جو ہڑتال ہوئی ہے اس کے پیش نظر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا ہے جس کی رو سے کرنل گنج کے علاقہ میں جلسے کرنا اور جلوس نکالنا ممنوع قرار دے دیا ہے۔ (ا۔ پ)

مس سورن کماری کی شادی

ہیلی روڈ پر شاندار اجتماع

نئی دہلی ۲۶ر جون کے کل لالہ دیش بندھو گپتا ممبر اسمبلی کی جائے رہائش واقع کوٹھی نمبر ۲ ہیلی روڈ پر لالہ دھنی رام ایڈووکیٹ کی سپتری مس سورن کماری کی شادی مسٹر مہندر گپت وِدیا النکار کے ساتھ ہوئی۔ کوٹھی کو خاص طور پر قومی جھنڈوں سے آراستہ کیا گیا تھا اور صحن میں ایک شامیانہ لگایا گیا تھا عین وقت پر بارش ہونے کی وجہ سے موسم نہایت خوشگوار ہو گیا تھا۔ ساڑھے سات بجے کے قریب دولہا برات کے ہمراہ آیا اور مقامی کانگریسیوں اور دلہن کے دیگر رشتہ داروں نے دولہا کا سواگت کیا۔ دلہن نے خود دروازہ پر آ کر دولہا کا سواگت کیا۔ اور اس کے گلے میں ہار ڈالا۔ دولہا نے بھی دلہن کے گلے میں ہار ڈالا۔ اس کے بعد ویدک ریتی سے دواہ سنسکار ہوا۔ جس کے بعد کھانا ہوا۔ اس تقریب میں تقریباً جملہ کانگرسی کارکن شامل ہوئے

نئی چھاؤنی میں خودکشی کا واقعہ

دہلی ۲۶ر جون کے کل نئی چھاؤنی میں ایک عورت نے کنوئیں میں کود کر خودکشی کر لی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ ہوا اس عورت نے اپنے خاوند کی وفات پر ایک دوسرے شخص سے شادی کر لی تھی۔ نئی سسرال کے ہاں کی عورتیں اس سے رنجش رکھتی تھیں اس لئے اس نے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔

دہلی میں برسات کا آغاز

دہلی ۲۶ر جون۔ کل شام بارش ہونے سے موسم بہت خوشگوار ہو گیا۔ رات کو بھی کافی بارش ہوئی اور اس وقت بھی بوندا باندی ہو رہی ہے درجہ حرارت میں یکایک بہت کمی ہو گئی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کئی روز تک جھڑی رہے گی جمنا کا پانی چڑھ رہا ہے ... گھاٹ ...

اس دوسری طرف ...

تازہ تجارتی سماچار

لندن صرافہ

لندن ۲۶ر جون

چاندی حاضر فی اونس ۱۹ پنس وعدہ ۱۹ پنس

بازار خاموش تھا

پنس۔ شلنگ۔ پونڈ

سونا ۷ ... ۷

لیورپول روئی

لیورپول ۲۶ر جون

اکتوبر وعدہ بند ہوئی ۴۸۸

نیویارک روئی

نیویارک ۲۶ر جون

اکتوبر وعدہ کھلی ۱۲۶۴۳

شکاگو گیہوں

شکاگو ۲۶ر جون

بدیشی دساوروں کی تیزی کا سے بھاؤ بڑھے اور موسم بہار کی فصل میں ابھرا گئے اور شارٹ والوں کی بیوپاری کا بھی بازار پر بھاؤ تھا۔

لیورپول گیہوں

لیورپول ۲۶ر جون

بازار مضبوط کھلا جولائی ... اور اکتوبر ... بدیش میں فصل خراب رہنے کے سماچار پہنچنے اور شارٹ والوں کی بیوپاری سے بھاؤ بڑھے۔ اور بہت اچھا کام ہوا۔

بمبئی بند بازار

بمبئی ۲۶ر جون

روئی

بھروچ جولائی اگست	۲۲۶ - ۴ - ۰ فی کھنڈی
" اپریل مئی	۲۳۴ - ۸ - ۰ "
اومرا جولائی	۲۱۹ - ۰ - ۰ "
" دسمبر جنوری	۲۱۱ - ۸ - ۰ "
بنگال جولائی	۱۸۹ - ۰ - ۰ "
" دسمبر جنوری	۱۷۹ - ۰ - ۰ "

تیزی مندی جولائی اگست ۸/۱۴ روپیہ تیزی مندی اپریل مئی ۲۶/- روپیہ

اجناس

گندم جنوری	۵ - ۳ - ۰	مئی	۵ - ۰ - ۰ فی من
السی ستمبر	۸ - ۳ - ۲	تل	۹ - ۶ - ۰ "
ارنڈی	۷ - ۳ - ۰	بنولہ	۲ - ۱۱ - ۰ "
مہوا	۵ - ۸ - ۰	مونگ پھلی	۷ - ۱۵ - ۰ "
خاندیش	۸ - ۲ - ۰		

صرافہ

چاندی حاضر ۵۱ - ۱۰ - ۰ پہلا وعدہ ۵۱ - ۱۱ - ۰ سو تولہ

" دوسرا وعدہ ۵۱ - ۱۴ - ۰ "

سونا پہلا وعدہ ۳۴ - ۱۳ - ۰ دوسرا وعدہ ۳۴ - ۹ - ۰ فی تولہ

از علامۂ عصر
پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفیؔ دہلوی

پردہ پارٹی!

مختصر افسانہ

(۱)

ثریا بیگم ۔ بی بی جی یہ تو مانا کہ اندر صرف عورتیں ہی ہوں گی لیکن باہر تو پہرے والے اور فوج کے افسر ضرور ہوں گے لاٹ گورنر کی میم کی دعوت ہے ، نا بھئی ہمارا اب کچھ نہیں رہا مگر سلطانی آن باقی ہے اس گئے گزرے زمانے میں یہ توقع نہ رہے مجھے تم معذور ہی رکھو!

شگفتلا ۔ یہ آپ کیا فرماتی ہیں بیگم صاحب میں کلکٹر کی میم صاحب سے سب فیصلہ کرا آئی ہوں ۔ سپاہی افسر وغیرہ کوئی نہ ہوگا ۔ وہ ہوں گے تو مگر باہر کی ڈیوڑھی پر ۔ اس کے بعد قنات سے بے پردہ ڈیوڑھی بنائی جائے گی اور گاڑی یا موٹر کے ٹھہر جانے پر ایسا انتظام ہوگا کہ ایک پردہ شوفر یا کوچوان اور سواری کے دروازہ کے درمیان کر دیا جائے گا ۔ آپ اطمینان رکھیں ، میں نے ذرا ذرا سی بات کا دھیان پہلے ہی رکھا ہے آپکے احساسات ہمارے سر آنکھوں پر ، یہ بھی قرار پا گیا ہے کہ گورنر کی میم صاحب دوسرے دن آپ سے ملاقات کرنے یہاں آئیں گی

بیگم ۔ یہ تو ہوا ۔ خیر تم اتنا پکا اطمینان دلاتی ہو تو ہم لوگ چلے چلیں گے ۔ رہنا جو اسی دنیا میں ٹھہرا ۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ جو کچھ تم نے بتایا ہے اس میں بال برابر بھی فرق نہ آئے !

شگفتلا ۔ اس طرف سے پورا اطمینان رکھئے اجازت ہے ؟

(۲)

مسٹر بلیک سمتھ ۔ مجھے آپ سے کبھی یہ امید نہ تھی ،

مسٹر سندر لال ۔ آپ سے یا گورنمنٹ کے کسی افسر سے کبھی میں نے یہ معاہدہ نہیں کیا کہ میرا ضمیر سیاسی معاملوں میں سرکار کے قدموں میں ہے ۔

بلیک سمتھ ۔ لیکن ہم اب تک آپ کو اپنے میں سے سمجھتے رہے ۔ میں گورنمنٹ کو لکھ چکا تھا کہ میرے ضلع سے ایک بھی کانگریس کا نامزد منتخب نہیں ہو سکے گا ۔ اور ہوا یہ کہ سب کانگریس کے ٹکٹ والے ہی منتخب ہوئے رپورٹ یہ ہے کہ آپ کا رسوخ اور کوشش اس نتیجہ کی تہ میں ہیں ، فرمائیے میں غلط کہہ رہا ہوں ؟

سندر ۔ جس نتیجہ پر آپ کا ذہن پہنچا ہے وہ غلط ہو یا صحیح ، اس سے مجھے سروکار نہیں ، میں نے جو کچھ کیا اپنی آزادرائے کی پیروی میں کیا ، اور اگر آپ کو یا کسی کو میرے ضمیر اور کردار کے بارے میں کوئی دھوکا ہوا ہے تو اس کا میں ذمہ دار نہیں بلکہ خوش ہوں کہ وہ دھوکا اب رفع ہو گیا ۔

بلیک سمتھ ۔ ان صورتوں میں ہمارا آپ کا سوشل میل جول ناممکن ہے ۔

سندر : جیسی آپ کی مرضی ۔ الوداع !

(۳)

سندر :۔ (باہر نکل کر) بیرا دیکھو ، ہماری میم صاحب ادھر میم صاحب کے کمرے میں ہیں ۔

بیرا :۔ ہاں حضور باتیں کر رہی ہیں ۔

سندر ، ہماری میم صاحب سے کہو ہم سلام دیتے ہیں جلدی (موٹر سٹارٹ کر دیتا ہے) شگفتلا آتی ہے ۔

سندر ، ادھر جلدی ، اپنے برابر بٹھا لیتا ہے شگفتلا چند منٹ کی حیرانی کے بعد کہتی ہے ،

شگفتلا ۔ یہ تو تم ، باہر جا رہے ہو اور وہ لنچ پر ہمارا انتظار کریں گے ۔

سندر :۔ لنچ اب کسی ہوٹل میں ہوگا ۔

شگفتلا :۔ یہ کیا کہہ رہے ہو ۔ تمہاری تیوری پر خوفناک بل پڑے ہوئے ہیں ۔ پیارے سندری ! کیا بات ہے مجھے بتاؤ ۔ نہیں تو میں کودتی ہوں کار سے (سندر لال کے کندھے پر ہاتھ رکھتی ہے) یہ کار اتنی تیز کیوں چلائی جا رہی ہے کسی کا بٹوا اچک کر آ رہے ہو کیا ؟

سندر :۔ (خفیف تبسم) ادھر دیکھو وہ چھکڑا اڈولتا ڈگمگاتا آ رہا ہے ۔ اور یہ بوڑھا آدمی ایک ہاتھ میں چنگیر لئے اور دوسرے سے بچے کی انگلی پکڑے سڑک کے بیچوں بیچ چل رہا ہے ۔ میرے ہاتھ رکے ہیں تم اپنا ہاتھ میرے ہونٹوں پر رکھ دو تو اصل بات بتاؤں !

شگفتلا : مسکراتے ہوئے اسی ہاتھ سے سندر کے گال کو چھو کر) شرارت ۔ میرے کان کن پٹی پر ہیں ، انگلیوں کی پوروں میں نہیں ۔

سندر ۔ اب سنو وہ تم نے ساری رام کہانی ۔

شگفتلا ۔ میں ابھی مسز بلیک سمتھ کو لکھے دیتی ہوں ۔ کہ ان وجوہ سے جو انھیں اپنے شوہر سے معلوم ہوں گی میں پردہ پارٹی کے ہر قسم کے انتظام سے ہاتھ اٹھاتی ہوں ۔ اور بیگم صاحب کو لکھے دیتی ہوں کہ اس تقریب سے میرا اب کوئی تعلق نہیں وہ اپنی آزاد رائے سے کام لیں ، ان کا جی چاہے تو جائیں ، میں خود شریک نہیں ہونگی

سندر ، ہاں لکھ دو ابھی ، یہیں ہوٹل کا بیرا پہونچا دیگا ۔

(۴)

مسز سمتھ :۔ بیرا یہ میم صاحب ابھی ہمارے پاس تھیں کہاں گئیں ۔

بیرا :۔ ان کے صاحب ہمارے صاحب کے کمرے سے لال پیلے نکلے ، اور ان کو اپنے ساتھ لے گئے ۔

مسز سمتھ ، لال پیلا کیا ہوتا ہے ۔

بیرا :۔ حضور بہت غصہ میں ، خفا !

مسز سمتھ :۔ تمہاری اور مسٹر لال کی لڑائی ہوئی ؟

بلیک سمتھ ۔ نہیں ،

مسز سمتھ :۔ پھر کیا ہوا ؟ کچھ تو ہوا جو وہ یکا یک بیوی کو لے کر چلا گیا ۔

بلیک سمتھ بات یہ ہے کہ ہم اسکی نسبت بہت دھوکے میں رہے

مسز سمتھ :۔ وہ دھوکہ باز آدمی نہیں !

بلیک سمتھ ۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ جعلی نوٹ بناتا ہے ، ہم اس کو اپنا آدمی سمجھتے تھے مگر نکلا وہ کانگریس کا حامی ۔ اس انتخاب میں جو ابھی ختم ہوا ہے کانگریس کے ٹکٹ کے سوا کوئی ممبر اس ضلع سے اسمبلی میں کامیاب نہیں ہوا ۔ اور یہ سب مسٹر سندر لال کے رسوخ اور کوشش سے ہوا ۔

مسز سمتھ :۔ ہوا ہوگا ۔ اور صوبوں میں کیا ہوا کانگرس آجکل آپ لوگوں کے سر پر سوار ہے ۔ یہ بخار آپ لوگوں کو سرسام کر کے چھوڑے گا ۔ خیر یہ بتاؤ تم نے اس سے کیا کہا ۔ میں جانتی ہوں تم پہلے اپنے تئیں خود دھوکے میں رکھتے ہو اور غصہ اتارتے ہو دوسروں پر ، کیا کہا تم نے اس سے ؟

بلیک سمتھ :۔ یہی کہ اس کا ہمارا سوشل میل جول اب ناممکن ہے ۔

مسز سمتھ :۔ کیوں نہیں کہتے اسے گھر سے نکال دیا کیا ان لفظوں کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہمارے گھر سے چلے جاؤ ۔ پھر وہ بیوی کو لے کر چلا نہ جاتا تو کیا کرتا (بیرا مسز لال کی چٹھی دیتا ہے جو اس نے ہوٹل سے بھیجی تھی) لو یہ تمہارے کرتوت ہیں مسز سندر لال لکھتی ہیں کہ ان صورتوں میں جن کی تشریح تم کر دوگے وہ پردہ پارٹی کے سلسلہ میں کوئی حصہ نہیں لے سکتیں ۔ نہ آئیں گی اور ثریا بیگم کو بھی لکھ دیں گی ، اب کیا ہوگا ؟

بلیک سمتھ ۔ پارٹی منسوخ ہو جائے گی ۔

مسز سمتھ ۔ منسوخ ہو جائے گی ۔ یہ کہتے شرم نہیں آئے گی ۔ لیڈی صاحب نے خود لکھا کہ وہ ہندوستانی خاتونوں سے ایک پردہ پارٹی میں ملنا چاہتی ہیں ۔ تم نے منظور کیا ۔ میری اور لیڈی صاحب کی اس بارے میں خط کتابت ہوتی رہی ۔ مسز لال کی تگ و دو اور انتھک کوشش سے یہاں تک طے پا گیا کہ بیگمات بھی آئیں گی پروگرام کل تقریبوں کا چھپ کر شائع ہو گیا اب کس منہ سے انھیں لکھو گے کہ پردہ پارٹی منسوخ کی گئی ۔ اس کا اثر تمہاری انتظامی قابلیت پر کیا پڑے گا ۔ ہیری یہ تو سوچو (مسٹر بلیک سمتھ اپنا سر کھجلاتا ہے) میں نہیں سمجھ سکتی کہ قدرت نے مردوں کے سر میں بھیجے کی جگہ کیا بھر دیا ہے اچھا اگر پارٹی منسوخ ہونی ہے تو میں کل سوری جا رہی ہوں ۔ میں تو لیڈی صاحب کے سامنے نہیں ہو سکتی مجھ میں یہ ڈھٹائی نہیں !

بلیک سمتھ :۔ تو گویا یہ دورہ ہی ہز اکسیلنسی کا منسوخ کرا دیا جائے ۔

مسز سمتھ ۔ یہ تم جانو ۔ اپنے ذیلداروں اور تحصیلداروں سے پوچھو ۔ ان کی بیویوں کو لا کر پارٹی میں بٹھا دینا ۔ دیہات شہر تو کانگریس کے صدقہ میں شدھ ہو ہی گیا ہے ۔ میں اب جاتی ہوں گرد جو تمہارا جی چاہے ۔ میں لنچ پر نہیں آؤں گی ۔ مجھے بھوک نہیں ۔ اور سر میں درد ہونے لگا ہے

مسٹر بلیک سمتھ کئی منٹ تک سوچتا ہے دو دفعہ پائپ بھر کر دس بارہ دفعہ سلگاتا ہے پھر اٹھ کر بیوی کے کمرے میں جاتا ہے ۔

بلیک سمتھ :۔ ڈیر تم نے سچ کہا کہ پارٹی کی منسوخی بڑی سبکی کی بات ہے ۔ میری سمجھ تو کچھ کام نہیں کرتی تم بتاؤ کہ اب کیا کیا جائے ؟

مسز سمتھ (شگفتہ ہو کر) جو میں کہوں گی وہ مان لوگے ؟

(باقی اگلے صفحہ پر)

بھکارن!

خاص تیج ویکلی کے افسانہ ایڈیشن کیلئے

مختصر افسانہ

از جناب منشی گردشن لال آدیب ایم اے لکھنوی

جیسا جیسا دن ڈھلتا جاتا ہے بھکارن کا دل بھی بیٹھتا جاتا ہے اس کی سیدھی پامال ہوتی جاتی ہیں سورج کی آخری کرنیں جو بلند شاخوں پر نظر آتی تھیں وہ بھی اب آنکھ سے اوجھل ہوتی جاتی ہیں بیچاری بھکارن گود میں سوئے ہوئے بچہ کو آہستہ آہستہ تھپکی دیتی جاتی ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد اٹھتی ہے کہ کوئی سخی داتا جو بدحواس ہوا بھکارن کی گٹھڑی بھر دے وہ معصوم گرد بنصیب غریب بچہ کے لئے سوا اس کے کیا اور تھی تی تاریکی اور زیادہ ہوگئی اب بھکارن کی آس بالکل ٹوٹ گئی ہائے پھر دلی منگنے کا تو اس کو کیا ڈر تھی۔ اس خیال کیساتھ بیچاری کا دل بھر آیا آنکھ ڈبڈبا آئی۔ لیکن کرتی تو کیا کرتی ایک ہاتھ سے بچہ کو کاندھے سے لگایا اور دوسرے کندھے پر لٹیک کر جیسے ہی کوشش کر رہی پر روشنی نظر آئی سید کی سڑک کی گھنٹی پر بائیں پڑا۔ بھکارن سنبھل کر بیٹھ گئی۔ روشنی جلد جلد قریب آنے لگی۔ اس نے پھر وہی بھری آواز میں صدا لگائی "ہے کوئی سخی داتا جو بھرا بھکارن کی گٹھڑی بھر لے"۔

آن کی آن میں موٹر بھکارن کے پاس سے گزر گئی۔ نقار خانہ میں طوطی کی آواز ہی کیا۔ موٹر پر بھکارن کی کون سنتا۔ تمام فضا گمگمہ ہوگئی۔ شام کی تاریکی یوں ہی کیا کم تھی موٹر نے جو خاک اڑائی تو اور بھی اندھیرا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری دنیا پر بھکارن کی گٹھڑی چھا گئی ہے۔ غریب گرد و غبار میں اٹ گئی۔ موٹر کی ہارن سے سوتا ہوا بچہ بھی جاگ پڑا۔ جاگتے ہی رونا شروع کر دیا۔ روتا جاتا تھا "اللہ دو ٹی" کی جگر خراش صدا لگاتا جاتا تھا۔

یہ وہ دناک نظارہ بھکارن کے مزدہ دل کے لئے تیز تر نشتر تھا۔ آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے مگر آنسوؤں سے ایسی بیلیں نہیں سینچی جا سکتیں۔ بچہ کا پیٹ جتنا تھپکا جاتا تھا اتنا ہی بلک بلک کر روتا تھا۔

آخر بیچاری دکھ کی ماری جوں توں کر کے اٹھ کھڑی ہوئی چلنے ہی کو تھی کہ چند قدم پر ایک عورت نظر آئی جس کیساتھ ایک بچہ تھا۔ عورت کے کپڑے صاف گر بوسیدہ اور پھٹے تھے مگر بچہ بہت اچھے لباس میں تھا۔ ایک جھنجھنا اس کے ہاتھ میں تھا۔ عورت کی وضع قطع سے صاف ظاہر تھا کہ وہ بچہ کی آیا ہے۔ ان دونوں کو دیکھ کر بھکارن نے پھر آنسو پیتے ہوئے آواز لگائی "ہے کوئی ۔ ۔ ۔ بھر لے" بار بار کہتے کہتے ان الفاظ کا تلفظ کچھ ایسا ہو گیا تھا کہ سوا چند تعلقوں کے کوئی کچھ سمجھ نہ سکتا تھا۔ لیکن پردہ دل ہمیشہ اثر لینے کے لئے تیار رہتا ہے۔ نہیں معلوم اس نوکرانی نے کچھ سنا یا نہیں لیکن بچہ کی انگلی پکڑے ہوئے اور دوسرے گاڑی کھینچتی ہوئی بھکارن کے پاس آ پہنچی۔ بچے نے جھنجھنا بھکارن کے بچہ کو دے دیا۔ اس نے آج تک ایسا کھلونا ہاتھ میں نہیں لیا تھا فوراً ہی چپ ہو گیا۔ کبھی جھنجھنے کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی بچے کی طرف۔ نوکرانی نے جیب سے ایک پیسہ نکالا اور بھکارن کو دیتے ہوئے کہا "بہن میں بھی تیری طرح بیوہ ہوں ایشور جانتا ہے اس وقت اس پیسہ کے سوا میرے پاس کچھ نہیں بچا تھا"۔ دیر میں ایک دوسرے سے مانوس ہو چکے تھے اور مسکرا رہے تھے لیکن بھکارن اور نوکرانی دونوں کی آنکھ سے آنسو جاری تھے!

پچھلے صفحے سے

پچھلے صفحے سے

بلیک سمتھ (تبسم) ماننا پڑے گا۔

مسز سمتھ - تو پچھلے سے وہاں بیٹھ کر پائپ پیو۔ میں ایک خط لکھ رہی ہوں۔

(مسٹر بلیک سمتھ پاس کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور مسز سمتھ ایک خط لکھتی ہے جس کا مضمون یہ ہے)

"میری پیاری شگفتلا

آج پانچ بجے سہ پہر کو میرا شوہر اور میں آپ کے ہاں آئیں گے اور چائے پئیں گے، ہم نے لنچ نہیں کھایا ہے سب کے بھوکے ہیں گے چائے پر بہت سی چیزیں ہوں۔

امید کہ مسٹر لال کے لئے یہ وقت مناسب ہو گا۔

"ایلزبتھ"

مسز سمتھ - وہ دیکھو خط میں کیا لکھا ہے ۔ ۔ ۔

بلیک سمتھ (خط دو دفعہ پڑھ کر) کیا اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں۔ میرا جانا ضروری ہے؟

مسز سمتھ - تم لوگ ہندوستانیوں کو اب تک ویسا ہی سمجھ رہے ہو جیسا کلایو اور وارن ہیسٹنگز کے زمانے میں سمجھا جاتا تھا۔ معاملہ تم سے بگڑا ہے پھر تم کیسے نہ جاؤ جو بات تم نے اٹھائی اسے تم ہی نبھا سکتے ہو۔

بلیک سمتھ - یہ اور بڑھا دو کہ آج کے واقعات کا کوئی ذکر نہیں کرے گا۔

مسز سمتھ - وہ ایسے کم ظرف نہیں جو تم سے باضابطہ معافی نامہ طلب کریں۔ تمہارا اور میرا وہاں چلے جانا ہی کافی ہے۔

بلیک سمتھ - اچھا اس کی کیا ضرورت ہے کہ ہم نے لنچ نہیں کھایا اور بھوکے ہیں۔

مسز سمتھ (قلم جواب تک ہاتھ میں تھا شوہر کے گال سے چھو کر) یہ وہی زنانی ادا ہے جس نے تم کو مجھ سے (تبسم) شادی کرنے پر مجبور کیا۔ نہیں تو تمہیں کار ڈال کر کوئی چٹھی چاہیے تھی۔

بلیک سمتھ (بیوی کے گلے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے) تم کو تو پیرسٹر بننا چاہیئے۔ اچھا تو بھیج دو یہ خط! بڑے مزے کی وہ کشمکش ہے کہ صلح ہو جائے جنگ ہو کر۔

تیج ویکلی میں اشتہار دیکر فائدہ اٹھائیے

منظوم افسانہ
(جملہ حقوق محفوظ)

سُہاگن بیوہ

خاص "سچ ویکلی" کے
(افسانہ ایڈیشن کے لئے)

از شاعرِ انقلاب حضرت جوشؔ ملیح آبادی

نیک تلسی داس گنگا کے کنارے وقتِ شام
جا رہا تھا اک طرف بشاش جپتا ہر کا نام
چرخ کی نیلی نگاہوں سے گفتگو کرتا ہُوا
رنگِ عرفاں رُوح کی تصویر میں بھرتا ہوا
جھاڑیاں تھیں سبز دریا کے کنارے جابجا
پھول کُملائے ہوئے تھے سست تھی موجِ ہوا
راہ میں جالے لگے تھے، پتیوں پر گرد تھی!
لانبی لانبی گھاس ہلتی تھی پتا در زرد تھی
جمع تھے اس طرح پتے جابجا سوکھے ہوئے
جس طرح شادی کے خیمے صبح کو اُلٹے ہوئے
جھاڑیوں سے یوں دبے پاؤں گزرتی تھی ہوا
بانسری کی دُور سے جس طرح آتی ہے صدا!
یوں پڑے تھے زیرِ شاخِ گُل شگوفے چاک چاک
جیسے گردِ شمعِ وقتِ صبح پروانوں کی خاک
طائرِ درماندہ کوئی بول اُٹھتا تھا اگر
ایک سناٹا سا چھا جاتا تھا کوہ و دشت پر
اور سناٹا سا وہ جس میں ہو گم آوازِ رعد
دل پہ ہوتا ہے جو طاری نالۂ بیہم کے بعد
اُس طرف رنگِ شفق تھا چرخ پر چھایا ہُوا
اس طرف دل کوہ و صحرا کا تھا مُرجھایا ہُوا
خار و خس پر تتلیاں ہر سو پڑی تھیں بے خبر
ابر کے دو ایک ٹکڑے تھے پریشاں چرخ پر
شام کا چہرہ غمِ پنہاں سے کچھ اُترا سا تھا
پانی تھم تھم کر جو بہتا تھا تو سناٹا سا تھا
خودبخود تاریک ساحل پر بھر آتا تھا دل
بڑھ رہی تھی تیرگی رہ رہ کے گھبراتا تھا دل

کہہ رہا تھا رنگ، غم کا ابر چھا جانے کو ہے
سانحہ کوئی قیامت خیز پیش آنے کو ہے

جاتے جاتے ایک گوشے کی طرف پہنچی نظر
فرطِ غم سے رہ گیا شاعر کلیجہ تھام کر
دیکھتا کیا ہے کہ دریا کی روانی ہے اُداس
جل رہا ہے اک جنازہ روشنی ہے آس پاس
کانپ کانپ اٹھتی ہے جنگل کی سیاہی بار بار
اُٹھ رہے ہیں لاش سے شعلے، فضا ہے بیقرار
روشنی شعلوں کی اک پیشانیٔ زریں پہ ہے
ظلمتِ اندوہ بیوہ کے رُخِ غمگیں پہ ہے
ہے رنڈاپا سر پہ شمشیرِ جفا تولے ہُوئے
سرنگوں بیٹھی ہے رُخ پر کاکلیں کھولے ہوئے
کُندنی شعلے ہیں غلطاں چمپئی رخسار میں
دل دھڑکنے سے ہے جنبش سی گلے کے ہار میں
اہتمامِ مرگ میں یہ شاعری لبریزِ یاس
ہات میں مہندی رچی ہے بر میں جوتھی کا لباس
آہ یہ عالم کہ اب تک مست ہے موجِ نسیم
آ رہی ہے جسم سے شادی کے پھولوں کی شمیم
کہہ رہی ہے کیا بتاؤں کیا تمنا دل میں ہے
شمع یہ کس کے جنازے کی مری محفل میں ہے

خاک سے اُٹھتی ہے پھر کرتی ہے شعلوں کا طواف
کہتی ہے اے شرم کی دیوی! مجھے کرنا معاف

مُڑ کے پھر میت سے کہتی ہے، اجازت دیجئے
اب تو اس ایندھن کو بھی جلنے کی رخصت دیجئے
آپ کو موت آگئی، عالم پریشاں ہوگیا
گھر ابھی بسنے نہ پایا تھا، کہ ویراں ہوگیا
یاد ہے، ہاں، مجھ کو شادی کا ترنم یاد ہے
ہاں، انھیں ہونٹوں پہ آیا تھا تبسم یاد ہے
آپ کے سینے سے شعلے اٹھ رہے ہیں بار بار
جل رہی ہے یہ مری اُجڑی جوانی کی بہار
پُوچھیئے اس سے کہ دُنیا کیا تھی اور کیا ہو گئی؟
جس نے گھونگٹ بھی نہ اُلٹا تھا کہ بیوہ ہو گئی
پُھنک گئیں میری بہاریں جل گیا میرا سنگار
تیری بند آنکھیں ہیں میری زیب و زینت کا مزار
گھر مرے ہمجولیاں بل جل کے گانے آئی تھیں،
مالنیں، پھولوں کا گہنا کل پہنانے آئی تھیں
آج قرباں گاہِ عبرت پر چڑھانے کے لئے
موت آئی ہے مرا زیور بڑھانے کے لئے
زندگی! جا دُور ہو، دنیا ہے آنکھوں میں اجاڑ
موت! جلدی کر کہ ٹوٹا ہے رنڈاپے کا پہاڑ
کیوں کھڑی ہے دُور، یوں ڈالے ہوئے تیوری پہ بل
مجھ کو بھی کھالے، قسم ہے تجھ کو، او ڈائن اجل
دیکھتی ہے تو، کہیں ہوں کس قدر جینے سے سیر
او سیہ رُو موت! خونی موت! کیوں کرتی ہے دیر؟
دیکھ، میرے رُخ پر اشکوں کی فراوانی کا سیل
اپنے جبڑوں کو ہلا، تاریک غاروں کی چڑیل!

رینگ، ناگن! رینگ مجھ بیوہ کو ڈسنے کے لئے
کیا یہاں آئی ہے مُنہ اپنا جھلسنے کے لئے؟

کیوں کھڑی ہے یوں الگ ٹھٹکی ہوئی سہج سہج بنا
میری باتوں نے تجھے، کیا موت! برہم کر دیا
یہ اگر ہے؟ تو مجھ کا کریں ترے قدموں پہ سر
مانگتی ہوں درگزر کی بھیک، مجھ پر رحم کر
اے مُبارک موت! اے رازِ کمالِ زندگی
اے جہانِ خوابِ نوشیں، اے مآلِ زندگی
اے پیامِ روشنی! اے سرِ بقا! تاجِ حیات
اے نظامِ دہر! اے رفتارِ نبضِ کائنات

میری ظلمت پر بھی ڈال اپنی انوکھی روشنی
آ، ادھر آ، شاہزادی عالمِ ارواح کی

کہہ کے یہ لپکی چِتا کے سمت وہ نازک خرام
اور کہا، اے دکھ بھرے سنسار، لے میرا سلام
بس یہ سُننا تھا کہ جھپٹے اس کی جانب داسؔ بھی
دیکھتے ہی آپ کو، کمسن تو تھی، گھبرا گئی
ہر طرف پہلے تو دیکھا دل میں کیا کیا ٹھان کے
اور پھر گردن جھکا لی، داسؔ کو پہچان کے
ہوگئی فرطِ حیا سے رُوحِ غمگیں بے قرار
انگلیاں اپنی مروڑیں دیر تک دیوانہ وار
سر جھکا، ماتھے پہ زلفِ ناز لہرانے لگی
حسن کو آغوشِ غم میں نیند سی آنے لگی
چپ ہوئی، تو اور دردِ ہجر دُونا ہوگیا
دی صدا دل نے، ترا پہلو تو سُونا ہوگیا
یہ صدا سنتے ہی دم اُلجھا، پھُریری آگئی
اک گھٹا دل سے اٹھی ارض و سما پر چھا گئی
رو کے پھر کہنے لگی، بابا دُعا دیجے مجھے
زندگی کے پاپ سے جلدی چھڑا دیجے مجھے
آپ کی داسی پر اب اس جگ میں رہنا بار ہے
آگ اس چھاتی میں روشن ہے چتا تیار ہے
جھونک بھی دیجے مجھے اس آگ کے انبار میں
میں اکیلی ہوں، کوئی میرا نہیں سنسار میں

داس نے پھر تو قریب آ کر بہ نرمی یوں کہا
اے مری نادان بچی، سوچ تو کہتی ہے کیا!

(باقی اگلے صفحہ پر)

مرنا جینا ایک ہے، جن کو ذرا بھی گیان ہے!
وہ اُدھر کا ترجمہ ہے، یہ اِدھر کی شان ہے

زندگی ہے نقص سے معمور، اک مہمل سی بات
موت ہے شیرازۂ قانونِ تکمیلِ حیات

قوتِ یکسو، زندگی مجموعۂ اضداد ہے
"زندگی ہے وقت کی پابند، موت" آزاد ہے

زندگی ہے روح کو محدود کر لینے کا نام
موت ہے انساں کے لامحدود ہو جانے کا نام

کہتے ہیں "فانی" جنھیں ہم، وہ فنا ہوتے نہیں
مرنے والے اصل میں ہم سے جُدا ہوتے نہیں

قیدِ ہستی سے کوئی ذرہ رہا ہوتا نہیں
ٹوٹ جاتا ہے قفس طائر فنا ہوتا نہیں

عشق کے ملنے کا اک موتی بکھر سکتا نہیں
اتحادِ باطنی مرنے سے مر سکتا نہیں

عشق کی شاخیں کسی آندھی سے جھک سکتی نہیں
رُوح کی سرگوشیاں مرنے سے رُک سکتی نہیں

زندگی بے روح آواز دل میں دیتی ہے پیام
موت، سردِ الفاظ کو ٹھکرا کے کرتی ہے کلام

زندگی سے تنگ سانچے میں سما جاتا ہے عشق
موت سے عالم کی پہنائی پہ چھا جاتا ہے عشق

زندگی کی موج پر گلبرگِ تر بنتا ہے عشق
موت کے گرداب میں لعل و گہر بنتا ہے عشق

بادِ طوفانی کے دیوتا پاس آ سکتے نہیں
اس دئیے کو موت کے جھونکے بجھا سکتے نہیں

موت، کیا شے ہے، کہ جب کہ خود رُوح الامیں
عاشقی کے رشتۂ محکم کو چھو سکتے نہیں

جسم پر بنیادِ عشق خود نُما ہوتی نہیں
رُوح اس تبدیلِ ہئیت سے فنا ہوتی نہیں

زندگی، دُھندلا سا اک جلوا ہے اور کچھ بھی نہیں
موت، اک باریک سا پردہ ہے اور کچھ بھی نہیں

غور کر دل میں کہ ہو جائے حقیقت بے نقاب
ٹوٹتے دیکھے تو ہوں گے بارہا تو نے حباب؟

مر کے بھی دریا کے سینے سے کہیں جاتے نہیں
رہتے ہیں دریا ہی میں، لیکن نظر آتے نہیں

یونہیں تیری شمعِ سوزاں بھی تری محفل میں ہے
مرنے والا آنکھ سے اوجھل ہے، لیکن دل میں ہے

جو چتا میں جل رہا ہے وہ ترے پہلو میں ہے
کانپتے ہونٹوں میں ہے بہتے ہوئے آنسو میں ہے

یہ کہا شاعر نے اور کچھ دیر آنکھیں بند کیں
دیکھتے ہی دیکھتے بیوہ کی آنکھیں کھل گئیں

ہنس کے پھر کہنے لگی، بابا بڑا وسواس تھا
دُور میں جس کو سمجھتی تھی وہ میرے پاس تھا

یہ کہا اور دفعتہً دل میں چمک پیدا ہوئی
زلف میں تابندگی، رُخ پر دَمک پیدا ہوئی

صحنِ غم میں باغِ عشرت کی ہوا آنے لگی
کان میں راحت کے نغموں کی صدا آنے لگی

زیرِ لب کہنے لگی، عالم ہے کیا تنویر کا
دل مرا شیشہ ہے اُن کی چاند سی تصویر کا

ہے کوئی جلد آئے، شادی کا مری ساماں کرے
بدھیاں آ کر نہلائے، مانگ صندل سے بھرے

پھول برسیں جلد انگنائی کو بھر دینے کے لئے
زرفشاں طاؤس آئیں رقص کرنے کے لئے

ابر سے کہہ دو کہ میری زلف پر سایہ کرے
جشن کی دیوی کدھر ہے، بزم میں جلوہ کرے

کہہ دو مشاطہ سے، آئے، رخ کھونے کے لئے
خم بخم زلفوں میں پھر موتی پرونے کے لئے

عشرتِ جاوید باندی ہے مرے احکام کی
اب کبھی! نیرنگیاں عاجز ہیں صبح و شام کی

سرمدی نغموں کو ہے اب ربط میرے ساز سے
آشیاں اونچا ہے میرا، وقت کی پرواز سے

حکم رقاصہ کو دو، چھاگل پہن کر پاؤں میں
آئے پچھلی رات، تاروں کی سہانی چھاؤں میں

"خاک" تلسی کی نظر سے رشکِ گلشن ہو گئی
معرفت میں ڈوب کر، بیوہ سُہاگن ہو گئی!!

تیج دہلی

۲۹ جون ۱۹۳۷ء

"اہم مسئلہ"

جمود کے متعلق خیالات کی رفتار

"میں نے وائسرائے کے بیان کو کامل توجہ سے سُنا ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں اس پر کوئی بیان نہیں دے سکتا، کانگریس ورکنگ کمیٹی ۵ جولائی کو اس **اہم مسئلہ** کے متعلق جو ملک کے سامنے ہے فیصلہ کریگی اور مجھے امید ہے کہ کوئی کانگریسین ورکنگ کمیٹی کے فیصلے کے متعلق پیش بینی نہیں کرے گا اور نہ پہلے سے نکتہ چینی کریگا۔"

اوپر کی چند سطروں میں مہاتما گاندھی کا وہ بیان ہے جو انھوں نے موتی اسٹیڈ پریس کے خاص نمائندے کو وائسرائے کے پیغام کے سلسلہ میں ایک انٹرویو کے دوران میں دیا ہے۔ بعض اخبارات نے "اہم مسئلہ" (GRAVE ISSUE) کے دو لفظوں کو بڑی نمایاں حیثیت دی ہے یہ تو ہم جانتے ہیں کہ کانگریس اور حکومت کے درمیان جو جمود پیدا ہو گیا ہے وہی مسئلہ اس وقت ملک کی سیاسی زندگی کا اہم ترین مسئلہ ہے لیکن مہاتما جی کے ان دو الفاظ کو بہت زیادہ جلی حروف میں یا نمایاں کر کے شائع کرنا اپنے اندر ایک دوسرا اشارہ یا کنایہ بھی رکھتا ہے جسے اہل نظر جانتے ہیں۔ ہندوستان تو ایک طرف خود برطانی سیاست دانوں اور مدبروں کو بھی غالباً معلوم ہے کہ اگر حکومت اور کانگریس کے درمیان سے یہ جمود دور نہ ہوا تو ہندوستان کے حالات بہت زیادہ پیچیدہ صورت اختیار کریں گے اور مستقبل جو ابھی پردے کے پیچھے ہے بہت تشویشناک بن جائے گا۔

بہرحال سردست ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے اور نہ وائسرائے کے بیان پر اپنی طرف سے کوئی اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں، مہاتما جی نے لوگوں کو خاموشی کی ہدایت کی ہے اس لئے کہ ۵ جولائی کو ورکنگ کمیٹی کا اجلاس خود اس کے متعلق فیصلہ کریگا اور اس وقت لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کانگریس اب بھی چھ صوبوں میں وزارت قبول کرنے کے لئے تیار ہے یا نہیں اگر اس نے عہدہ قبول کر لیا تو فی الحال کوئی گمبھیر انقلاب نہیں آتا، اگر یہ جمود پیدا ہونے والا ہوگا یا وزارت کو مستعفی یا برطرف ہونا پڑے گا تو وہ منزل غالباً کسی قدر دور جا پڑے گی اور اگر کانگریس نے عہدہ قبول نہ کیا تو جو کچھ ہوگا وہ ابھی سب معلوم نہیں ہے، صرف ایک دُھندلی سی فضا ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور اس میں چند طرح کے خطرات کروٹیں لیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

اس آرٹیکل میں ہم صرف اتنا ہی دیکھنا ہے کہ وائسرائے کے بیان کے بعد ملک میں خیالات کی رفتار کیا ہے، قوم پرست طبقہ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو وائسرائے کے بیان کو تشفی بخش سمجھتا یا کہتا ہو، عام خیال یہی ہے کہ وائسرائے نے کوئی نئی بات نہیں کہی ہے یہی حقیقت بھی ہے کہ جو کچھ لارڈ زٹلینڈ نے کہا تھا اسی کو وائسرائے نے بھی دوسرے الفاظ میں دُہرا دیا ہے اور ہندوستان کو انھوں نے کوئی تازہ امید نہیں دلائی ہے انھوں نے اپنے بیان میں کانگریس کو مخاطب کیا یا "کانگریسین" کا لفظ استعمال کرنا تک مناسب نہیں سمجھا ہے اور نہ کانگریس کی طرف سمجھوتہ کا کوئی قدم بڑھایا ہے۔

اظہار رائے کی اس منزل تک ہمیں سب لوگ قطعاً متفق نظر آتے ہیں لیکن اس کے بعد ہمارے سامنے دو جماعتیں آتی ہیں پچھلے چار پانچ روز کے اندر ہم نے تقریباً تمام قوم پرست اخبارات کی رائے کا مطالعہ کیا ہے ایک طبقہ ایسا ہے جو صرف مایوسی کا اظہار کر کے خاموش ہو جاتا ہے اور اس میں بعض کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ کانگریس اور حکومت کا یہ جمود دور نہیں ہو سکتا اور وزارت قبول کرنے کا مسئلہ قطعاً ختم ہو چکا ہے، دوسرا طبقہ دبی زبان سے نہیں بلکہ کھلے الفاظ میں کانگریس کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ وزارتیں قبول کر لے اور چھ صوبوں کی حکومت کو رجعت پسند ہاتھوں سے نجات دلائے، اس طبقہ کی دلیلیں مختصر الفاظ میں یہ ہیں (۱) لارڈ زٹلینڈ اور لارڈ لنلتھگو نے اپنے الفاظ سے اس بات کو ظاہر کر دیا ہے کہ روزمرہ کی کارروائیوں میں گورنروں کی طرف سے کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی (۲) اگر اپنی مخصوص ذمہ داریوں کے دائرے میں گورنر اپنے وزراء کی رائے نہ مانے تو وزراء کو یہ صاف اعلان کر دینے کا حق حاصل ہے کہ وہ اس کی ذمہ داری سے بری ہیں (۳) اگر شدید اختلاف ظہور میں آ جائے اور وزراء کو حکومت سے علیحدگی اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہے تو "برطرفی" یا استعفا یا طلب استعفا میں کوئی معنوی فرق نہیں ہے سب کا نتیجہ ایک ہی ہوگا (۴) کانگریس نے اپنے ووٹروں سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہئیے اینٹرم قوتیں غلط پروپیگنڈا کر رہی ہیں اور حلقہ ہائے انتخاب میں بدگمانیاں پھیل رہی ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوگا تو وہ اس اہم مسئلہ پر غور و بحث کے دوران میں ان تمام حقیقتوں کو اپنے پیش نظر

آئینۂ خیال

ہمارا افسانہ ایڈیشن!

چند ماہ ہوئے ہم نے تیج دہلی کا جو افسانہ ایڈیشن شائع کیا تھا اس کی عام مقبولیت سے متاثر ہو کر ہم آج پھر ایک افسانہ ایڈیشن اپنے ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کر رہے ہیں یہ ایڈیشن کیسا ہے؟ اس کا فیصلہ ہم خود ناظرین ہی کے ذوق سلیم پر چھوڑتے ہیں لیکن اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ ہندوستان میں بہت کم رسالے ایسے ہیں جنہیں ملک کے مشہور اہل قلم اور بلند پایہ افسانہ نگاروں کے بہترین افسانے یکجائی طور پر شائع ہوتے ہوں۔ ہم اس سلسلہ میں علامہ کیفی دہلوی، حضرت سیماب اکبرآبادی، حضرت جوش ملیح آبادی، جناب لطیف الدین احمد اکبرآبادی، جناب کوثر چاندپوری، جناب راشن پشاوری اور ان تمام کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنے رشحات قلم سے تیج دہلی کو زینت بخشی ہے ہمیں افسوس ہے کہ بعض موقر افسانہ نگاروں کے بھیجے ہوئے افسانے عدم گنجائش کے باعث شائع نہ ہو سکے ان افسانوں کو ہم تیج دہلی کی آئندہ اشاعتوں میں نمایاں جگہ دیں گے اور شکریہ کے ساتھ شائع کریں گے۔

نانگا پربت کی ناکامیاب مہم!

گلگت کے پولیٹیکل ایجنٹ کی بھیجی ہوئی اطلاع سے معلوم ہوا کہ نانگا پربت پر چڑھائی کرنے والی جرمن مہم کے ارکان پر تباہی آ گئی۔ اور ان پر ایک برف کا پہاڑ ٹوٹ پڑنے کے باعث تقریباً سب کے سب آدمی ہلاک ہو گئے۔ اس افسوسناک حادثہ سے ہمیں وہ پچھلے افسوسناک حادثے یاد آتے ہیں جو کوہ ہمالہ پر چڑھائی کرنے والوں کو پیش آئے تھے۔ نانگا پربت کو سر کرنے کی کوشش سالہا سال سے ہو رہی ہے ۱۸۹۵ء کی مہم میں ایک انگریز اور دو قلی ہلاک ہوئے تھے ۱۹۳۴ء میں چار جرمن سیاح اور ان کے لیڈر ہلاک ہو گئے۔ موجودہ مہم کو بھی بُرا دن دیکھنا نصیب ہوا۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مغرب کو ہر شکست ایک نئی فتح کی طرف رجوع کر دیتی ہے اور ان کی ہمت و اُلوالعزمی میں اضافہ کرتی ہے۔ آئے دن ہمالہ کی مختلف چوٹیوں کو تسخیر کرنے کے لئے لوگ انگلستان، امریکہ اور جرمنی وغیرہ سے آتے ہیں اور مصیبت و ہلاکت کے باوجود اپنے ارادے سے باز نہیں آتے۔ کاش ہندوستان کو بھی اپنے پہاڑوں اور دریاؤں سے اتنی ہی دلچسپی ہوتی جتنی کہ اہل مغرب کو ہمالہ کی چوٹیوں اور گنگا جمنا کی وادیوں سے ہے۔

ہریجن بستیوں میں روشنی!

دہلی کی ہریجن بستیوں کا نام جب لوگوں کے سامنے آتا ہے تو گندگی، غلاظت اور تاریکی کا تخیل ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے یہ ہریجن بستیاں کیسی ہیں اور ان کے رہنے والے کیسے ناگفتہ حالات میں رہتے ہیں اس کا تذکرہ بار بار نہیں کالموں میں آ چکا ہے۔ اس کے اعادے کی ضرورت نہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پبلک اور اخبارات کے مسلسل مطالبوں کے باعث دہلی میونسپل کمیٹی ان بستیوں کی اصلاح کی طرف رجوع ہونے پر مجبور ہوئی ہے چنانچہ روشنی سب کمیٹی میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ہریجن بستیوں کو بجلی کی روشنی بہم پہونچائی جائے، اگر اب بھی یہ کام ہو گیا تو ہم اسے ایک مجرمانہ تاخیر کی تلافی سمجھیں گے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ جو کچھ کیا جائے جلد کیا جائے۔ برسات کا موسم سر پر آ گیا ہے اور بارش کے ایام میں ایسی بستیوں میں جو پہلے ہی سے گندہ اور تاریک ہیں گندگی اور تاریکی میں جو اضافہ ہو جاتا ہے وہ ظاہر ہے کیا دہلی میونسپل کمیٹی ہفتہ دو ہفتہ کے اندر اس کار خیر کو انجام دے سکے گی؟

دہلی کے موسم کا افسانہ!

ایک ہفتہ سے کچھ زیادہ ہوتا ہے جب دہلی میں پانی برسا تھا اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی تو اہل دہلی اترانے لگے تھے کہ اب تو ہم نے پہاڑی موسم کو بھی مات کر دیا۔ کہیں کہیں سے اس مشہور گیت کی صدائیں بھی آنے لگی تھیں کہ؎

آئی ہو کالی گھٹا جیا مورا لہرائے ہے!

لیکن لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ دہلی کے لئے قدرت کی فیاضیاں بہت زیادہ نہیں ہوتیں چند روز سے شدید گرمی کے باعث دہلی پھر جہنم بن گیا ہے۔ اب نہ "کالی گھٹا ہے" اور نہ کسی کا جی لہراتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عارضی آرام رسانی سے قدرت کا منشا یہ تھا کہ تکلیف کا احساس اور بھی زیادہ بڑھ جائے۔ انسان تو ایک طرف چرند و پرند بھی بارش کے لئے ترس رہے ہیں، دعا کا اثر اُلٹا ہو رہا ہے اور راتوں کو ایسی گرم لوئیں چلتی ہیں کہ صحرائے افریقہ کی دوپہر یاد آ جاتی ہے، ہماری دعا ہے کہ اس افسانہ نمبر کی اشاعت تک ہمارے اس گلے شکوے کا کچھ اثر ہو اور قدرت کی طرف سے "جواب شکوہ" اس طرح دیا جائے کہ گھنگھور گھٹائیں آئیں اور موسلا دھار بارش ہونے لگے۔

"ملکہ کا روپیہ"!

دہلی میں چند ماہ سے یہ وبا پھیلی ہوئی ہے کہ ملکہ وکٹوریہ کا روپیہ جسے یہاں بازاروں میں "ملکہ کا روپیہ" کہتے ہیں کاروبار یا خرید و فروخت کے سلسلہ میں استعمال نہیں کیا جا سکتا اور عام طور پر لوگ اسے لینے سے انکار کر دیتے ہیں اس سے ان لوگوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے جو چند روپے جیب میں رکھ کر بازار جاتے ہیں اور وہاں جب اُن سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ملکہ کے روپے ہیں اور اس لئے قبول نہیں کئے جا سکتے (باقی اگلے صفحہ پر للہ زار کے نیچے)

... ہے جو ... ملک کی ... کے سلسلہ میں ... ہوتی ہے

اشارات

ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ نے گنگک کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ ریاستیں ہندوستان کا السٹر بن گئی ہیں۔ لیکن آزادی کی رفتار رکی نہیں جا سکتی۔

سچ ہے۔ پرانی ضرب المثل بھی یہی ہے۔ کہ قافلہ چلا ہی جاتا ہے۔ اور بھونکنے والے بھونکتے ہی رہتے ہیں۔

بہار کے انٹیرم "چیف منسٹر" یونس کو جنہیں قدرت کی ایک بھول سے وزیر بننا پڑا۔ اس بات کا اب تک افسوس ہے۔ کہ آرہ ہیتور بند کی مرمت کرنے کے لئے بابو راجندر پرشاد ان کے ساتھ نہ گئے۔

راجندر بابو ایسے کام میں امداد کرنے کے لئے کیونکر جا سکتے تھے۔ جو دو گھنٹے کے تماشے کے بعد ایک "پکنک پارٹی" پر ختم ہوا۔ اور مرمت کا کام جوں کا توں چھوڑ دیا گیا۔

اخبار سیاست لاہور کی ضبطی ضمانت کے سرکاری حکم کو زیر بحث لانے کے لئے لالہ دیش بندھو گپتا نے تحریک التواء پیش کرتے ہوئے جب اردو میں تقریر کرنی شروع کی۔ تو سرکاری بنچوں کی طرف سے اس پر اعتراض کیا گیا۔

اسی روز کی کارروائی میں یہ خبر بھی درج ہے کہ چوہدری کرتار سنگھ کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے چیف منسٹر سر سکندر حیات خاں نے اردو میں تقریر شروع کر دی۔ جس پر ہاؤس میں قہقہہ بلند ہوا۔ اس پر چیف منسٹر نے اردو کی بجائے انگریزی بولنی شروع کر دی۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ جب خود چیف منسٹر اردو بول سکتے ہیں۔ تو لالہ دیش بندھو کیوں نہیں بول سکتے ہیں؟

جہاں تک ہمیں علم ہے۔ اردو یا ہندوستانی زبان پر چیف منسٹر پنجاب کی کوئی اجارہ داری تو ہے نہیں۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ وہی چیز ایک کے لئے ثواب اور دوسرے کے لئے گناہ ہے! کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔ ؎

یہی مسئلہ ہے جو زاہد تو مجھے کچھ نہیں کلام ہے
وہی شے حلال ہے خلد میں وہی میکدہ میں حرام ہے

ایک معاصر کہتا ہے۔ کہ لارڈ لنلتھگو سیاسی جمود پر اپنے طویل بیان میں یہ کہنا بھول گئے کہ وہ مہاتما گاندھی سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔

اگر بھول گئے ہوں تو اب کہہ دینا کیا مشکل ہے۔!

لالہ زار

(تیج ویکلی کے خاص شاعر کے قلم سے)

"رہنمائے عاشقاں"

محبت تو بھی کرتا ہے محبت کرنیوالوں سے
گرفتارانِ گیسوئے صنم پر مہرباں تو ہے
یہ ثابت کر دیا سب پر تری ایثار و بخشش نے
کہ عہدِ حاضرہ کا رہنمائے عاشقاں تو ہے

(سابق شاہ ایڈورڈ کو ان کی شادی پر مبارکباد دیتے ہوئے آسٹریلیا کے ایک غریب نوجوان نے لکھا تھا کہ میں بھی ایک حسینہ پر عاشق ہوں لیکن افلاس کے باعث اس سے شادی نہیں کر سکتا۔ شاہ ایڈورڈ نے اسے جواب میں ایک سو پونڈ کا چیک بھیج دیا)

مصنوعی بارش کی ضرورت

پھنکے جاتے ہیں جلتے ہیں تڑپتے ہیں ابلتے ہیں
لوؤں کے ہیں تھپیڑے اور ہوائے گرم کے مکّے
کوئی دیدے خبر یہ ماسکو کے علم دانوں کو
خدارا روس سے دہلی کو بھیجو ابر کے ٹکّے

(سوویٹ روس کے سائنسدانوں نے مصنوعی بارش ایجاد کی ہے اور چالیس لاکھ ایکڑ زمین کو سیراب کر رہے ہیں)

مندر اور مسجد

بنائے جاتے ہیں مندر بھی اور مسجد بھی
خبر یہ دینے کو برطانیہ سے تار آیا
ہے اہلِ ہند کی روحانیت کی شان یہی
کہ مادیتِ مغرب کو اعتبار آیا
کہا خلوص سے ہے اک قدیم شاعر نے
یہ وقت دونوں مذاہب کو سازگار آیا
"اذاں دی کعبہ میں، ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا"

(لندن سے خبر آئی ہے کہ کنسنگٹن میں مہاراجہ ٹیہری کی دی ہوئی رقم سے ایک مندر اور پرنس آف برار کے عطیہ سے ایک مسجد بنائی جانے والی ہے)

وائسرائے کا پیغام!

یہ پیغام ہے یا ہے کوئی معمّا
سمجھ میں نہیں آتا اس کو کہوں کیا
وہ باتیں نہیں جن کا کوئی نتیجا
وہ الفاظ معنی سے جو ہیں معرّا
بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

پچھلے صفحہ کا باقی نوٹ تو وہ مایوس ہو کر اپنی ضروریات کی چیزیں خریدے بغیر ہی واپس آجاتے ہیں لاہور کے ایک پریس کمیونک کے ذریعہ یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہ روپیہ جائز قانونی سکہ ہے اس لئے اسے قبول نہ کرنا جرم ہے۔ دہلی کی مقامی حکومت کو بھی جلد از جلد لوگوں کی واقفیت کے لئے کوئی ایسا اعلان کر دینا چاہیئے تاکہ بازاروں سے یہ وہم دور ہو جائے اور ملک کا روپیہ لینے سے کوئی انکار نہ کرے۔

چٹکیاں

لارڈ بیڈن پاول چیف اسکاوٹ نے ہندوستانیوں کے "کیریکٹر" پر جو حملہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں بہت سے مقالات اور نوٹ لکھے گئے ہیں۔ لیکن ایک معاصر نے غالب کا یہ شعر لکھ کر اس مسئلہ کو بڑی حد تک حل کر دیا ہے۔

وہ بھی اب تو کہتے ہیں بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

ہم اس وقتی "سوجھ" کی داد دیتے ہیں۔

سر سکندر حیات خاں نے کہا ہے کہ پنجاب میں خان عبدالغفار خاں کے داخلہ پر پابندی کو منسوخ کر دینا "تحفظ عامہ" (پبلک سیفٹی) کے خلاف ہوگا۔

سوال :- "پبلک سیفٹی" کس چیز کو کہتے ہیں۔

جواب :- دفتری حکومت کے تحفظ یا وزارت کی پالیسی کے تحفظ کو۔ باقی پبلک بالکل محفوظ ہے۔ اور سب خیریت ہے۔

کہا جاتا ہے۔ کہ پنجاب اسمبلی کے بعض ممبروں کی نگرانی کے لئے صوبہ کے مختلف اضلاع کے سی۔ آئی۔ ڈی۔ حضرات شملہ پہنچ گئے ہیں۔

اگر ایسا ہے تو یہ دو شخصوں کے اعتماد کی توہین ہے۔ کیا صوبہ جاتی حکومت خود اختیاری اسی کا نام ہے؟

مسٹر برٹرینڈ رسل کی معیت میں چند برطانیوں نے کہا ہے۔ کہ اگر صوبوں کے گورنر وزرا کی رائے قبول نہ کرنے کے لئے مجبور ہوں تو آئین ناقص ہے۔

لارڈ زٹلینڈ کو یہ جواب دینا چاہیئے۔ کہ آفتاب کو چراغ دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو ظاہر ہی ہے!

بنگال کے چیف منسٹر مسٹر فضل الحق کہتے ہیں کہ نکتہ چینی کرنا آسان ہے۔ مگر عملی کام کرنا مشکل ہے۔

سچ ہے یہ تو ان کے رنگا رنگ کے کارناموں سے ظاہر ہے!

خبر ہے کہ پناہ گزیں عورتوں اور بچوں سے بھرا ہوا ایک جہاز جب بلباؤ سے جا رہا تھا۔ تو اس پر گولے برسائے گئے۔

"تمدن" زندہ باد!

انڈین میڈیکل سروس کے ایک رکن نے کہا ہے۔ کہ ہندوستان میں دیوانگی کے دو اسباب ہیں۔ ایک گھریلو پریشانیاں اور دوسرے بھنگ۔

"ایکسپرٹ" صاحب تیسرا سبب بھول گئے۔ اور وہ ہے سرکار پرستی اور خطاب کا شوق!

(جملہ حقوق محفوظ)

انصاف

رقواس کے اندھیش وآرام کرنیکے بجائے راجہ اُدے بیرسنگھ ایک گاؤں کے ایک کچے مکان کے ایک اندھیرے کوٹھے میں بند تھے جسمیں ایک طرف دو تین مویشی بندھے تھے، اور دوسری جانب کٹی کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ جاڑے کی رات اور معمولی کپڑے بجائے خود ایک تکلیف دہ صورت ہے۔ لیکن ایک راجہ کا ایسے مکان میں قید ہونا جسمیں گوبر کی سڑاند اور کٹی کی بھگراندہ ملی ہے کیڑے اڑ کے دے رہی ہو بڑے سے بڑے جرم کی کافی سزا سمجھی جاسکتی ہے۔

گاؤں سے کچھ فاصلہ پر چند روز سے مہاراجہ دھرم پور کا شکاری کیمپ لگا ہوا تھا ایک راجہ کے شکاری کیمپ میں کیا کچھ نہیں ہوتا؟ اور جو کچھ ہوسکتا ہے بس دن رات وہی ہوتا رہتا تھا۔ راتوں کو رقص وسرود اور شراب وکباب کے جلسے تھے اور دن کو خواب نوشیں سے بیدار ہونے کے بعد شکار کا ڈھکا ہوتا تھا۔ پاڑوں پر لٹے بیٹھے راجہ صاحب اور ان کے "مہمان محترم" بند وقیں سر کرتے اور دنیا کے بہادران میں اسم نویسی ہوجاتی۔ آپنے اخباروں میں ایسی سورمائی کے اشتہار اکثر دیکھے ہوں گے کہ ایک تصویر میں وہی پاڑ پر سے ملا ہو شیر پڑا ہے اور راجہ صاحب یا وہ اور ان کے مہمان ہاتھ میں بندوق، سر پر ٹوپ، اور شیر کے جسم یا سر پر ایک پاؤں رکھے کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ اس عہد نشر واشاعت میں اخباروں کے اندر تصویر کا شائع ہونا بہادری اور سورمائی کی رجسٹری ہوجانا ہے۔ اور اس رجسٹری کی ذیل فیس بھو کے کسان کی روٹی کا ٹکڑا ہاسانی فراہم کردیتا ہے۔

یہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ ریاست کے انتظام کا کام کس قدر سخت ہے۔ کاروبار ریاست سے فراغت پانے کے بعد سیر وتفریح لازمی ہوجاتی ہے۔ وہ مہاراجہ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے لئے جو دراصل محض رعایا کے سود وبہبود کا مسئلہ ہے، تندرست وتوانا کیسے رہ سکتے ہیں۔ غرض راجہ یا نواب اور ان کی "ان داتا" مہانوں کی شکاری تفریحات جن اجزا سے مرکب ہوتی ہیں ان کی تفصیل بالکل ہی غیر دلچسپ نہیں اور اس کا فلسفہ تو اس قدر دلچسپ ہے کہ ماشاء اللہ! اس علاقہ کے دیہاتی محنتی مزدور پکڑوائے جاتے ہیں اور دونوں وقت کھانے کو مٹھی بھر چنے دیدے جاتے ہیں کیا اس سے عام بے روزگاری میں کمی نہیں ہوتی؟ یقیناً ملک کی بھوک دور کرنیکا یہی ایک طریقہ ہے۔ دس پانچ روز کی بیگار میں کھیتی باڑی کا کیا نقصان ہوسکتا ہے؟ آخر رعایا پر ریاست کے بھی تو حقوق ہیں! گاؤں کے مویشی اگر دو چار روز چرنے کو نہ نکلیں اور دودھ خشک بھی ہوجائے تو ایسا کون بڑا نقصان ہوجاتا ہے، کیا راجہ کی پرجا، اس کے کھیت اور مویشی اس کا راج دھن نہیں؟

گاؤں کے قریب ندی پر سے جاٹ کسان کی نوجوان لڑکی مویشیوں کو پانی پلا کر گھر کی طرف لا رہی تھی کہ اس طرف سے راجہ صاحب گھوڑے پر سوار شکار سے پلٹے آرہے تھے، لڑکی پر نظر پڑی، راجہ نواب کو ہم صحبت ایسے موقعوں پر کام دینے والے مصاحب ہر وقت ساتھ ہوتے ہیں، اشارے کی دیر تھی، باز اور قمری کا واقعہ رونما ہوگیا۔ وہ لڑکی اٹھائی لیجا کر کیمپ میں پہونچادی گئی۔ گاؤں میں دیکھنے والا ہی کون ہے اور ہو بھی تو وہ انسان کب ہیں جو ان کی شرم ولحاظ ہو! ہمارے ان داتا کو تو یہ بھی حق ہے کہ خاص راجدھانی کے اندر موٹر میں سوار بازار سے گزریں اور دوکان پر بیٹھی ہوئی کنجڑن کو اٹھالے جائیں۔ دیکھنے والے اس کو اپنی نظر کا دھوکا اور حواس کا التباس سمجھیں۔ اور دنیا کے منہ میں گھنگھنیاں بھر جائیں اور کانوں میں تیل پڑ جائے!

دوسری صبح وہ لڑکی کیمپ سے باہر کردی جاتی ہے، روتی دھوتی گھر پہونچتی ہے اور جاتی بھی تو کہاں؟ گھر بھر میں جوان بیٹی کے غائب ہوجانے پر پہلے ہی سے شرم وفکر اور غم وغصہ کا راج تھا جب یہ بُرے احوال گھر میں گھستی ہے تو پوچھو نہ کچھ، ماں کی مار دھاڑ اور باپ اور بھائیوں کی تندیں بھی سہتی ہے۔ غریب لڑکی شرم کے مارے کچھ کہہ بھی نہ سکتی تھی۔ بہرحال غصہ ٹھنڈا ہوتا ہی ہے لڑکی کی ماں نے جب علیحدگی میں اس کی بپتا سنی تو سر پیٹ لیا اور باپ بھائیوں نے اپنی آبروریزی کا بدلہ لینے کی قسم کھائی!

کئی راتیں کیمپ کے گرد گھات میں لگے رہ کر گزارنے کے بعد جبکہ ناچ رنگ اور شراب کباب کی محفل گرم تھی راجہ صاحب محفل کے خیمے سے نکل کر ایک چھوٹی چھولداری کی طرف جانے لگے تو تین ڈھاٹے باندھے ہوئے آدمی حملہ آور ہوئے اور راجہ صاحب کو چپ چاپ گرفتار کرکے لے گئے۔ یہ گاؤں والے بھی بڑے عقلمند ہوتے ہیں انتظام ایسا تھا کہ کوئی کانوں کان نہ جان سکا جلسہ حسب دستور جاری رہا اور سمجھ لیا گیا کہ حضور سرکار خوابگاہ میں جا سوئے۔

اس گندے اور اندھیرے کوٹھے میں بند ہوئے راجہ صاحب کو ایک گھنٹہ گزر گیا۔ ان کی مشکیں کس دی گئی تھیں اور پاؤں کھونٹے سے باندھ دئے گئے تھے۔ راجہ صاحب کا نشہ پہلے ہی ہرن ہوچکا تھا اچانک دروازے کا تالا کھلا اور وہی تین قد آور ڈھاٹہ بند آدمی ایک لالٹین لئے داخل ہوئے۔ دروازہ پھر بند کردیا گیا۔ ان تینوں میں جو بزرگ تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ننگی اور چمکتی ہوئی تلوار تھی۔

مہاراج ادھیراج آج تین منتقم ججوں کی عدالت کے سامنے تھے لیکن کیا ان کو جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے ان داتا سے بدلہ لینے کا خیال بھی کرسکیں۔ کیا کسی راجہ کی رعایا کا کوئی متنفس اس کے خلاف کوئی ہمت کرسکتا ہے؟ لیکن ریاست دھرم پور کے یہ تین باشندے اپنی مظلومی کی داد کے لئے بالکل تیار معلوم ہوتے تھے۔ شاید ان کو سیکھ نہ تھی شاید ان کو اس پر دھیان نہ تھا۔

ضعیفی سے بھر بھراتی ہوئی لیکن انتقام کے جذبہ سے کراری آواز کہتی سنائی دی۔

"اُدے بیر سنگھ، دھرم پور کے راجہ تم ملزم ہو۔ اور ہم جج ہیں۔ تمہارا کہنا ہوگا جیسے تمہاری راجدھانی میں کرتے ہوتے ہیں تمہارے اوپر جو الزام ہے اُسے دھیان دھر کے سنو"

خاص تیج ویکلی کے افسانہ ایڈیشن کیلئے!

تین ججوں کی بینچ کے چیف جسٹس نے حاکمانہ انداز میں کہا: تم نے ایک جوان کنیا مسماۃ رام کلی کو جبر جستی پکڑ وا کر رات بھر اپنے ڈیرے میں رکھا۔ اور اس کی آبرو بگاڑی، تمہیں کچھ کہنا ہے، کوئی سچائی دو گے؟"

راجہ صاحب نے غصہ کے پیچ وتاب میں گردن اٹھا کر تحقیر کے انداز سے دیکھا۔ اور ایک راجہ کے غرور اور گھمنڈ نے اسپر پھر قبضہ جمالیا۔ اس کے شاہانہ احساس میں جوش آیا۔ کہ یہ دہقانی اس قابل ہوگئے کہ اپنے راجہ سے جواب طلب کریں! یہ جو برائے نام انسان ہیں۔ جو اس کی رعایا ہیں۔ اس کی بے زبان غلام اور اس کی ملکیت ہیں۔ اس کے سامنے گستاخانہ کلام کریں۔ کیا وہ ان کا ان داتا نہیں؟ ایسے باغیوں کو سخت سے سخت سزا ملنی چاہئے!

"میں نے جو کیا مجھے اُس کا حق حاصل تھا" راجہ صاحب نے شاہانہ لہجے میں کہا۔ "یاد رکھو میں تمہارا راجہ ہوں، تمہارا ان داتا ہوں ——— میرے قبضہ میں تمہاری جانیں ہیں! تمہیں ایسی بے ادبی کی جرأت کیونکر ہوئی؟ تم اس کی سزا بھگتو گے، خیریت چاہتے ہو تو میرے ہات پاؤں کھول دو۔ شاید میں تمہیں معاف بھی کرسکوں۔"

"دھرم پور کے راجہ! تم عدالت کے سامنے ہو اور عدالت میں ان باتوں سے کام نہیں سدھا کرتا! پرمیشور نے تمہیں راج گدی پر بٹھایا پر تم نے برا چلن سادھا۔ تم نے راج نیتی نہیں کی۔ تم نے راج گدی کی لاج کھو دی۔ راجہ بنکے تم نے آپکو منش نہیں بھگوان سمجھا۔ تمہارے کرتوت دیوتا سمان ہونا چاہئے تھے، پر ہیں وہ راکھشسوں کے سے!"

"میں وہ کرتا ہوں جو مجھے بھاتا ہے ——— میں راجہ ہوں۔ راجہ صاحب نے جھنجلا کر جواب دیا: پرجا کو کیا ادھیکار ہے؟ اور میرے کرتوت بُرے ہیں تو پرماتما دیکھے گا ——— راجہ سے پرجا جواب مانگے اُلٹی گنگا نہیں بہہ سکتی!"

"راجہ اُدے بیر سنگھ، پرماتما کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے تمہیں پہلے سے دھیان دینا تھا، راجہ پرجا ہی سے بنتے ہے، پرجا نہیں تو راجہ کیسا؟ پرجا راج کی نیم ہے! راجہ وہ ہے جو پرجا کا گوالا ہو۔ اُس کا سیوک ہو۔ تم پرجا کے رکھوالے اور بُرے سیوک نکلے، مہاں کرو ——— تمہاری راج شکتی ختم ہوچکی ہے!"

"پر ———"

"راجہ اُدے بیر سنگھ، تمہیں اب بھی گھمنڈ ہے، تمہارے اپمان پر کوئی دکھ نہیں" بوڑھے چیف جسٹس نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ پاپن ہی سے تمہاری سکشا پوری ہوئی۔ تمہاری سیوا دیوتاؤں کے سمان ہوئی اور تمہاری بات بات پر طلب تنکھا کے گلاموں کی گردنیں جھکتی رہیں، تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ پرجا کی بہو بیٹیاں راجہ کی بہو بیٹیاں نہیں؟ جواب دو کہ تم نے اپنی ایک پرجا بیٹی کی عصمت لی؟"

"پر مجھے اس کا ادھیکار تھا۔ اور کسی کو مجھ سے ایسی بات چیت کرنیکا ادھیکار نہیں۔ میں ریاست کا مالک ہوں، تمہارا تمہارے دھن دولت کا، تمہارے بیوی بچوں کا، سب کا دھنی ہوں ——— میری پرجا میری اِچھا کی غلام ہے!"

"راج مورکھ، تم عدالت کے سامنے ہو۔ اور جن کی آبرو تم نے بگاڑی ہے وہ تم سے اس کا بدلہ لیں گے، بھوکی پرجا کا کھون پسینہ ایک ہوا اور اُن کا مال کھا کھا کے تم اپنی گردن موٹی کر ——— پڑ گئے تلوار بھی دھاردار ہے!"

"تم بھولتے ہو کل یہ سارا گاؤں کھد جائے گا ——— گدھے کے ہل چل جائیں گے!"

"دھرم پور کے راجہ کی عزت آبرو چلی جائے تو سرم داہ کے جینے پر دھکار ہے!"

"تو چلا۔ اپنی تلوار چلا۔ میں ایک راجہ کی موت مروں گا ——— اور تو کل کتے کی موت مارا جائے گا!"

راجہ صاحب نے انتہائے غیظ وغضب میں کہا۔

"جو کچھی بات ہے۔ تم راجاؤں کے سمان جان دو، پر تمہارا جیون تو راجاؤں کا سا نہ تھا!"

بوڑھے نے دوسرے دو ججوں سے کہا۔

"ملزم کو کرار ہے۔ ستاکھت کی جرورت نہیں۔ پر رام کلی کو بلاؤ۔ وہ ستاکھت کرے تو مسل کا پیٹ بھرے"

ایک آدمی باہر گیا۔ دوسرا دروازے پر رہا۔ تھوڑی دیر میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

وہ راجہ کی کو ساتھ لئے ہوئے پلٹ آیا۔

" ادھر سامنے کھڑی ہو" بوڑھے جج نے حکم دیا اور وہ لڑکی راجہ کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔

اس آدمی کو دیکھو۔ اسی نے جبر سےتیری عصمت کھراب کی

راجہ صاحب نے اپنے لئے "آدمی" کا لفظ سنکر بہت پیچ و تاب کھایا۔ لڑکی نے جھکی ہوئی نگاہیں اُٹھا کر راجہ کے مشرقی چہرے اور صاف و شفاف رخسار پر ڈالیں۔ نظر پڑتے ہی رام کلی کا غم و غصہ محو ہوتا محسوس ہوا۔ راجہ کی وجاہت کو اس وقت اس نے نظر بھر کر دیکھا تھا۔ اور اس دیکھنے میں غصہ و نفرت کو دخل نہ تھا۔ وہ قید میں تھا۔ ہاتھ پاؤں بندھے تھے۔ لیکن کس قدر بہادر معلوم ہو رہا تھا۔ کیا وہ ایسے راجہ کو قتل ہو جانے دے ... نہیں ... نہیں!

" جلدی بیان دے!"

لڑکی نے کچھ کہا مگر صاف سنائی نہ دیا۔

"جو رسے بتا۔ اسی آدمی نے تجھے بے آبرو کیا تھا"

"ہاں! رام کلی نے نہایت دھیمی اور کپکپاتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

" اُدے بیر سنگھ دھرم پور کے راجہ، جرم ثابت ہے تو نے میری بیٹی اور ان دو جوانوں کی بہن رام کلی کو جبر سے پکڑوا کر اس کی آبرو بگاڑ دی۔ اب ان دونوں کا فیصلا عدالت کا فیصلا ہے"۔

یہ سنکر وہ لڑکی ان میں سے ایک کی بیٹی اور دو کی بہن تھی، راجہ صاحب کے اوسان خطا ہو گئے!

" آبرو کے بدلے جان ہمارا دھرم ہے اور ہمارا فیصلا ہے جان آبرو لینے والے کی ہو کہ ان کی عزت کی آبرو مٹی میں ملائی گئی!" دونوں بھائیوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

" دھرم پور کے راجہ، اُدے بیر سنگھ کی، رام کلی کی آبرو کو خراب کرنے کے جرم میں تلوار سے گردن اڑا دی جائے۔ اور ٹھنڈا ہونے پہلے ہی کوٹھے میں گڑھا کھود کر دبا دیا جائے"۔ چیف جسٹس نے فیصلا صادر کر دیا۔

یہ حکم سنکر رام کلی نے ایک چیخ ماری اور کہنے لگی:۔

~~~ مت مارو ~~~ یہ وہ نہیں ہے ~~~

~~~ اسے جان سے مت مارو!"

لیکن بات تُل چکا تھا۔ اور حکم کی تعمیل ہوئی۔

" گے موڑی سارے کل کا نام ڈبونے والی ہے اس کا جیون کل کے نام پر کلنک کا ٹیکہ ہے، لگا دے اسے بھی ٹھکانے!"

دوسرے حکم کی بھی تعمیل ہوئی اور راتوں رات ایک گڑھے میں دونوں ساتھ دبا دئے گئے۔

ایک راجہ جسے خدا نے راجہ کے گھر میں پیدا کیا اور خدا ہی کی مرضی سے راجہ بنا۔ اسے خدا نے ایسے مظالم کی مہلت ہی کیوں دی؟ اور اسے مہلت دی تھی تو ان بدلہ لینے والوں کو یہ طاقت کیوں دی؟ یہ ایک معقدہ ہے جو نہ حل ہوا اور نہ کبھی حل ہوگا!

ایڈیٹر کی بیوی

(از جناب اسرائیل شملہ)

نسیم افسانہ نگار تھا۔ اُسکی افسانہ نگاری ایک دو میں نہیں ہزاروں میں مشہور تھی۔ درحقیقت بھلا ہی تھی۔ اُس کا ہر افسانہ اپنا جواب آپ ہوتا تھا۔ اُس کے افسانوں میں سوز و تڑپ اور عشق کی چاشنی کا عنصر غالب ہوتا تھا۔ محبت و الفت کی رنگینی اُس کے قلبی تاثرات کی آئینہ دار تھی۔ نسیم کا افسانہ "عاشق کا دل" بیحد مقبول ہوا۔ افسانہ کی مقبولیت نے اُسکی شہرت کو اوجِ ثریا تک پہنچا دیا۔ ادبی دنیا میں ایک غیر معمولی ہنگامہ پیدا ہو گیا۔ ہر طرف سے خطوط تہنیت پیش ہو رہے تھے۔ متعدد اخبارات و رسائل نے وہ افسانہ نہایت اہتمام سے شائع کیا۔ اُسکی جاذب نظر تصویر نے بیسیوں حسین دلوں میں جگہ حاصل کر لی۔ وہ خوش تھا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اُسے مسرور نظر آ رہا تھا۔

نسیم کو جہاں خدا نے ایک عملی دل و دماغ کا مالک بنایا تھا وہاں وہ حسین صورت بھی رکھتا تھا۔ مردانہ حسن کی تمام صفات اُس میں موجود تھیں۔ اُسکی آنکھوں میں بڑی کشش تھی

افسانہ لکھنے کے چند دن بعد وہ اپنے سجے ہوئے خوبصورت کمرے میں بیٹھا تھا۔ میز پر کاغذ پڑے ہوئے تھے۔ وہ ایک نئے افسانہ کا پلاٹ سوچ رہا تھا۔ سامنے سجے ہوئے گلدستہ پر آنکھیں جمی ہوئی تھیں۔ ہاتھ میں قلم تھا۔ کہ ایک کرخت آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا مڑ کر دیکھا تو اس کا نوکر کھڑا تھا۔ وہ اندر آیا اور ایک خوبصورت عطر کی خوشبو سے بسا ہوا خط نسیم کے ہاتھ میں دے دیا۔ نسیم نے نہایت اشتیاق سے لفافہ کھولا خط کا مضمون نسیم کی اچھوتی طرزِ تحریر کی مدح سرائی تھی جس سے محبت کا عکس لطیف صاف طور پر مترشح ہو رہا تھا۔ اُس نے متعدد بار پڑھا۔ اور پھر بند کر کے رکھ دیا۔

نسیم کے افسانوں کا بیشتر حصہ رسالہ "حریم ناز" میں چھپا کرتا تھا۔ اس سے پیشتر بیسیوں تعریفی خطوط اس میں شائع ہو چکے تھے۔ چنانچہ اس نے وہ خط بھی رسالہ "حریم ناز" کے ایڈیٹر کو بھیج دیا۔

ایڈیٹر کی سُرخ آنکھیں غم و غصہ کی مظہر تھیں ایک محبت بھرا خط ———— اور وہ بھی اُس کی اپنی بیوی کا .... اُس کا بدن کسی غیر محسوس جذبہ کے ماتحت مرتعش تھا۔ دوسرے لمحہ میں چاک شدہ خط کے پُرزے فضا میں اُڑ رہے تھے۔

کیا یہ انصاف تھا؟ کیا خدا کا انصاف تھا؟ کیا یہ غیرت کا انصاف تھا۔ محبت کا انصاف تھا؟

(اس افسانے کے سب نام اور کردار فرضی ہیں)

(جملہ حقوق محفوظ)

خاص "تیج ویکلی" کے افسانہ اڈیشن کیلئے

افسانہ
مہمان نوازی
سری دیپ چند سنگل کا افسانہ

از قلم جناب دیش بھوشن صاحب بھٹناگر دہلوی

گورو داس نے گھر میں آکر پوچھا "کیوں جی تم کیا کھانا بنا چکیں؟"

"کیوں؟ تمہیں کیا چاہیئے؟" کمدنی نے جواب دیا۔

کمدنی کے دماغ کا پارہ آج کچھ چڑھا ہوا تھا۔ آج دو روز سے گھر کا چوکا برتن کرنے والی مہری بھی غیر حاضر تھی۔ اس کے تیور بدلے ہوئے نظر آتے تھے، گورو داس نے ذرا دبی زبان سے پوچھا "آج ایک آدھ آدمی کے لئے کھانا فالتو بھی ہوگا؟" ———— "آج کون مہمان آگیا؟" کمدنی نے ذرا تنک کر سوال کیا۔

"میرے ایک پرانے دوست ... بہت مدت کے بعد ملنے آئے ہیں۔ میں کھلانے کے لئے اُن سے پوچھ بیٹھا۔ وہ کھانے کے لئے تیار ہوگئے۔ اس لئے تم سے کہنے آیا تھا۔"

"بنا مروں نے کیا ... سمجھ رکھا ہے، کسی کا جھوٹوں کو منہ ... سمجھ کھانے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ میں بھٹیاری نہیں ہوں جو دن بھر ننھی ننھی روٹیاں پکاکر رکھ دیا کروں۔ گرمی کا موسم ہے، روز صبح شام چولھے میں سر دئے رہتی ہوں اس کا بھی کسی کو دھیان ہے؟"

گورو داس کمدنی کی کھری کھری سنکر ذرا کھسیانے سے ہوگئے۔ انہوں نے عاجزی سے کہا۔ "پرماتما کے لئے ذرا آہستہ بولو۔ گھر کی بات گھر ہی میں رہنے دو۔ اُن کے کان میں بھنک پڑ گئی تو وہ کیا خیال کریں گے" کمدنی خاموش ہوگئی۔

گورو داس کو اس بات کا احساس تھا کہ کمدنی جو کچھ کہہ رہی ہے ٹھیک کہہ رہی ہے لیکن وہ اپنی عادت سے لاچار تھے۔ کھانا کھانے کے وقت اگر کوئی آجاتا تو اُن سے یہ نہ ہوسکتا تھا کہ وہ اس سے بغیر پوچھے کھانا کھانے بیٹھ جاتے اور بعض دفعہ تو اُن کا ضیافت کرنا اسراف کی حد تک پہونچ جاتا تھا۔ وہ اپنی عادت کو جانتے تھے، گھر کی مجبوریوں کو سمجھتے تھے لیکن جیسے بچھو ڈنک مارنے کی عادت نہیں چھوڑ سکتا ویسے ہی وہ اپنے دوست اور مہمانوں کی تواضع کی عادت نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اُن کی نظروں کے سامنے ایسی مثالیں بھی موجود تھیں کہ لوگ اپنے دوستوں اور مہمانوں سے نہایت خشک اور بے مروتی کا برتاؤ کرتے تھے اور ان کی وجہ سے دوبارہ ان کو آنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ گو اُن میں سے اکثر اس قسم کے برتاؤ کے مستحق بھی ہوتے تھے۔ لیکن وہ رات دن یہی سوچا کرتے تھے کہ لوگ کس طرح اس قسم کا روکھا برتاؤ کرنا گوارا کرسکتے ہیں۔ جس وقت گورو داس کے والد حیات تھے وہ چھوٹا سا بچہ تھا۔ اس کے والد بھی ایسے ہی فراخدل اور متواضع آدمی تھے۔ لیکن اس وقت گھر میں متعدد ملازم تھے۔ روپیہ الگ تھا سب کام استادوں میں ہوجاتا تھا۔ اور جہاں بیس آدمی کا کھانا بنتا تھا وہاں دو چار کا اور بن جانا کچھ دقت طلب نہ تھا۔ لیکن گورو داس ابھی اچھی طرح ... نہیں ہوا تھا۔ اس نے ابھی اچھی طرح ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا کہ اس کے والد قلیل عرصہ بیمار رہ کر عالم بالا کو چلے گئے۔ لاکھ کا گھر خاک بن کر رہ گیا۔ وہ ... راج پاٹ ملازمت نوکر چاکر گھوڑا گاڑی خواب خیال ہوگئے کیونکہ اس کے والد مجسٹریٹ تھے، کافی تنخواہ ملتی تھی لیکن اخراجات تنخواہ سے کسی صورت میں کم نہ تھے۔ وہ متواضع اور کنبہ پرور آدمی تھے۔ اس لئے مرتے وقت کوئی ایسا اثاثہ نہ تھا جو گورو داس کی تعلیم و تربیت کے لئے کافی ہوسکتا۔ مرتے وقت سوائے ہزار آٹھ سو روپے کے اُن کے پاس کچھ نہ نکلا۔ گورو داس ایک مفلس یتیم رہ گیا۔ ایسی مصیبت میں بھی کوئی نہ کوئی فرشتہ رحمت بنکر بے کس یتیموں کی امداد کرنے کے لئے تیار ہو ہی جاتا ہے۔ گورو داس کے ایک چچا نے اس کے سر پر سرپرستی کا ہاتھ رکھا۔ اور انہی کے روپے سے اس کی تربیت کا انتظام کردیا۔ گورو داس انٹرنس پاس کرکے ایک دفتر میں کلرک ہوگیا۔ معمولی طریقے پر اس کی شادی بھی کردی گئی۔ وہ اپنی بے بضاعتی کو جانتا تھا لیکن اس میں اپنے والد کے دھاتی ... حمیدہ موجود تھے۔ اسی لئے وہ بھائی بند رشتہ داروں اور دوست احباب میں کافی ہردلعزیز ہوگیا۔ اگر ضرورت ہوتی تو وہ اپنے حاجتمند رشتہ داروں اور دوستوں کی امداد قرض لے کر کرنے سے بھی گریز نہ کرتا تھا۔ کمدنی کی بات سنکر اُسے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ غریب ہے۔ ورنہ گھر میں دو ایک ملازم ہوتے۔ کھانے پینے کی افراط ہوتی۔ تو کمدنی کو یہ کہنے کا موقعہ کیوں ملتا اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیا۔ اور ذرا خوشامدانہ لہجہ میں کہا۔ "کمد! واقعی میں تمہیں بڑی تکلیف دیتا ہوں، اس گرمی کے موسم میں تمہیں گھر کا سارا دھندا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن میں کیا کروں؟ قدرت نے نہ معلوم کیوں میری طبیعت میں اتنی فیاضی دے دی ہے۔ میں چاہتا ہوں ... کرم دلداری میں بہترا چاہتا ہوں کہ لوگوں کو دعوت دیکر تمہارے لئے مصیبت کا باعث نہ بناؤں لیکن جب موقعہ آتا ہے تو میں سب بھول جاتا ہوں۔ اب اگر تمہارے پاس فاضل کھانا بنا ہوا تیار نہ ہو تو میں اپنے حصے کا کھانا مہاتے جگت دیو کو کھلادوں گا۔ میں دودھ وغیرہ پی لوں گا۔ بہرحال میرا یہ منشا نہیں ہے کہ ایسی گرمی میں تم سے دوبارہ تازہ کھانا تیار کرنے کو کہوں۔ لیکن میں اُن سے کہہ چکا ہوں اس لئے ان کو بغیر کھانا کھلائے گھر سے نہ جانے دوں گا۔"

سچ تو یہ ہے کہ سخی کی کمائی میں سب کا ساجھا۔ ہزار بار شکر پرماتما کا ہے کہ ہمیں کسی کی سیوا کرنے کا موقعہ تو مل جاتا ہے۔ بھاگوان کے گھر سب کوئی کھاتے ہیں۔ کم بخت کے یہاں کون کھانے جاتا ہے۔ خاوند کی عاجزی دیکھ کر کمدنی کا منہ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا اس نے کہا "میرا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ تم کسی کو کھانا نہ کھلاؤ۔ مجھے تو ایسے لوگوں پر غصہ آتا ہے جو بے تکلفی سے فوراً کھانے کو تیار ہوجاتے ہیں خواہ کسی کے گھر میں انتظام ہو یا نہ ہو۔ میں تو یہ پہلے ہی جان رہی تھی کہ یہ ڈیڑھ گھنٹہ کی متواتر ملاقات خالی از علت نہیں ہے جبھی اسی لئے پہلے سے دو آدمیوں کا کھانا زیادہ بنا لیا تھا اس لئے آپ کو بھوکا رہنے کی ضرورت نہیں ہے میرے پاس کافی کھانا رکھا ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ اچار پاپڑ دہی وغیرہ کچھ گھر میں موجود نہیں ہے دال، روٹی، چٹنی اور ایک سبزی ہے۔ جو کچھ حاضر ہے اس میں تکلف نہیں۔"

گورو داس نے کہا۔ "بس بس ٹھیک ہے۔ گھر کا آدمی بیشک خواہ کوئی مہینوں اور برسوں کھاتا رہے۔ لیکن مہمان بن کر وہ چار روز بھی بھیجا نہیں ہوسکتا۔"

کمدنی کا معمول تھا صبح پانچ بجے اٹھ کر تمام گھر کو دھونا صاف کرنا اس کے بعد نہانا اور سندھیا اپاسنا کرنے کے بعد کھانا پڑھانا اور نو بجے تک کھانا تیار کرکے گورو داس کو کھلانا اور دفتر کو رخصت کرنا۔ اس کے بعد خود کھانا کھاکر تھوڑی دیر آرام کرنا۔ سہ پہر کو چکی میں آٹا پیسنا۔ پھر کچھ سینا پرونا۔ کا ... پڑھنا اور اس کے بعد شام کے کھانے کی تیاری میں لگ جانا اتنی محنت اس کے لئے کچھ بار گراں نہ تھی، گورو داس اس سے محبت کرتا تھا اس کے دکھ درد کا احساس رکھتا تھا۔ اسی لئے کمدنی اس محبت اور پریم کے چھوٹے سے گھروندے میں محنت سے کام کرنے کو بھی تیار رہتی تھی۔ گورو داس ہر ماہ تنخواہ لاکر اس کے ہاتھ پر رکھ دیتا تھا اب کمدنی کو اختیار تھا کہ اس میں سیاہ کرے یا سفید کرے۔ لیکن تنگی کیا بسنے گی کیا نچوڑے گی کمدنی جانتی تھی ... تھوڑی تنخواہ میں ... اخراجات چلانا کچھ آسان بات نہیں ... اس پر گورو داس کی طبیعت کھلی ہوئی فیاض ... طرح گھر کا گزارہ چلتا ... گورو داس کے والد ... اس کی پرورش ... ہوچکا تھا شادی قرض کر کی گئی تھی ... ابھی اس کے سر پر بار تھا جس کو وہ ہر لحظہ کم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن ایک بوجھ کم ہوتا تھا دوسرا سر پر چڑھتا تھا۔ رشتہ داری میں ... دن کے لین دین ... کمدنی جانتی تھی کہ گورو داس کی ... سب ... میں روپیہ برباد نہیں کرتے ... نہ انہیں پان کا شوق ہے ... سگرٹ میں ... اس سے زیادہ اور کوئی بات ہو ہی کیا سکتی ہے لیکن پھر بھی وہ قرض میں دبے جاتے ہیں۔ رات دن اس کو یہی فکر کھائے جاتا تھا لیکن گورو داس کو کچھ زیادہ چنتا نہ تھی۔ کبھی کبھی وہ اپنی حالت پر غور ضرور کرتے تھے لیکن وہ بھی لمحہ دو لمحہ کے لئے۔ ایک روز موقعہ دیکھ کر کمدنی نے کہا۔ "کیوں جی اب ہمیں کتنا دینا ہے؟"

گورو داس نے حساب لگایا "ڈیڑھ سو روپے سیٹھ بھاگا مل کے۔ سو روپے مرلی کپڑے والے کے۔ پچاس روپے متفرق سمجھ لو اور ... جو تم نے لئے ہیں" کمدنی نے سوال کیا "وہ تو ہر مہینے تنخواہ میں سے کٹ رہے ہیں اس میں سے بھی تقریباً دو سو روپے باقی ہیں"

"تو اس کے ادا کرنے کی بھی کوئی سبیل سوچی، یہ روپیہ تو یونہی دن بدن آگ کی طرح بڑھتا رہے گا"

"دینے کے لئے بھگوان مالک ہے۔ جب وہ دیگا پائی پائی چکا دیں گے"

"تم تو ایسے بے فکر بیٹھے ہو جیسے کوئی بات ہی نہیں ہے۔ بھگوان کیا روپے کا مینہ برسا دیگا۔ مجھے تو راتوں نیند نہیں آتی۔ بھگوان کسی کو مقروض نہ کرے۔"

"تو اس کا علاج بھی کیا ہے۔ ہماری نیت صاف ہونی چاہئے۔ بھگوان ضرور ہماری امداد کرے گا۔ ہمیں یہ تسلی ہے کہ ہم نے روپیہ کسی عیب میں ضائع نہیں کیا۔ ڈیڑھ سو روپے کے لئے ہم نے نرمل چند کی ضمانت دی تھی وہ بازار کا سب روپیہ لیکر چلتا بنا۔ بھگوان اسے آپ ہی سزا دیگا ہمیں زبان سے بھی نہیں نکالنا چاہئے سو روپے پنڈت ہنس بیج کی لڑکی کی شادی کے موقعہ پر دئے تھے وہ دیکھتے ہو دوان اور دھرماتما پنڈت ہیں۔ لیکن سرسوتی اور لکشمی کا بیر ہے وہ بیچارے



باقی اگلے صفحہ پر

پچھلے صفحہ سے

اپنے عالم ہوتے ہوئے بھی مفلس ہیں۔ نہ معلوم بھگوان کے گھر یہ کیسا نیائے ہے۔ یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ ان کے ہاں بارات آگئی تھی، اور گھر میں ایک بڑی بے چینی جو بارات کی تواضع کی جاتی۔ پنڈت تائی جی، وہ بھی تھیں اور پنڈت جی الگ سر پکڑے بیٹھے تھے۔ چتر بیچ بچار سے کسی کے سامنے ایک پیسہ کو ہاتھ نہ پھیلاتا۔ مجھے اُن کے گھر کا سب حال معلوم ہی تھا پھر بتاؤ میں کیسے چپ بیٹھ جاتا؟ ایک بیر بن کے بہنے دل کا آ گیہر یا دکیا خیال جائے گا کیا بھگوان ہماری مفلسی دور نہ کریگا؟

"میں دکھ بانٹ کو کوئی منع نہیں کرتا لیکن اپنے پاس ہو بھی تو سہی" کمدنی نے کہا۔

"کمو۔ ایسا وقت بھگوان کسی پر نہ ڈالے لاکھ لاکھ اس کا شکر ہے کہ ہم اپنی تنگدستی، مفلسی اور مصیبت میں اُسے یاد تو کر لیتے ہیں، اور دوسرے انسانوں کے لئے دل میں درد تو رکھتے ہیں۔ اگر ہم بھی کہیں مالدار ہوتے تو شاید ہمارا دل بھی پتھر سے زیادہ سخت اور اندھیری گلی سے زیادہ سیاہ ہو جاتا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن روپیہ کی ادائیگی کی فوراً صورت نکالنی چاہئیے۔ ورنہ وہ تقاضے باہر ہو جائیگا"

"تو پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا کرنا چاہئیے؟"

"میری تجویز ہے کہ میرا زیور فروخت کر کے جس جس کا روپیہ دینا ہے وہ ادا کر دیا جائے پھر جب بچت ہوگی میں اپنا زیور آہستہ آہستہ بنوا لونگی"

گورو داس پہلے اس تجویز کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے، عورت کا زیور اس کا دھن ہے اس میں سے کچھ لینا فرائض انسانیت سے بعید ہو وہ اپنی مصیبت میں طور ذلیل ہونا چاہتے تھے لیکن کمدنی کے اصرار نے انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اس کا زیور فروخت کر کے قرض چکا دیا جائے کمدنی روز تقاضہ کرتی تھی لیکن گورو داس کسی نہ کسی بہانے روز اُسے ٹال جاتے تھے۔ آخر ایک روز کمدنی نے جھنجھلا کر کہا: "تم نے وعدہ کیا تھا کہ میں زیور فروخت کر کے سب قرض چکا دوں گا۔ آج تک تم نے وہ بات پوری نہ کی۔ اگر تمہیں بازار میں جاتے ہوئے شرم آتی ہو تو میں جا کر فروخت کرا لاتی ہوں"

آخر گورو داس نے تعطیل والے روز زیور فروخت کرنے کا وعدہ کیا۔

منگل کا دن تھا اسی روز شام کو گورو داس کے مکان کے پاس ایک تانگہ آکر ٹھہرا اس میں سے ایک خوش پوشاک نوجوان اُترا۔ اس نے اُترتے ہی گورو داس کو نمستے کی گورو داس نمستے کا جواب دے کر اس کی شکل دیکھتے رہے انہوں نے ذرا ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"معاف کیجئے گا۔ جانتے ہیں نے آپ کو پہچانا نہیں"

نوجوان نے کہا، "میرا نام مہیش چند ہے آپ کے گھر میں سے میری پھوپھی زاد بہن ہیں میرے والد میرٹھ کے محکمہ جنگلات میں ملازم ہیں۔ بہت عرصے سے ادھر نہیں آسکے ہیں اس لئے ہم لوگ رات کو ہی [illegible] کوئی موقعہ نہیں ملا۔"

گورو داس کو یہ معلوم کر کے ایک گونہ خوشی ہوئی کہ مہیش چند کمدنی کا بھائی ہے۔ انہوں نے نہایت عاجزی سے کہا: "بھائی معاف کرنا میں نے تمہیں دیکھا نہ تھا۔ اس لئے پہچان نہیں سکا تمہارا سامان وغیرہ کہاں ہے؟"

مہیش چند نے کہا "میں ایک ملازمت کے سلسلہ میں یہاں صاحب سے ملنے آیا ہوں اس لئے سامان وغیرہ کچھ ساتھ نہیں لایا ہوں۔"

گورو داس نے اندر جا کر کمدنی سے کہا کہ تمہارا بھائی آیا ہے کمدنی نے اپنے بچپن میں ایک دو بار بھیا ماموں کو دیکھا ہوگا لیکن اُن کی اولاد کو دیکھنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا کمدنی مہیش چند سے بات چیت کرنے میں کچھ جھجک رہی تھی گورو داس نے کہا۔ "تم بھی عجیب و غریب عورت ہو۔ تمہارا بھائی تمہارے گھر آئے اور تم اس سے بات تک نہ کرو۔ اس میں بھی کوئی شرم کی بات ہے۔" کمدنی نے مہیش چند کو گھر میں بلایا اس سے سب کا حال چال دریافت کیا۔ ناشتہ وغیرہ کرایا۔ مہیش چند بہت جلد ہی اپنی چرب زبانی سے گھر میں بے تکلف ہو گیا۔ گھر کا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہ رہا۔ تین روز وہ گھر میں مہمان رہا۔ گورو داس اور کمدنی نے اس کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ تیسرے روز شام کو مہیش چند آموں کا ایک بڑا سا ٹوکرا لے کر گھر میں آیا۔ اور اس نے کمدنی اور گورو داس سے لگے، وہ صبح اپنے واپس جانے کی خواہش ظاہر کی۔ گورو داس نے حسب دستور کہا: "دو ایک روز اور ٹھہرتے ابھی سے جا کر کیا کرو گے؟ اتنے دن کے بعد تو آئے ہو" لیکن مہیش چند تیار نہ ہوا۔ اس لئے انہوں نے اجازت دیدی۔ برسات کا موسم تھا اس روز شام سے بوندا باندی ہو رہی تھی! خوشگوار ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، گورو داس اور کمدنی تیسری منزل کے کمرے میں سو رہے تھے۔ مہیش چند کا بستر دوسری منزل کے کمرے میں تھا۔ ہوا خوب آ رہی تھی اس لئے باہر سونے کا سوال پیدا نہ ہوتا تھا۔ اسی کمرے میں جہاں مہیش چند سو رہا تھا کمدنی کا تمام زیور اور کپڑا تھا۔ اس روز اتفاق سے کمدنی کوٹھری اور صندوق کی چابیاں لگا کر بھول گئی پر شاید بھولی تھی مہیش چند گھر کا آدمی سمجھ کر اس کی طرف سے کسی خاص احتیاط کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ رات کے بارہ بجے کا عمل تھا مہیش چند پیشاب کے بہانے سے اٹھا اس نے لالٹین کی روشنی تیز کی۔ چابیوں کے گچھے سے کمرے کا دروازہ کھول ڈالا اس میں سے اس نے چاندی سونے کا زیور نکالا جو کمدنی نے مکان کے تین ماہ کے کرائے کے رکھ چھوڑے تھے، نکال لئے اور ایک پوٹلی میں باندھ کر آموں کے ٹوکرے میں چھپا دئے۔ ہندوستانی عورتوں کو زیور کا بہت شوق ہوتا ہے اس میں کلام نہیں لیکن اس کے پہننے کا اتنا شوق نہیں ہوتا زیور اکثر صندوق میں بند ہی رہتا ہے اس لئے چور کو سب چیزیں آسانی سے مل جاتی ہیں۔ مہیش چند نے صندوق اور کوٹھری کے ویسے ہی تالے بند کر دئے، چابیوں کا گچھا وہیں پڑا رہنے دیا لالٹین کی روشنی دھیمی کی اور سو رہا۔ اس وقت مینہ کافی زور سے برس رہا تھا کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، بجلی کڑک رہی تھی۔ اُسے اپنے کام میں کوئی دشواری نہ ہوئی صبح اٹھ کر ضروریات سے فارغ ہو کر مہیش چند نے ناشتہ کیا اور نم آلودہ آنکھوں کے ساتھ بہن اور بہنوئی سے رخصت ہوا۔

مہیش چند کو گئے ہوئے دو تین روز ہو گئے، اتوار کا دن آیا۔ اس روز صبح ہی کمدنی نے اپنا ٹرنک کھولا تاکہ اپنے تمام زیوروں کی پوٹلی گورو داس کے حوالے کرے لیکن اس نے زیور کی صندوقچی پر نظر ڈالی تو اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ دھڑام سے زمین پر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ گورو داس نیچے بیٹھک میں بیٹھے ہوئے اخبار پڑھ رہے تھے۔ وہ ایک دم دوڑ کر اوپر گئے انہوں نے دیکھا کہ صندوق کھلا پڑا ہے اور کمدنی اس کے سامنے زمین پر بے ہوش پڑی ہے پہلے انہیں خیال ہوا کہ شاید کسی سانپ یا زہریلے جانور نے کاٹ لیا ہو لیکن زیور کی صندوقچی پر نظر پڑتے ہی تمام ماجرا ان کی سمجھ میں آگیا۔ انہوں نے کمدنی کو اٹھا کر پلنگ پر لٹا دیا اور ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ کمدنی ہوش میں آگئی۔ لیکن پھر یہ کہہ کر "ہائے وہ میرا سب زیور لے گیا" وہ پھر بے ہوش ہو گئی۔ گورو داس کی یہ کوشش کرنے پر کمدنی کو کچھ ہوش آیا۔ گورو داس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کمدنی تم اتنی سمجھدار ہو کر نادان بن رہی ہو زیور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو پھر نہ بن سکے۔ اس کے لئے جان تو نہیں کھوئی جا سکتی۔ ہم کوشش کریں گے شاید سب چیزیں مل جائیں بھگوان کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ پاپی کو سزا ضرور ملے گی۔ میرا خیال ہے کہ پولیس میں رپورٹ کرنے سے کہیں تمام بات ہی نہ بگڑ جائے میں سمجھتا ہوں کہ خدا کا دیا ہوں جہاں کہیں بھی مہیش چند ہوگا پتہ لگنے پر مال اس سے برآمد کر لیں گے کئی روز کے انتظار کے بعد پتہ چلا کہ مہیش چند نہایت اوباش اور آوارہ ہے۔"

گورو داس نے پولیس میں رپورٹ درج کرانے کا ارادہ کیا لیکن بعد میں یہ خیال کر کے کہ جب تک کوئی خاص اثر و رسوخ نہ ہو پولیس پہلے ہی پریشان کر دیگی۔ صبح شام کی حاضری لگ جائیگی اپنا مال کھو کر خود ہی بیوقوف بنے۔ انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ پانچ سو کا نقصان کر کے معاملے کو یہیں چھوڑ کر خاموش ہو رہے۔

مہیش چند نے گھر سے روانہ ہو کر اسٹیشن کا راستہ لیا اور بمبئی کا ٹکٹ خرید کر ریل میں سوار ہو گیا۔ فرنٹیئر میل فراٹے بھرتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ مہیش چند نے متھرا میں کچھ کھانا خریدا اور کھانا کھا کر پانی پی کر ایک سیٹ پر لیٹ رہا۔ وہ اپنے سامان سے چوکنا تھا۔ ریل میں سفر کرتے کرتے سولہ گھنٹے ہو گئے۔ رات کے بارہ بجے کا وقت تھا۔ ریل کے مسافر جنہیں سونے کو جگہ مل گئی تھی وہ آرام سے پاؤں پھیلا کر سو رہے تھے۔ اور خراٹے لے رہے تھے۔ باقی اپنی اپنی جگہ بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ گوالیار جنکشن پر ایک آدمی نے گاڑی میں جھانک کر دیکھا۔ تھوڑی دیر میں شور بلند ہوا۔ "وہ ہے۔ وہ ہے پکڑو پکڑو"۔ مہیش چند کا کلیجہ دھک دھک کرنے لگا۔ گنہگار کا دل کمزور ہوتا ہے۔ چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ وہ سمجھا کہ لوگ مجھے پکڑنے آ رہے ہیں۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اتنے میں ایک آدمی مہیش چند کے پاس سے اٹھ کر بھاگا۔ لیکن وہ جلدی میں ایک پوٹلی سیٹ کے نیچے پھینکتا گیا۔ مہیش چند تماشہ دیکھنے لگا۔ وہ آدمی پچھلی طرف سے کود کر فرار ہو گیا۔ پولیس اس کے پیچھے دوڑی پھری گاڑی روانہ ہو گئی۔ جب گاڑی میں سکون ہوا۔ شور و غل کم ہوا۔ اور سب مسافر پھر نیند کے قابو میں ہو کر جھومنے لگے تو مہیش چند نے سیٹ کے نیچے سے پوٹلی اٹھائی۔ اور اُسے کھول کر دیکھا۔ اس میں نہایت قیمتی زیورات تھے اس کی باچھیں کھل گئیں۔ دولت خود بخود اس کی طرف بھاگی چلی آ رہی تھی۔ دوسرے روز شام کو وہ بمبئی پہونچ گیا۔ اور اس نے مارواڑی دھرمشالہ میں قیام کیا۔ چوری میں چوری کے مال کو پاس رکھنا بڑا خطرناک ہے۔ اس لئے اس نے زیور کو ٹھکانے لگانے کا ارادہ کیا۔ پہلے اس نے ریل والے زیور کو تو رہنے دیا اور صرف بازار کی راہ لی۔ صراف سستا مال لینے کے لئے منہ کھولے بیٹھے رہتے ہیں۔ اُسے پندرہ روپیہ فی تولہ کے دام

(باقی صفحہ ۳۰ پر)



افسانہ گر ما

(رباعیوں میں)

از حضرت سیماب اکبر آبادی

خاص تیج ویکلی کے افسانہ ایڈیشن کے لئے

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

(۴) [illegible]

(۵) [illegible]

(۶) [illegible]

(۷) [illegible]

(۸) [illegible]

(۹) [illegible]

(۱۰) [illegible]

(۱۱) [illegible]

(۱۲) [illegible]

(۱۳) [illegible]

(۱۴) [illegible]

(۱۵) [illegible]

(۱۶) [illegible]

چند گھنٹے ایک پیر کے ساتھ

(از حضرت خبیر بہوروی ایڈیٹر جیون گورکھپور)

خاص تیج ویکلی کے لئے

ایک منظوم سچا افسانہ

چھیتوں میں رہا تھا اک دفعہ کا ذکر ہے
لکھنؤ سے ہوئے ایک پیر صاحب ہم سفر

سر پہ دستار تقدس، گنبد و وقار
پاؤں میں "کفش سلیمی" کا مدار و زرنگار

ہاتھ میں تسبیح تھی، ہونٹوں پہ آنکھوں میں سرور
سانس میں نخوت نظر میں عجب باتوں میں غرور

جیسے "بزم شہرت" کو جانے کے لئے
اور اک دنیا مریدوں کی بسانے کے لئے

ساتھ تھا اک شہر حسن خدا داد و امن
ہر نظر نشتر تھی دیں کی، ہر ادا توبہ شکن

تذکرہ باتوں ہی باتوں میں تصرف کا چھڑا
جب حریم قدس تک پہنچے تو میں نے یہ کہا

اے مریدوں کے پیمبر! تاجدار خانقاہ!
حامل اسرار عالم! واقف سر اِلٰہ!

اے گنہگاروں کی جنت کے خدائے مستند
اے حریف کفر و عصیاں دشمن بغض و حسد

اے طریقت کے علمبردار، اے جنت فروش
اے مجسم راز خضر راہ و پیر خرقہ پوش

اے علوم باطنی کی کشتیوں کے ناخدا
اے شہود شاہد و مشہود کے رمز آشنا

صاحب کشف و کرامت، قائد ملک بقا!
اے امین راز فطرت! اے حقیقت آشنا

تیری نظروں میں ہیں جلوے دو جہاں کے بے نقاب
تو بنا سکتا ہے کانٹے کو بھی اک رنگیں گلاب

تیری نظروں کا تقاضا سجدۂ تعظیم ہے
تو سمجھتا ہے کہ تو ہی "واجب التکریم" ہے

میں نے جو کچھ بھی کہا ہے ملک کی آواز ہے
آہ! کیوں عقل رسا نہ محو خواب ناز ہے

تیرا ظاہر ہے عیاں اور تیرا باطن راز ہے
مجھ سے سن لے اب جو میرے قلب کی آواز ہے

"خلوت رنگیں" کا جب بنتا ہے تو پروردگار
اور گلوں سے کھیلتی ہے جب ترے دل کی بہار

"بانجھ عورتوں" کو پلا کر ساغر امید و یاس
تو بجھا دیتا ہے خلوت میں دل مضطر کی پیاس

مجلسوں میں وہ ترا پُر کیف حال بے قرار
تو سمجھتا ہے جسے صہبائے عرفاں کا خمار

تیرا تقوی بھی نیا، تیری شریعت بھی نئی
تیرا مذہب بھی نیا، اور تیری ملت بھی نئی

قہر ہے ہستی تیری اے ڈاکوؤں کے پیشوا
تیرے دم سے آج برگشتہ ہے عالم کی فضا

دین و ایماں کے لٹیرے مفسد و خانہ بدوش
تو ہے رہزن حسن کا اور مذہب و ملت فروش

پیر صاحب نے سنی جب گفتگوئے انتخاب
آتش الزام سے بس ہو گئے جل کر کباب

سرخ چہرہ بڑھ گیا اور آگیا ان کو جلال
جھاگ منھ میں بھر کے بولے اے شریر و بد خصال

تو ہے کافر اور تجھ سے گفتگو بھی ہے حرام
میں نے بھی ہنس کر کہا ہر لفظ پر ان کو سلام

گیدڑوں کی براڈکاسٹنگ

(از جناب احسن عثمانی جرنلسٹ)

(خاص تیج ویکلی کے افسانہ ایڈیشن کیلئے)

ٹھیک ۔۔ بجے رات کو جب شہر والے اپنے اپنے بنگلوں اور کوٹھیوں پر یا کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر ریڈیو پر شمر بالا وادی سے کسی مس بابا بابی کی ٹھمری تانیں یا کوئی ہندوستانی تقریر سنتے ہیں اور خود کو جنت نگاہ کا بھی فردوس گوش کا مالک سمجھتے ہیں اس وقت انہیں خیال بھی نہیں آتا کہ عین اسی وقت دیہاتوں میں ندی کے کنارے جنگلوں اور کہسار کی وادیوں میں بھی اسی طرح ایک براڈکاسٹنگ ہو رہی ہے اور دوسرے وقت عام طور پر کسان، گدھے گھوڑے، کتے، بلی، چرند پرند پڑے ہوتے ہیں اور فاقہ مست دیہاتی کسان سب بیک وقت اس سے مستفیض ہو رہے ہیں ایطلف یہ کہ بغیر ٹکٹ اور بغیر ریڈیو سیٹ کے وقت کی پابندی کا وہاں بھی خیال رہتا ہے۔ مرغا شام ہوتے ہی جیسے جگہ بعض کھائی کر جگالی کر رہی ہوتی ہیں۔ ایسے رات ٹھیک ... روزانہ بلاناغہ براڈکاسٹنگ ہوتی ہے شہروں کے ریڈیو اسٹیشنوں کی طرح وہاں پروگرام شائع کرنے کا دستور نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ہمیشہ ایک ہی پروگرام چلتا ہے اور روزانہ ایک ہی گانا ایک ہی تقریر اور ایک ہی الاپ پیش کی جاتی ہے۔ "ہکا ہوا، ہکا ہوا، ہوا ہوا ہوا ہکا ہو ہو ہوا ہوا ہکا" اب اس کا آپ کو اختیار ہے کہ چاہے آپ اسے ٹھمری یا دادرا سمجھیں چاہے قوالی سمجھیں اور چاہے کسی ہٹلر کی تقریر۔ یہ براڈکاسٹنگ کچھ اس قدر زوردار ہوتی ہے کہ اسے سننے کے لئے آپ کو اپنے کمرے میں ریڈیو پر کان لگا کر بیٹھنے کی قطعی ضرورت نہیں بلکہ آپ اسے وقت مقررہ پر پوری کان پھاڑ انداز میں ہر جگہ سن سکتے ہیں۔ بشرطیکہ جنگل میں ہوں۔ اُدھر براڈکاسٹنگ شروع ہوئی، اُدھر جنگل میں منگل ہو گیا سچ تو یہ ہے کہ اس کی بلند آہنگی کے سامنے نقارے، ڈھول، توپ کے گولے اور بڑی بڑی کانفرنسوں کے لاؤڈ اسپیکر بھی مات ہیں۔

آئیے ذرا جنگل میں چلنا ہے کسی چوپال میں چلکے بیٹھیں، تمباکو پینے کی عادت ہو تو پاسنگ شو کی ایک ڈبیہ رکھ لیجئے ورنہ چودھری کا حقہ تو کہیں گیا نہیں ——

رات کے ۸ بجے ہیں چوپال میں کسانوں کی "حقہ کانفرنس" ہو رہی ہے۔ بیچارے اپنے بیل کھونٹوں پر بندھے جگالی کر رہے ہیں چوکیدار نے ابھی ابھی اپنا ڈنڈا ٹیکا ہے ... ہاں ہاں

ذرا خاموش وہ وہی آواز —— ہوہو ہو ہوا ...

"ہکا" سنتے رہیے ابھی مطلع عرض ہو رہا ہے دوسرے شعر کی تان اس سے زیادہ زوردار ہوگی تختی دختی کرنے کی ضرورت نہیں سنتے جائیے —— ہوا ہوا ہوا ہکا ہکا ہوا ہوہ ہوہ ہوہ ہوا ہکا ہوا ہکا"

اب براڈکاسٹنگ پورے زوروں سے شروع ہو گئی آواز نے جنگل سر پر اٹھا رکھا ہے آپ یہ پتہ نہ چلا سکیں گے کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ شور مچانا تو خیر گیدڑوں کی فطرت ہے ایسے میں گیدڑ کا ڈنڈا روک سکتا ہے نہ گورنمنٹ آف انڈیا کا حکم زباں بندی یہاں یہ اپنے مخصوص فن معاش یعنی خربوزہ اور تربوز کی چوری میں بڑے مشاق ہوتے ہیں پہلے یہ شور مچا کر کھیت کے مالک کو جنگ کا الٹی میٹم دیتے ہیں یہ ان کی بہادری کی نشانی ہے اس کے بعد کھیت کی طرف جارحانہ پیش قدمی شروع ہوتی ہے۔ مگر اس پیش قدمی کی تمام خصوصیات کارنامہ ہوتی ہیں ... کی نشانی ہے جب خربوزستان اور تربوزستان کی طرف ان کی جارحانہ پیش قدمی شروع ہوتی ہے اس وقت یہ اپنی الاپ قطعی بند کر دیتے اور خود ہی طریق پر خاموش دھاوا بولتے ہیں یعنی براڈکاسٹنگ کے بعد جب یک بیک خاموشی ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ ان کی فوج نے اب کھیتوں کی سمت حرکت شروع کر دی ہے اس وقت چوپال والا اپنا ڈنڈا سنبھالتا ہے اور گیدڑوں کی پہلی براڈکاسٹنگ کے جواب میں اپنا دفاعی بیان پیش کرتا ہوا کھیت کی جانب ڈنڈا لے کے بڑھتا ہے اس کا اثر بس صرف سننے سے تعلق رکھتا ہے کاغذ پر نہیں لکھا جا سکتا۔ گیدڑ اس قدر حیرت انگیز سرعت کے ساتھ اپنا کام کرتے ہیں کہ جب تک کھیت والے کا ڈنڈا ان کا خیر مقدم کرے وہ کہیں کے کہیں ہو جاتے ہیں۔ اور آسودہ ہو کر دوبارہ "براڈکاسٹنگ" شروع کر دیتے ہیں۔ یہ پہلے سے زیادہ بلند آہنگ ہوتی ہے اول تو اس لئے کہ الحمد للہ پیٹ آسودہ ہو جاتا ہے اور پھر اس لئے کہ ان کی دوسری براڈکاسٹنگ جیسے فتح کی خوشی پر ہپ ہپ ہرے کہا جاتا ہے جیسے دشمن پر ناتواں فتح ہو جانے کے بعد ... ان کی "چوری" پہلے ہی سے اطلاع دے دینے کے بعد بھی کچھ اس قدر پر اسرار طریقہ پر عمل میں آتی ہے کہ بے ساختہ یہ کہنے کو جی چاہتا ہے۔

رموز دزدی نہ بیند گیدڑاں داند

پیٹ بھر جانے کے بعد جب گیدڑوں کی دوسری براڈکاسٹنگ شروع ہوتی ہے تو اس میں نظم و ضبط زیادہ ہوتا ہے جہاں تک ہمارا مشاہدہ اور سامعہ ہے اس براڈکاسٹنگ کا پروگرام ان کی کانفرنس کی کارروائی ہوتی ہے۔ پہلے ذرا نرم آواز میں جو صرف "ہوا ہوا ہوا" پر مشتمل ہوتی ہے غالباً تحریک صدارت پیش کی جاتی ہے یہ تحریک "مادہ" کی طرف سے پیش ہوتی ہے بات یہ ہے کہ گیدڑوں کی کانفرنس مخلوط ہوتی ہے اور اس کی "براڈکاسٹنگ" میں گیدڑ اور گیدڑیاں مساوی حیثیت میں شریک ہوتے ہیں بہرحال تحریک صدارت کے بعد سب سے بڑا گیدڑ بحیثیت "پریسیڈنٹ" اپنا خطبہ صدارت براڈکاسٹ کرتا ہے اس کی آواز سب سے زیادہ کان پھاڑ ہوتی ہے اور تقریباً پانچ منٹ تک جاری رہتی (باقی صفحہ ۴۳ پر)

افسانہ

میراث!

(از جناب [illegible])

خاص تیج ویکلی کے افسانہ ایڈیشن کیلئے

(۱)

ریاض نہایت خوش حال و ذی حیثیت زمیندار تھا چھوٹے چھوٹے قطعات زمین کے علاوہ ایک پورا موضع اس کی زمینداری میں تھا قرب و جوار میں اثر و اقتدار کے لحاظ سے صرف وہی ایک آدمی تھا جس کو ہر طبقہ اور ہر مذہب و ملت کے افراد میں یکساں عزت اور ہر دلعزیزی حاصل تھی لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ اس نے اپنے اثر و رسوخ سے کبھی کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا۔

دولت و حشمت کی فراوانی میں قدرت نے اسے اولاد کی نعمت سے بھی محروم نہ کیا تھا۔ وہ دو تین بیٹوں کا باپ تھا۔ بڑا لڑکا قمر دہلی میں ایک بڑی دوکان پر تجارت کا عملی تجربہ حاصل کر رہا تھا ہندوستانی ذہنیت اور رسم و رواج کے ماتحت قمر کو ایک متمول باپ کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے آزادی اور لہو و لعب میں مصروف رہنا چاہیئے تھا لیکن ریاض اور قمر دونوں کی خوش نصیبی تھی کہ وہ اس کے خلاف تھے، ریاض منتظم، دوراندیش اور سنجیدہ انسان تھا وہ دولت اور حکومت پر زیادہ اعتماد نہ رکھتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ یہ سب عارضی اور غیر مستقل چیزیں ہیں۔ اور کبھی ایک دو پشت سے زیادہ آدمی کو ان کی حمایت میسر نہیں ہوتی اس لئے ہر عاقل و دولتمند کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو کم سے کم کسی ایسے کام میں مہارت پیدا کرا دے کہ روپیہ اور امارت اگر خاندان میں باقی نہ رہے تو اطمینان و سکون کے ساتھ دنیا کے کسی گوشہ میں اسے پیٹ بھرنے کو روٹی اور ستر پوشی کو کپڑا نصیب ہو جایا کرے، صرف اتنی سی سہولت، عیش و عشرت کی اس ناپائدار زندگی سے بدرجہا بہتر ہے جو باپ کے مرنے پر جائداد کا وارث ہونے کے بعد ایک شخص کو محض چند دن کے لئے حاصل ہو جاتی ہے اور جب تمام سرمایہ شباب کی ولولہ انگیز تمناؤں پر نثار ہو جاتا ہے تو دنیا کاسہ گدائی اور ذلت و نامرادی کے علاوہ کوئی ہدیہ اسے پیش نہیں کر سکتی۔

یہی وجہ تھی کہ قمر کی تجارتی تعلیم پر ریاض کافی روپیہ صرف کر چکا تھا۔ اس کے اکثر احباب جن میں تعلیم یافتہ لوگ بھی شامل تھے اس طریق عمل کے سخت خلاف تھے اور ہمیشہ معترض رہتے تھے کہ تم نے بچے کی عمر برباد کر دی، اس میں شک نہیں کہ تجارت اچھی چیز ہے مگر اس بے اصول طریقہ پر اس کو بحیثیت ایک فن کے سیکھ لینا بہت دشوار ہے بفرض محال اگر عملی تجربات کی تکمیل بھی ہو جائے تو بیکار ہے، کیونکہ جب تک کسی فن کے اصول اور مبادیات پر عبور نہ ہو محض تجربہ کی دست کام نہیں آ سکتی، تجارت کی باقاعدہ تعلیم کے لئے ضروری ہے کہ قمر کو یورپ کے کسی اچھی درسگاہ میں بھیجا جائے، ریاض اس تمام گفتگو کا جواب ایک ہلکی سی مسکراہٹ سے دیا کرتا تھا۔ ممکن ہے اس کے تبسم میں خودداری، ہٹ دھرمی یا تاریک خیالی کا کوئی شائبہ بھی موجود ہوتا ہو مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہی چیز اس کے عزم، استقلال اور دور بینی پر بھی دلالت کرتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ قمر کو یورپ کے کسی بازار میں دوکان لگانا نہیں ہے، وہ ہندوستان ہی کے کسی شہر میں تجارت کریگا اور اس کے لئے صرف محنت، دیانت، جفاکشی اور کفایت شعاری کے ساتھ ایسا ماحول درکار ہے جو اس کے ذہن و دماغ میں تجارت کا شوق اور اس کام سے مناسبت پیدا کر دے یورپ کی تعلیم سے یہ تو ممکن ہے کہ وہ تجارت کے "پروفیسر" کی ڈگری حاصل کر لے لیکن ایسی تعلیم کے بعد کسی سے یہ امید رکھنا کہ ہندوستان کے بازاروں کی ضروریات کو اچھی طرح سمجھ سکے گا اور اس غریب ملک کے مفلس افراد کے دل و دماغ کی صدائے طلب کو تسکین دیا کریگا بالکل بعید از قیاس ہے، ان باتوں کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ آدمی کو جس ملک میں کوئی کام کرنا ہے پہلے وہاں کی تمدنی خصوصیات اور معاشرتی باریکیوں سے آگاہی حاصل کرنی چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے کہ وہ کس معیار، کس شکل و صورت اور کس قیمت کی اشیاء کو زیادہ پسند کرتے ہیں، اس مقصد کے لئے وہی طرز عمل مناسب ہو سکتا ہے۔ جو اختیار کیا گیا ہے۔

دو تین سال کے بعد ریاض نے اپنا تھوڑا سا سرمایہ بھی جواہرات کی اُس دوکان میں لگا دیا جہاں قمر اپنی طالب علمی کے دن گزار رہا تھا۔ لیکن قمر کو اس کا بالکل علم نہ تھا۔

اس دوکان پر جواہرات، جڑاؤ زیورات اور موتیوں وغیرہ کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی، چنانچہ قمر نے لعل و جواہر کی شناخت، نگینہ سازی، موتی چمکانے اور صاف کرنے کا کام سیکھا۔ قیمتی دھاتوں کو پہچاننے میں مہارت پیدا کی۔ اس کے بعد کاریگروں کی نگرانی اور روپے کی وصولی بھی اس کے فرائض میں داخل ہو گئی۔ آخر میں کھاتہ کا لکھنا، آمد و خرچ کی تنقیح، اور مختلف خریداروں سے گفتگو، اور سلسلے مکانات پر جانا، اُن سے فرمائشیں حاصل کرنے کا کام بھی اس کے سپرد ہو گیا۔ قمر کا ماحول بالکل تجارتی تھا۔ لیکن اس پر بھی کلام نہیں کہ اس کا دماغ محض اسی لئے تخلیق کیا گیا تھا۔ اس نے حیرت انگیز طریقہ پر ان امور میں ایسا وقوف پیدا کر لیا کہ دوسرے آدمی کو طویل تجربات کے بعد بھی نصیب نہ ہو سکتا تھا۔ بالخصوص کاریگروں سے کام لینے، فرمائش حاصل کرنے، نگینے درست کرنے اور جڑنے نیز موتیوں پر آب رکھنے میں وہ ایسا ماہر ہو گیا کہ بلاشبہ بازار میں اس کی مثال نہ مل سکتی تھی،



(۲)

ریاض کو شکار کا بہت شوق تھا۔ اس کی آمدنی کا غالب حصہ اس شوق کی تکمیل میں صرف ہو جایا کرتا تھا عمدہ بندوقوں کی خریداری، کارتوسوں کی بہم رسانی اور دور دراز مقامات پر شکار کی تلاش میں جانا پھر کئی کئی ہفتہ تک احباب کیساتھ وہاں قیام کرنا ایسا کام نہ تھا جس سے کافی خرچ کئے بغیر ریاض عہدہ برآ ہو سکتا۔

ایک مرتبہ ریاض کے چند مخلص دوستوں نے تیتر کے شکار کا اشتیاق ظاہر کیا چنانچہ ریاض کجلی بن کے ایک خطرناک مقام پر انہیں لے گیا جہاں کا اجازت نامہ بڑی مشکل سے حاصل کیا گیا تھا۔ دو تین روز کی مسلسل کوشش اور متواتر تگ و دو کے بعد اس مہم میں شاندار کامیابی ہوئی اور دو تین شیر شکار کر لئے گئے۔

جنگل میں ایک سرسبز اور پرفضا مقام پر خیمے لگے ہوئے تھے اور چند پہاڑی آدمی خیموں کی حفاظت پر مامور تھے جو دن کو شکار کھلاتے تھے اور رات کو نگہبانی کرتے تھے،

رات کے تقریباً دس بجے تھے ریاض پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ ایک پہاڑی نے جو شراب کے نشہ میں بد مست تھا اسے گالیاں دینی شروع کر دیں، ریاض نے لیٹے لیٹے تنبیہہ کی اور ملازم کو اشارہ کیا اس نے اٹھ کر دو تین مکے رسید کر دئے، اگرچہ پہاڑی کے پیر لڑکھڑا رہے تھے مگر اس ذلت کو وہ گوارا نہ کر سکا اور جیب سے چھری نکال کر ریاض کے ملازم پر حملہ آور ہوا۔ یہ دیکھ کر ریاض کو تاب نہ رہی وہ طیش میں آ کر اٹھا اور پہاڑی کا وہ ہاتھ پکڑ لیا جس میں چھری تھی پھر دو چار لاتیں مار کر چھوڑ دیا۔ پہاڑی بھی سخت کینہ جو تھا وہ گر کر سنبھلا اور چھری تان کر ریاض کا رُخ کیا۔ اب کی مرتبہ اس تیزی سے اس نے حملہ کیا کہ ریاض باوجود کافی طاقتور ہونے کے اس کے ہاتھ سے مجروح ہو گیا اب تک اس واقعہ میں کوئی خاص اہمیت نہ تھی اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ پڑے تماشہ دیکھ رہے تھے مگر ریاض کے زخمی ہونے پر جب اس کی سفید قمیص کی آستین پر خون کے دھبے نمایاں ہوئے تو معاملہ کی اہمیت اور نزاکت محسوس ہوئی۔ اور ایک دم بہت سے آدمی ریاض کی امداد کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ ریاض نے پہاڑی کو دبا لیا تھا تاہم وہ اُسے معذور سمجھ رہا تھا اور زیادہ تنگ کرنا نہ چاہتا تھا چنانچہ اس خیال سے کہ تازہ کمک سے پہاڑی کی جان کو کسی قسم کا خطرہ نہ پیش آئے اس نے اُسے چھوڑ دیا وہ چھوٹتے ہی پھر اُٹھا اور ریاض کی طرف بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ اُس کے ملازم نے آقا کی خیر خواہی میں بندوق کا فیر کر دیا۔ گولی نے اپنا کام کیا۔ اور سینہ توڑ کر پشت کی طرف سے نکل گئی پہاڑی تھوڑی دیر تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا؛

ریاض کا ملازم جو قتل کا مرتکب ہوا تھا اس کا قدیم نمک خوار اور جاں نثار تھا۔ اکثر موقعوں پر اس کے لئے جان پر کھیل چکا تھا۔ دل کا بھی مضبوط اور جری تھا۔ تاہم خون کا معاملہ بہت سخت ہوتا ہے ایک جوان اور مضبوط انسان کو خاک و خون میں لوٹتا دیکھ کر اس کے حواس پراگندہ ہو گئے، آنکھوں سے وحشت اور دیوانگی ٹپکنے لگی۔ ریاض نے اس کو دلاسا دیا سمجھایا، تسلی دی کہ میں موجود ہوں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں تم نے جو کچھ کیا نیک نیتی اور بہادری سے محض میری حفاظت کے لئے کیا اگرچہ اس موقعہ پر تمہاری نیک نیتی اور بہادری، جہالت و بزدلی کی تصویر بن گئی تھی اور [illegible] کا بھوت تمہارے سر پر سوار ہو گیا تھا مگر میری نگاہ ان

باقی اگلے صفحہ پر

پچھلے صفحہ سے

کوتاہیوں پر نہیں ہے۔ بلکہ پہلے دل میں ہمدردی پیدا کرنے کے کافی جذبات ہیں، اور آخر وقت تک میں تنہا سے لئے قانونی چارہ جوئی سے دریغ نہ کروں گا لیکن اس گفتگو سے ملازم کی وہ اذیت رفع نہ ہوئی جو اس فعل کے بعد قدرتی طور پر مجرم کی روح کو مضطرب اور بے چین کرتی ہے اور بالآخر ملک کا سپاہی ملک کی آنکھوں کے سامنے آنے لگتا ہے۔

آخر ریاض نے ہمدردی کے جوش اور ایثار و خلوص کی گرمی میں اعلان کر دیا کہ وہ مطمئن ہو قاتل میں ہوں۔ بندوق میں نے چلائی ہے جس سے میرا ہی ہاتھ اس سے مجروح ہوا تھا اور حفاظت خود اختیاری کے قانونی حق کو استعمال کرنے کا مجھے اختیار تھا۔ پھر بندوق بھی میری ہی تھی ملازم کو اس کے چلانے کا اختیار نہ تھا۔ اس لئے بہ نسبت قانونی کارروائی میں زیادہ سہولت ہوگی۔ اس قرارداد سے ریاض کے تمام احباب نے اختلاف کیا۔ یہاں تک یہ طے ہوا کہ ریاض کا ماموں زاد بھائی حبیب جرم کا اقرار کرے گا اور اس دلیری کا اقدام کرتے ہوئے اس کے قلب کی گہرائیوں میں پناہ لینے لگا تھا یہ حالت دیکھ کر ریاض نے کہا۔ حبیب اس کا اہل نہیں ہے ورنہ معاملہ خراب ہو جائے گا۔ ریاض نے فوراً تھانہ میں اس واقعہ کی تحریری اطلاع بھیج دی اور اپنے تحفظ کا بھی قانونی بندوبست کر لیا۔

(۳)

قتل کا مقدمہ ریاض کے خلاف قائم ہوا اور عدالت تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگی کیونکہ ریاض نے اقرار جرم کر لیا تھا اور آخر تک وہ اپنے اس اقرار پر قائم رہا۔ اس کے احباب نے ضمانت کا پہلے سے انتظام کر رکھا تھا۔ ابتدائی عدالت میں پیروی کا اس نے کوئی خاص انتظام نہیں کیا البتہ بالائی عدالت میں نہایت قابل تجربہ کار وکیل مقرر کئے جن کی نکتہ رسی و موشگافیوں نے معاملہ کی نوعیت بدل دی اور صفائی کا ایسا رخ سامنے کر دیا جو اب تک محروم التفات رہا تھا۔

ڈیڑھ دو سال کے بعد ریاض کو حفاظت خود اختیاری کا فائدہ دے کر چھوڑ دیا گیا مگر اس کی جائداد سب ٹھکانے لگ گئی مقدمہ میں فروخت ہو گئیں، گاؤں شیخ محسن کے یہاں پچاس ہزار میں رہن کر دیا گیا جس کی ایک خاص میعاد مقرر ہو گئی اب ریاض کے پاس صرف وہی سرمایہ رہ گیا جو دکان میں لگا ہوا تھا، جس کی مجموعی تعداد دس گیارہ ہزار سے زیادہ نہ تھی اب ریاض اور زکی کے مصارف کا بار اسی رقم پر پڑنے لگا ان کے شریک کار نے مصلحت اندیشی کے پیش نظر اپنا کاروبار الگ کر لیا۔ اور حساب کر کے زکی کا روپیہ حوالے کر دیا۔

اول تو زکی بھی جفاکش اور دیانت دار تھا اس حادثہ کے بعد جب اس کے شانوں پر ذمہ داری کا بوجھ پڑا تو ان اوصاف میں مزید اضافہ پیدا ہو گیا۔ حال اور مستقبل کے مہیب تصور نے اس کی عقل کو مشتعل اور بیدار کر دیا۔

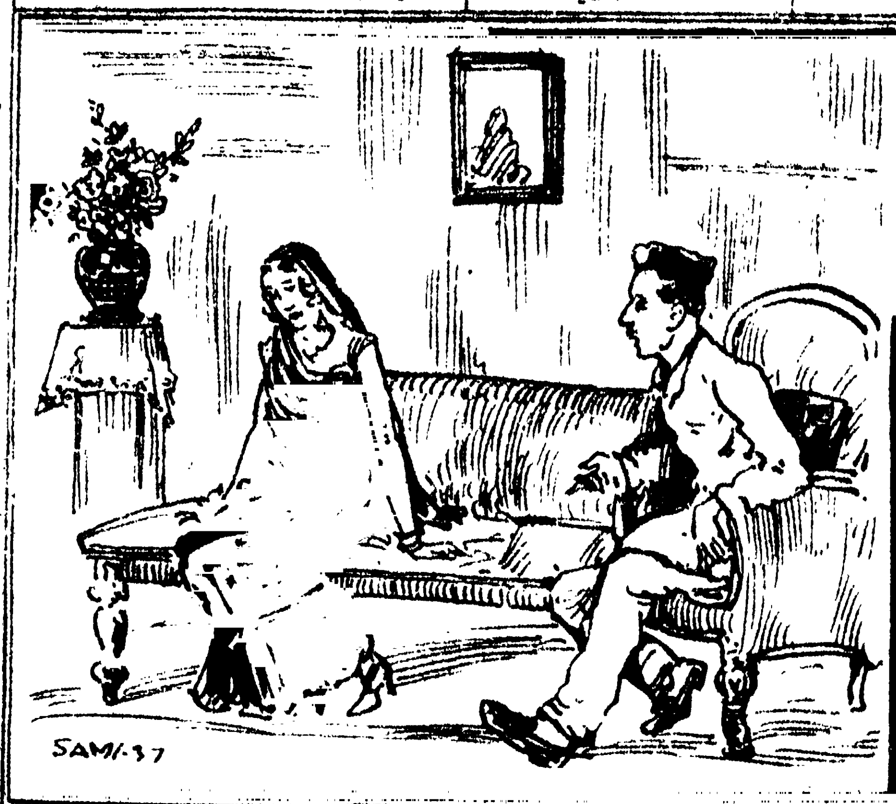
زکی نے دہلی ہی میں جواہرات اور سونے چاندی کے جڑاؤ زیورات کی ایک چھوٹی سی دکان کھول دی۔ ریاض نے بہت کہا کہ دہلی ایسے شہر میں اس بے مائیگی اور بے سرو سامانی میں تم کیا کر سکو گے کہیں وہ ملکہ قسمت آزمائی کرو تو ممکن ہے کامیابی ہو جائے یہاں لاکھوں روپے کی دکانوں کا تم اپنی ننھی سی دکان سے کیا مقابلہ کرو گے۔ وہ آفتاب کی روشنی میں چراغ جلانے کی حماقت کہاں تک کامیاب ہو سکے گی۔ لیکن زکی کہتا تھا کہ جس مقام پر آدمی کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچ سکتا ہے وہیں بڑے سے بڑے فائدے کی بھی امید کی جا سکتی ہے۔ دریا کی طوفان انگیز موجوں سے سلامتی کے ساتھ گزر جانے ہی میں مستقبل کی کامرانیاں پوشیدہ ہیں۔ ڈگمگاتے پانی میں خطرات کو پس پشت ڈالکر غوطہ لگانے ہی سے کامیابی کا موتی ہاتھ آ سکتا ہے۔

اس نے باپ سے کہا کہ میں نے چار پانچ سال کی طویل مدت میں جواہرات کے بازار کا جو تجربہ کیا ہے اس کا فیصلہ یہی ہے کہ میں ایک بیش بہا بازار میں اپنی محنت کا سودا کروں۔ اور اسی جگہ اپنی بے برگ و نوائی کو [illegible] جہاں میرے حریف ہزاروں کے ساز و سامان سے مرصع ہو کر بھی ناکام ہو جانے کی [illegible] عمل میں لائیں گے۔

(۴)

ریاض کا گاؤں آٹھ سال کے لئے شیخ محسن کے پاس رہن تھا ریاض جب پچاس ہزار کے نوٹ لیکر محسن کے یہاں گیا اور گاؤں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو انھوں نے دستاویز دیکھ کر بتایا کہ رہن کی میعاد گزرے دو مہینے ہو گئے۔ میں اپنے وکیل کو کاغذات دے چکا ہوں غالباً اسی ہفتہ میں وہ اس مقدمہ کو عدالت میں پیش کر دیں گے۔ ایسی صورت میں مجھے مجبور کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی غفلت اور بے پروائی کا نتیجہ مجھے بھگتنا چاہئے۔ اور آپ کی خلاف معاہدگی سے آپ کو تو کوئی نقصان نہ پہونچے، اور میں ایک گاؤں ہاتھ سے دے بیٹھوں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟

ریاض نے بہت کوشش کی کہ شیخ محسن کسی طرح پسیج جائیں اور وہ اس لالچ میں آ کے ایک فائدہ بخش گاؤں سے محروم نہ کریں جس پر اس کی زندگی اور اس کی آئندہ نسلوں کی فلاح و بہبود کا انحصار تھا۔ اس نے اپنی مجبوریوں کو موثر



انداز میں بیان کیا۔ اپنے مصائب کا دلدوز افسانہ سنایا لیکن شیخ محسن کے [illegible] اتفاق سے ان کے ہاتھ آ گئی تھی، ضائع نہ کر سکتے تھے چنانچہ انھوں نے نہایت خشک اور بے رحمانہ لہجہ میں جواب دیا۔ بھائی صاحب! میعاد گزر گئی آپ کو ان باتوں کا خیال نہ ہوا تھا اور احباب [illegible] پچاس ہزار کا سود کیا ہوتا ہے اور پھر انصاف سے بتلائیے کہ پچاس ہزار کی رقم ادا کرتے ہوئے آپ کو شرم آنی چاہئے! یا واپس کرتے ہوئے مجھے؟ شیخ صاحب مجھ پر اور میرے بچوں پر رحم فرمائیے اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ اپنے اور اپنے بچوں کے لئے میری اور میرے بچوں کی بھینٹ مانگتے ہیں یہ بھی کوئی انصاف ہے؟

میں سمجھتا ہوں شیخ صاحب کہ اس سے آپ کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ مگر میرے تمام دلدر دور ہو جائیں گے۔

جی ہاں، آپ کے دلدر دور کرنے کے لئے میں ایک اور بار مول لے لوں۔ مہربان! عدالت میں جائیے اور وہاں سے انصاف کی استدعا کیجئے۔

میں آپ کے دروازے کو چھوڑ کر عدالت میں نہ جاؤں گا؟

بندہ نواز اس سے کوئی فائدہ نہیں، میرے دروازے پر گاؤں تقسیم نہیں ہوتے۔ چرب زبانی سے چند پل سکتا ہے گاؤں نہیں مل سکتا۔

ریاض کو زبردست صدمہ ہوا۔ اور اس قدر مایوسی ہوئی کہ ان کا دل اس کے بوجھ کو نہ اٹھا سکا اور عدالت کو دل میں جب وہ واپس جا رہے تھے ان کے قلب کی حرکت بند ہو گئی!

زکی کو باپ کی ناگہانی موت کا بہت رنج ہوا اور اس سے زیادہ ملال ان کی اس گفتگو سے ہوا جو انھوں نے شیخ محسن کے سامنے کی تھی۔ زکی کو اتنی مہلت نہ تھی کہ مقدمہ بازی کے جنجال میں پھنستا، پھر وہ اس چیز کے حصول میں اپنا پیسہ اور وقت ضائع کرنا نہ چاہتا تھا جس نے اس کے باپ کی جان لی تھی۔ ریاض کے انتقال نے اسے اتنا [illegible] بنا دیا تھا کہ مقدمہ بازی تو بجائے خود، وہ دکان کا سنبھالنا بھی مشکل نظر آ رہا تھا۔

(۵)

زکیہ نہایت حسین، تعلیم یافتہ اور محاسن و محامد کی دولت سے مالا مال تھی ماں باپ کے مرتے ہی اس نے اپنے چار پانچ لاکھ کے تعلقہ کو اس خوبی اور ہوشمندی سے سنبھال لیا تھا کہ انتظامی نقطۂ نظر سے کوئی شخص بھی محسوس نہ کر سکتا تھا کہ انتظامات کسی تجربہ کار اور کہنہ مشق زمیندار کے ہاتھ سے نکل کر ایک لڑکی کے ہاتھ میں آ گئے ہیں۔ جو محض چوڑیاں پہننے اور مہندی لگانے کے لئے مخصوص کر دئے گئے ہیں۔ زکیہ روزانہ ایک مقررہ وقت پر کاغذات دیکھتی، اہم معاملات پر غور کرتی تھی، مقدمات کے سلسلہ میں بہترین مشورے دیتی تھی، اور بڑے آزمودہ کار منتظم کو بھی بتاتی تھی کہ اس مقدمہ کو فلاں وکیل کے سپرد کیا جائے۔ سب سے پہلے یعنی اس نے اپنے یہاں کے اس بڑے اہم اصول کو مستقل طور پر منضبط کر لیا تھا کہ ہر مقدمہ ایک ہی وکیل کو دیا جائے۔ اور اس کے لئے معقول طور پر کسی وکیل کو ملازم رکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ اس نے ضلع کے بڑے بڑے وکلا کے متعلق معلومات بہم پہنچائیں اور یہ علم حاصل کیا کہ کس قسم کے مقدمہ کو کون سا وکیل اچھی طرح لڑ سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیوانی اور فوجداری مقدمات کی پیروی کے لئے الگ الگ وکیل مقرر ہو گئے۔ اور یہ بھی ضروری نہ تھا کہ دیوانی یا فوجداری کے مقدمے ہمیشہ ایک ہی وکیل کو دئے جاتے بلکہ معاملہ کی نوعیت کے اعتبار سے فوری تبدیل بھی ہو جایا کرتے تھے، اس طریق کار سے کافی فائدے حاصل ہوئے۔

تین چار سال تک نہایت انہماک، جوش اور مصروفیت کے ساتھ زکیہ اپنے کاروبار کو سنبھالے رہی۔ اس شغل میں اس نے اپنے دل کی اس آواز پر بھی غور نہ کیا جو اکثر رات کی خاموشی میں کانوں کے پردوں کو آہستہ آہستہ متاثر کیا کرتی تھی لیکن پھر بھی وہ عورت تھی، جس کی فطرت ہے کہ زندگی کے کسی نہ کسی مرحلہ پر اس کے جذبات ہزاروں رنگینیوں، دلچسپیوں اور سرمستیوں سے قطع نظر کر کے مرد کی رفاقت طلب کرنے لگتے ہیں چنانچہ یہ مرحلہ زکیہ کو بھی پیش آیا۔ ہر چند اپنے محسوسات شباب کے مقابلہ میں وہ بہت دیر تک بہری اور گونگی بنی رہی لیکن قدرت کے بنائے ہوئے کلیات میں استثنا کی گنجائش نہیں، ایک دن آیا کہ زکیہ کو یہ فیصلہ کرنا

باقی صفحہ ۲۸ پر

شہر کے بڑے بڑے کاریگر زکی کی دکان پر آ گئے، اور نئے نئے نمونے کی خوبصورت اور بے انتہا نازک، دلکش زیورات اس کے یہاں بننے لگے۔ جو چیز اس کے یہاں خریدار کو مل جاتی تھی وہ بڑی بڑی دکانوں پر بھی دستیاب نہ ہوتی تھی۔ قیمت کے لحاظ سے بھی بازار کے مقابلہ میں ہمیشہ وہ اپنی مصنوعات کو ارزاں فروخت کرنے کا عادی تھا۔

جواہرات کو گھس کر سڈول کرنے، موتیوں پر آب رکھنے، انگوٹھیوں کو چمکانے کا فن خوب جانتا تھا اس کا ہاتھ اتنا ہلکا تھا کہ چھوٹے چھوٹے نگینے اور سخت پتھر کو وہ مولی کی طرح کاٹ لیا کرتا تھا۔ کبھی کوئی چیز بیکار نہ ہوتی تھی وہ معمولی نگینہ کو اس خوبصورتی سے چمکاتا اور ایسی موزونیت کے ساتھ نصب کرتا تھا کہ پتھر کی قدر و قیمت میں کافی اضافہ ہو جاتا تھا اسی کے ساتھ ایمان اور دیانت کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ اس نے خود بھی محنت برداشت کی اور اپنے کاریگروں سے بھی کم وقت میں زیادہ کام لیا نتیجہ یہ ہوا کہ دو سال کے اندر ہی اس کی دکان چمک گئی اور سرمایہ میں توقع سے زیادہ ترقی ہو گئی۔

تعلیمی افسانہ



امر جیوتی

(از جناب نازؔ یوسفی۔ فیروزپور چھاؤنی)

دیوالی کا دن ...... اور ۔ اور ...... سرتش کے گھر میں کتنی دن سے فاقہ ...... کتنی قابلِ رحم حالت تھی۔ اس کی کتنی زبردست خواہش تھی کہ وہ دوسروں کی طرح اپنے گھر کی تنگ و تاریک فضا کو ایک چراغ کی روشنی سے منور کرے۔ غریب کے گھر میں پیکیاں اس نے از حد محنت و مشقت سے دو آنے بچا رکھے تھے تاکہ بچوں کو کھیلیں، کھلونے لا کر دے۔ اور خستہ حال گھر میں ننھا سا دیا روشن کرے۔ مگر پرماتما کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

آج دیوالی تھی۔ لیکن سرتش اب بھی انہی چیتھڑوں میں ملبوس تھا۔ بدن کا عریاں حصہ بادلوں میں پوشیدہ چاند سے مشابہ تھا۔ اس کا سفید گستھا ہوا جسم تمام مردانہ خصوصیات کا حامل تھا۔ لیکن پیوند دار میلے کپڑوں کی یہ حالت تھی کہ جنہیں دیکھ کر سرمایہ دار اپنی نظریں کراہیت سے پھیر لیا کرتے ہیں۔ جو غریب کی ہتیا کر کے قوم و وطن کہتے ہیں۔ جن کی اصطلاح میں غریب ہونا ایک گناہِ عظیم ہے۔ جو غریب کو سطحِ ارضی پر ایک بارِ گراں سمجھتے ہیں۔

سرتش مسرت بھرے دل کے ساتھ بازار کی طرف خراماں خراماں بڑھ رہا تھا۔ تاکہ اپنی کل جمع پونجی سے دیے اور کھلونے وغیرہ خریدے۔ کتنی سہانی رات تھی۔ گھر و دستکاری کے لئے ...... چھوٹے چھوٹے دیے سر منزلہ دکانوں پر ننھے ننھے تاروں کی طرح جھلملا رہے تھے۔ جس طرف نظر اٹھاؤ۔ روشنی ہی روشنی نظر پڑتی تھی۔ تمام شہر بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ مگر سرتش کو اطمینانِ قلب کہاں حاصل! وہ دنیا کا رنگ دیکھ رہا تھا۔ اچٹتی ہوئی نظروں سے حسرت بھری نگاہوں سے اس اضطراب اور اضطراری کیفیت کے باوجود وہ اپنا سودا خریدنے کے شوق میں اس قدر محو چلا جا رہا تھا۔ گویا کوئی برقی طاقت اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ اور غریب کے لئے ایسے پڑھکر اور خوشی ہو بھی کیا سکتی تھی۔ اس کے قدم قدرتی طور پر ایک غیر معمولی رفتار سے اٹھ رہے تھے۔ وہ اپنے انتہائی شوق کو دل کی پہنائیوں میں چھپائے ہوئے ایک دوکان پر پہونچا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ یہ ایک فطرتی بات تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ابھی تھوڑی سی دیر میں اس کی معمولی کھیلوں، کھلونوں سے بھر جائیگی۔ اس کے بچے۔ غریب بچے جو ان کو نعمتِ عظمیٰ سمجھتے ہیں۔ کس قدر مسرور ہونگے۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنا کل سرمایۂ حیات ایک دولتمند دوکاندار کے ہاتھ میں دیدیے۔ اتنے میں گاہکوں کا جمگھٹ دوکان پر اس طرح ٹوٹا جیسے لوٹنے کا مقصد تھا۔ دوکاندار، بڑے پیٹ والا سنگدل دوکاندار صاف دل اور امیر گاہکوں کو نپٹانے لگا۔ غریب اور چیتھڑوں والے انسان کو کون پوچھتا ہے؟ غریب سرتش ضبط کئے خاموش کھڑا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ ان کو نپٹانے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوگا۔ جمگھٹ کچھ کم ہونے پر سرتش نے بھی مطالبہ کیا۔ دوکاندار غیظ و غضب میں یکبارگی چلا اٹھا۔

"کیوں بے! کیا سودا ......؟"

"لالہ صاحب! میں نے آپکو ابھی دو آنے کے پیسے دئے ہیں۔ اور ......" سرتش نے بھرائی ہوئی آواز میں رکتے ہوئے بصد عاجزی کہا۔

"ابے! ہم پر الزام لگاتا ہے۔ اپنی حالت دیکھ اور دو آنے کا سودا ...... بھاگ یہاں سے۔ نہیں تو ابھی پولیس کو بلاتا ہوں" دوکاندار نے انتہائی غصہ کی حالت میں ڈانٹ بتائی۔

سرتش کو سکتہ سا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دوکاندار کے ان سخت و تند الفاظ نے اس کا سب کچھ چھین لیا۔ اس کی مسرت، اطمینانِ قلب، حسرت و ارمان اور خوش آئند امیدیں سبھی کچھ چھین لیں۔ اس کے چہرے پر حزن و ملال کی بدلیاں چھا گئیں۔ وہ انتہائی غم و اندوہ میں کچھ نہ بول سکا۔ اس کی زبان پر مہرِ سکوت ثبت ہو گئی۔ اور غریب کر بھی کیا سکتا ہے۔ غریب کی تخلیق کا مقصد ہی یہی تھا

سرتش اپنے مردہ دل کو پہلو میں دبائے گھر کی جانب بصد حسرت و یاس چل پڑا۔ اس کے پاؤں کسی قدرتی طاقت کے زیرِ اثر لڑکھڑا رہے تھے۔ اس کے سازِ ہستی کا تار تار مرتعش ہو رہا تھا۔ نظروں کے سامنے حسرتوں کا خون ...... اس کا دل خون بنکر بہہ رہا تھا۔ آنکھوں سے موتیوں کی جھڑی لگ گئی۔

بہزار دقت وہ کسی نہ کسی طرح اپنے ٹوٹے پھوٹے مکان میں پہنچ ہی گیا۔ جہاں اسکی بیوی اور بچے اس کا انتظار نہایت بے چینی سے کر رہے تھے۔ وہ کتنے خوش خوش منڈلاتے پھر رہے تھے۔ کہ ان کا باپ بھی کھلونے لائیگا، کھیلیں بھی۔ اور وہ مزے لیکر کھائینگے۔ سرتش جاتے ہی زمین پر بیٹھ گیا۔ اسکی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اب بھی رو رہا تھا۔ بچے بھی اسے دیکھ کر رونے لگے۔ تربت کی غیر مکمل کا منظر پیش نظر ہو گیا۔ وہ دیوالی جو دنیا کے لئے فرحت و راحت، مسرت و انبساط اور عیش و نشاط کا پیغام لیکر آئی تھی آہ! دیوالی نے غریب سرتش کے لئے رنج و غم اور درد و کرب کا سامان مہیا کر دیا۔

دیے اب بھی جل رہے تھے۔ اور بچے مکانوں پر۔ فلک بوس عمارتوں پر ...... اسی شان سے ...... کتنا رومان انگیز منظر تھا۔ دل میں ایک گونہ امنگ سی نمودار ہوتی تھی۔ انسان کے لئے یہ نظارے بیسیوں قسم کے سامان تفریح پیدا کر دیتے ہیں۔ سرتش گھٹنوں میں سر ڈالے اب بھی خاموش بیٹھا تھا۔ اندھیرے گھر میں ...... اور ساتھ ہی بیوی بچے بھی ...... ان کے لئے نیند بھی ختم ہو چکی تھی

دوڑیو، بھاگیو ...... آگ ...... "آگ" ایک دولتمند آدمی کے گھر میں ...... شائد کسی کی سرد آہ کی سوختہ ساماں گرم آگ ...... بیکیف آتش سوزاں، کوئی تین بجے کا وقت ...... فلک بوس عمارت کو آگ لگ چکی تھی۔ رات کی چاندنی میں دیوالی نہیں بلکہ ہولی کا سماں بندھ گیا تھا۔ لوگوں میں ایک بھاگڑ سی مچ گئی۔ سرتش جو گھٹنوں میں سر ڈالے پڑا تھا۔ اس شورش سے چونک پڑا۔ اس کے جسم میں گویا ایک برقی قوت عود کر آئی۔ وہ آگ کی طرف نہایت تیز رفتاری سے بھاگا۔ مکان دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ مکان والے سب باہر آ چکے تھے۔ لیکن مالک مکان ابھی اندر ہی تھا۔ آگ کے شعلے خونخوار ناگوں کی مانند پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ ہر لمحہ تیز تر اور بلند تر ہو رہے تھے۔ سرتش کیا بگی اپنی جان سے بے پرواہ آگ میں کود پڑا۔ مالک مکان کو کاندھے پر بٹھایا۔ اور باہر کی طرف بھاگا۔ اس کا سب کچھ جل رہا تھا۔ لیکن آخر پا در ہمت مردانہ وہ پھر بھی بھاگ رہا تھا۔ اس پر رفتہ رفتہ بیہوشی طاری ہو رہی تھی۔ باہر والے اس کی جرأت و ہمت پر انگشت بدنداں تھے لیکن ساتھ ہی مغموم بھی۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ جل گیا ہوگا لیکن عین اسی وقت وہ مالک کو کاندھے پر لئے ہوئے نیم بیہوشی کی حالت میں باہر کی طرف کود پڑا۔ اس نے نیم وا آنکھوں سے دیکھا کہ مالک مکان وہی سنگدل دوکاندار تھا جس نے غریب کی حسرتوں کو جلا کر خاک کر دیا تھا۔ غریب کی آہوں نے اس کا محل سیاہ کر دیا۔

سرتش جل چکا تھا۔ اس نے آخری ہچکیاں لیتے ہوئے کچھ اس طرح کہا تھا۔ "غریب کی دیوالی ہو گئی۔ لیکن بہت سستی ......"

مارشل لا کا افسانہ



۱۹۱۹ء کے مارشل لا کے تین قیدی (بائیں طرف سے)
لالہ گردھاری لال۔ مہاشہ رتن چند (رتو) اور میاں محمد صوفی جو اس ہفتہ رہا کئے گئے ہیں

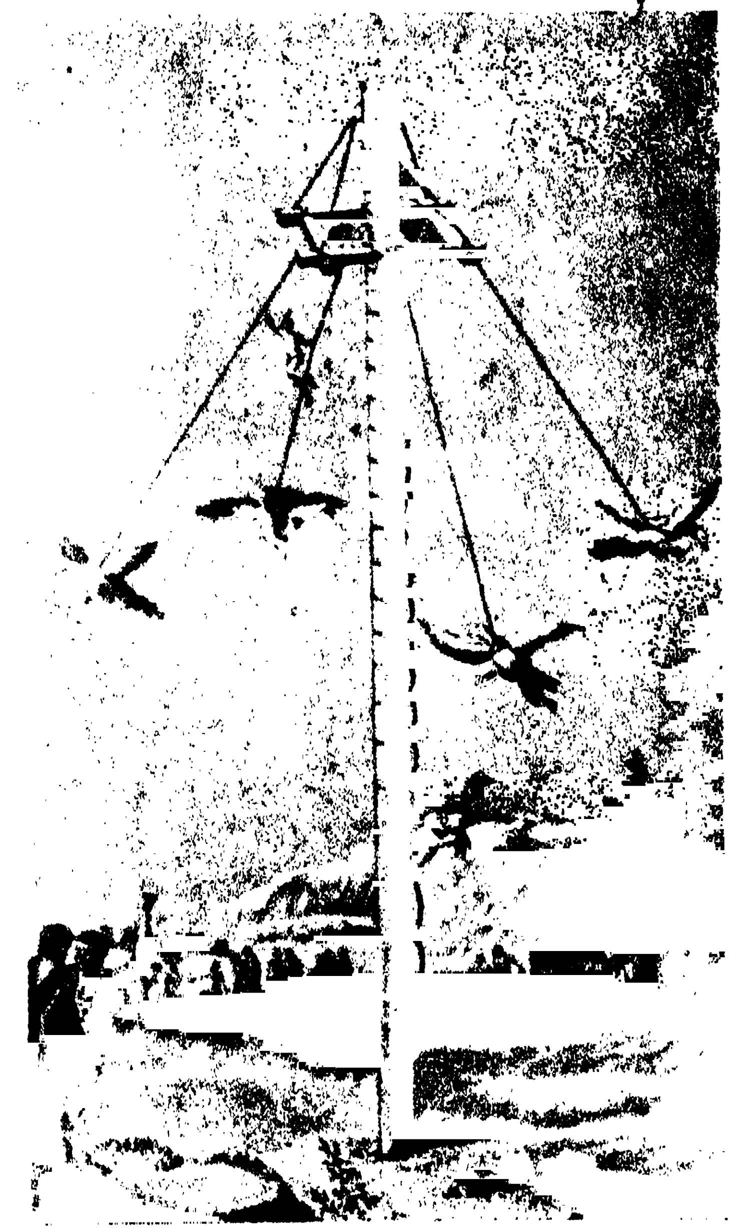


لاہور سٹی کانگریس کمیٹی کی جانب سے ایک عظیم الشان پبلک جلسہ میں مارشل لا کے تینوں قیدیوں کی رہائی کے بعد اِنکا پرجوش خیرمقدم کیا گیا اور استقبالیہ ایڈریس پیش کیا گیا

اٹھارویں صدی کی پرواز کا افسانہ





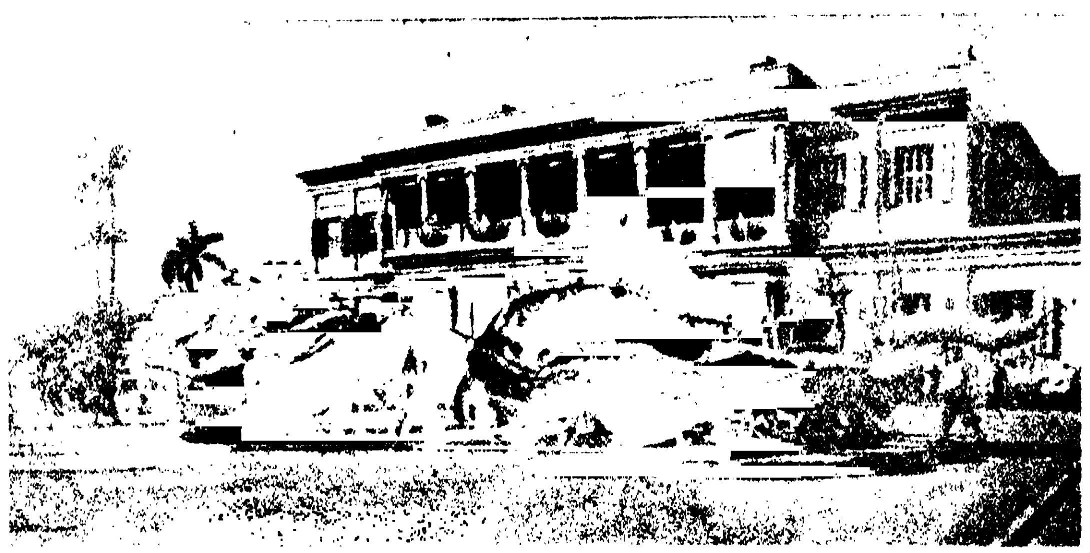


مکسیکو کے قدیم ہندوستانی باشندے بلند ستونوں کے چاروں طرف چکر لگا کر پرواز کا فطری شوق پورا کرتے تھے۔ پرواز کی یہ تین شکلیں بہت دلچسپ ہیں۔ ایک شکل میں لوگ پرندوں کی طرح ملبوس ہیں

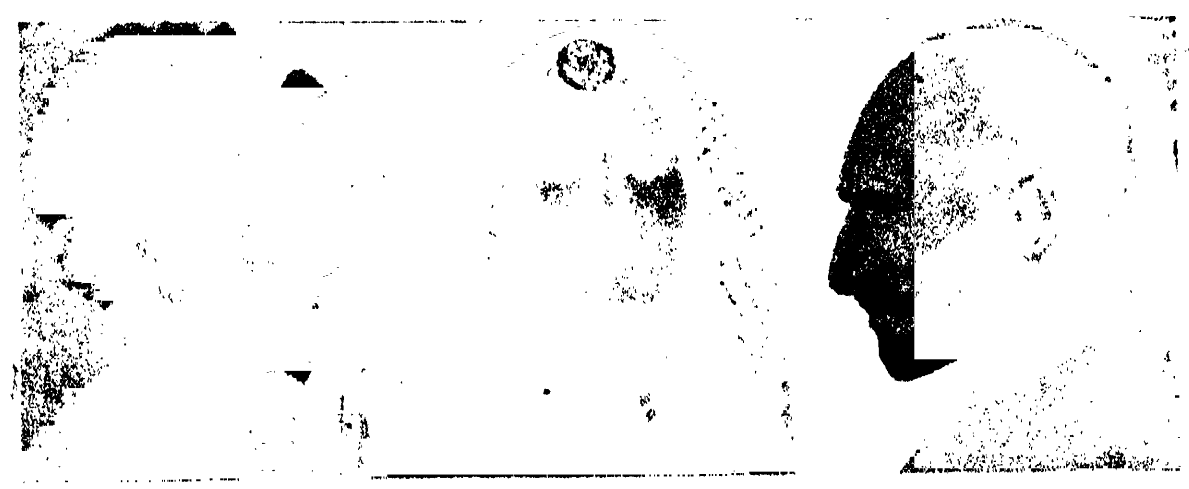
پچاس سال بعد کا انسان



جبکہ انسان اپنی غذا کی جگہ پر صرف ایک کیمیاوی گولی کھایا کریگا

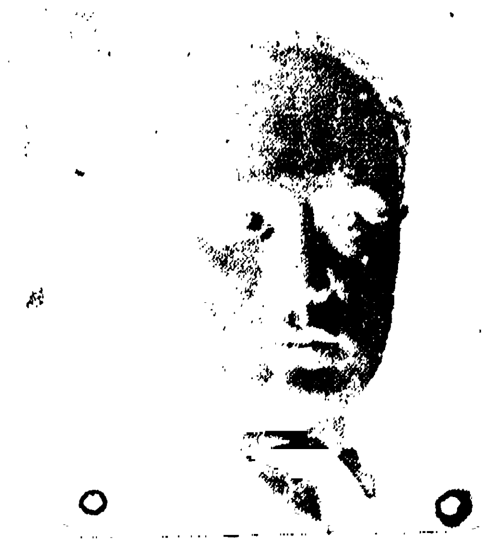


ہانگ کانگ (چین) میں رسم تاجپوشی کے موقعہ پر چاندی کا یہ بڑا اژدھا بازاروں میں گھمایا جاتا ہے



عربی نسل کے تین آدمی دائیں سے — عراقی۔ فلسطینی کا ایک پولیس مین۔ حضرموت کا ایک ساربان

سائنور مسولینی



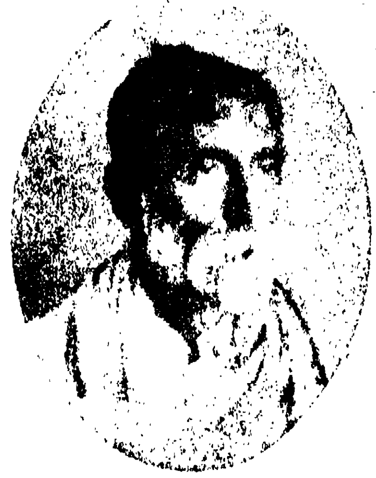
جس نے حبش کی ترقی کے لئے ایک ۵۰ سالہ سکیم تیار کی ہے



سر وزیرحسن سابق چیف جج اودھ کورٹ
کے صاحبزادے مسٹر سجادظہیر جنھیں آناؤ
میں ایک تقریر کرنے کے الزام میں مصوری
میں گرفتار کر لیا گیا ھے



ویراکروز کے قدیم توتانی هندی باشندے اپنے تیوهار
کے لباس میں



اچاریہ سر پی. سی. رائے
آپ ایک طویل عمر تک تعلیمی
خدمت انجام دینے کے بعد کلکتہ
یونیورسٹی کی پروفیسری سے
ریٹائر هوگئے هیں



الحمرا سپین کی نہایت بیش قیمت قدیم آثار جو حال میں باغیوں کی
بمباری سے تباہ هوگئے هیں

ملاپ

(سوشل افسانہ)

(خاص تیج ویکلی کے افسانہ ایڈیشن کیلئے)

(از جناب روشن پٹیالوی بی اے)

(۱)

تھوڑے ہی عرصہ میں فلمی دنیا میں مس شانتا کے نام کی دھوم مچ گئی، اس کے فلمی دنیا میں داخل ہونے سے ایک انقلاب عظیم برپا ہو گیا۔ اس سے پہلے مسلم کمپنیاں سینما کے آرٹ کا خون کر رہی تھیں و ایکٹر مصنوعی و غیر قدرتی ایکٹنگ سے اسے بدنام کر رہے تھے انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ جذبات کی ترجمانی کا کیا طریقہ ہے۔ مس شانتا نے اپنی خداداد قابلیت و قدرتی اداکاری سے فلمی دنیا کو ایک نئی شاہراہ دکھلائی انھیں بتایا کہ فطری جذبات کا اظہار کس ڈھنگ سے کیا جاتا ہے، گویا فلمی دنیا کے لئے مس شانتا کی ذات شمع راہ ثابت ہوئی۔

اس کا لحن گلوسوز ہے دلآویز ترنم میں ڈوبا ہوا سامعین کو مسحور کر دیتا تھا کہ کا لہجہ دنیا کو وجد میں لا دیتا تھا، ابروؤں کی لرزش دلوں پر تیغ ستم کا کام کرتی تھی، گردن کی جنبش دنیا کی نیند میں شورشیں پیدا کر دیتی تھی جمال حسن نگاہوں کو خیرہ کر دیتا تھا۔

اس کا نام مس شانتا کا نام پردۂ سیمیں پر آفتاب کی طرح چمکنے لگا کسی فلم میں اس کا پارٹ کرنا اس فلم کی کامیابی کی بین دلیل ہوتی تھی، فلمی رسائل اس کی تصویریں شائع کر کے سینکڑوں روپیہ پیدا کرنے لگے سینما کمپنیاں ان کھیلوں کا جس میں اس نے پارٹ کیا تھا، مظاہرہ کر کے ہزاروں کمانے لگیں۔

مس شانتا دکشا سینے ٹون میں کام کرتی تھی اس کمپنی کے کھیلوں کے اعلان کا سینما نواز اصحاب بڑی بیتابی سے انتظار کیا کرتے تھے جس وقت دکشا کے کسی نئے کھیل کا اعلان شائع ہوتا تو تمام شہر میں کھلبلی مچ جاتی۔ تماشائیوں کی تعداد اس قدر بڑھتی کہ سینما والوں کو ٹکٹ بند کرنے پڑتے، کھیل ہفتوں چلتا رہتا مگر لوگوں کی طبیعت سیر نہ ہوتی۔

"نل دمینتی" اس کمپنی کا شاہکار کھیل تھا کمپنی کو اس پر ناز تھا مس شانتا نے اس میں دمینتی کا ممتاز پارٹ ادا کیا تھا جس وقت مس شانتا دمینتی کے بھیس میں راجہ نل کے بچھڑ جانے پر جذبات فرقت و جدائی کا نقشہ کھینچتی تو فطرت انسانی و حسیات روح کی صحیح تصویر پردۂ سیمیں پر لا کھڑی کرتی، اس کا ہر لفظ اس قدر تاثیر میں ڈوبا ہوا ہوتا کہ سامعین بے اختیار رونے لگتے۔

(۲)

"کیا آج سینما دیکھنے نہ چلو گے؟" نرنجن نے مسٹر ایس کے ورما سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میرے خیال میں تو ہندوستان کی فلم کمپنیاں اس آرٹ کی محض تضحیک کر رہی ہیں، انھیں معلوم ہی نہیں کہ اس آرٹ میں کون کون سی خوبیاں پنہاں ہیں؟ مصنوعی و غیر قدرتی اشارے و کنائے، عریاں بوس و کنار و فحش غزلیات کے سوا ان میں اور ہوتا ہی کیا ہے جس نے ولایت کے ادنیٰ سے ادنیٰ سینما کا بھی کوئی کھیل دیکھا ہے، وہ یہاں کے اچھے سے اچھے فلم کو خاطر میں نہیں لا سکتا اور میں نے تو سالہا سال ولایت میں رہ کر اس انڈسٹری کے متعلق واقفیت بہم پہنچائی ہے اور بہت سے فلموں میں چھوٹے پارٹ بھی ادا کئے ہیں" مسٹر ورما نے ناصحانہ انداز میں جواب دیا۔

"میں بھی بہت حد تک آپ کے ہم خیال تھا مگر دکشا کے نل دمینتی نے میرے خیال کو باطل ثابت کر دکھایا۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہندوستان میں یہ انڈسٹری ابھی بچپن میں ہے۔ اور اسے ترقی کے منازل طے کرنے اور معراج کمال تک پہنچنے میں کافی وقت لگے گا۔ مگر مجھے تو نل دمینتی کا کھیل دیکھنے سے یہ یقین ہو گیا ہے کہ اگر سینما انڈسٹری اسی سرعت سے منزل ہائے کامیابی پر گامزن رہی اور مس شانتا جیسی ایکٹریس اگر اپنے کمال فن سے اسے تقویت بخشتی رہیں تو وہ دن دور نہیں کہ جب ہندوستانی فلمیں بھی انگلینڈ و امریکہ کی فلموں سے کسی پہلو میں کم نہ ہوں گی، یہ کھیل آپ کو ضرور دیکھنا چاہیئے، بہت ممکن ہے کہ آپ کو بھی یہ کھیل دیکھ کر اپنا خیال بدلنا پڑے۔"

"اچھا اگر آپ اس کھیل کی اس قدر تعریف کرتے ہیں تو میں چلنے کے لئے تیار ہوں مگر اس شرط پر کہ اگر کھیل پسند نہ آیا تو درمیان میں ہی اٹھ کر چلا آؤں گا۔"

"اگر اٹھ سکو گے تب ہ" نرنجن نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"دیکھئے! میرے خیال میں تو میرے لئے چند منٹ بیٹھنا بھی مشکل ہو گا۔"

"ایک دفعہ چلئے تو سہی، پھر جیسا ہو گا دیکھا جائے گا۔"

مسٹر ورما اس کے بعد کچھ نہ بولے اور اس کے ساتھ سینما کے لئے چل پڑے!

(۳)

جس وقت مسٹر ورما اور نرنجن سینما میں پہنچے تو کھیل شروع ہو چکا تھا۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بڑی مشکل سے ان دونوں نے اپنے لئے جگہ نکالی، مسٹر ورما کھیل کو بے دلی و لاپرواہی سے دیکھنے لگے مگر یہ کیفیت زیادہ دیر تک نہ رہی، مس شانتا کے کھیل میں ظاہر ہوتے ہی مسٹر ورما کی دلچسپی بڑھنے لگی، حتیٰ کہ وہ اس میں ہمہ تن محو ہو گئے۔

شانتا حسین تھی مگر اس کے چہرے و حرکات و سکنات سے شرارت نہ ٹپکتی تھی، بلکہ اس کے دریائے حسن میں معصومیت لہریں لے رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے دونوں چشموں میں حقیقت کے جذبات امنڈ رہے تھے اس کے گل رخسار سے جاذبیت و رعنائی کی شمیم عطر بیز نکل رہی تھی،

مسٹر ورما عشق مجازی کی متعفن فضا سے نکل کر محبت صادق کی پُربہار روشوں پر گھومنے لگے۔ ان کی تشنہ کام روح آب الفت سے سیراب و شاداب ہونے کے لئے بیتاب ہو اٹھی، ابدی مسرتوں و راحتوں سے ہمکنار ہونے کے لئے پیکر اضطراب بن گئی، جذبات محبت انگڑائی لے کر بیدار ہوئے اور حسیات امن و سکون کو جھنجوڑنے لگے،

مسٹر ورما کو محسوس ہونے لگا کہ کوئی غیبی طاقت انھیں مس شانتا کی طرف کھینچے لئے جا رہی ہے۔

مس شانتا کے روح پرور حسن پر قدرتی ایکٹنگ نے گویا سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ کھیل ختم ہو گیا مگر مسٹر ورما کی محویت بدستور جاری رہی۔ نرنجن نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ کیا گھر نہ چلو گے؟

مسٹر ورما کا نشہ اترا۔ وہ اپنے آپ میں آ کر نرنجن کی طرف حیرت سے دیکھ کر بولے۔ "کیا کھیل ختم ہو گیا؟"

"کیا آپ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں" نرنجن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

مسٹر ورما بغیر کچھ جواب دئے نرنجن کے ساتھ گھر چلے،

تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ نرنجن نے فاتحانہ انداز میں مسٹر ورما سے کہا: "دیکھا آپ تو کہتے تھے چند منٹ کے لئے بھی بیٹھنا مشکل ہو گا۔ آپ سچ سچ کہئے کہ کھیل کیسا تھا؟"

"واقعی کھیل لاجواب تھا۔ مس شانتا نے تو ایکٹنگ میں کمال ہی کر دکھایا۔ واقعی آپ کا کہنا بالکل درست ثابت ہوا آج مجھے معلوم ہو گیا کہ اگر ہندوستانی سینما کے پروپرائٹر اس انڈسٹری کی طرف ذرا بھی توجہ دیں تو ان کے فلم دوسرے ممالک کے بہترین فلموں کے ہم پلہ ہو سکتے ہیں۔ واقعی میرا یہ خیال غلط تھا کہ ہندوستانی ایکٹر و ایکٹریس اداکاری کے مخفی نکات کو سمجھتے ہی نہیں، میں آپ کا بیحد احسانمند ہوں کہ آپ نے مجھے ایک بے عیب کھیل دیکھنے کی ترغیب دی اگر میں اس کھیل کو نہ دیکھتا تو مجھے یقیناً افسوس ہوتا اور نہ معلوم کتنے عرصہ تک میں اپنے غلط خیال کو ذہن میں محفوظ رکھتا۔" مسٹر ورما نے اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے جواب دیا۔

نرنجن نے مسرت آمیز لہجہ میں کہا: "شکر ہے کہ میری محنت سپھل ہوئی، آپ کے منہ سے تعریف سن کر مجھے حقیقی خوشی حاصل ہوئی ہے آپ جیسے نکتہ سنج اور ماہر فن کی رائے ایک خاص اہمیت و وزن رکھتی ہے، میرے خیال میں آپ کل اس کھیل پر ایک زوردار ریویو لکھیں، اور اسے شائع کرنے کے لئے مشہور فلمی رسائل میں ارسال کر دیں، اس سے جہاں سینما والوں کی حوصلہ افزائی ہو گی وہاں آپ کو بھی اپنے فرض کی ادائیگی سے طمانیت قلب حاصل ہو گی۔"

"ہاں! میں کل ضرور ایک زوردار ریویو سپرد قلم کروں گا۔"

باتوں ہی باتوں میں مسٹر ورما کا مکان آ گیا اور نرنجن شب بخیر کہہ کر ان سے رخصت ہوا۔

(۴)

مسٹر ورما تقریباً بارہ بجے گھر پہنچے، ماہتاب کی روشنی سے تمام عالم نور علیٰ نور بن رہا تھا۔ خمار آلودہ ہوائیں کائنات کے ذرہ ذرہ کو تھپک کر سلا رہی تھیں مگر مسٹر ورما پلنگ پر پڑے کروٹیں بدل رہے تھے، مس شانتا کی تصویر ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھی۔ اس کا معصوم حسن، جادو بھری آنکھیں، دلکش نقوش، ان کے دل سے محو نہ ہوتے تھے، مسٹر ورما نے رات اختر شماری میں گزاری اور اگلے روز دکشا کے ڈائرکٹر سے ملکر انھوں نے کمپنی کی نوکری کے لئے درخواست پیش کی، جس وقت ڈائرکٹر کو مسٹر ورما کے فلمی نام کا پتہ لگا تو وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ فلمی دنیا ان کے نام سے اچھی طرح واقف تھی، ولایت میں انھوں نے کافی نام پیدا کیا تھا۔ ڈائرکٹر نے مسٹر ورما کو فوراً ایک ہزار روپیہ ماہوار پر نوکر رکھ لیا۔ وہ ایسے باکمال و شہرۂ آفاق ایکٹر کو نوکر رکھ کر اپنی قسمت پر نازاں تھا۔

(۵)

مسٹر ورما اور مس شانتا میں گہری محبت ہو گئی، سٹوڈیو میں، کوٹھی پر، سیر میں، غرضیکہ ہر وقت وہ اکٹھے رہتے، اکثر کھیلوں میں وہ ہیرو اور ہیروئن کا پارٹ ادا کرتے اور سچ تو یہ ہے کہ کمال کر دکھاتے،

دکشا نے ان دونوں ایکٹر و ایکٹریس کی بدولت بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی، اس کے کھیل انگلینڈ و امریکہ میں بھی دکھائے جانے لگے، اور وہاں کے ماہرین فن نے بھی دل کھول کر داد دی۔

کمپنی کے ڈائرکٹر مسٹر ورما اور مس شانتا کا خاص خیال رکھتے تھے، تنخواہ کے علاوہ ہر کھیل کے لئے قابل قدر انعام دیکر ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے،

(۶)

برسات کی رات گوناگوں رنگینیوں اور کیف آفرینیوں سے جلوہ فرما تھی سٹوڈیو کے ریٹائرنگ روم میں مسٹر ورما اور مس شانتا کے علاوہ اور کوئی نہ تھا، ریہرسل ختم ہو چکی تھی اور تمام اداکار اپنی اپنی خوابگاہوں میں چلے گئے تھے مسٹر ورما نے شانتا کے پاس آ کر کہا۔ شانتا! پیاری شانتا!

شانتا کی خوابیدہ روح جیسے بیدار ہو گئی ہو، جوش الفت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھوں سے ایک خاص قسم کے جذب و کشش کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکلنے لگیں مگر کچھ بول نہ سکی،

مسٹر ورما نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد محبت بھری آواز میں کہا "شانتا میں بہت مدت سے تمہارا ہو چکا ہوں میں عرصہ سے اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہتا تھا مگر حوصلہ نہ ہوتا تھا لیکن مجبوراً آج اس راز کو افشا کرنا پڑا۔" شانتا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، "مسٹر ورما یہ حقیقت ہے کہ کوئی خاص کشش مجھے بھی عرصہ سے آپ کی طرف کھینچ رہی ہے حالانکہ مجھے اپنے جذبات پر قابو ہونے کا غرور تھا، اور میں نے تجرد کی زندگی بسر کرنے کا عہد کر لیا تھا۔ مگر آپ کے کمپنی میں نوکر ہوتے ہی میرے جذبات مشتعل ہو اٹھے، میں نہیں سمجھ سکتی کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟"

"ہیں ۔۔ یہ کیوں ۔۔ تجرد کی زندگی،" مسٹر ورما نے حیرت سے کہا۔

"ہاں کسی کی بے وفائی نے مجھے ایسا عہد کرنے کے لئے

باقی اگلے صفحہ پر

پچھلے صفحہ سے

مجبور کیا۔ میں شادی کو بُرا نہیں سمجھتی مگر یہ عقیدہ ضرور رکھتی ہوں کہ عورت کو صرف ایک شادی کرنی چاہیئے۔ مسٹر ورما نے حیرت آمیز لہجہ میں سوال کیا۔ پیاری شانتا میں تمہاری اس گفتگو کا کچھ مطلب نہیں سمجھا کیا تم اپنی گزشتہ زندگی کے واقعات بیان کر کے مجھ شکریہ کا موقعہ دو گی۔ میں وہ تمام حالات جاننے کے لئے یہ عہد کرنے پر مجبور ہوں کیا سننا چاہتا ہوں۔

تو ہاں پیارے اگر میں نے ابتک اس راز کو پوشیدہ رکھا ہے مگر اب آپ کی محبت کے صدقہ میں اس کو ظاہر کر سکیں اپنا غم غلط کر رہا چاہتی ہوں لیکن ایک التجا ہے کہ اس کا کسی اور سے ذکر نہ ہونے پائے۔

میں یہ عہد کرتا ہوں کہ یہ صرف میرے اور میرے دل کے پردوں میں چھپا رہے گا۔ مسٹر ورما نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

تو سنو! میری شادی بچپن ہی میں ہو گئی تھی میں گاؤں میں پیدا ہونے کی وجہ سے اور والدین کے قیاسی خیالات ہونے کے باعث تعلیم سے محروم رہی۔ معمولی حرف شناسی آتی تھی میرے پتی ایم۔ اے میں تھے۔ میری شادی ان سے اس لئے ہو گئی کہ میرے والدین امیر تھے کیونکہ انہیں جہیز میں بیس ہزار روپیہ کا مال دیا تھا۔ میں خوشی خوشی سسرال پہنچی مگر میری خاطر مدارات تو درکنار میرے ساتھ کوئی منہ سے بولا۔ میں پتی دیو کی انہیں دیوتا سمجھ کر پرستش کرتی تھی ان کو آرام چین کا خاص خیال رکھتی تھی مگر وہ آنکھ اٹھا کر بھی میری طرف نہ دیکھتے تھے۔ ان کی بے التفاتی پر میں دل ہی دل میں کڑھتی رہی مگر ان سے کچھ نہ کہتی۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ پتی دیو اس شادی کے سخت خلاف تھے۔ مگر والدین کی ضد کی وجہ سے انہیں سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ اور صرف دو ہی کی وجہ سے ساس سسر نے میری زندگی کو زندہ درگور کر دیا۔ پتی دیو کو سینما کا شوق تھا وہ ہر روز کھیل دیکھنے جایا کرتے تھے اور سینما گاڑی ہی بہانہ ہو گا جو ان کے پاس رہتا تھا۔ سسرال والے غریب تھے۔ مجھ آنے تک پتی دیو کی تعلیم میں صرف ہو چکا تھا میری شادی کے جہیز کے روپوں کے بل بوتے پر پتی دیو نے ولایت جانے کا عزم کیا۔ آخر وہ ولایت روانہ ہو گئے۔ میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ روز بروز میری سسرال والوں کی بد سلوکی بڑھنے لگی مجھے محسوس ہوا کہ میری زندگی یہاں بسر ہونی مشکل ہے۔ مجھے میکے جانے کا بھی حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ میں سسرال میں ہی اپنی مصیبت زدہ زندگی کے دن گزارنے لگی سختیاں برداشت کرتی اور صبر کا گھونٹ پی کر رہ جاتی۔ میرے پتی دیو کے ولایت جانے کے کچھ روز تک تو ان کے خطوط آتے رہے لیکن پھر خط بھی نہ آیا۔ میرے دل میں طرح طرح کے وہم پیدا ہونے لگے۔ سسر صاحب کی تو کچھ نہ پوچھو وہ تو ایسے بے تاب کی طرح تڑپنے لگے۔ خود لکھے مگر جواب ندارد۔

آخر اخبارات میں ایک دن یہ خبر شائع ہوئی کہ مسٹر ستوش کمار جو ہندوستان سے فلم انڈسٹری کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ولایت آئے تھے ایک انگریز لیڈی مس ڈورسی سے شادی کر لی ہے۔

مسٹر ورما نے جو اب تک اس کہانی کو دلچسپی سے سن رہے تھے حیرت و استعجاب سے آنکھیں کھولتے ہوئے اور شانتا کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا:۔ پیاری شانتا! تمہارا اصلی نام کیا تھا؟

میرا نام ... میرا اصلی نام شانتی دیوی۔ شانتا نے آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

شانتی دیوی ... پیاری! مسٹر ورما نے یہ کہتے ہوئے خود کو اس کے قدموں میں گرا دیا اور بولے:۔ میں ہی ہوں وہ پاپی جس نے تمہیں اس قدر تکلیف دی۔ میں ہی ہوں وہ شیطان نما انسان جس نے نفسانیت کے جال میں پھنس کر نفرت و حقارت کی ٹھوکروں سے تمہارے شیشۂ دل کو چور چور کر دیا۔ اب مجھے معاف کر دو پیاری۔ انکی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا موجزن ہو اٹھا،

مس شانتا کا چہرہ فرط انبساط سے کھل گیا۔ مس نے مسٹر ورما کو چھاتی سے لگاتے ہوئے جواب دیا۔ پران پیارے یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مجھ ایسا مت کہہ کر گناہوں کے غار میں نہ دھکیلو۔ یہ سب میرے کرموں کا پھل ہے۔ لیکن میں پھر بھی خوش قسمت ہوں کہ آخر میں نے

اپنے پریتم پیارے کے پیر و چرن کو پا لیا۔ پیاری تم اتنے دن کہاں رہیں؟

اس عرصہ میں کیسی دکھ پائی۔ میں یہ جاننے کے لئے بے قرار ہوں۔ اس عرصہ میں آپکے اندر اس قدر تبدیلی واقع ہو گئی ہے کہ میں آپکو قطعی نہ پہچان سکی۔

مسٹر ورما نے شرم سے گردن جھکا لی اور کہا پیاری کیا بتاؤں، ولایت میں اندھا دھند مس ڈورسی کی تو خوش کے لئے پروانہ کی طرح خاک ہو گیا تمام روپیہ برباد کر دیا۔ لیکن پھر بھی میں اسکو اپنا نہ بنا سکا۔ اس کی بیوفائی نے میری آنکھیں کھول دیں۔ مجھے اس سے نفرت ہو گئی اور میں ہندوستان واپس آ گیا۔ واپسی پر میں نے سنا کہ والد اور والدہ میری جدائی کے ناقابل برداشت غم کو نہ سہ سکے اور دونوں کا پیمانہ حیات لبریز ہو گیا۔ تمہارا مجھ کوئی پتہ نہ ملا۔ آخر میں بمبئی میں آ گیا کیونکہ سینما سے دلچسپی رکھنے والے آدمی کے لئے یہی جگہ موزوں ہے میرے دوست نے مجھ سے ان بیتی کا کھیل دیکھنے کی پُرزور سفارش کی اور اس کی تحریک و اصرار پر میں کھیل دیکھنے آیا۔ تمہیں دیکھ کر میں محسوس کرنے لگا کہ کوئی خاص طاقت میری اور تمہاری شدت کو ایک کر دینا چاہتی ہے۔ گھر آ کر تمام رات آنکھوں میں کاٹی اگلے روز میں نے ڈائرکٹر سے نوکری کی درخواست کی جو منظور ہوئی اسکے بعد کیا ہوا وہ تم کو معلوم ہی ہے میں تمکو اس لئے نہ پہچان سکا کہ میں نے اچھی طرح تمہاری شکل بھی نہ دیکھی تھی شادی کے وقت تم پردہ میں تھیں اور اسکے بعد بھی تم نے میرے سامنے کبھی گھونگھٹ نہیں اٹھایا۔ لیکن پیاری تم فلم کمپنی میں کیسے پہونچیں؟ مسٹر ورما نے متجسس نظروں سے شانتا کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا!

جب میں نے آپکی دوسری شادی کی جگر خراش خبر سنی تو میری امیدوں کا چراغ گل ہو گیا مجھے آپکی ولایت سے واپسی پر آپکی خدمت کرنے کی جو تمنا تھی وہ بھی جاتی رہی اب میری زندگی تلخ بن گئی اور گھر مجھے کھانے کو دوڑنے لگا خوش قسمتی سے انہیں دنوں میں رحمت دلکشا سینے ٹون کو چھوڑ کر بجائے صحت کے لئے بمبئی آتی تھیں میں انکو منظور ہوئیں میں نے رخصت کیوقت ... [illegible]

[illegible] لیکن ... کی محنت و دن ... تو بہت افسوس ہوا ... ہوئی تو انہیں ... [illegible] ... عنتیں عزیز ہو ... اگر تم ... بتلا دو کہ تم ... محبت ... ہو کہ ... ہو جانے ... پیری ... شکی بلند ... درج ... فلکرانہ ... جذبات ... سے ... خوشی ... ہوں گی مگر آپ کیا ... مذلت کی زندگی ... بہت ... پیٹ پالنا ... ہوں مگر تم بھی ... ہو جاؤ تو ... زندگی کے دن بسر کرو ... نہایت ... تعلق رکھتا ہوں ... تم اس کی ... میں ہر وقت تمہاری ... رہوں گی ... اس کے بعد وہ مجھ ... اور ... بھی ... سفارش کر کے مجھ تمام باتیں سمجھانے لگیں ... میں ... چل نکلی۔ اس کے بعد مسٹر ورما اور مس شانتا نے اپنی زندگی باقیماندہ دن ... ایک کامیاب ایکٹر و ایکٹریس کے بسر کئے ؛

انجامِ آزادی

خاص "نیچ ویکلی" کے افسانہ ایڈیشن کیلئے

ایک سبق آموز اخلاقی افسانہ

از جناب ... صدیقی ردولوی

زرنگار آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی وہ سنگار کر رہی تھی۔ کمال ... نے پیچ دار گیسوؤں کو بہ حسن شانہ کیا ... عارض نازک پر ہلکا سا غازہ چھڑکا ... لب ہائے ہونٹوں پر سرخی کی تہ جمائی ... خوابناک آنکھوں میں سرمہ کی ایک باریک تحریر کھینچی ... مشکیں بالوں کو سنہری پن کے سرخ و سفید پھولوں سے آراستہ کیا ... اور ایک الماری میں لٹکا ہوا قیمتی پیرہن کا جائزہ لیا ... اپنے حسن پر نازاں ... زلفیں کمر تک لہراتی ... خدنگ ناز چلاتی کمرہ سے باہر آئی ... عمر نصیب پریم باہر بیٹھا ہوا تھا ... کملا کو انتظار کر رہا تھا ... جیسے ہی یہ حسین ساحرہ اس کے سامنے آئی ... وہ ... کھڑا ہو گیا ... کملا کی عشوہ طرازیوں نے اسے عالم ہوش سے بیگانہ کر دیا ... رنگین جمال کی رعنائیوں نے اس کے مشتاق لبوں پر مہر سکوت ثبت کر دی ... اس کے تمام جسم میں ایک ہیبت آفریں تزلزل پیدا ہو گیا ... ہماری نگاہوں کی اس منفرد ادا کی ... گو کملا کی ساحرانہ نگاہ و ادا نے اسے ایسا محو کیا ... وہ اظہار عقیدت میں ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہ نکال سکا۔ بارگاہ حسن میں ایک طویل مدت کے بعد اسے حاضر ہونے کا موقع دیا گیا تھا۔

مضطرب ... کی خاموشی ... کا افسانہ سنا رہی تھی۔ ہر نفس وہ ایک ساز سے آواز تھا جس کی خاموشی میں ہزاروں افسانے غم و الم چھپے ہوئے مضطرب تھے، صرف لب چھیڑنے کی ضرورت ...

کملا نے ... اس کے جذبات کو ٹھکرا دیا ...

پریم! میں اب ... ادعائے محبت کی پرستاری نہیں کر سکتی ... وہ زمانہ بھول جاؤ ... تمہیں معلوم نہیں کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ عورت کی فطرت بھی بدلا کرتی ہے ... غنچے ہمیشہ غنچہ ہی نہیں رہتے، پھول بھی بنتے ہیں ... ہوا ہمیشہ ایک ہی رخ نہیں چلتی ... پھر تمہارا مجھ سے یہ مطالبہ کہ میں ایک ہی محور پر گردش کرتی رہوں ... ایک طفلانہ ضد نہیں تو کیا ہے؟

... معاف کرنا کملا، میں تم سے کچھ نہیں چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ غنچے ہمیشہ غنچے ہی نہیں رہتے ... ہوا ہمیشہ ایک ہی رخ نہیں چلتی ... لیکن اپنے ضمیر کے آئینہ میں ذرا اپنی گذری ہوئی عمر پر تو نظر ڈالو اور غور کرو ... کہ میری حیات کے ذرات مسرت فضائے انتشار میں کس نے منتشر کئے ... میرے ناآشنائے محبت دل کو درد و غم کی تڑپ سے کس نے آشنا کیا؟ ...

پریم نے مغموم لہجہ میں جواب دیا!

کچھ دیر تک اس کے الفاظ صحن کی خاموش فضا میں گونجتے رہے ... کملا ایک شان استغنا کے ساتھ پریم کے افسردہ و تعجب انگیز دل پر عدم التفات کا نہ مٹنے والا نقش ثبت کر کے برآمدے سے باہر ہو گئی۔

(۲)

پریم ایک بہترین کیرکٹر کا انسان تھا۔ باوجود نئی روشنی میں تعلیم پانے کے وہ قدیم تہذیب کا دلدادہ ... خالق کا ماہر اور جملہ صفات انسانی کا حامل تھا۔ پریم اور کملا کی داستان محبت کی ابتدا تقریباً چار سال ہوئے ایک عزیز کے یہاں کسی مبارک تقریب کے موقعہ پر عمل میں آئی تھی ... کملا باغ جوانی کی ایک نیم شگفتہ کلی تھی۔ اس کی مخمور آنکھوں کی کیف انگیز مستی انسان کے جذبات میں ایک غیر فانی تلاطم پیدا کر دیتی تھی ...

کملا ایک آزاد تعلیم یافتہ لڑکی تھی ... کالج کی ... فضا نے اس کی جدید ... کر دی تھیں ... ... وہ جہاں چاہتی جاتی ... اس کے مکان پر دوستوں کا ہجوم رہتا ... سینما کی شرکت ... عادت بن گئی تھی ... چنانچہ اس وقت بھی وہ پریم کی تمام آرزوؤں، التجاؤں کو ٹھکرا کر اپنے ایک دوست کے مکان پر پہونچی، جہاں اس نے شام کی چائے پینے کا وعدہ کیا تھا ... یہ حضرت ایک پروفیسر کے صاحبزادے تھے ... نام کمار تھا ... بہترین نوال کے حامل تھے ... نہ جانے کتنے چہروں سے اپنے دل کی پیاس بجھا چکے تھے ... محبت ان کے نزدیک ... حصول آرزو ... تکمیل نفس کا دوسرا نام تھا ... عورت کی فطرت ... کو فنا کر دینا ... اپنی سب سے بڑی فتح خیال کرتے تھے ... جس وقت کملا ... کمرہ میں داخل ہوئی وہ قد آدم آئینہ کے سامنے کھڑا ہوا ... درست کرنے میں مشغول تھا!

ہلو ڈارلنگ! ... آج تمہیں بہت دیر ہو گئی؟ کمار نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا! ... معاف کرنا کمار ... مجھے آج ایک مجذوب کی دیوانہ وار گفتگو میں اپنا قیمتی وقت صائع کرنا پڑا ... کملا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا! مجذوب کی دیوانہ وار گفتگو ... یعنی دارد؟ کمار نے حیرت آمیز سکوت کے ساتھ پوچھا ...

کمار! جس طرح ایک خوبصورت تیتری کو قید کرنے کی تم ناکام کوشش کرتے ہو ... اسی طرح ایک دیوانہ ... چاند کی کرنوں کو اپنی طفلانہ کوششوں سے پکڑنا چاہتا ہے ... کملا نے سرشار ہو کر جواب دیا! کمار اس کی معنی خیز گفتگو نہ سمجھ سکا ... اس نے اس تلخ موضوع کو نظر انداز کرتے ہوئے ... بارگاہ حسن میں التجا کی! ... میرے دل کی رانی ... انجمن حیات کی شمع فروزاں ... کملا ... میں تمہارے بغیر اپنی زندگی میں ناقابل بیان خلا محسوس کرتا ہوں ... تمہاری ایک لمحہ کی مفارقت میرے نظام مسرت کو غم آمیز بے چینی سے تبدیل کر دیتی ہے ... جس طرح ماہ کامل کی ضیا پاش کرنیں ... کائنات کی تاریکیوں کو منور کر دیتی ہیں۔ اسی طرح ... تمہاری روح نواز موجودگی سے میری دنیائے حیات کا ذرہ ذرہ ... منور و روشن ہو جاتا ہے ... میں دیکھتا ہوں کہ اب تم ہر بات کو صیغہ راز میں رکھنا چاہتی ہو ...

نہیں نہیں کمار! ... تم غلط فہمی میں مبتلا ہو ... میری داستان زندگی کے ہر شعبے کا راز تم پر اسی طرح منکشف و آشکارا ہے ... جس طرح سورج کی روشنی ... سارے عالم پر؟

اس کے بعد کملا نے نہایت سنجیدہ طریقہ سے اپنی اور پریم کی داستان معاشقہ کمار کو سنائی۔ جس میں پریم کی ذلت و استہزا کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں کیا گیا تھا ... ہر طریقہ سے غریب پریم ہی کو مورد الزام ٹھہرایا گیا تھا! کمار نے سنا ... اس کے دل میں آتش رقابت نے کروٹ بدلی لیکن اپنے دلی کیفیت کا راز کملا پر نہ ظاہر ہونے دیا۔

کملا نے اس غیر دلچسپ سلسلہ کو طول دینا مناسب نہ سمجھا اور کمار کو اپنے ہمراہ ... دیکھنے کے لئے ہمراہ لیکر کمرہ سے باہر نکل گئی! ...

(۳)

الفنسٹن ... سینما میں آج ... کا مایہ ناز فلم ... دیوداس دکھایا جانے والا تھا۔ ہال تماشائیوں کی کثرت سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جس وقت یہ لوگ ہال میں داخل ہوئے برقی قمقموں کی دلفریب جگمگاہٹ ... ملکی ہلکی سبز و سرخ روشنی میں تبدیل ہو چکی تھی ... کھیل شروع ہو چکا تھا ... اسکرین پر ... حسن و عشق کی زندہ جاوید کہانیاں ... ہیرو ہیروئن کی زبان سے بیان ہو رہی تھیں ... سازہائے مختلف کے زیر و بم اور دلکش نغموں سے ہال گونج رہا تھا ... ماحول کی دلکشی، دیوداس اور پارتی کی والہانہ گفتگو ... نے کمار اور کملا کو از خود رفتہ بنا رکھا تھا۔

دونوں پر ایک محویت کا عالم طاری تھا ... کہ ساون کا وہ دلکش سین آیا ... جس سے مردہ جذبات میں بھی کیف انگیز امنگ پیدا ہو جاتی ہے۔

بادل گرج رہا تھا ... پرندوں کی رم جھم میں بجلی کی چمک عجیب بہار دکھا رہی تھی ... کہ پارتی نے دیوداس کی یاد میں "نا ہیں آئے گھنشیام گھر آئی بادری" ... نغمہ ... اپنا شروع کیا ... آواز کی دلکشی ... وقت کی مناسبت ... نے سارے ہال پر ایک عجیب ... کیفیت طاری کر دی ... دلوں میں ارتعاش پیدا کر کے ... دل کی دنیا پر قبضہ کر لیا ... جہاں تک فلم میں حسن و عشق کی چاشنی تھی ... یہ دونوں محظوظ ہوتے رہے ... فلم ناقدانہ نظروں سے نہیں بلکہ تفریح کی لحاظ سے دیکھا گیا ... پارتی اور دیوداس کے حسرتناک انجام پر دونوں کانپ اٹھے ... کھیل ختم ہو گیا ... برقی قمقموں کی ضیا بار روشنی سے ہال جگمگ جگمگ کرنے لگا۔

دونوں باہر آئے۔ پارک کے گھنٹے نے رات کے گیارہ بجائے ... کچھ دیر تک ... باغ میں ٹہلتے رہے ... آج دونوں پر ایک نشہ کی سی کیفیت طاری تھی ... چلتے چلتے گھاس کے مخملیں فرش پر دونوں بیٹھ گئے۔ کملا خاموش تھی ... اس کا دل دھڑک رہا تھا ... کمار نے اسکو اپنی آغوش میں لے لیا ... اس وقت ... درخت، زمین، آسمان غرضیکہ ساری کائنات خاموش تھی ... لیکن ان دونوں کے دل کی دھڑکن صاف سنائی دے رہی تھی ... وہ ... کمار کا بازو تھام کر اٹھی ... رات کے ۱۲ بج چکے تھے۔ گلاب کے پھول کی بھینی بھینی مست خوشبو سے ساری فضا معطر تھی ... جوانی کے نشہ میں سرشار اور شاد کام کملا اپنے گھر واپس آئی ... کمرہ کا دروازہ کسی عاشق منتظر کی طرح آنکھیں کھولے ... تک رہا تھا ... کملا نے شب خوابی کے کپڑے بدلے اور ایک لطیف خلش دل میں لئے بستر پر دراز ہو گئی۔

(۴)

ابتدائے گناہ کے بعد گناہ کی کشش بڑھ جاتی ہے ... کملا رات بھر کمار کی صحبت میں پارکوں کی سیر کیا کرتی ... والدین کی آزادی کی بدولت ... تعلیم کا ... ہو چکی تھی ... کل ... شادی ... زیادہ بڑھ گئی ... وہ ... صدر ... سوسائٹی میں ... انتہائی ... سماج کی نظروں میں وہ مجرم بن گئی ... سر ... ہوش ... رہے ... وہ تمام کیف ... ساماں خواب ... وہی تھیں ... مفقود ہو گئیں ... اس کی نگاہ ... دنیا سیاہ ہو گئی ... زمین و آسمان گردش کرتے ہوئے نظر آنے لگے ... اس نے ... خودکشی کا مذموم ارادہ کیا ... موت کی آغوش نے اسے دنیا کے گوشہ میں سکون نہیں مل سکتا ... ایک خیال اس کے دل میں پیدا ہوا کہ وہ کمار کو ازدواجی زنجیر میں منسلک کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وطن کو خیرباد کہدے ... اس کمار کو اپنے ارادہ سے آگاہ کر دیں ... نفس پرست ... فریبی ... کمار نے اس کی تمام التجاؤں کو ٹھکرا دیا ... کملا کا دل اس کی بیوفائیوں سے پاش پاش ہو گیا۔

(۵)

گھر گھر کملا کے قصے رنگ آمیز پیرایہ میں بیان ہونے لگے۔ ہر شخص اس کو تحقیر و تذلیل کی نگاہوں سے دیکھنے لگا ... اس کی شادی میں سینکڑوں رکاوٹیں پیدا ہو گئیں ... سماج کی نظروں میں وہ ایک انتہائی گنہگار عورت تھی ... ایک روز اس نے ... پریم کو اپنی حالت لکھ بھیجوں شاید وہ مجھے قبول کرلے۔ عہد ماضی کے واقعات نے اسے ہمت دلائی اس نے پریم کو ایک خط لکھا۔

پریم! خوش رہو جس چیز کی تمہیں تلاش تھی ... آج وہ ... تلاش ہے ... وہ اب خود تمہاری جستجو میں سرگرداں ہے ... پوچھو ... میں اب ایسے دور سے گذر رہی ہوں جس کا ہر لمحہ ... مشکل ہے معاف کرو ... میں نے ہمیشہ تمہاری التجاؤں کو مجروح کیا ... تمہیں بری بری اذیتیں پہنچائیں ... اس وقت میں دنیا و زیب کی سنہری زنجیروں میں گرفتار تھی۔ میرے اصل اور نقل میں تمیز نہ کی۔ اب خواب غفلت سے بیدار ہوئی ہوں ... ماتا پتا میری صورت سے بیزار ہیں۔ میری آتما کانپ رہی ہے۔ تم اگر مجھے قبول کر سکو ... کرو؟ ... ورنہ جہنم کے شعلے تمہاری کملا کو بھسم کر ڈالیں گے ... سماج نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اب صرف تمہاری ایک ہاں ... یا نہیں پر میری زندگی کا دار و مدار ہے ... یہاں کا بچہ بچہ مجھے حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے ... در و دیوار کاٹے کھاتے ہیں ... دن رات بھری ہوں اور آنسوؤں کا سیلاب ... جس قدر جلد ممکن ہو اپنے ارادے سے مجھے مطلع کرو۔

(گنہگار)

پریم نے خط پڑھا۔ وہ سچے دل سے کملا کا پرستار تھا ہزاروں راتیں کملا کی یاد میں جاگتے اور روتے گذری تھیں ... سماج کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ... والدین کی اجازت کے بغیر اس نے اپنے انتظامی فیصلہ کا اظہار کر دیا ... کملا کے والدین نے فوراً اس کی شادی پریم کے ساتھ کر دی ... اب دونوں مطمئن زندگی بسر کر رہے ہیں ... کملا کا زیادہ وقت عبادت اور ... پریم کی ... پریم پوجا میں ... صرف ہوتا ہے!

افسانہ میراث — صفحہ ۸ کا بقایا

ہی پڑا کہ شباب و جوانی کے موج انگیز دریا سے گزرنے کے لئے لازمی طور پر ایک مضبوط کشتی کی ضرورت ہے۔ جو طوفان کے تھپیڑوں اور پانی کی بہالے جانے والی لہروں سے بچائے اور دریا کا تلاطم تیز لے والے کانٹے پر پڑ کر اُسے منزل مقصود سے نہ بھٹکا سکے!

باپ کا انتقال ہوتے ہی سب سے پہلے زکیہ کے سامنے جو تجویز رکھی گئی تھی وہ یہی تھی کہ اسے فوراً شادی کر لینی چاہیئے۔ تاکہ تعلقہ کے نظام میں برہمی پیدا نہ ہو اور جائداد تباہی سے محفوظ رہے کیونکہ عورت اور پھر تم ایسی ناتجربہ کار عورت ——— جیسے عورت کی جگہ لڑکی کہنا زیادہ موزوں ہے ان کاموں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتیں۔ جوانات، دن زمینداروں کے جھگڑے سب پیش آئیں گے حقیقت میں یہی بات تھی جو اس کی نسوانی خودداری کو اتنی مدت تک ایک جگہ قائم کئے رہی۔ اگر اسے اپنی مردانہ ہوشمندیوں کا ثبوت دے کر اس ناتواں جنس کی تردید مقصود نہ ہوتی تو بہت ممکن تھا اب سے بہت پہلے اس کے شباب کی رعنائیاں انگڑائی لیکر بیدار ہو گئی ہوتیں!

وہ یہ محسوس کر کے کچھ برہم سی ہو گئی کہ عام طور پر عورت کو اس قدر ناکارہ، بے وقوف اور بزدل خیال کیا جاتا ہے کہ بغیر مرد کی امداد کے اس کی زندگی کی ہر منزل خطرناک تصور کی جاتی ہے اور یہی برہمی تھی جس نے تین چار سال تک اُسے ان بدگمانیوں کے خلاف مصروف جہاد رکھا، لیکن اب کہ وہ اپنی ہوشمندی، پامردی اور حسن تدبیر کا کافی مظاہرہ کر چکی تھی، ضرورت تھی کہ زندگی کے اس مقصد کی تکمیل ہو تی چنانچہ اس کا وقت آ گیا تھا اور انتخاب شوہر کا مشکل مسئلہ آج اس کے ذہن و دماغ کی جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ اکثر خطوط اور تصاویر اس کے سامنے پیش کی گئی تھیں مگر اس کی نگاہ بلند تحریر میں جس شریفانہ خودداری کو ڈھونڈتی تھی اس سے تمام خطوط خالی تھے اور پیشانی میں جس ثبات عزم، روشن خیالی اور نیک دلی کی روشنی کو تلاش کرتی تھی، وہ کسی تصویر میں نہ تھی ———

چہرے پر خوبصورتی اور قدرے دلکشی بھی تھی، لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک کا احساس بھی ہوتا تھا لیکن محبت کا وہ رس کسی چیز میں نہ تھا جسے اس کا دل مانگ رہا تھا۔ موجودہ خطوط اور تصاویر میں صرف ایک ہی جذبہ کارفرما نظر آ رہا تھا جسے خود غرضی سے تعبیر کیا جا سکتا تھا اور یہی وہ چیز تھی جس سے زکیہ کو اتنا بغض تھا کہ وہ شادی سے قطع نظر کر سکتی تھی مگر اس زہر کو کسی طرح منہ تک نہ لا سکتی تھی، زکیہ کی مشکل پسندی اور طلب محال سے اس کے گرد و پیش رہنے والے تمام آدمی مایوس ہو چکے تھے چنانچہ جستجو کے دائرے کو وسیع کر دیا گیا تھا اور زکیہ کی جوانی کے ناخدا کبھی کپڑا خریدنے کے حیلے سے کبھی زیور پسند کرنے کی غرض سے اور کبھی محض سیر و تفریح کے بہانے سے اُسے بڑے بڑے شہروں میں لئے پھرتے تھے اور غور سے اس کی نگاہوں کے تاثرات کو قلمبند کرتے تھے!

——— (۶) ———

قمر اپنی دوکان کی بالائی منزل پر بیٹھا ہوا نگینے صاف کر رہا تھا دفعتہ ٹیلیفون کی گھنٹی زور سے بجی، قمر نے نگینہ رکھ کر پوچھا کہاں سے؟

ہاں آپ کہاں سے بولتے ہیں؟

کارونیشن ہوٹل سے! کیا آپ اپنا نام بتا سکیں گے؟

بڑی خوشی سے! مجھے قمر احمد کہتے ہیں!

خوب! دیکھیئے سونے کے دو بڑا ڈبلے، چند انگشتریاں، ایک عدد قیمتی موتیوں کی مالا اور دو تین جوڑ منقش کڑے کیا آج ہی آپ دے سکیں گے؟

آج ہی نہیں اسی وقت!

اچھا تو پھر موٹر بھیجتا ہوں آپ ذرا سی دیر کو تشریف لے آئیے، ہماری سرکار دیکھنا چاہتی ہیں!

مناسب ہے!

قمر ابھی تیار بھی نہ ہوا تھا کہ ایک قیمتی کار اس کی دوکان کے سامنے آ کر رکی، اور دو معمر رسیدہ آدمی اس میں سے اترے پہلے فوراً سے تحفہ تعارف کو پڑھا پھر اندر آئے، قمر منتظر ہی تھا۔ ایک خوبصورت بکس میں تمام ضروری سامان پہلے سے رکھ لیا گیا تھا۔ قمر انہیں دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور بولا۔ آپ صاحبان کارونیشن ہوٹل سے آ رہے ہیں؟ دونوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔ جی ہاں! اور غالباً ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہیں۔

بالکل! قمر نے جواب دیا۔ ملازم نے بکس موٹر میں رکھ دیا قمر چند منٹ ہی میں ہوٹل تک پہنچ گیا۔ جہاں فوراً اُسے ملاقاتی کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس کمرے کے قریب ہی دوسری طرف زکیہ چند عورتوں کے ہمراہ بیٹھی تھی!

سب چیزیں لے آئے آپ؟

جی ہاں لے آیا۔ قمر نے یہ کہتے ہوئے بکس کھول کر ایک ریشمی رومال نکالا۔ اور پہلے ہار پیش کیا اس کے بعد باقی چیزیں ایک ایک کر کے دینا شروع کیں قیمت دریافت کی گئی تو قمر کو اس سلسلہ میں کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اس کی جیب میں ایک پرچہ موجود تھا جس میں سب کی قیمتیں الگ الگ درج تھیں!

کیا مندرجہ قیمتوں میں تخفیف کی گنجائش ہے؟ پینے نہیں رکھی، اندر سے کسی نے دریافت کیا۔

آپکا خیال صحیح ہے میرے یہاں یقیناً اس کی گنجائش نہیں رکھی جاتی۔

آپ کے یہاں کوئی خاص بات ہے؟ ہم تو دوسرے جوہریوں سے سینکڑوں روپے کم کرا لیتے ہیں۔

آپ بالکل سچ فرماتی ہیں وہ اس سے زیادہ کمی کر سکتے ہیں اُن کے یہاں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے مگر میں ابھی ایک ہزار بڑھا کر قیمت لکھتا تو کوئی شک نہیں کہ پانچسو روپے چھوڑ دیتا۔

زکیہ نے اسی وقت قمر کو اپنے ہاتھ سے چیک لکھ کر دیدیا۔

——— (۷) ———

دلی سے واپس آ کر زکیہ نے قمر کے متعلق بہت سے سوالات کئے شوہر کے انتخاب کا پیچیدہ مسئلہ بہت جلد طے ہو گیا زکیہ کے قدر اور خیر خواہ منتظم نے قمر سے خط و کتابت شروع کر دی۔ پہلا خط یہ تھا۔

جناب محترم!

ہمارے تعلقہ کی مالک صاحبزادی زکیہ بیگم صاحبہ جن سے دہلی میں آپ کی ملاقات ہو چکی ہے ابھی تک ناکتخدا ہیں میری رائے میں اگر آپ شادی کی درخواست کریں تو میں یقین کے ساتھ عرض کر سکتا ہوں کہ مجھ سے جتنی امداد (باقی صفحہ ۴۴ پر)

جذبات کی دنیا

از جناب لالہ انوپ چند آفتاب ایڈیٹر پانی پت

(بہ سلسلۂ گزشتہ) ... (خاص تیج ویکلی کے لئے)

گزشتہ قسطوں کا خلاصہ

سمراٹ کے باغی تیج سنگھ کو کرم بیر سنگھ والیٔ ریاست دھرم گڑھ اپنی پناہ میں لیتا ہے سمراٹ اس امر سے ناراض ہو کر دھرم گڑھ پر حملہ کر دیتا ہے بہت عرصہ تک معرکہ آرائیاں ہوتی رہتی ہیں آخر کار سمراٹ کے دانت کھٹے ہو جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے کرم بیر سنگھ کا بیگانہ کا افسر سرجن سنگھ سمراٹ سے مل جاتا ہے اور تمام گولہ بارود کا سامان اس کے سپرد کر دیتا ہے ایسے نازک وقت میں کرم بیر سنگھ کے دل میں کچھ کمزوری آتی ہے تھوڑا سا خیال ہے کہ تیج سنگھ کو بزریعہ سمراٹ کے سپرد کر کے جھگڑا ختم کرو۔ لیکن ان کی دھرم پتنی بھی دیرمستقل مزاجی بہادری کا آدرش دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے۔ بروقت کمال جو کام ہوا پرتاپ سنگھ کی اہلیہ نے کیا تھا وہی کام اس نے کیا ہے۔ بقیہ ملاحظہ ہو!

دوسرا سین
قلعہ کا اندرونی حصہ

پردھان: آہ! اس نمک حرام نے ہماری تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ ہے پرماتما! ہم سے تو بس اسے سمجھے ہم نے رشتیوں کی بات برباد کر دی! اب کیا ہوگا؟

کرم بیر سنگھ: افسوس ظالم سرجن سنگھ۔ تجھے کیا ہو گیا تو نے اپنے خاندان اور اپنے دھرم کا کوئی خیال نہ کیا۔ یونہی لالچ کے نشہ میں اندھا ہو کر ظالم سنگھ کے ساتھ مل گیا! او ظالم! اگر تیرے جیسے نمک حرام اس جاتی میں پیدا نہ ہوتے تو آج ہندوستانی اس حال کو کیوں پہنچتے ؎

عمر بھر جس کا نمک کھاتا رہا
اب اُسی کو بن کے مارِ آستیں ڈسنے لگا

تیج سنگھ: اول تو راجپوتوں کی طاقت ہی کیا ہے دوسرے دشمن سے سرجن سنگھ سے ملنے کی فکر ہے۔ ایسی حالت میں اگر سب ریاستیں ناراض نہ ہوں تو میں ظالم سنگھ کے پاس چلا جاؤں۔

کرم بیر سنگھ (نہایت غضبناک ہو کر) کیا ظالم سنگھ کے پاس؟

تیج سنگھ: ذرا غور کریں۔ ؎

پڑے تلوار گردن پر جگر پر تیر چل جائے
لہو آنکھوں سے برسے خون کا دریا اُبل جائے
مگر ممکن نہیں پوری نہ ہو وہ بات مردوں کی
کہ مرتے مرتے بھی اُن کی زباں سے جو نکل جائے

پردھان: یہ سچ ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے مگر آپ پرماتما پر بھروسہ رکھیں، کسی بات کی فکر نہ کریں، اگر سرجن سنگھ دشمن سے مل گیا تو کیا ہوا۔ ہمارا بچہ بچہ اپنی آن پر اس طرح مرمٹے گا کہ رہتی دنیا تک راجپوتی شان کا ڈنکا بجے گا۔

کرم بیر سنگھ: میں خوب جانتا ہوں کہ راجپوت بڑے سورما ہوتے ہیں۔ مرتے مرتے ہزاروں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ لیکن آہ! جب سے وہ نمک حرام دشمن سے جا ملا ہے میرا حوصلہ ٹوٹ گیا ہے۔

پردھان: اگر ہمارے بیچ غداروں کا گروہ پیدا نہ ہو جاتا تو آج ہمیں یہ حال کرنا نہ پہنچنا پڑتا۔

کرم بیر سنگھ: مثل مشہور ہے کہ درخت کاٹنے کو ایک کلہاڑا گیا۔ اس نے ایک شاخ کو پکڑ کر جھکا یا عرض کی درخت بہت گھبرایا کہ جب میرے بدن کا حصہ دشمن کے ہاتھ میں آ گیا تو اب میری خیر کہاں۔ کلہاڑا اس کے ٹہنوں میں سے لکڑی کا دستہ لگا کر درخت کاٹ دیا۔ پس سے معلوم ہوا اگر لکڑی کلہاڑے کی مدد نہ کرتا تو درخت کبھی نہ کاٹا جاتا۔ اگر پرتھوی راج کا بھائی اپنے بھائی کے خلاف نہ ہوتا تو وہ کبھی شکست نہ کھاتا۔

بوڑھا بزرگ گوجر: مہاراج اس کے لئے سوچ لیجئے۔

کرم بیر سنگھ (رنجیدہ ہو کر) مجھے معاف کرنا۔ تو لوگ پردیسی ہو اب دھرم گڑھ رہنے کے قابل نہیں رہا۔ کہیں اور جگہ دیکھو بسنا۔

بوڑھا بزرگ گوجر: مہاراج کیا یوں ہی آپ کا نمک بھرا ہوا جو آپ کے ٹکڑوں سے پل کر بوڑھا ہوا ہو جو آپ کے سہارے پر زندہ رہا ہو کیا وہ نازک وقت میں آپ سے جدا ہو! میرے مالک! میرے سوامی جب تک میرے جسم میں آتما ہے جب تک میرے دل میں پرماتما رہے گا یہ بڈھا آپ کا کبھی ساتھ نہ چھوڑے گا۔

کرم بیر سنگھ: سوچنا چاہیئے۔

بوڑھا بزرگ گوجر: وہ انسان مر کر سیدھا نرک میں جاتا ہے جو مصیبت کے وقت سوامی کی سیوا سے جی چراتا ہے۔ اے پیارے راجا (دل بھر کر) اس بوڑھے سے کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوٹے گا۔

کرم بیر سنگھ (خود بخود) شاباش! میرے سچے وفادار شاباش!

بوڑھا بزرگ گوجر: میری خواہش ہے کہ اگر دشمن سر میدان پر تیر چھوڑے تو اس بڈھے کا سینہ ڈھال بنے۔

ظلم ڈھانے کو اگر جلاد کی تلوار ہے
سر کٹانے کے لئے جانباز بھی تیار ہے

(کرم بیر سنگھ کے علاوہ سب کا جانا)

کرم بیر سنگھ: ؎

اگر ہے فخر تم کو رام کی اولاد ہونے کا
اگر ہے جوش دل میں فکر سے آزاد ہونے کا
اٹھو اے نوجوانانِ وطن اب خوابِ غفلت سے
کرو آزاد مظلوموں کو زنجیرِ مصیبت سے

(پٹاخے کی آواز پر سین کا محل سے بدل جانا)

دھرم پتنی کرم بیر سنگھ (کرم بیر سنگھ کے پاس آ کر) میرے سوامی آج آپ اداس کیوں ہیں؟

کرم بیر سنگھ: دکھ کہا جاتا ہے لیکن خاموش ہو جاتا ہے۔

دھرم پتنی کرم بیر سنگھ: ہاں ہاں کہیے!

کرم بیر سنگھ: جس جاتی کا دشمن بھی لوہا مانتے ہیں جس کا بچہ بچہ سور بیر پراکرمی جنتے ہیں اگر ان میں نمک حرام پیدا نہ ہوتے تو دشمنوں کی اولاد کو یہ دن دیکھنے نصیب نہ ہوتے۔

دھرم پتنی کرم بیر سنگھ (خود بخود) ایسے پرماتما یہ کیا ماجرا ہے؟

کرم بیر سنگھ: ہاں!

دھرم پتنی کرم بیر سنگھ: میرے سوامی کیا ہوا؟

کرم بیر سنگھ: آہ! سرجن سنگھ پورا سانپ نکلا۔ ؎

چھپایا جس نے آستیں میں مہرباں ہو کر
اسی کے حق میں سانپ نکلا جب یہ باہر ہو کر

دھرم پتنی کرم بیر سنگھ (خود بخود) ؎

اگر ہو تا یہ ظلم و ستم بھارت سپوتوں پر
برس جائیں گی آہیں بے کسوں کی برچھیاں ہو کر

کرم بیر سنگھ: سرجن سنگھ! کیا تجھے اس لئے پالا تھا کہ خود غرضی میں پھنس کر آنکھ بدل لینا۔ ملک کا گولہ بارود دشمن کے سپرد کر دینا۔ اگر مجھے یہ خبر ہوتی کہ تو دھوکا دیگا تو میں ہرگز آستین میں سانپ نہ پالتا۔ آہ ؎

بچھائے ہم نے کانٹے اپنے ہاتھوں اپنی راہوں میں!

دھرم پتنی کرم بیر سنگھ: یہ بزدلی، یہ کم ہمتی یہ کمزوری!

کرم بیر سنگھ: پیاری! میرے ساتھ سخت دھوکا ہوا میرا گولہ بارود دشمن کے پاس پہنچ گیا۔

دھرم پتنی کرم بیر سنگھ (گھبرا کر) ایں! کیا دشمن کے پاس پہنچ گیا؟

کرم بیر سنگھ: ہاں میں لٹ گیا ؎

لگے ہے تیر سینے میں بلائے ناگہانی کا
بہت پُر درد ہے قصہ ہماری زندگانی کا

دھرم پتنی کرم بیر سنگھ: فکر نہ کریں مصیبت میں کام آنے والے کو یاد نہیں وہ اپنا فرض پورا کریں۔ بنجا مہ بھگوان پر چھوڑ دیں! ؎

اسی کے ہاتھ میں ہے آبرو بھارت کے لالوں کی
ہر اک مشکل جو ہے راحت و کم دو دالوں کی

کرم بیر سنگھ: دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ تیج سنگھ کو واپس کیا جائے!

دھرم پتنی کرم بیر سنگھ: میرے سوامی! مرنا جینا ہار جیت اور رنج راحت سب ہونہار کے بس میں ہے ان کی فکر بالکل عبث ہے۔ پھر کمزوری دکھانا۔ راجپوتی دھرم پر کلنک لگانا۔ اپنے بزرگوں کا نام ڈبونا۔ ماں دربادہ کو کھونا کیا آپ کے لئے مناسب ہے؟ ؎

گر نہ لو نادگار دل، دل میں گر خوں کی روانی ہے
نہیں تو آتشِ غیرت تمہاری پانی پانی ہے

کرم بیر سنگھ (خود بخود) پیاری اور دیس میرے ساتھ ہے ظلم ستم ہوا۔

دھرم پتنی کرم بیر سنگھ: اپنے بزرگوں کے کارناموں پر غور کرو۔ ہاں! رنجپاری ہیتھ ہے کس قدر حوصلہ دکھایا۔ بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کیا۔ مگر دھرم نہ چھوڑا۔ اسی طرح ہزاروں راجپوتوں نے اپنا سب کچھ نثار کر دیا۔ لیکن دھرم کی راہ سے نہ ہٹایا۔ آج آپ بھی راجپوت جاتی کے سورج ہیں مصیبت سے نہ گھبرائیں۔ تن من دھن سب قربان ہو جائیں۔ راج پاٹ چھوٹ جائیں دھرم گڑھ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے لیکن آپ شرن میں آئے ہوئے مظلوم کا ساتھ نہ چھوڑیں۔

کرم بیر سنگھ (جوش میں آ کر) پیاری! مبارک ہیں وہ خاندان جن میں تمہارے جیسی سوشیل اور ہونہار دیویاں پلتی ہیں، وہ مائیں بڑی بھاگوان ہیں جن کے پیٹ سے ایسی بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں میں اب کبھی ہمت نہ ہاروں گا راجپوتی آن پر جان نثار کر دوں گا۔

دھرم پتنی کرم بیر سنگھ (قدم بوسی کر کے) میرے سوامی!

کرم بیر سنگھ: پیاری اگر ہمیں ناکامیاب ہونا پڑا تو تم بھی اپنا دھرم پالن کرنا۔

(پٹاخے کی آواز پر سین ٹرانسفر ہونا۔ ہزاروں چھوٹیوں کا چتا میں جلتے ہوئے نظر آنا)

دوسرا ڈراپ ختم شد

(باقی آئندہ)

(صفحہ ۱۴ سے آگے)

سیٹھ۔ اُس نے دی قیمت خیال کیا دو ہزار روپے کے زیور کے بالکل آٹھ سو روپے۔ اب کندنی کا زیور اُس کے پاس تھا۔ اگلے روز اُس نے دوسرے دوکاندار سے بات چیت کی۔ دوبارہ روپیہ فی تولے سے زیادہ دینے کے لئے تیار نہ ہوا۔ چوری کا مال کوڑیوں کے مول جاتا ہے۔ چور یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ مل جائے وہی غنیمت ہے۔ مہیش چند اُسی قیمت پر زیور فروخت کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ صراف نے پولیس میں اطلاع کر دی۔ اور مہیش چند کو چوری کا مال فروخت کرنے کے شبہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ اُس کے پاس سے کم و بیش پانچسو روپے کی مالیت کا زیور اور تقریباً چھ سو روپیہ برآمد ہوئے۔ تحقیقات میں اس پر تشدد ہوا پولیس کے پھندے میں آنے کا اُس کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ مار کے آگے بھوت بھی بھاگتا ہے۔ اُس نے گورداس

سے یہاں چوری کرنے کا تمام حال بیان کر دیا۔ لیکن راستے کی پوٹلی کا تذکرہ نہ کیا۔ گورداس کے پاس تار آیا کہ چور پکڑا گیا ہے۔ فوراً آکر اپنے مال کو شناخت کرو۔ گھر کا انتظام ٹھیک کر کے دفتر سے ایک ماہ کی رخصت لیکر گورداس بمبئی پہنچے۔ اُنہوں نے اپنے سب مال کو شناخت کر لیا۔ مہیش چند کا مقدمہ پیش ہوا۔ گورداس کے حیلہ حوالے کرنے سے بھی مقدمہ کا رُخ نہ پلٹ سکا۔ جرم ثابت ہو گیا۔ اور مہیش چند کو دو سال قید سخت کی سزا ہو گئی۔ گورداس نے زیور کے علاوہ چھ سو روپے لینے سے انکار کیا۔ لیکن شہادت سے یہی ثابت ہوتا تھا کہ زیور اور روپیہ سب اُن کا ہے۔ اس لئے مجبوراً اُن کو روپیہ اور زیور سب لینا پڑا۔

بمبئی سے واپسی پر گورداس نے تمام زیور کندنی کے سپرد کر دیا۔ اور نقد روپیہ تمام قرض خواہوں کو ادا کر دیا۔ ایک روز گورداس کھانا کھا کر کھاٹ پر لیٹے تھے۔ کندنی نے کہا۔ "میں تو مارے خوف کے مری جا رہی تھی کیونکہ گہنے کا کھونا بھی بُرا اور پانا بھی بُرا۔ لیکن بھگوان کی مایا اپار ہے یہ تو اُلٹے چھ سو روپے لیکر آیا۔"

گورداس نے جواب دیا۔ "کندنی میں کہتا نہ تھا کہ بھگوان سب دیکھتے ہیں۔ ہمارا سونا کھویا بھی اور پایا بھی گیا۔ اس لئے دونوں کا اثر زائل ہو گیا۔ قرض ادا کرنے کے لئے ہم اپنا زیور بیچ رہے تھے۔ پرماتما نے اُس کی ادائیگی کا دوسرا ذریعہ نکال دیا۔"

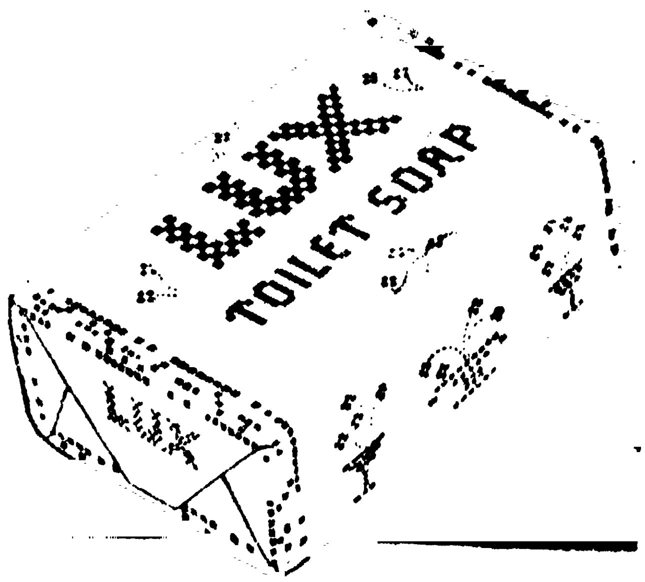
کندنی نے ذرا پیار سے کہا۔ "کیوں جی کیا ایک لڑکا ملازم نہ رکھ لو گے۔ گھر کا سب کام کاج بھی کر لیا کرے گا۔ اور وقت بے وقت کو بچے سہارا بھی ہو جائے گا۔"

"ملازم تو میں رکھ دوں لیکن گھر میں وہ شانتی نہ رہے گی۔" گورداس نے کہا

کندنی نے ذرا تعجب سے پوچھا "وہ کیسے؟" گورداس نے کہا "اول تو نوکر دلیا کام نہیں کر سکے گا۔ جیسا تم کر لیتی ہو۔ کام کرنے سے تمہاری تندرستی بھی اچھی رہتی ہے۔ اور تم بڑے پریم سے سب دھندا کر لیتی ہو۔ نوکر ہونے سے تم ایسا ہی دیتی ہو جاؤں گا۔ ہر چیز کو اُس سے پوشیدہ

رکھنا پڑے گا۔ تاکہ وہ چوری نہ کر لیجائے۔ پرایا من پرولیں برابر ہوتا ہے۔ جب خاص رشتے دار چوری کرنے سے باز نہیں آتے تو نوکر کا کیا بھروسہ۔ اس کے علاوہ کم سے کم آٹھ روپیہ ماہوار کا خرچ بندھ جائے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے پچیس روپیے ملتے ہیں۔ اپنی کو اوڑھو اپنی کو بچھاؤ۔ ویسے جو کام تم میرے سپرد کرو گی۔ میں کر دیا کروں گا۔ مجھے اس سے انکار نہیں۔ کندنی یہ سنکر خاموش ہو گئی۔

گورداس اور کندنی کی گرہستی کی گاڑی بڑے آرام سے چل رہی ہے۔ گورداس کو اب اتنا دان نواز تو نہیں بنتا کہ کندنی کو پریشانی اُٹھانی پڑے لیکن وہ اپنی عادت سے پھر بھی لاچار ہے جو چوری سے جا سکتا ہے لیکن میرا پھیری ہی نہیں جا سکتا کندنی کو کوئی دکھ نہیں ہے لیکن فرصت کے لمحوں میں اُسکو اپنے ضائع شدہ زیور یاد آ جاتے ہیں۔ لیکن پرماتما کی سرشٹی میں کسے دخل ہے یہی سوچ کر ٹھنڈا سانس لیکر وہ اپنے روزانہ کے دھندوں میں مصروف ہو جاتی ہے۔



انتقامِ قدرت

از محترمہ صدیقہ بیگم صاحبہ سیوہارہ ضلع بجنور

خاص برائے تیج ویکلی افسانہ ایڈیشن
ایک اصلاحی افسانہ

"نظر فریب کرتی ہے نگاہیں تھرتھراتی ہیں
محبت ہے وہ افسانہ جسے آنکھیں سناتی ہیں"

آفتاب عالمتاب پردۂ مشرق سے نمودار ہو کر تمام عالم کو بقعۂ نور بنا رہا تھا۔ اس کی نورانی کرنیں دریا کی سنہری سطح پر موجوں سے گلے مل رہی تھیں۔ بادِ نسیم کے فرحت افزا جھونکے پانی کو جھکولے دے کر لہریں بنا رہے تھے۔ خوشنوا پرندے نغمہ سرائی میں مشغول تھے۔ فضا ایک روح افزا مسرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کیف و نشاط سے لبریز وقت میں نعیم کی نظر فیروزہ پر پڑی جو مصروفِ گلگشت تھی۔ وہ ایک خوبصورت ٹوکری ہاتھ میں لئے ہوئے خراماں خراماں چل رہی تھی کبھی کبھی کسی پھول کو توڑ کر ٹوکری میں ڈال لیتی تھی۔ نعیم کی نظریں فیروزہ پر بدستور جمی رہیں۔ چمنِ بہار کی خوبصورت کلی گلاب کی طرح شاداب اس کی آنکھیں غزالیں۔ گلابی ہونٹ۔ صفائی انتہائی درجہ کی خوبصورت بناوٹ۔ نظر میں جذب ہو جانے والے نقش و نگار۔ اس کانٹے کی طرح چھایا ہوا مخمور شباب "اف کتنی حسین ہے کتنی خوبصورت" نعیم کا دل کھنچا جا رہا تھا وہ سنگِ لرزاں کی طرح لرز رہا تھا۔ اس کی آنکھیں کسی حسین خواب کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ وہ خاموش کھڑا تھا اور اس کی آنکھیں اسکے دل کی ترجمانی کر رہی تھیں

اب آفتاب نصف النہار پر پہنچ چکا تھا اور فیروزہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ آفتاب کی سنہری روپہلی کرنیں درختوں سے چھن چھن کر نعیم کے چہرہ پر پڑ رہی تھیں۔ وہ کرسی کا سہارا لئے کھڑا اپنے خیالات میں مستغرق تھا یکایک ایک آواز نے اس کو چونکا دیا۔ نجم الحسن اس کا ایک دوست میز کے قریب کھڑا مسکرا رہا تھا۔

کیا سوچ رہے ہو۔ نجم الحسن نے خلافِ معمول سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ "کچھ نہیں قدرت کی رعنائیاں اپنی پوری عریانی میں کتنی دلفریب معلوم ہوتی ہیں۔ یہی دیکھ رہا ہوں۔" آج اس کے چہرہ پر بجائے مسرت و شادمانی کے اضطراب جھلک رہا تھا۔ وہ مجبوراً مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے نجم سے مخاطب ہوا۔

"سنا ہے آج تمہارے یہاں کوئی پارٹی ہے"۔ "جی ہاں ہم بجے آپ کی بھی دعوت ہے"

"میری۔ بہت اچھا۔ بیٹھو۔" دوست "آج مجھے کام بہت ہے صرف تم کو دعوت کی اطلاع دینے آیا تھا پھر کسی وقت حاضر ہوں گا۔"

"بہت خوب" نعیم نے سر کو قدرے جنبش دے کر کہا۔

موسمِ بہار کی ایک خوبصورت شام تھی جبکہ غروب ہونے والے آفتاب کی آخری مندمل کرنیں طلسم کدۂ عالم کی رنگینیوں میں اضافہ کر رہی تھیں۔ ابر سیاہ و سفید کے ٹکڑے فضائے بسیط میں منتشر تھے جن سے شفق نے رنگارنگ کے خوبصورت پھول بنا رکھے تھے۔ آم کے ساکت اور بلند قامت درخت حسرت بھرے انداز میں زبانِ حال سے روزِ روشن کو الوداع کہہ رہے تھے۔

خوبصورت پرندے اپنے اپنے آشیانوں میں بیٹھے خدا حافظ کی زمزموں سے فضا کو مترنم کر رہے تھے۔ نعیم ایک درخت کے نیچے سرسبز گھاس پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ تفکرات اور پریشانیاں اس کے چہرہ سے عیاں تھیں۔ وہ خیالات کی دنیا میں غرق ہو گیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا۔

"آہ فیروزہ۔ پیاری فیروزہ۔ چمنِ بہار کی نوشگفتہ کلی میرے دل کی ملکہ کیا تجھے میری شکستہ حالت کا احساس نہیں؟ آخر کیوں تیری توجہ اس طرف مبذول نہیں ہوتی۔ آہ۔ ایک شکستہ میرا دل۔ تجھ سے رحم و کرم کی بھیک مانگ رہا ہے کیا وہ محروم ہی رہے گا؟" وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھا اور وارفتگی کے عالم میں دریا کے کنارے ٹہلنے لگا جہاں چھوٹی چھوٹی مسرور انسانوں سے بھری کشتیاں دریا کی سنہری روپہلی سطح پر ست خرام تھیں۔ نعیم سگار کا کش لگاتے ہوئے ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ زیر لب کچھ بڑبڑاتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے اٹھا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن علی الصبح نعیم اپنی خوابگاہ سے باہر آیا اس کی آنکھیں گہرے سرخ تھیں جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ رات بھر نہیں سویا۔ دل کی کیفیت اس کے چہرہ سے ہویدا تھی اور وہ اس وقت بھی کسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھا۔ ملازم نے ناشتہ لا کر میز پر چن دیا۔ نعیم نے غسل کیا۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر مطالعہ کے کمرہ میں گیا اور طبیعت بہلانے کے لئے اس نے ایک ناول نکالا اور پڑھنا شروع کیا۔ لیکن اس کی طبیعت اس میں بالکل نہ لگی۔ فیروزہ کا خیال بار بار اسکو بے چین کر رہا تھا گو وہ ناول پڑھ رہا تھا لیکن فیروزہ کی دلفریب تصویر اسکی نظروں کے سامنے رقص کر رہی تھی۔ یکایک کسی نے اپنی نازک انگلیوں کی جنبش سے پردہ کو ہٹاتے ہوئے کہا "کیا میں آ سکتی ہوں"

"جی ہاں" نعیم نے آہستہ سے کہا وہ حیران و ششدر رہ گیا اس کی نظروں میں بجلی کوند گئی۔ فیروزہ اس کے سامنے کھڑی تھی سرخ ساری نے اس کے جسمِ رعنا کی نزاکت کو اپنی نمائش کی دل آرائی سے دوبالا کر رکھا تھا۔ اس کے لبوں پر تبسم گلفشانی کر رہا تھا۔ "مسٹر نعیم اب میں علی گڈھ کو الوداع کہہ رہی ہوں میں آپ سے رخصت ہونے آئی ہوں۔ اگر خدا کو منظور ہوا تو پھر کبھی ملاقات ہو گی۔"

وہ ایک لمحہ تک اسے گھورتی رہی ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس کی آنکھوں سے سامانِ آفتاب کی حسین کرنوں نے جذب کر لیا ہے۔ اس میں چمک تو ضرور تھی مگر ایسی بے فراغت جیسے متحرک پارہ۔ نعیم نے ایک آہ سرد بھری اور فیروزہ کو بغور دیکھتے ہوئے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ فیروزہ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں" فیروزہ سب کچھ سمجھ چکی تھی۔ "ہاں ہاں کہہ دیجئے ابھی کیا جلدی ہے"۔ "فیروزہ مجھے امید ہے کہ تم میری زندگی کی ......" "ہاں ... لیکن اس سے قبل آپ کو اس بات پر غور کر لینا چاہئے کہ ہم دونوں کے درمیان ایک فولادی دیوار حائل ہے ..... ف .... نعیم چاند اور ستارے ایک ہی آسمان پر ہیں لیکن ایک دوسرے کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔ آپ ایک رئیس کے بیٹے ہیں اور میرے والدین کچھ زیادہ رئیس نہیں ہیں گو کہ وہ میری ہر خواہش کو پورا کرتے ہیں ..... لیکن میں انکو اپنی خواہشات کا شکار بنانا نہیں چاہتی۔" "افسوس ..... فیروزہ تم محبت کی اہمیت سمجھنے سے قاصر ہو ..... محبت ہی نے فرہاد سے پتھر تڑوائے اور مجنوں صحرائے نجد میں خاک چھانا کیا۔"

"ہاں مسٹر نعیم میں اس کو تسلیم کرتی ہوں ..... لیکن افسوس اب قیس جیسے انسان ہی پیدا نہیں ہوتے۔ وہ زمانہ گیا اور اس کے ساتھ محبت بھی معدوم ہو چکی ہے۔ اب وفا کا نام ہی نام رہ گیا ہے ورنہ دنیا میں اس کا وجود ہی نہیں۔ لاکھوں میں ایک بھی ایسا نہ نکلے گا جسے بے لوث اور سچی محبت ہو۔"

یکایک فیروزہ کی زبان رک گئی اور وہ اپنے مستقبل کے خیال میں محو ہو گئی۔

"آہ فیروزہ میں اپنی محبت کا تمہیں کس طرح یقین دلاؤں۔ کاش تمہیں اس کا احساس ہوتا کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ اف فیروزہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں تمہاری ایک صرف ایک نگاہِ محبت پر اپنی جان عزیز کا قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ خدا کے واسطے اے مجسمۂ حسن تغافل شعار فیروزہ میرے شکستہ حال پر رحم کرو۔ میں تمہارے لئے۔ صرف تمہارے لئے زندہ ہوں۔ اگر تمہارے والدین نے اس کو گوارا نہ کیا تو میری امیدوں کی منور دنیا فنا ہو جائے گی۔"

"نہیں ..... نہیں ..... مسٹر نعیم میں اپنے والدین کو اتنا خودغرض اور بے رحم تصور نہیں کرتی۔ وہ اور کیا چاہتے ہیں سوائے اس کے کہ ان کی اولاد آرام سے زندگی بسر کرے"

دونوں میں محبت کے عہد و پیمان ہوئے۔ اس کے بعد فیروزہ پہلی ٹرین سے دہلی چلی گئی اور دوسرے روز نعیم لکھنؤ روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد ان دونوں کی شادی ہو گئی۔

شادی کے دو سال بعد خزاں کی ایک سنسان رات کو جبکہ سارے عالم پر ایک یاس انگیز کیفیت چھائی ہوئی تھی رات کی رانی کے خزاں رسیدہ پتے بادِ سموم کے مسلسل گرم تھپیڑوں سے تھرا رہے تھے اور موت کی کشمکش انکو پامال کر رہی تھی۔ فیروزہ باورچی خانہ میں روٹی پکا رہی تھی۔ اس کا دل آلام میں جھکولے کھا رہا تھا چہرہ کی زردی آنکھوں کے گرد حلقے اس کی تکالیف کا انکشاف کر رہے تھے ..... آہ وہ صفت فرشتہ خصلت خوش اخلاق فیروزہ ناقدردان انسانوں کے دستِ ظلم میں گرفتار ایک طائر پرشکستہ کی طرح تڑپ رہی تھی۔ اس کی مسرتوں اور ارمانوں کا آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ آزادی اور شادمانی کی دنیا سے نکل کر وہ ایک ایسی دنیا میں پڑ گئی تھی جہاں تفکرات اور پریشانیوں کے بادل منڈلا رہے تھے۔

آہ مکر و فریب نے ایک غریب کی زندگی کی مسرت اور شادمانی چھین لی۔ کس کو خبر تھی کہ اس کا سازِ عشرت ایک ستار کے تار کی مانند جھنجھنا کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے گا۔ کون جانتا تھا کہ زہرہ جس کو بہو دیکھنے کی بڑی آرزو تھی جو ہزاروں مرادوں سے چاند سی بہو بیاہ کر لائی تھی آج وہی ساس فیروزہ کے خون کی پیاسی ہو رہی تھی نعیم جو فیروزہ کے شمع حسن کا پروانہ تھا شادی ہونے سے پہلے ایفائے عہد کر چکا تھا۔ وہی ہاں وہی نعیم آج اپنے عیش و عشرت میں فیروزہ کو خار سمجھنے لگا تھا۔ اگر کسی سے کوئی نقصان ہوتا تو بیچاری فیروزہ کے سر تھوپا جاتا۔

وہاں کوئی اس کا پرسانِ حال نہ تھا۔ ہر ایک کی نظروں میں وہ ذلیل و خوار تھی۔

"کمبخت نے ہماری جان کھا لی ہے۔ میاں کتنی دیر سے بیٹھا روٹی مانگ رہا ہے مگر اس کو کب ساعت ہے۔ اس کو تو فیشن ہی سے فرصت نہیں۔ اس نے تو کتا سمجھ لیا ہے بھونکے جائے اس کو کیا پرواہ" زہرہ یوں چیختی چلاتی گھر میں چلی گئی۔ فیروزہ بیہوش ہو گئی۔

رات کے بارہ بج چکے تھے فضا پر ایک مہیب خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ فیروزہ کو کچھ ہوش آیا اس نے آسمان کی طرف حسرت بھرے انداز سے دیکھا۔ چاند کا روشن چہرہ زرد ہو گیا اس کی مغموم کرنیں پتوں سے چھن چھن کر فیروزہ کے پژمردہ رخساروں پر پڑ رہی تھیں۔ فیروزہ بمشکل تمام زمین سے اٹھی۔ وہ دیوانہ وار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی مگر آہ وہاں کون تھا۔ وہ جنگل تھا جہاں آبادی کا دور دور پتہ نہ تھا۔ ہر طرف سے درندوں کی بھیانک آوازیں آ رہی تھیں۔ فیروزہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگی اور اپنے خدا سے گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگی "اے فلک کج رفتار تو نے مجھ پر یہ ظلم کیا۔ کیا تجھکو میری مظلومی پر رحم نہیں آتا! او خدا او خدا مجھ پر رحم کر ایک کمزور ہستی پر رحم کر۔ میرا دل غم سے چور چور ہے اب مجھ میں اتنی قوت نہیں جو قسمت کے اور انقلابات دیکھ سکوں۔ میرے مالک مجھ بیکس کی دعا قبول کر میرے سرتاج کو آہ میرے مالک کو مجھ سے ملا دے آہ وہ مجھ پر

(باقی سلسلہ اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے آگے

کتنے ہی ظلم کرینگے لیکن ہنکے دامن شرافت پر دھبہ نہ آنے دونگی آہ۔ سراج تم نے مجھکو دھوکا دیا۔ نگر نہیں نہیں میرا خیال غلط ہے۔ میرا یہ الزام تمہارے دامن شرافت پر بد نما دھبہ ہے۔ تم میرے سرتاج ہو میرے مالک۔ تم ایسا کہلانے کے ہرگز مستحق نہیں میں تمہاری بیوی بننے کا حق ادا کردنگی۔ تمہارے ظلم کو محبت اور جفا کو وفا سے جواب کردنگی کیونکہ تم میرے مالک ہو۔ آہ میرے سراج وہ دن یاد ہیں جب ہم دونوں دریا کے ساحل پر محبت کے عہد و پیمان کیا کرتے تھے۔ آہ وہ دن یاد ہیں جب تم اپنی کائنات مجھ پر نثار کرنے کے لئے تیار تھے۔ تمہیں آہ میرے سرتاج تم نے ایک لغزش سے میرے تمام [illegible] درہم برہم کردیا اور پھر میری امیدوں کے رنگین [illegible] مسمار کرکے افسوس پھر خود میرے تڑپنے کا ہنس ہنس کر تماشہ دیکھتے رہے [illegible] سرتاج جب تم نے اس سنسار میں [illegible] منہ موڑ لیا تو پھر کون مجھ سے پریم کرسکتا ہے۔ وہ بڑھاپے [illegible] کا شکار ہو رہی تھی۔ اس کا ملال خون کے آنسو [illegible] رہا تھا اس میں ایک قدم بھی چلنے کی قدرت نہ تھی۔ تین دن سے وہ اسی سنسان جنگل میں گذرا ایسی حالت میں خدا نے اس کو چاند سا بچہ دیا۔ اب اس پر خوشی [illegible] کے بجائے مصیبت کا ایک اور پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ [illegible] کی شدت نے اس کے پھول سے چہرہ کی [illegible] کملا دیا تھا۔ اب اس غریب شکستہ دل عورت میں [illegible] دردناک منظر کے دیکھنے کی طاقت نہ تھی [illegible] زمین پر گر پڑی اور اپنی آنکھیں بند [illegible] وہ اب موت کی آغوش میں آخری نیند سونا چاہتی تھی [illegible] کے [illegible] قدرت کے [illegible] تکمیل کے [illegible] زندہ رہنا چاہتی تھی۔ ایک بچہ کی پرورش [illegible] باپ کی [illegible]۔ وہ گھبرا کر اٹھی۔ بچہ [illegible] اور آنسو سے بھیگے ہوئے دامن میں سمیٹ لیا اور ایک طرف کو چلدی۔

بالآخر وہ منزل مقصود پر پہنچ گئی۔ وہ جلدی سے مکان کے اندر داخل ہوئی۔ وہاں کیا تھا ہر طرف سناٹا چھایا ہوا۔ بھائی۔ بہن۔ باپ کا نام صفحہ ہستی سے مٹ چکا تھا۔ اس کی ہستیاں موت کی آغوش میں ابدی نیند سو رہی تھیں ....

آہ ..... جس گھر میں شمع مسرت جلا کرتی تھی۔ امیدوں کے بادل منڈلایا کرتے تھے۔ آج وہ گھر ویران تھا اور در و دیوار سے حسرت ٹپک رہی تھی۔

میں جب ایک کمرہ سے کسی کے کراہنے کی مسلسل آوازیں آ رہی تھیں۔ فرزندہ دوڑکر کمرہ میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا اس کی ماں چارپائی پڑی دم توڑ رہی تھی۔ باقی کمرہ میں ہر طرف ایک خوفناک سکوت تھا۔

"ماں ..... خدا کے لئے آنکھیں کھولو تو تمہاری بد نصیب فرزندہ آگئی"

وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ مریضہ نے آنکھیں کھول دیں اور اپنے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے فرزندہ کو اپنے سینہ سے لگا لیا اور کہا ....

"فرزندہ تم آگئیں تو اب موت بھی اطمینان سے آسکے گی"

یہ کہتے ہوئے اس کی زبان ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی

(بیس سال بعد)

بہار کا آغاز تھا چھوٹی چھوٹی سرسبز پہاڑیاں خلعت زمردیں پہنے کھڑی تھیں۔ ہر سو سرو کے جھونکے پودوں میں تازگی و شگفتگی پیدا کر رہے تھے لب دریا ایک چھوٹا سا اٹیچ تھا جس پر ایک سن رسیدہ عورت سبز و نازک ہوئی نہایت پرسوز لہجہ میں گا رہی تھی اس کی آنکھوں سے مسلسل قطرات اشک ہیروں کی طرح چمک رہے تھے اس کے بال سفید تھے۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے لیکن جسم کی بناوٹ انتہائی دلفریب تھی کچھ فاصلہ پر ایک نوجوان دریا کے ساحل پر بیٹھا تھا اور اس کے پہلو میں ایک حسین نازنین جلوہ افروز تھی جسے دیکھنے سے وہ اس کی بیوی معلوم ہوتی تھی۔ دونوں نے مل کر کنول کے پھولوں کا ایک خوبصورت [illegible] بنایا گیا۔ جب دونوں خوش خوش اس [illegible] آئے نوجوان عورت نے پھولوں کا ہار بوڑھی عورت کو پیش کیا۔ نوجوان بولا

"ماں یہ ہار آپ کی بہو نے آپ کے واسطے گوندھا ہے آپ اس کو قبول کیجئے"

بوڑھی عورت مسکرائی اور دونوں کو پیار کرکے چوم لیا تھوڑی دیر بعد یہ تینوں اٹھ کر جنگل کی طرف چلے گئے نوجوان کہنے لگا "ماں دیکھو یہ سامنے فقیر کی جھونپڑی ہے جس نے کتنی ہی اس فقیر سے بات کرنے کا ارادہ کیا مگر ہمت نہ ہوئی۔ یہ فقیر معلوم نہیں کب سے ساحل پر آکر بیٹھا کرتا تھا۔ کتنی مدت سے میں اس کو نہیں دیکھا آؤ چلو اس سے ملاقات کریں"

یہ تینوں باتیں کرتے ہوئے جھونپڑی میں داخل ہوئے ہر طرف سکوت چھایا ہوا تھا۔ ایک طرف ایک میلا کمبل پڑا تھا اس پر فقیر دیوار کا سہارا لئے ہوئے بیٹھا تھا سامنے دیوار پر ایک بہت بڑی تصویر لگی تھی جس پر لکھا تھا (فرزندہ) فقیر اس کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

نوجوان نے فقیر کو حرکت دی گویاں کیا تھا نہ جانے کب کا مر چکا تھا۔ اس کی آنکھوں کا سارا نور تصویر میں جذب ہو چکا تھا۔ بوڑھی عورت کانپ رہی تھی جس طرح کنول کی نرم و نازک پتی کو ہوا کے سرد جھونکے اپنے دامن میں لے کر رقص کراتے ہوں ....

اس نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ فقیر کی آنکھوں پر رکھ دیا اور اس کی زبان سے بے اختیار نکلا ———

"م۔ نعیم! انتقام قدرت"

آہ اس کی آنکھوں سے محبت کے دو آنسو

ایک بادشاہ تھا

ترجمہ از جناب رشدی بھوپالی

خاص ”تیج ویکلی“ کے لئے

افسانہ

شاعر اعظم ٹیگور کا ایک دلکش افسانہ

”کسی زمانہ میں ایک بادشاہ تھا“!

جب ہم بچے تھے۔ اور ہم میں کچھ سوجھ بوجھ نہ تھی۔ تو ہمیں معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کہ وہ پریوں کی کہانیوں میں کون بادشاہ تھا؟ اور نہ ہمیں یہ خیال تھا۔ کہ وہ سلاطین کہلاتا تھا یا ساہیون۔ کاشی میں رہتا تھا یا قنوج میں۔ ایک سات سالہ بچے کے لئے جو چیز مسرور کر سکتی تھی۔ اور جس کی وجہ سے اُس کا دل دھڑکنے لگتا تھا۔ اُس کی حقیقت یہ تھی۔ کہ کسی زمانہ میں ایک بادشاہ تھا۔ لیکن آجکل کے قارئین بہت زیادہ تجسس اور متلاشی واقع ہوئے ہیں۔ جب کبھی وہ اس نوعیت کی کہانی سنیں گے۔ تو وہ فوراً اپنی تنقید۔ تشکیک و شبہ سے پل چل مچانے قائم کر لیں گے۔ اور کہانی کے تاریک پہلو پر روشنی ڈالکر پوچھیں گے ”کونسا بادشاہ“؟

حقیقت گو بھی اب کس قدر محتاط اور باریک بین ہو گئے ہیں اور وہ خود پیرانہ طرز پر یہ کہنا گوارہ نہ کرینگے۔ کہ کسی زمانہ میں ایک بادشاہ تھا۔ بلکہ ایک عالمانہ وقتِ نظر سے اس طرح آغاز داستان کرینگے کہ کسی زمانے میں اجاتسترو نامی ایک بادشاہ تھا۔ لیکن ہمارے نئی روشنی کے نوجوان پھر مضطرب نظر آئیں گے۔ وہ اس سے مطمئن نہ ہوں گے۔ بلکہ اپنے علم کی عینک لگا کر مصنف پر ایک متجسس نظر ڈالکر یوں منطق بگھارینگے ”کونسا اجاتسترو“؟

جب ہم ذرا بڑے ہوئے۔ تو کہانیوں کی شیرینی اور عمدگی سے بھی واقف ہو گئے۔ ہم علمیت اور استعداد کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ ہم صرف سچائی کے خیرخواہ تھے۔ ہمارے ”معصوم دل“ خوب جانتے تھے کہ کہانی سچائی کا تصرف ہے۔ اور کس طرح وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے۔ لیکن ہم آجکل واقعات پر صفحے کے صفحے لکھنے کیلئے آمادہ ہیں۔ جبکہ صرف حقیقت یہ ہے۔ کہ ”ایک بادشاہ تھا“

مجھے کلکتہ کی وہ شام اچھی طرح یاد ہے۔ جب وہ دلکش کہانی شروع ہوئی تھی۔ صبح سے بڑی زور و شور کی بارش ہو رہی تھی۔ شہر میں ہر طرف سیلاب ہی سیلاب تھا۔ اور ہماری گلی میں بھی پانی بھرا ہوا تھا۔ اُس وقت میرے دل میں ایک دھندلی سی اُمید تھی۔ کہ شاید آج ماسٹر صاحب یہاں آنے کی۔ وہ بھی اس طوفان ریزہ باراں میں۔ تکلیف گوارا نہیں کرینگے۔ میں برآمدہ میں بیٹھا۔ گلی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ہر لحظہ میری نظر بارش پر تھی۔ اور جب بارش کم ہونے لگتی۔ تو میں اپنی پوری قوت سے التجا سے پرارتھنا کرتا۔ ”اے پرماتما“! اپنی دیا سے لے، سنجے تک بارش ہونے دے“ کیونکہ میں سمجھتا تھا۔ کہ تیز بارش ایک لاچار لڑکے کو جو کلکتہ کے ایک گوشہ میں دبکا ہوا ہے۔ ماسٹر کے خوفناک پنجہ سے نجات دلا سکتی تھی!!

میری دُعا کا اثر سمجھئے۔ یا قدرت کی نیرنگی کہ بارش برابر ہوتی رہی۔ لیکن ماسٹر ——— ٹھیک اسی دم اُس کی چھتری مجھے گلی میں نظر آئی۔ میری اُمیدوں اور آرزوؤں کا خون ہو گیا۔ دل ڈوب گیا۔ اگر مرنے کے بعد پھر انسان پیدا ہوں تو اُس وقت کاش میں ماسٹر کی جگہ جنم لوں اور ماسٹر میری جگہ۔ اُس کی چھتری دیکھتے ہی میں ماتا جی کے کمرہ کی طرف دوڑ گیا۔ میری ماں اور دادی آمنے سامنے بیٹھی تاش کھیل رہی تھیں۔ اور قریب ہی ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا۔

میں نے اپنے آپکو کمرہ میں پہنچتے ہی بستر پر گرا دیا۔ اور کہا ”ماں! ماسٹر صاحب آ گئے ہیں۔ میرے سر میں سخت درد ہے۔ جس کی وجہ سے سبق نہیں لے سکتا“۔ بلا چون و چرا میری درخواست منظور ہو گئی۔ ماں نے مجھ سے کہا۔ ”اچھا“ اور نوکر سے مخاطب ہو کر ”ماسٹر صاحب سے کہدو کہ واپس چلے جائیں۔ آج بچہ کے سر میں درد ہے۔

مجھے یقین کامل ہے۔ کہ ماں نے میری علالت کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دی۔ بلکہ برابر اپنے کھیل میں مصروف رہی۔ اور میں تکیوں میں منہ چھپائے اپنی کامیابی پر ہنس رہا تھا۔ ہم دونوں۔ ماں اور میں ایک دوسرے کی فطرت سے خوب واقف تھے۔ میں کب تک تکیوں پر پڑا رہتا۔ دو ایک منٹ بعد ہی میں نے دادی سے کہا۔ ”دادی مجھے کہانی سناؤ“۔

میں نے اپنے سوال کو متعدد بار دہرایا۔ دادی اور ماں دونوں کھیل میں منہمک تھیں۔ کسی نے بھی میری طرف توجہ نہ کی۔ جب میں نے اپنے سوال کی تکرار جاری رکھی۔ تو ماں نے اُکتا کر کہا ”بچے! پریشان نہ کرو۔ بازی ختم ہونے دو پھر سُن لینا کہانی“۔

لیکن بھلا میں کب ماننے والا تھا۔ میں نے ضد کرتے ہوئے کہا۔ ”دادی کہانی سناؤ“! اور ماں سے کہا کہ اپنی بازی کل ختم کر لینا۔ لیکن دادی کو کہانی کہنے دو۔ میں ابھی وقت اور ابھی سنوں گا۔ آخر ماں نے جھلا کر تاش ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ ”اچھا لے سُن کہانی“۔

جب ماں چلی گئی تو میں پھر دادی سے جا لپٹا۔ میں نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور خوشی سے ناچتے ہوئے بستر پر مچھردانی کے اندر کھینچ لایا۔ اور مارے خوشی کے گاؤ تکیہ کو بہت زور سے دبا ڈالا۔ ”اچھا سناؤ کہانی“! میں نے دادی سے کہا۔

دادی نے کہنا شروع کیا۔ ”ایک بادشاہ تھا۔ اور اس کی ایک ملکہ تھی“۔ میں بہت خوش ہو رہا تھا۔ کہانی کا آغاز اچھا تھا۔ کہ بادشاہ کی ایک ہی ملکہ تھی۔ کیونکہ اکثر اس طرح کی کہانیوں میں بادشاہ کی ایک سے زیادہ ملکہ ہوتی تھیں۔ اور جب ہم یہ سنتے کہ اُس کی دو ملکہ تھیں۔ تو ہمارے دل میں غمگین خیالات اُمنڈ آتے۔ کیونکہ اس میں ایک بیچاری ضرور بدقسمت اور رنجیدہ ہوتی۔ لیکن دادی کی کہانی میں ہمیں اس بات کا اندیشہ نہ تھا۔ دادی کی کہانی کے اجمال کی تفصیل یہ ہے

”بادشاہ کے کوئی اولاد نہ تھی“ بھلا مجھے اس سے کیا مطلب کہ بادشاہ کے اولاد نہ تھی۔ تو اس سے اُس کو کیا تکلیف تھی۔ اور میں اس بات سے خوش ہوا۔ کہ بادشاہ کو جنگل میں ریاضت کے لئے جانا پڑا۔ کہ شاید اس طرح اُس کا نخل تمنا بارآور ہو جائے۔ اور خوبصورت بیٹیا نصیب ہو اور یہ خیال میرے دل میں ضرور گذرا۔ کہ جنگل میں اگر میں چلا جاؤں۔ تو اپنے ماسٹر کے پنجۂ استبداد سے بچ سکتا ہوں۔ بادشاہ کو چاہت تھی بیٹے کی۔ چنانچہ وہ اپنی بیوی اور چھوٹی بچی کی بھی پروا نہ کرتے ہوئے جنگل میں چلا گیا۔ ۱۲ سال بیت گئے۔ لیکن بادشاہ برابر عبادت و ریاضت میں مشغول رہا۔ اس عرصہ دراز میں اسے اپنی لڑکی کا ذرا بھی خیال نہیں آیا۔ شہزادی اب عالم شباب کی منزل سے گذر رہی تھی۔ وہ حسین تھی۔ خوبصورت ——— حسینہ، آفتاب اور چندے ماہتاب کہا جائے تو بجا ہے۔ لڑکی کی شادی کا وقت بھی گذر رہا تھا۔ لیکن بادشاہ نے مراجعت نہیں کی ملکہ غم سے گھلی جاتی تھی۔ اور رو رو کر کہتی ”آہ! کیا میری حسین بیٹی بغیر شادی کئے ہی مر جائے گی؟ آہ میں کس قدر بدبخت ہوں۔ میری تقدیر مجھ سے برگشتہ ہو گئی ہے“۔

اس کے بعد ملکہ نے بادشاہ کے پاس بہت سے آدمی بھیجے۔ کہ وہ اُس کو گھر آنے کی ترغیب دیں۔ اور کہیں کہ صرف ایک رات ہی محل میں کھانا تناول کر لیجئے۔ اس پر بادشاہ راضی ہو گیا۔ ملکہ نے نہایت تکلف اور احتیاط سے رنگا رنگ کے کھانے پکائے۔ بادشاہ کے بیٹھنے کے لئے ایک صندلی کرسی رکھی گئی۔ تمام کھانے سونے چاندی کے دلکش پیالوں اور طشتریوں میں نہایت سلیقے سے چنے گئے۔ شہزادی بادشاہ کی کرسی کے پیچھے طاؤس کے پروں کا پنکھا لیکر کھڑی ہوئی۔ بادشاہ اپنی بارہ سال کی غیر حاضری کے بعد قصر شاہی میں داخل ہوا۔ شہزادی پنکھا جھلنے میں مصروف تھی۔ اس کے ضیا بار حسن سے سارا کمرہ جگمگا رہا تھا۔ بادشاہ اُس کے حسن و جمال کو دیکھ کر کھانا تک بھول گیا۔ آخر اُس نے اپنی حیرت کو دور کرنے کی خاطر ملکہ سے پوچھا ”یہ کون لڑکی ہے؟ جس کے جمال جہاں آرا نے سارے کمرہ کو منور کر رکھا ہے۔ یہ تو حُسن کی دیوی معلوم ہوتی ہے۔ کس کی بیٹی ہے یہ“؟

ملکہ نے آپ سے پیٹتے ہوئے کہا ”آہ! میں کس قدر بدبخت ہوں۔ تم اپنی ہی بچی کو نہیں پہچانتے“!

کچھ وقت تک تعجب اور حیرت نے اس کی گویائی سلب کی لیکن آخر میں وہ چلا اُٹھا۔ ”میری ننھی بچی۔ بڑی ہو گئی“!

”تو پھر کیا ہوتی“؟ ملکہ نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا ”کیا تمہیں معلوم نہیں۔ کہ پورے بارہ سال بیت چکے ہیں۔ لیکن تم نے اب تک اس کی شادی کیوں نہیں کی“؟ بادشاہ نے دریافت کیا۔

”آپ موجود کب تھے“۔ ملکہ نے جواب دیا۔ ”اور میں اکیلی اس کے لئے کس طرح لائق شوہر تلاش کر سکتی تھی“؟ یہ سنکر بادشاہ کو بہت تردد ہوا۔ اور اُس نے اُسی وقت قسم کھائی کہ کل صبح جب وہ محل سے نکلیگا۔ اور سب سے پہلے جو شخص نظر آئے گا۔ اُسی کیساتھ شہزادی کی شادی کر دی جائیگی۔

شہزادی برابر پنکھا جھل رہی تھی۔ حتیٰ کہ بادشاہ نے کھانا بھی ختم کر لیا ——— !

دوسرے دن صبح جب بادشاہ محل سے نکلا۔ تو اُس کی نظر ایک برہمن کے لڑکے پر پڑی۔ جو جنگل میں لکڑیاں جمع کر رہا تھا۔ اُس کی عمر ۷، ۸ سال کے لگ بھگ تھی ———!

بادشاہ نے لڑکے کو دیکھتے ہی کہا۔ ”میں اسی کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کروں گا“!

بھلا کس کی مجال تھی کہ بادشاہ کے حکم سے سرتابی کرتا ——— فوراً وہ لڑکا بلا لیا گیا۔ شہزادی اور اُس کے گلے میں شادی کے ہار ڈالے گئے۔

اس جگہ میں بالکل دادی کے قریب آگیا اور کہا۔ ”اچھا پھر کیا ہوا“؟ میرے دل میں بھی شوق چرایا کہ کاش وہ سات برس کا لڑکا میں ہی ہوتا!

رات بہت زیادہ پُرشور اور خوفناک تھی۔ بارش کی آواز فضا میں تھرتھرا رہی تھی۔ اور مٹی کا چراغ میرے قریب نہایت دھیما جل رہا تھا۔ کہانی کہتے کہتے دادی کی آواز بھی سست ہو گئی تھی۔ ان خیالات نے میرے ”پاکیزہ دل“ پر اس قدر اثر کیا۔ میں سمجھنے لگا۔ کہ میں کسی نامعلوم سلطنت میں لکڑیاں چن رہا ہوں۔ اُسی وقت مجھے شہزادی سے شادی کے ہار پہنائے گئے۔ میں بہت خوش ہو رہا تھا۔ وہ بہت حسین تھی۔ بالکل حُسن کی دیوی۔ کانوں میں دلکش بندے جھلملا رہے تھے۔ گلے میں سونے کی مالا اور صندلی تھی۔ اور ایک سنہری زنجیر ——— اُسکی نازک کمر کے گرد حلقے کئے ہوئے تھی۔ پاؤں میں خوبصورت جوتا زیب تن کئے ہا تھا۔

اگر میری دادی کوئی مصنفہ ہوتی۔ تو اس مختصر سی کہانی میں بھی غیر معمولی تفصیل سے کام لیتی اور معقول دلائل بھی دیتے

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

پست سب سے پہلا اعتراض اُس پر یہی ہوتا ہے "بادشاہ بارہ سال تک عقل پر کیوں رہا؟ اس وقت شہزادی کی شادی کیوں نہیں ہوئی کیونکہ شادی میں اتنی دیر متعدد شکوک اور بدگمانیاں پیدا کر سکتی ہے۔ بالفرض اگر ناقدین ان اعتراضات کو نظر انداز بھی کر دیتے تو شادی کے معاملہ میں تو یہ اچھا اور اُٹھتا یہ لوگ ضرور یہ کہتے کہ جدید بیسویں صدی میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شاہی خاندان کی لڑکی ایک معمولی برہمن کے لڑکے سے بیاہ دی جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ مصنف نے بات رسم و رواج کا مضحکہ اُڑایا ہے۔ اور آپس میں جذبات منافرت پھیلانا چاہتی ہے۔ چنانچہ اس کے خلاف اخبارات میں بھی شور و غوغا بلند کیا جاتا۔ مگر شکر ہے کہ وہ کوئی مصنف نہیں۔ اگر دادی بچ پوچھئے تو میری ہی "ماں ہے" کہ وہ دادی جی ہے۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ "اچھا پھر کیا ہوا؟"

دادی نے سلسلہ داستان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ پھر شہزادی اپنے ننھے شوہر کو اپنے ساتھ لے گئی۔ اس کے لئے ایک عظیم الشان سات پردوں کا محل بنایا گیا۔ اور وہ ہنسی خوشی سے رہنے لگے۔" میں اپنے بستر پر اُچھل پڑا اور تکیہ کو زور سے دباتے ہوئے کہا "پھر کیا ہوا؟" وہ لڑکا پھر مدرسہ جانے لگا۔ اور تعلیم حاصل کرنے لگا۔ جب وہ ذرا بڑا ہوا تو اس کے ساتھیوں نے پوچھا۔ "وہ حسین عورت جو تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ کون ہے؟" برہمن کا لڑکا خود اس حقیقت سے ناواقف تھا۔ کیا جواب دیتا۔ وہ خود اس بات کو جاننے کا مشتاق تھا کہ وہ عورت ہے کون؟ اُسے صرف اتنا یاد تھا کہ ایک دن وہ جنگل میں لکڑیاں چُن رہا تھا کہ یکایک ایک شور و غوغا بلند ہوا۔ اس کے بعد پھر کیا ہوا؟ اسے بالکل یاد نہ تھا۔ اسی طرح ۴، ۵ سال گذر گئے۔ اس کے ساتھی ہمیشہ اُس سے یہی پوچھا کرتے کہ وہ عورت جو تمہارے محل میں رہتی ہے۔ کون ہے؟

بیچارہ برہمن کا لڑکا روزانہ گھر آتا۔ اور شہزادی سے نہایت افسردگی کیساتھ کہتا کہ میرے ساتھی روز مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا کرتے ہیں۔ لیکن میں جواب دینے سے قاصر رہتا ہوں خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ ہو کون؟

شہزادی نے جواب دیا۔ "جانے بھی دو پھر کسی دن بتلا دونگی!"

برہمن کا لڑکا روزانہ یہی پوچھتا "تم کون ہو"؟

شہزادی کہتی "آج رہنے دو پھر کسی دن بتلا دونگی"؟ چنانچہ اس کشمکش میں چار پانچ سال اور گذر گئے۔ آخرکار برہمن زادہ بہت پریشان ہو گیا اور صبر کرتے کرتے اکتا گیا۔ تو ایک دن بے اختیار چلا اٹھا۔ "اگر تم آج اے حسن کی دیوی! مجھے نہ بتاؤ گی کہ تم کون ہو۔ تو میں اس محل کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔"

شہزادی نے جواب دیا "اچھا میں کل ضرور بتا دونگی کہ میں کون ہوں"؟

دوسرے دن برہمن کے لڑکے نے مدرسہ سے آتے ہی کہا "اب بتاؤ تم کون ہو"؟

شہزادی نے جواب دیا۔ "آج رات کھانا کھانے کے بعد بتا دوں گی؟" برہمن زادہ بس پریشان ہو گیا۔ اور رات کی انتظار میں گھنٹے گننے لگا۔

شہزادی نے شب بستر پر پھول بکھیر دیئے۔ ایک خوشبودار چراغ روشن کیا۔ اپنے بالوں کو سنوارا۔ اور نیلگوں پوشاک زیب تن کر کے رات کی آمد کا انتظار کرنے لگی۔ ادھر تو برہمن زادہ۔ شہزادی کا شوہر۔ کچھ زیادہ ہی بہت مضطرب تھا۔ کھانا کھا کر وہ فوراً پھولوں کی سیج پر جا لیٹا۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا "آج مجھے ضرور معلوم ہو جائے گا کہ یہ خوبصورت حسین عورت

کون ہے؟"

شہزادی نے [illegible] اور نہایت آہستگی سے شب خوابی کے کمرہ میں داخل ہوئی۔ آج رات وہ اپنے متعلق سب کچھ بتانا چاہتی تھی۔ جونہی وہ بستر پر چڑھی اُسے ایک سانپ رینگتا ہوا نظر آیا۔ جس نے برہمن کے لڑکے کو ڈس لیا تھا۔ اور اُس کا خوبصورت لاش "پھولوں کی سیج" پر بے جان۔ مُردہ پڑا ہوا تھا۔!

یکایک میرے دل کی دھڑکن بند ہو گئی۔ میں نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "پھر کیا ہوا؟"

دادی نے کہا "پھر ......"

لیکن اب آگے کیا ہونے سے کیا فائدہ تھا؟ موت کے بعد کیا پیش آتا ہے۔ یہ تو دادی کی دنیا بھی نہیں بتلا سکتی!

دادی کی کہانی کا آخری حصہ یہ تھا۔ کہ لاش ایک کیلے کے تنے پر رکھ کر دریا میں بہا دی گئی۔

کہانی ختم ہوئی۔ پلک بھاری پڑنے لگے۔ اور میں پھر نیند کی آغوش میں تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے کیلے کے تنے پر رکھی ہوئی لاش جو وقت کے پانی پر تیرتی ہوئی جس پر صبح اُٹھ کر چند دُعائیہ کلمے پڑھے جائیں گے۔ وہ پھر اس دنیا میں عدم سے نکل کر وجود میں آگیا ہو۔

رکھی

افسانہ اڈیٹر کی

از جناب نند کشور صاحب ... آبادی

"میرا پاگل پن یقینی طور پر بالکل رفع ہوگیا ہے" موہن نے محافظ پاگل خانہ کو یقین دلاتے ہوئے کہا۔ "اکثر خطرناک پاگل یوں ہی کہا کرتے ہیں" افسر محافظ نے شکوک نگاہوں سے موہن کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "نہیں جناب آپ غلطی پر ہیں۔ میرا دماغ اب بالکل صحیح ہے" سرجن کو بلا کر بھی تصدیق کرائیے۔ اور براہ عنایت مجھے رہا کیجئے میں بہت پریشان ہو رہا ہوں۔ موہن نے بڑی متانت اور سنجیدگی سے کہا۔ "آفیسر نے کہا۔ تو میں تم سے کچھ سوالات کروں۔ اگر تمہارے جوابات صحیح ہوں گے تو میں ضرور تمہاری خواہش کے مطابق عملدرآمد کروں گا۔" "ہاں فرمائیے۔" موہن نے مطمئن لہجے میں کہا۔ "تمہارا کیا نام ہے؟" "موہن" "تم کہاں ہو؟" "پاگل خانہ میں" "یہ کون شہر ہے؟" "بریلی" "بریلی کس ملک میں ہے؟" "ہندوستان میں" "تمہاری قومیت کیا ہے؟" "ہندوستانی" "ہندوستان کی نمائندہ جماعت کون ہے؟" "کانگریس" "تم کیا چاہتے ہو؟" "رہائی" افسر نے اطمینان ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "میں چپراسی کو بھیجتا ہوں۔ سرجن کے پاس اور تم اپنا قصہ مجھ کو سناؤ۔ کہ کس طرح تم پاگل ہوئے تھے؟ تمہارے بشرے سے شرافت و وجاہت ٹپکتی ہے۔" موہن نے ایک سرد آہ بھری اور ایک ...... طولانی سکوت۔ گویا وہ بھولے ہوئے واقعات کو یاد کر رہا تھا۔ پھر کہنا شروع کیا۔ "جناب من! میرا افسانۂ غم بہت درد انگیز ہے۔ میں اپنے بچپن کی بات چھیڑتا ہوں۔ جب میری عمر ۷، ۸ سال کی تھی۔ جب میری املاک میرے کھلونے، میری جنت ماں کی گود، میرا ملک اپنا گھر اور میری دنیا اپنا محلہ تھا۔ میری برادری ہمجولیوں کی ٹولی تھی۔ میرا مذہب بھولا بھالا پریم تھا۔ اور میرا کمال میری معصومانہ دلکشی تھی۔ میرے مکان کے عین مقابل ادھاگر چودھری کا مکان تھا۔ بھولا چودھرائن ہر صبح میری ماں کی پوجا کے لئے تازہ پھول لایا کرتی تھی۔ رشتۂ ہمسائگی پر یہ تقریب ملاقات مستقل اور معمولی تھی۔ میری ماتا مشہور پجارن تھیں۔ بھگوان شری کرشن سے انھیں گہرا پریم تھا۔ میرے پتا جی بھی ایسے تھے۔ اور غالباً میرا نام موہن رکھنے کی بھی یہی وجہ تھی۔ بھولا چودھرائن کی اولاد اس کی ایک ہی لڑکی رادھا تھی۔ جسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی۔ ویسے ہی جیسے میں اپنی ماں کا دُلارا تھا۔ میں اور رادھا باہم بے حد مانوس تھے۔ اس بنیادی ہمدردی کی ابتدا کب اور کیونکر ہوگئی تھی؟ اس سے ہم دونوں ہی لاعلم تھے۔ میرا دل اسے کتنا پیار کرتا تھا؟ میں اکثر سوچتا تھا کہ اس کی ماتا بھی مجھ سے زیادہ اسے کیا چاہتی ہوگی؟ پھر خود ہی میں اپنی رائے میں ترمیم کر دیتا تھا یہ کہتے ہوئے کہ واہ، ابھی میری سمجھ ہی کیا ہو سکتی ہے جب کہ مجھے اتنا گیان ہے؟ ایک دن میں نے کھیلتے کھیلتے رادھا پر اپنا یہ خیال ظاہر کیا۔ تو وہ پریم بھری نگاہیں میری ٹپکتی ہوئی آنکھوں میں پیوست کرتی ہوئی برجستہ کہہ اٹھی "میرے موہن تمہارے بارے میں ٹھیک ایسا ہی میرے من کا بھاؤ ہے۔" "اور یہ کیا بات ہے موہن! مجھے ابھی بتلاؤ۔ ہاں تم مدرسے میں پڑھنے جاتے ہو۔ اس لئے تم یہ ضرور جانتے ہوگے؟" مجھے اس کے بشرے سے ایسا محسوس ہوا کہ اگر میں فوراً اس کے حسب دلخواہ جواب نہیں دونگا۔ تو وہ ضرور مچل جائے گی۔ میں اس کی ذرا بھی دل شکنی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اس کا سوال بھی کوئی معمولی سوال نہ تھا۔ فلسفۂ محبت کی ایک طویل تشریح اسے درکار تھی جو ایک بڑے جہاں دیدہ عالم کے نزدیک دشوار تر ہے پھر میں تو اس وقت محض طفل مکتب ہی تھا۔ مجھ سے کچھ کہتے سنتے نہ بن پڑا۔ اور میں رونے لگا۔ رادھا بھی میرا رونا دیکھ کر رونے لگی۔ اب تک وہ سین میرے خزینۂ تصور میں محفوظ ہے۔

اگر کسی دن چودھرائن تنہا ہی پھول لیکر آجاتی اور رادھا کو اپنے ہمراہ نہ لاتی تو میں روتا مچلتا اور اتنے آنسو بہاتا کہ ماں کے دوپٹے کا آنچل بھیگ کر بھاری ہو جاتا تھا کبھی کبھی ماں مجھے سمجھانے کے لئے کہتی کہ "رادھا سے تو اتنا موہ کیوں رکھتا ہے؟" میں جواب دیتا کہ "ماں! تو اپنے موہن کو کتنا چاہتی ہے؟" ماں! لاجواب ہو جاتی۔ اور میں اپنی کامیابی پر بہت خوش ہو جایا کرتا تھا۔ خیر یہ تو سب بچپن کی باتیں تھیں۔ رفتہ رفتہ ہم بڑھتے گئے اور یہاں تک کہ سن تمیز کو پہونچ گئے ——— ہمارا گاؤں راجہ چترسین کی زمینداری کا صدر مقام تھا۔ جو سنگین دل اور فولادی کلیجہ رکھتے تھے۔ اکثر گاؤں والوں میں دبی زبان سے اُن کی سخت گیری کا چرچا ہوتا رہتا تھا۔ مگر زبان کھولنے کی ہمت کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ چترسین کے پاس روپیہ۔ حکومت اور آدمیوں کی بہتات تھی اُن کا عتاب بالعموم بہت ہی سخت ہوتا تھا۔ اس لئے انتہائی ناراضگی کے باوجود بھی اُن کی رعایا میں دہشت کی خاموشی کا سکون نظر آیا کرتا تھا۔ میرے مکان سے تخمیناً نصف میل کے فاصلے پر راجہ صاحب کی شاندار کوٹھی تھی۔ اور اس کے گرد خوبصورت پائیں باغ تھا۔ اکثر وہاں گانے بجانے کی سُریلی صدائیں سُنائی دیتی تھیں۔ مگر کبھی کبھی انسانوں کے رونے اور چیخ و پکار کی دل شگاف آوازیں بھی آیا کرتی تھیں۔ اور اس کے بعد سُنا جاتا تھا۔ کہ فلاں شخص پٹوایا گیا ہے یا کوئی اور ......، بات ہے چترسین کا اکلوتا بیٹا چندرسین تھا۔ جو کنور کے لقب سے معروف تھا۔ عامۃ الناس میں کنور کی بدچلنی کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

سالگرہ کا تحفہ

(ترجمہ از انگریزی)

(مترجمہ جناب عبدالصمد خاں صاحب بی اے سب انسپکٹر بیگم گنج)

اس نے ٹیلیفون رسیور اٹھا کر کہا "ہیلو" "فرمائیے جناب آپ کون ہیں" "میرا نام تھامسن عرف ٹامی ہے۔" "ٹھیک ہے" "اور جناب کا اسم شریف" "مجھکو ملکہ الزبتھ کہتے ہیں" "کیا فرمایا!" تعجب کے ساتھ ٹامی نے پوچھا۔ "میں ملکہ الزبتھ ہوں" "جی آپ کون ہیں" "ملکہ الزبتھ" "میں کیا الزبتھ" "ہاں ہاں۔ ملکہ الزبتھ" "اوہ۔ فضول پاگل انسان۔ بتاؤ تم کس پاگل خانہ سے بول رہے ہو" "خبردار دیکھو۔ ادب و احترام کے ساتھ گفتگو کرو کیا تم کو اس کا لحاظ نہیں ہے کہ تم اپنی مقدس ملکہ سے بات چیت کر رہے ہو" "مقدس۔ میں نے تو کبھی اس کا خیال بھی نہیں کیا کہ ہماری ملکہ مقدس تھی" "اچھا تمہارے خیال سے مجھکو کوئی بحث نہیں اس وقت میں چاہتی ہوں کہ تم میرا تھوڑا سا کام کرو" "فرمائیے وہ کیا کام ہے" "کیا تمکو یاد ہے کہ تمہارے ایک بزرگ کا نام انتھونی یعنی لارڈ انتھونی تھا" "ہاں ہمارے انتھونی کے سامنے نہ تبرٹ۔ لیپ بھی بغرض مجال ہوتا۔ تو مجھکو کیا" "صاحبزادے۔ ذرا صبر سے کام لو" پھر خود ہی آہستہ آہستہ "ایک سب سے بڑی خرابی جو اس نئی تہذیب سے حاصل ہوئی وہ یہ ہے کہ ادب و احترام کی کمی ہے" "میرے خاندان میں ...." "عجب مصیبت ہے خدا کے لئے یہ تو بتاؤ کہ تم مجھکو اپنے دنوں اور سوتے سے کیوں پریشان کر رہی ہو" "میں نے اپنی طالب علمی میں الزبتھ کی تاریخ میں بہت زیادہ سر کھپایا ہے مجھے معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ تم نے میرے زمانہ کو مطالعہ کیا ہے مگر میں جو کچھ چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ لوگوں کا زیادہ احترام کیا جائے افسوس" "بہت مناسب ہے لیکن اب کیا ہر مجسٹی براہ کرم ارشاد فرمائیں گی کہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتی ہیں" "ٹھیک۔ (رُک رُک کر) اب تم صحیح راستہ پر آئے ہاں دیکھو میں لارڈ انتھونی کو بہت زیادہ چاہتی تھی" لیکن مجھکو اس سے کیا۔ کیا میں ...." "نہیں نہیں جو کچھ میں کہنا چاہتی ہوں۔ اس کو تم صرف سنو۔ اور وہ یہ ہے کہ ایکبار میں اوس کی اسٹدی مایر نگھڑی دیکھنے کے لئے اس مکان میں جس میں تم سو رہے ہو ٹھہری تھی" "اے خدا! تو کیا تم پھر دوبارہ بھوت بنکر اس مکان پر قبضہ کرنا چاہتی ہو" "نہیں۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میں لارڈ انتھونی کی سالگرہ کے موقع پر تھوڑا سا مذاق ان سے کرنا چاہتی تھی اور اس مذاق کی تکمیل کے لئے میں نے ایک نہایت قیمتی انگوٹھی ایک چھوٹی سی تھیلی میں رکھکر تمہارے احاطہ کے اندر شاہ بلوط کے درخت کے نیچے۔ تنہ سے مشرق کی طرف تین فٹ کے فاصلہ پر۔ ایک فٹ کی گہرائی میں دفن کر دی تھی تاکہ سالگرہ کے موقع پر وہ زمین خود اُن سے کھدوائی جائے" "مذاق تو بہت زیادہ دلچسپ ہے اور وہ بھی کسی کی سالگرہ پر" "ہاں۔ بدقسمتی سے انتھونی اس سے قبل مارا گیا۔ اور میں اس انگوٹھی کو بالکل بھول گئی" "تو پھر آج آپ کو دو صدی گزرنے کے بعد کیسے یاد آئی؟" "محض اتفاق سے لیکن اب چونکہ مجھکو یاد آگیا ہے اس لئے میں اس کو واپس حاصل کرنا چاہتی ہوں" "تو پھر آپ خود تشریف لاکر اس کو کھود کر لے جائیے کیوں زحمت گوارا فرماتی ہیں" "تم جانتے ہو کہ روحیں ایسا نہیں کر سکتیں۔ اس لئے تم یہ کام میرے لئے کروگے۔ اور بالضرور کروگے۔ میں آدھی رات کو جبکہ روحوں کو ہر جگہ جانیکی آزادی ہے تمہارے پاس آؤں گی اور اس انگوٹھی کو واپس لیلونگی اور اگر تم نے اسکی تعمیل نہ کی تو میں جانتی ہوں کہ تم پشیمان کروگے۔ خدا حافظ!"

"لیکن میں کہتا ہوں کہ آخر یہ کیا مذاق ہے" کوئی جواب نہ پاکر ٹامی نے ٹیلیفون رسیور رکھ دیا۔ اگرچہ ٹامی نے ٹیلیفون پر خود کو مستقل رکھنے کی انتہائی جرأت سے کام لیا تھا مگر فی نفسہ وہ بہت کمزور دل کا انسان تھا اور اب اس نے ٹیلیفون کی تمام گفتگو پر غور کر کے گھبرانا شروع کیا۔ ان اعتراضات کے علاوہ جو ہماری تہذیب و تمدن پر ملکہ نے کئے تھے زمانہ موجودہ کی ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس نے ہماری بانوں کو مضبوط اور دل کو کمزور کر دیا ہے۔ وہی ٹامی جو کہ مباحثہ میں اپنے بہترین دلائل کی وجہ سے اپنے احباب پر سبقت لیجا کر ان سے خراج تحسین حاصل کیا کرتا تھا خود اپنے دل سے دلائل کے ساتھ مباحثہ کرتا تو اپنے احباب کی تعریف کو غلط پایا۔

آخرش ٹامی نے اس گتھی کو سلجھانے کیلئے اپنے دل میں کہا کہ کیوں نہ اس جگہ پہونچکر پھاوڑے کی امداد سے کھودنا چاہئے لیکن یہ سب تنہائی میں کیا جاوے تاکہ شاہ بلوط کے نیچے نہ نکلنے پر جیسا کہ اس کو یقین تھا بیوقوف نہ بننا پڑے چنانچہ وہ پھاوڑا لے کر شاہ بلوط کے درخت کے پاس جس کا اب صرف ٹھونٹھ باقی رہ گیا تھا پہنچا اور ایک فٹ گہری زمین کھودنے پر اس نے کسی چیز کی موجودگی کو محسوس کیا

"یہاں کوئی چیز ہے" اس نے بڑبڑا کر کہا۔ واقعی کوئی چیز ہے۔ ایک چھوٹی ریشمی تھیلی جو ملکہ الزبتھ کے وقت تھی اس گڈھے سے نکالی اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دیکھا تو اس میں ایک قیمتی انگوٹھی موجود پائی چنانچہ اس تصدیق سے ٹامی اب قریب قریب بیہوش ہونیکو تھا وہ سخت پریشان اور خوفزدہ ہو کر اپنے کمرے کے اندر بند ہو گیا۔ اس کا ننھا سا دل سینہ میں مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اور وہ ایسا محسوس کر رہا تھا کہ اس کا دماغ چکر کھا رہا ہے۔

ڈورس۔ ٹامی کی بیوی اپنی ممی سے ملنے کی غرض سے لندن گئی ہوئی تھی ٹامی دور وز سے اس کا سخت انتظار کر رہا تھا۔ اسکی دلی خواہش تھی کہ اس کی بیوی بھی اس موقعہ پر موجود رہکر اسکی مصیبت میں شریک ہوتی لیکن بقول شخصے۔ بیویاں کبھی اس وقت موجود نہیں رہتیں جبکہ انکی موجودگی کی سخت ضرورت ہو۔ اسی طرح بھوتوں وغیرہ کا یہ خاصہ ہے کہ جب آدمی تنہا گھر پر ہو تو وہ جلد اس پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ٹامی تنہا تھا۔

نصف رات کے قریب ٹامی بہت زیادہ گھبرا رہا تھا۔ یہ الفاظ کہ "میں آدھی رات کو آؤنگی" بار بار اس کے کانوں میں آ رہے تھے ٹامی اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی وہ آئیگی۔ یکا یک دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ کچھ دیر خاموش رہنے

(باقی اگلے صفحہ پر)

رہائی!

(پچھلے صفحے سے)

تھا۔ ذیب لڑکیوں، عورتوں ...... کی عصمت دری کرنا اُن کا ... کا معمول بن گیا تھا۔ لیسے کاموں پر اُن کے خاص آدمی تعینات ہیں ... جن کو بڑی بڑی تنخواہیں کے سوا منھ مانگے انعامات بھی ملتے رہتے تھے ——— راج محل میں دو سرے ہی لوگ رہا کرتے تھے۔ اور سالہا سال سے اُن میں کوئی رد و بدل نہیں ہوا تھا۔ مگر اچانک ایک دن کنور کے خاص کارندے سے پھولا چودہرائن کے پاس آئے اور کہا۔ کنور کا حکم ہے۔ کہ کل سے تمہیں راج محل بھیجنا ہوگا۔ چودہرائن کا ماتھا ٹھنکا۔ مگر حاکم کی رضا سر پر ...... سمجھ کر تمہیں حکم کا وعدہ کرنا پڑا۔ کنور کے آدمی ہنسی خوشی واپس گئے۔ مگر غریب چودہرائن شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوگئی۔ وہ مبہم خیالات کے اتھاہ سمندر میں غوطے کھا رہی تھی۔ اور اُسے اطمینان کا ساحل نہیں ملتا تھا۔ اُس سمے رادھا میری ماتا کے پاس بیٹھی ہوئی بات چیت کر رہی تھی۔ اور میں رادھا کے درشنوں کی تمنا میں اُس کے گھر پہونچ گیا ——— چودہرائن نے اِس آڑے وقت میں مجھے دیکھا۔ تو میرے قدموں سے لپٹ گئی۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں گھبرا گیا۔ اور میں نے فی الفور اُس سے رادھا کی خیریت دریافت کی۔ چودہرائن نے سر کی جنبش سے بتایا۔ کہ وہ بخیریت ہے۔ منھ سے بولنا اُس کے لئے مشکل ہو رہا تھا۔ میں نے اُسے دلاسا دیکر مفصل کیفیت بیان کرنے کو کہا۔ چودہرائن ذرا سی دیر میں مجھے اپنے خیالات کی گہرائیوں تک لے گئی۔ اور ہاتھ جوڑ کر بولی۔ بھیا موہن! رادھا ...... تمہاری ہے۔ کہو کہ ایسی حالت میں تم اُس کے لئے کیا تجویز کرتے ہو! میں جذبات تلاطم کی رَو میں بہتا ہوا کھو گیا۔ نہ جانے کتنی دیر تک مجھ پر بیخبری کی کیفیت طاری رہی۔ بالآخر چودہرائن نے مجھے جھنجھوڑ کر بیدار کیا ——— میں نے تمام امکانات پر بخوبی غور کرکے یہ فیصلہ کیا۔ کہ فی الحال رادھا کو کسی دُور دراز رشتہ دار کے یہاں بھیج دیا جائے اور پھر یہاں حالات کا رُخ دیکھکر آخری طور پر کوئی رائے قائم کی جائے گی۔ چودہرائن نے میری رائے بہت پسند کی۔ اور رادھا کو اُسی دن اُس کے ماموں کے گھر بھجوا دیا۔ دوسرے دن کنور کو اس کا علم ہوا تو وہ انگاروں پر لوٹنے لگا۔ اُس کے آدمی فوراً چودہرائن کو پکڑ کر لے گئے۔ اور کوٹھی کے اندر اُسے بُری طرح زد و کوب کیا گیا۔ اسی اثنا میں میرے ایک دوست نے مجھے یہ اطلاع دی کہ راج محل میں چودہرائن کو پیٹا جا رہا ہے۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اور بلا ارادہ میں راج محل کی طرف چل دیا۔ محل کے پھاٹک پر پہونچا۔ تو ایک پہرہ دار نے مجھے ٹوکا بھی۔ مگر میں نے کوئی پروا نہ کی۔ چودہرائن کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ اور میں آواز ہی کی سمت بڑھا چلا جا رہا تھا۔ آناً فاناً میں وہاں پہونچ گیا۔ چودہرائن نے

میری دہائی دی۔ اُس وقت میرے غصہ کا اندازہ مشکل تھا۔ تمام فضا لرز رہی تھی۔ یا صرف خاموش تھی کنور نے فوراً اپنے آدمیوں کو مجھے مارنے کا حکم دیا۔ یہ سنتے ہی دیوانہ وار اُس پر ...... ٹوٹ پڑا میری آنکھوں کے نیچے اندھیرا تھا۔ اور میں درندوں کی طرح دانتوں سے انسانی گوشت نوچ رہا تھا ایک ہنگامہ برپا تھا۔ اور شور و غل سے تمام محل گونج رہا تھا۔ اُس کے بعد ...... کی مجھے کچھ خبر نہیں مجھے فوراً رہائی دیجئے۔ تاکہ میں اس دُنیا میں یا دوسری دُنیا میں جلد از جلد اپنی رادھا سے مل سکوں"

(پچھلے صفحے سے)

رہنے کے بعد انتہائی جرأت کرکے ماتی نے خوفزدہ آواز میں پوچھا "کون ہے"

ایک مہین اور آہستہ آواز میں جواب ملا "ملکہ الزبتھ" ماتی نے یہ سنتے ہی ایک بھیانک چیخ ماری اور پلنگ کی پٹیوں سے دیوانہ وار چمٹ گیا۔ دروازہ آہستگی کے ساتھ کھلا اور ایک عورت کمرے میں داخل ہوئی ...... مگر وہ ڈورتیس اس کی پیاری بیوی تھی۔ ڈورتیس کو اپنے شوہر کی یہ حالت دیکھکر سخت صدمہ ہوا

اور وہ بہت شرمندہ ہوئی۔ اس نے اپنی دونوں بانہیں ماتی کے گلے میں حمائل کردیں اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے

"پیارے ماتی کیا تم مجھکو معاف نہیں کروگے۔ یہ تو محض مذاق تھا اور بس" یہ کہتے ہوئے ڈورتیس نے اس ریشمی تھیلی کو جو میز پر پڑی ہوئی تھی اُٹھایا "یہ تمہارا تحفہ ہے تمکو معلوم ہے صبح تمہاری سالگرہ ہے" ماتی ایک منٹ کے بعد پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ اضطراب اور خوشی کی حالت میں وہ چلا کر یہ کہتے ہوئے "او شریف عورت" ڈورتیس کو اپنے قوی بازوؤں سے پکڑ لیا

اب اس کا نام نہ لو

افسانہ

افسانہ کے کردار ... نام فرضی ہیں

از جناب برج لال [illegible] طبیہ کالج دہلی

اگر انہوں نے مشتری کے ہاں جانا بند نہ کیا تو پھر؟ یہ اس کی حماقت کا بدترین پہلو ہوگا۔ ادریس کی والدہ رضیہ نے غصہ سے کہا۔ لیکن وہ شاید وہاں جانا بند نہ کرے گا۔ وہ ایک کاروباری شخص ہے اور ہرگز اپنے وقار کو دھبہ لگنا پسند نہ کریگا۔ میرے خیال میں اس کو سمجھانے کے لئے صرف ایک تنبیہ ہی کافی ہو سکتی ہے۔ برخلاف اس کے مشتری دولت کی پجارن ایک طوائف

چچی جان میں اس کے لئے کیا کر سکتی ہوں

تم ... اگر تم چاہو ... تو اسکو تاریکی سے روشنی میں لا سکتی ہو۔

وہ کس طرح ... زہرہ نے اپنی چچی کا منہ تکتے ہوئے کہا۔

تم جانتی ہو کہ تم اس سے منسوب ہو چکی ہو۔ اور ابھی تک ادریس نے تمہیں آنکھ سے نہیں دیکھا ہے۔ اگر تم کسی طرح ادریس کو مشتری سے نفرت دلانے میں کامیاب ہو جاؤ تو ادریس صرف تمہارا ہو کر رہ سکتا ہے

لیکن اس وقت وہ کہاں ہیں زہرہ نے پوچھا

آج شام کو ضرور لاہور سے واپس آجائے گا۔

زہرہ کچھ دیر تک خاموش سر جھکائے بیٹھی رہی اس کے بعد یکایک کرسی سے اٹھی اور یہ کہتی ہوئی "میں کوشش کرونگی" کوٹھی سے باہر نکل آئی۔

ادریس امرتسر کے مشہور و معروف حاجی کریم بخش کا اکلوتا بیٹا تھا باپ کی وفات کے بعد اس کے پاس ڈیڑھ لاکھ روپیہ موجود تھا جوانی دیوانی کے نام سے مشہور ہے اور دولت جوانی کے ساتھ مل کر انسان کو دوزخ کی آگ میں دھکیلنا شروع کر دیتی ہے۔ ادریس جوان تھا۔ دولت کی اسے کمی نہیں۔ اب وہ تھا۔ اور مشتری نیز دونوں ہی ساتھ شراب بھی۔

ادریس یوں تو شادی شدہ تھا مگر گونہ ابھی نہ ہوا تھا۔ کئی دفعہ اسکی سسرال سے بلاوا آیا۔ مگر وہ مشتری کی محبت میں اس قدر اندھا ہو چکا تھا کہ اسے بیوی کی بھی پرواہ نہ تھی۔ پرسوں صبح سے ادریس مشتری کے ہاں آیا ہوا تھا۔ شام کے وقت دونوں شبستان میں بیٹھے ایک دوسرے سے ہمکلام ہو رہے تھے کبھی مشتری تمر لیتا جام شراب ادریس کے منہ کے قریب لیجا کر واپس لے لیتی تھی اور خود پینا شروع کر دیتی تھی تو ادریس اسے پکڑ کر زبردستی جام اسکے ہاتھوں سے خود چھین کر پینا شروع کر دیتا تھا اور مشتری دیکھتی رہ جاتی تھی۔ ایک دفعہ مشتری نے ادریس کے بالوں کو زور سے پکڑ کر کھینچنا شروع کیا۔ ادریس نے مشتری کی نازک کلائیوں کو پکڑ کر زور سے دبایا۔ مشتری نے بالوں کو چھوڑ دیا۔ ادریس نے زور سے اپنی جانب کھینچا۔ مشتری لڑکھڑاتی ہوئی ادریس کے سامنے قالین پر آ گری۔ ادریس نے اسے مخاطب کر کے کہا "آج شام کو واپس جانا ہوگا"

کیوں! ابھی پرسوں تو آئے ہی ہو۔ میں جانے دونگی یہ کہکر مشتری نے اپنی باہیں ادریس کے گلے میں ڈال دیں۔

اگر نہ گیا تو امی جان ناراض ہونگی۔ انکو اب ہماری ملاقاتوں کا علم ہو گیا ہے۔

علم ہو گیا ہے تو ہوا کرے کہہ دینا کام ختم نہ ہو سکا اس لئے نہیں آیا۔

نہیں مشتری واپس جانا ہی بہتر ہوگا تاکہ ان کے شبہات یقین کے درجہ کو پہنچ جائیں گے۔ اور ہماری لئے مضر ثابت ہونگے

اچھا اب کب آؤ گے؟ "پرسوں"

اور میری چیزیں؟ وہ نوکر کے ہاتھ بھیجدوں گا

یہ کہکر ادریس جھٹ باہر چلا گیا اور موٹر کار میں ... جھمکر ... ہو گیا۔

—— ۲ ——

زہرہ نے موٹر کار کا سٹارٹ دبایا۔ تھوڑی دیر میں زہرہ کی کار قوس قزح کی طرح لہروں میں بل کھاتی ہوئی شہر کی سیاہ سینہ پر موٹر کے ٹائروں کے ذریعہ نقش و نگار بناتی ہوئی سڑک اعظم پر سے گذر رہی تھی۔ ہوا کے تند و تیز جھونکے اس کے سیاہ لانبے بالوں سے اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ زہرہ کی نازک انگلیاں کار کے ہینڈل پر اس طرح سے کانپ رہی تھیں جس طرح ستار بجاتے وقت ستار کے تار۔ سڑک کے دونوں جانب گڈریوں کا واپسی کا گیت گاتے ہوئے شہر کی جانب واپس جانا۔ ٹھنڈی ہوا۔ افق اور لہراتے ہوئے سبز کھیت انسان کو اپنی طرف متوجہ کر لینے کے لئے کافی ہوتے ہیں لیکن ان سے زہرہ لطف اندوز ہوئے بغیر اپنے ہی خیالات میں مست موٹر کار چلا رہی تھی۔ کبھی کبھی زہرہ کے لب لعلین سے کچھ الفاظ فضا کے اندر پھیلکر گم ہو جاتے تھے سڑک کے کنارے لگے ہوئے نشانات کو اس نے پڑھا۔ لاہور سولہ میل نصف گھنٹہ میں میرا سفر ختم ہو جائیگا۔ زہرہ نے کہا اور پھر اپنے خیالات میں غرق ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آیا وہ اپنے ارادوں کو پایہ تکمیل تک پہونچا نہیں کامیاب ہو سکیگی لیکن اگر خدانخواستہ وہ اپنے ارادوں میں ناکامیاب رہی تو پھر اس کا انجام۔ کیا چچی جان کو منہ دکھا سکوں گی۔

بارہ منٹ میں سات میل سفر کر چکی تھی۔ لاہور کا سفر نو میل رہ گیا تھا کہ یکایک اس کے خیالات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ موٹر تین جھٹکوں کے ساتھ رک گئی۔ اس کا سر کار کے مضبوط شیشے کے ساتھ ٹکرانے سے بچ گیا۔

اس نے پہلی دفعہ۔ دوسری دفعہ۔ بلکہ تیسری مرتبہ سٹارٹر کو دبایا لیکن بے سود۔ ایک مرتبہ پھر اس نے کوشش کی لیکن کار کے انجن نے کسی قسم کی حرکت نہ کی۔ اور زہرہ یہ کہتی ہوئی کہ شاید پٹرول کی ٹنکی ٹھیک کام نہیں کر رہی ہے نیچے اتر آئی اور پٹرول ٹنکی میں جھانکا وہ خالی تھی۔

لیکن عبدل نے تو کہا تھا پٹرول کافی ہے۔ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ یہی کہ کسی آتی جاتی کار کو روک کر پٹرول حاصل کیا جائے۔ زہرہ نے بڑبڑاتے ہوئے خود ہی جواب دیا۔ اور اس کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے۔

نصف گھنٹہ میں سے ۱۲ منٹ سفر میں خرچ ہو چکے تھے۔ سات منٹ سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے گذر چکے تھے۔ پانچ منٹ بعد ایک نئی کار لاہور کی طرف سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ زہرہ نے کار کا ہارن بجا کر آتی ہوئی کار کو رکنے کا اشارہ کیا۔ کار کے رکتے ہی ایک نوجوان اترا اور اس نے زہرہ سے پوچھا۔

میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟

میری کار کا پٹرول ختم ہو گیا ہے۔ کیا آپ کے پاس فالتو تیل موجود ہے؟

ہے تو سہی مگر مجھے امرتسر تک جانا ہے اور پٹرول کار میں ناکافی ہے اس لئے پورا تیل نہیں دے سکتا۔

اچھا۔ آدھا۔ زہرہ نے جوان کی طرف تکتے ہوئے کہا۔

ہاں غالباً نصف ... میں دیکھتا ہوں۔ یہ کہتا ہوا نوجوان ... کار ... کی طرف بڑھا اور پٹرول کا ٹین اٹھا کر زہرہ کے نزدیک آ کر کھڑا ہو گیا۔ زہرہ نے اپنی کار کے انجن کا ڈھکنا اتارا۔ نوجوان آگے بڑھا اور بولا "قیف"

یہ سن کر زہرہ نے اپنی کار کی پچھلی نشست اٹھائی اور قیف نکال کر پٹرول کی ٹنکی پر لگا دی تھوڑی دیر بعد نوجوان نے ٹین کا منہ کارک سے بند کرکے اپنی کار میں رکھ دیا۔

زہرہ نے کار میں اپنا منی بیگ (Money Bag) اٹھا کر پانچ روپیہ کا نوٹ نکالا اور نوجوان کی طرف شکریہ ادا کرتے ہوئے بڑھایا

یہ لیجئے پٹرول کی قیمت: زہرہ نے کہا۔

نوجوان نے ہنس کر کہا۔ اگر پٹرول کی قیمت ہی دینی ہے تو مہربانی فرما کر میرا پٹرول واپس کر دیجئے۔

لیکن ...... نوجوان نے زہرہ کی بات کاٹتے ہوئے کچھ کہا۔

آپ قیمت لے لیجئے۔ زہرہ نے پھر کہا

جی نہیں .... مگر ...... یہ کہکر نوجوان خاموش ہو گیا۔

مگر کیا۔ فرمائیے۔ آپ خاموش کیوں ہو گئے۔ زہرہ نے پوچھا۔

کیا میں آپ کا نام پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔

"زہرہ" اور جناب کا۔ یہ کہتے ہوئے زہرہ کچھ شرما سی گئی۔

نوجوان نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک سنہری کارڈ نکال کر زہرہ کو پیش کیا۔ زہرہ نے ایک اچٹتی ہوئی نظر کارڈ پر ڈالی۔

محمد ادریس کریمی دواخانہ امرتسر

کارڈ کو پڑھ کر زہرہ نے مسکراتے ہوئے واپس کر دیا۔ ادریس نے کارڈ دیتے ہوئے کہا:- اپنے پاس ہی رکھئیے۔

کوئی خاص ضرورت نہیں۔ یہ کہکر زہرہ اپنی کار میں داخل ہو گئی۔

شاید پھر کبھی پٹرول ختم ہو جانے پر میری دوبارہ ضرورت لاحق ہو۔ کارڈ دیکھکر اطلاع دیجئے۔ بندہ پٹرول لیکر حاضر خدمت ہو جائے گا

یہ کہکر ادریس ہنستا ہوا اپنی کار کی طرف بڑھا۔

خدا ایسا کبھی نہ کرے اور ہنستے ہوئے موٹر کار کا سٹارٹر دبا دیا لیکن خدا جانے اس کے دل کیا خیال آیا کہ ادریس سے دوبارہ کارڈ طلب کیا اور اپنے منی بیگ میں رکھکر آداب عرض کہتی ہوئی دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئی۔

ادریس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور اپنے سفر پر روانہ ہو گیا ایک لمحہ بعد وہ اپنی عظیم الشان کوٹھی کے اندر داخل ہو گیا

وہی ادریس جو کچھ گھنٹے پیشتر مشتری کے ہاں ہنسی اور مذاق میں مشغول تھا اپنی کوٹھی میں سر جھکائے خود ہی سے کہہ رہا تھا۔

"رخسار گلاب کے پھول کی مانند سرخ۔ کمر۔ مشتری کے کمر کی صراحی کی۔ گردن سے مشابہ۔ جوان۔ گویا کمبخت نے دنیا بھر کی کونپلوں کی جوانیاں اپنے اندر ہی جذب کر لی ہیں۔ اور شوخی۔ خدا کی پناہ۔ نام بھی تو دیکھو "زہرہ" والدین کا انتخاب واقعی داد کے قابل ہے۔ لیکن آخر تھی وہ کون۔ کس کی بیٹی۔ کہاں رہتی ہے۔ اور معلوم ہو بھی تو کیونکر۔ ابھی ملی۔ چند منٹ باتیں کیں۔ چلدیں۔ اور تو اور پٹرول کیا لیا دل بھی لیکر چلدیں

لیکن! کیا میں اسے حاصل کر سکوں گا۔ ادریس نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

کس کو؟ ادریس کی والدہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا

ادریس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بدستور سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ کیا نہیں بتاؤ گے؟ ادریس کی والدہ نے ادریس کے گھنگھریالے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

کسی کو نہیں امی جان۔ ادریس نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا

ماں سے چھپاتے ہو۔ آخر بتاؤ تو سہی وہ زہرہ ہے کون؟

میں خود نہیں جانتا۔ یہ کہکر ادریس سر جھکائے کمرے سے باہر نکل گیا۔

—— ۳ ——

لاہور پہونچتے ہی زہرہ نے اپنی چچی جان کو ایک خط لکھا اور وہ کارڈ جو اس نے ادریس سے لیا تھا اسی خط کے ہمراہ بھیجدیا۔

چچی جان تسلیم

آپ سے ملنے کے بعد میں گھر کی طرف روانہ ہوئی تو میری موٹر کار کا پٹرول ختم ہو گیا۔ خوش قسمتی سے وہ لاہور کی طرف سے آ رہے تھے۔ میں نے ان سے پٹرول لے کر قیمت ادا کرنی چاہی مگر انہوں نے نہ لی میرا نام پوچھا۔ میں نے بتا دیا۔ میں تو انہیں پہچان چکی تھی مگر دل میں شبہ تھا اس لئے مصلحتاً نام پوچھ لیا انہوں نے جواباً کارڈ پیش کیا۔ میں نے پڑھ کر واپس کر دیا۔ مگر پھر واپس مانگ لیا اب اسی خط کے ہمراہ روانہ کر رہی ہوں۔ آئندہ پروگرام سوچ رہی ہوں۔ تیار ہونے پر تحریر کرونگی۔ ان کی حالت سے اطلاع دیں آپ کی زہرہ"

تیسرے دن زہرہ کو اپنے خط کا جواب موصول ہوا جس میں لکھا تھا

عزیزہ

تمہارا خط ملا۔ جس دن تم یہاں سے گئی ہو۔ اسی دن شام کو ادریس لاہور سے واپس آگیا۔ ہمیشہ پہلے میرے پاس آیا کرتا تھا۔ مگر اس دن آکر اپنے کمرے میں بیٹھا رہا۔ میں ملنے کے لئے اس کے کمرے میں داخل ہونے ہی کو تھی کہ میں نے سنا "کیا میں "زہرہ" کو حاصل کر سکوں گا" ان الفاظ کو سنتے ہی مجھ پر بجلی سی گر پڑی دل میں کہا وہ جل تو جلال تو۔ آئی بلا کو ٹال تو۔ پہلے تو صرف ایک مشتری تھی اب یہ زہرہ کہاں سے نازل ہو گئی میں نے پوچھنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود ادریس نے کچھ نہ بتایا۔ سارا دن خاموش رہتا ہے۔ صبح و شام اسی کا نام زبان پر رہتا ہے۔ کمرے سے باہر بھی کم نکلتا ہے۔ پہلے کبھی کبھی میرے پاس آ کر بیٹھ بھی جاتا تھا

باقی اگلے صفحے پر

پچھلے صفحے سے آگے

جب صرف کھانے کے وقت دسترخوان پر موجود رہتا ہے اور پھر جلدی سے کھانا کھا کر واپس کمرے میں چلا جاتا ہے میں اس کی یہ حالت دیکھ کر بہت پریشان ہوں۔

ہاں ایک بات تو فاں ذکر رہ گئی۔ کل مشتری کا خط آیا تھا جس میں چند چیزوں کی فرمائش کی گئی تھی نوکرانی بھیجنے کے لئے پوچھا تو میں نے یہ سب کچھ ٹال دیا۔ ورنہ کیا خبر رازبنیہ اس کا نام بھی لیا اور پھر خود ہی ایک خط اسے لکھا کر زبیدہ کسی قسم کا تعلق اس سے نہ رکھے۔ اب تمہارا خط آنے پر تسلی ہو گئی ہے۔ اپنے آئندہ پروگرام سے جلد مطلع کرو۔ فقط دعا۔ تمہاری چچی رضیہ

اس خط کے جواب میں زہرہ نے لکھا کہ وہ پرسوں بمبئی ایکسپریس سے دہلی امرتسر روانہ ہو رہی ہے۔ آپ ادریس صاحب کے ہمراہ ضرور سٹیشن پر موجود ہوں۔ اگر ادریس صاحب میرے بارے میں کچھ پوچھیں تو صرف اتنا بتلا دیجئے کہ میں آپ کی ایک سہیلی کی لڑکی ہوں اور آپ سے ملنے کے لئے امرتسر آ رہی ہوں۔

بمبئی ایکسپریس ایک نمبر پلیٹ فارم پر آ کر رکی۔ زہرہ مسکراتی ہوئی سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ سے باہر نکلی۔ ادریس اور ادریس کی والدہ دونوں سٹیشن پر پہلے ہی سے موجود تھے۔ ادریس کی والدہ نے بڑھ کر زہرہ کو سینے سے لگا لیا۔ ادریس نے زہرہ کو دیکھتے ہی کہا

کیا یہی آپ کی سہیلی کی صاحبزادی ہیں۔

ہاں۔ اور زہرہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ میرا بیٹا ادریس ہیں جانتی ہوں اور غالباً آپ بھی مجھے نہیں بھولے ہونگے۔ زہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا

اتنے میں قلی سامان اتار چکا تھا۔ وہ تینوں سٹیشن سے باہر نکل کر گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ چند منٹوں کے بعد کار کوٹھی کے سامنے آ رکی۔ تینوں موٹر سے اتر کر برآمدے میں سے ہوتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ سامنے کے کوچ پر زہرہ اور رضیہ بیٹھ گئیں۔ ادریس دونوں کے سامنے والے کوچ پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد نوکر نے چائے لا کر رکھی۔ چائے وغیرہ پینے کے بعد ادریس کی والدہ اور زہرہ دونوں باہر چلی گئیں۔

زہرہ کو امرتسر آئے تین دن ہو چکے تھے۔ ایک دن زہرہ کھانا وغیرہ کھا چکنے کے بعد کوچ پر بیٹھی ہوئی کوئی ناول پڑھ رہی تھی کہ ادریس نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

شام کو سینما چلو گی؟

کیا کھیل ہے؟

"خیبر پاس" سال رواں کی بہترین پکچر ہے۔

خواہش تو ہے۔ لیکن ممکن نہیں کہ جا سکوں۔ زہرہ نے کوچ پر لیٹے لیٹے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

کیوں؟

کیا آپ کی والدہ اجازت دے دینگی۔ زہرہ نے پوچھا۔

میں انہی کے پاس سے آ رہا ہوں۔ امی جان نے کہا ہے کہ اگر زہرہ بھی چلنے کو راضی ہو تو چل سکو گی۔ اس لئے میں تم سے پوچھنے آیا ہوں۔

اچھا چلونگی۔

شام کو تینوں پلازا تھیٹر میں بیٹھے ہوئے ایسٹ انڈیا فلم کمپنی کے بہترین شاہکار خیبر پاس سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ

ادریس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے زہرہ کے ہاتھوں کو پیار سے دباتے ہوئے کہا کیا کھیل ہے۔

اچھا ہے زہرہ نے جواب دیا۔

انٹرول کے وقت ادریس نے زہرہ سے پوچھا آپ چائے یہیں پئیں گی یا ریسٹورنٹ میں چل کر

غالباً ریسٹورنٹ میں۔ زہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور آپ۔ ادریس نے اپنی والدہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا

میں یہیں پیوں گی۔

یہ سنکر ادریس نے زہرہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کشاں کشاں ریسٹورنٹ کی طرف لے چلا وہاں پہنچکر دونوں نے ایک ٹرے میں بسکٹ اور چائے رضیہ خاتون کی طرف بھیج دیئے اور دونوں وہیں بیٹھکر چائے پینے لگے۔ ادریس نے کسی غرض کے لئے جیب سے رومال نکالا تو ایک کاغذ بھی رومال کے ساتھ باہر نکل کر زہرہ کے سامنے گر پڑا۔ زہرہ نے چائے کی پیالی الگ رکھ دی اور اس کو پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

مشتری کون ہے — کہاں رہتی ہے؟ تم اس سے کیونکر واقف ہو یہ سب کچھ زہرہ نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا

لاہور میں رہتی ہے — ایک دوست — مگر اب نہیں ایک دوست تھی اور اب نہیں — کیوں زہرہ نے چائے کی پیالی منہ سے لگاتے ہوئے کہا

آپس میں نہ بنی

ہوں ہوں — اور یہ خط میں تم نے بھیجا ہے۔

نہیں — اب تک تو نہیں بھیجا۔

کیوں؟ ادریس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

لیکن تمہاری والدہ تو کہہ رہی تھیں کہ مشتری ایک طوائف ہے۔ کیا یہ سچ ہے — اصل اور آپس میں کیوں نہ بنی۔ زہرہ نے چائے پیتے ہوئے کہا

سچ بتا دوں — برا تو نہ مانو گی — ادریس نے خالی پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

کہا — بھلا میں کیوں مانوں گی — زہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا

سچ تو یہ ہے زہرہ — جب سے تمہیں دیکھا ہے اسی دن سے تمہارے ساتھ محبت ہو گئی ہے اور میری خواہش ہے کہ تمہارے ساتھ شادی کر کے خوشی سے زندگی بسر کروں۔

ابھی تم پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ پہلے تم مشتری سے محبت کرتے تھے اب مجھکو دیکھا ہے تو مجھ پر لٹو ہو گئے ہو کل کہیں مجھ سے زیادہ حسین نظر آ جائے گی تو بس اسی کے ہو بیٹھو گے اور میں مفت اپنی زندگی برباد کرونگی۔ جان بوجھ کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا عقلمندی نہیں ہے۔

میں کوشش کرونگا کہ تم مجھ پر یقین کر سکو کہ میں واقعی تم سے محبت کرتا ہوں۔ ادریس نے یہ کہا ہی تھا کہ انٹرول کے ختم ہونے کا الارم بج گیا اور دونوں ریسٹورنٹ سے اٹھکر واپس اپنی جگہ پر آ کر باقی فلم دیکھنے میں مصروف ہو گئے۔

ایک ہفتہ بعد زہرہ نے واپس جانے کی تیاری شروع کر دی کار پر سامان رکھا جا چکا تھا کہ ادریس بھی پہونچ گیا۔ زہرہ کو دیکھتے ہی بولا کیوں واپس جا رہی ہو اتنی جلدی ہے۔

زہرہ نے جواب دیا "ہاں" والدہ صاحبہ نے واپس بلایا ہے خط بھیجنے کا وعدہ کرتی ہو۔

باقی صفحہ ۴۰ پر

کامنی

افسانہ

از جناب مہتہ عجیب چند صبا مانڈلے

ایک چھوٹے سے گاؤں میں رام سروپ کی دوکان تھی۔ گاؤں بھر کی ضروریات صرف اسی دوکان سے پوری ہوتی تھیں۔ اس لئے دوکان میں اشیائے خوردنی اور دیگر ضروریات زندگی کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ رام سروپ اپنی بیوی اور ایک بیٹی کیساتھ بڑے آرام سے زندگی کے دن بسر کر رہا تھا۔

رام سروپ کی بیٹی کامنی کے سپرد گھر کا تمام کام کاج تھا۔ وہ کنوئیں سے پانی بھر کر لاتی۔ کھانا پکاتی۔ سب کو کھلا کر پھر آپ کھاتی۔ یوں ہی دن گذر جاتا۔ اپنے گھر کے آنگن میں اس نے پھلواری لگا رکھی تھی۔ فرصت کے وقت وہ اس پھلواری کو سینچتی۔

کامنی ایک نازک کھلتی ہوئی کلی کی طرح تھی بعنوان شباب کا عالم تھا۔ عضو عضو میں شوخی بھری ہوئی تھی۔ رگ رگ میں آگ پوشیدہ تھی۔ لبوں پر تبسم ہر وقت کھیلا کرتا۔ صورت کیساتھ سیرت کا رنگ اس کے حسن کو دوبالا کر رہا تھا۔ وہ اپنی پھلواری کا ایک بہترین پھول تھی۔ وہ تیتری کی طرح پھلواری میں ایک پھول سے دوسرے پھول تک چکر کاٹا کرتی۔ وہ پھولوں سے کھیل کر اپنا فرصت کا وقت گذار دیتی۔

رات کا وقت تھا۔ آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ کامنی کی پھلواری پر چاند نور برسا رہا تھا۔ ہر طرف خوشبو پھیل رہی تھی۔ کامنی گھر کے کام سے فراغت پا کر پھلواری میں ٹہلنے لگی۔ آج وہ پھولوں کو دیکھکر شرما رہی تھی۔ جس وقت ہوا کا جھونکا اس کے بدن کو لگتا۔ تو اس کے بدن میں تھرتھری سی پیدا ہو جاتی۔ سر کا دوپٹہ سر سے گر کر شانوں پر آ چکا تھا۔ آج وہ کچھ بیقرار سی نظر آتی تھی۔ پتوں کے ہلنے کی آواز پر وہ سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگتی تھی۔ اچانک ایک گلاب کا سُرخ پھول اُسکی پیشانی پر آ لگا۔ ایک خوفزدہ ہرن کی طرح اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ اُس کے سامنے کچھ دور گلاب کی جھاڑی کی اوٹ میں نرندر کھڑا تھا۔ یکلخت اُس کا ایک ہاتھ سینہ پر اور دوسرا سر پر دوپٹہ سنبھالنے کو جا پہونچا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہو گئیں۔ اس سے پہلے بھی کامنی نے نرندر کو کئی بار دیکھا تھا۔ لیکن اُس وقت کا دیکھنا کچھ اور تھا۔ پریم کے دیوتا نے ایک تیر مارا۔ جو دونوں کے دلوں میں پیوست ہو گیا۔ کامنی کے بدن میں سنسناہٹ سی پیدا ہو گئی۔ اُس کا دم پھولنے لگا۔ لبوں میں لرزش پیدا ہو گئی۔ وہ کچھ بولنے پر بھی نہ بول سکی۔ خود بخود اُسکی آنکھیں جھک گئیں۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چاندنی میں موتی بنکر چمکنے لگے۔ نرندر کی آنکھیں بھی جھک گئیں۔ دونوں بے حس و حرکت کچھ دیر تک کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ اُن کی اس حالت پر ہوا کے جھونکے بیقرار ہو اٹھے۔ آسمان پر چاند مسکرانے لگا۔ سپنے تالیاں بجانے لگے۔ اور پھلواری کے پھول ہنسنے لگے۔ ایک دلفریب کشش نے دو مضطرب دلوں کو ملا دیا۔

(۲)

وہ سیل محبت میں بے خوف و خطر بہے چلے جاتے تھے اور روز بروز ایک دوسرے کے قریب ہوتے جاتے تھے۔ موسم برسات اپنے ساتھ ایک طوفان مصائب لایا۔

رام سروپ پر اچانک نمونیے نے حملہ کیا۔ گاؤں میں علاج اکثر کہاں۔ اور جڑی بوٹیوں کا علاج اس مہلک مرض سے رام سروپ کو کہاں تک بچا سکتا تھا۔ آخر وہ راہی عدم ہوا۔ بستا ہوا گھر اجڑ گیا۔ ماں بیٹی پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ کچھ دنوں تک تو گھر میں جو کچھ تھا۔ اس سے پیٹ پالتی رہیں۔ آخر گھر میں بھی کچھ نہ رہا۔ نرندر جو ایک مدرسہ کا ادنیٰ مدرس تھا۔ کہاں تک اُن کی مالی امداد کر سکتا تھا۔ کامنی کی ماں ہر وقت اس تردد میں رہتی۔ کہ آخر گذارہ کیونکر چلیگا۔ کچھ مجبور کی وجہ سے اور کچھ فکر و تردد سے ماں کا مزاج چڑچڑا بن گیا وہ بات بات پر کامنی پر برس پڑتی۔ ایک دن تنگ آکر اُس نے اپنے دیور شاماداس کو خط لکھوایا۔ جو کسی شہر میں رہتا تھا۔ خط میں تمام واقعات تحریر کروائے۔ اور مدد کے لئے لکھا گیا۔

سخت انتظار کے بعد کامنی کے چچا کا جواب آیا۔ خط میں اُنکی تکالیف پر افسوس تاسف تھا۔ کامنی کی ماں یہ سُنکر بڑبڑانے لگی۔ لیکن خط کے آخر میں لکھا تھا۔ کہ کسی طرح کامنی کو یہاں پہونچا دو۔ سفر خرچ بھیج رہا ہوں۔ ماں خوش ہو گئی۔ اُمید کی کرن تاریک خانۂ دل کو منور کر گئی۔ لیکن کامنی کی آنکھوں سے دو بڑے بڑے آنسو نکل کر گل عارض پر شبنم کے قطروں کی طرح تھم گئے۔

(۳)

اُسی پھلواری میں جہاں کامنی نے نرندر سے پہلی ملاقات کی تھی۔ آج بھی چاندنی رات تھی۔ اور آخری ملاقات تھی۔ کامنی کا دل پہلو میں بیٹھا جاتا تھا۔ آنکھیں روتے روتے سُرخ ہو گئی تھیں۔ لیکن آتش الفت بجھنے نہ بجھتی تھی۔ نرندر کی موجودگی اور اس کی باتیں تعجب میں تھا رہی تھیں۔ اور کامنی ہر بات پر رو رہی تھی۔ نرندر نے اُس کی یہ حالت دیکھکر پوچھا۔ "کامنی۔ آج تجھے کیا ہو گیا ہے؟" کامنی نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "کچھ بھی تو نہیں" "نہیں۔ آج کچھ معاملہ ضرور ہے۔" نرندر نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ یہ آنسو تو مسرت و محبت کے آنسو ہیں۔" کامنی نے اپنے راز کو دباتے ہوئے کہا۔ وہ جدا ہوئے۔ نرندر مسرور و سست اور کامنی مجبور و بے بس۔

× — × — × — × — ×

سرندر شریف نوجوان تھا۔ کامنی کا چچا شاماداس اسی کے کارخانے میں ایک کلرک تھا۔ اُن دونوں کی آپس میں گہری دوستی تھی۔ وہ کبھی کبھی شاماداس کے گھر بھی شام کو آجایا کرتا تھا۔

کامنی نے بھی سرندر کو دیکھا لیکن اُسکی نظروں میں تو کوئی اور تصویر تھی۔ اپنے چچا کے ہاں رہتے ہوئے بھی اُس کا دل اپنے گاؤں میں۔ اپنے گھر اور پھلواری میں رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ مغموم رہتی تھی شاماداس اُسکی دلجوئی کے لئے ہر وقت تیار رہتا۔ لیکن کامنی کبھی ہنسی کی ہنسی نہ ہنسی۔

ایک دن شاماداس کامنی کی ماں کی چٹھی اپنی بیوی کو پڑھکر سُنا رہا تھا۔ اور کامنی اپنے کمرے میں تنہا بیٹھی کان لگائے سُن رہی تھی۔ لکھا تھا کہ آپ کامنی کے باپ کی جگہ ہیں۔ جو کچھ کرینگے اُس کے بھلے کے لئے کرینگے۔ جیسا مناسب سمجھیں کریں۔ مجھے منظور ہے۔ کامنی یہ سنتے ہی سمجھ گئی چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ سر چکرا گیا۔ اُسے اب معلوم ہوا کہ اُسے یہاں کیوں بلوایا گیا تھا۔ اب اُسکی یہاں کون سننے والا تھا۔ اُس نے آہ بھر کر کہا۔ "کیا نرندر اب بالکل نہیں مل سکتا؟"

(۴)

کامنی کی شادی سرندر سے ہو رہی تھی۔ جسے محبت تو درکنار وہ بخوبی جانتی بھی نہ تھی۔ لیکن شادی کے مسئلہ میں لڑکی کو پوچھتا ہی کون ہے؟ وہ تو والدین کا کھلونا ہوتی ہیں۔ تو تیں یا سیوتیں ہیں کہ پروا نہیں کیجاتی ہے۔ اسی طرح کامنی کی شادی کر دی گئی۔

شادی کے بعد کامنی ہمیشہ غمگین اور افسردہ رہتی تھی سرندر اُس کے دل بہلانے کی ہزاروں ترکیبیں کرتا۔ لیکن کامنی کا دل تھا کہ بہلتا ہی نہ تھا۔ کامنی خود کوشش کرتی کہ نرندر کو بھول جائے۔ وہ چاہتی تھی کہ دماغ کی اُس کوٹھڑی کو بند کر دے۔ جہاں نرندر کا تصور جاگزیں تھا لیکن وہ تصویر اب مٹائے نہ مٹتی تھی۔

سرندر روز آٹھ بجے ناشتہ کرکے کارخانے جایا کرتا تھا۔ اور دوپہر کا کھانا بھی بارہ بجے وہیں منگوا لیا کرتا تھا۔ کامنی تمام دن نرندر کو بھول جانے کی کوشش میں اپنے آپکو مختلف کاموں میں مصروف کرتی۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ نرندر کا خیال دل میں نہ لائیگی۔ وہ بھول جائے گی۔ اور از سر نو دل میں سرندر کے لئے جگہ بنائے گی۔

دو تین برس گذر گئے۔

کامنی اب وہ کامنی نہ تھی۔ بلکہ اب وہ سرندر کی کامنی تھی۔ بچپن کا طوفان عشق آیا۔ اور نکل گیا۔ کشتی دل گرداب الفت میں پھنسی۔ لیکن ہوا کے ایک تند جھونکے نے اُسے ہمیشہ کیلئے کہیں پہونچا دیا۔ وہ خوش تھی۔ ایک دن دوپہر کو وہ خود نوکر کے ساتھ سرندر کا کھانا لیکر کارخانے کو گئی۔ دفتر میں سرندر موجود نہ تھا۔ کامنی کچھ دیر اس کے کمرے میں اُس کا انتظار کرتی رہی۔ مشینوں کی آوازیں گویا اُسے بلا رہی تھیں۔ وہ اٹھ کر وہاں گئی۔ جہاں مشینیں چل رہی تھیں۔ اور مزدور کام کر رہے تھے۔ جیسے ہی وہ وہاں پہونچی کہ اُسے دیکھنے کے لئے سر اُٹھنے لگے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر سب کام پر جھک گئے۔ لیکن کامنی کو کچھ ایسا محسوس ہوا کہ اُسے ابھی تک کوئی دیکھ رہا ہے۔ وہ مشینوں کی قطاروں سے گذرتی ہوئی دروازہ کی طرف چلی۔ لیکن دو آنکھیں ابھی تک اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ آخر اُنھوں سے آنکھیں مل گئیں وہ کسی کو نہ دیکھنے پر بھی دیکھ رہی تھیں۔ اور بت بےجان کی طرح بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ اُس کے سامنے مشین پر نرندر کھڑا کام کر رہا تھا۔ لیکن یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا۔ کہ اُس کا دل یکبارگی تڑپ اُٹھا۔ آتش عشق جو پوری طرح ٹھنڈی نہ ہونے پائی تھی۔ پھر جوش سے شعلہ زن ہو اٹھی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ آہ! نرندر میری زندگی میں پھر آ ملا۔ نرندر مشین کو چھوڑ کر چلا اٹھا۔ کامنی کامنی! وہ اس طرح بول رہا تھا۔ جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔ "تم یہاں کہاں! اوہ سارا شہر چھان مارا۔ لیکن تمہارا پتہ نہ چلا۔"

یہاں مشینوں کی آواز میں تمہاری آواز سُنائی نہیں دیتی۔ آؤ۔ باہر آجاؤ! کامنی نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور باہر نکل گئی۔ اُس کا دم گھٹ رہا تھا۔

نرندر نہیں جانتا تھا۔ کہ کامنی کی شادی ہو چکی ہے اور وہ اسی کے خاوند کا ایک ادنیٰ ملازم ہے۔

باہر نکل کر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا کامنی نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "نرندر کیا سچ مچ تم یہاں آ پہونچے ہو؟"

"آخرکار میں نے تمہیں پا لیا۔ لیکن تم یہاں کیسے آئیں؟"

"میں کھانا لائی تھی۔ لیکن مجھے جلدی جانا ہے۔ لیکن مجھے تو تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔"

"کل شام کے سات بجے وہاں تم جانتے ہو وکٹوریہ پارک، میں دروازہ پر ملوں گی۔"

اُنھوں نے پھر ایک دفعہ ایک دوسرے کو دیکھا۔ کامنی نرندر کی پُر محبت نظروں کی تاب نہ لا سکی۔ اُس نے جاتے ہوئے کہا۔ پارک میں ضرور آنا۔ کل سات بجے"

(۵)

دوسرے دن کامنی کے کہنے پر سرندر نے نرندر کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی۔

کامنی پر ایک عجیب کیفیت خود فراموشی طاری تھی۔ کرتی کچھ تھی۔ اور ہوتا کچھ اور تھا۔ پہلو میں دل گھبرا رہا تھا۔ آنکھوں میں پشیمانی کی جھلک تھی

دروازہ کھلا سرندر اور نرندر دونوں



خاص تیج ویکلی کے لئے

سب دن ہوت نہ ایک سمان

(از جناب برجیندر سروپ گرگ پانی پتی)

(خاص "تیج و بیکل" کے افسانہ ایڈیشن کیلئے)

وہ نادار تھا۔ غریب تھا۔ لیکن فقیروں کی حالت میں، اور کچھ کچھ ہوا بیا۔ کہتے ہیں کبھی وہ بہت امیر تھا۔ لیکن اب اس کا اثاثہ ایک پھٹے ہوئے کمبل اور چھوٹی سی ستار پر مشتمل تھا۔ یہ ستار اس گردشِ ایام کے لمحات کا بہترین دوست اور سچی ہمدردی۔ جب کبھی گزشتہ حالات کا دھندلا عکس اس کے دماغ پر گرد و غبار کی طرح چھا کر رنج کا باعث بنتا تب اس کی ٹوٹی ہوئی ستار سے نکلے ہوئے نغمے دل کی تسکین کا باعث بنتے۔ کبھی بڑے بڑے مکان اس کی رہائش کے لئے موجود تھے، لیکن اب صرف ایک ٹوٹی پھوٹی نہایت مختصر جھونپڑی! نفیس لیمپ و بجلی کے قمقموں کی عوض جھونپڑی کے قریب خدا کے چراغ کی کرنیں یا کبھی کبھی اندھیری راتیں جگنو کی چمک!

وہ صبح ہی شہر کا ایک چکر لگاتا۔ دو تین گھنٹہ متواتر شہر کی گلیوں کی خاک چھانتا۔ تب کہیں مشکل سے دو وقت کیلئے کھانا مہیا کرتا۔ ستار کو ہمیشہ ہمراہ رکھتا۔ اس طرح فقیری کی جیب میں بادہ رنگین کی بوتلیں اور اس پر ٹوٹے ہوئے لفظوں میں گایا کرتا:۔

سب دن ہوت نہ ایک سمان

شہر کے لوگ سنتے۔ امیر و غریب اس کی درد بھری آواز سنتے جس کی مرضی ہوتی کچھ دے دیتا۔ ورنہ وہ اپنی دھن میں گاتا رہتا۔

سب دن ہوت نہ ایک سمان

شہر کے ایک محلے میں گشت کرکے دروازے دروازے پر جاتا۔ اور یہی آواز لگا کر بھیک مانگتا۔ سب دن ... ... گلی کے بچے اس کے پیچھے پیچھے پھرتے۔ اس پر ہنستے اور تالیاں بجاتے کنکر اور پتھر پھینکتے اسے چھیڑتے اور چڑاتے لیکن وہ مست آواز میں گاتا ہوا چکر لگاتا۔ سب دن ہوت نہ ایک سمان!

(۲)

رائے بہادر سریندر ناتھ شہر کے گنے چنے رئیسوں میں سے ایک تھے۔ دولت میں غرور و نخوت اس طرح پوشیدہ ہے جیسے آگ میں دھواں اور پھول میں خوشبو۔ دولت انسان کو انسان نہیں کچھ اور بنا دیتی ہے +

رائے بہادر دولت کے نشہ میں چور ایک غریب انسان کی حالت کا کیا اندازہ لگا سکتے تھے، وہ تنومند انسانوں کے بھرے پیٹ بھر کر وہ جو پی سکتے ہیں لیکن غریب اور نادار انسانوں کے معصوم بچے ایک قطرہ پانی کے لئے ترستے ہیں وہ مخمل کے گدیلوں پر آرام کرتے ہیں لیکن ... کے بچوں کے لئے پھٹے پرانے بھی میسر نہیں۔ پلنگ کی ... خدا کی زمین ... بھی ... آزادی سے سونے کا حق نہیں۔

سادھو کبھی کبھی ... کو جب بھی ... کر ... ... کا کر ... آتا تو جونہی سریندر ناتھ سنتے فوراً اس سادھو کو بلا کر کچھ دے

تھے وہ بنگلو ... سادھو آسمان کی جانب دیکھ کر مسکرا دیتا اور کچھ دور جا کر پھر اپنا پرانا راگ شروع کر دیتا۔ سب دن ... ...

(۳)

دولت کی زیادتی ہمیشہ انسان کے خیالات کسی اور جانب مبذول کردیتی ہے اور پھر وہ دولت جو محنت و مشقت سے نہ کمائی ہو، دولت کو قیام کہاں۔ جو چیز ترقی پر جاتی ضرور ہے یہ بھی ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے

تقدیر کی ایک ٹھوکر نے قسمت کی ایک ہلکی سی جنبش نے سریندر کے حالات نہایت دگرگوں کر دئے ہزاروں روپیہ عیش و عشرت اور حسن کے بازار کی نذر ہو چکا تھا۔ بہت کافی روپیہ دو ایک بیوپار میں جا رہا۔ دوست و احباب آتے ایک ایک دن میں سینکڑوں روپیہ خرچ کروا ڈالتے۔ سریندر ناتھ اس وقت عشق کے نشہ میں بالکل اندھا ہو رہا تھا دوستوں کی چاپلوسی کے لئے روپیہ پانی کی طرح نہایت بے دردی سے خرچ کر دیا جاتا۔ وہ انجام سے بے خبر تھا اور بالکل ناواقف، آخر آہستہ آہستہ خزانہ کمزور ہونے لگا۔ لاکھوں کی جائداد مفت خوروں کی تیز نگاہوں سے نہ بچ سکی دوست و احباب چھٹ گئے۔ اب وہ پہلی سی رنگینیاں کہاں۔ عیش و عشرت کی ناؤ سریندر کی نظروں کے سامنے گہرے پانی میں اس طرح ڈوب گئی جیسے ہزاروں من کا جہاز جوار بھاٹے کی جھپٹ۔ آخر ایک وقت ایسا آیا جب سریندر ناتھ دانہ دانہ کو محتاج ہو گیا۔ گزشتہ تمام باتیں کسی سینما کے دھندلے عکس تھے۔ یا کسی سنے ہوئے افسانے کی موہوم یاد!

(۴)

شام کا وقت تھا۔ کالی کالی گھٹائیں ہر چہار طرف سے آسمان کو گھیر رکھا تھا۔ بادلوں کے ٹکڑے بدنصیب مفلسوں کی آہوں کی طرح آسمان پر جگہ جگہ رہے تھے۔ کبھی کبھی بجلی کی چمک راہ بھولے مسافروں کے لئے رہبر کا کام کر جاتی تھی۔ تمام دن کی دوڑ دھوپ کے بعد آج سریندر ناتھ بڑی مشکل سے دو مٹھی چنے حاصل کر سکا وہ بھوکا تھا۔ دو دن سے بالکل بھوکا۔ جنگل میں درخت کے نیچے ایک بہتے ہوئے چشمے کے برابر نہایت شانتی سے وہ ایک ایک دانہ کھا رہا تھا۔ اس وقت وہ دو مٹھی چنے بہشت بریں کے کھانوں سے بھی زیادہ عمدہ معلوم ہو رہے تھے۔ کہ اتنے میں دور جنگل سے فضا میں آواز گونجتی ہوئی سنائی دی:۔

سب دن ہوت نہ ایک سمان

آواز کچھ شناسا سی تھی۔ سریندر ناتھ حوصلہ سے سنتے رہے بہت دیر تک ... ... تمام گزشتہ حالات کا نقشہ آن واحد میں نظروں کے سامنے آکر کھنچنے لگا۔ دل پژمردہ ہو گیا۔ آنکھیں اشکبار ہو رہی تھیں اور دل میں کئی قسم کے خیال ... ... اور فقیر اپنی مست آواز سے کائنات خاموش کو سنا رہا تھا۔

سب دن ہوت نہ ایک سمان

\+ \+ \+ \+ \+

پچھلے صفحے سے

داخل ہوئے۔ کامنی نے شرماتے ہوئے نرندر کی طرف دیکھا۔ اور نرندر نے متحیرانہ کامنی کو دیکھا۔ وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

دونوں کے سامنے کھانا لایا گیا۔ نرندر آہستہ آہستہ خاموش نیچی نگاہ کئے کھا رہا تھا۔ لیکن نوالہ کو حلق سے اتارنا دشوار ہو رہا تھا۔ سرندر اور کامنی کی بات چیت سے اس کے بدن میں سنسنی سی پھیلتی تھی۔ اس کا دماغ چکرا رہا تھا۔

نرندر نے کامنی کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔ سریندر نے بہتری کوشش کی کہ نرندر کچھ دیر اس کے پاس ٹھہرے۔ لیکن نرندر نے تھکان کا بہانہ کرکے جانے کی اجازت چاہی۔ سریندر اسے دروازہ تک پہنچانے گیا۔

اس رات کو کامنی سو نہ سکی۔

دوسرے دن وہ خوش تھی۔ ہنسی خوشی میں دن گذر گیا۔ سرِ شام ہی کھانے سے فارغ ہو کر وہ وقت مقررہ کا انتظار کر رہی تھی۔ سرندر سینما جانے کو تیار تھا۔ اور یہ اپنی ایک سہیلی کے پاس جانے کو کہہ رہی تھی۔

سرندر نے کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ "کامنی دیکھا آج کل کا زمانہ جس کو ہم نے کل کھانا کھلایا تھا۔ اسے میں نے اپنے پاس رکھا۔ کام سکھلایا۔ لیکن وہ کتنا احسان فراموش نکلا۔ کہ آج صبح کام پر نہیں آیا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ کل رات سے ہی غائب ہے۔ اور کچھ پتہ تک نہیں۔"

کامنی کے دل پر یہ سنتے ہی جیسے تلوار چل گئی ہو وہ تڑپ اٹھی۔ وہ جانتی تھی کہ نرندر احسان فراموش نہیں ہے۔ وہی اس کی روپوشی کے راز کو جانتی تھی۔ آہ! یہ سب کچھ اس نے کس کے لئے کیا تھا۔ وہ بخوبی جانتی تھی۔ وہ جانتی تھی۔ کہ نرندر نے اس کی عزت کو قائم رکھنے کے لئے کام چھوڑ دیا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ نرندر نے اس کی مسرتوں اور راحتوں پر اپنی زندگی کے عیش و آرام کو قربان کر دیا ہے۔

کامنی پارک کے دروازہ پر کھڑی تھی۔ وقت مقررہ آیا۔ اور چلا گیا۔ وہ منتظر کھڑی رہی۔ اور ہر آنے والے کو غور سے دیکھتی رہی۔ کافی دیر ہو گئی۔ دل میں یاس و ناامیدی بڑھنے لگی۔ وہ گھنٹوں محوِ انتظار رہی۔ لیکن نرندر نہ آیا۔

نرندر پھر کبھی اسے دکھائی نہیں دیا۔

صفحہ ۲۴ سے آگے

"کوشش کروں گی" یہ کہہ کر زہرہ کار میں داخل ہو گئی اور ادریس نے کار کے دروازے کو پکڑتے ہوئے کہا۔ "زہرہ تمہیں وہ دن یاد تھا"

"مردوں کا دل شیشہ ہوتا ہے ... بچپن سے محبت تھی اب مجھ کو دیکھا ہے تو تمہاری طبیعت اس طرف مائل ہوئی ... اور حسینہ کو دیکھ کر تیرا اسی کے ہو بیٹھے گے لیکن اگر تم دل ... ... بغیر دنیا ... ہے اور اگر میری ... زندگی ... حاصل کرنے میں خریدا بھی ہو گئی تو بھی ... ..."

زہرہ کچھ دیر سوچنے لگی پھر ادھر ... پر بیٹھا ... دباتے ہوئے بولی۔

"میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا کرونگی۔"

کار آگے کی طرف بڑھی۔ زہرہ نے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا۔ ادریس سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کا دل بھی بھر آیا۔ جب تک ادریس آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گیا زہرہ برابر اسے دیکھتی رہی۔ لیکن وہ بدستور سر جھکائے کھڑا رہا۔

ادریس دن بدن کمزور و لاغر ہوتا چلا گیا۔ اس کی والدہ نے اس کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر بے سود۔

زہرہ کو لاہور گئے ایک ہفتہ گذر چکا تھا۔ ... ادریس کو قابو میں لانے کے لئے ایک سنہری جال بچھایا تھا اب اپنے آخری تیر، اس کو ہمیشہ کے لئے اپنا ہی بنانے کا قصد کیا۔ اور ادریس کی والدہ کو لکھا کہ وہ ادریس کو اپنی سسرال جانے کے لئے مجبور کریں۔

چند دن بعد ادریس بادل ناخواستہ اپنے سسرال پہنچ گیا۔ رات کو جب دلہن کے کمرے میں داخل ہونے لگا تو سامنے زہرہ بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ ادریس اسے دیکھتے ہی حیران سا ہو گیا۔ اور کمرے کے دروازہ کا سہارا پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

اس حالت میں کھڑے ہوئے کافی دیر گذر چکی تھی۔

ہفتہ کی اہم مختصر خبریں

کی فوج شہر بلباؤ میں داخل ہوگئی، باغیوں نے سب سے پہلے ٹاؤن ہال پر قبضہ کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ باغیوں نے کئی طرف سے حملہ کیا سرکاری فوجوں نے زبردست مقابلہ کیا اور شہر کا اندرونی حصہ گھیر لیا۔ لیکن خیال ہے کہ وہ جلدی اطاعت قبول کریں گے۔ جنرل فرانکو کے محاصرہ اور جنرل موجیل کے بعد بالآخر ... ہر فیلرنے باغیوں کو مبارکباد دی ہے۔

فرانس کے وزیر اعظم موسیو بلم مستعفی ہوگئے ہیں اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ موسیو بلم کا مالی بل ایوان زیریں کے پاس ... باوجود ایوان بالا نے مسترد کردیا تھا۔ خیال ہے کہ موسیو بلم کے مستعفی ہونے سے بازار پر کافی اثر پڑے گا!

ایسوسی ایٹیڈ پریس کو سرکاری طور پر معلوم ہوا ہے کہ ناگا مہمت کو سر کرنے کے لئے جو جرمن مہم روانہ ہوئی تھی اس کے تمام ممبران ہلاک ہوگئے، صرف ایک ممبر ہر لعفٹ باقی بچے ہیں مہم کے لیڈر ڈاکٹر ... بھی ہلاک ہوگئے۔

اخبار ڈیلی ٹیلیگراف کا نامہ نگار متعینہ سڈنی لکھتا ہے کہ حکومت برطانیہ اور آسٹریلیا کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ ہوگیا ہے جس کے مطابق آسٹریلیا نے ڈیوک آف ونڈسر کی فلموں کو ممنوع قرار دینے کا وعدہ کرلیا ہے۔ آسٹریلیا میں فلموں کے علاوہ ریکارڈ پر پابندی لگادی گئی ہے حکومت آسٹریلیا جہاں یہ بھی ہے ان کی تصویریں ممنوع قرار دے دیتی ہے، نامہ نگار مزید لکھتا ہے کہ ڈیوک آف ونڈسر انگلینڈ سے جلاوطن ہیں اور حکومت ان کی یاد لوگوں کے دلوں سے بھی بھلانا چاہتی ہے۔

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی لندن میں اب مقررہ وقت تک نہیں ٹھہریں گے۔ آپ ۲۱ رجون کو روانہ ہوکر ۳۰ رجون کو ہندوستان تشریف لے آئیں گے تاکہ پھر کانگریس ورکنگ کمیٹی کے جلاس میں شریک ہوسکیں۔

راشٹرپتی پنڈت جواہرلال نہرو سے آج صبح جبکہ آپ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر میں کام میں مصروف تھے نمائندہ یونائیٹیڈ پریس نے انٹرویو کیا۔ اور وائسرائے کے پیغام کے متعلق آپ کی رائے طلب کی، راشٹرپتی نے فرمایا کہ مجھے ابھی تک وائسرائے کا بیان پڑھنے کا وقت نہیں ملا ہے اور میرا خیال ہے کہ پڑھنے کے بعد بھی اس میں جوش وخروش پیدا کرنے والی کوئی بات نہ ہوگی، دوسرے کانگریسی لیڈر بھی جو یہاں مقیم ہیں اس بیان پر کسی قسم کا اظہار رائے کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

معلوم ہوا ہے کہ جرمن جہاز "لیپزگ" پر آبدوز کشتی کے حملہ کے متعلق واقعہ کے سلسلہ میں برطانیہ، فرانس جرمنی اور اٹلی کے درمیان جو گفت وشنید ہورہی تھی وہ منقطع ہوگئی۔

جرمنی کے افسر اعلیٰ نے دوران انٹرویو میں کہا کہ لیپزگ پر بمباری کے حادثہ کے متعلق جرمنی کے غیظ وغضب کو اتنی اہمیت نہیں دیگئی جتنی کہ دی جانی چاہئے تھی، روسیوں کو سزا ملنی چاہئے اور ان کی فوجی پوزیشن کمزور بنادینی چاہئے۔

اطلاع موصول ہوئی ہے کہ پونچھ کے کئی مسلم لیڈر جن میں مولوی غلام حیدر، مولوی غلام محمد، فیض اللہ اور دیگر کئی مولوی ستیہ آگرہ کے سلسلہ میں گرفتار کرلئے ہیں جو انہوں نے ریاست پونچھ میں شروع کیا ہے۔

ایسوسی ایٹیڈ پریس کا ایک اسپیشل نامہ نگار کل صبح ہی موضع سہگاؤں میں مہاتما جی کی کٹیا پر گیا اور مسکار کرنے کے بعد وائسرائے کا پیغام بنام ہندوستان کی ایک نقل مہاتما جی کو دکھائی مہاتما جی نے اس کا نشانہ ہلاتے ہوئے تیلی دی اور کہا لکھنؤ میں نے وائسرائے کا بیان نہایت ہی غور سے پڑھا لیکن افسوس ہے کہ میں کوئی بیان نہیں دے سکتا۔ اس نازک مسئلہ پر جو کہ اس وقت ملک کے روبرو ہے انتظامی فیصلہ ورکنگ کمیٹی ۵ رجولائی کو کرے گی، اور مجھے امید ہے کہ ورکنگ کمیٹی کے فیصلہ سے پہلے

دہلی کلاتھ ملز کے متعلق لیڈی لنلتھگو کی اہم رائے

وائسرائے ہند کی اہلیہ محترمہ لیڈی لنلتھگو نے حال ہی میں دہلی کلاتھ مز کا معائنہ کیا تھا جس کے بعد لیڈی موصوفہ نے مندرجہ ذیل اظہار رائے کیا ہے

میرا صبح کا سہانا وقت نہایت فرحت اور مسرت کے ساتھ گذرا جبکہ میں دہلی کلاتھ ملز دیکھنے کیلئے گئی تھی۔ پہلے میں نے ملز میں کام دیکھا۔ اور اس کے بعد مزدوروں کے کوارٹروں ہسپتال، ڈسپنسری اور کنٹین کا معائنہ کیا۔ لالہ سر سری رام اور لالہ شنکر لال نے اپنے ملازموں کی جسمانی ضروریات نیز تفریحات کے لئے سامان بہم پہنچانے کے لئے انتظامات کرکے ان کی بہبودی کا جو بین ثبوت دیا ہے۔ اس سے میں بہت زیادہ متاثر ہوئی۔ میری رائے میں منتظمان ملز کو ایک کام اور کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ ملز میں ملازم عورتوں کے چھوٹے بچوں کے لئے جن کی عمر سکول جانے لائق نہ ہو۔ ایک پرورش گاہ قائم کیجائے میں نے یہ تجویز لالہ سری رام کے روبرو پیش کردی ہے۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ ان کی یہ زبردست خواہش ہے کہ جو لوگ ان کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ ان کی فلاح وبہبود کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ جو تجویز میں نے پیش کی ہے منتظمان ملز اس کو حتی الامکان عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرینگے۔ (دستخط) ڈورین لنلتھگو۔

کوئی کانگریسی نہ کسی قسم کی نمائش آرائی کرے گا اور نہ ہی کوئی نکتہ چینی۔

معلوم ہوا ہے کہ پنڈت جواہرلال نہرو یکم جولائی کو الہ آباد سے وار دھا روانہ ہوجائیں گے، کیونکہ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس سے چند روز قبل آپ کا وہاں موجود ہونا ضروری ہے۔ تاکہ آپ موجودہ سیاسی صورت حالات پر مہاتما جی سے مفصل طور پر تبادلہ خیالات کرسکیں، بعض سیاسی حلقوں میں وائسرائے کی تقریر سے یہ مطلب اخذ کیا جارہا ہے کہ اگر کانگریسیوں نے وزارتیں قبول نہ کیں تو انہیں سخت گیریوں اور تشدد کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے،

زنجبار، وریبہ کے ہندوستانیوں کی سب جماعتوں نے مکمل ہڑتال منائی اور کینیا اور ٹنگونیکا کے ہندوستانیوں نے احتجاجی جلسے کئے۔ لیجسلیٹو کونسل کا اجلاس ہفتہ جولائی پر ملتوی ہوگیا ہے۔

ہزہائی نس مہاراجہ سرہودے نے اپنی ریاست میں قانون انسداد شادی بچگان نافذ کردیا ہے جس کی رو سے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کم از کم ۱۹، اور ۱۸ برس کی مقرر کردی ہے۔

میراث

(صفحہ ۲۸ سے آگے)

آپ کو حاصل ہوسکے گی۔ قیام دہلی کے زمانہ میں مجھے آپ سے خاص ہمدردی پیدا ہوگئی ہے۔ اسی بنا پر یہ خط لکھ رہا ہوں۔

میں ہوں آپکا مخلص ۔۔۔ مہتمم تعلقہ دیپور

قمر اس خط کو پڑھ کر حیران رہ گیا۔ فریدپور کا نام اس نے کبھی سنا تھا لیکن زکیہ سے سرسری ملاقات ہوچکی تھی تاہم دو روپیہ اور جائداد پراپنی ازدواجی زندگی کا سنگ بنیاد نصب کرنا چاہتا تھا اس کی تمنا یہ تھی کہ بیوی مالدار ہو لیکن حسین نہ ہو پھر اس قسم کی شادی جسکے لئے اسے درخواست پیش کرنے کی نوبت آئے کسی طرح بھی گوارا نہ تھی بہت غور و تامل کے بعد اس نے یہ جواب لکھ دیا۔

جناب والا! ہمدردی اور بندہ نوازی کا شکریہ! میں شادی کے لئے روپیہ قبول کروں اس قسم کی دوسری خصوصیات کو قطعاً غیر ضروری سمجھتا ہوں نیز میں اپنے مستقبل کی ضمانت بے سر و سامانی کے اینٹ گارے سے بنانی دو اشخاص کا اپنی اصلیت کا مظاہرہ کرونگا۔ اگرچہ آپ خود ایک امیر آدمی ہیں تاہم یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میری معروف زندگی کسی ایسی معروفیت کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ اور ایسی بیوی جو پانچ لاکھ کی جائداد لائیگی یقیناً سیکڑوں قسم کے دردسر بھی اسکے ساتھ ہوں مجھے بہرحال معافی چاہتا ہوں۔ آپکا صادق قمر

قمر کے انکار سے زکیہ کا اشتیاق ایکدم مشتعل پذیر ہوگیا اور سنج اب بالکل صاف و صریح الفاظ میں اعلان کردیا کہ اس کی شادی قمر ہی سے ہوسکتی ہے چنانچہ زبردست کوشش شروع ہوگئی مہتمم صاحب خود دہلی جاکر قمر سے ملے اور بڑے اصرار سے ایک دن کے لئے اسے بھی اپنے ساتھ لائے۔ دو تین مہینہ کی تگ و دو کے بعد قمر کو تیار کر لیا گیا۔ اور اس نے بہت سی شرائط کے ساتھ زکیہ سے شادی کرنا منظور کر لیا۔

یہ بات تو شادی سے پہلے ہی قمر کو معلوم ہوگئی تھی کہ زکیہ شیخ محسن کی بیٹی ہے گو وہ فریدپور کی رہنے والی تھی جو قمر کے وطن سے بہت دور تھا۔ اس لئے شیخ محسن کو وہی شیخ محسن خیال کرنا جس کے یہاں ریاض نے اپنا گاؤں رہن رکھا تھا کوئی عقلمندی نہ تھی، ایک نام کے کئی کئی آدمی ایک ہی وقت میں بلکہ ایک ہی جلسہ میں مل جاتے ہیں۔ مگر شادی کے بعد جلد ہی معلوم ہوگیا کہ شیخ محسن وہی شیخ محسن تھے جن کے یہاں ریاض کا ایک گاؤں رہن تھا۔ اور پھر ان کے قبضہ میں آگیا تھا۔

قمر نے اس معاملہ کا ذکر کئی ماہ تک کوئی تذکرہ نہ کیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے باپ کی میراث بہت سی منتقل کیساتھ اسے مل گئی ہے اور شیخ محسن کا وہ دعویٰ کہ وہ در دراز کے پرگاؤں تقسیم نہیں ہوتے غلط ثابت ہو ... کیونکہ صرف گاؤں بلکہ زکیہ بھی گھر ملا کر اسے دی گئی تھی!

ایک مرتبہ قمر نے بہت لجاجت کے ساتھ زکیہ سے کہا کہ میرا ایک موضع عرصہ سے آپ کے یہاں رہن ہے کیا تم رہن وصول کرکے آپ اس موضع کو واپس کرسکتی ہیں؟

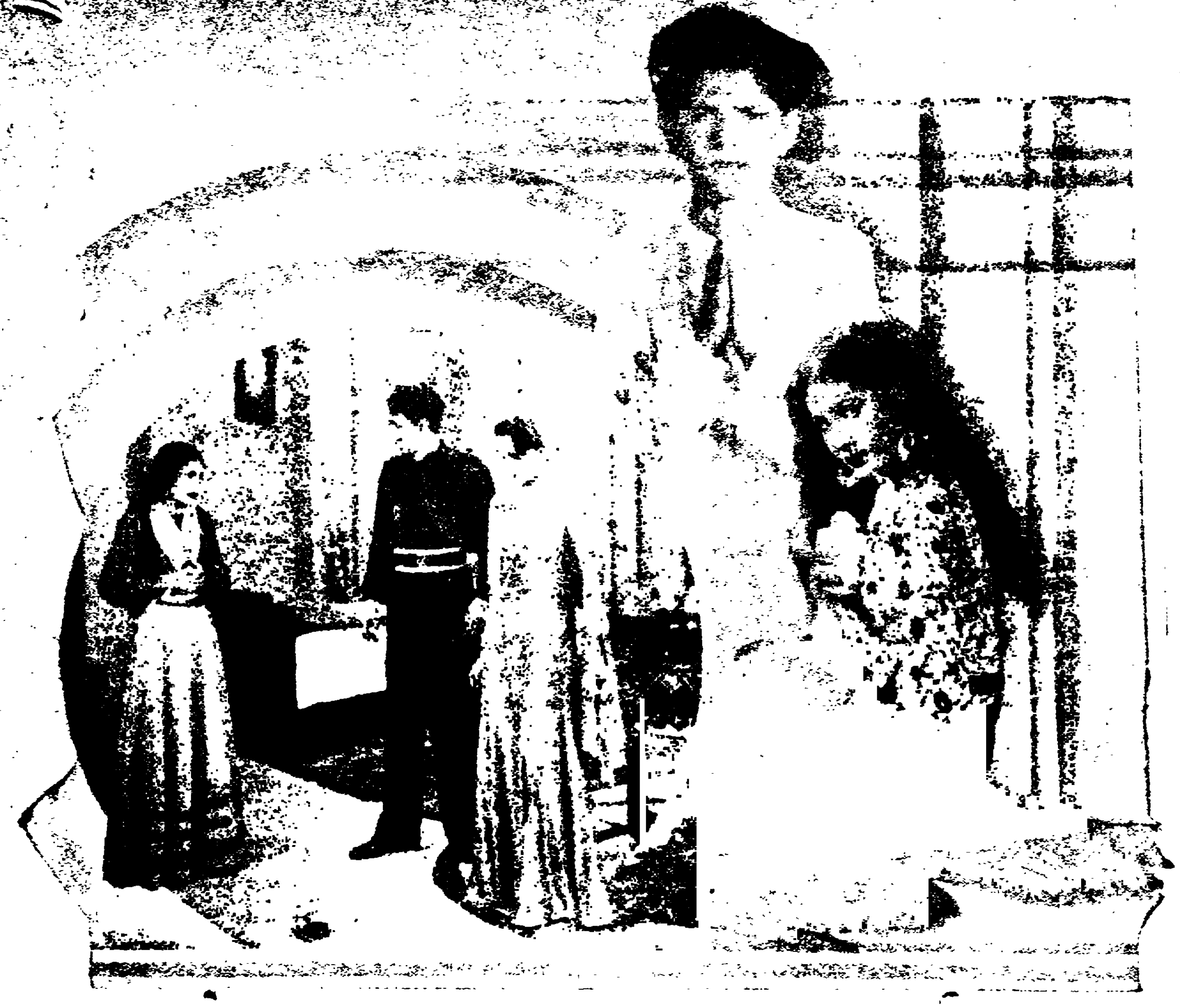
زکیہ حیرت سے قمر کا منہ دیکھنے لگی وہ سمجھی یہ وہی عشق و محبت کی گفتگو ہے جو اکثر اوقات اسکے اور قمر کے درمیان ہوتی رہتی ہے لیکن جب معاملہ کی اصلیت کا علم ہوا تو وہ بہت ہی شرمندہ ہوئی۔ اور عبرت بجسم ہوکر اس کی نگاہوں کے سامنے پھرنے لگی!

خستم شد

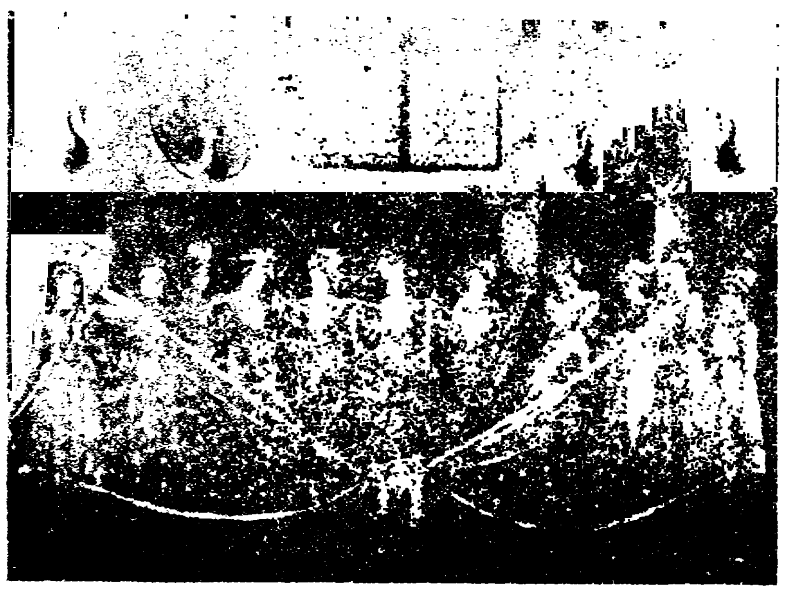
(صفحہ ۱۶ سے آگے)

ہے۔ ... بعد صدارت کی طرف سے ایک ریزولیوشن پیش ہوتا ہے ہوا ہوا ہتا اسکی تائید میں ایکدم سے ہو، ہو ہو ہتا ہو ہو ہو ہتا کا شور بلند ہو جاتا ہے۔ پھر اسکی طرف ایک طرف دوسری تجویز پیش ہوتی ہے اور سب اسکی تائید کرتے ہیں ... پھر تیسری تجویز ... غرض ... شور و غل پہ تجویزوں اور تائیدوں کا سلسلہ یونہی جاری رہتا ہے۔ ہوا ہوا ہو ہو ہتا ہو ہو ہتا ہتا ہو ہو ہتا ہوتا ہمارا ریڈیو ... شور کے ساتھ براڈ کاسٹ ہوتا رہتا ہے۔ ... والوں کو نیند حرام ہو جاتی ہے ... وہ تو ... بیچارے اس کے عادی ہو چکے ہیں ... براڈ کاسٹ سنا کرتے ہیں۔ اور کوئی اثر نہیں ہوتا ... گیدڑوں کی براڈ کاسٹنگ ... بڑی دلچسپی کیساتھ اس وقت سنے کا موقع ملا جبکہ ... ایک استاد ... دوسرے ... بیٹے ... رہے تھے۔ ... ہنگامہ ... بیکسی ... منظر کی توصیف کا تجربہ کرتے تھے۔ ریڈیو اسٹیشن والوں کو تھوڑی دیر ... براڈ کاسٹ کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ ورنہ اگر یہ ... بیانات والی تقریر ... براڈ کاسٹ ... سامعین کو لطف ... فرمائشیں ... گیدڑوں کی براڈ کاسٹنگ ... کتوں کی ... کر اکثر ... دلیس تو ... کی مجلس عزا ... براڈ کاسٹ ہو کر جانوروں سے فطری دلچسپی ہوتی ہے ... ہماری رائے میں تو دلی ریڈیو اسٹیشن والوں کو چاہئے کہ ... گیدڑوں کا پروگرام بھی براڈ کاسٹ کریں۔ اگر کوئی صورت ممکن ہو تو ہماری طرف سے اجازت ہے وہ گیدڑوں کی براڈ کاسٹنگ کو بھی براڈ کاسٹ کرسکتے ہیں۔

نشتر طبیہ ......



"شوہداروا" کے دو سین ــ اِس فلم کے ساتھ مشہور رقاصہ الماس- پھول‌کماری اور رامپیاری کا ناچ گانا
بھی جوبلی ٹاکیز میں دکھایا جارہا ہے



"اِنصاف کی توپ میں نہ" کا ایک سین
جوکہ منگلوار ۲۲ جون سے سنگم ٹاکیز
میں چلیگا۔



اِندرا واڈکر "چھایا" میں
هلس پکچرس کا بہترین فلم جوکہ نیورائل سنیما میں چل رہا ہے

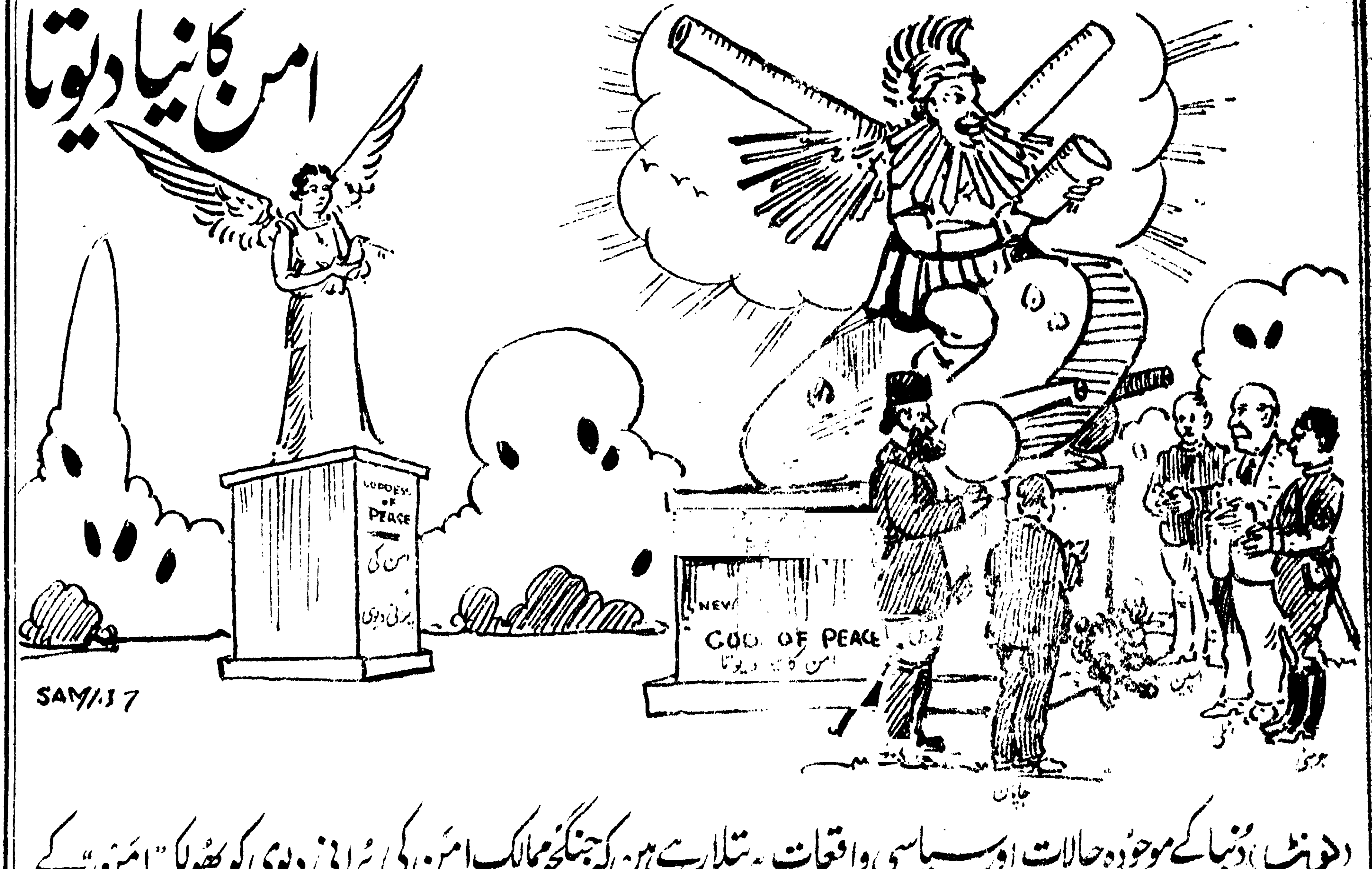


" بربورتن " کا ایک سین
ٹالی‌ووڈ کمپنی کا بہترین فلم اور اسکے ساتھ مختار بیگم و مجبوں کے گانے اور
کالی‌گھاٹ فتانں ٹورنامنٹ کا فلم بھی پکچرهاوس میں دکھایا جارہا ہے

روزمرہ چائے کی عادت گھروں کی آسائش
کو بڑھاتی ہے۔ فی زمانہ اس کے بغیر
کسی گھر کا انتظام مکمل نہیں ہوسکتا۔ جب
گھروں میں چائے کی پیالیوں کا دور چلتا
ہو۔ اور لوگ سرگرم گفتگو ہوں۔ تو
کیا ہی بھلا سماں معلوم ہوتا ہے
ہر گھر کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اس گھر
کا انتظام مکمل ہے۔ جہاں چائے
دانی برابر اپنے کام میں مصروف
رہے۔ اور آپ کو اور آپ کے گھر والوں
کو آسودگی بخشے۔

پی کر

گھروں میں آسودگی حاصل کیجئے



(کونٹ) دنیا کے موجودہ حالات اور سیاسی واقعات یہ بتلا رہے ہیں کہ جنگجو ممالک امن کی پرانی دیوی کو بھول کر "امن" کے نئے دیوتا کی پوجا کر رہے ہیں ؎

مہاتما جی سوموار کو مون برت نہیں کرینگے

وارددھا ۳ر جولائی ؎ وزارتیں قبول کرنے کے سوال نے جو نازک اور اہم صورت اختیار کر لی ہے اور اس پر جو بحث و تمحیص ہوگی اس کے پیش نظر گاندھی جی کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ وہ اس مرتبہ سوموار کو وہ اپنا مون برت نہیں کریں گے۔ تاکہ وہ پوری طرح بحث میں حصہ لے سکیں۔ (ا۔ پ)

سردار پٹیل کی واردھا کو روانگی

بمبئی ۳ر جولائی ؎ سردار ولبھ بھائی پٹیل اور مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کانگریس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت کے لئے آج یہاں سے واردھا کے لئے روانہ ہو گئے ہیں۔ مسٹر بی۔ جی کھیر لیڈر کانگرس پارٹی بمبئی اسمبلی بھی کل واردھا جائیں گے۔ (ی۔پ)

بچے کی لاش مل گئی

نئی دہلی ۳ر جولائی گذشتہ شام پنچکوئیں روڈ کے پاس نالے میں کھیلتے ہوئے جو بارہ سالہ بچہ بارش کے پانی میں بہہ گیا تھا اور جو تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملا تھا آج اس کی لاش یہاں سے تین میل کے فاصلہ پر مل گئی۔ (ا۔ پ)

آج کی خبریں

کوئلہ کی کان پھٹ گئی

۷ آدمی ہلاک ۹ زخمی

لندن ۳ر جولائی۔ اطلاع ہے کہ چیسٹرٹن کوئلہ کی کان پھٹ جانے اور اس میں آگ لگنے سے ۷ آدمی ہلاک اور تیرہ زخمی ہوئے۔ ہلاک شدگان میں کمپنی کے مینیجنگ ڈائرکٹر بھی شامل ہیں۔ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ ۷ آدمی ہلاک اور نو آدمی زخمی ہوئے۔ (ریوٹر)

ہندو لڑکیوں کا اغوا ہنوز جاری ہے

وزیریوں کی مذموم حرکتیں

ایبٹ آباد ۳ر جولائی؎ بنوں کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ۳ر جولائی کی شب کو چالیس آدمیوں کی ایک پارٹی جو وزیری بتائے جاتے ہیں ایک موضع پیسانی پر حملہ کیا اور ایک ہندو لڑکی اور ایک ہندو لڑکے کو اٹھا کر لے گئے۔ گاؤں والوں نے ان پر گولیاں چلائیں ایک گولی لڑکی کے پاؤں میں لگی جس سے وہ زخمی ہو گئی اور حملہ آور اسے چھوڑ گئے۔ مگر لڑکے کو اپنے ساتھ اٹھا کر لے گئے۔ (ا۔ پ)

کوئلہ کی کان میں دھماکا

جھریا ۳ر جولائی۔ ڈمرا خاص کوئلہ کی کان میں بارود پھٹ جانے سے تین آدمی اور ایک عورت جمعہ کی شام کو بری طرح مجروح ہوئے۔ (ا۔ پ)

تین بچے جوہڑ میں ڈوب گئے

بریلی ۳ر جولائی ؎ بجنور کی ایک اطلاع ہے کہ بارش ہو جانے کے بعد یہاں کا ایک جوہڑ بھر گیا جس میں نہانے کے لئے تین بچے داخل ہوئے۔ مگر پھر باہر نہ نکل سکے۔ تینوں کی لاشیں برآمد کی گئیں۔ (ا۔ پ)

نظر بندوں کیلئے ریلیف کمیٹی

کلکتہ ۳ر جولائی۔ صوبہ کے سرکردہ کانگریس اور دیگر لیڈران نے مل کر نظر بندوں کے لئے جو ریلیف کمیٹی بنائی ہے اس میں مسٹر سبھاش چندر بوس۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مسٹر سرت چندر بوس مسٹر ٹی۔ سی گوسوامی۔ مسٹر جے۔ این باسو لبرل لیڈر مسٹر شیاما پرشاد مکرجی۔ مسٹر سلبھ چندر گھوش اور مسز ہیمپر [illegible] وغیرہ بھی شامل ہیں (ا۔پ)

لاہور کے بیرسٹر مسٹر غنی پر قاتلانہ حملہ

ایک مسلمان کی گرفتاری

لاہور ۳ر جولائی ؎ آج بعد دوپہر مسٹر ایم اے غنی بیرسٹر جنرل سیکرٹری پنجاب لیبر بورڈ کھیوڑہ کی نمک کی کانوں کے مزدوروں کی یونین کے صدر اور تانگہ ڈرائیور یونین کے صدر پر ان کی جائے رہائش پر ایک مسلم نوجوان نے قاتلانہ حملہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ حملہ آور کسی بہانہ سے ان کے پاس آیا اور آتے ہی ایک چھرے سے ان کی گردن پر حملہ کیا جس سے مسٹر غنی کی گردن سے بہت زیادہ خون جاری ہو گیا۔ حملہ آور نے فرار ہونے کی کوشش کی۔ مگر کچھ ہی فاصلہ پر ایک سکھ درزی نے اسے پکڑ لیا اور پولیس کے حوالے کر دیا۔ مسٹر غنی کو میو ہسپتال میں داخل کرایا گیا۔ جہاں ان کی حالت نازک بتائی جاتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حملہ آور کا خیال تھا کہ مسٹر غنی پیغمبر اسلام کے خلاف کوئی کتاب لکھ رہے ہیں۔ (ی۔پ)

سونا چلا ہی جا رہا ہے

بمبئی ۳ر جولائی ؎ آج ختم ہونے والے ہفتہ میں بھی بمبئی سے ۷۸۵۹۴۷ روپیہ کا سونا غیر ممالک کو گیا ہے (ی۔ پ)

(باقی اگلے صفحہ پر)

مدراس میں سکاوٹ تحریک

سیوا سمتی سے ملا دی گئی

مدراس ۳ جولائی۔ آج شام کو مدراس میونسپل کارپوریشن کا ایک اجلاس مسٹر [illegible] کی صدارت میں ہوا۔ [illegible] آنریری [illegible] کارپوریشن [illegible] لارڈ بیڈن پاول کے کلمات کی مذمت [illegible] تجویز کیا کہ کارپوریشن ہوائے سکاؤٹ کے ماتحت ہوائے سکاؤٹ انجمن [illegible] سیوا سمتی ہوائے سکاؤٹ میں شامل کر دیا جائے۔

ریزولیوشن ایک رائے کے مقابلہ پر [illegible] سے پاس ہو گیا۔ (ا۔ پ)

سٹینڈرڈ جیوٹ مل کی ہڑتال ختم

کلکتہ ۳ جولائی۔ سٹینڈرڈ جیوٹ مل ٹیٹا گڈھ کے تقریباً تین ہزار سے زائد کاریگر جنہوں نے گزشتہ منگلوار کو ہڑتال کر دی تھی آج صبح کام پر واپس آ گئے۔ ان لوگوں نے اجرتوں میں تخفیف کے سلسلہ میں ہڑتال کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اب ان کا منتظمان کے ساتھ سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ (ا۔ پ)

رہنے سہنے کی جدوجہد میں صحت مندوں کی کامیابی

سال ۱۸۵۹ء میں چارلس ڈارون نامی [illegible] صاحب ولایت نے دنیا کے جانداروں کا حال بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ دن بدن آبادی کے بڑھاؤ کی وجہ سے رہنے سہنے کی جدوجہد بڑھتی چلی جاتی ہے اور صرف وہ لوگ [illegible] ہو سکیں گے جو کہ سب سے زیادہ صحت مند ہوں گے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ ہندوستان میں تپ دق سے مرنے والے لوگوں کی تعداد ساڑھے چھ لاکھ سالانہ تک پہنچ جاتی۔

آبادی کے بڑھاؤ کی شرح جانوروں اور انسانوں میں بہت زیادہ ہے [illegible] جگہ اس قدر محدود ہے کہ ہم کو زندگی کی جدوجہد میں علاوہ دوسری مصیبتوں کے لاکھوں چھوٹے چھوٹے جراثیم کا [illegible] مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ جو کہ اگر نشوونما پانے اور بڑھنے سے روکے نہ جاویں تو ہم کو بالکل نیست و نابود ہی کر دیویں۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ مقابلتاً یورپ کے دوسرے ملکوں کے ہندوستانیوں کی شرح اموات بہت زیادہ ہے اور اوسط عمر بہت کم۔ وجہ اس خوفناک حالت کی علاوہ ملک کے افلاس کے یہ بھی ہے کہ کچھ تو لوگ حفظان صحت کے اصولوں سے ناواقف ہیں۔ اور دوسرے سب سے بڑا [illegible]

لارڈ بیڈن پاول کے کلمات کی مذمت

نئی سکاؤٹ تحریک کی تجویز

بمبئی ۳ جولائی۔ بمبئی پراونشل ہندو سکاؤٹ ڈسٹرکٹ کے زیر اہتمام مسٹر [illegible] کی صدارت میں ایک عام جلسہ آج شام کو منعقد ہوا۔ جس میں لارڈ بیڈن پاول کے کلمات کی متفقہ طور پر مذمت کی گئی۔ [illegible] سکاؤٹ تحریک [illegible] ہندوستانی [illegible] (ا۔ پ)

سر فضل حسین کی برسی!

وزیر اعظم پنجاب کا بیان

شملہ ۳ جولائی۔ [illegible] سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب نے مندرجہ ذیل بیان شائع کیا ہے:-

۹ جولائی کو سر فضل حسین کی برسی ہوگی۔ میاں صاحب ہمارے زمانہ کے سب سے بڑے پنجابی تھے۔ ملک و قوم کے لئے ان کی خدمات ناقابل بیان ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ جو اصحاب انہیں اور ان کے کاموں کو جانتے ہیں وہ بڑی تعداد میں ان کی برسی منانے کے لئے ۹ جولائی

کی زندگیاں نہیں ازدنت لقمہ اجل ہونے سے بچ جاتیں۔

بہت ساری ایسی بیماریاں جو خاص طور پر ہندوستان جیسے گرم ملک میں پائی جاتی ہیں۔ سائنس نے ان پر قابو پا کر ہندوستان کو بیماری سے صحت افزا مقام بنا دیا ہے۔ جیسا کہ یورپ و دنیا کے دوسرے طبقے ہیں۔ ابلاسو "ردیچے" کی ایجاد شدہ دوائیں کا کرے جن کے استعمال سے ہم ان بیماریوں کے حملے سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ یہ بیماریاں کہ ان دوائیوں سے ایجاد ہونے سے پہلے ہندوستان کے باشندوں کے واسطے وبال جان ثابت ہوا کرتی تھیں۔ مفصل حالات کے لئے پوسٹ بکس ۱۹۹ بمبئی کو لکھیں۔

کہ نہی نزلہ و زکام بظاہر بہت معمولی مرض ہیں۔ لیکن ان کی طرف شروع شروع میں توجہ نہ دینے سے یہ سل و دق اور نمونیا جیسی بیماریاں پیدا کر کے انسان کو زندہ درگور کر دیتی ہیں۔ لہذا "سرولین ردیچے" کے استعمال سے ہم مندرجہ بالا بیماریوں سے اپنا پیچھا چھڑا سکتے ہیں۔ سرولین ردیچے ایک جراثیم کش لذیذ شربت ہے۔ جو کہ سوئٹزرلینڈ میں تیار کیا جاتا ہے۔ یہ دوائی پچھلے چالیس برس سے دنیا کی چھوٹی و بڑی سب ہسپتالوں میں برتی جا رہی ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے مشہور ڈاکٹروں نے پھیپھڑے، سینے و سانس کی دیگر سب بیماریوں میں اس کے استعمال کی پرزور سفارش کی ہے۔ آپ بھی اس کی آزمائش کیجئے۔

کو شام سے چھ بجے کالی داس ہال میں جمع ہوں گے جہاں سر [illegible] سرکار ممبر قانون حکومت ہند کی زیر صدارت جلسہ ہوگا۔ (ا۔ پ)

بنگال اسمبلی کا اجلاس

کلکتہ ۳ جولائی۔ آج شام کو ایک سرکاری اعلان شائع ہوا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ گورنر نے بنگال اسمبلی کا اجلاس ۹ جولائی کو شام کے [illegible] بجے طلب کیا ہے۔ اور کونسل کا اجلاس ۱۰ جولائی کی شام کو چھ بجے طلب کیا ہے۔ (ا۔ پ)

تازہ تجارتی سماچار

لندن صرافہ (لندن ۳ جولائی)

چاندی حاضر فی اونس ۱۹ ۷/۸ وعدہ ۱۹ ۱۳/۱۶ پنس

رخ مضبوط تھا سٹہ بازی نہیں ہوئی۔

	پنس	شلنگ	پونڈ
سونا	۶	[illegible]	۷

لیورپول روئی (لیورپول ۳ جولائی)

اکتوبر وعدہ بند ہوئی	۶۶۶

برابر ۵ پوائنٹ مندہ

نیویارک روئی (نیویارک ۳ جولائی)

اکتوبر وعدہ کھلی	۱۱ ۶۹
بند ہوئی	۱۲ ۱

بمبئی سپاٹ

علاقے میں موسم موافق ہونے اور بدیش مندہ آنے سے بازار کا رخ ملائم تھا بعد میں اسٹاکے وچار سے تعاون مضبوط رہا۔

اکتوبر وعدہ کل کے بند بھاؤ سے ۸ پوائنٹ مندہ کھلا۔ بیس [illegible] مندی آنے سے [illegible] کی بکوالی سے بھاؤ گرے جو بعد میں گھر بلیو اور بدیش کی لیوالی پر بھاؤ مضبوط ہے۔

لیورپول گیہوں (لیورپول ۳ جولائی)

اکتوبر ۵/۸ ۱۱۵ اور دسمبر ۱/۲ ۱۱۵ شلنگ پر کھلا۔ [illegible] لیوالی سے بھاؤ مضبوط ہوئے۔ پر متو بدیش کی ساجھیک [illegible] سنسیت ہونے کے زیادہ کام نہیں ہوا۔

شکاگو گیہوں (شکاگو ۳ جولائی)

کیرٹ سے نقصان کے پر ایویٹ میں اچھی فصل کے اندازہ کا کوئی پرچا نہیں تھا۔

بمبئی سٹہ بازار (بمبئی مندہ بازار)

روئی بھروچ جولائی اگست	۰ — ۱۲ — ۳۱۰ فی کھنڈی
" " اپریل مئی	۰ — ۴ — ۳۲۴ "
" اومرا جولائی	۰ — ۰ — ۲۰۵ "
" " دسمبر جنوری	۰ — ۸ — ۲۰۴ "
" بنگال جولائی	۰ — ۰ — ۱۷۵ "
" " دسمبر جنوری	۰ — ۴ — ۱۷۰ "

صرافہ

چاندی حاضر	۰ — ۱۴ — ۵۱ پہلا وعدہ ۰ — ۱۴ — ۵۱
دوسرا وعدہ	۰ — ۰ — ۵۲ سو تولہ
سونا حاضر	۰ — ۱۰ — ۳۴ پہلا وعدہ ۶ — ۹ — ۳۴ فی تولہ
" دوسرا وعدہ	۰ — ۷ — ۳۴ فی تولہ

اجناس

گندم ستمبر	۶ — ۱۱ — ۵ جنوری ۶ — ۱۵ — ۵ فی من
" مئی	۹ — ۱۰ — ۵ السی ستمبر ۳ — ۴ — ۸ "
تل	۰ — ۵ — ۹ ارنڈی ۰ — ۴ — ۷ "
بنولہ	۰ — ۱۰ — ۲ لہو ۰ — ۱۲ — ۵ "
مونگ پھلی حاضر	۰ — ۰ — ۸ خاندیش ۰ — ۲ — ۸ "

ضیائے اختر

(از جناب اختر نگینوی)
(خاص ریاست دہلی کیلئے)

کیوں آہ شر خیز کا شکوا کرے کوئی　　نظارۂ نگاہ ستم زا کرے کوئی
گر آرزو و شوق و تمنا کرے کوئی　　دل ایک اور سینے میں پیدا کرے کوئی
کچھ ہوش ہو تو دیدۂ دل وا کرے کوئی　　ای فرصتِ نظر کسے دکھا کرے کوئی
جینا عذابِ عشق میں، مرنا محال ہے　　فرمائیے تو کیا نہ کرے، کیا کرے کوئی
دیوانگی ذ گرچہ نکلے ہیں ہات پاؤں　　ہمت بقدرِ وسعتِ صحرا کرے کوئی
بدنامیاں اُٹھائیں تمنائے دید میں　　کبتک نگاہِ شوق کو رُسوا کرے کوئی
منظور ہیں کسی کی جو صبر آزمائیاں　　وعدہ کرے کوئی تو نہ ایفا کرے کوئی
صورت ہے شکلِ آئینۂ انجمن تری　　تو سامنے رہے، تجھے دیکھا کرے کوئی
معلوم ہے، ہوا تھا نتیجہ جو طور پر　　ہرگز نہ ہم نوائی موسیٰ کرے کوئی
ناکامیٔ دوام بھی ہے عیشِ جاودان　　یا تو سیوں کا لطف اُٹھایا کرے کوئی
عقدے ہزار، ناخنِ تدبیر کھول دے　　لیکن کسی کے دل کی گرہ وا کرے کوئی
برقِ نگاہِ یار تو ٹھہری نظارہ سوز　　کس کی ہے یہ مجال جو دیکھا کرے کوئی
ہنگام گریہ جوشِ گریہ یہ چاہیئے　　ہر قطرۂ سرشک کو دریا کرے کوئی
ہُشیار محتسب ہے تو مدہوش بادہ کش　　ٹکرے نہ جام و ساغر و مینا کرے کوئی
چشمِ غضب ادھر ہے ادھر چشمِ شوق ہے　　دیکھا کرے کوئی کہ نہ دیکھا کرے کوئی
بالیں سے جائے، رحم کرے اپنے حال پر　　مرنے بھی دے نہ مجھے مری پروا کرے کوئی
ہے۔ یا نہیں ہے۔ وحشتِ دیوانگانِ عشق　　آئے اور آکے قصدِ تماشا کرے کوئی
افشائے رازِ عشق جنوں خیز ہو نہ جائے　　کیا فائدہ، جو حسن کو رسوا کرے کوئی

ایسا کسی کا دل نہیں اختر ترے سوا
ہر نا گوار بات گوارا کرے کوئی

تجلیات روشن

(از منشی گوپی چند روشن بی، اے، ایل ایل بی وکیل دریبہ کلاں دہلی)
(خاص ریاست دہلی کے لئے)

اِترانے ہو کیوں اتنا؟ اتنا نہ گماں ہوتا　　تم جیسا حسیں ہوتا روشن جو جواں ہوتا
زاہد! مری قسمت میں جو عشقِ بُتاں ہوتا　　پیشانیٔ روشن پر سجدے کا نشاں ہوتا
دُزدیدہ نگاہوں کو جو بھانپ نہ لیتا میں　　تم جیسے حیا پرور پر کس کو گماں ہوتا!
اچھا ہوا جیتے جی جو پھر نہ بہار آئی　　قصۂ گل و بلبل کا پھر وردِ زباں ہوتا
ہنگامۂ محشر کا پھر ہوش کسے رہتا؟　　تیرا جو کرم ہم پر اے پیرِ مغاں ہوتا
کچھ دھوم تو ہو جاتی اس آتشِ فرقت کی　　عالم پہ جو چھا جاتا، اتنا تو دھواں ہوتا
میرے ہی سبب سے ہے دنیا میں تری ہستی　　غمخوار کی فرقت میں اے غم تو کہاں ہوتا؟
ہو سکتا ہے تو بیشک آنکھوں سے مری اوجھل　　ہاں یہ نہیں کہہ سکتا ہوتا تو کہاں ہوتا؟
نظروں سے زمانے کی میں تجھ کو چھپا لیتا　　ایسا کوئی دنیا سے اوجھل جو مکاں ہوتا!

روشن کی شہادت کا جب انکو یقین آتا
جو خونِ تمنا بھی تربت سے عیاں ہوتا

[illegible]

(از جناب ظفر تاباں صاحب مدیر انجمن کالج دہلی)

مرنے ہے تو مرنے میں یہ پہلو نکل آئیں　　لے آئے حیاتِ ابدی جن کی بلائیں
انساں کو ابھی وسعتِ اشیا کی خبر کیا　　پنہاں انہیں ذروں میں ہیں صحرا کی فضائیں
ہے عشق کی تحریک میں کچھ حسن بھی شامل　　کچھ حسن میں ہیں ذوقِ نظر کی بھی ادائیں
کانٹوں کو حیاتِ ابدی بخشنے والے!　　یہ غم ہے کہ گل عمر دو روزہ بھی نہ پائیں
مشرق کو ہے ناکامیٔ قسمت کی شکایت　　مغرب کے ارادوں نے بدل دی ہیں قضائیں
ہیں اپنے سفینے میں کچھ ایسے بھی مسافر　　دریا کے تلاطم کو جو خاطر میں نہ لائیں
آجاؤ کہ رسم و رہِ میخانہ بدل دیں　　خونابۂ دل سے مئے گلرنگ بنائیں
وہ آگ بھی شامل ہوئے پیرِ مغاں ہیں　　کونین میں جس آگ کے شعلے نہ سمائیں
کیوں اتنی گرفتارِ تعین ہوں نگاہیں　　قندیلِ حرم آؤ کلیسا میں جلائیں
اللہ سے [illegible] حرم [illegible] کے شیوے　　اللہ کو قومی عصبیت نہ سکھائیں

[illegible] ہے عزم [illegible]
اتنا نہ [illegible]

سائنس کی گتھی
دنیا کیونکر وجود میں آئی؟
سیّاروں کی حیرت انگیز حرکتیں اور اُن کا اثر!

ایک ماہر فلکیات نے کہا ہے کہ "ستاروں کو دیکھنا گویا اُن سے سوال کرنا ہے"۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب ہم ستاروں پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کے متعلق طرح طرح کے سوالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں مثلاً یہ کہ ان کی اصل کیا ہے؟ یہ کیونکر وجود میں آئے؟ یہ آفتاب اور سیّارے کس طرح بنے؟ سائنٹفک فوٹوگرافی کے ذریعہ جن لاکھوں آفتابوں کا پتہ لگایا گیا ہے سب کے سب مختلف نظام شمسی کے مرکز ہیں!

بہت دنوں سے جو نظریہ (تھیوری) سائنس دانوں میں رائج ہے وہ یہ ہے کہ کسی قدیم زمانے میں جو انسانی وہم و قیاس سے باہر ہے ایک بہت بڑا ستارہ (اتنا بڑا کہ اس کی جسامت ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتی) "کہیں سے تیرتا ہوا یا گردش کرتا ہوا" ہمارے آسمانوں کی فضا میں آ گیا۔ اس کی کشش ثقل کی طاقت اتنی عظیم و زبردست تھی کہ اس میں سے گیس کے بڑے بڑے کرّے خارج ہو گئے۔ اس کے بعد وہ ستارہ اس فضا سے گزرتا ہوا پھر کہیں چلا گیا۔ وہ بڑی دور کا مسافر تھا معلوم نہیں کہاں سے آیا اور کہاں گیا۔ لیکن اس نے گیس کے جو کرّے اپنی نشانی کے طور پر پیچھے چھوڑ دیئے تھے وہ رفتہ رفتہ منجمد ہو ہو کر ٹھوس سیّارے بن گئے انہیں سیّاروں میں ہماری زمین بھی ہے اور یہ بھی اسی نامعلوم و غیر محدود فضا میں سفر کرنے والے مسافر کی "یادگاروں" میں سے ایک ہے۔

ایک "مسافر ستارے" کا یہ افسانہ کہ آفتاب سے گیس کے کرّے ساری کائنات کے وجود کا باعث ہوا۔ اگرچہ بہت زیادہ حیرت انگیز ہے لیکن جدید سائنس دانوں کے لئے قابل یقین نہیں ہے۔ اس نظریہ سے چند مسئلے حل نہیں ہوتے، ایک تو یہ کہ تمام بیرونی سیّاروں پر گردش تیز ہونے کے دن کیوں ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ آفتاب جو نظام شمسی کا بہت سا مادہ اب تک اپنے جسم میں رکھتا ہے اس قدر سست رفتار کیوں ہے؟ انہیں اسباب کی بنا پر سائنس و نجوم کے مشہور ماہر سر جیمس جینز "مسافر ستارے" والی تھیوری کو تسلیم نہیں کرتے اور اس سے اختلاف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

کیمبرج کے ایک جدید سائنس دان اور ماہر ہیئت مسٹر آر اے لٹلٹن نے اس سلسلہ میں ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے ان کا خیال ہے کہ فضائے فلکی میں ہزاروں دوسرے آفتابوں کی طرح ہمارا آفتاب بھی اپنا "ایک ساتھی" رکھتا تھا۔ گویا یہ دونوں اجرام فلکی ایک "ازدواجی رشتہ" میں جڑے ہوئے تھے اسی وقت دفعتاً ایک بڑا ستارہ دُور سے گردش کرتا ہوا ان کے قریب سے گزرا وہ اپنی راہ میں آفتاب کے "ساتھی" سے ٹکرا گیا۔ اس تصادم نے "ساتھی" کو فضائے آسمانی میں بہت دور پھینک دیا۔ لیکن اس علیحدگی کے وقت آفتاب اور اس کے ساتھی کے جسم میں سے بہت سا مادہ خارج ہو کر ادھر اُدھر منتشر ہو گیا اور گیس کے ان مختلف تودوں میں اتنی طاقت نہ تھی کہ آفتاب کی کشش کے دائرے سے باہر نکل جائے، اس لئے وہ آفتاب کے چاروں طرف چکر لگانے لگے۔ اور رفتہ رفتہ سیّارے بن گئے اسی طرح ان سیّاروں سے جو ٹکڑے ان کی حرکت کے باعث خارج ہوئے وہ ان کے چاند SATELLITES بن گئے۔

پروفیسر رسل نے رسالہ "سائنٹفک امریکن" میں اسی نظریہ کی تائید کی ہے۔ ان کی رائے ہے کہ اس ذریعہ سے مختلف سیّاروں کی تمام حیرت انگیز و عجیب و غریب حرکتیں سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان حرکتوں کا سبب کیا؟ پروفیسر میک کریا بھی رسالہ "نیچر" میں لکھتے ہیں کہ لٹلٹن کی تھیوری اس سلسلہ میں سب سے زیادہ کامیاب تھیوری ہے۔ جو معمولی میکانی اصولوں کی بنا پر نظام شمسی کی اصل کو اچھی طرح واضح کر دیتی ہے لیکن لٹلٹن کا نظریہ آخری نظریہ نہیں ہے، سائنس دانوں میں بعض دوسرے نظریئے بھی رائج ہیں جنھیں علم ریاضی سے مدد دی گئی ہے۔ پروفیسر گستاف اسٹرامگرن ہمارے نظام شمسی کے وجود کو دوسرے اسباب پر مبنی بتلاتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ ایک کسی قدیم زمانے میں ایک بہت بڑا ستارہ اپنی تیز گردش کے باعث خود بخود پھٹ پڑا اور فضا میں اس سے جو گیس کے تیز دوڑتے ہوئے ذرے نکلے وہی رفتہ رفتہ سیّارے بن گئے۔ اور وہ ستارہ خود اس کا مرکز یعنی آفتاب بن گیا غرض ان کی رائے میں یہ تمام سیّارے خود آفتاب ہی کے جسم کے اجزاء یعنی "اولاد" ہیں۔

چند فیلسوفی۔ اسے مثنی مگر ادھرکتے ہیں وہ ہمیں اس کا یقین دلانا چاہتے ہیں کہ نظام شمسی کا کبھی شروع بھی نہیں ہے، یہ سب بحث و مباحثہ اس لئے ہے کہ ہم نے وقت کے تخیل کو ضروری سمجھ لیا ہے، ہمارا یہ سوال کرنا کہ نظام شمسی کیونکر وجود میں آیا دراصل یہ سوال ہے کہ وہ "کب" پیدا ہوا۔ اگر ہم وقت کو لامحدود سمجھیں تو یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ نظام شمسی کسی قدیم لامحدود زمانے میں شروع ہوا۔

جرمنی کے مشہور ماہر سائنس پروفیسر آئنسٹائن کا نظریہ ان نظریات سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں کائنات صرف ایک بلبلے کی صورت میں تھی جب یہ بلبلہ پھٹ گیا تو تمام مادے منتشر ہو کر فضائے آسمانی میں نہایت تیزی سے رقص کرنے لگے۔ اور ان کے جدا جدا حصے منجمد ہو کر سیّارے بن گئے، جو سیّارہ جتنا دور پہونچا اُس کی گردش اتنی ہی زیادہ تیز ہو گئی۔

"سیام میں سوئز"

سنگاپور کو بے اثر بنانے کی جاپانی اسکیم

(مسٹر جان ہاکن کے قلم سے)

ایک طرف اگر مغرب میں کہیں جنگ ہو رہی ہے اور کہیں جنگ کی تیاریاں جاری ہیں تو دوسری طرف مشرق میں جاپان بھی اپنے اثر و اقتدار کو آہستہ آہستہ بڑھاتا جا رہا ہے اور یہ کوشش کر رہا ہے کہ تمام دوسری طاقتوں کا اثر مٹا کر وہ مشرق کی سب سے بڑی واحد طاقت بن جائے۔ اسی ارادے کے پیش نظر جاپان نے سیام کو اس امر پر راضی کرنے کی پرزور کوشش کی ہے کہ مشہور نہر سوئز اور نہر پناما کی طرح ایک نہر جزیرہ نما کرا کو کاٹ کر نکالی جائے۔ اگر یہ اسکیم کامیاب ہوگئی تو برطانوی نو آبادی سنگاپور کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہے گی، اور غالباً برطانیہ کو جزیرہ سینٹ میتھو اور وکٹوریہ پوائنٹ کی قلعہ بندیوں کو زیادہ مضبوط کرنا پڑے گا۔ نہر کرا جسے مشرق بعید کی "نہر سوئز" کہنا چاہیئے، ہندوستان اور اس کے مشرقی ممالک کے درمیان تجارت اور جہاز رانی میں ایک انقلاب پیدا کر دے گی، اس وقت جاپان کے تجارتی جہاز ہندوستان آنے کے لئے جزیرہ ملایا اور سماٹرا کے پاس سے گزرتے ہیں، وہ سنگاپور کی توپوں کی زد میں رہتے ہیں۔ لیکن جب نہر کرا تیار ہو جائے گی تو جاپانی جہازوں کو ادھر آنا ہی نہ پڑے گا، اور وہ اپنے نئے شمالی راستے سے گزر کر برما اور ہندوستان پہنچ جائیں گے، سنگاپور کی مورچہ بندیوں کی تعمیر ہی اس لئے ہوئی تھی کہ مشرق بعید پر برطانوی رعب قائم رکھا جائے۔ اور ہندوستان کے لئے "مشرقی خطرہ" کی نگرانی کی جائے، لیکن نہر کرا کے وجود میں آتے ہی سنگاپور کی طاقت بالکل بے اثر ہو جائے گی حکومت سیام غالباً جاپانی تجویز پر رضامند ہو گئی ہے اور وہ نہر کرا کی تعمیر کی اجازت اس شرط پر دے دینا چاہتی ہے کہ اگر مشرق بعید میں کوئی جنگ چھڑ جائے تو اس نہر کی "غیر جانبداری" کا اصول ملحوظ رکھا جائے،

اس اہم مضمون کے سلسلہ میں یہ ضروری ہے کہ سیام جزیرہ نما کرا اور جزیرہ نما ملایا کی مختصر جغرافیائی حالت بیان کر دی جائے۔ (تصویر دیکھئے) سنگاپور سے سات سو میل شمال کی جانب خطہ ملایا سیام کے قریب اتنا تنگ ہو گیا ہے کہ کرا کے پاس صرف پچیس (۲۵) میل چوڑی زمین باقی رہ گئی ہے اور اس کے دونوں جانب سمندر ہے اسی مقام کو جاپان نے ایک نہر نکالنے کے لئے منتخب کیا ہے تاکہ مشرق بعید سے ہندوستان تک کا سمندری سفر آسان ہو جائے۔ اور جہاز کی آمد و رفت میں تقریباً چار روز کی بچت ہو جائے۔ کرا جو اس وقت ایک قصبہ ہے ایسی حالت میں جہاز رانی کا ایک بہت بڑا اور عظیم الشان مرکز بن جائے گا۔ جس کی اہمیت سوئز اور پناما سے کسی طرح کم نہ ہوگی اور سنگاپور جو اس وقت مشرق کا جبرالٹر سمجھا جاتا ہے اس کی جنگی اور مقامی حیثیت ختم ہو جائے گی،

جزیرہ نما کرا حکومت سیام کی ملکیت ہے۔ لیکن جب نہر بن جائے گی تو اس سے گزرنے والے جہازوں کو جزیرہ نما برما کے انتہائی جنوبی حصے سے ہو کر بحر ہند میں آنا پڑے گا۔ اسی لئے وکٹوریہ پوائنٹ اور سینٹ میتھو کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔ اس وقت بھی وکٹوریہ پوائنٹ میں برطانی ہوائی جہازوں کا ایک مرکز اور اسٹیشن AERODROME ہے اور ان سے چند میل کے فاصلہ پر سینٹ میتھو کا برطانی مورچہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر نہر کرا تعمیر ہو گئی تو برطانیہ کو سنگاپور کی طرف سے اپنی نگاہ ان دونوں مورچہ بندیوں کی طرف پھیرنی ہوگی۔

کیا جاپانی اسکیم کامیاب ہو جائے گی؟ اس وقت یہی سوال ٹوکیو (دارالحکومت جاپان)، بنکاک (دارالحکومت سیام) اور سنگاپور میں ہر شخص کی زبان پر ہے۔ گزشتہ زمانے میں اس نہر کی تجویز چند مرتبہ پیش ہوئی تھی لیکن غیر معمولی لاگت کے خیال سے ترک کر دی گئی تھی، لوگوں کو اب تک یاد ہے کہ سوئز پناما اور کیل (جرمن) کی نہروں کی تعمیر میں کتنی کثیر رقمیں پانی کی طرح بہا دی گئی تھیں، چند روز ہوئے نہر کرا کی تعمیر کے لئے ایک تخمینہ بھی تیار کیا گیا تھا۔ اور جب اس کی تفصیلات سامنے آئیں تو معلوم ہوا کہ نہ اس کی تیاری میں ایسی کثیر رقم صرف ہوگی جو برداشت نہ کی جا سکے، اور نہ انجینیروں کے لئے یہ کوئی ایسا مشکل مسئلہ ہوگا۔ صرف پچیس میل تک زمین کو کاٹ کر نہر نکالنا کوئی غیر معمولی بات نہ ہوگی۔ اور ماہرین کا خیال ہے کہ یہ کام سوئز اور پناما سے بھی سستا پڑے گا۔

اس سلسلہ میں ایک مزید آسانی یہ ہے کہ کرا کی زمین بہت نرم مٹی کی ہے۔ اور زمین کو کاٹنے کی راہ میں کوئی پہاڑ یا پتھریلی چٹانیں نہیں ہیں۔ اور چونکہ اس جزیرہ نما کے دونوں جانب سمندروں کے پانی کی سطح بالکل برابر ہے اس لئے لاکس (LOCKS) یعنی بندوں کے بنانے کی ضرورت بھی نہ ہوگی سیام کے خطہ کرا میں مزدوری بھی سستی ہے اس لئے غیر معمولی لاگت کی بنا پر جو اعتراض تھا وہ بھی غلط ثابت ہو چکا ہے۔ جاپان نے اسی تخمینہ سے فائدہ اٹھا کر حکومت سیام پر زور ڈالا ہے کہ نہر کرا جلد از جلد تعمیر کی جائے۔

کچھ روز ہوئے اس امر کے متعلق شک کیا جا رہا تھا کہ سیام اس اسکیم کی مالی امداد کرنے یا نہر کو خود تعمیر کرنے کے لائق ہوگا۔ لیکن اب یہ معلوم ہو گیا ہے کہ سیام اگر چاہے تو اس کام کو انجام دینے میں اسے کوئی مشکل حائل نہ ہوگی حکومت سیام اس پر راضی ہے کہ اگر ضرورت ہو تو وہ مجوزہ نہر کی زمین کو ایک ایسی کمیٹی کے سپرد کر دے جو اس نہر سے دلچسپی رکھنے والی حکومتوں کی نمائندہ ہو سیام کے وزرا کا خیال ہے کہ اس صورت میں سیام کو زیادہ فائدہ حاصل ہوگا۔ سیام کا مقصد یہ ہے کہ اگر یہ نہر بن جائے گی تو اس کے ذریعہ اس کو بہت بڑا ساحلی کاروبار بھی حاصل ہو جائے گا اور مشرق بعید میں اگر جنگ ہوئی تو نہر کرا کی غیر جانبدار حیثیت خود سیام کو بھی بیرونی حملوں سے محفوظ کر دیگی،

جہاں تک کہ جاپان کا تعلق ہے یہ گارنٹی بہت آسانی سے دیدی جائے گی، نہر کرا کی موجودہ اسکیم جاپان کی سب سے زیادہ پسندیدہ اسکیم ہے کیونکہ اس کے ذریعہ جاپان کے تجارتی مال کو ہندوستان اور یورپ تک پہنچنے میں بڑی آسانی مل جائے گی، جس طرح مغربی ممالک کے تجارتی جہاز راس امید (CAPE OF GOOD HOPE) کا راستہ ترک کر کے نہر سوئز سے سفر کرتے ہیں اسی طرح جاپان کے تجارتی جہاز سنگاپور کی راہ چھوڑ کر نہر کرا سے گزرنے لگیں گے، جزیرہ نما ملایا سے گھوم کر جانے کی ان کو ضرورت نہ ہوگی، اور رنگون کلکتہ، مدراس، کولمبو اور دوسرے مشرقی ساحلوں تک آنے میں چھ سو میل سے لے کر ایک ہزار میل کا سمندری سفر کم ہو جائے گا۔

جاپان کی مصنوعات کی ارزانی کے باعث ہندوستان برما اور لنکا کے بازاروں پر جاپانی مال نے جس طرح قبضہ کر لیا ہے وہ ظاہر ہے اگر جہازوں کے سفر میں چھ سو سے لیکر ایک ہزار میل کے فاصلہ کی کمی ہو جائے گی تو جاپان کو جہاز کے کرایہ کے سلسلہ میں بھی بہت بڑی بچت ہو جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان بازاروں میں جاپانی مال اور بھی سستا ہو جائیگا اسی طرح ہندوستانی مال بھی مشرق بعید کے ممالک میں آسانی سے جا سکے گا اور فروخت ہو سکے گا۔

ہندوستان کی تجارت پر اثر

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے نہر کرا کا سب سے پہلا اور سب سے وسیع یہ اثر ہوگا کہ ہندوستان میں جاپانی مال کی قیمت اور جاپان میں ہندوستانی مال کی قیمت کم ہو جائے گی۔ جاپان کا کپڑا اور دیگر صنعتی پیداوار ہندوستان کے بازاروں کو اور بھی زیادہ بھر دیگی۔ اور ہندوستان کی خام اشیاء مثلاً روئی وغیرہ زیادہ مقدار میں جاپانی کارخانوں کے لئے خریدی جائے گی،

دوسرے نتائج اگرچہ زیادہ اہم ہوں گے لیکن صورت حال پر منحصر ہوں گے نہر کرا کے حلقہ پر جاپان کا جتنا زیادہ اثر ہوگا اتنا ہی اس کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ اس نہر کو جاپان اپنی طرف سے بنائے گا یا سیام جاپانی روپیہ اور جاپانی انجینیروں کے ہاتھ سے اسے بنوائے گا تو ظاہر ہے کہ جاپان کے لئے نہر کرا کی اہمیت بہت زیادہ ہوگی۔ اور مقامی حیثیت سے جاپان کا پورا اثر و اقتدار اس پر قائم ہوگا۔

ہر صورت میں یہ ظاہر ہے کہ اگر جاپانی اور بعید مشرقی جہاز رانی کو آبنائے ملایا سے کوئی واسطہ باقی نہ رہے گا تو برطانیہ کو سینٹ میتھو یا وکٹوریہ پوائنٹ پر ایک دوسرا سنگاپور تعمیر کرنے میں از سر نو کروڑوں روپیہ خرچ کرنے پڑیں گے۔



کھدر ہی ہندوستان کی نجات ہے

بھارت کی بنیادی صنعت کو فروغ دینے کی تدبیریں

جب پرتگالی پہلے پہل مشرق کی طرف راغب ہوئے اور اس نواح میں آباد ہونے شروع ہوئے تو انہوں نے یہ دیکھا کہ راس امید سے لے کر چین تک، ہر شخص ہندوستان کے بنے ہوئے سوتی کپڑے میں ملبوس رہتا ہے۔ ہندوستان قدیم ترین زمانہ سے سوتی کپڑا بننے کی وجہ سے مشہور تھا۔ اور نہ صرف تمام مشرق ہی میں اس کے کپڑے جایا کرتے تھے بلکہ یورپ تک اس کے پارچہ جات پہنچتے تھے۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہندوستان میں دور دورہ ہوا تو ہندوستان کی اس صنعت کی طرف للچائی ہوئی نظر ڈالی۔ اس نے سمجھ لیا کہ ہندوستان اپنے دستکاروں کو صرف خام اشیاء تیار کرنے اور انہیں برطانوی کارخانوں میں بھیجنے پر اکتفا کرے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس صنعت کو تباہ کرنے کے لئے اور اپنی ملکی صنعت کی ترقی کے لئے جو کچھ کیا اس کے دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈھاکہ، مسولی پٹم اور دیگر مشہور مرکزوں میں ہندوستانی ساخت کے سوتی کپڑے کی جو عظیم الشان صنعت تھی رفتہ رفتہ فنا ہو گئی۔ ہندوستان کے دستکاروں کو صرف خام اشیاء تیار کرنے، برطانیہ کے کارخانوں کا پیٹ بھرنے اور کم اجرتوں پر بسر اوقات کرنے کے لئے مجبور کر دیا گیا۔ ہندوستان سے سوتی کپڑا باہر جانا تقریباً بند ہو گیا۔ اور اب ہم کپڑے کے لئے غیر ملکی کارخانوں کے محتاج ہیں۔

ایک اندوہناک باب — ہندوستان کے ساتھ برطانیہ عظمیٰ کا جب سے تجارتی و سیاسی رشتہ پیدا ہوا ہے اُس وقت سے اس وقت تک جس قدر زیادتیاں اہل ہند کی صنعت و حرفت پر کی ہیں وہ تاریخ کا ایک اندوہناک باب ہے۔ جس کے بارے میں ہم سردست کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ ہمارے موجودہ مقصد کے دائرے سے باہر ہے۔ گفتگو صرف یہ ہے کہ ہندوستان کی ایک بنیادی صنعت کو غیر ملکی تاجروں نے تباہ کر کے لاکھوں انسانوں کو فاقہ مست بنا دیا۔ ان کے پاس کھانے کو نہیں رہا۔ اور رفتہ رفتہ یہ ادبار اس قدر بڑھا کہ ہندوستان بالکل مفلوک الحال ہو گیا۔ ہے اور ہندوستان کے کاریگروں کے پاس جو ہنر، صنعت اور دستکاری کی خوبیاں تھیں وہ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئیں۔ جدید مشینوں سے کپڑا بننے کے کارخانوں کا رواج کوئی ۶۰ سال سے یہاں ہوا ہے۔ اب کرگھوں پر سوائے خاص قسم کے نہایت اعلیٰ بیش قیمت زیبائشی کپڑوں کے یا دیہاتیوں کے استعمال کے موٹے کھدر گاڑھے کے اور کوئی چیز تیار نہیں ہوتی۔ اب ہر قسم کا کپڑا مشینوں پر بنایا جا رہا ہے۔ دس پندرہ سال سے کانگریس نے سودیشی کی تحریک اور کھدر کے استعمال پر زور دیا ہے۔ جس کی وجہ سے بدیشی کپڑے کی آمد میں کچھ معمولی سی کمی ہوئی ہے ورنہ ہندوستان کا بہت کپڑا باہر ہی سے آتا تھا۔ اور اس میں بھی سوتی کپڑے کی بہتات تھی۔ ہندوستان کی درآمد میں سب سے بڑی چیز سوتی کپڑے آپ کو دکھائی دیں گے، یہی بات انگلستان کی برآمد کے نقشہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

حالات بدل گئے — مگر اب حالات بہت بدل گئے ہیں۔ ہمارے کپڑوں کی ضرورت کا کچھ حصہ اب ہندوستان ہی کے ملوں میں یا کرگھوں پر تیار ہوتا ہے۔ پھر بھی بہت بڑا حصہ باہر سے آتا ہے۔ یہ تبدیلی کیونکر وجود میں آئی؟ اس کے اسباب تلاش کرنے کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس کی چلائی ہوئی تحریک سودیشی اور تحریک کھدر پوشی، اور کھدر بانی ہے جس نے ہندوستان کے اس سرے سے اس سرے تک غیر ملکی کپڑے کی درآمد کو کم کرنے اور اپنی ضرورت کا کپڑا خود اپنے ملک میں تیار کرنے کا جذبہ عملی طور پر تمام اہل ہند کے دلوں میں پیدا کر دیا۔ ایک طرف تو کانگریس تمام غیر ملکی چیزوں کو استعمال نہ کرنے کا پرچار کرتی ہے اور دوسری طرف ہندوستانیوں کو چرخہ چلانے، کھدر بننے اور ہاتھ کے بنے ہوئے اور تیار کئے ہوئے کپڑے کی خرید و فروخت کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور اسباب کا پرچار کر رہی ہے کہ گھر گھر چرخے چلائے جائیں اور دیہات میں کپڑا شروع سے آخر تک ہر طرح مکمل کر کے خود ہی بنایا جائے۔ اور چھوٹی اور وسیع دستکاری کو کلوں کے استعمال پر ترجیح دیکر غریب و نادار جاہل عوام تک روزگار کی وسعتیں کشادہ کر دی جائیں۔ اور یہی سودیشی کی تحریک کا نصب العین ہے۔

بنیادی قومی صنعت — قدرت نے ہندوستان کو سوتی صنعت کے فروغ اور وسعت کے لئے موزوں ترین اوصاف بخشے ہیں اور اس ملک کو نمایاں طور پر اس صنعت کو بنیادی قومی صنعت بنانے کے اسباب موجود ہیں۔ امریکہ کے بعد سب سے بڑا براعظم روئی کی پیداوار کے معاملہ میں ہندوستان ہے۔ ہندوستان میں روئی کی کافی کھپت کے وسائل اور مواقع موجود ہیں۔ اگر روئی کی پیداوار بڑھائی جائے تو ہندوستان میں اس کی بہت وسیع کھپت ہو سکتی ہے۔ یہاں کے کپڑا بننے والوں میں اس فن کا علم نسلاً بعد نسلاً چلا آ رہا ہے۔ امید ہے کہ یہ چیز ہندوستان کی اس صنعت کے فروغ کے لئے ایک بہت بڑی بنیاد ثابت ہوگی۔ ہندوستان کے لوگ ابھی اس صنعت سے بالکل ناواقف نہیں ہوئے ہیں۔ ایک زمانہ میں کھدر کی فروخت ایک کروڑ روپے تک پہنچ گئی تھی۔

اداریے

تجزیے

۶ — جولائی ۱۹۳۷ء

پنجاب اسمبلی ڈیڈلاک!

مخالف پارٹی کی منظم طاقت کا اثر!

سنڈے میں جب سے پنجاب اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا ہے اس کی کارروائیوں میں ہر ہر قدم پر ایک تلخ فضا پیدا ہوتی رہی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یونینسٹ پارٹی اپنی طاقت کے زعم میں یہ سمجھ رہی ہے کہ پنجاب اسمبلی میں مخالف پارٹی کی کوئی حیثیت اور اہمیت ہی نہیں ہے۔ اگر ہندوستانی صوبوں کا نام نہادی پارلیمنٹری کاروبار جدید آئین کی رو سے برطانیہ کے پارلیمنٹری سسٹم کا عکس ہے تو پنجاب یونینسٹ پارٹی کو کم از کم انہیں سے سبق لینا چاہئیے اور اپنی تنگ نظری کی عینک دور کر کے یہ جاننا چاہئیے کہ پارلیمنٹ میں اکثریت کی پارٹی ہمیشہ مخالف پارٹی کی رائیوں اور نکتہ چینیوں کا احترام کرتی ہے اور اگر ان کو تسلیم نہیں کرتی جب بھی ان کے ساتھ سختی اور حقارت کا سلوک نہیں کرتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ پارلیمنٹری طرز حکومت میں کوئی اکثریت ہمیشہ اکثریت ہی نہیں رہتی اس لئے اس کی طاقت بھی عارضی ہوتی ہے اور رائے عامہ کے بدلتے ہی وقتی سیاسیات کا سارا نقشہ بدل جاتا ہے۔ وہی پارٹی جو آج اکثریت رکھتی ہے کل اقلیت میں ہو جاتی ہے اور ایک جدید انتخابات کے بعد مخالف بنچوں پر بیٹھنا پڑتا ہے۔ اس لئے اگر اس نے گزشتہ پارلیمنٹ میں مخالف پارٹی کے ساتھ برا اور توہین آمیز سلوک کیا ہے تو اس کو بھی طاقتور پارٹی سے اس کا بدلہ مل جاتا ہے۔ اور خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ اسی لئے پارلیمنٹری طرز حکومت میں بھی وہی عام اصول صحیح مانا جاتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرو جیسا سلوک تم خود ان کی طرف سے اپنے لئے چاہتے ہو۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب اسمبلی کی یونینسٹ پارٹی برسر اقتدار ہونے کے باعث ایک قسم کی بوکھلاہٹ میں مبتلا ہو گئی ہے اور بعض معاملات میں اس کا تذبذب، اس کا عجیب و غریب رویہ، اس کی بے اصول اور مبہم حرکتیں اس کا پتہ دیتی ہیں کہ طاقت کی غیر معمولی منشیہ میں اس کے پاؤں زمین پر نہیں پڑتے اور وہ اپنے صحیح اور غلط اقدام کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ غالباً اسی طاقت کے غیر معمولی احساس کا یہ اثر ہے کہ پنجاب اسمبلی کے صدر بھی جو یونینسٹ پارٹی کے رکن اور منتخب کردہ ہیں مخالف پارٹی کے ساتھ معقول اور با عزت سلوک کرنے سے قاصر ہیں حالانکہ ایسی حالت میں جب وزارت یونینسٹ پارٹی کے ہاتھ میں ہے، صدر کو اس کا سب سے زیادہ خیال کرنا چاہئیے تھا کہ کرسی صدارت پر بیٹھنے کے بعد وہ پارٹی سے بے تعلق اور بلند تر ہو جائیں، اور کسی پارٹی کی تائید کا شبہ نہ کیا جائے اور تمام پارٹیوں کے لئے ان کا طرز عمل یکساں اور قابل احترام ہو۔ یہ ایک عام بات ہے کہ اگر کسی پارلیمنٹری لیجسلیچر کو مخالف پارٹی کا اعتماد حاصل نہ ہو اور صدر اپنی پارٹی کی طاقت کو اپنی مطلق العنان کارروائیوں کے لئے ایک سند سمجھ لے تو یہ طرز عمل گویا آئینی ادارہ اور آئینی طریق حکومت کو دفن کر دینے کے برابر ہوگا۔

مخالف پارٹی کے رزولیوشنوں اور بعض اہم ترین ہنگامی معاملات پر التوائے اجلاس کی تحریکوں کو پنجاب اسمبلی کے صدر نے جس طرح ٹھکرا دیا اور ڈرسٹل کے تقرر کے سلسلہ میں صدر کا جو قابل اعتراض رویہ مخالف پارٹی کے "واک آوٹ" کا باعث ہوا اس پر کوئی تفصیلی تبصرہ اب غالباً لاحاصل ہوگا۔ یہ سب حساس طاقت کی ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں۔ گرمیے اعتدالیوں اور بے ضابطگیوں کے اس سلسلہ میں جو چند باتیں ہمارے سامنے آئیں وہ دنیا کی آئینی تاریخ میں دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ ایک تو اسپیکر کا یہ حیرت انگیز جملہ جو نامہ نگار کی رپورٹ میں موجود ہے) کہ "میں رائیں اور نکتہ چینیاں سننا نہیں چاہتا" دوسرے یہ کہ خود صدر کے طرز عمل میں بھی کوئی استقلال نظر نہیں آتا۔ وہ کبھی کچھ کہتے ہیں اور کبھی کچھ کہتے ہیں۔ اور کبھی چیف منسٹر ان کی امداد کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں تو صدر کی رائے کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ ایک مارشل ہی کے تقرر کا معاملہ لیجئے۔ تو چند طرح کی باتیں ہمارے سامنے آئیں۔ اکثر اطلاعات میں صدر اسمبلی اعظم کے نام منسوب ہیں اور دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا چولی دامن کا ساتھ اور من تراحاجی بگویم والا مضمون ہے بہرحال سرِدست یہ امر قابل اطمینان ہے کہ پنجاب اسمبلی کا ڈیڈلاک جلد ختم ہو گیا اور پولیس افسر کی جگہ ایک پنشن یافتہ فوجی افسر "مارشل" مقرر کر دیا گیا۔ یہ مخالف پارٹی کی منظم طاقت کا اثر ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ صدر آئندہ اس کے ساتھ بہتر سلوک کا ثبوت پیش کریں گے۔

"امن" کا نیا گیت!

آجکل یورپ کا ہر ملک اپنی فوج اور اسلحہ میں اضافہ کر رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ کہہ رہا ہے کہ یہ سب کچھ قیام امن کے لئے کیا جا رہا ہے۔ اسلحہ سازی کی دوڑ سے جنگ کا خطرہ بڑھتا ہے مگر یورپ کہتا ہے کہ یہی طرز عمل امن کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اور اسی سے قوموں کے درمیان خلوص اور باہمی اعتماد پیدا ہوگا۔ اس دلچسپ موضوع پر ایک مزاحیہ نظم جس میں طعن و تشنیع کا پہلو ہے شاعر رینالڈ نے "ورلڈ ریویو" میں لکھی ہے۔ ہم اس کے چند اشعار کا ترجمہ ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے ذیل میں درج کرتے ہیں، یورپ کی موجودہ ذہنیت کا یہ ایک دلچسپ مرقع ہے:-

دنیا والو! اب تم خلوص اور نیک نیتی کی گھنٹیاں بجاؤ!
کیونکہ دنیا جنگ کے خوف سے غلام بن گئی ہے!
دنیا کو لیگ آف نیشنز نے بچا لیا ہے۔
وہی لیگ جو اٹلی کو حبش پر قبضہ کرنے سے روک نہ سکی
اب "امن" کی رہنمائی نازیوں کے ہاتھ میں ہے۔
نازی "خلوص و محبت" کے سیلاب سے اسپین کو
مالامال کر دیا ہے۔
اور اٹلی بھی اس نیک نیتی کی زنجیر سے بندھا ہوا ہے۔
امن کی دیوی توپوں اور بموں پر ہنس رہی ہے۔
اب ہر ملک دوسرے کے ساتھ خلوص کا برتاؤ کرے گا۔
لیکن اس پر بم باری کرنے سے باز نہ آئے گا۔
اور کبھی کبھی زہریلی گیس بھی ہوا میں مل جائے گی۔
"آؤ اس نئی قسم کے "امن" کے لئے گھنٹیاں بجاؤ۔
تاکہ ایسا نہ ہو یہ "خلوص" جنگ کا باعث بن جائے"

اخباروں کی "سفید" اور "سیاہ" فہرستیں!

دیکھلے ہفتہ پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی میں اخبارات کے لئے سرکاری اور عدالتی اشتہاروں کی فراہمی سوال و جواب کے ایک دلچسپ سلسلہ کا باعث بنی۔ ملک برکت علی کا سوال یہ تھا کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کی بنا پر حکومت اخباروں کی سیاہ و سفید فہرستیں مرتب کرتی ہے۔ اس پر وزارت نے یہ جواب پیش کیا کہ حکومت کوئی "سیاہ" فہرست نہیں رکھتی، اور صرف ایسے اخبارات کی ایک فہرست رکھتی ہے جن کو وہ سرکاری اشتہارات دیتی ہے اس فہرست کی ترتیب میں اخبار کی عمر، اشاعت اور پبلک مفاد کا خیال رکھا جاتا ہے، اس پر لالہ دیشبندھو نے سوال کیا کہ "پبلک مفاد" کی تعریف بیان کی جائے چیف منسٹر سے اس کا جواب بن نہ پڑا۔ اور وہ صرف اتنا ہی کہہ سکے کہ یہ سوال "بہت وسیع" ہے اس سلسلہ میں ہم صرف اتنا پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر یہ سوال اتنا ہی وسیع ہے کہ پنجاب کی وزارت اس کی تعریف بیان نہیں کر سکتی تو پھر "پبلک مفاد" کی بنا پر اخبارات کی فہرست کیونکر مرتب کی جاتی ہے اور پبلک مفاد کی وہ کونسی تعریفیں ہیں جو اس وقت پیش نظر رکھی جاتی ہیں؟

بوائے اسکاوٹ تحریک کا قضیہ!

بوائے اسکاوٹ تحریک کے سلسلہ میں آجکل جو بحث و مباحثہ ہندوستان میں جاری ہے۔ اس کے متعلق معاصر "ٹائمز آف انڈیا" لکھتا ہے کہ ہندوستان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو ملک کی اس سب سے بڑی طاقتور تحریک پر جس میں تقریباً پونے تین لاکھ نوجوان شامل ہیں اپنے سیاسی مقاصد کے لئے قبضہ کرنا چاہتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ "خدمت اور اپنی مدد آپ کرنے کی خوبیوں" کے ظاہری الفاظ کے پردے میں مردانہ شخصی اوصاف کو ایک خاص سیاسی نقطۂ نگاہ کے تحت میں ڈال دیا جائے گا۔ ہم معاصر موصوف کی اس گمراہ کن تحریر کا جواب ان الفاظ میں دینا چاہتے ہیں کہ اولاً تو یہ خیال ہی غلط ہے کہ ہندوستانی رہنما بوائے اسکاوٹ تحریک کو خالص خدمت کے جذبہ سے ہٹا کر سیاسی جد و جہد میں شریک کرنا چاہتے ہیں دوسرے یہ کہ چونکہ موجودہ بوائے اسکاوٹ کا نظام کسی معنی میں بھی "قومی" نہیں ہے اس لئے اس کو قومی بنانے کی یقیناً ضرورت ہے اور تیسرے یہ کہ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے لارڈ بیڈن پاول کی بوائے اسکاوٹ تحریک جو شہنشاہیت پسندی کے عنصر سے خالی نہیں کہی جا سکتی ہندوستان کے لئے مفید ثابت نہیں ہوگی۔ اس نوٹ کے پریس میں جانے کے وقت ہمیں اطلاع ملی کہ بمبئی کارپوریشن نے اسکولوں کو "بیڈن پاول بوائے اسکاوٹ" تحریک سے الگ کر دیا ہے۔ اور دہلی میونسپل کمیٹی میں بھی لارڈ بیڈن پاول کے الفاظ کے خلاف پروٹسٹ رکارڈ کیا گیا۔

کچھ "کالے پانی" کے متعلق!

اس وقت ملک میں سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ سب سے زیادہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے پنجاب اسمبلی میں اس تجویز کو لالہ دیشبندھو نے پرزور اور معقول دلائل کے ساتھ پیش کیا۔ بنگال اسمبلی میں بھی اس ضروری وقتی مسئلہ کو اہمیت دی گئی ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں صوبوں کی وزارتیں اس معاملہ میں پس و پیش کر رہی ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جدید آئین نے نظام حکومت میں کوئی

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

تبدیلی پیدا کی ہے۔ بلکہ اب تک شہنشاہیت کا ہاتھ ہی پس پردہ کام کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں جبکہ سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ ہر جگہ زیر بحث ہے راجہ زادہ مہندر سنگھ ایم۔ ایل۔ اے نے ضروری سمجھا ہے کہ اس موقعہ پر جزیرہ انڈمان کے اسیروں کی حالت پر بھی روشنی ڈالی جائے۔ کچھ عرصہ ہوا راجہ زادہ مہندر سنگھ اور سریا مین خاں نے جزیرہ انڈمان سے واپس آکر اپنی رپورٹ حکومت ہند کو پیش کر دی تھی۔ لیکن چونکہ حکومت ہند نے اس رپورٹ کو شائع کرنا اب تک مناسب نہیں سمجھا ہے اس لئے راجہ زادہ موصوف کے موجودہ بیان سے ملک کو کالے پانی کی اصلی حقیقت معلوم ہو جائے گی، وہاں کے سیاسی قیدیوں کی حالت کو راجہ زادہ مہندر سنگھ نے قابل رحم اور ان کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے اس کو غیر انسانی کہا ہے۔ اس سے زیادہ تفصیل میں جانے کی غالباً ضرورت نہیں ہے راجہ زادہ موصوف کا خیال صحیح ہے کہ ان قیدیوں کے لئے یہی ایک بہت بڑی نعمت ہوگی کہ ان کو ہندوستانی جیل خانوں میں ٹرانسفر کر دیا جائے۔

"ہندوستان بولتا ہے"!

اس عنوان پر آپ حیرت زدہ نہ ہوں، یہ ایک کتاب کا نام ہے جس کا مصنف ایک امریکن مسمیٰ رچارڈ ہالنبرٹن ہے اس نے مس میو کی روایات کو آگے بڑھایا ہے اور ہندوستان کے متعلق ایسا زہر اگلا ہے کہ اس کی کتاب کو پڑھ کر کوئی ہندوستانی رنجیدہ اور برافروختہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا! اسی نام کا ایک فلم بھی بنا تھا جو کچھ روز ہوئے برطانی امپائر میں ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ سر فیروز سیٹھنا نے حکومت ہند سے درخواست کی ہے کہ "ہندوستان بولتا ہے" نامی کتاب کی ان تمام کاپیوں کو جو ہندوستان میں فروخت ہو رہی ہیں ضبط کر لیا جائے، اور اس کا بھیجنا ممنوع قرار دے دیا جائے۔ اس کتاب میں بہت سی قابل اعتراض تصویریں بھی ہیں جو ہندوستانی تمدن کو تاریک ترین پہلو سے پیش کرتی ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ جلد اس کتاب کی ضبطی کا حکم نافذ کر دے۔ ہندوستان کے خلاف غیر ممالک کا یہ شرمناک پروپگنڈا برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

پالش کیا ہوا چاول!

انڈین میڈیکل جرنل میں ڈاکٹر دیس نگا سوامی نے پالش کئے ہوئے چاولوں کے استعمال کو انسانی صحت کا دشمن بتلاتے ہوئے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں پہلی ضرورت یہ ہے کہ چاول کو صاف کرنے کی وہ تمام ملیں فوراً بند کر دی جائیں جن میں مشین کے ذریعہ چاولوں کی اوپری تہ کو اڑا کر ان کو چمکدار بنا جاتا ہے۔ ایسا کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چاول کے تمام مفید اجزا اور وٹامن (حیاتین) غائب ہو جاتے ہیں متعدد ڈاکٹروں اور سائنس دانوں نے یہ بات پہلے بھی کہی ہے اگر غذا ہی انسان کی صحت اور زندگی کی ذمہ دار ہے تو ضرورت ہے کہ جلد تحقیقات کی روشنی میں اصلاحی طریقے استعمال کئے جائیں اس تحریک سے دیہاتی صنعت اور دیہات سدھار کے کام کو بھی فائدہ پہنچے گا!

گالیوں پر امتناعی حکم!

انگلستان کا مشہور شاعر گوپر کہتا ہے کہ گالیاں دینا ہمت کی دلیل ہے نہ تہذیب عمل ہے۔ اور نہ عقلمندی کا کام ہے۔ صرف یہی نہیں کہ گالی گلوچ کا ہنگامہ گالی بکنے والے اور گالی سننے والے پر برا اثر ڈالتا ہے بلکہ پبلک مقامات میں یہ عوام کے لئے بھی ایک ناقابل برداشت لعنت بن جاتا ہے۔ حکومت ترکی نے ایک نیا قانون پاس کیا ہے کہ سڑکوں پر یا پبلک مقامات میں گالیاں منہ سے نکالنا منع ہیں اور جو شخص ایسا کرے گا وہ گرفتار ہو کر سزا پائے گا، ہندوستان کا بازاری طبقہ گالیاں بکنے کا بہت عادی ہے اور بعض وقت تو وہ بے نقط مغلظات کی بھرمار ہوتی ہے کہ شرفاء کو اپنے کان بند کر لینے پڑتے ہیں بعض پڑوسی بھی ایسے ہوتے ہیں جو اپنی گالی گلوچ سے محلہ والوں کا دم ناک میں کر دیتے ہیں ہندوستان میں بھی اس لعنت کے انسداد کے لئے پوری کوشش کرنی چاہئیے

عوام سے ریلوے ملازموں کی بدسلوکی!

ویجوڈ کمیٹی کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمیٹی اپنی تحقیقات کے سلسلہ میں جہاں جہاں گئی اسے یہی شکایت سننی پڑی کہ ریلوے ملازمین مسافروں کے ساتھ سخت بدسلوکی کرتے ہیں اسی کے ساتھ ناجائز رقموں کی وصولی کی شکایت بھی عام تھی، کمیٹی کے ارکان نے ان شکایتوں کو ریلوے کے نمائندوں کے گوش گزار کر دیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ صرف اتنا ہی کر دینا کسی طرح کافی نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور نہ اس سے یہ شکائیتیں رفع ہو سکیں گی اگر ہندوستان کی ایسی ملازمتوں میں جن کا تعلق براہ راست پبلک سے ہے ایسی خرابیاں موجود ہیں تو یقیناً ان اعلیٰ حکام کا ہے جو بڑی بڑی تنخواہیں لے کر بھی اس لائق نہیں ہیں کہ اپنے ماتحت اسٹاف کو کنٹرول کر سکیں کیا ہم امید کر سکتے ہیں کہ اس موقعہ پر صرف گشتی چٹھیوں کو کافی نہ سمجھا جائے گا بلکہ ریلوے افسران عوام کے ساتھ ریلوے ملازمین کی بدسلوکی کے انسداد کے لئے حقیقی معنوں میں کوشش کریں گے!

سینما گھروں میں رقص!

کلکتہ کارپوریشن کے ایگزیکٹو حکام نے سینما گھروں میں مخرب اخلاق اور نفسانی جذبات کو ابھارنے والے رقص کے انسداد کے لئے ایک قابل تعریف قدم اٹھایا ہے انہوں نے سینما گھروں کے مالکوں کو حکم دیا ہے کہ کارپوریشن سے اجازت لئے بغیر زندہ ناچ کا کوئی پروگرام فلم کی نمائش میں شامل نہ کیا جائے۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ بتلایا گیا ہے کہ بعض قسم کے رقص سے ان سینما گھروں کا مقصد خالص آرٹ کی نمائش نہیں ہوتی بلکہ صنفی خواہشات کو ابھارنے کا لالچ دیکر پبلک کو اپنی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے۔ ہم اس سے قطعاً متفق ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ کلکتہ کارپوریشن کے اس طرز عمل کی تقلید ہر کارپوریشن اور میونسپل کمیٹی کو کرنا چاہیئے، آرٹ کی نمائش اور چیز ہے لیکن جہاں سوسائٹی کے اخلاق کو بگاڑنا مقصود ہو، ضرور ہے کہ اس طرح کے رقص کا انسداد کیا جائے!

سرحد کا "ہندی گورکھی سرکلر"

صوبہ سرحد کا وہ بدنام "ہندی گورکھی سرکلر" جو ان دونوں زبانوں کی مخالفت میں شائع کیا گیا تھا، اور جس سے سرحد کی ہندو اور سکھ اقلیتوں کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ اس کو منسوخ کرنے کا حکم جدید "قوم منسٹری" کی طرف سے نافذ کر دیا گیا ہے۔ ہم کو مسرت ہے کہ اس سرکلر کے خلاف جو ایجی ٹیشن جاری کیا گیا تھا۔ وہ کامیاب ہوا اور حکومت کے ہاتھ کو اس کی تنسیخ کا حکم نافذ کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ لیکن اگر "قوم منسٹری" اس ذریعہ سے اپنے آپ کو ہر دلعزیز اور پسندیدہ بنانا چاہتی ہے تو اس کا یہ دلی خوش کن اپنا نامنون تعبیر نہ ہوگا۔ یہ وزارت بھی جو گورنر کی پیدا وار ہے۔ بعض دوسری وزارتوں کی طرح اکثریت کی مضبوط اور منظم طاقت کے سامنے نہ ٹھہر سکے گی۔

ملزم یا "شریف آدمی"

غالباً عوام کو یہ معلوم نہیں کہ کلکتہ ہائی کورٹ کے فوجداری سشن میں جب کسی مقدمہ کی سماعت ہوتی ہے تو ملزم کو جوتا اتار کر عدالت میں داخل ہونا ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہ طریقہ اس خیال سے وجود میں آیا ہو کہ ملزم کیساتھ "شریف آدمی" کا سا سلوک نہیں ہونا چاہیئے، اس خیال کو یہاں تک آگے بڑھایا گیا کہ پچھلے ہفتہ جسٹس پین کرج کی عدالت میں جب صفائی کے وکیل نے ملزم کو شریف آدمی" (GENTLE MAN) کہا تو اس پر سرکاری وکیل نے اعتراض کیا۔ بہر حال جب جیوری نے ملزم کو بیگناہ پایا۔ اور عدالت نے اسے آزاد کر دیا۔ تو جسٹس پین کرج نے دیکھا کہ وہ شخص اپنا جوتا پہن رہا ہے۔ اس پر انہوں نے ایک عام حکم دیدیا کہ میری عدالت میں ملزم کے لئے جوتا اتارنا ضروری نہیں ہے، ہم جسٹس پین کرج کی اس انصاف نوازی پر ان کو مبارکباد دیتے ہیں۔ کیونکہ صرف قانون ہی نہیں بلکہ ہر "شریف آدمی" ملزم کو اس وقت تک ایک "شریف آدمی" سمجھتا ہے۔ جبتک کہ اس کا جرم ثابت نہ ہو، ہم امید کرتے ہیں۔ کہ ہر عدالت میں جسٹس موصوف کے اس مستحسن عمل کی تقلید کی جائے گی،

تنخواہ دار بیوی

ولایت متحدہ امریکہ کی سب سے بڑی خاتون یعنی مسز روزویلٹ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سب بیویوں کو گھر کا کام کاج کرنے کے صلہ میں شوہروں کی طرف سے تنخواہ ملنی چاہیئے۔ غالباً یہ جدید دنیا کا جدید ترین نظریہ ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ بیوی کے لئے بالکل تہی دست ہونا۔ اور اگر اپنی ضرورت کے لئے ایک پیسہ بھی درکار ہو تو شوہر کے سامنے ہاتھ پھیلانا کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے۔ گھر کی ملکہ کی شان خود داری اس سے مجروح ہوتی ہے

اور خانگی ملازموں کی نظروں میں بھی اس کا کوئی وقار باقی نہیں رہتا۔ اس لئے ایک طرف یہ ضروری ہے کہ بیوی کے ہاتھ میں اپنے اور گھر کے اخراجات کے لئے کافی رقم موجود ہونی چاہیئے۔ لیکن دوسری طرف اگر ہر بیوی "تنخواہ دار بیوی" بنا دی جائے گی۔ تو اس سے بھی اس کا وقار کم ہو جائے گا۔ اور اس کی حیثیت ایک ملازمہ کی سی ہو جائے گی حقیقت یہ ہے کہ مغرب نے شوہر اور بیوی کے حقیقی اور روحانی رشتہ کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ ورنہ اس طرح کی تحریک پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی

ڈائرکٹر آف پبلک انفارمیشن

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت ہند کے ڈائرکٹر آف پبلک انفارمیشن (محکمہ اشاعت عامہ) کا عہدہ حکومت کی کسی خاص پالیسی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور حکومت ہند کو اس اسامی کے لئے کسی "مخصوص" قسم کے آدمی کی ضرورت ہے۔ ورنہ بظاہر اس کا کوئی سبب نہیں معلوم ہوتا۔ کہ اس جگہ پر ایک ایسے یورپین کو مقرر کیا جائے، جو ہندوستان میں بالکل اجنبی کی حیثیت رکھتا ہو۔ کیا حکومت کو سارے ہندوستان میں کوئی ایسا آدمی نہ ملا۔ جو اس عہدے کے لائق ہو؟ کیا خود حکومت کا وہ افسر بھی اس لائق نہ تھا جس نے دو مرتبہ ڈائرکٹر کی عدم موجودگی میں اس عہدے پر کام کیا ہے؟ کہا جاتا ہے۔ کہ مسٹر جیتیس (منتخب ڈائرکٹر) جرنلزم اور پبلسٹی کا بڑا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ اور کافی سفر و سیاحت بھی کر چکے ہیں، ہم ہندوستان سے چند نام ایسے لوگوں کے پیش کر سکتے ہیں۔ جو چوٹی کے اخبار نویس ہیں۔ اور مذکورہ بالا تمام صفتیں ان میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ مسٹر جیتیس کو کیا خبر کہ ہندوستان کی حالت کیا ہے۔ اور یہاں کی اخبار نویسی کیسے مقامی ماحول میں کام کر رہی ہے!

مسٹر جناح اپنے اصلی رنگ میں

یو۔ پی اسمبلی کیلئے جھانسی، ہمیرپور حلقہ کے ضمنی انتخاب کے سلسلہ میں مسٹر جناح نے جو کچھ کہا ہے۔ اس میں وہ اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہوگئے ہیں مسلم لیگ کے نامزد امیدوار کوئی مسٹر رفیع الدین ہیں اور کانگریس کے امیدوار مسٹر شیروانی ہیں جنکی تائید میں راشٹرپتی پنڈت جواہر لال نہرو ان اضلاع کا دورہ کرنے والے ہیں۔ مسٹر جناح کہتے ہیں کہ چونکہ ایک غیر مسلم آرگنائزیشن نے مسلم لیگ کے امیدوار کے خلاف اپنا ایک امیدوار کھڑا کیا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو اتنی بڑی اکثریت سے اس کا جواب دینا چاہیئے کہ پھر کسی غیر مسلم آرگنائزیشن کو مسلمانوں کے مذہبی اور فرقہ وارانہ معاملات میں دخل دینے کی جرأت نہ ہو، کیا مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا اس سے زیادہ کوئی خطرناک طریقہ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک سیاسی انتخاب میں "مذہب" کے نام پر انکو ابھارا جائے، غالباً مسٹر جناح کا یہ آخری حربہ ہے لیکن امید کی جاتی ہے کہ یہ بھی کامیاب نہ ہوگا۔ لوگوں کی آنکھوں پر بہت دنوں تک اس طرح پٹی نہیں باندھی جا سکتی

اشارات

ایک اطلاع مظہر ہے کہ جرمنی ان دنوں مغربی کیچڑ سے سونا برآمد کر رہا ہے کیونکہ ایک خفیہ عمل کے ذریعہ اس کیچڑ سے بیش قیمت معدنی اجزاء اور سونا نکالا جاتا ہے۔

قسمت کا فیض ہے سچ کہا ہے کہ جب قسمت اچھی ہوتی ہے تو مٹی بھی سونا بن جاتی ہے ؛

حکومت یو۔ پی ہر ضلع میں آنریری مجسٹریٹوں کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہتی ہے اور اس سلسلہ میں "وار دن کمیٹی" کی سفارشات پر غور کر رہی ہے ؛

وار دن کمیٹی کا نام ایک دوسری قسم کی دلچسپی پیدا کرتا ہے کیا بندروں کو آنریری مجسٹریٹ بنانیکا ارادہ تو ؟

ڈاکٹر پرانجپائی نے پونا میں زنانہ یونیورسٹی کے گریجویٹوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ عورتوں کو کم از کم دو زبانوں کا علم حاصل کرنا چاہیئے !

خدا کی پناہ ! عورت کے لئے ایک ہی زبان کیا کم ہے ؟ جب ایک ہی زبان سے عورت اس قدر باتیں کر سکتی ہے تو خیال کیجئے کہ دو قینچیاں چلنے کے وقت اسکے شوہر کا کیا حال ہوگا ؟

تعلیم کے ماہرین مسٹر ایبٹ اور وڈ نے اپنی تعلیمی رپورٹ حکومت ہند کو پیش کر دی ہے، حکومت ہند اس رپورٹ کو شائع کرنے کی بجائے مرکزی مشاورتی کمیٹی کے سپرد کرنا چاہتی ہے تاکہ وہ اسے جانچ کر اپنی رپورٹ پیش کرے ؛

اگر اسی طرح ایک تحقیقاتی رپورٹ پر دوسری تحقیقاتی رپورٹ پیش ہوتی چلی گئی تو یہ سلسلہ قیامت تک ختم نہیں ہوگا !

بھو بہار کی "انیٹرم" وزارت یہ چاہتی ہے کہ زمین آبپاشی کے لئے فطرت کے ذرائع کو استعمال کرے ؛

فطرت اور اس کے ذرائع تو بہت دنوں سے موجود ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ یہ غیر فطری انیٹرم وزارت موجود نہ تھی ،

خبر ہے کہ دہلی میں ایک تانگہ والا اپنے مالک کا سوٹ کیس لے کر فرار ہو گیا۔

جب مالک لباس کی ضرورت سے آزاد ہو گئے تو ان کو کسی "انجمن عریانی" میں داخل ہو کر غسل آفتابی سے فائدہ اٹھانا چاہیئے ؛

سنگاپور کی عدالت میں ایک شخص نے کہا ہے کہ وہ بیس روپے ماہانہ کی آمدنی سے دو بیویوں کے اخراجات پورے کر سکتا ہے !

اس شخص کو دنیا کا آٹھواں عجوبہ سمجھنا چاہیئے !

لالہ زار

نتیجۂ فکر کے خاص شاعر کے قلم سے

ابر بہار کی آمد

قوم کے میکدے میں پھر زندگی ہے چہل پہل　　ساقیٔ بزم حریت، بادہ گسار آ گیا
موسم برشگال میں، ابر کی شان دیکھئے　　مست ہوا کے دوش پر ہو کے سوار آ گیا
بارش جاں نواز نے باندھا ہے بوندیوں کا تار　　یعنی کہ مطرب فلک لے کے ستار آ گیا
حسن کے فیض خاص سے عشق ہوا ہے شاد کام　　نالۂ عندلیب پر، پھول کو پیار آ گیا
جھوم کے فرط کیف سے سب ہی کہہ رہے ہیں آج　　ابر بہار آ گیا، ابر بہار آ گیا

مرکزی اسمبلی کی حیات

مرکزی بزم تیرا کیا کہنا !　　زندگی دو جہاں کی تجھ پہ نثار
بڑھتی ہے عمر تیری سال بسال　　مہرباں تجھ پہ ہے بڑی سرکار
"تو سلامت رہے ہزار برس　　ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"

(خبر ہے کہ مرکزی یعنی لیجسلیٹو اسمبلی کی عمر میں مزید ایک سال کا اضافہ کیا جائے گا)

ہنگامہ زار کشمیر

سلسلہ بدبختیوں کا ختم ہوتا ہی نہیں　　پڑ گئی اک اور بھی تازہ کڑی زنجیر میں
ناچتا ہے سر پہ پھر فرقہ پرستی کا جنوں　　پھر نئی شورش بپا ہے وادیٔ کشمیر میں

(فرقہ پرست لیڈروں کے شور مچانے کے باعث کشمیر کے مسلمانوں نے پھر شورش شروع کر دی ہے)

جے پور پر بھوتوں کا حملہ

دن دہاڑے آگ لگتی ہے کہیں پر خود بخود　　اور کہیں بندر اچھلتے ہیں شب دیجور میں
دمبدم انساں پہ حملے ہو رہے ہیں غیب سے　　دور دورہ آجکل بھوتوں کا ہے جے پور میں

(خبر ہے کہ جے پور میں آج کل بھوتوں کا راج ہے، کہیں خود بخود آگ لگتی ہے اور کہیں بھوت بندر بن کر لوگوں کو کاٹنے کھدتے ہیں)

ایک رباعی

بغض و حسد و عناد باقی ہے ابھی
معراج کہاں؟ فساد باقی ہے ابھی
"ماضی کی روایتیں ہوئیں دفن، مگر
مسلم ہندو فساد باقی ہے ابھی"

(حضرت سیماب)

چٹکیاں

دھوتی کے متعلق بنگال سے پھر خبر آئی ہے کہ وزیر مالیات مسٹر سرکار نے وزراء کی کونسل میں اس سوال کو زور و شور سے پیش کیا ہے کہ دھوتی کو "کورٹ ڈریس" بنا دیا جائے

چونکہ اس تجویز کے محرک کا نام سرکار ہے اس لئے یہ لباس "سرکاری" بھی ہوگا۔ اور سرکاری بھی۔

دھوتی ہندوستان کا قومی لباس ہے جب مہاتما گاندھی اسی لباس میں ملک معظم کے سامنے جا سکتے ہیں تو پھر کیا سبب ہے کہ ہندوستان میں یہ "کورٹ ڈریس" نہ تسلیم کیا جائے ؟

ہر صوبہ میں اس تجویز کی تقلید ہونی چاہیئے۔

ہندوستان کی "غذا اور آبادی" کے سلسلہ میں ڈاکٹر رادھا کمل مکرجی کہتے ہیں کہ جب فصل خراب ہوتی ہے تو لڑکوں کی پیدائش کم ہو جاتی ہے اور اموات زیادہ ہو جاتی ہیں

اسی طرح جب ہندوستان میں آزادی کی تحریک زور پکڑتی ہے تو فرقہ وارانہ فسادات بڑھ جاتے ہیں ایک میں قدرت کا ہاتھ ہے اور ایک میں حماقت کا !

امریکہ کو الاسکا کی حفاظت کی فکر دامنگیر ہو گئی ہے اس کا خیال ہے کہ کوئی ایشیائی طاقت اس پر حملہ آور ہو سکتی ہے اس لئے چار لاکھ پونڈ کے صرفہ سے ایک ہوائی مرکز وہاں بنایا جانے والا ہے ؛

جب دولت زیادہ ہوتی ہے تو خرچ کی کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آتی ہے ؛

اعداد و شمار سے بتلایا گیا ہے کہ پچھلے دنوں کلکتہ کی جوٹ ملوں کی ہڑتال میں مزدوروں کو اجرت کے سلسلہ میں ۲۵۴۵۰۰۰ روپیہ کا نقصان ہوا۔

یہ ایک اچھا سرمایہ دارانہ پروپگنڈا ہے۔ مگر کوئی خدا کا بندہ اس پر بھی تو نظر کرے کہ ہندوستان کا سونا کثیر مقدار میں باہر جانے سے ہندوستان کو کتنا نقصان ہو رہا ہے

سیاسی اسیروں کی رہائی کے سلسلہ میں بنگال کے چیف منسٹر مسٹر فضل الحق کہتے ہیں کہ اگر پنڈت جواہر لال نہرو اور مسٹر سکسینہ بھی وزارت کے عہدے پر ہوتے تو اس سے بہتر کام نہیں کر سکتے ؛

غالباً مسٹر فضل الحق کو معلوم نہیں ہے کہ یہ دونوں ہستیاں جب تک کانگریس کے انتخابی مینی فسٹو میں کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے کے لائق نہ ہوں گی وہ وعدوں کو بھول ہی نہ کریں گی ؛

کون کس رنگ میں کہاں ملیگا؟

جناب جوش ملیح آبادی کی ایک نظم "شاعر کا پروگرام" ہندستان میں بڑی مقبولیت حاصل کر چکی ہے! اور اس کی مقبولیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ بعض شاعروں نے جوش صاحب کی تقلید میں اسی موضوع پر نظم لکھنا ضروری سمجھا ہم ان نظموں پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے مگر ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں پیش کرتے ہیں:

جناب جوش ملیح آبادی

اے شخص! اگر جوش کو تو ڈھونڈنا چاہے — وہ پچھلے پہر حلقۂ عرفاں میں ملیگا
اور صبح کو وہ ناظرِ نظارۂ قدرت — طرفِ چمن و صحنِ گلستاں میں ملیگا
اور دن کو وہ سرگشتۂ اسرارِ معانی — بزمِ ہنر و کوئے ادیباں میں ملیگا
اور شام کو وہ مردِ خدا رندِ خوش اوقات — رحمت کدۂ بادہ فروشاں میں ملیگا
اور رات کو وہ خلوتیٔ کاکل و رخسار — بزمِ طرب و کوچۂ خوباں میں ملیگا
اور ہوگا کوئی جبر تو وہ بندۂ مجبور — مردے کی طرح کلبۂ احزاں میں ملیگا

جناب احسان بن دانش

احسان کا گلیوں میں پتہ پوچھنے والے — کیا جانے وہ کس حالِ پریشاں میں ملیگا
ہنستی ہوئی راتوں میں گھنی سائے جہاں ہوں — محبوب درآغوش گلستاں میں ملیگا
آمادہ ہوں جب ترکِ گلستاں پہ بہاریں — نظارہ گہہ زہرہ جبیناں میں ملیگا
اس کشتۂ آلام کا دیوانِ جنوں خیز — مزدور کے ویران شبستاں میں ملیگا

جناب حفیظ جالندھری

جو میرا پتہ پوچھے حفیظ اس سے یہ کہہ دو! — اب تم کو نہ وہ بزمِ حسیناں میں ملیگا
اب کوچۂ جاناں میں نہ دیکھو گے تم اسکو — کہتے تھے کبھی کوچۂ جاناں میں ملیگا
اب منتظرِ جلوۂ دیدار نہ تم کو — وہ سایۂ دیوارِ گلستاں میں ملیگا
جس کی نہ برائی ہو جہاں میں کوئی اس سے — اس شخص کو پھر خوابِ پریشاں میں ملیگا

جناب قمر جلال آبادی

اے ہم نفسو! تم کو قمر کی ہے تجسس — وہ صبح کو صحنِ چمنستاں میں ملیگا
اور شام کو ڈھونڈو گے تو وہ رندِ خرابات — ظلمت کدۂ چشمۂ حیواں میں ملیگا
بزمِ حرم و دیر میں کیوں ڈھونڈ رہے ہو — وہ جام بکف محفلِ رنداں میں ملیگا
اور رات کو ڈھونڈو گے تو بہ نائٹ ایڈیٹر — اخبار کے خاموش شبستاں میں ملیگا

[illegible]

غمکدۂ حسرت

شاعرِ اعظم ڈاکٹر ٹیگور کا ایک شاہکار

مترجمہ جناب گوری سرن لال بی، اے

جب بے گناہ لڑکی سبھاشنی کے نام سے موسوم کی گئی تو کیا کسی کے وہم و گمان میں یہ بات آئی تھی کہ وہ بڑی ہو کر گونگی ہو جائے گی۔ اس کی دو بڑی بہنوں کا نام سکیشنی اور سوہاشنی تھا، اُن کے والدین نے مناسبت خیال سے اس کا نام سبھاشنی رکھا، لوگوں نے اسے اور مختصر کر دیا۔ اور اب اس کا نام سبھا ہو گیا۔ دونوں بڑی لڑکیوں کی شادی ہو چکی تھی اگرچہ ان کے والدین کو خون پانی ایک کر کے جہیز وغیرہ کا انتظام کرنا پڑا تھا، اب چھوٹی لڑکی اللہ بیچاری ان کے سر پر بار گراں معلوم ہوتی تھی، لوگ خیال کرتے تھے کہ قوتِ گفتار سے محروم رہ جانے کی وجہ سے اس کے احساسات مردہ ہو چکے ہیں۔ خود اسی کے سامنے لوگ اس کے تاریک مستقبل اور آئندہ پریشانیوں کا تذکرہ کرتے تھے، اور یہ خیال ہو چلا تھا کہ رب فیاض نے آفت اپنے والدین پر بلائے ناگہانی کی شکل میں نازل کیا ہے۔ پس اس بے سکت دل نے لوگوں سے کنارہ کشی کر کے الگ تھلگ رہنا پسند کیا۔ کاش کہ لوگ اسے بھول جاتے تو اسے اس کی چنداں پروا نہ ہوتی۔ اور نہ اسے کوئی رنج ہی ہوتا لیکن آہ! دردِ حسرت کی یاد چوٹ کھائے ہوئے دلوں سے کس طرح جا سکتی ہے؟ رات دن اس کے والدین کا دماغ اس کے لئے فکر کھاتا رہتا تھا، خصوصاً اس کی ماں اُسے کریہہ صورت خیال کرتی تھی، وہ اسے کبھی خاطر میں نہ لاتی تھی، ماں کے اوصاف و خصائل کا لڑکیوں پر بہ نسبت لڑکوں کے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ سبھا کا باپ بنی مادھو اسے دوسری لڑکیوں سے زیادہ مانتا تھا لیکن اس کی ماں اسے ننگ خاندان سمجھتی تھی، اگرچہ سبھا قوتِ نطق سے محروم تھی تاہم اُسے اس کی بڑی بڑی سیاہ و خام آنکھوں پر جو ہندوستان میں حسن کی جان سمجھی جاتی ہیں بجا طور پر ناز کرنا چاہئے تھا۔ جب وہ کسی بات کا اظہار کرنا چاہتی تھی تو اس کے لب بے اختیار ہلنے لگتے تھے۔

جب ہمیں اپنے خیالات کا الفاظ کے ذریعہ ادا کرنا مقصود ہوتا ہے تو پہلے بہت سی مشکلیں آسان کرنی ہوتی ہیں۔ اپنے جذبات کا دل ہی دل میں ترجمہ کر لینا مقدم ہے اگر اس میں ہم سے لغزش ہوئی تو یقیناً ہم غلطی کر جائیں گے مگر سیاہ آنکھوں کو اُن منزلوں سے نہیں گزرنا ہوتا۔ اُن کا ترجمہ غلطیوں سے پاک ہوتا ہے۔ آنکھوں کے ذریعہ انسان اپنے مافی الضمیر کو اتنی خوش اسلوبی سے ادا کرتا ہے کہ سادگی ہزار جان سے قربان ہو جاتی ہے۔ دماغ خود اس پر ایک جھلک ڈال دیتا ہے جس سے الفاظ کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے۔ انھیں میں خیالات کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور انھیں میں وہ تمام منازل پار کر کے آخر کار مخاطب کے دل میں جاگزیں ہوتی ہیں جس طرح بجلی چمک کر تمام آسمان کو منور کر دیتی ہے بعینہٖ اسی طرح سیاہ آنکھیں جذبات دلی کا بد رجہا احسن اظہار کر دیتی ہیں۔ جو لوگ پیدا ہوتے ہی قوتِ گویائی سے ہاتھ دھو بیٹھے اور بے سود جنبش لب میں کوشاں رہے انھوں نے آنکھوں کی زبان سیکھی ہے جس کی طرز ادا بے اختیار دل کو لبھائے بغیر نہیں رہتی جو سمندر کی طرح عمیق ہے۔

گونگے قدرتی طور پر تنہائی پسند ہوتے ہیں، غرضیکہ دوسری لڑکیاں سبھا سے خوف کھاتے تھے، اور اس کے ساتھ رہنے سے احتراز کرتے تھے، وہ دوپہر کی خاموشی کی طرح جب سب لوگ اپنا کام چھوڑ کر کھانا کھانے چلے جاتے تھے، تنہا بے یار و مددگار پڑی رہتی تھی۔

یہ بے زبان لڑکی چاندنی پور نامی ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتی تھی، اس کے کنارے بنگال کے عام دریاؤں کی طرح

ایک چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی، جو نوخیز حسینوں کی زلفوں کی طرح بل کھاتی دُور تک چلی جاتی تھی، یہ پانی کی چھوٹی سی دھار تمام سال نہایت سرگرمی سے بہتی رہتی تھی، اس آب رو میں شاید ہی کبھی سیلاب آیا ہو، شاید وہ اس بات کا ثبوت دینا چاہتا تھا کہ وہ سیدھے سادے دیہاتیوں کا غمخوار ہے ان کی خوشی اس کے لئے باعثِ مسرت تھی اور ان کا رنج اس کے حق میں سوہانِ روح۔ دریا کے دونوں جانب درختوں سے ڈھکے ہوئے مکانات کھڑے تھے، گنگا دیوی اپنے شاندار تخت سے اُتر کر ہر گھر کا چراغ ہو جاتی تھی، اور اپنے تئیں پھیلا کر نہایت خندہ پیشانی سے اپنے پجاریوں کو فیض پہونچاتی تھی۔

بنی مادھو کے گھر سے یہ چشمہ صاف نظر آتا تھا جو ملاح ادھر سے گزرتا تھا ان کی جھونپڑی اور کھلیان دیکھ سکتا تھا سامنے ہی ان کی ہری بھری کھیتی لہلہا رہی تھی، میں نہیں کہہ سکتا کہ اس جہان کی دنیوی خوشی کے ساز و سامان سے بھول کر کوئی اس ستم رسیدہ لڑکی کی جانب بھی آنکھیں اٹھا کر دیکھتا تھا۔ گھر کا کام کاج ختم کر کے دریا کے کنارے چلی جاتی تھی، اور بیٹھے بیٹھے آنسو بہایا کرتی تھی، یہاں قدرت خود اسکی دلیل ہو جایا کرتی تھی، اور اس کے جذبات کا اپنی زبان سے اظہار کرتی تھی۔ چشمے کی گھڑ گھڑاہٹ، دیہاتیوں کی ہماہمی، ملاحوں کے نغمے، طیور کے ترانے اور پتّوں کے کھڑکنے کی صدا سب اس کے دل کی دھڑکن سے مل کر ایک عجیب کیف پیدا کرتے تھے جس سے بے اختیار اس کے نازک دل پر اثر ہوتا تھا۔ ان ہولناک چیزوں کے اجتماع سے ایک ایسی ہولناک آواز پیدا ہوتی تھی جسے سُن کر اس کی بے تاب روح کانپ اٹھتی تھی، قدرت کا پُر کیف سکون اس کی زبان تھا، سیاہ آنکھوں کی آواز جس پر گھنے گھنے ابر و سایہ فگن تھے اس کے لئے اہلِ دنیا کی زبان تھی، درختوں سے جہاں کوئل کوک رہی تھی خاموش ستاروں تک اگر کچھ تھا تو اشارے، کنائے یا گریہ و بکا اور آہ تھی، دوپہر کے وقت جب دہقانی سو جایا کرتے تھے اور فضا میں ایک ہولناک خاموشی چھا جاتی تھی اسی وقت یکایک جب دنیا اپنا کام روک دیتی تھی تو درختوں کی لمبی قطار میں بیٹھی ہوئی ایک بے زبان اور بے بس لڑکی دکھائی دیتی تھی۔

قدرت بھی تو بے زبان ہے غالباً یہی وجہ تھی جو دونوں کا اس قدر یارانہ تھا۔ ایک سہیلی دوپہر کی پھیلتی ہوئی روشنی کا لطف اٹھا رہی تھی اور دوسری ایک گھنے درخت کے سایہ میں بیٹھی ہوئی باوجود اپنی بے زبانی کے باری تعالیٰ کی لاانتہا عنایتوں کی حمد گا رہی تھی۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں سبھا کا کوئی دوست ہی نہ تھا۔ گھر ہی میں دو گائیں بندھی ہوئی تھیں جن کو لوگ سربشی اور منگلی کہتے تھے انھوں نے کبھی اسے اپنا نام لیکر پکارتے ہوئے نہ سنا تھا۔ لیکن وہ اس کے قدموں کی چاپ پہچان جاتی تھیں اگرچہ وہ بولنے چالنے سے قاصر تھی لیکن اس کے دلکش اشارے ہی ان کو سب کچھ سمجھانے کے لئے کافی تھے، وہ جب انھیں پکارتی یا ڈانٹتی تھی تو وہ اس کی باتیں انسان سے بھی جلد اور بہتر طریقہ پر سمجھ جاتی تھیں، جب سبھا گھاری کے پاس آتی تو سربشی کے گلے میں بے اختیار ہاتھ ڈال دیتی اپنے رخسار اس کے رخسار سے ملتی اور جوشِ محبت سے اُن کا منہ چاٹنے لگتی تھی، تنہائی سے اُکتا کر وہ تین مرتبہ ان کے پاس جاتی اور کبھی کبھی تو وہ ایسے وقت آتی جب انھیں اس کی ذرا بھی امید نہ ہوتی تھی یا جب کوئی اسے سخت سُست کہتا تو وہ انھیں بے ضرر دوستوں ہی سے اس کا شکوہ کرتی تھی، یا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک کسوٹی تھی جو اس کے درد و کرب کو بخوبی پرکھ لیتی تھی، اُن سے کچھ نہ ہو سکتا تھا تو کم از کم وہ اس کے پاس آ کر اپنے سینگ اس کے ہاتھوں سے ملتی تھیں اور نہایت خاموشی سے اسے تسلی دینے کی کوشش کرتی تھیں ان کے علاوہ وینے والے نے اسے ایک میمنہ اور ایک بلی کا بچہ بھی دے رکھا تھا۔ اگرچہ اُن کے طرف التفات تھا ان بھی اتنی ہی سرگرمی سے تھا لیکن اسے اُن سے کچھ زیادہ رغبت نہ تھی، دن ہو یا رات جب کبھی اس بلی کے بچے کو موقع ملتا وہ اس کی آغوش میں جست لگا کر آتا اور سو جاتا تھا، سبھا اپنے نازک ہاتھ اس کی گردن پر پھیرتی تھی۔

جیوان نامی میں بھی سبھا کا ایک غمخوار تھا یہ کہنا مشکل ہے کہ سبھا

باقی اگلے صفحہ پر

تجلیاتِ

از جناب سادھو رام آرزو سہارنپوری

سرِ شکِ شوق میں اسرارِ جلوہ دیکھ لیتا ہوں
اُٹھا کر ایک قطرہ جوشِ دریا دیکھ لیتا ہوں

کبھی جب بیخودی جستجو میں ڈوب جاتا ہوں
مجھے خود بھی نہیں معلوم کیا کیا دیکھ لیتا ہوں

بہا دیتا ہوں سیلِ اشکِ شوقِ دید میں نظریں
مگر جب نبضِ طوفان تماشا دیکھ لیتا ہوں

یہاں تک بڑھ گئی ہے حسرتِ دیدار کی قوت
کہ اب بے تکلف ان کا جلوہ دیکھ لیتا ہوں

اُڑائے پھرتے ہیں صحرا کو جو آغوشِ فطرت میں
انہی بکھرے ہوئے ذروں میں صحرا دیکھ لیتا ہوں

جہاں راہِ وفا میں چلتے چلتے ٹھہر جاتا ہوں!
وہیں سے مرکزِ انوارِ جلوہ دیکھ لیتا ہوں

سپردِ نشۂ بیرنگ کر کے اپنی نظروں کو
بسا اوقات دل میں دلکا جلوہ دیکھ لیتا ہوں

نہ کچھ پوچھو مذاقِ آرزوئے دید کی وسعت
ہیں پردا بھی بہ اندازِ نظارہ دیکھ لیتا ہوں

مری چشمِ تجسس مرکزِ فردوسِ عالم ہے
ہر اک ذرے میں حسنِ روئے زیبا دیکھ لیتا ہوں

میں اب اے آرزو آئینۂ شوقِ مکمل ہیں
بخوبی حاصلِ دردِ تمنا دیکھ لیتا ہوں

پچھلے صفحہ سے

اس کے تعلقات کیسے تھے، کیونکہ وہ بول سکتا تھا اور اس کے نطق نے دونوں میں ایک امتیاز پیدا کر دیا تھا۔ وہ گوسائیں کا چھوٹا لڑکا تھا اور لوگ اسے پرتاپ کہتے تھے۔ اس کے والدین نے لاکھ ہاتھ پاؤں مارے کہ کسی طرح وہ خاندان کے لئے روٹی کما سکے، لیکن آخرکار یہ امید ترک کرنی پڑی، اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایسے لوگ اپنے اعزا کی نظروں میں بہت حقیر ہوتے ہیں لیکن اغیار کی بہت قدر کرتے ہیں، جب وہ کام کاج کی بندشوں میں نہیں رہتے تو پبلک کی ملکیت ہو جاتے ہیں، جس طرح ہر گاؤں میں ایک کھلی ہوئی جگہ سیر و تفریح اور دماغ تازہ کرنے کے لئے ہونی ضروری ہے، ٹھیک اسی طرح ایسے دو تین آدمیوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو اپنے کو دوسروں کے محظوظ کرنے کے لئے وقف کر دیں، جب بیکاری کی وجہ سے کسی کی طبیعت اکتا گئے تو بغیر کسی پس و پیش کے ان سے بات چیت کرے اور خوش خوش گھر واپس چلا آئے۔

پرتاپ کا بہترین شغل مچھلیاں پکڑنا تھا۔ اس کام میں وہ اپنا بہت سا قیمتی وقت ضائع کرتا تھا، روزانہ دوپہر کے وقت وہ اسی کام میں مشغول دکھائی دیتا تھا۔ چاہے انسان کچھ ہی کرتا ہو اسے کسی ساتھی کی ضرورت ہوتی ہی ہے، اور خصوصاً جب ایک شخص مچھلی کا شکار کھیلتا ہو تو اسے ایک خاموش ہمنشین سے بہتر اور کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ پرتاپ، سبھا کی خاموشی کا قدردان تھا اور اسے محض شو کہکر اپنی محبت جتانا چاہتا تھا سبھا املی کے ایک قدآور اور گھنے درخت کے نیچے سرگرمیاں جبیٹھی رہتی تھی، اور پرتاپ نزدیکی دَمدمہ پر اپنی کنٹیا ڈالے ہوئے انتظار کرتا رہتا تھا، پرتاپ اپنے ساتھ پان وغیرہ بھی رکھتا تھا اور سبھا وہ سب سامان اس کے لئے تیار کر دیا کرتی تھی،

سبھا ہمیشہ اسی کوشش میں لگی رہتی تھی کہ پرتاپ کے کسی کام آسکے تاکہ اہل عالم پر یہ امر بخوبی روشن ہو جائے کہ قدرت کے بردست ہاتھوں نے اسے بیکار نہیں پیدا کیا ہے اور دھرتی ماتا نے بلاوجہ اسے اپنی آغوش میں جگہ نہیں دی ہے لیکن اس کے انجام دینے کے لائق اس وسیع دنیا میں کوئی کام ہی نہ تھا بیچاری دست بدعا ہوتی کہ یارب مجھ میں وہ حیرت انگیز طاقت آجائے جس سے تمام دنیا کو خیرہ کر دوں اور ثابت کر دوں کہ میں بھی دوسروں کی طرح تیری ہی بندگی میں حیات کے دن گزارتی ہوں، کاش کہ پرتاپ چلا اٹھتا کہ میری پیاری تو نے مجھ کو خاموش کر دیا، اور ہمیشہ کے لئے دنیا میں اپنے نام کا سکہ بٹھا دیا۔ عالم تصور کے معجزات ہیں کہ اگر سبھا دریا میں رہنے والی بڑی ہوتی تو آہستہ آہستہ کرتی کہ اگر سانپ کا سر چھوڑ جاتی تو پرتاپ یقیناً مچھلی پکڑنے کا کام چھوڑ کر دریا میں کود پڑتا۔ شاید وہ زمین کے نیچے آباد رہنے والی دنیا میں پہونچ جاتا۔ اور اپنی پیاری شو کو ایک سنہرے تخت پر زربفت کی چادر بچھی ہوئی محو خواب پاتا۔ غریب سبھا نے ابنائے روزگار نے اپنے پیروں سے ٹھکرا دیا تھا، تسلیم ہے کہ بادشاہ کی اکلوتی بیٹی ہوتی، لیکن ایسا ہونا ایک امر ناممکن تھا، یہ ایک خیال ہے جو زمانہ کی ترقی کے دست برد سے ... دلوں سے محو ہو گیا۔ کہنے کی غرض یہ نہیں کہ کوئی بادشاہی ... ہمیشہ ... نہیں ہے لیکن افسوس مظلوم شو

تا آں یہ کے شاہی خاندان میں پیدا نہیں ہوئی تھی، بلکہ بینی مادھو کے مفلس خاندان میں، پس اسے کوئی ایسا جادو نہیں معلوم تھا جو گوسائیں کے لڑکے پر چل سکے۔

وہ بڑی ہوئی اور اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونے لگا۔ اس کے سامنے بادِ کامل کی طرح جذبات کی لہریں اٹھ رہی تھیں، لیکن اسے ظاہر کرنا محال تھا۔ وہ اپنی اٹھتی ہوئی جوانی کو دیکھتی تھی اور اپنے سے سوال کیا کرتی تھی لیکن کوئی ایسا جواب نہیں آتا تھا جسے وہ سمجھ سکتی۔

رات بہیں گئی تھی چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا

اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور ڈرتے ڈرتے جھانکنے کی جرأت کی، پیچھر چاند کی آنکھ سے سوتی ہوئی دنیا کو دیکھ رہا تھا شبھا کا شباب اسے بے قابو کر رہا تھا۔ مسرت اور ساتھ ہی ساتھ رنج و حزن کی یاد اس کے دل کو لبالب بھرے دے رہی تھی۔ اسے پہلے بھی اپنی تنہائی کا رنج ہوا تھا لیکن آج تو اس کی انتہا ہو گئی تھی، اس کا دل بھرا جا رہا تھا اور زبان بند تھی، ایک خاموش دکھیاری، ماں کے قریب اس کی لب بستہ اور ستم رسیدہ لڑکی کھڑی تھی، اس کی شادی کا خیال ان کے لئے سوہانِ روح تھا لوگ انہیں لعنت و ملامت کرتے تھے، اور ذات سے باہر نکال دینے

کی بھی دھمکی دیتے تھے، بینی مادھو خوشحال آدمی تھا۔ لہٰذا دشمنوں کی بھی کچھ کمی نہ تھی، عورتوں کے اصرار سے بینی مادھو چند روز کے لئے گھر سے چلا جاتا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد لوٹ آتا اور کہتا کہ اب ہمیں کلکتہ چلنا چاہیئے، تمام خاندان اس عجیب و غریب شہر میں جسے طلسمات کا مرکز کہنا چاہیئے، آنے کی تیاری کرتے تھے، روتے روتے سبھا کا دل شبنم سے لدی ہوئی صبح کی طرح ہو رہا تھا۔ مجبوراً وہ ایک گونگے جانور کی طرح کانپتی ہوئی اپنے ماں باپ کے ساتھ چلی گئی، اس نے اپنی نیم باز آنکھوں سے ان کے خیالات کی ترجمانی کرنے کی سعی کی، لیکن

محض بے سود، ایک دن پرتاپ نے ہنس کر کہا: شو تمہاری شادی ہونے والی ہے، دیکھو مجھے نہ بھول جانا۔ پھر بدستور وہ مچھلی پکڑنے میں مشغول ہو گیا جس طرح تیر کھائی ہوئی ہرنی شکاری کی طرف پُرحسرت نظروں سے دیکھتی ہے اور درد و کرب کی حالت میں پوچھتی ہے کہ میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟ اسی طرح سبھا، پرتاپ کی طرف اپنی بڑی بڑی نوبیں آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، اس روز وہ درخت کے نیچے نہیں ٹھہری، بینی مادھو اپنی خوابگاہ میں حقہ پی رہا تھا۔ وہ اس کے پیروں پر گر پڑی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور بینی مادھو نے اسے تسلی دینی چاہی

لیکن خود اس کے خصلت آنسوؤں سے تر ہو گئے تھے، یہ بات طے ہو گئی تھی کہ دوسرے ہی روز سب لوگ کلکتہ چلیں گے، سبھا کھاری میں اپنے پرانے رفیقوں کو الوداع کہنے آئی تھی، انہیں اس نے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا اور ان کے گلے لگ لگ کر خوب روئی، دیر تک ان کی صورت دیکھتی رہی، آنسوؤں کی جھڑی جس نے تمام عمر اس کی رفاقت کی تھی اور اس کی دلدہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے دیر تک جاری رہی۔ آج چاند کو نکلتے ہوئے دس ہی رات تھی، سبھا اپنے کمرے سے نکلی اور دریا کے کنارے جا کر ہری ہری گھاس کے بستر پر سو گئی، ہائے آج وہ دن تھا جب وہ اپنے عزیز ترین رفقا سے چھوٹ رہی تھی، اس نے دونوں دستِ نیکو خاموش دھرتی ماتا کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور التجا کی کہ اے میری مادرِ مشفقہ جس طرح میں نے اپنے ہاتھ تمہارے گلے میں ڈال دیا۔ تم بھی اپنا دستِ شفقت میری گردن سے حائل کر دو۔

سبھا کی ماں نے اسے نہایت احتیاط سے سنوارا اس کے بال گوندھے اور زیورات کی قابلِ نفرت زنجیروں میں اسے جکڑ دیا۔ غرض اس نے اس کا قدرتی حسن برباد کرنے میں کوئی ممکن کوشش اٹھا نہیں رکھی، سبھا کی آنکھیں پُرآب تھیں، اس کی ماں اس خیال سے کہ وہ روتے روتے سوج نہ جائیں، اسے لعنت و ملامت کرتی تھی اتنے میں نوشہ اپنے دوستوں کے ساتھ اسے دیکھنے آیا۔ والدین نے جہاں دیوتاؤں کو اپنی قربان گاہ کے لئے بے کس جانور کو جسے وہ تقسیم کرتے تھے انتخاب کرتے ہوئے پایا تو ان کی پریشانیاں اور بڑھ گئیں، ماں اسے زور زور سے تنبیہ کرتی تھی لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، غریب لڑکی کا چہرہ بار بار دیکھا گیا آخر یہ ارشاد ہوا کہ وہ ایسی بری تو نہیں معلوم ہوتی جیسا لوگوں نے بیان کیا تھا؛

خصوصاً اس نے اس کے آنسوؤں کا بہت خیال کیا، اور سمجھ لیا کہ اس کا دل بہت نازک ہے یقیناً یہ وہ عرق ہے جو دل کی سیاہی کو دھو ڈالتا ہے، اس نے اسے یقین دلایا کہ وہ ہستی جو والدین کی سختیوں سے اس قدر مضطرب نظر آتی تھی ان کے سر آنکھوں پر بٹھائی جائے گی، آنسوؤں کے بیش بہا موتیوں نے اس کی قیمت میں بیش بہا اضافہ کر دیا۔

ایک مبارک وقت مقرر کر کے ان کی شادی کر دی گئی اپنی گونگی لڑکی اوروں کے سپرد کر کے سبھا کے والدین اپنے گھر واپس آئے،

خدا کا شکر ہے کہ وہ اپنی ذات پات سے تو خارج نہیں کئے گئے، اور اس کی درگاہ میں منہ دکھلانے کے لائق تو رہ گئے۔ نوشاہ اپنی عروس کے ہمراہ جائے سکونت کی طرف روانہ ہو گیا،

دس روز بھی نہیں گزرے تھے جب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ دلہن گونگی ہے کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کسی نے یہ نہیں جانا تو یہ اس کا قصور نہ تھا کیونکہ اس نے کسی کو دھوکا نہیں دیا تھا۔ اس کی آنکھوں نے انہیں سب کچھ بتا دیا تھا گو کسی نے اسے سمجھا نہ تھا۔ وہ سب کو دیکھتی تھی لیکن کوئی اس کی زبان نہ سمجھتا تھا، ہائے اس کے لئے اب وہ صورتیں دیکھنی محال تھیں جو اس کی زبان سے آشنا تھیں، وہ تمام زندگی اپنے

جذبۂ حب الوطنی

(از جناب محمد ابوالخیر خیر فیض آبادی)

(خاص "سچ ویکلی" کے لئے)

کوئی حیرانِ وطن، کوئی پریشانِ وطن
ہائے کس حال میں ہیں آج غریبانِ وطن

وہ بھی کیا دن تھے کہ شاداب تھا ہر غنچۂ دل
رشکِ فردوس تھا ہر گوشۂ دامانِ وطن

ذرے ذرے میں تھا نظارۂ صد خلد و نشاط
اپنی شادابی پہ نازاں تھا گلستانِ وطن

صبحِ امیدِ وطن کی ہو تو تعجب کیونکر؟
بجھ گئی شام ہی سے شمع شبستانِ وطن

چشمِ حاسد میں کھٹک جاتے ہیں کانٹے کی طرح
ابھی بڑھنے بھی نہیں پاتے جوانانِ وطن

بیکسی تو ہی بتا بے سر و سامانوں کو
کس طرف جائیں یہ دنیا میں غریبانِ وطن

اس طرف غیر کے لب پر ہے تبسم عریاں
خون روتے ہیں ادھر دیدۂ گریانِ وطن

وادیٔ شوق میں قسمت بھی نہ راس آئی ہمیں
اپنی منزل ہی پہ خود کھو گئے یارانِ وطن

غم کے ماروں کی دعا تو ہی الٰہی سن لے
دل پُردرد میں بیتاب ہے ارمانِ وطن

ایسے برباد ہوئے ہیں کہ نشاں تک بھی نہیں
جانے کس حال میں ہیں خیر غریبانِ وطن

(خاص ”ریاست بجنور“ ویکلی کے لئے)

مزاحیہ

از جناب احسن عثمانی جرنلسٹ

سرخی دیکھ کر کہیں یہ نہ سمجھئے گا کہ ہم بھی کوئی حجام ہیں اور آپ کے سامنے کسوت کھول کر آلات حجامت، استرہ قینچی اور کنگھے سے کسی کو "فارغ البال" کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں یا عمل حجامت پر فنی حیثیت سے کوئی مقالہ سپرد قلم کرنے والے ہیں، یا "حجامت" کوئی فلسفہ ہے اور ہم "فلسفۂ حجامت" پر بحث و نظر کا آغاز کرنا چاہتے ہیں، خاکسار کا قطعاً اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، بات دراصل یہ ہے کہ "حجامت" اپنے گوناگوں مفہوم کے اعتبار سے اس قدر بسیط اور گو العجبانہ حیثیت کی حامل چیز ہے کہ اس کے عمل کا دائرہ صرف استرہ، قینچی کنگھا، کڑہ، سر، خط، داڑھی اور حجام تک محدود نہیں بلکہ ہماری آپ کی اور دنیا کی روزانہ زندگی میں نہ معلوم کس کس طرح اور کس کس کی حجامت بنائی جاتی ہے ۔

اگر ہم منطق کے قائل ہوتے تو یہ کہنے پر اتر آتے کہ کوئی ہاک نہ تھا کہ ہم بھی حجام ہیں اور آپ سب کے سب حجام ہیں، کیسے کیسے ؟ دیکھئے خواہ آپ کیسے ہی پرہیزگار اور خدا رسیدہ کیوں نہ ہوں لیکن یہ ناممکن ہے کہ آپ نے اپنے یوم پیدائش سے لیکر آج تک ایک دو کی نہیں بیسیوں کی حجامت نہ بنائی ہو، اگر زیادہ نہیں تو اسکولی زندگی میں اپنے ساتھی لڑکوں ہی کی حجامت بنائی ہوگی۔ مثلاً کسی لڑکے نے آپکا قلم چرا لیا، اس پر آپ کی آتش انتقام جو بھڑکی تو آپ نے اس کا سارا سامان نوشت و خواند مع بستہ کے غائب کر کے اس کی ایسی حجامت بنائی کہ دوبارہ اس نے آپ کا قلم چرانے کی جرأت نہ کی یا مثلاً آپ کاروباری اور زمینداری کے معاملات میں بڑے مشاق اور پختہ کار ہیں کسی غریب اسامی پر آپ کی کچھ رقم باقی ہے آپ نے اسپر عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا اور اسپر مع سود در سود کے ڈگری کرانے میں کامیاب ہو گئے پھر آپ نے قرقی اور نیلام کے ذریعہ گھر بار اور بیل بکوا کر اس غریب کی ایسی حجامت بنائی کہ بیچارے کو بالکل ہی فارغ البال کر دیا۔ یہی وہ حجامت ہے جس کو الٹے استرے سے حجامت بنانا کہتے ہیں ۔

چور اور ڈاکو اکثر حجامت بنایا کرتے ہیں اور وہ عموماً الٹے استرے سے ہی حجامت بناتے ہیں، ایک اچھا خاصا دولتمند آدمی مزے کی زندگی بسر کر رہا تھا، رات کو چور آئے اور تمام مال و دولت سمیٹ کر بیچارے کی اس صفائی سے حجامت بنا کر چلے گئے کہ صبح اٹھنے پر ہی معلوم ہوا کہ حجامت بن گئی اور ایسی کہ چند بال بھی باقی نہ بچے ۔

کل ساہوکار صاحب کی تجوری سونے چاندی سے جگمگا رہی تھی، رات مسلح ڈاکو گھس آئے۔ پہلے ساہوکار کو دھمکا کر مال پوچھا پھر ان کو باندھ کر الگ ڈال دیا اور تجوری کا سارا مال نکال کر رفوچکر ہو گئے، صبح ایک منچلے اخبار کا ہاکر شہر بھر میں اخبار کی یہ سرخی پکارتا نظر آیا "رات کی تاریکی میں مسلح ڈاکہ۔ ساہوکار کی ... ... حجامت بنگئی"

چالاک لوگ بھولے اور سادہ لوح لوگوں کی اکثر حجامت بنایا کرتے ہیں، اگر آپ چالاک ہیں تو اس قسم کی حجامتیں آپ نے اکثر بنائی ہوں گی اور اگر آپ بھولے اور سادہ لوح قسم کے لوگوں میں سے ہیں تو چالاکوں نے آپ کی حجامت بنادی ہوگی۔ مثال کی ضرورت نہیں ۔

جہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے ہم خود کو مذکورہ بالا دو قسم کے لوگوں میں سے خصوصیت کے ساتھ کسی ایک میں نہیں شمار کر سکتے، اصل یہ ہے کہ اپنے یوم تولد سے لے کر آج تک کی زندگی میں ہم نے دوسروں کی بھی حجامتیں بنائی ہیں اور ہماری بھی حجامتیں بنائی جا چکی ہیں۔

بعض گھروں میں تو بچے پیدا ہوتے ہی والدین کی حجامت بنانا شروع کر دیتے ہیں وہ تو کہئے ہمارا گھر رسمیات، و خرافات کا ذرا کم قائل ہے ورنہ تولد ہونے کے ساتھ ہی رسم پیدائش و خوشی، مونڈن، عقیقہ، اور نجانے کن کن بلاؤں سے ہم اپنے والدین کی حجامت بنایا کرتے ہیں، ہندوستان جنت نشان میں اس قسم کی فضولیات پر صرف کر کر کے کنگال ہونے کا بہت رواج ہے اسی لئے یہاں کے بچے پیدا ہونے کے ساتھ ماں باپ کی حجامت بناتے ہوئے آتے ہیں بلکہ یوں کہئے کہ یہ ہمارے اور آپ کے ننھے میاں و ببوجی پیدا ہی اس لئے ہوا کرتے ہیں کہ والدین کی حجامت بنائیں پھر یہ نہیں کہ اس کا سلسلہ دو چار دس سال تک جاکر ختم ہو جاتا ہے جی تو بہ کیجئے، جوں جوں صاحبزادے کا قد بڑھتا ہے ان کے حجامت بنانے کی رفتار بھی بڑھتی جاتی ہے اسکول اور کالج جاکر تو وہ پھر ہزاروں روپے سے حجامت بناتے ہیں اور لطف یہ کہ بیچارے والدین مارے محبت کے بڑی خوشی کے ساتھ اپنی حجامت بنواتے رہتے ہیں پھر جب صاحبزادۂ بلند اقبال کالج سے بی اے کی ڈگری لے کر آتے ہیں تو کچھ گھر میں زر پونجی باقی ہوتی ہے وہ اُس حجامت کی نذر ہو جاتی ہے جو اس موقعہ پر جلسۂ خوشی کے لئے عمل میں آتی ہے یہاں تک والدین کی بالکل حجامت بن چکی ہوتی ہے اور یہ بی-اے کی ڈگری لئے ہوئے دربدر مارے پھرتے ہیں مگر کوئی نہیں پوچھتا۔

جس طرح افراد آپس میں ایک دوسرے کی حجامت بناتے رہتے ہیں اسی طرح قومیں اور ممالک بھی ایک دوسرے کی حجامتیں بنایا کرتے ہیں جیسے اٹلی نے حبش کی حجامت بنا ڈالی اور جاپان نے منچوریا کی حجامت بنائی چین کی حجامت تو وہ برابر بنا تا ہی رہتا ہے اور دیکھئے حکومت اسپین کی حجامت تو اس زوروں کے ساتھ بنائی جا رہی ہے کہ آج تک کسی نے کسی کی نہ بنائی ہوگی، باغیوں نے جنرل فرانکو کی قیادت میں حکومت اسپین پر استرہ تیز کر رکھا ہے۔ جرمنی اور اٹلی بھی حجام کا پارٹ کر رہے ہیں اور باغیوں کو چپکے ہی چپکے شہ دے رہے ہیں کہ "ہاں اور تیز بنائے جاؤ حجامت اور ایسی بناؤ کہ حکومت اسپین کا ایک بال بھی نہ باقی بچے اور دنیا سے اشتراکیت کا خاتمہ ہو جائے ۔"

یورپ ایک عالمگیر جنگ کے خوف سے تھرا رہا ہے دراصل خوف اس بات کا ہو گا کہ ایک ملک دوسرے ملک کی جی کھول کر حجامت بنانی شروع کر دے گا۔ پچھلی جنگ عظیم میں برطانیہ اور فرانس نے جرمنی کی خوب حجامت بنائی، اب جرمنی اس فکر میں ہے کہ کسی طرح ان دونوں کی حجامت بنانے کا موقع ملے۔

ہندوستان کی حجامت بنانے کا مسئلہ تو دنیا بھر سے نرالی حیثیت رکھتا ہے یہاں سات سمندر پار کے حجام ایک عرصہ سے ہندوستان کی حجامت بنانے پر مامور ہیں اور نہایت صفائی کے ساتھ پوری چستی چالاکی اور تیزی کے ساتھ زور دار حجامت بنا رہے ہیں یہاں تک کہ وہ غریب ہندوستان کو حجامت بناتے بناتے بالکل ہی فارغ البال کئے دے رہے ہیں، مگر واہ ری سادگی اور بھولا پن ہندوستان کا، کہ یہاں کے باشندے نہایت صبر و سکون کے ساتھ اپنی حجامت بنوانے میں مصروف ہیں اور چوں نہیں کرتے، وہ تو کہئے ذرا کانگریس نے کچھ احساس دلا دیا ہے ورنہ یہ "بدھو" نہ جانے کب تک یونہی حجامت بنواتے رہیں قاعدہ ہے کہ جس کی حجامت بنائی جا چکی ہوتی ہے اس کو اگر موقع ملتا ہے تو اپنی حجامت بنانے والے کی حجامت بنانے سے نہیں چوکتا۔ مگر مہمان نواز اور میزبان صفت ہندوستان سے ابھی ایک صدی تک تو اس کی توقع فضول ہے، ہم کہتے ہیں یہی بہت ہے کہ وہ اپنی کھوپڑی سمندر پاری حجاموں سے چھڑالیں اللہ اللہ خیر صلا ۔

ہمارے ملک میں بعض اصحاب بھی عوام کی حجامت بنانے کے عادی ہوتے ہیں، اکثر حجامتیں غیر ضروری اور فضول چندوں کے ذریعہ بنائی جاتی ہیں اور ایسے حجام صفت لیڈر برساتی کیڑوں کی طرح گلی گلی پائے جاتے ہیں انھیں چندے والی حجامتوں کے سلسلہ میں اکبر نے کہا ہے ؎

بعد ہر تقریر آخر چندہ ایست
مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

"جہد للبقا" کا ترجمہ لوگ کشمکش حیات کرتے ہیں مگر ہماری رائے میں یہ ترجمہ پوری معنویت کا حامل نہیں، اور پھر عہد حاضر کی ہنگامہ خیز دنیا میں تو اور بھی نہیں، دراصل "جہد للبقا" کا واضح ترین ترجمہ ہمارے نزدیک "ایک دوسرے کی حجامت بنانیکی کوشش" ہے۔ ممکن ہے نقادان کرام اسپر دانت تیز کریں اور صرف و نحو و گرامر سے مسلح ہو کر اس معاملہ میں ہمیں شکست دینے کی کوشش کریں لیکن یہ واقعہ ہے کہ آج کی دنیا میں ہر طاقتور کمزور کی حجامت بنانے کی فکر کرتا ہے۔ جدھر دیکھئے قوی کمزور کی حجامت بنا رہا ہے ؎

ذرا کمزور سے کہہ دو بڑھائے اپنی طاقت کو
"حجامت" کے لئے ہر دم کھڑا ہے ایک مشٹنڈا

یہ ظاہر ہے کہ کمزور قوی کی حجامت نہیں بنا سکتا اس لئے ضرورت ہے کہ وہ بھی قوی بن جائے اور جب وہ قوی بن جائے گا تو وہ بھی دوسروں کی حجامت بنانی شروع کر دیگا۔ اگر ممکن ہوا تو سب سے پہلے اس کی حجامت بنائے گا جس نے اُس کی حجامت بنائی تھی، بس یہی جہد للبقا ہے۔

بس اے کمزورو! طاقتور بنو اور طاقتور بن کر تم بھی حجامت بنانی شروع کر دو مگر کمزوروں کی نہیں طاقتوروں کی حجامت بناؤ تاکہ فطرت کا ایک بڑا مقصد تخلیق پورا ہو ۔

---

(۱) گیلا کپڑا پہننا صحت کے لئے نہایت مضر ہے۔

(۲) بدن اور کپڑے میلے رکھنے سے عقل کند اور صحت خراب ہو جاتی ہے ۔

(۳) پھول ناک کے نزدیک لا کر نہیں سونگھنا چاہیئے۔

(۴) آئینہ کی بجائے پانی میں شکل دیکھنا بہتر ہے۔

(۵) تالو پر دھار سے پانی ڈالنا مفید ہے۔

(۶) نشی اشیاء کی کبھی عادت نہ ڈالو۔

(۷) کھانا کھانے کے بعد فوراً ہی پیشاب کرنا چاہیئے اس سے پیٹ بھاری نہ ہوگا، ہاضمہ ٹھیک رہے گا اور پیشاب کی بیماری نہیں ہوگی۔

(۸) تازہ کسی قدر گرم اور ملائم خوشگوار کھانا بھوک لگنے پر کھایا کرو۔

(۹) بچپن ہی سے کھٹائی اور مرچ زیادہ مت کھاؤ کیونکہ یہ بینائی کو نقصان دیتی ہے۔

(۱۰) صبح شام دھیمی اور خوشگوار ہوا میں گھومنا اچھا ہے

ضبطِ تولید (برتھ کنٹرول)

(از قلم سشریت پروفلاچند رسواس ایم ایس سی پی ایچ ڈی)

(ایڈیٹر کا مضمون نگاروں کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)

آجکل ہمارے ملک میں ضبط تولید یا برتھ کنٹرول کا عام چرچا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اخباروں میں آئے دن اس کی بابت تذکرہ چھپتا رہتا ہے غیر ملکی لوگ اور دیگر اصحاب ہندوستان میں اس کا خوب پروپیگنڈہ کر رہے ہیں مجھے بھی یہاں چند الفاظ اپنے ملکی بھائیوں سے کہنے ہیں:

ہندوستان میں دیگر ممالک کے مطابق ضبط تولید صرف اعلیٰ طبقہ کے تعلیم و تربیت یافتہ خوشحال لوگ ہی اختیار کر سکتے ہیں مگر جاہل اور مفلس اہل ملک کے لئے یہ ضروری مسئلہ بالکل کالعدم ہے کوئی نہیں جانتا کہ برتھ کنٹرول کیا چیز ہے۔

نتیجہ اس لاعلمی و بے خبری کا یہ نکلا ہے کہ تعلیم یافتہ اور خوشحال لوگ تو اس پر عمل کر سکتے ہیں اور اس کا پروپیگنڈا اپنے ہی تک محدود رکھتے ہیں مگر نچلے طبقہ کے کم شائستہ غیر تعلیم یافتہ اور مفلوک الحال لوگ سب کے سب اولاد کی زیادتی کی طرف منہمک رہتے ہیں اس وقت جو طباع ذہین اور اعلیٰ دماغی کمالات سے متصف انسان آپ کو ملیں گے وہ سب اچھے طبقہ کے چشم و چراغ ہیں نچلے طبقہ سے طباع و فہیم انسان پیدا نہیں ہو سکتے۔ اگر آپ یہ چاہیں کہ اولاد بالکل نہ ہو تو بڑی آسانی کے ساتھ اس کا بندوبست کر سکتے ہیں لیکن اگر آپ یہ چاہیں کہ بہتر و برتر قسم کے انسان پیدا کریں اور نسلوں کو درست و اعلیٰ بنا سکیں تو اس میں مقابلتاً بہت دشواریاں ہیں۔

فطرت نے انسانی خلیات جراثیم GERM CELLS میں ایسے جوہر پیدا کئے ہیں کہ اگر انہیں تدریجی طور پر ترقی کرنے اور پھلنے کا موقعہ ملے تو برتر ہستیاں اور فوق الفطرت زندگیاں ان سے پیدا ہو سکتی ہیں۔ ہر جسم میں وہ عناصر قدرت پیدا کرتی ہے مگر بعض تعمیر و تہذیب کے نہ ملنے کے باعث پژمردہ ہو جاتے ہیں اور بعض خوب پھلتے پھولتے ہیں۔ انسانی جسم ان خصائص کے جوہروں کو اگر بالکل ہی مار دیا جائے یا وہ عدم توجہی کے باعث مر جائیں تو پھر نسل نہ صرف تعداد میں ہی کم ہو جاتی ہے بلکہ اس کی معیاری خوبی بھی جاتی رہتی ہے۔ وراثت نسل کے قوانین کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اولاد اپنی نسل کی خصوصیات بطور ورثہ باپ دادوں سے لیتے رہتے ہیں۔ اگر اس نظریہ کو سامنے رکھا جائے تو ماننا پڑے گا کہ برتھ کنٹرول کے ذریعہ ہم توریث نسل کے اصول کو بڑا نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اعلیٰ اور برتر انسان جو کسی خاص طبقہ یا فرقے میں متوارث خصوصیات نسل کو لئے ہوئے ہزاروں سال سے تنازع کرتا ہوا چلا آرہا تھا ضبط تولید کے باعث ہم اس کی پیدائش کو روک دیں گے اور اتنے عرصہ کی محنت رائیگاں جائے گی۔

اس سے کوئی انکار نہیں کریگا کہ اعلیٰ اور خوشحال طبقہ میں ضبط تولید کا مقصد صرف عیش و انبساط ذاتی کو بڑھانا اور ذاتی آرام و حفاظت کا بندوبست کرنا ہے۔ نہ کہ نسل اور قوم کی فلاح و اصلاح کا سوال۔ دلیل عام طور پر یہ دی جاتی ہے کہ اولاد اتنی پیدا کرنی چاہیئے جتنی ہم آسانی کے ساتھ اپنے حالات کے مطابق بندوبست کر سکیں۔ یعنی معلوم ہوا کہ اولاد کا معاملہ ماحول حیات پر زیادہ منحصر ہونا چاہیئے۔ اور توریث نسل HEREDITY پر کم۔ حالانکہ یہ اصول علم الحیات کے تجربات و نتائج کے بالکل خلاف ہے حیوانات اور انسانوں کی نسلوں کے بارے میں توریث حیات کا مسئلہ بہت ضروری ہے۔ اور خاندانی و نسلی خصوصیات بہت اہم حقیقت ہیں۔ اور ماحول سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں یہ ضروری ہے کہ انسان دماغی اور جسمانی کمالات و ذہانت و خصوصیات نسل سے متصف اولاد پیدا کرے اور اپنے گروہ کے توریثی کمالات کی حفاظت کرے نہ کہ ماں باپ کو عیش کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لئے اچھی اولاد کا پیدا کرنا ہی روک دیا جائے۔ جدید دنیا عیش طلب ہوتی جا رہی ہے۔ اور صرف عیش طلبی کی عشرت کے لئے برتر انسانوں کی پیدائش روک دینا عبث ہے۔

نچلے اور جاہل و مفلس طبقہ میں بلا امتیاز برتھ کنٹرول پر عمل کرانا خوب اثرات پیدا کرتا ہے۔ جس طرح ہم نیک اعلیٰ و برتر و ذہین طبقہ انسان کی پیدائش کے حق میں رہتے ہیں اسی طرح یہ بھی ہمارے لئے ضروری ہے کہ کمتر درجہ کے کام کرنے والے مزدور اور کاشتکار بھی پیدا ہوتے رہیں۔

ہمارے ملک میں برتھ کنٹرول کے جو حامی ہیں وہ یہ دلیل لاتے ہیں کہ ہمارے ملک میں آبادی کی بڑی کثرت ہے میں اس سے اختلاف نہیں کرتا ہوں لیکن یہ بھی ذرا غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اس آبادی کا ایک تہائی حصہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جن کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اگر ہم اس ناپسندیدہ طبقہ کو اپنے شمار سے باہر کر دیں تو ہندوستان کی اصل کارکن آبادی بہت ہی کم رہ جاتی ہے۔ اور آبادی کی زیادتی کی وجہ سے برتھ کنٹرول کرنے کی دلیل ہوا ہو جاتی ہے بلکہ یہ ماننا پڑے گا کہ ہندوستان میں آبادی کم ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نسل انسانی کو غیر فطری اور مصنوعی اوزار و طریقوں سے روکنے یا محدود کرنے سے سخت نقصان پہنچ رہا ہے اور پہنچ سکتا ہے۔

اگر برتھ کنٹرول محدود کر دیا جائے صرف ان انسانوں تک جنہیں ایک بھی بچہ پیدا نہیں کرنا چاہیئے یا جو چند محدود اولاد چاہیئے تو خیر انسانیت کے لئے یہ ایک نعمت و رحمت ثابت ہو سکتی ہے لیکن جو لوگ زیادہ و اچھے بخوبی پیدا کر سکتے ہیں اور اچھی حفاظت و تربیت کر سکتے ہیں ان کے لئے اولاد کی حد بندی کر دینا ایک ظلم ہے۔ اور لعنت ہے رحمت نہیں۔

ناپسندیدہ افراد کو اگر اپنی ہی جیسی ناکارہ نسلیں پیدا کرنے سے روک دیا جائے تو قدرتی طور پر ایک وقت ایسا آجائیگا جبکہ نسلیں اوسط درجہ کی ہونی شروع ہو جائیں گی۔ اگر صورت ناپسندیدہ



لاھور میں بھارت سکاؤٹ تروپ کے قیام کی تقریب کے موقعہ پر سکاؤٹ سینٹھ رام کشن ڈالمیہ۔ مسٹر ڈی۔ پی۔ کھیتان اور لالہ شام لال ممبر اسمبلی وغیرہ کو گارڈ آف آنر دے رھے ھیں



رستم زماں پروفیسر گاما
جنہوں نے اعلان کیا ھے کہ انہیں
شکست دینے والے کو پچیس ھزار
روپیہ انعام دیا جائیگا



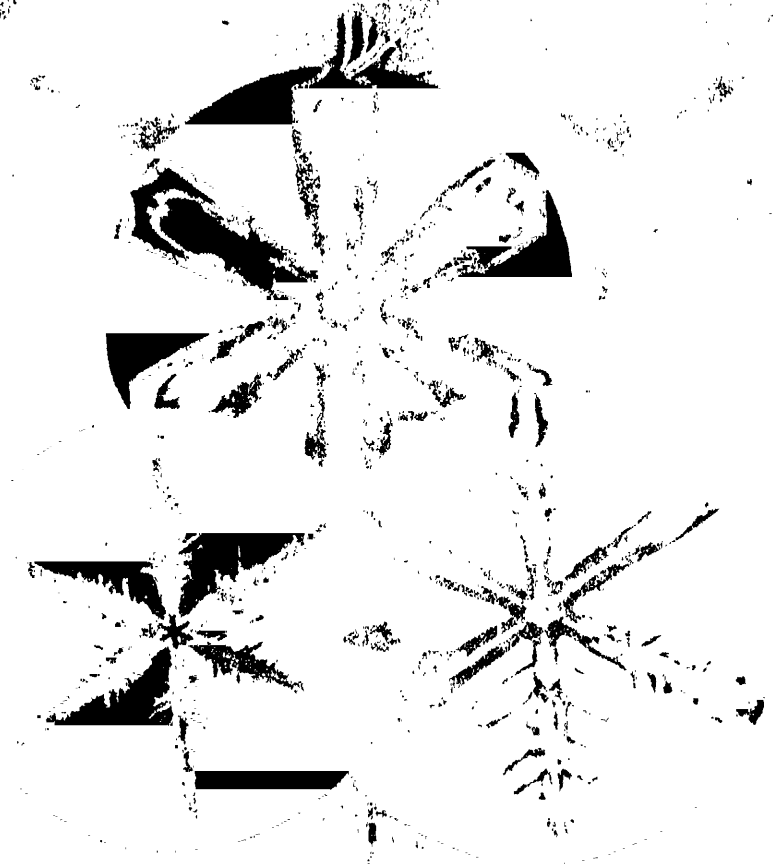
مسز ھنا متر
جو کلکتہ کے ایک دولتمند تاجر کی بیوی
ھیں اور موٹر پر سارے یورپ کا سفر
کر رھی ھیں



نانگا پربت پر چڑھائی کرنے والی مہم کے ارکان کی لاشوں کی تلاش
کیلئے ڈاکٹر بھلوونڈ اور ڈاکٹر ھربور جرمنی سے لاھور آئے ھیں
یہاں سے آپ نانگا پربت جائینگے



سرحد پر برطانی کشتی کمک کا مارچ جو وھاں کے قبائلوں کی شورش کا مقابلہ کر رھی ھے



قطرہ آب کی سرگذشت— آسمان سے گرتے وقت اولوں کی نئی خوبصورت شکلیں



شمالی وزیرستان میں برطانی فوج والی خیسورا کی نگرانی کر رھی ھے



اٹلی کے ڈکٹیٹر سائنور مسولینی اور جرمن فیلڈ مارشل وان بلومبرگ فوجوں کا معائنہ کر رھے ھیں



یہ کیا ھے— بظاھر یہ ایک تاج معلوم ھوتا ھے۔ مگر درحقیقت دودھ کی ایک پلیٹ پر دودھ کا صرف ایک قطرہ گرنے سے یہ شکل بن گئی ھے۔ جس کی تصویر ایک سکنڈ کے دس لاکھویں حصہ میں لیگئی ھے

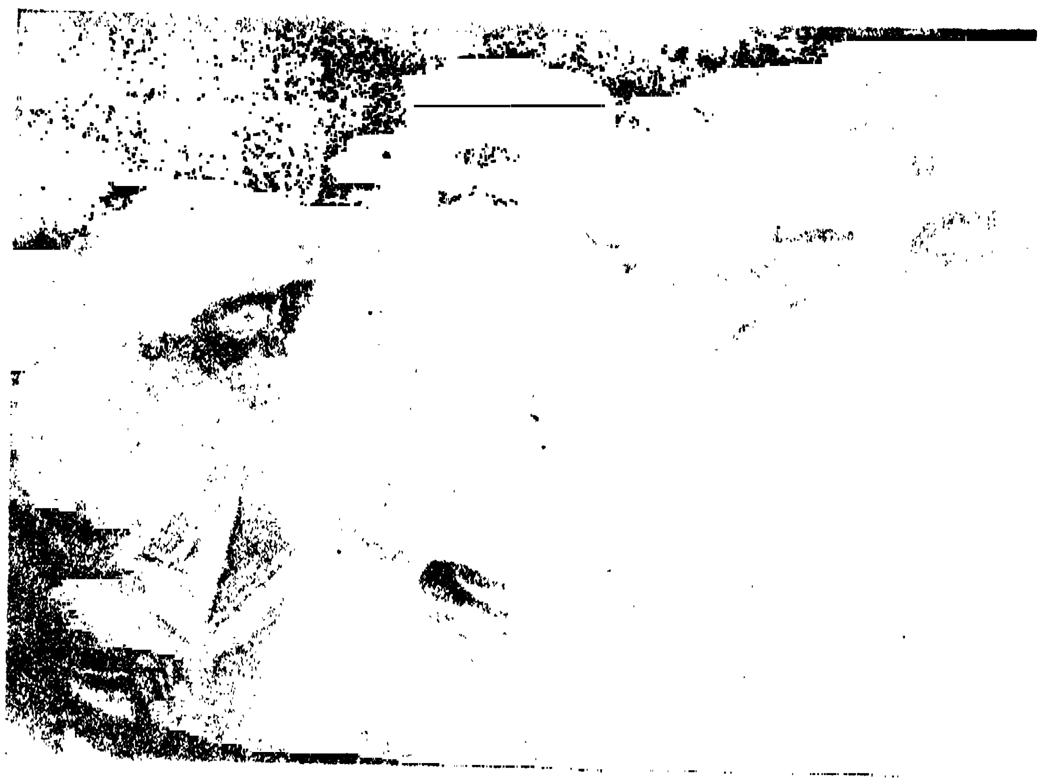
رھبر عاشقاں اپنی محبوبہ کے ساتھ



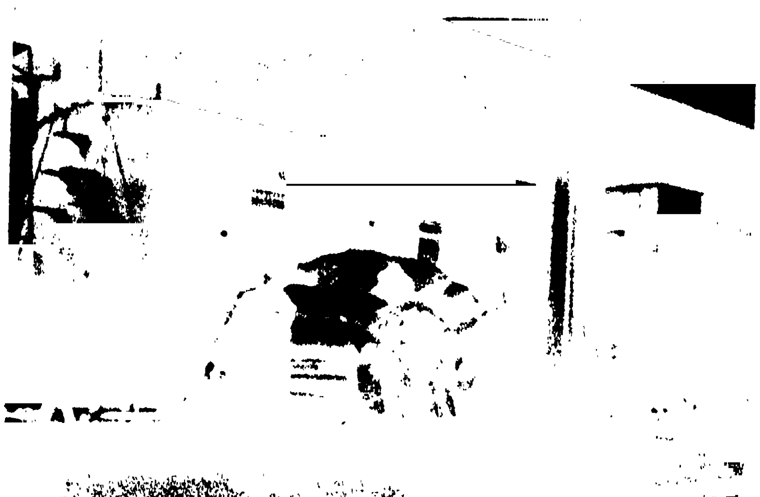
ڈیوک اور ڈچز آف ونڈسر کی تازہ ترین تصویر دولہا دولہن کی حیثیت سے



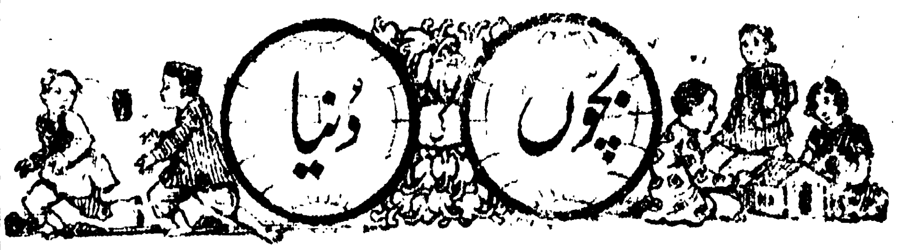
نانگا پربت کی جرمن مہم جو تباہی اور ہلاکت کا شکار ہوگئی



روسی مہم کے چند ارکان جنہوں نے قطب شمالی کے ایک خطہ پر فتح کا روسی جھنڈا نصب کیا ہے



سپین کے باغیوں کی امداد کیلئے جرمنی سے روٹیوں کی روانگی



ہوا

(از جناب ظہیر امام زیدی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

(نگارش تیج ویکلی کے لئے)

عمدہ ہوا انسان کے لئے ضروری چیز ہے مگر اتنا ہی انسان اس سے غافل اور بے پرواہ ہے، عمدہ ہوا جتنا انسان کو تندرست رکھنے اور فائدہ بخشنے کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہے اتنا ہی انسان اس کو غلیظ اور مُضر صحت بنانے میں کوشاں رہتا ہے ؛

خداوند عالم نے ہوا کی صفائی کے کچھ آلات تو حضرت انسان کی بہبودی کے لئے مفت لگا رکھے ہیں اور کچھ پر اس کو اختیار دے رکھا ہے اب انسان کا طرزِ عمل بھی ملاحظہ ہو۔ جتنے آلات صفائی قدرت نے لگا دئے ان پر تو اس بیچارہ کا کچھ بس نہیں چلتا۔ ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے ہوا کے خراب کرنے میں نہیں چوکتا۔

اس سے پہلے کہ میں آپ کو ان چیزوں کی طرف لے جاؤں جس سے انسان ہوا کو گندہ اور مضر بنا دیتا ہے یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہوا کے بڑے بڑے اجزا کیا کیا ہیں ان کی مقدار ہوا میں کس کس قدر ہے اور ان کا اثر کیا ہے ؛

ہوا میں پانچ اجزا اکثر موجود ہوتے ہیں، اول آکسیجن جس کی مقدار ۲۰.۹۶ یا تقریباً ۲۱ فی صدی ہے، نائٹروجن جو ہوا میں ۷۹ فی صدی ہوتی ہے، اور کاربانک ایسڈ گیس جو فقط ۰.۰۴ فی صدی ہوتی ہے ان کے علاوہ ایمونیا اور اوزون بہت کم مقداروں میں ہوتے ہیں ؛

آکسیجن جس کو ہوائے رُوح پرور کہتے ہیں حقیقتاً رُوح پرور ہے انسان و حیوان کی زندگی کا سہارا اور رُوحِ رواں ہے، اس گیس میں نہ بُو ہوتی ہے نہ رنگ اور نہ ذائقہ لیکن یہ گیس جس وقت خالص ہو یا ہوا میں بہت زیادہ مقدار میں ہو تو اس میں سانس لینا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے کیونکہ یہ بہت تیز ہوتی ہے ؛

نائٹروجن نائٹروجن جسے ہوائے شور کہتے ہیں آکسیجن کی طرح بے رنگ بے بُو اور بے ذائقہ ہوتی ہے اس کا کام صرف آکسیجن کو انسان و حیوان کے سانس لینے کے لئے موزوں کرنا ہے یعنی خالص آکسیجن میں جبا ہیں حیوان و انسان سانس نہیں لے سکتے جب نائٹروجن کافی مقدار میں مل جاتی ہے تو وہی انسان و حیوان اس میں آسانی سے سانس لینے لگتے ہیں یہ ہوا میں جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے ۷۹ فی صدی ہوتی ہے،

کاربانک ایسڈ گیس کاربانک ایسڈ گیس جس کا دوسرا نام کاربن ڈائی آکسائڈ ہے، بہت ہی زہریلی گیس ہے اس کی ذرا سی مقدار مثلاً ۰.۰۸ یا ۰.۰۹ بھی ہوا میں موجود ہو تو وہ ہوا انسان کے لئے کافی مُضر ہو جاتی ہے، اس کی مقدار ۰.۰۴ سے کبھی کبھی بڑھ جاتی ہے، ورنہ عموماً اتنی ہی رہتی ہے اس میں رنگ تو نہیں ہوتا البتہ قدرے بُو اور ذائقہ ہوتا ہے ؛

امونیا یہ ہر ایک چیز کی سڑاند سے پیدا ہوتی ہے اور اگرچہ نباتات کے لئے فائدہ مند ہے لیکن اگر ہوا میں زیادہ مقدار میں مل جائے تو یقیناً ہر متنفس چاہے انسان ہو یا حیوان دونوں کے

اوزون یہ ایک تیز قسم کی آکسیجن ہوتی ہے جو نہایت پُر فضا مقامات مثلاً باغ پہاڑ دریا وغیرہ وغیرہ پر دستیاب ہوتی ہے، یہ ایک قسم کی قدرتی گیس ہے جو بدبو وغیرہ کو زائل کر دیتی ہے، ہوا میں اس کی مقدار بہت کم ہوتی ہے،

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ انسان ہوا کو کس کس طرح خراب کرتا ہے ؛

سب سے پہلے انسان ہی ہوا کو خراب کرنے کی ایک مشین ہے، جو آکسیجن کو سانس کے ساتھ اندر لے جاتی ہے۔ اور اس کو کاربانک ایسڈ گیس یا کاربن ڈائی آکسائڈ میں تبدیل کر کے سانس میں کرتی ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے، یہ گیس انسان کے لئے نہایت مضر ہے لیکن اس کے اس فعل پر اس کو ملامت نہیں کر سکتے کیونکہ اوّل تو یہ اس کے مطلق اختیار ہی میں نہیں کہ وہ سانس نہ لے اور دوسرے کی صفائی کی ضرورت ہی اسی لئے ہے کہ انسان اس کو استعمال میں لا سکے، لیکن اس میں بھی احتیاط ضرور ہو سکتی ہے، اور وہ یہ کہ جتنی ایک جگہ میں آدمی بیٹھ سکیں اس جگہ میں اتنے ہی آدمی بیٹھیں، یہ نہیں کہ ایک چھوٹے سے کمرے میں کھچا کھچ آدمی بھر جائیں، اور پھر جیسے سردیوں میں اکثر اوقات نادان لوگ کر لیا کرتے ہیں کواڑ بھی بند کر کے تازہ ہوا کے رستے بالکل مسدود کر دیں، جو لوگ ایسا کرتے ہیں انھیں یہ معلوم ہونا چاہئیے کہ یہ بہت ہی مضر چیز ہے ؛

اس کے بعد جتنی ہوا کی کثافتوں کا ذکر ہوگا وہ بالکل انسان کے بس میں ہیں ؛

مثلاً جاننا چاہئیے کہ جو چیز جلتی ہے اس کے لئے آکسیجن کی ضرورت ہے جو وہ ہوا میں سے لیتی ہے اس کے بعد یہ جلکر کاربانک ایسڈ گیس کی صورت اختیار کر لیتی ہے جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے یہ گیس بھی ہوا ہی میں شامل ہو جاتی ہے لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہر چیز کا جلنا ہوا کی صفائی کے لئے مضر ہے۔ کچھ لوگ جو سردیوں میں کوئلہ وغیرہ کمرے میں سلگا کر کمرے کے تازہ ہوا آنے کے کل رستے بھی بند کر دیتے ہیں اگر کواڑ بند بھی نہ کئے جائیں تو اکثر اوقات کمرے اس طرح بنے ہوتے ہیں کہ ان میں اتنی تازہ ہوا نہیں آتی جتنی ایسا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اس کا اثر ہوا پر ہر لمحہ بُرا ہی پڑتا رہتا ہے۔ اور آخر میں ایسے کام کا انجام اس کمرے کے لوگوں کے لئے باعث بے ہوشی اور اس کے بعد بہانۂ مرگ ثابت ہوتا ہے اگر ہم ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ایسے واقعات

(باقی اگلے صفحہ پر)

لوریاں

(از جناب ساحر ایڈیٹر "شاہد" بریلی)

(خاص "تیج ویکلی" کے لئے)

من موہن متوالے سو جا　　میرے راج دُلارے سو جا
اچھی صورت والے سو جا　　بانکی مورت والے سو جا
سو جا سو جا میرے بچے
سو جا میرے بچے سو جا

بن تیرے تاریک تھی دُنیا　　تو نے آ کر کیا اُجالا
دیکھ کے تیرا چاند سا مکھڑا　　بھول گئی میں سارا دُکھڑا
سو جا سو جا میرے بچے
سو جا میرے بچے سو جا

عزت پائے دولت پائے　　صحت پائے راحت پائے
رستم جیسی طاقت پائے　　اسکندر سی حشمت پائے
سو جا سو جا میرے بچے
سو جا میرے بچے سو جا

میٹھی میٹھی باتیں تیری　　دل لینے کی گھاتیں تیری
یہ رو نا یہ لاتیں تیری　　یہ دن اور یہ راتیں تیری
سو جا سو جا میرے بچے
سو جا میرے بچے سو جا

یہ تیری رنگین ادائیں　　گھر والوں کا دل بہلائیں
یا رب جلد وہ گھڑیاں آئیں　　جب ہم تیرا بیاہ رچائیں
سو جا سو جا میرے بچے
سو جا میرے بچے سو جا

ہر حرکت مستانہ تیری　　ہر جنبش شاہانہ تیری
پیاری بہن "مرجانہ" تیری　　لیکن ہے پروانہ تیری
سو جا سو جا میرے بچے
سو جا میرے بچے سو جا

قوم کی خدمت کام ہو تیرا　　کام یہ صبح و شام ہو تیرا
جگ میں روشن نام ہو تیرا　　چرچا چاروں دھام ہو تیرا

(پچھلے صفحے سے)

دنیا میں بہت نظر آتے ہیں اور پھر بھی اکثر لوگ اس کام کے کرنے سے باز نہیں آتے۔ کوئلہ وغیرہ تو درکنار اگر کبھی کمرے میں بہت سے لیمپ چراغ وغیرہ بھی جل رہے ہوں تو یہ لازمی امر ہے کہ اس جگہ ہوا کافی گندہ ہو۔ ورنہ یہ بھی اسی طرح ہوا کو خراب کرتی ہے۔

علاوہ ازیں انسان و حیوانات کے فضلات یا گلی سڑی چیزیں مثلاً ترکاری سالن وغیرہ یہ چیزیں بھی ہوا کو بہت زیادہ خراب کرتی ہیں۔ چنانچہ چاہیئے کہ مکان ملکہ گلی کوچوں اور بازاروں کو بھی ان چیزوں سے صاف رکھا جائے۔ اور پاخانوں اور نالیوں کو روزانہ فنائل وغیرہ سے دھلوایا جائے۔

اکثر اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ نیچ قوم کی عورتیں اپنے بچوں کو گلی کوچوں کی موریوں پر پاخانہ کے لئے بٹھا دیتی ہیں۔ ان کو اس سے منع کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ادھر سے گذرنے والے کل آدمیوں کے لئے نقصان دہ ہے اور اس جگہ کے آس پاس رہنے والوں کے لئے تو نہایت ہی مضر چیز ہے اسی طرح موریوں پر پیشاب کرنا جو بالکل عام ہے صحت کے لئے بہت مضر ہے۔

ان چیزوں کے علاوہ مختلف بیماریوں کے کیڑے جراثیم بھی ہوا میں مل جاتے ہیں۔ جو صحت کے لئے مضر ہوتے ہیں۔ اور بڑھتے بڑھتے وبا کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور پھیلتی ہیں اس طرح کہ ایک آدمی بیمار ہو۔ مثلاً انھوں نے جراثیم پھیلانے شروع کئے۔ تھوک کے ذریعہ ناک کے رطوبت یا کسی اور ذریعہ سے وہ پھیلتے پھیلتے تمام ہوا میں مل گئے۔ نشو و نما پاتے رہے۔ اور بڑھتے رہے۔ اور آخر میں جا کر ایک بڑے علاقہ کی ہوا پر قابض ہو گئے۔ اب جس شخص نے اس ہوا میں سانس لیا وہ اس بیماری کا شکار ہوا اس نے اور ان کی تعداد میں اضافہ کیا جن کی تعداد پہلے ہی نا تعداد تھی۔ چنانچہ آخر میں اس سب کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تمام شہر یا چند شہر یا بہت بڑھی۔ تو تمام ملک میں وبا پھیل گئی۔ اگر ان کا شروع ہی سے علاج کیا جائے۔ کہ یہ جراثیم نہ پھیلنے اور نشو و نما ہی نہ پائیں۔ تو تمام ڈاکٹروں کا یہی خیال ہے کہ نہ اتنی وبا پھیلے اور نہ اتنے آدمی مریں۔

ان کے علاوہ اور بہت سی چیزیں ہیں۔ جن کو آپ خود محسوس کر سکتے ہیں کہ وہ ہوا کو گندہ کرتی ہیں یا صاف لہذا آپ کا فرض ہے۔ کہ جہاں تک آپ کے امکان میں ہو۔ ہوا کو صاف رکھنے کی کوشش کریں۔

یہاں ایک بات اور عرض کرنی چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے سنا گیا ہے۔ کہ نباتات ہوا میں سے کاربانک ایسڈ جذب کر لیتے ہیں۔ اور آکسیجن چھوڑ دیتے ہیں۔ لہذا درختوں وغیرہ کے پاس کی ہوا نہایت مفرح اور صحت بخش ہوتی ہے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ مگر صرف دن میں کیونکہ رات کو یہی نباتات کاربانک ایسڈ خارج کرتے ہیں۔ (جو انسان و حیوان کے لئے مضر ہے۔ چنانچہ رات کے وقت ان کے پاس جانا۔ لیٹنا یا سونا سب مضر ہے۔

تجربوں سے ثابت ہوا ہے۔ کہ ایک متوسط درجے

ادب لطیف

چمپا

(از جناب ملک سلطان الارشد فاروقی بھوپالی)

فرض کرو اگر میں بطور مذاق... اونچے... اونچے درختوں کی شاخوں پر... پھول کی... صورت اختیار... کر لوں اور... ہوا... میں جنبش کرتا ہوا... قہقہہ... لگاؤں

کا جوان... دن ایک گھنٹہ میں... مکعب فٹ ہوا کثیف کر دیتا ہے۔ چنانچہ اگر کمرہ میں ۲۰۰۰ مکعب فٹ ہوا ہو۔ تو اور تازہ ہوا آنے کا اس میں راستہ نہ ہو ایک متوسط درجے کے جوان آدمی کو اس میں ایک گھنٹہ سے زیادہ نہ رہنا چاہیئے۔ اور اسی طرح اگر زیادہ آدمی ہوں تو کم دیر رہیں (حساب سے)

اس سے یہ اندازہ لگانا چاہیئے کہ ان حضرات کے لئے جو سردیوں میں کمبل لحاف وغیرہ منہ پر ڈھانپ کر سوتے ہیں۔ جس میں ہوا کی مقدار بہت قلیل ہوتی ہے۔ یعنی چند مکعب فٹ اور اس میں مزید تازہ ہوا آنے کا راستہ بھی نہیں ہوتا۔ اس میں وہ سات آٹھ گھنٹہ سوتے رہتے ہیں۔ یہ ہوا کتنی مضر ہوجاتی ہے۔ مگر یہ لوگ اس کی مطلق پروا نہیں کرتے جس کا اثر ان کی صحت پر بہت برا ہوتا ہے۔

... چوں پر... گی... کر دوں گا...

تم... مجھ کو... پہچان لو گی۔

تم بلند آواز سے پکارو گی کہ بچے... تم... کہاں ہو... میں... دل ہی... دل میں... ہنسوں گا۔ ہو خاموش رہونگا... میں... شرارتاً... اپنی... پتیوں... کو... منتشر کر دونگا۔ اور تم کو کام کرتے دیکھوں گا۔

جب تم غسل کر کے... بھیگے ہوئے بال... شانو پر... پریشان کئے ہوئے... چمپا کے درخت سے گذر کر... صحن... میں پرستش... کرنے جاؤ گی... تو تم کو پھول کی دلآویز خوشبو معلوم ہوگی۔ لیکن... کیا... تم... معلوم کر سکو گی... کہ... یہ... خوشبو... میری... دوپہر کے بعد... جب کھانے سے فارغ ہو کر... تم... کھڑکی پر بیٹھ کر رامائن پڑھو گی اور... درخت کا... سایہ... تمہاری... زلف اور... آغوش... میں پڑیگا۔ اور میں... تمہاری... کتاب کے... صفحے... پر... سایہ... فگن... ہونگا... کیا تم... یہ خیال کرو گی... کہ... یہ... مختصر سایہ... میرے بچے... کا ہے۔ شام کے وقت جب تم... چراغ لئے ہوئے گئو شالہ میں جاؤ گی۔ پھر میں... فی الفور... اتر جاؤنگا... اور... از سر نو بچہ بنکر تم سے کہانی... کہنے کی... ضد... کرونگا۔ تم... کہو گی... اے... شریر... بچے... تم... کہاں تھے۔ ہاں!... میں نہ... بتاؤنگا... کہ... اسوقت... تم میں... اور... مجھ... میں... کیا... گفتگو... ہوگی۔

(ٹیگور کے ایک شاہکار کا ترجمہ)

شہنشاہی استبداد کے خلاف مسلسل جنگ

شہنشاہی طاقتوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوکر آزادی کی راہ میں قربانیاں دینے کے باب میں جدید دنیا میں آئرلینڈ سے زیادہ کوئی ملک نہیں ہے۔ اس کے سرفروشوں کی جانبازیاں اور آزادی و حریت وطن کے لئے زبردست ساعی نوجوانوں کی بیداری اور شہنشاہی استبداد کے خاتمہ میں آئرلینڈ کی مثال دوسرے ممالک کے لئے ایک نمونہ عمل بن سکتی ہے۔

اس سے پہلے کہ آئرلینڈ کی تاریخ آزادی کا ایک عکس یہاں پیش کیا جائے۔ کچھ جغرافیائی و تاریخی تذکرہ اس ملک کا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

آئرلینڈ جزیرہ برطانیہ کے مغرب میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ آئرلینڈ کے قدیم باشندے نیولتھک تھے۔ یعنی جدید زمانہ سنگ کے لوگ جن کے آلات خانہ داری و باغبانی پتھر کے ہونے میں ہنرمندی کا نمونہ سمجھے جاتے تھے۔ غالباً چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی میں گائیل قوم کا یہاں دوردورہ ہوا اور اسی عہد میں اسی نسل کے بادشاہ آئرلینڈ پر حکمرانی کرتے تھے۔ انھوں نے اس ملک میں ایک نئے سیاسی اصول کو پیدا کیا۔ فیوڈل ازم (وحشی قبائل یورپ) اور دوسرے بادشاہوں کا تصور یہ تھا کہ حکمران وقت کی مرضی و رضا کے ماتحت ساری مملکت ہونی چاہیئے۔ اس کے برخلاف گائیل لوگ کہتے تھے کہ سب مل کر جو قانون وضع کریں وہی مملکت کے نظام کا قانون مانا جائے۔ ان کے نزدیک مرکزی طاقت کی ضرورت نہ تھی۔ اگرچہ یہ جمہوری تصور نیا نہ تھا۔ مگر پھر بھی پہلا شعوری ضابطہ قانون تھا جو اس وقت ملکی نظم و نسق کے باب میں رائج ہوا۔ قدیم آئرلینڈ میں لوگوں میں باہمی اخوت اور اتحاد بہت تھا۔ اور ہر جماعت خودمختار ہونے کے باوجود سب کی بھلائی کے نقطۂ نظر سے یکجہتی پر آمادہ رہتی تھی۔ تمام قبائلی سرداروں کا ایک اعلیٰ حاکم ہوتا تھا جسے تمام مملکت کا مرجع سمجھا جاتا تھا۔ اور باہمی نزاعات بھی فیصل کرنے کے لئے وہی شخصیت تسلیم کی جاتی تھی۔ اگرچہ یہ صاحب شوکت بادشاہ عظیم ہستی کا مالک ہوتا تھا۔ مگر مطلق العنانی اور استبدادیت اس میں نام کو بھی نہ ہوتی۔ خلاف قانون وہ کوئی کام نہ کر سکتا تھا کیونکہ شروع ہی سے ہر قانون بنیاد جمہوری رائے پر منحصر رکھی گئی تھی۔

مغرب میں یونانیوں اور اہل روما کے بعد اہل آئرستان کو اپنی قدامت۔ اسلاف پرستی۔ اور قومی علوم و زبان کے تحفظ کا بڑا خیال تھا۔ اور ان روایات کو قائم رکھنے اور بیرونی اثرات حریت سوز کو ترک کرنے کے لئے انھوں نے بڑے بڑے قومی ادارے علماء و فضلاء و وکلاء کے بنائے تھے۔ جو خاندانوں اور قبائل کے قومی اور سماجی حقوق کی حفاظت کرنے اور قانون کی شرح کرنے کے اہل مانے جاتے تھے۔ تعلیم عام تھی۔ اور ایک عمومی سلسلہ میں تمام مدارس چلائے جاتے تھے۔ یہ آئرستان کی ابتدائی جمہوری نظام کی ایک تصویر ہے۔

آئرلینڈ پر ڈینوں کا حملہ

ڈنمارک اور ناروے کے باشندے ڈین کہلاتے تھے۔ نسل اور زبان میں انگریزوں سے ملتے تھے۔ اور بحری قزاق تھے۔ انھوں نے مغربی یورپ کے ساحلوں کو تاراج کرنا شروع کیا۔ بت پرست ہونے کی وجہ سے انھوں نے عیسائی عبادت گاہوں اور وہاں کے مقدس پادریوں کو بھی تاخت و تاراج کیا۔ یہ حملے آٹھویں صدی عیسوی سے گیارہویں صدی عیسوی تک جاری رہے۔ ساتویں صدی کے آخیر اور آٹھویں صدی کے ابتدا میں اہل ڈنمارک (ڈین) لوگوں نے جزائر برطانیہ اور آئرلینڈ پر حملہ کیا۔ ان کے حملوں سے انگلستان تو جانبر نہ ہوسکا اور رفتہ رفتہ ان قزاقوں کی حکومت انگلستان میں قائم ہوگئی۔ مگر آئرلینڈ کے جمہوری نظام مملکت اور متحدہ محاذ نے ان کے راستہ میں زبردست رکاوٹ پیدا کی۔ مگر ساحلی مقامات پر وہ بالآخر قابض ہو ہی گئے۔ یہاں انھوں نے آئرلینڈ کے باشندوں سے شادی بیاہ کرنے شروع کر دیئے۔ اور ایک مخلوط نسل پیدا ہوگئی۔ جسے باشندگان آئرستان نے اپنا بھائی بند بنا لیا۔ اور اس جدید قوم کا پایۂ تخت ڈبلن قرار پایا۔

برطانیہ کا پہلا حملہ

[illegible] میں برطانیہ نے جہاں اب ڈین حکمران تھے۔ آئرلینڈ پر پہلا وار کیا۔ اس وقت برائن بورو آئرلینڈ کا بادشاہ اعلیٰ تھا۔ کلونٹارف کے مقابلہ پر زبردست معرکہ ہوا۔ جس میں بادشاہ برائن بورو معہ اپنے بیٹے اور پوتے کے مارا گیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اہل ڈین کو ایسی ہزیمت ہوئی کہ وہ آئرلینڈ پر حکومت کرنے کا خواب بھول گئے۔ اور ڈیڑھ سو سال تک آئرلینڈ بیرونی حملوں سے محفوظ رہا۔

ڈین کی صدیوں کی کوششیں گائیل قوم کی روایات، قومی مجالس، جمہوری نظام اور آزاد رہنے کے جذبہ کو کم نہ کرسکیں۔ اور نہ ان کے نظم و نسق میں کوئی فرق آیا۔

نارمنوں کا حملہ

اہل ڈنمارک کی حکومت کے زوال کے بعد انگلستان پر نارمن قوم نے قبضہ کر لیا۔ اور ۱۱۶۹ء میں آئرلینڈ پر نارمن قوم نے حملہ کیا۔ اور ان کے سرداروں نے ڈبلن اور اس کے نواح میں کچھ سرداریاں اپنی قائم کر لیں۔

۱۱۷۱ء میں ہنری دوئم شاہ انگلستان نے اس اندیشہ سے کہ کہیں نارمن سردار آئرلینڈ میں ضرورت سے زیادہ اقتدار حاصل نہ کر لیں۔ آئرلینڈ پر حملہ کیا۔ اور نارمن امرا کو شکست دیکر ان کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ختم کر دیں۔ اب بادشاہ انگلستان نے اپنا حق بالادستی جتایا۔ اور حلف اطاعت طلب کیا۔ جو سیاست کی ضرورتوں نے آئرلینڈ والوں سے دلوایا۔ اور اس طرح بالادستی اصولی طور پر پہلی بار قائم ہوگئی۔ ہنری دوئم نے پاپائے روم کے فرمان شائع کئے۔ جن میں آئرلینڈ کی حکومت شاہ انگلستان کو دیئے جانے کی بشارت تھی۔ ہنری دوئم کے بعد جو بادشاہ ہوتے رہے۔ انھوں نے طاقت کے زور سے ان فرضی اور خود عائد کردہ حقوق کو حقیقت اور واقعات میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جس کا سلسلہ کم و بیش ایک نہایت تندہی و سرگرمی سے جاری رہا۔ ہنری دوئم صرف ڈبلن اور اس کے گرد و نواح کے تھوڑے سے علاقہ کو جس کا نام پیل تھا۔ اپنی سلطنت میں شامل کر سکا۔ ورنہ باقی مملکت آئرستان کامل طور پر خودمختار رہی۔ ٹیوڈر خاندان تک آئرلینڈ زبان۔ رسم و رواج اور طرز زندگی کے اعتبار سے انگلستان سے بالکل مختلف رہا۔ ہنری دوئم نے "لارڈ آف آئرستان" کا لقب بھی اختیار کر لیا تھا۔ جو بالکل برائے نام تھا۔ اور عملاً کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔

ٹیوڈر خاندان کے عہد میں

۱۴۸۵ء میں ہنری ہفتم لنکاسٹر نے رچرڈ سوم آف یارک کو شکست دیکر تخت انگلستان پر قبضہ کیا۔ آئرستان میں رچرڈ کی حمایت اور ہنری ہفتم کی مخالفت کی گئی۔ چنانچہ اس پر ایک شورش ہوئی۔ جسے فرو کرنے کیلئے سر ایڈورڈ پائیننگس کو اپنا نائب بنا کر آئرلینڈ بھیجا۔ دروغیڈا کے مقام پر اس نے ایک پارلیمنٹ کی اور ایک قانون بنوایا جس کی رو سے قرار پایا کہ انگریزی قوانین انگلستان کی طرح آئرلینڈ میں بھی یکساں طور پر جاری ہوا کرینگے۔ اور آئرش پارلیمنٹ شاہ انگلستان اور اس کی مجلس شوریٰ کی اجازت کے بغیر اپنے ملک میں کوئی قانون یا حکم عام نافذ نہ کرسکیگی۔ اس قانون نے آئرلینڈ کے حریت پسند طبقہ میں ایک ہلچل پیدا کردی مگر کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

۱۵۰۹ء میں ہنری ہفتم کے انتقال کے بعد ہنری ہشتم تخت پر بیٹھا۔ جو عیش پرست، ... اور جابر بادشاہ تھا۔ ۱۵۳۵ء میں اس نے آئرستان کیلٹ اور اینگلو نارمن سرداروں اور امیروں کو جو آئرلینڈ میں ابھی تک عملی حیثیت سے خودمختار تھے شکست دی۔ اور ایک مجلس قائم کرکے سب سے پہلی مرتبہ "شاہ آئرلینڈ" کا لقب اختیار کیا۔ وہ صرف اس پر ہی قانع رہنا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ آئرلینڈ کی تہذیب و روایات اور قدیم یادگاروں کو بھی نیست و نابود کر دینا چاہتا تھا۔ اور اس ذہنیت کے ماتحت اس نے پرانے وعدوں کو ٹھکرا کر جبر کی پالیسی اختیار کی۔

باوجود اس تشدد، اس تباہ کاری اور بیداد کے اہل آئرستان نہایت سکون و استقلال سے اپنے علوم و فنون اور تاریخ و روایات کے تحفظ میں لگے رہے اور اس سعی مبارک میں بڑی حد تک کامیاب رہے۔

ایڈورڈ ششم (۱۵۴۷ء اور ۱۵۵۳ء) نے ہنری ہشتم کے طرز عمل کو جاری رکھا۔ ملکہ میری (خون آشام) کے عہد میں (۱۵۵۳ء تا ۱۵۵۸ء) آئرستان میں کچھ برطانوی نوآبادیات قائم کی گئیں۔

ملکہ الزبتھ کے عہد میں ایک آئرش سردار شین اونیل نے علم حریت بلند کیا۔ اور صوبہ السٹر پر قابض ہوگیا۔ مگر کسی حریف نے مار دیا۔

چونکہ آئرلینڈ عقیدہ کے اعتبار سے کیتھولک تھا۔ اس لئے شاہ ہسپانیہ اور پاپائے روم نے اس کو انگلستان کے خلاف آلۂ کار بنانے کی کوشش کی۔ اس خطرہ کو روکنے کے لئے ملکہ الزبتھ نے سب سے پہلے ہسپانیہ کو ختم کرنے کی تدبیر کی جس کے لئے مشہور بحری بیڑہ بھیج دیا۔ اس کے بعد ایک آئرش سردار ارل آف ٹیرون نے جب علم بغاوت بلند کیا۔ تو اسے کچل دیا گیا۔ اور بیس سال تک آئرلینڈ میں کوئی شورش نہ ہوئی۔ مگر اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ہیو اونیل نے اہل آئرلینڈ کو حکومت برطانیہ کے خلاف متحد کیا۔ اور آزادی کا اعلان کردیا۔

برطانوی پارلیمنٹ کا قیام

۱۶۴۹ء میں انگلستان میں ایک انقلاب رونما ہوا۔ چارلس اول کو قتل کیا گیا۔ اور دولت عامہ انگلستان میں پہلی بار قائم کی گئی۔ اور بادشاہان انگلستان پارلیمنٹ کے حکم کے ماتحت آگئے اور تجارت پیشہ جماعتوں کا رسوخ جب پارلیمنٹ میں بڑھا تو اس کا اثر آئرلینڈ پر بھی پڑا۔ آئرلینڈ میں اپنی ایک پارلیمنٹ پہلے سے قائم تھی۔ اور اس کے احکام ہی اپنے ملک میں چلتے تھے۔ مگر برطانیہ کی پارلیمنٹ جس میں تاجرانہ اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کا عنصر کارفرما تھا اس پارلیمنٹ کا جو صدیوں سے آئرلینڈ میں چلی آرہی تھی ایک علیحدہ وجود کے طور پر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اس پر اہل آئرلینڈ بگڑ بیٹھے۔ اور چارلس اول کے بیٹے چارلس دوم کو اپنا بادشاہ مان لیا جس پر کرامویل نے جو اس وقت برطانوی پارلیمنٹ کا روح رواں تھا اور انگلستان کا عملی فرمانروا سمجھا جاتا تھا۔ بذات خود آئرلینڈ پر حملہ کیا اور مخالفوں کو بیدردی سے چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ بیس ہزار سے زائد مرد و زن اور بچے غلام بنا کر

(باقی اگلے صفحہ پر)

فطری آزادی کے حق کیلئے آئرلینڈ کے زریں کارنامے

خاص "تیغ ویکلی" کے لئے

(پچھلے صفحہ سے)

وبینیا اور دیگر نو آبادیوں پر بھیجکر انگریزوں کے ہاتھ فروخت کر دیئے گئے۔

سنہ ۱۶۵۹ء میں آئرلینڈ کے قوم پرستوں نے اس قومی اضمحلال کو ختم کرنے کے لئے اس سانحہ کے بعد منظم ہوا جو گیا تھا۔ ایک کیتھولک مجلس بنائی جس کا مقصد دستوری طریق سے حقوق کی حفاظت کرنا تھا۔ اس انجمن نے پرانی کالک تہذیب کو زندہ کرنے کی کوشش بھی کی۔ قدیم گانے اور اخلاقی نظمیں پھر تازہ کی گئیں۔ عام جلسے منعقد کرکے اس قومی احیا کی دعوت دی گئی۔ ملک میں ایک نئی روح پھونکی گئی۔

جارج سوم کا عہد

جارج سوم (سنہ ۱۷۶۰ء تا سنہ ۱۸۲۰ء) کے عہد میں برطانوی پارلیمنٹ نے ایک اور غلطی کی۔ یعنی سنہ ۱۷۶۵ء میں ایک قانون جاری کیا گیا جس کی رو سے حکومت برطانیہ کو آئرلینڈ اور امریکہ میں ان ممالک کی مرضی کے خلاف محصول لگانے کا کامل اختیار حاصل ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ سلطنت برطانیہ سے نکل گیا۔ اور کامل آزاد ہو گیا۔ اس اعلان آزادی و بغاوت نے آئرلینڈ میں قدرتی طور پر ایک نیا ولولہ و جوش پیدا کر دیا۔ اور سنہ ۱۷۸۰ء میں ہنری گریٹن ایک مدبر نے برطانیہ کے خلاف زبردست پروٹسٹ کیا اور اس احتجاج کی وجہ سے ہی انگلستان کی پارلیمنٹ کو بہت سے جابرانہ ٹیکس منسوخ کرنے پڑے۔ وہ اسی پر مطمئن نہ ہوا۔ بلکہ یہ بھی مطالبہ جاری رکھا کہ آئرش پارلیمنٹ کو اختیار قانون سازی حاصل ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس کی جدوجہد سے یہ نتیجہ ضرور برآمد ہوا کہ بادل ناخواستہ انگلستان کو یہ حق ماننا پڑا۔ اور گراٹن نے علانیہ علم بغاوت بلند کر دیا۔

چونکہ آئرلینڈ کے بیشتر باشندے کیتھولک تھے اور انہیں حق رکنیت حاصل نہ تھا اور آئرش پارلیمنٹ کی عنان حکومت چند پروٹسٹنٹوں کے ہاتھوں میں تھی۔ اس لئے ایک مدبر لیڈر ہنری فلڈ نے کیتھولک عیسائیوں کے لئے حق رائے دہی طلب کرنے کی آواز بلند کی۔ برطانیہ کے وزیر اعظم ولیم پٹ نے قومی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اس حق رائے دہی کو تسلیم کر لیا۔ مگر پھر بھی رومن کیتھولک عیسائیوں کی حالت بہتر نہیں ہوئی۔ سنہ ۱۷۹۸ء میں آئرشوں نے اپنی سیاسی مشکلات سے تنگ آکر ویکسفورڈ کے مقام پر بغاوت کرا دی جس کو جنرل سیلک نے آسانی سے فرو کرا دیا۔ پٹ نے لارڈ کارنوالس کو آئرلینڈ کا لارڈ لفٹننٹ مقرر کیا۔ اور اس نے مسئلہ آئرلینڈ کے تصفیہ کے لئے برطانیہ اور آئرلینڈ کے پارلیمانی اشتراک کی ایک تجویز پیش کی جس کو وزیر اعظم برطانیہ نے منظور کر لیا۔

برطانوی آئرستانی پارلیمنٹ

چونکہ آئرش اس اشتراک کے خلاف تھے۔ اس لئے پٹ نے کیتھولک مذہب کی آزادی تسلیم کرنے کا وعدہ کیا۔ اور سنہ ۱۸۰۱ء میں قانون اشتراک منظور کر لیا گیا۔ جس کی دفعات حسب ذیل تھیں۔

(۱) آئرلینڈ کی جداگانہ پارلیمنٹ بند کرکے ایک متحدہ سلطنت برطانیہ و آئرستان پارلیمنٹ بنائی جائے اس مشترکہ پارلیمنٹ کے دارالامرا میں آئرلینڈ کے چار بشپ اور اٹھائیس لارڈ اور دارالعوام میں ایک سو ممبروں کی نشستیں مقرر و مخصوص کی گئیں۔

(۲) آئرستان کے کلیسا اور افواج کو برطانوی کلیسا اور فوج کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔

(۳) آئرلینڈ کا جداگانہ آئین اور عدالتیں بدستور جاری رکھی گئیں۔

اس پارلیمانی اشتراک سے آئرلینڈ والوں کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا کیونکہ کیتھولک عیسائیوں کی مذہبی آزادی کا جب پٹ نے قانون پیش کیا۔ تو بادشاہ جارج سوم اور وزرائے انگلستان نے مخالفت کی اور یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا علاوہ ازیں زرعی مشکلات کی وجہ سے بھی آئرلینڈ بہت تنگ آ چکا تھا۔ جو پروٹسٹنٹوں کی برتری اور بھی بڑھ گئیں۔ اس کی وجہ سے یہ اشتراک آئرلینڈ والوں کے لئے مصائب اور گوناگوں قومی آلام کا باعث بن گیا۔ اور آئرلینڈ کو جو تھوڑی بہت خود مختاری حاصل تھی وہ بھی اشتراک کے پردہ میں سلب کر لیا گیا۔ آئرش زمیندار سلسلہ کاروبار لندن میں رہنے لگے۔ قوان کا لگان بھی آئرلینڈ سے باہر بھیجا جانے لگا۔ جس سے آئرلینڈ کے افلاس میں اور اضافہ ہوا۔ سنہ ۱۸۲۲ء اور سنہ ۱۸۳۹ء میں زرعی مشکلات اور افلاس میں اضافہ کرنے کے لئے قحط بھی قسمت سے بھیجا۔ آلو اور مویشی خاص طور پر تباہ و برباد ہو گئے اور سنہ ۱۸۴۶ء سے سنہ ۱۸۵۱ء کے درمیانی وقفہ میں کوئی اسی لاکھ آدمی فاقہ سے ہلاک ہو گئے۔ اس دردناک حالت کے باوجود ایک ہی سال میں برطانیہ کو آئرلینڈ سے جانے والی کھانے پینے کی چیزوں کی قیمت ایک کروڑ سترلاکھ پونڈ تھی سنہ ۱۹۰۰ء تک آئرلینڈ نے خراج برطانیہ آئرش نقد و نفع کے اخراجات کے بعد حکومت برطانیہ کو بتیس کروڑ پچاس لاکھ کی معین رقم ادا ہوئی۔ یہ سب اسی اشتراک کا ثمرہ تھا۔

سنہ ۱۸۲۳ء میں ایک آئرش بیرسٹر اوکانل نے رومن کیتھولک مذہب کی آزادی و رواداری حاصل کرنے کی غرض سے ایک جماعت ترتیب دی جس نے اس قدر عروج حاصل کیا کہ آخر کار برطانیہ کو اس کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ اور بڑے ہنگامے ہوئے۔ آخر کار سنہ ۱۸۲۹ء میں کیتھولک آزادی کا قانون منظور کر لیا جس کی رو سے کیتھولک عیسائیوں کو پارلیمنٹ میں رائے دینے اور چھوٹے چھوٹے عہدے حاصل کرنے کا حق حاصل ہو گیا۔ درمیان اوکونل کے علاوہ آئرلینڈ میں ایک اور سیاسی جماعت "ینگ آئرلینڈ" کے نام سے بنی جس کا مقصد فرقہ وارانہ اختلافات کو دور کرکے تلوار و طاقت سے پارلیمنٹری اشتراک کو دور کرانا اور آئرلینڈ کی تاریخ، علم و ادب اور زبان کو ترقی دینا تھا۔ ان کے علاوہ سر تھامس ڈیوس کی لیگ۔ شمالی آئرش لیگ۔ اور جنوبی آئرش لیگ وغیرہ کی علیحدہ علیحدہ بنیادیں پڑیں۔

سنہ ۱۸۵۹ء میں ایک اور جدوجہد آئرلینڈ کو برطانیہ کے بندھن سے آزاد کرانے کی کی گئی۔ اس کے لئے ایک جماعت احرار بنائی گئی۔ جس کی ایک شاخ امریکہ میں بھی کام کر رہی تھی۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں اس جماعت نے نہایت شدت سے پروپیگنڈہ کیا۔ اور آخر کار جبر و تشدد بالادستی کا شکار ہو کر دیگر تحریکوں کی طرح ختم ہو گئی۔

ان تمام تحریکوں کا مقصد آئرلینڈ کی خود مختاری قائم کرنا تھا۔

سب سے آخر میں ڈی ولیرا کا ذکر آئرلینڈ کی تاریخ حریت کا ایک زریں باب ہے۔ ڈی ولیرا جیسا جانباز اور محب وطن بہت کم پیدا ہوتا ہے۔ اس کے کارنامے اور سرفروشانہ مساعی سے جو آئرلینڈ کی عمومی آزادی اور شہنشاہیت کے خلاف اس نے خصوصی طور پر کی ہیں۔ ایک دنیا واقف ہے۔ اس صدی کے شروع میں اگرچہ آئرلینڈ کا جداگانہ دستور اساسی برطانیہ نے تسلیم کر لیا ہے۔ مگر پھر بھی محبان وطن اس معمولی بندش کو برداشت کرنا نہیں چاہتے۔ جو ابھی تک قائم ہے اور دیگر مشکلات بھی آئرلینڈ کی آزادی کامل کی راہ میں حائل ہیں۔ جن کے لئے حریت پسند اب بھی کوشاں ہیں۔

ہندوستانیں چھاپہ کی صنعت اور اسکا مستقبل

از قلم شری یت جی۔ سی۔ سین۔ مانچسٹر

دنیا کی ترقی اور تہذیب یافتگی کے تجارت و معاشی حیات بگڑ جانے کے لئے غرضیکہ ہر قسم کے تمدنی مقصد کے لئے دیکھا جائے تو چھاپہ کی صنعت از حد ضروری ہے۔ دنیا کی موجودہ روشن زندگی ایک وسیع و مکمل نظام طباعت کی متقاضی ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ زندگی کے ہر شعبہ کو ہم چھاپہ خانہ کا محتاج دیکھتے ہیں۔ اقوام کے افراد اور ممالک عالم کے باہمی تعاون و تعلق میں اخبارات و رسائل و دیگر مطبوعات جس قدر کارفرما نظر آتے ہیں۔ اور تعلیم کی ترقی اور عمومی ذہنی انقلاب کے باب میں

ہم جس قدر بھی کارفرمائی اس وقت دیکھ رہے ہیں۔ یہ سب طباعت کا کرشمہ ہے۔ اگر اتفاق وقت طباعت کی صنعت رک جائے تو دنیا کا تمدن بھی بیجد مفلوج ہو جائے۔ دنیا کی پرانی تہذیبیں محض اس وجہ سے مر گئیں کہ مرنے کے ریکارڈوں کی حفاظت کرنے کا کوئی موثر اور پائیدار طریقہ معلوم نہ تھا۔ لیکن آج کل صنعت طباعت و فن عکاسی و دیگر متعلقہ فنون نے تہذیب کو جاودانی بنا دیا ہے علم و تعلیم کی روشنی بغیر طباعت کے نہیں پھیل سکتی اس کو بھی چھوڑ دیجئے۔ تجارت اور بیوپار آجکل بغیر اشتہار بازی اور پروپیگنڈے کے ناممکن ہے۔ چنانچہ انگلستان نے سنہ ۱۹۲۹ء میں صرف ۱۵۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ طباعت و اشاعت پر خرچ کیا۔ ان نتیجے کے لئے اور ترقی تجارت کے لئے اشتہار بازی ضروری امر ہے اور اس کے لئے طباعت ناگزیر شے ہے۔ چھاپہ والے کا کام یہ ہے۔ کہ وہ اہل تجارت پر اپنے ہنر کی خوبیاں اور تجارت سے اس کے گہرے اور موثر تعلق کا اظہار کریں۔

جب ہم انگلستان سے یا دنیا کے کسی اور ملک سے ہندوستان کے چھاپہ کی صنعت کا مقابلہ کرتے ہیں تو حالات بہت افسوسناک معلوم ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے۔ کہ ہندوستان میں چھاپہ کی صنعت تعلیم یافتہ افراد میں نہیں ہے۔ بلکہ بالعموم جاہل اور بیحد کم پڑھے لکھے لوگوں میں یہ اہم تمدنی صنعت پائی جاتی ہے۔ نسلاً بعد نسلاً لوگ ایک ہی خاندان میں یہ صنعت ورثہ میں لیتے چلے آتے ہیں اور تعلیم و تربیت نہ ہونے کے باعث یہ صنعت کئی نسلوں کے گذرنے کے باوجود ایک بے علم اور ناسمجھ افراد کے ہاتھوں میں ہے۔ باپ اور چچا اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو وہ راز کی باتیں بتا جاتے ہیں جو انھوں نے اپنے تجربہ کے دوران میں یا کام کے اوقات میں اس صنعت میں حاصل کی ہیں۔ یہ راز سینہ بہ سینہ ہی منتقل ہوتے ہیں۔ اور بہت سی صنعتی مشکلات میں جنکا عام حل لوگوں کو معلوم ہوتا ہے۔ یہ جہالت اور قدامت پرستی ہندوستان میں صنعت طباعت کی ترقی کو روکنے کا باعث بنی ہوئی ہے۔

ہندوستان میں عملاً کوئی صنعتی سکول طباعت کا کام سکھانے کا نہیں ہے۔ جہاں کسی معقول طریقہ پر اس فن کی تعلیم دیجاتی ہو، نہ شاگرد رکھنے کا انتظام کسی اچھے پریس میں کیا گیا۔ انگلستان وغیرہ ممالک میں شاگردی کا خاص اہتمام ہے۔ اور اس پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان شاگردوں سے مستقبل کے اہل طباعت میدان عمل میں آتے ہیں۔

تاریخ صنعت طباعت انگلستان بتاتی ہے کہ شاگردی اور طباعت کے مختلف الفیہ امور کی بحث، تحقیق اور حل مشکلات پر وہاں بڑا روپیہ اور وقت خرچ کیا گیا ہے تب جاکر وہاں یہ خود صنعت طباعت جلوہ گر ہوئی ہے۔ وہاں ٹیکنیکل تعلیم اور شاگردی کے لئے عمدہ کلاسیں جابجا کھولی گئیں تاکہ غلط طریقہ پر لوگ کام نہ سیکھیں۔ بہت معمولی رقم پر لوگوں کو کام سکھایا گیا۔ اور رفتہ رفتہ انہیں اس صنعت میں جذب کر لیا گیا۔

ہمارے ملک میں پرانے طریقہ کی طباعت چلی آرہی ہے۔ بہت کم جگہ نئی امنگ اور نئے طریقوں سے کام ہوتا ہوا آپ دیکھیں گے۔ ماہران طباعت پرانے طریقوں پر رہنا ہی فخر کی بات سمجھتے ہیں۔ نئی نئی ترقیاں اس صنعت میں جو آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ ان سے ہم بوجہ قدامت پرستی اور کمی تعلیم بے بہرہ رہتے ہیں مثلاً تو ٹو کی طباعت اور فوٹو لیتھو کے کاموں کی طرف ابھی ہمارا کچھ بھی توجہ نہیں ہوئی ہے۔ اور اس میں اگر ریسرچ کی جائے تو ہندوستان دولت میں کھیلنے لگے۔ اور اس کے ہنر کا معیار بھی کہیں بلند ہو جائے۔

اسی طرح ٹائپ کی تزئین اور آرائشی طباعت کے کاموں کی طرف یہاں کے اہل ہنر نے بہت ہی کم توجہ دی ہے اور جدید رجحانات و ترقیات سے تو وہ بالکل ہی بے بہرہ ہیں۔

پرنٹنگ کا کام کرنے والوں میں کوئی تنظیم نہیں ہے سب چھاپہ خانہ والے ایک دوسرے کا گلا گھونٹنے اور اپنا الو سیدھا کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اور سب مل کر سر جوڑ کر یہ کوشش نہیں کرتے۔ کہ ہندوستان میں طباعت کے کام کا معیار اور مزدوروں کی مزدوریاں کیونکر ترقی کر سکتے ہیں۔ اور ہم منظم ہو کر کیونکر اپنی صنعت و تجارت کو فروغ دے سکتے ہیں۔ اس صنعت کے مزدور بھی بےچین ہیں۔ اور مالک بھی۔ اگرچہ یہ حالت ہمیشہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

(چوتھے صفحہ سے)

نہیں رہے گی ۔ اور ترقی و اصلاح کا قدم مزید ہنشیگا لیکن سرِ دست ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ کہ ہم نے کشتی خدا پر چھوڑ دی ہے ۔ اور لنگر کو توڑ دیا ہے ! اس بات سے کوئی انکار نہیں کرے گا ۔ کہ اگر سب پرنٹرمل کر سب کی بھلائی اور ترقی کے خیال کو سامنے رکھ کر کوئی متحدہ جمعیتہ بنائیں ، تو کیا ہندوستان میں یہ صنعت باوقار منظم ، متحدہ اور متمول نہیں ہو جائے گی ، برسوں کا جمود اور بےحسی اور قدامت پرستی جو مزدوروں اور پرنٹروں کی جماعت پر طاری ہے ۔ اسے دور کئے بغیر کوئی حقیقی ترقی ہم نہیں دیکھ سکتے جب تک نئے اور تازہ خیالات کو ہم لبیک اور خوش آمدید نہیں کہیں گے ۔ جمود دور نہیں ہو سکتا ۔

انگلستان میں یہ صنعت بہت منظم اور پختہ بنیادوں پر قائم ہے ۔ اسی تنظیم کا اثر و نتیجہ ہے ۔ کہ وہاں کا ایک کمپوزیٹر ہفتہ میں ۳ پونڈ ۱۰ شلنگ ۶ پنس یعنی تقریباً (۲۰۰) روپیہ فی ہفتہ کماتا ہے ۔ نئی خوبیوں معیار کار ، محنت اور طریقۂ عمل کے معاملہ میں وہاں کی طباعت اور یہاں کی طباعت کا فرق بھی بآسانی سمجھا سکتا ہے ۔

سستی چھپائی اور سستی مزدوری اور سستے کام کے خلاف وہاں ایک منظم جمعیتہ بنائی گئی تھی ۔ کیونکہ مقابلہ کی دھن میں کام کو گراں اور سستی چیزیں پیدا کر کے مزدوروں کو کم مزدوری پر گذر اوقات کرنے کے لئے مجبور کرنا ایک وحشیانہ حرکت تھی ، جس کے خلاف زبردست پروٹسٹ کیا گیا ۔ اب وہاں کی صنعت "ارزاں بےملت" کی لعنت سے پاک ہے ۔

وہاں جولائی ۱۹۳۵ء میں تخمیناً ۲۰۰،۳۳۰ افراد طباعت کی صنعت میں کام کر رہے تھے ، جولائی ۱۹۳۳ء میں اس کے مقابلہ پر (۲۰۹،۰۰۰) افراد تھے ۔ طباعت کی فیڈریشن نے بیروزگاری کے مسئلہ کو حل کرنے کی بھی کوشش کی ہے ۔ جو حتی الوسع وہ سب آدمی جو بے روزگار ہو گئے تھے ، جذب کر لئے ہیں ۔ اس بات کی بھی کوشش کی جاتی ہے ۔ کہ ضرورت سے زیادہ آدمیوں کو حتی الوسع کام نہ سکھایا جائے ، تاکہ مارکیٹ میں تربیت یافتہ افراد کی زیادتی کے باعث مقابلہ نہ شروع ہو جائے ۔

اس فیڈریشن کی آٹھ مستقل کمیٹیاں ہیں جن کے مختلف کام ہیں ۔ مثلاً مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کرنا ان کے لئے لڑنا ۔ پارلیمنٹ میں طباعت متعلقات کے بارے میں جو مسودہ قوانین ہیں ، ان کی نگرانی کرنا اور نمائندگی کے ذریعہ مؤثر کارروائی کرنا بیروزگاری کے کاموں کو دیکھنا ۔ قوانین بنانے کی کوشش کرنا جن سے طباعت کے مزدوروں کی حالت بہتر ہو ۔ اور ترقی ہو ۔

ایک مجلس صحت بھی ہے ۔ جو اس بات کی دیکھ بھال کرتی ہے کہ مزدوروں کی صحت پر برا اثر ڈالنے والی چیزیں مثلاً لائینو ٹائپ مشین یا مونو ٹائپ مشین میں سے نکلنے والی سیسہ کی زہریلی گیس یا زود و غیرہ چھاپنے کے کارخانوں میں ادویات کے استعمال کے مضر اثرات سے مزدوروں کی نگہداشت کی جا سکتی ہے ۔ ان کی جانوں کا بیمہ ان کی صحت کا بیمہ ، اور ان کو زیادہ سے زیادہ آرام کیونکر بہم پہنچایا جا سکتا ہے فیڈریشن کے ماتحت طباعت کے سائنٹیفک پہلوؤں پر غور کرنے اور ریسرچ کرنے کے لئے ایک علیحدہ جماعت شب و روز کام کرتی رہتی ہے ۔ ایک کونسل بھی ہے ۔ جو مالکوں اور مزدوروں کے درمیان رابطہ اتحاد و یگانگت قائم کرنے اور صنعت کو ترقی دینے اور فریقین کے جھگڑے طے کرنے کے کام میں لگی رہتی ہے ،

ہندوستان کے طباعتی کام کی شکلیں میں درخشاں سمجھتا ہوں ۔ اگر یہاں بھی اسی تنظیم سے کام لیا جائے ۔ جو انگلستان میں میں دیکھ رہا ہوں ۔ تو یہاں بھی بہت کچھ ترقی ہو سکتی ہے ۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں طباعتی کام کرنے والوں کی ایک منظم مرکزی جمعیتہ قائم کرنی چاہیئے جس کا مقصد ہو :

(۱) سب کے لئے یکساں دلچسپی پیدا کرنے والے تجارتی و صنعتی امور اور مشکلات پر باہمی غور و فکر ۔

(۲) صنعت میں کام کرنے والے مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ کی تدابیر اختیار کرنا تاکہ تعلیمیافتہ لوگوں کے لئے یہ صنعت کشش کا باعث بن سکے

(۳) شاگرد بنانے کے لئے عملی تعلیم کی تربیت گاہوں کا قیام

یہ کہنے کے بعد میں امید کرتا ہوں اور یہ امید کچھ زیادہ غیر متوقع امید نہ ہو گی ، کہ ہمارے بڑے اور آگے بڑھے ہوئے بزرگان صنعت اس معاملہ میں آگے بڑھیں ، اور ایک ایسی جمعیتہ کی بنیاد ڈالیں ۔ تاکہ ہندوستان میں طباعت کی صنعت ایک نئی کروٹ لے ، اور یہاں کی صنعت و تجارت اور تعلیم و تمدن کی عمومی ترقی و انقلاب میں طباعت جو حصّہ لے سکتی ہے وہ حسن و خوبی بطور احسن انجام دے سکے ۔

غذا کب اور کیونکر کھائیں

(از حکیم عبدالرحیم رحمانی جلال آباد ضلع مظفر نگر)

جس چیز سے جسم کی پرورش ہو سکے وہ غذا کہلاتی ہے۔ رات دن محنت و مشقت کرنے سے ہمارے جسم کے بعض اجزا کم ہوتے رہتے ہیں۔ ان اجزا کی کمی کو پورا کرنے کے لئے غذا کا استعمال ضروری ہے۔ ہماری جسمانی عمارت کی مضبوطی و پختگی کا مدار غذا پر ہے۔ چنانچہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اگر کسی کو متواتر کئی روز تک کھانے کو نہ دیا جائے تو وہ کمزور و لاغر ہو جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ کمزوری و لاغری اس حد تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے۔ اور اگر غذا قوت بخش نہ ہو یا مقدار میں اعتدال سے زیادہ کھائی جائے یا کھانے کے مقررہ اوقات میں احتیاط نہ برتیں۔ تو بھی ایسی غذا سے جسم کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ بجائے فائدہ کے بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اور جسمانی عمارت کو پختہ و مضبوط کرنے کی جگہ متزلزل کر دیتی ہے۔ اور مختلف بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور یہی غذا جو جسم و زندگی کی حفاظت و بقا کا سرچشمہ ہے۔ زہر ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ حکیم بقراط کا مقولہ ہے کہ بعض مرتبہ کھانا کھانے سے ایسا نقصان ہو جاتا ہے جیسے کہ زہر قاتل سے اس لئے بہت احتیاط سے کھانا چاہیئے۔ نیز اسی حکیم کا قول ہے کہ ہم جینے کے لئے کھاتے ہیں اور اس لئے نہیں جیتے کہ کھاتے رہیں۔

موجودہ زمانہ میں تمام متمدن ممالک غذا کی تحقیق میں لگے ہوئے ہیں۔ اور متواتر تجربات سے یہ ثابت ہو گیا ہے۔ کہ اگر غذا عمدہ و قوت بخش ہو اور اوقات مقررہ پر کھائی جائے تو انسان کو بہت سے امراض سے نجات مل سکتی ہے اور دواؤں کا استعمال کم ہو سکتا ہے۔

ہندوستان تمام دنیا میں سب سے زیادہ غریب ملک ہے اس لئے یہاں اس کی سخت ضرورت ہے۔ کہ اس ملک کا ہر باشندہ غذا کھانے کے قواعد و اصول سے واقف ہو تاکہ جسمانی و دماغی طاقت خرچ کر کے تنور شکم کے لئے ایندھن جو وہ پیدا کرتے ہیں۔ اس سے پورے طور پر فائدہ اٹھا سکیں۔ اور محنت کا صلہ اچھی قیمت پر مل سکے۔

کب کھائیں ایک عربی حکیم کا قول ہے۔ کہ جب بھوک لگے تب کھانا کھاؤ۔ ایسا ہی حکیم بقراط کا مقولہ ہے۔ کہ جب تک اچھی طرح بھوک نہ لگے۔ ہرگز نہ کھاؤ اور تھوڑی خواہش باقی ہو کہ کھانا چھوڑ دو۔ یونانی حکیم جالینوس کہتا ہے۔ کہ فرحت اور خوشی کی حالت میں کھانا کھانا چاہیئے، کیونکہ خوشی و مسرت غذا کو ہضم کرنے اور جزو بدن بنانے میں بہت مدد دیتی ہے۔ اور رنج و غم کی کیفیت غذا کو جزو بدن نہیں بننے دیتی ہے۔ فکر و غم کی حالت میں کھانا کھانے سے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔ کھانے کے اوقات مقرر ہونے چاہئیں، وقت بے وقت ناپ شناپ کھانے کی عادت نہیں ہونی چاہیئے۔ اس طریقے سے غذا نہ پورے طور پر ہضم ہوتی ہے اور نہ جزو بدن بنتی ہے۔ چونکہ عمر، موسم، ملکی آب و ہوا، حیثیت اور عادت وغیرہ کے ساتھ غذا اور اوقات غذا کا خاص تعلق ہے۔ اس لئے ہر شخص کے لئے غذا کے کوئی خاص اوقات تو مقرر نہیں کئے جا سکتے ہیں۔ مگر چونکہ غذا کی مقدار اور اوقات کا انحصار زیادہ تر عادت اور تربیت پر ہے۔ اس لئے ہر شخص کو اپنی حیثیت اور عادت کے موافق غذا کے اوقات معین کرنے چاہئیں، عام طور پر بچوں کو ہر تین گھنٹے کے بعد جوانوں کو پانچ گھنٹے کے بعد خوراک کھانی چاہیئے۔ کمزور اور بیمار اشخاص کو پیٹ بھر کر نہ کھانا چاہیئے۔ بلکہ ہر دو تین گھنٹہ کے بعد تھوڑی مقدار میں ہلکی اور زود ہضم غذا کھانی چاہیئے۔

کیونکر کھائیں:۔ کھانا خوشنما، خوشبودار، خوش ذائقہ اور اچھی طرح پکا ہوا ہو۔ کھانے سے پہلے ہاتھوں کو ضرور دھو لینا چاہیئے، ناخن ترشے ہوئے ہوں۔ موسم گرما میں کھانے سے پہلے غسل کرنا بھی مفید ہے۔ کھانا آہستہ آہستہ کھائیں۔ مگر نہ تو اتنا آہستہ آہستہ کھائیں کہ ایک وقت کے کھانے میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہو جائے اور نہ اس قدر جلدی کریں کہ دانتوں کا کام معدہ کو کرنا پڑے، اوسطاً پندرہ بیس منٹ میں کھانا ختم کر دینا چاہیئے، جب نوالہ منہ میں جائے۔ تو خوب چبا کر نگلیں، تاکہ لعاب دہن غذا سے بخوبی مل جائے، کیونکہ لعاب دہن غذا کو زود ہضم بنا دیتا ہے کھانے کے درمیان تھوڑا بہت پانی ضرور پینا چاہیئے۔ البتہ کھانے سے پہلے پانی نہ پئیں۔ زیادہ سرد پانی بھی کھانے کے ساتھ پینا مضر ہے۔ کھانا پیٹ بھر کر نہ کھانا چاہیئے۔ کھانے کی جگہ پاک و صاف اور ہوادار ہونی چاہیئے۔ ایسی جگہ پر کھانا نہ کھائیں جو طبیعت کو ناگوار ہو۔ ٹوٹے پھوٹے اور میلے برتنوں میں نہ کھانا چاہیئے، غذا کے اجزا جس قدر مختصر ہونگے وہ اتنی ہی مفید ہوگی۔ کیونکہ مختلف اقسام کے کھانوں میں بعض ثقیل اور بعض لطیف غذائیں ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ کھانا دیر ہضم ہوتا ہے۔ متواتر اور مسلسل ایک ہی قسم کی غذا نہ کھائیں بلکہ اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق روزانہ مختلف قسم کی غذائیں تبدیل کر کے کھاتے رہنا چاہیئے، غذا میں مصالحوں کا اضافہ ضروری ہے۔ مگر اعتدال سے زیادہ نہ ہوں کیونکہ بہت زیادہ اور تیز مصالحے ڈالنے سے بھی غذا دیر ہضم ہو جاتی ہے۔ کھانا پکانے کے برتن صاف ہوں۔ اور تانبے کے برتن قلعی دار ہوں۔ قلعی میں سیسہ وغیرہ ملا ہوا ہو۔ جن برتنوں میں کھانا کھائیں وہ صاف اور خوشنما ہوں۔ اگر ڈھاک یا کسی اور درخت کے پتوں پر کھائیں تو پہلے ان پتوں کو دھو لینا چاہیئے جب غذا کی طرف رغبت نہ ہو۔ اس کو نہ کھائیں۔ جب پھل بیٹھے ہوں۔ وہ بھی مضر صحت ہے۔ کھانے کے فوراً بعد غسل کرنا بھی ہاضمہ میں فتور ڈالتا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد کوئی دماغی جسمانی محنت نہ کرنی چاہیئے۔ اور نہ کھانا کھاتے وقت کوئی

(اگلے صفحہ پر)

رابندر ناتھ ٹیگور

از مسٹر کیلاش ناتھ نیو کیمبرج اسکول دہلی

رابندر ناتھ ٹیگور آج مشرق و مغرب کے مسلمہ شاعر مانے جاتے ہیں۔ آپ کی شاعری قومیت اور سیاست کی تبلیغ سے متعلق ہے۔ آپ کی شاعری جذبہ شوق کی ایک تصویر ہے۔ اس جذبہ شوق نے مضامین [illegible] کیا ہے۔ حالی کی مسدس نے کبھی وہ یا مذہب۔ اقبال کے اشعار نے تمام سماع لذت کش نے جوش ضرور دلایا لیکن ٹیگور کی نثر نے ترجمانوں کے معتقدات سیاسی و مذہبی میں تزلزل پیدا کر کے ایک شور برپا کر دیا اور رنگ دکھایا۔

کوئی شاعر سچا شاعرانہ خیال اس وقت تک ادا کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا جب تک وہ جذبات میں ڈوب کر شعر نہ کہے جس طرح کہ عشق کی مثال کو بھی طرح ادا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ ان احوال تپش کو اپنے دل پر طاری نہ کرے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر شاعر کو مجنوں بھی ہونا چاہیئے بلکہ یہ کہ اس کے احوال و مدرکات میں ایسی فطری کیفیت ہونا ضروری ہے کہ مقامات عشق سے اگر خود نہ [illegible] تو کم از کم وہ انہیں مقامات سے لذت اندوز ہو سکتا ہے۔ یہی وہ خصوصیت ہے جس کی موجودگی میں رابندر ناتھ ٹیگور کو فطری شاعر سمجھنے پر مجبور کرتی ہے!

ڈاکٹر ٹیگور کی پیدائش کا فخر کلکتہ کو حاصل ہے۔ ایام طفلی میں آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اس صدمہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ والدہ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد آپ خدا ہی کو اپنا مونس و غمخوار سمجھنے لگے تھے۔ آپ کے لئے بچپن کا زمانہ عقل و ہوش کی دنیا میں دل و دماغ کا سرمایہ نیچر کی رنگینی چمن کی گل گشتوں اور مظاہر عالم کی خوشنما سیرگاہوں کے مطالعہ میں صرف ہوا۔ آسمان پر اٹھے ہوئے بادل باد بہاری کے روح بخش جھونکے آپ کے لئے پیغام لاتے تھے۔ اس نے بچپن کے کمسن کومل زندگی کو قدرتی شاعری کا بحر بیکراں بنا ڈالا۔ چنانچہ اسی زندگی میں آپ کی آئندہ والی عظمت کے تصدق کی بنیاد پڑی۔

۱۸۷۸ء میں جب آپ صرف اٹھارہ سال کے تھے آپ نے اپنی پہلی کتاب بنگالی نظموں کی لکھی۔ اس میں طلوع صبح اور غروب آفتاب کی تعبیر جذبہ طبیعت سے بھرپور تھیں۔ دن بدن آپ کی نیچر کی محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔ ۲۲ برس کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی۔ اور شادی ہوتے ہی آپ اپنے والد کے حکم کے بموجب ان کی جائداد کی دیکھ بھال کے لئے چلے گئے لیکن یہاں پر بھی بنگالی ڈرامے اور نظمیں لکھیں اور ساتھ ساتھ ان کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور نئی صبح اور پر جوش ترجمانی کی کہ تمام دنیا میں کم از کم ایک صدی کی شاعرانہ صدا ان کو نیچا دکھا دیا۔ اگر ساری دنیا کو موقع نہ ملا ہو تو ٹیگور کی آواز سنے یہ دنیا کا قصور ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور کا نہیں۔ ان کے خیالات کو کرۂ ارض کے تمام دفاتر ادب کے لئے سرمایۂ ناز ہو سکتے ہیں۔

گیتانجلی کے سلسلہ میں آپ کو نوبل پرائز NOBEL PRIZE [illegible]

[illegible] زمانوں اور چھوٹی چھوٹی دلچسپ کہانیوں کے علاوہ آپ نے شانتی نکیتن میں بڑا اسکول قائم کیا۔ جہاں ہندوستان اور دنیا کے بہترین تعلیم یافتہ لوگ وہاں کے طالب علموں کو پڑھاتے ہیں۔ رابندر ناتھ ٹیگور صرف ایک شاعر ہی نہیں بلکہ سچے محب وطن ہیں۔ آپ اپنے وطن سے محبت کرتے اور لوگوں کے دلوں میں محبت ڈالنا چاہتے ہیں۔ آپ کی بات وہ ہیں جو نہایت قیمتی اور اعلیٰ خیالات میں سکھاتے ہیں۔

رابندر ناتھ ٹیگور کی وجہ سے ہندوستان کی شاعری میں زندگی ہے۔ آپ کے لطائف علوم و فنون وجذبہ شوق سے فی زمانہ آپ کے قول ضرب المثال کے درجہ پر پہونچ گئے ہیں اور جوں جوں زمانہ گذرے گا آپ کی شہرت عام ہو جائے گی اور دن دونی رات چوگنی ترقی کرے گی۔

(پچھلے صفحے سے)

کتاب یا اخبار پڑھنا چاہیئے۔ البتہ خوشگوار اور دلچسپ گفتگو کرنا اور گانا وغیرہ سننا مفید صحت ہیں۔ کھانے کے بعد تفریح ضرور کرنی چاہیئے۔ خصوصاً جن اشخاص کا ہاضمہ خراب ہو کر دو رہا ان کے لئے کھانے کے بعد تفریح بہت مفید ہے۔ صبح یا دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہمیشہ دس پندرہ منٹ آرام کرنا چاہیئے۔ کھانا کھاتے ہی فوراً نہ سونا چاہیئے۔ بالخصوص رات کا کھانا کھا کر اسی وقت نہ سوئیں۔ کیونکہ سونے کی حالت میں معدہ اپنا فعل باقاعدہ انجام نہیں دیتا ہے۔ اسی وجہ سے رات کو خوفناک خواب نظر آتے ہیں لہذا آخری کھانا کھانے کے تین گھنٹے بعد سونا چاہیئے۔ ماہر ڈاکٹروں کا اس پر اتفاق ہے کہ جو غذا با افراط اور مزے لے کر کھائی جاتی ہے۔ وہ جلد ہضم ہو جاتی ہے۔ کھانے کے وقت شراب نہ پینا چاہیئے کیونکہ اس سے جو بھوک معلوم ہوتی ہے وہ جھوٹی ہوتی ہے اور جو غذا کھائی جاتی ہے وہ صحیح طور پر ہضم نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں شراب کے استعمال سے معدہ کی رطوبت ہاضمہ کی پیدائش بھی کم ہو جاتی ہے۔ کھٹی ڈکاریں، نفخ شکم، دستہاں یا قبض کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے گو بعض اصحاب کا یہ خیال ہے کہ مناسب مقدار میں شراب پینے سے بھوک خوب لگتی ہے، اور کھانا بھی خوب ہضم ہوتا ہے مگر یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ انجام کار شراب کے اثرات سے معدہ کمزور اور قوت ہضم خراب و ناقص ہو کر اور معدہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ کہ جب تک شراب پی جائے تو بھوک نہیں لگتی ہے۔ علاوہ ازیں شراب کے استعمال میں احتیاط و اعتدال کا خیال رکھنا ناممکن ہے۔ پس شراب کا استعمال ہر طرح نقصان رساں اور [illegible] ہے۔ صحت و تندرستی کے خواہشمند اصحاب کو اس شراب خانہ خراب کو قطعی منہ نہ لگانا چاہیئے کیونکہ یہ چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

ڈرامہ
جذبات کی دنیا

(از جناب لالہ انوپ چند آفتاب رئیس پانی پت)

(خاص نیرنگِ خیال کے لئے)

بسلسلہ گزشتہ

گزشتہ قسطوں کا خلاصہ

سراشٹ کے بانی تیج سنگھ کو کرم ویر سنگھ دانی ریاست دھرم گڑھ اپنی پناہ میں لے لیتا ہے جس سے سراشٹ دھرم گڑھ پر حملہ کر دیتا ہے۔ کرم ویر سنگھ کا میگزین افسر سراشٹ سے مل جاتا ہے۔ اس وقت کرم ویر سنگھ کو کمزوری کا احساس ہوتا ہے مگر بھارت کی سچی ویر کستر انی اس کی ہمت افزائی کرتی ہے اور اپنی بہادری کا آدرش دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے

تیسرا ایکٹ

پہلا سین: دربار کرم ویر سنگھ

گانا ——— سہیلیاں

تری مایا کا انت نہ پایا

باغ میں تو نے ثمر لگائے ۔۔۔ گلشن تو نے پھول کھلائے

اور پھر اس سے باغ جلایا

تری مایا کا

خوشی سے کھیلتی ہنستی بہار آتی ہے

قدم قدم پہ تماشا نیا، دکھاتی ہے

کلی کلی دلِ بے کل کی مسکراتی ہے

چمن میں شاخِ تمنا بھی لہلہاتی ہے

تری مایا کا

——— (سہیلیوں کا گا کر جانا) ———

(سرداروں کا کیسری لباس میں جنگ کے لئے تیار نظر آنا)

کرم ویر سنگھ:۔ سردارو! راجپوتوں کی زندگی صرف حکومت کے لئے نہیں ہوتی، بلکہ پرجا کی خدمت میں اپنا خون بھی بہانا پڑتا ہے۔ مصیبتوں کا جھیلنا تلواروں پر کھیلنا مبارک سمجھا جاتا ہے، دشمن ہماری تاک میں بیٹھے ہوئے طرح طرح کے منصوبے باندھ رہے ہیں۔

پردھان:۔ اگر اس وقت آپ نے حوصلہ کھایا تو سمجھ لیجئے کہ پھر یہ موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ ہم کبھی خیال بھی نہیں کر سکتے کہ آپ نے ہمت ہاری ہو، تو غلامی کی بیڑیاں ہمیشہ کے لئے ہمارے پاؤں میں پڑ جائیں گی، دیو استھانوں کو توڑا جائے گا۔ سارا دھرم گڑھ ملیا میٹ کیا جائے گا، جہاں آج سُندر نینوں کے نشانات نظر آتے ہیں وہاں الّسن، ماؤں کی بد گوتے گی۔ بہو بیٹیوں کی آبرو بچانی مشکل ہو جائے گی۔ ہزار ہا ایسی باتیں دیکھنی پڑیں گی جن کی یاد سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پیارے سورماؤ! ہار جیت پرماتما کے ہاتھ ہے لیکن اب تمہارا کام ہے، سینوں پر تلوار چلوا لو، تلواروں سے گردنیں تسلیم کروا لو، مگر راجپوتی آن پر آنچ نہ آنے دو، جو ہمیشہ سورماؤں کے لہو سے بچائی گئی ہے۔

مردوں کی طرح آن پہ مرنا ہے مبارک

تلواروں کے سایہ میں گزرنا ہے مبارک

کرم ویر سنگھ:۔ بہادرو مجھے ذرا بھی مرنے کا خیال ہوتا ہے۔ وہ آپت کال میں پرجا کی حفاظت دھرم سمجھتا ہے

سردار ۴:۔ جب تک ہمارے ہاتھوں میں خنجر رہیں گے، جب تک ہمارے شانوں پر سر رہیں گے، ہم لڑیں گے اور مریں گے، لیکن کبھی دشمنوں کی خواہش پوری نہ ہونے دیں گے۔

کرم ویر سنگھ:۔ معلوم ہوتا ہے آپ اپنی آن پر قائم رہیں گے

سردار ۵:۔ ہم آپ کی سیوا سے منہ نہ موڑیں گے، مرتے دم تک راجپوتی دھرم نہ چھوڑیں گے۔

کرم ویر سنگھ:۔ میں پھر کہتا ہوں، سورماؤ، اب وہ وقت آ پہنچا ہے جس کے لئے راجپوتوں کا جنم ہوتا ہے، جو سر تسلیم کرانے کے لئے تیار ہوں۔ جو مرد میدان ہوں جن کی رگوں میں رام اور کرشن کا خون رواں ہے جن کے دل میں دھرم پر مرنے کا ارمان ہے۔ جن سورماؤں کی پرجا کے لئے جان ہے۔ جو زندگی اور موت کی قید سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ جو سچے بہادر کہلانا چاہتے ہیں وہ یہاں موجود ہیں اور جن کو دنیا سے پریم ہے وہ ابھی خوشی سے چلے جائیں۔

سردار ۶:۔ ہم سب فنا ہو جائیں گے مگر کبھی میدان سے جی نہ چرائیں گے۔ ہمارے دل دنیا سے بھر چکے ہیں۔ اب نہ ہمیں کسی سے پریم ہے نہ کسی بات کی تمنا ہے۔ بس اگر کوئی خواہش ہے تو وہی ہے کہ آپ کی سیوا کرتے کرتے جان نثار کریں۔

سردار نمبر ۵:۔ دھرم پر بلیدان ہونا ہر نصیب نہیں ہوتا۔ ہم اس وقت کو مبارک سمجھتے ہیں۔ اس لئے تمام راجپوت مرنے مارنے کو تیار ہیں۔ آپ کے ایک اشارے پر خون کی نہریں بہا دیں گے، اور دشمنوں کو اچھی طرح دکھا دیں گے کہ راجپوتوں کے بازوؤں میں کس قدر زور ہوتا ہے۔

چلتی ہو چمکتی ہوئی تلوار گلے پر

میدان میں انبار ہوں لاشوں کے سراسر

ہنس ہنس کے ہوا فرد بلیدان کریں گے

خنجر کی قسم آپ کے قدموں پہ مریں گے،

کرم ویر سنگھ:۔ شاباش میرے سورماؤ! تم حقیقت میں سچے وفادار ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ دشمنوں کا کھلے میدان میں مقابلہ کرو گے یا قلعہ کی مورچہ بندی سے کام لو گے؟

سب:۔ (با آواز بلند) کھلے میدان میں۔

(سب کا جانا)

دوسرا سین: میدان جنگ

(دونوں طرف کی فوجوں کا لڑتے ہوئے آنا)

ظالم سنگھ:۔ (اپنی فوجوں کو گھبرائی ہوئی دیکھ کر وزیر سے) تم آگے جاؤ اور جوانوں کا حوصلہ بڑھاؤ۔

وزیر:۔ بہت اچھا (آگے بڑھ کر) بانکے سورماؤ! راجپوتوں سے گھبراتے ہو، مچھروں اور پسّوؤں سے خوف کھاتے ہو، دل کھول کر میدان میں ہاتھ دکھاؤ، بہادروں کی طرح راجپوتوں کا خون بہاؤ۔

(زبردست لڑائی ہونا)

ظالم سنگھ:۔ (با آواز بلند) جو سورما تیج سنگھ کو زندہ گرفتار کرے گا اسے بہت بڑا انعام دیا جائے گا۔

(سرداروں کا خوب جوش و خروش کے ساتھ مقابلہ کرنا)

تیج سنگھ:۔ (کرم ویر سنگھ کے پاس آ کر) شری مان نے میرے لئے چکرورتی راجہ سے جھگڑا مول لیا ہے اور اپنے راج پاٹ کو خطرے میں ڈال دیا ہے دل چاہتا ہے کہ آپ کے قدموں پر سر نثار کر دوں، دشمنوں کی لاشوں سے میدان بھر دوں۔

(تیج سنگھ کا زبردست ہاتھ دکھانا۔ ظالم سنگھ کی فوج کا گھبرانا)

(ظالم سنگھ کے پاس آ کر) جس کے لئے جنگ و جدل ہوا جس کے لئے راجپوتوں پر تلوار اٹھائی، جس کے لئے ہزاروں سورماؤں کا خون بہایا گیا وہ گرفتار نہ ہوا۔ اب وہ خود سامنے سینہ سپر کھڑا ہے ؎

للکارتا ہے تو جو نہ ملنے کو باہم

طاقت اگر ہے تجھ میں دکھا دستِ ستم شعلہ

دشمن کھڑا ہے سامنے اب وقت کارزار

دیکھوں تو کس صفائی سے کرتا ہے مجھ پہ وار

ظالم سنگھ:۔ (غضبناک ہو کر) جو سورما تیج سنگھ کو گرفتار کرے گا اسے تیس ہزار روپے کی جاگیر کا انعام ملے گا۔

وزیر:۔ (جوش میں آکر) سورماؤ! کیا دیکھتے ہو ذرا ہمت دکھاؤ۔ اس بدمعاش کو پکڑ لو!

تیج سنگھ:۔ (کرم ویر سنگھ کی جے بولکر) بہادرو! خوب تلوار چلاؤ!

(کرم ویر سنگھ کی فوجوں کا نعرے بلند کرنا۔ زبردست جنگ ہونا۔ ظالم سنگھ کی فوجوں کا گھبرانا)

ظالم سنگھ:۔ (آگے بڑھ کر) جوانو! حوصلہ نہ چھوڑو، بہادروں کی طرح ہمت سے کام کرو، یہ نمک حرام بچ کر کہاں جا سکتا ہے؟

[تیج سنگھ اور ظالم سنگھ کی فوجوں کا زبردست مقابلہ ہونا۔ ظالم سنگھ کے جوانوں کا گھبرانا۔ وزیر کا قتل ہونا۔ تیج سنگھ کا تعاقب کرنا اور دشمن کا جھنڈا چھین کر کرم ویر سنگھ کی خدمت میں پیش کرنا]

تیج سنگھ:۔ (سر جھکا کر) اے سچے رگھو کل بھوشن، ہند کل دیپک، دین دکھیوں کے طرفدار، غریب سنسار کے مددگار، ستم زدگان کے آدھار، اپنے عیش و آرام کو چھوڑ کر مجھ مظلوم کے لئے آپ نے سب کچھ نثار کر دیا۔ اپنے راج پاٹ کا بھی کوئی خیال نہ کیا (آنکھوں میں آنسو بھر کر) شری مان نے مجھ پر وہ احسان کیا ہے جو مرنے پر بھی یاد رہے گا!

کرم ویر سنگھ:۔ پیارے سورماؤ کوئی خیال نہ کرو، استقلال سے کام لو۔

تیج سنگھ:۔ (پریم کے آنسو بہا کر) پرماتما کرے اگر میں دوبارہ جنم لوں تو پھر بھی آپ کے قدموں میں رہوں

کرم ویر سنگھ:۔ مرنا جینا، رنج و راحت دنیا کا اصول ہے۔ اس کی فکر بالکل فضول ہے،

تیج سنگھ:۔ مجھے مرنے جینے کی فکر نہیں لیکن افسوس، یہ راجپوت شری مان کی کوئی سیوا نہ کر سکا۔

ہو اگر آپ کے چرنوں پہ نچھاور تن من

ہو اگر آپ کی سیوا میں مری جاں ارپن

آپ کے واسطے گر جان فنا بھی کر دوں

بارِ احساں سے مگر اٹھ نہیں سکتی گردن

کرم ویر سنگھ:۔ دلاور تیج سنگھ، میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ جو کچھ کیا اپنا فرض پورا کیا کوئی فکر نہ کرو، دشمن کو ہاتھ دکھلائے جاؤ۔

گبرو:۔ بہادر تیج سنگھ، میرے سامنے آ اور اپنی تلوار کے جوہر دکھا۔

[(تیج سنگھ کا پرے کے پرے صاف کرنا)
(ظالم سنگھ کی طرف سے صلح کا جھنڈا بلند ہونا)]

ظالم سنگھ:۔ او دلاور تیج سنگھ، میں تیری بہادری کی تعریف کرتا ہوں۔ کہ جب سے تو مجھ سے الگ ہوا ہے میرے سامنے آج تک سر نہ جھکایا، خوش ہو کر اب تو میرے پاس آ۔ میں تیرے سب قصور معاف کر دونگا اور بڑا بھاری پرگنہ انعام دوں گا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

تیج سنگھ۔ (نہایت جوش سے) کیا کہا! پگڑی کے لالچ میں ہم کیسے آ سکتے ہیں۔ کیا میں کرم سنگھ جیسے سورما کے احسان بھول جاؤں اور آپ کے پاس چلا آؤں؟ جب تک میرے جسم میں ایک بوند بھی خون ہے گا تیج سنگھ سے کبھی ایسا نہ ہوگا۔ یاد رکھو اگر میں مر کر پھر جنم لوں تو پھر بھی آپ کے پاس تک نہ پھٹکوں۔

گیرو۔ (تیج سنگھ سے) ان فضول باتوں سے فائدہ ہی کیا ہو گا۔ جو ہونا ہے وہ ضرور ہوگا۔ اگر بازوؤں میں طاقت ہے تو میدان میں ہاتھ دکھاؤ۔

تیج سنگھ۔ (خنجر سنبھال کر) اچھا آؤ۔

(خوفناک جنگ ہونا۔ تیج سنگھ کا زخمی ہو کر گرنا)

ظالم سنگھ۔ (تیج سنگھ کے پاس آ کر) کیوں او مغرور تیج سنگھ کیا حال ہے؟

تیج سنگھ۔ (آنکھیں کھول کر خود بخود) کمال ہے (ظالم سنگھ سے) میں سورماؤں کی طرح میدان جنگ میں زخمی ہوا۔ مرتے مرتے سینکڑوں کو مٹا دیا۔ وہ راجپوت بڑا خوش نصیب ہوتا ہے۔ جو میدان جنگ میں تلوار کے گھاٹ اترتا ہے۔ ؎

میدان میں سر اپنا کٹاتے ہیں دلاور
شیروں کی طرح خون بہاتے ہیں دلاور
مرتے ہیں تو مرنے کا ذرا غم نہیں کرتے
ہاتھوں میں اگر تیغ اٹھاتے ہیں دلاور

ظالم سنگھ۔ تیرے سبب میدان جنگ گرم ہوا ہزاروں بہادروں کا خون بہ گیا۔

تیج سنگھ۔ اس میں میرا قصور نہیں۔ جو کچھ ہوا۔ آپ کی مہربانی سے ہوا۔

ظالم سنگھ۔ اگر تیرا علاج کرایا جائے۔ تو تو ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔

تیج سنگھ۔ اگر میں زندہ رہا تو میں آپ کا کام تمام کر دوں گا اور آپ کے تخت پر کرم سنگھ کو بٹھا دوں گا۔

ظالم سنگھ۔ او بے ایمان! کرم سنگھ (پاس آ کر) شیطان!

(ظالم سنگھ تیج سنگھ کے سینہ میں خنجر بھونکنا چاہتا ہے کرم سنگھ خنجر چھین لیتا ہے۔ ظالم سنگھ ڈر کر بھاگتا ہے)

تیسرا سین — ڈیرہ کرم سنگھ

(ایک طرف سے کرم سنگھ کا آنا۔ دوسری طرف سے پیامبر)

کرم سنگھ۔ (پیامبر سے) ان سے جا کر کہہ دو کہ اب ہستی نہیں ہے۔ ہزاروں جاں نثاروں کا خون بہ چکا۔ بس! اب تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔

پیامبر۔ (ہاتھ جوڑ کر) بہت اچھا شریمان۔

(پیامبر کا جانا بھوج راج کا آنا)

بھوج راج۔ (ہاتھ جوڑ کر) سیوک کو حکم فرمایئے کہ میدان جنگ میں جا کر اپنے جوہر دکھائے۔

کرم سنگھ۔ پیارے سورما! دھرم کی ہمیشہ حفاظت کرتے رہو۔

بھوج راج۔ شریمان کا حکم سر آنکھوں پر۔ دشمنوں سے جنگ ہوتے ہوئے بارہ سال کا عرصہ گزر چکا مگر مجھے آج تک خدمت کا موقع نصیب نہ ہوا۔ اب میری دلی تمنا ہے۔ کہ میدان میں جا کر تلوار کے خوب ہاتھ دکھاؤں۔ اور آپ کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہاؤں۔

کرم سنگھ۔ میرے سچے جاں نثار شاباش

بھوج راج۔ میں نے جب سے جنم لیا۔ ہمیشہ آپ کا نمک کھایا۔ مگر کبھی خدمت کا موقع نہ ملا۔ اب آپ مجھے مجبور نہ کریں۔ دشمنوں کے مقابلہ پر جانے دیں۔ ؎

ہے دل میں آج تیغ اٹھانے کی آرزو
غیروں کے تیر سینہ پہ کھانے کی آرزو

کرم سنگھ۔ (خوش ہو کر) اچھا پیارے سورما! جاؤ۔ دل کھول کر تلوار کے ہاتھ دکھاؤ۔

(بھوج راج کا جانا)

چوتھا سین — میدان جنگ

(دونوں طرف کی فوجوں کا آ کر تلوار کے ہاتھ دکھانا آخر کار بھوج راج اور ظالم سنگھ کے مشہور سردار شیر سنگھ کا سخت مقابلہ ہونا۔ بھوج راج کا سر کٹنا اور گرتے گرتے شیر سنگھ کا کام تمام کرنا)

کرم سنگھ۔ (بھوج راج کے پاس آ کر) شاباش میرے سچے سورما شاباش! تو نے اپنا کام پورا کیا۔

(ظالم سنگھ کی فوجوں کا بھاگنا)

ظالم سنگھ۔ بیوقوفو! میدان سے بھاگتے ہو۔

(ظالم سنگھ کی فوجوں کا جوش میں آ کر جنگ کرنا کرم سنگھ کے بہادروں کا بہت ہاتھ دکھانا ظالم سنگھ کے سپاہیوں کا بھاگنا۔ کرم سنگھ کے سرداروں کا ظالم سنگھ کو گرفتار کر کے لیجانا)

(جانا سب کا)

پانچواں سین — محل

(کرم سنگھ کی دھرم پتنی کا آنا)

دھرم پتنی کرم سنگھ۔ (گھبرا کر) پیاری بہنو! دشمنوں کے بڑھتے ہوئے مخالفوں کا جھنڈا لہراتا ہوا نظر آتا ہے۔

دیوی نمبر ۱۔ (گھبرا کر) ہیں! ایشور یہ کیا ماجرا ہے؟ کیا آج غریبوں کا مددگار بیکسوں کا طرفدار۔ اناتھوں کا آدھار دنیا سے اٹھ گیا۔

دیوی نمبر ۲۔ ہائے غضب ہوا۔

دیوی نمبر ۳۔ کیا سوچتی ہو۔ اپنا دھرم پالن کرو۔

(آنا دیوی نمبر ۴)

دیوی نمبر ۴۔ گھبراؤ نہیں ہماری فتح ہوئی ہے۔

سب۔ (حیرت سے) ہیں! کیا ہماری فتح ہوئی ہے۔

دیوی نمبر ۴۔ (نہایت خوش ہو کر) ہاں

(سب کا جانا اور سین تبدیل ہونا)

ظالم سنگھ۔ ؎ بات انجام ستم کی نہیں میں نے جانی
اب ہوا جاتا ہوں میں شرم سے پانی پانی

پردھان۔ (آنکھ بدل کر) اب کیسی پشیمانی؟ کیا وہ بے گناہ مظلوموں کا خون بہانا اور ایک آنسو بھی نہ گرانا؟

ظالم سنگھ۔ (خود بخود) آہ پشیمانی! پشیمانی!

(کرم سنگھ کے قدموں میں اپنا تاج ڈال کر) مجھے معاف کرو۔

کرم سنگھ۔ سورماؤ! جاؤ۔ اسے جیل کی ہوا کھلاؤ۔

(سپاہیوں کا ظالم سنگھ کو لیجانا۔ کرم سنگھ کا تاج ... کو دینا۔ تیج سنگھ کا کرم سنگھ کے بیٹے کے سر پر رکھنا)

(گانا سب — گھانا نمبر ۲۴)

ہو یہ سماں پھر آج مبارک تم کو اب ادھیراج
منگل گائیں خوشیاں منائیں مل جل سارے آج
ہو یہ سماں ......

ختم شد

بادۂ مشرق پر ایک نظر

(از جناب ابوالفاضل راز چاندپوری)

جناب ساغر نظامی موجودہ زمانہ کے ایک مشہور و کامیاب سخنور ہیں۔ انکی خوش کلامی و شیریں نوائی خاص و عام سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔ اور ملک کے ادبی حلقے ان کے کلام کی صدائے بازگشت سے ہنوز گونج رہے ہیں۔

بادۂ مشرق بظاہر کلام ساغر کا ایک دلکش مجموعہ ہے مگر باطن ایک ایسا گلزار ادب و معانی ہے جس کا ہر چمن چمن جنت نگاہ و فردوس نظر سے کسی طرح کم نہیں اور اہل نظر اس کے نظارہ سے سرور قلب و سکون خاطر حاصل کر سکتے ہیں۔

بادۂ مشرق صوری و معنوی، ہر حیثیت سے لائق صد قابل تعریف ہے۔ حسن صورت کے متعلق صرف اس قدر کہنا کافی ہوگا۔ کہ اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس شان سے شائع ہوتی ہیں۔ معنوی حیثیت کا کچھ اندازہ سطور ذیل کے مطالعہ سے کیا جا سکتا ہے۔

مسٹر سروجنی کا مقدمہ اور خواجہ حسن نظامی، مولانا سیماب اکبرآبادی، مولوی عبدالحق اور ڈاکٹر سید محمود کے دیباچے اس امر کی بین دلیل ہیں کہ بادۂ مشرق جدید اردو شاعری کا ایک بیدہ زیب دلکش مرقع ہے۔ محبت و اخوت، سیاست و مذہب اور رندی و سرمستی، غرض، ع

ہر رنگ کی شراب پیالے میں ہے بھری

اگرچہ بادۂ مشرق بلحاظ موضوع سخن مختلف ابواب پر مشتمل ہے۔ مگر اصناف سخن کے اعتبار سے اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی (۱) مسلسل منظومات (۲) رباعیات (۳) غزلیات۔

حصۂ نظم کیا ہے؟ ایک دریائے مواج ہے۔ جس کی ہر موج شورش بکنار و طوفاں در آغوش ہے۔ حب وطن، جوش آزادی اور اصلاح قوم و ملک کا جذبہ ہر نظم میں کارفرما ہے، یا یوں کہیے کہ ہر نظم ایک خوشگوار انقلاب کی حامل ہے،

سب سے پہلی نظم آفتاب کے دو بند ملاحظہ کیجیے،

عشق کو دل سے تعلق دلکو سوز غم سے ربط ؛ فطرت عیش کو آئین کیف و کمرت ربط
ہے امل کے سینۂ ہستی کو آدم سے ربط ؛ اور شعاع آفتاب صبح کو شبنم سے ربط

آہ کیا شے ہے یہ فطرت کے تعلق کا نظام
سب اسی کا عکس ہیں، کیا روز و شب کیا صبح و شام

کس قدر حسین خیز و حقیقت آموز خیال ہے! یہ تعلق ہی تو ہے جس پر تمام کائنات ہے۔ یہ نہ ہو تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے،

غنچۂ صحن رہا اور آشیاں آزاد ہو ؛ بلبلیں آزاد ہوں گلستاں آزاد ہو
ایشیا آزاد ہو، ہندوستاں آزاد ہو ؛ پنجۂ ظلم و ستم سے کل جہاں آزاد ہو

ہم بھی ہوں آزاد تیری ہی شعاعوں کی طرح
اور دنیا میں رہیں زندہ شعاعوں کی طرح

اس بند میں جو آرزو ظاہر کی گئی ہے۔ وہ نہ صرف فطرت ساغر بلکہ فطرت انسان کی ایک غیر فانی آرزو ہے۔ کاش یہ کسی طرح پوری ہو جائے!

اب ذرا ساغر کا جوش حب وطن و سرفروشی ملاحظہ فرمائیے،

نظم ہندوستان میں ملک کی عظمت گذشتہ و شوکت رفتہ کا نقشہ کھینچنے کے بعد لسان القوم اپنے ملک کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

صبح کی رونق گئی اور شام کا جلوا گیا ؛ دامن مغرب تری رنگینیوں پر چھا گیا
سب ہیں معلوم ہو کیا رہ گیا اور کیا گیا ؛ خیر اب تک بزم میں جو آ گیا وہ آ گیا

اب یہ قدغن ہے کہ کوئی غیر آ سکتا نہیں
رنگ اپنا تیری محفل میں جما سکتا نہیں

× × × × × ×

اب ہمارے سر حاضر ہیں تیری حفاظت کیلئے ؛ اب ہمارا خون ہے تیری حمایت کیلئے
روح اپنی تیار ہے احساس غیرت کیلئے ؛ پاس لے وطن اب وقت ہے ہم تیری خدمت کیلئے

کر چکے ہیں عزم راسخ آج اپنے دل میں ہم
صدر نشیں بن کے بیٹھیں گے تیری محفل میں ہم

× × × × × ×

لوٹ سکتا ہے ہماری ہستی گلزار کون؟
ہم ابھی زندہ ہیں، ہو سکتا ہے پھر حقدار کون؟

یہی جذبۂ صادق، عزم راسخ ہندوستان کے روشن و تابناک مستقبل کا ضامن ہو سکتا ہے۔

جنگل اور گلزار ہمارے ؛ دریا اور کہسار ہمارے
کوچے اور بازار ہمارے ؛ پھول ہمارے خار ہمارے

ہر گھر، ہر میدان ہمارا
سارا ہندوستان ہمارا

× × × × × ×

مندر، مسجد اور میخانہ ؛ بادہ، ساغر اور پیمانہ
جنگل، بستی اور ویرانہ ؛ محفل اور ہر کاشانہ

ہر در، ہر ایوان ہمارا
سارا ہندوستان ہمارا

کیا ہر ہندوستانی کے دل سے، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلم۔ یہی صدا نہیں نکلتی؟

یہ تو صرف حب وطن کی صرف ایک جھلک ہے بادۂ مشرق میں بکثرت نظمیں ایسی ہیں جن میں یہی جوش و خروش موجود ہے،

سیخانۂ اقوام کے ذیل میں اقوام عالم کی حالت پر جس وقت نظر و خوش بیانی سے تبصرہ کیا گیا ہے وہ ساغر کی وسیع النظری اور بین الاقوامی حالات سے واقفیت کا ثبوت ہے۔ یہ نظم صرف پڑھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے،

ساغر مسلمان ہے۔ مگر ہندوستانی اور اس زبان کا شاعر ہے۔ جو ہندوستان کی عام زبان ہے۔ اس کو اپنے وطن سے محبت ہے اہل وطن سے محبت ہے۔ وطن کے دشت و بیاباں اور کوہ و دریا سے محبت ہے۔ اور اس کی نگاہ حق شناس قید تعین سے آزاد ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں وہ پیغمبر اسلام ناموران اسلام کا مداح ہے۔ وہاں رام و کرشن اور گوتم بھی و

نہر ہی نہیں گنگ و جمن کی تعریف میں بھی رطب اللسان ہے۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جو اردو زبان کے شعراء کے یہاں بہت کم پائی جاتی ہے۔ اور اسی بنا پر کلام ساغر مقبول خاص و عام ہے،

مسلسل نظموں کا تجزیہ کر کے اقتباسات پیش کرنا، ان کا خون کر دینے کے مرادف ہوتا ہے، نظم کی روح ہے تسلسل اور اقتباس میں یہ روح باقی نہیں رہ سکتی، لہذا اہل نظر کو بادۂ مشرق کے مطالعہ کی دعوت دے کر خاموش ہو جانا اولی ہے

ساغر کی رباعیاں بظاہر "رندی" کی تصویریں ہیں گر غور سے دیکھئے تو ان میں "خردمندی" اپنی پوری شان سے جلوہ گر ہے۔ مثلاً

نقش دیر و حرم مٹانا ہے مجھے ؛ معبد بالکل نیا بنانا ہے مجھے
کچھ بن نہ سکا یہ آدمی بنکر بھی ؛ انسان کو انسان بنانا ہے مجھے

بھر دے بھر دے سبو کو بھر دے ساقی ؛ دے آج مجھے جہاں نگر دے ساقی
امریکہ و روس ہوں کہ جاپان و فرنگ ؛ سب کو بدست عشق کر دے ساقی

جذبہ اصلاح ملک بلکہ اصلاح عالم داد طلب ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحے سے)

سرمایہ پرستی و تفریق رنگ و نسل کی حقیقت کس قدر دلکش انداز میں بیان کی ہے۔ ذرا غور سے سنئیے۔

جنگ ملک کرتا ہوا یہ ایوان حیات ؛ بھول کر سجا ہوا گلستان حیات
سب یہ ناکال ہر نفرے سرک متم ؛ یہ قصر یہ کوٹھیاں یہ ایوان حیات

ہے تیس بیاں نغمہ بیاں جنگ بیاں ؛ موجود ہی چین و طن و فرنگیاں
دیوانہ رنگ و نسل بہکانے میں آ ؛ ہر نسل بیاں ہے اور ہر رنگ بیاں

آج کل غزل مورد الزام ہے خصوصاً وہ حضرات جنکو عرف عام میں مغرب زدہ کہا جاتا ہے۔ وہ تو اس صنف سخن کے جانی دشمن ہیں لیکن غزل اپنے اختصار و ایجاز کی بدولت حیات جاوداں حاصل کر چکی ہے۔ البتہ اہل نظر نے حسب ضرورت انداز رنگ تغزل میں ترمیم کر دی ہے۔ اور اب اس کی ظاہری صورت "سخن با زنان گفتن" نہیں رہی۔ معنوی حیثیت سے بھی بہت کچھ تغیر ہو چکا ہے حقائق و معارف حکمت و فلسفہ اور درس اخلاق وغیرہ اگرچہ پہلے سے بھی غزل میں موجود تھے۔ مگر اب ان کو اور ترقی دیدی گئی ہے۔ گویا وہی افسانہ محبت ہے، وہی داستان شمع و پروانہ ہے۔ مگر داستان گو کے خیالات میں وسعت اور انداز بیان میں ندرت ہے۔ وہی راز و نیاز ہے مگر لطیف و نظیف۔ وہی رندی و سرمستی ہے مگر سنجیدگی و خرد مندی سے ہم آغوش۔ غرض جدید غزل ہر طرح مقبول ہے۔

ساغر کی غزلیات، ترقی یافتہ رنگ تغزل کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ چند اشعار حاضر ہیں۔ تشریح و توضیح کو قصداً نظر انداز کرتا ہوں تاکہ اہل نظر براہ راست ان کے کیف و اثر سے لطف اندوز ہو سکیں۔

[redacted] کوئی امام
جس پہ قربان کل جہاں نیاز ؛ ہاں ذرا مسکرا کے پھر وہ کلام

ہوا طوفان رنگ و بو کا سامان لیکر آئی ہے ؛ چمن والا بھی آ انتظام گلستان کر لیں
میں اتفاق سے منزل ... ؛ مجھے بھی ... کریں

پریشاں ہے شمع حسن خود دیوانہ ہو جائے ؛ تماشا ہو جو ساری انجمن پروانہ ہو جائے
کچھ اس ترتیب سے ... چاہتا ہوں میں ؛ کہ مذہب ... رندانہ ہو جائے

ہیں تو آپ دکھا دیں یہیں حال پنہاں ؛ جو کر سکے وہ قیامت کا انتظار کرے
مزاج پرسش ہے آج داد خواہی کا ؛ وہ اور پرسش حال گنہگار کرے

دیوانہ بناوے کبھی پروانہ بناوے ؛ ہنس ہنس کے مجھے عشق کا ہر راز بتلائے
اللہ رے اس پہلو گر ناز کے ہیں یہ ؛ سوچے گر یہ عشق ...
اب قید مراتب نہ رہی عشق میں باقی
وہ بیٹھا ہے جہاں بزم میں ساغر کو بٹھائے

یہاں مجھے اس امر کا اعتراف کرنا چاہیئے

کر بادۂ مشرق پر مجھے جو کچھ لکھنا چاہیئے تھا۔ وہ نہیں لکھ سکا۔ درحقیقت اتنی ضخیم کتاب کی ہر نظم یا کم از کم ہر بات پر ایک سرسری نظر ڈالنا بھی ایسے شخص کے لئے مشکل ہے، جو صبح سے شام تک افکار دنیا میں مبتلا رہتا ہو۔ اور اطمینان قلب و سکون دماغ کے ایک ایک لمحہ کے لئے ترستا ہو۔

بادۂ مشرق میں مختلف عنوانات پر بکثرت نظمیں ہیں۔ اور ہر نظم بہ لحاظ موضوع مکمل اور خاص معیار ... سے مطلوب ہے۔ بعض نظمیں بالکل جدید انداز کی ہیں۔ اور مقررہ اصناف سخن کی قید سے یکسر آزاد ہیں۔ مگر ان میں جوش و خروش کسی دوسری نظم سے کم نہیں۔ یہ جدت بھی اپنے اندر ایک ندرت رکھتی ہے۔

المختصر بادۂ مشرق ساغر کی آتش نوائی و شعلہ بیانی کا ایک اعلیٰ کارنامہ ہے۔ اس کو موجودہ دور انقلاب کی ایک مختصر تاریخ کہا جا سکتا ہے۔ اور اس کے مطالعہ سے درس عبرت و بصیرت اور قوت عمل حاصل کی جا سکتی ہے۔ نوجوانان ملک کو خصوصیت کیساتھ اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

ملنے کا پتہ:
تیج بک ڈپو دہلی
ادبی مرکز مکتبہ ساغریہ ...

ہفتہ کی اہم مختصر خبریں

کیمبل پور ریلوے اسٹیشن پر بارود کا کارخانہ جسے پہاڑ توڑنے میں استعمال کیا جاتا ہے، پھٹ گیا جس سے ایک درجن اشخاص ہلاک اور نصف درجن مجروح ہوئے۔ مجروحین کو مشن ہسپتال میں پہونچا دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ راولپنڈی ریلوے اسٹیشن کی بلڈنگ کو بھی جو اس ورکشاپ سے نصف میل کے فاصلہ پر ہے کافی نقصان پہونچا ہے۔

نورمبرگ (باویریا) میں ایک لاکھ سے زیادہ نازیوں کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ہر ہٹلر نے طنزیہ لہجہ میں عدم مداخلت کمیٹی کا ذکر کیا جو کہ اسپین کی لڑائی میں غیر ملکی مداخلت کو روکنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ ہر ہٹلر نے کہا کہ جرمن جنگی جہاز ڈوئچلینڈ پر روسی آبدوز کشتی کے ذریعہ حملہ کے بعد کمیٹی نے بحری مظاہرہ کرنے تک سے انکار کر دیا۔ اور ہمارے ایک جائز مطالبہ کو بھی ٹھکرا دیا۔ اس سے جرمنی پر یہ بات روشن ہوگئی ہے کہ اس سے زیادہ شدید حادثہ کی صورت میں بھی کمیٹی خاموش رہے گی۔ ہر ہٹلر نے کمیٹی کو یقین دلایا کہ جرمنی کو اس واقعہ سے جو تلخ تجربہ ہوا ہے اس کو وہ کبھی نہیں بھول سکتا!

باغیوں نے صوبہ باسکو نے لوہے کی تمام کانوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ بلباؤ پر باغیوں کے قبضہ کے بعد اسپین کے ایک کروڑ چالیس لاکھ باشندوں پر باغیوں کی حکومت ہے اور حکومت اسپین کی حکومت صرف تقریباً ۵۰ لاکھ باشندوں پر ہے۔

آج پنجاب اسمبلی میں غیر متوقع طور پر عجیب و غریب صورت حالات پیدا ہوگئی۔ جبکہ مخالف پارٹی کے ۴۳ سے زیادہ ممبر جو کانگریس احرار و اکالی پارٹی نیز چند آزاد ممبروں پر مشتمل تھے دیوان چمن لال اور ڈاکٹر گوپی چند بھارگو کی سرکردگی میں واک آوٹ کر گئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ دیوان چمن لال نے ایک نئے مقرر شدہ فوجی افسر کے سپیکر کے پاس بیٹھنے پر اعتراض کیا اس پر اسپیکر نے انہیں کہا کہ وہ ہاؤس سے باہر نکل جائیں اس پر مخالف پارٹی کے سب ممبر اسپیکر کے رویہ کے خلاف بطور پروٹسٹ اسمبلی ہال سے واک آوٹ کر گئے۔

مسٹر روہنی کمار چودھری وزیر محکمہ انصاف حکومت آسام نے بیان کیا جاتا ہے کہ بہت سے سیاسی قیدیوں کو جنہیں دہشت انگیزی کی سرگرمیوں کے سلسلہ میں قید کیا گیا تھا سلہٹ جیل سے رہا کر دیا ہے۔ جن سیاسی قیدیوں کا کردار اچھا ہے ان کے متعلق فراخدلانہ پالیسی سے کام لیا جا رہا ہے۔

ٹراٹسکی کے ۴۳ حامیوں کو آج توپ سے اڑا دیا گیا ان کے خلاف یہ الزام تھا کہ یہ لوگ جاپان کے جاسوس تھے اور انہوں نے سوویٹ ایسٹرن ریلوے کو تباہ کرنے کی سازش کی ہوئی تھی۔

معلوم ہوا ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے آئندہ اجلاس میں پولیٹکل جمود کے علاوہ بمبئی اسمبلی کی لیڈری کے جھگڑے پر بھی غور کیا جائے گا۔ مسلم عوام کو کانگریس میں لانے اور ہندوستانی سیوا دل کی ازسرنو تنظیم و بمبئی کے ضمنی انتخاب کے مسئلوں پر بھی غور کیا جائے گا۔

موضع دراب گنج تحصیل بیکاپور ضلع فیض آباد کو پولیس ایکٹ کے ماتحت مخدوش علاقہ قرار دے دیا گیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک سب انسپکٹر پولیس اور ایک کانگریسی کارکن کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔ اور اس کے بعد گاؤں کے ایک کثیر ہجوم نے شورش پیدا کر دی، تعزیری پولیس گاؤں میں متعین کر دی گئی ہے۔

اخبار سٹار کے نامہ نگار مقیم لنڈن نے بذریعہ ٹیلیفون اطلاع بھیجی ہے کہ شری سی راجگوپال آچاری لیڈر کانگریس پارٹی مدراس اسمبلی نے آج اوٹکمنڈ میں گورنر مدراس لارڈ ارسکن سے ملاقات کی۔ گورنمنٹ ہاؤس سے ایک سپیشل موٹر کار ان کے لئے آئی اور اس میں سوار ہوکر آپ رات کو دس بجے وہاں پہنچے۔ ملاقات ایک گھنٹہ تک جاری رہی۔

سرکاری اعلان شائع ہوا ہے کہ نامعلوم ملک کے سات جنگی جہازوں نے ساحل مورکہ پر بحری مظاہرہ کیا۔

اطلاع موصول ہوئی ہے کہ ایک روسی مسلح کشتی کو یکم مئی کو دریائے امور جزیرہ سینو جاپانی منچوکو فوجوں نے توپ کے ذریعہ ڈبو دیا جس سے جان کا زبردست نقصان ہوا۔

سرکاری بیان شائع کیا گیا ہے کہ تین روسی مسلح کشتیاں دریائے امور میں داخل ہوگئیں اور جاپانی منچوکو فوجوں پر جو سرحد منچوکو پر پہرہ دے رہی تھیں فائر شروع کر دیئے جاپانی فوجوں نے بھی جوابی فائر کئے۔ ایک مسلح کشتی ڈبو دی گئی۔ دوسری کو نقصان پہونچا اور تیسری واپس چلی گئی۔

ایکٹ ۱۹۳۲ء کی دفعہ ۳ کے ماتحت گورنمنٹ نے مختلف ریاستوں کے اٹھارہ کارکنوں کے خلاف اخراج کا حکم انکی سیاسی سرگرمیوں کے باعث نافذ کر رکھا تھا۔ اب چیف سیکرٹری گورنمنٹ بمبئی نے آل انڈیا ریاستی پرجا کانفرنس کے جنرل سکرٹری کو اطلاع دی ہے کہ گورنر صاحب نے اس حکم کو منسوخ کرنا منظور کر لیا ہے۔

صنعت فلمسازی کے کارنامے

اب ماہرین فلمسازی کے حیرت انگیز کارنامے بھی طلسم ہوشربا کی محیرالعقول داستانیں بنتے جاتے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے میں ایک شخص سنگین مجسمہ بن جاتا ہے دوسرا ہوا میں اڑتا ہے زیادہ سے زیادہ عجیب و غریب اور ناممکن الوقوع نظارے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اب زیادہ سے زیادہ ناقابل یقین باتوں پر یقین کرنا پڑے گا۔ یا کم از کم فلمی جادوگر ایسا کرنے پر ضرور مجبور کر دینگے۔ امریکہ کے دو ماہرین فلمسازی مسٹر فرانک ولیم اور مسٹر جون پالٹن نے "غیر مرئی انسان" نامی فلم میں یہ بتا ہی دیا کہ ایک دواساز ایک ایسی دوائی دریافت کرتا ہے۔ جو اسے نظروں سے پوشیدہ کر دیتی ہے۔ اس کا سر صاف اڑ جاتا ہے اور اس کے کپڑے بغیر کسی سہارے کے تمام کمرے میں گھومتے پھرتے ہیں۔ اس کے سر پر ٹوپی رکھی جاتی ہے۔ وہ ہوا میں معلق نظر آتی ہے۔ اور جب وہ اپنے کپڑے اتار کر مکان کے باہر کی طرف بھاگتا ہے تو اس کے وجود کا پتہ اس کے قدموں کے صرف ان نشانوں سے لگتا ہے۔ جو ریت پر نمودار ہوتے ہیں۔

ایک ایکٹر کو بیک وقت ظاہر اور غائب رکھنے کا کارنامہ ایک نئے فلم ایمولشن کی مدد سے پیش کیا جاتا ہے جو صرف مخصوص رنگ قبول کرتا ہے۔ اور باقیوں کو پردہ میں پہلو دار کرنے سے روک دیتا ہے۔ سب سے پہلے ایک نیلے رنگ کے پس منظر کے مقابل اداکار کو کھڑا کر کے تصویر لی جاتی ہے۔ اس وقت اس کے سر اور ہاتھوں پر پس منظر کے ہمرنگ غلاف چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس کیمرے سے تصویر لی جاتی ہے۔ اس میں دو فلمیں ہوتی ہیں۔ ایک منفی نقوش لیتی ہے اور مرتسم کرتی ہے۔ دوسری سیاہ۔ ایک فلم کو دوسرے فلم کی نقوش کی مطابقت کرنے کے لئے یا اسے ڈھانپنے کے لئے استعمال کرتے ہیں جس پر مصنف بعینہ اور دوسرے اداکاروں کی تصویریں ہوتی ہیں۔ اور پھر یہ پہلی فلم دوسری فلم پر چھاپ دی جاتی ہے۔ صرف اداکار کے کپڑے نظر آتے ہیں۔ اس کا سر اور اس کے ہاتھ علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں۔

"غیر مرئی انسان" نامی فلم کے ڈائرکٹر کا بیان ہے کہ اسے اداکار کو ہدایت دینے میں بڑی صبر آزما مشکلات کا سامنا کرنا ہوا۔ بعض اوقات غریب اداکار کو اس طرح کام کرنا پڑا اور اس کی آنکھوں پر اور چہرے پر پٹیاں بندھی ہوتی تھیں۔ اور اس کی ناک میں ہوا پوشیدہ نالیوں کے ذریعہ پہونچائی جا رہی تھی۔ پھر اس صورت میں کہ اس کے سر پر مصنوعی خود تھا۔ اور جسم پر پٹیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ اس مرتبہ اس تک ہدایات پہونچانا غیر ممکن ہو جاتا تھا۔ ٹیلیفون میں زور زور سے چلایا جاتا تھا۔ تب کہیں اداکار کے کانوں تک ہدایات معمولی بھنبھناہٹ کی صورت میں پہونچتی تھیں۔ ایک دفعہ یہ اداکار تنگ آ کر ناراض ہو گیا۔ اور وہ ایک منظر کی تصویر لئے جانے کے دوران میں بیہوش ہو گیا۔

ایک جدید کارنامہ

ایک جدید کارنامہ آہستہ آہستہ اداکار کو ایک ڈھانچے کی شکل میں بدل دیتا ہے۔ اس کی ترکیب یہ ہے۔ کہ دو رنگ کے فلٹروں کے ذریعہ پردہ فلم پر منقوش کرتے ہیں ایک رنگ سرخ ہوتا ہے۔ اور دوسرے کا دھانی۔ پہلے سرخ فلٹر سے تصویر لی جاتی ہے۔ جس سے اداکار اور اس کے کپڑے فلم پر معمولی رنگت دکھائی دیتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ دھانی فلٹر سرخ فلٹر کی جگہ لیتا ہے۔ اور ساتھ ہی رنگ بدل جاتا ہے۔ بناتک کا اولا رنگ، ڈھانچہ دکھائی دینے لگتا ہے۔

امریکہ میں فلمسازی

امریکہ کے محکمہ تجارت نے حساب لگایا ہے کہ تمام دنیا میں صنعت فلمسازی میں ۵۲ کروڑ پونڈ کا سرمایہ لگا ہوا ہے جس میں سے [illegible] کروڑ پونڈ تک پہنچ گیا ہے۔ اس کا اندازہ کیا جاتا ہے کہ صرف ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں سرمایہ کی مقدار ۴۰ کروڑ پونڈ سمجھی جاتی ہے جس میں سے ۲۴ کروڑ تھیٹروں میں۔ دو کروڑ نگار خانوں میں اور ۴۰ لاکھ ڈسٹری بیوشن میں منقسم ہے۔ تقریباً ۷۰ لاکھ پونڈ سالانہ بیمہ پر صرف ہوتا ہے۔ دو کروڑ ٹیکس میں ادا کیا جاتا ہے۔ ذیل میں امریکہ کی گذشتہ ۱۴ سالہ اوسط ہفتہ وار حاضری کا تخمینہ ملاحظہ ہو:-

سنہ ۱۹۲۲ء - ۴ کروڑ - سنہ ۱۹۲۳ء - ۴ کروڑ ۲۰ لاکھ
سنہ ۲۴ء - ۴ کروڑ ۶۰ لاکھ سنہ ۲۵ء - ۴ کروڑ ۶۰ لاکھ
سنہ ۲۶ء - ۵ کروڑ - سنہ ۲۷ء ۵ " ۷۰ "
سنہ ۲۸ء - ۶ کروڑ ۵۰ لاکھ سنہ ۲۹ء - ۹ " ۵۰ "
سنہ ۳۰ء ۱۱ کروڑ سنہ ۳۱ء - ۷ " ۵۰ "
سنہ ۳۲ء ۶ کروڑ سنہ ۳۳ء - ۶ "
سنہ ۳۴ء ۷ کروڑ سنہ ۳۵ء ۸ کروڑ

تمام دنیا میں سینماؤں کے اندر تماشائیوں کی اوسطاً ہفتہ وار حاضری کا اندازہ ۲۲ کروڑ کیا جاتا ہے۔ سنہ ۳۴ء میں ۳۴ کروڑ پونڈ صرف امریکہ کے ٹکٹ گھروں کی آمدنی تھی۔

مغربی اداکاروں کی تنخواہیں

۴۰ ہفتہ کے ایک سال کی آمدنی:-

(۱) گریٹا گاربو ۹۰۰۰ ڈالر (۲) فرانسیز ۷۵۰۰ ڈالر
(۳) ایم شویلیر ۷۰۰۰ " (۴) کانسٹینس بینٹ ۷۰۰۰ "
(۵) جان بیریمور ۶۵۰۰ " (۶) نارما شیرر ۶۰۰۰ "
(۷) رچرڈ بارتھیلمس ۶۰۰۰ " (۸) اینا ہارڈنگ ۵۰۰۰ "
(۹) والیس بیری ۵۰۰۰ " (۱۰) ولیم پاول ۴۵۰۰ "
(۱۱) جینٹ گینر ۳۷۲۵ " (۱۲) ای جی رابنس ۳۰۰۰ "
(۱۳) میرسنگیلس ۲۸۰۰ " (۱۴) کلارک گیبل ۲۵۰۰ "

ایک ڈالر کم و بیش تین روپیہ کا ہوتا ہے۔

مسٹر "۴۲۰" میں

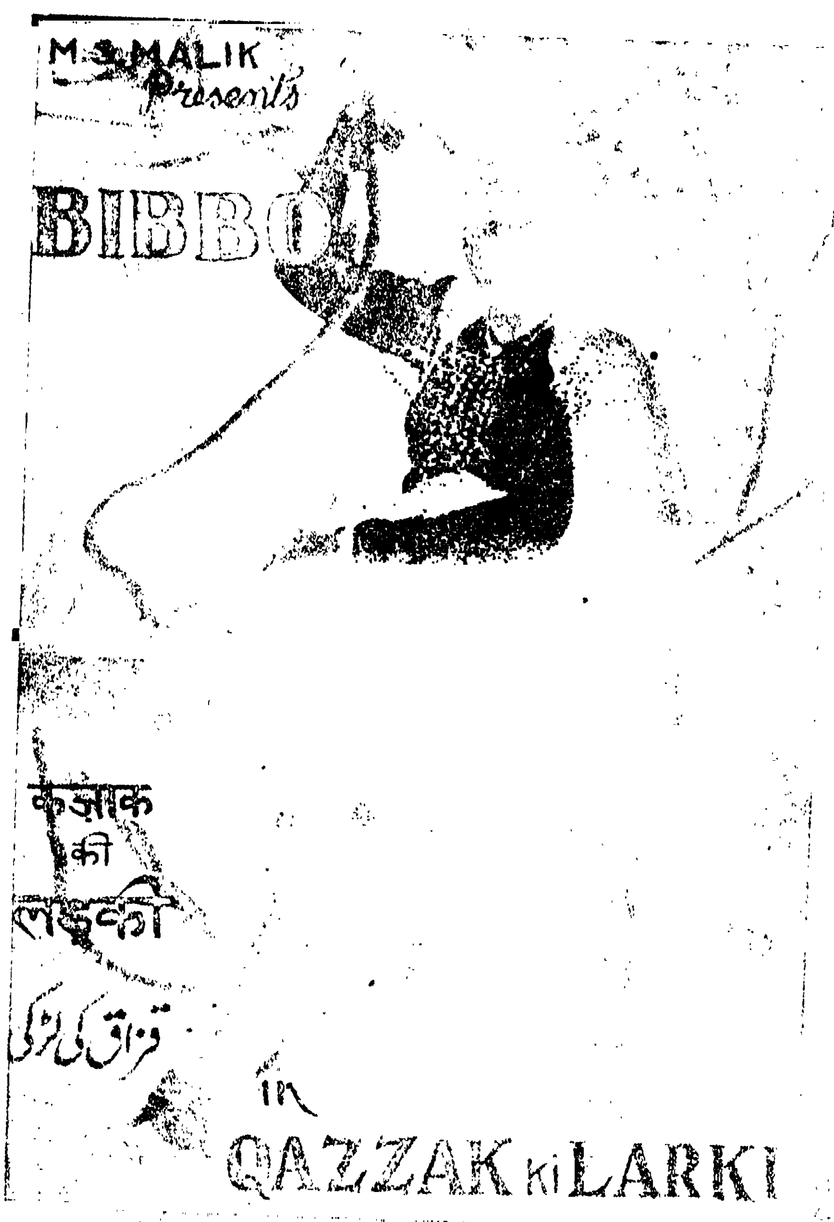


عنقریب آنیوالا ہے



"ڈاکو کا لڑکا" کا ایک سین
جوکہ پکچرہاؤس میں دکھایا جارہا ہے

ببو "قزاق کی لڑکی" میں



"ہریکین ہنسا" کا ایک سین



جوکہ سنگم ٹاکیز میں چل رہا ہے

Regd. L. No. 1517.

FAME AND FORTUNE

AT YOUR DOORS.

THE achievement of fame and fortune is the immediate aim of every Business Man,

IF you are one of the aspirants of these heavenly blessings send your message through the Krishna Number of the Tej to the millions of this Country.

IT will bring the fame and fortune at your doors.

B. N Gupta–*Advt. Manager*

THE DAILY TEJ LIMITED, DELHI.

Printed and published by [illegible] Gupta at the TEJ Press, Burn Bastion Road, Delhi.

THE TEJ ILLUSTRATED WEEKLY

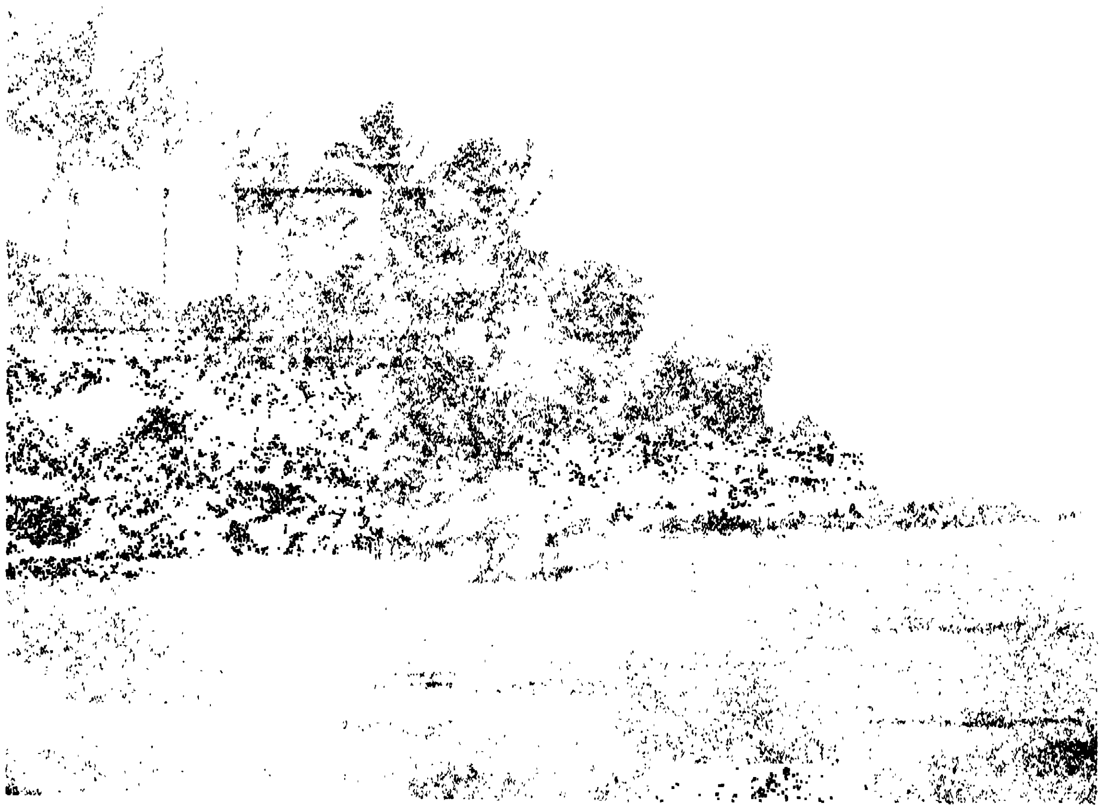
تیج

ہندوستان کا بہترین باتصویر ہفتہ

DELHI: 13TH JULY 1937 V.No 15

قیمت فی پرچہ دو آنہ

باب بہار



برسات میں پہاڑ اور دریا کا وہ منظر جب ہوا کی موجیں درختوں سے کھیلتی ہیں

ہفتہ کی مشہور شخصیتیں

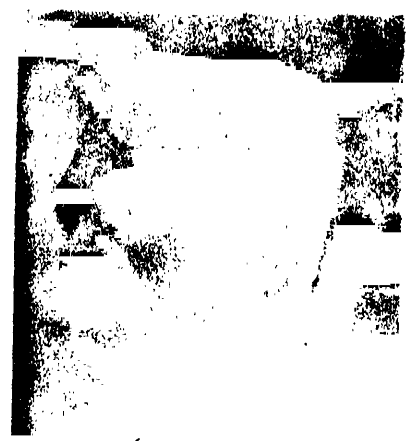


شریمت سی-راجگوپال آچاریہ
آپ مدراس کے وزیراعظم ہونگے- ۱۲ جولائی کو گورنر نے آپکو اِس سلسلہ میں مدعو کیا ہے

راشٹرپتی پنڈت جواہرلال نہرو نے ورکنگ کمیٹی کے فیصلہ پر اظہار رائے کرتے ہوئے آپنے فرمایا کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوسکتا

واردھا میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت کے لئے سردار پٹیل اور شریمت بھولابھائی ڈیسائی جارہے ہیں

عہدے قبول کرنے کے فیصلہ کے بعد مسز سروجنی نائیڈو اور سردار پٹیل ورکنگ کمیٹی کے اجلاس سے باہر آرہے ہیں



شریمت پنڈت گوبندولبھ پنت
آپ یو- پی- میں کانگریسی وزارت کے سلسلہ میں ۱۲ جولائی کو گورنر یو-پی- سے مل رہے ہیں-آپ یو-پی- کے وزیراعظم ہونگے



سیٹھ پدم پت سنگھانیہ
آپ نے ہندوستان کے اُن صوبوں میں جہاں ہندی کا رواج کم ہے ہندی پرچار کیلئے ۷۵ ہزار روپیہ دان دیا ہے



سیٹھ جگل کشور برلا
آپ نے نئی دہلی میں سناتن دھرم مندر کی تعمیر کے لئے ایک لاکھ روپیہ دان دیا ہے



لالہ دیوی پرشاد جی رئیس
آپ یوروپ کا کاروباری دورہ کرنے کیلئے دہلی سے تشریف لے گئے ہیں



کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

بہار کے وزیر اعظم نے استعفیٰ داخل کردیا
کانگریس پارٹی کے لیڈر کو گورنر کی دعوت

رانچی ۱۰ر جولائی۔ ایسوسی ایٹیڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ مسٹر یونس وزیر اعظم بہار نے اپنا اور اپنی وزارت کے دیگر اراکین کے استعفے گورنر کو دے دیے ہیں تاکہ جس وقت بھی ممبران کانگریس پارٹی وزارت قائم کرنا منظور کرلیں کر دیا جائے۔ گورنر نے مسٹر یونس کو لکھا ہے کہ ان کے استعفے منظور کرنے سے پیشتر نئی وزارت کے متعلق اور ... کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ گورنر نے مسٹر شری کرشن سنہا لیڈر کانگریس پارٹی بہار اسمبلی کو مدعو کیا ہے تاکہ وزارت قائم کی جائے۔ مسٹر یونس نے ... دیوس فرمایا کہ انہوں نے اپنا استعفیٰ ... جولائی کی شب ... کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ... گورنر کے پاس بھیج دیا تھا۔ (ا۔پ)

بہار کے کانگریسی ممبران اسمبلی کی میٹنگ
بہار اسمبلی کے سپیکر کے متعلق فیصلہ

پٹنہ ۱۰ر جولائی۔ پٹنہ میں بہار اسمبلی کے کانگریسی ممبران کی ایک میٹنگ ۱۲ر جولائی کو ہوگی۔ جس میں بہار اسمبلی کے سپیکر، ڈپٹی سپیکر اور کانگریسی وزارت کے اراکین کے ناموں پر غور کیا جائے گا۔ (ا۔پ)

(باقی اگلے صفحہ پر)

آج ... کی ... خبریں

چھتاری وزارت کی آخری طویل میٹنگ

لکھنؤ ۱۰ر جولائی۔ اطلاع ہے کہ نواب صاحب چھتاری وزیر اعظم یو۔پی نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے فیصلے کے پیش نظر اپنا اور اپنی وزارت کے دیگر اراکین کا استعفیٰ آج داخل کر دیا ہے۔ آج صبح اس وزارت کی ایک طویل میٹنگ ہوئی۔ یہ میٹنگ چھتاری وزارت کی جو اب مستعفی ہو گئی ہے آخری میٹنگ تھی۔ (ا۔پ)

کلکتہ کی ایک جوٹ مل میں ہڑتال
تین ہزار کاریگر بے کار

کلکتہ ۱۰ر جولائی۔ اطلاع ہے کہ ... جوٹ مل ... کے تین ہزار کاریگروں نے ہڑتال کر دی جس سے مل میں سخت گڑبڑی پیدا ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ کاریگروں نے مالکان کے پاس یہ درخواست پیش کی تھی کہ انہیں ... کی چھٹی دے دی جائے۔ مگر مالکان نے ان کی درخواست نامنظور کر دی۔ اس پر ان کاریگروں نے دوسرے کاریگروں کو کام چھوڑنے کی ترغیب دی۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا اس پر دو پارٹیوں میں فساد ہو گیا۔ پولیس موقعہ پر آگئی اور صورت حالات پر قابو پا لیا۔ (ا۔پ)

سی پی میں کانگریسی وزارت مرتب ہو گئی
اراکین وزارت کے ناموں کا اعلان

ناگپور ۱۰ر جولائی۔ ہز ایکسیلنسی گورنر صاحب سی پی کی دعوت ... کو منظور کرنے کے بعد ڈاکٹر این بی کھرے لیڈر کانگریس پارٹی نے آج ساڑھے دس بجے کانگریسی وزارت مرتب کرنے کے سلسلہ میں گورنر سے ملاقات کی۔ ملاقات پچیس منٹ تک جاری رہی۔ دوران ملاقات میں ڈاکٹر کھرے نے وزارت کے لئے ... نام پیش کئے جنہیں گورنر نے منظور کر لیا۔ نام حسب ذیل ہیں:

ڈاکٹر این بی کھرے — وزیر اعظم
رائے پور کے پنڈت آر۔ ایس۔ شکلا
مسٹر ... کانت ... سونی
جبل پور کے مسٹر ڈی۔ پی۔ مصرا
اکولہ کے مسٹر پی۔ بی۔ گولے
امراوتی کے مسٹر آر۔ ایم۔ دیش مکھ

ایک مسلم ممبر کے نام کا جلد ہی اعلان کیا جائے گا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کانگریسی وزارت ۱۳ر جولائی سے اپنا کام شروع کر دے گی۔ اس سلسلہ میں سرکاری اعلان شائع ہو گیا ہے۔ جس میں کانگریسی وزارت کے اراکین کے نام منظور کئے گئے ہیں۔ (ا۔پ)

راشٹرپتی کی جھانسی کو روانگی

الہ آباد ۱۰ر جولائی۔ آج شب کو راشٹرپتی پنڈت جواہر لال نہرو معہ اپنے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر ... خان عبد الغفار خاں۔ ڈاکٹر اشرف اور مسٹر ... لال ... جھانسی کے لئے روانہ ہو گئے۔ (ا۔پ)

پنت جی کو گورنر یو۔پی کا دعوت نامہ
۱۳ر جولائی کو ملاقات ہوگی

لکھنؤ ۱۰ر جولائی۔ یونائیٹیڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ یو۔پی کے گورنر نے موجودہ وزارت کے اراکین کا استعفیٰ لینے کے بعد جو انہوں نے کل داخل کیا ہے نواب چھتاری وزیر اعظم سے درخواست کی ہے کہ وہ نئی وزارت قائم ہونے تک بدستور کام کرتے رہیں۔ اس دوران میں گورنر نے پنڈت گوبند ولبھ پنت لیڈر کانگریس پارٹی یو۔پی اسمبلی سے ۱۳ر جولائی کو ملنے کے لئے کہا ہے۔ تاکہ نئی وزارت قائم ہو سکے۔ (ا۔پ)

شری مت راجگوپال آچاریہ کو دعوت نامہ

مدراس ۱۰ر جولائی۔ گورنر مدراس کی جانب سے شری مت سی راجگوپال آچاریہ لیڈر کانگریس پارٹی مدراس اسمبلی کو اطلاع ملی ہے کہ وہ گورنر مدراس سے گورنمنٹ ہاؤس میں ۱۴ر جولائی کی دوپہر کو وزارت قائم کرنے کے سلسلہ میں ملاقات کریں۔ (ا۔پ)

تازہ تجارتی سماچار

لندن صرافہ (لندن ۱۰ جولائی)

چاندی حاضر فی اونس ۲۰ پنس وعدہ ... ۲۰ پنس
بعارت نے خریداسودے معمولی ہیں بازار خاموش ہے
پنس - شلنگ - پونڈ
سونا ۳ - - - -

لیورپول گیہوں (لیورپول ۱۰ جولائی)

بازار ... ۱۰ جولائی ۱۱۶ شلنگ اور اکتوبر ۱۱۳ شلنگ ... کھیتی میں کاٹ اور ... مندہ ہونے کے کارن بعاؤ گرے۔ بعد میں مقامی ... پر بھاؤ مضبوط رہے۔

لیورپول روئی (لیورپول ۱۰ جولائی)

اکتوبر وعدہ بند ہوئی ۶٫۸۹

شکاگو گیہوں (شکاگو ۱۰ جولائی)

شمال مغرب میں بارش ہونے کے سماچار پر آمد زیادہ ہونے اور ... کی بکوالی کے زور پر بھاؤ گرے۔ فصل کے ... میں گورنمنٹ کی پالیسی انسچت ہونے کے کارن بیوپاری سنکوچ میں تھے۔

نیویارک روئی (نیویارک ۱۰ جولائی)

اکتوبر وعدہ کھلی ۱۳٫۵۰

فصل ... ہونے کے سماچار ... کی بکوالی اور کاشت پر بھاؤ گرے۔ بازار میں کوئی ... نہیں تھی۔ اکتوبر وعدہ کل کے بند بھاؤ ۵ پوائنٹ مندہ کھلا۔ کھلتے ہی ... کی بکوالی ... کی کاٹ سے بھاؤ گرے۔ اور اکتوبر ۱۳٫۴۳ کے بھاؤ پر بند ہوا۔

بمبئی بند بازار (۱۰ جولائی)

روئی: کھلتے میں جاپان کی لیوالی سے بھاؤ بڑھے مگر پھر ... جولائی وعدہ کے بھاؤ مندہ رہنے سے بھاؤ گرے۔ لیورپول ... پر بڑھے اور پھر ... کی بکوالی پر گرے۔

پھر ... جولائی اگست - - - - ۲۱۵ فی کنڈی
" اپریل مئی ۰ - ۱۲ - ۲۲۸ "
ار مارا جولائی ۰ - ۱۲ - ۲۱۱ "
" دسمبر جنوری ۰ - ۱۲ - ۲۰۰ "
بنگال جولائی ۰ - ۸ - ۱۸۰ "
" دسمبر جنوری ۰ - ۴ - ۱۷۴ "
چاندی حاضر ... ۵ - ۲ چاندی وعدہ ... ۶ - ۲ - ۵ سو تولہ
... وعدہ ... ۸ - ۵۲
سونا حاضر ۳ - ۱۰ - ۳۲ چاندی وعدہ ۳ - ۱۰ - ۳۲ فی تولہ
" ... وعدہ ۳ - ۸ - ۳۲ فی تولہ
گندم ستمبر ۹ - ۹ - ۵ ... جنوری ۱۲ - ۳ - ۵ فی من
" مئی ۰ - ۱۰ - ۵ السی ستمبر ۳ - ۲ - ۸ "
تل ۰ - ۵ - ۹ ... ۶ - ۵ - ۷ "
بنولہ ... - ۲ ... ۰ - ۱۲ - ۵ "
مونگ پھلی ... ۲ - ۸ ... ۰ - ۳ - ۸ "

ایٹہ ضلع پولیٹیکل کانفرنس
مسٹر آصف علی کی صدارتی تقریر

ایٹہ ۱۰ جولائی۔ آج شام کو ایٹہ ضلع پولیٹیکل کانفرنس کا سالانہ اجلاس مسٹر آصف علی ممبر مرکزی اسمبلی کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ مسٹر آصف علی نے اپنی صدارتی تقریر میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ... پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ... ہندوستان ... کانگریس ... سے زیادہ ملک پر حکومت کرنے کی ذمہ داری قبول کرنے پر ... ہوئی ہے۔ آپ نے وزارتوں کے کاموں پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالتے ہوئے ... کی کہ ... اس چیز کو ... چاہیے کہ اپنے فرائض ... کے لئے ...

کو وقت کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد آپ نے مسلمانوں سے پر زور اپیل کی کہ تمام صورت حالات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور کانگریس میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شامل ہوں۔ (یو۔ پی)

ڈاکٹر ہیڈ ویر سنگھ کے مکان کی تلاشی
ایک کانگریسی کارکن کی گرفتاری

دہلی ۱۱ جولائی۔ ریلوے اسٹیشن کے پاس اسلحہ جات کے بکس کے برآمد ہونے کے سلسلہ میں پولیس نے ڈاکٹر ... سنگھ صدر دہلی ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی کے مکان کی تلاشی لی اور ... کے سرکردہ کانگریسی کارکن مسٹر ... کو گرفتار کر رہا ہے تفتیش جاری ہے۔

مدراس میں آتشزدگی

مدراس ۱۰ جولائی۔ براڈوے میں آج شب کو پونے تین بجے شیشے کے سامان کے ایک گودام میں آگ لگ گئی۔ جس سے تمام سامان جل گیا۔ فوراً ہی فائر بریگیڈ موقعہ پر پہنچا۔ اور تین انجن برابر آگ سے لڑتے رہے۔ نقصان کا اندازہ بہت زیادہ کیا جاتا ہے۔ (پی۔ پی)

اخبارات پر سے پابندیاں ہٹالیں
سندھ کے چیف منسٹر کا اعلان

کراچی ۱۰ جولائی۔ سندھ کے چیف منسٹر نے آج ایک اعلان کے ذریعہ سندھ کے متعدد اخبارات پر سے وہ پابندیاں ... جو ان کے گذشتہ ریکارڈ کے پیش نظر ان کے خلاف ...

زندگی و حریت کا ایک پیغام مسلمانانِ ہند کے نام

{امامِ حریت مولانا ابوالکلام آزاد کے جواہر نگار قلم سے}

دل کی روشنی میں کتنا ہی دن کی روشنی سے بچنا چاہو لیکن روشنی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ وہ مکان کے دروازے بند کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے اب روشنی کو راہ نہیں ملے گی لیکن اچانک دروازوں میں کوئی نہ کوئی دراز نکل آتی ہے اور روشنی کی کرنیں جھانکنے لگتی ہیں، ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ روشنی حقیقت ہے اور حقیقت سے کتنا ہی منہ چھپانا چاہو لیکن وہ سامنے آکھڑی ہوگی

یہی حال آجکل مسلمانوں کا ہے وہ حقیقت کی روشنی میں آنا پسند نہیں کرتے۔ لیکن حقیقت ان کا پیچھا کب چھوڑنے والی ہے! وہ کچھ عرصہ تک بند دروازوں میں بیٹھ کر سمجھنے لگتے ہیں اب اندھیرا ہی اندھیرا ہے لیکن جب اسی میں بھی روشنی کہیں نہ کہیں سے راہ نکال لیتی ہے تو اچانک چونک اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں ایک نئی بات ظہور میں آگئی۔ حالانکہ نئی بات تو کوئی بھی نہیں ہوئی وہی سورج اب بھی چمک رہا ہے جو صبح سے چمکنا شروع ہوا ہے۔

جب نئے دستور کے ماتحت انتخابات کا موقعہ آیا اور کانگرس نے فیصلہ کیا کہ انتخابات میں حصہ لیگی تو یہ بات ہر واقف حال انسان کو سمجھ لینی تھی کہ اس اقدام کا لازمی نتیجہ کیا نکلے گا۔

ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں تین صوبے ایسے ہیں جہاں بحالت موجودہ کانگرس اکثریت حاصل نہیں کر سکتی، بنگال، پنجاب اور سندھ۔ ان صوبوں میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ اور جب تک وہاں کے مسلمان بکثرت کانگرس میں شریک نہ ہو جائیں کانگرس کے امیدواروں کی شرکت مشتبہ ہی رہے گی یہی وجہ ہے کہ جب مرکزی بورڈ کے سامنے ان صوبوں کا معاملہ پیش ہوا تو میں نے اس کی مخالفت کی کہ مسلمان امیدوار کھڑے کئے جائیں اور بورڈ نے یہی راستہ اختیار کیا لیکن باقی صوبوں میں کانگرس کی کامیابی قطعی تھی۔ اور صورت حال کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ قطعی ہو۔ مگر مسلمانوں میں ایک بڑے طبقے نے اتنی واضح بات بھی سمجھنی نہیں چاہی۔ انہوں نے طرح طرح کے غلط اندازے لگائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب انتخابات کے اعداد شائع ہوئے تو صورت حال نے انہیں متحیر کر دیا وہ اس طرح چونک اٹھے جیسے کوئی خلاف توقع بات ظہور میں آگئی ہو۔ انہیں اب ایک نئی بات معلوم ہوگئی یہ نئی بات کہ ملک کی سیاسی بیداری اس سے کہیں زیادہ گہری اور وسیع ہے جتنی انہوں نے سمجھ رکھی تھی، اور کانگرس ان صوبوں میں صرف اکثریت ہی نہیں لا سکتی بلکہ بہت زیادہ اکثریت لا سکتی ہے۔

یہ انکشاف خلاف توقع نہیں

یہ ان کے لئے ایک انکشاف ہوا حالانکہ یہ کوئی انکشاف نہیں ایک معلوم اور متوقع حقیقت کا ظہور ہے، یہ توقع سے زیادہ نہیں ہے بلکہ کئی اعتبار سے کم ہے۔ بمبئی میں کانگرس کو جتنی اکثریت مل سکتی تھی بعض مقامی غلطیوں کی وجہ سے نہیں ملی، صوبہ سرحد کے کارکنوں کے لئے پہلا تجربہ تھا اس لئے بہتر طریقہ پر کام نہ ہو سکا۔ آسام میں خالص اکثریت مل سکتی تھی لیکن اس طرف توجہ نہیں کی جا سکی۔ اگر اب دوبارہ انتخاب کا موقعہ آئے تو یقیناً نتائج اس سے کہیں زیادہ کامیاب نکلیں گے جتنے اس مرتبہ نکل چکے ہیں،

میں چاہتا ہوں، ان تمام لوگوں کو جو صورت حال میں ایک غیر متوقع انکشاف دیکھ رہے ہیں، صورت حال کے صحیح مطالعہ کی دعوت دوں۔ میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ ادھر چند مہینوں کے اندر ہندوستان میں کوئی نئی بات نمودار نہیں ہوگئی اور نہ چند مہینوں کے اندر ہندوستان کا آسمان و زمین بدلا جا سکتا ہے جو کچھ ہو رہا ہے۔ یہ گزشتہ نصف صدی کے رفتار حالات کا قدرتی نتیجہ ہے اور اس میں اہل نظر کے لئے اچنبھے کی کوئی بات نہیں

انتخابات کے نتائج میں مسلمانوں نے صرف کانگرس کی کامیابی ہی نہیں دیکھ لی بلکہ ایک دوسری حقیقت بھی دیکھ لی۔ یہ ہمیشہ ان کے سامنے آتی رہتی تھی مگر وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتے تھے، انہوں نے دیکھ لیا کہ کامیابی کی اس بلندی کے ساتھ ناکامی کی ایک دوسری پستی بھی موجود ہے اور وہ ان کے حصہ میں آئی ہے۔ انہوں نے کانگرس کی جدوجہد کا میدان صرف ہندوؤں کے لئے چھوڑ دیا۔ کانگرس کہتی رہی کہ صرف ہندوؤں کے لئے نہیں ہے مگر یہ کہتے رہے، نہیں، صرف ہندوؤں ہی کے لئے ہے۔ نتیجہ اب ان کے سامنے بحث

ایک نئی بات جو ظہور میں آسکتی ہے

البتہ اگر وہ چاہیں تو اب ایک نئی بات ضرور ظہور میں آسکتی ہے لیکن اس کے لئے انہیں اور کسی طرف نہیں دیکھنا چاہئیے۔ خود اپنی ہی طرف دیکھنا چاہئیے۔ اگر انہوں نے اپنی پرانی غفلت کو نئی بیداری سے بدل دیا تو یقیناً ہندوستان کا آسمان و زمین بھی ان کے لئے فوراً بدل جائے گا۔ یہاں زندگی اور عمل کے ہر گوشے میں خدا کا یہی قانون کام کر رہا ہے دنیا بہت پرانی ہے۔ اور وہ کبھی ایسا نہیں کرتی کہ ہماری خاطر اپنی پرانی صورت بدل دے۔ لیکن جب کبھی ہم بدل جاتے ہیں تو اسکو بھی بدل جانے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

دو قابلِ دید حقائق

ایک طرف سعی و عمل کی زندگی ہے، عشق مقصد کا ولولہ ہے، جدوجہد کا تلاطم ہے۔ طریق کار کی ہم آہنگی ہے، دوسری طرف کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اگر کچھ ہے تو تعطل اور بے عملی کا سناٹا ہے۔ یا کسی شخصی اغراض و مطامع کا ہنگامہ،

گلگونۂ عارض ہے نہ ہے رنگِ حنا تو،
اے خونِ شدہ دل! تو تو کسی کام نہ آیا

وقتی تاثر کا لازمی نتیجہ

وقت کے اس فوری تاثر کا لازمی نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے تعطل و جمود کی چبھن محسوس ہونے لگی ہے اور کانگرس کی شرکت اور عدم شرکت کا سوال از سر نو ان کے سامنے آگیا ہے۔ مختلف سمتوں سے یہ صدائیں اٹھ رہی ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت کانگرس سے الگ کیوں رہے؟ کیوں نہ مسلمان زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہو جائیں،

ہندوستان میں شاید ہی کوئی انسان مجھ سے زیادہ اس بات کا خواہشمند ہوگا کہ مسلمان کانگرس میں شریک ہوں۔ اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوں، میں نے ۱۹۱۲ء میں مسلمانوں کو اس کی دعوت دی جب وہ سیاسی جدوجہد کی پرچھائیں سے بھی دور رہنا چاہتے تھے اور آج بھی کہ کامل ۲۵ برس کی مدت گزر چکی ہے میرے فکر و عمل کی جگہ ٹھیک ٹھیک وہی ہے جو ۱۹۱۲ء میں تھی لیکن میں ان تمام لوگوں کو جو حال ہی کے واقعات سے متنبہ ہوئے ہیں توجہ دلاؤں گا کہ معاملہ کو محض کسی وقتی صورت حال سے متاثر ہو کر نہ دیکھیں، بلکہ اس کی اصلی اور دائمی نوعیت پر غور کریں،

ادائے فرض کیلئے کانگرس میں شریک ہو جاؤ

مسلمانوں کو اگر کانگرس میں شریک ہونا چاہئیے تو صرف اس لئے کہ ادائے فرض کا غیر مشروط تقاضا یہی ہے اس لئے نہیں کہ کسی خاص الیکشن میں وہ بہت زیادہ کامیاب ہوگئی ہے اس طرح کے وقتی تاثرات پر فیصلہ و اقدام کی کوئی مضبوط عمارت نہیں اٹھائی جا سکتی، کانگرس چھ صوبوں کے الیکشن میں کامیاب ہوئی ہے اور آئندہ اس سے بھی زیادہ کامیاب ہوگی، ملک روز بروز بیدار ہو رہا ہے اور وہ ملک کی بیداری کی علمبردار ہے۔ لیکن مسلمانوں کو جو فیصلہ کرنا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ گہرا ہے کہ کوئی وقتی صورت حال اسے ترتیب دے سکے۔ فرض کرو یہ الیکشن والا معاملہ پیش نہ آتا، پھر کیا ان کے لئے ادائے فرض کے تقاضہ میں کوئی کشش نہ ہوتی؟ وہ ۱۹۲۱ء میں جوق در جوق شریک ہوگئے تھے۔ بلاشبہ اس وقت ٹرکی کے معاملہ کی کشش تھی۔ تاہم کانگرس میدان میں اتر رہی تھی۔ میدان کی کوئی ثمتمندی تو اسے حاصل نہیں ہوئی تھی؟ ۱۹۲۱ء سے لے کر آج تک کتنے ہی اتار چڑھاؤ ہو چکے تاہم مسلمانوں کی ایک خاص تعداد برابر شریک رہی اور اب بھی شریک ہے۔ اس کی شرکت کے لئے کونسا واقعہ معین کیا جائے گا؟ مسلمانوں کو تو جو بھی فیصلہ کرنا ہے اور جب کبھی کرنا ہے صرف ادائے فرض ہی کی بناء پر کرنا ہے، ادائے فرض کا ایسا فیصلہ جس کی بنیاد خود اعتمادی کے یقین سے بنی ہو اور جس کی سطح پر عزت و ہمت کا اعلان ہو۔ وہ کسی سے مرعوب ہو کر کیوں ادھر ادھر دیکھنے لگے وہ کسی طاقت سے اندیشہ ناک ہو کر کیوں قدم اٹھانے لگے؟ ایسا فیصلہ جو خود اعتمادی کے یقین اور ادائے فرض کے عزم سے خالی ہو، فیصلہ نہیں ہوگا۔ کوئی دوسری ہی چیز ہوگی، اور مسلمانوں کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ فیصلہ ہے ایک فدائی اور خود اعتماد دماغ کا فیصلہ

(باقی اگلے صفحے پر)

خود اعتمادی

(از جناب ارشد تھانوی)

خود جو اپنی حوصلہ افزائیاں کرتا نہیں
کوئی بھی اس پر کرم فرمائیاں کرتا نہیں

منزلِ مقصود تک تجھ کو پہنچنا ہے اگر
کیوں مسافر بادیہ پیمائیاں کرتا نہیں

خضر اس کی رہبری فرمائیں آخر کس لئے
جو سکندر کی طرح دارائیاں کرتا نہیں

اور بڑھ جاتی ہیں ذوقِ دید کی خودداریاں
جلوۂ پنہاں اگر پیدائیاں کرتا نہیں

عشق کی رنگینیوں میں خود ہی یہ تاثیر ہے
کوئی پیدا حسن میں رعنائیاں کرتا نہیں

شرمسارِ آرزو ہے، نامرادِ شوق ہے
جو گوارا عشق کی رسوائیاں کرتا نہیں

ارشد اک مردِ خدا ہے فارغِ دیر و حرم
در بدر ہر جگہ جبیں فرسائیاں کرتا نہیں

پچھلے صفحہ سے

یہ فیصلہ وہ آج کریں یا کچھ عرصہ بعد کریں لیکن بہرحال نہیں رہ سکتے۔ وہ ہندوستان کی موجودہ زندگی میں اس مفید کے بغیر نہیں رہ سکتے

اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی ہے اور میرا فرض ہے کہ مسلمانوں کو متنبہ کر دوں، ہندوستان ماضی کی سرحد سے نکل چکا ہے اور مستقبل کے دروازے پر دستک دے چکا ہے۔ تعمیر کا موسم ہے تخم ریزی کی فصل ہے جو ہم اس کی کارفرمائیاں نہیں کر سکتے ہیں لیکن مستقبل کا مورخ محسوس کرے گا!

وہ ہمارے عہد کے ایک ایک حادثہ کا سراغ لگائے گا۔ ہماری ہستی عہد کی ساری سینیاں دیکھتی جائے گا۔ اس وقت جو نقشے بھی ہم بنائیں گے جو چال ڈھال بھی اختیار کریں گے، جیسی کچھ صدائیں بھی ہماری زبانوں سے نکلیں گی اتنی ہی ہماری جماعتی ذہنیت کا سانچہ بنے گا۔ اور اسی کے سانچہ میں ہمارا مستقبل ڈھلے گا۔ پس ضروری ہے کہ اپنے دل و دماغ کی نگرانی کریں، ضرورت ہے کہ وقت کے سطحی تاثرات کی رو نہ بہنے دیں۔ ہمیں جو راہ بھی اختیار کرنی ہے، قصد و عزم کے ساتھ اختیار کرنی ہے۔ ہمیں زمین پر چلنا ہے لہروں پر بہنا نہیں ہے۔

ایک زمانہ تھا جب مسلمانوں نے کانگریس کی شرکت سے انکار کر دیا تھا کہ وہ صرف سیاسی اصلاح و تغیر کے طالب تھے، انھیں یہ بات سمجھائی گئی تھی کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ اس لئے یہاں جو تبدیلی بھی جمہوری اور نیابتی اداروں کے طریقہ پر کی جائے گی، ہندوؤں کے لئے مفید ہوگی مسلمانوں کے لئے مضر ہوگی چنانچہ ۱۸۸۸ء میں لارڈ ڈفرن اور مسٹر اکلنڈ کالون نے سرسید احمد خان مرحوم کو بھی راہ دکھائی تھی۔ اور اسی بنا پر انھوں نے کانگریس کی مخالفت کا اعلان کیا تھا مگر اب زمانہ دوسرا ہو گیا ہے اب ایک طرف تو مسلمانوں کی سیاسی دور باشی کا بند ٹوٹ چکا دوسری طرف کانگریس کی جدوجہد اتنی دور نکل گئی کہ خود حکومت کو اپنی جگہ بدلنی پڑی، ملک کی پبلک لائف میں ان لوگوں کے لئے کوئی جگہ ہی نہ رہی جو تغیر و ترقی کے مخالف ہوں۔ نوابوں اور مہاراجوں تک کو یہ کہتے ہوئے اب شرم محسوس ہوتی ہے کہ وہ ملک کی آزادی کے مخالف ہیں۔ ۱۸۸۸ء میں سرسید مرحوم نے کانگریس کے جن مطالبات کی ہنسی اڑائی تھی اور اس طرح ذکر کیا تھا گویا اس سرزمین میں یہ باتیں کبھی ہونے والی نہیں، وہ سب کی ہو چکیں۔ اور اب ملک اصلاحات کے لئے نہیں بلکہ کامل تبدیلی کے لئے لڑ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تغیرات کے بعد اب کانگریس کی عدم شرکت کے لئے ۱۸۸۸ء والی بات سود مند نہیں ہو سکتی ناگزیر ہے کہ کوئی دوسری ہی بات اختیار کی جائے چنانچہ اب بعض حضرات نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جب کبھی کانگریس کی تحریک میں شرکت کا سوال چھڑ جاتا ہے یا خود کانگریس کا کوئی رکن مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہے تو فوراً یہ حضرت فرقہ وارانہ حقوق اور تحفظات کا سوال چھیڑ دیتے ہیں۔ اور معاملہ کی صورت یہ بنا دی جاتی ہے کہ جب تک مسلمانوں کو ان کے تحفظات کی طرف سے مطمئن نہیں کر دیا جاتا وہ ملکی جدوجہد میں شریک نہیں ہو سکتے اور اپنے مستقبل کو خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتے۔

ان حضرات نے مسلمانوں کی عدم شرکت کا جو منطق اب ترتیب دیا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ملکی آزادی کی جدوجہد سے کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ وہ مخالف کیوں ہونے لگے؟ انہی کو تو اس قافلہ کی سالاری اور اس لشکر کی سرحدی و سرداری پہونچتی ہے۔ وہ تو اس راہ میں دوسروں سے بھی منزلوں آگے جانے کے لئے تیار ہیں۔ مگر ساری مصیبت یہ آ پڑی ہے کہ انہیں اپنے حقوق اور تحفظات کی طرف سے اطمینان نہیں۔ انہیں خطرہ ہے کہ اگر یہ جدا نی اقتدار ملک میں باقی نہیں رہے گا یا بالکل کمزور پڑ جائے گا تو ہندو اکثریت ان کے حقوق پامال کر دے گی وہ اقلیت میں ہیں۔ وہ اقلیت سیاسی تبدیلی کا جبھی ساتھ دے سکتی ہے جبکہ یہ متعین کر دیا جائے کہ تبدیلی کے بعد ان کا حشر کیا ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ، چنانچہ میں دیکھتا ہوں آج کل بھی بحث و نظر کا رخ اسی طرف پھیر دیا گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ محض "حقوق" اور "تحفظات" کا لفظ سن کر بے قابو نہ ہو جائیں۔ بلکہ فہم و بصیرت کے ساتھ اس مقام پر غور کریں۔

اچھا، مسلمانوں کی بے اطمینانی جس نے آج کروڑ انسانوں کے لئے ایک جماعتی خطرہ کی نوعیت پیدا کر لی ہے، جس وحشت سے آزادی کا عشق اور ادائے فرض کا عزم تک دب گیا ہے کن کن باتوں میں ہے؟ یہ حضرات ہمیں بتلاتے ہیں کہ ساری باتوں میں، مسلمانوں کی کوئی بات بھی نہیں جسے وہ محفوظ سمجھ سکیں، انہیں ہر طرف خطرہ ہی خطرہ دکھائی دے رہا ہے وہ اپنی جس متاع محبوب کو دیکھتے ہیں اس کے لئے بس ہاتھ نکلی جا رہی ہے۔ ان کے سیاسی حقوق خطرہ میں ہیں ان کے رسوم عقائد خطرہ میں ہیں۔ ان کے اجتماعات و محافل خطرہ میں ہیں ان کی تہذیب خطرہ میں ہے۔ ان کی زبان خطرہ میں ہے ان کے لئے اب خطروں کے سوا اور کچھ بھی نہیں رہا۔ پھر کاش خطروں کا سلسلہ صرف اسی حد تک پہونچ کر رک جاتا مگر نہیں، وہ کسی حد پر بھی رکنے والا نہیں، ہمیں اس سے بھی زیادہ سننے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ ہمیں بتلایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی بے بسی اور اندیشناکی تو یہاں تک پہونچ چکی ہے کہ وہ اپنے مذہب کو بھی خطرہ میں دیکھ رہے ہیں انھیں اس بات کا بھی بھروسہ نہیں رہا کہ ان کے شخصی قوانین محفوظ رہیں گے یعنی انھیں اندیشہ ہے کہ آئندہ ایک مسلمان اپنا نکاح اس طریقہ پر کرا سکے گا یا نہیں جس طریقہ پر اسے اسلامی ضوابط کی رو سے کرنا چاہیئے۔ یہ حضرات مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ جب انھیں اپنے مذہب تک کی طرف سے اطمینان نہیں تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ ہندو اکثریت پر بھروسہ کر کے ملکی جدوجہد میں شریک ہو جائیں؟ خطروں اور بناہ جائیوں کی اس اندیشناکی کا کن رگوں کو یقین دلایا جا رہا ہے؟ ان لوگوں کو جو بلحاظ تعداد کے ہندوستان کی سب سے بڑی دوسری اکثریت اور بلحاظ معنوی قوی کے سب سے پہلی طاقتور جماعت ہیں!

اور پھر ان تمام خطروں کا انسداد کیونکر ہو سکتا ہے؟ صرف اس طرح کہ آئندہ نیشنل کانگریس ایک ریزولیوشن پاس کر دے، جونہی اس ریزولیوشن پاس کر دیا خطروں اور بناہ جائیوں کا تمام بادل جو آٹھ کروڑ انسانوں کے سروں پر چھایا ہوا ہے صاف ہو جائے گا یقین و طمانیت کا سورج چمکنے لگے گا خوشحالی کا دور دورہ ہو جائے گا اور پھر وہ خوش خوش کانگریس میں شریک ہو کر آزادی کی لڑائی لڑنے لگیں گے ان کے ایک ہاتھ میں کانگریس کا پروانہ حفاظت ہوگا دوسرے میں کانگریس کا جھنڈا جب

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

سائنس کے سایہ میں

انسانی زندگی کی صورت حال کیا ہو گی؟

۔۔۔۔۔۔۔(از شریمتی ڈاکٹر بیرام تالکدار)۔۔۔۔۔۔۔

"سائنس ایک ایسی دو دھاری تلوار ہے جو دونوں طرف کاٹتی ہے، اگر ہم اس کا غلط استعمال کرتے ہیں تو سائنس ہمارا دشمن ہو جاتا ہے، اور اگر صحیح استعمال کرتے ہیں تو دوست بن جاتا ہے، انسان اس سے تعمیر کا کام بھی لے سکتا ہے اور تخریب کا بھی"

۔۔۔۔۔۔اس دلچسپ بحث کو اس مضمون میں ملاحظہ کیجئے۔۔۔۔۔۔

اگر بیسویں صدی کو کوئی ایسا نام دیا جا سکتا ہے جو دوسرے ناموں سے بہتر ہو تو اس کو AGE OF REACTION یعنی ردعمل کا زمانہ کہنا چاہیئے۔ اخلاق، رسم و رواج، کاروبار، معاشرت، آرٹ غرض جس چیز پر بھی ہم نظر ڈالتے ہیں، ہمیں اس پر ردعمل کی ایک لہر اٹھی ہوئی دکھائی دیتی ہے، رواج اور روایات کی طرف سے ہمارے دل و دماغ پھر گئے ہیں اور آج ۱۹۵۰ء میں ہم انقلاب کی ایک زبردست آندھی میں گھرے ہوئے ہیں، اگر اس کا سبب پوچھا جائے تو اس کا جواب صرف ایک لفظ میں ہے یعنی "سائنس"۔

سائنس نے زمانہ قدیم ہی سے تمام مخالفتوں کے باوجود اپنا سکہ دلوں پر جما لیا۔ اور مقبولیت حاصل کر لی، پہلے پہلے جن لوگوں نے سائنس کے نئے نظریئے پیش کئے ان پر ظلم و تشدد کیا گیا، ان کا مضحکہ اڑایا گیا۔ طاقتور فرمانرواؤں اور حکومتوں نے ان کی مخالفت کی، مگر آخرکار سائنس دانوں کی بات تسلیم کر لی گئی۔ سائنس کا یہ وقار اس لئے قائم ہوا کہ یہ ہمیشہ حقیقت اور سچائی کی تلاش میں رہتا ہے اور جو نظریہ اس کے سامنے آتا ہے اسے اچھی طرح جانچے اور پرکھے بغیر کبھی تسلیم نہیں کرتا۔ تاہم عجائبات عالم کا علم جتنا زیادہ ہمیں حاصل ہوتا جاتا ہے اسی قدر ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ ابھی بہت کچھ معلوم کرنا باقی ہے، سائنس کی ہر منزل ہمیں ایک دوسری منزل کا پتہ دیتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوا ہے خود ماہرین سائنس اس غیر محدود کام سے گھبرا اٹھے ہیں، اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایسے وقت میں جب معمولی آدمی سائنس پر پورا یقین کرنے لگا ہے خود سائنس والے تذبذب میں پڑ گئے ہیں۔

"زمان و مکاں"

انسان نے اپنے بیٹھنے کے لئے ایک تخت بنا رکھا تھا سائنس نے انسان کو اس پوزیشن سے گرا دیا ہے، "زمان" (TIME) یعنی وقت اور "مکان" (SPACE) یعنی فضائے محیط کے متعلق نئی نئی معلومات اور نئے نئے نظریات نے انسان کے اس غرور کو توڑ دیا ہے کہ سارا عالم اسی کی ملکیت ہے پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ تخلیق کائنات کا یہ سارا اسٹیج اسی کی تماشائی نظروں کے لئے تیار کیا گیا ہے اور قدرت نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ سب کچھ انسان کے لئے، بلکہ پیدائش عالم کا مقصد ہی انسان ہے لیکن خیال کا یہ طلسم اب بالکل ٹوٹ گیا ہے، سائنس نے انسان کے فخر و غرور کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اس نے بتلا دیا ہے کہ "اسپیس" یعنی فضائے محیط اتنی وسیع ہے کہ اس کی کوئی حد معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور اس میں جو ستارہ ہے وہ اپنی جگہ پر خود ایک ایسے "نظام شمسی" کا مالک ہے جس کے آگے "ہمارا" نظام شمسی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس سے انسان کی مفروضہ شوکت و عظمت کو ایک زبردست دھکا لگا ہے اور اس غیر محدود وسعت میں انسان کی حیثیت ایک ادنیٰ سے ادنیٰ ذرہ سے زیادہ نہیں رہی ہے، اب یہ وہم و گمان کسی حالت میں بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ یہ ساری کائنات صرف انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے، ممکن ہے انسان کا وجود بھی دوسرے حیوانات کی طرح ایک "اتفاقی امر" ہو۔

اس طرح کے سائنس نے زندگی کے روحانی پہلوؤں کو بھی باقی نہیں رکھا ہے کائنات کے متعلق مشہور سائنسداں سر جیمس جینز کے نظریہ نے اجرام فلکی کی حیرت انگیز شان و شوکت کو صرف ریاضی کا ایک معمولی سا حساب بنا کر رکھ دیا ہے ممکن ہے ایک دن صبح کو بیدار ہوتے ہی ہم کسی اخبار میں یہ دیکھیں کہ زمانہ کی اصل اور بنا ابھی معلوم ہو گئی ہے اور وقت ایک بچہ کی صورت میں ازلی سرحد پر کھیلتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔

دنیا کا خاتمہ

لیکن گرمی اور سردی کے توازن کا قانون یہ کہتا ہے کہ آئندہ واقعات ایسے دلچسپ نہ ہوں گے جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس قانون کو سائنس میں "تھرمو ڈائنامکس" (THERMO DYNAMICS) یعنی "طاقت حرارت" کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ اور دنیا کے مستقبل کے سلسلہ میں یہی ہمارے لئے ایک خطرناک خواب پریشاں بن گیا ہے، اس قانون کے مطابق فطرت میں جتنی چیزیں برابر نہیں ہیں وہ آپس میں برابر ہو جانا چاہتی ہیں یعنی جس چیز میں گرمی (حرارت) موجود ہے وہ گرمی خارج کر کے اس کو دوسری ٹھنڈی چیز تک پہنچا دیتی ہے، یہاں تک کہ دونوں کا ٹمپریچر برابر ہو جاتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ زمین جو روزانہ اپنی حرارت خارج کر رہی ہے رفتہ رفتہ اتنی ٹھنڈی ہو جائے گی کہ انسان اس پر زندگی بسر نہیں کر سکے گا۔

ایک دوسری تھیوری یہ کہتی ہے کہ یہ نظام کائنات ایک قسم کی پرانی گھڑی ہے جس کو ایک مرتبہ چابی دے کر چھوڑ دیا گیا ہے اسی سہارے سے یہ چل رہا ہے، جس وقت چابی ختم ہو جائے گی سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ دنیا کے خاتمہ کے متعلق ایک دوسرا دلچسپ نظریہ ایک بشپ کا ہے اس کے دل میں ایک خوف پیدا ہو گیا ہے کہ کوئی نوجوان سائنسداں ایک نہ ایک روز غلطی سے اپنے تجربات کے دوران میں دنیا کے برقی فیوز (FUSE) کو چھو دیگا۔ اور یہ ساری کائنات پھٹ پڑے گی، اس خطرے کا سبب یہ ہے کہ پچھلے دنوں "ذرہ" کی مخفی طاقت کا پتہ لگا لیا گیا ہے۔ کیمبرج کے دو سائنسدانوں نے ایک "ذرہ" کو توڑنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صرف ایک ذرہ کے ٹوٹنے کے وقت اتنی طاقت خارج ہوتی ہے جو بحری دخانیوں میں بڑے سے بڑے جہاز کو چلانے کے لئے کافی ہوگی، لیکن سائنسداں ہمیں یقین دلاتے ہیں اس ذریعے سے دنیا کے ختم ہونے کا امکان نہیں ہے۔

دو دھاری تلوار

سائنس ایک ایسی دو دھاری تلوار ہے جو دونوں طرف کاٹتی ہے۔ اگر ہم اس کا غلط استعمال کرتے ہیں تو سائنس ہمارا دشمن ہو جاتا ہے، اور اگر صحیح استعمال کرتے ہیں تو دوست بن جاتا ہے۔ گزشتہ چند برسوں میں اس نے انسان کی طاقت اور قابلیت میں بہت بڑا اضافہ کر دیا ہے وہ اس سے تعمیر کا کام بھی لے سکتا ہے اور تخریب کا بھی، افسوس ہے کہ دنیا سائنس سے زیادہ تر تخریب ہی کا کام لینے کی طرف رجوع ہے لوگ وحشی جانوروں کی طرح ایک دوسرے سے لڑتے ہیں اور ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔ گزشتہ جنگ عظیم میں ہم جدید ترقی کی بہت بڑی قیمت ادا کر چکے ہیں، ہمیں چاہیئے تھا کہ اس تباہی و بربادی سے ہم سبق لیتے۔ اس میں شک نہیں کہ یورپین اقوام جنگ کی بڑی سے بڑی تیاریوں کے باوجود ایک عالمگیر جنگ میں مبتلا ہونے سے ڈرنے لگی ہیں۔ انھوں نے جاپان و چین اور اٹلی و حبش کے معاملات میں دخل دینے سے اسی لئے پرہیز کیا ہے کہ عالمگیر جنگ کے خطرات سے ان کو لرزہ آ جاتا ہے پھر بھی جو کچھ اسپین میں ہو رہا ہے وہ خطرہ سے خالی نہیں ہے

پچھلے دنوں ایک امریکن سائنس داں نے اپنی ایک نئی ایجاد کے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ایک ہزار میل کے فاصلہ تک ہر چیز کو آن کی آن میں تباہ و برباد کر سکتا ہے اگر یہ صحیح ہے کہ انسان بہت بڑا بیوقوف نہیں ہے تو صرف اسی خبر کو جنگ کے خاتمہ کا باعث ہو جانا چاہیئے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جدید تمدن کے خود غرضانہ نقطۂ نگاہ نے انسان سے عقل چھین لی ہے۔ اگر مغربی قومیں عالمگیر جنگ سے اپنا دامن بچائے ہوئی ہیں تو ان کا یہ عمل اس لئے نہیں ہے کہ وہ جنگ کو حماقت سمجھتی ہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ جنگ کے مالی نقصانات سے ڈرتی ہیں۔

ایک مفید اثر

سائنس کی ترقی کا ایک مفید اثر یہ ہوا ہے کہ انسان کے قدیم تعصبات اور اوہام میں ایک انقلاب آ گیا ہے اس لئے بہت سے پرانے نظریئے جو تحقیقات پر مبنی نہ تھے، ترک کر دئیے ہیں سائنس نے انسانی خیالات کی ترقی کے لئے بے شمار دروازے کھول دئیے ہیں؛ انسان اپنی رہنمائی اس دنیا میں اپنی زندگی کے مقصد کو ایک بہتر اور مبارک راہ پر لگا سکتا ہے۔

امریکن سائنس داں میلیکن کہتا ہے کہ ازمنۂ وسطیٰ میں جتنے عجیب و غریب خیالات رائج تھے ان کا طلسم سائنس نے توڑ دیا ہے؛ انسان کی طبیعت جدت پسند بھی ہو گئی ہے اور حقیقت آشنا بھی، اس کو معلوم ہو گیا ہے کہ خدا نے ایک خاص انتظام کے تحت میں اس کائنات کو پیدا کیا ہے، ساری دنیا ایک خوش نظمی اور قانون و امن کی بنیاد پر قائم ہے اس لئے انسان کا فرض ہے کہ وہ بھی اس دنیا کو بنی نوع انسان کے رہنے سہنے کے لئے ایک اچھی جگہ بنا دے اور اس میں نقص و انتشار نہ پیدا کرے۔

سائنس اور انسان

لیکن ان تمام خوش فکریوں، اور پرلطف امیدوں کے باوجود ہمیں دنیا کا مستقبل اطمینان بخش نظر نہیں آتا اگر سوسائٹی سائنس ہی کے اصولوں پر قائم کی گئی تو بہت ممکن ہے کہ اس کا نتیجہ دنیا کے لئے خوش گوار نہ ہو، جوں جوں سوسائٹی ترقی کرتی ہے، انفرادی ہستیاں اجتماعی نظام کے ماتحت ہوتی چلی جاتی ہیں یعنی انسان کی شخصیت سوسائٹی میں مدغم ہو رہی ہے۔ اس بنا پر یہ فرض کر لینا غلط نہ ہوگا کہ مستقبل کے آدمی صرف دو حصوں میں تقسیم ہو کر رہ جائیں گے، ایک حاکم اور دوسرے محکوم، علم حیات اس قدر ترقی کر جائے گا کہ انسان صرف بیرونی ذرائع سے پیدا کیا جا سکے گا۔ اور اس مصنوعی پیدائش کے سلسلہ میں اس امر کا لحاظ رکھا جائے گا کہ کس طرح کے کام کے لئے کس طرح کا دماغ اور قابلیت رکھنے والے انسان کی ضرورت ہے محکوم طبقہ کے لئے صرف ایسے ہی لوگ پیدا کئے جائیں گے جو کسی کام میں ایجاد و اختراع کی طاقت نہ رکھتے ہوں، اور اپنی حالت پر قطعاً صابر و شاکر ہوں۔

انسانی زندگی کے لئے بہت سی مصنوعی غذائیں پیدا کی جائیں گی محبت، ہمدردی اور اس طرح کے دوسرے جذبات ممنوع قرار دے دئیے جائیں گے، ناولوں، ڈراموں وغیرہ کے لکھنے یا پڑھنے کی سخت ممانعت ہوگی، شیکسپیئر وغیرہ کا نام بھی لوگ بھول جائیں گے۔ شادی بیاہ کا رواج بند ہو جائے گا اور مرد و عورت کے درمیان جنسی تعلقات پر کسی طرح کی پابندی نہ ہوگی۔ انسانی نسل کو باقی رکھنے کے لئے صرف دس فی صدی عورتیں ریزرو کر دی جائیں گی۔ اور ان سے بھی ان کی مائیں نہیں لی جائیں گی۔ جتنے لڑکے پیدا ہوں گے وہ "اسٹیٹ" (STATE) کی ملکیت ہوں گے اور وقتی حکومت ہی ان کی پرورش اور تربیت کا انتظام کرے گی، ان لڑکوں کو سخت ترین سائنٹفک اصولوں کے مطابق تعلیم دی جائے گی اور ان کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ سائنس کے نظریات اور کتابوں پر اعتراض کریں۔ جو لوگ صرف جسمانی کاموں کے لئے مخصوص ہوں گے ان کے لئے کسی طرح کا دماغی کام کرنا ممنوع ہوگا!

(باقی اگلے صفحہ پر)

اظہارِ محبت!

ایک انگریزی شاہکار کا ترجمہ

(مترجمہ:- از جناب کامل شیرکوٹی)

آؤ، آکر میرے ساتھ رہو اور میری محبت کا مرکز بن جاؤ،
ہم دونوں خوشیاں منائیں گے۔
ان پہاڑوں، وادیوں، گھاٹیوں اور کھیتوں میں،
اور یہ پہاڑ جو غرور سے اپنی گردنیں اونچی کئے کھڑے ہیں،
ہمارے آگے ادب سے جھک جائیں گے۔

ہم پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر
نیچے چرواہوں کو اپنی بھیڑیں چراتے دیکھیں گے،
یا قریب کے پایاب دریاؤں کا نظارہ دیکھیں گے،
جن کے آبشاروں کی صدا پر
پرندے عاشقانہ گیت گاتے ہیں

یہاں میں تمہارے لئے پھولوں کا
اور ہزارہا خوشبودار گلدستوں کا بستر بچھاؤں گا۔
اور ایک لبادہ جس پر مہندی کے پتوں کی سی گلکاری
کی گو دھو بناؤں گا۔

تمہارا کرتہ عمدہ اون کا ہوگا۔
اس اون کا جو ہماری خوبصورت بھیڑوں سے حاصل کی گئی ہو
سردی سے تمہارے پیر بچانے کے لئے
خوبصورت لکیروں والا ایک سلیپر ہوگا۔

تمہارا کمر بند پیال اور مشک پیچاں کی کلیوں کا بنا ہوگا۔
اور اس میں مرجان کے بکلس اور کہربا کے بٹن لگے ہونگے
اگر یہ باتیں تمہیں خوش کر سکتی ہوں
تو آؤ میرے ساتھ رہو۔ اور میری محبوبہ بن جاؤ۔

تمہارا نوجوان عاشق چرواہا ہے،
مئی کی ہر صبح کو تمہاری خوشی کے لئے، پرندے
تمہارے سامنے ناچیں گے اور گائیں گے۔
اور اگر یہ سب مسرتیں حاصل کرنے کے لئے تمہارا
جی چاہے،

تو آؤ میرے ساتھ رہو، اور میری محبوبہ بن جاؤ۔

پچھلے صفحہ سے

اُن کی تفریح کے لئے ایسے ذرائع پیدا کئے جائیں گے جو ان کی فرصت کے وقت کو آسانی سے گزار دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف چند آدمیوں کی تشفی اور اطمینان کے لئے باقی انسانوں کو بالکل مشین بنا دیا جائے گا۔ اور وہ بے جان کل پرزوں کی طرح کام کرنے لگیں گے ان کی حیثیت صرف روبوٹ (ROBOT) کی سی ہوگی جو انجینئروں کی ہدایت کے مطابق عمل کریں گے۔ اور خود کسی انفرادی وجود کے مالک نہ ہونگے۔

لیکن یہ کب تک؟

ایسے حالات بہت دنوں تک قائم اور جاری نہیں رہ سکتے اس طرح کی زندگی یقیناً کچھ دنوں کے بعد ناقابل برداشت ہو جائے گی، ایسی دنیا جو شعریت، مسرت، جذبات، خوشی اور چاشنی سے خالی ہو کس کام کی ہوگی، لوگ زندگی کی یکسانیت اور بے لطف حالت سے گھبرا اٹھیں گے۔ انسانی دماغ کا علم کہتا ہے کہ لوگ ہرگز اس پھیکی، بے مزہ، خشک اور بے نتیجہ دنیا کو قبول نہیں کریں گے۔ وہ تبدیلی اور انقلاب کی صدائیں بلند کریں گے۔ اس وقت ایک ایسا انقلاب آئے گا کہ دنیا کی تاریخ نے ایسا انقلاب کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ انقلاب عالمگیر ہوگا اور اس سے دنیا کی زندگی کا نقشہ دفعتاً بدل جائے گا۔ یا بہت ممکن ہے اس کا نتیجہ یہ ہو کہ مذکورہ بالا بٹ اپ کی تھیوری صحیح ثابت ہو جائے اس انقلاب کی برداشت نہ لا کر کوئی سرکاری سائنس داں ذرہ کا برقی فیوز دریافت کرے اور ایک دن اس کے بٹن کو دبا کر ساری دنیا کو اس طرح پاش پاش کر دے کہ اس کا نام و نشان اور انسانی ہستی کچھ بھی باقی نہ رہے۔ ... ...

دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

یہی وہ لائن ہے جدھر سائنس ہمیں لئے جا رہا ہے اس ترقی کی رفتار اتنی تیز ہے کہ اس سے خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔ سائنس جس منزل کی طرف ہماری رہنمائی کر رہا ہے اس کا کوئی مقصد کسی کی سمجھ میں نہیں آتا بلکہ یوں کہیے کہ زندگی کا مقصد سائنس کی حیرت انگیز ترقیوں کی بھیڑ بھاڑ میں کھو گیا ہے

پھر بھی ہم امید کرتے ہیں کہ ممکن ہے سائنس کے ذریعہ ہم بہتر زندگی بسر کرنا سیکھ لیں، ایسی زندگی جو عقلمندی کے ساتھ موجودہ زندگی سے ہزار گنا بہتر طریقہ پر بسر کی جا سکے۔ مشہور سائنس داں ہکسلی نے کہا ہے کہ سائنس کی ترقی سے ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ ہمیں حیات اور زندگی کی فراوانی حاصل ہو۔ اگر ہم اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور سائنس کی ترقی سے فائدے کے بہترین پہلو نکال سکے تو یقیناً ہم خوشی اور راحت کی زندگی بسر کر سکیں گے۔ اور اگر ہم ایسا نہ کر سکے تو ہمارے لئے مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ سائنس سے عظیم الشان فائدے بھی ہو سکتے ہیں، اور نہایت خطرناک نقصانات بھی، اس وقت یہی دونوں نتیجے ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، ایک طرف بولی چال اور ریڈیو سے اگر زندگی کے مفید ترین کام لئے جا رہے ہیں تو دوسری طرف ان کو تباہی و ہلاکت کا ذریعہ بھی بنایا جا رہا ہے جب اس وقت دنیا کا حال یہ ہے تو سائنس کے دامن میں اس کا مستقبل جیسا ہوگا اس کا اندازہ کرنا چاہیئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کون ہے جو مستقبل کی تاریک گہرائیوں پر ایک نظر ڈال کر اس کا جواب دے سکے کہ:-

انسان کدھر جا رہا ہے؟

[illegible]

۱۳ جولائی ۱۹۳۷ء

ورکنگ کمیٹی کا فیصلہ

کانگریس کا قدم ایک نئے میدان میں

انڈین نیشنل کانگریس ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی تھی۔ کچھ دنوں تک اس کا کام صرف اسی قدر تھا کہ اپنے سالانہ اجلاس میں چند ریزولیوشن پاس کر کے حکومت کے سامنے کچھ مطالبات پیش کرے اور وہ بھی اس طرح جیسے کوئی خوفزدہ محکوم اپنے حاکم سے کچھ مانگے۔ وہ اپنے حسن طلب سے کام لینا چاہے۔ اس کے بعد کانگریس کی طاقت رفتہ رفتہ زور پکڑتی گئی اور اس کے دھیمے سُروں نے ایک پُرزور اور بلند آہنگ صداؤں کی صورت اختیار کی۔ مطالبات میں جرأت اور سُرعت کا عنصر داخل ہوا۔ طلب حقوق کا دائرہ بڑھتا گیا۔ اور آخر اُسے کہہ دینا پڑا کہ ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ اب اس پر حکومت وقت کی گرم نگاہیں پڑنے لگیں۔ لیکن سیاسی فلسفہ کا ایک لازمی جزو یہی ہے کہ جوں جوں عوام کی طاقت کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے وہ طاقت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے چنانچہ ایک دن ایسا بھی آیا کہ حکومت وقت کا مفاد اور ملک کا مفاد دو جداگانہ چیزیں سمجھی جانے لگیں، حکومت اور کانگریس کے درمیان مخالفت کی خلیج حائل ہوگئی، اور کانگریس کو اپنے مطالبات منظور کرانے کے لئے تحریک عدم تعاون و سول نافرمانی جیسے حربوں سے کام لینا پڑا۔

برطانی امپائر کی تاریخ یہ کہتی ہے کہ جب کسی محکوم ملک میں ایسے حالات پیدا ہوجاتے ہیں تو برطانیہ ایک طرح کی دورخی سے کام لینا شروع کرتا ہے۔ ایک طرف تو سخت گیری کی پالیسی جاری کی جاتی ہے اور دوسری طرف کچھ لوگوں کے آنسو پونچھنے اور رائے عامہ کو اپنے حق میں کرنے کے لئے کمیشن، کمیٹی یا کانفرنس کے ذریعہ اصل اصلاحات کا ایک تماشا اسٹیج پر لایا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آزادی کی جدوجہد کے میدان میں سب سے زیادہ قربانی پیش کرنے والی جماعت اپنی بے لوث خدمت کے جذبہ کے باعث اس تماشہ سے الگ رہتی ہے اور جاہ و منصب کے طالب اور عہدہ و خطاب کے بھوکے لوگ بیچ میں آکر فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ اور چونکہ ان کا سارا سرمایہ عزّ و جاہ اور عیش و نشاط حکومت کا عطا کردہ ہوتا ہے اس لئے ان کی ہوس پرست نگاہیں بھی حکومت ہی کے نیاض ہاتھوں کی طرف لگی رہتی ہیں۔

ہندوستان میں بھی برائے نام اصلاحات کے تین دور آئے اور ہر دور میں یہی ہوا۔ اور یہ کہا گیا ہے موجودہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے نفاذ کے وقت بھی جب کہ عام انتخابات میں کانگریس نے یہ ثابت کر دیا کہ سارا ملک اس کے ساتھ ہے، کانگریس کے انکار وزارت کے بعد حکومت کو کچھ لوگ ایسے بھی مل ہی گئے جنہوں نے دستور آئین، یا کم از کم سیاسی اخلاق و روایات کو پس پشت ڈال کر "انٹیرم" وزارتیں قائم کر دیں۔ آج جبکہ وار دھا میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اب کانگریس کو وزارتیں قبول کر لینی چاہئیں، ایک ناقابل برداشت جمود دور ہو گیا ہے۔ اور سارے ملک نے اطمینان کا سانس لیا ہے، ہم جانتے ہیں کہ کانگریس کے سامنے ہزاروں کام اور ہزاروں مسائل ہیں جن پر ملک کا مفاد منحصر ہے۔ لیکن اُن پریشان حال اور افلاس زدہ عوام کے لئے جو دنیا میں راحت و آرام نہیں جانتے، یہ بھی کم نہیں کہ ان کو ایسے لوگوں کے پنجہ اور ناز یبا عمل سے نجات مل گئی جنکو اکثریت کا ذرا بھی اعتماد حاصل نہ تھا۔ اور جو اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے پیش نظر قلمدان وزارت پر قابض ہو گئے تھے۔

ورکنگ کمیٹی کے اس فیصلہ کا ملک میں جس بے چینی سے انتظار کیا جا رہا تھا وہ اسی سے ظاہر ہے کہ غالباً وار دھا کے خانۂ راز سے یہ خبر مشکل سے باہر آئی ہوگی کہ برقی سُرعت کے ساتھ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی۔ ہماری نظروں میں تو اس وقت چھ صوبوں کے اُن غریب کسانوں اور افلاس زدہ باشندوں کا نقشہ پھر رہا ہے جن کے مایوس اور زرد چہروں پر اس خبر سے مسرت کی ایک سُرخ لہر دوڑ گئی ہوگی۔ وہ بیچارے تعلیم یافتہ نہیں ہیں، وہ سیاسی نکتوں سے قطعاً ناواقف ہیں، وہ ان آئینی پیچیدگیوں کو کیا جانیں کہ گورنروں کی طرف سے "عدم مداخلت" کا وعدہ کیا معنی رکھتا ہے۔ وہ تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ انھوں نے اپنی حالت زار کی بہتری کے لئے کانگریس کو ووٹ دیا تھا۔ اور اب وہی کانگریس جو ان کی "اپنی" کانگریس ہے، اور جس سے انھوں نے اپنی زندگی کی کچھ امیدیں لگا رکھی تھیں وزارت کا بوجھ سنبھالنے اور حتی الامکان ان کو فائدہ پہونچانے کے لئے آ رہی ہے۔

ہم ورکنگ کمیٹی کے اس فیصلہ کو سر دست اس کے سوا کسی اور زاویہ نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اس فیصلہ کو ایک دوسرے زاویہ نگاہ سے دیکھ رہے ہوں گے یعنی یہ کہ حکومت نے کانگریس کا مطالبہ منظور نہیں کیا اور پھر بھی کانگریس نے عہدہ قبول کر لیا۔ ایک تو یہ کہنا ہی غلط ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ لفظی اعتبار سے اگر نہیں تو معنوی اعتبار سے حکومت نے کانگریس کو اس امر کا یقین دلا دیا ہے کہ گورنر کے مخصوص اختیارات اس لئے نہیں ہیں کہ ان کے ذریعہ وزراء کی روزانہ آئینی کارروائیوں میں مداخلت کی جائے اور دوسرے اگر یہ خیال مشتبہ بھی سمجھا جائے جب بھی کانگریس نے از سر نو یہ ثبوت پیش کر دیا ہے کہ اسپر "پرسٹیج" کا بھوت سوار نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد خالص خدمت اور عوام کے حقوق کی نگرانی ہے، کانگریسی وزارت کو اس کی کیا پڑی ہے کہ حکومت کا طرز عمل کیا ہے؟ اس کے پیش نظر تو صرف دو اہم مقاصد ہیں جو کانگریس کے انتخابی مینی فسٹو میں شامل تھے اور جن کا اعادہ ورکنگ کمیٹی کے موجودہ ریزولیوشن میں بھی کر دیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ جدید آئین کو منسوخ کرا کے "آئینی اسمبلی" کے ذریعہ ایک نیا آئین مرتب کرنا۔ دوسرے ہر ممکن طریقہ پر اپنے تعمیری پروگرام کو کام میں لانا اور مصیبت زدہ عوام کو فائدہ پہونچانا۔

ظاہر ہے کہ ورکنگ کمیٹی کے فیصلہ سے کانگریس نے ایک نئے عملی میدان میں قدم رکھا ہے۔ اس کی ذمہ داریاں کیا کیا ہیں اس کے بیان کی غالباً ضرورت نہیں، اکثر اخبارات یہ رائے زنی کر رہے ہیں کہ کانگریسی وزارتوں کو یہ کرنا چاہیئے اور وہ کرنا چاہیئے ہم اس سلسلہ میں کچھ کہنا نہیں چاہتے، کانگریس ایک خاص مقصد لیکر اس نئے میدان میں آئی ہے اس کا انتخابی مینی فسٹو ملک کے سامنے موجود ہے اور یہی وہ آخری معیار ہے جس سے کانگریس کے کاموں کو جانچا جائیگا۔ جو مسائل کانگریس کے سامنے ہیں وہ اتنے اہم اور اتنے وسیع ہیں کہ لوگوں کو یہ توقع نہیں کرنی چاہیئے کہ جادو کا ایک ڈنڈا گھما دینے سے دنیا آن کی آن میں بدل جائے گی اپنی وزارت سے لوگوں کو فائدہ پہونچانے کے لئے کانگریس کو اپنی پوری طاقت، پورے نظام، پوری حکمت عملی اور دوراندیشی سے کام لینا پڑے گا۔ یہ بات پہلے ہی سے معلوم ہے کہ کانگریس اپنی طرف سے کوئی ایسی نازک صورت حال پیدا نہ کرے گی کہ دوبارہ جمود لازمی ہو جائے جیسا کہ بہت دن پہلے مسٹر راجگوپال اچاریہ کہہ چکے ہیں ایسا نہیں ہوگا کہ محض جمود کی خاطر جمود پیدا کیا جائے تو یقینی گورنر بھی غالباً ایسا کوئی عمل نہیں کریں گے جو کانگریس کے مقصد اوّل یعنی عوام کی فلاح و بہبود کی راہ میں رکاوٹ بن جائے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو اس کی ذمہ داری انہیں پر ہوگی، کانگریس پر نہیں، اب تک کانگریس نے ملک کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ صرف بڑی سے بڑی قربانیوں کے ذریعہ کیا ہے۔ اب کانگریس کو یہ موقعہ ملا ہے کہ ملک کے دکھ درد اور افلاس و مصیبت کو دور کرنے کے لئے کچھ کرے۔ اس کا پہلا عمل تخریبی تھا جو اپنی جگہ پر صحیح تھا کیونکہ کسی ناقص عمارت کو توڑنے کے بعد ہی نئی عمارت بنائی جا سکتی ہے اس کا موجودہ عمل تعمیری ہوگا اور یہ بھی اپنی جگہ پر صحیح ہوگا۔ اب کانگریس سے ادا کئے ہوئے چھ صوبوں کا قلمدان وزارت ہے ... کاموں کا اثر باقی صوبوں پر بھی ... ممکن ہے آئندہ انتخابات میں کانگریس کو وہاں بھی اکثریت حاصل ہو جائے اب سارے ملک کی نگاہیں کانگریس ہی کی طرف لگی ہوئی ہیں ... کی نگاہیں بھی اسی کی طرف ہیں امید ہے کانگریس اپنے امتحان میں بھی کامیابی کا جھنڈا لہراتی ہوئی نظر آئے گی ... ہندوستان کو پورن سوراج حاصل ہو جائے گا۔

آئینۂ خیال

"برشا منگل"

گرمی کی شدت اور لوؤں کی جان لیوا حرارت کے بعد برسات کا روح پرور موسم اپنی تمام رنگینیوں کے ساتھ آگیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہندوستان کے موسم غیر ممالک کے چار موسموں سے جداگانہ ہیں یعنی موسم بہار۔ موسم گرما۔ موسم خزاں و موسم سرما کی جو ترتیب دوسرے ملکوں میں ہے وہ یہاں نہیں ہے، بلکہ ہندوستان کی اصلی بہار موسم گرما کے بعد ہی آتی ہے۔ اور وہی برسات کا پُربہار اور جاں نواز موسم ہے اس حساب سے بھی یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہندوستان میں بہار آگئی ہے اس بہار کے خیر مقدم کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں طرح طرح کی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ لیکن ہندوستان کے شاعر اعظم ڈاکٹر ٹیگور نے اپنی یونیورسٹی "شانتی نکیتن" میں برسات کے استقبال کے لئے اپنی شاعرانہ جدت اور دلآویزی سے کام لیا ہے وہاں ہر سال اس موقعہ پر "برشا منگل" کے نام سے ایک نہایت خوبصورت اور دلکش تہوار منایا جاتا ہے جس میں ان کی یونیورسٹی کی لڑکیاں ان کے تصنیف کئے ہوئے مخصوص گیت گاتی ہیں، سروں پر پھولوں سے بھری ہوئی تھالیاں یا گاگر لے کر رقص کرتی ہیں اور شانتی نکیتن میں نئے سال کے پودے لگاتی ہیں اس تہوار کا ایک گیت غالباً بنگالی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کر کے شریمتی پدمنی ... نے شائع کیا ہے ہم ناظرین تیج دیکلی کو برسات میں اس نعمت سے محروم نہیں کرنا چاہتے۔ اس لئے اس گیت کی چند سطروں کا اردو ترجمہ ذیل میں شائع کرتے ہیں:-

سوال:- اے خوبصورت لڑکیو! تم کیوں رقص کرتی ہو؟
جنگل اور سبزہ زار میں تمہارے ڈھول اور گانے کی صدائیں گونجتی ہیں!
یہ کونسا گیت ہے جو تم اس ابر آلود موسم میں گا رہی ہو؟

جواب:- ہم اس ٹھنڈی صبح میں اس لئے گاتے اور رقص کرتے ہیں۔
کہ زندگی جو مُردہ ہو چکی تھی اسکو پھر حیات مل گئی ہے۔
آسمانوں نے اپنے دروازے کھول دئے ہیں۔
ہم بارش کے دیوتا کی اور پانی برسانے والے سیاہ بادلوں کی پوجا کرتے ہیں۔

سوال:- اے خوبصورت لڑکیو! تمہارے سروں

پر کیا جنبہ ہے؟
تمہارے گھنگھروؤں کی صدائیں، بانسری کی دلکش آوازوں سے مل رہی ہیں۔

جواب: ہم بارشس کے دیوتا کا گُن گاتے ہیں
ہماری تھالیوں میں کنول، جوہی، گلاب، چمپا کے پھول ہیں
ہم ان کو بارشس کے دیوتا کی نذر کرتے ہیں۔
تاکہ وہ ہم پر ٹھنڈی بوندیں برسائیں۔

سوال: اے خوبصورت لڑکیو! تم یہ کون سے پودے بو رہی ہو؟
سبزہ زار میں تمہارے سُرخ اور سنہرے لباس دھنک کے رنگوں کی طرح ایک شاعر کا خواب معلوم ہوتے ہیں۔

جواب: اس ابرآلود صبح کو دنیا نے ایک نئی زندگی حاصل کی ہے۔
ہم کھجور، آم اور نیم کے نئے پودے زمین میں لگاتے ہیں
تاکہ زندگی کے درخت کی طرح ان سے بھی ایک نئی زندگی کا سرچشمہ پیدا ہو۔

رشوت ستانی کا انسداد!

پنجاب اسمبلی میں بجٹ پر بحث کے دوران میں جب پولیس کی رشوت ستانیوں اور بعض اخلاقی نقائص کی طرف حکومت کی توجہ دلائی گئی تو افسوس ہے کہ وزارت نے اس کا کوئی معقول جواب نہ دیا بلکہ یہ کہہ کر کہ رشوت ستانی کا مرض صرف محکمہ پولیس ہی میں نہیں بلکہ دوسرے محکموں میں بھی موجود ہے عذر گناہ بدتر از گناہ بنا دیا۔ حیرت ہے کہ پنجاب کی وزارت نے نہ تو مختلف ہائی کورٹوں اور عدالتوں کے فیصلوں سے فائدہ اٹھایا جن میں متعدد بار پولیس کی کارروائیوں پر نکتہ چینی کی گئی ہے اور نہ سر ڈگلس ینگ ہی کی مثال کی تقلید کی جنہوں نے عدالتوں سے رشوت ستانی کے انسداد کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ اسی ہفتہ میں علیگڑھ کے سشن جج کے فیصلہ نے اس واقعہ پر روشنی ڈالی ہے کہ پولیس کو رشوت نہ دینے پر ایک بیمار کو اس قدر زد و کوب کیا گیا کہ اس بیچارے نے دم توڑ دیا۔ اگر دوسرے محکموں میں رشوت ستانی موجود ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ محکمہ پولیس کی بداخلاقی کا انسداد نہیں ہونا چاہئے۔ حکومت پنجاب کا فرض ہے کہ پوری سختی کے ساتھ اس نقص کو دُور کرنے کی کوشش کرے۔

مہاتما گاندھی اور "ہندوستانی" زبان!

واردھا کے راشٹر بھاشا بھون میں "راشٹر بھاشا مندر" کا افتتاح کرتے ہوئے مہاتما گاندھی نے ہندوستان کی مشترکہ زبان کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ فرمائے ہیں:-

"ہندوستانی وہ زبان ہے جس کو عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں، جو شمالی ہند میں بولی جاتی ہے۔ اور دیوناگری اور فارسی دونوں رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اس کی دو طرزیں رائج ہیں اور اس زبان کے ماہروں کو چاہئے کہ وہ دونوں رسم الخط سے واقف ہوں، یعنی وہ ہندی زبان بھی اچھی طرح سمجھتے ہوں جو بنارس کے پنڈتوں کی زبان ہے۔ اور وہ اردو بھی جانتے ہوں جسے لاہور کے مولوی استعمال کرتے ہیں۔"

مہاتما جی کے اس بیان کو پڑھنے کے بعد غالباً ان فرقہ پرستوں کی زبان بند ہو جائے گی جو آئے دن یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ مہاتما جی اردو رسم الخط کے مخالف ہیں اور صرف ہندی رسم الخط رائج کرنا چاہتے ہیں۔ ہندوستانی زبان ہندوستان کی مشترکہ زبان بننی چاہئے اس کا کوئی نام رکھ دیجئے۔

فلسطین کی تقسیم!

فلسطین کا تحقیقاتی کمیشن لارڈ پیل کی صدارت میں اس غرض سے بھیجا گیا تھا کہ عربوں اور یہودیوں کی مسلسل جنگ آزمائیوں کے اسباب کے متعلق تحقیقات کرکے اہل فلسطین کو اس مرض سے نجات دینے کے ذرائع پیدا کرے، لیکن پیل کمیشن کی سفارشات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مرض سے بھی بدتر اور زیادہ خطرناک ایک علاج تجویز کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ فلسطین کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصہ یہودیوں کے سپرد کر دیا جائے دوسرا حصہ عربوں کو دے دیا جائے اور تیسرا حصہ خود برطانوی فیاضی (میثاق) کے تحت میں رکھا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ تقسیم خود برطانیہ کے سوا جس نے پیل کمیشن کی سفارشات کو منظور کر لیا ہے کسی کو بھی پسند نہ ہوگی۔ عربوں اور یہودیوں میں اس کے خلاف زبردست ایجی ٹیشن پیدا ہو جائے گا۔ غالباً برطانیہ بھی اس خطرہ کا واقف ہے اسی لئے ایک طرف تو یہ دھمکی دی گئی ہے کہ اگر اس تقسیم کو اہل فلسطین نے تسلیم نہ کیا تو وہاں مارشل لا جاری کر دیا جائے گا، اور دوسری طرف ایک جنگی جہاز بھی فلسطین کی بندرگاہ تک پہنچ گیا ہے۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے؟

کانگریسی ممبروں کی بھرتی!

اخبارات میں جو اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ یو۔ پی میں کانگریس کے لئے ممبروں کی بھرتی زور و شور سے جاری ہے اور تقریباً ایک لاکھ افراد اس وقت تک کانگریس میں داخل ہو چکے ہیں اس سال کانگریسی ممبروں کی بھرتی کے لئے آخری تاریخ ۱۶ اکتوبر مقرر ہوئی ہے، یقیناً یہ رفتار بہت امید افزا ہے اور اگر بھرتی اسی ریٹ سے ہوتی رہی تو یو۔ پی میں کانگریسی ممبروں کی تعداد کا تین لاکھ تک پہونچ جانا کچھ مشکل نہیں ہے دوسرے صوبوں کے اعداد ہمارے سامنے نہیں آئے ہیں مگر ان میں بھی کام جاری ہے۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یو۔ پی کا صوبہ اس وقت راشٹر پتی کا صوبہ ہے لیکن دوسرے صوبوں میں بھی کانگریس نے کچھ کم بیداری پیدا نہیں کی ہے اگر کانگریسی ممبروں کی بھرتی کے لئے دوسرے صوبے یو۔ پی سے سبق لیں تو ان کو بھی اپنی اپنی معینہ تعداد جلد پوری کر دینی چاہئے۔ صرف منظم کام کرنے کی ضرورت ہے، کامیابی اسی سے حاصل ہوتی ہے۔

وزیروں کی توہین

کسی شاعر کا ایک مصرعہ ہے۔ ع

وہی دن آگئے آتے انہیں ہم جس دن کو ڈرتے تھے

بالکل یہی حالت صوبہ سرحد کے اُن وزراء پر صادق آتی ہے کہ جن کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ جب وہ دورے پر گئے تو بعض ضلع افسروں نے اپنے عمل سے اُن کے عہدے کی توہین کی ہم جانتے ہیں کہ سرحد (صوبہ) ست کو مقبولیت حاصل نہیں ہے۔ مگر اس کا کوئی سوال نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب کوئی شخص خواہ کسی طریقہ سے وزیر بنا لیا جاتا ہے تو ضلع افسروں کا فرض ہو جاتا ہے کہ اس کا احترام کریں۔ واقعات یہ بیان کئے جاتے ہیں کہ صوبہ سرحد کے ڈپٹی وزراء نے جب مختلف اضلاع کا دورہ کیا تو اُن کے استقبال کے لئے جانا تو درکنار بعض افسروں نے ان کی قیام گاہ پر جا کر ملاقات کرنا بھی ضروری نہ سمجھا۔ اور ایک واقعہ ایسا بھی گذرا کہ جب وزیر صاحب خود ایک افسر کی کوٹھی پر گئے تو ملاقات سے انکار کر کے یہ کہدیا گیا کہ ملاقات گھر پر نہیں بلکہ دفتر میں ہو سکتی ہے۔ معلوم نہیں کہ ان الزامات کی اصلیت کیا ہے مگر اب تک ان کی کوئی تردید ہمارے سامنے نہیں آئی ہے۔ اگر یہ الزامات صحیح ہیں تو کیا ملازمتوں کو گورنر کے مخصوص "تحفظ" میں رکھنے کا مطلب یہی تھا کہ وزیروں کے عہدوں کی اس طرح توہین کی جائے؟ گورنر سرحد کو چاہئے کہ وہ جلد اس سلسلہ میں مناسب کارروائی کر کے ان افسروں سے باز پرس کرے۔ اور اگر یہ الزامات صحیح نہیں ہیں تو سرحد کی وزارت کو خود ایک بیان شائع کرنا چاہئے۔

سر سہراب جی پوچکھانا والا کی وفات

سنٹرل بنک آف انڈیا کے منیجنگ ڈائرکٹر سر سہراب جی پوچکھانا والا کی وفات نے ہندوستان کی پبلک زندگی سے ایک بہت بڑے ماہر مالیات اور منتظم کو چھین لیا۔ آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے ایک کامیاب ہندوستانی بنک کی بنیاد ڈالی تھی اور یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہندوستان کسی طرح قابلیت میں غیر ممالک سے پیچھے نہیں ہے۔ سر سہراب جی کی داستان زندگی ایک مسلسل جد و جہد کی داستان ہے اور جس طرح انہوں نے تمام مخالف حالات کا مقابلہ کر کے سنٹرل بنک کی بنیاد ۱۹۱۱ء میں ڈالی تھی وہ دوسرے ہندوستانیوں کے لئے عزم و استقلال کی ایک زریں مثال ہے سنٹرل بنک نے اپنی نگرانی میں جو بے نظیر ترقی کی اس پر اظہار خیال کی ضرورت نہیں آپ کا زریں کارنامہ ہندوستان کے سامنے موجود ہے۔ ہم اس حادثہ میں سر سہراب جی کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔ اور ہمیں اس کا یقین ہے کہ سر فریدوں جی موجودہ منیجنگ ڈائرکٹر کی رہنمائی میں بھی سنٹرل بنک آف انڈیا اپنی روایات کو قائم رکھے گا۔

مسٹر ڈی ویلرا اور آئرش انتخابات

یہ خبر مسرت انگیز ہے کہ آئرلینڈ کی ڈائیل (پارلیمنٹ) کے لئے جو انتخابات پچھلے دنوں ہوئے ہیں ان میں مسٹر ڈی ویلرا اور اُن کی آزادی پسند جماعت کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اس عام انتخاب کا اصلی ISSUE (متنازعہ مسئلہ) یہ تھا کہ مسٹر ڈی ویلرا نے آئرلینڈ کے لئے جو نیا آئین مرتب کیا ہے وہ ملک کو منظور ہے یا نہیں۔ اگرچہ نتیجہ میں مسٹر ڈی ویلرا کی پارٹی کو کامل اکثریت حاصل نہیں ہوئی۔ پھر بھی اگر لیبر پارٹی ان کے ساتھ ہو جائے تو یہ بعض ترمیمات کے ساتھ اپنے مرتب کئے ہوئے آئین کو پاس کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور آئندہ عام انتخابات کے وقت تک غالباً یہ رکاوٹ بھی دُور ہو جائے گی۔

ایک کتاب کی ضبطی

ابھی لوگوں کو یاد ہوگا کہ چند سال ہوئے ایک نوجوان انگریز مسٹر رجنالڈ رینالڈز ہندوستان آئے تھے تاکہ اس ملک کے متعلق چشم دید معلومات حاصل کریں۔ مہاتما گاندھی نے ان کی دیانت اور خلوص سے متاثر ہو کر ان کو اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیدی تھی۔ اور گاندھی ارون سمجھوتہ کے زمانہ میں مسٹر رینالڈز ہی مہاتما جی کا ایک اہم ترین پیغام لارڈ ارون کے پاس لے گئے تھے۔ مسٹر رینالڈز نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام "ہندوستان کے گورے صاحب" ہے۔ لیکن گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک اعلان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کو ہندوستان میں ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ ہم نے یہ کتاب دیکھی نہیں ہے مگر خود حکومت ہند کا امتناعی حکم غالباً اس امر کی کافی دلیل ہے کہ اس میں انگریزوں کی مخالفت اور ہندوستان میں دفتری حکومت کی برکتوں کے متعلق کچھ تحریریں ہوں گی۔ ڈاکٹر سنڈر لینڈ کی کتاب "غلام ہندوستان" اور برطانوی پارلیمنٹ کے لیبر ممبروں کی کتاب "ہندوستان کی حقیقت" کا حشر بھی یہی ہوا تھا۔ ہندوستانی معاملات کے ہوشیار محافظوں کا یہ طریق عمل اور فوری کارروائیاں قابل داد نہیں تو اور کیا ہیں؟

سائیکل کی سواری یا "خودکشی"

دہلی میں اور دیگر بڑے شہروں میں لوگوں نے یہ منظر کبھی ضرور دیکھا ہوگا کہ متعدد نوجوان جب سائیکلوں پر سوار ہو کر شاہراہ پر چلتے ہیں تو اپنی "سائیکل نوازی" کا کمال دکھانے کے لئے شان سے اپنے دونوں ہاتھ ہینڈل بار سے الگ کر لیتے ہیں اور صرف پاؤں کے سہارے سائیکل کا توازن قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ عمل ایک ایسے شہر میں جہاں ہر وقت تانگے، ٹریم گاڑیاں، موٹر کاریں، موٹر بسیں اور ٹھیلے وغیرہ چلتے رہتے ہیں۔ نہایت خطرناک ہے۔ اور کبھی کبھی ایک ٹکر صرف ایک حادثہ کی نہیں بلکہ چند مسلسل حادثات کا باعث بن جاتی ہے۔ خود سائیکل سوار کے لئے بھی سڑکوں پر ایسی حرکت کرنا "خودکشی" کے برابر ہے۔ کیا ہندوستان میں کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جا سکتا جس کے رو سے سائیکل پر ہاتھ چھوڑ کر سواری کرنا قابل سزا قرار دیا جائے؟

انتر جاتیہ سہ بھوج

مدراس کی طرح پونا بھی کٹر پنتھیوں اور چھوت چھات کے حامیوں کا ایک مرکز سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے پاس ایک انتر جاتیہ سہ بھوج کی دلخوش کن خبر آئی ہے۔ اس سہ بھوج میں ہریجن والنٹیروں نے کھانا پکایا تھا اور انہیں نے سب کو کھلایا تھا۔ اعلیٰ ذاتوں کے برہمن اور سرکار جنہوں نے ہندوستان نے اچھوتوں کو انسانی حقوق عطا نہیں کئے ہیں ایک ساتھ کھانے میں شریک ہوئے اور تقریباً ۴۰۰ ہندو ہندوؤں نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ دہلی میں بھی ایک زمانہ میں سہ بھوج ہوا کرتا تھا مگر اب معلوم نہیں کہ کیا ہوا کہ کھانے پینے اور ملنے جلنے کی یہ رسم ہی ختم ہو گئی اور وہ بھی ایسے موسم میں جبکہ دہلی کے اندر بہترین آموں سے بھرے ہوئے ہیں کیا اہل دہلی اس ضروری قومی کام کی طرف توجہ دینگے اور ہماری دعوت قبول کرنے کیلئے تیار ہیں؟

اشارات

ہائی کمشنر آف انڈیا ملک فیروز خاں نون سے لندن کی پارلیمنٹ اسٹریٹ ریلوے نے یہ درخواست کی تھی کہ اس کے پانچ نئے انجنوں میں سے ایک انجن کا نام اپنی پسند کے مطابق رکھ دیں۔ ملک فیروز خاں نون نے اس کا نام "امپائر آف انڈیا" رکھ دیا۔

اس سے تو بہتر تھا کہ اس انجن کا نام "ہائی کمشنر آف انڈیا" ہی رکھ دیتے۔

برطانیہ کے موجودہ وزیر اعظم مسٹر نیول چیمبرلین نے سابق وزیر اعظم مسٹر بالڈون کو ایک کتاب بطور ہدیہ پیش کی ہے جس میں لارڈ بالڈون کی خدمات کی تعریف میں ۵۵۳ جملے درج ہیں۔

۵۵۳ کو دو سے ضرب دیجئے تو ۱۱۰۶ ہو جائے گا ہندوستان لارڈ بالڈون کو ایک ایسی کتاب پیش کر سکتا ہے جس میں اُن کی خدمات کے نقائص کے متعلق ۱۱۰۶ جملے ہوں۔

بہرحال اس سلسلہ میں ایک دلچسپ حقیقت ظہور میں آئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ بالڈون کی ساری خدمات صرف ایک عورت کے دم قدم سے تھیں۔ لارڈ بالڈون نے اپنی ایک تقریر میں کہا ہے کہ سات سال پارلیمنٹ میں رہنے کے بعد انہوں نے اپنی بیوی سے کہا "میں لندن میں نہ خدا کے لئے مفید ہوں اور نہ انسان کے لئے۔ میں اب اس سیاسی کھیل کو چھوڑ کر دیہات میں رہنا چاہتا ہوں"

اس پر لیڈی بالڈون (سابق مسز بالڈون) نے جواب دیا۔ "تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں دس سال تک سیاسیات میں ڈٹا رہونگا اس مدت تک تو ضرور ڈٹے رہو۔ اگر اب بھی کامیابی نہ ہو گی تو ہم دیہات کو چلے چلینگے۔"

مسٹر بالڈون نے بیوی کی بات اسوقت مان لی اور اس کے بعد آپ سیاسیات کے میدان میں دندناتے رہے۔

پھر تو اُن کی خدمات کے ۱۱۰۶ نقائص ہم اُن کی اہلیہ ہی کے سر تھوپنا چاہیں گے۔

بنگال کے چیف منسٹر مسٹر فضل الحق نے اپنے انتخاب سے پہلے ایک جلسہ میں فرمایا تھا کہ حکومت کا یہ عمل کہ اس نے معذرت بلا تغیر بنگال کے بہترین نوجوانوں کو نظر بند کر رکھا ہے نہایت قابل اعتراض ہے لیکن جب وہ وزیر اعظم ہو گئے تو کہنے لگے کہ مجھے بنگال کے پانچ کروڑ باشندوں کی بھی حفاظت کرنی ہے۔

بات یہ ہے کہ "فضل الحق صاحب" مولوی فضل الحق تھے اب وہ وزیر اعظم ہیں مسٹر جیکل اینڈ ہائڈ کی کہانی یاد کیجئے۔

لالہ زار

(تیج ویکلی کے خاص شاعر کے قلم سے)

وارؔدھا کا فیصلہ

سہگاؤں کی شعاع پڑی وارؔدھا پہ جب
رُوحانیت کی غیب سے تائید ہو گئی

عہدہ قبول کرنے کا اب فیصلہ ہُوا !
بدخواہ کے خیال کی تردید ہو گئی

ہندوستاں میں دوڑ گئی یُوں خوشی کی لہر
جیسے غم و الم میں کوئی عید ہو گئی

تاریکیوں کے بعد ہُوا روشنی کا دَور
گزری جو رات صبح کی پھر دید ہو گئی

اب کانگریس کے ہاتھ میں آئینِ وزارتیں
پیدا دلوں میں اِک نئی امید ہو گئی

بالاتفاقِ رائے ہماری قرارداد
آزادی کی کتاب کی تمہید ہو گئی

(وارؔدھا میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے جمہور والے چھ صوبوں میں وزارتیں قبول کرنے کا فیصلہ کر دیا)

جاپان کا چین پر حملہ

حصولِ مملکت کا شوق ہر حملہ کا باعث ہے
اسے ظلم و ستم کمزور پر کرنا بھی آتا ہے

تشدد کر رہا ہے نام سمجھوتہ کا لے کر
کسی تصویر میں دو رنگ سے بھرنا بھی آتا ہے

تمدن کا سبق سیکھا ہے جس نے اہلِ مغرب سے
ڈرانا بھی اسے آتا ہے اور ڈرنا بھی آتا ہے

(جاپان کی فوجوں نے شمالی چین پر ایک شدید حملہ کیا لیکن اس کے باوجود جاپانی کیبنٹ ایک خوشگوار سمجھوتہ کی خواہشمند ہے)

جانے والی وزارتوں کی زبانی!

ہمیں رونا ہے اپنے حال پر اب ہنستی دُنیا تک
کہ واپس کر کے ہم آخر وزارت کا قلم نکلے

ہزاروں بار جب سجدے کریں پائے حکومت پر
ہمارے دل سے تب جا کر کہیں رنج و غم نکلے

سمجھتے تھے یہ ہم نادان ہیں سب کانگریس والے
مگر یہ تو بلا نکلے غضب نکلے ستم نکلے

زبانِ داغؔ میں اب تو یہی ہم کہہ کے رو دیں گے
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے

(سُنا جاتا ہے کہ اکثر انٹیرم وزراء دھڑا دھڑ استعفے داخل کر رہے ہیں)

پنجاب کا تعلیمی بجٹ

نہیں ملتا ہے تعلیمی بجٹ کے واسطے پیسہ
حکومت کی تجوری پر پڑے دو چار تالے ہیں

کہا تقریر میں اچھا یہ لالہ دیش بندھو نے
مقدس ہے یہ مقصد، علم کے اُونچے شوالے ہیں

جو کچھ رکھتے ہیں بنکوں میں اُسی سے اک رقم دیدیں
وہ سرکاری ملازم جو بڑی تنخواہ والے ہیں

انہیں بھی چاہئے تعلیم کے صیغہ کو چندہ دیں
خطابوں کی تمنا میں جنہیں جانوں کے لالے ہیں

نہ ہو ایسا وزارت اپنی الماری سے یہ کہہ دے
یہ تجویزوں کے کاغذ حشر تک تیرے حوالے ہیں

(پنجاب کے تعلیمی بجٹ پر بحث کے دوران میں لالہ دیش بندھو جی نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ بڑی تنخواہ والے سرکاری ملازمین اپنی آمدنی کا دس یا پندرہ فی صدی حصہ محکمہ تعلیم کو عطا کر دیں اور امیدواران خطاب بھی چندہ دیں)

چٹکیاں

معاصر "خلافت" رقمطراز ہے کہ پردہ مسلمانوں کی قومی معاشرت اور مذہبی تمدن کا جزو اعظم ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا ٹرکی۔ ایران۔ مصر اور فرمانروائے حیدرآباد (دکن) کا گھرانا اسلامی معاشرت و تمدن سے خارج ہے؟

بنگال کی قرضہ کمپنیوں نے حکومت کے ممبر مالیات کے سامنے اپنی مشکلات پیش کی ہیں۔

ہم تو یہی جانتے تھے کہ ساری مشکلات قرضہ لینے والے کے لئے ہوتی ہیں دینے والے کے لئے نہیں۔

ریلوے کی تحقیقاتی کمیٹی کا خیال ہے کہ جس طرح ممالک متحدہ میں اسٹیشنوں پر "بیگ پائپ" (مشک کا باجہ) بجا کر لوگوں کو سفر کرنے کی ترغیب دیجاتی ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے اسٹیشنوں پر ڈھول بجا کر لوگوں کو بلانا چاہیئے۔

ہمارا خیال ہے کہ ڈگڈگی بجا کر بندروں کا تماشہ کرنا زیادہ مفید ثابت ہوگا۔

قبولِ وزارت کے متعلق کانگریس ورکنگ کمیٹی کے فیصلہ کے پیش نظر "انٹیرم" وزیروں کے دھڑا دھڑ استعفے داخل کرنے کی یا ایسے ارادے کی خبریں آ رہی ہیں۔

ان میں جو غیرت دار ہیں انہوں نے غالباً استعفے لکھ لکھ کر پہلے ہی سے اپنی جیبوں میں رکھے ہوئے تھے۔ بہرحال اب بھگدڑ مچ رہی ہے۔ سورج کے نکلنے پر شبنم کے قطرے کیونکر ٹھہر سکتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ دہلی کے ایک محلہ میں ایک بیس سالہ لڑکی نے اپنی ساس کے مظالم سے تنگ آ کر خودکشی کر لی ہے۔

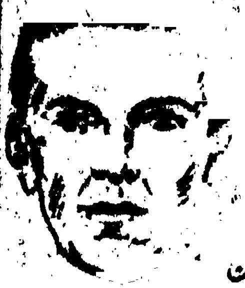
ساس کے مظالم کے واقعات اکثر اخبارات میں آتے رہتے ہیں جب بہو کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا ہے تو مائیں اپنے بیٹوں کی شادی کیوں کرتی ہیں۔

مسٹر ایڈن نے اسپین میں برطانیہ کی "انسان نواز کارروائی" پر زور دیا ہے۔

کارروائی اور عمل کی بجائے اگر بے عملی پر زور دیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

راشٹرپتی پنڈت جواہر لال نہرو فرماتے ہیں کہ کانگریس میں مسلمان ممبروں کی تعداد مسلم لیگ کے ممبروں کی تعداد سے بہت زیادہ ہے

حقیقت تو یہی ہے لیکن سوال یہ نہیں ہے۔ سوال مسٹر جناح کے شاعرانہ اور مبالغہ آمیز تخمینہ کا ہے۔



جواہر و جناح



از جناب محمد یونس تمنّا ، دہرہ دون

{خاص تیج ویکلی کیلئے}

یہ کام کا بشر ہے ، وہ نام کا بشر ہے
اِس کی نظر اِدھر ہے اُس کی نظر اُدھر ہے

اِسکی نظر میں دائم دہقان کی جھونپڑی ہے
اُسکی نظر میں ہر دم ایوانِ خسروی ہے

اِس کو رُلا رہا ہے مزدور کا پسینہ
اُس کو لُبھا رہا ہے سُلطان کا قرینہ

معمور کانگرس کا اِس نے کیا خزینہ
اُس نے ڈبو دیا ہے اب لیگ کا سفینہ

اِس کے حواریوں میں سب انقلاب والے
اور اُسکے ساتھیوں میں سب سلے خطاب والے

رہتی ہیں ساتھ اِسکے مظلوم کی دُعائیں
اہلِ غرض کی اُسپر ہیں آج کل نگاہیں

یاں خاک میں مِلا دی اُٹھتی ہوئی جوانی
واں زِندگانی گویا شاہوں کی زِندگانی

یہ دردِ دل سے اپنے مجبور ہو رہا ہے
چودہ نکات سے وہ مسرور ہو رہا ہے

یاں بات صاف ہے۔ تو۔ تاثیر بات میں ہے
واں دل کا راز مخفی چودہ نکات میں ہے

اِس کی نظر میں زنداں محبوبِ زندگی ہے
اُسکی نظر میں زنداں معیوبِ زندگی ہے

یہ دردِ دل سے اپنے برما کبھی دکن میں
آرام کا وہ خوگر۔ یارانِ انجمن میں

یہ پھول سا بدن بھی کانٹوں میں دَھر رہا ہے
گلچیں وہ کچھ نہیں جو خاروں سے ڈر رہا ہے

اِس نے وطن پہ سب کچھ قربان کر دیا ہے
اُس نے وطن میں پیدا خلجان کر دیا ہے

یاں سادہ گفتگو بھی محمود ہو رہی ہے
اُسکی مگر فصاحت بے سُود ہو رہی ہے

خورشیدِ حُرّیت یہ نزدیکِ بام آیا
وہ صاحبِ بصیرت غیروں کے کام آیا

اب کانگرس کا اِس نے سکّہ جما دیا ہے
اعزازِ لیگ یکسر اُس نے مٹا دیا ہے

اب اِسکی کوششوں کا مقبول ہے فسانہ
اب اُسکی رہبری سے مایوس ہے زمانہ

ہندو ہو یا ہو مُسلم کچھ اِس سے ہو گا حاصل
جس کا قدم ، قدم ہو، منزل ہو جکی، منزل

اس میں نہیں کسی کی تخصیص کچھ تمنّا
مانوں اسی کی باتیں مانے جسے زمانہ

پریم کی بھینٹ

افسانہ

خاص تیج دہلی کے لئے

(از جناب خضر دہلوی)

سنہری کی پر شور آبادی سے دور —— بہت دور —— دریا کے اس پار اونچے اونچے سر بفلک پہاڑوں کی اوٹ میں ایک نگر تھا —— نگر —— چھوٹا سا —— جو کہ پیت نگر کے نام سے مشہور تھا —— پیت نگر میں رہنے والے تمام راجپوت تھے —— راجپوت جو کہ خانہ بدوش نہیں تھے۔ انہوں نے ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں کی بجائے کچے پکے مکان بنا رکھے تھے۔ نگر کے باہر ایک چھوٹا سا مندر تھا۔ اور مندر کے پاس ہی ایک کنواں۔ اس کنوئیں کے قریب سے ہی پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر بنائی ہوئی ہری بھری لہلہاتی ہوئی ننھی ننھی کھیتوں کا ایک سلسلہ شروع ہوتا تھا جو کہ پیت نگر کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھا یہی ننھی ننھی کھیتوں کا سلسلہ راجپوتوں کی خوراک کا سرمایہ تھا۔ اس نگر کی ساری آبادی کوئی پانسو کے قریب تھی۔ اور کوئی بیس پچیس اچھوتوں نے پیت نگر کی صف کی ر بگیر معمولی کاموں کی خاطر اقامت اختیار کر رکھی تھی۔

پیت نگر میں رہنے والے راجپوت چھوٹے قد کے آدمی تھے لیکن راجپوتنیاں غلامبالغہ جو بہت سکندر بار کی اپسرائیں معلوم ہوتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ پیت نگر سم باسمی تھا۔ وہاں دن رات پیت کے گیت گائے جاتے تھے۔ عشق پر پریم چھایا تھا۔ اور پریم عشق پر۔

(۲)

پیت نگر کی حسین راجپوتنیاں گو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حسین تھیں۔ لیکن پارو ان سب سے سبقت لے گئی تھی۔ وہ بے حد حسین تھی۔ اس کا حسن نقص سے پاک تھا۔ اس کی آنکھیں سرمہ اور کاجل سے صاف تھیں۔ اس کا چہرہ پاؤڈر سے اس کا لباس کسی قسم کی خوشبو سے اس کے ہاتھ چوڑیوں سے اور اس کا جسم زیور سے ہزاروں کوس دور تھا۔ لیکن وہ اس پر بھی عدیم المثال خوبیوں کا مرکز جو پیت نگر کی کسی بھی نوجوان لڑکی کو نصیب نہ ہوئیں تھیں۔ اور جن پر قدرت خود فخر کر رہی تھی۔

پارو۔ - - پیت نگر کے ایک غریب ضعیف العمر راجپوت بلدیو سنگھ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ بلدیو سنگھ یہیں کا رہنے والا تھا۔ ڈنگائیں بھینسیں چرانے کا کام کرتا تھا۔ لیکن اب وہ بوڑھا ہو گیا تھا۔ اتنا بوڑھا کہ ہاتھ پاؤں اسے جواب دے چکے تھے۔ دو قدم چلتا تھا سانس پھولنے لگتا تھا۔ اور ہر وقت تمام جسم ایسے کانپتا رہتا تھا۔ جیسے بادِ صرصر میں پھنسا ہوا ایک پتا۔

جبکہ بلدیو سنگھ اپنی ضعیف العمری کے باعث اس قدر معذور ہو گیا۔ تو گائے بھینس چرانے کا کام پارو کو اپنے ذمے لینا پڑا۔ اور بیٹی بھی نہ تو اور کیا کرتی۔ اس کا کوئی اور بھائی نہ تھا۔ جو اس آخری عمر میں اپنے بوڑھے باپ کی خدمت کرتا۔ ناچار اس نے ایک دن اپنے بوڑھے باپ سے کہا۔

پتاجی! آپ اتنی محنت نہ کیا کریں۔ میں خود جنگل سے گائے بھینسیں چرا لایا کروں گی۔

بوڑھے بلدیو سنگھ نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

نہیں پتری! میں ایسا کبھی نہیں دیکھ سکتا۔ تم فکر نہ کرو جب تک میرے دم میں دم ہے۔ تب تک میں تمہیں ایسا ہرگز نہ کرنے دوں گا۔

لیکن پارو نہ مانی۔ آخر بوڑھے بلدیو سنگھ نے مجبور ہو کر اپنا کام اپنی اکلوتی لاڈلی پارو کے سپرد کر دیا۔ اور خود گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

پارو اب ہر روز صبح گائیں بھینسیں جنگل کی طرف ہانک کر لے جاتی اور شام کو اس وقت جبکہ سورج گوشۂ مغرب میں غروب ہو جاتا۔ تو واپس گھر لوٹتی۔ روٹی پکاتی۔ پہلے بوڑھے باپ کو کھلاتی۔ اس کے بعد آپ کھاتی۔ اور پھر اپنی ٹوٹی پھوٹی کھٹیا پر آرام کی نیند سو جاتی جب گاؤں والوں کو یہ معلوم ہوا تو بہت سے شریف نوجوان راجپوت جو پارو پر اپنی جانیں چھڑکنے کے لئے تیار تھے اس کی گائیں اور بھینسیں کو چرانے اور ہانکنے لگے لیکن پارو کا دل اس قدر پتھر کا واقع ہوا تھا کہ اس پر کسی کی محبت ذرہ برابر بھی اثر نہ کرتی تھی اور وہ بیچارے ناکام واپس لوٹ آتے تھے۔ لیکن اسی گاؤں میں ایک لڑکا تھا۔ خوبصورت، نوجوان .. .. اس کا نام تھا جیون سنگھ، جیون سنگھ کے ماں باپ مر چکے تھے۔ اور اب وہ تن تنہا پیت نگر سے دور .. .. ننھی ننھی کھیتوں سے پرے .. بہت پرے .. مشق پیچاں کی بیل کے بیچوں میں بگڑی ہوئی ایک جھونپڑی میں رہا کرتا تھا۔ اس کے سر کے بال لمبے لمبے تھے اور کندھوں پر لہرایا کرتے تھے۔ اس کے گلے میں ایک لمبا کرتا۔ کمر میں کھدر کی دھوتی۔ پاؤں میں کھڑاؤں ہوا کرتی تھیں۔ اور ہونٹوں میں ایک چھوٹی سی نازک بانسری! جسے وہ ہر وقت بجاتا رہتا تھا۔ اور اس کی آواز کو اس جھونپڑی سے پیت نگر تک پھیلا دیتا تھا۔ اس کے سوا وہ اور کوئی کام نہ کرتا تھا۔ پارو بھی ہر روز اس کی بانسری کی تانوں کو سنتی اور بعض اوقات تو گائے بھینسیں ہانکتے ہانکتے رک جاتی اور کسی درخت یا کسی پہاڑی کے سہارے بیٹھ کر اس کی بانسری کی تانوں میں گم ہو جاتی۔ جیون اسے اس حالت میں دیکھ کر بانسری بجانا بند کر دیتا۔ اور ہنسنے لگتا خوب ہنستا اور ہنستے ہنستے جھونپڑی کے اندر چلا جاتا۔

پارو .. .. سنگدل پارو اس طرح جیسے ایک بادۂ دولت کے نشہ میں مخمور الست دروازے پر آئے ہوئے غریب بھکاری کو ٹھکرا دیتا ہے۔ غصہ سے آگ بگولہ ہو جاتی، اور وہاں سے یہ عہد کرتی ہوئی اٹھ کر چلی جاتی کہ وہ اب آئندہ کبھی بھی اس جھونپڑی کے قریب سے نہ گزرے گی لیکن دوسرے دن جیون کی بانسری کی سریلی تانیں پھر اسے اپنی جھونپڑی کے قریب ایسے کھینچ لاتیں جیسے ماہی گیر کا جال ایک بے زبان مچھلی کو اپنی الجھنوں میں پھنسا کر پانی سے باہر کھینچ لاتا ہے۔

(۳)

ایک دن!

شام کے وقت جبکہ سورج کا دیوتا شام کی حسین دلہن کے نازک نازک پاؤں میں مہندی لگا رہا تھا۔ پارو اپنی گائیں بھینسوں کو ہانکتی ہوئی واپس گھر کی طرف آ رہی تھی، عین اسی وقت مشرق کی طرف سے بادل امنڈ امنڈ کر آئے اور تمام آسمان پر ایسے پھیل گئے جیسے رات کی تاریکی سیاہی کے دریا کی طرح چاروں طرف پھیل جاتی ہے .. .. اور پھیلتے ہی ایسے گرجنے لگے جیسے میدانِ جنگ میں ہاتھی، .. بجلیاں چمکنے لگیں ایسے جیسے میدانِ جنگ میں لاکھوں تلواریں، اس کے ساتھ ہی نہایت زور و شور کے ساتھ ہوا چلنے لگی۔ پرندے گھونسلوں میں پھڑپھڑا اٹھے۔ برگ و شجر کانپ اٹھے ایسے جیسے سمندر کی بے خوف موجوں پر بغیر بادبان کے جہاز!

یہ نظارہ دہشت و وحشت ناک دیکھ کر پارو کے جسم کا رواں رواں کانپ اٹھا۔ گندھی ہوئی لمبی لمبی زلفیں منتشر ہو کر مٹی میں اٹ گئیں، اور ہوا میں لہرانے لگیں، اس کی خوبصورت آنکھیں ہنسی پڑ پڑ کر لال ہو گئیں، اور اس کے ننھے سے دل کا خون خشک ہو گیا، اور وہ اپنی گائیں بھینسوں کو وہیں چھوڑ کر تھر تھر کانپتی ہوئی گھر کی طرف دوڑنے لگی۔ ابھی گھر دور تھا بہت دور تھا آدھا فاصلہ بھی طے کرنے نہ پائی تھی کہ بارش شروع ہو گئی۔ بہت زور سے، اتنے زور سے کہ لمحہ بھر میں ہی پانی ایسے پھرنے لگا جیسے کسی دریا میں طوفان آ گیا ہو۔ وہ اور بھی گھبرا گئی۔ راستہ ہادم ناک میں آ گیا۔ اور وہ حسرت مندانہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ بادل گرجا۔ اور بادل کی گرج کے ساتھ ہی بجلی چمکی اور بجلی کی چمک کے ساتھ ہی ایک لمحہ کے لئے تمام جنگل چمک اٹھا اور اسے کوئی بیس پچیس قدم کے فاصلہ پر ایک جھونپڑی نظر پڑی۔ وہ جھونپڑی جیون کی جھونپڑی تھی۔ جیون بانسری کی دلنواز سروں میں گا رہا تھا۔

جیون ہے اک پھول جیون پریت پھول

رات کی رانی

QUEEN OF THE NIGHT.

(خاص تیج دہلی کے لئے) —— (از جناب نقوی امروہوی) —— (خاص تیج دہلی کے لئے)

اے عروسِ شب نشاطِ روح، روحِ خوش گوار
ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی راتوں کی پروردہ بہار

مست خوشبو سے تری جب مست ہوتی ہے فضا
کیف چھا جاتا ہے شاعر پر نزولِ شعر کا

شب کی دلہن روشنی میں دن کی شرمائی ہو تو
دیکھ کر کھلتے ہوئے تاروں کو کھل جاتی ہے تو

زیرِ سایہ تیرے جب کرتا ہے کوئی عزمِ خواب
مسکرا دیتی ہے اپنے بخت پر روحِ شباب

روح سے اپنی ہواؤں کو جواں کرتی ہے تو
اپنے منظر سے فضاؤں کو جواں کرتی ہے تو

اے عروسِ شب یہ بھینی بھینی تیری تیز بو
رات کو جب چھیڑتی ہے دل میں سازِ آرزو

اضطرابِ شوق سے کچھ اب گھبراتا ہوں میں
اپنی دنیائے تصور میں سما جاتا ہوں میں

دیکھتا ہوں میں سکوتِ شب میں اکثر ایسی خواب
جیسے چھڑکا ہے کسی نے دور تک عطرِ گلاب

اور میں تنہائی سے اپنی آپ گھبرایا ہوا
بازوؤں پر مست موجوں کے ہوں لہرایا ہوا

خواب کے رنگیں جزیروں سے جو ملتی ہے نجات
پھر وہی ہوتا ہوں میں اور پھر وہی تاریک رات

زندگی کا تب وہ لمحہ یاد آتا ہے مجھے
جبکہ عہدِ عشق کا شاہد بنایا تھا مجھے

باقی اگلے صفحہ پر

پچھلے صفحہ سے

جیون ہے اک سندر سپنا — آوے اور پھر نہ آوے

جیون پرست بھول

جیون ہے اک بھول

بار بار بیٹھی سننے والی، کیا اب بھی کبھی جیون کی جھونپڑی کے قریب نہ آنے لگی، جھونپڑی کو دیکھتے ہوئے اس کی طرف دوڑنے لگی۔ جلدی جلدی۔ اور اس جھونپڑی کے قریب پہونچ گئی۔ خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ جلدی سے جھونپڑی کے اندر داخل ہو گئی۔ جھونپڑی کے اندر ایک ٹوٹی پھوٹی کھٹیا پر جیون بیٹھا ہوا تھا دونوں ہاتھوں میں اس کے ہونٹوں سے لگی ہوئی بانسری تھی، اور وہ بانسری کی دلدوز سروں پر گا رہا تھا۔

جیون ہے اک بھول

جیون پرست بھول

جیون ہے اک بھول

پارو نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جیون"

جیون جیسے چونک پڑا، جلدی سے دیکھا اور بولا:-

"کون؟ ... پارو ..." اتنا کہنے کے بعد پھر اس کے لب ساکت سے ہو گئے۔ اور ایک لمحہ کے بعد وہ پھر گانے لگا۔

جیون ہے اک سندر سپنا — آوے اور پھر نہ آوے

جیون سے جو پریم کرے — وہ موت کا جھولا جھولے

جیون ہے اک بھول

جیون پرست بھول

جیون ہے...

پارو نے پھر آگے بڑھ کر کہا: "جیون"

جیون نے نرم نگاہوں سے پارو کو دیکھا بولا "ہاں کیا کہتی ہو؟"

"کیا کہتی ہوں" پارو بولی۔ "کہتی ہوں جیون، جیون تم بانسری کی ان سریلی تانوں کو ختم کر دو، میرے دل کو دکھی نہ کرو"

اتنا سنتے ہی جیون اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور گھبراہٹ کے لہجہ میں بولا کیا کہا۔ اپنی پیاری بانسری کی سریلی تانوں کو فنا کر دوں ایسا نہیں ہوگا۔ میری بانسری کی یہ سریلی تانیں اس وقت تک زندہ رہیں گی جب تک جیون کے جیون کا آخری سانس ہونٹوں پر نہ آ جائے گا۔ پارو تم نہیں جانتیں کہ اس بانسری سے مجھے کتنا پریم ہے۔ یہ بانسری میری پتیا ہے۔ اور میں اس کا پتیم ہوں۔ ... یتیم ... سوا نے اس کے اور اس کی سریلی تانوں کے دنیا میں میرا کوئی نہیں!

"غلط کہہ رہے ہو جیون! تمہارا اس سنسار میں ایک رفیق ہے" پارو نے اپنی بکھری ہوئی زلفوں کو اپنے چہرے پر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

جیون نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ وہ کون؟

"وہ ——————" پارو نے جیون کے چہرہ پر اپنی نگاہوں کو مرکوز کرتے ہوئے کہا۔ "وہ، وہ جیون بیت نگر کے نوجوانوں کے پریم کو ٹھکرا دینے والی پارو جیون میں تم سے پریم کرتی ہوں، تمہاری بانسری سے پریم کرتی ہوں۔ اس کی سریلی تانوں سے پریم کرتی ہوں"

"پریم ... پریم مجھ سے" جیون نے گھبرا کر کہا۔ "نہیں نہیں پارو ... مگر ... مگر میں تم سے پریم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میرے پاس دل ہی نہیں ہے۔ جو تھا وہ اس بانسری کی نذر کر چکا ہوں۔"

"بانسری کی نذر۔ اس بے جان بانسری کی نذر۔ جیون" پارو صرف اتنا کہہ سکی اور کہتے کہتے رک گئی۔ نہ جانے کیوں، اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ بہت ضبط کیا آخر بے بہا موتیوں کی لڑیاں رخساروں پر اٹکھیلیاں کرتی ہوئی فرش زمین پر آ پڑیں۔

جیون نے دیکھا۔ اس نے اپنی بانسری اٹھائی اور اسے اپنے لبوں سے لگا کر اس کے دلدوز سروں میں گنگنانے لگا۔

جیون سے جو پریم کرے — وہ موت کا جھولا جھولے

جیون ہے اک بھول

جیون پرست بھول

جیون نے پھر پارو کی طرف دیکھا، اور اپنی بانسری کو اپنے لبوں سے جدا کرتا ہوا بولا: "پارو تم رو رہی ہو۔ کیوں؟"

"ہاں! جیون میں رو رہی ہوں۔ اس لئے کہ تم مجھ سے پریم نہیں کر سکتے۔" پارو نے کہا۔

جیون بولا:- "پارو تم مجھ سے پریم کرتی ہو، کرو۔ میں نے کیا منع کیا ہے کہ تم مجھ سے پریم نہ کرو۔ تم مجھ سے پریم کرو۔ اپنے جیون کو اپنا جیون سمجھ کر،"

پارو بولی:- "ہاں میں تم سے پریم کروں گی، اپنے جیون کو اپنا جیون سمجھ کر ———— لیکن جیون ———— کیا تم میری ایک آشا بھی پوری نہ کرو گے؟"

"وہ کون سی آشا؟"

"وہ۔ جیون میں تم سے ایک بھیک مانگوں گی تم مجھے ٹھکرانا نہیں، جو مانگوں دے دینا۔ خوشی سے، بس یہی ایک آشا ہے جیون،" پارو نے آرزومندانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے آرزومندانہ لہجہ میں کہا۔

"وہ کاہے کی بھیک پارو؟"

"وہ — وہ پریم کی بھیک جیون"

"پریم کی بھیک، نہیں نہیں، پارو میں تم سے پہلے کہہ چکا ہوں، میں پریم نہیں کر سکتا۔"

صرف ایک دن کے لئے مجھ سے پریم کرو اور اپنی پیاری بانسری سے پریم نہ کرو۔ پھر چاہے اپنا پریم مجھ سے چھین لینا میں تمہیں خوشی واپس کر دوں گی جیون،" پارو نے اپنا سر اس کے قدموں پر دھرتے ہوئے کہا۔

جیون نے اس کے سر کو اپنے قدموں سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔ "پارو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں ایک دن کے لئے اپنی پیاری بانسری کو بھول جاؤں،"

پارو نے بات کاٹ کر کہا۔

"اچھا جیون۔ تم اپنی بانسری کو بھی اپنے کلیجہ سے لگا کر رکھنا۔ اور مجھ سے بھی پریم کرنا"

جیون بولا:- "یہ کیسے ہو سکتا ہے پریم تو ایک ہی سے ہوتا ہے پارو یہ کچھ ناممکن سی بات ہے میں اپنی بانسری کو ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہیں کر سکتا۔"

"اچھا جیون تمہاری خوشی،" اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی اور جھونپڑی سے باہر جانے لگی۔

بارش اور ہوا بند ہو چکی تھی۔ بجلیوں کی چمک چاند اور ستاروں نے چھین لی تھی۔ بادلوں کی گرج جنگل کی خاموش فضا میں ختم ہو گئی تھی۔

پارو ابھی جھونپڑی کے دروازے پر ہی تھی کہ پیچھے سے جیون نے آواز دی "ٹھہرو" پارو ٹھٹک گئی۔ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اور اپنے دوپٹے کے دامن کو اس نے آنکھوں سے لگا لیا۔ جیون نے دیکھا اور اپنا سر جھکا لیا۔ آہستہ آہستہ پارو کے قریب آیا۔ اور اپنی آنکھوں سے چند آنسوؤں کے قطرے اس کے دوپٹے کے دامن میں گراتے ہوئے آہستہ سے بولا۔

"پارو یہ لو پریم کی بھیک۔ کل کا دن تمہارے پریم کی نذر ہے۔"

اتنا سنتے ہی پارو کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا۔ اور وہ بولی "جیون تم سدا سکھی رہو۔ لاؤ اپنی بانسری مجھے دو میں اسے اپنے کلیجے سے لگاؤں گی۔"

جیون نے ایک آہ سرد بھری اور بانسری پارو کے حوالے کر دی۔ پارو نے بانسری اپنے کلیجے سے لگا لی۔

(۴)

دوسرے دن علی الصبح پارو اور جیون ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جیون خاموش تھا اور پارو پریم بھری باتیں کر رہی تھی۔ ایسے تمام دن گذر گیا۔ لیکن جیون ویسے ہی خاموش بیٹھا رہا تھا۔ اور پارو ویسے ہی پریم بھری باتیں کر رہی تھی کہ باتوں باتوں میں پارو نے کہا:-

"جیون مجھ بھکارن کی بھیک ختم ہونے کو ہے صرف چند لمحے باقی ہیں۔ ایک گیت سنا دو وہی جو کل رات گا رہے تھے"

جیون نے ایک آہ سرد بھری۔ پارو کے چہرہ کی طرف دیکھا۔ اور پارو کے کلیجہ سے لگی ہوئی بانسری کو اس کے کلیجہ سے علیحدہ کر کے اپنے لبوں سے لگا لی اور اس کی دلدوز سروں میں گانے لگا۔

جیون ہے اک بھول رے مورکھ

جیون پرست بھول

بانسری کی دلدوز سروں کے ساتھ ساتھ پارو بھی گانے لگی۔

جیون ہے ایک سندر سپنا — آوے اور پھر نہ آوے

جیون سے جو پریم کرے — وہ موت کا جھولا جھولے

جیون پرست بھول رے مورکھ

جیون ہے اک بھول

دونوں گا رہے تھے۔ پارو کی باہیں جیون کے گلے میں حمائل تھیں۔ گیت کے ختم ہوتے ہی پارو نے ایک بار پھر آخری بند دہرایا۔

جیون سے جو پریم کرے وہ پریم کا جھولا جھولے

وہ موت کا جھولا جھولے

جیون پرست بھول رے مورکھ

جیون ہے اک بھول

جیون پارو کی دلفریب آواز میں ایسا کھویا کہ اسے اپنے آپے کی ہوش نہ رہی۔ پارو بھی ہوش و حواس کھو چکی تھی۔ جیون اس کی آغوش میں تھا اور پارو جیون کی آغوش میں۔ زندگی میں وہ پارو سے پریم نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن آج موت نے اس کو اس کا پریمی بنا دیا۔ بانسری کے نغموں کا پریم فنا ہو گیا اور پارو کے پریم نے بقائے دوام حاصل کر کے دونوں کو ہمیشہ کے لئے اپنا بنا لیا۔

کہیں ہو جائے کچھ ایسا کہ بنائے نہ بنے

خاص سچ ویکلی [جناب امن عثمانی کی پولٹیکل غزل] کے لئے

اس نوشیرؔ کو لندن سے بلائے نہ بنے
اور پھر خود بھی تو انگلینڈ کو جائے نہ بنے

پیکرِ نازوہ، دل کشتۂ تمکین خودی
اس سنولینی کو ہٹائے بنائے نہ بنے

واں تو منظور نہیں عشق کی اپلیکیشن
دل کا یہ حال کہ اک آن بتائے نہ بنے

سیر یوروپ کو وہ جاتے ہیں مگر خطرہ ہے
کہیں ہو جائے کچھ ایسا کہ بنائے نہ بنے

ذوق دشنام شہیدان وزارت کا نہ پوچھ
یہ وہ عاشق ہیں جنھیں دیکھے بلائے نہ بنے

مدح دستور کی ان سے تو ہم بول اُٹھے
ایسے راگوں کو بس اب ہند میں گائے نہ بنے

کہہ رہے ہیں یہ بیچارے کفن چور بھی آج
قسم باز نے سے مری لیگ چلائے نہ بنے

اس طرف کرسی اُدھر مسند ہے ادھر فرش زمین
گل کے عشاق کو کانٹوں میں سُلائے نہ بنے

ہیں بلاتا تو دل اُس شوخ کو پرلے دل شوخ
یہ نہ ہو جائے کہ دوبارہ بلائے نہ بنے

بادہ و جام سے ہوں دور مگر لے واعظ
ان مسائل میں تو بن ٹانگ اڑائے نہ بنے

ان کی شوخی سے تو ہے نقص امن کو خطرہ
کیجئے صبر کہ پولیس بلائے نہ بنے

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

مزاحیہ

سفارش

از جناب کوثر چاندپوری

بہت سی چیزیں دنیا میں ایسی ہیں جن کا وجود کم و بیش ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ پھر بھی وہ کسی نہ کسی ملک و قوم کے لئے مخصوص ہو گئی ہیں جہالت ہر قوم اور ملک میں پائی جاتی ہے مگر غریب افغانستان کو اس کا مرکز کہا جاتا ہے، اب چاہے افغانستان کا ہر شخص بیرسٹر ایٹ لا ہی کیوں نہ ہو جائے، مگر یہ نسبت قیامت تک اس کے نام سے دور نہیں ہو سکتی،

توند اور موٹاپا کہاں نہیں پایا جاتا۔ لیکن عرف عام میں یہ دونوں چیزیں حضرت مولانا شوکت علی صاحب کے ساتھ خاص ہو گئی ہیں، دال بھات کہاں نہیں کھایا جاتا مگر بنگال کو اس سے جو نسبت ہے، وہ سب پر ظاہر ہے۔ اخبار اور رسالے ہندوستان کے تقریباً ہر شہر سے شائع ہوتے ہیں پھر بھی لاہور اپنی اس خصوصیت میں سب سے آگے سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح "سفارش" ایسا کام ہے جس کو ہر جگہ کیا جاتا ہے۔ لیکن جس بے ضابطگی سے ہندوستان میں یہ کام کیا جاتا ہے اس نے اس کو ہندوستان ہی کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ یہاں ہر مقام، ہر مذہب، ہر قوم اور زندگی کے ہر شعبہ میں "سفارش" چلتی ہے۔ کوئی گھر، کوئی خاندان اور کوئی محکمہ اس سے خالی نہیں، تجارت، ملازمت، شادی بیاہ، وعظ و نصیحت، عدالت، طبابت، ریل، تار، ڈاک غرض کوئی پیشہ، کوئی موقعہ اور کوئی مہم ایسی نہیں جہاں زبانی یا تحریری "سفارش" کارفرما نہ ہو۔

شادی بیاہ کا معاملہ ایسا نازک ہے کہ اوّل تو ہندوستان کی دوسری فضول رسوم ہی کو برداشت نہیں کر سکتا جنہیں لڑکے اور لڑکی کے میلان طبع اور جذبات و محسوسات کی کوئی پروا نہیں کی جاتی، پھر اس میں "سفارش" کا بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ جو بسا اوقات سخت تباہی بلکہ ہلاکت کا موجب ہو جاتی ہے۔

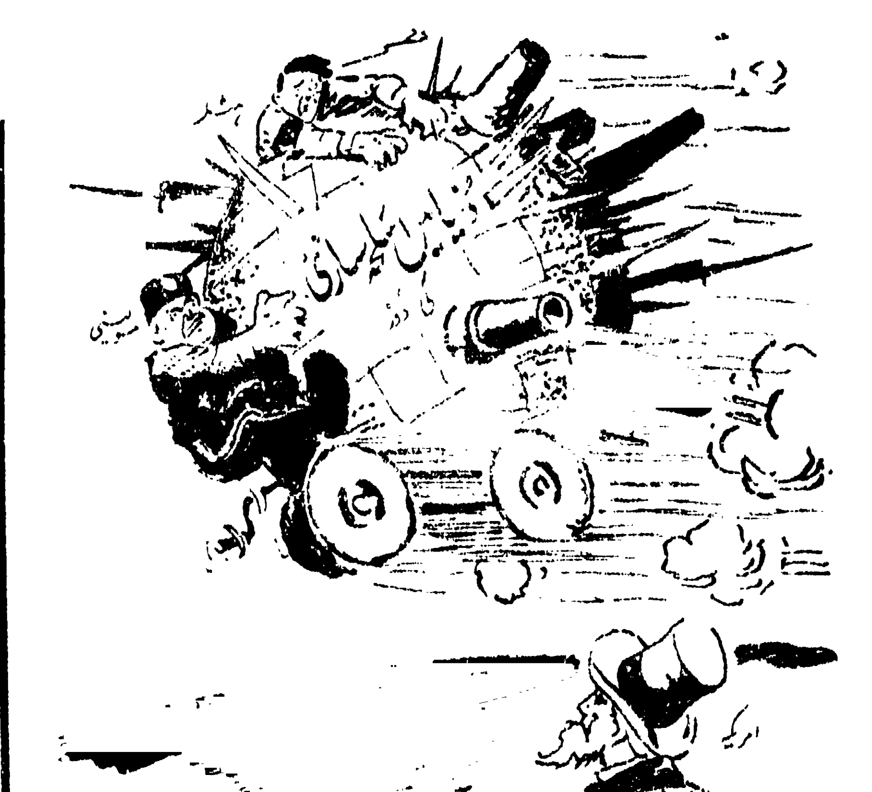
ایک شخص ہے جو اپنے تعلیم یافتہ آزاد خیال اور برسر روزگار لڑکے کو اپنی یا اس کی منشا سے کسی خوبصورت حسین اور نازک اندام لڑکی سے منسوب کرنا چاہتا ہے، پیام سلام ہو رہے ہیں انتظامات کئے جا رہے ہیں، لڑکا اپنی جگہ مسرور ہے، لڑکی اپنے مقام پر اطمینان و مسرت کا اظہار کر رہی ہے کہ دفعتہً ایک سربمہر لفافہ یا کارڈ یا رقعہ پہونچتا ہے۔ جس میں یہ "سفارش" ہوتی ہے کہ رام داس کی شادی کامنی سے نہیں بلکہ سوشیلا سے ہونی چاہیئے وہ نہایت ہی حسین و جمیل اور مہذب و تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ اس کے والد بہت متمول صاحب اثر اور معزز ہیں نیز رام داس کو ان کی سفارش سے کوئی معقول ملازمت مل جائے گی اس خط کے آتے ہی معاملات کا رخ بدل جاتا ہے گنگا الٹی بہنے لگتی ہے۔ نہ جوڑے کے جذبات اور ان کے ولولے کام آتے ہیں نہ ان کی بے زبانی، سعادتمندی اور اطاعت شعاری پر رحم کیا جاتا ہے۔ یہ سفارشی خط آن واحد میں دو ایسے دلوں کو جو پوری شیفتگی، محبت اور سرعت سے ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیتا ہے۔ جذب و کشش کے مسلمات میں کوئی اثر باقی نہیں رہتا، اور شادی کا نازک معاملہ جس کا انحصار اطلاقاً اور قانوناً محض میاں بیوی کی پسند اور ان کی رضامندی پر ہے قطعی طور پر دوسرے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے جن کے دل مرجھائے ہوئے پھول کی طرح جذبات کی رنگینی، شباب و جوانی کی خوشبو اور ناز و نیاز کی لطافت سے یکسر محروم ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ محض اس لئے ہوتا ہے کہ ملازمت حاصل کرنے کے لئے ایک

اچھی "سفارش" ہاتھ آجانے کی امید ہوتی ہے چاہے بعد میں یہ توقع پوری نہ ہو، اور لڑکی حسین، مہذب اور تعلیم یافتہ ہونے کی جگہ بدصورت، اکھڑ، ضدی اور جاہل ہو جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ تلخی کی نوبت آئے گی اور جو "سفارش" ملازمت حاصل کرنے کے لئے بہم پہونچائی جا رہی تھی وہ بدمزگی کے کام آئیگی

ملازمت میں سفارش کی کرشمہ سازیاں حیرت انگیز حد تک کام کر رہی ہیں۔ آپ کو اپنے دفتر کے لئے ایک "میر منشی" کی ضرورت ہے جس کو انگریزی، اردو، عربی، فارسی، ہندی غرض دنیا کے

اور ظاہری وجاہت کا یہ عالم ہے کہ بدقسمتی سے ایک آنکھ ٹیڑھی یا آشوب چشم کی نذر ہو چکی ہے لیکن ہندوستان میں چونکہ کانے کو کانا اور لنگڑے کو لنگڑا کہنا بدترین قسم کی بداخلاقی ہے لہٰذا ان کی خوبصورتی پر آپ کوئی نکتہ چینی نہ کر سکیں گے اور دوسری صفتوں پر اس لئے بحث نہ ہو سکے گی کہ حامل رقعہ ہٰذا کے پاس آپ کے دوست باعزیز کا خط ہوگا۔ جو ایک زبردست بلکہ جبر دست سند کی حیثیت رکھتا ہوگا۔ اس کے باوجود لکھنے والا لکھے گا۔

یہ میرے خاص آدمی ہیں نہایت وفادار اور جاں نثار



امریکہ :- تم اس دوڑ کو روکتے کیوں نہیں!

(راچسٹر ٹائمز یونین)

ہر علم میں ماہر ہونا ضروری ہے۔ اسی کے ساتھ خوشخط اردو نویس، ادیب، خوبصورت اور مقرر ہونا بھی لازمی ہے، آپ بارہا ان اوصاف کو اخبارات میں مشتہر کر چکے ہیں، یہ اعلان بھی کیا جا چکا ہے کہ جن درخواستوں میں "سفارش" شامل ہوگی ان پر ہرگز کوئی توجہ نہ کی جائے گی پھر بھی آپ کے کوئی بے تکلف دوست یا رشتہ دار ایک ایسے شخص کو اپنے سفارشی خط کے ساتھ آپ کے پاس بھیج دیتے ہیں جس میں ضروری اوصاف بالکل نہیں ہوتے، وہ نہ انگریزی جانتا ہے نہ عربی اور فارسی سے واقف ہوتا ہے نہ ادیب اور مقرر ہوتا ہے خوبصورتی

دو مرتبہ مجھے انھوں نے شیر کے منہ سے بچایا ہے جب بارہا سنگین مقدموں میں میری ضمانت دی ہے آپ آج ہی انہیں اپنے دفتر کا "میر منشی" بنا دیجئے۔ اگر میری سفارش کو آپ نے نہ مانا تو سمجھ لیجئے ہمارے تعلقات ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائیں گے،

یہ ہے وہ انداز سفارش، جس نے اس بدعت کو ہندوستان کی تمدنی اور معاشرتی خصوصیات میں داخل کر دیا ہے آپ ہی بتائیے یا کسی کم سے کم مسٹر بالڈون سے پوچھئے کہ جاں نثاری اور ضمانت کو میر منشی کے عہدے سے کیا تعلق ہے؟ اور کیا ضروری ہے کہ ایک جاں نثار اور ضامن، اچھا محرر یا عمدہ منشی بھی ہو۔ لیکن صاحب رقعہ اگر آپ کے کوئی خاص دوست ہیں۔ جن کی کوئی بڑی رقم آپ کے ذمہ قرض ہے یا خدانخواستہ وہ آپ کے خسر ہیں اور ان ہی آپ کی بعتب بیبیات ہیں جن کی نازبرداری آپ کے فرائض میں داخل ہے۔ تو پھر بتلائیے قطع تعلق کی دھمکی کس حد تک بیکار اور رائیگاں جائے گی مجبوراً بہت سے لائق اور تجربہ کار امیدواروں پر اس جاں نثار ضامن کو ترجیح دینا پڑے گی جو نہ جانے کتنے کاغذات اور راسلات پر صرف نشان انگشت ثبت کرنے کا گنہگار ہوگا اور جب کوئی ذمہ داری اس پر عائد کی جائے گی تو آپ چھوٹے منشی جی کو سامنے کر دیگا جس کو پہلے سے فدیہ کے لئے تیار کر لیا گیا ہوگا۔

اسی طرح آپ گھر سے دس بیس روپے جیب میں ڈال کر چلئے اور یہ قصد کر لیجئے کہ فلاں دوکان سے کوئی عمدہ کپڑا لے کر فلاں درزی کو سینے کے لئے دیں گے۔ جو نہایت سے آپ کے کپڑے سلیقہ اور احتیاط سے سینے کا عادی ہے مگر راستہ میں کوئی بے تکلف، محب وطن اور سارے جہان کا درد رکھنے والے دوست مل جاتے ہیں اور شد و مد سے سفارش کرتے ہیں کہ فلاں مل کا تیار کیا ہوا کپڑا خریدو۔ اور ہمارے فلاں دوست سے سلواؤ جس نے حال ہی میں دوکان کھولی ہے اس کی امداد میرا اور آپ کا فرض ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی سفارش کامیاب ہوگی، کپڑا خرید کر نئے درزی کو اس ہدایت کے ساتھ دے دیا جائے گا کہ چوبیس گھنٹہ پانی میں بھگونے کے بعد کاٹا جائے اور پرسوں صبح جب آپ کسی جلسہ میں تقریر کرنے یا کسی عزیز اور دوست سے ملنے یا ماتم پرسی کے لئے جانے والے ہوں تیار کر کے آپ کو دیدے چونکہ "سفارش" بالعموم ایک طرفہ ہوتی ہے اس لئے درزی کو آپ سے کوئی ہمدردی نہ ہوگی وہ کپڑا بھگونے اور دھونے کی یونانی قسم کی زحمت برداشت نہ کرے گا وعدے کی پابندی بھی اس کے نزدیک ضروری نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ روانگی کے لئے تیار ہو کر جب اس کی دوکان پر پہونچیں گے تو وہ اطمینان کے ساتھ بیٹھا ہوا شیروانی کاٹنے میں مصروف ہوگا اس کی اس بیہودگی پر آپ کو غصہ آئے گا تو یقیناً وہ اپنی تیز اور چمکدار قینچی سے آپ پر قاتلانہ حملہ کرنے میں دریغ نہ کرے گا۔ اگر خدانخواستہ وقت پر کپڑا تیار بھی ہو گیا تو آپ صرف ایک ہی مرتبہ اُسے پہن سکیں گے دھوبی کے یہاں سے دُھل کر آئے گا تو آستینیں سکڑ کر کہنیوں تک پہونچ جائیں گی اور دامن گھٹنوں سے ایک بالشت اوپر آ کر ٹھہرے گا۔ ایسی صورت میں آپ کا نومولود بچہ ہی اس کا حقدار ہوگا۔ اور مجبوراً آپ اس کے بالغ یا جوان ہونے کے انتظار میں کپڑے کو تہ کر کے بکس میں بند کر دیں گے اور ہر سال اس کی حفاظت کے لئے اتنی فنائل کی گولیاں خریدیں گے جن کی قیمت بچہ کے جوان ہونے کے وقت تک ایک بڑے سوال کے حاصل ضرب کے برابر ہوگی۔

باقی اگلے صفحہ پر

پچھلے صفحے سے

علاج معالجہ کے وسیع میدان میں بھی سفارشی گھوڑے آزادی سے دوڑتے ہیں اور کسی موقعہ پر ٹھوکر نہیں کھاتے۔ طبیب یا ڈاکٹر بڑی کوشش، دلچسپی اور توجہ سے مریض کا علاج کر رہا ہے دوا پیتے ہوئے دو چار دن سے زیادہ نہیں گزرے، تھوڑا بہت افاقہ بھی ہو گیا ہے لیکن بدقسمتی سے کوئی دوست عیادت کے لئے پہونچ جاتے ہیں اور کوشش کر کے تمام دیوانہ الفاظ کا ذخیرہ مریض کی پٹی کے قریب بیٹھکر ختم کر دیتے ہیں:-

اوہ، کیا حالت ہو گئی میاں تمہاری؟

چار ہی دن میں منہ نکل آیا!

معلوم ہوتا ہے مہینوں کے بیمار ہو!

بخار غالباً ہر وقت رہتا ہے!

ضرور رہتا ہو گا جب ہی تو یہ حالت ہو گئی!

تم تو بالکل ہی پلنگ سے لگ گئے۔

کمالسنی کا قصہ کہ یہی ہے خدا رحم کرے بالکل یہی حالت ابتدا میں میاں مرحوم کی بھی ہوئی تھی، بہت دوڑ دھوپ کی مگر خدا بخشے نہ بچنا تھے نہ بچے،

بس یوں ہی تو دق ہو جاتی ہے!

دق اور کہتے کسے ہیں یہی صورت اس کی ہوتی ہے!

کس کی دوا پی رہے ہو؟

کچھ آرام بھی ہے؟

دکھیوں ذرا تمہارا ہاتھ؟

ارے میاں بخار میں تو ٹھیک رہے ہوا کہتی ہو افاقہ ہے!

نسخہ تو دکھاؤ دیکھوں کیا دوا پی رہے ہو!

اس سے کیا ہو گا؟ معمولی زکام، بخار کی دوائیں ہیں، اچھا قلم دوات اور ذرا سا پرچہ دو، میں خط لکھے دیتا ہوں اس کو لے کر ابھی حکیم صاحب یا ڈاکٹر صاحب کے پاس چلے جاؤ چنانچہ فوراً اس طرح سفارش کریں گے:-

میرے دوست ... ... دس دن سے آپ کے زیر علاج ہیں وہ کہتے ہیں افاقہ ہو رہا ہے مگر میری رائے میں ان کی بیماری خطرناک حد تک پہونچ گئی ہے مہربانی کر کے ذرا غور سے دوا تجویز فرمائیے۔ اور کوئی دوسرا نسخہ لکھئے۔ مرض آپ کے قابو کا نہ رہا ہو تو صاف کہہ دیجئے تاکہ دہلی یا لکھنؤ لے جائیں آپ ان کے حال پر جتنی مہربانی کریں گے میں ممنون ہوں گا۔

راقم دعاگو یا نیاز مند

اس سفارش کا اثر یہ ہو گا کہ معالج جلکر نسخہ پھاڑ کر پھینک دیگا آپ کی حماقت پر لعنت کرے گا یا مریض کو ایسے دوست نما دشمنوں سے بچنے کی ہدایت کرے گا۔ بعض اوقات سفارش کا اثر بالکل اُلٹا ہوا کرتا ہے اور یہ ایسے مواقع پر جب مراسم نہ ہوں کم یا ضعیف اور معاملہ جس میں سفارش کی جا رہی ہے وہ ذرا جانبدارانہ ہو لیکن سفارش کرنا بہرحال ایک ثواب کے ذمہ مقام ہوتا ہے۔

کوئی شخص کسی مقدمہ میں ماخوذ ہو جائے تو اس کے متعلقین کا سب سے پہلا فرض یہ ہو گا کہ قانونی چارہ جوئی سے قطع نظر کر کے وہ یہ معلومات حاصل کرنے میں معروف ہو جائیں کہ حاکم عدالت کس کا دوست، ممنون احسان، ہم وطن عزیز یا معتقد اور مرید ہے، جب کسی ایسے آدمی کا پتہ لگ جائے گا تو پھر وہ اس سے سفارش حاصل کرنے کے ذرائع پر غور کریں گے اور کسی نہ کسی طرح اس امر کا میاب ہو جائیں گے چنانچہ اس کے سامنے غربت و افلاس کی داستان بیان کی جائے گی۔ مصائب و تکالیف کی نوحہ خوانی ہو گی، بے کسی و مجبوری کے افسانے سنائے جائیں گے، یہی ایک ہندوستانی کا فرض ہو گا کہ حالات حاضرہ کی اہمیت کو محسوس کرے اور سفارش کا ایک زبردست خط لکھ کر حوالے کر دے، جب یہ خط مکتوب الیہ کے پاس پہونچے گا تو بالکل وہی کیفیت ہو گی جو قوی مرض میں کمزور دوا دینے سے ہوا کرتی ہے یعنی پڑھنے والا، ایک ایک نقطہ کو عینک لگا کر پڑھے گا۔ اس کی پیشانی پر شکن نمایاں ہوں گے، آنکھوں کی بے قاعدہ گردشوں سے اظہار نفرت کیا جائے گا اور کوئی ہرج نہ ہو گا۔ تو خادم، نیاز مند، فرمانبردار یا مخلص کے نیچے لکھے ہوئے نام کی نسبت یہ بھی پوچھ لیا جائے گا۔ آخر یہ میاں کون بزرگ؟ کہاں رہتے ہیں؟

یہ مرتے ہیں؟

حلیہ کیا ہے ان کا؟

عمر کیا ہو گی؟

کہاں تعلیم پائی ہے؟

جب یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ کالج کے ساتھیوں میں نہیں ہیں تو مکتوب الیہ قطعی خفا ہو جائیں گے، خط لکھنے اور لانے والے سے انھیں خصومت ہو جائے گی اور فیصلہ سنانے کے وقت وہ ایک ہفتہ سزا کے قید محض کی جگہ بے تکلف دو سال قید سخت کا حکم سنا دیں گے۔ وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہم پر سفارش کا یہ اثر ہوتا ہے اور ہم وہ ہیں جو کسی کی "سفارش نہیں مانتے"۔

انگریزی شاعر شیلے کے ایک شاہکار کا ترجمہ!

(مترجمہ: سیروپ سنگھ بی۔اے (آنرز) سٹوڈنٹ ہندو کالج دہلی)

چشمے دریا میں مل جاتے ہیں اور دریا سمندر میں جا گرتے ہیں آسمان کی کبھی نہ تھکنے والی ہوائیں کس محبت سے ایک دوسرے سے ملی رہتی ہیں؟ ——— دنیا میں کچھ بھی تنہا نہیں ہے! قدرت کا قانون ہے کہ ایک اپنے آپ کو دوسرے کی محبت میں جذب کر دے۔ اور اپنا وجود دوسرے کی ہستی میں ملا دے،

پھر میں اکیلا رہوں، میں ہی کیوں نہ اپنے آپ کو تمہاری محبت میں کھو دوں؟ دیکھو پہاڑ کس پریم سے اونچے آسمان کو چوم رہے ہیں، سمندر کی لہریں کس جوش سے ایک دوسری کو آغوش میں لے لیتی ہیں، پھول خوبصورت اور پریمیکا دوشیزہ بنا لئے پھولے صبح کی خوشبو کے بوجھ میں بعدی ہوا کسی طرح مل جل کر اظہار محبت کرتے ہیں سورج کی روشنی کس پیار سے زمین کا آنچل تھامتی ہے اور جب آسمانی رات کی خوبصورت ملکہ راج کرتی ہے تو اسکی نقرئی کرنیں کس پیار سے گہرے اور سوتے ہوئے اتھاہ سمندر کو چومتی ہیں مگر او محبوب! یہ سب چیزیں کس پریم میں مست ہو کر ہو رہا کس کام کا اگر ہم ایک دوسرے کو نہ چومیں



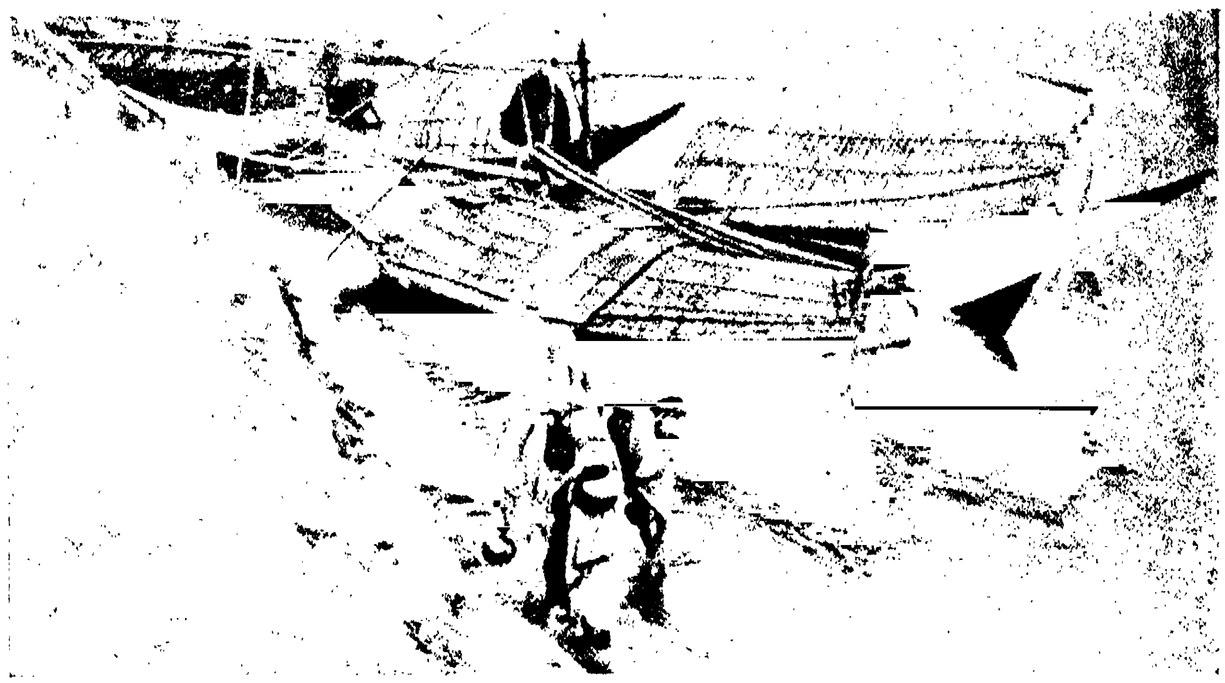
۳



۲



۱



۴



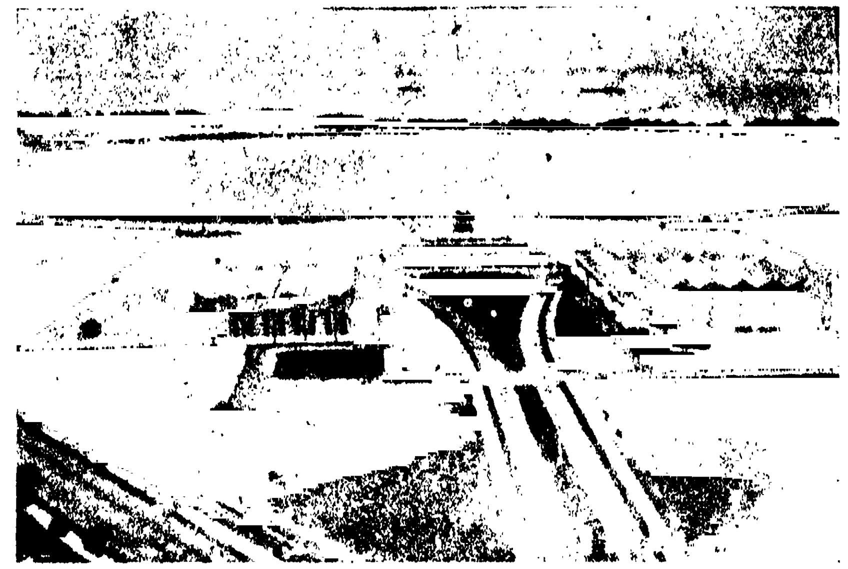
(۱) بہاولپور کے وزیراعظم کی بیوی بیگم بنی‌بخش صاحبہ جو ملک‌معظم کے روبرو پیش ہوئیں

(۲) مس الزبتھ‌کلمز جن کو ونڈسر ہال میں مصوری کی ملکۂ حسن کا خطاب دیا تھا

(۳) دنیا کے مشہور ارب‌پتی روک‌فیلر کی تمام جائداد کی وارث مسز مارگریت ڈی-کووس جن کی یہ تصویر ریڈیو کے ذریعہ نیویارک سے آئی ہے
(السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا کے شکریہ کے ساتھ)

(۱) برسات میں مشرقی بنگال کی ایک ندی کا دلفریب منظر

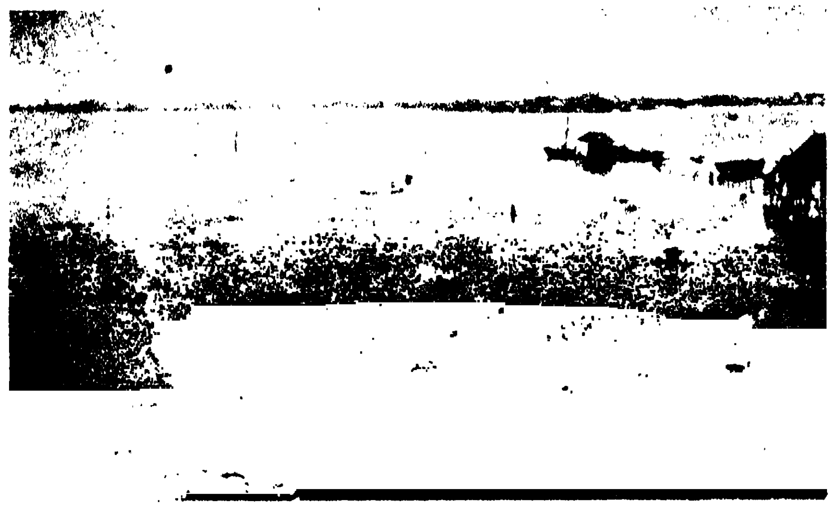
(۲) دنیا کا سب سے بڑا پھول (ٹی‌ٹائم) جو روشنی کی شعائیں خارج کرتا ہے اور ایک صدی کے بعد کھلتا ہے



۱۹۳۷ میں سنگاپور کی نئی ہوائی بندرگاہ جو مشرق بعید میں برطانی اقتدار کی محافظ ہے



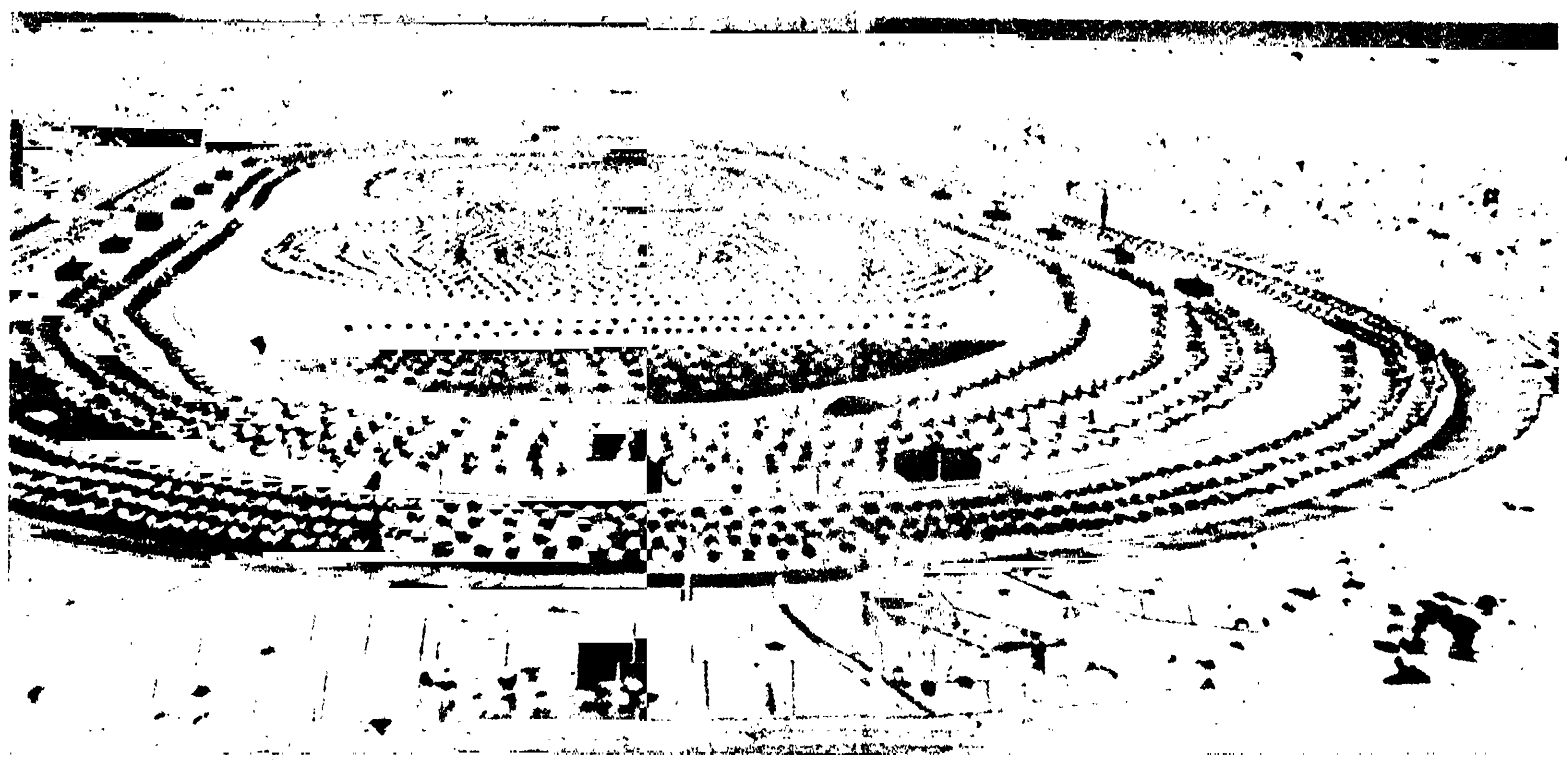
لندن میں کھلی فضا کا تھیٹر جس کیلئے کسی ہال اور سٹیج کی ضرورت نہیں



۱۹۲۲ء میں سنگاپور کے ہوائی مرکز کا ایک منظر



سر سہراب جی پوچھکھانوالا — مینجنگ ڈائرکٹر سنٹرل بنک آف انڈیا جن کا گذشتہ ہفتہ سورگباش ہوگیا۔ کاروباری حلقوں میں آپکے انتقال پر بڑے رنج و غم کا اظہار کیا جارہا ہے



صحت اور خوبصورتی کیلئے انگلستان میں عورتوں کی لیگ کی طرف سے حلقہ کی صورت میں ایک دلچسپ مظاہرہ ۱۲ جون کو لندن میں کیا گیا تھا۔ جسمیں چھ ہزار خوبصورت عورتوں نے شرکت کی



جہاز ڈوشلینڈ پر بمباری کا انتقام لینے کیلئے جرمنی کے جنگی جہازوں نے المیریا کی بندرگاہ پر گولہ باری کرکے شہر کو

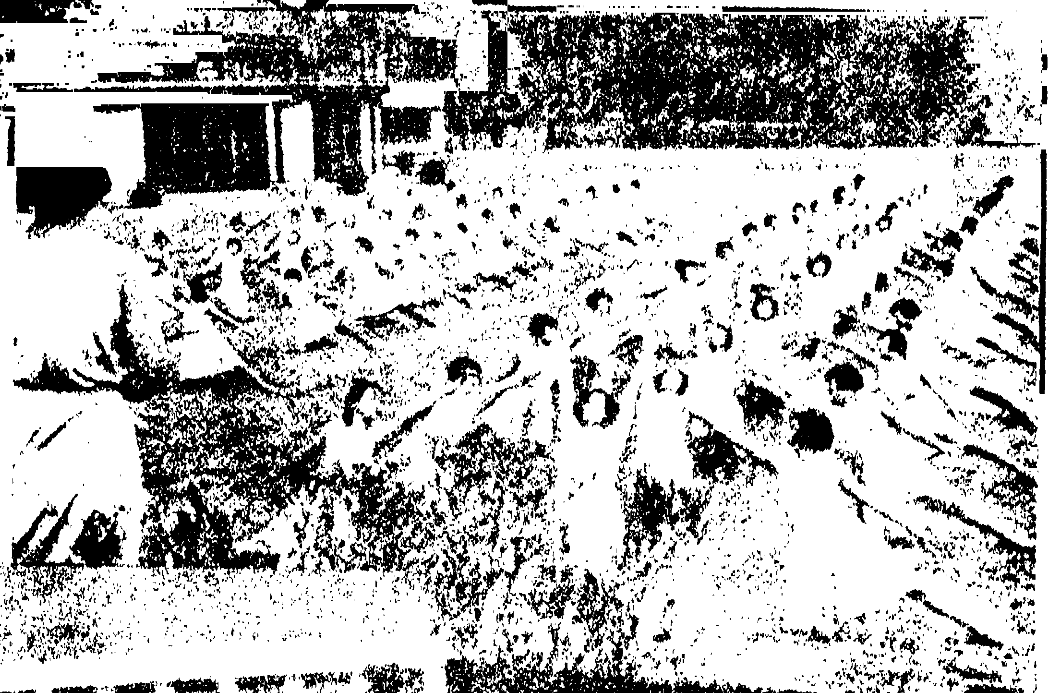
اِنگلستان میں بچوں کی تعلیم





لندن میں کھلی فضا کے اندر لڑکوں کو تعلیم دی جا رہی ہے تاکہ اُن کی صحت اور بہتر ہوسکے

جاپان میں لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم





لندن کی طرح جاپان میں بھی لڑکے اور لڑکیوں کو کھلی فضا میں تعلیم دی جاتی ہے اور جسمانی ورزش سکھائی جاتی ہے

ہوابازی کا مستقبل

(از مسٹر آئیٹس ڈبلیو ٹوئیڈی)

(مترجمہ دیوداس)

اس وقت ذرائع آمد و رفت اور بار برداری کا تیز ترین ذریعہ ہوائی جہاز ہے۔ مگر ہوائی جہازوں کے لئے اسٹیشن بنانے کی مہم اور اُن کے لئے بڑے بڑے شہروں اور مرکزوں کے پاس ہوائی اسٹیشنوں کی زمین سستی خریدنے کا کام ایک مستقل مسئلہ ہے۔ جس طرح ریلوے کو سستی سے سستی زمینیں دستیاب ہیں۔ اسی طرح اگر ہوائی جہازوں کے اسٹیشن کے لئے مل سکیں تو فن پرواز کی ترقی اور بار برداری براہ ہوا کے کام کو بڑی ترقی ہوگی۔

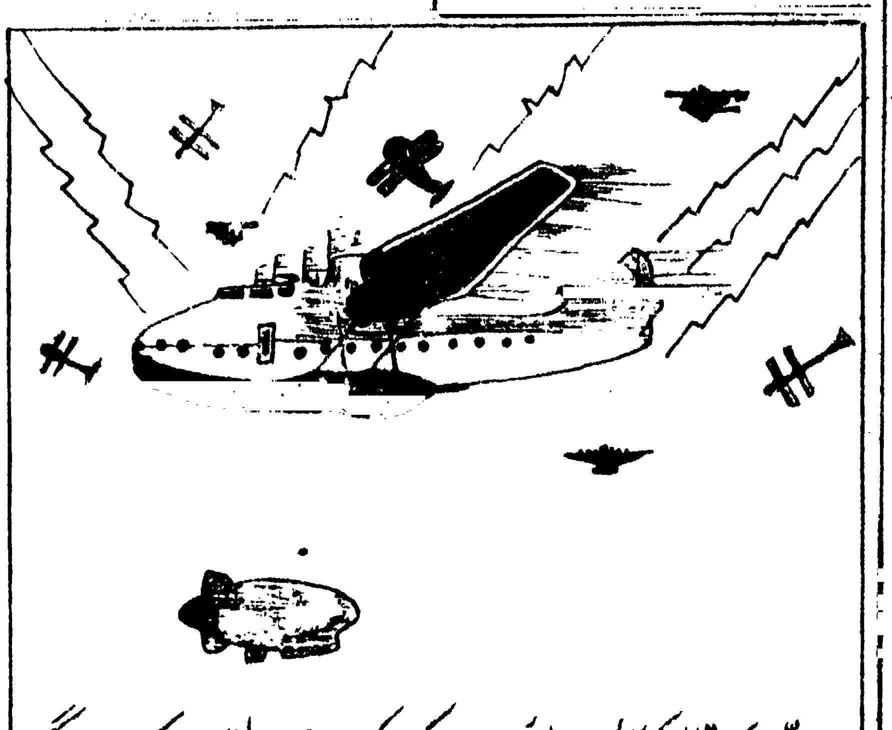
ماہروں کا خیال ہے کہ آئندہ بندرگاہیں موجودہ دنیا کی ریلوے لائنوں کے اختتام اور بندرگاہوں سے اہمیت اور خوبی میں بہت بڑھ جائیں گی۔ جس طرح آج کل ہر بڑے شہر اور قصبہ کے پاس ریلوے اسٹیشن کا ہونا ضروری ہے اسی طرح اب ہوائی بندرگاہوں کی ضرورت ہوگی۔ چونکہ تمام تجارتی ہوابازی کا انحصار بالآخر ہوائی مستقروں کے قیام پر منحصر ہے اس لئے جملہ ہوابازی کمپنیاں اپنا روپیہ اور توجہ اس بات پر صرف کردیں گی کہ اچھی ہوائی بندرگاہوں کے لئے مناسب مقامات خواہ کسی قیمت پر بھی ہوں خریدے جائیں۔ اور اگر کوئی مخالف اور حریف اس میدان میں ہو تو اُسے ہر ممکن طریقہ پر زک دے کر ہوائی بندرگاہوں کے استحکام و قیام کا کام مکمل کیا جائے۔

آج کل اتوار کو یا چھٹیوں کے موقعہ پر لوگ ہوائی بندرگاہوں میں جاکر ہوائی جہاز اُڑانے اور پرواز کے دیگر امور و مشاغل کو دیکھنے کی تفریح کرتے ہیں۔ لوگوں کی فن پرواز سے دلچسپی روز بروز بڑھ رہی ہے اور جب ہر شہر کے پاس ایک وسیع و عریض پلیٹ فارم پر ریلوں کی طرح ہوائی جہاز دن رات آکر اُترا کریں گے تو لوگوں کی دلچسپی و تعلق میں اور بھی اضافہ ہو جائے گا۔ اور تجارتی و تمدنی اعتبار سے ہوائی جہاز لوگوں کی زندگی کا ایک اہم منصر بن جائے گا۔ قریب ترین رقبہ اراضی پر ہوائی بندرگاہوں کا ہونا ہر انسانی آبادی کے لئے دلچسپی اور افادی اہمیت کا باعث ہوگا۔

جدید قسم کی ہوائی بندرگاہ جو آئندہ بنائی جائے گی اس شہر کے لئے یا آبادی کے لئے جو اس کی سروس سے فائدہ اُٹھاتی ہے ایک دروازہ ہوگا جس کے ذریعہ ہم ہر چیز تک اپنی پہنچ حاصل کر سکیں گے۔ عمومی ساخت، حالت آرام اور فائدہ کے اعتبار سے اسے ہم ریلوے کے اسٹیشن کا قائم مقام سمجھیں گے۔ بہت سے لوگ تعطیلات کے روز وہاں سیر کے لئے جایا کریں گے۔ ان بندرگاہوں پر پارک۔ ریسٹورنٹ۔ تفریح گھر۔ ناچ گھر اور دیگر نفع بخش کام نکل آئیں گے۔ جن سے مالکان کمپنی کو بہت کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ادھر اُدھر کے سینکڑوں اور ہزاروں لوگ روزانہ ہوائی بندرگاہوں کی سیر کو آیا کریں گے۔ جن پر ٹکٹ لگایا جاسکتا ہے۔ اور ہوائی کمپنیوں کو اس طرح بھی کافی آمدنی ہوسکتی ہے۔ جوں جوں شہروں میں نئی نئی ہوائی بندرگاہیں قائم ہوں گی "ہوائی ٹیکسیاں" بھی چلنے لگیں گی۔ جن کی وجہ سے ان بندرگاہوں پر پٹرول کی زیادہ فروخت کھانے پینے کی چیزیں اور دیگر آرام و زیبائش کے سامان خوب بکا کریں گے۔ جس طرح آج کل پٹرول بھرنے کے اسٹیشن اور "گیرج" مقبول عام ہیں اسی طرح جگہ جگہ "ہوائی ٹیکسیوں" کے یہ مستقر بھی مقبول عام ہونگے۔

ہوائی بندرگاہ بنانے کے سلسلہ میں سب سے زیادہ ضروری بات جس کا خیال رکھنا ہوگا وہ اس کا مقام ہے۔ عام گذرگاہ سے ہٹ کر جہاں گنجان آبادی نہ ہو ایک ایسی جگہ پر بندرگاہ بنائی ہوگی جس کے قریب تمام تجارتی مراکز اور اچھی آبادی کی پہنچ ہو۔ اگر تقریباً قریب پندرہ منٹ کے فاصلہ پر بھی عام آبادی سے ایسا اسٹیشن بنایا جائے تو اہل شہر کے لئے بہت مفید ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہوائی جہازوں کے لئے



مصنف کا تصور کہ آئندہ ہوائی جہاز کس کس انواع و اقسام کے ہوں گے

اُترنے۔ دوڑنے اور آرام کے ساتھ رکھے جانے کے لئے وسیع رقبات اسٹیشن میں موجود ہوں۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ جو میدان اسٹیشن میں احاطہ کئے جائیں وہ ہموار ہوں۔ ان میں کوئی چیز حائل اور رخنہ انداز نہ ہو۔ اس قدر عریض و طویل ہوں کہ چھوٹے بڑے جہاز آسانی کے ساتھ اُتر سکیں اور رکھ سکیں۔

جب ہوائی بندرگاہ کسی بڑے شہر یا قصبہ کے قریب بنائی جانے والی ہو تو عام آبادی تک پہنچ کا معاملہ بہت اہم اور مشکل ہو جاتا ہے۔ ہوائی بندرگاہوں پر دنیا میں اب لاکھوں روپیہ تعمیر تزئین اور مقامی نوعیتوں کے لئے خرچ کیا جائے گا۔ اور جب تک ان بڑے اخراجات کی وصولی کے اسباب موجود نہ ہوں اور پیدا نہ کئے جائیں اس وقت تک ان بندرگاہوں کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ یہ بندرگاہیں معمولی ریلوے اسٹیشنوں سے زیادہ ٹریفک اور زیادہ کاروبار کنٹرول کریں گی۔ اس لئے ان کے پاس ہزاروں ٹکٹ۔ بار برداری اور سفر کے انتظام کے دفاتر۔ پوسٹ اور تار گھر۔ کسٹم اور انتظامی دفاتر۔ مسافر خانے۔ آرام گھر ریسٹورنٹ۔ اخبار فروشی کی دکانیں۔ طبی امداد کے کمرے فن پرواز اور ہوا کے دفاتر۔ ہوابازوں کے مکانات اور مختلف قسم کی دیگر سینکڑوں آسانیوں کا احاطہ میں ہونا لازمی ہوگا۔ اور ان کی ہر وقت ضرورت پڑے گی۔

اہم شہروں اور قصبات میں اس قدر فاصلہ ہے کہ ان کے مابین موٹر اور ہر وقت کام دینے والی ہوائی سروسوں کا انتظام کرنا اور سب سے بڑھ کر رات کے وقت ہوائی جہازوں کے راستوں کو درست کرنا اور ہوائی سفروں کا اہتمام کرنا اور اس کے لئے لاکھوں روپے خرچ کرکے تقریباً ہر راستہ سے شبینہ سفر کی آسائشیں اور حفاظتیں مہیا کرنا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے جو اگر ہوگیا تو دُنیا کی حیرت اور آرام کی کوئی حد نہ رہے گی۔ لیکن ہوائی کمپنیاں اس قدر زبردست خرچ کرنے کے لئے اس وقت تک تیار نہیں ہیں جب تک انہیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ روپیہ خطرہ میں نہیں جائے گا۔

اس امر کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہوائی بندرگاہوں کے احاطوں پر تیز روشنی کے لیمپ اور برقی قمقمے جا بجا نصب ہوں تاکہ جو لوگ رات کو ہوائی سفر کرتے ہیں اُن کو آرام پہنچے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہر ہوائی جہاز میں جدید ترین قسم کا بے تار برقی سیٹ اور ریڈیو سیٹ ضرور فٹ ہوں۔ تاکہ ضرورت کے وقت ان جہازوں کو ہدایت دے کر حسب مرضی اُڑایا جاسکے۔ اور انہیں بروقت امداد بہم پہنچائی جاسکے اور قریب ترین اسٹیشن تک بحفاظت تمام پہنچایا جاسکے۔

ہر ہوائی سروس کی تجارتی ترقی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کے طور پر اگر کوئی چیز ہے تو وہ ہوائی ڈاک کا سلسلہ ہے۔ اب بھی روزانہ ۵۰۰۰ میل ہوائی جہاز سفر کر رہے ہیں اور ہوائی ڈاک پہنچا رہے ہیں لیکن آئندہ ہوائی ڈاک میں بے انتہا ترقی ہوگی اس لئے جس قوم کے پاس عمدہ ہوائی جہاز اور عمدہ بندرگاہیں نہیں ہوں گی وہ اچھی ہوائی ڈاک سروس کا انتظام نہیں کر سکیگی اب دُنیا کو تیز تر ڈاک کی ضرورت ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے اہتمام کیا جائے۔ ہوائی جہازوں کی چھتیں ہوائی اسٹیشنوں کے پلیٹ فارموں کے طور پر بھی استعمال کی جاسکتی ہیں (AUTO GYRO) نامی مشینیں اس قدر ہلکی اور سبک رفتار ہیں کہ عملاً یہی استعمال ہوا کریں گی۔ یہ مشینیں عام ہوائی جہازوں سے بس اس طرح مختلف ہیں کہ ان میں بازو نہیں ہوتے ورنہ یہ عام ہوائی جہازوں سے زیادہ سبک رفتار ہوتی ہیں۔ آسانی کے ساتھ عمودی طور پر اُتر سکتی ہیں۔ نہایت آرام کے ساتھ انہیں اُڑایا جاسکتا ہے اور زمین سے اُڑنے میں اسے بہت ہی کم وقفہ لگتا ہے۔ لیکن حکومت کے پاس اس قدر روپیہ نہیں ہے کہ وہ مزید اخراجات برداشت کرکے ایسی مشینیں سر دست مہیا کر سکے۔ لیکن رفتہ رفتہ سب جگہ یہی مشینیں کام آنے لگینگی۔ ایک اور قسم کی ہوائی مشین نکلی ہے جسے اگر ہوائی جہازوں کا بچہ کہا جائے تو بجا ہے۔ اس کا نام اُڑنے والی مکھی ہے۔ اور صرف ۹۰ پونڈ کی لاگت سے تیار ہو جاتی ہے۔ اس میں ایک انجن دس ہارس پاور کا استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ اس قدر آسانی اور خوبی اور حفاظت کے ساتھ ہوا میں فراٹے بھرتی ہے کہ اگر اسے ہوائی "موٹر بائیسکل" کہیں تو کیا عجب ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم عنقریب اسے آسمان پر بکثرت اُڑتا دیکھ سکیں گے۔ ایک اور مشین ہے جو بغیر ہوباز کے چلتی ہے [illegible] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بغیر ہوباز کے مشین کا چلنا ناممکن ہے لیکن وائرلیس نے یہ ثابت کردیا ہے کہ مشین کو زمین پر بمقصد کنٹرول کرنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ اس مشین کا نام "شہد کی مکھیوں کی ملکہ" ہے۔

ہوائی جہازوں کی اسپیشل سروس اگرچہ ابھی تیزی کے ساتھ نہیں بڑھ رہی ہے لیکن جوں جوں وقت [illegible]

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

ایک چینی نظم

چینی دوستی اور دوستوں سے جدائی کے پر تاثیر خیالات سے قریب قریب نصف چینی شاعری بھری پڑی ہے۔ شاعر اپنے کو ایک دوستی داستان کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ وہ ایک رنگین اور عاشقانہ زندگی کے تمام تر اصول مرتب ۔ ۔ دوستی نے کئے ہیں ۔ آزادی خیال ۔ ۔ ۔ دوستی اور اسکی چاہت پینے کی عادت وغیرہ خاص اوصاف ہیں جو اُن کی بیشتر نظموں میں ملتا ہیں۔ زیادہ تر چینی نظمیں انسانی زندگی کے دوسرے یا تیسرے حصہ میں لکھی گئی ہیں اس لئے ۔ ۔ گذشتہ کی یاد سے پُر ہیں شاعر ایام شباب کی کیفیات کا خیال کرتا ہے جو دوستوں کے درمیان بسر ہوئے ۔ شاعران گذشتہ واقعات کی دلفریبیوں کو پُر حسرت طور سے یاد کرتا ہے اور یہی نصف سے زیادہ چینی نظموں کے خاص خیالات ہیں۔ ایک نظم ملاحظہ ہو۔

ہم ایوان نذیر کو جانتے ہیں

ہم چینی مٹی کے پیالے استعمال کرتے ہیں۔

ہم با عزت مہمانوں کو مدعو کرتے ہیں۔

تاکہ وہ سنہری دروازے میں داخل ہوں

وہ سنہری دروازے میں داخل ہوتے ہیں۔

اور سنہری کمرے میں جاتے ہیں۔

مشرقی باورچی خانہ میں مصالحہ دار کھانا تیار ہے۔

میز پر چائے کی پیالیاں گردش میں آتی ہے۔

مغنی اپنے بربط پر پُر سحر نغمے سناتے ہیں۔

چائے کا دور ختم ہوتا ہے۔

اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ شطرنج پر بیٹھ جاتے ہیں

فاتحین کی پیالہ صف بہ صف چلتے ہیں۔

انگ دان سے اور دھوئیں کے حلقے منتشر ہو رہے ہیں

عود دان سے لطیف نکہت نکل رہی ہے۔

چائے کی حرارت نے ہمارے رخسار دل کو سُرخ کر دیا ہے

میز کے ہر چہار طرف مسرت اور اطمینان کا دور دورہ ہے

کاش یہ لوگ جنہوں نے اُستاد کی خوشی میں حصہ لیا ہمیشہ یونہی خوش و خرم رہیں۔

اس سے قبل جب ۔ ۔ ۔ میں میرا قیام تھا

میں دوستوں اور بھائیوں کے نہ ہونے سے افسردہ تھا۔

یک بیک ایک ذرا سی دل رکھنے کی وجہ سے

میں نے مکان چھوڑ دیا۔

سب سے آرام کی کوئی چیز میرے ساتھ نہ تھی

اس کے ایک غار میں پہاڑوں کی دیواروں کے

درمیان میں گوشہ نشین ہوا۔ جب پیاسے پرند لہریں

۔ ۔ ۔ کی طرح اچھل کود رہی ہیں۔

۔ ۔ ۔ جنگلی بندروں سے مشابہ ہیں۔ خوفناک

اور حریص۔ وہ پہاڑوں اور میدانوں میں بھرے پڑے ہیں۔

ان کے درمیان میں ایک دوست کی امید نہیں کر سکتا۔

پریم کہانی

(از جناب بابو لال ساحل پانوی)

(خاص ۔ ۔ ۔ ویکلی کے لئے)

سکھی! میں کیا جانوں پریم کسے کہتے ہیں

پرنتو اتنا یاد ہے کہ میں سولہ سنگار کرکے شیو جی کے مندر کو جا رہی تھی

راستے میں ایک پردیسی نے میری طرف دیکھا اور

وہ اتنی دیر تک دیکھتا رہا —— یہ میں نہیں جانتی۔

جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنا منہ پھیر

لیا۔ میں شرما گئی۔ پھر کیا ہوا ——

وہ مجھے اوروں کی نظروں سے بچا کر دیکھ لیتے تھے

اور میں اُن کی نظر بچا کر دل بھر کر انہیں دیکھ لیتی تھی۔

وہ بہت سندر تھا۔

مجھے اس کی یاد رہ رہ کے ستاتی ہے۔

یہی تو پریم ہے۔ اور جو کچھ بہن تو نے

بیان کیا یہ تیری پریم کہانی ہے —— سکھی

نے جواب دیا۔

(پچھلے صفحے سے)

ہوائی جہازوں کی اسپیشل سروس ترقی کرے گی ہوائی جہازوں پر خوبصورت ملبوسات میں عرق خوشبو ں خدمتگار اور دیگر ملازم ہر وقت آرام پہنچانے کے لئے آپ کے سامنے ہاتھ باندھ کھڑے ہوں گے ہسپتال اور ڈاکٹر لوگ مریضوں کو دیکھنے کے لئے ہوائی ٹیکسیاں کرایہ پر لے کر دوڑتے پھر رہے ہیں مریض ہوائی جہازوں میں ذرا سی دیر میں دور دراز مقامات سے اڑ کر ایک دم اڑ کر پہنچ جایا کریں گے۔ تاجر اور سیر و تفریح لوگ گھڑی گھڑی یورپ امریکہ اپنے اپنے کام پر منٹوں میں پہنچ جایا کریں گے۔ غرض ہوابازی کا مستقبل بہت روشن ہے

ہم جوں جوں مشغول ہوں زیادہ مسرور نظر آتے ہیں اور ہوائی جہاز تو ہمارے آرام اور تیزی کے ساتھ کام کرنے کی مدد کا ایسا آلہ ہے جس کے بغیر مستقبل کا انسان کچھ بھی نہ کر سکیگا۔ مہینوں کا کام ہفتوں اور دنوں میں ہو رہا ہے اور وقت اور فاصلہ پر حاوی ہونے اور قبضہ کرنے کی یہ رفتار برابر بڑھ رہی ہے۔ کیونکہ صرف ہوائی جہاز ہی ہیں جو ہمیں سخت مشکلات میں سے نکال لیتے ہیں اور بعض لاینحل مسائل حیات کا حل صرف آلات پرواز کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا کی آئندہ ترقی اور مرکز توجہ کا باعث بن رہی ہے

دیہات سُدھار اور دیہاتی ترقی کے کام

(پروفیسر رادھا کمل مکرجی کے قلم سے)

یہ ایک صداقت ہے کہ ہندوستان کی تہذیب و تمدن کا مخزن دگہوارہ اور اس کا صحیح منظر دیہات اور گاؤں میں ہی ہم دیکھ سکتے ہیں اور کہیں نہیں۔ مگر اس صداقت کو کئی پہلو ہیں۔ یورپین تعلیمات اور یورپین سیاسیات نے ہمارے دماغوں میں یہ تصور جاگزیں کر دیا ہے کہ شہر ترقی و تمدن کا گہوارہ ہیں اور ہندوستان کی تعمیر کا کام شہروں ہی کے ذریعہ اور واسطے سے ہو سکتا ہے۔ اور سب سے بڑا خطرہ تو یہ ہے کہ ہمیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ دیہات کے اندر کچھ نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ بھی ہوگا باہر سے ہوگا۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ اب ہمیں ان غیر ملکی تصورات و تعصبات ذہنی کو جھٹک دینا چاہئے۔ اور ہندوستانی کلچر کی حفاظت کے لئے اپنے قدیم مرکزوں کی طرف لوٹنا چاہئے۔ خواہ ہمیں ہندوستان کی تہذیب کی حفاظت کے لئے دیہات کی نوتعمیری کے احساس کی طرف مائل کیا جائے یا قدیم معاشی و معاشرتی تنظیم و دستور کے مرکز یعنی دیہات کو استعمال کرنے اور ان سے امنگ حاصل کرنے کا کام لیا جائے۔ مگر اب کام یہی ہوگا اور اس کے لئے ہندوستانی دماغوں میں پوری طرح ایک مکمل زاویہ نگاہ پیدا ہو جانا چاہئے۔ حکومت کی طرف سے چلائے ہوئے تعمیری کاموں کو لیجئے یا غیر سرکاری دیہات سدھار جماعتوں کے کاموں کو لیجئے۔ ان تمام امور میں اس وقت تک کوئی معقول کامیابی حاصل نہیں ہوگی جب کہ دیہات کی پنچائتیں خود ان کی طرف توجہ مبذول نہ کریں۔ اور انہیں فوراً عملی جامہ پہنا کر غریب سے غریب گھروں تک نہ پہنچا دیں اور اس کے حقیقی فوائد سے سب کو آگاہ نہ کر دیں اور سب لوگ مل کر اس کی افادیت کو پہچان نہ لیں۔ آپس کے ربط ضبط اور میل جول کو ترقی دینے سے ہم بہت سے مفید سماجی کام کر سکتے ہیں اور پہلی ضرورت دراصل اسی بات کی ہے کہ معاشرتی ضبط و ربط کے لئے ہم اسکول کھولیں۔ پنچائتیں جابجا قائم کریں۔ صحت کے اصول سمجھانے اور عام حفظان صحت کے کام کرنے کے لئے دیہات میں مرکز قائم کریں۔ مرکزی بنک کھول کر غربائے دیہات کی مالی امداد کا کام کریں۔ بہت سے دیہاتوں کو ملا کر ان کے لئے علیحدہ علیحدہ حلقوں میں سٹور کھلوائے جائیں۔ جو تحریک امداد باہمی کے اصول پر چلائے جائیں۔

پس اس طرح پنچائتوں کو جو دیہاتی اصلاح و تعمیر کے کاموں کا مرکز ہونی چاہئیں۔ امداد باہمی اور حفظان صحت کے کاموں پر نگرانی رکھتے ہوئے ایک ایک گاؤں کو جو آج کل گمنامی اور بے تعلقی کی زندگی بسر کر رہا ہے ایک بڑے حصے کا ممبر بنا دیں۔ اور یہ پنچائتیں اور بڑی پنچائتوں۔ یا مرکزی اور اضلاعی جماعتوں میں مدغم ہو جائیں۔ پنچائتیں اگر اپنی کارکردگی میں خوبی دکھلائیں تو ان کے دائرہ عمل کے اصلاحی کاموں میں ہمیں بہت کامیابی نظر آ سکتی ہے۔ پنچایت کے دائرہ عمل اور طاقت کی وسعت پر ہی دیہات کی اصلاح و تعمیر کا انحصار نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ بھی ہوگا کہ یونین پنچائتیں اور بورڈ کس طرح اپنے اپنے حلقوں میں ایک پختہ اور سچی رائے عامہ پیدا کرتے ہیں۔ اور اس رائے عامہ کی استواری پر سرکاری اور غیر سرکاری تعمیری کاموں کی بنیاد رکھتے ہیں۔ جب تک یہ

صحیح رائے عامہ اور راستی کے ساتھ سوچنے والی ویسی پبلک پیدا نہیں ہوتی۔ بیرونی صلاح کنندگان کچھ زیادہ مدد نہیں کر سکتے۔ قدیم سماجی زندگی جس طرح آپس میں متحد ہوتی تھی اسکو از سر نو تازہ کرنا ہے۔ نہ صرف ایک دو گاؤں میں بلکہ دیہاتوں کے ایک عظیم الشان مجمع میں۔ ضلع کے حکام اور دیہات کے آرگنوں کے مابین کوئی وسیلہ نہ ہونے کے باعث تعمیری کام بہت پھنس پھنسا رہا ہے خواہ امداد باہمی کی انجمنیں ہوں۔ دیہی اسکول ہوں یا دیسی پنچائتیں ہوں۔ ان سب کی نگرانی اور مرکزیت اور ربط کے لئے ایسے عناصر کی ضرورت ہے جو برسر اقتدار اعلیٰ حکام اور غریب رعایا کے مابین وسیلہ کا کام دے سکیں۔ اگر دیہاتی کام کو صرف افسرانہ نگرانی اور انسپکٹروں کے بھروسہ اور ضرورت سے زیادہ بھروسہ پر چھوڑ دیا گیا تو ہم اصلاح اور تعمیر دیہات کا کوئی معقول تصور پیدا نہیں کر سکیں گے۔ جیسی وسیع انجمنوں اور چھوٹے چھوٹے طبقوں کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ یہ ایسے مضبوط اور موثر بنائے جائیں کہ گاؤں کے لوگوں میں ان کے افراد کا کچھ اثر اور تعلق ہو۔ رعیت کی بھلائی کے کاموں کو وہ سمجھتے ہوں یہ تمام بیرونی امدادوں کو جذب کر کے اور دیہاتی عناصر سے ان کا الحاق و اتحاد پیدا کر کے ایک صحیح اتحاد عمل اپنے حیطہ کار میں پیدا کر سکیں گے۔ اور جہاں جہاں جن چیزوں اور کاموں کی ضرورت ہوگی۔ وہی چیز پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کریں گے۔ ہر گاؤں سے توقع رکھنی چاہئے کہ اس کا اپنا بیج بیچنے والا سٹور۔ چھوٹا بنک۔ امداد باہمی کی انجمن اور اپنی پنچایت ہوگی۔ اور جوں جوں دیہاتی کاموں کا تعلق و اثر وسیع ہو۔ چند گاؤں کے ایک گروپ کے لئے شش بندہ گاؤں کے لئے ایک مڈل یا ہائی اسکول کھولا جا سکتا ہے۔ جو گاؤں گاؤں کے پرائمری سکولوں سے آگے بڑھنے اور دیہاتی جہالت اور تاریکی کو دور کرنے کی کوشش کریگی۔ امداد باہمی کی انجمنوں کو چاہئے کہ وہ سنٹرل بنکوں سے الحاق رکھیں اور دیہات میں آسانی کے ساتھ ضرورت کے وقت قرض مہیا کرنے کا انتظام کریں۔ سنٹرل بنکوں سے جو قرض اپنے اپنے علاقہ کے لوگوں میں تقسیم ہوتے ہوں ان قرضوں کے صحیح مصرف کی نگرانی کرنی اور ۱۵ - ۲۰ گاؤں کے ایک اقتصادی مرکز کی پوری پڑتال کرنی اس نظامت کا کام ہوگا۔ اگر بیج سٹور بنائے جائیں تو رفتہ رفتہ غلہ فروخت کرنے کے ادارے بھی کھولنے ہوں گے جو سب غلہ اکٹھا کر کے انہیں علیحدہ علیحدہ درجوں میں تقسیم کر کے شہروں میں بھیجنے اور اچھی قیمتوں پر فروخت کرنے کا بندوبست کریں گے۔ اچھی کھیتی اور بہتر زندگی اور خوشحالی کے اچھے معیار کو قائم رکھنے کے لئے یہ ادارہ خاص توجہ دے گا۔ بہتر زرعی کاموں کے مظاہرہ کے لئے آگے چل کر ہم ایک نمونہ کا کھیت بنا سکتے ہیں۔ جہاں اپنے اپنے گرد کے گاؤں کے لوگوں کو بتایا جائے گا کہ اچھی فصلیں اور بہتر کھیتی باڑی کے کیا کیا طریقے ہیں۔ مثلاً

آلات کے استعمال اور پروپیگنڈا کے لئے اپنے علاقہ کے اچھے مویشیوں کے مظاہرے کے لئے اور غلہ کو اور دیگر دیہاتی پیداواروں کو بہتر بنانے کے لئے فنی معلومات اہل دیہات کو بہم پہنچانے کے لئے یہ نمونہ کا کھیت بہت مفید کام کر سکتا ہے۔

یونین پنچائتیں یا بورڈ ایک ایک گاؤں کی پنچائتوں کے کاموں اور فیصلوں پر نگرانی کیا کریں گی۔ جو نئے کام معلوم ہوں گے انہیں ماتحت پنچائتوں تک پہنچانے کا بندوبست کیا جائے گا۔ تاکہ سب جگہ بیک وقت کام شروع کیا جا سکے۔ اس نوع کی تنظیم چونکہ ابھی تک کسی کارکن جماعت اور واسطوں کی طرف سے عمل میں نہیں آئی ہے۔ اس لئے امید کی جاتی ہے کہ یہ تجویز ضرور اچھے پھل لائے گی۔

پس تمام دیہاتی کاموں کی مرکزیت اور باہمی ربط اور واسطہ اتحاد سے ہی ہم اپنے گاؤں میں لہر بحر پیدا کر سکتے ہیں۔ دیہاتی کاموں کی نگرانی اور ہدایت کا کام بغیر مرکزیت عمل اور اتحاد عناصر کے ممکن نہیں۔ دراصل دیہاتی تعمیر کاری کا صحیح تصور یہی ہے کہ چھوٹی سی چھوٹی عملی قوت اور کارگزار عنصر کو ایک مرکز پر جمع کر دیا جائے۔

جوں جوں دیہاتی زندگی اور دیہاتی کاروبار کا معیار ترقی کرے گا۔ ان میں پختگی پیدا ہوگی۔ بیرونی اقتصادی حملوں سے ہم دیہات کی آبادی اور ان کے مفادات کو بچا سکیں گے خواہ وہ ایک واحد گاؤں کے مفاد ہوں یا گروپوں کے۔

دوسری طرف یہ ہوگا کہ دیہاتی کاموں کے مختلف شعبوں مثلاً دیہاتی اسکولوں۔ بنکوں۔ امداد باہمی کی انجمنوں اور حفظان صحت کے کاموں کا ایک دوسرے پر رد عمل شروع ہوگا۔ تجربہ سے جو چیز ناپسندیدہ اور غیر ضروری معلوم ہوگی اسے نکال دیا جائے گا۔ اور اس کی بجائے دوسرے عناصر شامل کر دیئے جائیں گے۔

زراعت کا معیار اس وقت ترقی کرے گا جب اہل دیہات دیہات کو آسانی کے ساتھ روپیہ قرض مل سکے۔ ان کو دیہاتی کاموں اور زراعت کے کاموں کی صحیح اور جدید ترین معلومات اور فنی آگاہی حاصل ہو۔ اور آبپاشی کے ذرائع موجود ہوں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ دیہاتی تنظیم اور کاموں کے مظاہروں کا انتظام کیا جائے۔ تاکہ سب لوگوں کو ایک وقت میں جدید ترین معلومات حاصل ہو سکیں۔ قرض کی آسانیاں بہم پہنچا دینا ہی کافی نہیں ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اہل دیہات کی عام صحت کی طرف بھی ہم توجہ کریں۔ اگر اہل دیہات ملیریا کا

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

خندۂ گل

(از جناب سیفی ۔ گنوری)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

موسمی انقلاب کے کروٹ بدلتے ہی نظم گلستاں کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔ باد صرصر کے تھپیڑے اثر جو کئے نامت و تاراج کا بازار گرم کرنے میں منہمک ہو گئے۔ خزاں نے بہار کی تمام رنگینیاں چھین لیں۔ اور جمالیاتی پہلو نظروں سے مستور ہو گئے۔ لیکن چمن میں ایک منڈیر سے متصل ایک چھوٹی کیاری میں ایک گلاب کا جس کو بہار کی آخری جلوہ آرائیوں کا مظہر کہا جا سکتے باد خزاں کے دست تطاول کا مقابلہ کرنے کو باقی رہ گیا تھا جس میں ایک چھوٹی سی خوبصورت کلی تھی۔ جو اپنی بے بضاعتی اور کس مپرسی پر تاسف کناں تھی۔ اس نے شرم سے اپنا منہ پتیوں میں چھپا رکھا تھا۔ اور صحن چمنستان میں آنکھ کھولتے جھینپ رہی تھی۔ سورج کی کرنوں نے اس میں گرمی اور جوش پیدا کرنے کے ابھارا۔ باد صبا کے خنک۔ برفیلے لطیف جھونکوں نے اس کی منتیں کیں۔ بالآخر تقاضوں سے مجبور ہو کر کلی نے شرم آگیں نگاہوں اور ندامت آمیز تبسم کے ساتھ آنکھ کھولی۔ سورج نے نسیم نے اپنے گہوارۂ جنبان میں جھلا کر اس کو ایک شگفتہ و حسین و جمیل پھول کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ عندلیب جانثار کی روح اس نظارہ سے رقص کرنے لگی۔ اس نے اپنی دلکش آواز میں نغمات محبت گا کر سنانے شروع کئے۔ وہ والہانہ وار پودے کی طرف پرواز کرتی کبھی پھول کے قریب کی شاخ پر آکر بیٹھتی کبھی پھول کے رنگین اور ملائم رخساروں کو بوسہ دیتی اور اپنی بے تابانہ حرکات سکنات سے اپنی محبت کا اظہار کرتی۔

پھول نے کچھ دیر تنہائی محسوس کی۔ بعد اپنی یکتائی کا زعم ہو گیا۔ وہ چمن کے دیگر بے رونق پودوں پر حقارت آمیز نگاہیں ڈالنے لگا۔ وہ اپنے وجود کو فخر بوستاں اور زینت چمن تصور کرنے لگا۔

مطالعۂ فطرت سے دلچسپی رکھنے والا ایک شاعر روزانہ چمن میں آتا تھا۔ اور قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ وہ گلستاں کے ہر منظر پر تنقیدی نظر ڈالتا تھا۔ اس نے پھول کو کھلا ہوا دیکھا۔ وہ اس کو دیکھ کر بہت مسرور ہوا۔

دوسرے دن شاعر نے گلزار میں آکر دیکھا کہ پھول کی حسین و جمیل نازک پنکھڑیاں بکھری پڑی ہیں۔ اس نے ایک پنکھڑی اٹھا کر دیکھی۔ سامنے تصویر کے دونوں رخ (آغاز جوانی و بے ثباتی) اور عالم ایجاد کے تمام جزئیات نمایاں تھے اس نے کہا۔

مبارک تھیں وہ ساعتیں کہ یہ نازپروردہ بہار اپنی لطافت و رنگینی کے باعث لوگوں کی دلچسپی کا سامان تھا۔ اور قابل افسوس تھے وہ لمحات کہ اس میں خودنمائی اور کبر و نخوت کی رعنائیاں ہوئیں۔ جوش کے انجام کا منظر میرے پیش نظر ہے۔

یہ کہا اور چمن سے چلا گیا۔

(پچھلے صفحہ سے)

آئے دن شکار ہوتے رہیں اور گاؤں میں صحت اور صفائی کی عدم موجودگی کے باعث بیماریوں کا زور رہے تو بتلایئے دیہات سدھار کیا خاک ہوگی؟ دیہاتیوں کے پاس فالتو اور بے کار یا لتو جانوروں اور مویشیوں کی کثرت ہوتی ہے۔ جب تک ایسی فالتو چیزیں خارج نہ کی جائیں دیہاتی مرکزوں میں اچھی نسل کے سانڈ یا عمدہ مویشی تقسیم کرنے سے کوئی حقیقی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

دوسری چیز سب کی توجہ کی یہ ہے کہ اصلاح اور نو تعمیری کام سب سمتوں میں ہونا چاہیئے۔ تعلیم۔ معاشرت۔ معشیات۔ حفظان صحت وغیرہ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دیہاتی ایک معاملہ میں جدید اصولوں سے واقف نئے کاموں پر کاربند اور بالکل ترقی پذیر ہو۔ اور دوسری طرف وہ پرانی ڈگر پر ہی جا رہا ہو۔ سماجی۔ اخلاقی اور اقتصادی طور پر اسے ہر پہلو سے جدید۔ نو تعمیر۔ اصلاح یافتہ اور ترقی پذیر ہونا چاہیئے۔ اس لئے اصلاح دیہات کا کوئی پہلو بھی کسی طرح نکما۔ ادھورا یا تشنہ نہیں رہنا چاہیئے۔

ایک اور بات سمجھ لینی چاہیئے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب تک ہم دیہات میں اچھے کارکن نہ بھیجیں گے اہل دیہات کی ناگفتہ بہ زبوں حالی۔ بے چارگی اور سستی دور نہیں ہوگی۔ مدرسین۔ امداد باہمی کے افسر کے ماہر۔ طبی کام کرنے والے۔ اقتصادی امور کی نگرانی کرنے والے۔ عام معلومات بہم پہنچانے والے پرچارک اور دیہاتی کاموں سے واقف نوجوان۔ خیلا [illegible] کر کے بھیجنا اور جاہل رعیت کو رغبت۔ ہمدردی۔ نفسیاتی کوشش سے رام کرنا آسان کام نہیں ہے اس لئے ضرورت ہے کہ دیہاتی کام کرنے والوں کی ایک معقول اور کار آموز جماعت منظم پیدا کی جائے۔ ۱۹۳۲ء سے فونگ سین نامی تجربہ اسی نوع ہے جو کامیابی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ دیہاتی جہالت کو دور کرنے اور دیہاتی تعمیر کی تحریک کو چلانے کے اس تنظیم کے افراد نے بہت وسیع اور قابل رشک کامیابی حاصل کی ہے۔ دیہات کی نوجوان آبادی کے سامنے معاشرتی و اقتصادی مطالبات و ضروریات کے جیسے نئے مسائل آ رہے ہیں انہیں تعلیم یافتہ طبقہ۔ رہبران ملک اپنی ذاتی توجہ۔ ایثار۔ انتھک محنت اور انسانیت نواز عمل سے حل کر سکتا ہے اور حل کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔

ضرورت ہے کہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ دیہات کی طرف دیکھے۔ کیونکہ دیہات بہت عرصہ سے امید کی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں

بچوں کا صفحہ

بچوں کا توتلا کر اور ہکلا کر بولنا

یہ عیب کیسے ہوتا ہے اور اسے کیونکر دُور کیا جا سکتا ہے

(از قلم کویراج اندر نرائن ماتھر بھٹنگا چاریہ دھنونتری دہلی ——— خاص تیج کے لئے)

بچوں میں توتلا کر اور ہکلا کر بولنے کی شکایت ان کے اعضائے گفتگو کی اعصابی کمزوری کی بدولت ہوا کرتی ہے توتلا کر بولنے میں بچہ لفظ کے کسی حصہ کو پورے طور پر ادا کرنے میں اس کو کئی دفعہ بولتے جیسے ت تت تم ک کیں ن نن نہیں آئے۔ (یعنی تم کیوں نہیں آئے) لیکن ہکلا کر بولنے والا بچہ ہر ایک لفظ کو مشکل سے ادا کر سکتا ہے۔ توتلا کر بولنے میں بچہ کے منہ سے لفظ اکثر غلط نکلا کرتا ہے۔ لیکن وہ بذات خود اس کو پورا پورا اور صحیح طور سے ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہکلا کر بولنے والا بچہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے وہ اسکی زبان پر تو آجاتی ہے لیکن وہ اسکو ادا نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ بات اسکے چہرے کے آثار اور ہاتھ کے اشاروں سے معلوم ہو جاتی ہے۔

ابتدائی علامات

بچہ کے شروع شروع میں بولتے وقت یہ شکایتیں نئی اور معمولی سی ہوتی ہیں۔ اور بعد میں جیسے جیسے بچہ بڑھتا جاتا ہے یہ شکایت عموماً کم ہو جاتی ہے۔ اگر شروع میں ہی اس کا کوئی معقول تدارک نہ کیا جائے تو یہ شکایت مدت دراز تک رہتی ہے اور بولتے وقت بہت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اور اگر اسی اثنا میں کوئی اور اعصابی شکایت پیدا ہو جائے تو یہ شکایت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جس وقت بچہ مدرسہ میں جانا شروع کرتا ہے۔ تو شروع شروع میں اسکو بولتے وقت بڑی دقت پیش آتی ہے۔ لیکن بعد میں جیسے جیسے کہ وہ ایک بات کو خود سمجھنے اور اسکو بخوبی ادا کر سکنے کے قابل ہو جاتا ہے تو اسکی یہ شکایت بتدریج کم ہوتی چلی جاتی ہے اور جوان ہونے پر بہت ہی کم رہ جاتی ہے۔ لیکن اسکے بعد وہ عموماً عمر، موسم اور صحت کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی بھی رہتی ہے۔ ان شکایتوں کے گھٹنے بڑھتے رہنے کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ کبھی بہت صاف اور آسانی سے بھی بول لیتے ہیں۔ لیکن جس وقت وہ خوشی کی حالت میں ہوں تو ان کو بولنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ لیکن جب وہ رنجیدگی کی حالت میں ہوتے ہیں تو اسوقت ان کے بولنے میں ان کی تکلیف صاف معلوم ہو جاتی ہے۔

جن توتلے اور ہکلے بچوں کو کوئی گانا یاد ہوتا ہے تو وہ گا بھی سکتے ہیں اور اکثر خوشی کی حالت میں دوسروں سے صاف بات بھی کر لیتے ہیں اور دوران گفتگو میں ان کو جو سطر یا محاورہ یا گذشتہ واقعات اور مثالیں یاد ہوتی ہیں تو وہ اُن کا حوالہ بھی دے سکتے ہیں۔ بچہ نہیں سمجھتا کہ اس کی گفتگو میں کوئی خرابی ہے اُس کے طریقہ گفتگو میں بدنظمی کا سبب یہی ہے کہ وہ ایک ایک لفظ کو کئی کئی بار دہراتا ہے جس کی وجہ سے وہ بولتے بولتے خود بھی گھبرا جاتا ہے اور جس بات کو وہ دماغ سے سوچکر کہنا چاہتا ہے اُسکو ادا نہیں کر سکتا۔

بچنے کا طریقہ

بولنا شروع کرتے وقت بچہ اگر توتلا کر یا ہکلا کر بولے تو والدین ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کو ڈرا دھمکا کر یا مار پیٹ کر ان کا تلفظ صحیح کرنے کی کوشش ہرگز نہ کریں۔ کیونکہ ان کے دل میں ڈر یا دہشت بیٹھ جانے پر اُن کے دل میں یہ خیال جم جانے سے کہ میں صحیح نہیں بول سکتا ہوں اُن میں یہ شکایت تیزی سے بڑھتی جائے گی جو کہ مشکل سے دُور ہوگی۔

ہدایت

بچہ کو کبھی بھی یہ معلوم نہیں ہونے دینا چاہیے کہ اسکے منہ سے جو لفظ نکلتے ہیں ان کا تلفظ صحیح نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکے دل میں یہ خیال پیدا کرتے رہنا چاہیے کہ اسکا تلفظ بالکل درست ہے۔ بلکہ آپ خود اسکا تلفظ بولتے وقت نہیں بلکہ پڑھاتے وقت صحیح کرنے کی کوشش کریں تاکہ وہ لفظ کی اصلیت کو بخوبی سمجھ جائے۔ نیز اس بات کی بھی کوشش کریں کہ وہ جلدی جلدی بولے اور اپنی ہر بات کو پورے طور سے کہہ جائے۔ اور اس کی زبان پر وہی الفاظ آویں جن کو کہ وہ دل سے کہنا چاہتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ وہ کہنا چاہتا ہے کچھ اور۔ اور اس کے منہ سے نکلتا ہے کچھ اور۔ اگر بچہ کے بولتے وقت اسکو کوئی مشکل پیش آتی ہے تو والدین اور استاد کو چاہیے کہ اسکو نظر انداز نہ کریں بلکہ جب کبھی بچہ کوئی لفظ کہنا چاہتا ہے لیکن اس کو منہ سے ادا نہیں کر سکتا تو انکا فرض ہے کہ وہ اس لفظ کو ہر ممکن طریقہ سے اسکی زبان سے ادا کرائیں چاہے ان کا تلفظ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ پھر اس لفظ کو سوال کرکے جواب کے طور پر کئی مرتبہ دہرائیں۔ عموماً وہ الفاظ جن کی شروعات منہ بند کرکے ہونٹ کھول کر بقیہ لفظ ادا کرنے سے ہوتی ہے جیسے ب پ وغیرہ۔ یا وہ لفظ جنکی شروعات ہونٹ کھولکر زبان کو شروع ہوتی ہو جیسے ت۔ ک۔ س وغیرہ۔ اس طرح سے جب بچہ ایسے الفاظ دہراتا رہے گا تو اس کا تلفظ صحیح ہوتا جائے گا۔ حالانکہ اسکو شروع میں ایسا کرنے میں مشکل پیش آئے گی۔

ایسے ہی ان بچوں کی صحت کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیے۔ وہ جتنے بھی زیادہ تندرست ہوں گے اور جتنے بھی ہر وقت خوش رہیں گے اتنا ہی خود بخود انکی بولنے کی تکلیف اور غلط تلفظ دُور ہوتا چلا جائے گا۔ عمر اور موسم کے لحاظ سے بچہ کی غذا بہترین ہونی چاہیے اور کم سے کم سال میں دو مرتبہ ان کی صحت کا امتحان کرانا چاہیے اور اسکی دماغی حالت پر خاص طور پر دھیان رکھنا چاہیے۔

میں کیا کروں گا

(از جناب محوی لکھنوی)

جہاں تک بھی ممکن ہے محنت کرونگا ۔۔۔ کبھی پست اپنی نہ ہمت کروں گا
میں سیکھوں گا علم و ہنر اچھے اچھے ۔۔۔ نہ سُستی کروں گا نہ غفلت کروں گا
غرض اپنی تعلیم سے ہو کے فارغ ۔۔۔ وطن اور عزیزوں کی خدمت کروں گا
نہ ہوگی مرے دل میں نفرت کسی سے ۔۔۔ بُرے کام سے ہاں میں نفرت کروں گا
مُسلماں ہو ہندو ہو یا ہو مسیحی ۔۔۔ ہر اک دیس بھائی سے اُلفت کروں گا
ہر دیس کے رہنے والے ہیں جتنے ۔۔۔ میں ہر ایک کی دل سے چاہت کروں گا
رہیں مل کے سب جیسے ہوں بھائی بھائی ۔۔۔ دلوں میں یہ پیدا محبت کروں گا
جو کمسن ہیں مجھ سے جو ہیں بھولے بھالے ۔۔۔ میں اُن ننھے بچوں پہ شفقت کروں گا
جو عمر و لیاقت میں مجھ سے بڑے ہیں ۔۔۔ میں ایسے بزرگوں کی عزت کروں گا
نہ چاہوں گا ہرگز بُرا میں کسی کا ۔۔۔ بھلائی میں سب کی اعانت کروں گا
بھلے کام سے میں نہ ہاروں گا ہمت ۔۔۔ بُرے کام سے میں نہ رغبت کروں گا
جو پیش آئے گی مجھ کو راہ وطن میں ۔۔۔ میں برداشت ہر اک مصیبت کروں گا
جو دُکھ درد میں پاؤں گا میں کسی کو ۔۔۔ تو دُور اس کی تکلیف و آفت کروں گا
نہ رکھوں گا میں بیر دل میں کسی سے ۔۔۔ نہ ہرگز کسی سے عداوت کروں گا
رہیں مطمئن اور خوش ہند والے ۔۔۔ اسی دھن میں صرف اپنی ہمت کروں گا
نہ ننگا رہے گا کوئی اور بھوکا ۔۔۔ مہیا وہ اسباب راحت کروں گا
نہ محتاج کوئی رہے گا نہ مفلس ۔۔۔ مروّج وہ صنعت وہ حرفت کروں گا
نہ کاہل نظر آئیں گے پھر نہ جاہل ۔۔۔ فنا اس طرح سے جہالت کروں گا
دبے گا ڈرے گا نہ کوئی کسی سے ۔۔۔ جوانوں میں پیدا وہ جرأت کروں گا
بڑھاؤں گا میں حوصلے دوستوں کے ۔۔۔ نئے سر سے پیدا وہ جرأت کروں گا
جو بیکار ہوں گے جو ناچار ہوں گے ۔۔۔ روا اُن کی ہر ایک حاجت کروں گا
میں پیارا وطن کا ہوں یہ مجھ کو پیارا ۔۔۔ ہر اک اس کی پوری ضرورت کروں گا
بچاؤں گا برباد ہونے سے اسکو ۔۔۔ خدا چاہے تو دُور ذلت کروں گا
غلامی سے آزاد کرنا ہے اسکو ۔۔۔ جو کچھ مجھ سے ممکن ہے جرأت کروں گا
کروں گا زمانے میں نام اس کا روشن ۔۔۔ بلند اسکی دنیا میں عظمت کروں گا

بنوں گا میں زینت اس اُجڑے چمن کی
جب اس ہند کو رشکِ جنت کروں گا

ہند قدیم میں محبت اور شادی

(از جناب دیوان بہادر کے۔ ایس۔ راما سوامی شاستری)

کہا جاتا ہے کہ عورت کا احترام مغربی کیرکٹر اور شاعرانہ تحریر کی پیداوار ہے مگر ہم اس مضمون میں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ خیال غلط اور بے بنیاد ہے۔ مغربی کتابوں میں جہاں مشرقی محبت کا تذکرہ آتا ہے وہاں تصور کی آنکھوں کے سامنے پردہ، جادو، ٹونا، ٹوٹکا اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کا نقشہ کھینچ جاتا ہے۔ لیکن ان مصنفوں کو یہ معلوم نہیں کہ محبت دنیا کے ہر ایک حصے میں ایک ہی چیز ہے اور ایک ہی طرح کے جذبات کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ اسکی تلخی آمیز شیرینی دفعتاً انسان کی روح میں داخل ہو جاتی ہے اور اسکی امید اسکو دنیا میں ایک جنت کا خواب دکھلانے لگتی ہے۔ مغرب اور مشرق دونوں میں جذبات اور اسرار محبت کے مخصوص عناصر ہیں۔ اور سنسکرت لٹریچر ایسے افسانوں سے بھرا پڑا ہے جنہیں یہی دونوں عناصر کارفرما نظر آتے ہیں۔ مشہور مورخ مسٹر جے۔ جے۔ میئر جو قدیم ہندوستان میں جنسی زندگی نامی کتاب کا مصنف ہے مشرقی عورت کے متعلق لکھتا ہے کہ عورت ایک شفیق ماں اور محبت کرنے والی بیوی ہوتی ہے مگر محبت میں اسکی وجہ آشنا جذبہ ہے کہ مشرقی لٹریچر میں اسکا کامل طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

ہندوستان کے ادب میں محبت، شادی اور عصمت کو بڑی بلند جگہ دی گئی ہے اور محبت کا معیار اتنا اونچا ہے کہ مغربی دماغ میں اسکا تخیل پیدا ہونا مشکل ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ شکنتلا، نل دمینتی، ساوتری، ستیہ وان، رومیو اور جولیٹ کے افسانے محبت خالص اور سچے جذبات کے افسانے ہیں۔ پھر بھی وہ شہرت میں ملر اور سیلی مجنوں، نل دمینتی، پدماس، اور سی ستیہ وان ساوتری، رام اور سیتا، کرشن اور رادھا، مادھو مالتی، ہیر اور رانجھا جیسے افسانوں کی ملک بوس بلندی تک نہیں پہنچ سکتے۔ قدیم ہندوستان کا شاعر ناجائز محبت پر ہمیشہ جائز اور شریفانہ محبت کو ترجیح دیتا ہے اور ہندوستان کا عاشق جب صحیح معنوں میں عاشق ہو جاتا ہے تو دنیا عالم کے متعلق اسکا نظریہ بدل جاتا ہے۔ بہاؤ تن خود اپنے عشق کی داستان ”تو کرا اروسی“ میں کہتا ہے کہ ”مجھے اگر کائنات کی بادشاہت مل جائے تو میں اسکو ٹھکرا دوں گا۔ اور اپنی محبوبہ اروسی کے نرم اور گلابی قدموں میں پڑا رہنے کو ترجیح دوں گا۔“

مہابھارت میں ایک قصہ درج ہے کہ بہت قدیم زمانے میں محبت نفس پرستی کی سطح سے اونچی نہیں ہوتی تھی لیکن سویتا کیتو نے انسان کی جنسی زندگی میں سچائی اور تقدس کا عنصر داخل کیا۔ آدی پروا۔ باب ۱۲۲) بیسویں صدی کے مصنف نے سویتا کیتو کو ایک خدا رسیدہ رشی تسلیم کیا ہے۔ (دھرم سوتر ۱-۲-۵-۱۰) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل دل جو انسانی معرفت پر بالآخر کی ہستی کا تعلق بیان کرتے تھے دنیا کے اس رشتہ کو نہیں بھولتے تھے جو عورت اور مرد کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات قدیم ہندوستانی فلسفہ کا خصوصی طرۂ امتیاز ہے کہ خالص روحانی شخصیتیں صرف اخلاقیات اور الٰہیات ہی کی تشریح کو اپنا دائرۂ عمل نہیں سمجھتی تھیں بلکہ فلسفہ دیتا اور جنسی رشتہ کے مسئلہ پر بھی توجہ ذاتی غور و فکر اور جماع کے نکات کو نکتہ چینی نظر سے دیکھا کرتی تھیں۔

کسی قوم کے تمدن کی اصلی جانچ اس پہلو سے کی جاسکتی ہے کہ اپنی عورتوں کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہے۔ ہندوستان کا تمدن بہت عالی اور بہت قدیم ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ اس تمدن میں عورت کے احترام کا کوئی عنصر موجود نہ ہوتا۔ موجودہ زمانہ میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں شادیاں لڑکی اور لڑکے کی رضامندی سے نہیں ہوتیں۔ لیکن ہند قدیم میں شادی کا گندھرو طریقہ عام طور پر رائج تھا۔ مصنف وتسایانہ اپنی کتاب کام سوتر میں لکھتا ہے۔ ”شادی کا اصل محرک باہمی محبت ہے اس لئے شادی کا گندھرو طریقہ جو مرد اور عورت کی خاص پسند پر مبنی ہے بہترین طریقہ ہے۔“

مہابھارت کے آدی پروا باب ۷۲ اور ۷۳ میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔ لیکن ہند قدیم میں لوگ اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ لڑکی کے سن بلوغت تک پہنچنے سے پہلے جو شادی ہوتی ہے وہ اس کی روحانی زندگی کے لئے زیادہ مفید ہے۔ رشی وشسٹ اور ان کی بیوی ارندھتی کی ازدواجی زندگی ہندوؤں میں ایک مثالی ازدواجی زندگی سمجھی جاتی ہے جس کا سبب یہ ہے کہ ان دونوں میں بڑی محبت تھی اور پتی اور استری کو ایک دوسرے کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ اس لئے تمام ہندو شادیوں میں دولہا اور دولہن کو ارندھتی ستارہ دکھلایا جاتا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شادی کے معاملہ میں لڑکی اور لڑکے کے والدین کو دخل اندازی کا بہت کچھ اختیار حاصل تھا۔ یہاں تک کہ راجاؤں کے گھرانے بھی اس اثر سے آزاد نہ تھے۔ لیکن قدیم ہندوستان کی سوسائٹی نے شادی پر ایک دلچسپ پابندی عاید کر دی تھی اور وہ یہ تھی کہ ہر نوجوان کو شادی سے پہلے اپنی تعلیم کو مکمل کر لینا چاہئے۔ اور آخر وقت تک برہمچاری رہنا چاہئے۔ ہندو شادی کے گندھرو طریقہ میں بھی نفسی اختلاط کا مطلب یہ تھا کہ شادی سے پہلے جوڑے کو صحیح تربیت ہونی چاہئے۔ تاکہ ازدواجی زندگی کی اخلاقی حیثیت سمجھ میں آ جائے۔ اور پتی اور استری مسرت اور خوشی کی زندگی بسر کر سکیں۔ ان کا خیال تھا کہ عورت آفتاب قدرت کی ایک روشن اور رنگین شعاع ہے جس سے اسکی روح کی گہرائیوں کو روشن اور رنگین بنانی ہے۔ اور اس کا فرض یہ ہے کہ اپنی اولاد کے خون میں خصوصاً تقدس پیدا کرے۔

ہند قدیم کے سب سے بڑے فلسفی اور منو کا یہ دعویٰ تسلیم کیا گیا ہے کہ عورت کی فطری محبت اس کی اولاد کی طرف منتقل ہوتی ہے اور انہیں بھی محبت اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ بعض مصنفوں نے کہا ہے کہ چونکہ اولاد ہی نسل زنجیر کو قائم رکھتی ہے اس لئے اگر عورت اپنے خاوند سے محبت کرے گی تو اسکی نسل بھی اچھی ہوگی۔

قدیم ہندوستان میں عورت کی حیثیت کا ایک دوسرا دلچسپ پہلو بھی تھا۔ مہابھارت کے ایک اشلوک میں دھرم کی بڑی سے تعبیر دی گئی ہے۔ اور دھرم اپنی ارتقائی منزلوں میں خود بھی دھرم (سچائی) ارتھ (دولت) اور کام (محبت) پیدا کرتا ہے۔ اس لئے ایک ایسی خوبصورت اور محبت کرنے والی عورت سے مشابہ ہے جو نیک اولاد رکھتی ہو۔ اس اشلوک کی تفسیر مصنف گوند راج نے ان الفاظ میں کی ہے کہ:-

”جو عورت اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے اور فرمانبردار ہوتی ہے وہ زندگی کے مقدس فرائض کو ادا کر کے دھرم کو ترقی دیتی ہے۔ وہ اپنے حسن سے مسرت کے جذبہ (کام) کو ابھار سکتی ہے۔ اولاد پیدا کر کے شوہر کی دولت اور خانگی جائداد میں اضافہ کرتی ہے۔“

فلمی دنیا

ہندوستانی فلمسازی کو ہالی ووڈ سے کیا کیا سیکھنا ہے

(از قلم فلم کسار بی۔ اے)

بمبئی ٹاکیز لمیٹڈ کے ڈائرکٹر سر رچرڈ ٹمپل حال ہی میں تمام دنیا کے نگار خانوں کا دورہ کر کے آئے ہیں۔ آپ نے ہندوستان کی فلمسازی کے بارے میں تنظیم عمل اور دیگر فنی کمالات سیکھنے کے بارے میں جو کہا ہے وہ سمجھنے کی چیز ہے۔ امید ہے کہ یہ مضمون عام طور پر پسند کیا جائے گا۔

ہالی ووڈ فلم کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ ہالی ووڈ کی شہرت عزت اور اس کے فلموں کی مقبولیت کا راز اس کی اعلیٰ ہنرمندی اور کارروں، فنی ماہروں اور وسیع نظام فلم سازی کی موجودگی میں مضمر ہے۔ ہالی ووڈ میں مکمل فنی کمال، منتہائے ہنر اور جزویاتی تکمیل پر زور دیا جاتا ہے۔ ہندوستانی فلم ساز اگر اپنے فلموں میں جدت۔ ہنر کا عروج اور تمیں فن کے درخشاں جواہر پارے دیکھنا چاہتے ہیں تو انہیں ہالی ووڈ سے جہاں اور چیزیں سیکھنی ہیں وہاں تنظیمی تکنیک اور ہنرشناسی و کارکردگی ناپختہ بھی سیکھنا ہے۔

ان الفاظ میں ہزنس سر رچرڈ ٹمپل نے ہندوستانی فلمسازی کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ سر رچرڈ بمبئی ٹاکیز کے ڈائرکٹروں میں سے ایک بہت ذہین اور وسیع النظر انسان ہیں۔ اچھے سپاہی، ہوشمند سیاسی عالم اور بہت فہمیدہ انسان ہیں۔ آپ نے تمام دنیا کا حال ہی میں چکر لگایا تھا جس میں انہوں نے فلم سازی کی ترقی، موجودہ حالت اقتصادی اور کاروباری حیثیت اور ہندوستان سے موازنہ پر خاص طور پر زور دیا تھا۔ آپ نے مشرق کے جدید ترقی یافتہ ملک جاپان اور چین کی فلم سازی کا بھی مطالعہ کیا ہے اور ہندوستان کی فلمسازی سے تو وہ کئی سال سے وابستہ ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ تکمیل ہنر اور اعلیٰ معیاری تفریح کے اعتبار سے اب بھی ہالی ووڈ کی تصویروں کو فوقیت حاصل ہے۔ ہندوستان میں یہ صنعت اگرچہ شیر خوارگی کی حالت میں ہے مگر ترقی کی امید ہے بشرطیکہ تنظیم عمل اور اصلاح کار کی طرف توجہ کی جائے۔

سر رچرڈ نے اپنی جہاں گردی انگلستان سے شروع کی۔ آپ کو برٹش گورنمنٹ نے برطانوی فلم اداروں کو دیکھنے کا موقعہ دیا۔ آپ نے حالات کا معاینہ کر کے فرمایا کہ گذشتہ دس سال کے اندر اندر برطانوی فلمسازوں نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ ہالی ووڈ کی فنی خوبیوں کی روشنی میں برطانوی فلم اداروں نے اپنی ضروریات کی تشکیل کی ہے۔ ایلسٹری اور شیپرڈبش کے مقاموں پر جو نگار خانے قائم کئے گئے ہیں کسی اعتبار سے ہالی ووڈ سے کم نہیں۔ انگریز اداکاروں اور فلمسازوں کو امریکہ سے واپس بلایا گیا ہے اور بہت سے صاحب فن امریکی اداکار بھی طلب کئے گئے ہیں اور اس طرح برطانوی نگار خانوں میں بہترین فلموں کی تیاری کا بندوبست ہو رہا ہے۔

سر رچرڈ نے اس خیال کی غلطی بھی ظاہر کر دی کہ برطانوی نگار خانوں کی ترقی سے امریکہ کے فلموں کی مقبولیت اور ترقی خطرہ میں پڑ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہالی ووڈ اب بھی ہالی ووڈ ہی ہے میں ان وجوہ کی بنا پر یہ یقین رکھتا ہوں کہ ہالی ووڈ اب بھی فلموں کی دنیا کا مرکز اعظم ہے۔

جب آپ ہالی ووڈ میں پہنچے تو آپ کو دنیا کے بڑے بڑے نگار خانوں کے ہر شعبہ کے کام کی نوعیت دیکھنے اور سمجھنے کی مہلت دی گئی۔ آپ نے میٹرو گولڈن میئر۔ بیسویں صدی کے فوکس اور ہنرمندوں کے عظیم الشان نگار خانوں کے مشاہدہ کا موقعہ ملا۔ آپکو جس چیز نے متاثر کیا اور جو ہالی ووڈ کی طلسمی ترقی اور حیرت انگیز عروج کا باعث ہے وہ اس کی تنظیم ہے۔ سوال کیا گیا کہ ہالی ووڈ میں روپیہ بہت بے دریغ صرف کیا جاتا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ کم از کم فنی شعبہ جات پر تو ایسا نہیں ہوتا اور یہی سمجھنا چاہئے کہ یہ شعبہ جات حسن کار خوبی کمال اور تنظیم کے معاملہ میں آخری نقطہ ہوتے ہیں۔

آپکو اس سلسلہ میں جن اداکاروں، فن کاروں، دستکاروں اور اہل ہنر سے واسطہ پڑا وہ حسن اخلاق اور خوبی گفتار و سلوک سے آراستہ پایا۔ فن کیا ہو سکتا ہے نہ تو آپس کے نگار خانوں میں اور نہ باہر سے آنے والوں کے ساتھ کوئی تعصب نہیں پایا جاتا۔ نہ کوئی راز اور بھید لیک دوسرے سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔

سر رچرڈ نے کہا کہ میں ہالی ووڈ میں ستاروں سے ملنے نہیں گیا تھا بلکہ ان آسمانوں کو دیکھنے گیا تھا جہاں وہ چمکتے ہیں۔ اُن کا مقصد صرف فلمساز اداروں کی اندرونی کارکردگی کے طریقوں کو سمجھنا اور ہندوستانی فلم سازوں کی مشکلات کے حل تلاش کرنا تھا۔ اگرچہ ہالی ووڈ میں جو جاتا ہے ستاروں سے ملاقات کرنے کے لئے ایک جنون سا لے کر جاتا ہے۔ مگر سر رچرڈ نے سوائے اتفاقیہ ملاقاتوں کے جو ہوٹلوں وغیرہ میں ہو گئیں کوئی خاص ربط ضبط اس سلسلہ میں پیدا نہیں کیا۔

خوشی کی بات

سر رچرڈ نے فرمایا کہ خوشی کی بات ہے کہ جب بمبئی ٹاکیز لمیٹڈ کے بنائے ہوئے فلموں کی تصویریں جو پورے فلم کے تواتر و توازن کے اعتبار سے بالترتیب علیحدہ علیحدہ البموں میں مجلد کی گئی تھیں ہالی ووڈ کے اداکاروں اور استادان ہنر کو دکھائی گئیں تو انہوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ ہندوستانی صنعت فلم سازی اس قدر جلد کیسے ترقی کر گئی۔ اور جب انہیں یہ بتایا گیا کہ ہندوستان میں یہ صنعت ابھی شیر خوارگی کی حالت میں ہے اور بمبئی ٹاکیز کے علاوہ بھی کئی فلمی ادارے اچھی ترقی کر چکے ہیں تو انہیں اور بھی حیرت ہوئی اور ہندوستانی فلم سازوں کی کوششوں کو سراہا۔

ہندوستان کی دیہاتی زندگی

آپ کے پاس اچھوت کنیا کے (STILLS) کی البمیں تھیں جنہیں اصلی ہندوستان یعنی دیہات کے لوگوں کی معاشرت کے دلفریب اور سچے نقشے دکھلائے گئے ہیں۔ اچھوت کنیا کی ان تصویروں کو دنیا کے ہر حصہ میں دیکھ کر پسند کیا گیا۔ ہالی ووڈ میں۔ انگلستان میں۔ چین جاپان میں۔ جہازوں پر۔ غرض جہاں کہیں جس کسی نے ان تصویروں کو دیکھا گرویدہ ہو گئے۔ اور اچھوت کنیا کی کہانی کا مطلب سمجھانے کی درخواستیں ہونے لگیں۔

سر رچرڈ نے فرمایا کہ ہندوستان کے دیہات میں دیہاتیوں کی سادہ شریفانہ اور بے تکلف زندگی میں وہ وہ چیزیں پوشیدہ ہیں جنہیں دلچسپی اور حسن کا مرکز و مخزن کہہ سکتے ہیں جنہوں نے دیکھا ہندوستان کے بارے میں ان کی آنکھیں کھل گئیں خود اہل ہند کی آنکھوں پر مغرب پرستی اور نقالی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ جب تک وہ اسے دور نہ کریں گے ہندوستان کی قابل فخر خدمت نہیں کر سکتے۔

ہندوستانی فلم ہندوستان سے باہر

آپ نے فرمایا کہ ہندوستانی فلموں کے فوٹو دیکھ کر باہر کے لوگوں نے ہندوستان کے ساتھ جس قدر دلچسپی اور تعجب کا اظہار کیا ہے اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ امریکہ اور دیگر ممالک میں ہندوستانی زندگی کے فلم اگر بھیجے جائیں تو بہت

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحے سے)

کو کامیابی ہو سکتی ہے۔ مگر ان تصویروں کو تسلیم کر لینے۔ نمائشوں کا ... خوبصورت ... نظر آنے کی ... وقت دیکھی جاتی ہیں۔ لیکن اگر ان ... پر موجود صحیح ... ہندوستان کی اصلی زندگی ... معاشرت اور تمدن کی تصویریں دیکھنا چاہتی ہے ... ہندوستان کو اپنی آنکھ سے دیکھنے کی تمنی ہے۔ ... ہندوستانی ... کی باتوں پر یقین کر ... امریکہ ... ہوتا ہے۔

بے بنیاد غلط فہمی

اس سوال کے جواب میں کہ کیا ہالی وڈ میں اس بات کا کوئی رجحان پایا جاتا ہے کہ امریکی فلم ساز ہندوستان میں اپنے ادارے کھولیں گے۔ آپ نے جواب دیا کہ ہندوستان کے نگار خانوں میں اس قسم کے خیالات میں سن چکا ہوں۔ مگر یہ بے بنیاد غلط فہمی ہے۔ ہندوستانی ماحول کی تصویریں شوٹ کرنے کے لئے امریکن فلم ساز کبھی کبھار ہندوستان آتے رہیں گے لیکن اس کی کوئی بابت ہالی وڈ میں نہیں پائی جاتی کہ ہندوستان میں امریکی انتظام کے ماتحت ... قائم کئے جائیں۔

جاپان میں فلم

آپ نے جاپانی فلموں کا بھی مشاہدہ کیا اور وہاں کے نگار خانوں میں بھی گئے جہاں تصویر سازی ابھی شروع ہوئی ہے۔ مسٹر ریچرڈ کا بیان ہے کہ وہاں ابھی ہنر اور حسن و کمال کے اعتبار سے فلموں میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ بلکہ ہندوستان کے اکثر فلم ساز ان سے آگے ہیں۔ ان کی بہترین فلم ہماری معمولی فلموں کے برابر ہیں لیکن جس چیز نے مسٹر ریچرڈ کی توجہ مبذول کی وہ یہ ہے کہ تکمیل فن اور تحصیل کمال سے پہلے جاپانیوں نے اس بات کی طرف توجہ کی ہے کہ فلم سازی کا سارا سامان خود اپنے ہی ملک میں تیار کیا جائے۔ اس سے جاپانیوں کے تجارتی و صنعتی عزم بلند کا اندازہ ہوتا ہے۔

تجربہ کی آواز

مسٹر ریچرڈ سے اس کے عالمگیر فلمی ادارے کے مقاصد اور مشاہدات کے بارے میں جو ملاقاتیں ہوئیں اور ان سے سوالات کرنے سے جو باتیں معلوم ہوئیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

ہالی وڈ میں تماشائیوں اور تلاش روزگار دو مقاصد سے

جانا بیکار ہے کیونکہ ان دونوں سے ہالی وڈ بھرا پڑا ہے۔ اور دونوں کے لئے وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

کافی فنی معلومات لے کر وہاں جانا چاہیئے۔ تا کہ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے آپ کی سمجھ میں آ سکے۔ اور آپ کچھ سیکھ سکیں۔

آپ وہاں سیکھنے کی غرض سے جایئے۔ سکھانے کی غرض سے نہیں۔ اگر آپ واقعی کچھ سیکھنا چاہتے بھی ہیں تو وہ لوگ خوش معلوم ہوں گے کیونکہ جو آپ سے سیکھنے کی بجائے اور وہ سکھانے میں کوئی ذلت محسوس نہیں کرتے۔ سکھانے میں بھی فخر ہے۔

اگر انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ آپ ایک ذہین اور مستعد آدمی ہیں تو آپ انہیں اس قدر صحیح الخیال اور معاملہ فہم اور سلجھا ہوا پائیں گے کہ شاید آپ خود بھی ویسے نہ ہوں۔

بعض ہندوستانی فلم برے نہیں ہوتے بالخصوص مقابلتاً ... سی حالات کے تحت۔ بنتے ہوئے کسی جگہ کے فلموں سے وہ خراب نہیں ہوتے۔

میری رائے ہے کہ ہندوستان کے اچھے فلم جس قیمت پر تیار کئے جاتے ہیں بالکل انہی حالات کے ماتحت غیر ملکی فلمساز کبھی اس قدر اچھا فلم تیار نہیں کر سکتے۔ یہ ہندوستان کے لئے ایک قابل فخر بات ہے۔ ہندوستان کے فلم اس قدر خوبی ضرور رکھتے ہیں کہ کہیں بھی فخر کے ساتھ دکھائے جا سکتے ہیں۔

مگر ہندوستانی فلم سازی کی صنعت کو کسر نفسی سیکھنی چاہیئے۔

ہندوستان کے فنی ماہروں کو دونوں نہیں بلکہ برسوں مسلسل مشق کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے ہنر میں پوری مہارت پیدا کر لیں اور کبھی چوک نہ کھائیں۔ جب وہ اتنی تکمیل پیدا کر لیں گے تو پھر کسی قوت کی ضرورت نہیں۔ ہندوستان کے فن کاروں میں صلاحیت بہت ہے۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انہیں عروج کمال پر پہنچنے سے روک سکے۔



دُنیا کا مذہبی ماحول

(از پروفیسر سنت پرشاد مدہوش ایم۔اے)

آج کل فضائے عالم میں مادیت کی مسموم ہوائیں چل رہی ہیں اور دُنیا کے مطلع امن پر خطرۂ جنگ کی مغموم گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ یہ خطرہ موجودہ تہذیب یا بربریت کا نتیجہ ہے جس میں ایک قوم دوسری قوم کا بلا امتیاز مرد و زن، معصوم و گنہگار خون کر کے اپنی دولت میں اضافہ کرنا حب الوطنی سمجھتی ہے۔

یہی وقت ہے جب سچے مذہب کی اشد ضرورت ہے مگر اس مذہب میں وہ عیسائیت شمار نہیں ہو سکتی جس نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے کر آزاد خیالی کو کفر ٹھہرایا۔ اور اسپنوزا (Spinoza) جیسے خدا پرست فلسفی کی حق گوئی پر کفر کا فتوے دے دیا۔ اور انہیں محض اس لئے سزاوار عتاب ٹھہرایا کہ ان کے آزاد خیالات ہر مسراقت اور پادریوں کی تعبیر کردہ ہٹ دھرمی اور عیسائیت کے حاکموں کے متضاد تھے۔ نہ اس مذہب میں اسلام کی گنجائش ہے جسے تنگ خیال اور ظاہر پرست ملاؤں اور گندم نما جو فروش زاہدوں اور بادشاہوں کی ہاں میں ہاں ملانے والے قاضیوں نے اشا عید کا جامہ پہنا کر خدا پرست لوگوں کے گلے کی پھانسی بنا دیا۔ اور نہ اس میں اس ہندو دھرم کو کوئی دخل ہو سکتا ہے جسے خود غرض برہمنوں نے اپنا پیٹ بھرنے اور دوسروں پر ظلم ڈھانے کے لئے ترتیب دے کر عوام کو جہالت اور نادانی میں رہنے پر مجبور کیا۔ شیودر لوگوں کے لئے سنسکرت کا پڑھنا پڑھانا ممنوع اور ان کا مندر میں داخلہ گناہ ٹھہرایا۔

مختصر یہ کہ ہم کو اس مذہب کی ضرورت نہیں ہے جس کی آڑ میں وہ ظلم و ستم ڈھائے گئے کہ خلق اللہ چیخ اٹھی اور جس نے لوگوں کو ایسا برگشتہ کر دیا کہ اب وہ اس کے نام پر صلواتیں سنانے لگے اور خدا اور مذہب دونوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنے لگے۔

چنانچہ اشتراکیت کا بانی مارکس (MARX) لکھتا ہے کہ "مذہب لوگوں کے لئے افیون کا کام دیتی ہے"۔

فلسفۂ مارکس کے مقلد اور اشتمالیت کے بانی لینن (LENIN) کا قول ہے کہ:-

"مارکس کے عقائد (marxism) مادیت پر مبنی اور مذہب کے جانی دشمن ہیں"۔

یونکارسکی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جب ہم کو عیسائیت اور عیسائیوں سے نفرت ہے تو بہترین عیسائیوں کو بھی ہمیں اپنا بدترین دشمن ہی تصور کرنا چاہئے"۔

اسٹیپ نان کا خیال ہے کہ:-

"ہمارا طریق عمل ایسا ہونا چاہئے کہ ہر ایک ضرب جو ہم اس مسیحی کلیساؤں کے مروجہ رسمیات پر لگائیں۔ اور ہر ایک چوٹ جو ہم پادریت پر کریں وہ عموماً مذہب کے تصور کو مضروب کرے اور کسی حالت میں بھی خدا کے تصور کے خلاف ہماری لڑائی کم اور ہلکی نہ ہونے پائے۔ خواہ ہم اسے عیسیٰ کہیں یا بدھ یا کسی اور نام سے یاد کریں۔

بیشک ہم کو پابند رسوم پادریوں۔ ظاہر پرست ملاؤں اور ہٹ دھرم پنڈتوں کی ضرورت نہیں ہے درحقیقت ہمیں اس اصلی مذہب کی ضرورت ہے جسے حضرت مسیح۔ حضرت محمد پیغمبر اسلام سری کرشن مہاراج۔ مہاتما بدھ۔ کبیر صاحب۔ گورو نانک

مولانا روم وغیرہ کاملین نے بنی نوع انسان کی بہبودی کے لئے پیش کیا تھا۔ مگر اسوقت وہ مذہب کہاں ہے۔ سچ پوچھئے تو اصلی مذہب معشوق کی میان موہوم ہو کے رہ گیا ہے پیغمبروں اور اولیائے کاملین کے بعد اُن کی رُوحانی تعلیم جو علم سینہ ہوتی ہے امتداد زمانہ سے کچھ کی کچھ ہو جاتی ہے۔ اور مذہب محض رسمیات و روایات کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے۔ حریص اور دغا باز دُنیا پرست لوگ اسے دولت اور ثروت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ وہ مذہب کی آڑ میں شکار کھیلتے ہیں۔ ظلم ڈھاتے ہیں۔ اور نادان عوام کو دھوکہ دے کر اپنی مطلب برآری کرتے ہیں۔ انہیں باتوں سے لوگ مذہب سے متنفر ہو گئے ہیں

مذہب کے مخالفین کا سب سے بڑا مرکز جنگ عظیم کے بعد روس میں قائم ہوا۔ جہاں صدیوں سے جابر فرمانرواؤں کی حکومت رہی۔ اور مذہب کے پردے میں غریب رعایا پر بیشمار ظلم و ستم ڈھائے گئے۔ جنگ عظیم میں روس نے شکست فاش کھائی اور رعایا زار کی حکومت سے باغی ہو گئی۔ شہنشاہ رپاپل اور زار اور اس کے اہل خاندان تہ تیغ کئے گئے۔ حکومت کی باگ ڈور مزدوروں اور کسانوں کے ہاتھ آ گئی۔ اور اشتمالیت نے زور پکڑا تو اس کے لیڈروں نے ان مظالم کی یاد دلا کر جو مذہب کے نام پر عوام پر روا رکھے گئے تھے لوگوں کو مذہب کا دشمن بنا کر خدا سے بھی منحرف کر دیا۔

آج شہر ماسکو کے متعدد عالیشان کلیسے عنقا ہو گئے ہیں۔ ایک عظیم الشان کلیسے کا طلائی گنبد اُڑا دیا گیا اور اسکی عمارت میں سکریٹریٹ کا دفتر آ گیا ہے۔ روس میں مذہب کے خلاف جو جنگ برپا کی گئی ہے اس کی شدت کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ گزشتہ ۱۹۳۵ء میں چودہ ہزار گرجے بند کئے گئے اور تین ہزار ۶ سو ۸۷ مہتممان کلیسا کے خلاف کارروائی کی گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۹ پادریوں کو پھانسی دی گئی۔ ایک شہر کے بارے میں جو دریائے والگا پر آباد ہے۔ پتہ لگا ہے کہ آٹھ لاکھ تیس ہزار آبادی کے لئے صرف پانچ گرجے باقی رکھے گئے ہیں۔ حکومت مہتممان کلیسا اور گرجوں پر کثیر رقم ٹیکس کی لگا دیتی ہے۔ اور جب کبھی یہ ٹیکس وصول نہیں ہوتے تو کلیساؤں کی عمارتیں ضبط کر لی جاتی ہیں۔

افسانۂ طور

(از جناب چھجی لال عمر ترابیدار ام او دہری)

(خاص ہجو بیچلی کے لئے)

سُننا ہو تو سن لیجئے افسانۂ طور

دیکھیں تو کہاں تک نہ لگے کاشانۂ طور

پھر دل سے کشی شمع تجلّی ازل

دو سے ہو جائیں ہم بھی پروانۂ طور

جن ممالک میں اب بھی اہل کلیسا کا نفوذ ہے وہاں بھی میان کلیسا اپنا اقتدار قائم و برقرار رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں چنانچہ آسٹریا اور اسپین جیسے ممالک میں جہاں ہمیشہ مذہب کا حکومت پر اقتدار رہا ہے اشتمالیت اور فاسسٹیت کے پیروان کے خلاف جذبات برانگیختہ ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ آسٹریا میں تو حکومت پر کیتھولک پادریوں نے پورا تصرف حاصل کر لیا ہے اور اب وہی چانسلر نامزد کرتے ہیں۔ اسپین میں بھی کلیسائی عہدہ داروں نے دیگر مخالفین اشتمالیت کی امداد و اعانت سے موجودہ حکومت کے خلاف (جو اشتمالیت کی علمبردار ہے) بغاوت برپا کر دی ہے

بایں ہمہ اس وقت تمام دنیا میں لامذہبیت زوروں پر ہے چنانچہ اس سال کی ابتدا میں ماسکو میں ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں ۴۰ ممالک کے لامذہبیت کے نمائندگان اور لاخدا شریک ہوئے تھے۔

اس کانفرنس کو دُنیا کے آزاد خیال اور منکران خدا کے نام سے موسوم کیا گیا تھا تقریباً ۶ ہزار نمائندے اس میں شریک تھے اسکا مدعا خدا اور مذہب کے خلاف جنگ اور پروپیگنڈا کرنا تھا۔ میڈرڈ۔ پراگ میکسیکو۔ ہندوستان اور چین پر ان لامذہبیت کے علمبرداروں کی خاص نظر ہے۔

مذہب کے خلاف بغاوت اور پروپیگنڈے کا اصلی سبب یہی ہے کہ حریص اور خود غرض دنیا پرست لوگوں نے اپنے سیاہی آلود ہاتھوں سے اُسے مس کر کے مذہب کو درخشاں نہ رہنے دیا۔ مذہب کی آڑ لے کر اہل کلیسا نے مظالم ڈھائے۔ اشتمالیت کے نصب العین کی آڑ لے کر اہل اشتمالیت نے بازار تعدی گرم کیا۔ پس جن وجوہ سے لوگ مذہب اور خدا سے متنفر ہوئے انہیں وجوہ سے اشتمالیت کے سبز باغ سے فریب زدہ لوگ چونک رہے ہیں۔ اسٹالین آمر روس نے دیکھا کہ کہیں باوجود تشدد کے یہ شعلۂ خفتہ بھڑک نہ اُٹھے اور اشتمالی حکومت کو جلا کر خاک نہ کر دے جیسا کہ اس سے پیشتر مذہب اور مطلق العنان حکومت زار کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اس لئے اس دور اندیش آمر نے حال میں اپنے جبر و تشدد کو کم کر دیا ہے۔ اور مذہب کی پیروی جواب تک برسرِ قانون ممنوع تھی اس کی شخصی طور پر اجازت دے دی ہے پھر سیاسی نظام کو بھی جمہوری جامہ پہنانا منظور کر کے اس طرف بھی سعی شروع کر دی گئی ہے۔ یہ مصلحت وقت کے تابع ہو رہا ہے۔ اس نے دیکھا کہ اگر زیادہ جبر و تشدد سے کام لیا گیا تو اندرون ملک بدامنی پھیل جانے کا اندیشہ ہے اور پھر غیر ملکی دشمنوں کے مقابلہ میں مشکلات پیدا ہو جائینگی

رُوس میں لامذہبیت کا مرکز مستحکم ہو جانے کے بعد دوسرے ملکوں میں بھی اس کا اثر محسوس ہونے لگا ہے۔ چنانچہ اسوقت اسپین میں پادری اس طرح ذبح کئے جاتے ہیں جیسے ایک صدی قبل انگلستان میں ساحرہ عورتیں نذر آتش کر دی جاتی تھیں۔

اٹلی اور جرمنی میں فاسسٹیت اور نازیت کا دور دورہ ہے۔ فاسسٹیت اور نازیت کا فلسفہ مذہب کے قطعی خلاف ہے۔ گو فی الحال ان کے حامی مصلحتاً مذہب کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ مذہب کی ناگزیر طاقت کو اپنے سیاسی مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ مگر انہیں یہ گوارا نہیں کہ مذہب کسی طرح آمریت کے خلاف سیاسی معاملات میں دخل اندازی کرے۔ چنانچہ اٹلی میں بھی حال میں نازیوں اور پادریوں میں اختلافات شروع ہو گئے ہیں۔ اور پوپ نے نازیوں کے رویہ پر اظہار غم و غصہ کیا ہے۔ دوسری طرف حریفان کلیسا نازی یہ چال چل رہے ہیں کہ ہٹلر ہی کو خدا کا بیٹا تسلیم کرائیں چنانچہ اس کا پروپیگنڈا شروع ہو گیا ہے اور کچھ اصحاب نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ خدا کے بیٹے کی تمام خصوصیات ہٹلر کی شخصیت میں یکجا ہو گئی ہیں یہ نوع ہٹلر کو انہوں نے اپنے سیاسی اغراض کے لئے خدا کا بیٹا سمجھنا شروع کر دیا ہے اور ہٹلر نے بھی کم از کم اتنا تو کہدیا ہے کہ اگر وہ رضائے ایزدی کو اپنے شامل حال نہ سمجھتا تو اس بار عظیم کا جو وہ اُٹھائے ہوئے ہے ہرگز متحمل نہ ہو سکتا۔ جرمنی لوگوں کی وفات کی خبریں بھی اخبارات میں اس طرح چھپنے لگی ہیں کہ "متوفی اڈالف ہٹلر میں ایمان رکھتے ہوئے فوت ہوا"۔

"Deceased" died in the Faith of Adolf Hitler

اخبار نیویارک ٹائمس کی ایک قریبی اشاعت سے معلوم ہوا کہ جرمنی میں سرکاری ملازمان کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ سرکاری کاغذات میں اس خانہ میں جہاں شہریوں کے مذہب کا اندراج کیا جاتا ہے الفاظ کرسچین کیتھولک پروٹسٹنٹ لکھنے کے بجائے اندراجات ذیل کیا کریں:-

(۱) اہل مذہب

(۲) منکر خدا

(۳) لامذہب

اعداد و شمار سے پتہ لگا ہے کہ جرمنی میں ۲۰ لاکھ منکر اور سات لاکھ لامذہب باشندے ہیں۔ لامذہبیت کی وبا عام ہو رہی ہے اب ذرا غور فرمایئے کہ مغرب میں مذہب کے امین عوام میں مذہبی شوق پیدا کرنے کی کیسی کیسی تدبیریں کر رہے ہیں۔

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

دو تین سال کا عرصہ گذرا کہ امریکہ کے ایک اخبار میں گرجا گھر میں عبادت کی اطلاع مشتہر کی گئی تو یہ بھی درج کر دیا گیا کہ شرکا کو بعد عبادت چائے پلائی جائے گی اور سینما دکھایا جائے گا۔ درحقیقت انسان سگِ دنیا ہے۔ جب تک کلیساؤں سے اُن کو ملتے رہے وہ اپنے تئیں مذہب کا گرویدہ ظاہر کرتا رہا۔ مگر جب کلیسا کی پوزیشن بدل گئی اور مسرت بانٹنے کی توفیق نہ رہی اور بیمار کی دوا دارو کا انتظام بھی کلیسا کے ہاتھ نہ رہا۔ رفاہِ عام کا بندوبست اور خیرات کی تقسیم میں بھی کلیساؤں کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ کلیساؤں میں عبادت کے بہانے سے آپس کا ملنا جلنا خوش گپی اور تفریح طبع ہو جاتی تھی۔ اس کے لئے اب سینما گھر، تھیٹر سرکس وغیرہ کھل گئے ہیں۔ اب غور فرمایئے کلیساؤں کی ضرورت ہی کیا رہی۔ ہاں۔ اگر کوئی ایسی چیز انسان کے مفاد کی ہوتی کہ جو محض کلیساؤں سے دستیاب ہو سکتی تو لوگ ادھر متوجہ ہوتے۔

کلیساؤں کو روحانی غذا بہم پہنچانی چاہئے تھی۔ روحانی ترقی کا بندوبست کرنا چاہئے تھا۔ مگر جب اہلِ کلیسا خود اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں تو دوسروں کو کیسے فیض پہنچا سکتے ہیں۔ مذہب کے ان اجارہ داروں کا یہ نصب العین نہیں ہے کہ دنیا کو روحانی ترقی نصیب ہو۔ بلکہ یہ کلیسا کا اقتدار قائم رکھ کے اسے اپنے دنیوی مفاد کا وسیلہ بنا رہے ہیں۔ اسی دنیوی مفاد کے حصول کی غرض سے یہ حضرات پہلے تو تفریق مذہب و ملت کے موجب ہوئے۔ دنیا نے اہلِ مذہب ہی کے اندر ایسا اختلاف پایا کہ ایک مذہب دوسرے مذہب کو تسلیم کرنا درکنار مسلک کفر قرار دیتا ہے تو پھر یہی مناسب سمجھا گیا کہ مذہب کی جھنجھٹ میں کیوں پڑا جائے۔ ایسی صورت میں سچے مذہب کی تصدیق محال ہے۔ مگر جب تفرقہ پرداز ان مذہب نے دیکھا کہ نتیجہ نے یہ صورت پکڑی تب انہیں یہ سوجھی کہ آپس میں سمجھوتہ اور اتحاد ہی بہتر ہے۔ چنانچہ امریکی کلیساہائے عیسوی کی فیڈرل کونسل کے اجلاس کے صدر ڈاکٹر ہولٹ نے اپنی تقریر کے دوران میں یہ فرمایا کہ "امریکی پروٹسٹنٹزم کو یا تو از سرِ نو تنظیم کرنا چاہئے ورنہ اسے انتشار و انہدام کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

ڈاکٹر نکسن اور البرٹ نے کونسل مذکور کی کمیٹی کی جانب سے کلیسا کی موجودہ حالت کے بارے میں اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایک ایمان، ایک ضمیر اور متحدہ چرچ کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

ان تجاویز پر کونسل کے شرکا میں کوئی چیں بجبیں نہیں ہوا۔ حالانکہ ابھی اس زمانے کو کچھ عرصہ نہیں ہوا۔ اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اب مذہب کے اجارہ دار یہ محسوس کر چکے ہیں کہ اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے یہی مناسب ہے کہ ہر فرقہ اور ملت مذہبی اختلافات کے بجائے اُن پہلوؤں پر زور دے جو مشترکہ ہیں اور اس طرح اختلافات کو پس پشت ڈال کر ہم آہنگی کے پہلو کو نمایاں کرے۔

روڈیشیا میں تو پروٹسٹنٹ کلیسا کے مختلف فرقوں میں بین الاقوامی اتحاد کا عمل پیرا ہو چکا ہے۔ دیگر فرقوں میں بھی اتحاد کی سعی ہو رہی ہے۔ چنانچہ وہ دن دور نہیں جب امریکہ کے دو عقیدہ جو چرچ بھی سب کے سب متحد ہو جائیں گے۔

اس اتحاد کی طرف گامزنی شروع ہو گئی ہے۔ اسکنڈینیویا اور انگلیکن چرچ کے پادریوں اور بشپ صاحبان کے درمیان ناروے کے مقام لارویک میں اس مسئلہ پر غور ہوا تھا کہ کہاں تک اس قسم کے اتحاد کا امکان ہے۔ چنانچہ ورک لندن کے بشپ اور ٹرسٹو (ناروے) کے بشپ صاحبان نے ایک ہی منبر سے وعظ دیئے۔ ایسا واقعہ گذشتہ چار صدی سے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح میتھوڈسٹ چرچ کو بھی اتحاد اور فیڈریشن کی سوجھ رہی ہے۔

مختصر یہ کہ اجارہ داران مذہب جن کا شیوہ اب تک تفرقہ پردازی رہا ہے اب محسوس کر رہے ہیں کہ انہیں اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے مذہبی اور ملی نفاق و شقاق کی راہیں بند کر دینی چاہئیں۔ خیر اتحاد کی کوشش خواہ کسی نیت سے کیوں نہ کی جائے مگر اس کا نتیجہ نیک ہی نکلے گا۔

اہلِ کلیسا اس نیت سے اتحاد کی کوشش کر رہے ہیں اور سیاسی آمرین کس غرض سے مذہب کے خلاف علم بغاوت بلند کئے ہوئے ہیں۔ دونوں باتیں صاف ظاہر ہیں۔ مگر ایک معمولی انسان خدا اور مذہب دونوں کی ضرورت محسوس کرتا ہے مادیت کے پرستاروں نے دنیا میں بخوبی محسوس کر لیا ہے کہ دولت اور شہرت کے حصول کے باوجود انہیں سکونِ قلب میسر نہیں ہوتا۔ دنیا کو رسمی مذہب کی ضرورت نہیں۔ مگر ان کا یہ تقاضہ ضرور ہے کہ وہ اپنے تئیں خدا سے جو مخزنِ محبت اور منبعِ سکون ہے قریب تر محسوس کرے۔ دنیا کے اندر امن و امان قائم ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اخوتِ انسانی کا نقش ہر بشر کے لوحِ دل پر مرتسم ہو اور وہ رضائے الٰہی سے موافقت کرتے ہوئے زندگی بسر کرے۔ انسان اسبات کا بھی متقاضی ہے کہ وہ اپنے ضمیر کو پاک صاف کرے۔ اور آلاتِ دنیوی سے اس کے مجروح دل پر مرہم رکھا جائے۔ یہ سب تقاضے مذہب پر ہی سے کئے جا سکتے ہیں۔ اور مذہب کا فرض بھی انہی تقاضوں کا پورا کرنا ہے

لوگوں کو رسمی مذہب سے نفرت پیدا ہو چکی ہے۔ اب انہیں تجدید مذہب کی فکر ہے۔ مگر یہ تجدید مذہب کی جائز کارروائی کا جائزہ لیتے ہوئے ہونی چاہئے۔ دراصل یہ تجدید بلا مشیت ایزدی اور بلا الہام ناممکن ہے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ جملہ مذاہب کو مدنظر رکھ کر عقل و ذہن کی مدد سے ایک مشترکہ مذہب مرتب کر لیں گے ان کی یہ خام خیالی ہے۔ ان عقل کے پتلوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو ایسا مذہب ایجاد کرنا چاہتا ہے جس میں خدا کو کوئی دخل نہ ہو۔ وہ عذاب و ثواب کا خیال، بہشت و جہنم کا باعث نہ ہو۔ یہ نافہم اس خیال کی تائید میں بودھ مذہب کا حوالہ دیتے ہیں۔

۱۹۳۰ء میں ڈاکٹر چارلس پاٹر نے ایک نئے مذہب کی بنیاد انسانیت کے نام سے رکھی اور اس کی شاخیں نیویارک، شکاگو وغیرہ میں قائم ہو گئیں۔ دنیا سے قطع نظر ہندوستان کے مذہبی ماحول پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری حالت سارے جہان سے ابتر ہے ہمارے عوام توہم پرست ہیں اور نوجوان لا مذہب یا بے ایمان۔ مذہب فرقہ ساز اور تفرقہ پرداز۔ افسوس ہے کہ ممالک غیر میں تو سیاسی اختلافات مٹا کر اتحاد اور فیڈریشن کی کوششیں ہوں مگر ہندوستان میں نت نئے مذہبی فسادات برپا ہوتے رہتے ہیں۔

رسالے … نما

ہمدرد صحت کا عورت نمبر

ہمدرد صحت دہلی کا ایک مشہور و معروف طبی رسالہ ہے جو حکیم حاجی عبدالحمید صاحب کی ادارت میں چار سال سے نہایت پابندیٔ وقت کے ساتھ شایع ہو رہا ہے - اس رسالہ کی متعدد خوبیوں اور افادی پہلوؤں میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں علم طب، حفظانِ صحت اور عام تندرستی کے متعلق مفید مضامین نہایت سلیس اور عام فہم زبان میں پیش کئے جاتے ہیں جن سے ماہرین فن کے علاوہ عام لوگ بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں - ہمدرد اپنے اس اعلیٰ اور وسیع مقصد کے پیش نظر یہ ہر سال اپنا خاص سالانہ نمبر اہم وقتی مسائل سے کسی ایک موضوع پر ایک ضخیم اور دلچسپ کتاب کی صورت میں شایع کرتا ہے "ہمدرد صحت" کے پچھلے "اعادۂ شباب نمبر" اور "الاطفال نمبر" ملک میں بڑی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں - اس سال کی اشاعت خاص کا موضوع "عورت" ہے - اور حقیقت یہ ہے کہ عورت کی صحت، عورت کے مخصوص امراض اور ان کا علاج - عورت کی تعلیمی و اخلاقی ترقی - عورت کی معاشی اصلاح - عورت کی آزادی، عورت کی حیثیت کے متعلق تمام قدیم و جدید نظریات، عورت کا عنصر انسانی زندگی اور سوسائٹی میں، عورت ریوی کے روپ میں، عورت کے حقوق کے متعلق وہ تمام تحریکات جو اس وقت دنیا کے مختلف ممالک میں جاری ہیں - عورت کی موجودہ حالت اور اصلاحات و ترقی کی کوششوں کے متعلق لیگ آف نیشنز، حکومت ہند اور صوبجاتی حکومتوں اور ان کے وزراء کی رپورٹیں اور مضامین - غرض یہ تمام معلومات یکجائی طور پر کسی کتاب یا رسالہ میں نہیں مل سکتیں - ہمدرد صحت کے عورت نمبر پر پہلی ہی نگاہ ڈالنے سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اتنے مواد کی فراہمی میں حکیم عبدالحمید صاحب نے کتنی کوشش اور کاوش کی ہوگی - مضامین اور مضمون نگاروں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اگر ہم اسے درج کرنا چاہیں تو تین چار کالم اسی کی نذر کر دینے پڑیں گے - ہندوستان میں ویدک، یونانی اور ڈاکٹری علاج کے ماہرین کے علاوہ ممالک غیر مثلاً جاپان، جرمنی اور آسٹریا وغیرہ کے ماہرین علاج اور اہل قلم نے بھی متعدد مباحث میں حصہ لیا ہے - تمام مضامین بے حد دلچسپ اور پُر از معلومات ہیں اور متعدد مضامین کی تشریح و توضیح میں ہاف ٹون بلاک کی اور لیتھو کی تصویروں سے کام لیا گیا ہے چند جواب افسانوں اور بلند پایہ نظموں نے اس میں ادبی دلچسپیاں بھی پیدا کر دی ہیں - خود حکیم عبدالحمید صاحب کے قلم سے لکھے ہوئے متعدد تحقیقاتی مضامین فنی اور ادبی حیثیت سے بہت بلند پایہ ہیں - تین رنگوں میں طبع کیا ہوا ٹائٹل بہت خوبصورت اور دیدہ زیب ہے - کاغذ بیش قیمت - کتابت صاف اور خوشخط - طباعت بہت اچھی اور ترتیب قابل داد ہے اور گوناگوں دلچسپیوں کا یہ ذخیرہ ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہونے کے باوجود اس کی قیمت صرف بارہ آنے رکھی گئی ہے

ملنے کا پتہ :- دفتر ہمدرد صحت - ہمدرد منزل - دہلی -

شنکر کے کارٹون

ہمارے مقامی معاصر ہندوستان ٹائمز کے مشہور کارٹونسٹ شنکر نے اپنے ایک سو ایک کارٹونوں کا ایک شاندار مجموعہ شایع کیا ہے - شنکر کے کارٹونوں نے نہ صرف ہندوستان کے اندر ہی بڑی مقبولیت حاصل کی ہے بلکہ بعض غیر ملکی اخبارات اور رسالوں نے بھی کبھی کبھی شنکر کے کارٹون اپنی اشاعت میں شامل کئے ہیں - زیر تبصرہ مجموعہ کا "پیش لفظ" راشٹرپتی پنڈت جواہر لال نہرو نے لکھا ہے - اور آپ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شنکر کے کارٹون وقتی واقعات پر مزاحیہ پہلو سے گہری رائے ظاہر کر کے ملک کی خدمت میں حصہ لیتے ہیں اس کتاب کے معمولی ایڈیشن کی قیمت تین روپیہ آٹھ آنہ ہے اور اعلیٰ ایڈیشن کی قیمت دس روپے ہے -

ملنے کا پتہ :- ہندوستان ٹائمز دہلی

پریم ترنگ عرف ترانۂ الفت

مصنفہ جناب لالہ کاشی رام چاولہ سپرنٹنڈنٹ ڈپٹی کمشنر آفس ہوشیارپور - سائز $\frac{22 \times 18}{8}$ - صفحات ۲۵۲ - قیمت فی جلد ایک روپیہ -

یہ کتاب ہمارے پاس ریویو کے لئے آئی ہے - اس کے سرورق کو اُلٹتے ہی پہلی تحریر اس مصرعہ کی صورت میں نظر آتی ہے ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر کرنا

یہی مقصد دراصل اس کتاب کا موضوع ہے - اور اس میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ انسان انسان ایک ہیں اور ہر سچا مذہب سچائی - نیک دلی - خوش اخلاقی - نیکوکاری اور آپس میں ملاپ کی تعلیم دیتا ہے اور محبت ہی خدا کی حقیقی تعلیم اور انسانی زندگی کا نصب العین ہے - ایسے وقت میں جب کہ ہندوستان اندرونی پھوٹ اور فرقہ وارانہ جھگڑوں کا شکار ہو رہا ہے "پریم ترنگ" کی اشاعت بہت مفید ثابت ہوگی - بلا لحاظ مذہب و ملت ہر ہندوستانی کو یہ کتاب پڑھنی چاہیئے - خود مصنف کے پتہ پر یہ کتاب دستیاب ہو سکتی ہے -

"پریم کہانی"

اردو زبان میں اپنی نوعیت کی غالباً یہ پہلی تصنیف ہوگی جو شہنشاہ ایڈورڈ ہشتم اور مسز سمپسن کی داستانِ محبت کے دلچسپ اور تاریخی واقعات کے متعلق ہندوستان میں شایع ہوئی ہو - مصنف نے ان کی دیرینہ محبت کے سب واقعات معلوم کر کے اس کتاب میں دلچسپ پیرایہ میں درج کئے ہیں - اس میں بتلایا گیا ہے کہ بیسویں صدی کے اس افسانۂ شیریں فرہاد کے ہیرو نے کس طرح محبت کی بنا ڈالی -

بڑی - مسز سمپسن کی زندگی کا حال - اپنے دو خاوندوں سے طلاق - بحیرہ روم میں سمندری سفر کے مناظر کے ہیجان انگیز واقعات - ناچ گھروں اور تفریح گاہوں میں لطف اندوزیاں - اس عشق و محبت کے ڈرامہ میں برطانی اور غیر ملکی اخبارات کا پارٹ - بادشاہ اور وزیروں میں جمود - عشق اور تاج میں کشمکش - شاہ ایڈورڈ کی دست برداری - اور ان کی موجودہ اقامت کے متعلق سب واقعات اس کتاب میں درج کر دیئے گئے ہیں - کتابت اور چھپائی عمدہ ہے - ٹائیٹل پر شاہ ایڈورڈ اور مسز سمپسن کے دلکش فوٹو ہیں - کتاب کی قیمت بارہ آنہ فی جلد معہ محصول ڈاک ہے

ملنے کا پتہ :- منیجر نیشنل بُک ڈپو آف پبلی کیشن منڈی گنج (کٹڑہ جوتی پرشاد) سبزی منڈی دہلی -

"تاجر" آگرہ

ایڈیٹر :- جناب محمد الیاس

سائز $\frac{20 \times 30}{8}$ صفحات ۴۴

سالانہ چندہ ۲ (دو روپیہ) فی پرچہ ۳

ملنے کا پتہ :- منیجر - تاجر - آگرہ

ہندوستان میں علمی و ادبی رسالوں کی بہتات اور فنی و صنعتی رسالوں کی کمی کے پیش نظر ہم کارکنان تاجر آگرہ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے ایک ایسا رسالہ شایع کر کے ملک کی بڑی ضرورت پوری کی ہے - تاجر میں صنعت و حرفت اور تجارت کے مختلف شعبوں کے متعلق بہت مفید اور کارآمد مضامین شایع ہوتے ہیں جن سے ملک کے بیروزگار لوگ اور خصوصاً نوجوانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ بہت فائدہ اٹھا سکتا ہے اس کے چند پرچے پابندیٔ وقت کے ساتھ ہمارے پاس آئے ہیں اور یہ رسالہ روز بروز ترقی کر رہا ہے - اہل ملک کا فرض ہے کہ وہ ایسے رسالہ کی سرپرستی کریں -

بہارستان

مولانا ظفر علی خان کی نظموں کا یہ نادر اور ضخیم مجموعہ شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور نے شایع کیا ہے - یہ وہ کتاب ہے جس پر صرف اتنا ہی ریویو کافی ہے کہ یہ مولانا ظفر علی خان کی نظموں کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہے - جو اور کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا مولانا ظفر علی خان کی پالیسی سے اتفاق یا اختلاف اور بات ہے - لیکن ادب و شعر میں ان کا درجہ جتنا بلند ہے اس سے کسی کو انکار نہیں - حقیقت یہ ہے کہ شاعری کے اور اصناف سے قطع نظر جن پر مولانا ظفر علی خاں کو قدرت حاصل ہے وقتی اور ہنگامی موضوعات پر اس پایہ کی نظمیں غالباً ہندوستان کے کسی شاعر نے نہیں کہی ہوں گی -

بہارستان کی ضخامت ۸۰۰ صفحات ہے - کاغذ قیمتی اور کتابت و طباعت بھی اچھی ہے - قیمت چار روپیہ (للعہ)

ملنے کا پتہ :-

شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور

"پیمانہ" میرٹھ

زیر نظر جناب ساغر نظامی - مدیر جناب صہبا - تقطیع $\frac{22 \times 18}{8}$ صفحات ۴۸ قیمت سالانہ ایک روپیہ - ملنے کا پتہ :- ادبی مرکز میرٹھ -

بہت دنوں کی بات نہیں کہ ہندوستان کا مشہور علمی و ادبی رسالہ پیمانہ شایع ہوا کرتا تھا - اکبر آباد ہی میں اس نے اپنی زندگی کے چار دور گذارے اور اب اس کی اشاعت کا پانچواں دور میرٹھ سے جناب ساغر کی زیر نگرانی شروع ہوا ہے - اس کا پہلا پرچہ ہمارے پاس ریویو کے لئے آیا ہے جو گوناگوں خوبیوں سے لبریز ہے اور یقیناً زندگی کے جمالیاتی رخ کا آئینہ دار ہے - نثر کا پہلا مضمون وکٹر ہیوگو کے ایک شاہکار تصنیف کا ترجمہ ہے اور پہلی نظم "صبر کرو" کے عنوان سے حضرت جوش ملیح آبادی کے زور قلم کا نتیجہ ہے - باقی مضامین بھی بلند پایہ اور قابل داد ہیں - رسالہ کی ترتیب بہت اچھی ہے - ہم امید کرتے ہیں کہ ساغر کی نگرانی میں پیمانہ کا یہ پانچواں دور بہت کامیاب ہوگا - یہ چند سطریں تعارف کے طور پر لکھ دی گئی ہیں - مفصل ریویو ہم کسی آئندہ اشاعت میں درج کریں گے -

انمول جواہرات

مصنفہ و مرتبہ جناب سرجن لال صاحب درمن پبلشر پنڈت بھگت رام صاحب شرمابی اے سابق ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن پٹیالہ اسٹیٹ مطبوعہ آرمی پریس دیال باغ آگرہ صفحات ۴۰ قیمت فی جلد ۱۸ آنے ملنے کا پتہ :- سرن داس - پریم نگر، دیال باغ، آگرہ -

انمول جواہرات گیارہ مختلف مضامین کی مالا ہے اور ایک بِسْمِ بامسمّٰی کتاب ہے - اس میں زندگی کو دنیا اور آخرت کے لئے کامیاب بنانے اور قوت حیات سے کام لینے کے متعلق نہایت مفید مباحث درج ہیں - دھرم ارتھ، کام اور موکش ہر ایک موضوع پر نئے انداز میں اظہار خیال کیا گیا ہے اور بعض مضامین اتنے خوشگوار اور دلچسپ ہیں کہ مطالعہ کے وقت ناظرین کے خیالات و جذبات میں ایک پُر لطف اور روح افزا کیفیت پیدا کرتے ہیں - یہ کتاب ان لوگوں کے لئے ایک نادر پیشکش ہے جو اپنے اعتقاد اور مذہبی جذبات کو تعصب سے پاک اور محفوظ رکھنا چاہتے ہیں - کتابت صاف اور خوشخط اور طباعت بھی اچھی ہے مصنف نے اس کتاب کے ذریعہ ملک کی ایک بڑی خدمت انجام دی ہے

آئینہ خیال رہتک

مدیران جناب ناطق گلاوٹھی و جناب ہادی قریشی - سالانہ چندہ دو روپیہ فی پرچہ ۳ - خاص نمبر ۵ - ملنے کا پتہ :- آئینہ خیال رہتک -

آئینہ خیال اردو کا ایک علمی، ادبی و تنقیدی باتصویر ماہانہ رسالہ ہے جو چار پانچ ماہ سے رہتک سے شایع ہو رہا ہے - اس کا خاص نمبر جو ۔۔ صفحات پر مشتمل ہے ہمارے پاس ریویو کے لئے آیا ہے - مضامین اچھے اور قابل مطالعہ ہیں - اور اسکو دلچسپ بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے - تصویریں بھی دلکش ہیں - اور یہ خیال کر کے کہ رہتک میں ایک ادبی خدمت کا یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے ہم آئینہ خیال کے کارکنوں کی کوشش کی لائق تحسین سمجھتے ہیں - اس رسالہ میں ترقی کے کافی جراثیم موجود ہیں - استقلال کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے -

(صفحہ ۶ سے آگے)

خطروں کے ہراس سے دل ڈوبنے لگے گا تو کانگریس کا پرہانہ شہد لگا کر چاٹنے لگیں گے جب دل کا ہراس دور ہو جائے گا تو کانگریس کا جھنڈا زور زور سے الہلہانے لگیگا۔

دل کو تھاما اُن کا دامن تھام کے
میرے دونوں ہاتھ نکلے کام کے

میں ابھی ابھی کہہ چکا ہوں کہ مجھ سے زیادہ کوئی شخص اس بات کا خواہشمند نہ ہوگا کہ مسلمان کانگریس میں شریک ہوں لیکن میں مسلمانوں سے صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ معاملہ کو اس صورت میں دیکھ کر قدم اٹھانا چاہتے ہیں تو بہتر ہے کہ نہ اٹھائیں۔ اس طرح شریک ہونے سے ہزار درجہ بہتر ہوگا کہ شرکت کا نام بھی ان کی زبان پر نہ آئے۔ انہیں اگر کانگریس میں شریک ہونا چاہیئے تو صرف اس لئے کہ انہیں اپنے اوپر بھروسہ ہے اس لئے نہیں کہ دوسروں نے انہیں بھروسہ دلایا ہے یا دوسرے انہیں بھروسہ دلا سکتے ہیں۔ اگر فی الحقیقت ان کی بے بسی اور بے چارگی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ خطروں اور تباہیوں میں گھر گئے۔ اور تحفظ کی راہ اس کے سوا کچھ نہ رہی کہ یا تو انگریزی اقتدار کے سہارے جئیں یا کانگریس کے اطمینان دلا دینے پر۔ اور خود اُن کے اندر خود اعتمادی اور ہمت کی ایک چنگاری بھی نہیں رہی جو ان کی ٹھنڈی رگوں کو گرم کر سکے تو میں کہوں گا کہ ایسی زندہ نعشوں کے لئے یہی بہتر ہے کہ جہاں پڑی ہیں پڑی رہیں۔ وہ نہ تو انگریزی اقتدار کی طرف دیکھیں اور نہ کانگریس کی طرف۔ وہ خود داری کے ساتھ مستقبل کے فیصلہ کا انتظار کریں۔ یہاں کی چودہ صدیوں کی تاریخ کا کم سے کم مطالبہ ہے جس سے ان کے کانوں کو بہرا نہیں ہونا چاہیئے۔

بلاشبہ میں آرزو مند ہوں کہ مسلمان میدان میں اُتریں لیکن میں چاہتا ہوں کہ انہیں اس طرح میدان میں دیکھوں جس طرح ایک بہادر اور بے خوف آدمی میدان کا رُخ کرتا ہے خود اعتمادی سے سر اٹھا ہوا عزم و یقین سے سینہ تنا ہوا وہ میدان کے خطروں سے بے خبر نہیں ہوتا۔ یہ خطرے ہر طرف سے آ سکتے ہیں۔ مگر وہ جانتا ہے کہ خطروں کے لئے اُسے دوسروں کی طرف نہیں دیکھنا ہے۔ خود اپنی ہمت اور پامردی پر اعتماد کرنا ہے۔ لیکن اگر وہ اس طرح میدان میں نہیں اتر سکتے اور ساتھیوں سے شرطیں منوا لینے کی فکر میں ہیں تو میں بلا تامل اپنی ساری آرزوؤں سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ میں یہ برداشت کر لوں گا کہ وہ میدان میں نہ اُتریں۔ مگر اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ ڈرتے ہوئے اور سہمے ہوئے قدم اٹھائیں اس طرح کی ڈرتی ہوئی روح اور کھوئی ہوئی ہمت لے کر اگر وہ میدان میں اُترے بھی تو یہ زندگی اور عزت کا اقدام نہ ہوگا۔ بے چارگی اور نامرادی سے کسی کے پیچھے گھسٹنا ہوگا۔ انہوں نے جونہی معاملہ کو اس شکل میں دیکھا کہ وہ خطروں میں گھر گئے ہیں اور تحفظ کی شرطیں منوا کر ہی قدم اُٹھا سکتے ہیں، اُن کی ہستی باقی نہیں رہی۔ انہوں نے زندگی اور کامرانی کی جگہ کھو دی۔ انہوں نے نامرادانہ مان لیا کہ وہ دوسروں کے رحم پر ہیں۔ اور یہی مان لینا اُن کے لئے سمّ قاتل ہے۔ وہ کانگریس میں شریک نہیں ہونا چاہتے نہ ہوں۔ مگر خدا کے لئے یہ زہر کا پیالہ لبوں سے نہ لگائیں۔ یہ اُن کے حلق سے نیچے اُترا اور اُن کے دل کا ایک ایک ریشہ مردہ ہو گیا۔

بڑے حالتیں ہیں۔ اور اس لئے حکم بھی دو ہونے چاہئیں ایک بے عملی کا تعطل ہے۔ ایک خود فراموشی کی موت ہے۔ اگر مسلمان کانگریس میں شریک نہیں ہوتے تو یہ بے عملی کا تعطل ہوا۔ لیکن اگر کانگریس سے پروانہ حفاظت لے کر شریک ہونا چاہتے ہیں تو یہ خود فراموشی کی موت ہوگی۔ تعطل تو خیر نہیں تو کل دور ہو جائے گا۔ لیکن اگر موت آ گئی تو اسے کون ٹال سکیگا؟۔

افسوس ان نادانوں کی سمجھ پر! یہ شاخوں اور پتّوں کے لئے روتے ہیں۔ اور ان کے حصول کا طریقہ یہ سمجھتے ہیں کہ جڑ پر آرا چلاتے رہیں۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ شاخوں اور پتّوں کا سارا کارخانہ جڑ کے دم سے قائم رہتا ہے جب جڑ ہی نہ رہی تو شاخیں کہاں سے آئیں گی۔ پھول پتّے کس میں لگیں گے یہ کہاں کی دانائی ہے کہ پتّوں کے عشق میں سرے سے جڑ ہی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ میر درد کا شعر کتنا پامال ہو چکا ہے پھر بھی دل سے بھلا نہیں سکتا۔

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ! تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

کیا یہ موت کے گھونٹ ہیں جو اعلانیہ مسلمانوں کو پلائے جا رہے ہیں اور کوئی نہیں جو اُن لوگوں کا ہاتھ پکڑ لے؟ آخر بزدلی اور ہمت فروشی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیئے۔ آہ کروڑ انسانوں جن کی شکن آلود پیشانیوں پر آج بھی چودہ صدیوں کی تاریخ کے دھندلے حروف پڑھے جا سکتے ہیں۔ یہ یقین دلانا کہ وہ مر گئے تباہ ہو گئے اور اس قابل بھی نہ رہے کہ مستقبل میں خود اپنے مفاد کی حفاظت کر سکیں یقیناً ان کی خود داری اور خود اعتمادی کے سارے احساسات کو یک قلم قتل کر ڈالنا ہے۔ اور اگر ایک جماعت ان احساسات کی روح ہی سے محروم ہو گئی تو پھر حقوق کے پروانے اور تحفظات کے چیتھڑے اسے کیا کام دیں گے۔ افراد کی طرح جماعتوں کی زندگی بھی روح سے ہوتی ہے یہ روح اگر موجود ہے تو سب کچھ موجود ہے۔ روح اگر نکل گئی تو سب کچھ جاتا رہا جسم جماعت کے لئے یہ روح کیا ہے؟ جماعتی شرف و عزت کا احساس۔ خود اعتمادی کا یقین۔ عزم و ہمت کا ولولہ سعی و عمل پر اعتماد جس جماعت میں یہ روح موجود ہے وہ زندہ ہے اور جب زندہ ہے تو زندگی تمام لوازم حاصل کر کے ہی رہے گی۔ جس جماعت نے یہ روح کھو دی وہ مردہ ہو گئی۔ اور مُردے کے چاروں طرف خواہ قیمتی غذاؤں کے کتنے ہی خوان جمع کر دو وہ زندہ نہیں ہو جائے گا۔ ڈاکٹر امبیدکر نے اچھوتوں کی جنس کی مارکیٹ ہندوستان کے بازار میں رکھ دی ہے جو زیادہ بھاؤ بول سکے۔ آگے بڑھے اور خریدے۔ کیا مسلمان چاہتے ہیں کہ وہ بھی بازار سیاست کی ایسی ہی جنس بن کر رہ جائیں کہ جو ہمارے جی کا ڈر نکال دے ہمیں خرید لے؟۔ اسی بازار میں انہوں نے کبھی قوموں کی قسمتیں خریدی تھیں۔ اگر آج اس قابل نہ رہے کہ دوسروں کی متاع ہمت خرید سکیں تو کم از کم خود اپنی ہمت تو اس ارزانی کے ساتھ فروخت کرتے نہ پھریں۔

قناد م دام بر کنجشک و شادم یاد آں ہمت
کہ گر سیمرغ می آمد بہ دامم آزاد می کردم

ہفتہ کی مختصر خبریں

ویرا اعلیٰ ڈاکٹر سالازار چو حقیقی معنوں میں پرتگال کے ڈکٹیٹر ہیں آپ کو ہلاک کرنے کی ایک خوفناک سازش کا انکشاف ہوا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دوست کے مکان میں داخل ہو رہے تھے کہ فوراً ایک بم پھٹ گیا جس سے فرش کو نقصان پہنچا لیکن ڈاکٹر سالازار بال بال بچ گئے۔

کلکتہ کے مشہور قوم پرست انگریزی اخبار "ایڈوانس" کے ایڈیٹر مسٹر پرجیندر ناتھ گپتا کو ایک آرٹیکل بعنوان "ہندوستان اور کامنویلتھ" لکھنے پر باغیانہ مضمون لکھنے کے الزام میں زیر دفعہ ۱۲۴ تعزیرات ہند چھ ماہ قید سخت اور ۱۰۰ روپیہ جرمانہ کی سزا دی گئی

سیٹھ ..... نے پچاس ہزار روپیہ سالانہ ان صوبوں میں جہاں ہندی کا رواج کم ہے ہندی پرچار کیلئے دان دینے کا اعلان کیا ہے

برطانیہ کے وزیر ..... نے حکم جاری کیا ہے کہ ..... تصاویر میں ..... کا فیصلہ کیا ہے اور حکم جاری کیا ہے کہ ..... مزید ٹکٹیں الشروع نہ کی جائیں۔

جرمن نیوز ایجنسی کا نامہ نگار دعویٰ کرتا ہے کہ روسی ماسکو میں سوویٹ الیکٹرک رپبلک کے ۲۲ مزید افسروں کو توپ سے اڑا دیا گیا۔ ان کو جاپان کی حمایت وحشت انگیزی پھیلانے اور جاسوسی کرنے کے الزام میں سزا دی گئی تھی۔ اس رپورٹ پر اب تک ۱۵۳ افسروں کو جاسوسی کرنے کے جرم میں توپ سے اڑایا جا چکا ہے۔

ہندوستان کے نوجوانوں میں بیکاری کس قدر خوفناک صورت میں پھیلی ہوئی ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ گیارہ کانسٹیبلوں کی بھرتی کے لئے دو ہزار امیدوار ڈسٹرکٹ پولیس لائن میں حاضر ہو گئے۔ ان امیدواروں میں سے زیادہ تر تعلیم یافتہ تھے۔ بھرتی کیلئے جو امیدوار چنے گئے انہیں صرف ایک گریجویٹ ملے

ماجھدا ماتی کے محاذ پر باغیوں اور حکومت اسپین کی فوجوں کے درمیان زبردست لڑائی ہو رہی ہے۔ بروینیٹ پر قبضہ کرنے کے بعد جنوب مغرب میں ۳۰ میل کے فاصلہ پر ایک اہم پوزیشن حاصل کر لی۔ حکومت اسپین کی فوجیں

والاہیہ وکیلنا کی طرف روانہ ہو گئیں۔ اب اس پر حملہ کیا گیا ہے۔

راجستھان پرنٹنگ اور پبلشنگ ورکس اکولہ کے کیپر پر پانچ ہزار روپیہ کی ضبطی ضمانت کا نوٹس تعمیل کیا گیا ہے۔ یہ ضمانت دو آرٹیکلوں کے سلسلہ میں ضبط کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک اخبار ماتر بھومی میں شایع ہوا تھا۔ وہ سونیا ماتی سندھ کے متعلق تھا اور دوسرا آرٹیکل "لور راجستھان" میں شایع ہوا تھا وہ لارڈ بیڈن پاول کے بیان کے متعلق تھا جو انہوں نے ہندوستانی معاملات کے بارے میں شایع کیا تھا۔

یو دیا فیصلہ ہونے پر کہ ورکنگ کمیٹی کے ریزولیوشن کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے واشنگٹن میں پنڈت جواہر لال نہرو نے نمائندہ ایسوسی ایٹڈ پریس سے فرمایا کہ ورکنگ کمیٹی کا ہر ایک فیصلہ ٹھیک ہوتا ہے جس طرح ملک معظم کوئی غلطی نہیں کر سکتے اسی طرح ورکنگ کمیٹی بھی کوئی غلطی نہیں کر سکتی۔

حکومت ہند نے خبارتی کاغذ پر درآمدی ڈیوٹی کم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ ہر قسم کے کاغذ کی درآمد ڈیوٹی کو کم کر کے ڈیڑھ پیسہ اور پونے دو روپے فی ہنڈریڈ ویٹ کر دی گئی ہے۔

اودیا سے اطلاع ملی ہے کہ کل میڈیا کے علاقے سرکاری فوجیں وہ نہروا سے لڑ کر آگے بڑھ رہی تھیں تو باغیوں نے جوابی حملہ کر کے چار سرکاری فوجی سپاہیوں کو قتل کر دیا۔

چینی اور جاپانی فوجوں میں پھر لڑائی شروع ہو گئی اور اس وقت تک کہ نومبر کا اس ہٹانے کے علاوہ پر عمل نہیں ہو سکا تھا۔ وانپنگ کے علاقے میں توپوں سے شدید گولہ باری کی گئی۔ ٹانکنگ کی اطلاع ہے کہ چین کے وزیر امور خارجہ نے شمالی چین میں جاپان کی اشتعال انگیز سرگرمیوں کے خلاف جاپانی سفیر سے زبردست پروٹسٹ کیا ہے۔

یہ اطلاع بذریعہ ٹیلیفون موصول ہوئی ہے کہ آج صبح بابو راجندر پرشاد وارد ھا سے یہاں آ کر لوٹ جیل میں گئے۔ وہاں آپ نے مسٹر چندہ با نند بخشی سے جو بھوک ہڑتال پر ہیں اور جن کی ہڑتال کا آج چالیسواں روز ہے درخواست کی کہ وہ بھوک ہڑتال ترک کر دیں چنانچہ مسٹر بخشی نے آپ کی درخواست پر آج بھوک ہڑتال ترک کر دی۔

یہاں کے کانگریسی حلقوں میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے فیصلہ کا خیر مقدم کیا گیا ہے اور یو۔ پی کی وزارت کے متعلق قیاس آرائیاں شروع ہو گئی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت پنڈت گووند ولبھ پنت۔ مسٹر رفیع احمد قدوائی۔ آچاریہ نریندر دیو۔ مسٹر سمپورنا نند۔ مسٹر نثار احمد شروانی (اگر آپ منتخب ہو گئے) اور مسٹر وجے لکشمی پنڈت شامل ہوں گی۔ جو کہ ایک کیبنٹ ایڈیکیٹ جنرل مقرر کئے جائیں گے۔

مولانا ابوالکلام آزاد ممبر کانگریس ورکنگ کمیٹی کی طرف سے تار موصول ہوتے ہی میرٹھ کے لیڈر مولانا بشیر احمد میرٹھی یو۔پی اسمبلی کے ضمنی انتخاب کے سلسلہ میں کانگریسی امیدوار مسٹر نثار احمد شروانی کی انتخابی مہم میں امداد دینے کے لئے روانہ ہو گئے ہیں۔ مولانا آزاد سبحانی بہاری۔ مولانا حفیظ الرحمان اور مولانا حسین احمد صاحب پہلے ہی اس سلسلہ میں علیگڑھ روانہ ہو چکے ہیں۔

ڈسٹرکٹ پارلیمنٹری بورڈ کوہاٹ کے زیر صدارت ایک پبلک جلسہ ہوا جس میں صوبہ سرحد کی وزارت پر عدم اعتماد کا ریزولیوشن منظور کیا گیا کہ یہ ووٹروں کے اعلان کردہ فیصلہ کی سراسر توہین ہے جو انہوں نے گذشتہ انتخاب میں کیا تھا۔



زرینہ خاتون "بلا کی رات" میں
بنگال ٹاکیز کا مشہور کھیل جوگ جوبلی ٹاکیز میں چل رہا ھے





ساوجلد "پنجاب کی بیٹی" میں
ساگر ٹاکیز میں چل رہا ھے



راجکماری "سندر" میں
عنقریب آنیوالا ھے

Regd. L. No. 1617

FAME AND FORTUNE

AT YOUR DOORS.

THE achievement of fame and fortune is the immediate aim of every Business Man,

* * *

IF you are one of the aspirants of these heavenly blessings send your m e s s a g e through the Krishna Number of the T e j **to the millions of this Country.**

* * *

IT will bring the fame and fortune at your doors.

FOR RATES AND PARTICULARS

PLEASE WRITE TO,—

B. N. Gupta—*Advt. Manager,*

THE DAILY TEJ LIMITED, DELHI.

THE TEJ ILLUSTRATED WEEKLY

تیج

ہندوستان کا بہترین باتصویر ہفتہ وار اخبار

دھرم پال گپتا

لالہ دیش بندھو ڈائرکٹر

SINGLE COPY 2 ANNAS | NO 192 | DELHI: 20TH JULY 1937 | NO 15 | قیمت فی پرچہ دو آنے

پریم شواله



پہاڑوں کے پرشوکت منظر کے درمیان دریا کی گود میں ایک خوبصورت مندر

کانگریسی وزارتوں کے چند ارکان

شریمتی وجے لکشمی پنڈت
یو۔پی۔ وزارت کے ارکان



مسٹر انوگرہ نرائن سنگھ
آپ بہار کی وزارت کے رکن ہیں



مسٹر کے۔ایم۔ منشی
آپکو بمبئی کی کانگریسی وزارت میں لیا گیا ہے

صوبجاتی اسمبلیوں کے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر



شریمت گھنشیام سنگھ گپت
کانگریس پارٹی نے آپکو سی۔پی اسمبلی کے سپیکر کیلئے نامزد کیاہے



مسز رکمنی لکشمی پتی
آپ مدراس اسمبلی کی ڈپٹی سپیکر منتخب ہوئی ہیں



مسٹر کے۔ایف۔ نریمان
خیال ہے کہ آپکو کانگریس پارٹی بمبئی اسمبلی کا سپیکر منتخب کریگی



شریمت بابو پرشوتم داس ٹنڈن
کانگریس پارٹی نے یو۔پی۔ اسمبلی کے سپیکر کیلئے آپ کا نام تجویز کیا ہے

تصویروں میں خبریں



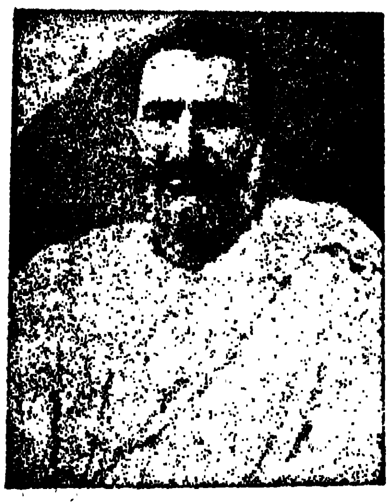
نواب صاحب چھتاری
خبر ہے کہ آپ یو۔پی۔ وزارت سے مستعفی ہوکر یو۔پی۔ اسمبلی میں مخالف پارٹی بنانے میں مصروف ہیں



بیگم شاہنواز
ممبر پنجاب اسمبلی
فلسطین کی رپورٹ پر آپ کی تحریک التوائے اجلاس گورنر پنجاب نے پیش ہونے کی اجازت نہیں دی

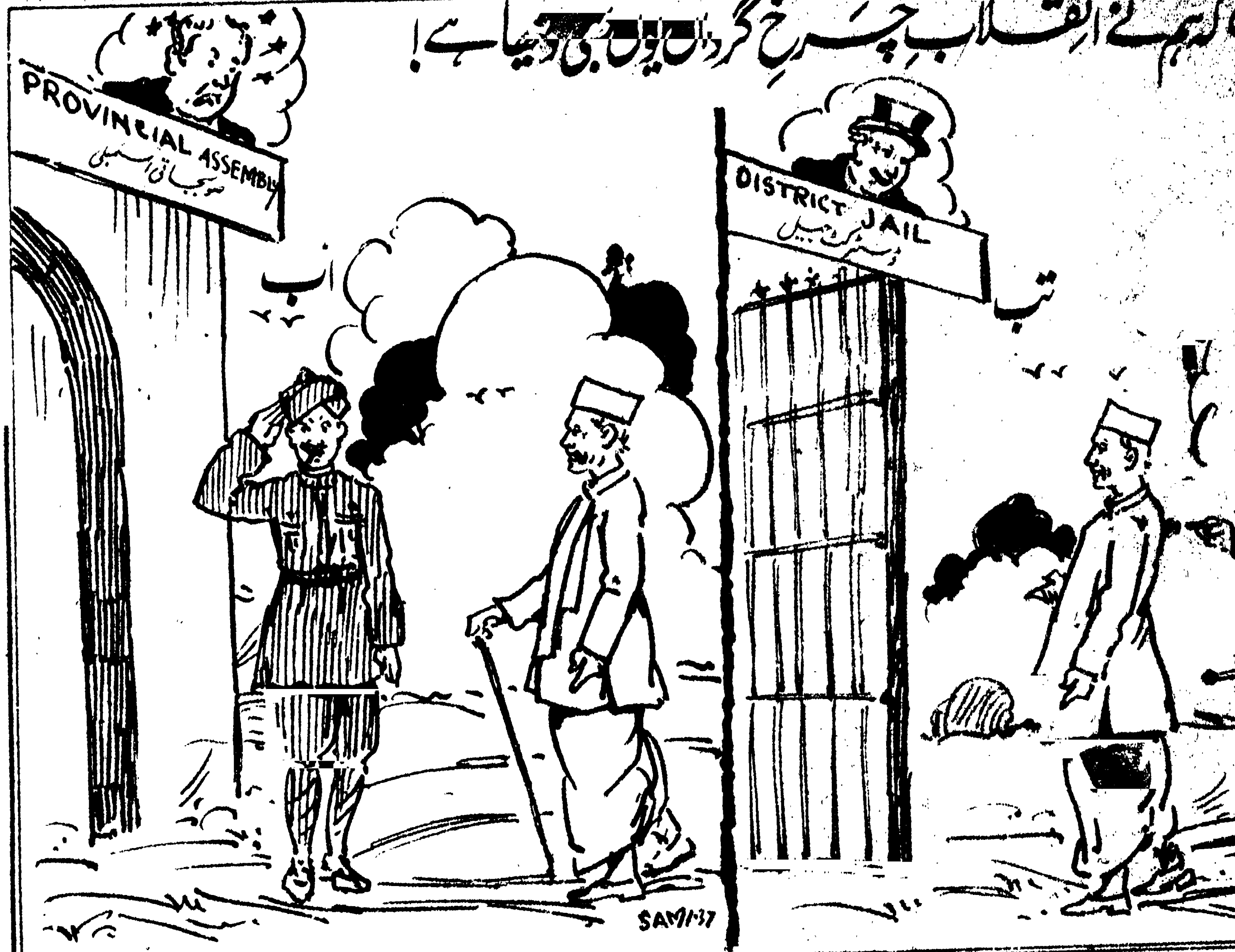


پنڈت مدن موہن مالویہ
آپکی اپیل پر مہاراجہ پٹیالہ نے ایک لاکھ روپیہ اور مہاراجہ دیواس جونیر نے بیس ہزار روپیہ ہندو یونیورسٹی بنارس کیلئے دان دیا ہے



خان عبدالغفار خاں
کانگریس سے مسلمانوں کا رابطہ اتحاد پیدا کرنے کیلئے آپ صوبہ بہار کا دورہ کرینگے

دیکھئے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھا ہے!



پٹنہ کے نزدیک قیامت کا ہولناک منظر، ۱۰۷ آدمی ہلاک
پنجاب ہوڑہ ایکسپریس کے پٹڑی سے اترنے کے مزید حالات

پٹنہ ۱۸ جولائی۔ آج صبح پنجاب ہوڑہ ایکسپریس پٹنہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر بہتیہ ریلوے اسٹیشن کے نزدیک پٹڑی سے اتر گئی جس سے ایک سو کے قریب آدمی ہلاک ہو گئے۔ اور دو سو کے قریب زخمی ہوئے۔ گاڑی کے پٹڑی سے اترنے کا سبب ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔ ایک آدمی جس نے یہ سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے بیان ہے کہ پچاس سے زیادہ مردوں کی لاشوں کی تو شناخت بھی نہیں ہو سکتی۔ بہت سے بچے اور عورتیں خون میں لت پت تھے۔ اور لاشوں کے اس قدر ٹکڑے ہو گئے کہ دیکھ کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہلاک شدگان میں چھ عورتیں بھی شامل ہیں۔ ایک شکٹ کلکٹر اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔ مرنے والوں کی زیادہ تر تعداد غریب لوگوں کی ہے۔ جو تھرڈ کلاس کے ڈبوں میں سوار تھے۔ ہلاک شدگان کو دفن کرنے اور جلانے کے لئے پٹنہ لایا گیا۔ پچاس مجروحین کو دیتیا پور ریلوے ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ نو تے زخمیوں کو پٹنہ میڈیکل کالج ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ ... ہلاک شدگان کی ... ۷۰ لاشیں بہتیہ اسٹیشن پر لائی گئیں۔ پانچ ابھی تک ملبہ میں دبی ہوئی ہیں۔ دو دیتیا پور ہسپتال میں آ کر مر گئے۔ اور تین پٹنہ جنرل ہسپتال میں مر گئے۔ (ا۔پ)

بعد کی خبر

پٹنہ ۱۷ جولائی۔ بہتیہ کے نزدیک ریلوے کے حادثہ میں جو زخمی ہسپتال میں داخل کئے گئے تھے ان میں سے رات کے دس بجے تک نو زخمی جانبر نہ ہو سکے۔ پٹنہ جنکشن پر جو لاشیں پہنچی تھیں ان میں سے ہندو اور مسلم رسموں کے مطابق ۸۸ لاشوں کو جلا دیا اور دفن کر دیا گیا ہے۔ اطلاع ہے کہ کل صبح تک بہتیہ سے مزید لاشیں پٹنہ جنکشن کو روانہ کی جائیں گی۔ کل سے حادثہ کی تحقیقات شروع ہو جائے گی۔ جو ریلوے اور پولیس افسران مشترکہ طور پر کریں گے۔ (ا۔پ)

میرٹھ میں گرفتاریاں

میرٹھ ۱۷ جولائی۔ پولیس نے جوا کھیلنے کے الزام میں ایک کمہار کو گرفتار کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ کوکین رکھنے کے الزام میں ایک ہندو اور اس کی بیوی کو گرفتار کیا ہے۔ (ا۔پ)

بمبئی کی کانگریسی وزارت
ارکان کے ناموں کا اعلان

پونہ ۱۷ جولائی۔ مسٹر بی۔ جی کھیر لیڈر کانگریس پارٹی بمبئی اسمبلی نے آج ہز ایکسیلنسی گورنر بمبئی سے اڑھائی گھنٹہ تک ملاقات کی۔ شام کو پانچ بجے مسٹر کھیر کے جانے کے بعد ایک سرکاری اعلان شائع کیا گیا کہ مسٹر بی۔ جی کھیر نے آج گورنر سے ملاقات کی اور وزارت کے مندرجہ ذیل ممبران کے نام پیش کئے جو منظور کر لئے گئے۔

مسٹر بی۔ جی کھیر چیف منسٹر
مسٹر اے۔ بی لاٹھے۔
مسٹر مرارجی ڈیسائی۔
مسٹر کے۔ ایم منشی
مسٹر ایم۔ ڈی گلاڈر
مسٹر ایل۔ ایم پٹیل کلنے

مسٹر کھیر مسلم ممبر کے نام کا بعد میں اعلان کریں گے۔ نئی وزارت ۱۹ جولائی کو حلف وفاداری اٹھائے گی۔ (ی۔پ)

آئرلینڈ کا نیا آئین

ڈبلن ۱۷ جولائی۔ رائے شماری پر آئرلینڈ کے نئے آئین کے حق میں ۶۸۵۱۰۵ رائے ملیں جبکہ اس کے خلاف ۵۲۶۹۴۵ رائے آئیں۔ (رپورٹر اسپیشل سروس)

یو پی کی کانگریسی وزارت
سرکاری اعلان ہو گیا

لکھنؤ ۱۷ جولائی۔ آج شام کو ایک خاص سرکاری اعلان شائع ہوا کہ گورنر صاحب یو۔ پی نے پرانی وزارت کا استعفیٰ منظور کر لیا ہے۔ اور مندرجہ ذیل نئی وزارت مقرر کی ہے۔ پنڈت گوبند بلبھ پنت۔ مسٹر رفیع احمد قدوائی۔ ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو اور مسٹر یمتی وجے لکشمی پنڈت وزارت کے ارکان نے آج حلف وفاداری اٹھایا۔ پوری وزارت کے باقی ناموں کا اعلان ۲۰ جولائی سے پیشتر نہیں ہو سکے گا۔ ابھی یہ فیصلہ بھی نہیں ہو سکا کہ کتنے مزید ممبر وزارت میں لئے جائیں گے۔ (ا۔پ)

ڈاکٹر کھرے کو ایڈریس
میونسپل کمیٹی ناگپور کا فیصلہ

ناگپور ۱۷ جولائی۔ ناگپور میونسپل کمیٹی کی میٹنگ میں ایک ریزولیوشن اتفاق رائے سے پاس کیا گیا جس میں ڈاکٹر این۔ بی کھرے کی قربانی اور جذبہ حب الوطنی کی تعریف کی گئی۔ اور فیصلہ کیا گیا کہ ان کی اور ان کی وزارت کے دیگر ارکان کو کمیٹی کی جانب سے ایڈریس پیش کیا جائے۔ نیز اس روز تمام میونسپل سکول اور دفاتر بند رہیں۔ (ی۔پ)

اڑیسہ کی کانگریسی وزارت

کٹک ۱۷ جولائی۔ مسٹر بیت بابو ساجند پرشاد نے جو اس صوبہ کی اسمبلی کی کانگریس پارٹی کے کاموں کے نگراں مقرر ہوئے ہیں آج تمام دن کانگریسی ممبران سے وزارت کے قیام کے سلسلہ میں بات چیت کی۔ اور اس کے بعد انہوں نے وزارت کے ناموں کا اعلان کیا جو حسب ذیل ہیں:-

(۱) مسٹر بلونا تھ داس (۲) مسٹر نتیا نند قانونگو اور مسٹر بودھ رام دوبے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ ہر ایک وزیر کے ساتھ دو پارلیمنٹری سیکریٹری ہوں گے۔ (ای پ)

سیاسی قیدیوں کی رہائی

یوپی وزارت کے سامنے پہلا سوال

لکھنؤ ۱۸ جولائی۔ ایسوسی ایٹیڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ وزارت قائم کرنے کے فوراً بعد پنڈت پنت کے سامنے جو اہم سوال ہے وہ سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ ہے اس کے علاوہ پریس کی ضمانتوں کی واپسی اور بعض سیاسی خلاف قانون انجمنوں پر پابندیاں ہٹانے کا سوال بھی درپیش ہے خیال ہے کہ بہت جلد ہی پریسوں کی ضمانتیں واپس کر دی جائیں گی۔ دفعہ ۱۲۴ اور ۱۰۸ ضابطہ فوجداری کے ماتحت تمام مقدمات واپس لے لئے جائیں گے۔ نیز اس کے تحت جو چلکے ہو چکے ہیں وہ بھی واپس لے لئے جائیں گے۔ پنڈت پنت نے آج سر گورنر سے دو گھنٹہ تک ملاقات کی۔

(اور منڈیعہ پالوسا ملاقات پر کوئی گ۔ ا پ)

خواجہ غلام صمد کا انتخاب ناجائز قرار دیدیا

پنجاب ٹربیونل کا فیصلہ

پانی پت ۱۷ جولائی۔ رائے بہادر رنگی لال۔ مسٹر کرچ اور سید محسن شاہ پر مشتمل ایک ٹربیونل نے پنجاب اسمبلی کے لئے خواجہ غلام صمد کا انتخاب ناجائز قرار دیدیا۔ آپ کرنال۔ حصار۔ گوڑگانوہ اور جھنگ ضلعوں کے حلقہ سے مسلم نشست کے لئے منتخب ہوئے تھے۔ جن کے خلاف کرنال کے رکن الدولہ شمشیر جنگ بہادر نواب سجاد علی خاں نے عذرداری داخل کی تھی۔ نواب صاحب نے اپنی درخواست میں لکھا تھا کہ کاغذات کی پڑتال کے بعد ریٹرننگ افسر نے مبینہ طور پر ان کی درخواست نامزدگی خارج کر دی تھی کہ انہوں نے اپنے نام کے ساتھ مستعفی کرتے وقت خطاب نہیں لکھے تھے۔ (ا ب)

لیبر لیڈران کی سزایابی

کاریگروں نے ہڑتال کر دی!

کلکتہ ۱۷ جولائی۔ کل سا سم پور میں مسٹر نہال سہرا سہی وغیرہ لیبر لیڈروں کی سزایابی کی خبر سنکر نارکل بردکس۔ ڈھونوی چھپ دانی اور انگس جوٹ ملوں کے کاریگروں نے پروٹسٹ کے طور پر ہڑتال کر دی۔ انگس ملز کے کاریگر ابھی تک ہڑتال پر ہیں۔ باقی کاریگر کام پر واپس چلے گئے ہیں۔ (ا پ)

تازہ تجارتی خبریں

بمبئی بند بازار حصص

(روئی)

بمبئی ۱۸ جولائی۔ بازار مضبوط کھلا بیوپاری اور شارٹ والوں کی طرف سے خریداری تھی۔ آخر قیمت مضبوط تھی۔ اونچے بھاؤ پر کچھ کاٹ تھی۔

بروچ جولائی اگست	۰ — ۰ — ۲۱۰ فی کھنڈی
ر اپریل مئی	۰ — ۱۲ — ۲۲۱ ر
اومرا جولائی	۰ — ۱۲ — ۲۰۱ ر
ر دسمبر جنوری	۰ — ۱۲ — ۲۰۱ ر
بنگال جولائی	۰ — ۲ — ۱۹۹ ر
ر دسمبر جنوری	۰ — ۰ — ۱۹۹ ر

تیزی منڈی اپریل مئی ۱۹۳۸ء ۲۱۲/۲ رچھ

صرافہ

چاندی حاضر	۰ — ۳ — ۵۱ سو تولہ دسمبر وعدہ
	۰ — ۰ — ۵۲ سو تولہ
سونا حاضر پہلا وعدہ	۳ — ۹ — ۳۴ فی تولہ
ر دوسرا وعدہ	۳ — ۸ — ۳۴ ر

اجناس

گندم ستمبر	۳ — ۱۲ — ۵	جنوری	۹ — ۳ — ۰ — ۲ فی من
ر مئی	۳ — ۱۱ — ۵	السی مئی	۰ — ۵ — ۸ ر
السی ستمبر	۰ — ۶ — ۸	تیل	۰ — ۲ — ۹ ر
ارنڈی	۰ — ۷ — ۷	جنولر	۶ — ۱۰ — ۲ ر
مونگ پھلی مدراس	۳ — ۸	خانڈیش	۰ — ۲ — ۸ ر
		سیوا	۰ — ۱۲ — ۵

اڑیسہ اسمبلی کے اسپیکر

کٹک ۱۸ جولائی۔ مسٹر مکند پرشاد داس اور مسٹر نند کشور داس کو کانگریس پارٹی نے اڑیسہ اسمبلی کے اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کے لئے نامزد کیا ہے

تجلیاتِ اختر

(از جناب پنڈت ہری چند صاحب اختر ایم اے سابق ایڈیٹر "مخزن")

امید کے دلِ برباد کو آباد کرتا ہوں — ستانے کے لئے دنیا نئی ایجاد کرتا ہوں
تری میعادِ غم پوری ہوئی اے زندگی خوش ہو — قفس ٹوٹے نہ ٹوٹے میں تجھے آزاد کرتا ہوں
میں اپنے دل کا مالک ہوں مرا دل ایک بستی ہے — کبھی آباد کرتا ہوں کبھی برباد کرتا ہوں
ملاقاتیں ہوئی ہیں ملاقاتوں کے بعد اکثر — وہ مجھکو بھول جاتے ہیں میں انکو یاد کرتا ہوں
خودی کی ابتدا یہ تھی کہ اپنے آپ میں گم تھا — خودی کی انتہا ہے خدا کو یاد کرتا ہوں
جفا کارو مری مظلوم خاموشی پہ ہنستے ہو! — ٹھہر جاؤ ذرا دم لو ابھی فریاد کرتا ہوں

بتوں کے عشق میں کھویا گیا ہوں ورنہ اے اختر
خدا شاہد ہے میں اکثر خدا کو یاد کرتا ہوں

ہمرازوں سے اِلتجا

(از حضرت جوش ملیح آبادی)

اب زمزمۂ قصۂ پارینہ ہے بیکار — ڈرتا ہوں نہ ہو جائے تمنا کہیں بیدار
بے صرفہ ہے اب تذکرۂ کاکل و رخسار — کروٹ نہ کہیں روح میں لے حسرتِ دیدار
پھر دل میں مچلنے نہ لگے عشق کا آزار!

اللہ رے شیریں کے لبِ لعل دل آویز — ہر پھول ہے اس باغ کا اک نشۂ سرتیز
یہ قصۂ رنگیں ہے قیامت کا غم انگیز — چھیڑے نہ کوئی تذکرۂ خسرو و پرویز
اس ذکر میں ہے تیشۂ فرہاد کی جھنکار!

افسانۂ دلدوز جوانی نہ سناؤ — کس درجہ تھی وہ رات سہانی نہ سناؤ
جوئے چمنستاں کی روانی نہ سناؤ — شاخوں کے لچکنے کی کہانی نہ سناؤ
ان لوچ کی باتوں میں ہے چلتی ہوئی تلوار

آپ بُرے تو جگ بُرا

(از جناب قمر بدایونی)

ہم اس مسئلہ میں قمر کیا بتائیں — زمانہ کی حالت بھلی یا بری ہے
کوئی اپنے دل کو برا جانتا ہے — کسی کی نظر میں تمنا بری ہے
کسی کو شکایت ہے دردِ جگر سے — کہیں ضد سے فکرِ مداوا بری ہے
کسی کو ہے عشقِ حسیناں سے نفرت — کسی کے لئے شکلِ زیبا بری ہے
کوئی قیس کو نام رکھتا ہے لاکھوں — کسی کی نگاہوں میں لیلیٰ بری ہے
برا کوئی وامق کو گردانتا ہے — تو کہتا ہے کوئی کہ عذرا بری ہے
کسی کو ہے اپنی وفاؤں کا رونا — کہیں عادتِ جورِ بیجا بری ہے
کہیں کوئے جاناں میں سو ذلتیں ہیں — کہیں ہرزہ گردیِ صحرا بری ہے
کہیں جرم ہے ترکِ رسمِ محبت — کہیں زحمتِ رشکِ اعدا بری ہے

مگر ہم تو اس قول کو مانتے ہیں
کہ جب ہم برے ہیں تو دنیا بری ہے

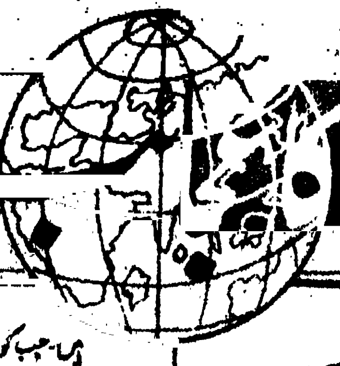
داستانِ زندگی

(از جناب دل شاہجہانپوری)

ہو چکا ناکامیٔ دل تک بیانِ زندگی — عشق نے اب کی مکمل داستانِ زندگی
گوشِ عبرت ہو تو سن لو داستانِ زندگی — اب تو میرا ہر نفس ہے نوحہ خوانِ زندگی
بحرِ ہستی میں یہ دیکھا سعیِ ساحل کا مآل — مٹ گیا موجِ حوادث سے نشانِ زندگی
ایک آہِ سرد میں مضمر ہیں لاکھوں واقعات — مختصر یوں کر رہا ہوں داستانِ زندگی
آج یوں رخصت ہوئی دنیا سے روحِ منتظر — آخری دو ہچکیاں تھیں نوحہ خوانِ زندگی
خاک ہو کر بھی دلِ پامال ہے صرفِ نگاہ — دیکھئے کب ختم ہوگا امتحانِ زندگی
مٹنے والوں کی ہے خاکِ قبر رودادِ خموش — کہہ رہے ہیں یہ ابھی تک داستانِ زندگی
ہو چکی برباد گو اے شمع پروانوں کی خاک — ذرہ ذرہ میں ہے پنہاں اک جہانِ زندگی
عشق کی فطرت بدل دی اس دلِ بےصبر نے — اب تو ہر نالہ ہے جزوِ داستانِ زندگی

حشر بھی شامل ہے، اے دل واقعاتِ عشق میں
آپ کہئے گا کہاں تک داستانِ زندگی

دنیا کا عجائب خانہ



بلی کو کھانے والے چوہے

چین میں پیچ و خم کھاتی گنگا بہتی ہے۔ وہاں ایک شہر ہے جہاں چوہے بلیوں کو کھا جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ وہاں چوہوں کی کثرت ہے اور جہاں کہیں بھی یہ اپنے خوفناک دشمن کو دیکھ پاتے ہیں ایک دم حملہ کر دیتے ہیں اور چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں۔ اس شہر میں بلیاں بالکل ختم ہو گئی ہیں۔

بجلی کی چادر

امریکہ کے ایک سائنس دان نے بجلی کی چادر ایجاد کی ہے جسے استعمال کرنے پر لحاف اور کمبل کا بوجھ لادنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ چادر معمولی سوت سے تیار کی گئی ہے لیکن اس میں ایک ننھا سا بجلی کا آلہ چھپا ہوتا ہے اس کا تار معمولی وال پلگ سے لگا دیا جاتا ہے اور چادر اتنی گرم ہو جاتی ہے کہ کمبل اور موٹے لحاف بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ضرورت کے مطابق چادر کی گرمی میں کمی یا زیادتی بھی کی جا سکتی ہے۔ جہاں بجلی نہ ہو وہاں بیٹری سے کام چل جاتا ہے۔

ہاتھ سے دیکھنے والی عورت

اسکاٹ لینڈ میں حال ہی میں ایک عورت کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ بجائے آنکھ کے ہاتھ سے دیکھتی ہے کتاب پر ہاتھ رکھ کر اسے پڑھ لیتی ہے اور اسی طرح ہاتھ رکھ کر مختلف رنگ پہچان لیتی ہے۔

پانی پر چلنے کا آلہ

ایک جرمن نے ۹ فٹ لمبی ہلکی نلیاں ایجاد کی ہیں جن کا وزن تقریباً ۶½ سیر ہے۔ آدمی انہیں بدن پر لگا کر اور جھک کر اس طرح چل سکتا ہے جس طرح برف پر خاص قسم کی لکڑیوں سے چلا کرتا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ آلہ ترقی کرتے کرتے اس درجہ تک پہنچ جائے گا کہ لوگ پانی پر ہاکی اور فٹ بال کھیل سکیں گے۔

شیشہ کا بلیڈ

عرصہ کے تجربہ کے بعد زیکوسلوویکیا کے ایک کارخانہ نے شیشہ کے بلیڈ بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے شیشہ کے بلیڈ لوہے کے بلیڈوں سے زیادہ خوبصورت ہونے کے علاوہ بہت کم قیمت بھی ہیں۔

انسانی "پر"

وینس کے ایک انجینئر نے دو ہلکے بازو پرندوں کی مانند بنائے ہیں جو انسان کے شانوں پر لگائے جا سکتے

ہیں۔ جب کوئی شخص دوڑنا شروع کرتا ہے تو پر پھیلنے لگتے ہیں اور انسان کا جسم زمین سے اوپر اٹھ جاتا ہے۔ موجد نے اس طور سے زمین سے ۵ انچ بلندی تک اڑ کر دکھایا۔

سب سے چھوٹا بچہ

نیوکیٹ کے ایک ہسپتال میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو اتنا ننھا تھا کہ اسے دنیا کا سب سے چھوٹا بچہ خیال کیا گیا ہے جب یہ بچہ پیدا ہوا تو نرسیں اسے ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرنے لگیں۔ اس نوزائیدہ بچے کا جسم اس قدر چھوٹا تھا کہ ہاتھ کی ہتھیلی میں سما سکتا تھا اور اس کا وزن تقریباً ڈیڑھ پاؤ تھا۔

نرخ لکھنے کی مشین

تجارتی کاروبار میں نرخ کا معلوم ہونا بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے لئے پہلے صرف تار ہی ایک ذریعہ تھا۔ اب سائنس دانوں نے اس کے لئے بھی ایک مشین ایجاد کی ہے جس سے بیوپاری لوگ اپنی دوکان اور کوٹھی میں بیٹھے بیٹھے

بازار میں لگا دی جاتی ہے جب یہاں مشین پر چلائے جاتے ہیں اسی وقت دوسری مشین کے پرچے پر خود بخود نرخ تحریر ہو جاتے ہیں۔ اور اتنے موٹے الفاظ میں تحریر ہوتے ہیں کہ ۵ فٹ کے فاصلے سے بآسانی پڑھے جا سکتے ہیں۔

برطانیہ میں ۵ سالہ کنوارے

برطانیہ میں آج قریباً ۵۰ برس کی عمر کے کنوارے پندرہ لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔ ان کنواروں میں بعض بعض ایسے کنوارے ہیں جو کبھی شادی نہیں کریں گے۔

جدید قسم کے کار آمد پودے

بعض امریکن محققین نے جو پودوں کے متعلق تحقیقات کر رہے ہیں مڈاسکر کے جنگل میں ایسے پودے دریافت کئے ہیں جن کا گوند وارنش اور رنگ بنانے کے کام آتا ہے۔

سب سے لمبی فلم

دنیا کی سب سے لمبی فلم کتنی ہو سکتی ہے۔ آپ اس کا اندازہ ... تک بتا سکتے ہیں۔ مگر جرمنی کے ڈسٹری بیوٹر ... ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ پچھلے سال برلن میں جو بین الاقوامی ... اس میں ایک فلم دکھائی گئی ہے یہ فلم ۲۹ گھنٹوں میں دیکھی جا سکتی ہے اگر ... گھنٹے روزانہ اس کی نمائش ہو تو ۱۳ دنوں میں ایک آدمی اسے دیکھ سکیگا کہیں بھی یہ فلم نہیں دکھائی جائیگی بلکہ اسکے مختلف حصے دکھائے جائیں گے۔

"فضائے آسمانی میں انسان کی بلند پروازی"
"پروفیسر ٹکاف کا سفر چاند کی طرف"
"اجرام فلکی تک پہنچنے والا ہوائی جہاز "پلینیٹر"
تھیسپی ٹیئیر گس کا حیرت انگیز کارنامہ"
"انسانی عقل و قوت ایجاد کی آخری منزل"
"اب ہم چاند اور مریخ پر جا رہے ہیں"

پیدا اس طرح کی دوسری سرخیاں بہت جلی، بڑے بڑے حروف میں اور دو دو چار چار کالموں کے سرے پر کچھ دنوں سے مغربی اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں۔ اور اخبار "ٹائمز بریشل" جو صرف سائنس اور فن پرواز کی ترقی کا علمبردار ہے اس نے نمایاں طور پر اپنے سرورق کو ایسے ہی جبار، جنگ پارکالمی عنوانات کے لئے وقف کر دیا ہے۔

پہلے پہل جب میری آنکھوں کے سامنے مذکورہ بالا اخبار میں یہ عنوان آیا کہ "انسان بہت جلد چاند کو فتح کر لیگا" تو میرے عضو عضو میں ایک سنسنی دوڑ گئی، مسرت کی لہریں میرے جسم کے رگ و ریشہ میں پیوست ہوگئیں میرے دماغ نے نئے نئے خیالات اور تصورات باندھنے شروع کئے میں یہ سمجھا کہ انسان کے لئے اب چاند پر جانا اتنا ہی آسان ہو جائے گا جیسے ایک مسافر کلکتہ سے دہلی پہنچ جاتا ہے ہم چاند پر رہنے والے رشتہ داروں اور دوستوں کو خط لکھیں گے اور وہ ہوائی ڈاک کے ذریعہ پہنچائے جائیں گے زمین کے خوش ذائقہ اور رنگین پھلوں کے پارسل چاند تک جائیں گے اور چاند کے لطیف اور نورانی پھل کلکتہ کے نیو مارکیٹ، دہلی کے بازار فتح پوری اور بمبئی کے مارکیٹ میں فروخت ہونے لگیں گے چاند اور زمین کے ریڈیو اسٹیشنوں کے ذریعہ آپس میں خبروں کا تبادلہ ہوگا۔ چاند پر اگر کوئی چاند بابی اپنی آسمانی آواز میں گا رہی ہوں گی تو ہم اپنے ریڈیو سیٹ پر ان کا گانا سن رہے ہوں گے اور ٹیلی ویژن کے پردہ پر ان کی تصویر بھی دیکھ رہے ہوں گے۔

ہوائی جہازوں کی پرواز کی انتہا ہو تو ہو لیکن انسانی خیالات کی پرواز کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ میں بہت دیر تک اسی طرح کے خواب دیکھتا رہا اور ایسے ہی ہوائی قلعے بناتا رہا۔ میرے سینے میں جذبات کا ایک طوفان برپا تھا میری تصورات کے بیسیوں گھوڑے آسمانوں اور ستاروں میں دوڑ رہے تھے، حیرت اور مسرت نے میرے اعصاب میں تھرتھری پیدا کر دی تھی، جب میری طبیعت ذرا سنبھلی اور اصلیت کی طرف رجوع ہوئی تو میں سوچنے لگا۔ کیا انسان ان فطری حدود اور قید و بند کو توڑ رہا ہے جن کے ذریعہ اس جاندار کی ہستی ایک ہی سیارہ یعنی زمین سے وابستہ کر دی گئی ہے؟ کیا انسان کوئی بچہ ہے جو ابھی گھٹنوں کے بل چل رہا ہے تاکہ رفتہ رفتہ اپنے پیر پر کھڑا ہو جائے اور فضائے آسمانی کے تمام ستاروں اور سیاروں کو فتح کر کے ان میں اپنی خوشی و مرضی کے مطابق سیر و سیاحت کیا کرے؟

ان سوالوں کا جواب دینا کوئی آسان کام نہیں ہے سائنس نے بھی ان کا کوئی جواب اب تک نہیں دیا ہے کیونکہ سائنس اس وقت تک کچھ نہیں کہتی جب تک کوئی چیز پایۂ تحقیق کو نہ پہنچ چکی ہو، ابھی یہ ہماری قیاس آرائیاں ہیں جو بڑے بڑے ماہروں کی ذمہ داریاں ہیں، اس میں شک نہیں کہ سائنس نے اپنی ترقی کی حیرت انگیز رفتار میں آندھی اور طوفان کی تیزی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے، یہ صرف کل کی بات ہے کہ انسان نے پرواز کا فن سیکھا تھا اور آج اس نے بلند پروازی کا بڑے سے بڑا ریکارڈ قائم کر لیا ہے۔ ہوا بازی میں اس کی پہلی کامیابیاں غباروں کے ذریعہ حاصل ہوئیں پہلے یہ غبارے گرم ہوا سے بھرے جاتے تھے۔ اس کے بعد ان میں ہائیڈروجن اور ہیلیم استعمال کیا جانے لگا۔ پھر ہوا سے بھاری مشینیں ایجاد کی گئیں۔ اس کے بعد مختلف قسم کے ہوائی جہاز وجود میں آئے، اب آٹوجائرو یعنی بغیر پنکھے اور بے دُم کے ہوائی جہازوں سے بھی کام لیا جانے لگا ہے۔ اور سب سے آخری چیز وہ ہے جسے "راکٹ غبارہ" کہتے ہیں جو "بارود کے ذریعہ اٹھنے والی ہوائی" کے اصول پر پرواز کرے گا اور یہی وہ ہوائی جہاز ہوگا جس پر سفر کر کے انسان چاند تک پہنچ سکے گا!

یہ تمام چیزیں میری آنکھوں کے سامنے سینما کی تصویروں کی طرح پھر رہی تھیں۔ میں رفتار کی اس بے انتہا تیزی کا خیال کر رہا تھا جس کے ذریعہ مکان و زماں (SPACE اور TIME) پر فتح حاصل کی جا رہی ہے، میں نے اب یقین کر لیا ہے کہ سیاروں تک سفر کرنے کا زمانہ اب بہت دور نہیں ہے۔ ڈاکٹر جب اپنے مریضوں کو تبدیلِ آب و ہوا کا مشورہ دیں گے تو یہ نہیں کہیں گے کہ مسوری، دارجلنگ یا دھرم پور جاؤ بلکہ یہ کہیں گے کہ چند ہفتوں کے لئے چاند یا مریخ پر زندگی بسر کرو اور وہاں کی ہوا کھاؤ۔ نئے شادی شدہ جوڑے بھی غالباً زہرہ یا مشتری پر جا کر "ہنی مون" کا راحت افزا زمانہ گزارنا پسند کریں گے۔ اس سلسلہ میں زمین کی امپیریلسٹ اور ملوکیت پرست قومیں بھی دست درازی شروع کر دیں گی ان کو بھی مریخ اور چاند تک اپنا امپائر وسیع کرنے کی سوجھے گی۔ اور وہاں کے "وحشی" باشندوں میں "تمدن" پھیلانے کے بہانے سے وہ ان سیاروں پر قبضہ کرنا شروع کر دیں گی۔

غالباً خیالات نے مجھے پھر کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور پھر مجھے خاصی کوشش کرنے کے بعد حقیقت اور موجودہ حالات کی طرف واپس آنا پڑا۔ میں نے پھر اخبار میں اسی عنوان کو دیکھا۔ کہ "انسان بہت جلد چاند کو فتح کرے گا" اب مجھے شوق ہوا کہ اس مضمون کو پڑھوں اور تفصیلات کا مطالعہ کروں۔ میں نے دیکھا کہ ایک پورے صفحہ پر ایک نئی قسم کے ہوائی جہاز کی تفصیل درج ہے جس کو چاند کی طرف لے جانے کا ارادہ کیا جا رہا ہے اور جس کا نام "پلینیٹر" رکھا گیا ہے اس میں اس کی ساخت کا تذکرہ بھی ہے۔ اس کے سفر کی نوعیت اور حالت بھی ہے۔ اور کچھ خشک سائنٹیفک حقیقتیں بھی ہیں۔ آئیے اب اس مشین کو بھی ملاحظہ کریں جس کے ذریعہ انسان زمین سے چاند کی طرف جانے والا ہے۔

کیا ہم چاند پر جا رہے ہیں؟

(از قلم پنڈت اے، جوگ راؤ بی، اے، ایم ایس سی)

THE PLANETOR

"پلینیٹر" وہ ہوائی جہاز ہے جو ہمیں اور آپ کو زمین سے چاند کی طرف لے جائے گا، اور ستاروں کی دنیا کی سیر کرائے گا، یہ سائنس کی جدید ترین ایجاد ہے، انسان ہمیشہ سے چاند تک پہنچنے کا خواہشمند ہے لیکن کیا یہ خوابِ کبھی ممنونِ تعبیر ہوگا؟ اس کا جواب اس مضمون میں ملاحظہ فرمائیے۔

"پلینیٹر" کیا ہے؟

سب سے پہلے یہ جان لینا چاہیئے کہ "پلینیٹر" کی شکل و صورت کو موجودہ ہوائی جہاز یا غبارے کی صورت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور نہ صحیح معنوں میں یہ "ہوائی جہاز" کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی پرواز کا اصول ہوائی جہازوں کی پرواز سے بالکل جداگانہ ہوگا۔ اس کی صورت بالکل ایک سگار (چُرٹ) کی طرح ہے۔ جس کے دونوں سرے گول ہیں اس کی لمبائی بارہ فٹ اس کا قطر ساڑھے چھ فٹ ہے اور اس کے چاروں طرف چار بازو لگے ہوئے ہیں۔

اس مشین کے موجد مشہور سائنسداں پروفیسر ٹکاف ہیں۔ پلینیٹر جب زمین سے فضائے آسمانی کی طرف چلنا شروع کرے گا تو ہمارے کرۂ ہوا کی مزاحمت کے باعث اس کی پرواز کی رفتار چند ہزار میل فی گھنٹہ سے زیادہ نہ ہوگی لیکن آگے بڑھ کر اس کی تیزی ہزاروں ہزار گنا بڑھ جائے گی اور پھر یہ سُرعت اتنی ہوگی کہ بارود سے چھوٹنے والی ہوائی کی اس کے سامنے کوئی ہستی نہ ہوگی، پروفیسر موصوف کی خواہش ہے کہ زمین کے کرۂ ہوا کے بعض حالات دریافت کرنے کے لئے اس کو پہلے ذرا آہستہ آہستہ جانا چاہیئے۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ حرارت (TEMPERATURE)، دباؤ (PRESSURE)، رطوبت (HUMIDITY) اور الٹرا وائلٹ اور کاسمک شعاعوں کی حالتیں معلوم ہو جائیں گی، لیکن جب وہ زمین کی اس "چھت" یعنی کرۂ ہوائی کے آخری حصہ سے بھی گزر جائیں گے تو پھر کہیں پر ٹھہراؤ کی ضرورت نہ ہوگی اور وہ ایک بندوق کی گولی کی طرح فضائے آسمانی میں گھس جائیں گے۔

اس "راکٹ" یعنی ہوائی کی شکل رکھنے والے غبارے کو حرکت دینے اور آگے بڑھانے کے لئے جو عظیم طاقت درکار ہوگی وہ چند کیمیاوی اجزاء سے حاصل کی جائے گی، کسی کو معلوم نہیں ہے کہ وہ کیا چیزیں ہیں اور پروفیسر ٹکاف ابھی اس راز کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے، لیکن دنیا اپنی خیال آرائیوں سے باز نہیں آتی، کوئی کہتا ہے کہ ممکن ہے یہ سیال آکسیجن اور پٹرول کا کوئی مرکب ہو، کسی کا خیال ہے کہ یعنی "ٹرینائٹن کمپاؤنڈ" یا اس طرح کی کوئی چیز ہوگی۔ بعض سائنس داں یہ قیاس کر رہے ہیں کہ "ذرات" میں طاقت کا جو سب سے بڑا قدرتی خزانہ موجود ہے اسی کو استعمال کیا جائے گا۔

پلینیٹر کی ساخت

پلینیٹر کا اندرونی حصہ تین کوٹھریوں پر منقسم ہے، بیچ والی کوٹھری زیادہ وسیع ہے۔ جو پائلٹ کے لئے بنائی گئی ہے اس میں ایک "سوئچ بورڈ" پر متعدد اقسام کے برقی بٹن اور آلات لگے ہوئے ہیں۔ ادھر ادھر کی دونوں کوٹھریاں راکٹ کو حرکت دینے اور چلانے والے سامان و آلات سے بھری ہوئی ہیں پائلٹ جب "سوئچ بورڈ" کا ایک بٹن دباتا ہے تو پلینیٹر کے دونوں سروں پر دو بہت بڑے تھیلے باہر کی طرف نکل آتے ہیں۔ ان تھیلوں میں ایک خاص دباؤ کے اندر "ہیلیم گیس" بھرا ہوا ہے، روانگی کے وقت انھیں کے سہارے پر یہ مشین غبارے کی طرح زمین سے اوپر کو اٹھے گی، فوٹو گرافی کے کیمروں اور برقی بٹنوں کی ایک کافی تعداد ہر تیس سیکنڈ کے بعد خود بخود اپنے پورے ماحول اور فضائی حالات و حرارت کا ریکارڈ بنائے گی۔

پلینیٹر کا پورا جسم تین مضبوط غلافوں کے اندر رکھا گیا ہے جو خطرناک اور فوری بیرونی تبدیلیوں کے اثر کو اندرونی حصہ تک آنے سے روکیں گے، اگر باہر کی فضا کا ٹمپریچر دو ہزار ڈگری (سنٹی گریڈ) ہوگا جب بھی اندر کا ٹمپریچر فی ہزار ایک ڈگری سے زیادہ نہ بڑھے گا۔ اسی طرح باہر کی زیادہ سے زیادہ سردی بھی اندر تک اپنا اثر نہ پہونچا سکے گی۔ دباؤ اور برقی لہروں کے سلسلہ میں بھی یہ حال ہوگا۔

پائلٹ کی کوٹھری میں جو دُوربین اور دوسرے آلات نظر و مشاہدہ ہیں وہ بھی خاص طور پر تیار کئے گئے ہیں۔ اور ان تینوں غلافوں کے ساتھ اس طرح جڑ دئیے گئے ہیں کہ ان کے شیشے باہر کے مناظر کو اندر تک پہونچا دیں گے پائلٹ کا ذاتی سر و سامان مندرجہ ذیل چیزوں پر مشتمل ہے گیس ماسک، خود، سر سے پاؤں تک چھپا دینے والا اوور کوٹ، منجمد آکسیجن کے پیپے، کاربن ڈائکسائڈ، ہیلیم گیس، اور کھانے کے لئے "وائٹا فو" کی ٹکیاں، یہ "وائٹا فو" کی ٹکیاں خاص طور پر تیار کی گئی ہیں، اگر

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

صرف اس کی ایک ٹکیہ کھالی جائے گی تو پورے بارہ گھنٹوں تک ایک تندرست اور مستعمل آدمی کو اس سے حرارت، طاقت اور دماغی قوت حاصل ہوتی رہے گی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مختلف وٹامنز (حیاتین) غدود کے جوہر اور ہارمون کا مرکب ہے۔ جو مناسب طریقہ پر ملا دیئے ہے۔

اس سامان سفر میں سب سے زیادہ اہم ایک چیز ہے اور وہ الٹرا شارٹ لہروں والا ریڈیو کا آلہ ہے جو خبریں لینے اور خبریں بھیجنے کا کام کرے گا۔ یہ ریڈیو سیٹ پروفیسر موصوف کو ڈاکٹر کیتو کی لڑکی مس آئیزا کیو نے تحفہ کے طور پر دیا ہے اب یہ بھی سن لیجئے کہ ڈاکٹر کیتو کون ہیں؟ مشہور مصنف مسٹر ایچ. جی. ویلز کے ناول "چاند پر پہلا آدمی" کے ایک خیالی ہیرو ہیں۔ جنھوں نے ایک ایسا مادہ ایجاد کیا ہے جو کشش ثقل (GRAVITATION) کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ مسٹر ویلز نے ڈاکٹر کیتو کو ان کے ایک دوست مسٹر بیڈفورڈ کے ساتھ چاند کا سفر کرایا ہے۔ اول الذکر وہیں رہ گئے ہیں اور مسٹر بیڈفورڈ وہاں کا حال بیان کرنے کے لئے زمین پر واپس آگئے ہیں۔ بہرحال یہ جملہ معترضہ تھا۔ پلینیئر کا یہ ریڈیو سیٹ ہی وہ چیز ہوگا جو ڈاکٹر ونکاف کا تعلق ہماری دنیا سے قائم رکھے گا،

یہی اور اس سے زیادہ کچھ حالات میں نے اخبار "ٹائمز" (پیپر مسنفیل) میں دیکھے، مزید تفصیلات اس امر سے متعلق ہیں کہ خود ڈاکٹر ونکاف کا اور کون کس چیز کا ہوگا اور اس کی تیاری میں کن کن باتوں کا خیال رکھا گیا ہے اب اس سے آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، باقی جو کچھ ہوگا وہ تجربہ اور مشاہدہ سے ظاہر ہوگا۔ پروفیسر ونکاف بالکل تن تنہا اپنے ایجاد کردہ اور خود ساختہ پلینیئر میں بیٹھ کر زمین سے چاند کی طرف جائیں گے ان کو خود نہیں معلوم کہ ان کا حشر کیا ہوگا؟ کاش ان کو معلوم ہوتا کہ ان کی کوششوں، ان کے ارادوں، ان کی امنگوں کی آخری منزل کیا ہے؟ اس خیال سے میرے جسم میں لرزہ آجاتا ہے۔ سفر کی ابتدا کا خیال مجھ میں خوشی کی لہریں دوڑا رہا تھا مگر انتہا کا خیال مجھ پر دہشت اور خوف طاری کر رہا ہے! دل میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ چاند کی طرف اس سفر کا نتیجہ کیا ہوگا؟ کیا واقعی چاند فتح کر لیا جائے گا۔ اور سرزمین والوں کا جھنڈا لہرانے لگے گا؟ کیا یہ ممکن ہوگا کہ اس سفر سے نئی نئی دنیاؤں کے متعلق حیرت انگیز معلومات کا دروازہ ہم پر کھل جائے، کیا پروفیسر ونکاف چاند سے واپس آکر زمین والوں کو "چاند والوں" کے متعلق کچھ اطلاع دے سکیں گے؟ کیا اسکے بعد زمین سے چاند تک کوئی ہوائی سروس قائم ہو جائیگی؟ اور چاند کے "باشندے" زمین پر اور زمین کے باشندے چاند پر آنے جانے لگیں گے؟ تجربہ یہ کہتا ہے کہ یہ سب کچھ ابھی قیاس آرائیوں کی منزل سے آگے نہیں بڑھا ہے سائنس تحقیقات میں مصروف ہے سائنس نئے نئے سامان اور ذرائع پیدا کر رہا ہے جو چیز کل ناممکن نظر آتی تھی آج بالکل ممکن اور آسان ہو گئی ہے اس سوال کا جواب مستقبل کے ہاتھ میں ہے کہ چاند تک اس ہوائی سفر کا نتیجہ کیا ہوگا۔ مگر پہلے تو یہی سوال درپیش ہے کہ پروفیسر ونکاف سرزمین پر واپس آئیں گے یا نہیں؟

"پریم راج"

(خاص تیج دیکلی کے لئے)

(از جناب نند کشور مشتاقی محمود آبادی)

جب پریمی پریتم پریتم پکار رہا۔ پریتم نے سن کر کہا وقتی جذبات ہوں گے اور پریتم پردیس کو چلے گئے مگر میرے جذبات وقتی نہ تھے، مجھے دل کی دنیا میں ان کی ملازمی ہو گئی، تمام تو ہوئے ذہنی جسمانی سے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ نفس نے بغاوت کی تو خود فراموشی کی قوت نے اسے دبا دیا۔ پریم راج میں کیا شک ہے؟ من جانے یا نیناں جانیں، میرا من جل رہا تھا اور نیناں ابل رہے تھے اپنا و دنیا کا سمجھنا تھا مگر میں تو کہیں اور ہی تھا۔ ان حالات کی مجھے کیا خبر تھی؟ ہاں میں وہیں تھا جہاں پریتم کی روح تھی، وہ پریتم کا تن تو مجھ سے بہت دور تھا۔ جدائی اور ملاپ میں مجھے کچھ بھی امتیاز نہ تھا۔ میں دریا پہاڑ جنگلوں اور آبادیوں میں تن تنہا سرگرداں رہا۔ لیکن گویا یہ مجھ سے لئے ایک پل بھر کا بھی وقفہ نہ تھا۔ آخر پریتم آگئے۔ میرا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ پریتم مجھے پکارتے اور ڈھونڈتے رہے، واہ! اور میں کب سے ان کی تلاش میں تھا۔ ہم کب ملے یہ کون جانے؟

لیکچر دینے کے دس اصول

فرانس کے ایک مشہور ماہر لیکچرار نے ذیل کے دس اصول فن تقریر کے بتائے ہیں:-

(۱) ہمیشہ نرم و آہستہ آواز سے بولنا شروع کرو، اور رفتہ رفتہ آواز کو بلند کرو۔

(۲) ہر لفظ کو زبان اور لب کی پوری حرکت سے صاف صاف ادا کرو۔

(۳) ہر لفظ دوسرے لفظ سے علیحدہ ادا کرو تاکہ ایک دوسرے میں مل نہ جائیں:

(۴) ٹھہر ٹھہر کر، گہری سانس لے کر تقریر کرو اور ایسا کبھی نہ ہو کہ تم کچھ بول رہے ہو اور تمہارے دانت بند ہوں،

(۵) اپنے سامنے سامعین کی طرف دیکھتے رہو اور اگر کوئی تحریر پڑھ رہے ہو تو کوشش کرو کہ آواز کی سر جوڑ کا رخ سامعین کی طرف سے نہ ہٹے؛

(۶) جب لیکچر دو تو پوری طرح تن کر کھڑے ہونے کی کوشش نہ کرو۔

(۷) تقریر کے وقت کبھی تنگ و چست کپڑے استعمال نہ کرو

(۸) کھانا کھانے کے بعد تقریر کرنے سے احتراز کرو

(۹) میٹھی چیزیں زیادہ استعمال کرو،

(۱۰) اور اگر ان تمام احتیاطوں کے باوجود بھی آواز کام نہیں دیتی تو کسی طبیب سے مشورہ کرو؛

تیج ویکلی دہلی

۲۰ ——— جولائی ۱۹۳۷ء

کانگریسی وزارتوں کا قیام

دوسرے صوبوں پر اس کا کیا اثر ہوگا؟

واردھا میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے فیصلہ کے بعد جن چھ صوبوں میں کانگریس پارٹی کو اسمبلی میں اکثریت حاصل ہے وہاں کانگریسی وزارتیں قائم ہو رہی ہیں۔ بعض صوبوں میں تو وزارتوں کی ترتیب مکمل ہو چکی ہے اور وزراء کے نام بھی شائع ہو چکے ہیں اور بعض میں غالباً اس پرچہ کی اشاعت تک یا آئندہ چند دنوں کے اندر قیام وزارت کا کام مکمل ہو جائے گا۔ یعنی ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے چھ صوبے براہِ راست کانگریسی حکومت کے ماتحت ہو جائیں گے۔

ہم تیج ویکلی کی گذشتہ اشاعت میں لکھ چکے ہیں کہ عہدہ قبول کر لینے کے بعد کانگریس ایک نئے میدانِ عمل میں داخل ہو گئی ہے۔ اور دنیا کی نگاہوں میں اس کے امتحان کا وقت آ گیا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ کانگریسی وزارتیں اپنے اپنے صوبوں میں کانگریس کے انتخابی مینی فسٹو پر عمل کرنے کی کوشش کریں گی۔ اس سلسلہ میں کانگریس سے لوگوں نے دو توقعات باندھ رکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کانگریسی وزارتیں اپنے عمل سے اپنے حلقہ انتخاب کو مطمئن کر دیں گی اور ان ووٹروں کو حتی الامکان فائدہ پہنچائیں گی جنہوں نے ان کو اکثریت کی طاقت عطا کی ہے۔ دوسرے یہ کہ جہاں تک ممکن ہوگا وہ اپنے پروگرام پر اس طرح عمل کریں گی کہ برطانوی حکومت کے نمائندوں کے ساتھ پھر کوئی فوری جمود نہ پیدا ہو جائے اور یہ وزارتیں معطل نہ ہو جائیں۔ بہر صورت یہی وہ مشکل اور دشوار گذار راستہ ہے جس پر کانگریسی وزارتوں کو چلنا ہے اور اسی موقع پر ان کو اپنی ساری دانشمندی اور دور اندیشی کو کام میں لانا ہے۔

لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو کانگریسی وزارتوں کی ذمہ داریاں یہیں پر ختم نہیں ہو جاتیں۔ ان دو ذمہ داریوں کے علاوہ ایک تیسری اور عام ذمہ داری بھی ہے جو سارے ہندوستان کی طرف سے ان پر عائد ہوتی ہے اور غالباً یہی وہ آل انڈیا ذمہ داری ہے جو کانگریس کو اپنے آخری مقصد یعنی اس گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو منسوخ کرا کے ایک آئینی اسمبلی کے ذریعہ کوئی نیا آئین مرتب کرنے کی منزل تک پہنچائیگی۔ خیال رکھنا چاہئے کہ چھ صوبوں میں کانگریسی وزارت کے قیام نے ہندوستان کی عام فضا کو بالکل بدل دیا ہے۔ وہ جماعت جس کا وجود کل حکومت کی نگاہوں میں مجرمانہ تھا آج خود برسرِ اقتدار ہے اور حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھوں میں آ گئی ہے۔ ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس کا اثر ان باقی پانچ صوبوں پر نہ پڑے جہاں کانگریس کو اکثریت حاصل نہیں ہوئی ہے؟ ہندوستان کے مختلف صوبے اس طرح سے بند کئے ہوئے ڈبے نہیں ہیں کہ ایک کی ہوا دوسرے تک نہ پہنچ سکے۔

اس نقطۂ نگاہ سے اگر ان پانچ صوبوں پر نظر ڈالی جائے جن کو ہم کانگریس کی اقلیت (مائنارٹی) والے صوبے کہتے ہیں تو معلوم ہو جائے گا کہ واردھا کے فیصلہ نے ان کی صورتِ حال میں بھی اگر ظاہر نہیں تو معنوی تبدیلی کر دی ہے اور موجودہ وزارتوں کے دوامِ ہستی کے متعلق ایک اندیشہ پیدا کر دیا ہے اور اب اس امکان کے بارے میں کھلی خیال آرائیاں ہو رہی ہیں کہ کانگریس پارٹی اپنی کسی ہمخیال اور ہمنوا پارٹی کی امداد سے ان وزارتوں کی زندگی کا جس وقت چاہے خاتمہ کر سکتی ہے۔ ایک ایک صوبہ کی حالت کو دیکھئے۔ صوبہ سرحد میں تو یہ حقیقت بہت دنوں سے مسلّمہ ہے کیونکہ وہاں کانگریس پارٹی اپنے چند ہمخیال معاونوں کے ساتھ اب بھی اکثریت کی دعویدار ہے۔ صوبہ بنگال کی پوزیشن بھی اگرچہ کسی قدر پیچیدہ ہے مگر بہت مختلف نہیں ہے۔ خود پرجا پارٹی جس سے مسٹر فضل الحق کو تعلق ہے موجودہ وزارت سے خوش نہیں ہے کیونکہ اس وزارت نے سیاسی قیدیوں کی رہائی اور دوسری تجویزوں کے سلسلہ میں اس کے مطالبات کو ٹھکرا دیا ہے۔ بنگال کی موجودہ وزارت کی ممکن تبدیلی کے مسئلہ پر معاصر اسٹیٹسمین نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:-

"بنگال کے کانگریسی حلقوں میں یہ بات محسوس کی جا رہی ہے کہ واردھا کے فیصلہ کا ایک فطری نتیجہ یہ ہوگا کہ اقلیت کے صوبوں میں کانگریس پارٹی ان جماعتوں کو جو اس کے پروگرام سے متفق ہوں گی اپنے میں شامل کر کے اکثریت حاصل کر لے گی۔" یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے کہ کانگریس مرکزی اس کی اجازت دے گا یا نہیں۔ ہم آگے چل کر اس اصولی مسئلہ پر بحث کریں گے۔ مگر صرف اس امکان نے کہ کانگریس پارٹی اگر چاہے تو ایسا کر سکتی ہے موجودہ وزارت کی بنیاد کو ہلا دیا ہے۔ آسام کا صوبہ بھی اس سلسلہ میں بہ آسانی بنگال کی تقلید کر سکتا ہے۔ باقی صرف دو صوبے رہ جاتے ہیں جہاں موجودہ غیر کانگریسی وزارتیں اپنی پانچسالہ زندگی پوری کر سکتی ہیں اور وہ پنجاب اور سندھ ہے۔ لیکن یہاں بھی یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان کے باقی نو صوبوں میں تو مفید اصلاحات اور عوام کی بہبودی و ترقی کا دور دورہ ہو اور دو صوبوں میں صرف رجعت پسندی ہی کا سکہ جاری رہے۔ پبلک کی حالت تمام ایک ہی سی ہے۔ غریبوں، ناداروں، مفلسوں، بیکاروں، بیروزگاروں، کسانوں اور مزدوروں کو کہاں اپنی فلاح و بہبود کی ضرورت نہیں؟ یقین کیجئے کہ نو صوبوں کی حالت کا پنجاب اور سندھ پر بھی بہت بڑا اثر پڑے گا۔ اور ان سے یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ دوسرے صوبوں میں کانگریس حتی الامکان لوگوں کو فائدہ پہنچانے، عوام کو تقریر و تحریر کی آزادی دینے، بیروزگاروں کی بے روزگاری دور کرنے، کسانوں کے ٹیکس کا بار ہلکا کرنے اور اس طرح کے دوسرے مفید کاموں میں سرگرم ہے۔ اور ان کے صوبوں کے چاروں طرف اصلاح و ترقی کے خلاف سنگین دیواریں کھڑی کر دی گئی ہیں۔ ان لوگوں میں بے چینی اور اضطراب پھیل جائے گا۔ ان کے دلوں میں تڑپ پیدا ہوگی۔ اور اگر ان کے صوبوں کی وزارتیں اپنی رجعت پسندی پر ڈٹی رہیں تو نئے انتخابات میں ان کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اپنی پانچسالہ میعادِ زندگی کے اندر بھی ان وزارتوں کو کانگریسی دباؤ کے باعث جھکنا پڑے گا۔ اور اپنی لاج رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ ایسا ہی کام کر کے دکھلانا ہوگا جو کانگریس کے پروگرام سے ملتا جلتا ہو۔ اگر ان پر اتنا بھی اثر ہوگا تو اس کو بھی ہم کانگریس ہی کی کامیابی سمجھیں گے۔ اور غالباً یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ دن دور نہیں جب کہ کم از کم صوبجاتی حکومتوں ہی پر سارے ہندوستان میں کانگریس کا جھنڈا لہراتا ہوا نظر آئے گا۔

اب واردھا کے فیصلہ کے پیشِ نظر صرف ایک اصولی مسئلہ ہمارے سامنے آتا ہے جس کا امکان اوپر ظاہر کیا جا چکا ہے۔ یعنی آیا کانگریس کی اقلیت والے صوبہ میں اتحادی وزارتیں (COALITION MINISTRIES) قائم ہونا ممکن ہے یا نہیں؟ راشٹرپتی پنڈت جواہر لال نہرو نے فرمایا ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ واردھا کے فیصلہ کا کوئی جزو نہیں ہے اس لئے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کانگریس کے سابق صدر بابو راجندر پرشاد نے اس بات کو دوسرے پہلو سے کہا ہے۔ یعنی یہ کہ کانگریس پارٹیاں دوسری جماعتوں سے اتحادِ عمل تو کر سکتی ہیں لیکن ان کے ساتھ مل کر عہدے قبول نہیں کر سکتیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ نقطہ ایسا نہیں ہے جسے اسی جگہ پر چھوڑ دیا جائے۔ آگے چل کر بہت سی نئی نئی صورتیں پیدا ہوں گی اور غالباً کانگریس ورکنگ کمیٹی کو اس مسئلہ پر بھی غور کرنا پڑے گا۔ ہم اس کے فیصلہ کے متعلق کوئی پیش بندی کرنا نہیں چاہتے مگر بعض حقیقتیں ایسی سامنے آ رہی ہیں جن سے چشم پوشی بھی نہیں کی جا سکتی۔ ہمیں ان حقیقتوں کا مقابلہ کرنا ہی پڑے گا۔

موجودہ فیصلہ میں قبولِ وزارت کی صرف دو شرطیں قائم کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کانگریس پارٹی اپنے تعمیری پروگرام پر عمل کر کے جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور دوسری یہ کہ جدید آئین کی مخالفت کرے۔ دونوں صورتیں ایسی ہیں جن سے بعض دوسری پارٹیاں بھی متفق ہو سکتی ہیں اور ہیں۔ اسمبلی کے جو ممبران کانگریس کے ٹکٹ پر منتخب نہیں ہوئے ہیں لیکن کانگریس کے پروگرام کا پورے طور پر ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں۔ ان کو کانگریس پارٹی میں شامل کر لینا خلافِ مصلحت نہیں معلوم ہوتا۔ اس سے دو فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ایک تو رجعت پسندی کا خاتمہ ہو جائے گا اور معنوی اعتبار سے باقی صوبوں میں بھی کانگریسی وزارتیں قائم ہو جائیں گی۔ اور دوسرے یہی ممبر آئندہ انتخاب میں پورے کانگریسی بن کر کانگریس پارٹی کے ٹکٹ پر امیدوار ہو جائیں گے۔ چند صوبوں میں یہ صورتِ حال بہت جلد پیش آنے والی ہے۔ کیا اس سے فائدہ اٹھانا کانگریس کے مقصد کے لئے خلافِ مصلحت ہوگا؟

آئینۂ [illegible]

پنجاب میں فرقہ پرستی کا مسئلہ

ابھی صرف چند دنوں کی بات ہے کہ پنجاب کے چیف منسٹر نے ہندو، مسلم اور سکھ جماعتوں کے ۱۳ نمائندوں اور موجودہ حکومت کے چھ وزیروں پر مشتمل ایک کمیٹی اس غرض سے بنائی ہے کہ پنجاب میں فرقہ پرستی کا انسداد کیا جائے۔ اس خاص کانفرنس کی افتتاحی تقریر میں چیف منسٹر نے کہا تھا:-

"حکومت کی طرف سے میں اپنی کیبنٹ کے رفقاء کار کے مکمل اتفاق رائے کے ساتھ اس کے لئے تیار ہوں کہ ملازموں اور غیر ملازموں کو خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں یہ محسوس کرا دوں کہ جو شخص فرقہ وارانہ شر و فساد پیدا کرے وہ پنجاب کا دشمن ہے اور اس لئے صوبہ کی اس حکومت کا دشمن ہے جو عوام کی خواہش سے وجود میں آئی ہے۔ ہم ایسے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں گے۔"

اس بلند آہنگ بیان کو ایک طرف رکھئے اور دوسری طرف مولانا ظفر علی خاں کی ایک نظم کے مندرجہ ذیل چند اشعار ملاحظہ فرمایئے جو اخبار "زمیندار" مطبوعہ ۱۳ جولائی میں شائع ہوئے ہیں:-

مسلماں پہلے وقت آئے ہیں بُتوں کے توڑنے والے — سنا دو [illegible] اپنا قصہ گاندھی جی کے چیلوں کو
[illegible] — [illegible] دکھاتی آئی ہے دنیا ان کے میلوں کو
[illegible] گنگا کے [illegible] کا — اگر تم دیکھ لو [illegible] کو
[illegible] لیکن — [illegible] کی طرح [illegible] کو

یہ صرف چند اشعار ہیں۔ پوری نظم اسی طرح کے اشعار سے بھری ہوئی ہے جن میں ہندوؤں پر حملے کئے گئے ہیں اور ان کے جذبات کو زخمی کرنے والے خیالات موجود ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ پنجاب کی موجودہ وزارت اُردو ادب سے اس قدر ناواقف ہے کہ ان اشعار کے زہریلے اثرات کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ کیا چیف منسٹر کے مندرجہ بالا بیان کے پیشِ نظر وزارت پنجاب سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اس طرح کے فرقہ وارانہ جذبات پیدا کرنے والے کو بقول خود "پنجاب کا دشمن" سمجھے اور اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے جس کا دعوے چیف منسٹر نے کیا ہے؟ اسی کے جواب سے معلوم ہو جائے گا کہ فرقہ پرستی کے مسئلہ کو حل کرنے میں وہ کہاں تک مخلصانہ ارادہ رکھتی ہے۔

قومی تہوار

تیج ڈیلی نے جب تہواروں کے موقع پر آرٹیکل لکھے ہیں تو اکثر اس امر کی طرف ملک کی توجہ دلائی گئی ہے کہ ہندوستان کو ایک ایسے قومی تہوار کی ضرورت ہے جس کو ہر ایک مذہب و ملت تمام فرقے اور تمام مذہبوں کے پیرو خوش ہو کر منا سکیں۔ دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی مختلف مذاہب کے ماننے والے موجود ہیں۔ مگر ہندوستان کے سوا ایسا کوئی ملک نہیں جہاں کوئی مشترکہ قومی تہوار نہ منایا جاتا ہو۔ پنجاب کی یونینسٹ پارٹی کے لیڈروں نے ہماری تجویز کی تائید میں ایک آواز اٹھائی ہے [illegible] پیش کیا ہے کہ پنجاب میں فرقہ وارانہ اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرنے کے لئے بسنت پنچمی کو جو ہندوستان میں موسم بہار کی آمد کا تہوار ہے قومی تہوار کی صورت میں منایا جائے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ دوسرے صوبوں میں اس تہوار کے منانے کی کیا صورت ہونی چاہئے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ اس کو صوبائی رنگ دینے سے بہتر یہ ہے کہ بسنت پنچمی کو آل انڈیا قومی تہوار بنا دیا جائے۔ اور کانگریس بھی اس پر اپنی مہر رضامندی ثبت کر دے۔

ایک گورنر کا ناروا طرز عمل

اس سے قبل کہ یو۔پی۔ میں کانگریسی وزارت قائم ہو صوبہ کے گورنر نے یو۔پی کونسل میں چھ ممبر نامزد کر دیئے ہیں۔ [illegible] اخلاق کی رو سے مناسب یہ تھا کہ گورنر اپنے خصوصی اختیارات کو استعمال کرنے سے پہلے اس نئی وزارت کی ترتیب کا انتظار کرتے اور کانگریسی وزراء کے مشورے سے ان چھ ممبروں کو نامزد کرتے۔ ایک طرف کانگریس ورکنگ کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ کانگریس وزارتیں قبول کرے اور دوسری طرف گورنر یو۔پی نے جھٹ پٹ ایک ایسی کارروائی کر دی جسے موقع کی مناسبت کے اعتبار سے ناروا اور قابل اعتراض عجلت سے تعبیر کرنا صحیح ہوگا۔ ان نامزدگیوں کے سلسلہ میں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان ناموں میں کئی ایسے ہیں کہ جو کانگریسی ممبر نہیں ہیں اور ایک دو ایسے [illegible] ہیں جن کو عام انتخابات میں زبردست شکستیں ہوئی ہیں۔ کیا یہ [illegible] خود اس بات کی دلیل نہیں ہیں کہ ان لوگوں کو [illegible] نہیں ہے۔

زنانہ کانفرنس کی رپورٹ

آل انڈیا [illegible] کانفرنس کا گیارھواں سالانہ اجلاس تقریباً [illegible] ہوا تھا [illegible] اب اس کی مکمل رپورٹ [illegible] شائع ہوئی ہے [illegible] یہ معلوم ہوتا ہے کہ زنانہ تحریک نے [illegible] ترقی کی ہے۔ یہ کانفرنس کل دس [illegible] عورتوں کے تمام مطالبات اور توقعات کا مرکز [illegible] کی زنانہ تحریک [illegible] بڑی خوبی یہ ہے [illegible] سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں ہے اور [illegible] مطالبہ کیا ہے وہ ہندوستان کے ہر طبقہ اور [illegible] مشترک ہیں۔ ہندوستان کی فرقہ وارانہ [illegible] کانفرنس کے طرز عمل سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ رپورٹ [illegible] دو سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا مطالعہ نہ صرف ہندوستانی عورتوں کے لئے بلکہ مردوں کے لئے اور حکومت کے لئے بھی مفید ہوگا۔ اب جب کہ کانگریس کم از کم چھ صوبوں میں برسر اقتدار ہے اسکو عورت کے حقوق کی طرف جلد توجہ کرنی چاہئے۔

مولانا آزاد اور مسٹر آصف علی کی اپیلیں

پچھلے ہفتے تیج ڈیلی کے صفحہ ۹ پر ہم نے مسلمانان [illegible] کے نام مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک اہم اور روح افزا پیغام شائع کیا تھا [illegible] مولانا موصوف نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کو کانگریس میں [illegible] شریک ہونا چاہئے کہ [illegible] مشورہ تھا [illegible] کانگریس [illegible] ہوگئی ہے۔ مسلمانوں کو اس [illegible] فیصلہ کرنا ہے جس کی بنیاد خود [illegible] کے یقین [illegible] مسلمانوں کی [illegible] مسٹر آصف علی نے [illegible] پولیٹیکل کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے [illegible] جس میں انہوں نے یہ کہا [illegible] کانگریس [illegible] کہتے ہیں اور قومی عزت آزادی اور قومی فلاح و بہبود کے [illegible] وابستہ ہو [illegible] ہندوستانی مسلمانوں [illegible] یہ مشورہ دینا [illegible] بھائیوں کو [illegible] چھوڑ دیں [illegible] اپنے مقاصد کے لئے ان کو استعمال کریں۔ [illegible] مسلمانان ہند [illegible] ان حضرات کی مخلصانہ اپیلوں پر غور کریں گے اور جلد از جلد کانگریس میں شامل ہو جائیں گے۔

اعتراف شکست

جب سے کانگریس نے مسلم عوام تک پیغام آزادی پہنچانے کا فیصلہ کیا ہے بعض فرقہ پرست لیڈر اپنی لیڈری کو آخری سانس لیتے ہوئے دیکھ کر ایک خاص قسم کی بوکھلاہٹ میں مبتلا ہو گئے ہیں اور جب کوئی حربہ ان کے ہاتھ میں باقی نہیں رہا تو [illegible] برا بھلا کہنے اور خانہ جنگی کا اعلان کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس کا [illegible] ثبوت مولانا شوکت علی کا وہ اعلان ہے جو انہوں نے جھانسی کے ضمنی انتخاب کے سلسلہ میں شائع کیا ہے۔ اس کے بعض فقرے یہ ہیں:-

"پنڈت جواہر لال نہرو ہر ایک کو جنگ کا الٹی میٹم دے رہے ہیں [illegible] وہ نہ صرف والیان ریاست سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتے ہیں اور زمینداروں کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ سوداگروں کے خون پسینہ کا کمایا ہوا روپیہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ اور خواہش رکھتے ہیں کہ [illegible] مسلمان بھی ان کے کیمپ میں شریک ہو جائیں۔ [illegible] نتیجہ ہندوستان میں خانہ جنگی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔"

اسی طرح [illegible] مزید اور مضحکہ انگیز فقرے اس اعلان میں [illegible] کے بعد جب پنڈت جواہر لال نہرو کانگریسی امیدوار [illegible] کی تائید میں ضلع جھانسی کا دورہ کر رہے تھے تو ان کی موٹر کار پر کچھ لوگوں نے پتھر برسائے۔ غالباً ان غلط اندیشوں نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ اس شرمناک حملے سے پنڈت جی کے آہنی ارادے میں کوئی کمی آ جائے گی مگر حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص یا جماعت معقولیت چھوڑ کر ہاتھا پائی پر اتر آتی ہے تو وہ اس صورت میں اپنی شکست کا اعتراف کرتی ہے۔

ہالی ووڈ کے فلموں میں ہندوستان کی توہین

برلن (جرمنی) میں جب انٹرنیشنل فلم کانگریس کا پہلا اجلاس ۱۹۳۵ء میں منعقد ہوا تھا تو اس میں ایک ریزولیوشن اس مضمون کا پاس کیا گیا تھا کہ کسی قوم کے خلاف فلمیں نہ تیار کی جائیں۔ اسکا کوئی اثر ہالی ووڈ کے فلمسازوں پر نہیں ہوا اور اس کے بعد "انڈیا اسپیکس"، "کرڈ ملینس"، "بنگالی"، "لانسر"، "ٹائیگر آف انڈیا"، "چارج آف دی لائٹ بریگیڈ" وغیرہ جیسی فلمیں تیار کی گئیں۔ ان میں اکثر فلمیں ایسی ہیں جو ہندوستان کے تمدن اور ہندوستانیوں کی زندگی کو برے اور مذموم پہلوؤں سے پیش کرتی ہیں۔ اب انٹرنیشنل فلم کانگریس کا تیسرا سالانہ اجلاس ہو رہا ہے۔ اور اس میں "موشن پکچر سوسائٹی آف انڈیا" کے صدر [illegible] نے سوسائٹی کی طرف سے پیغام بھیجتے ہوئے اس صورت حالات کے خلاف [illegible] کیا ہے۔ یہ باتیں ہندوستان میں بہت دنوں سے سامنے آ رہی ہیں لیکن اب تک ہالی ووڈ کی ان شرمناک حرکتوں کے انسداد کی کوئی عملی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ ہالی ووڈ کے فلمساز اپنے فلموں کے ذریعہ ہندوستان سے بہت سا روپیہ بٹورتے ہیں ان کو سبق دینے کی دو صورتیں ہیں ایک تو ہالی ووڈ کے فلموں کا بائیکاٹ کر دے اور دوسرے حکومت ان فلمسازوں کے تمام فلموں کی درآمد پر سخت پابندی عائد کر دے۔

ترنگے اور سرخ جھنڈوں کا قضیہ

خالص مزدوروں یا کسانوں کے جلسوں کے علاوہ کچھ دنوں سے یہ دیکھا جا رہا ہے کہ سرخ جھنڈے اکثر کانگریس کے جلسوں اور جلوسوں میں بھی ترنگے قومی جھنڈے کے ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں بعض موقعوں پر یہ بھی ہوا ہے کہ یہ طرز عمل بد مزگی اور ناخوشگوار واقعات کا سبب بن گیا ہے۔ راشٹرپتی نے بہت اچھا کیا کہ اس قضیہ کا فیصلہ کر دیا اور یہ بتلا دیا کہ کون سا جھنڈا کس جماعت کا ہے اور اس کو کس وقت استعمال کیا جانا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرخ جھنڈا صرف مزدوروں کا جھنڈا ہے کسانوں کا جھنڈا نہیں ہے اور ہندوستان کے کسانوں نے تو صرف چند ہی روز ہوئے کسی جھنڈے کی [illegible] ہے۔ پنڈت جی فرماتے ہیں "کسانوں کو قومی جھنڈا استعمال کرنے کی ترغیب دی جانی چاہئے میں کسان انجمنوں سے بھی یہی کہونگا کہ وہ بھی قومی جھنڈا استعمال کریں۔ عوام کو چاہیئے کہ اسی جھنڈے کو ہندوستانی تحریک آزادی اور سیاسی و مجلسی ترقی کا ہمہ گیر نشان بنا دیں۔" ہم امید کرتے ہیں کہ پنڈت جی کے اس فیصلہ کے پیش نظر آئندہ غلط فہمیوں کا سدباب ہو جائے گا۔ ترنگا جھنڈا ہی ہندوستان کا عام اور مشترک قومی جھنڈا ہے۔

خالص دودھ کی سپلائی

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں دودھ کے دریا بہتے تھے لوگوں کو اور بالخصوص شہری باشندوں کو خالص دودھ نہ مل سکے۔ اور بچے اور ان کے بچے قدرت کی عطا کی ہوئی اس سب سے بڑی نعمت سے محروم رہیں جس طرح کا ناقص دودھ بڑے شہروں میں فروخت ہوتا ہے اور جن گندے طریقوں سے دودھ کی دوکانیں ہوتی ہیں اس کا بیان کرنا ہی بیکار ہے [illegible] اگر دودھ [illegible] کا تماشہ دیکھنا ہو تو دہلی ہی کی سڑکوں اور گلیوں میں پھر کر دودھ کے برتنوں پر مکھیوں کی بھرمار دیکھ لیجئے۔ [illegible] قانون اور میونسپل کمیٹی دونوں میں سے کوئی بھی شہریوں کی امداد پر تیار نظر نہیں آتا۔ ہمیں مسرت ہے کہ بمبئی کارپوریشن نے ایک کمیٹی بنائی ہے اور خود اپنی نگرانی میں شہریوں کو خالص دودھ مہیا کرنے کا انتظام کرنے والی ہے۔ کیا ہندوستان کی دوسری میونسپل کمیٹیاں اور دوسرے بڑے شہروں کے [illegible] اس مثال سے کوئی سبق نہیں لے سکتے؟ تندرست شہریوں کے علاوہ بیماروں اور بچوں کو خالص دودھ کی سپلائی سے جو فائدہ ہوگا غالباً اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔

بخشی کی بھوک ہڑتال

یہ خبر سارے ہندوستان میں مسرت و اطمینان کے ساتھ سنی گئی ہے کہ بابو راجندر پرشاد کی ترغیب سے شری ستیہ چندر ناتھ بخشی نے چالیس روز کے بعد اپنی بھوک ہڑتال ختم کر دی۔ شری بخشی کے اس ایثار و قربانی کا یہ اثر ہوا ہے کہ سیاسی قیدیوں کی رہائی کے مسئلہ نے اس وقت سب سے زیادہ اہمیت اختیار کر لی ہے اور لوگوں کے ضمیر بیدار ہو گئے ہیں۔ اگر شری بخشی اپنی بھوک ہڑتال کو جاری رکھتے تو اس کا نتیجہ افسوسناک ہوتا۔ اور ایک بیش قیمت جان جو ملک کی بہت بڑی خدمت کر سکتی ہے ضائع ہو جاتی ہمیں امید ہے کہ ان کا مقصد بہت جلد حاصل ہو جائیگا۔ اب سیاسی قیدیوں کی رہائی [illegible] ہو جائیگی کیونکہ کانگریس نے چھ صوبوں میں وزارتیں حاصل کر لی ہیں انکی رہائی بھی [illegible] نہیں ہے۔ شری بخشی نے بہت اچھا کیا کہ اپنے بزرگوں کی بات مان لی۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ ان کو جلد پوری صحت حاصل ہو جائے۔

خطۂ ہمالیہ اور ہندوستان

ہمالیہ کے سربفلک کوہستانی سلسلہ کا جو اثر قدیم زمانے سے ہندوستانی زندگی اور تمدن پر پڑا ہے اسکو فلسفیوں اور مورخوں نے تسلیم کر لیا ہے اور کوہ ہمالیہ کی نظر فریب رنگینیاں جتنی جاذبیت رکھتی ہیں اسکا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ ہر سال دنیا کے مختلف حصوں سے سیکڑوں سیاح ہمالیہ کی زیارت اور اس کے خوبصورت مناظر سے مستفید ہونے کیلئے آتے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک برطانوی سیاح مسٹر [illegible] ہندوستان آئے ہیں جب [illegible] کے نمائندہ نے ان کے آنے کا مقصد دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ "میں کوہستان ہمالیہ کے مختلف پھولوں اور سبزہ زاروں کا مطالعہ کرنے آیا ہوں۔ اور [illegible] کچھ اپنی صحت کی بہتری کا خیال بھی مجھے یہاں لایا ہے۔" [illegible] ہندوستانیوں کی ذہنیت کا مقابلہ کیجئے۔ جو ہر سال کسی نہ کسی بہانے سے یورپ کی سیر کو جاتے ہیں کبھی تو یہ سفر تبدیلی آب و ہوا کے نام سے ہوتا ہے اور کبھی مناظر قدرت کی سیر کے لئے۔ ہم سیر و سیاحت کی مخالفت نہیں کرتے اور نہ تعلیم و تجربہ کے خیال سے غیر ممالک جانے پر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں افسوس ان لوگوں پر ہے جو بے سبب یورپ میں مارے مارے پھرتے ہیں اور ہندوستان کا روپیہ وہاں کے ہوٹلوں میں ضائع کرتے ہیں۔ غالباً وہ اس حقیقت سے واقف نہیں کہ ہندوستان میں بھی یورپ سے بدرجہا بہتر سیر و افزائش صحت اور تبدیل آب و ہوا کے مقامات موجود ہیں۔ اور تمام دوسرے پہاڑی خطوں سے قطع نظر صرف ہمالیہ ہی کا خطہ ایک ایسی سرزمین ہے جہاں دنیا بھر کی دلچسپیاں موجود ہیں۔

اشارات

پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کی کارروائی یکسر تو یوں بھی دلچسپ ہوتی ہے لیکن وہ وقت سب سے زیادہ دلچسپ ہو جاتی ہے جب مخالف پارٹی کی طرف سے سوالات کی بوچھاڑ اس طرح ہوتی ہے جیسے ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی ہو۔ اور وزارت کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی ہے۔ کبھی اچھلتی ہے کبھی کودتی ہے۔ کبھی اٹھتی ہے کبھی بیٹھتی ہے۔ کبھی بغلیں جھانکتی ہے لیکن سوالات کا جواب بن نہیں پڑتا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس کے ارکان جو پنجاب اسمبلی میں داخل ہوئے ہیں۔ سب کے سب پکے نشانہ باز اور تیر انداز ہیں اور وہ جب تیر چلاتے ہیں تو اس طرح کہ کبھی ان کا نشانہ خطا نہیں کرتا۔ داغ نے کہا ہے کہ ؎

قیامت کی مری آہیں غضب کے میرے نالے ہیں
کلیجہ دیکھئے اُن کا جو اُس کے سننے والے ہیں

لیکن اگر ہم اس شعر میں ذرا سی ترمیم کر دیں تو مخالف پارٹی کے حملوں اور گورنمنٹ پارٹی کی حالت کا خاصہ نقشہ ہو جائیگا ؎

قیامت کے ہیں تیر اور غضب کے بہت بھالے ہیں
کلیجہ دیکھئے اُن کا جو اس کے سہنے والے ہیں

آپ نے سُنا ہوگا کہ ہر بڑے شاعر کے کلام میں سے لوگ بہترین موثر اشعار چُن لیتے ہیں اور ان کو نشتر کہتے ہیں چنانچہ میر تقی میر کے بہتر نشتر موجود ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ پنجاب اسمبلی کی کانگریس پارٹی میں کوئی شاعر موجود ہے یا نہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ یاران طریقت نے تیر و نشتر بنانے کے لئے ایوان اسمبلی میں ایک صنعتی کارخانہ کھول رکھا ہے

اس تیر و نشتر فیکٹری کے چند تیر بطور نمونہ ملاحظہ ہوں! آپ ڈریئے نہیں یہ تیر آپ کے سینوں کے لئے نہیں ہیں بلکہ وزارت پنجاب کے دل و جگر کے لئے ہیں۔

پہلا تیر:- کیا یہ حقیقت ہے کہ آج تک گورنر نے کیبنٹ کے اجلاس میں صدارت کی ہے؟

دوسرا تیر:- کیا یہ حقیقت ہے کہ گورنر نے اپنے احکام تحریر کرائے اور کیبنٹ نے انہیں احکام کو اپنے فیصلوں کی بنیاد بنایا۔

تیسرا تیر:- کیا یہ حقیقت ہے کہ گورنمنٹ کے سیکرٹری وزیروں کے سر سے گذر کر گورنر تک پہنچتے ہیں؟

چوتھا تیر:- کیا یہ حقیقت ہے کہ اہم معاملات کے بارے میں وزراء کو اطلاع دیئے بغیر گورنمنٹ کے سیکرٹری گورنر سے براہ راست احکام حاصل کر لیتے ہیں؟

یہ تو لیجیئے پہلی کر دینے والے سوالات ہیں۔ چیف منسٹر صاحب نے

(باقی اشارات چٹکلوں کے نیچے ملاحظہ فرمائیں)

لالہ زار

(تیج ویکلی کے خاص شاعر کے قلم سے)

آزادی کا فلسفہ

شراب فرقہ داری ان کے ساغر میں نہیں ہوتی
نہیں تم جانتے تہگاؤں کے ساقی کے چیلوں کو

صدائے حق نکلتی ہے جب اہلِ ہند کے منہ سے
تو فوراً منتشر کرتی ہے خود غرضوں کے میلوں کو

یہ کیا ہیں؟ سر بسر ایثار و قربانی کے پتلے ہیں!
زمانہ جانتا ہے نہروؤں کو اور پٹیلوں کو

اگر خود اعتمادی کا یقیں ہے آؤ میداں میں
نہ لاؤ بیچ میں تم فرقہ واری کے جھمیلوں کو

بہالے جائے گا حُبِّ وطن فرقہ پرستی کو
کوئی روکے گا کیا گنگ و جمن کے تیز ریلوں کو

فصیحوں میں نہیں یہ لفظ استعمال کے قابل
مُتیں باندھا کرو اشعار میں اپنے "گدیلوں" کو

چمن میں حُریت کے کیا جگہ ان تلخ پودوں کو
چڑھاؤ اپنے سر پر فتنہ و سازش کی بیلوں کو

تمہاری اقتصادی بہتری کی یہ بھی کوشش ہے
جو آزادی کا دیتے ہیں سبق ہندو رہیلوں کو

کوئی دم میں ہمارا قافلہ منزل پہ آ پہنچا
مگر تھامے رہو تم اپنے اونٹوں کی نکیلوں کو

ذرا دل پر رکھو ہاتھ اور ہمیں انصاف سے کہدو
بھرا ہے حُریت کی راہ میں کب تم نے جیلوں کو

ہمارا قول فیصل یہ ہے تم بھی اس کو سُن رکھو
کہ دیکھیں راہ آزادی میں آزادوں کے کھیلوں کو

(زمیندار مورخہ ۱۳ جولائی میں "محمد علی جناح کا فلسفہ" کے عنوان سے مولانا ظفر علی خاں کی ایک نظم شائع ہوئی ہے۔ تیج ویکلی کی موجودہ اشاعت کے ایک نوٹ میں اس کے چند اشعار کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ یہ نظم مولانا موصوف کی نظم کا جواب ہے۔ اور خود انہیں کی زمین اور انہیں کے قافیوں میں لکھی گئی ہے)

چٹکلان

چند روز ہوئے انڈین پولیس سروس کے امیدواروں کے انتخاب کے لئے شملہ گمگ (آسام) میں بورڈ آف اگزامنرز یعنی پرکھنے والوں کی ایک کمیٹی بیٹھی تھی اس نے امیدواروں سے جو سوالات کئے ان میں ایک یہ تھا:-
"دُنیا میں سب سے بہتر ٹینس کا کھلاڑی کون ہے؟"

لڑکے حیران تھے کہ کیا جواب دیں! اپریس ٹینس میں تو ایسے کھلاڑی کا کوئی نام نظر نہیں آیا۔ اگر یہ پوچھا جاتا کہ ہندوستانی پولیس میں لاٹھی چارج کا کھیل سب سے بہتر کون کھیلتا ہے تو شاید کوئی امیدوار کسی ممتحن کی طرف اشارہ کر دیتا۔

ان امیدواروں میں ایک لڑکا ذرا زیرک تیز تھا۔ اس نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ دنیا میں ٹینس کے کھلاڑی ہزاروں ہیں لیکن میں تو خود اپنے ہی کو سب سے بہتر کھلاڑی سمجھتا ہوں۔ ہم سفارش کرتے ہیں کہ اس لڑکے کو فوراً انسپکٹر جنرل آف پولیس کا عہدہ دیدیا جائے۔

امیدواروں سے دوسرے سوالات اور بھی دلچسپ تھے۔
(۱) پولیس لاک اپ (LOCK — UP) کیا چیز ہے؟
(۲) انڈین پینل کوڈ کی دفعہ ۱۴۴ کیا ہے؟
(۳) امیدوار کو کوئی ڈکشنری سمجھتا نہیں ہے پولیس کی طرف سے دفعہ ۱۴۴ کا کافی علم ہو۔

وہ بیچارہ کیا جانیں کہ دفعہ ۱۴۴ کا استعمال کتنا وسیع ہے؟ جو جب کوئی ڈکٹیٹر ... مائید نہ ہوتی ہو تو یہ دفعہ کیونکر صاحب ... زندگی کے لئے لٹھری ہو جاتی ہے جس طرح کسی نے کہا ہے کہ ... ایک طرف ... کا بھائی ایک طرف اسی طرح دُنیا کا سارا قانون ایک طرف اور دفعہ ۱۴۴ ایک طرف۔

اب رہا یہ سوال کہ پولیس لاک اپ کیا چیز ہے! تو اس کا جواب ایک بعد تیز ... نے ان الفاظ میں دیا۔ پولیس لاک اپ وہ کوٹھڑی ہے جہاں سب کو بند کیا جاتا ہے۔ مگر پولیس کو کبھی بند نہیں کیا جاتا۔
اگر اس سوال کا اس سے بہتر کوئی جواب دے تو ہمارا ذمہ۔ اس لڑکے کو پہلی ہی جھپٹ میں ... انسپکٹر جنرل بنا دینا چاہیئے۔

(بقیہ اشارات)

کافی لیت و لعل کے بعد صرف پہلے سوال کا جواب ایک دبی زبان سے دیا۔ اور باقی کے متعلق یہ کہکر خاموشی اختیار کر لی کہ پبلک مفاد کے پیش نظر ان کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ وزارت کو غالباً معلوم نہیں کہ پبلک مفاد کا بہانہ ان تیروں کے لئے سپر نہیں بن سکتا۔ بمقصد یہ تھا کہ آپکی وزارت دیکھ رکھ تاکہ کانوں پر جوں رینگے اور وہ مقصد حاصل ہو گیا۔ اب آپ گھبرایئے نہیں پیشانی سے پسینہ پونچھ لیجیئے ؎

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پونچھیئے اپنی جبیں سے

کٹھ پتلیوں کی پچھاڑ

(جناب ایم۔ اے عثمانی کے زعفرانی قلم سے)

(خاص پنچ ویکلی کے لئے)

وزیران ہزیمت خوردہ کو ہر آن تھا کھٹکا | بتائی کانگریس اگر نہ رستہ ہم کو مرگھٹ کا
دعائیں لاکھ مانگیں گڑگڑا کر لاکھ سر پٹکا | پیام مرگ ہی بنکر رہا آخر نیا جھٹکا
یہ ہے تسلیم ان کا دھرم تھا انگریز کی پوجا | ضروری تھا طواف آقائے افرنگی کی چوکھٹ کا
عمل کرتے تھے وہ سرکار کے ادنیٰ اشارے پر | مگر ہیں مالکوں کی بندگی کا تھا بندھا پٹکا
مگر افسوس اس مشکل میں آقا بھی نہ کام آئے | الٹ کر ہی رہا پایہ وزارت کے چھپرکھٹ کا
جو تھی دو چار دن کی چاندنی وہ ختم ہو گذری | بالآخر ٹھیک بیٹھ رہے یہ پھوٹا آ کے یہ مٹکا
منسٹر شپ کی اس ہڈی کو وہ حلوائے تر سمجھے | بالآخر ایک دن یہ نغمۂ تر حلق میں اٹکا
بغاوت قوت جمہور سے اچھی نہیں ہرگز | لٹیروں کو کہا جاتا ہے سیدھی راہ سے بھٹکا
وزارت کو کیا منظور اہل کانگریس نے اور | طلسم ٹوڈیت کو چار ہیں اُلٹا دیا لٹکا

چڑھایا قوت جمہور نے اک کو بلندی پر
اٹھایا ایک کو اور قعر ناکامی میں دے پٹکا

انٹیرم وزارتوں کا نوحہ

(ایک "انٹیرم" کی زبانی)

(خاص پنچ ویکلی کے لئے)

پرچم ہماری زندگی اقتدار کا | کسطرح کانگریس نے اکھاڑا کہ ہائے ہائے
ارباب کانگریس کا ہماری جگہ پہ اب | اس شان سے جھنڈا گاڑا کہ ہائے ہائے
ہم نے تو لے ہی لی تھی وزارت بغیر حق | آخر انھوں نے ایسا پچھاڑا کہ ہائے ہائے
کر کے عبث قبول وزارت کا فیصلہ | یوں اپنا سارا کھیل بگاڑا کہ ہائے ہائے
کل تک اجارہ دار تھے ہم اب انھوں نے آ | ایسا ہمارا ٹھاٹھ اجاڑا کہ ہائے ہائے
اپنا علم انھوں نے حکومت کے بام پر | اس پرشکوہ طرز سے گاڑا کہ ہائے ہائے
اب تک تو ہم ہی ہم تھے مگر کانگریس نے یوں | دامان اقتدار کو پھاڑا کہ ہائے ہائے

یوں سب نے کانگریس کو نوازا کہ واہ واہ
اور ہم کو اس بری طرح جھاڑا کہ ہائے ہائے

ایک دلچسپ و نصیحت آمیز افسانہ
پیت

خاص "تیج ویکلی" کیلئے

از جناب کوشش چاندپوری

(۱)

سورج پرشاد سہارنپور کے ایک شریف اور خوش حال خاندان میں پیدا ہوئے تھے اور شروع ہی سے ان کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی گئی تھی، لیکن بعض حالات کی بنا پر وہ پھر بھی اعلیٰ تعلیم کے حصول میں ناکام رہے۔ اور ہر قسم کے وسائل حاصل ہونے کے باوجود انھیں مڈل ہی میں انگریزی پڑھنے کی غرض سے بھیج دیا گیا۔ حالانکہ ابتدا میں ان کے متعلق جو خیالات قائم کئے گئے تھے وہ بہت بلند تھے۔ مگر خیالات کی رو خارجی امور و حوادث کے ساتھ ہمیشہ اپنا رخ بدلتی رہتی ہے۔ انسانی عزائم کی دنیا میں ہر لحظہ ایسی ایسی قیامتیں برپا ہوتی رہتی ہیں کہ آدمی مجبور ہو کر ایک غیر محسوس طاقت کے سامنے اپنے ارادوں کی سپر ڈال کر سرنگوں ہو جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ سورج پرشاد کے باپ نے ان کو نہایت اچھے مستقبل کا جو خاکہ ذہن میں بنایا تھا وہ بگڑ گیا۔ کائنات کی بڑی سے بڑی چیز بھی مخالف اسباب کا دیر تک مقابلہ نہیں کرسکتی اور ایک وقت آتا ہے جب وہ قدرتی طاقتوں سے مغلوب ہو کر اپنا اصل راستہ بدل دیتی ہے۔

حالانکہ سورج پرشاد کو ایسے ذرائع میسر تھے کہ وہ لڑکی کو اپنا مطمح نظر بنانے کی جگہ یورپ کی کسی بڑی درسگاہ کو منتخب کر لیتا لیکن اسباب اور وسائل، ذرائع اور مفروضہ امکانات اگر ہمیشہ کامیاب ہو جایا کریں تو خدائی طاقت کو ان چیزوں پر کوئی اقتدار ہی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قدرت نسخ عزائم کے پردے میں اپنی ہستی کا ثبوت دیا کرتی ہے۔

سورج پرشاد نے کسی سے اوورسیری کی سند لیکر آئے تو ملازمت ملنے سے پہلے ہی ان کی شادی کر دی گئی۔ شادی صحیح معنوں میں خانہ آبادی ثابت ہوئی اور رام پیاری کے گھر میں آتے ہی سورج پرشاد کو ڈیڑھ سو روپے ماہوار کی ایک مستقل جگہ مل گئی۔ اپنی جائے تعیناتی پر پہنچ کر ایک مہینہ تو سورج پرشاد نے تنہائی میں بسر کر دیا۔ اس کے بعد وہ رام پیاری کی جدائی برداشت نہ کرسکے اور بیوی کو بھی دہرہ دون لے گئے۔

ڈیڑھ سو روپے جو بالائی آمدنی میں شامل ہو کر دوگنے ہو جایا کرتے تھے کافی سے زیادہ تھے۔ لیکن آدمی جب اپنے مصارف کو اتنا غیر محدود کر دیتا ہے کہ بڑی سے بڑی رقم بھی ان کا احاطہ نہ کرسکے تو اس کا روپیہ حقیقتاً بہت ہی کم ہے، ہزاروں روپے سے بھی ان کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

رام پیاری کے متعلق دور اندیشی یا کفایت شعاری کا حسن ظن قائم کرنا اس لئے درست نہ تھا کہ اس کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی، اس لحاظ سے وہ ایک ناتجربہ کار لڑکی تھی جس کی نظر زندگی کی دلچسپیوں سے گذر کر مستقبل کی تاریکیوں تک نہیں پہونچ سکتی تھی مگر تعجب تو یہ ہے کہ سورج پرشاد نے بھی اس طرف کچھ التفات نہ کیا، حالانکہ وہ زمانہ کے نشیب و فراز سے نسبتاً زیادہ واقف تھے۔ اصل بات یہ تھی کہ دونوں جوان تھے، محبت کا دریا سینوں میں طوفان اٹھا رہا تھا۔ جوانی کی امنگیں دلوں میں انگڑائیاں لے رہی تھیں۔ ایسی صورت میں دور بینی اور عاقبت اندیشی کا خیال قریب بھی نہ آسکتا تھا۔ ایک جوان دماغ میں یہ حس نہیں ہو سکتی کہ وہ حال کی رنگینیوں کے پس پردہ مستقبل کی تاریکی نظر آ سکے۔ یہ صفت بوڑھے اور سنجیدہ دماغوں کے لئے ہی مخصوص ہے جن کی سطح پر محبت کے زخموں کی ناہمواری نہیں ہوتی۔ اور دلوں میں عشق و الفت کی وہ بے چینی نہیں ہوتی جو انسان کو صرف ایک ہی مشغلہ کا بنا دیتی ہے۔ انھوں نے اپنے جذبات کے سامنے روپے کی کوئی قدر نہ کی۔ اور نتیجہ یہ تھا کہ ان کی ضروریات زندگی اتنی وسیع ہو گئیں کہ آمدنی کو اپنی تنگ دامنی کا اعتراف کرنا پڑا۔ مگر نوبت یہاں تک پہونچی کہ بعض مصارف کے لئے قرض لینے کی ضرورت پیش آجایا کرتی تھی۔

رام پیاری کی یہ کیفیت تھی کہ وہ گھر سے بنیان خریدنے بازار جاتی اور اس خیال سے جاتی کہ صرف ایک درجن بنیان لینا ہیں مگر وہاں پہونچ کر سیکڑوں نئی نئی چیزیں اس کو دعوت التفات دیتیں، اور وہ مجبور ہو جاتی کہ ایسی ضروری اور دلچسپ چیزوں کے لئے اپنا بٹوہ خالی کر دے۔ تکیے، گنگھے، موزے، موم روغن، حسن افزا سنوفت اور اسی نوع کی ہزاروں چیزیں ہیں جو

اہل ثروت کی ضروریات زندگی میں اس طرح داخل ہوگئی ہیں گویا انھیں اس فہرست سے نکال دیا جائے تو جینا ہی مشکل ہو جائے چنانچہ رام پیاری کی نظر جس چیز پر پڑتی وہ دل میں سوچتی کہ یہ تو میرے لئے بہت ضروری ہے۔ اسے تو آج سے چند روز پہلے خرید لینا چاہیئے تھا۔ قریب قریب یہی حال سورج پرشاد کا بھی تھا۔ خصوصاً ملازم رکھنے کا انھیں جنون ہو گیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہر کام کے لئے ایک ملازم ہو۔ جو بغیر اشارے کے اپنے وقت پر مشین کی طرح مصروف رہے۔ جس وقت وہ دہرہ دون آئے ہیں تو صرف ایک لڑکا ملازم تھا جو گھر کے تمام کام کر لیا کرتا تھا۔ مگر دو تین مہینے کے بعد ہی یہ معلوم ہونے لگا کہ کاموں کی اتنی کثرت ہوگئی ہے جو روزانہ ایک نیا ملازم طلب کرتی ہے۔ چنانچہ جوتوں پر پالش کرنے، میز کرسی صاف کرنے، بازار سے سودا لانے، اور کھانا پکانے کے لئے انھیں الگ الگ نوکر رکھنا پڑے۔ پھر کپڑے پہنانے اور انھیں سنبھال کر رکھنے کی غرض سے ملازم کی ضرورت ہوئی اور اس کا سلسلہ پھر بھی ختم نہ ہوا۔

(۲)

دہرہ دون ہی میں رام پیاری کے بطن سے ایک خوبصورت بچہ پیدا ہوا جس کا نام مادھو پرشاد رکھا گیا، سورج نے مادھو کی پرورش اور نگرانی کے لئے بڑی تلاش کے بعد چالیس روپے ماہوار پر ایک دایہ مقرر کی، جو اسے ولایت کے تیار کئے ہوئے ڈبوں کا دودھ بالکل طبی اصول سے دن میں چند بار بنا کر پلایا کرتی، اور اس کی صفائی اور دوسری ضروریات کا لحاظ رکھتی تھی، سورج پرشاد نہ چاہتے تھے کہ رام پیاری کا خون دودھ بن کر بچے کے حلق میں جائے، اور رام پیاری ایک مستقل کمزوری میں مبتلا ہو جائے۔ اگرچہ مادھو کی پیدائش کے بعد مصارف میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا۔ مگر قدرت ان امور کا پہلے سے لحاظ رکھتی ہے جو طاقت اس معصوم اور نو وارد مہمان کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی ماں کی چھاتیوں میں اس کی ضیافت کا بندوبست کر دیتی ہے۔ وہ دوسرے طریقوں پر بھی اسے زندہ رکھنے اور نشو و نما حاصل کرنے کے مواقع مہیا کرتی ہے چنانچہ جس مہینے میں مادھو پیدا ہوا اسی میں سورج پرشاد کی پچاس روپے ترقی ہوگئی اب سورج پرشاد کی آمدنی چھ سات سو روپے ماہوار کے قریب تھی۔ مگر وہ محسوس کرتا تھا کہ اس کے اخراجات اس قلیل آمدنی میں پورے نہیں ہوسکتے۔ رات دن اسے فکر رہا کرتی تھی کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے جس سے زیادہ روپیہ اسے ملنے لگے۔ اسے زمانہ کی ناقدری سے شکایت تھی کہ اس قدر قابل، ذہین، خوبصورت اور جوان ہونے کے باوجود اس کی خدمات کا جو صلہ ملتا ہے وہ اس کی قدر شناسی کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

سورج پرشاد کے باپ جو اپنی عمر کی آخری منزل پر پہنچ چکے تھے، سہارنپور میں لکڑی کی تجارت کیا کرتے تھے، شروع ہی سے وہ اس کام میں لگے ہوئے تھے، لکڑی کے متعلق ان کے تجربات بہت وسیع تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ

سرگذشتِ مذہب

(از پروفیسر سنت پرشاد مدہوش ایم اے)

کبھی وہ وقت تھا مذہب کی جلوہ ریزی تھی
کبھی وہ وقت تھا مذہب کی عطر بیزی تھی
جہاں میں چار طرف نورِ حق کی تیزی تھی
بہارِ گلشنِ مذہب کی نخل خیزی تھی
ہر ایک فرد بشر حق کا نام لیتا تھا
خدا کے نام پہ ہر شخص جان دیتا تھا

مگر وہ جن کی رگوں میں رواں تھا فتنہ و شر
دلوں میں جن کے سمایا تھا شوق نقرہ و زر
جہاں میں اوڑھ کے مذہب کی خوشنما چادر
پئے فریب ہوئے بد نصیب تنگ نظر
وہ ظلم ڈھائے کہ ساری زمین ہلنے لگی
غرض کہ خاک میں مذہب کی شان ملنے لگی

رُخِ جلیل پہ مذہب کی گرد چھائے گئی
وہ نور چھپتا گیا اس پہ ظلمت آئے گئی
چمن میں دیں کی سیاہی قدم بڑھائے گئی
رُخِ بہار پہ گرد و غبار اڑائے گئی
غرض کہ چھپ گیا روئے منورِ مذہب
عروسِ صبحِ تجلی ہے زیرِ چادرِ شب

(باقی آئندہ صفحہ پر)

(افسانہ)

کس طرح لکڑی کا ذخیرہ کرنا چاہیئے۔ اور کس موسم میں اسے جلد سے جلد نکالنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ انھوں نے ہزاروں روپیہ اس تجارت کی بدولت پیدا کیا۔ لیکن اسی کے ساتھ چند بار تشنہ زدگی کے ہولناک واقعات پیش آئے اور انھوں نے لکڑی کے کاروبار میں جو کچھ کمایا تھا وہ سب اسی میں پھونک دیا۔ جس سال مادھو پیدا ہوا اسی سال لکڑیوں کے ذخیرہ میں پھر آگ لگی۔ اور اتنا زبردست نقصان ہوا کہ بوڑھے نرائن پرشاد کی کمر ٹوٹ گئی۔ مل تک جو شخص سینکڑوں روپیہ روزانہ کی آمدنی رکھتا تھا آج سورج پرشاد کی امداد کا محتاج ہو گیا۔ سورج پرشاد کو تار سے اس حادثہ کی اطلاع ملی۔ وہ بہت پریشان ہوا مگر جانتا تھا کہ پہلے بھی متعدد بار اس قسم کے حادثے پیش آ چکے ہیں اور ہمیشہ اس کے باپ نے اپنی دانشمندی، تجربہ کاری سے گرتے ہوئے کاروبار کو سنبھال لیا ہے۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ انسان کے قوائے عمل ہمیشہ یکساں کام نہیں کیا کرتے ایک وقت آتا ہے جب بہتر سے بہتر آدمی کی قوتیں بھی بیکار ہو جاتی ہیں اور وہ مفلوج ہو کر بیکاری کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک مہینہ گذرنے پر جب نرائن پرشاد نے سورج سے اپنی پریشانیوں کا اظہار کرتے ہوئے مالی امداد طلب کی اس وقت سورج پرشاد کی آنکھیں کھلیں اور حواس ذرا ٹھکانے آئے۔ اس نے رام پیاری سے کہا۔ پتا جی اب کوئی کام نہ کر سکیں گے اپنی بقیہ عمر ایشور کی یاد میں بسر کریں گے ایسی صورت میں مجھے مستقل طور پر انھیں روپیہ بھیجنا پڑے گا۔

رام پیاری بولی، روپیہ تو بھیجنا ہی چاہیئے، مگر کہاں سے بھیجنا چاہیئے یہ تم خود ہی سوچ لو۔

اس مہینے میں تو جیسے تیسے کر کے سورج پرشاد نے تار سے سو روپے بھیج دیئے۔ مگر وہاں سے پھر خط آیا کہ پندرہ بیس ہزار کا سرمایہ آگ میں جل جانے سے میرے سینہ میں جو سوزش ہو رہی ہے وہ سو روپے سے کسی طرح کم نہ ہو گی۔ تم عرصہ سے نوکر ہو ایسے موقعہ پر کم سے کم ایک ہزار روپیہ بھیجتے تو میں ہاتھ پیر ہلانے کی کوشش کرتا۔ اور راکھ کے ڈھیر کو کرید کر اپنی چاندی نکالنے کی ہمت کرتا۔

ایک ہزار کا نام سنتے ہی سورج پرشاد کو خفقان ہونے لگا اس کی پریشانی اور بدحواسی کی کوئی حد نہ رہی۔ مجبور ہو کر اس نے باپ کو اپنے پورے حالات لکھ کر بھیج دیئے۔ اور ساتھ ہی سو روپے ماہانہ دینے کا وعدہ کیا۔

نرائن پرشاد کی جان لینے کو آگ کا حادثہ ہی کچھ کم نہ تھا اگر وہ حد سے زیادہ سخت جان نہ ہوتے تو رنج و فکر کے وہ بھڑکتے ہوئے شعلے جو اُن کی رُوح کو لپیٹے ہوئے تھے جلد ہی اُن کا خاتمہ کر دیتے۔ مگر آدمی کی فطرت ہے کہ مایوسی کی سخت ترین اندھیری میں بھی اس کے گرد اُمید کے چراغ ٹمٹماتے رہتے ہیں جس طرف اس کی نگاہ اٹھتی ہے اُمید کی روشنی اُسے نظر آتی ہے۔ گو یہ ایک فریب اور سراب ہی ہوتا ہے۔ جو اس کی فطرت محض اسے زندہ رکھنے کے لئے تصنیف کرتی ہے تاہم اس کے ڈوبتے ہوئے دل کو سہارا مل جاتا ہے ایسا نہ ہو تو ذرا سی مایوسی،

اس رنج و یاس کی کشمکش میں آدمی کا چراغ حیات گل ہو جایا کرے، حالانکہ بڑی سے بڑی مایوسی اور ناامیدی بھی ایک نئی امید کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہے۔

نرائن پرشاد لکڑیوں کے دہکتے ہوئے ڈھیر کو دیکھ رہا تھا مگر بیٹے سے امداد کی امید اس کے دل پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھی، اور یہی چیز تھی جس سے اب تک اس کی ڈھارس بندھی ہوئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ سورج ایک دو ہزار آسانی سے اُسے دے سکتا ہے۔ اور اتنی رقم سے میں اپنے مرے ہوئے کاروبار میں جان ڈال سکتا ہوں مگر سورج کے جواب سے اس کا دل ٹوٹ گیا۔ امیدوں کا فریب کھل گیا آرزو دل کی چیرتی ہوئی نکل گئی۔ نرائن پرشاد اگرچہ کاروباری انسان تھا اور کئی مرتبہ دھوکے کھا چکا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ اس وقت تھا جب اس کے اعصاب میں زندگی کا احساس اور خون میں امنگوں کی گرمی تھی، چراغ کی روشنی تیل اور بتی پر موقوف ہے یہ چیزیں نہ ہوں تو دیا بجھ جاتا ہے۔ نرائن پرشاد کی شمع حیات بھی اُمید کی صبح ہوتے ہی بجھ کر رہ گئی۔

—— (۳) ——

ایک طرف باپ کے مرنے کا غم، دوسری طرف سو روپے کے بوجھ سے ہمیشہ کے لئے سبکدوشی، دونوں چیزیں اپنی اپنی جگہ کافی وزن رکھتی تھیں، تاہم صدمہ ایک روحانی جذبہ تھا اور دوسری چیز مادیت سے متعلق تھی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی جنگ میں فتح کس کو ہونی چاہیئے۔ سو روپے کی بچت سے سورج پرشاد کی خانگی اور مجلسی زندگی میں دلچسپیوں کا اضافہ ہوا انھوں نے اگر دفعتہً نہیں تو بتدریج اس گہرے زخم کو مندمل کر دیا جو باپ کی موت سے اس کے قلب پر لگا تھا۔

دنیا کی رنگینیاں اور شباب کی سرمستیاں ایسی نہیں ہیں کہ انسان کے دل میں اپنے علاوہ کسی چیز کے لئے کوئی گنجائش رہنے دیں۔ پھر ایسی رنگینیاں اور سرمستیاں جن کو آستانۂ جمال پر جبیں سائی کی مسرتیں بھی نصیب ہوں۔

سورج پرشاد اسی قسم کی دلنواز مصروفیتوں میں گھرا ہوا تھا چنانچہ اس جراحت کو کچھ تو خود فطرت کی چارہ سازیوں نے اور کچھ ان حالات کے مرہم نے اتنی جلدی بھر دیا کہ مستقبل قریب میں اس کے جسم پر کوئی ایسا نشان بھی نظر نہ آتا تھا جسے دیکھ کر یہ قیاس کیا جا سکتا کہ یہاں کوئی زخم تھا۔

وہی سورج پرشاد تھا وہی اس کی بیوی رام پیاری اور وہی حسن و عشق کی دلچسپ اور رنگین آویزشیں، وہی عیش و عشرت کی سرگرمیاں، نہیں تھی تو بس ایک بوڑھے باپ کی یاد اور اس درد کی ٹیس جس کا پہلے پہل سورج نے احساس کیا تھا۔

مادھو دو سال کا ہو گیا تھا۔ اول تو قدرت نے ماں باپ کے حسن کی تمام رعنائیاں نچوڑ کر اس کا خمیر کیا تھا اور اس بنا پر وہ بیحد حسین تھا پھر محبت نے ان کی آنکھوں میں اُسے نہ معلوم کتنا خوبصورت اور جاذب توجہ بنا دیا تھا کہ وہ اپنی ہر چیز کو اس پر قربان کر دینا معمولی بات سمجھتے تھے ذرا مادھو کی طبیعت بے کیف ہوئی اور ڈاکٹروں کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا۔ دو باپ نے جلائے تو دو ہی ماں کے کہنے سے بلائے گئے سب کو معقول فیس دی گئی۔ وہ تنہائی میں بیٹھ کر ماں باپ نے ڈاکٹروں کی متضاد آراء پر تبصرہ کیا۔ مادھو صبح سے شام تک نوکروں کا خون کرتا تھا۔ اور سورج پرشاد اس دن بہت زیادہ خوش ہوتے تھے جس دن مادھو بہت زیادہ خرچ کرتا تھا صبح سویرے ہی مادھو باپ کے پاس جاتا اور کہتا پتا جی! روپیہ! سورج کی خوشی کے مارے باچھیں کھل جاتیں، وہ بیٹے کو اٹھا کر سینے سے چپٹا لیتے اور جیب سے روپیہ نکال کر دیتے مادھو کہتا اور، وہ اور دیتے، مادھو پھر کہتا اور، اب جب تک مادھو ملتے جاتا وہ دیئے جاتے، شام کو سورج یہ بھی نہ پوچھتے کتنے روپے مادھو نے کیا کئے۔ جو لوگ اس کی نگرانی پر مامور تھے انھوں نے دیکھا کہ یہ بہت اچھا ذریعہ آمدنی ہے اس لئے اگر کبھی مادھو روپیہ مانگنے میں دیر کرتا تو وہ سکھا پڑھا کر اسے بھیجتے چنانچہ مادھو کو تو اس کے سوا کوئی فائدہ اس روپے سے نہ ہوا کہ وہ باپ سے روپیہ مانگنے کا عادی ہو گیا لیکن اس کے ملازموں کو ایک مستقل ذریعۂ آمدنی ہاتھ آ گیا۔ وہ شام کو سرسبز باغوں اور کھلے ہوئے میدانوں میں تفریح کرا کر مادھو کو لاتے تو بغیر پوچھے ہی سورج پرشاد سے کہتے، بابو جی! آج تو چھوٹے بابو نے بازار میں جا کر خوب مٹھائی خریدی، انگور لئے۔

خود تو یوں ہی سا کچھ کھایا پیا، سب تقسیم ہی کر دیا جو ملتا گیا اُسے دیتے گئے۔ صبح سے اب تک کئی روپے برباد کر دیئے۔

سورج پرشاد بگڑ کر کہتے، روپے برباد نہیں کئے، برباد کرنا اس کو نہیں کہتے، ہم یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ مادھو نے مٹھائی بانٹی اور انگور تقسیم کئے جس، ویسے غریبوں کو فائدہ پہونچ جائے وہ برباد نہیں جاتا۔

—— ۴ ——

سورج پرشاد دہرہ دون سے بریلی تبدیل ہو گئے۔ دہرہ کی سی لطافت و رنگینی اور زندگی بریلی کی آب و ہوا میں تھی نہ وہاں کے پرفضا مناظر اور حسین و دلکش نشیب و فراز یہاں نظر آتے تھے۔ ہوا کا وہ معطر اور پانی کی وہ کوثریت جو دل و دماغ کو ہر وقت پیام راحت پہونچایا کرتی تھی، بریلی کی آب و ہوا اس سے قطعاً محروم تھی آبشاروں کے فردوسی نغمے، اور پہاڑوں کی سرسبز و شاداب چوٹیاں یہاں سننے اور دیکھنے میں نہ آتی تھیں، یہاں آفتاب کی حدت، ہوا کی گرمی و سوگواری اور فضا کی مہیب آتشباری کے سوا کچھ نہ تھا۔ سورج پرشاد تو خیر مرد تھے اُن کے جسم میں قوت برداشت موجود تھی لیکن رام پیاری عورت تھی، اور عورت بھی کیسی نازک مزاج کہ ذرا سے تیز کو زیادہ سے زیادہ محسوس کرتی تھی، اس نے دہرہ دون کے جنگلی اور خود رو پھولوں کی عطر آگیں خوشبو سے عرصہ تک اپنے دماغ کو معطر کیا تھا وہ تتلی بن کر دو تین سال تک وہاں کے جنت بدوش چمنستانوں میں اُڑتی پھری تھی اور چکور کی طرح اس نے وہاں کی ڈھلواں پہاڑیوں پر سورج پرشاد کی محبت آفرین معیت میں چاندنی راتوں کا لطف اٹھایا تھا، بلبل کی طرح وہ پہاڑی پھولوں کی فراوانی سے دل بہلاتی رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ تتلی کو چمنستان سے محروم ہو جانے، چکور کو چاند کا جلوہ نظر نہ آنے اور بلبل کو پھول سے جدا ہونے میں کس مصیبت کا سامنا ہو سکتا ہے۔ رام پیاری بریلی کی گرم ہوا سے اتنی متاثر ہوئی کہ جلد ہی اس کے چہرے کی تازگی افسردگی میں تبدیل ہونے لگی۔ اس کی چمکدار آنکھیں بے رونق ہو گئیں، پھول سے گال مرجھا گئے۔ اور سیندور کی سرخی کو شرما دینے والے ہونٹ رفتہ رفتہ زرد ہو گئے۔ پھر سب سے بڑی مصیبت یہ ہوئی کہ سورج کی آمدنی بالکل بند ہو گئی۔ صرف تنخواہ پر بسر ہونے لگی۔ اس کے اکثر ملازم آمدنی کی کمی کے باعث الگ ہو گئے۔ بعض کو اس نے خود ہی جواب دے دیا۔ اب گھر کے کام کاج خود رام پیاری کو کرنا پڑتے تھے۔ دو تین ملازم جو باقی تھے وہ دوسرے کاموں میں مشغول رہتے تھے۔

سورج پرشاد نے بہت کوشش کی کہ وہ پھر کسی طرح پہاڑ پر بھیج دیا جائے مگر ملازمت کی پابندیاں کبھی اس قسم کی ضروریات سے ساز نہیں کیا کرتیں اور حکومت کی مصلحتیں شخصی مفاد کے آگے کبھی سرنگوں نہیں ہوا کرتیں چنانچہ سورج پرشاد کو اس کوشش میں کامیابی نہ ہوئی اس سے مایوس ہو کر رام پیاری سے کہا کہ تم ہی دہرہ جا کر رہو تاکہ تمہاری تندرستی خراب نہ ہو۔ کبھی کبھی میں بھی آ جایا کروں گا مگر رام پیاری تیار نہ ہوئی، اور تیار ہوتی بھی تو کیونکر! مشرقی عورت کی ساری کامرانیاں شوہر کی ذات سے وابستہ ہیں اس کے وجود سے الگ ہو کر وہ نہ پھولوں کی نکہت سے اپنی رُوح کے اضطراب کو دُور کر سکتی ہے نہ مناظر قدرت کی دلکشی سے اس کی آنکھیں لذت یاب ہو سکتی ہیں پہاڑ کی زندگی اس میں شک نہیں کہ رام پیاری کے لئے بہت ہی خوش آئند تھی مگر کب؟ اسی وقت جب سورج پرشاد بھی اس کے ساتھ ہو۔ شمع و پروانہ کی داستان الفت بہت ہی پرلطف ہے۔ مگر اس کا تجزیہ کیا جائے۔ تو پھر اس میں کوئی لطف باقی نہیں رہتا۔ اور چند بے حقیقت اجزاء کے علاوہ کوئی قابل ذکر چیز ہاتھ نہ آتی۔ دودھ کام و دہن کے لئے نہایت لذت بخش غذا ہے مگر شکر کی آمیزش کے بغیر اس کا حلق سے اترنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ رام پیاری گرمی کی حدت سے موم کی طرح گھلتی گئی۔ اور اس کی رُوح یوں غیر محسوس طور پر تحلیل ہوتی رہی۔ جیسے پھول سے نکہت جدا ہوا کرتی ہے۔ اور پتہ نہیں چلا کہ رام پیاری بھی پھول تھی اور پھول ہی کی طرح مرجھا گئی۔

سورج پرشاد کا دل اُسے دیکھ کر ہر وقت کڑھا کرتا تھا۔ چند بار اس نے ارادہ کیا کہ ملازمت چھوڑ کر پہاڑ پر چلا جائے اور وہاں کوئی کاروبار شروع کر دے۔ مگر روپے کے بغیر یہ ارادہ پورا نہ ہو سکتا تھا۔ اور روپے کو آج تک اس نے یہ اہمیت نہ دی تھی کہ وہ عیش و آرام کے اسباب مہیا کرنے اور لطف و نشاط کی مختصر گھڑیوں کو پرکیف بنانے کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے بھی کارآمد ہو سکتا ہے؟ اس لئے یہ تو قطعی ممکن نہ تھا کہ سورج پرشاد ملازمت سے دست کش ہو کر پہاڑ پر چلے جاتے اور وہاں انھیں کھوئی ہوئی وہ دلچسپیاں بھی ہاتھ آ جاتیں جن کے ڈھونڈھنے کو رام پیاری کا خون شبنم کے قطروں کی طرح اُڑا جا رہا تھا۔

——(۵)——

تین چار مہینے کے اندر ہی رام پیاری بیمار ہو گئی اور اسے حرارت رہنے لگی

[باقی] صفحہ ۴۴ پر

سپین یورپ

کیا ہوا؟ کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہونے والا ہے؟

(مشہور سیاست داں میجر ڈی گراہم پول کے قلم سے)

(ترجمہ انسپی میلینش)

سامنے مسولینی کی تقریریں روز بروز وحشت انگیز اور ضطراب آفریں ہوتی جا رہی ہیں وہ آج کل پرانے معاہدات و مواثیق کی شکست و ریخت میں مصروف ہے۔ جو پالیسیاں طے شدہ سمجھی جاتی تھیں وہ ٹوٹتی جا رہی ہیں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ مسولینی آجکل جس حالت میں ہے اس نے دنیا کو خوف زدہ کر رکھا ہے اگرچہ اس نے حبش میں اپنی سلطنت قائم کر لی ہے لیکن اس کی قیمت اسے بہت زیادہ دینی پڑی ہے یعنی دنیا میں بے اعتمادی اور ایک رائے کا اب فقدان ہے اٹلی کے بارہ میں کوئی ظاہر نہیں کرتا۔ اور یہ چیز مسولینی کے لئے بہت بری ثابت ہو رہی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر تو یہ بات ہے کہ مسولینی نے برطانیہ کو اپنا مخالف بنا لیا ہے اور برطانیہ نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ بحیرہ روم میں مسولینی کی ترکتازیاں روکنے کے لئے ایک بہت بھاری طاقتور بیڑا متعین کر دے۔

گو اٹلی نے حبش پر قبضہ کر لیا ہے مگر ایک عرصہ دراز تک اٹلی کا روپیہ اور آدمی حبش میں کھپتے رہیں گے تب جا کر کہیں حبش سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانے کی نوبت آئے گی۔ اور ادھر یورپ میں اٹلی کی کوئی اہمیت نہ رہے گی۔ کیونکہ برطانیہ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اٹلی کو بے اثر کرنے کے لئے بحیرہ روم پر کامل قبضہ کر لیا جائے اس بات سے مسولینی بہت سراسیمہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ کبھی وہ اس معاہدہ کو بدلتا ہے کبھی اس کی تنسیخ و ترمیم کرتا ہے اگرچہ یورپ میں اس کی اہمیت حد درجہ کم ہو چکی ہے۔ مگر شیر مرنے سے پہلے ایک آخری جوشیلا پورش ضرور کرتا ہے۔ اس لئے کوئی عجب نہیں کہ مسولینی بھی دم توڑنے سے پہلے بپھر جائے!

اس وقت مسولینی عہد نو (RENAISSANCE) کے اطالوی سلاطین سے ملتا ہے۔ پہلے عہد نو میں بھی اسلحہ سے زیادہ زہر سے کام لیا جاتا تھا۔ اور اس وقت بھی یہ ہو رہا ہے حبش کو اسلحہ فتح نہ کر سکے۔ تو زہریلی گیسیں استعمال کی گئیں۔ اور اٹلی نے جو مظالم توڑے اس پر تمام کیتھولک دنیا ششدر رہ گئی۔ اور پوپ سلطانہ حبش کو "سنہری گلاب" کی نشانی دے کر اس کے حقوق تسلیم کر چکے ہیں۔ اب مسولینی حیران ہیں کہ کیا کریں۔ پچھلے عہد نو میں عورت اور عشق نے تباہی کا ڈراپ سین کیا تھا اب بھی یہی ہو رہا ہے۔ مسولینی مادام مگدا فونٹنگی پر مٹے ہوئے ہیں، پیرس میں کاؤنٹ ڈی چیمبرن سابق فرانسیسی سفیر اٹلی کے ایوان میں مادام مگدا کے پاس سے مسولینی کی تصویر اور اس کی ڈائری نکلی ہے جس میں مسولینی کے عشق کا حال ہے۔ اور شاہی ایوانوں میں جو جو ہوا ہے اس کا حوالہ ہے۔ ———— مسولینی جہاں رہتا ہے ڈائری میں اس کا رتی رتی حال ہے۔ دیکھئے یہ مادام مگدا یورپ میں کیا گل کھلاتی ہیں!

مگر اٹلی کی کمزوری اور بے بسی و بے کاری تو سپین میں ظاہر ہو رہی ہے۔ ایک جنگی نامہ نگار نے میڈرڈ کے محاصرہ میں اٹلی کی فوجوں کے فرار اور باغی لیڈر جنرل فرانکو کے پانچویں حصہ کی بیکاری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "اٹلی والے اس قدر سراسیمہ ہو کر بھاگے کہ ۲ توپیں تین لاریاں سامانِ جنگ سے لدی ہوئی چھوڑ کر بھاگ گئے، ان کے علاوہ بہت سی مشین گن اور رائفلیں اور مشین گنیں بھی چھوڑ کر بھاگے"۔

بیچارے اطالوی سپاہی! یہ حبش نہیں ہے کہ گیس سے غریب اور نہتے حبشی عسکریوں کو دبا لیا۔ یہ ان کے ہم قوم لاطینی نسل کے باشندے ہیں جن کے لئے زندگی اور عزت

اور فسادات و شورش خطرہ میں ہے۔ اس سے ہر روز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ "ڈیلی ٹیلیگراف" انگریزی اخبار کا نامہ نگار ... اٹلی میں ... کہتا ہے کہ اس نے یہ بات کیوں لکھی کہ ...

دنیا بھر کی تحریریں ... ہیں ورنہ ڈکٹیٹر کوئی ناگوار بات اپنے خلاف پریس یا پبلک میں دیکھ سکتے ہیں اس لئے عوام الناس کو یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ باہر کی دنیا ان کے متعلق

دنیا کے امن کو درہم برہم کرنے والے یورپین عناصر



جب سامانِ جنگ زیادہ ہوں تو تصادم ضروری ہوتا ہے (نیویارک پوسٹ)

کی فوجوں کا سنگینوں کی نوک سے تعاقب کیا گیا۔ اور وہ میدانِ جنگ سے بزدلوں کی طرح بھاگیں۔ اصل میں اٹلی کا ... منصوبہ تھا کہ ایک فسطائی پلاٹ تیار کر کے سپین پر آگ کو بھڑکایا جائے اور سارے یورپ کی خرمنِ امن پر بجلی گرا دی جائے۔ مگر اطالوی اسیرانِ جنگ جب اسپینی وزیر تعلیم کے سامنے سوالات کا جواب دینے کے لئے بلائے گئے تو انہوں نے سب حال رتی رتی بیان کر دیا۔ اور اسپینی جمہوریت پسندوں کے قومی گیت میں وہ بھی سر ملا کر گانے لگے۔ اسپینی حکومت نے اٹلی کے فسطائی پلاٹ کو ظاہر کرنے کے لئے جو ثبوت جمع کئے ہیں اس سے اٹلی کو منہ دکھانے کی جگہ نہ رہی۔ اور اس کی ریاکاری سب پر ظاہر ہو گئی۔

اس امر کو کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ ڈکٹیٹری ممالک میں کوئی آزاد رائے عامہ نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ ڈکٹیٹروں نے نقطہ سے دیکھنے اور لکھنے والے صرف وہی کہہ سکتے اور لکھ سکتے ہیں۔

کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اٹلی اور جرمنی ایسی ذہنیت کے ڈکٹیٹروں کے ماتحت کیا امن عالم کے دشمن نہیں ہیں۔ روس اپنے جمہوری حلیف فرانس کی طرح جنگ میں مسابقت سے گریز کرے گا۔ اٹلی کے جو لوگ سپین سے بھاگے ہیں انہیں اب اٹلی میں آنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ بلکہ انہیں لا کر سیدھا حبش بھیج دیا جائے گا۔ کیونکہ مسولینی کو یہ خوف ہے کہ اگر یہ مفرور ... روم میں آ گئے تو میرا سارا طلسم بگڑ جائے گا۔ اور میرے سپاہیوں کی حقیقت میرے اہلِ ملک پر ظاہر ہو جائے گی۔

جبکہ یورپ میں اس کی "افواج قاہرہ" پسپائی میں تھیں، مسولینی افریقہ میں براجمان تھے۔ اور خوب مظاہرات اطالوی تہذیب کے کر رہے تھے، جو نیس سیزر کے بت کی نقاب کشائی سے لے کر مذہب اسلام کے محافظ کا پارٹ

اداکرنے تک کی سب ہی تو ہمیں تھیں اس لئے نکالیں اب واپس ہونے پر سوچا کہ لگے ہاتھوں کیوں نہ اطالوی بحری بیڑہ کا وسیع پیمانہ پر کیوں نہ معائنہ کیا جائے مگر روم کی خبریں وحشت انگیز ہو رہی تھیں اس لئے سب چھوڑ چھاڑ کر سیدھے روم پہنچے وہاں یورپ میں اپنی فوجوں کی پسپائی کی خبر ملی، پیرس میں عشق کے طشت از بام ہونے کی خبر، اور ایک اور مصیبت یہ آئی کہ ایک اطالوی آسٹروی فٹ بال میچ میں جھگڑا ہو گیا، اور اطالوی لوگ پٹ گئے۔

غرض یہ کہ جب مصیبتیں آتی ہیں تو پے در پے آتی ہیں۔ مگر اسپینیوں کو ... معلوم تھی کہ زخمی شیر اور بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے اس لئے انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے کوئی کوتاہی نہیں کی نتیجہ یہ ہوا کہ لندن میں عدم مداخلت کی جو کمیٹی بیٹھی تھی اس میں اٹلی کے نمائندہ نے کہہ دیا۔ کہ جب تک سپین طلائی ذخیرہ کا معاملہ زیر بحث نہیں لایا جا سکتا، اس وقت تک اٹلی کا کوئی والنٹیر سپین کارزار سے واپس نہیں بلایا جائے گا جب تک کہ جنگ جاری ہے۔ اصل میں اٹلی سپین کے بارے میں اپنی من مانی بات کرنا چاہتا ہے جیسا کہ اس نے حبش کے معاملہ میں کیا۔ وہ کسی بین الاقوامی دباؤ، مروت یا خیال کا قائل نہیں ہے۔ اور کسی عمومی پالیسی پر راضی نہیں ہے۔ جبکہ یہ تحریر لکھی جا رہی ہے فرانسیسی وزیر خارجہ موسیو یوان ڈیلبوس اس معاملہ میں ہاتھ پیر مارنے میں مصروف نظر آ رہے ہیں انہوں نے پیرس میں برطانوی اور جرمنی نمائندگان کو بلا کر اس نقطۂ نظر کی وضاحت کر دی ہے جو اس نازک مرحلہ پر فرانس نے بنایا ہے۔ فرانس نے سب سے پہلے عدم مداخلت کی پالیسی پر زور دیا تھا جس کا مدعا یہ تھا کہ اگر اسپین میں اس پر عمل درآمد ہو تو اس کی خلاف ورزی کرنے والا سب سے پہلا وہ خود ہو۔ مگر حبش کے معاملہ میں یہ پالیسی کہاں چلی گئی تھی معلوم نہیں۔ اصل میں یہ تو خرابی اسی وقت شروع ہوتی ہے جب فرانس نے اٹلی کے خلاف ایک اقوام کی مشینری کو حرکت دینے میں طرح دی اور امن عالم کے ایک بڑے مرحلے کو ہاتھ سے کھو دیا۔ اور اس سے ایک بڑا خطرہ پیدا کر دیا۔ جرمنی کو اس کی مثال مل گئی۔ کہ ایک عظیم الشان بین الاقوامی جنگ سے بچا کر اگر ہم چاہیں تو ایک علاقہ اپنے قبضہ میں بڑی آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں چنانچہ جرمنی عمل کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے مگر ... قریب میں کوئی فیصلہ نہ کرنے دیگی اگر مغرب میں ... ہو جائے گی تو مشرق میں کوئی بڑی چیز ... کوئی چیز انہیں نہیں روک سکتی۔

موسیو ڈیلبوس نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ میرے پاس اس کے ثبوت موجود ہیں کہ اٹلی نے اسپین میں دیدہ دلیری سے فوجیں بھیجی ہیں، لوگوں سے یہ بات ظاہر ہے ۲۰ فروری ۱۹۳۷ء کو والنٹیر بھیجنے کی ممانعت کا اعلان ہوا۔ اور اسی روز سے اس کی خلاف ورزی اٹلی نے شروع کی پہلا دستہ ۲۰ فروری کو روانہ کیا گیا ہے یہ موسیو ڈیلبوس کہتے ہیں اعلان جنگ کے بغیر جنگ کرنا ہے۔ اٹلی سپین میں تسلط چاہتا ہے اگر وہاں اس کا قبضہ ہو جائے تو فرانس کے لئے یہ ایک بہت بڑی دھمکی ہے کیونکہ اس طرح شمالی

(باقی مضمون اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحے سے

(ازیں) فرانسیسی رابطہ منقطع ہو جائے گا۔ جسے فرانس کبھی بھی برداشت نہیں کرے گا۔ چنانچہ اسی خیال کے ماتحت موسیو ڈلبوس نے جرمنی سفیر سے کہا تھا کہ اگر آپ اپنے عہدہ داروں کے ذریعہ اٹلی پر زور ڈال کر یا ترغیب دے کر اسے سپین میں اپنی زور آزمائی سے روک سکیں تو یہ از حد پسندیدہ بات ہوگی اور اگر ایسا نہ ہوا تو موسیو ڈلبوس نے دونوں فیوروں کو بتایا کہ لیگ اقوام سے سلسلہ جنبانی کر کے اٹلی کے خلاف جارحانہ اقدام کی کوشش کرے گا۔ اور سب سے پہلے بحری تعزیرات یا ناکہ بندی کی طرف توجہ کی جائے گی۔

مگر سوال یہ ہے کہ کیا لیگ اقوام کچھ کر بھی سکے گی یا نہیں؟ عدم مداخلت کی پالیسی زبردستی نہ ٹھونسنے کے لئے فرانس نے جارحانہ اقدام کی دھمکی دی ہے لیکن انگلینڈ، جرمنی اور فرانس اگر صرف اسپین سے ہی آئینی طور پر فیصلہ کر لیں کہ لیگ اقوام کا کہنا مانا جائے گا تو کوئی وجہ نہ ہوگی کہ یہ مقصد کامیاب نہ ہونے دیگی خواہ کچھ ہو بھی!

آجکل موسیو لینی جس دماغی کیفیت سے گزر رہے ہیں اس سے یہ نتیجہ ہے کہ وہ اسپینیوں سے ان کی افواج تاراج ہو جانے کی وجہ سے انتقام ضرور لیں گے چاہے یہ زہر کی گھونٹیں

استعمال کی گئی تھیں اس لئے یہ خیال ہے کہ اٹلی اسپین میں بھی ان کا استعمال کرے گا۔ چنانچہ اطالوی اسیران جنگ نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ اٹلی کی فوجوں کے ساتھ کیمیاوی کمپنیاں بھی چل رہی ہیں جو صرف گیس سازی کا کام کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ بقول یونائیٹڈ پریس ہوائی جہاز استعمال ہوئے ہیں جس کا ثبوت میڈرڈ کی بار بار بمباری سے مل چکا ہے۔ غرض اسپینی جنگ میں جس کا اعلان نہیں ہوا ہے کچھ نہیں تو ... اطالوی افواج اسپین میں ... ان کے علاوہ ... کہا ہے کہ

یہ بات ذہن نشین ہے کہ فرانسیسی ... جرمنی کے مفید ... اٹلی کے ... کہ جرمنی کا رجحان اٹلی سے ہٹتا جا رہا ہے اور یہ بات ... کہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ اٹلی اور جرمنی کا اتحاد بالکل غیر قدرتی ہے ... اور دونوں میں چپقلش ہو جائے گی ... اس نوع کی کوئی چیز ... دوستوں میں بھی ... ہے۔ جرمنی ... اسپین کی جنگ میں ... کی حمایت ... کی ...

جنگ میں جرمنی کا پریشان ہونا اور نقصان اٹھانا ایک عبث بات ہے چنانچہ نتیجہ یہ ہے اس بات میں جرمنی نے ڈھیل دینی شروع کر دی۔ مالگا کے قبضہ میں ۱۵ ہزار اطالوی سپاہ کام کر رہی تھی، اور جرمنی سپاہ صرف دس ہزار، گوادالاجارا کے مقام پر اٹلی کے چار ہزار سپاہ تھے تو جرمنی کے صرف تین ... جنوری سے جرمنی نے اسپین میں "والنٹیئرز" اور اسلحہ و سامان بھیجنا بند کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جرمنی کو اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل ہوتا نظر نہیں آتا۔ نہ جرمنی بحر روم کی کوئی اچھی اور اہم طاقت بن سکتا ہے کیونکہ جغرافیائی وجوہ اس کے خلاف ہیں۔ پھر جرمنی کو اس کی بھی کوئی خاص وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ وہ اٹلی کے گرد کیوں لٹکا رہے۔ جبش پر جب اٹلی نے قبضہ کرنے کی ٹھانی تو وہ تمام یورپ کو انگوٹھا دکھا رہا تھا۔ اور کوئی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ ایسے راہزن کو دوست بنا کر سارے یورپ بلکہ دنیا کو اپنے سامنے گھٹنا ... دیکھنا جرمنی کے نزدیک کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے۔

مگر اٹلی اب جرمنی کے درپے ہے اور ہر طرح کوشاں ہے کہ یورپ کا یہ حلیف مجھ سے دور نہ ہونے پائے۔ وہ اس ضمن میں آسٹریا تک سے بے تعلق ہونے کو آمادہ ہے چند سال ہوئے کہ آسٹریا کے وزیر اعظم ڈاکٹر ڈلفوس نے آسٹریا کو اٹلی کے سایہ عاطفت میں دے دیا تھا مگر اٹلی اس گٹھ جوڑ میں لگا ہوا ہے کہ آسٹریا ... جرمنی سے تحقیقاً تعلق ہی میں رہے تو چاہئے اور اس کے لئے وہ آسٹریا ... کو ... رہتا ہے۔ تاکہ جرمنی اس خوشامد کاری سے خوش رہے۔ کہا

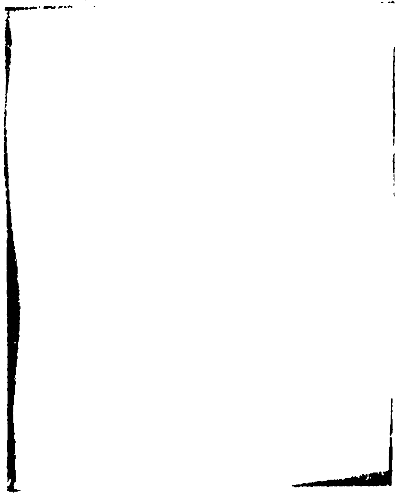
جاتا ہے کہ آسٹریا کے ایک وفد اور ایک طرف ... شہزادی میں ... کی بات چیت ہو رہی ہے مگر سوئی ان تمام حرکتوں کے خلاف ہے اور وہ "ہیپسبرگ" دور کی دوبارہ زندگی کا مخالف ہے۔ کیونکہ اس طرح وہ جرمنی اور آسٹریا کو ہم رنگ کر سکے گا۔ ہوا کا یہ رخ دیکھ کر اٹلی نے بھی "ہیپسبرگ" نظریہ کار کی مخالفت شروع کر دی ہے تاکہ جرمنی زیادہ خوش رہے۔

اٹلی نے ایک اور دوست کو اپنے چھوڑ دیا ہے اور وہ ہنگری ہے اٹلی نے ہمت دلائی ہے کہ سرحدوں کی از سر نو تقسیم اور نظر ثانی کے وعدے کرنے کے ساتھ پیش کیا جائے۔ اب امیدیں بر آئیں اور معاہدہ "ٹرایانون" کی تجدید ہو تو یوگوسلافیہ کو اپنی سرزمین کا بڑا حصہ دینا پڑ جائے گا ہنگری یوگوسلافیہ سے سخت نفرت کرتا ہے کیونکہ اس نے ہنگری کے خلاف غدر کرنے والوں اور سازشیوں کو اپنے دامن میں پناہ دی تھی۔

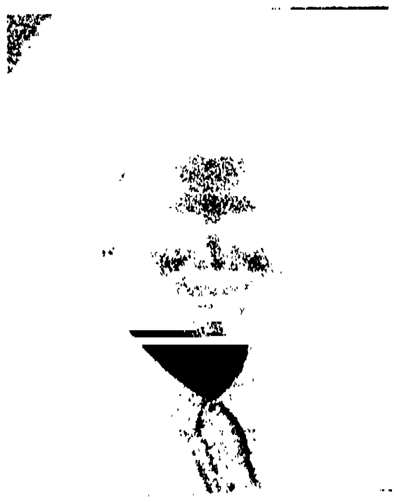
اٹلی یوگوسلافیہ سے نفرت کرتا ہے کیونکہ "امن کے صلحناموں" کی بدولت ایڈریاٹک کے علاقے دیئے گئے جو ایک خفیہ معاہدہ کی رو سے جو اس نے شرکت جنگ عظیم کی قیمت ٹھہرائی تھی، اٹلی کے ہاتھ سے نکل گئے۔ مگر اب اٹلی اس پر پردہ ڈال کر ایک اور چیز کی فکر میں ہے۔ اطالوی وزیر خارجہ بلغراد گیا ہے تاکہ یوگوسلافیہ سے ایک نیا تجارتی و سیاسی معاہدہ کرے۔ معلوم

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

کانگریسی وزرا اور اُن کے نگراں



شریت سی۔ راجگوپال آچاریہ
وزیراعظم مدراس



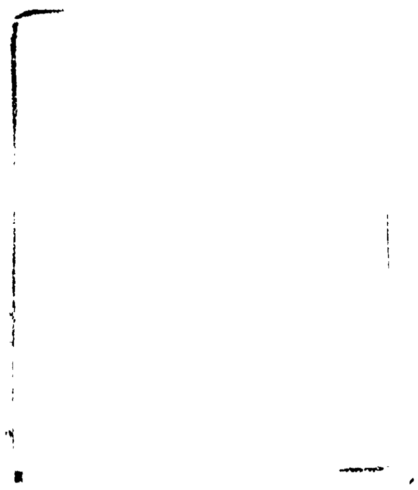
ڈاکٹر این۔بی۔ کھرے
وزیراعظم سی۔پی۔



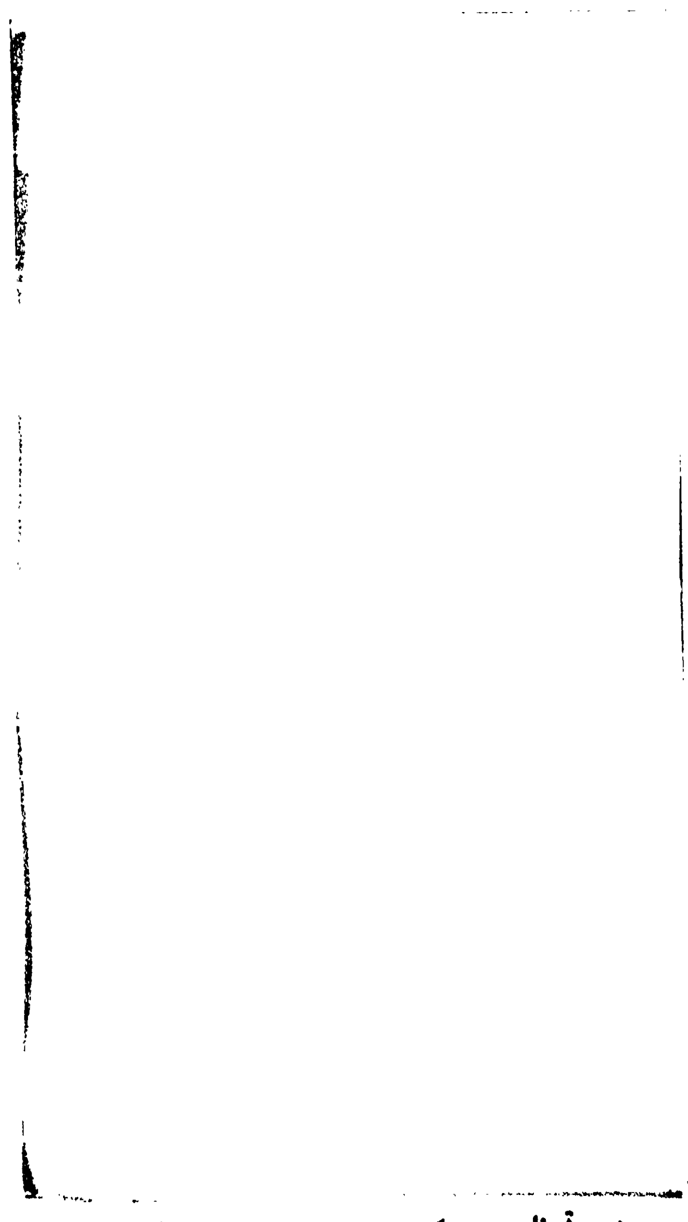
شریت پنڈت گوبند ولبھ پنت
وزیراعظم یو پی۔



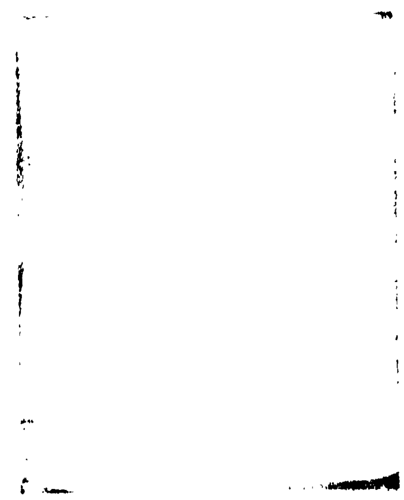
ڈاکٹر بی۔جی۔ کھیر
وزیراعظم بمبئی



مولانا ابوالکلام آزاد
آپ سردار پٹیل کے ساتھ چھ صوبوں کی وزارتوں کی ترتیب میں حصہ لینگے



وہ رہبر اعظم جس کے سر چھ صوبوں میں قبول وزارت کی ساری ذمہ داری کا سہرا ہے



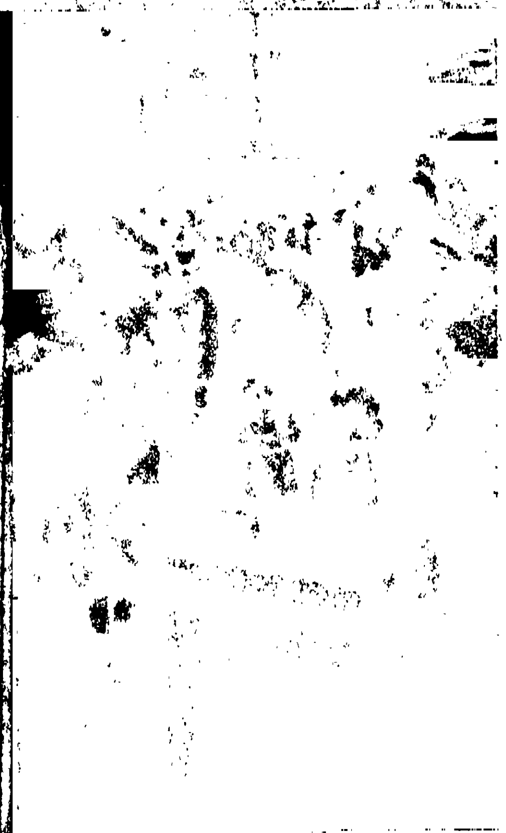
سردار ولبھ بھائی پٹیل
صدر کانگریس پارلیمنٹری کمیٹی جو چھ صوبوں میں کانگریسی وزارتوں کے کاموں کی نگرانی کرینگے



شریت وشوناتھ داس
وزیراعظم اُڑیسہ



شریت شری کرشن سنگھ
وزیراعظم بہار

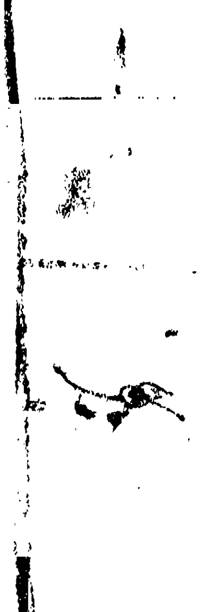


ںکو کی فوج کی داخلہ
خوش



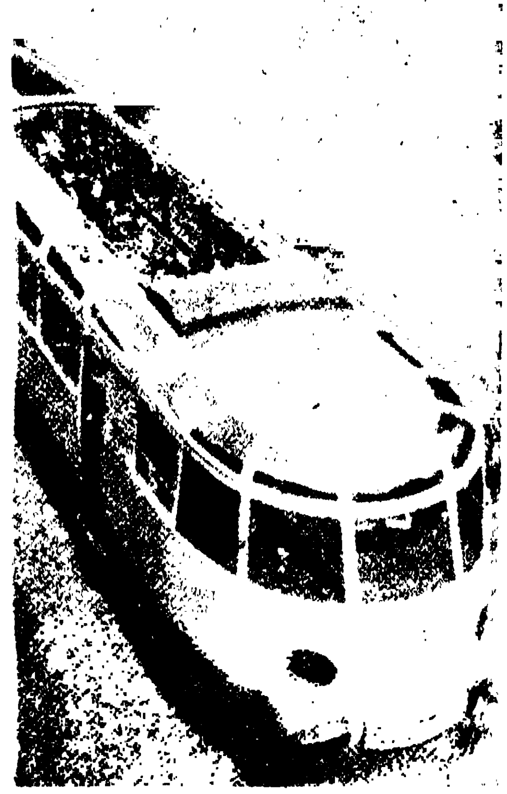
لماو کی شکست کے بعد جنرل فرینکو کی فوجوں کا داخلہ۔
ں کو فاشسٹ سلامی دی جارھی ھے







جو پورا سورج گرھن ھؤا
ر تصویر دنیا کے سب سے
، ایکلی ھے



پیرس



ج مقبی ہے ر ن ل لذ میں ں ص قسم کی حا ف موٹر بسیں
جاری کی ھیں جو بہت آرام دہ ھیں اور وقت ضرورت
اوپر سے کھل سکتی ھیں

نالندا یونیورسٹی

پراچین ہندوستان کی عظیم الشان درسگاہ

(از مسٹر رتن چند)

{اس مضمون کے متعلق تصویریں سامنے کے صفحہ پر دیکھیے}

نالندا قدیم ہندوستان کی ایک مشہور درسگاہ تھی جسکا اس کا مقام تحصیل بہار لائیٹ ریلوے کے اسٹیشن نالندہ سے جانب مغرب ایک میل کے فاصلہ پر اس کے آثار ملتے ہیں۔ قدیم بودھی تہذیب اور علوم کا مرکز یہی یونیورسٹی تھی جس نے ایشیا، چین اور تمام اُن ممالک تک علم کی روشنی پھیلائی جہاں تک بودھ مت پھیلا ہوا تھا۔ مشہور چینی سیاح ہیون سیانگ نے اس یونیورسٹی کے بارے میں لکھا تھا۔ "مینارے بلند خوبصورت آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ ایوان اور دریچوں میں ہوا کی تابانی دیکھنے کا نظارہ تھا۔ تالابوں میں نیلے کنول پھوٹے لیتے کیا بہار دکھاتے تھے۔ سرخ نقش و نگار والے ہزاروں رنگوں میں عکس چمکانے والے چھجے اور ٹائیل عجیب بہار دکھاتے تھے۔"

آج کل یہ عظیم الشان عمارتیں ختم ہو چکی ہیں۔ کھنڈرات کی کھدائی اور آثار قدیمہ کی برآمدگی ہو رہی ہے۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی اس میں کام کر رہی ہے اور بہت سی چیزیں برآمد کی جا چکی ہیں۔

پرانی کتابوں میں نالندہ کو ایک قدیم جگہ بتایا گیا ہے۔ یہاں بودھ مہاتما نے عرصہ تک قیام کیا ہے۔ جینیوں کے مہاتما مہاویر جی نے بھی اس جگہ کو اپنے قدم سے پاک کیا ہے جس کا ذکر "کلپ سترا" اور "سترکر تنگا" نوشتوں میں آتا ہے۔ فاہیان ایک اور سیاح جو تیسری صدی عیسوی میں یہاں آیا تھا نالندہ کا کچھ تذکرہ نہیں کرتا۔ اگر وہاں بودھوں کی خانقاہ ہوتی تو وہ ضرور وہاں جاتا۔ اسوقت تک بودھوں کی خانقاہ نہیں بنی تھی۔ مگر ہیون سیانگ نے لکھا ہے کہ یہاں تمام ہندوستان سے طالبعلم پڑھنے آتے تھے۔ استاد اور طالبعلم مل کر دس ہزار کے قریب ہوں گے۔ استاد اور طالبعلم صرف اعلیٰ کیریکٹر اور عمدہ لیاقت کے ہی اس یونیورسٹی میں داخل ہو سکتے تھے۔ اس یونیورسٹی میں داخلہ بہت مشکل کام تھا۔ بہت کافی محنت اور بھاگ دوڑ کے بعد یونیورسٹی میں داخل ہو سکتا تھا۔ اس سے یونیورسٹی کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آئی تسنگ ایک اور چینی جہاں گشت نے بودھوں کی رسمیں نامی سفر نامہ ہیون سیانگ کے بیانات کی تصدیق کی ہے۔ وہ ۶۷۱ء عیسوی میں چین سے چلا تھا۔ اور آج کل جو تاملک شہر ہے اسوقت تمرال پتی کہلاتا تھا وہاں ۶۷۳ء عیسوی میں پہنچا اور نالندہ یونیورسٹی میں کافی عرصہ تک تعلیم حاصل کی اور تقریباً ۵۰۰۰ اشلوک اس نے ترجمہ کئے۔ اس کے زمانہ میں یہاں آٹھ بڑے ہال تھے۔ ۳۰۰ کمرے تھے۔ بہت سے چینی، تبتی اور دیگر مقامات کے لوگ یہاں تعلیم حاصل کرنے آتے رہے۔

جنرل کننگھم محکمہ آثار قدیمہ کے سابق ڈائرکٹر نے یہ تسلیم کیا ہے کہ بودھوں کی خانقاہ کے قریب ایک تالاب تھا جس میں ایک ناگ رہتا تھا اسکی وجہ سے اس جگہ کا نام نالندہ پڑ گیا۔ وہاں سے جو دو کتبے اور کچھ دستیاب ہوئے ہیں ان میں نالندہ ہی نام لکھا ہوا ہے۔ ہیون سیانگ اس یونیورسٹی میں ۹ برس تک زیر تعلیم رہا۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں کے ۵۰۰ امیر تاجروں نے نالندہ کی جگہ خرید کر مہاتما بدھ کو خانقاہ بنانے کے لیے دی تھی۔ ہیون سیانگ نے لکھا ہے کہ جب مہاتما بودھ کو نروان حاصل ہو گیا تو اُن کے پیرو راجہ نے یہاں عمارتیں بنانی شروع کر دیں۔ راجہ بدھ گپتا، ادھیا، تتھاگتا اور دیگر مشہور راجہ تھے جنہوں نے یہاں مختلف خانقاہیں تعمیر کرائیں۔ سب سے بڑی خانقاہ جنرل کننگھم کے نزدیک ۲۰۰ فٹ لمبی اور ۱۰۰ فٹ چوڑی ہے اگرچہ اس پر کوئی تاریخ کندہ نہیں ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ ۴۸۰ عیسوی میں وہ بنائی گئی ہو گی۔

تمام بودھ اس درسگاہ کی خدمت کرنا فخر سمجھتے تھے اور اس کے لیے خیرات دان کرتے تھے۔ ان کے علاوہ دو سو زیر باشندے جو گاؤں میں رہتے تھے درسگاہ کے لئے چندہ دیا کرتے تھے۔ چاول کا ایک ٹکل نصف پنڈا اور ۲۰۰ پونڈ دودھ اور مکھن کی کثیر مقدار طالبعلموں کے لئے روزانہ جمع کی جاتی تھی۔ اور طالبعلموں کو در بدر بھیک مانگنے کے لئے جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ درسگاہ کی ملکیت میں ۲۰۰ گاؤں بھی تھے جو بعد میں ۲۰۰ ہو گئے۔ ہیون سیانگ کے زمانہ میں ہزار طالبعلم بودھ مت کے ۱۸ مذاہب کا مطالعہ کر سکتے تھے۔ وید، سترہ دیا، منترا، سبد، آدیا، چکتس، وڑیا وغیرہ بھی پڑھائے جاتے تھے۔ ہیون سیانگ لکھتا ہے کہ یونیورسٹی میں داخل ہونے سے پہلے گرامر کا سیکھنا ہر ودیارتھی کا فرض تھا۔ دس سال کی عمر میں ہر شخص کو ختم کر دینی ہوتی تھی۔ اس کے بعد نظم و نثر میں مہارت پیدا کرنے کے لیے منطق، بودھ کی پیدائش کی کہانیاں کتاب اور علم النفس پڑھائے جاتے تھے۔ تعلیم حاصل کر لینے کے بعد بودھ راجہ کے دربار میں نالندہ کے گریجویٹ لیے جاتے تھے۔

نالندہ یونیورسٹی کی لائبریری بھی ایک عظیم الشان چیز تھی۔ اسمیں تین بڑی عمارتیں تھیں۔ رتن ساگر، رتن دھاتی اور رتن چکا۔ بعض عمارتیں ۹ منزلہ تھیں جسمیں سب سے زیادہ مقدس بودھی نوشتے رکھے جاتے تھے۔ سب سے اوپر کی منزل میں "پراجنا پرامترا" رکھی جاتی تھی۔

اس یونیورسٹی کا موٹو یہ تھا۔

"غصہ کو عفو اور درگذر سے مغلوب کرو۔ برے آدمی کو اپنے نیک عمل سے جیت لو۔ کنجوس کو کچھ اور دے کر اپنے حاصل کرو۔ اور جھوٹے پر سچ سے غلبہ حاصل کرو۔"

آئی تسنگ جتنے عرصہ تک یہاں پر رہا یونیورسٹی بہت خوشحال اور ترقی پذیر تھی۔ ۶۴۸ء میں تبت کے راجہ نے نالندہ میں اپنا سفیر بھیجا۔ کملا شیلا نامی سب سے بڑے رشی کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی۔ اسی زمانہ میں وکرم شیلا نامی ایک اور یونیورسٹی قائم ہو گئی جس کی نئی نئی ترقی نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ ڈاکٹر کیل ہورن کا بیان ہے کہ نالندہ کی شہرت نویں صدی عیسوی کے آخری دنوں میں آ کر ختم ہو گئی۔ اس کے زوال کے دو اسباب بیان کئے جاتے ہیں۔ اول تو یہ کہ عمارتیں بہت بوسیدہ اور پرانی ہو چکی تھیں اور مرمت نہیں ہو سکا اس لئے رفتہ رفتہ ختم ہو گئیں۔ دوسرے یہ کہ امرا اور راجگان کی توجہ دوسری یونیورسٹی وکرم شیلا کی طرف مبذول ہو گئی۔

۱۹۱۵ء میں نالندہ کی کھدائی کا باقاعدہ کام ڈاکٹر سپونر نے شروع کیا۔ وہ جہاں تک مشرقی۔ سے ... محکمہ آثار قدیمہ کے افسر اعلیٰ نے اس کوشش کو جاری رکھا ہے اور بہت سی چیزیں برآمد کی ہیں جو کھدائیاں کی گئیں ان میں بہت سی گپھائیں، خانقاہیں اور حجرے برآمد ہوئے ہیں جن کے کتبوں سے اسوقت کے حالات پر خوب روشنی پڑتی ہے۔

پہلی چیز ایک خانقاہ ہے جو ۲۰۵ فٹ لمبی اور ۱۶۸ فٹ چوڑی ہے۔ اسکی دیواریں ۶ فٹ چوڑی ہیں۔ سب سے نیچے کی منزل چھٹی یا ساتویں صدی عیسوی کی بنی ہوئی ہے۔ یہاں سے آگے چل کر ۷ فٹ سے ۴ فٹ کا ایک ایوان آتا ہے جس کے اختتام پر ایک کمرہ تھا جہاں مہاتما بودھ کی ایک بہت بڑی مورت رکھی ہوئی تھی۔ اب اس مورت کے صرف دو ٹکڑے برآمد ہوئے ہیں۔

صحن بہت اونچا نیچا ہے اور اس کے کھودنے سے قدیم عمارتوں کے بہت سے آثار برآمد ہوئے ہیں۔ ایک محراب پر ۹۱۸ء کا کتبہ راجہ سری دیو پالا دیو کا نکلا ہے جو پالا خاندان کا مشہور بودھ راجہ گذرا ہے۔ اس کتبہ سے گیا اور راجگیر ضلع کے پانچ گاؤں نالندہ کے نام پر وقف کئے جانے کا تذکرہ ہے۔

خانقاہ کے عین مشرق میں ایک چوکور مندر کے آثار ملتے ہیں جس کی کھدائی ۱۹۱۶ء سے ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر سپونر نے اس کی دیواروں کی بناوٹ اور نقوش سے یہ پتہ چلایا ہے کہ وہ چھٹی یا ساتویں صدی عیسوی میں بنائے گئے ہوں گے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ مندر کسی پرانے خشتی مندر کی بنیاد اور جگہ پر بنایا گیا ہے۔ سب سے اونچا ٹوپ خانقاہ کے جنوب میں ہے جسے جنرل کننگھم نے "دہارا" بتایا ہے۔ ۶۴ فٹ اونچا اور ۷۰ فٹ چوڑا ہے۔ اوپر کی طرف سے۔ ہیون سیانگ نے اسی ٹوپ کے بارے میں بتایا ہے کہ مہاتما بودھ یہاں تین ماہ تک رہے تھے اور خدا کے احکام لوگوں کو سکھاتے تھے۔ سب سے بڑے ٹوپ کے گرد چھوٹے چھوٹے بہت سے ٹوپ ہیں جس کی وجہ سے چاروں طرف کی زمین کی سطح بہت بلند ہو گئی ہے۔

نالندہ یونیورسٹی اور اس کی عمارتوں کا تذکرہ تاریخ اور آثار اور سیاحت ناموں سے ظاہر ہے جنہیں سے مشہور یہ ہیں۔

(۱) ہیون سیانگ کا سیاحت نامہ جس میں ایک چینی رشی کی آمد اور بہت سے تبتی راجاؤں کا ذکر ہے۔

(۲) پالا راجاؤں کے راجہ دیو پالا کی آمد۔

(۳) پنڈت ہیرانند شاستری یہاں کی کھدائیوں کے کچھ عرصہ تک انچارج رہے ہیں۔ انہوں نے تانبے کے بہت سے پتر برآمد کئے تھے اس سے یونیورسٹی کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔ اور یونیورسٹی کے لئے جو زمینیں اور جائدادیں وقف تھیں اُن کا بھی تذکرہ اس کتبہ میں پایا جاتا ہے۔

(۴) ۱۸۶۲ء میں مسٹر بکنس ہملٹن نے یہاں دھور نامی ایک اور کتبہ برآمد کیا جس میں کسی بڑے عالم سری گوپال آچاریہ کی کرامات کا تذکرہ ہے۔

(۵) نالندہ میں اشٹ شاسریکا پراجنا پرامتا کی نقل کی گئی تھی جو کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری میں اس وقت تک موجود ہے۔

(۶) بہت سے سکے اور طلائی زیورات جن میں راجہ گووند چندرا کی مہریں بھی ہیں جنہیں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے کارکنوں نے بڑی چھان بین کے بعد برآمد کیا تھا۔

(۷) اور سب سے اہم چیز اس یونیورسٹی کی مہروں کا ایک ذخیرہ برآمد ہوا ہے جو اس وقت کے کاغذات اور دستاویزات پر استعمال کی جاتی تھیں اور جنہیں خدا پرست فقرائے بودھ کی جماعت کی "مقدس نشانیاں" ایک کتبہ میں بتایا گیا ہے۔ اس میں ... کے حسب ... کی مہر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

(۸) بنارس میں ڈاکٹر وڈگل نے کچھ پرانے کتبے دستیاب کئے ہیں جو آٹھویں یا نویں صدی عیسوی کے مانے جاتے ہیں۔ جن میں نالندہ کی مقدس درسگاہ کا ذکر ہے اور اس کے نام کو جس نے دان کیا تھا اسکی تفصیل ہے۔

رُباعیات

(از پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری ایم اے)

(۱)

بڑھتے چلے ہاتھ جیب و داماں کی طرف
وحشی کے قدم اُٹھے بیاباں کی طرف
ہے صبح بہار لڑکھڑاتی ہے نسیم
اُٹھتی ہے نظر تیری گلستاں کی طرف

(۲)

ناشاد کسے کہتے ہیں اور شاد کسے
مجبور کسے کہتے ہیں آزاد کسے
اک دل ہے کہ سو بھیس بدلتا ہے فراق
برباد کسے کہتے ہیں آباد کسے

تجارت بذریعہ ڈاک

(از جناب عبدالرحیم صاحب شبلی - بی کام)

اب جبکہ کہ ذرائع آمدورفت اور وسائل رسل ورسائل کافی ترقی یافتہ ہو چکے ہیں تجارت بذریعہ ڈاک کے لئے بھی بہت سی آسانیاں مہیا ہو گئی ہیں۔ اس طریقہ تجارت میں گھر بیٹھے بٹھائے تمام دنیا سے تجارتی تعلقات قائم کئے جا سکتے ہیں اور سلف یہ ہے کہ مقامی تجارت کی طرح مکان اور ساز و سامان پر کوئی کثیر رقم خرچ نہیں کرنا پڑتی۔ بلکہ یہ کام کسی گمنام گوشہ میں بھی بیٹھکر سرانجام دیا جا سکتا ہے۔

بذریعہ ڈاک کاروبار کے لئے زیادہ سرمایہ کی ضرورت نہیں صرف ہمت۔ استقلال محنت اور مشقت کی ضرورت ہے۔ اس کام کے بڑھانے کے لئے غیر محدود میدان ترقی اور امکان موجود ہے۔ اس کو بہ احسن وجوہ سرانجام دینے کا انحصار اولاً طرز اشتہار بازی پر ہے۔ جتنا اشتہار شائستگی سے لکھا جائے گا اور جاذب نظر اور توجہ ہوگا آہستہ ہی نتیجہ آمد آئیں گے۔ دوسرے خطوط کی عمدہ سلاست نہایت اعلیٰ درجہ کی ہونی چاہئے۔ جتنا خط پُر لطافت اور پُر کشش ہوگا اتنا ہی زیادہ گاہک کو اپنی طرف مائل کریگا۔

سب سے پہلی بات اس کاروبار کے شروع کرنے کے لئے یہ ہے کہ آپ اپنے متوقع گاہکوں کی ایک مکمل فہرست تیار کریں۔ یہ نام آپکو مندرجہ ذیل ذرائع سے مل سکینگے۔

(۱) ٹیلیفون ڈائرکٹری (۲) میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کی اسسمنٹ لسٹ۔ جن میں مکانات اراضی۔ تجارتی اداروں کے ممبروں اور موٹر کاروں کے مالکوں۔ کاروباری انجمنوں۔ مدرسوں۔ عدالتوں اور سوسائٹیوں وغیرہ کے ممبروں کے نام دیئے ہوتے ہیں۔ (۳) انڈین ایئر بک۔

(۴) تجارتی ڈائرکٹری۔

اس کے علاوہ اپنے شہر کے دوستوں یا بیرونی پڑھے لکھے اصحاب کے ناموں کی اطلاع دینے والے کو کوئی چیز بطور تحفہ دینا کر دینا بھی مفید نتایج پیدا کر سکتا ہے۔

اس کے بعد آپ روزانہ اخبارات اور ہفتہ وار و ماہواری رسائل و جرائد میں اشتہار دیں۔ اشتہار دینے سے قبل آپ کے لئے معلوم کر لینا ازحد ضروری ہوگا کہ وہ اخبار یا رسالہ کس قسم کے لوگوں میں پڑھا جاتا ہے۔ کسی بچوں کے اخبار میں موٹر کاروں کا اشتہار دینا یقیناً بے رونق ہوگی۔ اسی طرح کسی عام استعمال میں آنے والی شئے کا اشتہار کسی اعلیٰ درجہ کے ماہواری رسالہ میں جو ایک خاص طبقہ میں پڑھا جاتا ہو درج کرانا بھی ... عقلمندی ہوگا۔

ایک عام اشتہار کے علاوہ متوقع خریداروں کو اپنی قابل فروخت شئے کے متعلق مفصل خصوصیات بھی بذریعہ ڈاک ... اس کے لئے بہتر ہوگا اگر آپ گاہکوں کی لسٹ کو ... کے مذاق اور کردار وغیرہ کے مطابق تقسیم کرلیں اور ہر ایک کو اس کی طبیعت کی افتاد کے مطابق جدا جدا خطوط تحریر کریں مثلاً جو باتیں طلباء کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے ضروری ہیں وہ بیرسٹروں یا عام ملازموں کی کشش کا باعث نہیں ہو سکتیں پس جہاں تک ممکن ہو سکے اپنی لسٹ کو لوگوں کے مزاج اور افتاد طبیعت کے مطابق تقسیم کریں اور ان کو اسی کے مطابق خط تحریر کریں۔

اس اشتہاری خط کے ساتھ منسلکات ENCLOSURES بڑی حفاظت سے بھیجنے چاہئیں۔ ان کی تیاری میں بھی خاص اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ ان کی اصل غرض گاہک کو متوجہ کرنا اور مال کے متعلق دلچسپی پیدا کرنا ہے۔

یہ منسلکات مندرجہ ذیل قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ کتابچے

چھوٹے چھوٹے رسالے طبع کروانے چاہئیں جن میں قابل فروخت مال کے متعلق پوری تفصیلات درج ہوں۔ یہ پمفلٹ ہر لحاظ سے یعنی بلحاظ زبان۔ ڈیزائن۔ کتابت و طباعت بہترین ہونے چاہئیں۔ ان کو اس طریق سے لکھنا چاہئے کہ لوگ انہیں محفوظ رکھنے پر مجبور ہو جائیں۔

۲۔ فولڈر

فولڈروں کی کامیابی کا انحصار جدت اور تنوع پر ہے۔ کیونکہ اکثر فولڈر بالعموم ہر کوئی ... اور وہ ان کی یکسانیت سے تنگ آ چکے ہوتے ہیں۔

پس فولڈر کو اس طرز سے بناؤ کہ انسان باہر سے دیکھتے ہی اس کی طرف متوجہ ہو جائے اور اسے کھولنے کا ارادہ کرے اس میں مختصر الفاظ میں قابل فروخت شئے کی خصوصیات مندرج ہونی چاہئیں۔

۳۔ یاد دہانیاں

ایک خط بھیجنے کے بعد کچھ کچھ وقفہ کے بعد یاد دہانی کرواتے رہنا چاہئے اور اس یاد دہانی میں ہر چیز کی خصوصیات پر مختلف نقطہ نگاہ سے روشنی ڈالنی مفید ہوتی ہے۔

الغرض اشتہاروں اور خطوں میں ایسی جدتیں داخل کرتے رہنا چاہئے جو گاہکوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب ہو سکیں۔ مثلاً کوئی تصویر ہی دے دی یا اپنے کاروبار کے متعلق تدریجی ترقی کے اعداد و شمار ہی دیدیئے وغیرہ بعض اوقات مفت نمونہ یا کسی خاص محدود وقت تک رعایتی داموں بھی بہت سا کام کر جاتے ہیں۔

تجارت بذریعہ ڈاک کے لئے پورے پتہ کی بجائے پوسٹ بکس کا نمبر بالعموم لکھا جاتا ہے۔ لیکن آج کل پوسٹ نمبر بہت عام ہو چکے ہیں۔ اور جس فرم کے نام کے ساتھ پوسٹ بکس ہو وہ اچھی نہیں سمجھی جاتی۔ لیکن پورا پتہ بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ بعض اوقات کام گھروں میں کیا جاتا ہے جہاں گاہکوں وغیرہ کا آنا ممکن نہیں۔

زندگی کی کامیابی

(از قلم مسٹر جے۔ پی گپتا۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل میرٹھ)

اگر آپ کی زندگی کامیاب ہے۔ اگر آپ کی زندگی ناکامیاب ہے۔ اگر آپ زندگی کامیاب بنانا چاہتے ہیں۔ اور اگر نہیں بھی چاہتے۔ تب بھی اس مضمون کو پڑھیئے۔

زندگی ایک جوئے کا کام ہے۔ جو کھیلنا ہو اسمیں جیت ہار دو چیزیں ہیں۔ جوئے کا کھیلنا ہمارے ہاتھ کی بات ہے۔ پانسہ ہمارے ہاتھ سے پھینکا جاتا ہے۔ مگر بازی کی ہار جیت نصیب کے تابع ہوتی ہے۔ مگر زندگی کے کھیل میں کھیل کیونکر کھیلا جاتا ہے ایک بہت اہم بات ہوتی ہے۔ زندگی کی کامیابی اور ناکامی عام طور پر اس پر منحصر ہوتی ہے کہ آپ کھیل کیونکر کھیلتے ہیں۔ پس جو شخص زندگی کے کھیل کی بازی جیتنا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ یہ سمجھے کہ یہ کھیل کیونکر جیتا جاتا ہے۔

انسان کیا کچھ کر سکتا ہے اس کا اندازہ لگانے کے لئے اُسے قدم چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مولا کی اپنی ذات اور حالت بتا دیگی کہ وہ کس کے لئے مقدور ہے میری رائے ہے کہ ذہانت محنت سے حاصل ہوتی ہے جو انسان اپنی رائے اور فیصلہ کی قوت کا استعمال کرتا ہے اور مسلسل طور پر ہوشیاری کے ساتھ ذہن کو تربیت دیتا ہے تو عقل اور تمیز کا ایک اہم مادہ اسمیں مزید پیدا ہو جاتا ہے۔

پس یہ قدرت نہیں ہے جو لوگوں کو ذہانت کی کوئی بڑی سی مقدار عطا کر دیتی ہے اور کچھ لوگوں کو اس سے محروم رکھتی ہے۔ نہیں فطرت منصف ہے اور سب کے ساتھ منصف ہے انسان انتھک کوششوں اور صحیح استعداد قوت کے استعمال سے ذہانت اور زیرکی پیدا کر سکتا ہے۔ فہمیدہ ہونا انسان کے اپنے ہی جہد پر منحصر ہے۔ چنانچہ آرنی تہیکر لکھتا ہے۔ "زندگی میں جو چیزیں پھل لاتی ہیں وہ جسم و جان کی محنت ہے۔ ایک مضبوط روح اور نیک نصب العین کو سامنے رکھ کر آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔"

عبدالرحیم خان خاناں کا یہ شعر عام طور پر پیش کیا جاتا ہے اور جو لوگ تربیت ذات کے اصول معلوم کرنا چاہتے ہیں اس شعر کو پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگوں کی صحیح ہدایت ہے۔

"انسان اپنا خود ہی ستارہ ہے جو اسکی رہنمائی کرتا ہے اور وہ روح جو معصوم و نیک ہے ایک مکمل انسان میں کامل انوار و تجلیات سے لبریز ہوتی ہے اور انسان کے ہر شعبۂ زندگی۔ ہر عمل اور اس کے نصیب کے ہر جز کو بناتی ہے۔ نہ وقت سے پہلے اس کے نصیب میں کچھ ہوتا ہے اور نہ کچھ دیر بعد۔ جو کچھ ہوتا ہے ایک مقررہ اندازہ سے ہوتا ہے۔"

زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ایک معین اور واضح مقصد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں کوئی نصب العین ہو اس کے حصول کے ذرائع نکل سکتے ہیں۔

بنجمن ڈسرائیلی ایک یہودی تھا اسوجہ سے قابل نفرت تھا۔ مگر جب وہ اپنے ذاتی جوہر کی بدولت وزیر اعظم برطانیہ ہو گیا تو تمام قابلیت۔ فہم رسا اور زیرکی کی بدولت ایک دنیا اس کی ذہانت کی داد دینے اور اس کی تعریفوں کے پل باندھنے میں منہمک ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُسے خود اپنے پر زیادہ اعتماد تھا۔ وہ اپنی لیاقت اور ذات پر کامل بھروسہ کرتا تھا۔

ایک اور مثال اسی نوع کی ریمزے میکڈانلڈ کی ہے جو حال ہی تک وزیر اعظم برطانیہ تھے۔

ایک مشہور انگریز شاعر کے بقول :-

"ہمیں سر بلند ہو کر کام کرنا چاہیئے۔ اور خواہ نصیب میں کچھ بھی ہو۔ اس کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ برابر کچھ نہ کچھ حاصل کرتے رہنا کسی وقت بھی پیچھے نہ رہنا۔ محنت کرنی۔ اور عمل کرنے کی ترکیب سوچتے رہنا۔ اور انتظار کرنا کہ اب آگے کیا ہوتا ہے۔ اور پھر آہستہ چل کر کچھ کام کرنا۔"

ایک شخص جو بہت بلند رکھتا ہے۔ طاقتور اور مضبوط رائے کا مالک ہے اور اپنی ذات پر بھروسہ کرتا ہے کیا چیز کمزور کر سکتی ہے اور ناکامیاب بنا سکتی ہے۔ ایسے آدمی کو اندوہ اپنے جادۂ مستقیم سے نہیں ہلا سکتا اور مشکلات و مصائب اسے اپنی جگہ سے ایک بال برابر متحرک نہیں کر سکتے۔ وہ سخت چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ خواہ سامنے کچھ بھی آئے وہ اپنی نظر اپنے نصب العین کی طرف رکھتا ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ آنکھیں تو ادھر رہیں مگر قدم ڈگمگائیں نہیں۔ اور ٹھیک راستے کی طرف آ جھیں۔

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک شخص جس کے دل میں قانون دان ہونے کا ارمان ہے۔ اگر اپنے گرد جنتی ماحول پیدا کرے گا تو اس کا انجام کیا ہوگا۔ اس طرح کرنے سے وہ اچھا وکیل اور قانون دان نہیں بن سکتا۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے ایسا ہی ماحول پیدا کرے جس کی اُسے ضرورت ہے۔

کامیابی کے حصول کا ایک اور راز یہ بھی ہے کہ انسان جو بات بھی سوچے کامیابی کی رمز میں سوچے۔ ناکامی اور نامرادی کا جذبہ بھی دل میں نہ آنے دے۔ اور حتی الوسع اسے اپنے دل میں جگہ نہ دے۔ انسان کا دل ناکامی کی بات سوچنے سے بیٹھ جاتا ہے۔ اور اپنے پر اعتماد کم ہو جاتا ہے۔

پس ضروری ہے کہ اعتماد نفس اور بھروسہ کو قائم رکھنے کے لئے دل کو ہمیشہ قوی رکھے اور اس کے لئے ہمیشہ کامیابی کی رمز میں سوچتا رہے۔

جو شخص ہمیشہ ناکامی کی رمز میں سوچتا ہے ناکامی دل میں۔ دماغ میں۔ چال ڈھال میں۔ لباس اور وضع قطع میں جلوہ گر ہوتی ہے جو ہمیشہ ناقابل عبور مشکلات کے حائل ہونے کی شاکی اور جس کا ہر قدم ناکامی کے راستہ پر جاتا ہے ہرگز کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا۔ نوجوان جو کامیاب ہونا چاہتا ہے ناکامی کے لفظ سے نا آشنا اور نامرادی کے جذبہ سے خالی ہونا چاہیئے۔

اب یہ بات بھی ضروری ہے کہ انسان مواقع اور محل زندگی کی تلاش میں رہے۔ اور صحیح محل کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ قدرت ہر شخص کو آگے بڑھنے، ترقی کرنے اور اپنی حالت کو سدھارنے کا ایک سچا موقع دیتی ہے۔ اب اس سے کام لینا اس کا اپنا فعل ہے۔ کچھ سیکھنے کا۔ کچھ سمجھنے کا۔ کچھ لینے لینے کا موقعہ زندگی میں بار بار نہیں آتا۔ اور زندگی کا پہیہ دوبارہ اپنی جگہ پر واپس لانا ذرا محال بات ہے۔ ایک دفعہ موقعہ ہاتھ سے نکلا اور پھر دست تاسف ملتے رہنا پڑے گا۔ اگر ہم نے مواقع کو ہاتھوں سے چلے جانے دیا تو اس زندگی بھر افسوس کرنا پڑے گا۔ اور اس نقصان عظیم کی تلافی کوئی نہ کر سکیگا۔

ہر موقع اور محل سے کام لینا چاہیئے۔ دل پر۔ دماغ میں نشاط۔ اُمنگ اور اور چڑھنے کی پُر امید دل قلبی کیفیت کے ساتھ ہمیں آگے بڑھنا چاہیئے۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ جب تک ہمیں معلوم نہیں ہوتا جب تک کہ بھلائی حاصل نہ ہو۔ لیکن اس کے قریب پہنچکر اُسے اپنے قبضہ میں کر لینے کی اُمنگ پیدا کرنی چاہیئے۔ کیونکہ کچھ اور لوگ بھی اس کی تلاش میں ہوں گے۔ پس سب سے بازی لے جانے کے لئے ہاتھ پیر مارنا بھی عقلمندی ہے۔

دن کا کام اسی دن اور جس وقت ختم کرنے کا ہے اسی وقت ختم کرنے کا عادی ہونا چاہیئے۔ اپنی ہر خواہش دور رس کے مقصد پر نظر رکھنی چاہیئے۔ کل پر کام کبھی نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ "یہ کام کل کروں گا" اپنے دل میں کہنا ایسا ہے جیسے اپنے دل میں یہ کہنا کہ "میں آج ذلیل پست فطرت۔ بزدل۔ مضمحل اور کینہ پرور اور بے حقیقت و شرمندہ رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔"

آخر میں میں یہ کہونگا کہ ہمیں اپنے آپس کے تعلقات میں ایک دوسرے کے ساتھ رعایت کرنے۔ ایک دوسرے کی خامیوں کو نظر انداز کرنے اور برداشت اور بھروسے سے کام لینے۔ انصاف و اخلاق برتنے کی عادت و صلاحیت ہونی چاہیئے۔ انصاف پروری۔ سچائی۔ سنجیدگی و خلوص ایک نیک نفس انسان کے ضروری عناصر فطرت ہیں۔ جان ہمپڈن کی طرح ہمیں اپنے تمام حسیات و جذبات پر کامل قابو اور قبضہ ہونا چاہیئے۔ مشہور فلسفی سپنسر کہتا ہے :- "اپنی ذات کی تعمیر دراصل ایک معیاری انسان بننے کا دوسرا نام ہے اور وہ بہت مفوقانی اصلاح و تعمیر سے ہو سکتا ہے۔ احساسات اور یکایک پیدا ہونے اور جلد محو ہونے والی خواہشات کا غلام نہیں ہونا چاہیئے جو خواہش دل کو ڈانواڈول رکھیں بند کرنے کے قابل ہیں۔ اپنی خواہشات کو اپنے دائرہ اور فہم و تنقید ذاتی کے انکش کے نیچے دبائے رکھنا چاہیئے۔ خواہشات و جذبات کا متوازن۔ معین۔ محدود اور مقرر ہونی چاہئیں۔ تعلیم بالخصوص اخلاقی تعلیم انسان میں صحیح ذوق تمیز پیدا کر دیتی ہے۔ اپنے اعمال پر تعلیم و تجربہ کی روشنی میں ہر وقت تنقید کرتے رہنا چاہیئے۔ ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر اور ہر پہلو سے اس پر رائے زنی کر کے۔ مشورہ کر کے فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اور ایک دفعہ کیا ہوا فیصلہ حتی الوسع بدلنا نہیں چاہیئے۔"

محنتی ہونے اور قوت تمیز پیدا کرنے کے ہنر کے ساتھ ساتھ ہم میں برداشت اور استقلال کی عادت بھی ہونی چاہیئے۔ میں نے بہت سے ایسے دوست دیکھے ہیں جو میدان علم میں شہسوار ہونا چاہتے ہیں۔ کتابیں جمع کیں۔ خاص خاص غور طلب اور بحث طلب مسائل کی فہرستیں بنیں۔ کچھ عرصہ غور سے مطالعہ کا شغل جاری رہا۔ اور ذرا سی مشکل آ جانے پر استقلال کی ڈور ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور ایک عالم ہونے کی بجائے ادھورے طالب علم ہی رہ گئے۔ جہاں مشکلات نے اپنا بھیانک چہرہ دکھایا اُن کے حواس باختہ ہوئے۔ پیچھے ہٹ گئے۔ اور علمیت اور فضیلت بننے والی عمارت گر کر کھنڈر ہو گئی۔

زندگی کی کامیابی کے لئے بڑی لمبی چوڑی اسکیموں اور خاکوں کی ضرورت نہیں ہے۔ معمولی معمولی چیزیں بھی آپ کے استقلال اور محنت پسندی کا امتحان لے لیں گی۔

پس جس چیز کی ضرورت ہے وہ استقلال اور ٹھنڈے دل سے سوچی ہوئی بات ہے۔ آہستہ روی سے دوڑ جیتی جا سکتی ہے۔ مگر اس میں استقلال اور پختگی اسے دخیل کار رہے۔

انسان کو نیک نصب العین کے حصول کی طرف دھیان رکھنا چاہیئے اور علم و تجربہ کی تلاش میں رہنا چاہیئے۔

پس اس طرح ہم بہترین منافع اور بلند ترین کامیابیوں کی طرف راجع ہو سکتے ہیں۔ وہ انعام اور رحمتیں جو خدا نے ہر محنتی بندے کے لئے اس کی کوششوں کے شیریں پھلوں کے طور پر مقرر کی ہیں اور جب وہ یہ دنیا چھوڑ کر جائے گا تو اپنے پیچھے کاروان زندگی کو ایسی منزل پر چھوڑے گا جو پہلے سے بہتر ہو گی۔ جو انسانوں کے لئے کم از کم اپنے دائرۂ کار میں صحیح رہنمائی کرے گا۔

اپارپہ

(صفحہ ۴۳ سے آگے)

معالجوں کی رائے میں سب سے پہلی اور ضروری تدبیر یہ تھی کہ اسے کسی سرد مقام پر منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ سورج پرشاد نے تین مہینے کی رخصت حاصل کر لی۔ اور بیوی کو ساتھ لے کر نینی تال چلے گئے وہاں وہ مشکل سے ایک مہینہ قیام کر سکے، رام پیاری کو یہاں بریلی سے زیادہ دقت ہوئی مجبوراً دہرہ دون میں جا کر ایک پرفضا جگہ سکونت اختیار کی لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا کہ ایک سال پہلے یہاں جو اطمینان میسر تھا وہ اس زمین کے اوس نہ تھا بلکہ روپے کی فراوانی اطمینان کے سکون اور تندرستی کو اس میں کافی دخل تھا۔ پہلے قیام میں روپے کی افراط تھی، دل مطمئن اور صحت قابل رشک تھی، اس لئے خوبصورت پہاڑ کی ساری رنگینیاں ان کی طرف کھنچ رہی تھیں، موجودہ حالت میں یہ بات نہ تھی اس بنا پر نہ وہ اطمینان حاصل ہو سکا نہ وہ لطف آ سکا جو اس سے قبل دہرہ دون کی زندگی کا ایک جزو تھا۔

دہرہ دون کی حسین اور گل پوش پہاڑیاں رام پیاری کے بیمار دل کو خوش نہ کر سکیں، وہاں کی وسیع اور پر رونق وادیاں جن کی ہموار زمین پر بنفشہ کے دیلوں، پھولوں کی کثرت سے یہ گمان ہوا کرتا تھا کہ بہت سا گندھک پھیلا کر کسی نے اس میں آگ لگا دی ہو اور اس سے نیلے رنگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں، اب بھی اس کی غمگین روح کو پیام مسرت نہ دے سکیں، وہ مسرت بھرے نغمے جو چشموں کی روانی سے پیدا ہو کر رستہ تھے رام پیاری کی سوگوار صبح اور بیقرار شام کو دلچسپ نہ بنا سکے۔ تھنڈی ہواؤں کے جھونکے اس کے بدن کی اس آگ کو ٹھنڈا نہ کر سکے جو اس کی آتما کو جلائے دے رہی تھی۔

سورج پرشاد کی رخصت ختم ہو گئی اور رام پیاری کی صحت کے لوٹنے کی نہ ہوئی تو اس نے تین مہینے کی رخصت اور لی، یہ تین مہینے ابھی ختم نہ ہوئے تھے کہ رام پیاری کی روح نے ایک انگڑائی لی اور لیحد اصل دراز کی طرف مائل پرواز ہو گئی۔

کہنے کو تو یہ داستان الم دو حرفوں میں لکھی گئی مگر حقیقتاً اتنی مختصر نہیں ہے کہ یوں آسانی سے ختم کر دی جائے سورج پرشاد جس شمع کا پروانہ تھا اس کا صبح ہونے سے قبل ہی اس طرح گل ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ وہ دیوانہ ہو گیا۔ اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ دنیا اس کی نگاہوں میں اندھیر ہو گئی ایک سال تک وہ مصیبت برداشت کرتا رہا مگر اس کا دل ٹھکانے نہ آیا اب ملازمت کے نام سے اسے اختلاج ہونے لگتا تھا جب وہ سوچتا تھا کہ کام سے واپس ہونے پر شام کو گھر میں داخل ہوتے ہی کون اپنی دلفریب مسکراہٹ سے استقبال کرے گا۔ رات کی تنہائی میں کس طرح اسے تسکین ہو گی۔ اور پھر مہینہ پورا ہونے پر تنخواہ کا روپیہ کس کے حوالے کیا جائے گا؟ یہ سب ایسی باتیں تھیں جن کے جواب میں خود قدرت بھی خاموش تھی، مادھو اس کے لئے زنجیر پا ثابت ہو رہا تھا۔ ورنہ وہ جنگلوں میں بھاگ جاتا یا کسی اونچے پہاڑ پر اپنی زندگی کے دن کاٹ دیتا لیکن مادھو کی آنکھوں میں اسے رام پیاری کی روح جھلکتی ہوئی نظر آ رہی تھی

اس کے ہونٹوں سے جو آواز نکلتی تھی اس میں رام پیاری بولتی ہوئی معلوم ہوتی تھی، یہی وجہ تھی کہ اب کائنات کی ہر چیز سے زیادہ مادھو اسے عزیز تھا۔

(۶)

بہت سال گزرنے پر بھی سورج پرشاد اپنے کام پر نہ گئے آخر میں ان کی بحوبیت اور بے نیازی اتنی بڑھ گئی کہ رخصت کی کارروائی بھی نہ ہو سکی اور وہ برخاست ہو گئے، جب انہیں معلوم ہوا کہ ملازمت کی بیڑی پیروں سے نکال لی گئی تو مادھو کو ساتھ لے کر وہ سہارنپور چلے گئے۔ وہاں سے رڑکی گئے یہاں ان کی سسرال تھی۔ اس سرزمین میں اگر کوئی دلکشی تھی تو صرف اتنی کہ رام پیاری یہاں پیدا ہوئی تھی اور اس کے اعزہ یہاں رہتے تھے، اس کے سوا کوئی چیز نہ تھی جو سورج پرشاد کے پاؤں آزادی کے لئے زنجیر کا کام دیتی۔ اس نے یہیں مستقل قیام کر لیا زیادہ تر اس لئے کہ مادھو بھی اعزہ کے ہجوم میں ماں کو بھولنے لگا تھا، مادھو ماں کو تو بھول رہا تھا مگر روپے مانگنے کی عادت ابھی تک باقی تھی سورج پرشاد کے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا جس وقت وہ رڑکی آئے ہیں مشکل سے تین سو روپے ان کے پاس تھے اور یہ رقم بھی وہ تھی جو رام پیاری کے قیمتی زیورات کو بیچ کر جمع کی گئی تھی۔ اور اب کم ہوتے ہوتے اتنی رہ گئی تھی۔ سورج پرشاد کو یقین تھا کہ میں ایک قابل اور تجربہ کار اوورسیر ہوں اپنا اور اپنے بیٹے کا پیٹ بھر لینا میرے لئے کوئی دشوار بات نہ ہو گی جہاں رہوں گا آسانی سے اپنی معاش پیدا کر لوں گا مگر یہ ایک دھوکا تھا جس میں وہ اپنی سادہ لوحی سے مبتلا ہو گئے تھے چنانچہ جب یہ روپیہ ختم ہو گیا اور انہوں نے کسی مناسب ذریعہ معاش کی تلاش کی تو وہ ناکام رہے ناکامی کے اس توہین اور تکلیف دہ احساس سے انہیں اس قدر صدمہ ہوا کہ رام پیاری کی موت کا وقت نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ ان کے دل کا زخم اس تکلیف سے چھل گیا اور یہ معلوم ہونے لگا کہ رام پیاری آج ہی مری ہے۔ شہر میں چند آسامیاں خالی تھیں انہوں نے وہاں درخواستیں دیں مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ان کے اعزہ بھی سورج پرشاد کے مصارف سے اب گھبرانے لگے تھے اگر صرف روٹی ہی کا سوال ہوتا تو ممکن تھا کہ ناقابل برداشت نہ ہوتا۔ لیکن مادھو کے لئے نقد روپے کا انتظام کسی کے بس کی بات نہ تھی اور سورج اسے اتنا چاہتے تھے کہ وہ کائنات کو ٹھکرا سکتے تھے مگر اس کا دل نہ دکھا سکتے تھے، تاہم وہ بچہ تھا اور سورج پرشاد کی نگاہوں میں موجودہ حالات نے عاقبت اندیشی کی کم و بیش روشنی پیدا کر دی تھی۔ اور انہوں نے مادھو کے جیب خرچ کو کم کرتے کرتے ایک پیسہ پر لا کر روک دیا تھا۔ روز سویرے ہی مادھو کھیں تھا ہوا آتا

[باقی صفحہ ۴۳ پر]

دیہات سُدھار کیسے ہو؟

خاص تیج ویکلی کے لئے || از قلم پنڈت اوم پرکاش ترکھا لاہور ||

ہندوستان کے باشندے بحیثیت مجموعی ناخواندہ ہیں تمام دنیا میں اس امر کی تشہیر کی جاتی ہے۔ کہ انگریز ہندوستانیوں کے بھلے کے لئے ہندوستان پر حکومت کرتے ہیں ...... روس کی مثال ہمارے سامنے ہے جس کو آزاد ہوئے ابھی ۱۹ برس گذرے ہیں۔ مگر آج وہ تعلیمی لحاظ سے دنیا کی کسی قوم سے پیچھے نہیں لیکن ڈیڑھ سو سال کی برطانوی علمداری کے بعد صرف ۸ فیصدی ہندوستانی پڑھنا لکھنا سیکھ سکے ہیں۔ ان لوگوں کا شمار بھی پڑھے لکھے افراد میں ہوتا ہے۔ جو کسی نہ کسی زبان میں اپنے دستخط کرنا جانتے تھیں۔ انقلاب روس سے پیشتر اہل روس کی دیہاتی حالت ٹھیک آج ہندوستانیوں کی سی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیاسی طاقت حاصل ہوتے ہی کسی ملک یا قوم کی کایا پلٹ ہو سکتی ہے۔

موجودہ تعلیم کا اثر شہروں تک ہی محدود ہے۔ دیہات کے لوگ تعلیم کے زیور سے آراستہ نہیں۔ علم کے بغیر انسان جاہل مطلق ہے۔ تعلیم کے بغیر دیہات سُدھار ناممکن ہے۔ دیہاتی مزدور عوام کا حفظان صحت کے اصول پر چلنا بہت مشکل ہے تعلیم یافتہ کسان کھیتی باڑی کے کام کو ترقی دے سکتا ہے اچھا شہری بن سکتا ہے۔ تعلیم کے نہ ہونے کی وجہ سے لوگ مقدمہ بازی پر اپنا قیمتی وقت اور روپیہ ضائع کر دیتے ہیں۔ غلط رسموں کی پابندی کے لئے قرض کے بوجھ سے دبے رہتے ہیں۔

ہر ایک ملک میں پرائمری تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے۔ لیکن ہندوستان کے لوگ ابھی تک اس قدرتی حق سے محروم ہیں۔ پچھلے پچاس برس کی سیاسی تحریکوں نے ملک کے اندر بہت بڑی بیداری پیدا کر دی ہے۔ عوام کے اندر تعلیم کا شوق بڑھ رہا ہے۔ مگر وہ پورا نہیں ہوتا۔ والدین کی زبردست خواہش کے باوجود اُن کے بچے تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ محکمہ تعلیم اپنی ساری طاقت اونچے درجہ کی تعلیم پر صرف کرتا ہے۔ پرائمری تعلیم کی طرف دھیان نہیں دیا جاتا۔ جس عمارت کی بنیاد ہی کمزور ہو۔ وہ کب تک کھڑی رہ سکتی ہے۔ بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں پرائمری سکول قائم ہیں لیکن ملک کے سات لاکھ گاؤں پرائمری تعلیم سے محروم ہیں۔ ڈسٹرکٹ بورڈ روپیہ کی کمی کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتے۔ چند اضلاع کے ڈسٹرکٹ بورڈوں نے ٹیکس بڑھا کر پرائمری تعلیم کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ مگر وہ ناکام رہے۔ یہ کام تو مرکزی حکومت ہی کر سکتی ہے پرائمری تعلیم ہر لڑکے اور لڑکی کے لئے لازمی قرار دی جائے۔ ہر سال اس کے لئے مرکزی فنڈ سے کافی رقم منظور کی جائے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنا روپیہ کہاں سے آئے؟ اس کا حل بھی حکومت ہی کر سکتی ہے۔ فوج اور پولیس کے اخراجات کم کئے جا سکتے ہیں۔ سول سروس کے ملازمین کی بھاری تنخواہوں میں کمی کی جا سکتی ہے،

حفظان صحت اور تعلیم سے ہی ملک کی ترقی اور تعمیر ہو سکتی ہے۔ ہندوستان میں تعلیم پر ۶ فیصدی روپیہ صرف ہوتا ہے، اور شاید ۲ فیصدی حفظان صحت پر۔ لندن میں ہر سال تقریباً ۱۰ کروڑ روپیہ تعلیم پر خرچ ہوتا ہے جبکہ ۳۵ کروڑ ہندوستانیوں کی تعلیم پر صرف ۱۲ کروڑ روپیہ خرچ ہوتا ہے، امریکہ، جرمنی، فرانس اور جاپان جیسے بڑے ملکوں کو جانے دیجئے ڈنمارک اور ناروے جیسے چھوٹے ممالک بھی تعلیمی معیار میں ہم سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ حالانکہ یہ ملک اپنی وسعت اور آبادی کے لحاظ سے ہندوستان کے کسی بڑے ضلع سے زیادہ نہیں ہیں۔ غیر ملکی حکومت کا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم بے علم رہیں۔ تاکہ اپنے جائز اور قدرتی حقوق سے بے خبر رہ کر ہمیشہ کے لئے غلام بنے رہیں۔

مہاتما گاندھی جی کے اخبار "ینگ انڈیا" مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۲۹ء کا حسب ذیل اقتباس انگریز سیاستدانوں کی منہ بولتی تصویر ہے،

"۱۵ جون ۱۸۳۲ء کو ہاؤس آف لارڈز کی سلیکٹ کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوئے مسٹر جے. سی. مارشمین نے تعلیم کے موضوع پر کورٹ آف ڈائرکٹرز کا ایک تاریخی حوالہ دیا" اس وقت ڈائرکٹروں میں سے ایک نے کہا تھا کہ ہم نے اپنی بیوقوفی سے سکول اور کالج کھولکر امریکہ کو کھو دیا اور یہ ہمارے لئے مناسب نہیں کہ اس بیوقوفی کو ہندوستان میں دوہرایا جائے۔ اور اگر ہندوستانی تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو اس کے لئے انھیں انگلستان میں آنا چاہیئے۔"

یہ ہے وہ جذبہ جس کے زیر اثر ہم نے پورے ڈیڑھ سو سال گذارے ہیں۔ یہ درست ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں سکولوں اور کالجوں کا جال وسیع پیمانہ پر بچھایا جا رہا ہے مگر موجودہ طرز تعلیم نہایت ناقص ہے۔ اس کا اعادہ ملک کے بڑے بڑے مدبر اور رہنما اپنی تقریر اور تحریر کے ذریعہ کر چکے ہیں۔ وہی تعلیم ہمارے لئے سودمند ہو سکتی ہے۔ جو ہمیں اپنی مادری زبان میں دی جا سکے۔ مشرقی تہذیب و تمدن سے اسے دور کا واسطہ نہیں۔ اس تعلیم سے جسمانی، روحانی، دھارمک اور ملکی ترقی کے خیالات کو نشوونما نہیں مل سکتی۔ صنعت و حرفت اور تجارتی تعلیم کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ موجودہ تعلیم کا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ حکومت کی مشینری کو چلانے کے لئے کلرک پیدا کئے جاویں۔

۲۳۔ جون ۱۸۵۳ء کو ہوس آف لارڈز کی سلیکٹ کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوئے سر چارلس ٹریولین (SIR CHARLES TREVELYAN) نے کہا تھا۔ یورپین طرز تعلیم ہندوستانیوں کے دل و دماغ کو بدل دیگا۔ مغربی رنگ میں رنگے ہوئے نوجوان آزادی کی راہ چھوڑ کر آئینی طریقوں میں اُلجھے رہیں گے۔ انگریزی تعلیم اور انگریزی لٹریچر ہندوستان اور انگلستان کے تعلقات کو قائم رکھینگے مغربی تہذیب و تمدن سے مانوس ہندوستانی ہمیں غیر ملکی خیال کرنا چھوڑ دینگے، وہ ہمارے بزرگوں کی ہماری طرح تعظیم کرینگے مختصر یہ کہ وہ ہندوستانی پن کو خیرباد کہہ کر انگریزیت کی طرف مائل ہونگے"

یہی وہ جذبہ ہے جس کے ماتحت تعلیم کے معاملہ میں ہمارے ساتھ سلوک روا رکھا گیا ہے۔ ہندوستانی عوام کو عموماً اور ملک کے رہبران کو خصوصاً اس ضروری مسئلہ کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ ملک کی تمام پولیٹیکل، سوشل اور اخلاقی تحریکوں کا دارومدار اچھی تعلیم پر ہے۔ اگر ہر ہندوستانی مرد اور عورت مناسب تعلیم حاصل کرے تو ملک پولیٹیکل اور اقتصادی غلامی کے پنجہ سے فوراً رہائی پا سکتا ہے۔ حسب ذیل امور کے متعلق ملک کے ایک کونہ سے دوسرے کو نہ تک زبردست تحریک جاری کیجائے،

(۱) پرائمری تعلیم لازمی اور مفت قرار دی جائے،

(۲) ہر علاقہ کے لوگوں کو انکی اپنی مادری زبان میں تعلیم دیجائے، مثلاً بنگال والوں کو بنگالی اور پنجابیوں کو پنجابی زبان میں تعلیم دیجائے۔ (کم از کم پرائمری تک)

(۳) ہر ایک لڑکی اور لڑکے کو ہائی سکول میں انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کرنیکا موقعہ دیا جائے،

(۴) ہندوستان کے مختلف صوبوں کی آپس کی خط و کتابت

(باقی اگلے صفحہ پر)

"زمیندار"

(روس کے شہرۂ آفاق مفکر اور ادیب ٹالسٹائی کی قلم سے)

(مترجمہ جناب عبدالسلام خورشید خیاباں مسلم ٹاؤن۔ لاہور)

میکائل زمیندار کے [illegible] سے مزدور [illegible] کو بڑی مشقت سے کام کرنا پڑتا تھا [illegible] مزدوری کرتے [illegible] کے وقت وہ [illegible] سب [illegible] ۔ لا امبال سے وہ بیچارے [illegible] تھے ۔ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک اُن کے کھیتوں میں کام [illegible] پرسس کے دن بھی [illegible] مزدوری [illegible] ملتی تھی ۔ کیونکہ وہ میکائل کی زمین پر رہتے تھے ۔ [illegible] کی رعایا تھے ۔ میکائل اُن سے یہ کام بیگار کے طور پہلے لیا کرتا تھا ۔ ان غریبوں کی دلی آرزو تھی کہ کبھی ہمیں بھی آرام کی کوئی گھڑی ملے ۔ مزدوری کرتے کرتے تھک کر پسینہ میں شرابور ہو جاتے تھے ۔ لیکن کام چھوڑنے کی سخت ممانعت تھی ۔ اُن کے سامنے ایک جھونپڑی سی تھی ۔ جس میں میکائل اپنے گھوڑے پر سوار ان کی نگرانی کا فرض ادا کیا کرتا تھا ۔ اُس کے ایک ہاتھ میں گھوڑے کی لگام اور دوسرے میں ایک کوڑا ہوتا تھا ۔ ادھر کسی مزدور نے کام میں ذرا غفلت کی ، ادھر زمیندار نے کوڑے مار مار کر اُس کا چمڑا اُدھیڑ دیا ۔ تمام مزدور اُس کے خلاف تھے اور اُس کی غیرحاضری میں اُس کے چنگل سے آزاد ہونے کے ذرائع سوچا کرتے تھے ۔ پہلے اُسے گالیاں دیتے ۔ پھر یکلخت کہہ اٹھتے "[illegible] یہ ظلم کب تک برداشت کی جاسکتی ہے ۔ آؤ کسی دن اس قصاب کا کام تمام کر ڈالیں ۔ اس سے خدا کی خوشنودی بھی حاصل ہوگی ، کیونکہ خدا ان لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا ۔ جو اُس کے غریب بندوں پر ظلم و ستم روا رکھیں ۔ وہ سب ملکر اس فیصلہ پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیتے ۔ لیکن ایک بوڑھا شخص آئیون انھیں اس بات سے روکتا اور کہتا کہ خدا ہرگز اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تم کسی شخص کو قتل کرو ۔ انسان کے گناہوں کی سزا دینے کا اختیار خدا کو ہے تمھیں یہ اختیار نہیں ۔

یہ سن کر مزدور بہت پیچ و تاب کھاتے اور آئیون کو طرح طرح سے کوستے [illegible] دغاباز بدمعاش نامرد جاؤ جس غرضیکہ جو زبان پر آتا کہنے سے دریغ نہ کرتے اور کہتے "اس بڈھے کھوسٹ کی عقل گھاس چرنے گئی ہے ۔ موت قریب ہے اور اسی موت سے اتنا خائف ہے ۔"

لیکن یہ لوگ بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے تھے جس وقت زمیندار کو دیکھتے تمام فیصلوں کو بھول کر اپنے کام میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے ۔ ایک دن میکائل بخار میں مبتلا ہو گیا ۔ یہ دن کسی مذہبی تقریب کا تھا ۔ اس لئے زمیندار نے اپنے نوکر کو کسانوں کی نگرانی کے لئے کھیت پر بھجوا دیا ۔ غروب آفتاب کے بعد ملازم آیا ۔ اور کہنے لگا حضور! تمام کسان آپ کے خلاف دشنام طرازی میں مشغول تھے ۔ وہ آپ کی جان لینا چاہتے ہیں ۔

اُنھوں نے کئی بار [illegible] رکھی ہے [illegible] کر یہی سوال آپ نے کبھی [illegible] آفت آ جائے [illegible] آفت آ گئی تو کیسی [illegible] کی کیا جرات ہے ۔ ذرا لاؤ تو میرا گھوڑا اور کوڑا [illegible] نالائقوں کو ابھی درست کرتا ہوں

(بقیہ پچھلے صفحے سے)

ہندی ہندوستانی میں ہو ۔ اور غیر ممالک کے لئے انگریزی (۲) ہر صوبہ میں ڈل اور انٹرمیڈیٹ کی جماعتوں میں دستکاری کی تعلیم لازمی قرار دی جائے ۔

(۷) تعلیم کے ہر شعبہ میں دستکاری اور صنعت و حرفت کی تعلیم کو خاص اہمیت دی جائے ۔

(۸) ملک کی کل آمدنی کا کم سے کم ۲۰ فیصدی حصہ تعلیم پر خرچ کیا جائے ۔

میکائل نے یہ الفاظ سنے تو بیہوش ہو کر گر پڑا ۔ اُس کا جسم بالکل بے حس تھا ۔

یہ کہتے ہی میکائل غصے سے پاگل ہو گیا ۔ بخار کو بھول گیا اور ہاتھ کر نوکر سے پوچھا ۔ کیا تمام مزدور میرے خلاف ہیں؟

نوکر نے عرض کی ۔ حضور سوائے آئیون کے باقی سب آپ کو قتل کرنے کے درپے تھے ۔ ہاں بڈھا آئیون ایک ہاتھ میں بیلچہ اور دوسرے میں پاک شمعدان اٹھائے ہوئے دعاؤں کا ورد کرتا تھا ۔ اور کہتا تھا اگر مجھے عبادت گاہ میں جانے کی ممانعت کر دی گئی ہے تو میں اس کی چنداں خیال نہیں کرتا ۔ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے ۔ اور وہ یہاں سے بھی میری دعاؤں کو سن سکتا ہے ۔

بچوں کا صفحہ

ہم کیا کھائیں

(از جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی)

[illegible]

ہوا ہوگا کہ منہ میں حلوا سوہن یا بادشاہی کی ڈلی آگئی۔ بعض کو دہی بڑوں یا کچالو کا ذائقہ محسوس ہونے لگا ہوگا۔ اور بعض کو پوری کچوری کی خوشبو آنے لگی ہوگی۔ بدقسمتی سے اس کاغذی دسترخوان پر تمہارے لئے کسی اس قسم کے کھانے چننے سے تو معذور ہوں البتہ اتنا کر سکتا ہوں کہ تمہیں یہ بتا دوں کہ بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اب تک جو تجربے کئے ہیں اُن کا نتیجہ کیا نکلا ہے اور اُن کی رائے میں کس قسم کی غذا اچھی ہے اور بُری بھی بُری۔

تم یہ ضرور کہو گے کہ ان کمبخت بے ذوق اور بدمذاق ڈاکٹروں کی بات کا کیا اعتبار۔ وہ تو آدمی کو کونین جیسی کڑوی اور ارنڈی کے تیل جیسی بدذائقہ دوائیں کھلا یا اور پلا یا کرتے ہیں۔ لیکن ہر چیز جو کام کی ہو کسی قدر بڑی نظر سے بھی تو نہ سمجھ لینا چاہئے۔ یہ بے ذوق ڈاکٹر بھی بعض باتیں کام کی بتا دیتے ہیں۔ مثلاً اگر وہ تمہیں یہ بتا دیں کہ اس قسم کی غذائیں کھانے سے زیادہ تندرست، موٹے تازے اور زیادہ خوش رہ سکتے ہو اور اپنے ساتھیوں سے بہت سوا اپنی طاقت سے نیچا دکھا سکتے ہو تو یہ ضرور ایک کام کی بات ہے۔ اسی طرح اگر وہ یہ بھی بتا دیں کہ کون کون سی غذائیں تمہارے لئے فضول ہیں اور کمزور کرتی ہیں تو یہ بھی ایک اچھی ہی بات ہوگی۔ اس لئے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان بدمذاق لوگوں کی بھی بات سُن لی جائے۔ کان میں پڑی ہوئی بات جیب میں پڑا ہوا پیسہ اور پیٹ میں پڑی ہوئی روٹی کبھی نہ کبھی کام آ ہی جاتی ہے۔

تم میں سے اکثر کی یہ خواہش ہوئی ہوگی۔ اور ممکن ہے کہ بعض نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ دعا مانگنے کے لئے اُٹھا بھی دیئے ہوں کہ "خدا کرے ڈاکٹر صاحب مٹھائیوں اور پھلوں اور چاٹ کو اچھا بتائیں۔ تو پھر ہم روز ابا جان سے ان چیزوں کے لئے پیسے لیا کریں۔ اور خوب کھایا کریں"۔ مگر بھائی بات یہ ہے کہ تم سب میں آپس میں اتفاق نہیں ہے کوئی مٹھائی پسند کرتا ہے کوئی پھل۔ کوئی پلاؤ اور کوئی خستہ کچوریاں۔ اور پھر پھلوں اور مٹھائیوں میں بھی اختلاف موجود ہے۔ کسی کو آم اچھے لگتے ہیں کسی کو انگور پسند ہیں اور اسی طرح کسی کو جلیبیاں بھاتی ہیں اور کسی کو گلاب جامنیں۔ یہ بھی دیکھا ہے کہ ہر شیاں ایک شخص کو تو بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں اور دوسرا ان سے اس قدر چڑتا ہے کہ اس کے سامنے اگر ان کا نام لے دیا جائے تو وہ مارنے کو دوڑتا ہے۔ ایسی حالت میں کسی پھل یا مٹھائی کے متعلق یہ بھی کہہ دوں کہ وہ بہترین غذا ہے تو اس سے سب لوگ تو خوش نہیں ہو سکتے۔ اس لئے یہ مناسب ہوگا کہ مختلف مقامات کے لوگ جس قسم کی غذائیں کھاتے ہیں اُن کے متعلق تمہیں یہ بتا دیا جائے کہ فلاں صوبے یا فلاں ملک کے آدمی جو غذائیں کھاتے ہیں وہ اچھی ہیں۔ اس میں پھر تمہاری پسند کی بھی ساری چیزیں آ جائیں گی۔

ایک بڑے ڈاکٹر ہیں میجر جنرل مکاریسن وہ ایک مدت سے یہی تجربے کر رہے ہیں کہ انسان کی پرورش کے لئے کون کون سی غذائیں زیادہ اچھی ہیں۔ ہزاروں چوہے اور خرگوش انہوں نے پال رکھے ہیں اور بیس بیس چوہوں کی جماعت بنا کر انہیں الگ الگ پنجروں میں رکھا ہے۔ ایک پنجرے کے بیس چوہے گویا ایک ملک یا ایک صوبے کے انسان ہیں۔ تجربے کے لئے تمام چوہے ایک ہی نسل کے اور ایک سی عمر کے لئے جاتے ہیں۔

اب سارے تجربوں کا حال تو میں کہاں تک سناؤں۔ انہوں نے ایک تجربہ یہ کیا تھا کہ بیس چوہے ایک پنجرے میں رکھے اور انہیں معمولی انگریزی خوراک دینی شروع کی۔ معمولی سے مطلب یہ ہے کہ ایسی خوراک جو انگلستان کے غریب آدمی کھاتے ہیں۔ اس خوراک میں یہ چیزیں شامل تھیں۔

میدے کی ڈبل روٹیاں۔ مصنوعی مکھن جسے مارجرین کہتے ہیں۔ تیز میٹھی چائے جس میں بہت ذرا سا دودھ ہو۔ اُبلی ہوئی بند گوبھی۔ اُبلے ہوئے آلو اور سستے قسم کے مربے۔ اسی طرح اسی نسل اور اسی عمر کے بیس چوہے لیکر انہیں دوسرے پنجرے میں رکھا۔ اور انہیں وہ خوراک دی جو شمالی ہندوستان خاص کر پنجاب میں عام طور پر کھائی جاتی ہے۔ اس خوراک میں یہ چیزیں شامل تھیں۔

چپاتی روٹیاں۔ دالیں۔ سبز ترکاریاں۔ دودھ۔ دیکھنا یہ منظور تھا کہ انگریزی خوراک کھانے والے چوہے زیادہ تندرست رہتے اور موٹے تازے ہوتے ہیں یا ہندوستانی خوراک کھانے والے۔ آپ سب اپنے دل میں یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ انگریزی خوراک والے چوہے زیادہ تندرست اور موٹے ہو گئے ہوں گے کیونکہ آپ روزمرہ دیکھا کرتے ہیں کہ انگریز عام طور پر موٹے تازے اور تندرست ہوتے ہیں۔ لیکن چوہوں کو وہ غذا نہیں دی گئی جو ہندوستان میں رہنے والے انگریز کھاتے ہیں۔ انہیں تو وہ غذا دی گئی جو انگلستان کے غریب آدمی کھاتے ہیں۔ خیر اب نتیجہ سنو۔

دیکھا یہ گیا کہ ہندوستانی خوراک والے چوہے شروع ہی سے بہت خوش و خرم اور بہت تندرست نظر آتے۔ ان کے جسم خوب موٹے ہو گئے۔ قد بھی جلدی بڑھ گئے۔ ان میں آپس میں کبھی لڑائی بھی نہ ہوتی تھی اور نہ اُن میں سے کوئی بیمار ہوتا تھا۔ اُن میں سے صرف ایک چوہا تو اتفاقی حادثے سے مر گیا اور دو چوہوں کو سردی کی وجہ سے نمونیا ہو گیا کیونکہ انہیں ٹھنڈ سے اور بچانے کو کچھ نہ دیا گیا تھا۔

انگریزی خوراک والوں میں یہ بات دیکھی کہ اُن کا وزن نہیں بڑھتا تھا۔ [illegible] یہ حتی تھے کہ اُن کا بدن ویسے کا ویسا ہی رہا۔ وہ موٹے نہ ہوئے۔ اُن کے قد بھی چھوٹے چھوٹے رہ گئے۔ اور بجائے روز گذرنے کے وہ چڑچڑے اور بدمزاج ہو گئے۔ اور کھانا دینے والے خدمتگار دوڑ کر کاٹنے لگے۔ آپس میں اُن کے تعلقات بھی اچھے نہ رہے۔ روز لڑائیاں رہتی تھیں اور ساٹھویں دن تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ جو سب سے کمزور تھا اُسے باقی سب نے مل کر مار ڈالا۔ اور کھا گئے۔ اب روز یہی ہونے لگا کہ جو کمزور ہوتا وہ نوش کر لیا جاتا۔ ڈاکٹر مکاریسن نے جب یہ حالت دیکھی تو مجبوراً باقیوں کو انہوں نے الگ الگ پنجروں میں رکھا۔

چھ مہینے تک یہ تجربہ جاری رہا۔ اس کے بعد دونوں جماعتوں کے چوہوں کو مار ڈالا گیا اور اُن کی لاشوں کا بغور معائنہ کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ ہندوستانی خوراک والے چوہوں میں [illegible] کو بھی اعصاب کی سوزش کا مرض نہیں ہوا تھا اور انگریزی خوراک والوں میں [illegible] دو مریض تھے۔

یہ بیماری اس بات کی [illegible] علامت ہوتی ہے کہ غذا میں ایسی چیزیں [illegible] جن سے بدن کی پرورش ہوتی ہے۔ پھیپھڑوں [illegible] میں بھی جتنے ہندوستانی چوہے مبتلا تھے ان [illegible] انگریزی چوہے مبتلا تھے۔

ڈاکٹر مکاریسن نے [illegible] تجربہ کر کے شمالی ہندوستان اور جنوبی ہندوستان کی خوراک کا مقابلہ کیا تھا۔ جنوبی ہندوستان [illegible] مشین کا بنا ہوا چاول کثرت سے [illegible]۔ اس تجربے میں بھی یہی دیکھا گیا [illegible] جنوبی ہند میں چوہوں کی قریب قریب وہی حالت [illegible] انگریزی چوہوں کی ہوئی تھی۔

مکاریسن نے یہ نتیجہ [illegible] ہندوستان یا جنوبی ہندوستان [illegible] عام طور پر کھائی جاتی ہے [illegible] پرورش نہیں ہوتی اور خاص [illegible] اور پیٹ کی بیماریاں ہو جاتی ہیں۔ شمالی ہندوستان میں جو غذا کھائی جاتی ہے اس سے بدن کی پرورش بھی اچھی طرح ہوتی ہے اور بیماریوں سے بھی بہت کچھ حفاظت ہو جاتی ہے۔

ان تجربوں سے ایک نتیجہ میں نے بھی نکالا ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر کافی غذا نہ ملے تو انسان چڑچڑا۔ بدمزاج۔ جھگڑالو اور خونخوار ہو جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں ہندو مسلمانوں کی آپس کی لڑائی کا اصل سبب یہی ہے کہ ہم بھوکے مرتے ہیں اگر پیٹ بھر روٹی ملنے لگے تو یہ ساری لڑائیاں بند ہو جائیں۔

حاکم و محکوم کے کام

(از حضرت آسی)

کسی شخص نے ایسی تقریر کی || جو ثابت ہوئی بزم میں لاجواب
مگر تھا وہ پہنے ہوئے اک لباس || نہایت ذلیل اور نہایت خراب
کہا شہ نے جیسی کہ تقریر ہے || لباس اپنا ایسا ہی کر انتخاب
کہا اس نے میں نے کیا ایک کام
کریں دوسرا کام پورا جناب

ہندوستان کے فلم ڈائرکٹر

انسان کے جسم میں مختلف اعضاء ہیں اور ان میں سے ہر ایک بجائے خود ایک خصوصیت کا مالک ہے۔ ایک کا فرض دوسرا انجام نہیں دے سکتا۔ لیکن قلب تمام اعضائے جسم اور جوارح بدن پر آمرانہ اختیار رکھتا ہے۔ جسم کا کوئی عضو قلب کی سلطنت و فرمانروائی سے آزاد نہیں۔ کائنات فلم میں یہی حیثیت فلم ڈائرکٹر کی ہے۔

ایک نگارخانہ مختلف اہل فن پر مشتمل ہوتا ہے اور وہ سب ارکان و عناصر کا حکم رکھتے ہیں لیکن ڈائرکٹر ان پر آمر اور فرمانروا ہوتا ہے۔ اداکار، عکاس، صدا بند، غرض نگارخانہ کا ایک ایک کارپرداز بلکہ ایک ایک شے ڈائرکٹر کے اختیار و تصرف میں ہوتی ہے۔

اپنے ہمہ گیر فرائض و اختیارات کے اعتبار سے صنعت فلمسازی میں ڈائرکٹر جامع حیثیت کا مالک ہوتا ہے۔ اسے صنعت فلمسازی میں کامل دستگاہ ہوتی ہے۔ وہ باعتبار معلومات ہر شعبہ نگارستان پر حاوی ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ایک کامل ڈائرکٹر تہذیب و تمدن اور ادب و تاریخ میں بھی بصیرت و درخور رکھتا ہے۔ ڈائرکٹر کی ہستی غیر معمولی ہستی ہوتی ہے۔

ایک ماہر فن ڈائرکٹر جو اپنے فرائض سے کامل علم و خبر رکھتا ہو۔ جو صنعت فلمسازی کے تمام شعبوں پر حاوی ہو۔ جس کی نگاہ دوررس، در مذاق بلند ہو وہ معمولی افسانے میں بھی جان ڈال سکتا ہے وہ دقیقہ سنجی اور نکتہ آفرینی سے معمولی اداکار کو بھی سپہر فلم کا درخشندہ ستارہ بنا سکتا ہے۔

اس کے برعکس اگر ڈائرکٹر کامل الفن نہ ہو قسمت کی یاوری یا مالکان فلم کی جہالت سے جو ڈائرکٹر بن گیا ہو۔ نہ اسے فن فلمسازی میں درک و مہارت حاصل ہو نہ رفعت ذوق و وسعت نظر سے بہرہ مند ہو۔ نہ تہذیب و معاشرت اور تاریخ و تمدن سے علم و واقفیت رکھتا ہو۔ تو ایسا ڈائرکٹر قدم قدم پر ٹھوکر کھائے گا۔ بات بات میں غلطی کرے گا۔ اور اپنے ساتھ فن کی رسوائی کا بھی سبب ہوگا۔

جو لوگ محض عامیانہ مذاق کے زیر اثر سینما نہیں دیکھتے بلکہ تصویر کے معائب و محاسن پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ جن کی معلومات میں وسعت اور دماغ میں حقیقت فہمی کی صلاحیت ہے۔ ان کی تنقیدات و تبصرات کو ملاحظہ کیجئے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ ایک ڈائرکٹر قابلیت یا عدم قابلیت سے ایک فلم کس طرح بلند یا پست ہو جاتی ہے۔ ایک معمولی اداکار کس طرح کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور ایک لائق اداکار کس طرح ناکامیوں کے غار میں گر جاتا ہے۔

مثال کے طور پر رتنا کماری کو لیجئے۔ "انصاف کی توپ" میں اسے قابل ڈائرکٹر سے واسطہ نہیں پڑا اس لئے وہ اس فلم میں ناکام رہی۔ لیکن "دیو داسی" میں اسے اچھا ڈائرکٹر مل گیا۔ اس لئے وہ چمک گئی۔ اس کے بعد کردڑپتی اور بھکارن میں لے اور بھی کامیابی ہوئی، درگا بائی کھوٹے کو دیکھیے، "پتت پاون" میں اسے اچھا ڈائرکٹر نہیں ملا۔ لہٰذا وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئی۔ لیکن "مایا مچھندرا" اور "سیتا" میں اچھے ڈائرکشن کی وجہ سے صف اول کی استادوں میں اس کا شمار ہوگیا۔

ڈائرکٹروں کے اغلاط کی بعض نمایاں مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔ کہ ڈائرکٹر کو کتنا حاضر دماغ اور وسیع النظر ہونا چاہیئے۔ ایسٹ انڈیا فلم کمپنی کی "سیتا" میں رام چندر مہاراج کے دو بچوں کے بھی واقعات ہیں۔ ڈائرکٹر نے ان کے پارٹ دو جیم و شمیم جوانوں سے کرائے ہیں۔ خیال فرمائیے کس قدر مضحکہ خیز بات ہے؟

"عورت کے پیار" میں فریدہ ایک دوشیزہ عورت ہے اس کی جگہ ڈائرکٹر نے ۳۵ سال کی مس ممتاز کو پیش کیا۔ ایک رسمی مس حقیقی معنوں میں دوشیزہ ہو نہیں سکتی۔ اس لئے اس کا عہید از اصلیت پارٹ ایک ذوق سلیم میں کھٹکا پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ "آنکھ کا نشہ" میں نائکہ کا کام ایک جوان ایکٹریس کرتی ہے۔ ڈائرکٹر نے غالباً صرف یہ لحاظ رکھا کہ جوان ایکٹریس کے پارٹ سے فلم بین محظوظ ہوں گے۔ اگر کسی سن رسیدہ عورت سے یہ پارٹ کرایا گیا تو فلم کی جاذبیت میں کمی ہو جائے گی۔ اگر یہی بات ہو تو ڈائرکٹر نے جاذبیت پر اصلیت قربان کردی۔

فلم ڈائرکٹر کے اختیارات و فرائض اور اس قابلیت و عدم قابلیت کے نتائج و اثرات پر بالاختصار کرنے کے بعد آئیے۔ ہندوستانی فلم ڈائرکٹروں کی مہارت فن اور صلاحیت کار کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیں۔ اور دیکھیں۔ ان میں کس کا کیا درجہ ہے۔ اور یہ رائے بھی قائم کریں۔ کہ سب سے بڑا ماہر فن کون ہے۔

ہندوستان کے مشہور فلم ڈائرکٹروں کے نام حسب ذیل ہیں

چندو لال شاہ، رام شنکر چودھری، نتن بوس، پرمتیش برووا، شانتا رام، پی دیوکی کمار بوس، یہ لوگ صف اول میں شمار ہوتے ہیں۔ دوسرے درجے میں مسٹر بھوپان سروتم بادامی، مسٹر آستین (ببیئی ٹاکیز) مسٹر عذرا میر، مسٹر کاردار، مسٹر بوبار، بابو راؤ پینٹر، نند لال، گنگولی، وائک (؟)، جیوتش بنرجی،

ان سب کے علاوہ جتنے ڈائرکٹر ہیں۔ ان کا شمار تیسرے درجے میں ہوتا ہے (باقی)

عورتوں کا صفحہ

جدید جاپان میں عورتوں کی ترقی

(از شانتا دیوی صاحبہ)

بنگال کی مشہور مصنفہ شانتا دیوی نے پچھلے دنوں جاپان کا سفر کیا تھا اس سلسلہ میں انہوں نے جاپانی عورتوں کی زندگی و معاشرت کا بھی بہت اچھی طرح مطالعہ کیا ہے اور ان کے چشم دید حالات کو قلمبند کر کے ماڈرن ریویو میں شائع کیا ہے یہ مضمون بہت دلچسپ ہے اور ہم اس کا مختصر خلاصہ ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کرتے ہیں۔

جب ہمارا جہاز جاپان کے ساحل پر پہنچا تو ایک کثیر مجمع جو مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھا اپنے اپنے عزیزوں اور دوستوں کے خیر مقدم کے لئے جہاز پر آ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ متعدد مرد مغربی لباس پہنے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ ایک عورت بھی غیر ملکی وضع کے لباس میں ملبوس نہ تھی۔ اس منظر کو دیکھ کر پہلا اثر جو میرے دماغ پر پڑا وہ یہ تھا کہ جاپانی عورتیں اپنے ملکی تمدن پر دلدادہ ہیں اور غیر ملکی لباس پر اپنے قومی لباس اور قومی شان و شوکت کو قربان کرنا نہیں چاہتیں۔

جہاز سے اتر کر ہم جب ہوٹل میں فروکش ہوئے وہاں بھی نہایت تیز ذہن اور خوش مزاج لڑکیوں نے ہمارا استقبال کیا۔ پہلی ہی نظر میں میں نے دیکھ لیا کہ جاپان کی عورتیں بڑی محنتی اور جفاکش ہوتی ہیں اور کام کرنے کے دوران میں ان کے چہروں پر تبسم کھیلتا رہتا ہے۔ کام کرنا ہی ان کی اصلی مسرت ہے اور مہمانوں کی خاطر مدارات میں وہ کسی کا ہت دریغ نہیں کرتیں۔

جب ہم سیر کے لئے ہوٹل سے باہر نکلے تو ہم نے دیکھا کہ ٹریم گاڑیوں اور موٹر بسوں پر جاپانی لڑکیاں ہی "کنڈکٹر" یعنی ٹکٹ فروخت کرنے کا کام کرتی ہیں۔ ان لڑکیوں کا اخلاق اور احساس فرض اتنا بڑھا ہوا ہے کہ جب گاڑی ٹھہرتی ہے تو وہ بوڑھی عورتوں اور مردوں کو سوار ہونے اور گاڑی سے اترنے میں امداد دیتی ہیں۔ ہنسی خوشی تمام مردوں کو ٹکٹ دیتی ہیں۔ اور ٹکٹ کے دام لیتے وقت ہمیشہ شکریہ ادا کرتی ہیں۔ جن مسافروں کے پاس چھوٹے بچے بھی ہوتے ہیں ان کی امداد کا وہ بڑا خیال رکھتی ہیں۔ بچوں کو گود میں لے کر وہ گاڑی سے اترتی ہیں اور ان کی ماؤں کے سپرد کر دیتی ہیں۔

کیوٹا میں جب مجھے ریل کا سفر کرنا پڑا تو میں نے مسافروں میں مردوں کی تعداد عورتوں سے زیادہ دیکھی۔ لیکن اوساکا میں معاملہ بالکل اس کے برعکس تھا۔ یعنی عورتیں مردوں سے کہیں زیادہ سفر کرتی ہوئی نظر آئیں۔ اوساکا جاپان کا سب سے بڑا صنعتی اور تجارتی شہر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عورتوں کو زیادہ آزادی حاصل ہے۔ لاتعداد عورتیں یہاں کے صنعتی کارخانوں میں کام کرتی ہیں۔ اور ان کارخانوں میں بھی ان کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ سوت کاتنے اور کپڑا بننے کے کارخانے اس سلسلہ میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں عورتوں کی تعداد ۸۲ فی صدی ہے۔ مشینوں پر کام کرنے والی عورتیں ۵۱۱۰۴۰ ہیں اور مرد ۱۵۰۸۲۳۴۔ اگر سارے جاپان کی تمام صنعتوں کے کاریگروں اور مزدوروں کی مجموعی تعداد پر بھی نظر ڈالی جائے جب بھی ان میں ۶۲ فی صدی عورتیں اور لڑکیاں ہی ملیں گی۔

یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ جاپانی کارخانوں میں کام کرنے والی عورتیں صورت اور لباس کے اعتبار سے مزدور معلوم نہیں ہوتیں۔ ان کے چہروں پر وہ مجبوری اور افلاس کے آثار نہیں پائے جاتے جو ہندوستان کی مزدور عورتوں میں پائے جاتے ہیں۔ سب کی سب ہنستی اور کھیلتی نظر آتی ہیں اور رنگین و نظر فریب ریشمی کیمونا، جاپانی لباس میں ملبوس رہتی ہیں۔ ہمارے دوست مسٹر ایس۔ سی۔ سو داس نے جو بہت دنوں سے کیوٹو میں مقیم ہیں ہمیں بتایا کہ جاپانی عورتیں خواہ وہ دولتمند ہوں یا مزدور ہوں ہمیشہ اچھا اور خوبصورت لباس پہنتی ہیں۔ اور اس پر پچاس "ین" (جاپانی سکہ) سے کر دو سو ین تک خرچ کرتی ہیں۔ ۲۰۰ "ین" ہندوستان کے ۲۳ روپیہ کے برابر ہوتا ہے۔ کیا کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات آسکتی ہے کہ کسی کارخانہ کی مزدور عورت یہاں ۴۰۰ روپیہ کی ساڑھی خریدے۔

جاپان کی اکثر لڑکیاں بائیس یا تیئس برس کی عمر میں شادی کرتی ہیں۔ شادی سے پہلے بہت سی لڑکیاں اچھی خاصی رقمیں کما لیتی ہیں۔ وہ اپنی شادی میں اپنے والدین کی مالی امداد کرتی ہیں۔



اپنے اخراجات پورے کرتی ہیں۔ اور جہیز کا سامان اور اسباب خریدتی ہیں۔ ایک جاپانی مصنف کہتا ہے:۔

"ٹوکیو میں سترہ ہزار عورتیں کام کرتی ہیں اور ان میں ۶۷ فی صدی ایسی ہیں جو اپنے اہل خاندان کے اخراجات کے لئے مالی امداد بہم پہنچاتی ہیں۔ ان میں سے اکثر کی عمر ۱۶ اور ۲۵ سال کے درمیان ہوتی ہے"

کہا جاتا ہے کہ جاپان پھولوں کا ملک ہے۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ جب جاپانی عورتیں اپنے گوناگوں گلرنگ لباس میں سڑکوں پر، دوکانوں میں، کارخانوں میں، اسٹیشنوں پر اور ہوٹلوں میں نظر آتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھولوں کا چمن کھلا ہوا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہندوستانی عورتوں کی ساڑھی، دوپٹہ اور شلوار کے بعد جاپانی عورتوں کا کیمونا بہت ہی خوشنما لباس ہے۔

پروفیسر نٹوبے لکھتے ہیں کہ صنعتی کارخانوں میں جاپانی عورتوں کے زیادہ پائے جانے کا سبب یہ ہے کہ جاپان کی صنعت زیادہ جسمانی محنت شاقہ کی طالب نہیں ہے۔ عورتوں کو ان میں ہلکا کام کرنا پڑتا ہے۔ ہزارہا عورتیں ریشم کے کیڑے پالتی ہیں اور ان سے ریشم کی کاشت کرتی ہیں۔ پچاس فیصدی سے زیادہ جاپانی عورتیں کسی نہ کسی مفید اور منفعت بخش کام میں اپنا وقت صرف کرتی ہیں۔ جاپان میں عورتوں ... کی اجرت مردوں سے کم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ صنعتی اور تجارتی بازار عورتوں سے بھرے رہتے ہیں۔ کچھ عورتوں نے چھاپے خانوں میں بھی کام کرنا شروع کر دیا ہے۔

میں نے اپنے سفر میں مختلف جاپانی تعلیمی اور طبی اداروں کو دیکھا۔ ان میں سے ہر ادارہ اچھی حالت میں کام کر رہا ہے۔ بعض کے نام یہ ہیں :۔

زنانہ طبیہ کالج۔ زنانہ آرٹ اسکول۔ سینرآنی کا صنعتی اسکول۔ زچگی کا ہسپتال۔ لڑکیوں کا ثانوی اور کنڈر گارٹن اسکول۔

زنانہ طبیہ کالج کی عمارت بہت بڑی اور وسیع ہے۔ اس میں چھ منزلیں ہیں۔ ایک منزل دق اور سل کے مریضوں کے لئے مخصوص ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ جاپان کا سب سے بڑا طبی ادارہ اور ہسپتال ہے۔ ساٹھ ڈاکٹر ہر وقت مریضوں کی دیکھ بھال پر متعین رہتے ہیں۔ اس کالج میں تقریباً ایک ہزار لڑکیاں طبی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ زچگی کا ڈیپارٹمنٹ جب ہمیں دکھلایا گیا تو بہت سے نوزائیدہ بچے رنگین لباس پہنے ہوئے آرام سے سو رہے تھے۔ بغل کے کمرے میں بچوں کے بہت سے کھلونے رکھے ہوئے تھے اور ساری عمارت بیحد صاف ستھری تھی۔

مجھے یہ سنکر حیرت ہوئی کہ جاپان میں اب سے بیس برس پہلے عورتوں کو طبی تعلیم دینا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جاپان و روس کی مشہور جنگ کے بعد اس کی ضرورت محسوس کی گئی اور ٹوکیو میں عورتوں کے لئے زنانہ طبیہ کالج جاری کیا گیا۔ دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ جاپانی عورتیں عام طور پر ہسپتالوں میں بچے جنتی ہیں۔ زچگی کے بعض ہسپتال غریب عورتوں کے لئے ہیں جہاں طبی امداد مفت حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض ہسپتال دولتمندوں اور متوسط درجہ کی عورتوں کے لئے ہیں جہاں طبی امداد کے لئے رقمیں ادا کرنی پڑتی ہیں۔

جاپان میں ہر بچہ خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی چھ برس کی عمر سے بارہ برس کی عمر تک اسکول میں تعلیم پاتا ہے۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کی مختلف منزلیں شروع ہو جاتی ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں ۱۴۰۰۰۵۹ لڑکے اسکولوں میں تعلیم پاتے تھے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد لڑکیوں کی دس فی صدی تعداد اور لڑکوں کی ۸ فی صدی تعداد ثانوی اسکولوں میں داخل ہوتی ہے۔ تعلیم کی ترقی نے جاپانی عورتوں کو بہت روشن خیال بنا دیا ہے۔ جاپان میں تعلیم نسواں بالکل جدید دور کا مسئلہ ہے۔ سب سے پہلا زنانہ اسکول ۱۸۷۲ء میں جاری ہوا تھا۔ اس سے پہلے جاپانی عورتوں کو تعلیم نہیں دی جاتی تھی۔ مگر صرف ستر برس کی جدوجہد میں عورتیں ترقی کی بلند منزلوں پر پہنچ گئی ہیں اور اب وہ ہر قومی کام میں حصہ لیتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

بالوں کے متعلق تجربات

۱۔ کم سے کم ساٹھ دن تک دہی سے سر دھو کر ناریل کا تیل ڈالنے سے بال لمبے، کالے اور ملائم ہوتے ہیں۔

۲۔ بیری کے پتے گھوٹ کر کچھ دیر سر میں ملے رہو بعد ازاں ٹھنڈے پانی سے دھونے سے بال بڑھتے ہیں کم سے کم ۴۰ دن تک اسے استعمال کرنا چاہیئے۔

۳۔ بڑ کی ڈاڑھی کو رات کو پانی میں بھگو کر اس میں کچھ لوہے کی چیز یا کیل ڈال دو۔ صبح کو خوب مہین رگڑ کر سر میں تھوپنا چاہیئے دس منٹ کے بعد ٹھنڈے پانی سے دھو ڈالنا چاہیئے۔ ۴۰ دن تک ایسا کرنے سے بال شرطیہ بڑھ جاتے ہیں۔

۴۔ شکاکائی ایک طرح کی پھلی ہوتی ہے اسے آبال کر دھونے سے بال لمبے اور کالے ہوتے ہیں۔ اسکا استعمال کم از کم تین ماہ تک جاری رکھنا چاہیئے۔

۵۔ اڑد کی دال کے آٹے سے بال دھونے سے بال لمبے ہوتے ہیں۔

۶۔ خشک آملہ یا تھوڑا سا کو رات کو پانی میں بھگو دینا چاہیئے۔ صبح کو رگڑ کر سر میں لگا کر ملنا۔ دھو ڈالنے سے بال لمبے اور کالے ہوتے ہیں۔

بے چین یورپ

(صفحہ ۱۶ کا بقایا)

ہوا ہے کہ مسولینی نے پچاس سال تک یوگوسلافیہ کی سرحدوں کی حفاظت کرنے اور تیم تھینبرگ ذورت تم کرنے میں امداد دینے کا وعدہ کیا ہے۔

غرض اٹلی کی ساری کارروائی اس امر پر مرکوز ہو چکی ہے کہ کسی طرح جرمنی کو اپنے لئے رکھے، اور چونکہ سلطنت کا سارا زور افریقہ میں اس نے منتقل کر لیا ہے اور وہیں اس کے سارے ذرائع ختم ہو رہے ہیں۔ اس لئے اس کے لئے یہ از حد ضروری ہے کہ بحیرہ روم میں وہ ایک اہم طاقت کے طور پر رہے مگر یورپ کی خشکی پر اس کی کوئی خاص وقیع سلطنتی حیثیت نہ بھی ہو اور آہستہ قدم قدم پر جرمنی کی طرف مدد یا خوشامد کے لئے دیکھنا پڑے۔

مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ اٹلی نے جن ممالک کو اپنا حلیف بنا کر یکایک چھوڑ دیا ہے وہ ہمیشہ ہی اس کے دام تزویر میں پھنسے رہیں۔ ہنگری نے اٹلی کی طوطا چشمی دیکھ کر جرمنی کی طرف بڑھنے کی سپرٹ کو بھی روک دیا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی سرحدوں میں ایک عظیم اور وسیع نازی سازش کا پتہ چلایا ہے اور اس کا انسداد کیا ہے۔ آسٹریا کے وزیر اعظم ڈاکٹر شسنگ بھی جرمن حکومت جلکہ پہلو تہی سے کام لے رہے ہیں اور نازی پسند وزیر کو اپنے کابینہ سے علیحدہ کر چکے ہیں۔ اور وہ اس کوشش میں ہیں کہ آسٹریا۔ ہنگری اور زیکوسلاویہ کی ایک متحد الخیال جماعت یورپ میں پیدا کر کے قریب کی سلطنت کے بالادست کو نیچا دکھایا جائے۔

اگر جرمنی نے وسط یورپ میں کوئی قدم اٹھایا تو ہٹلر کا پہلا نشانہ زیکوسلاویہ ہوگا۔ زیکوسلاویہ میں ایک جرمنی اقلیت ہے جس کی تعداد ..... ۲۳ ہے اور اس کے مقابلہ پر ..... ۵۰ زیکو اور سلافیہ نسلیں ہیں اور اب ان اقوام کو یہ خطرہ ہو گیا ہے کہ خواہ اقلیت کے ساتھ کتنا ہی اچھا سلوک کیا جائے جرمنی مداخلت کرے گا۔ اور ضرور کرے گا۔

وسط یورپ کی سلطنتوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ امن عالم کو برقرار رکھنے کے لئے انہیں خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہیئے۔ یوگوسلاویہ میں جانے والے لوگوں نے یہ بات ظاہر کی ہے کہ وہاں کے لوگ اس بات سے خوش ہیں کہ برطانیہ مسلح بند ہو رہا ہے اور انہیں یہ یقین ہے کہ اگر ان پر زبردستی جارحانہ یورش و سابقت کی گئی تو برطانیہ فعلی ان کی حمایت میں صف آرا ہوگا۔ مگر جب ان امیدوں کو ٹوٹتے جانے دیا تو آخر اس قدم پر ہنگامہ اسلحہ بندی کا کیا مطلب ہے؟ ہم اسی سبب سے اسلحہ بندی کر رہے ہیں کہ جرمنی اسلحہ بند ہو رہا ہے۔ اگر ہم یورپ میں اور دنیا کے کسی اور ملک کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارا مقصد دنیا میں اسلحہ بندی کے ذریعہ امن کی ضمانت پیدا کرنا ہے تو ہمیں یورپ میں اتحاد اور تعاون حاصل کرنے کے لئے اس قسم کی آوازوں کو جو ہمیں اپنانے کے لئے اٹھ رہی ہیں لبیک کہنا ہوگا اور یہ بھی بتانا ہوگا کہ ہم سے زیادہ اور کون اسلحہ بندی کے خلاف ہوگا۔ دولت ہائے متحدہ امریکہ اور اوسلو گروپ کے ساتھ مل کر ہمیں کہنا ہے کہ ہم اسلحہ بندی کی سپرٹ کو پیدا کرنے والا اسلحہ بند حکومتوں کو ان کی من مانی کارروائی کرنے سے روکنا ہوگا مگر خیر یہ ایک اور افسانہ ہے۔

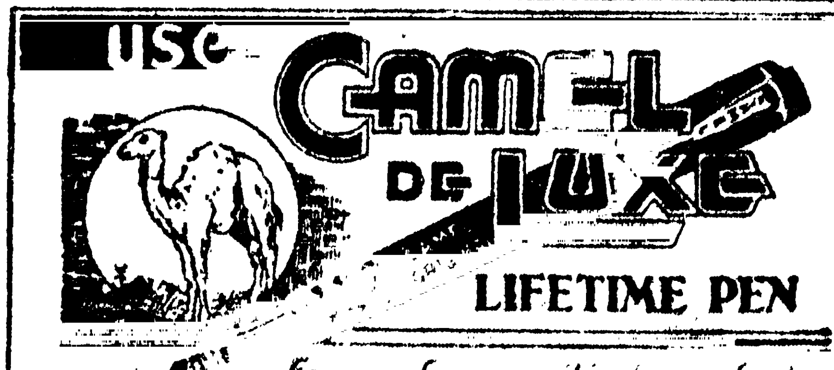
پس ہمارا سب سے اول مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ ہم جرمنی کے دماغ سے یہ خیال نکال دیں کہ وہ وسط یورپ میں ایک مقامی امپیریل جنگ آسانی کے ساتھ لڑ سکتا ہے۔

اس خیال کے مدنظر ہمیں ہر اس فیصلہ سے گریز کرنا چاہیئے جو سب کا مشترکہ فیصلہ نہ ہو۔ اگر جرمنی کو آج معلوم ہو جائے کہ فرانس اور برطانیہ مداخلت نہیں کریں گے تو وہ کل وسط یورپ میں جنگ کے شعلے اچھال دینے کے لئے تیار ہے۔ وہ روس سے اس قدر خوف زدہ نہیں ہے جس قدر فرانس اور برطانیہ سے۔ روس کے بارے میں تو یہ بات بار بار تجربہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ اس کی فوجیں اگرچہ حد مدافعت کرنے والی بعد عظیم الشان ہوتی ہیں مگر اپنے ملک سے باہر متحد ہونا ان کے نصیب میں نہیں ہے۔

اگر انگلستان کو واقعی امن کا تحفظ کرنا ہے تو اسے جرمنی کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی ہوگی۔ جرمنی اس وقت کی سیاسیات یورپ کا سب سے زیادہ الجھا ہوا مسئلہ ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ دور اور جھگڑے بازی سے ہم جرمنی کو نہیں جیت سکتے۔ کیونکہ اسلحہ بندی کے معاملہ میں وہ کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہ کہ اسے بتایا جائے کہ اس کی تعصب پسندی نے اسے جمود کے عالم میں چھپا دیا ہے اس کا حل یہی ہے کہ اہمیت تعاون و اتحاد کار کا اسے احساس پیدا ہو جائے۔ یہودیوں کے ہٹلر کو ذات سے خارج کرنے کا حکم صادر کیا ہے۔ ان فرانوں کی تعمیل تو حقیقت ہی کیا ہے۔ مگر اس کی بابت اس وقت بند کیوں ہو گئی تھی جب مسائینوز مسولینی نے ایک دو روز نہیں پورے چار روز تک مدریس ابابا میں ہزاروں مرد عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جتنی کہ زبانی سکیم میں امن کے لئے جو کچھ بھی ہم کر سکتے ہیں کریں اور اس کے لئے ہمیں جنیوا میں اقدام شروع کر دینا چاہیئے خام اشیائے عالم کے حصول کی تحقیقاتی مجلس جو کام جنیوا میں کر رہی ہے اس کی صرف ہمیں اچھی نیک نیتی کا ثبوت دینا چاہیئے۔ اگر جرمنی سمجھ لیگا کہ ہم واقعی نیک نیت ہیں اور بڑائی ہماری سکیم میں آنے کا سامان ہیں تو وہ تعاون عمومی سے گریز نہیں کرے گا۔ سنہ میں فرانس برطانیہ اور روس کے باہمی معاہدہ کی جو رسم شروع ہوئی تھی اس کا وقت اب نہیں رہا۔ اب سے دو روز کا اسلام فرانس نے بالکل ٹھیک قدم اٹھایا تھا جب کہ اس نے جرمنی سے کہا کہ اسپین میں اطالوی مداخلت کر دہ مدد کے لئے بیچ میں کود پڑے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جرمنی کے ساتھ مل کر ترمیم شدہ حالات میں اس سے کیا معنی لے سکتے ہیں۔ یورپ اور مستقبل عالم کو جرمنی کے تعاون اور اس کے زاویہ نگاہ کی تبدیلی سے ہم کیونکر سنوار سکتے ہیں۔ یہ ہے اصل مدعا ہمارے سامنے۔ اور اس کے لئے ہمیں آگے





نیند کی اصلیت

...دستیاب کو کیوں آتی ہے۔ اس کا راز کیا ہے۔ چونکہ ایسا سوال ہے جس پر سائنٹفک موشگافیاں کرتے ہیں مگر اس کی اصلیت کو نہیں پہنچ سکے۔

یہ امر نہایت معمولی معلوم ہوتا ہے کہ جسم کے تمام اعضا کام کرنے کے بعد کچھ نہ کچھ آرام کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں پھر کام شروع کر دیتے ہیں پھر ان کو آرام کی حاجت ہوتی ہے غرض اسی طرح ایک تسلسل چلا جاتا ہے۔

یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ نیند کی حالت میں انسانی جسم میں کیمیاوی اور عضویاتی عمل پورے جوش کے ساتھ کام نہیں کرتا۔ پٹھے جو عام طور پر سخت ہوتے ہیں نیند کی حالت میں ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ قلب کی حرکت تیز ہو جاتی ہے اور سانس کم ہو جاتا ہے۔ جسم کی حرارت بھی کم ہو جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جسم کی فیکٹریوں میں جو کیمیاوی عناصر تیار ہوتے تھے فیکٹریوں کی مندی کے باعث کم ہو رہے ہیں۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے دماغ کا بلند ترین مقام جو سوچنے، خیالات کو اکٹھا کرنے اور جذبات کو قابو میں رکھنے کا کام کرتا ہے ایک خاص قسم کی سپردگی کی حالت میں ہو جاتی ہے جسے ہم نیند یا خواب سے تعبیر کرتے ہیں۔

جدید تحقیقات نے نیند، لانے اور نیند لانے میں مدد دینے والے بہت سے اسباب تلاش کئے ہیں۔ نیند کو خراب کرنے والی یا پریشان کرنے والی چیزوں کو روکنا، جسم کو آرام پہنچانا اور ایک خاص طریقہ سے سونے کا انتظام کرنا اس نے اس طرح پیدا کر لیا ہے کہ اب وہ نیند لانے کے قدرتی عناصر بن گئے ہیں۔

اگر نیند کو خراب کرنے والی یا اس کی آمد میں خلل ڈالنے والی چیزیں اس کے ارد گرد موجود ہوں تو عادت کی وجہ سے وہ اس بات کا مشتاق ہوگا کہ یہ چیزیں رفع ہو جائیں۔ بعض لوگ ذرا سے کھٹکے سے بے چین ہو جاتے ہیں۔ آوازیں ان کو سونے نہیں دیتیں۔ لیکن بعض لوگ شور و غل اور آوازوں کی گونج میں ہی نیند کا غلبہ محسوس کرتے ہیں۔ اور اگر آوازیں بند ہو جائیں تو فوراً بیدار ہو جاتے ہیں۔

یہ تمام باتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ نیند دماغ کا ایک مثبت فعل ہے۔ نہ کہ کوئی منفی حالت۔

فزیولوجسٹ (علم الحیات) لوگ کہتے ہیں کہ نیند میں نہ صرف دماغ کے ریشے اور خلیات بے حس ہو جاتے ہیں بلکہ جسم کے نچلے حصے کے تمام ریشے بھی کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں یا کم کرنے لگتے ہیں۔ اور ہم بے عمل زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ تمام نظام اعصابی نے ایسی عادت پیدا کر لی ہے کہ ایک خاص حد تک کام کرنے کے بعد وہ آرام کا تقاضا شروع کر دیتے ہیں۔

نظام عصبی سب کا سب بے عمل نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اگر دماغ کے اوپر کے مرکز عصبی کام کرنے میں تساہل کرتے ہیں تو دیگر رگ ریشے اپنا کام جاری رکھتے ہیں۔ انسان خواب کی حالت میں بے ہوش ضرور ہو جاتا ہے مگر پھر بھی اس کا دماغ کام کرتا رہتا ہے۔ اگرچہ اس کے بولنے اور دیکھنے کا آلہ اس وقت خاموش ہو جاتا ہے۔ مگر اس کا دماغ بیداری کے موافق سوچنے اور عمل کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

جب ہم نے یہ بات سمجھ لی کہ نیند دماغ کا ایک مثبت عمل ہے۔ اور نظام عصبی کے متوازن و منتظم کام کا دوسرا نام ہے جو اس کی بیداری کی کیفیت سے ممیز ہوتا ہے تو اگر یہ مثبت عملی عمل اور متوازن عمل اعصاب میں پیدا نہ ہو تو بے خوابی کے امراض اور تکلیف پیدا ہو جاتی ہے۔

جو چیزیں نظام عصبی کے آرام میں خلل ڈال کر انہیں بیداری کی طرف لے جانے کی کوشش کریں گی وہ قدرتی موزونیت اور سکون کو درہم برہم کریں گی۔ اور ان حالت خواب سے بیداری کے عالم میں آ جائیگا۔ تکلیف پہنچانے والے یا خواب کو مکدر کرنے والے عناصر خواہ جسمانی ہوں یا ذہنی۔ اگر ہمارے دماغ فکر، تکلیف، حیرانی، خوف، خوشی، اضطراب وغیرہ کی وجہ سے بہت بے قرار ہوں تو رات کو وہ آرام حاصل نہ کر سکیں گے جو اچھی نیند لانے کے لئے ضروری ہیں۔ اور ہم بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدل کر صبح کر دیں گے۔

بعض لوگوں کو یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ نیند لانے کے لئے کسی نہ کسی مدد کے محتاج ہو جاتے ہیں مثلاً گنتی گنتا وغیرہ۔ یہ ایک بیہودہ فعل ہے دماغ کو بالکل بیکار رہنے دو جس قدر بے خیالی کے ساتھ وہ دوڑ سکے اتنا ہی اچھا ہے۔ ہم جس قدر بے چین ہوں گے کہ نیند آ جائے اتنی ہی بیداری دیتی چلی جائے گی۔ اس لئے دماغ کو بے قابو اور بے تحاشا دوڑنے کا موقع دو۔

یہ بھی بہت ہے کہ اگر آپ سوئے نہیں تو کسی بڑے خطرہ کا شکار ہرگز نہیں ہوں گے۔ لوگوں میں خواہ مخواہ یہ ڈر پیدا ہو گیا ہے کہ اگر ہم نہ سوئے تو پاگل ہو جائیں گے۔ اس میں کوئی اصلیت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ نقصان ہوگا کہ اگر آپ کو پوری نیند نہیں ملی ہے تو آپ کا جسم تھکا ہوا محسوس ہوگا۔ بیداری کی حالت میں آپ جو مثبت کام کرتے ہیں ان کی طرف آپ کی طبیعت کم راغب ہوگی اور پوری توجہ سے آپ کام نہیں کر سکیں گے۔ اور جیسا مضبوط، خوش فکر اور بحال طبیعت آپ کو ہونا چاہئے ویسے نہیں ہوں گے لیکن قدرت ضرور آپ کی مدد کو پہنچے گی۔ کئی راتیں اگر بیداری اور بے خوابی کی حالت میں گذر بھی گئی ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ صرف ایک رات ایسی گہری نیند کی آئے گی کہ سارے نقصانات اور تکلیفوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ اور آپ پھر اپنے آپ کو مستعد اور تندرست محسوس کرنے لگیں گے۔

اس کے علاوہ بہت سی بے ضرر دوائیں بھی ایسی ہیں کہ اگر صحیح طبی مشورے کے ماتحت استعمال کی جائیں تو قدرت کو نیند لانے میں مدد دیتی ہیں۔

جس طرح آپ کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہیں بالکل اسی طرح اپنے افکار اور پریشانیاں بھی نیند سے پہلے نوچ کر پھینک دیجئے۔ جب آپ سو جائیں گے تو یہ افکار اور پریشانیاں کم خوفناک معلوم ہوں گی۔

اس لئے اگر آپ اچھی، گہری، صحت بخش نیند لینا چاہتے ہیں تو جسم اور دماغ کو بیرونی اور اندرونی اضطراب انگیز عناصر سے بالکل بے فکر اور آزاد کر دیجئے۔ پھر دیکھئے نیند آپ کو کس طلسمی سرزمین میں لے جاتی ہے۔

زیادہ روشنی والی چیز اور سورج وغیرہ کے دیکھنے سے آنکھوں کی بینائی جاتی رہتی ہے۔

جواہر پارے

(مرتبہ جناب کیلاش ناتھ اروڑا)
(خاص پیتج ویکلی کے لئے)

قانون محبت میں ملاقات کے وقت چند گھنٹے صرف چند منٹ کے برابر ہوتے ہیں۔ مگر تھوڑی سی جدائی کی گھڑیاں ایک عمر کے برابر ہوتی ہیں۔

(ڈرائیڈن)

یہ دنیا خالی از فائدہ نہیں۔ خدا اپنے چاہنے والوں کو اسی کے ذریعے پاکیزہ کرتا ہے۔

(سعدی)

میں نے اپنا وقت برباد کیا۔ اور وقت کے نشیب و فراز مجھے لوح جہان سے مٹا رہے ہیں۔

(شیکسپیئر)

کارخانہ عالم میں صلح اور جنگ ساتھ ساتھ چلتی ہے

(آنندے موردس)

جب اندرونی حوصلہ نہ ہو تو ظاہرا حوصلہ قائم رکھتے ہوئے عامل ہونا سب سے زیادہ بہادرانہ فعل ہے۔

(کروما میرتیس)

موت کوئی دشمن نہیں بلکہ زندگی کا ایک ضروری آنے والا اہم واقعہ ہے

(سر آلیور لاج)

جمہوریت کا ضروری مسئلہ یہ ہے کہ وسیع دنیا کس طریقے سے مقامی دماغوں سے زیر انتظام لائی جا سکتی ہے

(ڈاکٹر الفریڈ زمرن)

اپنی قدر کرنا۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا تعلیم کا درس اولین ہے

(ٹریڈیہ لمان)

دور اندیش ذاتی تجربہ سے فائدہ اٹھاتا ہے اور عقلمند دوسروں کے تجربہ سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

(ڈاکٹر فرینک کرین)

انتظام سلطنت صرف بیوپار کے نکتۂ نگاہ سے نہیں چل سکتا۔ اس میں انسانی بصیرت ہو۔ اور انسانی محسوسات کے سمجھنے کے لئے دل بھی ہو۔

(ہربرٹ ایچ لیمین)

بنی نوع انسان سے نفرت کرنا ایسا ہے جیسے چوہوں سے رہائی پانے کے لئے گھر کا جلا دینا۔

(ہنری ایمرسن)

عالم خیالات میں پرواز مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ فی زمانہ بہت کم اصحاب اس تکلیف کو گوارا کرتے ہیں۔

(ہنری فورڈ)

لطیفے

گاہک :- (دوکان دار سے) کیا یہ کپڑا اونی ہے؟

دوکان دار :- جی ہاں۔

گاہک :- لیکن اس پر تو سوتی کا لگا ہوا ہے،

دوکان دار :- اجی حضرت یہ تو چوہوں کو دھوکا دینے کے لئے لگا دیا گیا ہے۔

اُستاد :- (شاگرد سے) بیوقوف کے سوال کا جواب تو بڑے بڑے عقلمند بھی نہیں دے سکتے۔

شاگرد :- یہی تو وجہ تھی کہ میں گذشتہ سال امتحان میں فیل ہو گیا۔

ایک دوست :- سائنس دانوں نے ایک ایسی مشین ایجاد کی ہے جس کے سامنے جانے سے جھوٹا آدمی کانپنے لگتا ہے۔

دوسرا دوست :- مگر شادی شدہ آدمیوں کے پاس تو ایسی چیز روز اول سے ہے۔

کنوارا دوست :- میرے خیال میں دنیا کا کوئی آدمی ایسا نہیں جو موسم کے متعلق پیشین گوئی کر سکے۔

شادی شدہ دوست :- مگر ایک خاوند عورت کے متعلق پیشگوئی کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد مولوی صاحب سے پوچھا۔

"کیا آپ نیند میں بھی بولا کرتے ہیں!"

مولوی صاحب نے جواب دیا۔

"اپنی نیند کا تو پتہ نہیں البتہ وعظ کے وقت کئی آدمیوں کی نیند میں بولا کرتا ہوں۔"

امریکہ کے ایک باشندے نے اپنے ملک کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کسی شہر میں گاڑی پر سوار ہوں۔ چوبیس گھنٹے گذرنے کے بعد بھی آپ اپنے کو اسی ملک میں پائیں گے۔"

سُننے والا :- مگر ہمارے ملک میں بھی ایسی گاڑیاں موجود ہیں۔

جب میرا جہاز تباہ ہو گیا تو میں نے آٹھ دن تک بسکٹ کے صرف ایک ڈبے پر گذارا کیا۔

مگر تم اسمیں رات کیسے بسر کرتے تھے۔

تیج ویکلی میں اشتہار دیکر فائدہ اٹھائیے

ہفتہ کی اہم خبریں

پنجاب اسمبلی کی اقلیت پارٹی کی مسلم کمیشن کی رپورٹ پر بحث کے سلسلہ میں ملتوی کرنے کی کوشش ناکام ثابت ہوئی جب کہ اسپیکر نے ملک برکت علی نے اپنے مخصوص عقیدہ سے تحریک التوا پیش کی منظور کرنے ہے، لیکن کہا کہ اس بحث کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ نیز فلسطین کا معاملہ پنجاب کے دائرہ اختیار میں نہیں ہے اس لئے پنجاب اسمبلی میں اس مسئلہ پر بحث نہیں کی جاسکتی۔

موضع تربیلا ضلع کرناٹ سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ ایک مسجد پر بعض ہندوؤں کے مسجد پر شرپسندوں پاسنگے جن پر نامعلوم رجسٹر (یہاں اصل میں ہے) کے دستخط ہیں۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کو دھمکی دی ہے کہ وہ یہاں سے ضلع کرنال کے کسی گاؤں میں منتقل کر دیں، ورنہ ضلع حصار میں بیٹھی کسی سے کوئی واسطہ نہ رکھیں۔

مدراس میں کانگریس کو کس قدر زبردست اور عظیم طاقت حاصل ہے یہ معلوم ہوگیا جب کہ مدراس لیجسلیٹو کونسل وا سمبلی کے پریذیڈنٹ اور ڈپٹی پریذیڈنٹ کے چناؤ میں دونوں کانگریسی امیدوار ڈاکٹر یو راما راؤ اور مسٹر کے بھاشیام اینگر ولکا سوامی نیڈو بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ بمبئی لیجسلیٹو اسمبلی کے اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کے چناؤ میں بھی کانگریس کو کامیابی حاصل ہوئی جب کہ ان دونوں نشستوں کے لئے بالترتیب مسٹر مسٹر بھا سورتی اور شریمتی رکمنی لکشمی پتی بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔

میں اپنی نیز اپنے ساتھیوں کی جانب سے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم کانگریس کے پروگرام پر کانگریس ورکنگ کمیٹی کی ہدایت کے مطابق عمل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔ ہم عہدوں کے بھوکے نہیں ہیں جونہی ہمیں اپنے قومی افسر اعلیٰ سے حکم ملا ہم وزارت پر ٹھوکر مار کر جنگ آزادی میں شریک ہو جائیں گے۔

یہ ہے وہ تقریر جو آنریبل ڈاکٹر این۔ بی کھرے چیف منسٹری پی اور برار نے اس پرجوش خیر مقدم کے جواب میں کی جو کانگریسی وزارت کا ناگپور بجگر پاکانگریس کمیٹی کے زیر اہتمام رہا کٹش تھیٹر میں اہل شہر کی جانب سے کیا گیا۔

مہارانی صاحبہ بکرا اندور کا سوئٹزرلینڈ کے نرسنگ ہوم میں دیہانت ہوگیا۔ آپ چند ہفتے ہوئے علاج کرانے کے لئے انگلستان تشریف لائی تھیں۔

سرحدیوں کے ایک گروہ نے کنبر تنا پولیس چوکی پر حملہ کیا۔ ہیسمی رام لال وہ موہن لال کو اغوا کر کے لے گئے۔ تعاقب میں پولیس کا ایک دستہ بھیجا گیا ہے جو کہ ابھی تک واپس نہیں آیا ہے۔

اے۔ پی کی ایک خبر مظہر ہے کہ جب پنڈت جواہر لال نہرو پنڈت منی لال پانڈے کی ہمراہی میں ایک جلسہ میں کانگریسی امیدوار مسٹر نثار احمد شیروانی کے حق میں تقریر کرنے کے لئے جا رہے تھے تو چند شرارت پسندوں نے آپ کی موٹر پر پتھر برسائے جن سے موٹر کا شیشہ ٹوٹ گیا۔

حکام۔ دیہات۔ پولیس اور دیگر سرکاری افسروں کو چاہیئے کہ کانگریس کی پوری پوری امداد کریں تب ہی کانگریسی حکومت کا کام کامیاب طریقہ پر جاری رہ سکتا ہے۔ مختلف مقامات پر کانگریس کمیٹیوں کو چوکنا رہنا چاہیئے اور ان کو نگرانی رکھنی چاہیئے کہ سرکاری افسران کانگریسی وزیروں کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں یا نہیں۔ یہ ہے وہ ہدایت جو شری راجگوپال آچاری لیڈر کانگریس

پارٹی مدراس اسمبلی نے کی جب کہ آپ نے چنگلپٹ زمینداروں کی کانفرنس کی صدارت کی۔

کئی مختصر معرکوں کے بعد پینگ میں شدید گولہ باری اور توپوں کے داغنے کی فلک شگاف آوازیں سنائی دیں جب کہ جنوبی پایا وشن میں آدھی رات کے بعد لڑائی شروع ہوئی۔

ایک سرکاری کمیونک مظہر ہے کہ میڈرڈ کے مغرب اور جنوب مغرب کی جانب باغیوں کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں اور ان کے خلاف محاذ بدستور جاری ہے سرکاری فوجوں نے ولندیر النسدویل پارڈیو پر قبضہ کر لیا ہے جو ولدا لنفا سے ۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے

صوبہ کے ایڈمنسٹریشن کی مختلف شاخوں کا مفصل طور پر مطالعہ کرنے کے لئے مدراس اسمبلی کی کانگریس پارٹی نے ۱۴ سب کمیٹیاں بنائی ہیں۔ کمیٹیاں ملکیت اراضی کے کسانوں کے قرضہ اور کارخانوں کے مزدوروں اور تعلیم وغیرہ مسائل کا مطالعہ کریں گی۔

ایک پیسہ

(صفحہ ۲۷ سے آگے)

اور باپ سے کہتا ۔

"پتا جی ! پیسہ !"

سورج پرشاد اس کے بیدار ہونے کے منتظر تو رہا کرتے تھے تو مائی پیسہ دے دیا کرتے تھے لیکن سورج پرشاد اب اس کو ستے کم طبع کے بھی نہ ہو سکتے تھے ۔ ایک وقت آیا جب ایک پیسہ بھی اُن کے پاس نہ رہا ۔ ہر آنے والی صبح ان کے لئے مصیبت کا ایک نیا مرحلہ لے کر آتی ۔ گرانی کی شام اپنی تاریک آغوش میں اسے چھپا لیتی ۔ ان کی کثیر دولت ...... کا [illegible] پورا ہو گیا تھا ۔ بعض مقامات سے ..... نقل مانگی گئی تھی ۔ اور بعض توقع تھی کہ [illegible] ہو جائے گا لیکن مایوسی کا مجھارہو

اس نے بہت بے موقعہ ان کا آسرا توڑا ۔ جس دن ان کی جیب پیسوں سے خالی ہوئی انہوں نے بہت کوشش کی کہ کہیں سے ایک پیسہ ہی مل جائے تاکہ مادھو ایک دن اور بہل سکے لیکن وہ کل کو تقریباً ختم آ جاتے ۔ وہ لوگ یہ سمجھ کر کہ اب یہ جاہی رہا ہے کچھ دے دیں ۔ کیونکہ بیکاری نے ان کی ساکھ بالکل تباہ کر دی تھی ۔ اور کوئی قرض دینا بھی پسند نہ کرتا تھا ۔ سورج پرشاد کو [illegible] ..... کے یہاں وہ دونوں وقت کھانا کھا لیا کرتا تھا ۔ اُن کے سامنے ..... [illegible] ..... شکایت کا احساس کرنے لگے تھے ..... پیسے کیونکر مل سکتے تھے ۔ اس کے علاوہ [illegible] ..... انہیں کام میں لانا اچھا معلوم نہ ہوتا تھا ۔ اسی لئے سورج پرشاد نے ایک پیسہ قرض لینا چاہا مگر نہیں ملا ۔ جو چار آنے کے سر [illegible] سب جانتے تھے کہ سورج پرشاد [illegible] اور انہیں [illegible] کے معنی ہیں کہ وہ [illegible] چار آنے بھی مل سکے ۔ آخر شب انہوں نے اپنے ایک عزیز کے یہاں جا کر چپکے سے کہا ۔

"ماما کل شام تک کو ایک پیسہ ادھار دے دو ؟"

ماما قصبہ میں گڑ، آٹا اور تیل وغیرہ بیچا کرتے تھے اور سب انہیں ماما ہی کہا کرتے تھے ۔ وہ اگر چاہتے تو [illegible] ساتھ پیسے دے سکتے تھے مگر پہلے تو انہیں سورج [illegible] اس سوال پر تعجب ہوا پھر تعجب ایک مہکی نفرت اور [illegible] بدل گیا ۔ انہوں نے ذرا تیکھے لہجہ میں کہا ۔

"ایک پیسہ ۔ سورج ایک پیسہ بڑی مشکل سے ہاتھ آتا ہے صبح سے شام تک دوکان پر بیٹھے بیٹھے تھک جاتا ہوں تب کہیں جا کر چار پیسے ملتے ہیں ۔ اسی سے ایک پیسہ تمہیں دیدوں تو بیٹے لے کر [illegible] ۔ ایک پیسہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ تم ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ۔ اس لئے ادھار نہیں ۔ کہتے سورج پرشاد ، یہ بھیک ہے بھیک ۔"

سورج پرشاد کے دل پر ماما کے یہ الفاظ تیر و نشتر بنکر چبھے ۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا ۔ سر چکرایا ۔ سینہ میں کچھ درد سا محسوس ہوا اور کلیجہ مسوس کر بیٹھ گیا ۔ ماما اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے چلے گئے ۔ دیر تک سورج پرشاد بیٹھے رہے اور سوچتے رہے ۔ بار بار اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے اور وہ اپنے میلے پھٹے ہوئے کرتے کی آستین سے انہیں پونچھ لیا کرتے تھے ۔

سورج غروب ہوئے دیر ہو گئی ۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا ۔ مادھو نے جمائی لیتے ہوئے کہا ۔ "پتا جی سوئیں گے ۔"

سورج پرشاد نے مادھو کا منہ چوما اور گود میں لیکر چلے گئے ۔ گھر پہنچکر وہ سو گئے ۔ مادھو تو جلدی سو گیا ۔ مگر سورج پرشاد رات بھر جاگتے اور کروٹیں بدلتے رہے ۔ کبھی صبح کے خیال سے ان کے دل میں خلش ہوتی تھی ۔ اور کبھی ماما کے الفاظ ان کے دل میں کھٹک پیدا کر دیتے تھے ۔ اور کبھی صبح کا وہ منظر جب مادھو آنکھیں ملتا ہوا اُٹھے گا اور اُن سے پیسہ مانگے گا اُن کی نگاہوں میں پھر جاتا ۔ سورج پرشاد چاہتے تھے کہ رات طویل ہو جائے اور صبح جلد نہ ہو ۔ مگر جب وقت نے ابھی تک اُن سے بے وفائی کی تھی وہ اب بھی اُن کا ساتھ دینے والا نہ تھا ۔ چنانچہ رات گئی اور مرغوں نے چیخ چیخ کر صبح کی سواری کا استقبال کیا ۔ سورج کے سینہ میں بھی اس کا مرغ دل پھڑپھڑایا اور اسے یقین ہو گیا کہ واقعی صبح ہو گئی ہے ۔ سورج پرشاد اُٹھے اور آنسوؤں کی بارش میں انہوں نے مادھو کا منہ چوم کر دل میں کہا ۔

مادھو کاش تو میرے گھر پیدا نہ ہوتا ۔ کسی امیر کے یہاں جنم لیتا جہاں پیسوں کی جگہ ہیرے اور جواہرات تجھے ملا کرتے کہ یہی تیری اصل قیمت تھی ۔ اتنے میں مادھو بھی بیدار ہو گیا ۔ تھوڑی دیر وہ خاموش بیٹھا رہا ۔ سورج پرشاد کو گمان ہوا کہ شاید فرشتوں نے سوتے میں اس کے کان میں کچھ کہہ دیا ۔ جبھی تو چپ بیٹھا ہے اور پیسہ نہیں مانگتا ۔ مگر حقیقت میں یہ ایک وقفہ تھا جو سورج پرشاد کی سینہ چھننی کے لئے مہیا ہو گیا تھا ۔ مادھو نے ذرا ٹھہر کر پیسہ مانگا ۔ پھر باپ کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا ۔

"پتا جی پیسہ ۔"

سورج پرشاد کے پاس پیسہ نہ تھا ۔ وہ آج مادھو کا مطالبہ پورا نہ کر سکتے تھے ۔ اور پہلا موقعہ تھا کہ مادھو کا سوال پورا ہونے میں اتنی دیر ہو گئی تھی ۔ مادھو نے دو تین مرتبہ رو رو کر پیسہ مانگا ۔ سورج پرشاد کا دل جو رات بھر تڑپتا رہا تھا اس سخت صدمہ کی تاب نہ لا سکا جو مادھو کے رونے سے لاحق ہو رہا تھا اور آرام کے لئے کوئی ایسا گوشہ ڈھونڈنے لگا جہاں آرام ہی آرام ہو اور کامل سکون ہو ۔ مگر ایسا سکون اور آرام آہ موت کی آغوش کے علاوہ اور کہاں نصیب ہو سکتا ہے ۔ اپنے بیٹے کو تھپک کر اور چمکار کر پلنگ پر لٹا دیا ۔ اور خود وہاں سے اُٹھکر چلے گئے ۔

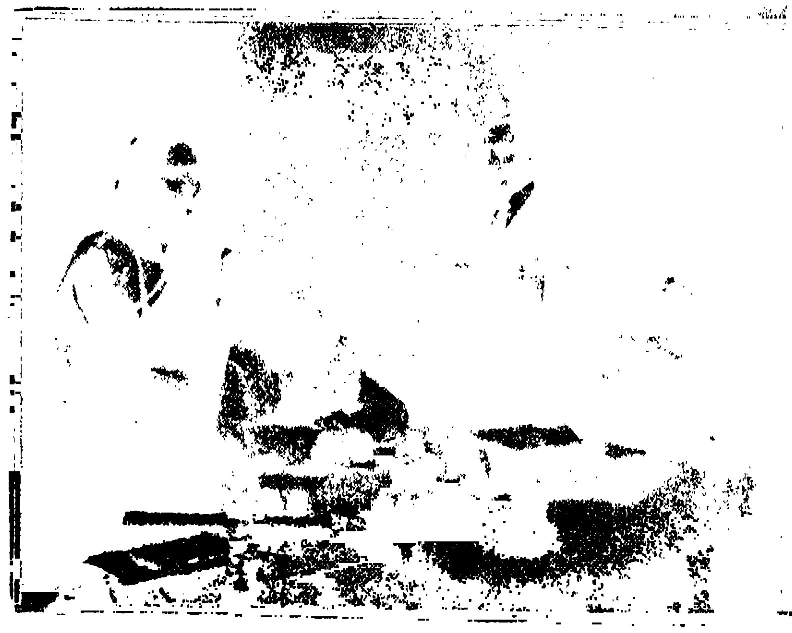
سورج آہستہ آہستہ مشرق سے بلند ہو رہا تھا ۔ اور اس کی کرنیں سونا لٹا رہی تھیں ۔ مگر یہ سونا انہیں لوگوں کے لئے سونا تھا جن کے قریب افلاس کی آگ نہ سلگ رہی ہو

..... [illegible] ..... آفتاب کی کرنیں ..... اٹھ سکے ۔ آفتاب کی شعاعیں نہر کے شفاف ..... پانی پر [illegible] ..... سورج پرشاد نہر کے کنارے کھڑے ہو کر ..... گویا وہ پانی کی تہ میں کوئی خزانہ ڈھونڈنا چاہتے تھے ..... دفعتہً وہ نہر میں کود گئے اور تیز بہتے ہوئے پانی نے انہیں اپنی گود میں چھپا کر چھپا لیا ۔

دن چڑھے جب آفتاب کی کرنیں پانی سے کھیل چکنے کے بعد ..... سے ٹکرا رہی تھیں ۔ [illegible] ..... پرشاد اس وقت گہری نیند سو رہا تھا کہ مادھو کی آواز [illegible] ..... میں نہ پہنچ سکتی تھیں ۔ وہ رات بھر جاگتا رہا تھا ..... سونا [illegible] تھا ۔ ..... کے جاگے ہوئے لوگ دن چڑھے تک سویا کرتے ہیں ۔



عنقریب آنیوالا ہے



"پریذیڈنٹ" کا ایک سین
ناولٹی ٹاکیز میں چل رہا ہے



"وھار ایک سین
پکچر ہاؤس میں چل رہا ہے



سبیتادیوی اور موتی‌لال "بہو" میں
مہوسک سنیما میں دکھایا جارہا ہے

Printed and published by Dharamual Gupta of the TEJ Press, Burn Bastion Road, Delhi.

کانگریس کے جلسہ پر غنڈوں کا شرمناک حملہ

لاٹھیوں اور چاقوؤں کا آزادانہ استعمال

نصف درجن اشخاص مجروح

دہلی ۲۵ر جولائی ۔ کل رات کوچہ پاتی رام میں زبردست سنسنی پھیل گئی جب کچھ غنڈوں نے وارڈ ۵ کانگریس کمیٹی کے جلسے پر جو آس پاس کے بے تعلقی کا اظہار کرنے کے لئے منعقد کیا گیا تھا جو اس علاقہ کے کچھ باشندوں کی طرف سے کی پولیس چیف کو دی گئی تھی لاٹھیوں اور چاقوؤں سے حملہ کر دیا جلسہ شام کو چھ بجے لالہ جگن لال لوہے کی صدارت میں شروع ہوا تھا یہ پاس منعقد ہوا جہاں مسٹر سکاٹ کو پاسبانی دینے کا انتظام کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر یدھویر سنگھ اور دیگر اصحاب نے تقریریں کیں اور بتلایا کہ ان کا اس پاسبانی سے کوئی تعلق نہیں ہے انہوں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ انہیں مسٹر سکاٹ سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ غنڈے جو میٹنگ کے پاس لاٹھیوں اور چاقوؤں سے مسلح تھے جلسہ پر ٹوٹ پڑے نصف درجن اشخاص کو شدید ضربات آئیں۔ غنڈوں نے لالہ رام دیو کو چاقو مارا۔ مجروحین میں مسٹر گوپال، مسٹر پنچ نرائن اور بابو بہاری سنگھ کے نام قابل ذکر ہیں۔ تھوڑی دیر بعد پولیس بھی موقع پر پہنچ گئی۔ اور اس کشمکش میں مسٹر ہرچرن سنگھ سب انسپکٹر پولیس تھانہ کوتوالی اور ایک کانسٹیبل کو بھی ضربات آئیں۔ مجروحین میں سے ایک شخص کو فوراً پولیس چیف کے سامنے پیش کیا گیا جنہوں نے پولیس میں رپورٹ درج کرنے سے کہا۔ جو مسٹر لٹ کانگریس کمیٹی کے عہدیدار موقع پر پہنچ گئے۔ انہوں نے سپرنٹنڈنٹ پولیس سے گفتگو کی۔ اور یہ شکایت کی کہ پولیس نے معاملہ میں دخل نہیں دیا۔ اور اس واقعہ کے بعد بھی کچھ غنڈے جلسہ گاہ کے پاس گھومتے رہے۔ پولیس چیف نے معاملہ کی تحقیقات کرنے کا وعدہ کیا۔

آج ــــــ کی ــــــ خبریں

چاندنی چوک میں زبردست آتشزدگی

ایک لاکھ روپیہ کا نقصان

دہلی ۲۵ر جولائی ۔ آج صبح چاندنی چوک میں زبردست آگ لگی جس سے تین دکانیں جل کر خاک سیاہ ہوگئیں۔ اور ایک لاکھ روپیہ کی مالیت سے زائد کا نقصان ہوا۔ معلوم ہوا ہے کہ دراصل الیکٹرک ورکس سے یہ آگ شروع ہوئی اور جلد ہی پاس کی دو دکانوں تک پھیل گئی۔ فائر بریگیڈ بھی موقع پر پہنچ گیا تھا لیکن دو دکانوں میں بجلی کا سامان تھا ... آگ پر قابو پا لیا گیا ... کا کچھ سامان پانی سے خراب ہوگیا۔ آگ لگنے کی وجہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکی۔ پولیس تحقیقات کر رہی ہے ... نہیں۔

سونا چلا ہی جارہا ہے

بمبئی ۲۴ر جولائی ۔ آج ختم ہونے والے ہفتہ میں بھی بمبئی سے غیر ممالک کو ۳٬۲۲٬۷۲۰ روپیہ کا سونا گیا۔ طلائی پاسکے ترک ہونے کے وقت سے اب تک ہندوستان سے ۲۷۵٬۱۵۰٬۳۰ روپیہ کا سونا غیر ممالک کو جا چکا ہے۔

دو جرمن موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے

جاسوسی کرنے کا الزام

برلن ۲۴ر جولائی ۔ اعلان کیا گیا ہے کہ دو جرمنوں ... کو آج صبح جاسوسی کے الزام میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ معلوم ہوا ہے کہ دونوں آدمی ... کے ... غیر ملکی جاسوسی سروس میں لے لئے گئے ... جرمنی کے لئے سخت نقصان دہ ... اس امر کا انکشاف ہوگیا تھا کہ انہوں نے جرمن فوج کے ...

مشرق بعید سے طلوع آفتاب



جبکہ یورپ مشرق بعید کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اور جاپان سے جنگ کا ایک دوسرا آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔

جگی لال کملاپت ملز کی ہڑتال ختم

وزیر اعظم یوپی کی کوششوں کا نتیجہ

کانپور ۲۴ر جولائی ۔ آج جگی لال کملاپت ملز کی ہڑتال ختم ہوگئی۔ اور چار ہزار کاریگر آج کام شروع کر دیں گے ہڑتال کمیٹی نے مل مالکان اور مزدوروں کے لیڈروں کے درمیان سمجھوتہ پر اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا۔ مگر یوپی کے وزیر اعظم پنڈت گووند ولبھ پنت کی مداخلت کی وجہ سے ہڑتال کو ختم کرنے پر رضامند ہوگئی ہے۔ اور اس نے یہ امید ظاہر کی ہے کہ مل مالکان جلدی ہی سمجھوتہ کی شرائط کو عملی جامہ پہنائیں گے۔

... اقتدار کو قائم کرنے کے لئے فوجی مرکز قائم کرنے ... اسی قسم کی دیگر تدبیریں عمل میں لانے کی کوشش کی۔ (رائٹر اسپیشل سروس)

تازہ تجارتی سماچار

لیورپول روئی (لیورپول ۲۴ر جولائی)

اکتوبر وعدہ بند ہوئی ۶٫۱۲

نیویارک روئی (نیویارک ۲۴ر جولائی)

اکتوبر وعدہ کھلی ۱۱٫۲۰

بند ہوئی ۱۱٫۲۲

جاوا ۸ سنٹ تک گر جانے کے بعد ... کاٹ سودے ہو گئے۔ اکتوبر وعدہ کل کے بند بھاؤ سے ... فیچر مندہ کھلا

کھادی کو فروغ دینے کا سوال

گاندھی جی سے مشورہ

واردھا ۲۴ر جولائی ۔ مسٹر کے۔ رمن مینن وزیر جیل مدراس گورنمنٹ اور مسٹر شنکر لال بینکر سیکرٹری آل انڈیا چرخہ سنگھ آج گرانڈ ٹرنک ایکسپریس سے وارد ہوئے اور یہاں سے سیگاؤں گئے۔ مسٹر شنکر لال چھ کانگریسی صوبوں میں کھادی کو فروغ دینے کے سوال پر گاندھی جی سے مشورہ کریں گے۔ مسٹر مینن اپنی وزارت کے سلسلہ میں پروگرام پر گاندھی جی سے بات چیت کریں گے تاکہ دوسری وزارتیں بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مسٹر مینن جیلوں کے معاملات پر بھی گاندھی جی سے مشورہ کریں گے۔ (ا۔ پ)

ڈیوک آف ونڈسر کی کار کا حادثہ

ویانا ۲۴ر جولائی ۔ ڈیوک آف ونڈسر اپنی اہلیہ کے ساتھ موسیقی کے ایک تہوار میں شرکت کرنے کے لئے موٹر کار سے یہاں آ رہے تھے جبکہ ایک ٹرام کار سے آپ کی موٹر کار ٹکرا گئی۔ مگر خوش قسمتی سے ڈیوک اور ڈچز آف ونڈسر کو کوئی چوٹ نہیں آئی۔

پنڈت پنت کو ایڈریس

نینی تال ۲۴ر جولائی ۔ نینی تال میونسپل بورڈ نے آج بعد دوپہر اتفاق رائے سے فیصلہ کیا کہ یوپی کے وزیر اعظم شری پنڈت گووند ولبھ پنت کو ان کی نینی تال میں آمد پر استقبالیہ ایڈریس پیش کیا جائے۔ پنڈت جی یو۔ پی اسمبلی کے مختصر اجلاس کے بعد اگست میں نینی تال جائیں گے۔ (ر۔ پ)

ناگپور میں سیاسی قیدیوں کی رہائی

ناگپور ۲۳ر جولائی ۔ یہاں کی صوبجاتی گورنمنٹ نے مسٹر نرسنگ پرشاد اگروال لیڈر کی ضمانت اور مچلکہ منسوخ کر دیا ہے مسٹر اگروال ضمانت داخل کرنے کے بعد بھی گذشتہ چار پانچ مہینوں سے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے آپ کے علاوہ چار دیگر اشخاص کی ضمانتیں بھی منسوخ کر دی ہیں۔ اب صوبہ بھر میں کوئی سیاسی قیدی باقی نہیں رہا۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ صوبجاتی اسمبلی کا بجٹ اجلاس ستمبر کے پہلے ہفتہ میں شروع ہوگا۔ ناگپور سینما وادی بم کیس کے تین قیدی بھی رہا کر دیئے گئے ہیں۔ (ا۔ پ)

یوپی اسمبلی کے اسپیکر کا انتخاب

لکھنؤ ۲۴ر جولائی ۔ حالانکہ ابھی تک یو۔ پی اسمبلی کے اجلاس کا ایجنڈا شائع نہیں ہوا ہے۔ مگر معلوم ہوا ہے کہ کونسل کے پریذیڈنٹ اور اسمبلی کے اسپیکر کا انتخاب ۳۱ر جولائی کو ہوگا۔ پہلے دو روز ممبران کے حلف وفاداری اٹھانے کے لئے وقف کئے گئے ہیں۔ (ر۔ پ)

بمبئی کے کانگریسی وزراء کی سرگرمیاں

کمشنر پولیس اور آبکاری سے ملاقات

بمبئی ۲۴ر جولائی ۔ ڈاکٹر ایم۔ ڈی گلڈر وزیر پبلک ہیلتھ بمبئی گورنمنٹ آج یہاں پونہ سے واپس تشریف لائے مسٹر ایچ۔ ڈی نائٹ کمشنر آبکاری اور ... ریل سی بی نے سرکاری دفتر میں آپ سے ملاقات کی۔ مسٹر ... پریذیڈنسی مجسٹریٹ اور مسٹر ... کمشنر پولیس نے آج مسٹر کے۔ ایم منشی وزیر لا اینڈ آرڈر بمبئی گورنمنٹ سے ملاقات کی۔ (ر۔ پ)

ڈاکٹر کھیر وزیر اعظم بمبئی کا استقبال

اسٹیشن پر سرکاری افسران سے تعارف

بمبئی ۲۴ر جولائی ۔ آج شام کو مسٹر منشی وزیر لا اینڈ آرڈر سرکاری افسران اور غیر سرکاری اصحاب کی جانب سے مسٹر کھیر وزیر اعظم بمبئی کا شاندار استقبال کیا گیا۔ وزیر اعظم دیگر وزیروں کے ہمراہ پونہ ایکسپریس سے بمبئی تشریف لائے۔ آپ کے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ اور اسٹیشن پر آپ کا سرکاری افسران سے تعارف کرایا گیا۔ اسٹیشن پر لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ وزیر اعظم کو پلیٹ فارم سے باہر آنا مشکل ہوگیا۔ آج شب کو ہندوستانی بیوپاریوں کی جانب سے ڈاکٹر کھیر اور دیگر وزراء کو دعوت دی جائے گی۔ وزیر سوموار کو سویرے پونہ واپس چلے جائیں گے۔ (ا۔ پ)

لیورپول مارکیٹ نے اور انگلستان سے مندہ کے سماچار آنے پر بھاؤ گرا۔ مندہ کی وجہ سے بھاؤ بڑھے اور ۱۱۲۲ پر بند ہوئے۔

شکاگو گیہوں (شکاگو ۲۲ جولائی)

موسم اناج کے مندہ آنے اور کھلنے میں بیچنے والوں کے زور اور روئی مارکیٹ کے بند ہونے سے بھاؤ گرے۔ بعد میں آسمانی کے زور ختم ہو چکنے کے اوپر اور گرمی ہونے سے بھاؤ مضبوط رہے پر ڈیوٹی میں بھی سماچار آئے ہوا اور فصل بیماری کی حالت خراب ہے۔

لیورپول گیہوں (لیورپول ۲۲ جولائی)

بازار مضبوط کھلا اکتوبر ۱۳ اور دسمبر ۱۲ شلنگ پر۔ پچھلی رات امریکہ سے مضبوطی کے سماچار آنے اور ہلکی بیوپار سے بھاؤ مضبوط رہے۔

لندن صرافہ (لندن ۲۲ جولائی)

چاندی حاضر فی اونس ۲ پنس۔ بازار مضبوط تھا بنس، نبلنگ۔ پونڈ

سونا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بمبئی بند بازار (بمبئی ۲۳ جولائی)

روئی

بازار خاموش پر مضبوط تھا۔ شارٹ والوں کی خریداری اور آفس والوں کی معمولی بیوپاری مانگ کی وجہ سے مندہ والوں کی بھاری بکوالی اور لیورپول مندہ آنے سے بھاؤ گرے۔

بروچ جولائی اگست	۰ — ۱۲ ۔ ۱۹۹	فی کنڈی
” اپریل مئی	۰ — ۰ ۔ ۲۰۹	”
اومرا دسمبر جنوری	۰ — ۱۲ — ۱۹۰	”
بنگال دسمبر جنوری	۰ — ۸ — ۱۵۶	”

صرافہ

چاندی حاضر	۰ — ۱۳ — ۵۱	سو تولہ
” پہلا وعدہ	۰ — ۴ — ۵۱	”
” دوسرا وعدہ	۰ — ۰ — ۵۲	”
سونا حاضر	۰ — ۱۰ — ۴۴	فی تولہ
” دوسرا وعدہ	۰ — ۹ — ۴۴	”

اجناس

گندم ستمبر	۹ — ۹ — ۵	فی ہنڈریڈ ویٹ
” جنوری	۰ — ۱۲ — ۵	”
” مئی	۳ — ۹ — ۵	”
السی ستمبر	۹ — ۲ — ۸	”
” مئی	۹ — ۲ — ۱	”
تل	۰ — ۲ — ۹	”
ارنڈی	۰ — ۵ — ۔	”
بنولہ	۰ — ۹ — ۲	”
مہوا	۰ — ۸ — ۵	”
مونگ پھلی مدراس	۰ — ۰ — ۸	”

آواز

(از ڈاکٹر ٹیگور۔ خاص تیج ویکلی کے لئے)

آسمان کے بادل قطرہ کی شکل میں زمین پر آتے ہیں اور زمین پر گرفتار ہو جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح عورتیں آتی ہیں اور گھر کی چار دیواری میں مقید ہو جاتی ہیں۔

ان کے لئے تھوڑی سی جگہ کی مختصر دنیا ہے۔ اسمیں کل سب کچھ سما جانا چاہئیے۔ ساری عمیتیں، نیکیاں گھر میں صحن کا حصہ ہے۔ اندر میں لگن ہیں اور سر پر گھونگھٹ۔ عورتیں اس مختصر دنیا کی حوریں ہیں۔ دیوتاؤں کی سی ہنسی کی طرح ہے، انتہا سے بری لڑکی ہمارے گھر میں پیدا ہوئی۔ ماں اس کو غصہ میں ڈائن کہتی اور باپ بے پروائی۔

وہ دوڑتی ہوئی بارش کا پانی ہے۔ تمام قانون اور دستور کے سنگریزوں کو پھلانگتی ہوئی جاتی ہے۔ اس کا دل ایک تیا ہے جو ہمیشہ جلتا رہتا ہے۔

بالاخانہ میں وہ عجیب چاپ کھڑی ہے۔ بارش کے بعد کی دھنک کی طرح اسکے ابرو میں آج وہ تعلق ہے جیسے پانی میں بجلی ہوتی چلی گیا۔ اسکا اس طرح خاموش کہیں نہیں دیکھا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہتا ہوا دریا رک کر تالاب بن گیا ہے۔

کچھ عرصہ قبل دھوپ کی شدت حکومت تھی۔ ابھی اخبار والوں میں ذرخیز پہلے ہی چھائی ہوئی ہے کہ یکایک بادل آسمان کے ایک گوشہ میں شامیانہ نصب کر کے جم گئے اور سورج کی کرنیں اسطرح نکل پہنچ جیسے کہ گرفتار ہوکر آیا۔

آدھی رات سخت بادل گرج رہے ہیں۔ بجلی کی روشنی اسطرح چمکتی ہے جیسے جگنو۔ ہوا کی گھڑی کی آواز بارش کی آواز میں مل کر ملونا ہو گئی۔ صبح بارش کی رفتار اور تیز ہو گئی اور اس نے دھوپ کو نکلنے نہیں دیا۔

اسی بارش میں وہ لڑکی بالاخانہ کے دالان میں کھڑی ہے۔ اس کی بہن نے آ کر کہا۔ اماں بلاتی ہیں۔ اس نے صرف سر ہلا دیا جس سے اسکی لمبی چوٹی ہل گئی۔ اسکا بھائی ہاتھ میں ناؤ لئے ہوئے آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگا۔ اس نے ہاتھ کو جھٹک دیا لیکن اس نے پھر ہاتھ پکڑ لیا۔ لڑکی نے اس کے رخسار پر ایک زور سے طمانچہ مارا۔

بارش حد سے زیادہ تیز ہو گئی۔ تمام میں اندھیرا چھا گیا ہے لیکن لڑکی ویسی کی ویسی ہی کھڑی ہے۔

عہد ازل میں کائنات کے منہ سے پہلی آواز نکلی تھی پانی کی تاریکی میں جہاں سے نکلی سے وہ آنکھیں گرد و غبار میں چھپ کے وہ بچولی بسری پرانی صدا اسمیں بادلوں کی آواز میں پائی آئی۔ اور اسی وجہ سے آج دنیا حدود کے باہر جا کر کھو گئی ہے۔ کتنی بڑی دنیا، کتنا بڑا عرصہ اور کتنی زندگیں کے پار ہیں اس نے جیسے اس وقت نے آج اس لڑکی کی طرف دیکھ بادلوں کے سایہ اور بارش کے شور میں اسکو آواز دی گئی۔ اسی ... وجہ ... ... ہے ... وہ عجیب چاپ آنکھیں پھاڑے کھڑی ہے ... ... گویا کہ وہ ماضی گزشتہ کی تصویر ہے۔

(ترجمہ از ... سلطان ...)

شعر آتش

{ از حضرت جوش ملیح آبادی }

میری نظمیں، آتشِ سوزاں کا ہے جن پر گماں
سُننے والے، یہ تو ہیں سیلی ہوئی چنگاریاں

فکرِ بے پروا نے سینے سے نکالا ہے جنھیں
ناطقے نے برف کے سانچے میں ڈھالا ہے جنھیں

اُن کا اک پرتو بھی آسکتا نہیں اشعار میں
سانس لیتے ہیں جو شعلے اس دلِ بیدار میں

یہ مرے نغمے، نظر آتے ہیں جو تپتے ہوئے
سب کے سب ہیں شبنمِ الفاظ سے بھیگے ہوئے

کیا ملے گی میری نظموں کے خس و خاشاک میں
وہ سُنہری آگ، روشن ہے جو میری خاک میں

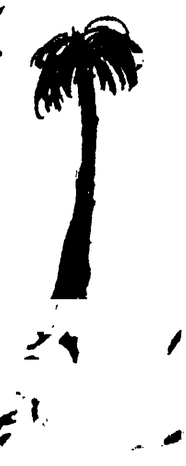
کیا کہوں، وہ آگ، جو رگ رگ کو پگھلاتی ہوئی
دوڑتی پھرتی ہے اس سینے میں بل کھاتی ہوئی

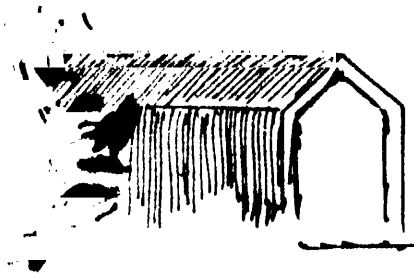
الاماں وہ سوزِ پنہانی جو میرے دل میں ہے
آہ اُس شعلے کی عُریانی جو میرے دل میں ہے

ولولے اس رُوح کے آتے ہیں جب ہیجان میں
سنسناہٹ آنچ کی آتی ہی میرے کان میں

بجلیاں میری اگر کھنچ آئیں میرے راگ میں
ناطقہ تبدیل ہو جائے دہکتی آگ میں

سُننے والے جل اُٹھیں، شورِ فغاں اٹھنے لگے
پڑھنے والے کی رگ و پے سے دھواں اُٹھنے لگے





نُقطہ نُقطہ برقِ خاطف بن کے ضو دینے لگے
حرف گل جائیں لبِ گفتار لَو دینے لگے

....

شرح چندہ سالانہ چھ روپے — ششماہی تین روپے آٹھ آنے

جواہر لال اور اندرا

(از شریمتی جتیندر موہن)

بہت کم لوگ یہ بات جانتے ہوں گے کہ صدر کانگریس ایک محبت کرنے والا باپ بھی ہیں ——— اور "اندرا" انکی چہیتی صاحبزادی ہیں

کام ——— کام ——— کام بس

یہ ہے کانگریس پریذیڈنٹ کی زندگی کا ماحصل، وہ دن گئے جب صدر کانگریس کا کام صرف اتنا ہوتا تھا کہ سال بھر میں ایک دفعہ مشستہ و رفتہ الفاظ سے لبریز ایک خطبۂ صدارت پڑھ دیا جائے۔ جوں جوں قومی تحریکات بڑھ رہی ہیں اور کانگریس کا حلقۂ عمل وسیع تر ہوتا جا رہا ہے، صدر کانگریس کی زندگی محنت شاقہ اور ان تھک مسلسل کارکردگی کا دوسرا نام ہو گیا ہے۔ اور خیال ہے کہ ہمارے اس وسیع عظیم الشان ملک میں سب سے زیادہ جس شخص کو مشقت کا کام کرنا پڑتا ہے وہ صدر کانگریس ہے۔ دو سال سے پنڈت جواہر لال نہرو کانگریس کے صدر ہیں اور ان دنوں میں آپ نے اپنی جانفشانی اور مشقت سے ثابت کر دیا ہے کہ آپ میں روحانی طاقت کا ایک بڑا ذخیرہ پوشیدہ ہے۔ گو جسم روح کا ہمیشہ ساتھ نہیں دے سکتا۔ جسم میں اضمحلال کا آنا بالکل قدرتی بات ہے اور صحت کی خرابی دیکھ کر پنڈت جواہر لال نہرو نے آرام اور یا تبدیلی آب و ہوا کے لئے ملایا کا سفر حال ہی میں کیا تھا۔ مگر یہ سفر جو ان کے لئے آرام و تفریح کا باعث ہونا تھا، محنت کا ہی ایک موقع ہو گیا۔ جہاں جہاں بھی پہنچے جو وہاں گزرے ان میں بھی انڈین نیشنل کانگریس کے کاموں اور نظریوں کی تشریح میں برابر تقریریں کرتے رہے۔

ہندوستان واپس آنے کے بعد آپ نے اپنے تھکا دینے والے کاموں میں پھر سرگرمی سے شروع کر دی۔ پنڈت جواہر لال نہرو اس قدر محنت اور مشکل کام ایسی ان تھک محنت اور ہنگامہ خیز زندگی کیونکر بسر کر سکتے ہیں اس کا ایک راز یہ ہے کہ آپ نے اپنے گرد کام کرنے والے مددگاروں کی عمدہ سیکرٹری جمع کر لئے ہیں جو ان کے لئے بہت کام کرتے ہیں ان میں سے ایک خاص شخص کا ذکر خاص طور پر یہاں ذکر کیا جا سکتا ہے۔

آئندہ جون میں کانگریس کا صدر دفتر جہاں پنڈت جواہر لال نہرو کی کوشش اور ان تھک محنت کی وجہ سے ایک جدید دفتر کی تمام ضروریات از تنظیم مہیا ہو گئی ہے۔ موجودہ کانگریس کی ترقی اور وسعت وسیع سب پنڈت جی کی تنظیمی قوت کا بیشتر پیمانہ ہے۔ پنڈت جی خود ان تھک محنت کرنے والے آدمی ہیں، ہمیشہ بانضباط آدمی ہیں۔ ڈسپلین کے سخت حامی ہیں، خود عمل کرتے ہیں، دوسروں سے عمل کراتے ہیں، خود کام کرتے ہیں اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اچھا کام لینا بھی جانتے ہیں۔

کام ——— کام، یہ ہے ایسے کام جن کی کوئی سابقہ مثال نہیں ہے، ایسے غیر متوقع کام جن کی کوئی نظیر نہیں یکایک پنڈت جی کے سامنے آ جاتے ہیں مگر یہ ان ہی کا حاصہ ہے کہ وہ مسلسل کام اور پریشان کن صورت حال سے گھبراتے نہیں۔ عنقریب ان پر کاموں کا ایک اور بوجھ ہونے والا ہے، کانگریس صوبجات میں وزارتیں قبول کر کے پنڈت جی کے لئے کاموں کا ایک نیا میدان کھول رہی ہے۔ کانگریس کو دو کام کرنے ہیں، ایک تو نئے دستور کا علاقہ توڑنا اور دوسرے تعمیری کام کو جاری رکھنا۔ پنڈت جی کو کانگریسی ٹیم کو قدم قدم پر ہدایات دینی ہوں گی جگہ جگہ انہیں پہنچ کر صورت حال درست کرنی ہو گی، مجالس آئین ساز کے اندر اور باہر دونوں جگہوں کے لئے پنڈت

جواہر لال نہرو کو کانگریس کا جھنڈا سربلند رکھنے کے لئے اور بھی زیادہ انہماک اور شفقت سے کام لینا پڑے گا۔

ان تمام کانگریسی کاموں اور وطنی خدمت کی ہنگامہ آرائیوں کے باوجود پنڈت جواہر لال نہرو ایک محبت

کرنے والے باپ بھی ہیں اور اپنی لڑکی اندرا کے ہمراہ ان کی تعلیم کے فرائض بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ اندرا کے نام ان کے مشہور خطوط کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں، پنڈت جی ملایا کے سفر میں کملا اندرا ان کے ساتھ تھیں۔ یہ بھی اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ اپنی لڑکی سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اور شریمتی کملا نہرو کی وفات کے بعد پنڈت جی اندرا کے باپ بھی ہیں اور ماں بھی۔

(اس مضمون کے متعلق تصویریں صفحہ ... پر ملاحظہ کیجئے)

قطب شمالی پر روس کی فتح

وہ خطۂ زمین جہاں ایک دن ایک سال کے برابر ہوتا ہے

سائنس اور فن پرواز کا ایک نیا کارنامہ اس وقت ساری دنیا کی حیرت کا باعث بنا ہوا ہے جس طرح ہندوستان کے کوہ ہمالہ کی بلند ترین چوٹی کو فتح کرنے کا شوق ایک مدت سے دنوں کو ابھارتا رہا اور بعض اوقات سائنسدانوں کی موت کا باعث بنتا رہا ہے اسی طرح قطب شمالی تک پہونچنا بھی بہت دنوں سے انسان کا وہ مقصد رہا ہے جس کو حاصل ہونا بہت مشکل معلوم ہوتا تھا اور جس پر بہت سی جانیں بھینٹ چڑھائی جا چکی تھیں۔ قطب شمالی تو دراصل ایک جغرافیائی "نقطہ" کا نام ہے۔ اس لئے "قطب شمالی کی فتح" کا جب نام لیا جاتا ہے تو اس سے بحر منجمد شمالی ARCTIC OCEAN کی فتح مراد ہوتی ہے۔ یہی وہ خطۂ زمین ہے جس پر چند روز ہوئے روس نے فتح حاصل کر لی ہے۔ صرف یہی نہیں ہوا ہے کہ چند روسی ہواباز قطب شمالی تک پہونچ گئے اور وہاں روس کا جھنڈا نصب کر کے چلے آئے بلکہ وہاں سوویٹ روس کا ایک تحقیقاتی سائنٹفک اسٹیشن مکمل ساز و سامان کے ساتھ قائم کیا گیا ہے۔ اور سر دست کم از کم ایک سال کے لئے روسی سائنس داں مستقل قیام کر کے حالات کا مطالعہ کرتے رہیں گے اور ماسکو سے قطب شمالی تک آمد و رفت کا ہوائی سلسلہ قائم رہے گا۔

روسی کارنامہ کو جن لوگوں نے صرف ترقی سائنس کے نقطۂ نگاہ سے دیکھا ہے انھوں نے اس کی اہمیت کو نہیں سمجھا ہے۔ ۲۱ مئی ۱۹۳۷ء کو قطبی آفتاب کی تیز اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی شعاعوں میں ۳۵ اشخاص ماسکو سے پرواز کر کے قطب شمالی تک پہنچے، کامیابی کے ساتھ ایک بہت بڑے برفانی تودے پر اپنے ہوائی جہازوں کو اتارا اور اس روسی "نو آبادی" کی افتتاحی رسم ادا کی، اس مہم کا رہنما اوٹو جے شمٹ ہے جس کو شمالی سمندر کے ہوائی راستہ کا انتظام سپرد کر دیا گیا ہے سوویٹ یونین نے فخر کے ساتھ اس واقعہ پر خوشیاں منائیں اور روس کے لئے ہوائی فتوحات کا ایک نیا دروازہ کھل گیا، یہ ظاہر ہے کہ قطب شمالی اور اس کے منجمد جزیروں پر قبضہ کرنے سے روس کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی ترقی کا بلند آہنگ اور بے نتیجہ پروپیگنڈا کرے، روسی حکومت نے اپنے تمام ذرائع ان ماہرین پرواز کے لئے کھول دئے ہیں اور اگر حکومت کی غیر محدود امداد ان لوگوں کو حاصل نہ ہوتی تو ان کی کامیابی کسی صورت میں ممکن نہ تھی، یہ ایک حقیقت ہے کہ اس ذریعہ سے روس اپنا ایک نیا امپائر قائم کرنا چاہتا ہے جسے "ARCTIC EMPIRE" یعنی "بحر منجمد شمالی کی سلطنت" کہنا بجا ہوگا۔ ایک منجمد سمندر میں جس کے چاروں طرف تین براعظم ہوں، ایک سرکاری اسٹیشن کا قیام کوئی ایسا کام نہیں ہے جو صرف "تماشا" سمجھا جائے۔ روسیوں نے بڑے خطرات کو جھیل کر یہ کامیابی حاصل کی ہے اور یقیناً وہ اس خطہ کے تمام اقتصادی ذرائع اور غیر محدود تجارتی امکانات سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں ان کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ بحر منجمد شمالی کے خطہ پر پرواز کر کے وہ ماسکو اور ولایات متحدہ امریکہ کے درمیان ایک شمالی ہوائی راستہ قائم کریں، اور زمین کا وہ حصہ جو آج تک اپنے برفانی ماحول اور ناقابل برداشت سردی کے باعث "بند" سمجھا جاتا تھا وہ دنیا کی آمد و رفت اور کاروباری ضرورتوں کے لئے کھول دیا جائے۔

قطب شمالی کیا ہے؟

دنیا کے لئے قطب شمالی پر روسی فتح کی اہمیت کیا ہے اس کا اندازہ اسی حالت میں کیا جا سکتا ہے جب ہمیں یہ معلوم ہو کہ خود قطب شمالی کیا ہے؟ قطب شمالی معنوی حیثیت سے سطح زمین پر ایک نقطہ ہے، ایک ایسی جگہ ہے جہاں صرف چند قدم چل کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے دنیا کے تینوں براعظم کا سفر طے کر لیا اور زمین کے چاروں طرف چکر بھی لگا لیا۔ یہ پورا خطہ ایک برف کا میدان ہے جو منجمد یا نیم منجمد سمندر پر ہر وقت تیرتا رہتا ہے۔ یہاں ایک دن ایک سال کے برابر ہوتا ہے یعنی ۳۶۵ دن تک آفتاب موجود رہتا ہے اور اس کے بعد ایک سال کے لئے رات آ جاتی ہے اور آفتاب دکھائی نہیں دیتا، روسی سائنسدانوں نے

نیا ہوائی راستہ

ایک سال تک وہاں قیام کرنے کا ارادہ کیا ہے

اور یہی وہ ساحل ہے جسے بحر منجمد شمالی کا "دن" کہہ سکتے ہیں اس مقام سے آپ جدھر کو دیکھیں گے جنوب ہی جنوب ہوگا، یہ خود ایک شمالی نقطہ ہے۔ مگر یہاں پچھم پورب اور اتر کی سمت نہیں ہے۔

بحر منجمد شمالی کی سب سے زیادہ گہرائی بارہ ہزار فٹ ہے، جو ایک طرف سائبیریا اور دوسری طرف شمالی امریکہ سے ملی ہوئی ہے۔ اس ڈھلوان خطہ پر برفانی پہاڑوں کی صورت میں بہت سے جزیرے ہیں اور سال کے ایک حصہ میں یہاں کسی قدر گرم ہوا چلتی ہے۔ جو اس کی آب و ہوا کو معتدل بنا دیتی ہے۔ یہ سمجھنا غلطی ہے کہ بحر منجمد شمالی میں ہر وقت برفانی طوفان رہتا ہے اور سرد آندھیاں چلتی ہیں، اب معلوم ہو گیا ہے کہ سال میں ایک موسم ایسا بھی ہوتا ہے جو طوفانوں سے خالی ہے اور جس میں ایک خوشگوار خاموشی طاری ہوتی ہے۔

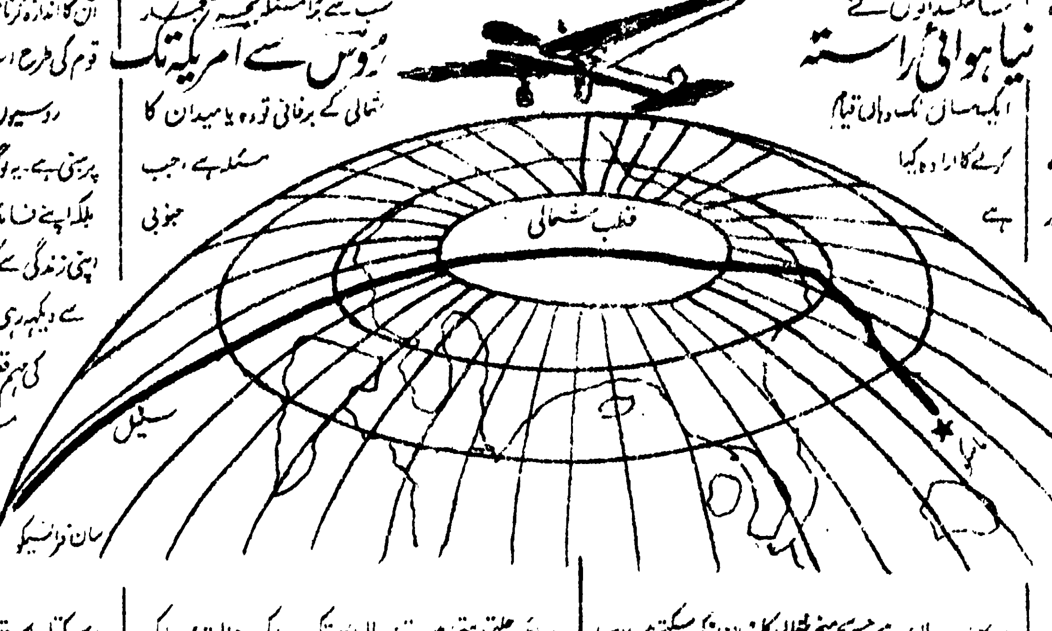
قطب شمالی میں زراعت!

بحر منجمد شمالی کے ساحلی جزیروں کی سطح نشیب و فراز سے خالی ہے۔ موسم سرما میں یہاں سبزہ دکھائی نہیں دیتا سائبیریا کے ساحل کی طرف زندگی و حیات کی علامت صرف سیل مچھلیوں اور ریچھوں کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ اور ساحل کے کناروں پر کچھ ایسے پھول دکھائی دیتے ہیں جو کہرے سے ڈھکے ہوئے ہیں لیکن جب موسم گرما کے وسط میں گرم ہوا چلتی ہے تو برف گھلنے لگتی ہے اور آب و ہوا اس قدر گرم و معتدل ہو جاتی ہے کہ روسی سائنسدانوں نے اس خطہ میں زراعت کرنے کی کوشش شروع کر دی ہے

ان سائنسدانوں کے سامنے سر دست سب سے بڑا مسئلہ بحر منجمد

روس سے امریکہ تک

شمالی کے برفانی تودہ یا میدان کا مسئلہ ہے، جب جنوبی



ہوائیں چلتی رہتی ہیں تو سال بھر تک یہ ایک حالت میں ایک ٹھوس خطۂ زمین کی صورت میں رہتا ہے لیکن مقامی ہواؤں کے اثر سے کبھی کبھی یہ ٹوٹ کر چند حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ٹکرا ٹکرا کر صورت حال کو خطرناک بنا دیتا ہے

جب اس برفانی میدان کی سطح ٹوٹ جاتی ہے تو اس پر ہوائی جہازوں کا اترنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن روسی ہوابازوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قطب شمالی پر پرواز کرنے میں کوئی بھی ان کے کمال فن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ان کی کوششوں سے اب وہاں ایک ریڈیو اسٹیشن بھی قائم کر دیا گیا ہے جو ہر وقت کی حالت ماسکو کو بھیجتا رہتا ہے۔ روسیوں کی وہ چھوٹی سی جماعت جو ایک سال تک قطب شمالی کے اسٹیشن پر قیام کرے گی بہت تجربہ کار لوگوں پر مشتمل ہے اس کا سب سے پہلا فرض یہ ہوگا کہ قطبی موسموں کا رکارڈ تیار کرے۔

قطبی موسم

(از مسٹر کے، رلئے)

روسی سائنسدانوں نے قطبی خطہ میں اپنے رہنے کے لئے جو "مکانات" بنائے ہیں ان کی چار دیواری برف کی ہے اور ان کے اندر موٹے اونی کپڑے کے خیمے لگائے گئے ہیں، یہ دیواریں اس لئے ہیں کہ ہوا کے تیز تھپیڑوں سے ان کو پناہ ملے۔ غالباً ان کو اپنے برفانی میدان کی حرکت کے ساتھ ساتھ اپنے قیام کی جگہ بھی بدلنی پڑے گی۔ سائنس کے آلات اور غذا کا سامان کافی مقدار میں ان کے پاس موجود ہے، کمی کی حالت میں ماسکو سے بذریعہ ہوائی جہاز تمام چیزیں ان تک پہنچائی جا سکتی ہیں۔ پھر بھی سال بھر کا مسلسل قیام خطرہ سے خالی نہیں کہا جا سکتا۔ سرما کے موسم میں ان کو جن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا ان کا اندازہ کرنا محال ہے۔ غالباً وہ دن دور نہیں کہ یہ لوگ اسکیمو قوم کی طرح اس برفانی خطہ میں زندگی بسر کرنا سیکھ لیں گے!

روسیوں کی یہ حیرت انگیز مہم اقتصادی اور تجارتی مقاصد پر مبنی ہے۔ یہ لوگ وہاں الف لیلہ کا افسانہ بنانے نہیں گئے ہیں بلکہ اپنے فائدہ کے لئے اور اپنا شمالی امپائر قائم کرنے کے لئے اپنی زندگی سے کھیل رہے ہیں۔ دنیا ان کے کارناموں کو خاموشی سے دیکھ رہی ہے۔ اور نئی نئی معلومات کا انتظار کر رہی ہے روس کی مہم قطب شمالی میں اس طرح گئی ہے جیسے مغربی مہمات مشرق میں اپنے اقتصادی فائدہ کے لئے آیا کرتی تھیں۔ روسیوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ لکڑی سونے، تیل اور دھاتوں کا ایک ایسا خزانہ قطب شمالی میں موجود ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ پوستینوں کی سپلائی اس حصہ سے زیادہ دنیا کے اور کسی حصہ میں دستیاب نہیں ہو سکتی۔ اس تمام دولت کے حصول کے خیال میں ایک دوسرا خواب بھی شامل ہے اور وہ یہ ہے قطب شمالی کے اوپر سے ماسکو اور سان فرانسسکو کے درمیان ایک مستقل ہوائی راستہ قائم ہو جائے گا اسی مقصد نے ان لوگوں میں بے انتہا جوش و خروش پیدا کر دیا ہے۔ اور موجودہ مہم کی کامیابی نے ان کی ہمت بڑھا دی ہے۔ روسیوں کے پچھلے کارنامے بتلا رہے ہیں کہ برفانی خطوں میں کام کرنے کا انکو مخصوص تجربہ حاصل ہے انکی مہمات ایک ایک حد کو سر کرتی اور برف کی بیابانوں کو آبادی سے مبادل کرتی چلی جاتی ہیں۔ پہلے تحقیقات کی منزل سے کام شروع ہوتا ہے اسکے بعد مہم جاتی ہے۔ اور اسکے بعد انتظامی کاروبار جاری ہو جاتا ہے نئے نئے دیہات وجود میں آ جاتے ہیں مکانات اور اسکول اور سینما گھر تعمیر ہو جاتے ہیں روس نے اب تک گیارہ ہزار میل کا ہوائی راستہ تیار لیا ہے اور روسی ہوائی جہازوں کی پرواز ۱۹۳۴ء میں ۲۹۶

ہمارا افسانہ نمبر
دہلی کے معزز معاصرین کی گرانقدر رائیں

ہندوستان ٹائمز

تیج باتصویر ویکلی کا افسانہ نمبر جو ابھی شائع ہوا ہے ایک نہایت دلچسپ رسالہ ہے؛ اور اس کے منتخب مضامین ہندوستان کے اردو ادب کے بہترین اہل قلم جناب جوش ملیح آبادی علامہ کیفی دہلوی، جناب ل۔ احمد اکبر آبادی، حضرت سیماب اکبر آبادی وغیرہ کے شاہکار ہیں۔ سرورق کے ڈیزائن میں نہایت خوشگوار تبدیلی کر دی گئی ہے۔ اور مضامین کے انتخاب و ترتیب میں ایسے سلیقہ سے کام لیا گیا ہے کہ یہ نمبر جو ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے ہر شخص کی خریداری کے لائق ہے اور دو آنے میں بہت سستا ہے۔ سابق بادشاہ ایڈورڈ ہشتم، ملک راس تفاری، شہنشاہ امان اللہ اور سابق قیصر جرمنی کی تصویروں میں ان کی گزشتہ زندگی اور موجودہ حیثیت کا تقابل دلچسپ پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ اور جناب جوش نے اس موضوع پر ایک نہایت بلند پایہ نظم لکھی ہے۔ علامہ کیفی کے قلم سے ایک روح افزا افسانچہ ہے۔ اور ایک چھوٹا سا مصور افسانچہ بھی شامل ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ابتدائے عمر میں کسی کاروبار میں لگ جانا معمولی تعلیم حاصل کرنے سے بہتر ہے اس کے علاوہ آرٹ کی تصویروں کے چار صفحات مزید دلچسپی کا باعث ہیں۔

"نیشنل کال" دہلی!

تیج ویکلی کا افسانہ نمبر نہایت دلکش ترتیب کے ساتھ شائع کیا گیا ہے سرورق کا دو رنگہ ڈیزائن اور آرٹ پیپر پر دوسری تصویریں قابل دید ہیں۔ تمام افسانے سنجیدہ دلچسپ اور لائق مطالعہ ہیں۔ ایک تصویر میں چار سابق بادشاہوں کی گزشتہ زندگی اور موجودہ زندگی عبرت انگیز طریقہ پر دکھائی گئی ہے۔ اس خاص ایڈیشن میں جتنے افسانے شائع ہوئے ہیں سب کے سب ہندوستان کے مشہور اہل قلم کے شاہکار ہیں چند نام یہ ہیں:۔ علامہ کیفی۔ علامہ سیماب، حضرت جوش ملیح آبادی، جناب ل۔ احمد اکبر آبادی وغیرہ، تعلیم و صنعت و حرفت کے متعلق ایک مصور افسانہ بھی قابل دید ہے۔ اصلاحی موضوع پر چند منظوم افسانے بہت اچھے اور مفید ہیں، یہ افسانہ نمبر ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اور قیمت صرف دو آنے (۲؍) ہے۔

"انصاری" دہلی

کچھ عرصہ سے تیج ویکلی نے وقتاً فوقتاً اپنا افسانہ ایڈیشن شائع کرنا شروع کیا ہے۔ جو اپنی گوناگوں خوبیوں اور دلچسپیوں کی وجہ سے کافی مقبول ہو رہا ہے ظاہری اور معنوی اس کے اعتبار سے تیج کی معیاری حیثیت ہے۔ افسانہ ایڈیشن میں وہ پوری طرح برقرار رہتی ہے نیز حتی الامکان مزید رنگینی اور جاذبیت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس ہفتہ اور ماہ کا افسانہ ایڈیشن جس کا اعلان ہو چکا تھا شائع ہو چکا ہے۔ اور تبصرہ کے لئے موصول ہوا ہے بیک نظر سب سے پہلے اشتہار کے (...) پر نظر پڑتی ہے یہ افسانہ ایڈیشن دلچسپ اور مختصر افسانوں کا ایک دل آویز مجموعہ ہے متعدد مشاہیر اہل قلم کے لکھے ہوئے منظوم و منثور افسانے ہیں چار معزول و دستبردار سلاطین سے متعلق حضرت جوش ملیح آبادی کے ۴ قطعات اور صفحہ اول پر قطعات سے متعلق رنگا رنگ جاذبیت و دلکشی میں اضافہ کا باعث ہیں۔ جوش صاحب کی نظم "سہاگن" وہ بہت بلند پایہ و رقت انگیز ہے۔ جہان مند۔۔۔ حضرت (...) صاحب دہلوی کا افسانہ مہمان نوازی اچھے اور اصلاحی ہیں۔ بقیہ افسانوں کا انتخاب بھی بڑی حد تک غنیمت ہے۔ احسن عثمانی کا طربیہ مضمون "گیدڑوں کی برادر کاسٹنگ" امید ہے دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ بہرحال یہ اور دوسرے افسانہ ایڈیشن بھی دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس ترقی پذیر رفتار سے توقع ہے کہ تیج ویکلی کا افسانہ ایڈیشن ملک میں کافی بلند اور ممتاز جگہ حاصل کرے گا!

"وحدت" دہلی

دہلی کے مشہور اخبار تیج ویکلی نے حال ہی میں اپنا ایک باتصویر افسانہ نمبر شائع کیا ہے ہم نے اس نمبر کو شروع سے آخر تک بنظر غائر دیکھا اور ہماری یہ رائے ہے کہ یہ نمبر اپنی اہم و امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے نہایت کامیاب ہے اس نمبر میں جو (...) افسانے ہیں جو ہندوستان کے مشہور افسانہ نگاروں کے لکھے ہوئے ہیں، یوں تو ہر افسانہ دلچسپ ہے لیکن ان میں خصوصیت کے ساتھ جیون مستدر پردہ پارٹی، ایڈیٹر کی بیوی ہیرالڈ، ارجوتی، انتقام قدرت، کامنی انصاف اور ایک بادشاہ الفاتہ یہ افسانے نہایت بلند پایہ نتیجہ خیز اور سبق آموز ہیں۔ ضخامت ۴۸ صفحات، لکھائی چھپائی نہایت عمدہ، کاغذ نہایت نفیس، قیمت صرف دو آنے ۲؍۔

ہم اس کامیاب نمبر کی اشاعت پر مسٹر دھرم پال گپتا کو مبارکباد دیتے ہیں۔

"طبیب نسواں" دہلی

دہلی کا مشہور ہفتہ وار اخبار تیج ویکلی ایک عرصہ سے نہایت آب و تاب کے ساتھ نکل رہا ہے اور اگر یہ کہا جائے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ ہندوستان کے ہفتہ وار اخبارات میں مشکل ہی سے کسی کو اس کے مقابلہ میں رکھا جا سکتا ہے اس وقت اسی اخبار کا افسانہ ایڈیشن ہمارے سامنے ہے۔ اور اس کی ظاہری اور باطنی خوبیاں ہمیں اس بات پر مجبور کر رہی ہیں کہ ہم اس کے متعلق چند سطریں "طبیب نسواں" میں لکھیں۔ تیج ویکلی کے (...) نمبر اس سے پہلے بھی بہت سے نکل چکے ہیں اور برابر نکلتے ہی رہتے ہیں لیکن یہ نمبر گزشتہ سب نمبروں سے اس لحاظ سے سبقت لے گیا ہے کہ اس کے مضامین تقریباً سب کے سب نہایت اچھے اہل قلم کے لکھے ہوئے ہیں، افسانوں کی ترتیب میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق ہوں اور اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ صرف ایک ہی نمبر کا مطالعہ دلچسپ افسانوں کی صورتیں زندگی کے بہت سے پہلو ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے منظوم بھی بہت ہی دلکش اور ادبی معیار کے لحاظ سے کافی بلند ہے مختصر یہ کہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ تیج ویکلی کا یہ افسانہ نمبر ہر لحاظ سے بہت ہی کامیاب ہے اور ہم سچے دل سے ان صاحبان کو مبارکباد دیتے ہیں جن کی کوشش سے اس کی ترتیب عمل میں آئی ہے تیج ویکلی کا یہ افسانہ نمبر جو صرف دو آنہ میں ملتا ہے ادارہ تیج ویکلی دہلی سے ملتا ہے۔

رپورٹ دہلی

۲۷ جولائی ۱۹۳۷ء

کانگریس کا مقصد اور جدید اصلاحات

وزیروں کے فرائض پر مہاتما گاندھی کا اظہار خیال

مہاتما گاندھی نے اخبار ہریجن میں "کانگریسی وزیروں" کے عنوان سے ایک زرین مقالہ تحریر کیا ہے۔ ایک معاصر نے مہاتما جی کے اس مضمون کو "فرد ہدایات" یعنی INSTRVMENT OF INSTRUCTIONS کہا ہے۔ ہمیں یہ خیال بہت پسند آیا جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف وزیر ہند نے برطانوی پارلیمنٹ کی رضامندی سے گورنروں کے لئے "فرد ہدایات" شائع کی ہے اور اسے آئین کا ایک جزو بنا دیا ہے تو مہاتما گاندھی کی اس تحریر کو کانگریسی وزراء کے لئے فرد ہدایات کہنا بالکل صحیح و درست ہے اور اس "فرد ہدایات" کو بھی کانگریسی آئین کا ایک اہم ترین جزو سمجھ لینا چاہیئے۔

مگر اب دیکھئے کہ ان دونوں "فرد ہدایات" میں کیا فرق ہے۔ اول الذکر فرد ہدایات ایک خالص برطانوی دستاویز ہے جو برطانوی امپیریلزم کے رنگ میں لکھی گئی ہے اس میں گورنروں کی مخصوص ذمہ داریوں اور مطلق العنان اختیارات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ہندوستان کی نمائندہ وزارتوں کی ذمہ داری کے ساتھ اس کا توازن پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن چونکہ متضاد خیالات اور ایک دوسرے کے منافی مقاصد کبھی ہم آہنگی نہیں پیدا کر سکتے اس لئے یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی اور اصلی حقیقت یہی رہ گئی کہ ہندوستان میں برطانوی امپیریلزم اپنی پوری غیر محدود طاقت کے ساتھ موجود ہے!

دوسری طرف مہاتما گاندھی کی "فرد ہدایات" ہے۔ جو کانگریسی وزیروں کے لئے مرتب کی گئی ہے۔ اور اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ مہاتما گاندھی جیسی بلند شخصیت اور ایک مصلح جو روحانی ہستی کے شایان شان ہے۔ انھوں نے کانگریسی وزارتوں سے کیا کہا ہے؟ یہی کہ جدید اصلاحات کو کانگریس کا مقصد حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہیئے۔ یہ مقصد کس طرح حاصل کیا جائے؟ اپنے فرائض کی مخلصانہ انجام دہی سے اور ایک خطرناک، خونریز انقلاب کو روکنے کی کوشش سے۔

سب جانتے ہیں کہ مہاتما گاندھی کی سیاسی جنگ اس سطح پر نہیں لڑی جاتی جہاں ان کے حریف کی طاقت مضبوط ہو، وہ تشدد کے مخالف اور عدم تشدد کے حامی ہیں اپنی موجودہ ہدایت میں بھی انھوں نے ایک ایسا ہی میدان منتخب کیا ہے جو برطانوی حکومت کا میدان نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ کانگریسی وزراء گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو آئینی طور پر ایسے مقاصد کے لئے استعمال کریں جو اس قانون کے بنانے والوں کی توقع کے مطابق نہ ہوں اور ایسے کاموں کے لئے استعمال کرنے سے پرہیز کریں جو قانون سازوں کی توقع کے مطابق ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:-

"عہدوں کا قبول کرنا اس مقصد کی بنا پر نہیں ہے کہ جدید آئین کو کسی طرح چلایا جائے بلکہ اس لئے ہے کہ کانگریس مکمل آزادی کے نصب العین میں کامیاب ہو۔ یہ ایک بڑی اہم کوشش ہے کہ ایک طرف ایک خونریز انقلاب کا سدباب کیا جائے، اور دوسری طرف عام سول نافرمانی کو ایک ایسے وسیع پیمانہ پر جاری ہونے سے روکا جائے جس پیمانہ پر اسے اب تک جاری کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے"

اس میں شک نہیں کہ مہاتما جی کی ان ہدایات پر عمل کرنے کے لئے کانگریسی وزراء کو بیحد ہوشمندی، دانائی، فطری قابلیت، دوربینی، مصلحت اندیشی اور حکمت عملی سے کام لینا پڑے گا۔ لیکن ان تمام اوصاف سے ہماری مراد وہ شاطرانہ عیاری اور چالبازی نہیں ہے جو برطانوی سیاست دانوں کا خاص طرۂ امتیاز ہے۔ بلکہ سچائی اور انصاف پسندی کی وہ طاقت ہے جو طرفداران حق کے لئے مورچہ بندی کا کام دیتی ہے۔ کانگریسی وزارتوں کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے اور اس کے مقابلہ میں ان کی پوزیشن بہت نازک ہے۔ اس لئے ان کو مہاتما گاندھی کی ہدایت کے مطابق اسی مورچہ پر کام کرنا پڑے گا جو برطانوی امپیریلزم کا مورچہ نہیں ہے۔

وہ مورچہ کیا ہے؟ اس کو بھی مہاتما جی نے اپنی تحریر میں واضح کر دیا ہے۔ وہ مورچہ سادگی، حق نوازی، اور عوام کا کامل اعتماد حاصل کرنے کا مورچہ ہے۔ اگر اپنی سادہ زندگی اور عوام کے مفاد کے لئے اپنے فرائض کی انجام دہی سے کانگریسی وزارتوں نے تمام ہندوستانیوں کا اعتماد حاصل کر لیا تو سمجھ لیجئے کہ کچھ دنوں کے بعد مکمل آزادی کا مورچہ بھی فتح ہو جائے گا۔ مہاتما جی چاہتے ہیں کہ اپنی سادہ زندگی، سادہ عادات اور سادہ اطوار سے وزراء اپنے ملکی بھائیوں کے لئے مثال بن جائیں اس حقیقت پر غور کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ سابق حکومت کے عمال و افسر جس شان و شوکت اور زرق برق لباسوں اور وردیوں کے ساتھ غریب دیہاتیوں اور ملک کے ناداروں اور مفلسوں کے سامنے آتے تھے وہ سب تماشا اس لئے تھا کہ ان بیچاروں پر رعب جمایا جائے اور ان کے دل و دماغ میں محکومی کا جذبہ اور غلامی کی ذہنیت پیدا کی جائے لیکن اب کانگریسی وزارتوں کا اصلی مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ غریب سے غریب دیہاتی بھی یہ محسوس کرنے لگے کہ یہ حکومت خود اسکی حکومت ہے یہ وزراء صرف اس کے حقوق اور مفاد کے نمائندے نہیں بلکہ اسی کی ہستی کا ایک جزو ہیں۔ اور حکومت بھی اب اسی کی حکومت ہے یہ جذبہ صرف اسی حالت میں پیدا ہو سکتا ہے جب مہاتما گاندھی کی ہدایت پر عمل کیا جائے اور وزراء عوام کے ساتھ ہمدردی اور ہم آہنگی کی ایک علامت بن جائیں۔

آئینۂ خیال

پنجاب ہوڑہ اکسپرس کا جانکاہ حادثہ!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت صوبہ بہار پر کچھ دنوں سے نامہربان ہو گئی ہے۔ زلزلہ اور سیلاب کی گزشتہ تباہ کاریوں کے بعد یہ خبر کس درجہ اندوہناک ہے کہ آرہ اور دانا پور کے درمیان بہٹہ اسٹیشن پر پنجاب ہوڑہ اکسپرس پٹری سے اتر کر تباہ ہو گئی۔ اور اس حادثہ سے سیکڑوں آدمی زخمی اور ایک سو ساٹھ آدمی ہلاک ہو گئے۔ ماتم زدہ یقیناً اپنی اولاد کی اس مرگ مفاجات پر آنسو بہا رہی ہو گی۔ اس حادثہ پر رنج و غم کے اظہار کے لئے ہمیں الفاظ نہیں ملتے۔ ابھی چند سال ہوئے کہ ایسا ہی ایک حادثہ بہٹہ ہی کے اطراف میں ہوا تھا۔ موجودہ حادثہ کا سبب زیر تحقیقات ہے۔ مرنے والے اب واپس نہیں آ سکتے، اور جو لوگ اس حادثہ میں کوئی عضو کھو چکے ہیں وہ عمر بھر کے لئے مریض بن گئے۔ لیکن اگر اس تباہی سے کوئی سبق لیا جا سکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ آئندہ کے لئے ایسی تباہیوں کا انسداد کر دیا جائے۔ پریس کی اطلاعات میں ایک اشارہ اس امر کی طرف بھی تھا کہ ممکن ہے کسی کی شرارت نے ریلوے لائن میں کوئی نقص پیدا کر دیا ہو۔ ہمارا خیال ہے کہ حکومت کو ان بے سر و پا افسانوں کی طرف توجہ نہیں دینا چاہیئے۔ بابو راجندر پرشاد نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ اس سلسلہ میں ایک افواہ یہ بھی پھیلی ہوئی ہے کہ تباہ شدہ ٹرین سے پہلے گذرنے والی ٹرین کے گارڈ نے اگلے اسٹیشن پر یہ اطلاع دی تھی کہ بہٹہ کے قریب گاڑی کی رفتار میں ایک سخت جھٹکا محسوس ہوا تھا۔ بہرحال اصلی حقیقت تو تحقیقاتی رپورٹ کے شائع ہونے کے بعد ہی معلوم ہو گی مگر اس لائن پر سفر کرنے والے لوگوں کا خیال ہے کہ بہٹہ اسٹیشن کے قریب کراسنگ CROSSINGS کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ٹرین کو بہت جلدی جلدی ایک لائن سے دوسری لائن بدلنی پڑتی ہے اور جو اکسپرس اور ڈاک گاڑی اس اسٹیشن پر نہیں ٹھہرتی اس کو اپنی پوری رفتار کے ساتھ ان رکاوٹوں سے گذرنا ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے یہ بھی اس حادثہ کا ایک سبب ہو۔ ہم اس جانکاہ حادثہ میں تمام مقتولوں کے پسماندگان سے اور مجروحوں سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں

نئی یو۔پی وزارت کے کارنامے!

پنڈت گوبند ولبھ پنت کی رہنمائی میں نئی یو۔پی وزارت نے قائم ہوتے ہی جس گرمی سے پبلک مفاد کا کام شروع کر دیا ہے وہ دوسرے صوبوں کے لئے ایک مثال ہونی چاہیئے۔ ابھی اس وزارت کو وجود میں آئے صرف چند ہی روز ہوئے ہیں کہ اس کے مفید اور قابل تعریف کارناموں کی ایک زرین فہرست تیار ہو گئی ہے ان میں سے پہلے چند کام مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) "خلاف قانون" قرار دی ہوئی انجمنوں پر سے حکم امتناعی کی تنسیخ (۲) سیاسی قیدیوں کی رہائی کا انتظام (۳) پریس کی ضمانتوں کی واپسی (۴) چیف سکریٹری کی عمارت پر قومی جھنڈا (۵) سول سروس ملازموں کو ان کے فرائض سے آگاہی۔ یہ صرف چند چیزیں ہیں اس طرح کے سیکڑوں کام یو۔پی وزارت کے پیش نظر ہیں جنکی تفصیل بعد کو آئے گی۔

سرحدی گاندھی کا پنجاب میں داخلہ

جیسا کہ ہمارا خیال تھا ہندوستان کے چھ صوبوں میں کانگریسی وزارتوں کا کارنامہ دوسرے صوبوں کے حالات پر رفتہ رفتہ اثر انداز ہونے لگا ہے اور اسے بھی ہم کانگریس ہی کی فتح سمجھتے ہیں کہ پنجاب کی وزارت سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خاں کے داخلۂ پنجاب پر سے امتناعی حکم کو منسوخ کر دینے پر مجبور ہوئی ہے اور اب انہیں کُلی اجازت ہے کہ پنجاب میں جہاں چاہیں تشریف لیجائیں۔ اگرچہ تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی کے متعلق پنجاب اسمبلی میں لالہ دیش بندھو گپتا کا رزولیوشن حکومت کی پارٹی کے ارکان کی کثرت تعداد کے باعث پاس نہ ہوا پھر بھی ظاہر ہے کہ مخالفت کی طاقت کا کافی اخلاقی دباؤ گورنمنٹ پر پڑیگا ہمیں مسرت ہے کہ جب اجلاس کے اختتام پر کانگریسی ممبران اسمبلی نے باہر آ کر "کانگریس زندہ باد" کے نعرے لگائے چند سیاسی قیدی تو رہا کر دئیے گئے ہیں اور باقی کا معاملہ معرض التوا میں ڈال دیا گیا ہے کیا خان عبدالغفار خاں کے داخلۂ سرحد کے متعلق سرحدی حکومت بھی پنجاب سے کوئی سبق حاصل کرے گی؟

باقی اگلے صفحہ میں۔

فرقہ واری کی ذریعہ ہندوستان کی تقسیم!

سر وزیر حسن سابق چیف جج اودھ کورٹ جو ایک زمانہ میں مسلم لیگ کے صدر بھی رہ چکے ہیں اپنے ایک بیان میں کہتے ہیں کہ برطانی پارلیمنٹ نے کچھ عرصہ قبل فلسطین میں کہی ہے وہی یہ تقسیم ہے جو کمیونل ایوارڈ کے ذریعہ زیادہ وسعت وآزادی کے ساتھ ہندوستان میں بھی کر چکی ہے۔ یہ قانون پہلے ہندوستان کو برطانی ہند اور ریاستی ہند میں تقسیم کرتا ہے اس کے بعد برطانی ہندوستان کو ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں تقسیم کرتا ہے ... اور اس کے بعد کمیونل ایوارڈ کو قانون کا ایک جزو بنا کر برطانی ہند کے ہر صوبے کے باشندوں کو متعدد فرقوں میں تقسیم کرتا ہے۔ یہ حقیقت ہے جو کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہے۔ خود ہندوستانیوں کے غور وفکر اور ارادہ وعمل کی طالب ہے۔ مسٹر وزیر حسن نے اسی سلسلہ میں صحیح کہا ہے کہ کانگریس فلسطین کے کاز کو اپنا بنا سکتی ہے مگر اس بنا پر نہیں ہے کہ فرقہ پرستی کے کسی جذبہ کی امداد کی جائے بلکہ صرف اس مقصد کے پیش نظر کہ کانگریس دنیا کی ہر محکوم قوم کی آزادی کی حامی ہے۔ صوبوں کے اصلاحات کے سلسلہ میں بھی کانگریس صوبجاتی حکومت میں فرقہ پرستوں کو ان کی فرقہ پرستی کی بنا پر کوئی حصہ نہیں دے سکتی بلکہ اسے صرف یہ دیکھنا ہے کہ کسی امیدوار یا امیدوار نے آزادی کی تحریک میں کہاں تک حصہ لیا ہے۔ یہ رائے سر وزیر حسن کی ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہر عاقل اور انصاف پسند آدمی کو اس رائے سے اتفاق ہوگا۔

مخصوص اختیارات کے استعمال سے پہلا انکار

ہمیں مسرت ہے کہ صوبہ اڑیسہ کے گورنر نے مسلم ایسوسی ایشن اڑیسہ کی عرضداشت کا جواب دیتے ہوئے ترتیب وزارت کے سلسلہ میں اپنے مخصوص اختیارات کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ انجمن مذکور نے یہ درخواست دی تھی کہ گورنر اپنے مخصوص اختیارات کے ذریعہ وزارت کی کیبنٹ میں ایک مسلم وزیر کو داخل کر دیں۔ گورنر نے جواب دیا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر حال میں کسی مخصوص فرقہ کا ایک وزیر ضرور مقرر کیا جائے اور یہ فرض کر لینا غلط ہوگا کہ اڑیسہ میں مسلم اقلیت کا مفاد موجودہ کیبنٹ کے ہاتھ میں محفوظ نہیں ہے۔ مسٹر جان ہبک کا یہ جواب کانگریسی وزارت کے کاموں میں عدم مداخلت کا پہلا اعلان سمجھا جا سکتا ہے۔ اصل موضوع کے سلسلہ میں ہم اوپر کے نوٹ کے حوالے سے پھر یہی کہنا چاہتے ہیں کہ کانگریسی وزارتیں فرقہ پرستی کی بنا پر کوئی کام نہیں کر سکتیں۔

بابو راجندر پرشاد کی اپیل!

صوبہ بہار کے نئے وزیروں کو مبارکباد دیتے ہوئے بابو راجندر پرشاد نے ان کے فرائض ان کو یاد دلائے ہیں اور کہا ہے کہ کانگریس کے دو مقاصد ان کو ہمیشہ پیش نظر رکھنے چاہئیں ایک تو عوام کی بھلائی اور دوسرا سوراج کے لئے جدوجہد۔ کانگریسی وزارت کی ترتیب کے متعلق آپ نے فرمایا کہ ہم نے عہدوں کا طلبگار بننا نہیں سیکھا ہے بلکہ خدمت کرنا سیکھا ہے اور وزیروں کے انتخاب میں ایک دوسرے پر برتری یا فوقیت کا کوئی خیال شامل نہیں ہے۔ میں نے ہمیشہ اس پر یقین کیا ہے اور یہی کہا ہے کہ کانگریس کی سیاسیات میں وزیر کا عہدہ ایسا ہے جو کسی ہریجن بستی میں جھاڑو دینے والے کانگریسی کارکن سے ہر وقت بدلا جا سکتا ہے۔ یہ چند الفاظ ایسے ہیں جو تمام کانگریسی وزارتوں پر صادق آتے ہیں۔ ہر صوبہ کے کانگریسی وزیروں اور کانگریسی کارکنوں کو راجندر بابو کی اپیل سے سبق لینا چاہیئے۔

جھانسی کے ضمنی انتخاب سے ایک سبق

کانگریس نے مسلم عوام تک اپنا پیغام پہنچانے اور ان کو قومی جدوجہد میں شریک کرنے کا کام جب سے اپنے پروگرام میں داخل کیا ہے فرقہ پرست مسلم لیڈروں میں ایک ہلچل سی پڑ گئی ہے اور جھانسی کے ضمنی انتخاب کو انہوں نے اپنی فرقہ پرستی کی جانچ کا آلہ قرار دے لیا تھا بہت ممکن ہے مسٹر جناح اور ان کے رفقائے مسلم لیگ بہت خوش ہو رہے ہوں کہ ان کا امیدوار کامیاب ہو گیا اور مذہب کے نام پر لوگوں کو ابھارنے میں انہیں خود بھی کامیابی حاصل ہوئی لیکن جھانسی کے ضمنی انتخاب میں ان کے لئے (اگر ان کی آنکھیں دیکھ سکیں) عبرت کا ایک بہت بڑا سبق بھی پوشیدہ ہے کل ووٹ [illegible] تھے جن میں سے ۴۵ فی صدی سے کچھ زیادہ ووٹ کانگریسی امیدوار مسٹر نثار احمد شیروانی کو ملے۔ اگر مسلم لیگ کی اپیل مطلع اور فرقہ پرستوں کی تمام پست کاروائیوں کے باوجود کانگریس نے اتنا ووٹ حاصل کر لیا تو یقین کیجئے کہ کانگریس نے مسلم ماس کانٹیکٹ کے مقصد میں بڑی کامیابی حاصل کر لی اور اب وہ دن دور نہیں کہ کانگریس کو بہت جلد مسلم اکثریت کی پوری حمایت بھی حاصل ہو جائے گی۔ یہی وہ سبق ہے جسے جھانسی کے ضمنی انتخاب کا بہترین اور امید افزا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔

ممبران اسمبلی کے خطوط پر سنسر!

جن لوگوں کو یہ خیال تھا کہ صوبہ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی وزارت کبھی پبلک مفاد کے لئے نہیں ہو سکتی، وہ اب حقیقت میں اس وزارت کے افسوسناک طرزعمل سے بہت مایوس ہو چکے ہیں۔ مخالف بنچوں کی طرف سے جب کوئی معقول سوال کیا جاتا ہے اور وزارت کے پاس اس کا جواب نہیں ہوتا تو وہ "پبلک مفاد" کا ایک پرانا دفتری ڈھونگ استعمال کر کے خاموش ہو جاتی ہے چنانچہ یہی نتیجہ اس سوال کا بھی ہوا جو ممبران اسمبلی کے خطوط پر پولیس کے سنسر کے متعلق کیا گیا تھا۔ اسمبلی کے کسی ممبر کے ساتھ جو عوام کا نمائندہ بن کر اس ایوان میں داخل ہوا ہے ایسا سلوک کرنا کہ اس کے پرائیویٹ خطوط کھول کر پڑھے جائیں اور سنسر کئے جائیں یقیناً ایک نہایت قابل اعتراض عمل ہے۔ لیکن اس سوال پر چیف منسٹر نے یہی کہا کہ اس کا جواب دینا "پبلک مفاد کے خلاف ہے۔" اور اس سلسلہ میں جب لالہ دیش بندھو جی نے یہ پوچھا کہ حکومت نے ایسا طرزعمل کیوں اختیار کر رکھا ہے تو صرف اتنا کہہ دیا گیا کہ اس کا سبب ظاہر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ ظاہر سبب کون سا ہے ہمارے خیال میں اس کا ظاہر سبب صرف یہی ہے کہ پنجاب کی یونینسٹ حکومت صرف برائے نام عوام کی نمائندہ وزارت ہے لیکن علاوہ ازیں کام وہی کر رہی ہے جو ایک غیر ملکی حکومت کرتی،

جمہوریت کا مخالف فیڈریشن

پروفیسر بیریڈیل کیتھ جو انگلستان میں آئین کے سب سے بڑے ماہر ہیں اور جنہوں نے قبول وزارت کے مسئلہ پر کانگریسی مطالبہ کی پرزور تائید کی تھی اخبار اسکاٹسمین کو ایک مراسلہ میں لکھتے ہیں کہ جیسا کہ پنڈت جواہرلال نہرو نے کہا ہے کہ کانگریسی وزارتیں دو مقصد کے لئے استعمال کی جا سکتی ہیں۔ ایک تو عوام کی حالت کو بہتر بنانا اور دوسرے فیڈرل سسٹم کے آنے والے نفاذ کو روکنا۔ آپ کہتے ہیں کہ فیڈرل آئین نے ایک ایسی قدامت پرست اور رجعت پسند مرکزی حکومت کی بنیاد ڈالی ہے جو اصول جمہوریت کے قطعاً مخالف ہے۔ اس میں والیان ریاست کو اس غرض سے شامل کیا جا رہا ہے کہ وہ برطانی ہند کے ووٹروں کی رائے کو مسترد کر دیں۔ پروفیسر موصوف کا خیال صحیح ہے ہندوستان میں بھی اسی خیال کا چند بار اظہار کیا جا چکا ہے۔ اگر اس وقت کانگریسی وزارتیں اپنی تعمیری طاقت سے کام لیں گی تو یہ دونوں مقصد بڑی حد تک حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ فیڈریشن جس صورت میں قائم کیا جانے والا ہے وہ آزادی کا منافی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رعایا کی آزادی اور فرمانرواؤں کی مطلق العنانی کبھی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتی۔

ضروری امداد

مدراس میں کانگریسی وزارت کے قائم ہوتے ہی ان لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ایک قابل تعریف قدم اٹھایا گیا جو سابق حکومت کی نگاہ قہر کا شکار ہو چکے ہیں۔ چنانچہ محکمہ اطلاعات عامہ کے وزیر نے ان تمام لوگوں کی ایک فہرست مرتب کرنے کا حکم دیا ہے جو تحریک عدم تعاون اور سول نافرمانی میں شرکت کے باعث اپنی ملازمتوں اور عہدوں سے برطرف کر دیئے گئے تھے۔ ان لوگوں میں کچھ سرکاری ملازمین بھی ہیں۔ کچھ اسکولوں کے ٹیچر بھی، کچھ دیہاتی کار پرداز بھی، اور کچھ ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل کمیٹیوں اور دوسرے نیم سرکاری اداروں کے ملازمین بھی ان میں سے متعدد آدمی تو ایسے ہوں گے جو کانگریسی تحریک کے ساتھ صرف ہمدردی کے شک وشبہ پر برطرف کر دیئے گئے ہونگے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ فہرست غالباً اس غرض سے مرتب کی جا رہی ہے کہ کانگریس کے "زخمی سپاہیوں" کی مدد کی جائے۔ اکثر حالتوں میں ان کی جگہوں پر دوسرے آدمی کام کر رہے ہوں گے لیکن وزارت اگر چاہے تو معزول شدہ لوگوں کو بھی ملازمتوں پر لگا سکتی ہے اور یہ وہ ضروری امداد ہے جس کے لئے مدراس کی وزارت مستحق مبارکباد ہوگی۔ دوسرے صوبوں کی وزارتوں کو بھی اس کی تقلید کرنی چاہیئے۔

ممبران اسمبلی کا الاؤنس

پہلے تو پنجاب کی یونینسٹ وزارت کا یہی کارنامہ قابل اعتراض تھا کہ اس نے اپنے وزیروں کے لئے شاہانہ تنخواہوں کا انتظام کر لیا تھا۔ لیکن اب اس پر طرہ یہ ہے کہ اس نے ارکان اسمبلی کا الاؤنس بھی ۱۵ روپیہ روزانہ سے بڑھا کر ساڑھے بائیس روپے روزانہ کر دیا ہے۔ اگر دنیا میں غیرت کوئی چیز ہے تو ان وزیروں کو دیکھنا چاہیئے تھا کہ دوسرے صوبوں میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ جیسا معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب اب ہندوستان کا کوئی حصہ ہی نہیں۔ سالہا پرانے آئین کے عہد میں پنجاب کونسل کے ممبران کے الاؤنس پر صرف ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہوتا تھا لیکن جدید آئین کی برکت سے ایک لاکھ روپیہ سالانہ خرچ ہوگا۔ اور غریب ٹیکس دہندوں کی جیب پر یہ ناقابل برداشت بار ڈال دیا جائے گا۔ جب ڈاکٹر گوپی چند نے اس پر اعتراض کیا تو چیف منسٹر نے یہ جواب دیا کہ "ہم سستی سنسنی پیدا کرنا نہیں چاہتے بلکہ اصلی تعمیری کام کرنا چاہتے ہیں"۔ یونینسٹ پارٹی کے تعمیری کاموں کا یہ عجیب وغریب نمونہ یقیناً قابل دید ہے۔

چین اور جاپان کی آویزش

اس وقت خود ہندوستان کی سیاسیات اس قدر الجھ گئی ہے کہ ہماری آنکھوں کو بیرونی دنیا کی طرف دیکھنے کی فرصت نہیں رہی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب ہمیں اسی دنیا میں رہنا ہے تو اس کے حالات سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ سپین کی خانہ جنگی کے بعد مشرق بعید میں ایک بہت بڑا فتنہ پیدا ہو گیا ہے اور جاپان نے چین پر جس طرح دھاوا کر دیا ہے اس نے مسولینی اور حبش کی روایات کو از سر نو زندہ کر دیا ہے۔ ملوکیت پرست قوموں کا یہ حال ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی دست درازیوں کے لئے ایک بہانہ ڈھونڈتی ہیں۔ جاپان نے شمالی چین کو جن الفاظ میں انتباہ دیا تھا وہ کسی خوددار حکومت کے لئے قابل برداشت نہ تھے۔ چین اگرچہ کمزور تھا مگر اتنا بے غیرت نہ تھا کہ وہ چپ ہو جاتا۔ بس جاپان کو یہی ایک بہانہ مل گیا اور اس نے شمالی چین پر حملہ کر دیا۔ جاپان کو معلوم ہے کہ اگر وہ چین کو منظم ہونے اور طاقت حاصل کرنے کا موقع دے گا تو چین میں جاپانی امپائر کا خواب کبھی ممنون تعبیر نہ ہوگا۔ چین بھی جاپان کے اصل مقصد سے آگاہ ہے۔ اب حال یہ ہے کہ ایک جنگ مغرب میں اور دوسری خطرناک جنگ مشرق میں ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ انجمن اقوام سے کسی طرح کی توقع رکھنا مردے کے زندہ ہونے کی امید کرنا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جاپان کے دست جبر سے اب چین کا بچنا مشکل ہے۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

شریمتی وجے لکشمی پنڈت

یو۔پی کی وزارتی کیبنٹ اس نقطہ نگاہ سے خوش نصیب کہی جا سکتی ہے کہ اس کو شریمتی وجے لکشمی پنڈت جیسی ایک کانگریسی رہنما اور مخلص کارکن ایک وزیر کے عہدے کے لئے مل گئی ہیں۔ بعض دوسرے کانگریسی صوبے اس اعتبار سے ابھی یو۔پی کے برابر نہیں ہیں۔ لیکن امید ہے کہ جوں جوں عورتوں میں تعلیم وترقی کا جذبہ پیدا ہوتا جائے گا۔ ترقی کا موقع کے لئے زیادہ تعداد میں تعلیم یافتہ اور قابل عورتیں دستیاب ہوں گی۔ وزارت میں زنانہ عنصر کا شامل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہندوستان عورتوں کے حقوق ومفاد اور آزادی وترقی کے مسئلہ کو ہرگز پس پشت ڈالنا نہیں چاہتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اہم قومی مسائل کے حل کرنے میں جن کا تعلق بچوں کی پرورش، تربیت، صحت اور گھریلو صنعتوں وغیرہ سے ہے عورت وزیر کا مشورہ مرد سے زیادہ مفید ثابت ہوگا۔

(باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

ملازمتوں کو کانگریسی وزارتوں کی ہدایت

پنڈت گوند ولبھ پنت اور شری سیت راج گوپال اچاریہ سنٹرل پی اور مدراس کا فسلد ان وزارت اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی سول اور پولیس ملازموں پر حقیقت ظاہر کر دینے کی مفید کوشش کی ہے کہ اب وہ لوگ پبلک کے ملازم اور خادم ہیں اور ان کو چاہئیے ذہن نشین کر لینا چاہئیے کہ پرانی قسم کی دفتری حکومت اب جمہوری حکومت سے متبدل ہو گئی ہے عامۃ الناس اب صرف وزارتوں کے ہی مالک نہیں ہیں بلکہ ملازمتوں کے بھی مالک ہیں۔ یو۔ پی کے وزیر اعظم نے یہ امید ظاہر کی ہے کہ ملازمتیں وزارت کی پالیسی کو چلانے میں پوری امداد دیں گی اور مدراس کے وزیر اعظم نے کہا ہے کہ وزارت کے سینہ میں اب کینہ اور تلخی کی کوئی جگہ نہیں ہے اس لئے ملازمتوں کو مخلصانہ خدمت کا جذبہ بیدار کرنا چاہئیے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ملازمتیں ان مفید ہدایات و مخلصانہ پیشکش سے فائدہ اٹھا کر اپنے قدیم جبی میلان کو خیرباد کہہ کر جدید وزارتوں کی ماتحتی میں خدمات کا قابل تعریف کارنامہ پیش کریں گی۔

راجندر ۔ جواہر ۔ جناح

۲۰ر جولائی کی تاریخ اپنی تمام اہمتیوں کے ساتھ ایک مزید اہمیت رکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس روز پنڈت جواہر لال نہرو نے مسٹر جناح کو مخاطب کرتے ہوئے ہندو مسلم مسئلہ کے حل کے متعلق بابو راجندر پرشاد کی پیشکش کی طرف مسٹر جناح کو توجہ دلائی ہے اور اسی روز بابو راجندر پرشاد نے بھی اپنی ۱۹۳۵ء کی پیشکش کا اعادہ کیا ہے کہ اگر وہ مسلم فرقہ پرست رہنماؤں کے دستخط اس فارمولا پر ثبت کرا دیں تو وہ کانگریس کو بھی اس پر راضی کر لیں گے۔ اس سلسلہ میں یو۔ پی کی مسلم لیگ کے ممبروں نے مسٹر جناح کو تار دیا ہے کہ راجندر بابو کی پیشکش کو منظور کر لو۔ اگر تم نے اس وقت کانگریس سے سمجھوتہ نہ کیا تو شدید غلطی ہو گی یہ ظاہر ہے کہ اب ۱۹۲۵ء میں جن حالات میں گفت و شنید ترک کی گئی تھی وہ حالات اب موجود نہیں ہیں اور گزشتہ انتخابات نے بھی ثابت کر دیا کہ کانگریسی نیشلسٹوں کی وہ پوزیشن اب باقی نہیں رہی ہے کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ مسلم لیگ اس پیشکش سے فائدہ اٹھائے گی اور اپنی رجعت پسندی کو خیرباد کہہ کے کانگریس سے سمجھوتہ کر لے گی؟ ایسے زرین مواقع بار بار نہیں آتے!

ایک قابل تقلید مثال!

ایک اطلاع کہتی ہے کہ صوبہ مدراس کے ایک ممبر اسمبلی اپنے گاؤں سے جو مدراس سے دس میل کے فاصلہ پر تھا جب کونسل کے کاموں میں شرکت کے لئے مدراس آئے تو اپنا سفر خرچ وصول کرنے کونسل کے دفتر میں پہنچے اور ممبر موصوف اور دفتر کے کلرک میں اس بات پر تکرار ہوئی کہ ان کو کتنا سفر خرچ دیا جائے، ممبر نے صرف چھ آنے کا بل پیش کیا لیکن کلرک نے کہا کہ فی میل الاؤنس کی رو سے ان کو تقریباً دس روپے دیا جائے گا۔ ممبر نے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میں اصلی خرچ سے ایک پائی بھی زیادہ (چوتھے کالم پر)

لالہ زار

(”ریاست“ کے خاص شاعر کے قلم سے)

ذمہ واری

کہا جو کچھ ہے گاندھی جی نے اسکو گوش کہتے ہیں | ملوکیت گئی، جمہوریت کی اب تو باری ہے
گورنر اور وزیر اور جملہ ارکان سول سروس | اب انکی کانگریس کے روبرو سب ذمہ داری ہے

(مہاتما گاندھی نے اخبار ”ہریجن“ مورخہ ۲۴ر جولائی میں لکھا ہے کہ جب کانگریس نے عہدے قبول کر لئے تو گورنر اور سول سروس کے ارکان اور وزراء سب کے سب پبلک یعنی کانگریس کے سامنے ذمہ دار ہو گئے)

فرینکو کی فوج کی بربریت!

غضب کے وحشی و بے رحم ہیں اسپین کے باغی | یہ جیوان جوہر انسانیت کو بھول جاتے ہیں
تمدن نے عطا کی بربریت اہل یورپ کو | کہ یہ بے رحم زخمی بھائیوں پر بم گراتے ہیں

(اطلاع آئی ہے کہ جنرل فرینکو کی پارٹی نے بہت سے پناہ لینے والے زخمیوں پر بمباری کر کے ان کو ہلاک کر دیا)

کانگریس اور مسلمان

وطن کا کام پھر ملکر کریں گے ہندو مسلم | زمین ہند پہ پھر حق کے بادل چھائے جاتے ہیں
مناسب ہو تو دو مسٹر جناح کو اب یہ خوشخبری | مسلمان کانگریس میں رفتہ رفتہ آتے جاتے ہیں

(یو۔ پی مسلم لیگ کے بہت سے ارکان نے کانگریس پارٹی میں شامل ہو کر کانگریس کے معاہدہ پر دستخط کر دئے ہیں)

پرنسپل بریلی کالج کا رویہ

کالج کے پرنسپل کا رویہ یہ ہے غلط! | اس ذہنیت کا اب نہ رہے نام اور نشاں
کہدے کوئی یہ اُن سے زمانہ وہ چل بسا | جب فاختہ اُڑاتے تھے تم سے خلیل خاں

(بریلی کالج کے پرنسپل نے اُن لڑکوں کو داخل کرنے سے انکار کر دیا ہے جو بریلی ڈویژن اسٹوڈنٹس کانفرنس میں شریک ہوئے تھے۔ یو۔ پی کے چیف منسٹر کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کی گئی ہے)

اخبارات اور امتیازی سلوک!

اگر اُٹھ جائے گا یہ امتیاز و فرق بے معنی | شکایت ہو گی اخبارات کو پھر کیوں حکومت سے
مٹائی جائیں گی یکسر ”سفید“ اور ”کالی“ فہرستیں | سبق لینا ہے یہ پنجاب کو یو۔ پی وزارت سے

(پنڈت گوند ولبھ پنت نے فرمایا ہے کہ میں آزادی پریس کا حامی ہوں اور اب حکومت کے تمام اشتہارات بلا امتیاز ہر اخبار کو دئے جائیں گے)

دہلی میں چوریاں

گرچہ کچھ مشکل ہے چوروں کی گرفتاری کا کام | اور ظاہر ہے کہ ہے انہیں بھی حاجت ”ٹیکٹ“ کی
شہر دہلی میں زیادہ چوریاں ہونے لگیں | اب ضرورت ہے یہاں بھی ایک ”غنڈا ایکٹ“ کی

(TACT ٹ یعنی دانائی و ہشیاری۔ چونکہ دہلی میں چوریوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اس لئے یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہاں بھی ایک ”غنڈا ایکٹ“ پاس ہونا چاہئیے)

چٹکیاں

آئیے، آج پھر آپ کو ہم پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کی سیر کرائیں آپ پوچھیں گے کہ پچھلے ہفتہ بھی تو نے اُدھر ہی کا رُخ کیا تھا آخر اس کا سبب کیا ہے کہ پنجاب اسمبلی سے تمہیں اس قدر دلچسپی پیدا ہو گئی ہے ہندوستان میں گیارہ صوبے اور ان کی اسمبلیاں بھی تو موجود ہیں۔

تو صاحب اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری اسمبلیوں کے متعلق بھی اہم اور سنجیدہ قسم کا ”مسالا“ تو مل جاتا ہے مگر اشارات اور چٹکیوں کے لئے مذاق کا ”مسالا“ پنجاب کے سوا کسی اور اسمبلی سے نہیں ملتا۔ وہاں کے مخالف بنچوں کی طرف سے سوالات کی بوچھاڑ اور وزارت کی طرف سے کبھی تو پھسپھسا جواب اور کبھی خاموشی ایک ایسا عالم پیدا کر دیتی ہے کہ پرماتما دے اور بندہ لے!

اس کا سبب یہ ہے کہ پنجاب میں معقولیت اور نامعقولیت کا ایک دلچسپ مقابلہ ہو رہا ہے مزے کی بات یہ ہے کہ ”معقولیت“ کو قلیت حاصل ہے اور ”نامعقولیت“ اکثریت میں ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی کانگریسی ممبر کوئی سوال کر بیٹھتا ہے تو چیف منسٹر اس کا جواب اس مایوسانہ انداز سے اِدھر اُدھر ڈھونڈھتے ہیں جیسے کوئی معشوق اپنے کھوئے ہوئے عاشق کی تلاش کر رہا ہو اور اسمبلی کے در و دیوار سے یہ صدا آنے لگتی ہے کہ

اب اسے ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لے کر

ہمارا خیال ہے کہ مخالف بنچوں والے بڑے ظالم اور بے رحم ہیں ان کو کسی کی بیکسی اور بے بسی پر رحم کرنا نہیں آتا۔ چاہے کسی کا سینہ چھلنی ہو جائے مگر وہ اپنی تیراندازی سے باز نہیں آتے چنانچہ کانگریسی ممبروں کے خطوط کے سنسر کئے جانے کے متعلق جب سوالات کا دریا بہنا شروع ہوا تو چیف منسٹر صاحب اس میں ڈبکیاں لینے لگے اور کسی کو یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ تنکے کا سہارا تو دیدیں!

(کالم ایک سے آگے)

نہیں لونگا۔ آخر ممبر موصوف نے صرف چھ آنے وصول کئے۔ اطلاع میں ممبر کا نام ظاہر نہیں کیا گیا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ آپ کانگریسی ممبر تھے۔ ہمیں یقین ہے کہ اسمبلیوں کے کانگریسی ارکان اگر اس طرح کی قابل تقلید مثال پیش کرتے رہیں گے تو کانگریس کو عوام میں وہ مکمل اعتماد حاصل ہو گا جس کی خواہش مہاتما گاندھی نے ظاہر کی ہے۔ اس غریب و مفلس ملک کے پبلک فنڈ سے بڑے بڑے الاؤنس بھتے اور غیر معمولی سفر خرچ وصول کرنا ایک ایسا عمل ہے جس پر ارکان حکومت بہت دنوں سے کاربند ہیں لیکن اب اس طریق کار میں زبردست اصلاح ہونی چاہئیے۔

امریکہ کے دس قارون

کروڑپتی انسانوں کی پُراسرار زندگی

(از مسٹر رام پرتاپ)

امریکہ دولت کی سرزمین ہے ایک دو نہیں دس آدمی کروڑپتی بلکہ ارب پتی موجود ہیں جن کی آمدنی ۱۴ ملین فی سال فی کس سے زیادہ ہے۔ بڑے بڑے دولتمندوں کی تشریح یہ ہے:-

(۱) اندریو۔ ڈبلیو میلن

(۲) ہنیری اینڈ ایڈزل فورڈ

(۳) ڈی دونٹ خاندان

(۴) جان ڈی راک فیلر (خورد)

(۵) ولیم انا لف ہیرسٹ

یہ دولتمند تو ایسے ہیں جن کا تذکرہ امریکہ کیا دنیا میں زبان زد عوام ہے مگر بعض کروڑپتی ایسے بھی ہیں کہ جن کا حال دنیا کو بہت کم معلوم ہے مثلاً یہ لوگ۔

(۶) جارج۔ ایف۔ بیکر نیو یارک کے ایک ساہوکار ہیں۔ جے پی۔ مارگن مشہور فرم ساہوکارہ کے ایک بڑے حصہ دار ہیں آپ آجکل بہت بیمار ہیں اور اپنے جہاز میں جو بحر اعظم میں پڑا ہوا ہے طبیعت کی بحالی کی کوشش کر رہے ہیں۔ ۵۰ سال میں آج پہلی مرتبہ انہوں نے کوئی تعطیل و تفریح منائی ہے۔

(۷) فریڈرک، ایچ، پرنس آپ ریاست بوسٹن ... کے ریلوے "سلطان" ہیں۔ یورپ میں بھی آپ کی ریلیں بہت چلتی ہیں جہاں آپ کو ریلوے کا بادشاہ اور "بادشاہ جہازی" بھی کہا جاتا ہے۔

(۸) آرتھر کرٹس جیمز ایک خاندانی دولتمند ہے جس نے خاندانی دولت و املاک میں بہت کافی اضافہ کر لیا ہے اور ان کی دولت ... زبان زد عام ہے۔

(۹) دو ور ہیر ہوزر برادر یہ دونوں بھائی ایک جرمن نو آباد کار کے لڑکے ہیں اس شخص نے تمام امریکہ کے جنگلات کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور شہتیروں کا بادشاہ بن گیا۔

(۱۰) دو ہارٹ فورڈ برادر بحر اٹلانٹک اور بحر الکاہل میں کھانے پینے کی چیزیں فروخت کرنے والے زبردست کروڑپتی تاجر ہیں۔

اندریو میلن۔ میلن خاندان میں سب ہی کروڑپتی ہیں پارس پتھر مل گیا ہے کہ ہر شخص کروڑپتی ہے یہ لوگ ... ہی میں دنیائے دولت میں نشہ نصب لائے ہیں، مگر چھوٹوں چھوٹوں کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ یہ لوگ ... کے اصلی باشندے ہیں المونیم اور تیل کو انہوں نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے کم از کم پچاس کارپوریشنیں جن میں میلن کا نام ... ہے اس تنظیم کے اجزا ہیں مرف ایک بھائی اینڈریو کا حصہ ...۵۰۰ پونڈ کی برابر سمجھا جاتا ہے۔ اور میلک کے جاہیوں میں اس شخص کی مالی استعداد رسائی ضرب المثل ہو گئی ہے۔ الگزنڈر ہیملٹن کے بعد سے مالیات کا اس سے بہتر سیکرٹری امریکہ کو نہیں مل سکا ہے۔ اس نے نت نئے طریقوں سے امریکہ کے قومی قرضہ کو کم کرنے اور جدید طریقوں سے دولت بڑھانے کے خاص خاص طریقے ایجاد کئے ہیں۔ او روپیہ پیدا کرنے کے معاملہ میں بہت طباع ہے۔

جان ڈی راک فیلر (خورد) یہ بڑے راک فیلر کا جانشین ہے۔ اور لڑکا ہے، اس نے ۱۹۱۱ء ہی میں عنان سلطنت سنبھال لی تھی اور اس وقت سے اپنے باپ کے نقش قدم پر چلکر نہایت دانشمندی اور ہوشیاری سے دولت کو بڑھانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ بڑے راک فیلر کی طرح یہ بھی ایک بپٹسٹ فرقہ کا عیسائی مبلغ ہے۔ اور تمام عیسائی مذاہب میں بپٹسٹ فرقہ کے خیالات کو ترجیح دیکر اپنا دھرم سمجھتا ہے۔

فورڈ اور ڈوپونٹ بھی روزولٹ کے مخالف سرمایہ دار ہیں۔ وہ روزولٹ کے طریقہ تقسیم داری کو اس طرح نہیں مانتے جس طرح روزولٹ منوانا چاہتا ہے یہ لوگ پکے سرمایہ دار ہیں خاص کر فورڈ اور یہ اپنی مرضی سے سب دولت اپنے قبضہ میں کر کے حصہ رسدی سب کو پہنچانے کے قائل ہیں۔

ڈوپونٹ امریکہ کے شہزادگان دولت میں سب سے زیادہ شائستہ اور مہذب و خرّاچ واقع ہوئے ہیں ان کی دولت بے شمار ہے مگر خرچ بھی خوب کرتے ہیں انہیں ڈیوک آف ڈیلا ویئر کہا جاتا ہے۔ اور بات بھی یہ ہے کہ یہ مختصر ریاست ان کی راجدھانی ہی ہے جہاں ہسپتال و مدرسے دارے گالف کے میدان، سینما غرض ہر چیز موجود ہے اور ڈوپونٹ خاندان کی قدیم امارت و شان و شوکت کا پورا آئینہ دار ہے پیرے ڈوپونٹ اگرچہ بہت خرچ کرنے والا دولتمند ہے مگر امریکہ کے دیگر کروڑپتیوں کی طرح ... سادہ لباس آدمی ہے اور زندگی بھی بالکل سیدھی سادی گزارتا ہے۔ اس کے موٹر ڈرائیور کے پاس وردی بھی نہیں ہوتی۔ بالکل معمولی لباس میں وہ دونوں سفر کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ دوران سفر میں پیرے ڈرائیور کے پاس بیٹھ کر اکثر کھانا کھانا چاہتا ہے۔

ستہری ٹولی کا پانچواں شخص ولیم رینڈولف ہیرسٹ ہے یہ بھی بہت سادہ مزاج اور سادہ حیات آدمی ہے اور اس کی برابر امریکہ کا کوئی دولتمند نہیں ہے جس کا پبلک سے روزانہ تعلق و رابطہ پیدا ہو۔ یہ خبر رساں ایجنسیوں کا مالک ہے۔ اخباروں کا مالک ہے، ریڈیو اسٹیشنوں کا مالک ہے فلم کمپنیوں کا مالک ہے۔

پریم نگر کی ریت یہی ہے جان سے تو جان

افسانہ

(از جناب برجیندر سروپ کرل پانی پتی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

—— (۱) ——

"دنیا اُسے پاگل کہتی تھی ... سودائی ... وہ پاگل تھا۔ سودائی تھا لیکن پریم کا، وہ ڈھونڈھ رہا تھا ایک عرصے پریم کو۔ آخر اسی دُھن میں ایک شہر کی طرف چل دیا۔ اور جوں ہی صبح صادق کے نمودار ہونے کا وقت قریب آیا اور تھا، د بدبوب پڑی اور جگوت کا سب سے بڑا دروازہ ایک گھڑ گھڑاہٹ کے ساتھ شہر والوں کی آمد و رفت کے لئے کھول دیا گیا، آج سب سے پہلا شہر میں داخل ہونے والا انسان ایک سادھو تھا، دروازے میں داخل ہوتے ہی ستار کی شیریں گت پر نہایت دردانگیز آواز میں گانا شروع کیا "پریم کو مجھ سے ملا دے جو کوئی ہو جاؤں گا اُس کا" ستار اس کی جان اور گیت اُس کی روح تھی وہ گارہا تھا پریم کے سنگ کے گا جیون اُس کا جیون میرا جیون اُس کو دکھوں کا میں ایسے جیسے پھول کنول کا

صبح کا وقت، گرمیوں کے دن، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے شہر والوں پر مستی کا عالم طاری کر رہے تھے۔ یکایک ستار کی سریلی آواز اور پرسوز نغمے نے ان پر ایک کیف کا عالم طاری کر دیا صبح کے وقت بھیرویں کی الاپ ایک سادھو کی زبان سے نکلا ہوا گیت، گھر گھر سے لوگ اٹھ کر سادھو کے پیچھے ہو لئے۔ جوان بوڑھے بچے سب ایسے ہو رہے تھے جیسے کسی جادوگر کے منتر میں بندھے ہوئے چلے جا رہے ہوں آخر کار یہ کیف کا عالم ٹوٹا۔ کب؟

جب سادھو اسی طرح گاتا گاتا شہر کے دوسرے دروازے سے باہر نکل کر خاموش ہو گیا۔ اور اپنا آسن جمانے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرنے لگا۔

—— (۲) ——

"شادی کے معاملہ کو آپ سب سے اہم مسئلہ مانتے ہیں یا نہیں؟"

"کیوں نہیں جس مسئلہ سے دو ذی روح انسانوں کی زندگی ہمیشہ کے لئے وابستہ کر دی جاتی ہے وہ معاملہ اگر اہم نہ ہوگا تو کیا ہوگا"

"بس اگر یہ سچ ہے تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ان دو انسانوں کو اس معاملہ سے قطعی بےخبر رکھا جائے، جن کو کچھ عرصہ بعد اس لڑی میں پرو کر زندگی کے مرحلے گزارنے پر مجبور کیا جائے گا!"

"میں نہیں سمجھا آپ کا مطلب!"

"میرا مطلب ... میرا مطلب نہایت سیدھا سادھا ہے ان دونوں سے رائے لینے کی ضرورت ہے یا نہیں؟"

"میرے خیال میں ان کی رائے کی اگر ضرورت نہ بھی سمجھی جائے تو کوئی ہرج نہیں، کیا وہ والدین جنہوں نے دکھ اور تکلیفیں اٹھا کر انہیں پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے وہ اپنی جانب سے کسی بات میں کمی کریں گے۔"

"گو آپ کی دلیل ٹھیک ہی ہے اور ماننے کے قابل بھی ہے لیکن اس معاملہ کا تعلق والدین اور دیگر رشتہ داروں کو چھوڑ کر سب سے زیادہ اس ہستی کے ساتھ ہے جو گرہستی کی گاڑی اپنے ہمراہی کے ساتھ گھسیٹتی ہے جسے زندگی کے نشیب و فراز اور سرد و گرم برداشت کرنے ہیں جس سے بیشتر کسی بات چیت تو درکنار شکل تک بھی دیکھنے کا موقعہ نہ ملا ہوگا۔"

مسٹر کرشن فرض کو جائز طور سے ادا کرنا فرض کہلا سکتا ہے لیکن اس قسم کی شادی کا یہی مطلب ہے۔ کہ وہ اپنے فرض کو ناجائز طور پر ادا کر رہے ہیں۔

"جب حالت یہ ہے تو اس معاملہ سے ان دونوں کی کچھ نہ کچھ نسبت ضرور ہونی چاہیئے" کرشن نے بہت دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔

کیونکہ مسٹر کرشن ہندوستان میں محبت شادی کے بعد شروع ہوتی ہے اگر وہ شادی قابل اطمینان نہ ہو تب زندگی کی گھڑیاں مصیبت میں گزارنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ ایسی کھینچا تانی سے پھر کیا فائدہ ... کیا آپ بھی اس معاملہ میں خاموش رہیں گے، رمیش سگریٹ کا کش کھینچتے ہوئے بولا۔

"نہیں مسٹر رمیش" کرشن نے جواب دیتے ہوئے کہا جس طرح آپ نے ہمت سے کام لیا تھا اسی طرح ہم بھی کریں گے جب آپ مددگار ہیں تب فکر ہی کیا ہے۔

"ہوں؟ میں نے شادی کے معاملہ میں والدین کی بات کو قطعی ٹھکرا دیا تھا۔ ان کی بات کو تسلیم کرنا زندگی رنج و تکلیف میں گزارنے کے مترادف تھا۔ میں نے وہی کام کیا جو ایک انسان کو ایسے موقعہ پر کرنا چاہیئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرصہ چار سال سے ان سے میری خط و کتابت قطعی بند ہے۔ تعطیلات میں بھی میں نے گھر کا رُخ نہیں کیا۔ والدین اتنے ناراض ہیں کہ منی آرڈر کے فارم پر بھی خیریت کے دو لفظ لکھنا گوارا نہیں کرتے۔"

"ذرا سی غلطی سے تم نے خواہ مخواہ آفت سر لی" کرشن بولا۔

ہاں ایک جانب والدین کا حکم تھا جسے میں ناجائز تصور کرتا تھا۔ دوسری جانب میرا ضمیر تھا" رمیش نے کہا "اس موقعہ پر ایسا قدم اٹھانا لازمی تھا۔ جو مناسب ہوتا۔ بہرحال ان کا حکم ... کرشن آتنا کہنے ہی پایا تھا کہ اتنے میں پوسٹ مین نے رمیش کے نام کا تار لا کر دیا درج تھا۔ "والد سخت بیمار ہیں جلد گھر پہنچو" تار پڑھنے کے بعد رمیش خاموش ہو گیا۔ بہت دیر تک خاموش بیٹھا رہا اس کے دل میں ایک خیال آتا اور ایک جاتا تھا وہ اپنے فعل پر نادم تھا تمام پرانی باتیں حرف غلط کی طرح مٹ گئیں اُس کی نظروں میں گزرے ہوئے واقعات گھومنے لگے! اور وہ روانگی کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

رمیش نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا ایک خوبصورت جوان تھا۔ اس میں وہ تمام خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں جو ایک انسان میں ہونی چاہئیں، اس کی وجاہت دوسروں پر اثر کئے بغیر نہ رہتی تھی اور جب وہ اپنی زبان سے ایک کے بعد دوسرا لفظ نکالتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ اس کے سامعین اپنے آپ کو کسی دوسری دنیا میں خیال کرتے تھے جو شخص بھی اسے ایک نظر سے دیکھ لیتا اس کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکتا جس کو ایک دو مرتبہ بات کرنے کا موقعہ نصیب ہوتا، ہمیشہ کے لئے اس کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ شرافت اور خوش اخلاقی دونوں چیزیں انسان کو اپنی جانب کھینچتی ہیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

افکارِ عالیہ

(از جناب پروفیسر ظفر تاباں رامجس کالج دہلی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

وحشتِ دل کے ابھی اور بھی ساماں ہونگے
ایسے کتنے مرے دامن میں گریباں ہونگے

شبِ غم محوِ خیالِ رُخِ جاناں ہونگے
اُن کے جلوے بھی شریکِ شبِ ہجراں ہونگے

تیرے کعبہ میں بھی دیکھے ہیں برہمن میں نے
میرے مندر میں بھی دو چار مسلماں ہونگے

مرگِ عشاق پہ قرباں ہو حیاتِ ابدی
اے خوشا ہم تو نثارِ رہِ جاناں ہونگے

ہمنے خلاقیِ انساں ابھی دیکھی کب ہے
ہم ابھی اور بھی انگشت بدنداں ہونگے

خلوتِ خاص کا ہر ذرّہ تڑپ اُٹھے گا
تیرے جلوے ترے جلووں سے پریشاں ہونگے

رازِ مستی نہ کھلے گا تری آنکھوں کی قسم
ہم خراباتیِ مے خانۂ پنہاں ہونگے

سر و ساماں سے غرض عشق کے بندوں کو نہیں
فکرِ تعمیر انھیں کیا ہو جو ویراں ہونگے

یہی افزائشِ وحشت ہے تو انشا اللہ
گوشہ گوشہ میں مرے گھر کے بیاباں ہونگے

لامکاں تک نہ نشاں اُنکا ملیگا تاباںؔ
جن کو سمجھا ہے کہ نزدیکِ رگِ جاں ہونگے

پچھلے صفحے سے

تھا، کشش رکھتی ہیں یہ دونوں خوبیاں اس میں موجود تھیں اس کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ کے آثار رہتے، بات چیت میں خوش خلقی اور سلیقہ۔

رمیش خوبصورت تھا، حسینوں کی قدر بھی کرتا، جس شخص کے دل میں محبت کی چاشنی نہ ہو وہ کبھی مکمل انسان نہیں کہلا سکتا رمیش محبت کرتا تھا . . . حسن سے . . . اور کبھی . . . سچی محبت . . . اور کسی خوبصورت پھول پر نگاہ ٹھہر گئی، وہیں گھنٹوں گذار دئے کبھی بناوٹ کا خیال، کبھی رنگ کی تعریف، لیکن اس خوبصورت پھول کو شاخ سے علیحدہ کرنے کے حق میں نہ تھا۔ اگر کسی حسین عورت کو دیکھ لیتا تو پرماتما کی صنعت کی تعریف کرتا۔ اس وقت نفسانی خواہشات کے خیالات اس کے دل سے کوسوں دور رہتے۔ وہ دلدادہ تھا، دیوانہ کرنا تھا حسن کی محبت کرتا تھا، ہر حسین چیز سے، غرضیکہ وہ حسن کا پجاری اور پرستار تھا۔

رمیش اس وقت ایف اے میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، چار سال پہلے کلکتہ کے قریب رسک پور میں وہ رہتا تھا سریندر ناتھ رمیش کے پتا قصبہ کے چودھری تھے، بہت امیر آدمی، مکان اور زمین بہت کافی، روپیہ ان کے اندازہ اور خیال سے کہیں زیادہ، لین دین کا کام کیا کرتے تھے۔ تجارت میں نیت اور برکت کا سوال ہمیشہ رہتا ہے۔ ایمانداری سے اپنے کام کو کرتے اور نیک نیتی کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے، ایشور کا ہاتھ تھا، روپیہ مینہ کی طرح برس رہا تھا، گنے دنوں میں وارے نیارے ہو گئے لیکن دولت ان کی فطرت کو بدلنے میں کامیاب نہ ہو سکی، وہی معمولی کھان پان، وہی موٹا پہن، وہی سادہ پوشاک، وہ منہ سے پرانی لکیر کے فقیر۔

بچے اور بوڑھے کا مزاج تقریباً یکساں ہوتا ہے سریندر ناتھ کی بڑھتی ہوئی عمر تھی، شروع سے ان کی طبیعت میں ضد تھی اب عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ کم ہونے کی بجائے اور بڑھ گئی اس لئے وہ یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کہ کوئی شخص ان کی بات کی ہاں میں ہاں نہ ملائے، پس جہاں ایسا ہوا خیالات میں تیزی اور کلام میں ترشی لازمی ہو جاتی تھی، کبھی کبھی گھر میں وہ ہنگامہ بپا ہوتا تھا کہ توبہ ہی بھلی۔ نوکر چاکر کی مجال ہی کیا ہو سکتی تھی اس لئے ہر شخص اس بات کا خاص خیال رکھتا تھا۔ سریندر ناتھ کے حکم کی تعمیل ایسی ہی تھی، جس طرح اپنے وقت پر طلوع آفتاب، انہوں نے شروع سے رمیش کو بھی یہی سبق پڑھایا ہی نہیں بلکہ عمل کرایا کہ بڑوں کے قول ماننے میں حیلہ حجت مت کرو۔ وہ ہمیشہ تمہاری بھلائی کے خواہاں ہیں۔ اگر کوئی کام تم سے تمہاری مرضی کے خلاف کرنے کے لئے کہا جائے، کڑوی دوا کے گھونٹ کے مانند اسے حلق کے نیچے اتار جاؤ۔

رسک پور تین چار ہزار مکانوں پر مشتمل ایک خوبصورت اور بارونق قصبہ تھا۔ شہر کے باہر ندی کے کنارے ایک اور مالدار آدمی رہائش رکھتے تھے۔ پربھو داس، ان کے ایک لڑکی تھی پریم لتا اتفاق سے اسکول بھی اس کوٹھی کے قریب ہی واقع تھا۔ نیز لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم بھی پرائمری جماعت تک اکٹھی تھی،

رمیش اگر حسن کا مجسمہ تھا تو پریم لتا خوبصورتی کی دیوی بچپن ہی سے حسن کی زیبائش متعدی تھی [illegible] لونڈر تیل مختلف شہر کے پاؤڈر، صابن، کلپ، کلائیو، چمکیلے کپڑے نیز دیگر اسی قسم کی چیزوں سے آراستہ و پیراستہ نہیں کیا جاتا۔ دونوں بچوں کے چہرے پر سادگی اور خوبصورتی برستی تھی اور بھولی بھولی باتیں سونے پر سہاگہ کا کام کرتی تھیں۔

" دیکھو رمیش تم مجھے بہت تنگ کرتے ہو "

" میں پریم لتا۔ نہیں کیا تنگ کرتا ہوں ؟"

" تنگ نہیں کرتے : ابھی میری سلیٹ اس جگہ رکھی تھی کہاں گئی ؟ "

" مجھے کیا معلوم "

" نہیں کیا معلوم۔ دیکھنا ذرا دری کے نیچے سے نکالا کر)

یہ کس کی سلیٹ ہے، دری کے نیچے کیسے پہونچی ؟

" یہ تمہاری سلیٹ ہے ؟

" ہاں "

" اچھا تو لے جاؤ اور اب مجھ سے گفتگو مت کرنا "

کیوں ؟

" کیونکہ میں تمہیں تنگ کرتا ہوں "

نہیں رمیش، میں نے ویسے ہی کہہ دیا تھا لیکن پھر کبھی سلیٹ کو کہیں مت چھپانا۔

پھر دونوں کا اکٹھے آنا، پریم لتا کی کوٹھی پر اور وہاں سے پریم لتا کے ہمراہ اپنے مکان پر، دونوں کے والدین بچوں کو دیکھ کر پھولے نہ سماتے تھے۔ بچوں کا پریم دن بہ دن بڑھتا جا رہا تھا جیسے انتظار کی گھڑیاں، دوپہر کی رات، وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ آخرکار دونوں عمر کے اس حصہ میں پہونچ گئے جب بھلے اور برے میں تمیز ہونے لگی۔ پریم لتا کو پڑھانے کا بندوبست گھر پر کر لیا گیا۔ وہ ہر روز کی ملاقاتیں اور محبت کی باتیں صرف افسانہ بن کر رہ گئیں، رمیش اس کوٹھی کے مقابل سے گزرتا لیکن اب اس کا استقبال کرنے والا کون موجود ہوتا۔ اب اس کے ساتھ کون مدرسے کی راہ لیتا۔ وہ خواب کی باتیں تھیں یا کسی نامکمل افسانہ کا باب، اب ان کی دھندلی سی یاد باقی تھی جس کا خیال رمیش کو بے چین کر دیتا۔ رمیش حسرت سے کھڑکیوں کی طرف نظر اٹھاتا۔ کہ شاید اس کی تمنائے دیدار ہی پوری ہو جائے، لیکن کھڑکیوں کے پردے شہید تمنا اور آرزو کے درمیان حائل رہتے۔

کوٹھی کا باغ اپنی پوری بہار پر تھا۔ املی کا پیڑ اپنی جگہ اسی حالت میں تھا۔ گلاب کا چھوٹا بوٹا بھی ہوا میں لہلہا رہا تھا نرگس باد صبا کی گودی میں پل پل کر بڑھتی چلی جا رہی تھی، چمپا اور چنبیلی اپنی اپنی جگہ باد بہاری کے تھپیڑوں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھیں۔ ہاں وہ لکڑی کا بنچ بھی موجود تھا اور اس کے قریب ہی پتھر کا چبوترہ بھی۔ لیکن اگر کچھ کمی تھی تو پریم لتا کی، رمیش کا اس کے ہمراہ گھنٹوں سیر کرنا، بچپن کی زندگی کا ایک حصہ پریم لتا کے ہمراہ اس باغ کی نذر کر چکا تھا۔ وہ سب باتیں رمیش کو اس طرح یاد تھیں جیسے کل کی، اور اس جگہ سے تو وہ بالکل ہی قریب تھا جب ایک روز لنچ کے چھٹنے میں آخری ملاقات کے دن پریم لتا نے کہا۔

رمیش کیا تم اس خوبصورت پھول کو توڑ کر لا سکتے ہو ؟

خوبصورت پھول، ایک خوبصورت دیوی کے لئے (رمیش) میں نے فوراً جواب دیا۔ کہاں ہے۔

" وہ دیکھو " پریم انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

رمیش، پریم کی خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس جانب روانہ ہو گیا۔ اتفاق کی بات جونہی میں پھول توڑ کر واپس ہوا اس جگہ کچھ سرسراہٹ کی وجہ سے سانپ کا شبہ محسوس ہوا۔ فوراً سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ ایک پتھر سے ٹھوکر کھائی اور گر کر بے ہوش ہو گیا تھوڑی دیر بعد آنکھ کھلی، کیا دیکھتا ہے سر پر ایک پٹی بندھی ہوئی اور پریم لتا کو سرہانے روتے ہوئے، وہ درد کو محسوس کرتے ہوئے بھی اس کا رونا نہ دیکھ سکا۔ اٹھ کر بولا۔

" پگلی رو رہی [illegible] کیا بات ہے ؟

[illegible] تکلیف ہوئی۔

اتنا چھوٹا دل [illegible] کی بات ہے لیکن تم نے اپنی ریشمی ساڑھی کیوں پھاڑ ڈالی، گھر والے ناراض ہوں گے۔

کیا یہ تم سے زیادہ قیمتی ہے، رمیش ایسی سینکڑوں ساڑھیاں تم پر سے نچھاور کر سکتی ہوں، آپ کے لئے گھر والوں کی ناراضگی منظور ہے اور میں ہمیشہ اس قسم کی ناراضگی چاہتی ہوں۔

پھول اب تک اس کی جیب میں پڑا تھا اسے نکال کر نہایت ادب سے پیش کیا لیجئے اسے، لیکن اس کی قیمت ضرور دینی ہوگی

پھول کو ہاتھ میں لئے ہوئے پریم بولی " پھول کے پریمی اس کی قیمت کیا لوگے ؟

" پھول پریمی کا ہے، پریمی پریم چاہتا ہے " رمیش نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

پریم یہ سنکر ایک گہرے فکر میں غوطہ زن ہو گئی اور رمیش اٹھ کر گھر کی جانب چل دیا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد کبھی کبھی رمیش کی نگاہیں، پیاسی نگاہیں پریم لتا کے دیدار سے سیراب ہو جاتی تھیں دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے سے ملتیں اور زبان خاموشی سے محبت کے افسانے کہتیں۔

دونوں کی نگاہوں میں پریم چھپا تھا، رفتہ رفتہ محبت کی کمان سے عشق کے تیر سر ہونے لگے۔ لیکن حیا کی [illegible] ناموس کا خیال ان تیروں کی طاقت کو راستہ میں ہی زائل کر دیتا تھا آخرکار وہ وقت قریب آ گیا جب رمیش کو ایف۔ اے پاس کر کے تعلیم کو جاری رکھنے کے لئے کلکتہ جانا پڑا۔ پریم لتا اس وقت انٹرنس کے امتحان کی تیاری کر رہی تھی،

چار روز پیشتر سے رمیش نے سرتوڑ کوشش شروع کی، کہ کسی طرح پریم لتا سے ملاقات کا وقت مل جائے اور دیدار کی حسرت پوری ہو جائے۔ لیکن اس کی کامیابی ہمیشہ ناکامی کی ٹھوکر کھاتی رہی اس کے ذرائع اور ترکیبیں کسی [illegible] کامیاب ہوتی دکھائی نہ دے رہی تھیں۔ وہ بہت رنجیدہ تھا صرف کچھ دیر بات کا خواہشمند اور اسی تگ و دو میں [illegible] کے جانے کا صرف ایک روز رہ گیا لیکن پریم سے ملاقات کی کوئی سبیل نہ نکل سکی

حسن اتفاق کہئے یا خوش قسمتی [illegible] ایک ضروری کام کی وجہ سے نزدیک کے گاؤں میں جانا پڑا۔ اب رمیش کے لئے کیا چیز مانع تھی، وہ موقع کا منتظر تھا جونہی پربھو داس کو جاتے دیکھا فوراً کوٹھی کی راہ لی،

پریم لتا پھولوں کے کنج کے پاس کھڑی کتاب پڑھنے میں مشغول تھی، کہ رمیش نے پیچھے سے جا کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے پریم نے رمیش کے ہاتھوں کو انگلیوں سے مس کرتے ہوئے کہا [illegible] کہنے لگا میں کل جا رہا ہوں۔

کہاں ؟

کلکتہ

بہت اچھا، کب لوٹو گے ؟

اس کے پوچھنے کی ضرورت ؟

" معاف کرنا۔ لیکن کیوں "

ہمیشہ ہی، ایک نامعلوم عرصہ کے لئے !

بہت بہتر آپ جہاں رہیں خوش رہیں۔ پریم لتا بولی، لیکن آپ جب کلکتہ آئیں مجھ سے ملکر آنا۔ رمیش نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ تاکہ . . .

رسوائی اور ذلت میں کمی نہ رہ جائے " پریم لتا مسکراتے ہوئے بولی۔

رمیش کی طبیعت میں کچھ غصہ پیدا ہوا۔ . . رسوائی . . ذلت، میری وجہ سے خیر، وہ اٹھ کر بولا۔ میں اب جا رہا ہوں۔

" بہت اچھا "

" اجازت ہے "

رمیش کا دماغ اس قسم کے سوال و جواب سے تنگ آ چکا تھا آج پریم لتا کی حالت کچھ اور تھی، آخر پھر تھوڑا ٹھہرتے ہوئے بولا :-

" پریم میں تم سے محبت کرتا ہوں "

" میں تمہارے جذبات کی قدر کرتی ہوں۔ رمیش اگر تم مجھ سے پریم کرتے ہو تب اس پتھر کے ہاتھ کل وہ خط بھیجنے کی کوشش نہ کی جاتی۔ جس پریمی کا دل اتنا چھوٹا ہو اس سے بڑے بڑے مرحلوں میں ثابت قدم رہنے کی کس طرح امید ہو سکتی ہے اگر وہ پرزہ کسی کے ہاتھ آ جاتا تب . . . "

تمہاری بے عزتی اور رسوائی سے پہلے میں اپنے آپ کو ختم کر دیتا۔ رمیش نے جواب دیا۔

اور مجھے اپنے [illegible] میں جلنے کے لئے رسوائی کے اس گہرے غار میں تنہا چھوڑ جاتے دیکھ رمیش، پریم لتا کہنے لگی۔

محبت ایک [illegible] جذبہ اس میں [illegible] کر دے [illegible] سے نکال لیا جائے تو یہ ایک [illegible] اس کی [illegible] کو بالائے [illegible] کے [illegible] گہرے [illegible] کرتی [illegible] ایسے کام کرنے پر [illegible] ہوتے ہیں [illegible] محبت کو [illegible] دیتی ہے اس لئے میری [illegible] ہے کہ ہماری [illegible] قائم رہے۔

کیا [illegible] خط و کتابت [illegible] کر سکتا ہوں تاکہ [illegible]

میری [illegible] بدنامی میں آپ کو زیادہ [illegible] پریم لتا نے جواب دیا۔

رمیش یہ جواب سنکر اٹھا اور [illegible] سے نکل گھر کی راہ لی۔

محبت کی دنیا سے [illegible] محبت کی دنیا سے [illegible] معلوم ہوا کہ لالہ جی عرصہ سے انتظار میں ہیں وہ اس [illegible] کے لئے اس کی عدم موجودگی میں طے کر چکے تھے۔ اس کی فطرت نے گوارا نہ کیا اور وہ لڑکا جس

[illegible]

مزاحیہ

میر مجلس!

(از جناب سید شوکت علی [illegible])

کوئی جلسہ اور کوئی محفل میر مجلس سے خالی نہیں ہوتی۔ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دوسرے تہذیب اور تمدن والے ملکوں میں بھی اس کا رواج ہے۔ اور غالباً یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ہندوستان اور دوسرے ممالک میں صرف اتنا فرق ہے کہ یہاں ہر جلسہ میں کئی کئی میر مجلس بن جاتے ہیں اور کسی قسم کی بے چینی، برہمی، ہیجان اور انتشار کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

مجمع خواہ کھانے کا ہو یا گانے کا، مشاعرہ ہو یا وعظ و مناظرہ اس میں ایک دو میر مجلسوں کی موجودگی نہایت ضروری ہے۔ میر مجلس خواہ کسی حیثیت سے شریک بزم ہوں ان کا جذبۂ صدارت نچلا نہیں بیٹھنے دیتا کسی نہ کسی عنوان سے کھڑے ہو کر وہ اپنی ہستی اور موجودگی کا ثبوت دے ہی دیتے ہیں اور کچھ نہیں تو بار بار صاحبو، خاموش رہو، کے نعرے ہی بلند کرتے رہتے ہیں۔

میر مجلس کے لئے خاص رعب داب، وقار، شان و جلالت کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ مدبر، بیباک، حاضر جواب اور موقع شناس بھی ہونا چاہئیے جیسا کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک سحر بیان مقرر بول رہا ہے اور محفل پر خاموشی چھائی ہوئی ہے مگر کبھی کبھی کسی میر مجلس کے منہ سے بے ساختگی کے عالم میں مرحبا، مرحبا، کی آواز نکل جاتی ہے جو بعض اوقات نفرت اور غصہ کے وقت "بے حیا" "بے حیا" کی صداؤں میں بدل جاتی ہے۔ یہ سب حاضر جوابی اور موقع شناسی ہی تو ہے۔ جن اوصاف کا میر مجلس میں ہونا ضروری ہے وہ کتابی نہیں بلکہ فطری اور وہبی ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر شخص میں میر مجلس بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ جس طرح آفتاب کی گردشیں ہزارہا سال میں بے بہا لعل و جواہر کان میں پیدا کرتی ہیں اسی طرح قدرت کی بے قدر فیاضیوں سے سو پچاس سال میں دو چار جامع الشروط میر مجلس عالم وجود میں آتے ہیں اور ان کا پیدا ہونا عالم اسباب کے نظم و نسق کی ضرورت کری ہے قدرت اگر میر مجلس پیدا کرنا بند کر دے تو ممکن ہے کہ دنیا کے انتظامات میں کوئی خلل واقع نہ ہو مگر دعوتوں، شادیوں، مشاعروں اور اسی قسم کی دوسری تقریبات میں کبھی حسن انتظام کے جلوے نظر نہیں آسکتے۔ وہ تقریب ہی کیا جس میں دو چار میر مجلس کہنیوں تک آستینیں چڑھائے اور کمر سے رومال لپیٹے اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف نہ ہوں، تقریبات کے موقعہ پر بغیر میر مجلس کے پان، چھوارے، مٹھائی اور ہار وغیرہ کی تقسیم کبھی اس خوش اسلوبی کے ساتھ نہیں ہو سکتی جو اس ذات شریف کے ساتھ مخصوص ہو گئی ہے۔ یا تو حصے اس قدر کم ہو جائیں گے کہ آخر کار تقریب ختم ہو کر صاحب خانہ کے منہ پر پھینک دئیے جائیں گے یا اتنی زیادہ مقدار میں جنس تقسیم ہو جائے گی کہ میزبان دیوالیہ ہو جائے گا۔ پھر بھی مہمانوں کے گروہ کے گروہ حصوں کے انتظار میں بیٹھے ہوئے برا بھلا کہتے رہیں گے۔

بہرحال میر مجلس کے بعض مخصوص اوصاف و شمائل ہوتے ہیں جن کے بغیر وہ مسند صدارت کے مستحق قرار نہیں دئیے جا سکتے اور جن اس فہرست اوصاف کا سب سے زیادہ روشن اور جلی عنوان ہے زیر تذکرہ میر مجلس میں سب سے بڑا وصف یہی تھا اسی بنا پر ہر بزم و انجمن میں [illegible] کی مشتہر ہستی تھی، سب سے پہلے وہ اپنے ملکۂ میر مجلسی سے مہمانوں کی تعداد کا اندازہ کر لیا کرتے تھے پھر تقسیم ہونے والی چیز کی مقدار کا جائزہ لیتے تھے اس کے بعد ذہن میں ایک معیار مقرر کر لیا جاتا تھا جو کسی وقت بھی تبدیل نہیں ہوا کرتا تھا۔ میر مجلسی کے عہدے کو وہ اپنا فطری حق سمجھتے تھے اسی لئے مسند مقام پر بیٹھنے کی کوشش خودداری اور ضبط و وقار کی سی ان کی عادت میں داخل تھی۔ انتظامات میں مشورہ اور دخل دینا پھر میزبان کی خواہش کے بغیر اعزازی طور پر اپنی خدمات کا پیش کر دینا ان کی فطرت تھی۔

دعوتوں کے موقعہ پر بالعموم دیکھا ہوتا ہے کہ میر مجلس اطمینان سے بیٹھے ہیں مگر کھانا آنے کی ابتدا ہوتے ہی وہ ایک چھڑی لے کر سنبھل بیٹھیں گے، اپنا بڑا سا رومال کندھے سے اتار کر کمر سے لپیٹ لیں گے پھر نہایت شان و وقار کے ساتھ پان چباتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے پہلے چاروں طرف نظر دوڑائیں گے پھر مالکانہ لہجہ میں پوچھیں گے ہاتھ دھل گئے؟ ــــــ صاحبو چلے! اچھا ادھر لاؤ کھانا یہاں سے شروع کرو، اب میر مجلس عملی طور پر جلسہ کا افتتاح کر دیں گے، اور چونکہ صاحب خانہ کے ساتھ ہمدردی کے جذبات قدرتاً ہر میر مجلس کے سینہ میں موجود ہوتے ہیں لہٰذا وہ یہ بھی دیکھتے جائیں گے کہ بارہ سال تک کے کسی بچے کے حصہ میں ایک پیالہ یا ایک رکابی پوری نہ آجائے جب یہ صورت پیش آئے گی فوراً کسی دوسرے بچے کو بلا کر اس کا شریک طعام بنا دیں گے، جب پوری محفل میں کھانا پہنچ جائے گا میر مجلس قریب کے کسی ستون یا دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو جائیں گے۔ اور فخر سے تمام صفوف جنگ کو دیکھتے رہیں گے ذرا کسی نے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا اور فوراً میر مجلس نے پانی والے کو اشارہ کیا، پانی دو! کدھر دیکھتے ہو؟ آپ پئیں گے۔ کھانا تقسیم کرنے والے بھی سب ان کے ماتحت ہوتے ہیں اور یہ ہر شخص کو مختلف احکام دیتے رہتے ہیں چونکہ مفت کرم داشتن کا اس سے بہتر موقعہ نہیں مل سکتا اس لئے وہ اپنے احباب، اعزہ اور دوسرے معزز و ممتاز حضرات پر خاص طور سے اپنی توجہ مبذول کریں گے اور انہیں پانی پلوانے کی جگہ بار بار اچار اور گرم کھانا دینے کی ہدایت کریں گے بلکہ بعض اوقات جوش میں آکر خود کھانا لیکر پہونچ جائیں گے اور زبردستی ان کے سامنے کھانا اتار دیں گے۔ چاہے وہ روکتے ہی رہیں اور قسمیں کھا کھا کر کہتے رہیں:۔

میرا پیٹ بھر گیا!

دیکھئے کھانا خراب جائیگا!

میں اب ایک لقمہ بھی نہ کھا سکوں گا!

بس بس بہت ہو گیا!

اب رہنے دیجئے! لیکن یہ ایک نہ سنیں گے اور بڑی خلوص سے کہیں گے۔ کھائیے کھائیے جناب! ابھی آپ نے کھایا ہی کیا ہے یہ لیجئے گرم کھانا۔ وہ ٹھنڈا ہو گیا اسے الگ کر دیجئے!

کیا پسند نہیں آیا کھانا؟

اور پسند کیوں آتا۔ کم بخت پکانے والوں نے ناس کر دیا۔

کسی سے مشورہ لینا تو آجکل بالکل معیوب ہے۔

کبھی کچھ کیا ہو تو جانیں!

کھانے والا خواہ کتنا ہی بے مروت، غیر مہذب اور سخت دل ہو لیکن میر مجلس کے اس التفات، اس اخلاق کا اثر اس کے دل پر بہت گہرا ہوگا۔ اور اگر اسے کسی بزم نکاح میں میر مجلس بننے کا موقعہ مل گیا تو ضرور وہ ان سابق صدر کے چھواروں کو کم سے کم دو حصے دیگا۔ بلکہ ممکن ہو تو بچوں کے نام پوچھ کر ان کے حصے بھی ان کے پھیلے ہوئے رومال میں ڈال دیگا۔

ایک دن میر مجلس بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے تھے، احباب حلقہ باندھے بیٹھے تھے۔ اور اشتیاق آمیز نگاہوں سے حقہ کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں بھی ان کی میر مجلسی کی آن بان قائم تھی پہلے خود حقہ کے تین چار کش لگاتے پھر دوستوں کی طرف بڑھاتے مگر انہیں ایک ہی کش لگانے کا حکم تھا۔ پورا گشت کرنے کے بعد حقہ پھر میر مجلس کے پاس آجاتا۔ اور وہ خوب جی بھر کر پیتے اسی دوران میں ایک مطبوعہ خوبصورت کارڈ کسی معتبر نائی نے لاکر دیا۔ بڑے غور سے میر مجلس نے کارڈ پڑھا پھر بولے، چیرمین صاحب کے بڑے لڑکے کی شادی ہے۔ خاص طور پر بلایا ہے آپ صاحبان کے پاس بھی غالباً دعوت نامے آئیں گے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شادی میں چلیں وہ سب یہیں آجائیں یہاں سے سب ساتھ چلیں گے جس قدر ارباب خصوص وہاں جمع تھے قریب قریب سب ہی کے نام فہرست مدعوین میں داخل تھے اس لئے قطعی امید تھی کہ سب ہی مدعو ہوں گے چنانچہ یہ قیاس بالکل ٹھیک نکلا گھر پہنچے تو واقعی سب کے نام دعوت نامے آئے تھے، چار بجنے سے قبل ہی سب لوگ میر مجلس کے یہاں آگئے۔ وہ اندر تھے تھوڑی دیر بعد کپڑے بدل کر باہر آئے اور صدر مقام پر تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے۔ پھر انگرکھے کی جیب سے لکڑی کا کنگھا نکالا اور بالوں کو درست کیا۔ کندھے پر رومال ڈالا اور ایک مرتبہ ہمت کر کے کھڑے ہو گئے۔

میر مجلس آگے آگے تھے اور معتقدین ادب سے ان کے پیچھے سر جھکائے چلے جا رہے تھے۔ چیرمین صاحب کے مکان پر پہونچے وہاں ہزاروں آدمی جمع تھے۔ میر مجلس ایک طرف فرش پر بیٹھ گئے مگر اس طرح بیٹھ جانا ان کی شان کے خلاف تھا۔ متعدد میر مجلس جن میں سے ہر شخص قریب قریب انہیں کی وضع قطع کا تھا ادھر ادھر چل پھر رہے تھے اگر کوئی دوسرا میر مجلس ایک مرتبہ کسی کے کان میں کچھ کہتا تو یہ تین مرتبہ کہتے۔ ابھی اور تو کوئی کام نہ تھا مگر میر مجلس نہایت موقعہ شناس تھے انہوں نے اپنی ذہانت سے ایک عمدہ مشغلہ تلاش کر لیا سب طرف گھوم کر وہ اب فرش پر آکر کھڑے ہو گئے اور جب مہمانوں کا کوئی گروہ آتا تو دو قدم آگے بڑھ کر تعظیم دیتے۔ اور آئیے تشریف لائیے، ادھر آئیے، یہاں بیٹھئے کہہ کر آنے والوں کو جوتوں کی طرف سے مطمئن کر کے قرینے سے بٹھلاتے، کسی کا مزاج پوچھتے کسی سے ہاتھ ملاتے کسی کو دیکھ کر مسکراتے، کسی سے آنکھ کے اشارہ سے خیریت پوچھتے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا جب مٹھائیوں کی تقسیم کی نوبت آئی اور ایک شخص مٹھائیوں کا ذخیرہ سر پر لاد کر ان کے قریب سے گزرا تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹھہرا لیا اور ٹھہرو کہہ کر حسب دستور اپنا رومال کمر سے لپیٹ کر اس کے آگے ہو گئے اور جلسہ کے عین قلب سے تقسیم شروع کر دی۔ ان کے ساتھی بہت خوش ہوئے کہ میر مجلس برسر کار آگئے۔ کئی کئی حصے ملیں گے لیکن میر مجلس وہاں تک پہونچے بھی نہیں، دوسری صف سے کترا کر نکل گئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے جملہ رفقائے سفر جو اس امید میں ان کے ساتھ آئے تھے کہ حق رفاقت ادا کریں گے ان سے برہم ہو گئے۔ اور جب اپنے فرائض سے فارغ ہو کر میر مجلس گھر کی طرف چلے تو ہمراہیوں نے ان پر آوازے کسنے شروع کر دئیے،

بے مروت کہیں کا!

خود غرض!

طوطا چشم

احسان فراموش!

وقت پر سب ہی کو تو بھول گیا۔ کوئی پوچھے بھلا تیرے باپ کا کیا نقصان تھا۔

میر مجلس نے دیکھا کہ پورا حلقۂ ارادت برہم ہو گیا اور آئندہ ایسے مواقع پر یہ لوگ ساتھ نہ دیں گے تو ایک جگہ کھڑے ہو کر بولے میں آپ لوگوں کا مطلب سمجھ رہا ہوں۔ مگر دوستوں کو چاہئیے کہ صاف الفاظ میں شکایت کریں۔ سب نے بڑے شد و مد کے ساتھ شکوہ کیا۔ میر مجلس نے نہایت اطمینان سے فرمایا۔

بھائی تم مجلسوں کے اصول سے واقف نہیں ہو مجلس میں ہر قسم اور ہر خیال کا آدمی شریک ہوتا ہے۔ ذرا سی بات میں بدنامی ہو جاتی ہے۔ میں نے یہی سوچا کہ تمہاری طرف آیا تو لوٹ مار مچا دوں گا اور میری سبکی ہوگی، تمہاری شکایت سر آنکھوں پر، یہ میرے رومال میں میرا حصہ بندھا ہوا ہے یہ تم آپس میں بانٹ لو، دیکھا تو تین چار سیر مٹھائی ان کے رومال میں بندھی ہوئی تھی، اور سب کی حصوں کی کمی پوری کرنے کے بعد بھی ان کے پاس کافی بچ رہی۔ اکثر تو یہی ہوتا ہے کہ میر مجلس اپنے پورے خاندان کا حصہ لیکر واپس ہوتے ہیں مگر کبھی معاملہ اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے لیکن اس قسم کے حادثات ناتجربہ کار میر مجلسوں کو پیش آیا کرتے ہیں، مشاق اور تجربہ کار میر مجلس یہ موقعہ ہی نہیں آنے دیتے وہ جب دیکھتے ہیں کہ مٹھائی تقسیم ہو رہی ہے اور میزبان سے امید نہیں کہ مزید ذخیرہ بہم پہونچا سکے تو پہلے ہی سے حصہ نصف کر دیتے ہیں بچوں کو بالکل نہیں دیتے۔

جدید تمدن نے میر مجلسوں کی ضرورت کو بہت کم کر دیا ہے اور انکی وہ اہمیت باقی نہیں رہی، مہمانوں کے آنے سے قبل ہی کھانا میزوں پر لگا دیا جاتا ہے پانی کے گلاس بھر کر رکھ دئیے جاتے ہیں پھر بھی پکا میر مجلس ان باتوں کو نظر میں نہیں لاتا اور شروع کیجئے۔

یہ لیجئے۔

نمک کم ہے!

مرچیں زیادہ ہو گئیں،

ڈونگے کم ہیں۔

آدمی زیادہ ہو گئے۔ جگہ نہیں ہے۔

ذرا آپ وہیں کرسی پر تشریف رکھئیے۔

اور اسی قسم کے دوسرے برمحل جملوں سے اپنی ہستی اور اہمیت کا ثبوت دئیے بغیر نہیں مانتا

مرد اور عورت کا فرق

(ڈاکٹر مسٹر ... کملاوتی)

عورتیں زیادہ دماغی کھیلوں کی ماہر کیوں نہیں ہیں۔ مرد جس طرح گھر کے باہر کھیلوں۔ مشاغل اور جسمانی تجربات میں شوق سے داخل ہوتے ہیں عورتیں یہ ہمت کیوں نہیں کرتیں، اور اگر وہ ایسا کرتی بھی ہیں تو مردوں کے مقابلہ پر ان کی جسمانی ہمت اور طاقت ایسی کیوں نہیں ہو جاتی جیسی مردوں کی ہے؟ کیا عورتیں مردوں سے قد میں لمبی ہو سکتی ہیں؟

مرد عام طور پر دراز قد اور چوڑی ہڈی کے ہوتے ہیں۔ عورتیں عموماً کم جسمانی حیثیت کی ہوتی ہیں۔ عام طور پر مرد عورت سے پانچ انچ کے قریب نکلتا ہوا ہوتا ہے۔ مردوں اور عورتوں میں صرف قد و قامت کا ہی فرق نہیں ہوتا۔ بلکہ اور بھی بہت سے امتیازات دونوں فریقوں میں پائے جاتے ہیں۔ عورت میں اس کے وزن کا ۴۰ فی صدی حصہ طاقت بناتا ہے۔ اور مرد میں وزن کا ۴۰ فی صدی حصہ طاقت کا جزو ہوتا ہے۔

گرفت کے معاملہ میں بھی عورت مرد سے کمتر ہے۔ عورت صرف ۸۰ پونڈ وزن تک کی چیز ہاتھ کی گرفت سے نچوڑ سکتی ہے۔ مرد ۱۸۰ پونڈ وزن ہاتھ کی گرفت سے نچوڑ سکتا ہے۔ ایک اوسط درجہ کا مرد فٹ کی گیند کو ۱۲۰ سے ۱۴۰ گز تک دوڑا کر لے جا سکتا ہے۔ مگر عورت ۷۰ سے ۸۰ گز تک ہی لے جا سکتی ہے۔ عورت کی ٹانگیں اس کے دھڑ سے نسبتاً کم لمبی ہوتی ہیں۔ عورت کے کولہے مرد کے کولہوں سے چوڑے ہوتے ہیں اور مرد کے کندھے عورت کے کندھوں کے مقابلہ میں عریض ہوتے ہیں۔

عورتوں میں مردوں کی نسبت قوتِ برداشت زیادہ ہوتی ہے۔ عورت بغیر خوراک کے بہت کافی عرصہ تک زندہ رہ سکتی ہے اور برداشت کر سکتی ہے۔ بیماری کی روک بھی عورت مرد سے زیادہ کر سکتی ہے کیونکہ استقلال کی قوت اس میں زیادہ ہوتی ہے۔

مدعا یہ ہے کہ قدرت نے عورت کو کچھ اس وضع قطع کا پیدا کیا ہے کہ وہ اپنی جنسِ مخالف سے زیادہ مستقل مزاج ہے مسٹر ڈونلڈ اے لیرڈ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ڈائرکٹر آف سائنس نے "سائنٹیفک امریکن" میں عورت اور مرد کے جسمانی اختلافات کی ایک بڑی طویل فہرست دی تھی۔ اور میں اس مادہ کا جو مجھے مضمون سے ملی شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض شعبہ ہائے زندگی میں بالخصوص جہاں جسمانی طاقت کا سوال ہو مرد عورت پر فوقیت رکھتا ہے۔ مگر بعض امور میں مثلاً قوتِ برداشت اور استقلالِ طبع کے معاملہ میں عورت کو مرد پر برتری حاصل ہے۔

جن شعبہ ہائے زندگی میں معیارِ کمال و خوبی صرف جسمانی طاقت نہیں ہے اور جہاں دماغی و اخلاقی قوتوں کا اندازہ اس طاقت کی بنیاد پر نہیں لگایا جاتا وہاں عورت مرد پر ہر نوع برتری رکھتی ہے۔ جیسا کہ میں ابھی کہہ چکی ہوں۔ کہ جن شعبہ ہائے زندگی میں جسمانی طاقت کی فراوانی کی ضرورت ہے اس میں مرد حاوی ہے۔ مگر یہ شعبہ جات جو دماغ کے ماتحت رہ کر جب کام کرتے ہیں تو بازی جیتنے کے لئے عورتوں کے لئے بھی ویسے ہی مواقع ہوتے ہیں جیسے مردوں کے لئے جہاں دماغی قوت۔ اجتہادِ طبع۔ ذہنی طاقت و رسائی کا سوال پیدا ہوا ہے عورت مرد سے کبھی پیچھے نہیں رہی بلکہ مرد کے مقابلہ پر ڈٹی رہی ہے۔ مرد ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ عورتیں بزدل، بے دماغ۔ ذرا ذرا سی دیر میں رائے بدلنے والی۔ ذہنی کمزوری اور ناطاقتی کا شکار رہتی ہیں۔ ہماری عقل گدی کے پیچھے ہوتی ہے اور ہم کوئی مستقل رائے قائم نہیں کر سکتیں میں کہتی ہوں کہ یہ تمام الزامات قطعی بے بنیاد ہیں۔ ہم بھی مردوں کی طرح ہیں۔ اگر مردوں میں بھی ناتواں۔ کمزور دماغ اور پراگندہ ذہن لوگ ہوتے ہیں تو ہم میں بھی ایسا ہی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ہم زندگی کو ہمیشہ سنجیدگی کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ ایک ننھی سی جان کو پال پوس کر پالا کر کے پروان چڑھانا اور بڑا آدمی بنا دینا عورت کا ہی کام ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک معین مقصد کے لئے عورت کا مرکزِ خیال اور پختہ ذہن مسلسل انتھک محنت رہا ہیں بڑے بڑے انسانوں کی تعمیر کا باعث ہوتی ہے۔ مرد شراب پی کر دن بھر کی کوفت دور کرنے کی سعی میں مبتلا رہتا ہے اور بیوی کو زد و کوب کرتا ہے۔ مگر عورت پراگندہ خاطر نہیں ہوتی اسے خیال رہتا ہے کہ دن کا کھانا بھی تیار کرنا ہے تکلیف سہتے ہوئے اسے گھر کے انتظام کا خیال بھی لگا رہتا ہے۔ کیا یہ اضمحلالِ ذہنی کی مثال ہے یا قوتِ ارادی اور برداشت کا مظاہرہ۔

فطری طور پر عورت گھر میں رہنے کو پسند کرتی ہے۔ وہ یہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے بال بچوں کے درمیان گھریلو شانتی کے ساتھ وقت گذارے۔ حتیٰ کہ جو عورتیں گھر کے باہر کی زندگی کی ہی عادی ہیں اور ہر وقت جہاں گشتی اور مہم سر پر رکھنے کی عادی ہو جاتی ہیں وہ بھی ایک گرہستی صاف ستھرے۔ خاموش اور پُر سکون گھر کی تلاش میں اپنے دل میں ایک ہوک محسوس کرتی ہیں۔ بے حد دماغی طاقت کی مالک عورت کے دل میں بھی محبت اور شیریں گرہستی زندگی مرتب کرنے کا ایک جذبۂ بے پایاں موجود ہوتا ہے۔ ہم محبت کرتے ہیں تلذذِ طبع کے لئے نہیں۔ بلکہ محض اپنی زندگی کے مستقبل کی بنیاد پختہ کرنے کے لئے۔ کیونکہ محبت کی کامیابی پر ہی ہماری زندگی کے ایک بڑے مرحلہ کا انحصار ہے۔ اس سلسلہ میں ہم کمال سنجیدگی و خلوصِ نیت سے مردوں سے مقابلہ کرتی ہیں کیا ہمارے مبتلا کی جوانی۔ وعدہ فراموشی۔ ہماری دماغی کمتری اور قوتِ ذہنیہ کی خرابی کو ظاہر کرتی ہے یا قوتِ ارادی کی بہتری کو۔ یہ مرد ہی ہے جو ظالم ہے۔ عورت سے سب کچھ لینا بلکہ چھین لینا چاہتا ہے اور خود ذرا سی بھی چیز دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ یہ مرد ہی ہے جس کا دماغ ذرا سی دیر میں جواب دے جاتا ہے۔ جس کا حافظہ کمزور ہے۔ جس کی رائے مضمحل اور قوتِ ارادی پژمردہ ہوتی ہے دائمی الفت کا وعدہ وہ فوراً بھول جاتا ہے جب اس کی خواہشِ نفسانی فرو ہو جاتی ہے حالانکہ اس کی زندگی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔

عورت محبت کے لئے زندہ ہے اور اسی کے لئے جیتی ہے۔ عورت مرد سے ادنیٰ مرد سے برتر نہیں ہے۔ یہ میں مانتی ہوں۔ مگر کسی طرح بدنصیبی سے کے قابل بھی نہیں ہے۔

اگرچہ عورت مرد سے پانچ انچ چھوٹے قد کی ہوتی ہے اگرچہ عورت ایک کار روکنے میں ۱۲ سیکنڈ لگاتی ہے جبکہ مرد ۱۲ سیکنڈ میں موٹر روک لیتا ہے۔ اگرچہ عورت میں مرد کے مقابلہ پر خون کے سرخ ذرات کی کمی ہے اور اس وجہ سے اس قدر آکسیجن نہیں کھینچ سکتی۔ جس قدر مرد کھینچتا ہے لیکن ان سب چیزوں کے باوجود عورت ذہنی اور نفسی طور پر مرد پر فائق اور برتر ہے۔

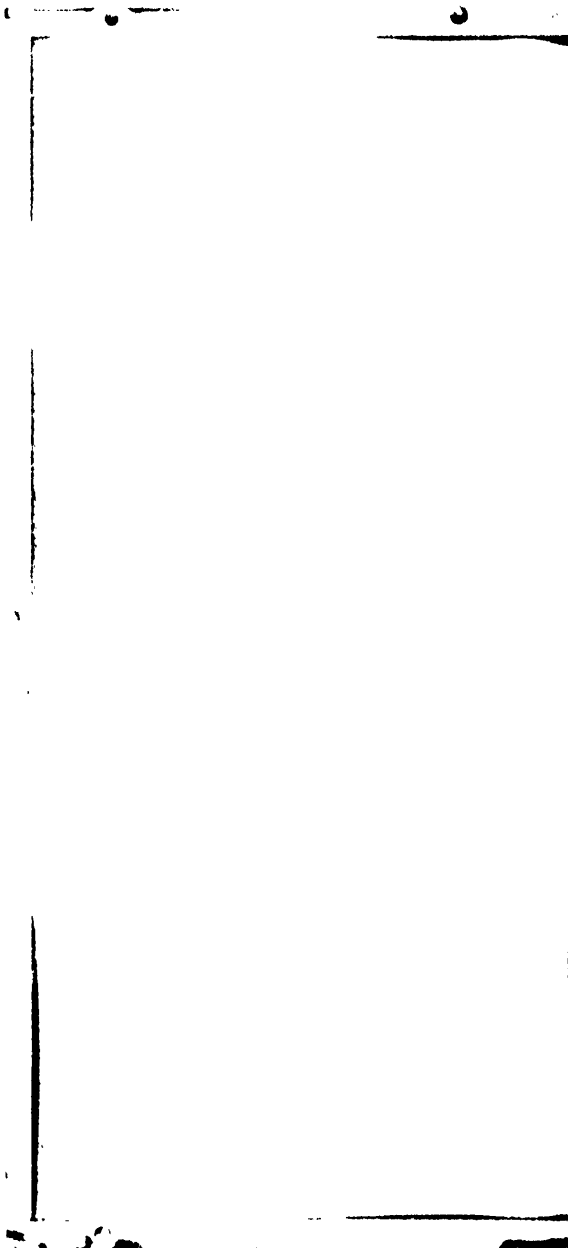
عورت کو برداشت کے ساتھ سخت محنت کرنے کا ملکہ معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ عورت مرد کے مقابلہ پر قوتِ تمیز کے معاملہ میں شاید کم ہو لیکن حافظہ میں مرد اس کا پاسنگ بھی نہیں ہے۔ سالہا سال کے بعد آپ عورت سے کسی بات کی تفصیل حرف بحرف سن لیجئے۔ عورت پرائیویٹ سیکرٹری کے کاموں میں اس قدر رازداری۔ دلچسپی۔ تندہی باصفاتی ہمدردی و خلوص کے ساتھ کام کرتی ہے۔ کہ مرد کسی طرح نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر پرائیویٹ سیکرٹری عورتیں اپنے مالکوں کا دل رام کر لیتی ہیں۔ اور ان کی کامیاب ساز بازی زندگی بالآخر رسمِ مناکحت میں تبدیل ہو جاتی ہے

کیا میں اسے مرد کی خود غرضی نہ کہوں کہ وہ طاقت کو اپنے قبضے سے باہر نکالنا نہیں چاہتا اور انسانیت کے نصف حصہ کو تہی دست رکھنا چاہتا ہے۔ جن عورتوں کو آگے بڑھنے اور قوت کے ساتھ امورِ حیات کے طے کرنے کا موقعہ ملا ہے انہوں نے عورتوں کا لوہا کونسلوں سے منوا لیا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ عورتوں کو مردوں نے اپنے تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے بہت سے شعبہ ہائے زندگی سے زبردستی ہٹا رکھا ہے۔ اور انہیں اپنی اجارہ داری کے دائرہ میں آنے نہیں دیتے۔ کیا وجہ ہے کہ روس کی عورتیں ہر شعبۂ زندگی میں برتری ثابت کر چکی ہیں۔

معترض جھلا کر کہے گا کہ حکومتِ وقت عورتوں کی حمایتی ہے۔

میری رائے میں روسی حکومت عورتوں کے ساتھ کوئی بے جا طرفداری نہیں کرتی۔ نہ وہ کسی ایک جنس کے خلاف متعصبانہ جذبات رکھتی ہے۔ اور نہ خود عورتیں اپنے ساتھ کوئی بے جا طرفداری حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ عورتوں کو بھی مردوں کے مقابلہ پر بڑھنے کے لئے کھلا میدان دیا جائے اور کسی بات کی تُند رعایت نہ کی جائے۔ بس پھر دیکھئے کہ عورت کیا کر کے دکھا سکتی ہے۔ مردوں کو محض حادثۂ پیدائش کی وجہ سے کوئی بڑائی حاصل نہیں ہونی چاہیئے۔ اور اس وجہ سے انہیں جو فوائد اور حقوق بے جا حاصل ہیں۔ اگر عورت کو مل جائیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ مردوں کو دوڑ میں میلوں دور چھوڑ کر آگے بڑھ جائے گی۔ مرد کو یہ بات بخوبی معلوم ہے اور وہ اس خطرہ سے آگاہ ہونے کی وجہ سے ہی عورت کو دبائے رکھنا چاہتا ہے۔

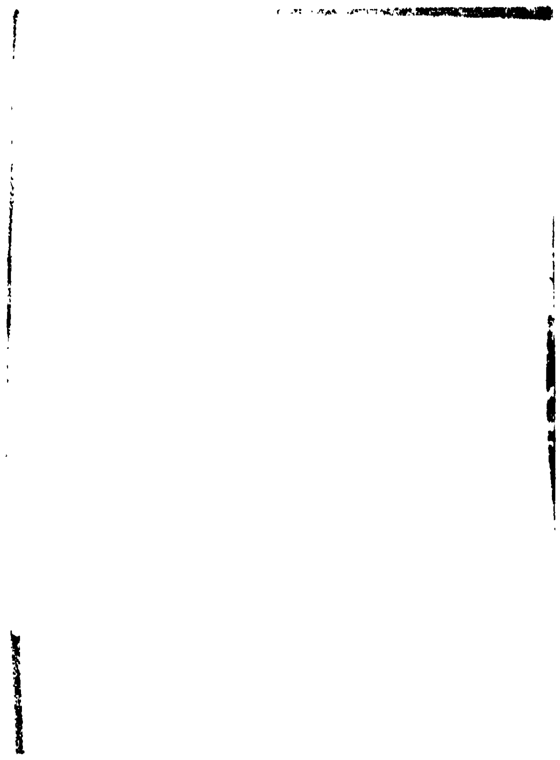
جذبات کو قابو میں رکھنا صحت کے لئے نہایت لازم ہے۔



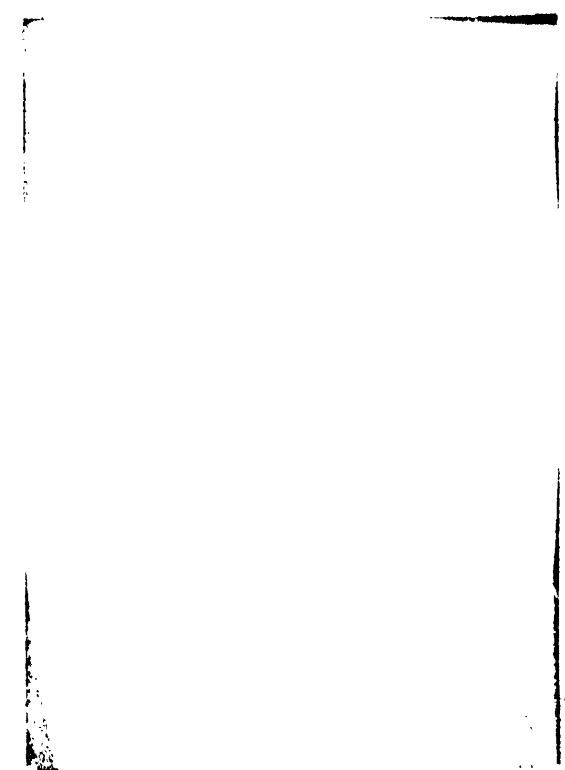
راشٹرپتی اور اُنکی لڑکی

" جواھر " اور " اِندرا "

(ان تصویروں کے متعلق مضمون صفحہ ۲ پر دیکھئے)



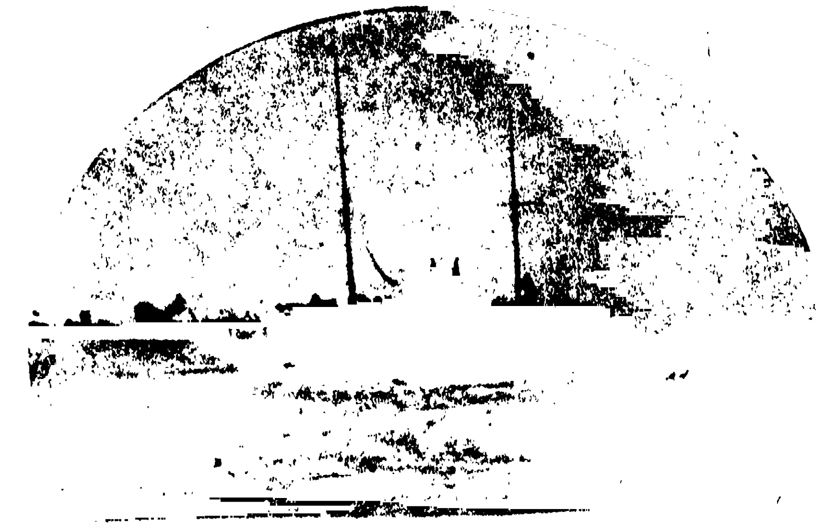
کماری اِندرا نہرو



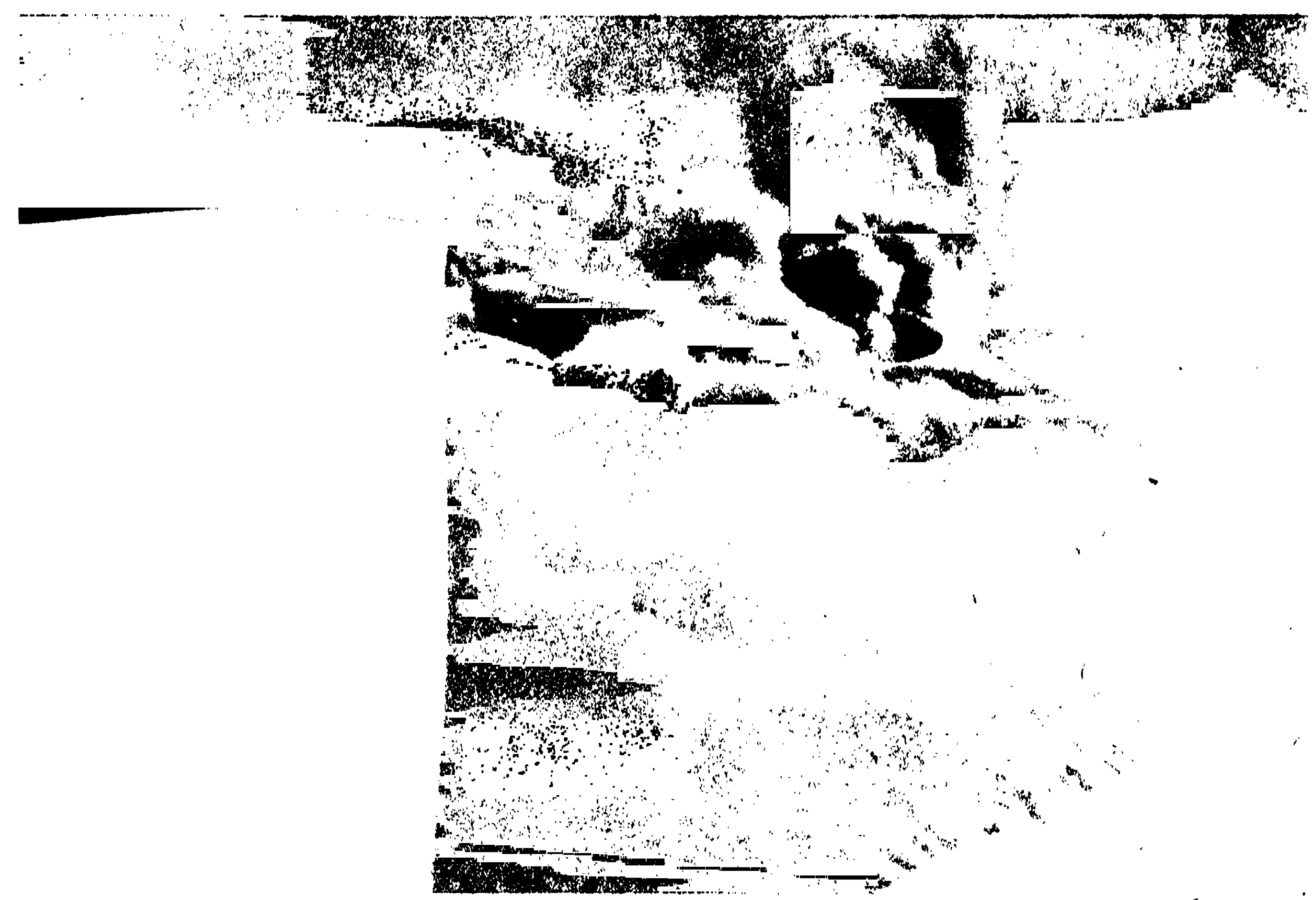
پنڈت جواھرلال نہرو



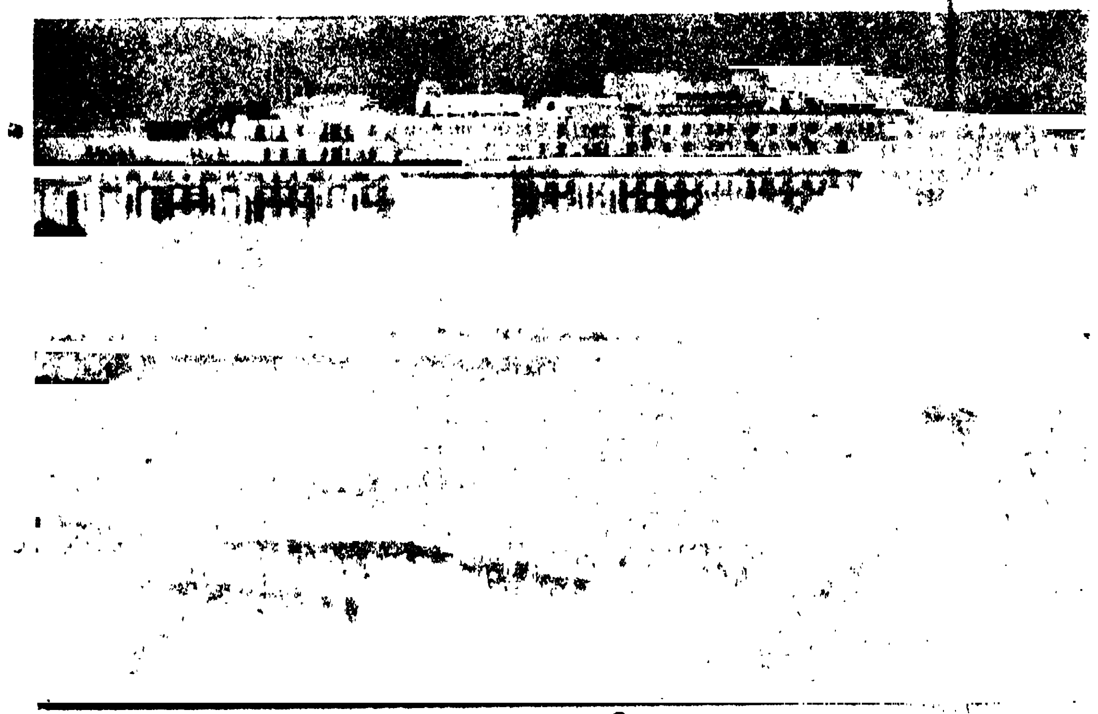
روس کے ماھر پرواز بیلی‌کوف- چیک‌کوف اور بیدوکوف جنہوں نے ماسکو سے وانکوور تک قطب شمالی کے اُوپر پرواز کی



وائرلیس کے ‌مو
پر آپ تحقیقا
مارکونی کا اِنتقا



جزیرہ ولکن میں ایک جوالامکھی پہاڑ جس کی تصویر ہوائی جہاز سے لیگئی ہے



زمانہ کے اس ہزار سابق فوجی مردوں اور عورتوں کا اِجتماع جسنے برطانی فوج کی ریویو میں حصہ لیا



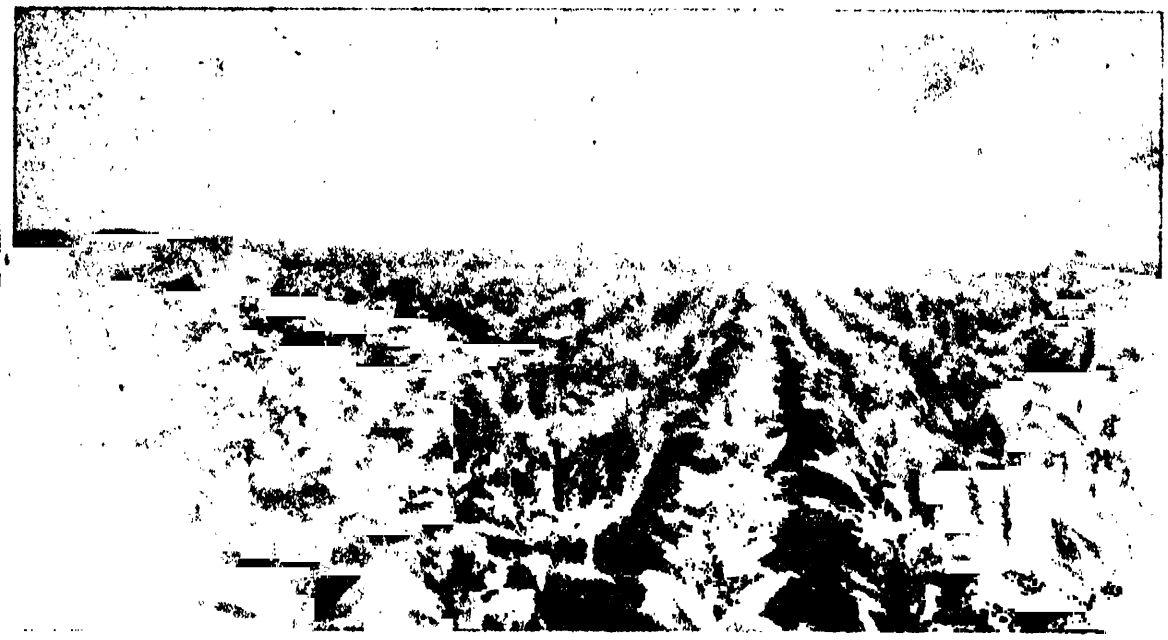
افریقہ کا ایک قدیم باشندہ جو امراض کا علاج جادو سے کرتا ہے۔ اِسکے گلے میں جادو کی بانسریاں پڑی ہوئی ہیں



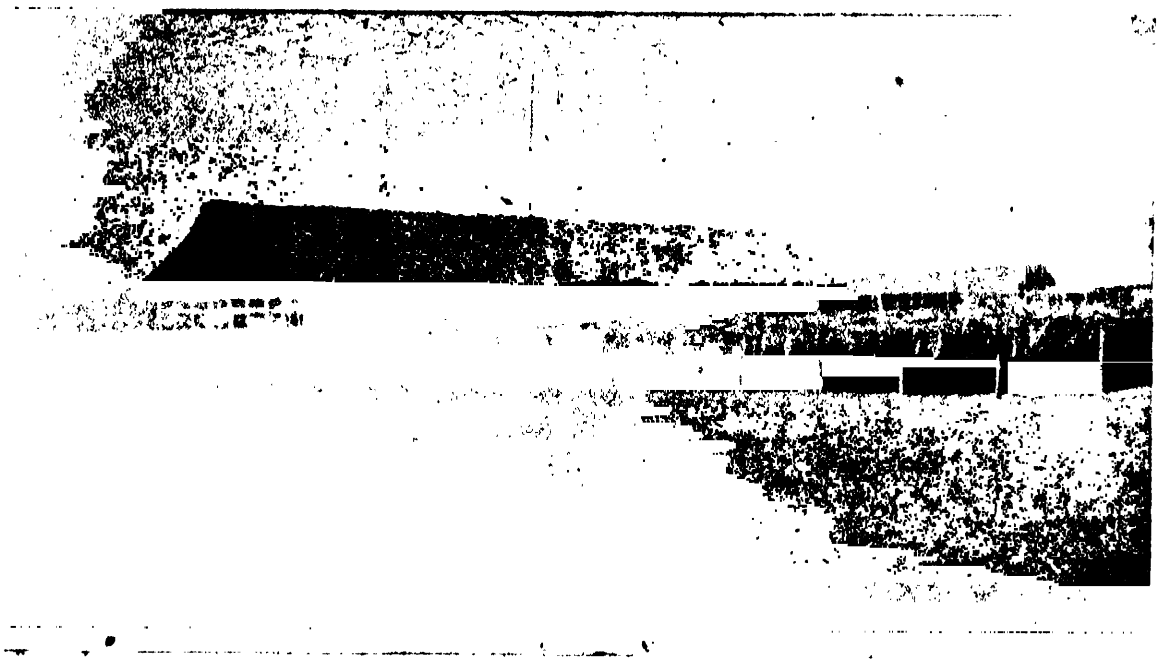
شریمتی اسرکور جی کا رہائی کے بعد لاہور میں شاندار خیرمقدم کیا گیا۔ آپ گذشتہ عام اِنتخابات کے موقعہ پر کانگریسی الکشن پروپگنڈا کے سلسلہ میں بنوں میں گرفتار ہوئی تھیں

ہندوستان میں تمباکو کی کاشت

(مضمون سامنے کے صفحہ پر دیکھئے)



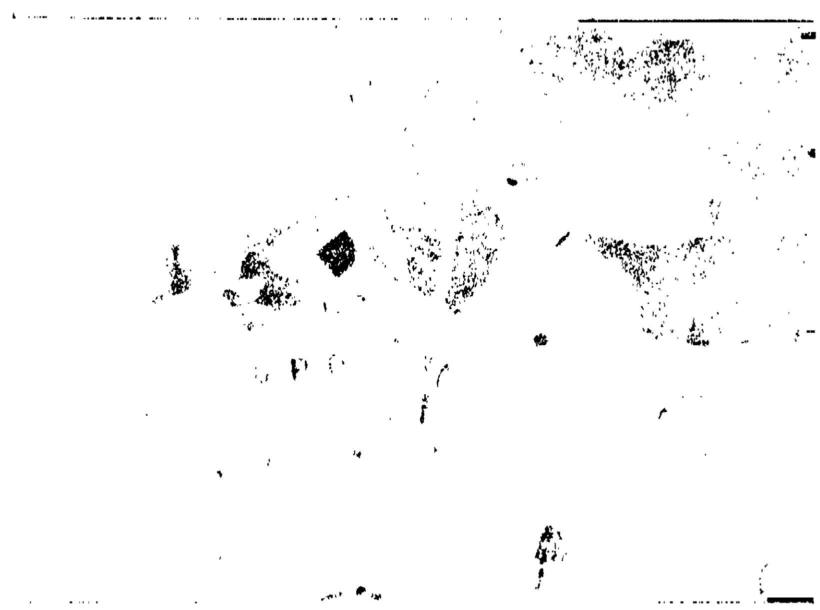
تمباکو کا کھیت جس میں پودوں سے بیج نکل رہے ہیں



تمباکو کے پتوں کو سایہ میں خشک کرنے کا طریقہ



شریمت مہاتما ہنس راج جی
جنہوں نے فاقہ کش بھیلوں کی
امداد کیلئے اپیل کی ہے



ساؤتھمپٹن کے پوسٹ ماسٹر جنرل برطانیہ اور جنوبی افریقہ کے درمیان ہوائی ڈاک کی نئی سروس کا افتتاح کر رہے ہیں

تمباکو کی زراعت و صنعت کا رومان

(تصویریں سامنے کے صفحہ پر دیکھئے)

از مسٹر دوارکا داس

تمباکو کا نشہ مختلف صورتوں سے عرصہ دراز سے انسان کے استعمال میں ہے اور آج کل تو وہ بہت ہی رواج پا گیا ہے۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جنہیں تمباکو کی تاریخ اور اس کی کاشت وغیرہ کے حالات معلوم ہوں۔

مغربی یورپ میں ڈون ہرنان ڈیز ڈ طلیسدو نامی سیاح نے ۱۵۵۸ء میں ہسپانیہ اور پرتگال میں سب سے پہلی مرتبہ اس پودہ کو دنیا سے روشناس کرایا۔ فرانسیسی قوم کا ایک سفیر جین نکوٹ لزبن کے دربار میں مقیم تھا جس نے اس پودہ کے بیج اور پتے اپنی ملکہ کیتھرائن ڈی میڈیسی والیئے فرانس کے لئے روانہ کئے تھے۔ ملکہ نے اس پودہ کا نام اسی وجہ سے "نکوٹیانا" رکھ دیا تھا۔ پہلے پہل اس پودہ کی طبی اہمیت اور عجیب خواص نے لوگوں کے ذہن پر اثر کیا اور اس کی خوبیوں کا دور دور چرچا ہونے لگا۔ پودہ کی سب سے پہلی اور مکمل تشریح ہمیں مشہور عالم تصنیف "تاریخ عالم ہند" مطبوعہ ۱۵۳۵ء میں ملتی ہے۔ جس میں دو سنگھم کے گورنر گونزالو فرنانڈیز علیحدہ ڈ والدیس نے لکھا ہے کہ مقامی لوگ اس پودہ کو "تمباکو" کہتے ہیں۔ انگریزی حرف Y کی طرح کے ایک حقہ میں رکھ کر ایک نلی کی مدد سے پیا جاتا ہے۔

انگلستان میں تمباکو سر والٹر ریلے مشہور جہاں گشت نے پھیلایا جسے آپ امریکہ سے لائے تھے۔ اس زمانہ میں تمباکو پینا ایک بڑی خصوصیت اور تکلف بن گیا۔ عام طور پر اس کے پتے نقرئی چھریوں سے کاٹ کر بیچے جاتے تھے اور بہت مہنگے ہوتے تھے۔ عام طور پر تمباکو کے پتوں کی قیمت چاندی کے وزن سے دی جاتی تھی۔

ملکہ الزبتھ کے زمانہ میں پائپ چاندی کے ہوا کرتے تھے عام قسم کے پائپ اخروٹ کے خول میں ایک نلکی لگا کر بنائے جاتے تھے۔

بادشاہ جیمز اول کے عہد میں مشہور مصاحب کونٹر بلاسٹ نے تمباکو کی شان میں یہ قصیدہ لکھا تھا:۔

"تمباکو پینے کی عادت۔ آنکھ کے لئے نفرت ناک ناک کے لئے نقصان دہ۔ دماغ کے لئے خراب اور پھیپھڑوں کے لئے خطرناک ہے۔ اس کا دھواں غار جہنم کے ایک دھوئیں سے ملتا ہے جس کی کوئی تھاہ نہیں ہے"۔

اس بادشاہ نے حکماً تمباکو کا استعمال ممنوع قرار دیا اور ورجینیا کے کاشتکاروں پر پابندی لگا دی کہ وہ سو پونڈ سے زیادہ پیدا نہ کریں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ ... پونڈ سالانہ تک اس بری عادت پر خرچ کر ڈالتے تھے۔

۱۶۲۴ء میں پوپ اربن ہشتم نے ایک فرمان جاری کیا تھا کہ گرجاؤں میں تمباکو کی نسوار لینے والوں کو عیسائی شریعت سے خارج کر دیا جائے گا۔ اس کے دس سال بعد روس میں تمباکو نوشی کی سزا ناک کا کاٹنا مقرر کر دیا گیا۔ ۱۶۹۰ء [illegible]

میں زار نے تمباکو نوشی کو جگہ دی تھی ۱۶۹۰ء میں یہ قانون دوبارہ جاری کیا گیا۔ پوپ انوسینٹ یازدہم نے سینٹ پیٹرز روم کے گرجا میں جتنے لوگ نسوار لیتے دیکھے تھے عیسائیت سے خارج کر دیئے۔ حد یہ کہ ۱۷۱۹ء میں اسٹراسبرگ کی سینیٹ آف اسٹراسبرگ نے تمباکو کی کاشت ممنوع قرار دے دی تھی۔ خیال تھا کہ تمباکو کی کاشت سے غلہ کو نقصان پہنچتا ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ تمباکو کے پودہ کا اصل وطن امریکہ ہے جب اہل ہسپانیہ ۱۴۹۲ء میں کیوبا کے مقام پر پہنچے تو پہلی مرتبہ اس پودہ سے روشناس ہوئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نامعلوم عرصہ سے جنوبی امریکہ کے قدیم باشندوں میں تمباکو کے پتے استعمال کرنے کا رواج چلا آتا تھا۔ سب سے زیادہ کاشت جنوبی امریکہ میں بالخصوص علاقہ ورجینیا میں ہوتی تھی۔

اس کے بیج بہت گہرے زمین میں بوئے جاتے ہیں۔ مئی میں اس کے پودہ میں ننھی ننھی پتیاں آشکارا ہوتی ہیں ایک ایک پودے کے مابین تین تین چار چار فٹ کا فاصلہ رکھا جاتا ہے۔ فصل اگست کے مہینہ میں جا کر پکتی ہے اور اس وقت تک مسلسل توجہ اور احتیاط برتنی پڑتی ہے۔ اوپر کی پتیاں کاٹ کر سایہ میں سکھائی جاتی ہیں۔ پتیاں شاخوں سے علیحدہ نہیں کرتے۔ انہیں مختلف طریقوں سے پہلے نمی دے کر خشک کیا جاتا ہے۔ پھر پیک کر کے روانہ کر دیا جاتا ہے۔

ہندوستان میں تمباکو پرتگیزوں نے ۱۶۰۶ء میں روشناس کرایا۔ جس طرح دنیا کے اور ممالک میں اس کی کاشت پر پابندیاں لگائی گئی تھیں۔ ایسا ہی اس کے ساتھ ہندوستان میں بھی ہوا۔ مگر رفتہ رفتہ اس کی مقبولیت بڑھ گئی۔

یہاں چھ قسموں میں سے پانچ قسمیں بوئی جاتی ہیں۔ عام طور پر "نکوٹینا ٹباکم" اور "نکوٹینا رسٹیکا" بوئی جاتی ہیں۔ اس کا پودہ پانچ سے سات فٹ تک اونچا ہوتا ہے۔ نیچے کے پتے چوڑے ہوتے ہیں۔ اور جوں جوں اوپر کی طرف جاتے ہیں چھوٹے چھوٹے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس میں کبھی کبھی پھول بھی نکلتے رہتے ہیں جن کا رنگ گلابی یا سفید ہوتا ہے۔ اس کا پھل نلکی کی طرح کا ہوتا ہے جس میں [illegible]

رنگ کے بیج بھرے ہوتے ہیں۔

دوسری قسم کے پودے زیادہ تر پنجاب۔ یو۔پی۔ بنگال اور آسام میں پیدا ہوتے ہیں اور یہ "نکوٹینا ٹباکم" سے چھوٹے ہوتے ہیں۔

یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تمباکو چونکہ ایک بھدا سا پودا ہے ہر جگہ بویا جا سکتا ہے۔ بیشک۔ مگر اچھی قسم کے پتے حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ عمدہ قسم کی زمین ہو۔ اونچی سطح کی زمین یا نرم مٹی کی زمین میں یہ پودا اچھا رہتا ہے۔ جس جگہ یہ بویا جائے وہ ایسی ہونی چاہیئے کہ پانی فوراً ڈھلک جائے۔ زیادہ نمی اس کی افزائش کو روک دے گی۔ نمکین پانی کے کنوؤں سے یہاں کے پودے خراب ہو جاتے ہیں۔ اچھی خوشبو والے لطیف اور بے ذائقہ پتے میٹھے اور اچھے پانی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔

پہلے بیج بوئے جاتے ہیں اور تیز بارشوں سے بچانے کے لئے ان پر سایہ رکھا جاتا ہے۔ عام طور پر بیج کی کیاریاں گرمیوں میں بڑی احتیاط سے تیار کی جاتی ہیں۔ کھاد میں سرکنڈے۔ ریشے دار گھاس اور جھاڑیاں ڈالی جاتی ہیں۔ جنہیں جلا کر خاکستر بنا کر بطور کھاد استعمال کرتے ہیں۔ بھیڑ اور بکری کی کھاد بھی ڈالی جاتی ہے جولائی یا اگست میں بیج بو دیئے جاتے ہیں۔ کیڑوں اور بائی امراض سے اسے بچانے کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔

بہار میں "سنتھ" یا نیل کی پھوک کا کھاد ان کھیتوں میں ڈالا جاتا ہے۔ جہاں شاخیں اگنے کے بعد دبے دبائے جاتے ہیں۔

جب پودے تقریباً پانچ انچ زمین سے نکل آتے ہیں تو انہیں وہاں سے نکال کر بڑے کھیتوں میں معین فاصلوں پر دبا دیا جاتا ہے۔ صرف وہی پودے بچے جاتے ہیں جن کی شاخیں سیدھی اگی ہوئی معلوم دیتی ہیں۔ عام طور پر بادل والے روز یہ دبائے جاتے ہیں سورج سے بچنے کے لئے نیم کا سایہ تلاش کیا جاتا ہے چند ہفتوں کے بعد خود پھل جاتا ہے

توڑ سے توڑ لیا جاتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر ادھر ادھر لمبی لمبی شاخیں بڑی تیزی سے نکلتی ہیں۔ بالآخر تین کے مہینہ تک جا کر پودے تیار ہوتے ہیں جب پتے سڑنے لگیں۔ کرارے ہو جائیں اور ان پر ہلکے بھورے رنگ کے دھبے دکھائی دینے لگیں تو فصل تیار سمجھی جاتی ہے۔

سیاہ تمباکو ہندوستان میں عام طور پر حقہ میں استعمال ہوتا ہے۔ اسے پودے سے شاخ کے طور پر کاٹ کر ایک دوسرے پر سر کا سر کا کر رکھا جاتا ہے جس طرح کھپریلیں ایک دوسرے پر چنی جاتی ہیں۔ دھوپ اور شبنم میں یہ پتے کھلے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اگر شبنم نہ ہو تو مصنوعی طور پر نم دیا جاتا ہے۔ ذرا سی گرمی پہنچا کر پھر انہیں بنڈلوں میں باندھ دیا جاتا ہے اور سکھانے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ہر دوسرے روز انہیں الٹا پلٹا دیا جاتا ہے اور پندرہ روز تک ایسا ہی کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ سیاہ ہونے لگتا ہے۔

زرد رنگ کا تمباکو اس سے مختلف طریقہ سے بنایا جاتا ہے۔ تمام پودا یا توڑے ہوئے پتے کھلی دھوپ اور شبنم میں آٹھ دن تک رکھے جاتے ہیں۔ اس عرصہ میں وہ زرد رنگ اختیار کرنا شروع کر دیتے ہیں اور آہستہ آہستہ بھورا ہوتا رہتا ہے۔

ہندوستان میں اچھا قسم کا تمباکو کلکتہ کی منڈیوں میں "رنگ پور" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جہاں وہ پیدا ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں "پوٹا" اور "بس پاتہ"۔ اس کے علاوہ گنٹور کے علاقہ کا سنہری پتے کا تمباکو سگرٹ کے لئے استعمال ہوتا ہے برما سے بھی شلائین اور تھنڈ نامی تمباکو ملتا ہے جو چروٹ میں استعمال ہوتا ہے۔ مدراس اور رنگون میں شمالی ہند سے بہت تمباکو جاتا ہے۔ ہانگ کانگ۔ جزائر شرق الہند۔ ریاست ہائے ملایا۔ فرانس۔ ہالینڈ اور جرمنی میں بھی جاتا ہے۔ حکومت فرانس "کپوریل" نامی سگرٹ بنانے میں صرف برمی تمباکو استعمال کرتی تھی۔ یہ تمباکو ایک جرمن حکومت فرانس کو جنگ عظیم میں بہم پہنچایا کرتا تھا۔ آج کل فرانس میں سارا تمباکو بنگال سے جاتا ہے۔

ہندوستان میں بیڑی اور سگرٹ سازی کی صنعت برابر ترقی کر رہی ہے۔ اگرچہ بیڑی کے مقابلہ پر لوگ سگرٹ کو ترجیح دیتے ہیں۔ مونگھیر میں پین انسولر کمپنی۔ حیدر آباد دکن میں گولکنڈہ کمپنی اور بہت سی بیڑی کمپنیاں مشہور ہیں۔ فلپائن اور ہوانا کے شہرہ آفاق سگرٹ اور سگار بھی درآمد ہوتے ہیں اگرچہ یہاں کے پتے اچھے ہوتے ہیں مگر پھر بھی وہ تمباکو باہر سے ہی منگاتے ہیں۔

جب غیر ملکی پتوں پر ڈیوٹی بڑھائی گئی تو ترچناپلی کے مشہور سگرٹ ساز کارخانہ نے پانڈیچری کے فرانسیسی علاقہ میں عارضی طور پر اپنا کاروبار منتقل کر لیا۔ مگر یہ امر کچھ کامیاب ثابت نہ ہوا۔ آج کل یہ کمپنی ڈنڈی گل کے مقام پر سرکاری محکمہ کسٹم کی نگرانی میں اپنا کام زیادہ فروغ کے ساتھ بدستور کر رہی ہے۔

* * * * * * * * * *

رباعی

(از حضرت جگر مراد آبادی)

صد شکر کہ پہلو میں مرے دل نہ رہا
وہ کشتۂ صد فریب منزل نہ رہا
یہ کیا کم ہے کہ تیرا بندہ ہے جگر
اس کا کیا غم کہ تیرے قابل نہ رہا

ہندوستان سے سونے کی برآمد

(از جناب محمد الیاس لیڈیز تاجر آگرہ)

گذشتہ پانچ سالوں میں ہندوستان کے ساحل سے جس مقدار میں سونے کی برآمد ہوئی ہے اُس سے ماہرین اقتصادیات کی آنکھیں کھل گئیں۔ ماہرین اب تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ کچھ لوگوں کی تو یہ رائے ہے کہ سونے کی یہ برآمد ہندوستان کی مفلسی کا سبب ہے۔ اور کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہندوستان اپنا سونے کا ذخیرہ منافع کی غرض سے فروخت کر رہا ہے۔ لیکن ہندوستانی سیاست دان اس رائے پر متفق ہیں کہ ہندوستان اس سونے کی برآمد سے خواہ وہ کسی وجہ سے ہو دیوالیہ ہو جائے گا۔ ۱۹۳۱ء سے لغایت ۱۹۳۶ء تک یہاں سے ۲۰۰ کروڑ روپے کا سونا باہر جا چکا ہے۔ اس حالت کو دیکھ کر چند ہندوستانی سیاست دانوں نے اسمبلی میں سونے کی برآمد روک دینے کی درخواست کی لیکن اُن کی کوششیں بے سود رہیں۔ سر جارج شسٹر ہندوستان کے سابق فائنانس ممبر نے یہ فرمایا کہ ہندوستان سے جو سونے کی برآمد ہوئی ہے وہ ہندوستان کے سونے کے ذخیرہ کا ایک حقیر حصہ تھا۔ اور جس کا اندازہ انہوں نے ۷۰۰ ملین پونڈ سے بھی زیادہ لگایا ہے۔ عوام اپنا سونا محض اس لئے فروخت کر رہے ہیں کہ اُن کو اس میں خاطر خواہ نفع مل رہا ہے۔ اور اس سے انہوں نے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ سونے کی برآمد غربت کی وجہ سے نہیں بلکہ تجارتی بنا پر ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اگر برآمد کی حالت یہی رہی تو پھر یہاں سونے کا ذخیرہ بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ اور ہندوستان دنیا کے واسطے قطعی دیوالیہ ہو جائے گا۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھ کر درخواست کی کہ گورنمنٹ اس برآمد پر ڈیوٹی مقرر کر دے تاکہ یہ بے اختیاری روانگی زد کچھ رک جائے۔

چنانچہ اس کی مخالفت اس حد تک بڑھ گئی کہ مسٹر آئینگر نے ۱۹۳۵ء میں اسمبلی میں ایک بل اس غرض سے پیش کیا کہ ہندوستان سے روانگی زد کو قانوناً روک دیا جائے۔ دُنیا کی تجارتی اشیاء کی قیمتوں میں تخفیف کی وجہ سے بل کی مخالفت ہوئی۔ اور سر مانیکجی ڈی پی۔ ویب نے جو ایک مشہور اور روشن خیال ماہر اقتصادیات ہیں ہندوستانی سیاست دانوں کو اُن خطرات سے آگاہ کیا جو مغربی ممالک میں دھات کی تجارت کو گورنمنٹ کے قبضے میں کر دینے سے پیدا ہوگئے ہیں۔

فرانس۔ اٹلی۔ یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ اور انگلینڈ جن کی اقتصادی حالت جنگ عظیم کے بعد اچھی تھی بے وقوفی سے یہ طرز اختیار کیا کہ جس قدر سونا حاصل ہو سکے حاصل کیا جائے۔ چنانچہ ان ممالک نے اس مصلحت پر عمل درآمد کیا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ یونائیٹڈ اسٹیٹس نے جو ان سب میں دنیا کا ساہوکار تھا سونے کو اور ملکوں سے کھینچ کر اپنے ریزرو بنک میں منتقل کر دیا۔ اور اس طرح دنیا کا سونا حاصل کرنے کے بہت سے ذرائع پر تنہا قابض ہو گیا۔ اور دُنیا کی اقتصادی حالت میں ایک قسم کی نزاع یا زمنویت پیدا کر دی۔ جس کا دُنیا کو اب تک تجربہ نہ تھا۔ ہندوستان نے بھی اس صدی کے آغاز سے تیس کروڑ پونڈ کا سونا روانہ کیا ہے۔ اس طرح سونا جو دُنیا کی خاص فلزاتی دھات ہے ریزرو بنک کے پختہ محلوں میں بلا کسی مصرف کے جا کر منتقل ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سکوں کی تعداد میں کمی ہو گئی اور تجارتی اشیاء کی قیمتیں بھی کم ہو گئیں۔ دُنیا نے ایک ایسی اقتصادی نادانی کا تلخ تجربہ کیا جس کا اسکو کبھی وہم و گمان بھی نہ تھا۔ غلے کا نرخ کم ہو گیا اور کاشتکاروں کو بہت زیادہ نقصان ہونے لگا۔ بے کاری بڑھ گئی تجارت گر گئی اور ۱۹۳۴ء کی تجارت گذشتہ چند سالوں کی تجارت سے بہت ہی کم رہی اور اس نے اپنی تہائی تجارت کو ضائع کر دیا۔

دستکاری کی اشیاء سے زیادہ کاشتکاروں کی پیداوار کو نقصان ہوا۔ اور ہندوستان نے جو کہ زراعتی ملک ہے ایک ناقابلِ تلافی نقصان اُٹھایا۔ اور غریب کسانوں کو اپنے زیورات اور پس پشت کردہ سونے کو سرکاری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے فروخت کرنا پڑا۔

غلے کے نرخ میں جو کمی واقع ہوئی اس کا اثر زراعتی طبقہ پر بہت ہی بڑا پڑا۔ ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۴ء میں ہندوستان نے ۱۹۲۹ء سے ۳۰ کروڑ کم صنعتی اشیاء کا استعمال کیا۔ سر جان شسٹر اس ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جاتا تھا کہ ہندوستان ۳۰ کروڑ اسی لاکھ گز لباس کی اشیاء استعمال کرے گا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی کسانوں کو اپنی مالی ضروریات پورا کرنے کے لئے اپنے زیورات اور سونے کو فروخت کرنا پڑا۔ سونے کا فروخت بڑھ جانا گو کہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ مگر آخر میں اس کا انجام برا ہوگا۔ ہندوستان کے سونے کی تعداد ایک گنج بے حساب ہی کیوں نہ ہو اس طرح ایک نہ ایک دن ضرور ختم ہو جائے گا جس صورت میں ملک کو جو مصیبت درپیش ہوگی وہ موجودہ حالت سے بھی زیادہ خوفناک ہوگی۔ ہماری تجارتیں گرتی جا رہی ہیں۔ اور ضرورت ہے کہ ان کو کسی نہ کسی طرح سے سنبھالا جائے۔ لیکن جب سرمایہ ہی نہ ہوگا تو تجارت کہاں تک سنبھلے گی۔ اور جب تک سکہ نہیں سرمایہ نہیں۔ پھر خدا جانے ملک کے زر دیم کا اس طرح سے باہر کھنچ کر چلا جانا کہاں تک مناسب ہے۔ اور اس کے نتائج کس قدر خوفناک ہو سکتے ہیں۔

دانتوں کو مت چباؤ۔ انگلیوں کو مت چباؤ۔ دستانوں سے زمین مت کریدو۔





(صفحہ ۱۴ کا بقایا افسانہ)

کی جرأت نہ کی تھی شادی کے لئے صاف انکار کر کے فوراً باہر چلا آیا۔ جس شخص نے آج تک کبھی اپنی طبیعت کو ٹھکرائے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا پیچ و تاب کھاتا رہا۔ اسی وقت حکم صادر کیا کہ رمیش سے کہو کہ فوراً میرے سامنے گھر سے چلا جائے اور آئندہ اپنی شکل مجھے دکھانے کی کوشش نہ کرے۔ رمیش چلا آیا۔ اس کی جلد بازی سمجھئے یا غلطی۔ لیکن والد کے حکم کے مطابق اس کالج میں داخل ہو گیا۔ ایک دو تین نہیں بلکہ چار سال کا عرصہ گذر گیا۔ کوئی خط موصول نہ ہوا۔ سوائے ہر ماہ ایک معقول رقم کے جو اس کی ضرورتوں کے لئے کافی ہوتی تھی آج دفعتاً والد کی بیماری کی خبر پڑھی پھر تاخیر کہاں۔ اگلے دن رنگپور کے لئے روانہ ہو گیا۔

۴

"کیا ابھی تک رمیش نہیں آیا؟"

"نہیں۔" پاس بیٹھے ہوئے منیم نے آہستہ سے کہا۔

"میں نے پہلے ہی آپ کو منع کیا تھا کہ ایسے نالائق کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن آپ کی ضد نے خواہ مخواہ اس کے حالات پیدا کر دیئے۔ کہ میری بے چینی میں اور زیادہ فکر اور تردد کی ... ہو گیا" سرشیند نے آہستہ سے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں وہ اب آ ہی رہا ہوگا۔ بیماری غرض ... اس موقع کی ... ضرورت ... دل کی کمزوری اس عرصہ تک قائم نہیں ... آپ فکر نہ کریں وہ آئے گا اور عنقریب ہی آئے گا"

"مگر میری موت کے بعد وہ اس گھر میں پہنچا"

"ایسا مت کہیئے۔ لو وہ آ ہی گئے۔"

رمیش کی آمد سے سرشیند ناتھ کی بیماری میں کوئی خاص افاقہ کی صورت پیدا نہ ہوئی بلکہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

رمیش اور دیگر اشخاص نے جس تندہی سے ان کی تیمارداری میں وقت صرف کیا اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

وہ رمیش جس نے آج تک سوائے سینما کے کبھی رات جاگنے کی تکلیف گوارا نہ کی تھی اب متواتر چندہ روز سے دن رات کی تیمارداری میں مصروف تھا۔ پس جس روز سے رمیش نے گھر میں قدم رکھا وہ ایک منٹ کے لئے بھی والد کی نظر سے اوجھل نہ ہوا۔ سر پر پڑی ہوئی مصیبت انسان کو ویسا ہی دلیر اور بہادر بنا دیتی ہے۔ رمیش کو اپنے ہاتھوں سے وہ وہ کام سرانجام دینے پڑے جو کبھی خواب و خیال میں بھی نہ آسکتے تھے۔ بیرونی دنیا کے حالات رنگت پور کے باغ، ہنگلی کا بارونق کنارہ اور پریم لتا کی یاد یہ باتیں اس کی توجہ کو اپنی جانب کرنے میں ناکامیاب ثابت ہوئیں۔ اس کے لئے اگر کچھ کام تھا تو وہ ... سرشیند ناتھ کی تیمارداری۔

ایک رات ٹھیک بارہ بجے سرشیند ناتھ نے پورے چار روز کی بیہوشی کے بعد آنکھ کھولی اور درد سے کراہتے ہوئے آہستہ آہستہ بولے:

"بیٹا رمیش کچھ دیر کے بعد شاید میری ہستی کا چراغ گل ہو جائے۔ اب تم دنیا کے نشیب و فراز سے گذرنے کے لئے اکیلے [illegible]

[illegible] لیکن ... کہ دنیا مصیبتوں کا گھر ہے۔ انسان [illegible] ... بد قسمت بنا سکتا ہے [illegible]

سکو میں اب زیادہ طول نہیں دیتا۔ لیکن تمہارا انکار اب بھی میرے دل پر بوجھ کی شکل میں ہے۔ جیز میں تمہارا پہلا اور آخری قصور سمجھ کر معاف کر ... ...

... جذبات میں ایک ہلچل سی پیدا ہوئی اور آواز اس کے حلق میں اٹک گئی۔

رمیش آن واحد میں یتیم ہو گیا۔ اس وقت اگر کچھ دنیا میں اس کا سہارا تھا تو سرشیند ناتھ جو ظلمت کدہ راتوں میں رہبری کیا کرتا۔

اب رمیش نے اس گھر میں رہنا فضول سمجھا۔ لیکن ابھی ایک اور کشش تھی جو اس کی ڈھارس بندھانے کے لئے۔ اس کے فرصت کے وقت۔ بہترین مشغلہ۔ دل کی تسکین۔ اس کا سب کچھ پریم لتا۔ پریم لتا ہی اس کی امید تھی اور اس کا سہارا۔ لیکن قسمت کھڑی مسکرا رہی تھی۔

چندہ میں روز گذرنے کے بعد رمیش صبح کے وقت آہستہ آہستہ دل کو بہلانے کی غرض سے اس کوٹھی کی جانب جا نکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ مکان کی حالت کھنڈر سے بھی کہیں زیادہ خراب ہے۔ باغ کی حالت ایک ویرانے کے مانند ہے۔ وہاں کے کھنڈر اپنی زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔ ع

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا۔

رمیش ہکا بکا رہ گیا۔ کچھ والد کی موت کا تازہ غم۔ کچھ اس بربادی کی حالت کا نقشہ دل کو پستی کی جانب لئے جا رہا تھا۔ اس نے ایک لمحہ کے لئے آنکھیں بند کیں۔ چار سال پہلے کا تمام واقعہ دم زدن میں نظروں کے سامنے آکر رقص کرنے لگا۔ پریم لتا کی شیریں آواز۔ باغ کی شادابی۔ کوٹھی کی شان۔ پریم لتا اور یہ خاموش کنج۔ ہر چہار طرف سناٹا۔ یہ پرانی جگہ اور محبت کی چھیڑ چھاڑ۔ رمیش نے آنکھیں کھولیں اور بند کیں۔ کئی مرتبہ یہ عمل کیا لیکن یہ خواب نہیں تھا۔ کوٹھی کے کھنڈر بدستور اسی حالت میں رہے ... ... صرف چند ایک ٹوٹے ہوئے کمرے باقی تھے جو ایک برسات سنبھالنے کی بھی ہمت نہ رکھتے تھے اور اس ویران کھنڈر میں اس وقت صرف ایک عمر رسیدہ عورت اور ایک بچے پر اس کی نظر پڑی۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے وہاں پہنچ کر حالات دریافت کئے۔

"ماں جی اس جگہ ایک لڑکی رہتی تھی۔ پریم لتا"

"ہاں بیٹا دو تین سال کی بات ہے۔" عورت نے جواب دیا۔ "لیکن اب اس کا کچھ پتہ نہیں کہ کہاں ہے۔ تقریباً دو تین سال کا ذکر ہے کہ ایک رات اچانک والد پربھوداس منحوسہ کے مہلک مرض کا شکار ہو کر اس دنیا سے چل بسے۔ اس وقت پریم لتا کی عمر تقریباً ۲۰ سال کی ہوگی۔ پربھوداس کے مرنے کے بعد کون اس کی خبرگیری کرتا۔ آخر گاؤں کے چودھری نے ایک اچھے آدمی کے ساتھ نسبت کر کے اس کی شادی کر دی۔ پربھوداس کا اور کوئی وارث نہ تھا اس لئے تمام زمین اور جائداد کی مالک وہ لڑکی تھی۔ اس جائداد کو فروخت کر کے وہ ہمیشہ کے لئے اس گاؤں سے ..."

"ماں جی" رمیش نے کہا۔ "... نے بہت اچھا کام کیا"

[illegible]

کی دنیا لٹ چکی تھی۔ اس کا ارمانوں بھرا دل اجاڑ ہو چکا تھا۔ رمیش ایک وقت میں دونوں محبتوں سے محروم ہو گیا۔ ایک جانب والد کی موت کا غم دوسری جانب پربھوداس کی بربادی کے حالات اور پریم لتا کی عدم موجودگی۔ اب اس محبت کے پجاری کا یہاں کیا تھا۔ نہ سایۂ پدری۔ نہ پریم کا مندر۔ آخر کار محبت میں الجھا ہوا رمیش پریم لتا سے ایک مرتبہ ملنے کے لئے رات کو چپ چاپ گھر سے نکل کر ایک طرف کو چل نکلا۔

قدرت کی جانب سے عورتوں کو ہمیشہ کسی نہ کسی شکل میں کسی کے ماتحت رکھا گیا ہے۔ شادی سے پیشتر وہ والدین کی نگاہ میں رہتی ہیں اور اس کے بعد خاوند کے زیر سایہ رہتی ہیں۔ خدانخواستہ اگر اس سایہ سے بھی محروم ہو جائیں تب اسے اپنے لڑکے یا دیگر رشتہ دار کے زیر سایہ رہنا پڑتا ہے۔

پریم لتا کی شادی ہوئی مگر زبردستی۔ اس کی اپنی فطرت اور ضمیر کے خلاف۔ لیکن اس وقت عزت اور بے عزتی کا سوال زیر غور تھا۔ اس نے سوچا کہ والد کا سایہ سر پر نہیں۔ میں اکیلی اور آجکل کی دنیا جیسی قدم بقدم پر ناموس کی حفاظت مشکل ہے۔ پریم لتا کا خاوند بہت امیر آدمی تھا۔ گھر میں کسی بات کی کمی نہ تھی۔ اگر کچھ کمی تھی تو وہ پریم لتا کی آمد سے پوری ہو گئی۔ پریم لتا کو بھی ہر قسم کا آرام حاصل تھا لیکن پھر بھی اس کا دل پژمردہ رہتا تھا۔ والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ اس جانب کا دروازہ قطعی بند ہو گیا۔ صرف خاوند کا گھر۔ جب کبھی گاؤں آتی اور پرانے خیالات دماغ میں چکر لگانے لگتے تو وہ سوچتی کہ میری دنیا کیا تھی اور کیا ہو گئی۔ افسوس پلک جھپکنے میں وہ تبدیلی واقع ہوئی جس کا ذکر فضول۔ اوہ وہ دنیا بھی کیا تھی۔ میں باغ میں اکیلی اور رمیش میرے ہمراہ۔ دونوں کی طفلانہ چھیڑ چھاڑ۔ ندی کا سنسان کنارہ بس اس کا دل بے چین ہو جاتا۔ وہ گھنٹوں تڑپتی۔ ہفتوں پژمردہ رہتی۔ ستیش چندر نے اس کے اوضاع و اطوار دیکھتے ہوئے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس کے دل کا حال معلوم ہو جائے لیکن پریم لتا کی طاقت ضبط نے وہ تمام حالات ایک دفینہ کی مانند جوں کے توں دل کے اندر ہی پوشیدہ رکھے۔

۵

حسب معمول سادھو اگلے روز بھی اسی سریلی آواز سے گاتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔

پریم سے آن ملا دے جو کوئی ہو جاؤں گا اس کا
پریم نگر کی ریت یہی ہے۔ اس سے بڑھ کر چیز نہیں ہے
پریم کے سنگ کٹے گا جیون۔ وہ چاہے ہو کیسا

اس کی آواز میں جادو تھا۔ لوچ تھا اور درد۔ انسان سنتا اور بیخود ہو جاتا۔ اس کی آواز تیر کی مانند دل میں پیوست ہو جاتی تھی۔ اس کے نغمے دل پر برچھی کا کام کرتے۔ شہر کے آدمی حیران ہو کر سوچتے کہ یہ لاجواب حسن اور یہ فقیری۔ شاید کچھ پوشیدہ بات ہو۔ لیکن جب ٹوٹے ہوئے دل کی صدا سنتے تو کچھ شبہ فوراً کافور ہو جاتا۔

پریم لتا نے کل بھی اس کے درد بھرے دل کی صدا سنی تھی۔ آواز کچھ شناسا سی معلوم ہوئی۔ آج جونہی کان میں بھنک پڑی تو آکر برآمدے میں کھڑی ہو گئی۔ فقیر مست ہو کر گاتا آرہا تھا۔

پریم کا جیون اتی دکھ دائی

کون کہے اسکو سکھ دائی
پریم کی دنیا بالکل اندھی۔ یہ تو بھرم ہے دل کا

پریم لتا نے دور سے دیکھا۔ نظریں دھوکا نہ کھا سکیں۔ دماغ کا توازن درست کیا۔ اور پھر دیکھا۔ لیکن حالات وہی تھے۔ دل میں سوچنے لگی۔ یہ تو شاید رمیش ... ...

... ... اس اثنا میں وہ اچھی طرح نکل چکا تھا۔ اور سادھو اپنی ستار کی گت پر اسی طرح گا رہا تھا۔ آخر چوک میں پہنچ کر وہ چپ ہو گیا۔ اور آہستہ سے لمبا سانس لے کر چاروں طرف ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی۔ اور ایک جگہ جا کر نظریں ٹھہر گئیں۔ پریم لتا نے سادھو کو۔ اور سادھو نے پریم لتا کو دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ملنے سے وہی حالت ہوئی۔ جو صبح و شام کی رنگینیاں کے ملنے سے۔ بجلی کی کڑک سے اور بادۂ ناب کے دو پیالوں کو چھلکا دینے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ... ...

... ... سادھو فوراً موقعہ کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے کہنے لگا:-

پریم نگر کی ریت یہی ہے۔ اس سے بڑھ کر چیز نہیں ہے
پریم کے سنگ کٹے گا جیون۔ وہ چاہے ہو کیسا

پریم لتا دیکھتی رہی۔ اور اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک سادھو نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ لیکن پھر بھی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ سنتی رہی اس کی دردانگیز آواز۔ اس کے ستار کے نغمے۔ اس کے ٹوٹے ہوئے دل کی صدا۔ وہ کھڑی تھی۔ ہوا کے جھونکے کہہ رہے تھے۔

پریم کو آن ملا دے جو مجھ سے ہو جاؤں گا اس کا

اس کی حالت عجیب تھی۔ باورچی خانے میں پہنچی۔ اور حسب معمول کام میں مشغول ہو گئی۔ لیکن وہ برتنوں کی ٹکر سے آواز آرہی تھی۔

اسکو رکھوں گا میں ایسے جیسے پھول کنول کا

اس کی طبیعت تمام دن پریشان رہی۔ ستیش چندر کرسی پر آکر دراز ہو گیا۔ دن بھر کا تھکا ماندہ تھا۔ ایک عرصہ تک پڑا رہا۔ پریم لتا نے لیمپ روشن کیا۔ شمع سے پروانہ کہہ رہا تھا۔ ؎

پریم کا جیون اتی دکھ دائی
کون کہے اسکو سکھ دائی
پریم کی دنیا بالکل اندھی
یہ تو بھرم ہے دل کا

پریم لتا کی حالت پاگلوں کی سی ہو گئی۔ فوراً نشستگاہ سے باہر نکلی اور باہر صحن میں آگئی۔ ستارے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ چاند مسکرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا

پریم کو آن ملا دے جو ... ...

اسے ایسا معلوم ہوا کہ دنیا گا رہی ہے۔ تمام دنیا پریم سے گا رہی ہے اور مست ہو کر گا رہی ہے۔

پریم سے آن ملا دے جو ... ...

اور اتنے میں اس کے کان میں اسی پرسوز نغمہ کی آواز پڑی۔ کوئی دور جنگل میں گا رہا تھا

پریم نگر کی ریت یہی ہے۔ اس سے بڑھ کر چیز نہیں ہے
پریم کے سنگ کٹے گا جیون۔ وہ چاہے ہو کیسا

باقی آگے صفحہ پر

پریم کا جیون اتی دکھ دائی

(پچھلے صفحہ سے)

بس یہ آواز سُنکر وہ بالکل ہوگئی اور اتنی بےچین ہوئی کہ خود ہی گانے لگی

پریم کا جیون آتی دکھدائی ۔ کون کہے اسکو سکھدائی
پریم کی دنیا بالکل اندھی ۔ یہ تو بھرم ہے دل کا

اور گاتے گاتے بیہوش ہوکر گر پڑی۔

(۶)

کہتے ہیں کہ ایک پردیسی سادھو جنگل شہر آئے ہوئے ہیں۔
ان پانچ چار روز سے جنگل ہی میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔
کیسے سادھو ہیں وہ؟

مہاتما لوگ دنیاوالوں سے تو چھپے ہی ہوتے ہیں اور لوگ تعریف بھی بہت کررہے ہیں۔

تب ایک روز کے لئے بلاؤ۔ پریم لتا نے کہا۔ جو کچھ سیوا ہوگی کریں گے۔ ایسے مہاتماؤں کے درشن کب نصیب ہوتے ہیں۔

اگلے روز مہاتما گھر آئے اور ایک کمرہ میں بیٹھ گئے۔ دن بھر لوگوں کا تانتا لگا رہا۔ لیکن مہاتما بالکل خاموش بیٹھے رہے۔

تقریباً رات کے بارہ بجے کا عمل ہوگا۔ دنیا آرام سے سو رہی تھی۔ سادھو نے ستار کے تاروں پر انگلیاں پھیریں شروع کیں اور اسی درد بھری آواز میں کہنے لگا۔

پریم کو آن ملا دے جو کوئی ... ...

پریم لتا کی آنکھ کھل گئی طبیعت بےچین اور پریشان ہوگئی۔ چلنے کے لئے تیار ہوئی لیکن بدنامی کے خیال نے اسکا دل ڈانواڈول کردیا۔ آخر کار دل پر جبر کرکے لیٹ گئی اور تمام رات آنکھوں ہی میں کاٹ دی۔

دوسری رات کو بارہ بجے سادھو نے پھر وہی پرانا گیت گانا شروع کیا۔ پریم لتا کے دل اور دماغ میں کشمکش ہونے لگی۔ ایک جانب بُرائی کا خوف اور دوسری جانب محبت کے پجاری سے ملاقات۔ آخر ضبط کی طاقت زائل ہوگئی۔ وہ آہستہ آہستہ سادھو کے نزدیک پہنچکر منہ پر آنچل رکھ کر آہستہ سے بولی:۔

بس کرو رمیش تمہیں پیپ پجاری۔ کیا بالکل ہی بدنامی کے گہرے غار میں دھکیل دو گے۔ گیت کو بند کرو گے

رمیش نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ پریم لتا پر ڈالی اور پھر ستار پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہنے لگا۔

پریم کے سنگ سے کیسے گا جیون وہ چاہتے ہو کیسا

"کیا میری عزت کے سوال پر بھی آپ صد بھری آواز کو بند نہ کروگے؟" پریم لتا پھر بولی۔

"بند کردوں۔ اصلی پریم کو کھا... کسی یاد کو بھی بند کردوں"۔ اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ اور کہنے لگا۔

"تعجب ہے۔ پریم کی یاد کو پریم خود بند کرا رہی ہے"۔

"میں نہیں میری رسوائی اور بدنامی ... اور رمیش تم نے۔"

"اس میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کے لئے مجھے ایسا کہا جائے"۔

"رمیش آنکھیں کھولو اور دھیان سے سنو۔" پریم لتا کہنے لگی۔

"ایک ہفتہ سے تم نے میری محبت کی چنگاری کو اپنے گیتوں کی پھونک سے بھڑکا دیا اور اس آگ کو اتنا تیز کیا کہ اب اسکی پیاس بجھانے کے لئے مجھے مجبوراً تمہارے پاس اس وقت اکیلے اور رات کے سنسان وقت میں آنا پڑا۔ میرا یہ فعل مجھے خود نادم کر رہا ہے۔ رات کے وقت پرائے مرد سے بات کرنا اس مرد کو سوا سر دھوکا دینا ہے جس کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم ہوچکے ہوں۔ وہ ملاقات چاہے ابھی تنہا دیر ہو یا مختصی پر۔ شادی ہونے کے بعد استری اپنے خاوند کی محبت میں جذب ہوجاتی ہے اسکی تو دنیا وہ بنا... محدود رہتی ہے۔ بس پیارا تمہارا اتنا ہی سمبندھ تھا سمجھتے ہو؟

خیال کرو۔ وہ رسک بسپا کا گاؤں۔ اور باغ کی روش پر پتھر کا چبوترہ اور اسکے نزدیک بیٹھے ہوئے سچے دل سے تمہارا قول ... ...

... ثابت قدم ہوں۔ ظاہر میں میرے جسم پر اُن کا قبضہ ہے لیکن محبت کے حقدار تم ہی ہو۔ اس لئے ان نغموں سے میرے ضبط کی طاقت کو پامال مت کرو۔ مہاراج یہ پڑھتا ہوا بےاختیار کی آنی سطروں کو بہانے لے چلے اور ہم تم دنیا کی نظروں سے گر کر پاپ کے اس گہرے سمندر میں ڈوب جائیں۔ جہاں سے ابھرنے کے بعد پرستش اور دھتکار سے سواگت کیا جائے۔

رمیش سنتا رہا غور سے۔ آخر اس شرط پر وہ مان گیا کہ پریم لتا ہر ہفتہ مجھے میری کٹیا پر آکر درشن دے جایا کرے۔ ورنہ میں اسی دھوپ پر اپنی آرزوؤں کو قربان کردونگا۔ پریم لتا نے قبول کرلیا۔ اور اگلے روز رمیش پھر اپنی کٹیا پر پہنچ گیا۔

پریم لتا خاوند کے ہمراہ روزانہ جاتی رمیش کو سادھوؤں سے پریم تھا۔ یہ وجہ تھی کہ اس قسم کا وعدہ پورا کرنے میں۔ پریم لتا کو زیادہ جھوٹ سچ بات بنانی نہ پڑی۔

پریم لتا کی روزمرہ کی آمد سے رمیش کے دل میں محبت کی آگ زیادہ سے زیادہ بھڑکتی گئی۔ وہ دل کے ہاتھوں کئی مرتبہ مجبور ہوا لیکن ہمیشہ ضبط ... بیچ میں حائل ہوکر رہ جاتا۔

رات کا وقت تھا۔ دنیا آرام میں تھی۔ رمیش آج بہت بےقرار تھا۔ اسے یقین ہوگیا کہ اب دل پر جبر پریم لتا کے بغیر گذارنا محال ہے۔ دوسری طرف اسے اپنی سچی محبت کا بھی خیال تھا۔ آخر اس نے اپنے ستار کو اٹھایا۔ اور آخری گیت کچھ اس طرح شروع کیا۔

پریم نگر کی ریت یہی ہے جان گئے تو جان

رمیش گاتا رہا۔ نہ معلوم کب تک۔ شہر والے تمام رات اس کے پُرسوز نغموں سے کھیلتے رہے۔ صبح کے وقت اس کی آواز بند ہوگئی۔ پریم لتا نے تمام رات آنکھوں میں کاٹی اور جونہی صبح ہوئی وہ کٹیا پر پہنچی۔ کیا دیکھتی ہے کہ رمیش کی لاش کٹیا کے پاس والے تالاب میں تیر رہی تھی۔ ستار اب بھی ہاتھ میں تھی۔ اور انگلیاں اُس کے تاروں پر تھیں۔ اور ... آپ کو پریم لتا کی عزت اور ناموس پر اور سچی محبت پر قربان کر چکا تھا۔

اس وقت بھی شہر کے مرگھٹ کے باہر جنگل میں ایک سادھو شکستہ حالت میں موجود ہے اور اسکی ٹوٹے کے کھنڈر سے ہوئے اور ٹوٹے ہوئے الفاظ کچھ اس طرح سننے جاتے ہیں ...

... پریم ... پجاری۔ لیکن عام آدمیوں کو یہ معلوم نہیں کہ اس سادھو کے ساتھ کون سا قصہ وابستہ ہے اور کس وقت اسے تعمیر کرایا۔ اب اس سادھو کی حفاظت کے لئے چاروں طرف آہنی جنگلہ لگوا دیا گیا ہے۔ اور ان شکستہ الفاظ کے ساتھ ہی ایک دوسرا پتھر آویزاں ہے جس پر سنہرے حروف میں ... لکھا ہے۔

ایک نامعلوم یادگار

یاتری لوگ جب اس مرگھٹ کے پیچھے مندر کی یاترا کر چکتے ہیں تو اس سادھو پر بھی دو پھول ڈال دیتے ہیں۔ ابھی رات کے سناٹے میں ...

ریڈیو موجد کارومانی حال

سائینور مارکونی کون تھا اور کیا کر گیا؟

(از مسٹر رمیش - ایم - اے)

شمالی اٹلی پر سب سے تاربرقی (وائرلیس) کو قائم کرنے والے موجد کا نام گوگلیمو مارکونی تھا۔ یہ اٹلی کا رہنے والا تھا۔ ۲۵ اپریل ۱۸۷۴ء کو پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم فلورنس - لیگ ہارن اور لیگ ہارن میں پائی۔

ابتدائی عمر ہی سے اُسے سائنس سے شوق تھا اور برقی لہروں کو فضا میں بلا سلسلۂ پیام رسانی کے لئے استعمال کرنے کی جدوجہد میں ابتدا ہی سے لگا ہوا تھا۔ چنانچہ ۱۸۹۵ء میں اس کے یہ خیالات پختہ بنیادوں پر قائم ہو گئے۔ اس نے چند برقی لہریں ایسی دریافت کیں جن کی مدد سے سلسلۂ پیام رسانی قائم کیا جاسکتا تھا۔ اس کے تجربات دنیا کے بڑے بڑے سائنس دانوں نے کئے مگر اس کی اصل معلوم کرنے کا سہرا مارکونی کے سر ہی ہے۔ چنانچہ اسی کی کوششوں سے ٹیلیگراف (TELEGRAPH) ایجاد ہوا۔

۱۸۹۶ء میں مارکونی لندن آیا۔ اور یہاں ۲ جون کو اس نے اپنی ایجاد ٹیلیگراف کا پیٹنٹ سرکار سے رجسٹری کرایا۔ اس نے یہاں رہ کر اپنے تجربات جاری رکھے اور محکمۂ ڈاک اور محکمۂ امور خارجہ کے اعلیٰ افسران کے سامنے اپنے تجربات کے مظاہرے پیش کئے۔ سب سے پہلا ٹیلیگرافی مظاہرہ دنیا میں لندن کے جنرل پوسٹ آفس کی چھت پر ہوا۔ ابتدا میں ۱۰۰ فٹ - پھر چار - اور پھر نو میل کے فاصلے پر ٹیلیگراف پھیلایا گیا تھا۔ اس کے بعد یہ دنیا میں ہر طرف پھیل گیا۔

حکومت اطالیہ کے بلاوے پر مارکونی جون ۱۸۹۷ء میں واپس وطن گیا اور سپیزیا کے مقام پر جنگی جہازوں کو بارہ میل سے ٹیلیگراف کے رسل و رسائل سے آگاہ کرنے کا پہلا تجربہ ہوا۔ بادشاہ اٹلی اور ملکہ کے سامنے بھی اس نے اپنے تجربات کا مظاہرہ کیا۔

اب وقت آگیا تھا کہ ٹیلیگراف کو ایک تجرباتی منصب سے نکال کر تجارتی بنیادوں پر قائم کیا جائے۔ اس لئے جون ۱۸۹۷ء میں لندن میں پہلی ٹیلیگراف کمپنی کھولی گئی۔ اس کا نام وائرلیس ٹیلیگراف اینڈ سگنل کمپنی لمیٹڈ کمپنی رکھا گیا۔ اس کا نام ۱۹۰۰ء میں "مارکونی کی وائرلیس ٹیلیگراف کمپنی رکھا گیا۔

اس کمپنی کا سب سے بڑا مقصد مارکونی کے تجربات کو مکمل کرنا اور اسے زیادہ سے زیادہ ممالک میں وسعت دے کر تجارتی منفعت حاصل کرنا تھا۔

۱۸۹۸ء میں ایسٹ گوڈون کے برطانوی ساحل پر وائرلیس کے کھمبے لگائے گئے اور جہازوں سے تاربرقی کی خبر رسانی پہلی بار باقاعدگی کے ساتھ جاری ہوئی۔ اس سے پہلی بار اس وقت مفید کام لیا گیا جب ۳ مارچ ۱۸۹۹ء میں اس نواح میں ایک جہاز ڈوبنے لگا تو پہلی بار وائرلیس کے ذریعہ خطرہ کا پتہ چلا اور مدد کا انتظام ہوا۔

مارکونی نے ۱۸۹۹ء میں انگلستان کی رودبار اور فرانس کے درمیان بے تاربرقی کا سلسلہ قائم کیا اور دو سو میل تک استوار کر لیا گیا۔ اگرچہ شروع میں جنگی جہاز

باقی اگلے صفحہ پر

(پچھلے صفحہ سے)

سے صرف ۸۰ میل تک ہی بات چیت ہو سکتی تھی۔

۱۲ دسمبر ۱۹۰۱ء میں مارکونی کو پہلی بار اس کام میں کامیابی ہوئی کہ بحر اٹلانٹک کو عبور کر کے اس نے نیو فاؤنڈ لینڈ سے بے تار برقی پیغام پہنچا دیا۔

۱۹۰۲ء میں مارکونی امریکن جہاز "فلاڈلفیا" پر سفر کر رہا تھا کہ اس نے دن کے وقت سات سو میل تک کے پیغامات اور رات کو دو ہزار میل تک کے پیغامات موصول کر لئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ رات کو وائرلیس کے پیغامات زیادہ فاصلہ کے لئے جا سکتے ہیں بہ نسبت دن کے۔

۱۹۰۲ء میں اس نے ایک مقناطیسی آلہ آواز ایجاد کیا اور ۱۹۰۵ء میں افقی سمتی ہوائیہ

(HORIZONTAL DIRECTION-AL AERIAL)

ایجاد کیا۔ جن کی امداد سے ریڈیو کا تصور ذہن میں آنے لگا۔ ۱۹۱۰ء میں مارکونی کو مسٹر ایچ۔ جے۔ راؤنڈ کی مدد سے بیونس آئرس (آئرلینڈ) میں چھ ہزار میل پرے کی آوازیں موصول ہونی شروع ہو گئیں۔ اسی کی مدد سے ۲۲ ستمبر ۱۹۱۸ء کو مارکونی نے انگلستان سے پہلی مرتبہ آسٹریلیا کو ایک بے تار برقی پیغام بھیجا۔

۱۹۱۶ء میں مارکونی نے چھوٹی لہروں کی مدد سے ایک نیا طریقہ خبر رسانی کا ایجاد کیا۔ اور اسے جنگی ضرورتوں کے لئے استعمال کرنے کی فکر کی۔ بعد میں جب مسٹر جی۔ ایس۔ فرینکلن ایک اور سائنس دان کی امداد شامل حال ہوئی تو انگلستان میں ۱۵ میٹر کی لہروں کا ایک طریقہ

(BEHM SERVICE) کہا جاتا ہے جاری ہوا۔ جو پہلے پہل لندن اور برمنگھم کے مابین چلایا گیا۔

جنگ عظیم میں مارکونی نے اطالوی فوج اور اطالوی بحری بیڑہ میں کام کیا اور اطالوی مشن کے ساتھ امریکہ بھی گیا ۱۹۱۹ء میں بادشاہ اٹلی نے اُسے پیرس میں ہونے والی امن کانفرنس میں اپنا ایلچی بنا کر بھیجا۔ ۱۹۰۹ء میں اُسے نوبل کا انعام امن علم طبعیات (فزکس) کے لئے دیا گیا البرٹ سوسائٹی انگلستان نے آرٹ کا تمغہ اور سند بھی اُسے دی۔ اُسے آخر کار بادشاہ اٹلی نے اٹلی کی مجلس کار کا ایک رکن بھی بنا دیا۔

۱۸۹۶ء میں جب مارکونی نیا نیا لندن آیا اس کے پاس نہ زیادہ علم تھا اور نہ دولت کا ذخیرہ۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری بلکہ بہت خندہ پیشانی سے تمام مشکلات کو عبور کرتا رہا۔ ابتدائی تجربات اس نے ہرٹز کی لہروں سے شروع کئے۔ ۲۰ جولائی ۱۸۹۷ء کو وائرلیس ٹیلیگراف سگنل کمپنی لمیٹڈ اس نے قائم کی۔

۱۸۹۸ء میں بحری بے تار برقی کی بنیاد رکھی گئی اور اس کے پیٹنٹ تمام ممالک میں جاری ہو گئے۔

برقی مادو زبرقی کی ایجاد نے وائرلیس کی دُنیا میں تہلکہ مچا دیا ان کی مدد سے ۲۳ فروری ۱۹۲۰ء میں پہلا براڈکاسٹ کا مظاہرہ موسیقی کی صورت میں انگلستان میں ہوا۔ یہ مظاہرہ مارکونی کمپنی کے کارخانہ جات واقع چیمسفورڈ میں ہوا۔

۱۹۲۲ء میں اسی مقام پر مارکونی نے ریڈیو اسٹیشن قائم کیا۔ اور اسی وقت سے براڈکاسٹ کا رواج شروع ہوا۔

۱۹۲۲ء میں بی بی سی (برٹش براڈکاسٹنگ کمپنی) کی بنیاد پڑی۔

وائرلیس کی دنیا میں چھوٹی لہروں کی بے تار برقی کے ذریعہ دور دراز علاقوں تک سلسلہ آواز قائم کرنا ایک ایسا کمال ہے جس پر انسان جس قدر بھی فخر کرے کم ہے اسے (BEAM) شعاعی آواز رسانی کہا جاتا ہے

۱۹۲۶-۲۷ء میں چھوٹی لہروں کی آواز رسانی برطانیہ عظمیٰ اور کینیڈا۔ آسٹریلیا۔ جنوبی افریقہ۔ ہندوستان اور امریکہ تک قائم ہو گیا۔ اس کی مدد سے دور دراز مقامات تک ٹیلیفون کی آوازیں بھی نہایت کم خرچ پر منتقل کرنے کا بندوبست ہو گیا۔ غرض وائرلیس دنیا کو کچھ سے کچھ بنا دے گی۔

"اشک آدم یا تارے"

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

(از جناب آر۔ کے۔ بانو مظفر۔ منویہ)

شام کا وقت تھا اور ہوا میں خُنکی بڑھنے لگی تھی

دفعتاً کسی تصبہ پر آدم کو حکم ہوا کہ دنیا

موعودہ آلام دنیا میں پھینک دیا جائے۔

فردوس بریں کی جدائی نے چشم آدم اشکبار کر دی

زلف شب کمر تک پہنچ گئی، مگر آدم اپنی بے بسی پر روتے رہے۔

فرشتوں نے "اشرف المخلوقات" کے آنسو متبرک سمجھ کر آسمانوں پر چھڑک دئے

"جگمگا رہے" وہ جگمگاتے رہیں گے۔

بچوں کا صفحہ

ستارے

(از جناب ملک سلطان الارشد فاروقی — خاص تیج ویکلی کے لئے)

بچو! یہ ستارے جو ہمکو نظر آتے ہیں یہ سب کے سب آفتاب ہیں۔ اور جن کے علیحدہ علیحدہ نظام نظام شمسی کی طرح ہیں۔ ان میں سے بعض ستارے تم سے اتنے دور ہیں کہ ان کی روشنی تم تک تین ہزار سال میں پہنچتی ہے حالانکہ روشنی کی رفتار ایک سیکنڈ میں تقریباً دو لاکھ میل ہے۔ آج ان میں سے کچھ ستاروں کا حال تمہاری معلومات کے لئے لکھتے ہیں۔

زہرہ

یہ ستارہ تمہاری زمین سے کچھ چھوٹا ہے۔ اس کا قطر سات ہزار چھ سو اسی میل ہے۔ اور سورج سے چھ کروڑ اسی لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ ۷۶۰۰۰ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کرتا ہے اور یہ دو سو چوبیس دن ۷ گھنٹوں میں سورج کے گرد ایک چکر لگاتا ہے۔ اس کے نظر آنے کا وقت شام اور صبح ہے۔ یہ سورج نکلنے سے کچھ قبل نکلتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کو صبح کا ستارہ کہتے ہیں۔ اکثر یہ سورج کے غروب ہونے کے بعد نظر آتا ہے۔ اس وقت اس کو شام کا ستارہ کہتے ہیں۔

سریس

یہ ایک چھوٹا سا ستارہ ہے۔ اس کا قطر چھ میل ہے۔ یہ سورج سے چھبیس کروڑ تیس لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ آفتاب کا ایک دورہ چار سال دو سو اکیس دن میں کرتا ہے۔

جونو

اس کا قطر چودہ سو میل ہے۔

وسٹا

اس کا قطر تین سو میل ہے۔ اور یہ پانچ سال میں آفتاب کے گرد ایک چکر لگاتا ہے۔

پالس

اس کا قطر چھ سو میل ہے۔ یہ سریس کی بہ نسبت آفتاب سے کچھ زیادہ دور ہے۔ یہ اس سے کچھ زیادہ عرصہ میں دورہ کرتا ہے۔

عطارد

یہ سورج سے بہت قریب ہے۔ اس کا فاصلہ تین کروڑ ستر لاکھ میل ہے۔ یہ ایک لاکھ پانچ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا ہے اور اٹھاسی دن چوبیس گھنٹوں میں ایک گردش پوری کرتا ہے۔

یورینس

یہ ستارہ سورج سے ایک ارب اسی کروڑ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور ایک سکنڈ میں چار میل کی رفتار سے گردش کرتا ہے۔ اور چوراسی سال میں ایک گردش پوری کرتا ہے۔ اس کا قطر ۳۶ ہزار میل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے گرد چار چاند گردش کرتے ہیں۔

زمین

یہ ستارہ عطارد اور زہرہ سے بڑا ہے۔ اس کی رفتار بہت سست ہے۔ اس کے گرد ایک چاند گردش کرتا ہے۔ جو رات کے وقت اس کو روشنی پہنچاتا ہے۔

نیپچون

یہ سیارہ سورج سے دو ارب چھیالیس کروڑ میل دور ہے اور ایک سو سڑسٹھ سالوں میں سورج کے گرد دورہ کرتا ہے۔ اس کا قطر ۳۴ ہزار میل ہے۔ اس کے گرد بھی ایک چاند ہے۔

زحل

زحل کا قطر ۷۹ ہزار میل ہے۔ جسامت میں زمین سے سات سو گنا اور وزن میں نوے گنا ہے۔ یہ آفتاب سے ۹۰ کروڑ میل کے فاصلہ پر ہے اور پانچ میل فی سکنڈ کی رفتار سے اس کے گرد گردش کرتا ہے۔ اس کا ایک سال تمہارے تیس سال کے برابر ہے۔ اس کے گرد آٹھ چاند ہیں۔ چار بہت قریب اور چار دور۔

مریخ

یہ آفتاب سے چودہ کروڑ پانچ لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ فی گھنٹہ ۵۵ ہزار میل کی رفتار سے گردش کرتا ہے اور تمہارے ۶۸۷ دن میں ایک چکر پورا کرتا ہے۔

مشتری

اس کا قطر اٹھاسی ہزار میل یعنی تمہاری زمین کے قطر سے گیارہ گنا ہے۔ جسامت میں بارہ زمینوں کے اور وزن میں تین سو زمینوں کے برابر ہے۔ یہ آفتاب کے گرد سات لاکھ میل روزانہ کی رفتار سے گردش کرتا ہے اور تمہارے بارہ سال میں ایک دورہ پورا کرتا ہے۔ یہ آفتاب سے ۴۸ کروڑ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کے گرد چار چاند گردش کرتے ہیں۔

اسپین کے بچے

تم نے اخبارات میں پڑھا یا سنا ہوگا کہ آج کل اسپین میں عرصہ سے زبردست خانہ جنگی ہو رہی ہے یعنی ملک میں دو بڑی طاقتور جماعتیں ہیں جو حکومت کے لئے آپس میں لڑ رہی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہر جماعت نے اپنے اپنے ہمدرد دلی اور ہم خیالوں کی فوجی اور مالی امداد بھی حاصل کر لی ہے۔ ایک جماعت جو اپنے کو "قوم پرور" یا "قوم پرست" کہتی ہے اٹلی اور جرمنی کی مدد اور بھروسہ پر لڑ رہی ہے۔ اور دوسری جو اسوقت حکومت پر قبضہ کئے ہوئے ہے برطانیہ اور فرانس کی ہمدردی و حمایت حاصل کر چکی ہے۔

دیکھنے میں اسپین ایک چھوٹا سا پہاڑی ملک ہے لیکن اس کے بچہ بچہ میں آزادی کا جوش موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکے دشمن جب اس ملک پر آسانی سے قبضہ نہ کر سکے تو انہوں نے اس ملک کے بادشاہ کے خلاف بغاوت کرا دی اور اُسے اس ملک سے نکلوا دیا۔ اور اب آپس ہی میں لڑائی کرا دی ہے تاکہ اپنا مطلب آسانی سے حاصل ہو جائے۔ اس جنگ میں سب سے بڑی مصیبت وہاں کے بچوں پر نازل ہوئی ہے اس لئے کہ لڑنے والے مرد اور عورتیں کسی نہ کسی طرف سے لڑائی میں حصہ لے رہے ہیں لیکن بچوں کی ہر طرح مشکل ہے وہ جنگ کی حالت میں اپنے والدین کیلئے ایک مصیبت ہیں۔ ماں باپ کو اپنے کھانے پینے کے لئے خود ہی میسر نہیں وہ اپنے بچوں کی پرورش کیسے کر سکتے ہیں اور پھر جن کے ماں باپ اس خانہ جنگی میں کام آ گئے اُن بچوں کی مصیبت کا پوچھنا ہی کیا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت تک اسپین میں ۱۶ سے ۱۷ ہزار بچے ایسے موجود ہیں جن کا نہ کوئی گھر ہے اور نہ کوئی پرورش کرنے والا۔ حکومت اسپین نے ۴ ہزار بچے روس کو ۴ ہزار بچے انگلستان کو اور ایک ہزار میکسیکو کو روانہ کر دیئے ہیں تاکہ ان ملکوں کے یتیم خانوں اور خیراتی انجمنوں میں ان لاوارث بچوں کی پرورش ہو سکے۔ یہ آٹھ نو ہزار ان بچوں کی تعداد ہے جن کے والدین حکومت کی فوج میں شامل تھے۔ اور باغیوں کی فوج کے جو آدمی قتل ہوئے یا مارے گئے اُن کی تعداد الگ ہے۔ یہ بھی ان سے کیا کم ہوگی۔ غرض سپاہیوں کی ہلاکت شہریوں کی تباہی، مال و جائداد کے نقصان کا اندازہ لگانا اور بھی مشکل ہے۔

بھلا سوچو تو کہ ان بچوں کی کیا حالت ہوگی جن کے ماں باپ، گھر بار سب کچھ ملک کے پیچھے تباہ ہو گیا اور اب وطن سے دور دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گذارنے کے لئے بھیج دیئے گئے ہیں۔ دعا کرو خدا اس جنگ کا جلد خاتمہ کرے۔

چھتری کی سرگذشت

(از بابو نرائن پرشاد)

برسات کے موسم میں چھتری ضروریات زندگی میں ایک خاص قسم کی اہمیت حاصل کر لیتی ہے۔ کوئی شخص چھتری کے بغیر نہیں رہ سکتا اگر چھتری آپ کے پاس اتفاق سے نہیں ہے تو کم از کم چھتری کا خیال ہی ہر وقت موجود رہتا ہے۔ وہ مگر میری صحبت کہیں بدنصیبی سے آپ بھی چھتری سے محروم ہیں تو پھر اس کے خیال کا کیا پوچھنا۔ ان معاملات میں تو چھتری انسان کی مستقل ساتھی اور سب سے بڑی مددگار ثابت ہوتی ہے لوگ اسی کے سایہ عاطفت کے نیچے پناہ لیتے ہیں۔ موسلا دھار بارش ہو یا تیز دھوپ ہو ان دونوں کے مقابلہ کے لئے چھتری سے زیادہ بہتر اور کوئی ہتھیار آجتک کسی نے ایجاد ہی نہیں کیا۔ چھتری چاہے ریشمی کپڑے پر خیال دنیا کی ہو یا سوتی کپڑے یا بید کی کڑیوں کی یا ایک پرانا بانس کی پیچ سے چھتری میں ٹھونس دیا گیا ہو اس کی منفعت کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ اس کا ایک کام بہت ضروری ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ چھتری کی شان اور مقبولیت اسی سے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں بھی جبکہ واٹر پروف کپڑے سیلولائڈ کی ٹوپیاں اور ربڑ کے جوتے عام ہو گئے ہیں چھتری اپنی جگہ پر موجود ہے اور دنیا سے ناپید نہیں ہوئی ہے۔ ایک دوسرے نقطہ نگاہ سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس سائنس کی رفتار کا بھی ایک کامیاب مقابلہ کیا ہے اور دونوں چیزوں پر فتح حاصل کر لی ہے۔

شاہی و فرمانروائی کا نشان

چھتری کا وجود صدیوں سے قایم ہے اور اس کی شان و شوکت میں کمی کبھی نہیں ہوئی ہے۔ از منہ قدیم میں مصری اور ہندوستانی باشندے اس کو حکمرانی اور طاقت کا نشان سمجھتے تھے۔ یونان اور روم میں چھتری کو زنانہ ملبوس اور نسائی حسن و جمال کا ایک لازمی جزو قرار دیا تھا۔ ازمنہ وسطیٰ میں بھی چھتری نے اپنی وقعت و عظمت کو قایم رکھا۔ ملکہ وکٹوریہ کے عہد میں یہ ضروری تھا کہ جو شخص اپنا ہیٹ استعمال کرے وہ چھتری بھی ساتھ رکھے۔ کوئی شخص چھتری کے بغیر "شریف آدمی" (جنٹلمین) نہیں سمجھا جاتا تھا مصنف اسٹیونسن لکھتا ہے کہ "عادت کے طور پر ہمیشہ چھتری کا ساتھ رکھنا ہی شرافت کی علامت ہے"۔

ہندوستان میں چھتری کی تاریخ بہت قدیم ہے اتنی قدیم کہ اس کی ابتدا کسی کو معلوم نہیں ہے چونکہ ہندوستان کا تمدن قدیم زمانے میں بھی بیرونی اثرات سے آزاد تھا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہاں چھتری عربیا یا کسی اور جگہ سے آئی تھی۔ اس ملک میں چھتری ہمیشہ بادشاہی اور فرمانروائی کا نشان سمجھی گئی ہے۔ ہر راجہ، مہاراجہ، جیسا کہ ہر سمراٹ اور ہر شہنشاہ کی تاجپوشی میں "چھتر" اور علامت حکمرانی کا استعمال ضروری تھا۔ مہاراجوں کا خطاب بھی "چھتر پتی" یعنی چھتر کا مالک ہوا کرتا تھا۔ جب سیوا جی نے مرہٹہ امپائر کی بنیاد ڈالی تو اپنی آزادی اور خود مختاری کے اعلان کے لئے اس نے "چھتر پتی" کا خطاب اپنے لئے منتخب کیا۔ اور اب تک مہاراجہ کولھاپور جو مرہٹی خاندان کی یادگار ہیں اس خطاب کے مالک ہیں۔

خوبصورت اور حسن افزا

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ چھتری ایک تکلیف دہ اور بے ڈھنگی چیز ہے میں یہاں تک تسلیم کرتا ہوں کہ اگر تیز آندھی آپکا استقبال کر رہی ہو تو چھتری تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔ ایک تو اسی شہ زور کی مدافعت پیدا ہو جاتی ہے دوسرے آپکو بھی اپنے ساتھ ایک غبارہ کی طرح اڑا کر لیجانے کی کوشش کرتی ہے نتیجہ یہ کہ آپکی مضبوط گرفت سے نکل گئی تو بہت ممکن ہے کہ ایک ہوٹل کی ہوا کرایہ پر لے کر آپکو اس کا پیچھا کرنا پڑے لیکن میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ چھتری ایک خوبصورت اور حسن افزا چیز نہیں ہے موجودہ فیشن کے پرستاروں میں اگر چھتری کا استعمال نہ ہو تو عورت کا نصف حسن غائب ہو جاتا ہے مخملی اسکرٹ نارنجی اور نیلی چھتریاں جب زنانہ چہروں پر اپنا ہلکا اور رنگین عکس ڈالتی ہیں تو ان کا حسن و رنگ اٹھتا ہے اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ جسم چھتری کے سایہ میں "ایج نفٹ" ذرا زیادہ حسن و جمال کے موجود ہو۔ وہ خود بھی خوبصورت اور دلکش نہ ہو۔ پھر کس کی مجال ہے کہ چھتری کو بدصورت کہے۔ ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چھتری حسن کا تاج ہے ہو سکے تو عین چھتری اگر بے ڈھنگی نظر آئے تو آپ نہ دیکھئے لیکن عورت اس چیز کو حسن کے زیور اور سنگار میں منتقل کر لیتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پیرس کی حسینوں کو چھتری سے آرائش حسن کا کام لینے میں کمال حاصل ہے۔

یاس و حسرت

لیکن ہم لوگوں کو چھتری بارش کے موسم میں ایک مستقل یاس اور ناامیدی کا ابدی پیغام بن جاتی ہے۔ ذرا خیال تو کیجئے کہ سال میں کتنی چھتریاں گم ہو جاتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چھتری اسی لئے بنائی گئی ہے کہ آہستہ آہستہ گم کر دیا جائے اور اس کے بجائے اس کو ماتم کیا جائے۔ بعض لوگوں کے تجربہ میں یہی ایک کام رہ جاتا ہے کہ اپنی چھتری کہیں چھوڑ دیں اور پھر اس کی تلاش میں پریشان و سرگرداں رہیں۔ جب آپ چھتری کھو دیتے ہیں تو اس "اندوہناک" حادثہ کی یاد دفعتہً آپ کو اس وقت آتی ہے جب آپ کسی ضروری کام میں مشغول ہوں یا کسی دوست سے گپ باتیں کر رہے ہوں آپ یکایک اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک جنون آپ پر سوار ہو جاتا ہے تاکہ آپ چھتری کی تلاش میں ان تمام مقامات تک پہنچتے ہیں جہاں جہاں آپ گئے تھے۔ مگر وہ چیز آپکو کہیں نہیں ملتی۔ آپکی چھتری آپ سے اس طرح چھپا لیتی ہے جیسے کوئی بلا نگل گئی ہو۔ دو چار تک تو آپ چھتری کی یاد کو دل سے لگائے رہتے ہیں اس کے بعد صبر کر کے آپ دوسری چھتری خرید لیتے ہیں لیکن آخر کار یہ کہ وہ ایک مدت بھی بے وفا ثابت ہوتی ہے اور داغ مفارقت دے جاتی ہے۔ آپ اس کو محفوظ رکھنے کے سو جتن کرتے ہیں اس پر اپنا نام لکھواتے ہیں۔ اپنے حافظہ کو مضبوط بنانے کا عہد کرتے ہیں۔ اپنے ارادے میں استقلال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن چھتری پھر کسی نہ کسی روز دھوکہ دے کر ناپید ہو جاتی ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک آپ قسم نہ کھائیں کہ اب چھتری کبھی نہ خریدیں گے۔





گرجے جا برسے جا

(از جناب ابوالبیان مائل۔ لکھنوی)

(۱)

دریا در دل کالے بادل || پھیلائے جا اپنا کاجل
جل تھل بھر دے، بھر دے جل تھل
گرجے جا، برسے جا ـــــ بے پروا، تجھکو کیا

(۲)

دل کی الجھن بڑھ جائے || جینے سے جی اکتائے
کوئی روئے کوئی رو لائے
گرجے جا، برسے جا ـــــ بے پروا، تجھکو کیا

(۳)

کس کے لب پر نالے ہیں || کس کے دل میں چھالے ہیں
کس کی جان کے لالے ہیں
گرجے جا، برسے جا ـــــ بے پروا، تجھکو کیا

(۴)

کون ہے مضطر کون ہے شاداں || کون ہے گریاں کون ہے خنداں
صبحِ مسرت، شامِ ہجراں
گرجے جا، برسے جا ـــــ بے پروا، تجھکو کیا

(۵)

پھونس کا چھپر! کچا گھر! || تند ہوا! جذبات کا محشر!
کوند رہی ہے بجلی دل پر
گرجے جا، برسے جا ـــــ بے پروا، تجھکو کیا

(۶)

رات اندھیری تنہا مائل || ہجر کے پردے بیچ میں حائل
میں بھی بسمل وہ بھی بسمل
گرجے جا، برسے جا ـــــ بے پروا تجھکو کیا

آسمان شام پر کو پہلا ستارا دیکھ کر

(از جناب تاباں نقوی۔ امروہہ ضلع مرادآباد)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

اے مرے روشن ستارے اے مرے ننھے سے چاند || پڑ گیا ہے چاند بھی خود روشنی سے تیری ماند
مو قلم کا تو ہے فطرت کی وہ روشن شاہکار || جس پہ صدقے کہکشاں عقدِ ثریا ہے نثار
مختصر سی کیف اور رومان کی دنیا ہے تو || میری چشمِ شوق کا تارا ہے تو زہرا ہے تو
تیرے بیباکانہ نظارے سے ڈرتی ہے نظر || تو حسیں بندی ہے فطرت کی جبینِ ناز پر
سقفِ نیلی فام میں ننھا سا تو قندیل ہے || یا مرے نازک تخیل کی کوئی تمثیل ہے
یا مصور کے حسیں تخیل کا مسکن ہے تو || یا کسی شاعر کا کوئی مطلعِ روشن ہے تو
یا کسی عاشق کا تو اک خوابِ بے تعبیر ہے || یا مصور کے تصور کی کوئی تصویر ہے
یا کسی معصوم دیوی کا ہے تو رنگین خواب || یہ نہیں ہے تو تو بے شبہ ہے فطرت کا شباب
کیا بتاؤں میں کہ مجھکو کس قدر پیارا ہے تو || مختصر یہ ہے کہ میری آنکھ کا تارا ہے تو
اے خوشا قسمت وہ انساں جسکی تو تقدیر ہے || اے زہے وہ خواب تو جس خواب کی تعبیر ہے
دیکھتا ہوں جلوہ گر میں روز تجھکو شام سے || ایک بھولا سا فسانہ یاد آتا ہے مجھے
حسنِ خود بیں نے ترے توڑا تھا پندارِ ملک || جب سے ہے صبر آزما انداز میں زیبِ فلک
رقص میں آتی ہے تجھکو دیکھکر ساری فضا || ڈوب جاتا ہے مگر اسوقت دل مہجور کا
تو ہے فطرت کی طرف سے اک پیامِ انبساط || دل اگر خوش ہو تو ہے بے شبہ تو روحِ نشاط
فوجِ انجم کے ہراول کیا کہوں میں کیا ہے تو || خون کے آنسو شفق کے ساتھ رلواتا ہے تو

آہ تو اک درد کا پیغام ہے میرے لئے
تیرا جلوہ درد بنکر عام ہے میرے لئے

دیہات سُدھار کیسے ہو؟

(از شریمتی ادم پرکاش ترکھا - لاہور)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

ہمارے ملک کی کل آبادی ۳۵۲۸۳۷۷۷۸ انسانوں پر مشتمل ہے جس میں سے ۳۱۳۸۵۸۶۶۷ انسان گاؤں میں رہتے ہیں پس ملک ہندوستان کے سدھار یا ترقی کے کچھ معنی نہیں اگر یہ سدھار یا ترقی ہندوستان کے سات لاکھ گاؤں میں بسنے والے کروڑہا انسانوں کے لئے نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت اور کانگریس نے اپنے اپنے طریقہ کار سے غریب اور بے بس دیہاتیوں کی جسمانی۔ دماغی اور اقتصادی ترقی کے لئے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ کیونکہ اس ملک میں صرف دو ہی طاقتیں ہیں جو عوام کی بہتری اور بہبودی کی دعویدار ہیں اور یہ دو طاقتیں حکومت اور کانگریس ہیں۔

دیہات میں رہنے والے لوگوں کی گذر اوقات زراعت پر ہے اور ہندوستان کو زراعتی ملک کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کا کسان موسم گرما کی کڑکتی ہوئی دھوپ میں کھیتوں میں جا کر ہل چلاتا ہے۔ سردی کے موسم میں جب پانی جم کر برف بن جاتا ہے کسان بیچارہ آدھی رات کو اٹھ کر زمین کو سیراب کرتا ہے۔ نہ اسے گرم لو کا فکر ہے نہ اسے ٹھنڈی ہوا کا خیال۔ اسے اگر کوئی غم ہے تو یہ کہ محنت اور مشقت کر کے بنی نوع انسان کی بھوک کو دور کر سکے۔ لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہر قسم کا غلہ پیدا کرنے والا خود نان جویں تک کو ترستا رہ جاتا ہے۔

انجمن ہائے امداد باہمی کی کمی کی وجہ سے زراعت کا پیشہ بہت بری حالت میں ہے۔ کاشتکاری کے جدید طریقوں کے رواج کے لئے بڑی بڑی رقمیں کہاں سے آئیں۔ آبپاشی کے ذرائع کے لئے بھی روپیہ کی ضرورت رہتی ہے۔ اگر ملک میں انجمن ہائے امداد باہمی کا جال بچھ جائے تو کسان کی ان مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ امداد باہمی کا کوئی مناسب ذریعہ نہ پا کر غریب اور بے علم دیہاتی کو اپنی پیداوار کی کھپت میں بہت سا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ فصل کے پکتے ہی بیوپاری آموجود ہوتا ہے اور من مانے نرخوں پر سب کچھ خرید کر لے جاتا ہے۔ کسان بیچارہ مارکیٹ کے نرخوں سے واقفی کی وجہ سے اپنے مال کی فروخت میں لٹ جاتا ہے مگر بیوپاری اس مال کو بہت بھاری منافع حاصل کر کے کسی غیر ملکی کمپنی کے پاس بیچ دیتا ہے۔ اسی طرح ہندوستان کی پیداوار کا بیشتر حصہ ممالک غیر میں چلا جاتا ہے۔ اور اکثر حالتوں میں یہی کچا مال اپنی صورت تبدیل کر کے بہت مہنگے داموں پھر واپس آ کر بکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہندوستان سے ہر سال کروڑہا روپیہ کے تیلوں کے بیج فرانس۔ انگلینڈ اور جرمنی وغیرہ دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں اور وہاں سے نفیس اور خوبصورت شیشیوں میں بند ہو کر طرح طرح کے تیل۔ لونڈر اور عطریات یہاں آ کر بکتے ہیں اور ہم اس کے عوض ممالک غیر کے لوگوں کو من مانے دام دیتے رہتے ہیں۔ اس طریقہ سے ہندوستان کے فاقہ کش عوام اپنا پیٹ کاٹ کر اغیار کی عیش پرستی کے سامان مہیا کرتے ہیں۔

جنوبی ہندوستان کے صرف ایک ضلع شمالی ارکاٹ سے تین سال کے قلیل عرصہ میں ۹۰۲۴۴ ٹن تیلوں کے بیج ہندوستان سے باہر گئے۔ اگر یہ بیج ہندوستان میں رہیں اور ان سے تیل نکال کر صابن اور مصنوعی گھی وغیرہ تیار کئے جائیں تو ملک کا کئی کروڑ روپیہ ہر سال ملک سے باہر جانے سے بچ جائے۔ لاکھوں بیکار نوجوان کام مل سکے۔ جانوروں کے لئے کھلی اور کھیتوں کو زرخیز بنانے کے لئے کھاد بھی مل سکے۔ یہی حال کپاس اور دیگر زراعتی اجناس کا ہے۔ اگر ہم بدیشی کپڑا پہننا ترک کر دیں تو ملک کے پانچ کروڑ کاریگر مثلاً بیلنے والے۔ کاتنے والے۔ کپڑا بننے والے۔ دھوبی۔ رنگریز۔ لوہار۔ بڑھئی وغیرہ اپنے لئے روزی کمانے کے لائق ہو سکتے ہیں۔ اور ایک بہت بڑی رقم ہر سال ہندوستان سے باہر جانے سے بچ سکتی ہے۔ ملک کی کمائی اگر ملک میں رہے تو ہماری طاقت خرید بڑھ سکتی ہے۔ اور یہی طاقت خرید بھوکے اور ننگے ہندوستانیوں کی خوشحالی کو از سر نو واپس لانے کا ایک واحد ذریعہ ہے۔

امداد باہمی کے اچھے اور ترقی یافتہ اصولوں کی بنا پر بڑے بڑے دیہاتوں میں کوآپریٹو شاپ جاری کئے جائیں جو دیہاتی عوام کو ان کی پیداوار کی فروخت میں مدد دیں اور انہیں بیوپاریوں کی لوٹ کھسوٹ سے بچائیں۔ انجمن امداد باہمی جو اس ملک میں کام کر رہی ہیں اکثر سے بہت کم تعداد ہندوستانی عوام کی بہبود کے لئے آئرلینڈ ایک چھوٹا سا ملک ہے مگر وہاں کے امداد باہمی کے طریقے قابل تعریف ہیں۔ اگر اسی طریقے سے اس ملک میں امداد باہمی کا کام شروع کیا جائے تو ترقی کی کافی امید ہو سکتی ہے۔

یہاں کے کوآپریٹو بنکوں میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے ان بنکوں کی کل تعداد اس قدر ہے کہ ان سے کوئی بڑا فائدہ اٹھایا ہی نہیں جا سکتا۔ اور پھر یہ بنک تو قرض لینا سکھاتے ہیں جمع کرنا نہیں سکھلاتے۔ دیہاتیوں کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ انہیں کچھ پس انداز کرنا آ جائے تاکہ وہ اپنی مصیبت کے وقت اسے استعمال میں لا سکیں۔ یہ سب باتیں حکومت کے بس کی ہیں۔ پسماندہ عوام میں اتنی طاقت کہاں کہ وہ اپنے بھلے کے لئے امداد باہمی کی بڑی بڑی انجمنیں اور بنک جاری کر سکیں۔ اب جبکہ نیا آئین نافذ ہو چکا ہے انگریز حاکم اور ان کے ہندوستانی مداح جس کی تعریفوں کے پل باندھ رہے ہیں۔ کیا چھ صوبوں کے کانگریسی وزراء اپنے صوبوں میں دیہات سدھار کے ناکارہ محکموں کو حرکت میں لا کر غریب اور بے بس دیہاتیوں کی اس ضروری مسئلہ کی طرف توجہ دیں گے۔ اور اس نیک مقصد کے لئے کافی سرمایہ حکومت ہند سے حاصل کر کے اس کام کو ترقی پر لانے کی کوشش کریں گے

(مرتبہ جناب احمد حسن خان صاحب)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

دنیا ایک اسٹیج کے مانند ہے۔ اور تمام مرد اور عورتیں اس اسٹیج کے ایکٹر ہیں۔ اور ایک انسان اپنی زندگی میں بہت سے پارٹ ادا کرتا ہے

(شیکسپیر)

نیک کام کرو اور بھلا کرو یاد رکھو سب سے اچھا مذہب یہ ہی ہے۔

(گورو نانک)

جس نے خدا کی مخلوق سے محبت کی۔ اس نے خدا سے محبت کی۔

اے فانی انسان کوئی کام کرنے سے پہلے یہ سوچ کر تو کیا کر رہا ہے۔ ظاہر پرستی سے گمراہ نہ ہو۔ ہر چیز سے حقیقت کی جستجو کر۔ اس ایک لازوال حقیقت کی جستجو ازل سے ایک ہے اور ابد تک رہے گی

(گورو نانک)

علم حاصل کرنے کا منشا یہ ہے کہ نیک و بد میں شناخت کرے۔

جہاں تمہاری طاقت تمہارے کام نہ آسکے تو اپنی ملیاوت اپنے خالق کے حضور میں پیش کیا کرو۔

عقلمند آدمی کبھی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

کبھی کسی کا دل نہیں توڑنا چاہیئے۔ کیونکہ دل پانی کے بلبلے جیسا ہوتا ہے اور ٹوٹ جانے پر پھر نہیں جڑتا۔

دردھ چیت اور پکے ارادے کا آدمی ہر جگہ راستہ نکال لیتا ہے۔

امیر آدمی یقیناً وہی ہے جس کی آمدنی سو روپے ماہوار اور خرچ ساڑھے ننانوے روپے ماہوار ہے۔ اور غریب وہ ہے جس کی آمدنی سو روپے ماہوار اور خرچ سو روپے

ریڈیو پروگرام

(از جناب اسرائیل احمد خاں صاحب۔ خاص تیج دہلی کے لئے)

ریڈیو بھی عہد جدید کی ان نعمتوں میں سے ہے جسکا استعمال ہم سے آشنا شایان شان نہیں کیا جسکی مستحق اس عالمگیر دانشمندی کی ندرت تھی۔ جو کام ہم اس سے لے رہے ہیں وہ دوسرے طریقوں سے بھی لے سکتے ہیں اور واقعۃً لیتے رہتے ہیں۔ طبق کار کا ارتقا مقصد کا سی عظمت کو چاہتا ہے۔ ہم اگر ہوائی کار پا کر بھی شہر ہی کے کوچہ و بازار تک اپنی ادا و روش کو محدود رکھیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ جس شئیت نے ہم پر یہ نوازش کی ہے ہم اسے جتا (؟) چاہتے ہیں کہ ہم اس خوش اعتمادی کے اہل نہیں ہیں۔

نہیں موٹر کار شہر سے پرے دیہات و مضافات اور سبزہ زار و مناظر دشت و کوہسار کی اسیر و گشت کے لئے موضوع ہوئی تھی۔ اپنے صحن خانہ ہی کے اندر آٹھ ناچ نہ بنانے کے لئے نہیں۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ موٹر عموماً اندرون شہر کی کوئی سواری نہیں۔ اور ریل گاڑی صرف شہر اور مضافات شہر کو پیوستہ کرنے والا کوئی وسیلہ حمل ونقل نہیں تو یہ بھی یکساں ثابت ہے کہ ریڈیو اگر گراموفون کے فرسودہ ریکارڈ بجانے۔ صبح کی خبروں کو دہرانے۔ آٹے دال کے بھاؤ بتانے۔ افسانہ بزم و انجمن۔ رنڈی بھانڈوں کے مجرے۔ نقلیں نشر کرنے۔ وادی اماں اور نانی اماں والی کہانیاں سنانے اور الٹی سیدھی تقریریں گوش گذار کرنے کے لئے مارکونی کی طبع پر نازل نہیں ہوا تھا۔ افسوس کہ مخلوق کی بدمذاقی نے فطرت و صنعت کے ہر عطیے کو مسخ کر ڈالا

گراموفون کی خدمات اب تک ہمارے ہندوستان میں قابل رشک رہی ہیں۔ ڈوم ڈھاڑیوں کے گانوں سے لیکر بیل ڈراموں اور تقریروں تک آرٹ کا ایک قابل علم ہے لیکن یورپ نے گراموفون سے جو کام لئے ہیں وہ ہمارے تخیل سے اتنے مختلف واقع ہوئے ہیں کہ شاید ہم ان کا اعتراف کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ انہوں نے گراموفون کے ریکارڈوں میں اپنے اکابر کے ملفوظات اور مقالات محفوظ کئے ہیں عظیم بین الاقوامی شخصیتوں اور زخمیوں کے بیانات جریدۂ عالم پر ثبت کئے ہیں۔ بچھڑنے والے احباب کے وداعی کلمات قلمبند کئے ہیں مرنے والے عزیزوں کے آخری کلمات حسرت نقل کئے ہیں صاحب جائداد ارکان خاندان کے قولی وصیت نامے بذریعہ املا حاصل کئے ہیں۔

ریڈیو کے نئے نظام سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کے لئے بھی ہمیں اپنے افق نظر اور مذاق خدمت قومی میں متعدد اساسی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ ہم چند اشارات پر اکتفا کریں گے اس سے زیادہ کی گنجائش اس مختصر مضمون کے تنگ دامن میں نہیں۔

دہلی کہ مرکز سلطنت ہے جو چیز نشر پذیر ہو اس میں اس قبلہ تعلیم و تلقین ملک کی آل انڈیا حیثیت عموماً و اصولاً ملحوظ رہنی چاہیئے۔ بلاشبہ دہلی کی بعض مقامی ضرورتیں بھی ہیں جن کی ذہنی ہمسائی کی بھی توقع بجا طور پر دہلی کا شہر و صوبہ اور اس کے ملحقہ دیہات و مضافات اس سے کر سکتے ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ اس سے پایۂ تخت ہندوستان کا عمومی ریڈیو پروگرام متاثر ہو۔ ان ذیلی خدمات کا اللہ کی آسانی سے صبح یا دوپہر کے لائحہ عمل سے مختصر کیا جاسکتا ہے۔

(۲) مرکزی پروگرام کی ہمہ گیری سے متعلق ہم جاپان کی ریڈیو سروس کی پالیسی سے چند اشارات لے سکتے ہیں۔ جاپان بیشمار گوناگون مذاہب اور کثیر التعداد بوقلموں بولیوں کی سرزمین ہے۔ مذاہب کی کثرت تو کسی ڈش شنتو کی وحدت میں گم ہوگئی ہے اور زبانوں کی علیحدہ نیرنگی کا یہ علاج کیا گیا ہے کہ ملک کی غالب زبان کو دارالسلطنت ٹوکیو کے وطنی ریڈیو پروگراموں کا واسطہ اظہار بنایا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک نہایت قلیل مدت کے اندر جاپان کے بعید ترین گوشوں تک آج تقریباً تمام و کمال ایک ہی زبان بڑی حد تک ایک ہی لب و لہجہ کے ساتھ رائج ہوگئی ہے۔ ریڈیو جاپان کے لئے اتحاد قومی و یکجہتی وطنی کا ایک تازہ پیام لایا ہے۔ آج اس کے حلقوم قومی سے ایک ہی آواز نکل رہی ہے خفیہ منچوریہ کے موقعہ پر اس لسانی ہمنوائی کا ایک قابل دید کرشمہ دیکھنے میں آیا ہے جب کہ ۷ کروڑ کی دنیا ایک واحد نظریہ و عزم کا مظہر بن کر رہ گئی تھی ہم اہل ہند اگر کسی قومی امتزاج زبان سے کام نہیں لے سکتے تو ریڈیو پروگرام کے مواد نشر کی یکرنگی ہم آہنگی تمدنی اور وطنی بیداری کے پیام کی یک نوائی کا دروازہ تو ہم پر بند نہیں ہے۔

(۳) عوام الناس بالخصوص عورتوں کیلئے جس حرارت جذبات کی ضرورت ہے وہ بحالات موجودہ ہمارے ریڈیو سٹیشن کے ذریعہ قابل حصول نہیں البتہ ہم عورتوں کے لئے محض عام تمدنی تعلیم اور درس کی صورت میں جو کچھ کر

(باقی اگلے صفحہ پر)

آٹھ آنے ماہوار ہے۔

خوشحالی کے دنوں میں تنگی کے لئے۔ صحت کے دنوں میں بیماری کے لئے اور جوانی کے دنوں میں بڑھاپے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور بچانا چاہیئے۔

ایک سیکنڈ کی بھول ساری عمر کا پچھتاوا لگا دیتی ہے۔

(پچھلے صفحہ سے)

سکنے میں وہ اہمیت میں اول الذکر مقصد سے کسی طرح کم نہیں ہماری عورتیں اگر بیدار ہو جائیں تو سرگرم کار وہ خود ہو جائیں گی۔

عورت نے دماغ کو اگر ہم روشن کر دیں تو اس کے بعد ایک بیدار دل ایک جذبہ ... ترقی طلب ... وہ خود پیدا کر لیتی ہے۔ ایک نہایت تنگ ... سیاسی کے ماتحت روح نسوانی کو ... معصوم ... خطاب ... کافی ہوا ہے اور پھر اس کے جلال و جمال کو ... سے پناہ حاصل

کرنے کے لئے کوئی قانونی شکوہ اور کوئی تعزیری دام کافی نہیں ہوتا۔

سوال یہ ہے کہ ہمارا ریڈیو مرکز ہماری عورتوں کی خدمت کر سکے۔ بلکہ زیر زمین دنیا کے حشر اجساد کے لئے کوئی ایسی صدائے خاص "اپنی منتظر حوالات کی برتی" اداریئے کے درش پر ... کرتا ہے۔ جو اس ساز خاموش کے نازک تار کے لئے ایک مضراب کا کام دے۔

خاص طبقہ خواتین نے ہر سرزمین کی تاریخ بیداری و سربلندی کے جلوس میں ہمیشہ پرچم آزادی کا آتش ... بہم پہنچایا ہے انہوں نے اپنے مردوں کو اپنی نازک حنا آلود انگلیوں سے ...

پہنا کر میدان کارزار میں بھیجا ہے۔ اور بھاگتے ہوئے مردوں کی اپنے کیمپ کے زنانہ خیموں کی چوبوں سے مار مار کر سرکہ جدال و قتال میں واپس کیا ہے اور جو پاؤں جنگ گاہ سے اکھڑ گئے تھے انہیں جنگین قلعوں کے مفتوحہ برجوں کا پرچم تسخیر بنا دیا ہے۔ ہم اپنی عورتوں کی جوانی ہستی کو اپنے گھروں کے تند کھوہ بنا رہے ہیں اور اس کے وجود کے انسانی بلکہ ملکوتی مصرف کو فنا کئے دے رہے ہیں۔ کاش میں دوسرے انسانی تعلیمی کی ... اور ریڈیو پروگرام کی ترقی سرعت کے ساتھ

(از جناب نند کشور نشتر محمود آبادی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

ماسٹر: (جغرافیہ پڑھانے کے سلسلہ میں) یہ بتاؤ موسم کیوں بدلتے رہتے ہیں؟

ایک طالب علم: تاکہ ایک ہی موسم سے جی نہ اکتا جائے۔

خریدار: میں ان آرائشی چیزوں پر فضول خرچی نہیں کروں گا۔

دوکان دار: تو یہ کفایت شعاری سکھانے والا ایک سیونگ بکس ہی خرید لیجئے۔

وکیل: میرے محنتانہ کا روپیہ پیشگی کسی دیانتدار شخص کے پاس جمع کر دو۔

موکل: میں سمجھ گیا کہ معاملہ بے جان ہے۔ اس لئے اب مقدمہ ہی دائر نہ کروں گا۔

ایک جیب کترا: میں نے سرائے میں ایک اونگھتے ہوئے آدمی کی گرہ کاٹ لی۔

دوسرا: اجی یہ کیا؟ میں نے تو سر بازار دو لڑتے ہوئے آدمیوں کی جیبیں کتر لیں۔

رشوت خوار اہلکار: میں نے تمہارا کام بنا دیا۔ پھر تم نے یہ کھوٹا روپیہ میری جیب میں کیوں ڈالا؟

رشوت دہندہ: تاکہ تم بھی اس سے میری ہی طرح فائدہ اٹھاؤ۔

قمار باز: براہ عنایت مجھے ۵۰ روپے قرض دیجئے۔

مہاجن: کیوں میں بھی انہیں کسی داؤں پر لگا دوں گا۔

مجسٹریٹ: کیا ثبوت ہے کہ تم بے گناہ ہو؟

ملزم: حضور میرا کوئی گواہ نہیں اور خدا حاضر و ناظر ہے۔

فلاسفر: تمام ذی روح یکساں طور پر خدا کی مخلوق ہیں۔

دیہاتی: مگر یہ تو بتایئے کہ ہمارے زمیندار صاحب کو کس نے بنایا ہے

استاد: اندھی تقلید کے کیا معنی ہیں۔

شاگرد: ہر بلا چون و چرا استاد کا حکم مانتے رہنا۔

معززین اور صنعتِ فلمسازی

(از مسٹر فلم کسا بی۔اے)

یہ ضروری نہیں ہے کہ اس صنعت میں جو بھی داخل ہو وہ خراب ہو جائیگا۔ میرا خیال ہے کہ نیک خصلت آدمی فلمسازی کے ماحول میں رہکر بھی ایک صاف ستھری زندگی بسر کر سکتا ہے۔ گو آپ کے لئے آزمائشیں جا بجا موجود ہوں گی۔ ستھری زندگی بسر کرنا فلمی کارکن کے اپنے اختیار کی بات ہے۔ اگرچہ اس کے لئے مجبوریوں اور آزمائشوں کا ایک جال بچھا ہوگا۔ مگر اس کے خیالات کا جہاں تک تعلق ہے آزاد ہوں گے۔ اور اگر انسان چاہے تو خیال کو ناپاکی سے ضرور بچا سکتا ہے۔ انسان نے اب اتنا تجربہ ضرور حاصل کر لیا ہے کہ ضمیر کی آواز کو پہچان سکے۔ نیک اور بد۔ روشنی اور اندھیرے میں تمیز کر سکے۔ پھر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اگر انسان کوشش کرے تو کیوں نہ اچھی زندگی گذار سکے۔

معززین کے لئے صنعت فلمسازی میں جانا از حد ضروری ہے لیکن وہاں کے حالات دیکھ کر شریف آدمیوں کی ہمت نہیں ہوتی۔ نہ تو گھر والے فلمی زندگی کی تائید کرتے ہیں اور نہ فلمی اداروں کی طرف سے معزز و تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے کوئی خاص ترغیب ہے۔ پھر بھی تعلیم یافتہ اور معزز طبقہ آہستہ آہستہ صنعت فلمسازی میں اپنا رسوخ حاصل کرتا جا رہا ہے۔

اسوقت ہمارے نگارخانوں میں جاہل یا آدھے جاہل ایکٹرس اور ایکسٹرا لیبوں کی کھیپ دکھائی دیتی ہے۔ ان لوگوں کو تعلیم کر خیر مل ہی نہیں۔ تربیت سے بھی خالی ہوتے ہیں اور جہاں ایسا ناجائز مجمع ہو وہاں برائیوں کا پیدا ہونا قدرتی بات ہے۔ بدی ہمیشہ چمکدار اور لذیذ ہوتی ہے اس لئے اس میں کشش بھی زیادہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ نگارخانے روز بروز "آتشیں جلم گناہ" بنتے چلے جا رہے ہیں اور معززین کا ان سے گریز کا حق بجانب معلوم ہوتا ہے مگر میرا خیال ہے کہ جب تک معزز اور تعلیم یافتہ طبقہ نگارخانوں میں نہیں آتا حالات درست نہیں ہو سکتے مگر تعلیم یافتہ طبقے نے اب اس طرف توجہ کرنی شروع کر دی ہے لیکن ابھی اس کی رفتار سست ہے۔ تعلیم یافتہ اور سنجیدہ افراد اگر نگارخانہ میں موجود ہوں تو گندے اور بیہودہ لوگوں کے لئے خود بخود ایک پیام موت آ جائے۔

بس ضرورت اس امر کی ہے کہ جانے والے خود اسی رنگ میں نہ رنگے جائیں بلکہ اپنی اخلاقی چٹان پر پیر جمائے کھڑے رہیں پھر کوئی چیز ان کے قدم نہیں ڈگمگا سکیگی۔ تعلیم یافتہ لوگوں کے سلجھے ہوئے اور ستھرے مذاق اور بلند معیار زندگی کے سامنے گندی ذہنیتیں پست ہو کر رہ جائیں گی۔

انسانوں کی صحبت اور اچھی تربیت سے تو جانور بھی سیکھ جاتے ہیں۔ جانوروں کی عادتیں بدل جاتی ہیں۔ اور پھر انسان تو انسان ہے۔ اگر ہر طرف اخلاق اور ستھری زندگی کا پرچار ہو شروع ہو جائے تو نگارخانوں کے برے جراثیم خود بخود مر جائیں گے اور اپنا رستہ کسی اور طرف بنائیں گے۔ انسان میں قدرتی طور پر ایک قوت سمجھنے کی دی گئی ہے۔ جب ساتھ کے کام کرنے والوں کو لوگ ستھری زندگی بسر کرتے دیکھیں گے تو برے لوگ خود بخود کچھ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور یہ سوچ ان کے لئے یقیناً ایک انقلاب کا باعث ہوگی۔ وہ اپنی حالت یا تو سنبھال لیں گے یا ایک اجنبیت سی محسوس کر کے اپنا راستہ لیں گے۔ ان میں ضرور اپنی عزت آپ کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔

نگارخانوں میں سوشیل تعلقات بڑھانے۔ کیول کود اور عام تفریحات کا اچھا اور معقول انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک معزز بڑی تنخواہ کا ایکٹر یا ایکٹرس جس کے پاس موٹر کار ہے اور روپیہ ہے اپنا دل بہلانے کے لئے جا سکتی ہے مگر معمولی کم تنخواہ کے ملازمین فلم کے لئے بھی آخر تفریح اور آرام کی ضرورت ہے۔ دن بھر کے تھکا دینے والے کام کے بعد یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ انسان کچھ تفریح کرے اور اسکے لئے نگارخانوں میں شاذ ہی کوئی انتظام ہوتا ہے

اگر نگارخانہ کے احاطہ میں کوئی تالاب ہو تو لوگ نہا سکتے جی بہلائیں۔ کھیل کے میدان ہوں تو کھیلیں اور ورزش کریں۔ ٹینس۔ بیڈمنٹن کے گھاٹ بنے ہوئے ہوں تو اندر بیٹھ کر میز پر کچھ کھیلیں۔ کھائیں۔ پئیں اور تبادلۂ خیال کریں۔ اس طرح فلمی اداکاروں کی صحت و توانائی اور بشاشت بہت ترقی کر سکتی ہے۔ اور وہ ہر وقت نگارخانے سے محبت کرنے والے اور ہر دم تیار۔ بشاش اور سرور رہنے والے کارکن ہو جائیں گے۔ کھلاڑی پن کی اسپرٹ ان میں رواداری کا جذبہ ضرور پیدا کر دے گی۔ آپس کی جلن۔ حسد۔ ایک دوسرے کی نکتہ چینی اور عیب جوئی کی عادت جاتی رہے گی۔ اور وہ ایک دوسرے سے زیادہ قریب آ جائیں گے۔

ہفتہ کی اہم مختصر خبریں

دفتر جنگ میں سرکاری طور پر اطلاع ملی ہے کہ جاپان کی فوج کے مشرقی حصے کا جواب دینے کے لئے حکومت چین میں بڑی تعداد میں فوج تیار کر رہی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ چین کا رسالہ نمبر ۱۳ و ۲۹ بڑا سپاہ پر مشتمل ہے۔ چنگ میں پہنچ گیا ہے جو کہ تو پی کے بالکل قریب ہے۔ رسالہ نمبر ۳۷ اور رسالہ نمبر ۳۸ تو پی میں داخل ہو گئے ہیں۔

ممبئی کی کانگریسی وزارت نے گورنمنٹ ہاؤس میں حلف وفاداری اٹھایا۔ اس کے بعد تمام وزیروں نے گورنمنٹ سکریٹریٹ کا معائنہ کیا۔

جرمنی اور اطالوی لوگ تیار ہی حکومت اسپین کو شکست دینے کے لئے نہیں بلکہ بحری اور بندرگاہوں کی حفاظت کرنے کے لئے یہاں آئے ہوئے ہیں تاکہ برطانیہ اور فرانس جیسی دوسری حکومتیں ان پر قبضہ نہ کریں۔ ان الفاظ میں مسٹر ... نے ایک کثیر الاجتماع پبلک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے اظہار خیال کیا جو یہاں جنگ کے آغاز کی سالانہ تقریب کے موقعہ پر ہوا۔

مسٹر ... نے دارالعوام میں کہا کہ کوئی قوم نہیں چاہتی کہ ... پین یورپ کی جنگ بن جائے لیکن اگر اب تو موں نے ایک ایسی تجاویز پر یکجہتی سے تعاون نہ کیا جو سب کو منظور ہے تو وہ عالمگیر جنگ کے قریب تر پہونچ جائیگی

معلوم ہوا ہے کہ کسانوں کی امداد دینے اور تو می تعمیر کے محکموں کو مالی امداد دینے کے لئے پنڈت گووند بلبھ پنت چیف منسٹر یو۔پی زرعی آمدنی وغیرہ پر ٹیکس لگائیں گے پنڈت پنت ... سرکاری ملازموں سے پہلے ہی اپیل کر چکے ہیں کہ وہ موجودہ صورت حالات کی تجویز منظور کریں۔

کوئٹہ میں گذشتہ دو ہفتہ تک غیر معمولی شدت کی گرمی پڑنے کے بعد بکثرت بارش اور زبردست ژالہ باری ہوئی جس سے بہت سی جھونپڑیوں کو نقصان پہونچا اور بہت سے مکانوں کی چھتیں اڑ گئیں، ڈاک خانہ۔ سول ہسپتال اور کئی نشیبی علاقے تھے بہ آب ہیں۔

ناناگر ... کے ہڑتالیوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں سمجھوتہ کی سفارشات پر غور کیا گیا جو مالکوں کی طرف سے پیش کی گئی تھیں اور یہ قرار پایا کہ سفارشات کو منظور نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ ... بخش ہیں اور ہڑتال جاری رکھی جائے۔

معلوم ہوا ہے کہ سرگردہ مسعودی ملکوں کے جو کہ ... نے حال ہی میں ... سے ملاقات کی اور حکومت برطانیہ کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

کہا جاتا ہے کہ ... موصوف نے یہ جواب دیا کہ وہ اپنے ساتھی کارکنوں وغیرہ اپنے ... سے مشورہ کئے بغیر جن کے نام نہیں بتائے جا سکتے سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ سمجھوتہ کے لئے تین ہفتہ کی مہلت دی جائے اور ... کی گارنٹی کی جائے۔

... کے قریب واقع ریاست ڈونگر پور سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ وہاں تین روز سے موسلا دھار بارش ہو رہی ہے اور گذشتہ ۴۸ گھنٹہ میں ۲۲ انچ بارش ہو چکی ہے۔ تمام گاؤں پانی میں ڈوب گیا ہے۔ اور گاؤں میں دس دس فٹ پانی کھڑا ہے۔ اور لوگ درختوں اور مکانوں کی چھتوں پر پناہ لے رہے ہیں۔

پوجیہ پنڈت مدن موہن مالوی جی ... ان کو ہردوار پہنچے۔ اسٹیشن پر گنگا سبھا کی طرف سے آپ کا استقبال کیا گیا۔ اسٹیشن سے آپ سیٹھ جگل کشور برلا ہاؤس میں تشریف لے گئے جہاں پر کہ آپ کے قیام کا پربندھ کیا ہوا تھا قریب ۴ بجے صبح آپ ہر کی پوڑیوں پر پدھارے اس سمے آپ نے گنگا پوجن کیا۔ ہر کی پوڑیوں پر ہی خود کمبھا کے ستیاگرہ کیا اور میونسپلٹی کے ناجائز قانون کو توڑا۔

آنریبل پنڈت گووند بلبھ پنت وزیراعظم یو۔پی جگی لال کملاپت جوٹ ملز کی ہڑتال کے سلسلہ میں کلکٹر کی دعوت پر لکھنؤ سے یہاں تشریف لائے، اسٹیشن پر مسٹر ... ڈسٹرکٹ

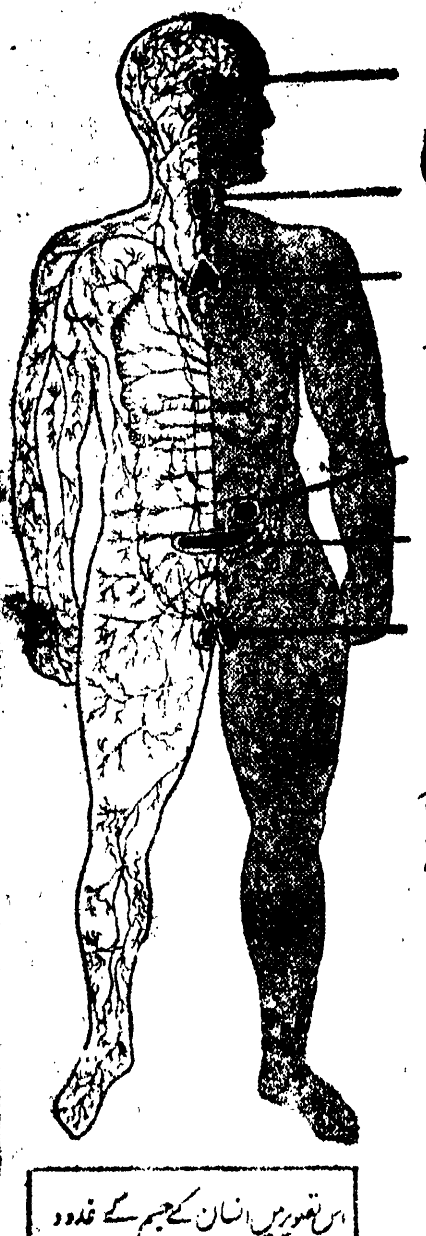
مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس نے انکا سواگت کیا۔ پنڈت گووند بلبھ پنت نے تھرڈ درجہ میں سفر کیا اور کانگریسیوں نے آپ کا پرجوش خیر مقدم کیا۔

آئرلینڈ کی پارلیمنٹ ڈیل نے مسٹر ڈی ویلرا کو ۵۳ ووٹ کے مقابلہ میں ۸۲ ووٹ کی زبردست اکثریت سے ... کر لیا

کونسل کے صدر منتخب ہو گئے۔

معلوم ہوا ہے کہ پولیس کے دو افسروں کو جھانسی، جالون، ہمیر پور کے مسلم دیہاتی حلقہ کے ضمنی انتخاب میں ... لینے کے الزام کی بنا پر معطل کر دیا گیا ہے اور حکومت یو۔پی عنقریب ہی ان کے خلاف تحقیقات کرے گی۔

بقائے جوانی



اس تصویر میں ان نسوں اور غدودیعنی (GLANDS) کی تصریح کی گئی ہے جو انسان کے جسم کے اہم جزو ہیں۔ اور انہی پر جوانی اور صحت و زندگی کا دارومدار ہے۔ جرمنی کے مشہور ڈاکٹر پروفیسر لاہوزن نے اپنی تحقیقات اور تجربات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان غدود کی حرکت کمزور ہونے سے جسمانی قوت زائل ہو جاتی ہے۔ اور قبل از وقت بڑھاپا آ جاتا ہے۔ عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں۔ مردوں کی طاقت اور صحت خراب ہو جاتی ہے،

سالہا سال کے تجربات کی بنا پر جرمنی کے مشہور ڈاکٹر لاہوزن نے

ایک بےنظیر دوا

اوکاسا

ایجاد کی ہے

اس تصویر میں انسان کے جسم کے غدود جن پر کل طاقت اور زندگی کا دارومدار ہے دکھائے گئے ہیں۔

اس لاثانی ایجاد کے صلہ میں ڈاکٹر لاہوزن کو دنیا کی ہر طبی نمائش میں سونے کے تمغے اور انعامات مل چکے ہیں۔ دل و دماغ کو طاقت دینے کے لئے اور جوانی کی طاقت برقرار رکھنے کے لئے اور مخصوص اعصاب کو قوی بنانے کیلئے

اوکاسا جیسی زود اثر اور بےنظیر دوا دنیا میں ابتک ایجاد نہیں ہوئی

اوکاسا کے استعمال کرنے کے بعد آپ جلد ہی یہ محسوس کر لیں گے۔ کہ زندگی۔ طاقت بشاشت اور تازگی میں کس قدر اضافہ ہوا ہے۔ خود تجربہ فرمائیے،

اوکاسا اشتعال انگیز یا گرمی کرنے والی دوا نہیں ہے۔ اس لئے اوکاسا ہر موسم میں قابل استعمال ہے۔ خرید کرتے وقت مردوں کے لئے اوکاسا (سلور) عورتوں کیلئے اوکاسا (گولڈ) طلب کیجئے

قیمت چھوٹا بکس ۱۲/۔ بڑا بکس ۱۰/۔ روپیہ

ہر بڑے دوا فروش کے یہاں یہ دوا ملتی ہے یا براہ راست

اوکاسا کمپنی برلن (انڈیا) لمیٹڈ۔ ۲۔ امپارٹرز پوسٹ بکس نمبر ۲۹۹ فورٹ بمبئی

دہلی برانچ:۔ اوکاسا ڈپو۔ پارک سنیشن۔ دہلی گیٹ دہلی

U.5

مچھر دانی

موسم گرما و برسات میں ایک بڑی نعمت ہے۔ قیمت ۳/۔ سائز ۴ ۳/۴ × ۶ ۱/۲ × ۴ ۱/۴ فٹ (چوڑائی لمبائی اونچائی)

(نوٹ) مورخہ ۱۹ جولائی کے اخبار تیج اور ۲۰ جولائی کے ویکلی ریاست میں اشتہار مچھر دانی میں بجائے فٹ کے گز چھپ گیا ہے۔ درست سائز مندرجہ بالا ہے۔

دہلی کلاتھ اینڈ جنرل ملز کمپنی لمیٹڈ دہلی

شریمتی پرما "دلاور" میں



جوک پکچر هاؤس میں چل رها هے



"افلاطون" کا ایک سین- نشاط ٹاکیز میں چل رها هے



"بهارت کا جیون" میں جوک سنٹرل ٹاکیز میں چل رها هے

Regd. ... No. 1617.

FAME AND FORTUNE

AT YOUR DOORS.

THE achievement of fame and fortune is the immediate aim of every Business Man,

IF you are one of the aspirants of these heavenly blessings send your message through the Krishna Number of the Tej to the millions of this Country.

IT will bring the fame and fortune at your doors.

FOR RATES AND PARTICULARS
PLEASE WRITE TO:—

B. N Gupta—*Advt. Manager.*

THE DAILY TEJ LIMITED, DELHI.

... by Dharampal Gupta at the Tej Press, Burn Bastion Road, Delhi.

ہندوستان کا بہترین باتصویر ہفتہ وار اخبار

SINGLE COPY 2 ANNAS

NO. 206 DELHI: 3RD AUG. 1937 V. NO. 5

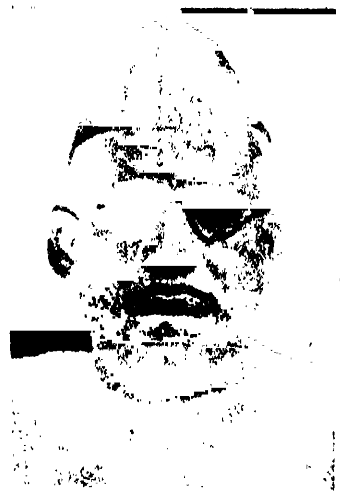
قیمت فی پرچہ دو آنے



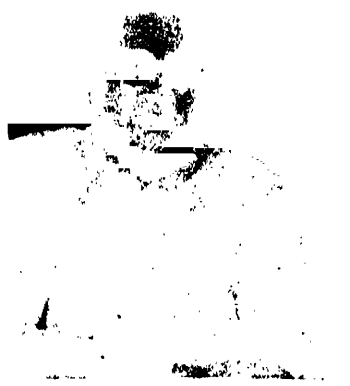
برسات میں اودے پور کا جگ مندر اور اُسکی جھیل کا منظر



آنریبل پنڈت پیارےلال شرما
آپ یو-پی- وزارت میں وزیرتعلیم بنائے گئے ہیں



آنریبل مسٹر سری کرشن سنہا
آپ بہار کے وزیراعظم بنائے گئے ہیں

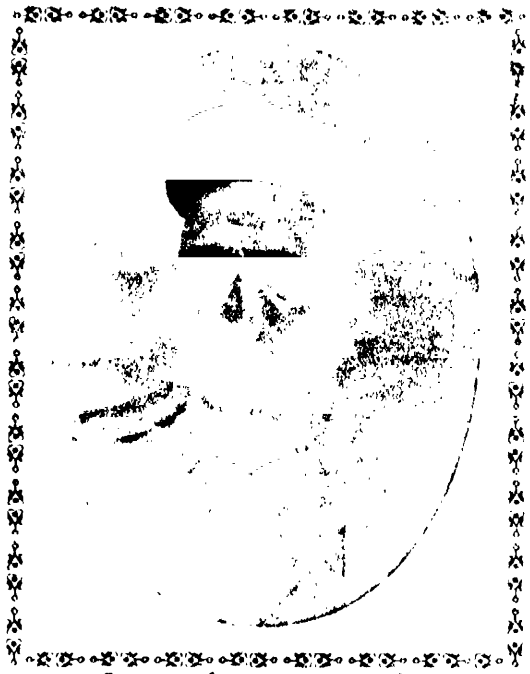


آنریبل سید نقی امام
آپ بہار کونسل کے ڈپٹی پریذیڈنٹ منتخب ہوئے ہیں



آنریبل بابو پرشوتم داس ٹنڈن
آپ یو- پی- اسمبلی کے سپیکر منتخب ہوئے ہیں

کماری اِندرا نہرو
اگلے ہفتہ کلکتہ میں آپکے گلے کی گلٹیوں کا آپریشن ہوگا



سورگیہ لوکمانیہ بال گنگادھر تلک
جن کی ۱۷ویں برسی یکم اگست کو تمام ہندوستان میں شان وشوکت کے ساتھ منائی گئی



مسز ہنسا مہتہ
آپ حکومت بمبئی کی پارلیمنٹری سکرٹری منتخب ہوئی ہیں



شاہ فاروق
آپ کو شاہی اختیارات حاصل ہونے کے بعد مصر کا آزاد بادشاہ تسلیم کیا گیا ہے



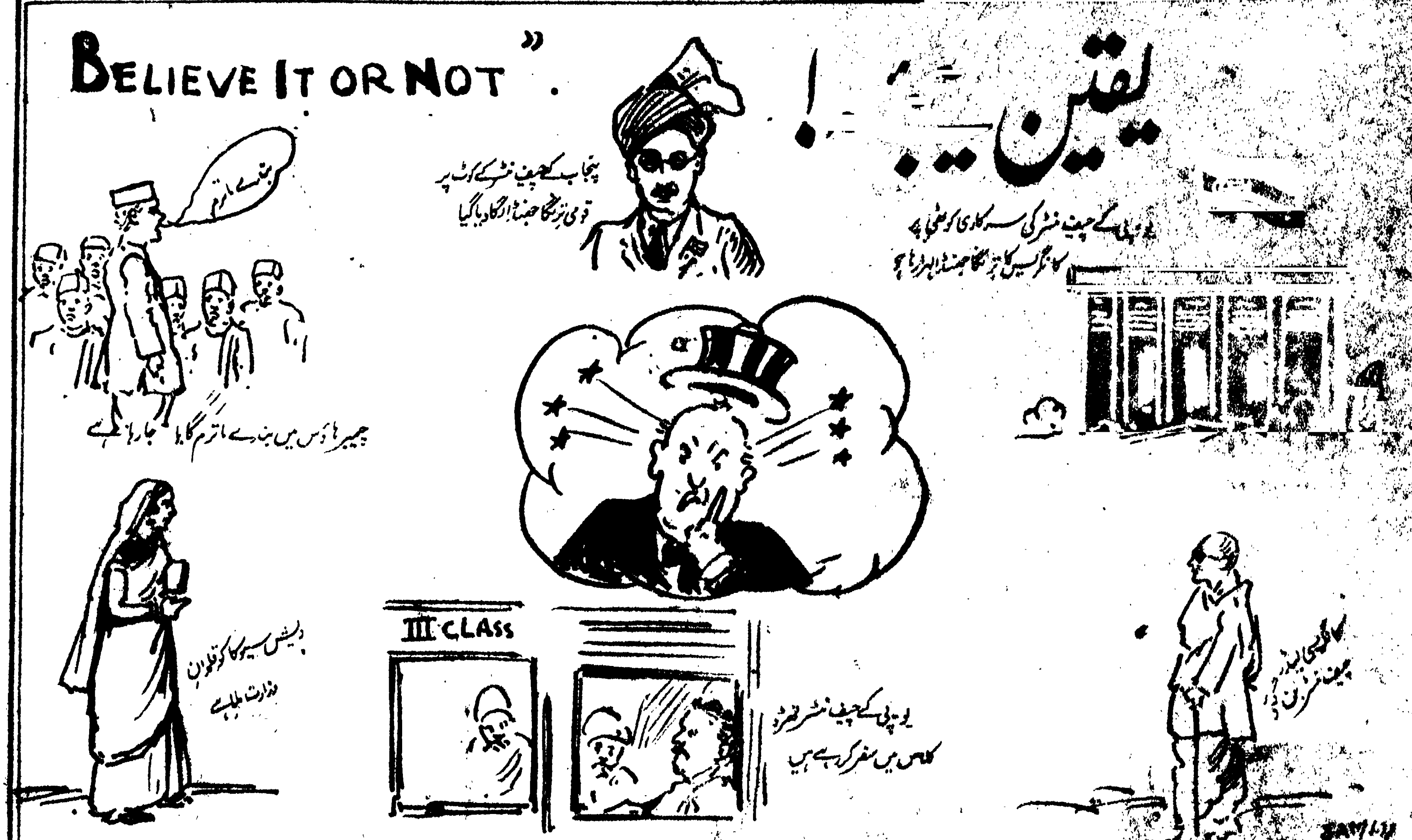
آنریبل سر سید رضا علی
ایجنٹ گورنر جنرل جنوبی افریقہ جو عنقریب اپنے عہدہ سے ریٹائر ہونے والے ہیں



آنریبل مسٹر فضل الحق
وزیراعظم بنگال
آپنے اسمبلی کے آس پاس وزارت کے خلاف کوئی مظاہرہ ممنوع قرار دیدیا ہے



لالہ باکالی مل رئیس
گذشتہ ہفتہ آپ کا سورگباش ہوگیا جس پر میونسپل کمیٹی دہلی نے تعزیتی ریزولوشن پاس کیا



آج کی خبریں

سودیشی ملز کانپور میں ہڑتال

کانپور ۳۰ جولائی۔ آج صبح سودیشی کاٹن ملز کے تقریباً پانچ ہزار کاریگروں نے کام چھوڑ دیا۔ اس طرح کانپور کے کپڑے کی ملوں کے ہڑتالیوں کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ملز میں گذشتہ چند مہینوں سے کشیدگی چلی رہی ہے۔ اور کئی موقعوں پر ہڑتال ہو چکی ہے۔ اس ہڑتال کا فوری سبب اجرتوں میں تخفیف اور کاریگروں کے ساتھ ناروا سلوک بتایا جاتا ہے۔ (ی۔پ)

یو۔پی کونسل کا انتخاب
مسٹر سیتارام صدر منتخب ہوئے

لکھنؤ ۳۰ جولائی۔ آج یو۔پی کونسل (اپر ہاؤس) کے صدر کا انتخاب تھا۔ چنانچہ پنڈت رما کانت مالویہ (کانگریس) کے مقابلہ پر دو ووٹوں کی زیادتی سے مسٹر سیتارام صدر منتخب ہو گئے۔ بیگم اعزاز رسول بلا مقابلہ ڈپٹی پریذیڈنٹ منتخب ہوئیں۔ (ی۔پ)

اسمبلیوں کے اسپیکروں کی میٹنگ

مدراس ۳۰ جولائی۔ معلوم ہوا ہے کہ صوبجاتی مجالس آئین ساز کے اسپیکروں اور پریذیڈنٹوں کی کانفرنس ۱۴ راگست کو مدراس میں منعقد ہوگی۔ ایک دو روز تک جملہ اسپیکروں اور پریذیڈنٹوں کو دعوت نامے جاری کئے جائیں گے۔ (ی۔پ)

ناگپور اسمبلی کا انتخاب
مسٹر گھنشام سنگھ گپت اسپیکر بنائے گئے

ناگپور ۳۰ جولائی۔ شری یت گھنشام سنگھ گپت (کانگریس) سی۔پی اسمبلی کے اسپیکر منتخب ہوئے جبکہ مسز انسویا بائی کالے ڈپٹی اسپیکر منتخب ہوئیں۔ شری یت گپت کو یونائیٹڈ پارٹی کے امیدوار مسٹر یوسف شریف کے مقابلہ پر ۵۰ ووٹ زیادہ ملیں۔ مسز کالے بلا مقابلہ منتخب ہوئیں۔ (ی۔پ)

"نواشکتی" کی ضمانت واپس

پٹنہ ۳۰ جولائی۔ وزیر اعظم بہار نے ایک مقامی ہندی اخبار "نواشکتی" کی ایک ہزار روپیہ کی ضمانت واپس کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ (ا۔پ)

دریائے پون پون کا پانی اُتر رہا ہے

پٹنہ ۳۰ جولائی۔ دریائے گنگا میں پانی چڑھ رہا ہے۔ مگر کسی خاص خطرہ کا باعث نہیں ہے۔ افسران متعلقہ پوری احتیاط کر رہے ہیں۔ بارش کی وجہ سے چھوٹا ناگپور میں کل دریائے پون پون اور سون میں جو طغیانی آگئی ہے وہ اب اتر رہی ہے۔ جس سے یہاں کے لوگوں کی بے چینی کم ہو رہی ہے۔ (ا۔پ)

آنریبل بابو پرشوتم داس کو خراج تحسین

لکھنؤ ۳۰ جولائی۔ قومی نعروں کے درمیان بابو پرشوتم داس ٹنڈن (کانگریس) یو۔پی اسمبلی کے بلا مقابلہ اسپیکر منتخب ہوئے۔ اور مسٹر عبدالحکیم جو حال ہی میں کانگریس پارٹی میں شریک ہوئے ہیں اتفاق رائے سے ڈپٹی اسپیکر مقرر ہوئے۔ انتخاب کے بعد تمام لوگوں نے بندے ماترم گاکیت گایا۔ اس کے بعد پنڈت گوبند ولبھ پنت وزیر اعظم۔ نواب چھتاری سابق وزیر اعظم۔ مسٹر خلیق الزماں لیڈر مسلم لیگ پارٹی۔ مہاراج کمار وزیانگرم اور مسٹر جوالا پرشاد سریواستو سابق وزراء نے اسپیکر کو خراج تحسین ادا کیا۔ (ا۔پ)

بار برداری کی سرکاری سکیم
ٹراونکور اسمبلی کا فیصلہ

ٹریونڈرم ۳۰ جولائی۔ ٹراونکور لیجسلیٹو اسمبلی نے آج بار برداری کی سرکاری اسکیم کے لئے پانچ لاکھ روپیہ کی رقم پاس کی ہے۔ حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ ٹریونڈرم سے راس کماری تک موٹر بسیں چلائی جائیں اور اس کے بعد اس سکیم کو زیادہ وسیع کر دیا جائے۔ سردست پچاس بسیں اور دس لاریاں رکھنے کا انتظام کیا جائے گا۔ (ا۔پ)

مسلم قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ
پنجاب کے مسلمانوں کا جلسہ

لاہور ۳۰ جولائی۔ بادشاہی مسجد میں یہاں کے مسلمانوں کا ایک عام جلسہ ہوا جس میں تحریک آزادی، سیاسی قیدیوں کی رہائی اور پریس کی ضمانتوں کی واپسی کے متعلق چھ صوبوں میں کانگریسی وزارتوں کے طرز عمل کی تعریف کی گئی اور اس کے پیش نظر حکومت پنجاب کے رویہ کی مذمت کی گئی کہ پنجاب میں ابھی تک سیاسی قیدی جیلوں میں بند ہیں۔ ایک ریزولیوشن کے ذریعہ مطالبہ کیا گیا کہ تمام مسلم قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ اور دیگر لوگوں کے خلاف مقدمات واپس لے لئے جائیں۔ (ا۔پ)

دو افغانی نظربندوں کی گرفتاری

نینی تال ۳۰ جولائی۔ سردار محمد سرور خان اور سردار محمد عمر خان افغانی نظربند آج گرفتار کر لئے گئے۔ نیز قانون شکنی کرنے کے الزام میں انہیں یورپین حوالات میں بند کر دیا گیا۔ (ا۔پ)

سونا بھیج گیا

بمبئی ۳۰ جولائی۔ آج بھی بمبئی سے یورپ کو ۲۴۰۹۱۵۹ روپیہ کا ... طلائی معیار کے ترک ہونے کے وقت سے ہندوستان سے خیرہ تا اگست ۱۹۳۷ء ۳۰۱۱۶۶ ... روپیہ کا سونا جا چکا ہے۔

(باقی صفحہ ... پر)

بنگال اسمبلی کانگریس پارٹی کی میٹنگ

وزرا کی تنخواہوں میں تخفیف کی تجویز

کلکتہ ۳۰ر جولائی۔ اطلاع ہے کہ آج شب کو بنگال اسمبلی کی کانگریس پارٹی کی ایک خاص میٹنگ میں اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ وزرا کی تنخواہوں کے بل میں ایک ترمیم پیش کی جائے کہ وزرا کو پانچ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ اور کار الاؤنس اور موٹر الاؤنس ملا کرے اس کے علاوہ اسپیکر اور پریذیڈنٹ بھی پانچ سو روپیہ ماہانہ لیا کریں۔ ممبران کی بابت بھی ایک ترمیم پیش کی گئی کہ وہ بھی کوئی تنخواہ نہ لیں بلکہ پرانے رواج کے مطابق روزانہ الاؤنس اور سفر خرچ لیا کریں۔ اس کے علاوہ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ التوا اجلاس کی تحریک بھی پیش کی جائے۔ تاکہ جزیرہ انڈمان میں سیاسی قیدیوں کی بھوک ہڑتال سے پیدا شدہ صورت حالات پر غور کیا جا سکے۔ (ا۔پ)

قومی جھنڈے کی سلامی

لالہ دیش بندھو جی کی تقریر

دہلی یکم اگست۔ آج سویرے ساڑھے سات بجے تیج پریس کے سامنے میدان میں تلک ڈے کے سلسلہ میں لالہ دیش بندھو گپتا ممبر پنجاب اسمبلی نے قومی جھنڈا لہرانے کی رسم ادا کی۔ حاضرین کی تعداد معقول تھی۔ سب سے پہلے بندے ماترم کا قومی گیت گایا گیا۔ بعد ازاں لالہ دیش بندھو جی نے سوراج اور تلک ڈے کے سلسلہ میں ایک مختصر مگر موثر تقریر فرمائی۔ اس کے بعد مسٹر رام لال ودیا ایڈیٹر تیج نے ایک تقریر کی اور کاروائی ختم ہو گئی۔

گاندھی جی کی صحت

واردھا ۳۰ر جولائی۔ واردھا کے مکمل آرام کے بعد گاندھی جی کی صحت اب پہلے سے بہت اچھی ہے۔ (ا۔پ)

بمبئی وزارت کا استقبال

بمبئی ۳۰ر جولائی۔ بمبئی کی مختلف سیلا انجمنوں کی طرف سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ مادھو باغ میں بمبئی کی کانگریسی وزارت کا استقبال کیا جائے۔

تازہ تجارتی سماچار

بمبئی ہند بازار

بمبئی ۳۰ر جولائی

چاندی حاضر ۰-۱-۵۲ اگست ۰-۲-۵۲ سو تولہ
ستمبر ۰-۳-۵۲ سو تولہ
بازار خاموش تھا۔

سونا حاضر ۳-۸-۳۴ فی تولہ
ر ر دوسرا وعدہ ۳-۷-۳۴ فی تولہ
بازار خاموش تھا۔

اجناس

گندم ستمبر ۶-۸-۵ جنوری ۳-۱۴-۴ فی من
السی ستمبر ۹-۲-۸ مئی ۰-۱۴-۷ ر

ہوائی ڈاک کی روانگی

کراچی ۳۰ر جولائی۔ بمبئی کا ہوائی ڈاک جہاز یہاں تک آنے میں دیر ہو گئی تھی آج بعد دوپہر یہاں پہنچ گیا۔ ڈاک کو سمندری جہاز کے ذریعہ بھیجنے کا خاص انتظام کیا گیا ہے۔ تاکہ وہ اسکندریہ میں افریقہ اور یورپ کی ڈاک کے ساتھ ملا دی جائے۔ (ا۔پ)

سردار پٹیل احمد آباد کو

بمبئی ۳۰ر جولائی۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل پریذیڈنٹ آل انڈیا کانگریس پارلیمینٹری سب کمیٹی آج شب کو احمد آباد جا رہے ہیں تاکہ وہاں گجرات پراونشل کانگریس کمیٹی کی میٹنگ میں شریک ہو سکیں۔ آپ چار روز کے قیام کے بعد بمبئی کو واپس آ رہے ہیں۔ (ر)

تل ۰-۴-۹ ارنڈی ۶-۵-۷ ر
بنولہ ۰-۷-۷ کھوا ۰-۴-۵ ر
مونگ پھلی کھر ۱۲-۷ خاندیش ۰-۱۴-۷ ر

روئی

جاپانی سوت کے سودہ سے بازار مندہ کھلا۔ بعد ازاں والوں کی خرید اور شارٹ والوں کی لیوالی سے بھاؤ بڑھے آخر معمولی تھے۔

بھڑوچ جولائی اگست ۰-۰-۱۹۲ فی کنڈی
ر اپریل مئی ۰-۴-۲۰۴ ر
اومرا دسمبر جنوری ۰-۸-۱۸۶ ر
بنگال دسمبر جنوری ۰-۱۲-۱۵۴ ر

لندن صرافہ

لندن ۳۰ر جولائی

پنس۔ شلنگ۔ پونڈ

سونا حاضر فی اونس ½۸-۱۹-۶
چاندی حاضر فی اونس ۱/۱۶ ۲ پنس

معمولی بکوالی تھی سپلائی کم تھی بازار خاموش پر مضبوط ہے۔

لیورپول گیہوں

لیورپول ۳۰ر جولائی

بازار مضبوط کھلا اکتوبر ۷ ۱۱ اور دسمبر ۷ ۱۱ شلنگ پر بدیشی ڈیلروں کے مضبوط ہونے سے ہلکی لیوالی پر بھاؤ مضبوط رہے۔ جہازوں کی آمد کے کام سود معمولی تھے۔

پٹنہ کا حادثہ

۶۰ آدمی ابھی تک ہسپتال میں ہیں

پٹنہ ۳۰ر جولائی۔ پٹنہ کے حادثہ کے زخمیوں میں سے ساٹھ آدمی ابھی تک پٹنہ جنرل ہسپتال میں ہیں ان میں چار کی حالت نازک ہے۔ باقی رو بصحت ہیں (ر۔پ)

حشرِ جذبات

(از جناب پروفیسر رگھوپتی سہائے فراقؔ ایم، اے گورکھپوری)

خیالِ مرگ کب تک زندگی کا دردِ سر کب تک
یہ مانا صبر کرتے ہیں محبت میں مگر کب تک؟

ہمارے درد کا ہوتا ہے خود ہم پر اثر کب تک
اترتا ہے جگر میں دیکھیے یہ نیشتر کب تک؟

یہ سر گردانیاں کب تک طوافِ دربدر کب تک
ترے شوریدہ سر آخر رہیں شوریدہ سر کب تک؟

نظامِ دہر بدلے، آسماں بدلے، زمیں بدلے
لئے بیٹھا رہے کوئی نیاتِ بے اثر کب تک؟

اسیرانِ ستم نے اور ہی کچھ سوچ رکھا ہے
کریں آخر بسر بھی کرنے والے یوں بسر کب تک؟

کسی پر مہرباں ہوتے ہیں لیکن یوں نہیں ہوتے
سراسر لطف کے پردے میں جورِ سر بسر کب تک؟

یہ دورِ آسماں ہے تو محبت لاکھ بڑھنے دے
مگر یہ بیخودی، یہ دردِ دل، یہ چشمِ تر کب تک؟

گریباں چاک کر، منہ موڑ لے صحنِ گلستاں سے
کہ زیرِ آسماں یہ منظرِ رقصِ شرر کب تک؟

خیالِ زلف و رخ اے اہلِ زنداں ہوش میں آؤ
دیارِ حسن کی یہ شام کبتک یہ سحر کب تک؟

وبالِ دوش سی کچھ ہو چلے ہیں ان فضاؤں میں
مری پرواز میں حائل رہینگے بال و پر کب تک؟

کہاں کا وصل و فرقت عشق ہے بس منتظر اس کا
حجابِ حسن بڑھکر حسن کا ہو پردہ در کب تک؟

مٹایا جائے گا دل کوئی کبتک نرم نظروں سے
چلایا جائے گا کوئی یہ تیرِ بے ضرر کب تک؟

دیارِ دوست، حاجت ہوتی ہے یوں بھی دل بہلنے کی
نہ یاد آئیں غریبوں کو تری دیوار و در کب تک؟

کسی کا حسن رسوا ہو گیا پردے ہی پردے میں
نہ لائے رنگ آخر کار تاثیرِ نظر کب تک؟

عنایت کی، کرم کی، لطف کی آخر کوئی حد ہے
کوئی کرتا رہے گا چارۂ دردِ جگر کب تک؟

نگاہِ کارگر بھی مبتلائے بے خبر نکلی!
نہ جانے ہو چکے گا خونِ دل خونِ جگر کب تک؟

تری تاثیرِ پنہاں کے نشاں اب دیکھنا یہ ہے
نگاہِ مست تیرے بیخبر ہوں باخبر کب تک؟

جہانستانِ عالم میں بھی کیا عالم نکلتا ہے
رہے اس پردۂ رنگیں میں حسنِ پردہ در کب تک؟

نگاہِ شوخ اس کی داستاں در داستاں نکلی
امید و بیم کا عالم یہ قصۂ مختصر کب تک؟

نویدِ طاقتِ پرواز لائی ان کی مجبوری!
تہِ بے بال و پر آخر رہیں بے بال و پر کب تک؟

حجابِ ناز اگر ہیں جلوۂ مہر و مہ و انجم
نظر کو روکے رکھیں ہم بھی تا حدِ نظر کب تک؟

یہ آہِ سرد کیا غافل نگاہِ گرم پیدا کر
نہ ہوگا ہستیٔ افسردہ پر آخر اثر کب تک؟

سکوتِ عشق میں ہنگامہ زارِ زندگی گم ہو
کریں رودادِ غمہائے نہانی مختصر کب تک؟

فراقؔ اب روکشِ ہوش اس جنونِ عشق کو کر دیں
رہیں شوریدہ مو آشفتہ سر حیراں نظر کب تک؟

افکارِ عالیہ

(از حضرت آغا شاعر دہلوی)

(خاص ریاست بیجر ویکلی کے لئے)

ناکامیوں میں کوئی نہ کوئی تو راز ہے
مایوس کیوں ہوں میں کہ خدا کارساز ہے

میری بھی سن لے، دامنِ رحمت دراز ہے
بندہ نیاز مند ہے تو بے نیاز ہے

لایا ہوں سی کے پھر جگرِ زخم زخم کو
پھر اُن کو اپنی نیم نگاہی پہ ناز ہے

اپنے میں دیکھتا ہوں تصور سے یار کو
محمود آج آپ ہی اپنا ایاز ہے

جس شکل کو وہ چاہے تنفس سے ڈھال لے
خالق ہر اک خیال کا آئینہ ساز ہے

مانا کہ پاک صاف ہے، دل بھی تو پاک ہو
زاہد خدا کے واسطے، یہ کیا نماز ہے

محبوب کو بلا لیا، موسیٰ سے کھنچ گئے
شاعر یہی تو شوخیٔ ناز و نیاز ہے

کیا غرض؟

(از جناب حکیم آزاد انصاری)

شکوۂ جور و جفا سے کیا غرض
کیا غرض اک بیوفا سے کیا غرض

اب کوئی امید ہی دل میں نہیں
زحمتِ بیم و رجا سے کیا غرض

دل جہاں بہلے وہی گلزار ہے
باغ و گلشن کی فضا سے کیا غرض

مجھ کو اپنی زندگی دوبھر نہیں
التفاتِ جانفزا سے کیا غرض

آپ کے ارماں بھی تھوڑے نہیں
جستجوئے ماسوا سے کیا غرض

آپ کی حسرت بھی ناکافی نہیں
خواہشِ ہر دوسرا سے کیا غرض

اب سراپا مدعا ہوں اب مجھے
عرضِ حالِ مدعا سے کیا غرض

آپ تکمیلِ ستم فرما لیئے
آپ کو خوفِ خدا سے کیا غرض

حضرتِ آزاد ہم کہتے نہ تھے
پارسایانہ ریا سے کیا غرض؟

یورپ میں جپسی قوم!
جپسی موسیقی کا حیرت انگیز اثر

(از مسٹر پیارے لال)

جپسی (GIPSY) قوم جو کہیں ایک جگہ پر قیام نہیں کرتی، اور اپنی زندگی خانہ بدوشی میں بسر کرتی ہے، دنیا کے ہر حصہ میں پائی جاتی ہے۔ ہندوستان میں بھی اکثر ان کے چھوٹے چھوٹے قافلے ادھر سے ادھر پھرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ دس پندرہ دن ایک شہر میں رہے، پندرہ دن دوسرے قصبہ یا گاؤں میں گزارے اور اس کے بعد پھر چل کھڑے ہوئے ان کی زندگی کا سارا سامان ان کے ساتھ ہوتا ہے اور ساتھ ہی منتقل ہوتا رہتا ہے۔

اس قوم کی اصل آج تک کسی کو معلوم نہیں ہوئی مورخوں کی رائے ہے کہ جپسی نسل کی صحیح تاریخ کہیں نہیں پائی جاتی اور ان کی مخصوص زبان کے متعلق معلومات بھی اب تک پردہ راز میں ہیں۔ کسی دوسری زبان سے اس کا لگاؤ نہیں پایا جاتا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جپسی دراصل اجپسی یا اجپشی تھا ایجپٹ (EGYPT) مصر کا نام ہے اس لئے جپسی قوم بھی قدیم مصری قوم کی ایک خانہ بدوش شاخ ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سامی قوم ہے، اور اس کے قدیم آبا و اجداد کا اب کہیں پتہ نہیں ہے۔

پندرھویں صدی کی ابتدا میں جپسی قوم کی بعض جماعتیں سیر و سیاحت کرتی ہوئی یورپ میں داخل ہوئی تھیں یورپ کے متعدد ممالک میں ان کا وجود اب تک پایا جاتا ہے بہت کوشش کی گئی کہ ان لوگوں کو متمدن کر کے انہیں کسی جگہ پر مستقل قیام کرنے اور شہری بننے کی عادت پیدا کی جائے لیکن کامیابی نہ ہوئی چوری کرنا پیشین گوئی کرنا، اور گانا بجانا اور بھیک مانگنا ان کا اصلی پیشہ سمجھا جاتا ہے، ان میں بہت سے توہمات اور کالے جادو وغیرہ کی رسمیں پائی جاتی ہیں۔

یوں تو یورپ کے ہر ملک میں جپسی جماعت موجود ہے اور اپنی مخصوص قسم کی عجیب و غریب پوزیشن رکھتی ہے مگر ہنگری میں ان کی حیثیت نے بالکل علیحدہ صورت اختیار کر لی ہے کہا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں جپسی جماعتیں ترکی کی راہ سے ہنگری میں داخل ہوئیں اور ان کے ساتھ موسیقی کے وہ سامان تھے جو انہوں نے اپنی خانہ بدوشی اور سفر کے دوران میں بعض دوسرے ممالک سے اخذ کئے تھے اس وقت جو ساز ان کے استعمال میں ہیں اس کو "ٹیرو گیٹو"۔ "متورین" "سمبادم" وغیرہ کہتے ہیں، یہ تمام ساز جب ملکر بجائے جاتے ہیں تو جپسی موسیقی کا لوگوں پر ایک عجیب حیرت انگیز اور پراسرار اثر پڑتا ہے،

جپسیوں نے اب اپنے ساز موسیقی میں سارنگی، بیلا اور "باس" بھی شامل کر لیا ہے،

اس مضمون کو قلمبند کرنے کی تحریک مجھے اس امر سے ہوئی کہ اس سال جپسیوں نے ہنگری میں اپنے ورود کی پانچسو سالہ برسی منائی ہے اور یہ عجیب و غریب تہوار یورپ کے تعلیم یافتہ موسیقی کی بڑی دلچسپی کا باعث بنا ہوا ہے جپسی موسیقی کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا یہ حال ہے کہ ہنگری کے باشندوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں داخل ہو گئی ہے، اور اس ملک سے خود جپسیوں کو بھی ایک ایسا روحانی تعلق سا ہو گیا ہے کہ اب وہ لوگ دار السلطنت کے باہر ایک محلہ میں رہنے لگے ہیں اگرچہ ان میں ابھی کسی جگہ ٹھہر جانے اور شہریوں کی طرح مستقل قیام کرنے کی عادت پیدا نہیں ہوئی ہے تاہم یہ محلہ ایسا ہے جہاں ہر وقت جپسی جماعتیں اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتی ہیں اور یہیں سے لوگ ان کو گانے اور ناچنے کے مواقع پر طلب کر لیتے ہیں،

اب ہنگری میں کوئی شادی، کوئی تقریب اور کوئی رسم ایسی نہیں ہوتی جس میں جپسی موسیقی شامل نہ ہو جپسی بینڈ کے بغیر کوئی سیاسی بہر و گھپلا بھی مکمل نہیں ہوتا، کوئی خود دار لڑکی اس وقت تک اپنے عاشق اور امیدوار شادی سے مطمئن نہیں ہو سکتی جب تک چاندنی رات میں کوئی جپسی گانا اس کی کھڑکی کے نیچے نہ گایا جائے، اور اس کا عاشق کسی جھاڑی میں چھپا ہوا یہ نہ دیکھے کہ اس کی محبوبہ کھڑکی پر ایک شمع جلا کر اس کی محبت کا خیر مقدم کر رہی ہے،

ہنگری میں شاہانہ "بال روم" سے لیکر غریب جھونپڑوں تک ہر جگہ جپسیوں کا گانا ہوتا ہے،

کہا جاتا ہے کہ ہنگری کا جپسی جب "متورین" یا بیلے کے تاروں کو چھیڑتا ہے تو اسی ضرب سے وہ ساز دل کے تاروں کو بھی چھیڑ دیتا ہے، جپسی موسیقی کا براہ راست دل پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ سننے والوں پر ایک بیخودی اور مدہوشی طاری ہو جاتی ہے یہی سبب ہے کہ محبت کے بعض ہیروؤں میں کبھی کبھی خود کسی جپسی ہی کو داخل ہونا اور پارٹ کرنا پڑتا ہے اور ہنگری کی بعض لڑکیاں جپسی گانے والے ہی پر فریفتہ ہو جاتی ہیں اس سلسلہ میں ایک سب سے بڑا اور مشہور واقعہ جپسی بینڈ لیڈر جانسی ریگو کا ہوا تھا جس پر بلجیم کی ایک مشہور دولتمند شہزادی جو کروڑوں پونڈ کی مالک تھی عاشق ہو گئی تھی اس کا نام کلیرا تھا جس نے اپنے شوہر سے طلاق لے لیا۔ اور ریگو کے ساتھ فرار ہو گئی۔ دوسرا مشہور واقعہ جپسی ماہر موسیقی جانوف نیدی کا تھا جس نے پولینڈ کے اعلیٰ ترین خاندان کی ایک لڑکی کا دل اپنی محبت میں مبتلا کیا اور اس سے شادی کی،

مشرقی یورپ میں "ولایاتِ متحدہ" کا قیام

آئندہ عالمگیر جنگ میں بلقانی ممالک کی اہمیت!

{ از مسٹر جارج — ترجمہ از خنیدؔ موہن }

پچھلے دنوں مشرقی یورپ کی ڈپلومیٹک کارروائیوں کے باعث چھ ممالک کی ایک مضبوط جماعت قائم کی گئی ہے جو جنگ کی حالت میں ایک ہی مرکزی ملیٹری کمانڈ کے تحت میں کام کرے گی اور اگر کوئی دوسری حکومت ان میں سے کسی ملک پر حملہ آور ہوگی تو یہ اتحادی طاقت اس کی دست درازیوں کو فوراً روک دیگی۔ ان چھ ممالک کا مجموعی رقبہ ۷۵۰،۰۰۰ مربع میل ہے، آبادی ۱۰۳،۰۰۰،۰۰۰ ہے، فوجیں ۳۳۴،۰۰۰،۷ سپاہیوں پر مشتمل ہیں، ہوائی جہاز ۵،۷۱۳ ہیں اور بحری جہازوں کا وزن ۱۲۶،۲۰۱ ٹن ہے، اس کی تفصیل اس پُر از معلومات مضمون میں دیکھئے۔

کچھ عرصہ ہوا کہ مسولینی نے میلان میں ایک تقریر کی تھی جس سے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ بلقان BALKANS میں بھی امن و سکون باقی نہیں رہے گا۔ مسولینی کی ہوس ملک گیری بہت طاقتور ہو چکی ہے۔ ... دنیا میں نقصِ امن پیدا کرنے ... مشرقی یورپ کے ان ممالک کے لئے بھی ایک ... کا باعث ہے جو اٹلی کے قریب اور بحیرہ روم کے کنارہ پر واقع ... یہی حقیقت ہے کہ بعض نظروں میں چھ ممالک نے آپس میں ... اور بوقتِ ضرورت ایک دوسرے کی امداد کا ایک ... کر لیا ہے جس کا نام بلقان پیکٹ ہے۔

مسولینی کی مذکورہ بالا تقریر کے بعد ہی یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ بلقانی ممالک میں آپس میں کچھ ... ان ممالک کے دارالحکومتوں میں ... ملاقاتیں اور مشورے شروع ہو گئے۔ اگرچہ یہ تمام گفت و شنید نہایت سختی کے ساتھ پردہ ... میں رکھی گئی تھی، پھر بھی بڑے معتبر ذرائع سے ان حکومتوں کی ڈپلومیٹک کارروائیوں کا پتہ لگایا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان حکومتوں کا مقصد ... وہ مقصد کیا ہے؟ یہی کہ ایک مضبوط جماعت ان حکومتوں کی قائم کی جائے جو صرف معاہدوں ہی کے ... میں بھی منسلک نہ ہو، بلکہ ذاتی تعلقات ... باہمی خلوص و اعتماد پر بھی اس رشتہ کی بنیاد رکھی جائے۔ اتحادی جماعت کا نام "یونائیٹڈ اسٹیٹس آف ناردرن یورپ" رکھا گیا ہے۔ اور رومانیہ کے فرمانروا کنگ کیرول کو اس کی سرداری عطا کی گئی ہے۔ اس ولایاتِ متحدہ کے ارکان یہ ہیں (۱) زیکوسلواکیہ (۲) یونان (۳) یوگوسلاویہ (۴) ترکی (۵) پولینڈ (۶) رومانیہ۔

اس اتحاد کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) ہر ملک اپنے اندرونی آئین کا مالک ہوگا، اس آئین میں کسی کی طرف سے کوئی دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔

(۲) ولایاتِ متحدہ بلقان کے تمام ممالک کے درمیان آزاد تجارت کا اصول عمل کرے گا۔

(۳) بیرونی مقابلہ کے لئے ایک مرکزی ملیٹری کمانڈ قائم کیا جائے گا۔

(۴) اس کام کے لئے ایک مرکزی فنڈ خزانہ بھی قائم کیا جائے گا۔

(۵) اتحادی ممالک کے باشندے آزادی سے ان ممالک میں سفر کر سکیں گے۔

(۶) جنگ اور صلح کا اعلان مرکزی کمانڈ کے اختیار میں ہوگا۔

اس ولایاتِ متحدہ کا قیام ایک ایسی اتحادی طاقت پیدا کرے گا جس کا رقبہ ۷۵۰،۰۰۰ مربع میل اور آبادی ۱۰۳،۰۰۰،۰۰۰ ہے، دنیا میں یہ دوسری سب سے بڑی حکومت ہوگی اور سربراہِ دست جو اس کا سردار منتخب

ہوا ہے، وہ ساری دنیا کے فرمانرواؤں میں بادشاہ انگلستان سے دوسرے درجہ پر ہوگا۔ اتحادی سرداری کے لئے کنگ کیرول آف رومانیہ کے بعد غالباً کنگ پیٹر آف یوگوسلاویہ

منتخب کئے جائیں گے، یہ نہیں معلوم کہ سرداری کا انتخاب کتنی مدت کے لئے ہوگا۔

اس "ولایاتِ متحدہ" کی اقتصادی دولت اور فوجی طاقت کتنی عظیم ہوگی، اس کا اندازہ اتحادی ممالک کے متعلق مندرجہ ذیل معلومات سے کیجئے:-

(۱) پولینڈ میں کوئلہ، لوہا، رانگا، جستہ، تیل، نمک اور بعض دوسری معدنی چیزیں پیدا ہوتی ہیں اس کی

زراعت کی پیداوار کثیر ہے اور صنعت و حرفت ترقی یافتہ ہے، اس کی فوجی طاقت ۳۰۰،۰۰۰ آدمیوں، ۱،۰۰۰ ہوائی جہازوں، اور ۱۲،۱۹۹ وزنی بحری جہازوں پر مشتمل ہے۔

(۲) زیکوسلواکیہ میں کوئلہ، لوہا اور کسی قدر سونا پیدا ہوتا ہے، صنعت و حرفت بہت ترقی یافتہ ہے اور پارچہ بافی کا کام کثرت سے ہوتا ہے، فوج ۲۰۰،۰۰۰ ہے اور ہوائی جہاز ۵۲۶ ہیں۔

(۳) رومانیہ، قدرتی پیداوار کے لحاظ سے بہت دولتمند ہے۔ تیل، سونا، تانبہ، جستہ، کوئلہ اور نمک کے کثیر کانیں ہیں، کیمیاوی صنعتیں بہت ترقی یافتہ ہیں، دریائے ڈینوب کے ساحل پر بندرگاہ کانسٹنٹا ہے، فوج ۳۲۵،۰۰۰، ہوائی جہاز ۸۰۰، بحری طاقت ۱۰،۰۰۰ ٹن وزنی جہاز۔

(۴) ترکی، غلہ، اون، تمباکو، مویشی اور تیل پیدا کرتا ہے، اس کی فوج ۱۲۰،۰۰۰، ہوائی جہاز ۳۷۰ اور بحری جہاز ۵۳،۰۰۰ ٹن ہیں، لیکن ترکی کی اہمیت ان چیزوں سے بہت زیادہ ہے۔ اس لئے "ولایاتِ متحدہ" میں شریک ہو کر دَرّہ دانیال کے ذریعہ اس کی طاقت میں بہت بڑا اضافہ کر دیا ہے، ترکی کو اب یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس "تنگنائے" میں غیر ملکی جہازوں کا داخلہ بند کر دے، درّہ دانیال کی مورچہ بندی بھی نہایت سرگرمی سے ہو رہی ہے اس لئے "ولایاتِ متحدہ" کو ترکی کی شمولیت سے مشرقی یورپ میں ایک ایسی حیثیت حاصل ہو گئی ہے جسے KEY POSITION کہتے ہیں۔

(۵) یوگوسلاویہ میں غلہ، مویشی، تمباکو، بیش قیمت لکڑی، لوہا، تانبہ اور کوئلہ کثرت سے پیدا ہوتا ہے، فوج ۱۵۰،۰۰۰ ہے، ہوائی جہاز ۶۲۰ اور بحری طاقت ۹،۵۰۰ ٹن۔

(۶) یونان، بہت زیادہ قدرتی پیداوار اور زراعتی و معدنی دولت نہیں پیش کر سکتا، لیکن اس کے پاس جزیرہ ہائے روڈس، لیموس، لمنوس، کریٹ اور کورفو وغیرہ میں بہترین بحری اور ہوائی مستقر موجود ہیں جو دورانِ جنگ میں بہت کارآمد ثابت ہوں گے، اس کی فوج ۷۰،۰۰۰ ہے، ہوائی جہاز ۱۹۱، بحری طاقت ۴۵،۴۰۰ ٹن ہے۔

اس حساب سے مشرقی یورپ کی یہ اتحادی طاقت ۱،۳۳۴،۰۰۰ فوج، ۵،۷۱۳ ہوائی جہاز اور ۱۲۶،۲۰۱ ٹن بحری طاقت کی مالک ہے جو جنگ کی حالت میں مرکز کے ایک اشارے پر حرکت میں لائی جا سکتی ہے، اس اعتبار سے بلقان کا خطہ یورپ کی صفِ اوّل کی طاقتوں میں داخل ہو گیا ہے اور اس سے جنگ کرنا اب مسولینی یا کسی بیرونی طاقت کے لئے کوئی معمولی کام نہیں ہے، کسی ملک کو مشرقی یورپ کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے سے پہلے اس کو تین بار نہیں بلکہ سو بار غور کرنا پڑے گا۔

اس "ولایاتِ متحدہ" کے قیام کا خیال پہلے پہل رومانیہ کے فرمانروا کنگ کیرول کے دل میں پیدا ہوا تھا جب پریسیڈنٹ بینیس اُن سے ملنے کے لئے پراگ آئے، تو انہوں نے اس کا تذکرہ کیا اور انکی پُرجوش تائید کنگ کیرول کو حاصل ہو گئی، اسکے بعد جب یہ تجویز باقی ممالک کے سامنے پیش کی گئی تو سب نے اسے خوشی سے منظور کر لیا اب یہ اتحادی طاقت، اٹلی کے خوابِ فتح و ظفر کے مقابلہ میں ایک سب سے بڑی طاقت ہو گئی ہے اور ایک طرف بحرِ روم میں اور دوسری طرف بحرِ اسود میں اپنا اقتدار قائم کر چکی ہے۔



اس نقشہ میں مشرقی یورپ کے "ولایاتِ متحدہ" میں شریک ہونے والے ممالک کو دکھلایا گیا ہے تاکہ کسی جنگ کی حالت میں ان کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔

ہمارے وطن کی برسات

از جناب [illegible]

برسات ہے اور ہمارے وطن ہندوستان کی سراپا رنگین برسات، بحیرۂ عرب اور خلیج بنگال سے نمناک ہوائیں چلتی ہیں، بادل جھومتے ہوئے اٹھتے ہیں اور فضائے بسیط پر چھا جاتے ہیں، اپنے نازک کندھوں پر پانی کا سمندر لئے ہوئے، مسرت کے جذبوں سے لبریز، برس پڑنے کے لئے بیتاب، آفتاب کی کرنیں ان کے دامنوں پر پھیل جاتی ہیں، شمال کی ہوا جو پہاڑوں کی چوٹیاں چوم کر آئی ہے، ان کے شانے ہلا دیتی ہے، زمین کے باشندے آسمان کو دیکھ رہے ہیں، چرند و پرند اور انسان سب پانی کے بے قرار ہیں، یکبارگی وقت زمین کی طرف ... کہسار کی وادیاں لبریز ہو گئیں، آبشار چلنے لگے، ندیاں ... بہنے لگیں، جدھر دیکھو ہریالی ہے، صحرا کی زمین سبز ... زمین کا چپہ چپہ سبز۔

جھیلیں اور تالاب بھر گئے ہیں، مرغابیاں تیرتی ہیں، بطخیں ... رہی ہیں، کشت زار پانی سے لبریز ہیں، ہرے ہرے ... ہیں، سوکھے درختوں میں تازگی پیدا ... بالکل ... ہیں، ندی نالے بھرے ہوئے ... شور ... کو بادلوں کے سائے تلے ... لڑکیاں جھولا جھول کر ساون کے گیت گا رہی ہیں ... نیا گیت خوشی اور انبساط کی ... رنگیں نمناک ہیں، بھیگی ہوئی ہوائیں چلتی ہیں ... ٹھنڈی ہے، شبنم در آغوش، آفتاب، زمانہ بادلوں ... چھپ کر جھانکتا ہے،

سراپا بہار منظر کا تماشا دیکھنے کے لئے تالابوں ... کے پھول مسکرا رہے ہیں، رات کو چاند بھی بادلوں کی ... چھپ کر نظارہ کرتا ہے ... کبھی ... جاتا ہے، چاندنی کیسی چمک رہی ہے، زمین اور فضا کی ... دامنوں میں پھیلی ہوئی ...

... شفاف نقرئی سمندر موجیں مار رہا ہو، آموں کے ... زرد زرد ... ہوئے ہیں، باغبان کا مسرت آگیں ... بھرپور، فضا میں ہیجان برپا ...

... جو کہسار کے دامن پر ... نکلے ہیں، دیہاتی بچے پانی ... کھیل رہے ہیں، اپنی اپنی ناؤ چلا رہے ہیں ... کاغذ کی ناؤ۔

کسان ہل چلا رہے ہیں، ان کی عورتیں کھیتوں میں گھاس چن رہی ہیں، آہستہ آہستہ کچھ گنگناتی جاتی ہیں، ان کا قلب خوشی اور مسرت سے لبریز ہے ... مگر ناکام مسرت اور غمناک خوشی ... کیونکہ کھیتی کا حاصل ان کی ملکیت نہیں ہے ... کسان کالے کالے بادلوں کو دیکھ کر جو اس کی سبز کھیتی سے مشابہ ہیں، خوش ہو جاتا ہے، ان کا استقبال کرتا ہے، مینہ کے بے شمار قطروں کو دیکھ کر جو اس کے آنسوؤں سے مشابہ ہیں کھل جاتا ہے، کھیت کے لہراتے ہوئے پودوں کو دیکھ کر جو اس کی سنہری زندگی کے بالوں کی طرح لہراتے ہیں اس کے دل میں شادمانی کی لہر دوڑ جاتی ہے کنول کے پھولوں کو دیکھ کر جو اس کے بچے کا سا مسکراتا ہوا چہرہ رکھتے ہیں اسکی آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے لئے یہ سب کیفیات عارضی ہیں، اپنے دامن میں نامرادی کی تلخیاں لئے ہوئے کیونکہ کھیتی کا حاصل اس کے اور اس کے بچوں کے لئے نہیں ہے۔

برسات ہے اور ہندوستان کی جواہر ریز اور مسرت آگیں برسات، قدرت کی فیاضیوں سے مملو، فطرت کے انعام ... سنہرے الفوں کی لائی ہوئی برسات جو سرزمین کے بچوں کا دامن بھر دیتے ہیں۔

ہاں ہاں، وہی جولائی اگست اور ستمبر میں آنے والی برسات جو اشوک اور چندر گپت کے وقت میں آتی تھی جو اکبر اور شاہجہاں کے زمانہ میں زر و جواہر کی بارش کر چکی ہے

ہاں وہی مسرت اور کامرانیوں کا قافلہ لیکر آنے والی برسات جو ہندوستان کے رومان انگیز ماحول پر ہمیشہ خوشی کے گیت گاتی ہوئی آتی تھی،

قدرت کی فیاضیاں اسی طرح جاری ہیں خالق کائنات کا دامن کرم تنگ نہیں ہوا، فطرت کی رنگینیاں بدستور ہیں پھر کیوں ہندوستان کے باشندے اس پرکیف موسم میں بھی زندگی اور مسرت سے محروم ہیں شاید اس لئے کہ وہ غلام ہیں اور غلام کی کوئی چیز اپنی نہیں!

تجربے کی دہلی

۳ — اگست ۱۹۳۷ء

وزرا اور پبلک ملازمین کی تنخواہیں

مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لعل نہرو کے خیالات

ہندوستان کی سول سروس جس قدر مہنگی اور بیش قیمت ہے۔ اس کی مثال دنیا کے کسی دوسرے ملک میں نہیں ملتی پبلک ملازمتوں کی تنخواہیں برطانی حکومت نے اس قدر زیادہ کیوں رکھی تھیں۔ اس کے چند اسباب بات سامنے آتے ہیں۔ ایک تو یہ سبب ہے کہ برطانیہ کو اپنے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے مالی فائدہ اور ترقی کی راہیں نکالنی تھیں۔ وہ اس غرض سے ہندوستان میں ملازمتوں کی ایسی دلکش اور حوصلہ افزا شرائط پیش کرنی تھیں کہ لوگوں کو اپنا وطن چھوڑ کر اتنی دور چلنے کی ترغیب ہو۔ دوسرے یہ کہ ہندوستانیوں کے دلوں پر عمال حکومت کا رعب اور دبدبہ بیٹھ جائے۔ ایک تیسرا خیال جو خود برطانیہ کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بڑی تنخواہوں کے باعث کاموں میں اچھائی اور کمال کی صفت پیدا ہوتی ہے۔

تیسرا سبب ہم تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ دنیا کے بڑے سے بڑے متمدن ممالک میں پبلک سروس کی تنخواہیں ہندوستان کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ اور اس سے کام میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔ اب جبکہ چھ صوبوں میں کانگریسی وزارتیں قائم ہو گئی ہیں۔ وزرا اور پبلک ملازمین کی تنخواہوں کا مسئلہ بالکل ایک نئی صورت اور نوعیت اختیار کر رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لعل نہرو دونوں کو ایک ہی مرتبہ یہ خیال پیدا ہوا کہ وقت ہے کہ اس اہم ترین مسئلہ کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کی جائے۔

مہاتما گاندھی نے اس موضوع پر اخبار ہریجن میں ایک مضمون لکھا ہے اور پنڈت جواہر لعل نہرو نے پریس کو ایک بیان دیتے ہوئے پبلک ملازمتوں کی تنخواہوں میں تخفیف کا سوال پیش کیا ہے۔ دونوں حضرات نے اس مسئلہ تک اپنے اپنے طرز خیال کے مطابق دو راستوں سے پہنچنے کی کوشش کی ہے مگر مقصد دونوں کا ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں برطانی حکومت کا بہترین ورثہ ہے۔ کہ اس نے سول سروس کی تنخواہوں کا پیمانہ بہت بلند رکھا ہے۔ اور ضرورت اس کی ہے کہ ملک کے افلاس و ادبار کے لحاظ سے ان میں جلد از جلد تخفیف کی جائے۔

کراچی کانگریس کے ایک ریزولیوشن کے ذریعہ یہ بات قرار پا چکی تھی کہ پبلک ملازمین کی انتہائی تنخواہ پانچسو روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی۔ اسی اصول کے پیش نظر تمام کانگریسی وزیروں نے اپنی تنخواہیں پانچسو روپیہ ماہانہ رکھی ہیں۔ اس اصول کو باقی پبلک ملازمتوں پر بھی عائد کرتے ہوئے پنڈت جواہر لعل نہرو فرماتے ہیں۔ "کانگریس چاہتی ہے کہ جہاں تک اس کے امکان میں ہو اس اصول کو تمام پبلک ملازمتوں کی تنخواہوں پر بھی عائد کرے۔ اور اعلیٰ تنخواہوں کو کم کر کے معقول حد کے اندر لائے۔ اور ہندوستان کی صورت حال سے مناسبت پیدا کرے تاکہ وہ بڑی خلیج جو ایک سرکاری افسر اور ایک کمیت میں کام کرنے والے کے درمیان واقع ہے۔ کم ہو جائے۔ اور ملک کی آمدنی کا بیشتر حصہ سوشل اور دوسری خدمات کی صورت میں عوام کو واپس کر دیا جائے۔"

مہاتما جی نے اس سلسلہ میں "مقصد دولت" اور "مقصد خدمت" کا امتیازی فرق پیش کیا ہے۔ اس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ پبلک ملازموں کا مقصد حصول دولت نہیں بلکہ عوام کی خدمت کرنا ہونا چاہیئے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ برطانی حکومت نے سول سروس کی تنخواہوں کے تعین میں یہ بات ملحوظ رکھی تھی کہ حاکم اور محکوم کا فرق صاف نظر آنے لگے۔ اور حاکم اتنے دولتمند اتنے جنبہ دار اور اتنے ذی شان و شوکت نظر آئیں کہ محکوم میں اپنی پستی کا پورا احساس ہو جائے۔ اور غلامانہ ذہنیت کی پیدائش اس کا لازمی نتیجہ بن جائے۔ لیکن کانگریسی وزارتوں کے قیام نے حاکم و محکوم کے رشتہ کو الٹ دیا ہے۔ اب عامۃ الناس کو حاکموں کا درجہ حاصل ہے۔ اور وزارتیں اور ملازمتیں ان کی محکوم ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے۔ کہ پبلک سروس اپنے دماغ سے پرانے خیالات کو نکال دے اور خالص خدمت کے جذبہ پر کاربند ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ ہندوستانی پبلک ملازمتوں کی جو تنخواہیں کسی زمانہ میں متعین کی گئی تھیں۔ وہ اب غریب اور افلاس زدہ ملک کے باشندوں کے معیار زندگی سے کوئی نسبت نہیں رکھتی تھیں۔ ان بڑی تنخواہوں کا نتیجہ ہے۔ کہ ایک طرف مسکین ہندوستان روز بروز زیادہ پریشان حال اور فاقہ کش ہوتا جا رہا ہے۔ اور دوسری طرف شاہانہ تنخواہوں کے افسر انتہائی آرام و عیش میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پبلک فنڈ کا بہت بڑا حصہ ان تنخواہوں میں صرف ہو جاتا ہے اور مفاد عامہ کے کاموں کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔ کانگریسی وزراء نے خود اپنے طرز عمل سے اب یہ ثابت کر دیا ہے کہ پبلک ملازمتوں کی تنخواہوں کا معیار کیا ہونا چاہیئے۔ انہوں نے سابق وزراء کی شاہانہ تنخواہوں کو ترک کر کے صرف پانچسو روپیہ ماہانہ اپنے لئے قبول کیا ہے۔ ایثار اور قربانی کی یہ بہترین مثال ہے ...

[illegible]

ایڈیٹوریل خیالات

وزارت بنگال کے کارنامے

بنگال کی موجودہ وزارت جس روز سے وجود میں آئی ہے اپنی غلطیوں اور ہٹ دھرمیوں کے باعث روز بروز زیادہ غیر مقبول ہوتی جا رہی ہے۔ وہ چیف منسٹر جس نے پرجا پارٹی کے ٹکٹ پر کسانوں کا ووٹ حاصل کیا تھا اب اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہو رہا ہے اور ان وعدوں کو بھول گیا ہے جو اس نے اپنے انتخاب کے وقت کئے تھے "حق وزارت" کی تمام کارروائیاں "ناحق" بنتی چلی جا رہی ہیں۔ اور اس کے کارناموں میں وہ سب کچھ داخل ہو گیا ہے جو ہندوستانیوں کے نقطۂ نگاہ سے پبلک مفاد کے خلاف ہے۔ ان کارناموں کی مختصر فہرست ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) ہوڑا اسکوٹ ملوں کی ہڑتال میں مزدوروں سے جو وعدے کئے گئے تھے وہ پورے نہیں کئے گئے۔

(۲) سیاسی اسیروں کی رہائی کا مسئلہ کھٹائی میں ڈال دیا گیا ہے۔

(۳) یوم اسیران سیاسی کی کارروائیوں کی اشاعت پریس اور اخباروں کے لئے ممنوع قرار دیدی گئی۔

(۴) ایوان اسمبلی کے آس پاس ایک میل کے اندر موجودہ وزارت کے خلاف مظاہروں پر امتناعی حکم صادر کر دیا گیا۔

(۵) اخبار ایڈوانس لکھتا ہے کہ چیف منسٹر نے اسمبلی کے تمام مسلم ممبروں کو ایک مراسلہ بھیجا ہے جس میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ کانگریس ہندو مہا سبھا کے بیانات اور کانگریس پارٹی کے ارکان مسلم ممبران اسمبلی کو اپنی جماعت میں شامل کر کے موجودہ وزارت کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں، اس لئے مسلمانوں کو آپس میں متحد ہو جانا چاہیئے۔

آخر وہی ہوا کہ ایک طرف تو مسٹر فضل الحق کی وزارت نے پوری دفتری حکومت کی بجائے ایک کالی دفتری حکومت قائم کر دی اور دوسری طرف چیف منسٹر کی فرقہ وارانہ ذہنیت کام کرنے لگی۔ اس میں شک نہیں کہ جب سے کانگریس نے قبول وزارت کا فیصلہ کیا ہے جوں وزارت کو اپنے خلاف ایک کانگریسی اتحادی پارٹی (Coalition) کا اندیشہ لاحق ہو گیا ہے۔ کیا کانگریس ورکنگ کمیٹی اس مسئلہ پر بھی غور کرے گی کہ اس رجعت پسند وزارت سے تو کانگریسی اتحادی وزارت ہزار درجہ بہتر ہوگی؟

قومی جھنڈے اور بندے ماترم کا احترام

کل تک قومی جھنڈا حکومت کی نظر میں حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن کا نشان تھا آج وہ اس پارٹی کا جھنڈا ہے جس نے صرف چھ صوبوں میں نہیں بلکہ سارے ہندوستان میں طاقت اور اقتدار حاصل کر لیا ہے۔ اب اس امر کی مثالیں پیش کرنا فضول ہے کہ عمال حکومت نے کتنی مرتبہ اس جھنڈے کی توہین کی ہمیں مسرت ہے کہ بہار کے کانگریسی وزیر اعظم بابو سری کرشن سنگھ نے کانگریس میدان میں قومی جھنڈا نصب کرتے ہوئے سرکاری ملازموں کو انتباہ دیا ہے کہ انکو قومی جھنڈے کی طرف اپنی ذہنیت اور رویہ فوراً بدل دینا چاہیئے اور اس کا احترام کرنا چاہیئے۔ اسی طرح "بندے ماترم" بھی ہندوستان کا ایک قومی ترانہ (National Anthem) ہے اس کا احترام بھی سب پر فرض ہے ہر صوبہ کی کانگریسی اسمبلیوں کے انعقاد کے وقت یہ گایا گیا لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اڑیسہ کی اسمبلی میں بعض برطانی افسروں نے اس کی توہین کی اور جب "بندے ماترم" گایا جانے لگا تو اس کے احترام میں کھڑے ہونے سے انکار کر دیا۔ یہ واقعہ اسپیکر کے زیر تحقیقات ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اب بھی ذہنیت کے بدل جانے کا وقت نہیں آیا ہے؟

قومی بوائے اسکاوٹ

مدراس میں بوائے سکاوٹ ایسوسی ایشن کی پراونشل کونسل کا ایک اجلاس چند روز ہوئے منعقد ہوا تھا جس میں ایسوسی ایشن مذکور کے تقریباً پینتیس ۳۵ اعلیٰ افسر شریک تھے۔ ہندوستانی کیرکٹر پر لارڈ بیڈن پاول نے جو حملہ کیا تھا اس سے پیدا شدہ صورت حال پر غور کیا گیا اور یہ تجویز کی گئی کہ ہندوستان کے لئے ایک آزاد قومی بوائے اسکاوٹ انجمن قائم کی جائے جسکو لارڈ بیڈن پاول کے مرکزی انجمن سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ہم بہت دنوں سے یہ کہہ رہے تھے کہ موجودہ بوائے اسکاوٹ ایسوسی ایشن بھی برطانی استعمار و شہنشاہیت پرستی کی ایک شاخ ہے۔ اتفاق سے لارڈ بیڈن پاول کے طرز عمل ہی نے خود ہندوستان میں اس کی بنیاد کا خاتمہ کر دیا اور ایک نئی انجمن کے قیام کا راستہ کھول دیا ہمیں مسرت ہے کہ گورنر مدراس نے بھی اس تجویز سے اتفاق رائے کا اظہار کیا ہے کہ ہندوستان میں ایک آزاد بوائے اسکاوٹ ایسوسی ایشن ہونی چاہیئے۔ ہر صوبہ کو اس مثال سے سبق لے کر جلد از جلد اس ضروری معاملہ کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔

کانگریس اور مسلم لیگ

جب ہم کانگریس کے پہلو بہ پہلو مسلم لیگ کا نام لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ مسلم لیگ کوئی ایسی انجمن ہے جو عام مسلمانوں پر اپنا اثر و اقتدار رکھتی ہے یہ تو صرف خطاب یافتہ حضرات اور چند فرقہ پرستوں کی ایک جماعت ہے جو مسلمانوں کی مخالفت کے باوجود بھی اپنے کو مسلم حقوق کا ٹھیکہ دار سمجھے جاتی ہے۔ بہر حال چونکہ اس کے صدر مسٹر جناح اور پنڈت جواہر لال اور شری بابو راجندر پرشاد کے درمیان ایک طویل بحث جاری ہے اس لئے ہمیں بار بار مسلم لیگ کا ذکر کرنا پڑتا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر جناح خود کانگریس سے کوئی سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کانگریس کو اس کی کوئی پروا نہیں ہو سکتی اسکا دروازہ ہر فرقہ کیلئے کھلا ہوا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ مسٹر جناح کی مخالفت کے باوجود اسکا مسلم ماس کانٹیکٹ کا پروگرام ضرور کامیاب ثابت ہوگا۔

بھوک کی آگ!

یو۔ پی۔ اسمبلی کی کانگریس پارٹی کے ممبروں کو مخاطب کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو نے فرمایا ہے کہ ان کا انتخاب اس لئے ہوا ہے کہ وہ گورنمنٹ کے لئے نہیں بلکہ عوام کے لئے حکومت کو چلائیں کیونکہ کانگریس ہی وہ طاقت ہے جس سے انھوں نے اپنی طاقت حاصل کی ہے۔ راشٹرپتی کے مزید الفاظ یہ ہیں:۔ "بھوک کی آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ آپ لوگوں کے لئے مشوروں میں وقت صرف کرنے کا موقعہ نہیں ہے۔" آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ صحیح ہے پنڈت پنت کی وزارت جس تیزی سے رفاہ عام کے کاموں کی طرف متوجہ ہوئی ہے وہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ بھوکوں کو روٹی پہونچانے میں بہت دیر نہیں کی جائے گی جس وقت یو۔ پی میں انٹیرم وزارت قائم تھی اسی وقت "مشوروں" کی بعض اہم منزلیں طے کر لی گئی تھیں۔ اور اب کام کرنے کی منزل آ گئی ہے کب تک لوگوں کے افلاس اور فاقہ کشی کو دور کرنا صرف ایک جنبش قلم سے نہیں ہو سکتا۔ کچھ وقت ضرور لگے گا لیکن ہم جانتے ہیں کہ پنت کیبنٹ کبھی پبلک مفاد سے غافل نہیں ہو سکتی۔

پنجاب وزارت کا دوسرا تعمیری کام!

چیف منسٹر پنجاب نے ارکان اسمبلی کے الاؤنس کو بڑھانے کے عمل کو "تعمیری کام" سے تعبیر کیا تھا۔ اس "تعمیری" سلسلہ کا ایک دوسرا دلچسپ کارنامہ یہ ہے کہ پندرہ پارلیمنٹری سیکرٹریوں کی ایک فہرست شائع کی گئی ہے جن کی تنخواہوں کی مجموعی رقم تقریباً چھ ہزار روپیہ ماہانہ ہے اور اگر اس پر انکے الاؤنسوں کا اضافہ کر دیا جائے تو تین ہزار کی مزید رقم اس میں شامل ہو جائے گی یعنی نو ہزار روپیہ ماہانہ کا ایک مزید بار غریب ٹیکس دہندوں پر ڈال دیا گیا ہے۔ غور فرمایئے کہ ایک لاکھ آٹھ ہزار روپیہ سالانہ کن لوگوں کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہو گی اور کن لوگوں کی جیبوں میں جائے گی؟ اگر عامۃ الناس کے مفاد کے کاموں کے سلسلہ میں "تعمیر" اسی کا نام ہے تو ہمیں "تعمیر" کے صحیح معنی معلوم کرنے کے لئے کوئی ایسی ڈکشنری دیکھنی پڑے گی جو وزارت پنجاب کی نگرانی میں مرتب کی گئی ہو۔

مدراس میں امتناع منشیات!

مدراس کی کانگریسی وزارت اس امر کے لئے تو پہلے ہی سے مستحق مبارکباد تھی کہ اس نے ان اخبارات کی ضمانتیں واپس کر دینے کا فیصلہ کیا ہے جو سیاسی تحریروں کی بناء پر گزشتہ حکومت کے احکام کا شکار ہوتے تھے لیکن اس کا ایک مزید قابل تحسین کارنامہ جو ہمارے سامنے آیا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے صوبہ مدراس میں شراب اور تاڑی کی فروخت و استعمال کے انسداد کے لئے بھی فوری قدم اٹھایا ہے یہ سلسلہ ضلع سیلم سے شروع کیا جانے والا ہے جو شری سی۔ راجگوپال اچاریہ وزیر اعظم مدراس کا وطن ہے، وزارت نے یہ احکام جاری کر دئے ہیں کہ اس ضلع کے شراب تاڑی کی دوکانوں کا نیلام بند کر دیا جائے، تجربہ کے بعد یہ اسکیم دوسرے اضلاع میں بھی جاری کی جائے گی، غالباً پنجاب اور بنگال کی وزارتوں کو تعمیری کام کرنے کا طریقہ کانگریسی صوبوں سے سیکھنا چاہئے!

اڑیسہ اور بمبئی میں سیاسی قیدیوں کی رہائی

چھ صوبوں میں کانگریسی وزارتوں کے قیام کو پہلی فرصت کے مطابق ابھی مشکل سے تین ہفتے ہوئے ہیں کہ ان کے قابل تعریف کارناموں کا ایک سلسلہ ہندوستان کے رنج دلوں میں جاری ہے۔ ایک کے بعد دوسری خبر اس تیزی سے آ رہی ہے کہ مخالفین کانگریس کی آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں۔ چنانچہ صوبہ اڑیسہ کی ایک اطلاع کہتی ہے کہ وہاں کے چیف منسٹر شری بسوناتھ داس نے ایک ہی روز تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا۔ دوسری طرف صوبہ بمبئی کی کانگریسی وزارت نے بھی سیاسی قیدیوں کو رہا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سارا کانگریسی نظام ایک مرکزی کمان کے تحت عمل کر رہا ہے اور ہر صوبہ میں بہت جلد عام فلاح و بہبود کی وہ کارروائیاں جاری ہو جائیں گی جن پر کانگریس کے انتخابی "مینی فسٹو" کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

ہندوستان میں براڈکاسٹنگ

لندن کے مشہور اخبار "ٹائمز" میں ایک مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ہندوستان کے ریڈیو براڈکاسٹنگ کا محکمہ حکومت کے کنٹرول سے نکال کر ایک ایسے کارپوریشن کے سپرد کر دیا جائے جس میں "انڈین" اور "ان انڈین" ارکان شامل ہوں۔ معاصر مذکور نے اس تجویز پر اپنی رائے ظاہر کی ہے اور کہا ہے کہ ہندوستانی زندگی میں اگر براڈکاسٹنگ کو ایک طاقت بنانا ہے تو اسے سرکاری کنٹرول سے الگ کرنا ضروری ہے۔ اس کا خیال ہے کہ چونکہ غیر ملکی حکومت ہندوستان میں مقبولیت حاصل نہیں کر سکی، اس لئے اگر ریڈیو بھی حکومت کا محکمہ رہے گا تو لوگ اسے غیر کی چیز سمجھ کر کافی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے، خود برٹش براڈکاسٹنگ کارپوریشن (B.B.C.) بھی ایک غیر سرکاری کمیٹی ہے، ہم اس تجویز کی تائید کرتے ہیں اور جب ہندوستان کے ریڈیو پروگرام پر ہماری نظر پڑتی ہے تو یہ تائید اور بھی پختہ ہو جاتی ہے

اچھوت ادھار کا بل!

قارئین کو یاد ہوگا کہ کچھ روز ہوئے مرکزی اسمبلی میں ایک "ہریجن ادھار بل" اور ایک "مندر پرویش بل" پیش کیا گیا تھا۔ ان بلوں کا جو حشر ہوا وہ بھی معلوم ہے اسی ہریجن ادھار بل کی لائن پر راؤ بہادر ایم۔ سی۔ راجہ نے جو اب مدراس اسمبلی کے ممبر ہیں، ایک بل مدراس اسمبلی میں پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے اور آئندہ اجلاس میں اس کی پیشی کے متعلق نوٹس بھی دے دیا ہے اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ اس بل کو مدراس اسمبلی سے پاس کرانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی۔ ہریجن ادھار کا مسئلہ خود اس کے بانی مہاتما گاندھی کو جس قدر عزیز ہے وہ ظاہر ہے کانگریس کے تعمیری پروگرام میں بھی اسے ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ دوسرے صوبوں کو بھی اس سلسلہ میں جلد از جلد مدراس کی تقلید کرنی چاہئے۔

ہائیکورٹ کے جج کا مستحسن فیصلہ

بنگال پراونشل کانگریس کمیٹی کے اسسٹنٹ سکریٹری اور لیبر پارٹی کے جائنٹ سکریٹری مسٹر کمل سرکار نے گزشتہ یوم مئی کے موقع پر کچھ پمفلٹ (.....) پبلک میں تقسیم کئے تھے، اس سلسلہ میں مجسٹریٹ نے ان کو قید اور جرمانہ کی سزا دی تھی، اپیل میں مسٹر جسٹس سبھاش نے اس سزا کو منسوخ کر کے مسٹر کمل سرکار کو رہا کر دیا۔ آپ نے اپنے فیصلہ میں جو "رولنگ" دی ہے وہ اس لائق ہے کہ دوسری عدالتیں اس سے فائدہ اٹھائیں۔ مسٹر جسٹس سبھاش کہتے ہیں، "یہ جدوجہد در اصل اقتصادی لوٹ کے سسٹم کے خلاف جدوجہد ہے لیکن سرمایہ کے خلاف لیبر کا یہی جائز مقصد ہے اور کوئی شخص اگر مزدوروں سے یہ کہے کہ تم اس اقتصادی لوٹ کا خاتمہ کر دینے کے لئے آپس میں متحد ہو جاؤ تو یہ کوئی قانونی جرم نہیں ہے۔" فاضل جج کا یہ فیصلہ نہایت مستحسن ہے، مجسٹریٹ حضرات اپنے فرائض کے جوش میں قانونی نکتوں کو بھول جاتے ہیں۔

"پارٹی لیبل"

مدراس ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی کے ایڈریس کا جواب دیتے ہوئے مسٹر ایم۔ این۔ رائے نے ہندوستانی سوشلسٹوں کو نہایت مفید مشورہ دیا ہے اس وقت ہندوستان جس نازک دور سے گذر رہا ہے اس کا تقاضہ یہی ہے کہ "پارٹی لیبل" کو ضرورت سے زیادہ اہمیت نہ دی جائے۔ چاہے کوئی کانگریسی ہو یا سوشلسٹ ہو سب کا پہلا فرض یہی ہے کہ آپس میں متحد ہو کر ہندوستان کی آزادی حاصل کرے۔ مسٹر رائے نے صحیح کہا ہے کہ سیاسی آزادی حاصل کر لینے کے بعد ہم فیصلہ کر لیں گے کہ ہندوستان کا سوشل نظام کس بنیاد پر قائم ہونا چاہیے۔ لیکن جب تک کہ ملک حصول آزادی کی ایک ایسی جدوجہد میں مشغول ہے جو ہر ہندوستانی کی طاقت کے ایک ایک ذرہ کی طالب ہے ہمیں "پارٹی لیبل" پر آپس میں جھگڑا کرنا نہیں چاہیے جہاں تک غیر ملکی حکومت کا تعلق ہے اس کے مقابلہ کے لئے سب کو متحد ہو جانا چاہیے۔ کاش مسلم لیگ بھی اس زرین اصول سے سبق لیتی!

قیوم منسٹری کا آخری سانس

صوبہ سرحد کی اسمبلی کے کانگریسی ممبر ارباب عبد الغفار خان کی گرفتاری کے متعلق ایک انٹرویو میں کانگریس پارٹی کے لیڈر ڈاکٹر خان صاحب نے کہا ہے کہ مخالف ممبروں پر اس وقت مقدمہ چلانا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ قیوم منسٹری اپنی زندگی کو بچانے کے لئے ایک آخری جدوجہد کر رہی ہے۔ اس وقت جبکہ تمام دوسرے صوبے سیاسی قیدیوں کو رہا کرنے میں مشغول ہیں، قیوم منسٹری کا یہ قلعہ برعکس طور پر عمل صوبہ کے لئے ایک قابل شرم بات ہے۔ حالانکہ کچھ عرصہ پہلے یہی بات ہے کہ اس وزارت کے خلاف سرحد کی اسمبلی میں عدم اعتماد کا ووٹ پاس ہوتے ہوتے رہ گیا اور اجلاس ملتوی کر دیا گیا تھا، اب جبکہ کانگریس نے عہدے قبول کر لئے ہیں وہ دن دور نہیں کہ اس اسمبلی کا دوسرا اجلاس منعقد ہوتے ہی "قیوم کیبنٹ" کا خاتمہ اور قیوم منسٹری کا خاتمہ ہو جائے۔ اس طرح کی سخت گیر کارروائیوں سے منسٹری ایک دن بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ غالباً اب وہ آخری سانس لے رہی ہے۔

لاہور کے جلسہ میں ہنگامہ آرائی

فلسطین کمیشن کی سفارشات کے فیصلہ کے خلاف پروٹسٹ کرنے کے لئے سنیچر کو بریڈلا ہال لاہور میں ایک جلسہ ہوا تھا۔ مناسب یہ تھا کہ جلسہ اپنی کارروائی ختم کرنے کے بعد منتشر ہو جاتا لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی بعض شاخوں نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا ہے کہ جہاں موقع ہو یا نہ ہو پنڈت جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھی کے خلاف زہر ضرور اگلا جائے۔ چنانچہ ایک صاحب نے تقریر کے دوران میں ان لوگوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند پرجوش اور وطن پرست مسلم نوجوانوں نے اس قابل اعتراض حرکت پر پروٹسٹ کیا۔ بس پھر کیا تھا۔ زندہ دلان پنجاب ہی لڑ گئے۔ پتھروں اور جوتوں کی بارش شروع ہو گئی۔ افسوس ہے کہ ہمارے بعض مسلم برادران وطن یہ نہیں سمجھتے کہ مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال جیسے رہنماؤں کو گالیاں دینے سے ان کے کاز کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور غلط فہمیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

بیروزگاری کی انتہا

جی۔ آئی۔ پی ریلوے کے ایک دفتر واقع جھانسی میں "برکمین" اور "اسسٹنٹ سٹور کیپر" کی چھ اسامیاں خالی تھیں ان کے لئے امیدواروں کو درخواست دینے کی دعوت دی گئی۔ اول الذکر عہدے کی تنخواہ تیس روپیہ ماہانہ اور موخر الذکر کی بیس روپیہ ماہانہ تھی، اور ان کے لئے میٹرک پاس اور مڈل پاس امیدواروں کی ضرورت تھی لیکن درخواست کے اشتہار پر یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ان چھ اسامیوں کے لئے دو ہزار درخواستیں آئیں جن میں متعدد امیدوار گریجویٹ بھی تھے۔ بعض لوگ خود درخواست دینے کے لئے مدراس اور بمبئی سے آئے اور درخواست کی جو فیس مقرر ہوئی تھی اس سے ریلوے کو ... روپیہ کا ٹکٹ آمدنی ہو گیا، جہاں دو باتیں قابل غور ہیں ایک تو بیروزگاری اس انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ بہت جلد اس کا انسداد ہونا چاہئے دوسرے یہ کہ کیا ریلوے محکمہ کے لئے یہ ضروری تھا کہ غریب و نادار بیروزگاروں سے درخواستوں کے ساتھ فیس بھی وصول کرے؟

شاعر ”مستانہ“ کے کسی کلام میں مندرجہ ذیل فرقہ وارانہ نظم شائع ہوئی ہے جس کا جواب اس کے پہلو میں ملاحظہ کیجئے:

وہ زہریلی یہ قہریلی مرد

(از نقاش)

نہیں ہندوستاں آزاد ہو سکتا قیامت تک — اگر یونہی رہی ہندو سبھا کی فتنہ انگیزی

پرایوں کی مراداری کا رونا کوئی کیا روئے — جب اپنے کر رہے ہوں آپ اپنی آبرو ریزی

اِدھر ہیں بھائی پرمانند، اُدھر ہیں ڈاکٹر مونجے — وہ تلخی ہیں بکائن کی، تو ہیں یہ مرچ کی تیزی

غلامی جن کی گھٹی میں پڑی ہو چلتے کب ہیں؟ — کہ اُٹھے اُن کے سر سے سایۂ تہذیب انگریزی

ہے فرق اتنا ہی پرمانند و چرچل کی نظر میں — وہ زہریلی یہ قہریلی وہ سیوائی یہ چنگیزی

بگولا بن کے بولتے پھریں لندن میں مونجے بن — مسلمانوں کی ہو سکتی نہیں اس سے ہوا خیزی

غنیمت ہے کہ آ پہنچی وطن کی لاج رکھنے کو — جواہر لال و ہندو سبھا کی باہم آویزی

سکھائی ہے ادب کے بادیوں کو میرے خامے نے
گہر زائی، گہر باری، گہر خیزی، گہر بیزی

امرت میں زہر آمیزی

(ریاست دہلی کے خاص شاعر کے قلم سے)

نہ پٹی بندھ سکے گی اب مسلمانوں کی آنکھوں پر — ہے چند روز باب مسلم لیگ کی یہ فتنہ انگیزی

مسلماں ہو گئے ہشیار اب وہ جانتے ہیں یہ — کہ ہوتی ہے یونہی در پردہ ان کی آبرو ریزی

یقیں ہے ہند میں پھر وہ نیا فتنہ اُٹھائے گی — بہت بڑھ جائے گی فرقہ پرستوں کی اگر تیزی

وطن آزاد ہو گا تو دھری رہ جائیگی اک دن — تمہاری فرقہ داری اور انگریزوں کی انگریزی

کرو خدمت وطن کی، قوم سے اس کا صلہ پاؤ — گیا پہلا زمانہ، بھول جاؤ اپنی چنگیزی

اچھائی کو برائی اور نیکی کو بدی کر کے — وہ امرت میں کیا کرتے ہیں ہر دم زہر آمیزی

جماعت کے تفاوت سے کسی دن رنگ لائیگی — یہ بابائے خلافت اور جناح کی باہم آویزی

سخن کے جوہری اب چن لیں یہ موتی خبر کر دو
مرا کلک جواہر ریز کرتا ہے گہر بیزی

اشارات

کوئی کہتا ہے کہ ہندوستان زراعت کا ملک ہے، کوئی کہتا ہے یہ صنعت و حرفت کا ملک ہے، کوئی کہتا ہے یہ حکمت و فلسفہ کا ملک ہے کوئی کہتا ہے یہ روحانیت اور یوگ کا ملک ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہندوستان صرف شاعروں کا ملک ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ آسمان کے تاروں اور ریگستان کے ذروں کو تو گن سکتے ہیں لیکن ہندوستان کے شاعروں کا شمار نہیں کر سکتے۔

شاعروں کا یہ تجم غفیر اور شاعری کا یہ لا متناہی سلسلہ اس طرح جاری ہے کہ یار لوگ اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی موقع یا موضوع ہاتھ آئے اور اسے اپنے قلم کی گھس گھس سے گرد و غبار بنا دیں۔ چنانچہ گزشتہ ہفتہ شملہ میں جب پنجاب اسمبلی کا اجلاس ختم ہوا اور اس کے ارکان سرد اور بلند پہاڑوں سے گرم اور پست میدانوں میں واپس آئے تو شاعروں نے نظم کے ذریعہ ان غلط داروں کا حال دریافت کرنا شروع کیا۔

شملہ سے آنے والے بتا، کیا حال ہے خلد البلد کا؟

سوال تو یہ کرنا چاہئے تھا کہ کہئے حضرت آپ کا مزاج کیسا ہے؟ اجلاس اسمبلی میں آپ پر کیا گزری؟ چیف منسٹر صاحب کی خاموشی پر شاعر نے اور زبان عال سے انہوں نے کیسے کیسے کام کئے؟ سر چھوٹو رام کی بے تکی باتوں اور سخت کلامیوں نے اسمبلی ہال میں کیا کیا تماشہ دکھلایا؟ ڈاکٹر گوپی چند بھارگو اور دیوان چمن لال نے اپنی تقریروں سے وزارت کو کس کس طرح پچھاڑا؟ لالہ دیش بندھو گپتا نے سوالات کے تیروں سے سینۂ وزارت کو کس کس طرح چھلنی کیا؟ سردار ہری سنگھ نے بکھونکر بحث کی اور ڈاکٹر کچلو اور ڈاکٹر عالم کیا کرتے رہے؟

آپ دیکھیں گے کہ اوپر کے تمام سوالات میں ان کے جواب بھی موجود ہیں اس سے زیادہ، غالباً کچھ کہنے کی ضرورت نہیں وزارتی بچوں کے کارناموں کو اگر پوچھئے تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ سب کچھ صرف ایک آدمی کا تماشا تھا۔ پارٹی کی تعداد کے اعتبار سے اسٹیج تو بہت بڑا تھا مگر اس اسٹیج پر ایکٹر صرف ایک ہی تھا۔ آدمی تو بہت بیٹھے تھے مگر تماشائیوں کو صرف ایک تماشا گر یعنی چیف منسٹر دکھائی دیتے تھے، مخالفت کے ہر حملہ پر تلملا جانا۔ ہر بات کو سنبھالنا، کبھی کچھ کہنا، کبھی کچھ نہ کہنا، کبھی اُٹھنا، کبھی بیٹھنا یہ سب کچھ چیف منسٹر ہی کا کام تھا بقول میر انیس ؎

کبھی اُٹھنا، کبھی بیٹھنا، کبھی ٹہلا وہ جری

ہمیں سوالات کی تعداد تو معلوم ہے کہ چھ سو سے زیادہ تھی لیکن چیف منسٹر کے اٹھنے اور بیٹھنے کی تعداد ہمیں معلوم نہیں ہوئی، اگر مخالف پنچوں کے کوئی ممبر یہ اعداد و شمار مرتب کر لاتے تو ہمارے لئے زیادہ کار آمد ثابت ہوتا، افسوس ہے کہ ایسی ضروری بات کسی کو نہ سوجھی اور نہ کسی شاعر نے شملہ سے واپس آنے والوں سے یہ سوال کیا۔

بہرحال، آئیے ہم اور آپ مل کر اس کا حساب کر لیں، چھ سو سوالات کو ان کے ضمنی سوالات کے ساتھ نو سو (۹۰۰) بنا دیجئے۔ اگر ہم ہر سوال پر جواب دینے کے لئے اُٹھنے اور بیٹھنے کی اوسط ایک ہی بار رکھی جائے تو ایک ماہ کے تیس دن میں نو سو مرتبہ اُٹھنا اور نو سو مرتبہ بیٹھنا یعنی اٹھارہ سو حرکتیں ہوئیں اور نتیجہ بقول حالی یہی ہوا کہ ؎

چلے عمر بھر اور جہاں تھے وہیں ہیں

چٹکیاں

مسلم لیگ کے وہ ممبر جو قوم پرستانہ خیالات رکھتے ہیں مسٹر جناح کی مخصوص مسلم لیگ سے بھاگے جا رہے ہیں لیکن مولانا شوکت علی ہیں کہ پرانی لکیر بھی پیٹ رہے ہیں اور خلافت کی تحریک کو بھی زندہ کرنے کی فکر میں ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ”خلافت“ اب اسلامی حکومتوں میں کہاں باقی ہے اور اب یہ ڈھونگ رچانے سے کیا فائدہ!

یو۔پی کے ایک ”انٹیرم وزیر“ اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد فرماتے ہیں کہ انٹیرم وزارت کے دوران میں مجھے ہر قدم پر اپنی مشکلات اور اپنی خامیوں کا احساس ہوتا ہے!

بندہ پرور! یہ بلا تو آپ ہی نے اپنے سر پر نازل کی تھی، آپ کو انٹیرم وزیر بننے کو کس نے کہا تھا؟ بہر حال اب بھی سچ کہہ دیا تو غنیمت ہے!

اخبار ”ٹائمز دہلی“ نے یہ خبر اڑائی ہے کہ سر آغا خاں اب ہندوستان آکر فیڈریشن کی وزارت عظمیٰ کے عہدے کے لئے کوشش فرمائیں گے اور دوسری طرف مسٹر جناح بھی اس کے امیدوار ہوں گے،

اگرچہ یہ ایک گپ ہے مگر ہم اسے دلچسپ سمجھتے ہیں، ایک برطانیہ پرست اور ایک فرقہ پرست کا باہمی مقابلہ خوب ہو گا ؎

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

بنگال اسمبلی میں ایک نیا بل پیش ہونے والا ہے جس کا منشا یہ ہے کہ شادی کے طریقوں میں اصلاح کی جائے اور شادی سے پہلے ہر شخص کا طبی معائنہ کیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اسے کوئی بیماری تو نہیں ہے۔

کیا وزارت بنگال کے تمام وزیر شادی شدہ ہیں؟

ڈیرہ پور کے ایک سپیرے کو اس کے ایک سانپ نے ڈس لیا اور سپیرا مر گیا غالباً سپیرے کو معلوم نہ تھا کہ سانپ نے پہلے ہی سے مفترین کا اقتدار کھ لیا ہے!

دُنیا کا عجائب خانہ

سورج کی کرنوں سے طاقت

... سے حاصل کی جاتی ہے ... کی کرنوں سے حاصل کی جاتی ہے۔

امریکہ میں سونے کی حفاظت

اس وقت دنیا کے کل سونے کا چالیس فیصدی امریکہ میں ہے اور اس خطرے کے مد نظر کہ کوئی اس پر حملہ کرے اس کی حفاظت کے خاص انتظامات کئے گئے ہیں۔ خزانے تک پہنچنے کے لئے چاروں طرف ... کے درمیان خزانے کی عمارت ہے اس کے چاروں طرف مشین گنیں لگی رہتی ہیں۔ نیز سونا سطح زمین سے ... فٹ نیچے رکھا جاتا ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر ضرور لکھیں

— افریقہ کی آبادی ۰۰۰ ۵۷۹۹۵ ہے۔

— امریکہ کی آبادی ۰۰۰ ۳۰۹۱ ہے۔

— آسٹریلیا کی آبادی ۰۰۰ ۹۶۵۵ ہے۔

— حکومت برطانیہ کی آبادی ۰۰۰ ۴۹۵۷۶۴ ہے۔

— حکومت برطانیہ میں ۰۰۰۰۰ ۲۴ ہندو ہیں۔

— حکومت برطانیہ میں ۰۰۰۰۰۰ ۱۱ مسلمان ہیں۔

— حکومت برطانیہ میں ۰۰۰۰۰ ۷۶ پروٹسٹنٹ ہیں۔

— حکومت برطانیہ میں ۰۰۰۰۰ ۱۳ رومن کیتھولک ہیں۔

— حکومت برطانیہ میں ۰۰۰۰۰ ۱۲ بدھ ہیں۔

— حکومت برطانیہ میں ۰۰۰۰۰ ۴ سکھ اور جین آبادی ہیں۔

— شہد کی مکھیوں کے بڑے چھتے میں ۱۵۰۰۰ مکھیاں ہوتی ہیں۔

— انگلستان کی ۳۲ فیصدی عورتوں کے گھر دودو بچے پیدا ہوتے ہیں۔

— انسان کی اوسط عمر ۴۰ سال ہے۔

— ایک مچھر کے ۲۲ دانت ہوتے ہیں۔

— اگر ناخن نہ کاٹے جائیں تو ایک سال میں لمبا اپنچ بڑھ جائیں۔

— سردیوں کی نسبت گرمیوں میں وزن زیادہ موٹے ہوتے ہیں۔

— برطانیہ کی آبادی ۰۰۰ ۴۴۳۸۶ ہے۔

— مشرقی یورپ کی آبادی ۰۰۰ ۳۲۴۱ ہے۔

— ایشیا کی آبادی ۰۰۰ ۳۶۵۳۹۶ ہے۔

انسانی خون کا قائمقام مصنوعی خون

امریکہ کی ایک لیبارٹری میں علمی تحقیقات سے بالآخر انسانی خون کا بدل اور قائم مقام معلوم ہو گیا ہے یہ مصنوعی نباتات کے رس سے نکالا گیا ہے۔ جس جڑی بوٹی سے مصنوعی خون کا نچوڑ حاصل کیا گیا ہے اس کو لیانا شرب کہتے ہیں۔ اور وہ گرم آب و ہوا میں کثرت سے ملتی ہے، اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ یہ بالکل انسانی خون سے مشابہ ہے۔ اگر انسانی خون بہ جائے یا کم ہو جائے تو اس کی جگہ مذکورہ نباتاتی خون کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کلوروفائل یعنی نباتات کا یہ مواد انسانی خون کے ساتھ قریب ترین مماثلت و مشابہت رکھتا ہے لیکن آج تک اس کو انسانی خون کا بدل یا قائم مقام نہیں کہا گیا تھا۔

سائنس کی اس نئی ایجاد کے بعد زیادتی خون خارج ہو جانے کے مہلک امراض بہت حد تک رک جائیں گے نیز ہسپتالوں کا کام بھی مختصر ہو جائے گا۔ موجودہ صورت میں خون کے نکل جانے کی وجہ سے بہت سے خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ انسانی خون کی چار قسمیں بنائی جاتی ہیں کہتے ہیں کہ ایک قسم تو شاذ ہی ملتی ہے دوسری تین اقسام کے بہ جانے کی صورت میں ایسا آدمی مشکل سے ملتا ہے جو اپنے خون کا ایک حصہ کسی قیمت پر دینے کے لئے آمادہ ہو۔ اگر صحیح آدمی کا خون نہ مل سکے تو ننانوے فیصدی حالتوں میں بیمار کی حالت اور موت کا یقین ہوتا ہے۔

دُنیا میں انکم ٹیکس

دنیا میں انکم ٹیکس کی رفتار یہ ہے۔ امریکہ کے ہر تین باشندوں میں سے ایک انکم ٹیکس ادا کرتا ہے، برطانیہ کے پانچ باشندوں میں سے ایک انکم ٹیکس ادا کرتا ہے، اوسطاً برطانیہ کے ہر ایک باشندے کو ۱۷ پونڈ ۳ شلنگ، ہنس فرانس کے باشندے کو ۱۲ پونڈ ۶ شلنگ ۰ پنس جرمنی کے باشندے کو ۱۱ پونڈ ۱۲ شلنگ ۶ پنس۔ اور اٹلی کے باشندے کو ۶ پونڈ ۱۳ شلنگ ۹ پنس۔

عجیب و غریب نوجوان

ایک ۱۹ سالہ نوجوان الٹن کا رہنے والا جس کا قد ۸ فٹ ۶ انچ ہے اور ابھی روز بروز بڑھ رہا ہے اس کا وزن ۱۸ برس کی عمر میں ۳۲۴ پونڈ تھا اور اب اس کا وزن ۲۶۰ پونڈ ہے۔

اس کے جوتے کا سائز ۳۶ ہے حالانکہ عام طور پر سب سے بڑا سائز ... ہوتا ہے۔ یہ جوتا ایک برس تک آرام و طریق پر چلتا رہا۔ مگر اب وہ بھی تنگ ہو رہا ہے گویا پاؤں اور زیادہ بڑھ رہے ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ . . .

— شہد کی ۵۰۰۰ مکھیوں کا وزن ایک پونڈ ہوتا ہے

کیا آپ بھی ہو کملا؟ کشور نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

وہیں کسی کو رکنا پڑے، کملا نے عجب انداز سے کہا۔

یعنی

یعنی یہی کہ حضور کی انتظاری میں سیکنڈوں کی شروع کا مشغلہ کر رہی ہوں۔

تو کیا میں اس تکلیف کا شکریہ ادا کر سکتا ہوں کملا۔

معاف کیجئے میں یہ کہتی ہوں کہ اگر یہی حالت رہی تو نہ معلوم کتنی مرتبہ آپ کو شکریہ ادا کرنا پڑے گا۔

کملا میں ٹھیک وقت پر تیار تو ہو گیا تھا مگر ایک دوست کے آجانے سے دیر ہو گئی ورنہ میں ضرور آجاتا۔ بولو کیا تم ذرا سی چوک بھی معاف نہ کرو گی، تمہیں سوچو اس میں میری کیا غلطی ہے اور اگر ہے بھی تو ذرا فراخ دل سے معاف کر دو، کشور نے کملا کا منہ دیکھا شد ہنستے ہوئے کہا۔

جیئے آپ تو بڑے گستاخ معلوم ہوتے ہیں، کملا نے مصنوعی غصے سے کہا۔

"زہے قسمت" دہن مبارک سے آپ نے فرمایا تو کچھ۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب آپ کی شیریں کلامی کا شرف حاصل ہی نہ ہو گا، کشور نے ہنس کر کہا۔

"جئے بنائیے"۔ کملا نے ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ ناز و ادا کی جیتی جاگتی تصویر معلوم ہو رہی تھی آنکھیں نرگسی ہیں، ہونٹ بھی پتلے ہیں، بال بھی سنبل کا دھوکا دے رہے ہیں۔ اور رخسار بھی گلابی ہیں۔

"یوں ہی بڑے رہئے [illegible] کا بھی کچھ خیال ہے" کملا نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دیکھئے نہ آٹھ بج گئے۔

ارے آٹھ بج گئے تو جلدی کرو کملا۔

دونوں ہی دریا کے کنارے پہونچے۔ کشتی تیار تھی سوار ہو گئے۔ کشور نے پتواروں کو ہاتھ میں لیا اور کملا آرام سے بیٹھ گئی۔ کشتی تیزی کے ساتھ چلنے لگی، وقت بڑا دلفریب تھا، پہلی چاندنی کو وہ دو ہفتہ پہ پھیلی ہوئی تھی، دریا کی موجیں عالم بیہوشی میں انگڑائیاں لے رہی تھیں، ہوا اٹکھیلیاں کرتی ہوئی چل رہی تھی۔

کشتی اپنی پوری رفتار پر تھی، کشور نے پتوار چھوڑ دیا اور کملا کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک تو سناٹا رہا پھر کشور نے پوچھا۔ کملا جانتی ہو محبت کیا ہے؟"

"محبت ایک خدا کی دین ہے"۔ کملا نے کہا۔

"نہیں محبت ایک دھوکا ہے فریب ہے" کشور نے کہا

"جھوٹ کہتے ہو کشور، محبت روحانی خوشی دیتی ہے"

"خوشی نہیں تکلیف کہو کملا۔ محبت سے آرام، نہیں نہیں یہ بالکل ناممکن ہے، محبت انسان کو بیکار بنا دیتی ہے" کشور نے کہا

"غلط بالکل غلط کہتے ہو کشور، خیال رہے تم محبت کی بے توقیری کر رہے ہو" کملا نے ذرا زور سے کہا،

"پاگل نہ بنو کملا۔ محبت کو اچھا نہ سمجھو، ماضی کے ورق الٹو مجنوں کو کس نے گرد وحشت کی خاک چھنوائی، فرہاد سے کس نے پہاڑ کھدوایا؟ جانتی ہو صرف محبت نے!

"پھر بھی محبت ایک پاکیزہ نعمت ہے"۔ کملا نے کہا۔

"محبت ایک دریا کو کٹنے والی چھری ہے"۔ کشور نے کہا۔

غیب سے ایک آواز آئی۔ "تم دونوں غلطی پر ہو، محبت بے ہوشی کا دوسرا نام ہے۔"

نہیں یہ کیا۔ محبت بے ہوشی کا دوسرا نام ہے!

کشور نے تعجب سے کہا۔ ٹھیک تو ہے کشور،

کشتی کی رفتار کم ہو چکی تھی اور وہ لہروں کے سہارے ادھر ادھر ڈگمگا رہی تھی، چاند اب بھی آسمان میں مسکرا رہا تھا، اچانک کشتی ساحل سے ٹکرا کر رک گئی، دونوں ہی عالم بے ہوشی سے بیدار ہو گئے، ٹھیک اسی وقت دونوں نے سُنا، تھوڑی دور پر ایک سادھو کہہ رہا تھا، دنیا ایک دھوکا ہے۔ کشور نے ایک سرد آہ لی اور کملا نے گردن جھکا لی تھوڑی دیر خاموشی کا عالم طاری رہا۔ کشور نے دیکھا کملا کے گورے گورے رخساروں پر آنسوؤں کی بوندیں ٹپک رہی تھیں، اور کملا نے دیکھا کہ کشور کی آنکھیں پُرنم ہیں،

کملا تم رو رہی ہو؟

اور تم بھی تو کشور!

کملا!

کشور!

کیا اچھا ہوتا کہ یہ رات ہمیشہ یوں ہی بنی رہتی چاند اسی طرح قیامت تک مسکراتا رہتا۔ اور ہم اور تم دونوں ہی

... ...

ابھی کشور کی بات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ پانی میں ایک شور سا پیدا ہوا۔ دونوں نے دیکھا کہ ونود تیزی کے ساتھ کشتی کھینا ہوا چلا آ رہا ہے۔

"گڈ نائٹ مس کملا" ونود نے کہا۔

"گڈ نائٹ مسٹر ونود"، کملا نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا،

تینوں ایک ساتھ چلے، فضا خاموشی و حلان کئے ہوئے تھی، اور سب بھی خاموش تھے، پر یہ خاموشی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی، سلسلۂ کلام شروع ہو ہی گیا۔

"ہاں تو مسٹر ونود سُنا تھا تم ولایت جانے والے ہو؟" کملا نے کہا۔

"جانے والا تو ہوں پر دل نہیں چاہتا کہ تمہیں چھوڑ کر کہیں جاؤں"۔ ونود نے کہا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو اور بتاؤ کہ کل سینما دیکھنے چلو گے"، کملا نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں، مس کملا۔ اچھا کل کھیل کون سا ہے

شاید "دیوداس" ہے

تب تو ضرور چلنا چاہئے،

اور ہاں مسٹر کشور آپ بھی تیار رہیے گا۔

تقریباً دس بجے سبھی گھر کی طرف لوٹ گئے،

شام کے قریب پانچ بج چکے تھے کشور اپنے کمرے میں بیٹھا خیالات کے سمندر میں غوطہ زن تھا کہ اچانک ونود اور کملا اندر داخل ہوئے۔ کشور آج استقبال کے لئے کھڑا نہ ہوا۔ بلکہ سکتہ کی حالت میں اسی طرح بیٹھا رہا۔

کوئل

(از جناب یاور چاندپوری)

منہ اندھیارے گانے والی   میٹھے گیت سنانے والی
پچھلے کی خاموش فضا میں   اور تری دلسوز صدائیں
کوکو، کوکو، کوکو، کرکے   دل پہ لگاتی ہے نشتر سے
مست سُروں میں جب گاتی ہو   مستی ہر سُو پھیلاتی ہے
دکھ ہے تری آواز میں پنہاں   سوز ہی تیرے ساز میں پنہاں

اے کوئل اے ساز فطرت
اے شیریں آواز فطرت

تیری صدا پہ دل کھنچتا ہے   تجھ کو نہیں ابتک دیکھا ہے
ڈھونڈا میں نے تجھ کو اکثر   پیڑوں کے پیچھے چھپ چھپ کر
بچپن سے ہوں کھوج میں تیری   بر آئی امید نہ میری
دیکھ لوں تجھ کو ہے یہ تمنا   کاش نظر آجائے کوئلیا
کچھ تو بتا آخر کیا ہے تو   اے کوکو، اے پیاری کوکو

ای کوئل اے ساز فطرت
ای شیریں آواز فطرت

گیت جو گایا کرتی ہے تو   کس کو بلایا کرتی ہے تو
میری طرح ہے کیا تجھ کو بھی؟   اس دنیا میں چاہ کسی کی
آ ہم دونوں مل کر ڈھونڈیں   اپنے پریمی کو اس جگ میں
آ ہم دونوں گائیں مل کے   کاٹیں اپنے دن مشکل کے
آ مجھ کو پیغام سکوں دے   آجا آجا سامنے میرے

اے کوئل اے ساز فطرت
اے شیریں آواز فطرت

آخر آج پھر آپ نے دیر کر ہی دی، کملا نے طعنہ کے طور پر کہا۔
کملا معاف کرو مجھے، آج میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کشور نے بے رخی سے کہا۔

کملا چلو۔ انہیں پھر کسی دن لے چلنا، آج ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ونود نے اپنے کو بہت کچھ روکتے ہوئے کہا دیر ہوتے دیکھ کر دونوں چل دئے اور کشور سوچنے لگا

افسانہ

محبت کا کرشمہ

(خاص "بیجویکلی" کے لئے)

(از جناب اودھیش دلو ورما، بہرائچ)

بہن کشور تمہیں چلنا ہی پڑے گا کملا نے ضد سے کہا
آخر کوئی خاص ضرورت بھی تو نہیں ہے ساتھ چلنے کے لئے
مسٹر ونود بھیا ہی پھر کیوں ضد کر رہی ہو کملا۔

کہ دنیا کتنی عجیب جگہ ہے جس پر بھی اعتبار کرو وہی آستین کا سانپ نکلتا ہے،

(باقی اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ سے)

"آہ! کملا دیکھنے میں کتنی بھولی ہے۔ گویا کچھ جانتی نہیں۔ لیکن نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس نے تو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ میں تمہارے سوا اور کسی سے محبت نہیں کر سکتی تو کیا اس میں بھی کوئی فریب ہو سکتا ہے۔ آخر وہ بھی تو دنیا میں ہی رہتی ہے۔ کملا۔ کملا۔ تم کیوں میری زندگی خراب کرنا چاہتی ہو۔ میرے ارمانوں کی مالا توڑنا چاہتی ہو۔ نہیں کملا میں تم پر الزام نہیں لگا سکتا۔" کشور پھر کتاب کی طرف دیکھنے لگا۔ اور زبردستی وہ ایک دو سطر پڑھتے بھی۔ پھر ایکدم خیال آیا کہ اگر کملا کو مجھ سے محبت ہے تو وہ ونود سے کیوں ملتی ہے۔ میں دیکھتا کہ ونود کے دیکھتے ہی اس کے رخساروں پر ایک طرح کی سرخی دوڑ جاتی ہے۔

ہر طرف چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ بھینی سے ڈھکی ہوئی سفید چوٹیاں بہت ہی دلفریب معلوم ہو رہی تھیں۔ پاس ہی کشور اور کملا دونوں ہی ٹہل رہے تھے۔

"کملا ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے" کشور نے گھبراہٹ سے کہا۔

"کشور میں خود بھی نہیں جانتی"

"تم سب کچھ چھپاتی ہو کملا۔ لیکن چھپاتی ہو"

"کہہ سکتے ہو کشور"

"کملا جانتی ہو کہ میری زندگی اور موت دونوں ہی تمہارے ہاتھ میں ہیں۔ تم مجھے سبز باغ کی سیر کرا سکتی ہو۔ اور تم ہی مجھے صحرا کی خاک چھنوا سکتی ہو۔ بولو کملا کیوں تم اس قدر بدل رہی ہو؟"

"کشور ماضی کی باتوں کو بھول کیوں نہیں جاتے"

"کس طرح بھول جاؤں۔ مدتوں سے تمہارا خیال اپنے دل میں پوشیدہ رکھا ہے۔ تمہارے ہی سہارے نہ معلوم کتنے ارمان پیدا کئے۔ تم نہیں جانتی ہو کہ تم سے میری کتنی حسرتیں وابستہ ہیں"

"یہ سب کچھ ٹھیک ہے کشور ..... لیکن ....!"

"لیکن کیا کملا۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتیں"

"کشور میں ونود سے محبت کرتی ہوں"

"کملا۔ کملا۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو"

"کشور میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں یہ ٹھیک ہے کشور کہ تم اسے ٹھیک نہیں مانو گے۔ مگر تمہیں ماننا ہی پڑے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی وقت میں تم سے محبت کرتی تھی۔ لیکن ونود نے آکر میری دنیا میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔ مجھے دیوانہ بنا دیا۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ کیوں اس قدر ونود کی طرف کھنچ رہی ہوں"

"کملا تو کیا میں ... ..."

"ہاں کشور۔ تم مجھے بھول جاؤ۔ اسی میں بھلائی ہے"

"کملا وہ چاندنی راتیں جنہیں ہم تم نے اٹکھیلیاں کی ہیں وہ دریا کے کنارے جہاں گھنٹوں گزارے ہیں۔ وہ ہر ہرے بھرے باغ جہاں سینکڑوں وعدے کئے ہیں۔ کیا ان سب کو بھول جاؤں؟"

"ہاں کشور تمہیں بھولنا ہی پڑے گا"

"کملا ... ..." کشور آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

کملا ان آنسوؤں کو نہ دیکھ سکی۔ وہ چلی گئی۔

اچانک کشور کا ہاتھ اوپر کو اٹھا اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کچھ الفاظ نکلے۔ "بیوفا" آخری تھے۔

دنیا میں ہر چیز کی ناامیدی انسان کسی نہ کسی طرح سہتا ہی ہے دولت کا نقصان عزیز کی موت۔ یہ سب رنج بھی جدوجہد مجبوری سہنا ہی پڑتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان باتوں کا صدمہ کچھ دنوں تک تو دماغ پر تازہ رہتا ہے لیکن گردش ایام کی وجہ سے سب رنج ہوا ہوجاتا ہے لیکن محبت کی ناامیدی انسان کی ایک عجیب حالت کر دیتی ہے۔ جس نے برسوں کسی سے محبت کی ہو۔ متعدد ارمان کے بیج لگائے ہوں۔ اگر اسے کوئی جواب صفر میں مل جائے تو اس کی کیا حالت ہوگی۔ وہ زندگی سے بیزار ہو جائے گا۔ دنیا اس کے سامنے اندھیر ہو جائے گی۔ ہر خوبصورت شے بھی اسے بدصورت نظر آئے گی۔ صبح کا سہانا منظر اس کو خوفناک معلوم ہونے لگتا ہے۔ دوپہر کی دھوپ اس کے جسم کو جلاتی ہے شام کا وقت ایک طرح کی گھبراہٹ پیدا کرتا ہے۔ گلاب کی پنکھڑیوں کو دیکھ کر اسے اپنے محبوب کے سینے کی یاد آتی ہے۔ نرگس کا پھول گویا آنکھیں دکھاتا ہے۔ ٹھیک یہی حالت کشور کی تھی۔ وہی کشور جو پہلے خوبصورتی کا پتلا تھا اب پہچانا بھی نہیں جاتا تھا۔ آنکھیں وحشت برساتی تھیں کشادہ سینہ ناامیدی کی ٹکر کھا کر بیٹھ گیا تھا۔ وہی کشور جو پہلے روزانہ کپڑے بدلتا تھا اب ایک بوسیدہ قمیض اور دھوتی میں دیوانہ وار جنگلوں میں دوڑتا پھرتا ہے۔ نہ کھانے کی فکر رہتی ہے نہ سونے کی۔ وہ تو سر ایک دیوانہ کی طرح گھومتا ہے۔ کبھی روتا کبھی ہنستا اور کبھی آسمان کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔

شام کا وقت تھا سورج اپنی تھکی ہوئی کرنوں کو سمیٹ کر مغرب میں غروب ہو رہا تھا۔ پرندے اپنے گھونسلوں میں واپس جا رہے تھے ٹھیک ایسے ہی وقت میں ونود اور کملا ایک ندی کے کنارے بیٹھے محبت کے سنہرے خواب دیکھ رہے تھے۔

"کملا تم کتنی خوبصورت ہو" ونود نے کہا۔

"اور تم بھی تو ونود" کملا نے جواب دیا۔

"کملا تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو؟"

"جتنی تم مجھ سے کرتے ہو ونود"

"کملا تم جانتی ہو کہ پہلے میں کس طرح کے خواب دیکھا کرتا تھا؟"

"تمہیں بتاؤ نہ ونود"

"کملا جب میں نیند میں ہوتا تھا تو دیکھتا کہ تم تھوڑی دور پر کھڑی ہو اور میں محبت کے نشہ میں چور ہو کر تمہاری طرف بڑھتا لیکن تم برابر ہٹتی جاتیں یہاں تک کہ کشور ہم دونوں کے بیچ میں آ جاتا۔ اور شعلہ برساتی آنکھوں سے میری طرف دیکھنے لگتا۔ اور پھر تم ... ..."

"ونود۔ ونود بھول جاؤ ان بیکار کے خوابوں کو۔ اب کیوں ان کو سوچ کر عیش و آرام کی دنیا میں آگ لگاتے ہو"

"کملا۔ تم کتنی نیک ہو۔ کتنی بھولی ہو"

"کملا سچ کہو۔ اب کشور کی یاد آتی ہے یا نہیں؟"

"کشور کی ... ... ارے وہ تو پاگل تھا محبت کا دشمن۔ بس جانتا تھا بیکار کی باتیں کرنا" کملا نے نفرت سے کہا۔

"ٹھیک کہتی ہو کملا" ونود نے غرور سے کہا۔

"پیارے ونود پہلے میں اپنا سب کچھ کشور کو ہی خیال کرتی تھی لیکن اب تم نے مجھے اپنا بنا لیا۔ اور مجھے ایک وحشی اور بیوفا کے پھندے سے نکال لیا"

"کملا اب دس بج چکے ہیں۔ اس لئے ہمیں چلنا چاہئے" ونود نے گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ہاں ضرور" کملا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں موٹر میں آکر بیٹھ گئے۔ موٹر تیزی کے ساتھ چلنے لگی جب موٹر جنگل کے پاس پہنچی تو ایک دھماکے کی آواز ہوئی۔ موٹر رک گئی۔ ونود نے اتر کر دیکھا تو پچھلے پہیے کا ٹائر پھٹ چکا تھا۔ وہ سکتے کی حالت میں کھڑا ہو گیا۔ اچانک دس آدمیوں نے موٹر کو گھیر لیا۔ سبھی کے ہاتھوں میں پستول تھے کملا ان سب کو دیکھ کر ڈر گئی۔ اور ونود تو پہلے ہی بھاگ چکا تھا۔

"جو کچھ بھی تمہارے پاس ہو میرے حوالے کر دو" سردار نے کڑکتے ہوئے کہا۔

کملا کی نظر یکایک اپنی سنہری گھڑی کی طرف گئی۔ اپنے جڑاؤ زیورات کو دیکھا سہم کر کانپ اٹھی۔ اور مایوسی کی حالت میں اس کی زبان سے ونود۔ ونود نکل پڑا۔ لیکن افسوس جس پر اسے اعتبار تھا جسے۔ اپنا سمجھتی تھی وہی مصیبت میں اسے چھوڑ کر نہ معلوم کہاں چلا گیا تھا صرف اپنی جان بچانے کے لئے۔ اوہ دنیا کتنی خود غرض ہے۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا" کملا نے ہمت سے کہا۔

"اپنے بچاؤ دیتی ہو۔ یا گولی" سردار نے پستول تانتے ہوئے کہا۔

کملا نے بھی اپنی پستول نکالنی چاہی۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ نکالنے میں کامیاب ہو سردار نے پستول کا گھوڑا دبا دیا لیکن چشم زدن میں ہی سردار اور کملا کے درمیان بدنصیب کشور آ گیا۔ ڈاکوؤں نے دیکھا کہ ایک جوان خون میں تڑپ رہا ہے۔ گولی سینہ میں لگی تھی۔ ڈاکو ڈر کر بھاگ گئے۔

"کملا تم فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔ یہ جگہ خطرے سے خالی نہیں ہے"

کشور نے درد سے کراہتے ہوئے کہا۔

"میں چلی جاؤں اور تمہیں چھوڑ کر۔ یہ نہیں ہو سکتا کشور"

"کیوں۔ ونود کے ... ..."

"بس کرو کشور۔ اس پاپی اور دغاباز کا نام میرے سامنے مت لو"

"کشور تم نے مجھے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینکا میری پاک محبت کو ٹھکرا دیا۔ بتا سکتی ہو کیوں؟"

"کشور یہ دنیا دغابازوں جھوٹوں اور مکاروں کی دنیا ہے نہیں کا یہاں بول بالا ہے۔ ان کے آگے سچے اور وفادار لوگ اسی طرح چھپ گئے ہیں جس طرح بجلی کی روشنی میں مٹی کا چراغ۔ کشور تمہاری محبت کو میں نے ٹھکرا کر ونود کی جھوٹی محبت پر فریفتہ ہو گئی تھی۔ لیکن آج معلوم ہو گیا کہ کون ہیرا تھا اور کون پتھر" کملا نے روتے ہوئے کہا۔

"کملا جب تم نے ونود سے محبت کی تب بھی میں نے کوئی شکایت نہ کی۔ بلکہ میں صبر کے ساتھ زندگی گذارتا رہا۔ میں تو صرف یہی چاہتا تھا کہ تم خوش رہو۔ عیش و آرام کی دنیا کی ملکہ رہو۔ دکھ اور مصیبتوں سے دور رہو لیکن تم مجھے پھر مل گئیں۔ مگر افسوس ہے کملا کہ میں اب بہت ہی کم دیر کا مہمان ہوں۔ اور زندگی کی آخری منزل پر پہنچ گیا ہوں۔ اور ٹھیک ہے کہ میری زندگی نے دنیا کو فائدہ بھی کیا ہے۔" یہ سب باتیں کشور نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہیں۔

"کشور ایسی باتیں مت کہو۔ تم ضرور اچھے ہو جاؤ گے"

"کملا گولی سینہ کو زخمی کر چکی ہے۔ درد سے جان نکلی جا رہی ہے۔ زندہ رہنے کی اب بالکل خواہش نہیں ہے۔ زندگی میں ایک ارمان تھا تمہیں پانے کا سو وہ پورا ہو گیا۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کملا کہ میں تمہارے ساتھ زندگی کا آرام نہ اٹھا سکا۔ لیکن اس سے کیا۔ تمہیں اپنا بنانا چاہتا تھا اور بنا لیا۔ بس میں اسی میں خوش ہوں۔ ہیں یہ کیا کملا۔ تم رو رہی ہو۔ نہیں کملا یہ رونے کا وقت نہیں ہے۔ یہ زندگی کا سب سے زیادہ خوش نصیبی ہے کہ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو پا لیا اس سے بڑھ کر اور کون سی بات ہو سکتی ہے۔ پیاری کملا۔ رنج اس خوشی کے موقعہ پر آنسو مت بہاؤ۔ سمجھو میں جا رہا ہوں ایک سفر پر جس کا خاتمہ نہیں۔ اور جہاں سے مجھے لوٹ کر آنا نہیں ہے۔ مجھے خوشی کے ساتھ وداع کرو۔ میری رانی۔ رو رو کر مجھے میں مت بیکل کرو۔ تمہارے آنسو کا ایک ایک قطرہ میرے دل پر نقش ہو رہا ہے مجھے صبر ہے کملا کہ جس چیز کو میں زندگی میں نہ پا سکا اسے آج مر کر پا لیا ہوں۔"

"کشور یہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ لیکن صبر کس طرح کروں۔ کملی کی دنیا تمہارے بغیر ہی اور ویران رہے۔"

"اسی کا نام تو صبر ہے کملا" کشور نے کہا۔

پھر اچانک کشور کا جسم سخت پڑنے لگا۔ ہاتھ پیر ڈھیلے پڑنے لگے۔ آنکھیں پتھرانے لگیں۔ اس نے ٹوٹتے ہوئے لفظوں میں کہا "کملا ... مجھے ... معاف ... ک ... ک ... ر ... نا"

کملا کا دماغ چکر کھانے لگا۔ وہ اس دردناک سین کو نہ دیکھ سکی اور بیہوش ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب آنکھ کھول کر اس نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔

کشور کے مرنے کے بعد سے ہی کملا کی حالت بالکل بدل گئی۔ وہی کملا جس کا کشور کے ساتھ عیش و آرام کھیلا کرتا تھا اب غم کی جیتی جاگتی تصویر معلوم ہوتی تھی۔ خوبصورت چہرہ مرجھایا تھا۔ آنکھیں اندر کو گھس گئی تھیں۔ رخسار پچکے پڑ گئے تھے۔ وہ خود بھی سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھی۔ اب وہ بھی اسی جنگل میں زندگی کے دن گذارتی تھی جس میں کشور نے گذارے تھے جب وہ شہر کی جانب جاتی تو لڑکے اسے پگلی پگلی کہہ کر ستاتے۔ پتھر اور کنکر مارتے۔ لیکن اسے ان باتوں کی پرواہ تک نہ تھی وہ تو اپنے پیارے کی یاد میں سب کچھ بھول چکی تھی۔ وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتی تھی بلکہ اپنی خوشی سے اسے جو کچھ کوئی دیتا وہ لے لیتی۔ اور شام کے وقت جنگل میں پہنچ جاتی اور وہاں اس چیز کو دو حصوں میں بانٹ لیتی۔ ایک حصے کو کشور کے نام پر جنگل میں رکھ دیتی اور دوسرے کو خود کھا لیتی اور رات کو اسی جنگل میں سو جاتی۔ کبھی وہ جنگل میں ادھر ادھر دوڑنے لگتی۔ کبھی ہنستی اور کبھی گانے لگتی۔ لوگ اس کی اس حرکت پر ہنستے۔ تالیاں بجاتے لیکن سب بیجا تھی۔ لوگ تو غلطی سے کہتے ہیں کہ محبت صرف زندگی ہی میں کی جاتی ہے مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے سچی اور پاک محبت مرنے کے بعد بھی ایک دوسرے کو اپنا بنا لیتی ہے۔ بس اسی کو محبت کا کرشمہ کہتے ہیں۔

ہندوستان کی صنعتی ترقی اور عام خوشحالی کیلئے
ایک مرکزی قومی تنظیم کی ضرورت ہے

(از قلم جناب ڈاکٹر آر، سی، راؤ)

ہمارے غریب اور مفلوک الحال ملک کی زرعی اور صنعتی حالت کو بہتر بنانے کے لئے گزشتہ بیس سال میں کئی شاہی کمیشن ہمارے حال پر کرم کرنے کے لئے تشریف لا چکے ہیں یہاں سیر و گشت کرنے کے بعد تشریف لے گئے، اور رپورٹیں شائع کر دیں، دوسری طرف خود اہل ملک کی ایک بیدار خیال جماعت جس میں اہل سیاست اور قومی مفکرین دونوں ہی شامل ہیں "سیاسی اقتصادیات" کے مقابلہ پر خالص اقتصادی و معاشی بنیادوں پر ہندوستان کے وسیع صنعتی تنظیم کے اصول کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اور یہ حالت گزشتہ دس سال سے مہکزی ہی ہے گر دیکھا جائے تو صنعتی و تجارتی نظام ہند میں ایک مستقل انتشار و ہنگامہ برپا ہے کوئی مرکزی اور قومی تنظیم نہ ہونے کے باعث جو جس کا من چاہتا ہے کرتا ہے "سیاسی اقتصادیات" کے میدان کا ملنے جنہیں قومی زندگی میں کچھ بھی حیثیت حاصل تھی صنعتی و تجارتی امور کی تحقیقات کرنے، قومی دولت کی تقسیم کے اصول کو پرکھنے اور دیگر معاشی مسائل کے سلجھانے کی طرف بڑھنے کی بجائے میدان صنعت و تجارت کو بھی شور و شغب کا ذریعہ بنا لیا زیادہ سے زیادہ یہ کر سکے کہ مختلف ایوان ہائے تجارت نے مختلف سرکاری محکموں کو تار دیئے کہ فلاں غیر محفوظ صنعت کی "حفاظت" کی سخت ضرورت ہے، وہ اس سکے لئے یہ ہونا چاہیئے اور وہ ہونا چاہیئے وغیرہ وغیرہ، غرض مختصر یہ ہے کہ ابتدائے جنگ ہندوستان کے میدان صنعت و تجارت میں ایک مستقل انقلاب ہے جس کی بنیاد عدم تنظیم اور بے راہروی پر ہے۔

اقتصادی بے بسی کی حالت!

ہندوستان پر افلاس اور بدحالی اور صنعتی تباہی اور تبدیلی کسادبازاری کی شکایات اور مشکلات دکھلائے جانے کا یہ نتیجہ تو ضرور نکلا کہ جہاں تک لوہے، فولاد اور شکر کی صنعتوں کا تعلق ہے، حکومت کی طرف سے کچھ حفاظت کر دی گئی، محفوظ صنعتوں کے ہو جانے کے باعث انفرادی طور پر اور مشترکہ سرمایہ کے اداروں نے براہ راست یا غیر براہ راست درآمدی ڈیوٹی کی وجہ سے کافی رقم پیدا کر لی، بلکہ امیر کبیر ہو گئے لیکن جہاں تک ہندوستان کی عمومی خوش حالی اور مزدور پیشہ طبقہ کا تعلق ہے ان کی زندگی کا معیار ویسا ہی پست، ان کی جیبیں ایسی ہی خالی اور ان کا حال ویسا ہی بدحال ہے، جیسا صنعتوں کی حفاظت سے پہلا تھا، زرعی اور صنعتی کاموں، روزی پیدا کرنے والوں کے لئے دیہات سدھار کے کاموں، سائنٹیفک تحقیقات و ایجادات اور اسی قسم کی دیگر کوششوں سے اقتصادی ترقی اور سکون خاطر نہیں پیدا ہوا۔ اگر ہوا بھی تو صد درجہ خفیف گویا کالعدم اور بعد اس بھی سب بے حس و حرکت جسم کی طرح پڑے ہیں جسے کوئی تریاق اس کے عجیب و غریب مرض سے نجات نہیں دلا سکا ہے،

ہندوستان کی مفلوک الحال مخلوق اور عوام الناس کی معاش کے مسئلہ پر صدر انڈین نیشنل کانگریس نے جن بلند و اعلیٰ نظامیں حقیقت افروز خیالات کا اظہار کیا ہے وہ حقیقت کے قابل ہیں پاسنو بین یہ امر کہ عالمگیر قومی صنعتی تنظیم کی اشد ضرورت ہے۔ پہلے یہ بتایا جاتا تھا کہ سب چیزیں گھر پر بنانے اور گھریلو صنعتوں کو کامل طور پر دیہات اور گھروں میں بنا لینے سے ہی قومی خوش حالی کا مرحلہ طے ہو سکتا ہے مگر اب یہ بتایا گیا ہے کہ جب تک تیز رفتاری کے ساتھ گھریلو اور وسیع پیمانہ کی صنعتوں کو ملا کر عمومی فروغ نہ دیا جائے گا قومی پیداوار تقسیم دولت کا درجہ ترقی نہیں کرے گا سیاسی انقلاب کے خوف سے بہت سی صوبجاتی حکومتوں نے اپنی اپنی جگہ گھریلو صنعتوں کی ترقی کے لئے نہایت ہنگی، پیچیدہ اور دور از کار اسکیمیں اور حکام بھرنے شروع کر دیئے اور کام شروع ہو گیا ان حکام کے پھیلائے ہوئے پیچ در پیچ اور مہنگے طریقوں سے دیہاتی صناعوں اور کاریگروں نے یہ تو ضرور ہوا کہ کچھ اعتماد نفس اور نئی امنگ اپنے دل میں پیدا ہوتی دیکھ لی، لیکن ان کی اقتصادی حالت اور عمومی خوشحالی نے کچھ بھی معقول ترقی نہیں کی سرکاری نگرانی میں لوگوں نے جو صنعتی طریقے سیکھے وہ اس قدر آزاد اور دیہات کی مقامی خصوصیات سے بے بہرہ اور بے تعلق تھے کہ لوگوں نے یہ دیکھا کہ علاوہ ان کو استعمال کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے پھر سرمایہ کی کمی بلکہ علم و جدید فنون صنعت کرنے کے مواقع کا نہ میسر ہونا بھی ان کی ہمتوں کی پستی کا باعث بنا،

کانگریس نے بھی یہ غلطی کی ہے کہ محض ایک حسین تصور کو مشکلات کا حل قرار دے دیا ہے، دیہات کو اپنی ضروریات خود پیدا کر لینے اور بنا لینے کا تصور وسعت کار و تنظیم و عروج کا ضامن نہیں ہوگا، اصل میں ہمارے دیہات و اہل ہنر کو صرف "ہمدردی" کی ضرورت نہیں ہے کچھ اور بھی چاہیئے۔



مادر یورپ (آنسو گراتے ہوئے) آہ! میرے بچے کیسے شیطان ہیں کہ آپس میں لڑائی کر رہے ہیں!

(منیبل سپٹر، زیورچ)

اقتصادی بے تعلقی اور بے ربطی ناممکن

جو لوگ دنیا کی موجودہ مشینی زندگی سے واقف ہیں جانتے ہیں کہ پرانے زمانہ میں الگ تھلگ رہ کر بے ربط اقتصادی زندگی اور اپنی اپنی مقامی فضا میں کا چلانا جس قدر آسان اور مفید تھا اب نہیں رہا ہے، ہندوستان کو بھی جاپان کی طرح ترقی یافتہ صنعت کار ممالک عالم کے ساتھ ساتھ رہ کر جدید ترین ترقیات سے مسلح ہو کر کام کرنا چاہیئے ورنہ وہ صنعتی ترقی کی راہ پر گامزن نہ ہو سکے گا، اور صفحہ ہستی سے نہیں تو صنعتی اقتصادیات سے اس کا نام و نشان ضرور محو ہو جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے



لیگ آف نیشنز اور اسکے ارکان

کہ جدید قسم کی اقتصادیات ایک مرکزیت عمل اور سرمایہ داری کے جس نظام کو چاہتی ہے اس سے بچکر ہندوستان کے حالات کو سامنے رکھ کر ہم کیونکر عمومی صنعت کاری اپنے ملک میں پیدا کر سکتے ہیں۔ موجودہ سرمایہ داری کی جن اشکال کے ساتھ ہندوستان میں صنعت کاری شروع کی گئی وہ کامیاب درجہ تک نہ پہنچ سکی اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ انفرادی اور اجتماعی نوعیت سے قدر و قیمت اور حالات کی درستی و اصلاح کی کتنی ضرورت ہے،

اس بات کے ظاہر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس ملک میں جس طرح سرمایہ لگایا گیا ہے اور صنعت کو جس تنظیم کے ماتحت چلایا جا رہا ہے اس میں ترقی اور عمومی خوشحالی کے عناصر نہیں ہیں اور قومی دولت پیدا کرنا اس کے لئے ناممکن ہے۔

صنعت کاری کے حصول کے لئے اشتراکی اصولوں کا رواج کوئی آسان کام نہیں ہے اس کے لئے سرمایہ کی یکجہتی مرکزیت کی ضرورت ہے اس کے لئے قومی ذمہ داری بے غرضانہ احساس اور مساعی کی ضرورت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بعض اجارہ داروں نے فرضی طور پر اقتصادی حقوق و مراعات جو اپنے ہاتھوں میں جھپٹ کر لے لئے ہیں انہیں ان کے پنجے سے چھڑا لینے اور سب پر برابر تقسیم کرنے کی ضرورت ہے یہ بات ہر ایک کو بخوبی معلوم ہے کہ ہندوستان میں اقتصادی نام ہے دراصل کمپنی بنا کر تجارت کرنے والوں کا مینیجنگ ایجنٹ اور دیگر اجارہ داران صنعت و تجارت اس طرح سب چیزیں اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں کہ سب کو فائدہ پہنچ ہی نہیں سکتا، بلکہ ایک مختصر سی جماعت کی مٹھیوں میں ساری دولت کھنچی چلی آئے گی،

آجکل جو اقتصادی گروپ بنے ہوئے ہیں وہ ہر اس تحریک و تنظیم کی مخالفت کریں گے جو قومی بنیادوں پر ملک کی صنعتی، اقتصادی فلاح و نظام کی تکمیل کے لئے وضع و جاری کی جائیگی، وہ لوگ اس کا مضحکہ اڑائیں گے اور ایسی قومی تنظیم کو کامیاب نہ ہونے دیں گے، پس یہ بھی ضروری ہے کہ تمام ملک پر حاوی ایک نیا اقتصادی جال پھیلے اور سرمایہ کی ہوشمندانہ تنظیم کی سخت ضرورت ہے، اس کے بغیر آپ قومی فلاح کا اہتمام اور عمومی خوشحالی کی ضمانت نہیں پیدا کر سکتے،

قومی صنعت کی ضرورت!

انفرادی اجارہ داری اور سرمایہ داری کی وجہ سے قومی تنظیم و خوشحالی کی راہ میں جو مشکلات حائل ہو رہی ہیں ان کا دور کرنا اور دنیائے صنعت و تجارت میں قومی بنیادوں پر قائم ایک مستحکم بیداری و احساس کا پیدا کرنا ہر صاحب فہم اور قومی درد رکھنے والے انسانوں کا کام ہے قومی تحریکات کی پچھلی تاریخ سے یہ امر ثابت ہے کہ ہندوستان کے لوگ قربانیوں اور ایثار میں کسی سے کم نہیں ہیں بلکہ انہیں یہ خیال دامنگیر رہتا ہے کہ قومی حق اور مفاد کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں کر گزریں، بالخصوص "متوسط درجہ کا طبقہ"

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

حصہ جو مختلف تعمیراتی کاموں میں، چندوں میں اور ہر قسم کے قومی فنڈوں میں اپنی بساط سے زیادہ عملی حصہ لیتے ہیں۔ ہر قسم کی کوشش کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں قومی کام نہیں رکے۔ جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں کام بغیر نہیں رہ سکتی۔ مزدوری اور کام بہت ضروری ہوتی ہے تن من دھن سے سوسائٹی کے مفاد میں حصہ لیں لیکن بعض ایسے ذرائع بھی ہیں کہ جب تک انہیں نہ سنگوایا جائے گا۔ ہوتے ہیں سرمایہ کی عمومی مرکزیت کے لئے ضروری ہے کہ زندگی کے بیمہ کمپنیوں کے جمع کئے ہوئے روپیہ کو صنعتی ہندوستان کے فروغ کے لئے استعمال کیا جائے۔

زندگی کے بیمہ کی کمپنیاں!

بہت سی بیمہ زندگی کی بیمہ کی کمپنیوں نے عموماً بیمہ داروں سے الحمدللہ بڑے قوم اور ملک کے نام پر روپیہ اکٹھا کرنے کے نام پر نعرے لگائے۔ دیکھا تو روپیہ سرکاری کفالتوں کی صورت میں محفوظ کر دیا یا جسے باقاعدہ سرمایہ کے بینکوں میں نہایت قلیل مقدار میں پہنچا ہوا ہے۔ تاٹرز آف انڈیا کے ایک اسٹیٹمنٹ نے ابھی حال میں بتلایا تھا کہ اکثر کاروپیہ ۵ کروڑ کے قریب ہے جسے ضرور صنعتوں میں لگایا جا سکتا ہے اور اس کے مطابق دس سال کے اندر اندر یہ رقم دس گنا زیادہ ہو جائے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کے بیمہ کا روپیہ زرین طرح کفالتوں کی صورت میں کچھ

نہ کچھ حصہ مستقل کیا جانا چاہئے۔ لیکن اس امر کی کوئی منطقی اخلاقی، قانونی اور اقتصادی ضرورت و توجیہہ نہیں سمجھ میں آتی کہ انتہا روپیہ بے کار ڈالے رکھنے کی کیا وجہ ہے کہنڈا اور امریکہ کے بڑے بڑے کاروبار بیمہ زندگی کے روپوں کے بل بوتے پر قائم کئے گئے تھے۔ ان کمپنیوں نے قوم اور وطن کا نام لیکر چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کا روپیہ خوب جمع کیا ہے اب وقت آگیا ہے کہ ان کا روپیہ قومی صنعتی فنڈ کے لئے لے لیا جائے، نہ صرف یہ بلکہ ان اس قسم کے سرمایہ کا بیکار اور منتوں جمع رکھنا ممنوع قرار دیا جائے۔

ان تدابیر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس طرح روپیہ کی عمومی مرکزیت حاصل کی جا سکتی ہے مگر شروع کرنا ہیں جو خدشات اس راہ میں حائل ہیں ان کا اندازہ کر لینا چاہیئے تاکہ قومی مسائل سے نجات مل جائے موجودہ اجارہ داریوں کے ماہرین تنظیمی تجارتی فہم رکھنے والے اور عمدہ کارکن تعلیم یافتہ لوگ مل سکتے ہیں اسی روزگاری نہ صرف بہترین لوگوں میں پائی جاتی ہے بلکہ ان لوگوں میں بھی ہے جنہیں نام نہاد تعلیم یافتہ کہا جاتا ہے، تعلیم یافتہ طبقہ میں موجود طرز تعلیم کے خلاف سخت بے چینی پیدا ہے، بہتر کی تعلیمات کے لئے چاروں طرف سے آوازیں اٹھ رہی ہیں، ٹیکنیکل کالج، ریسرچ سیبارٹریاں، انجینئرنگ کالج اور اسی قسم کے دیگر ادارے ملک میں پیدا ہو رہے ہیں بس یہی وقت ہے جبکہ وقت

ہم قومی سنیا دوں پر قائم وہ کر کے صنعتی تنظیم استوار کر سکتے ہیں۔

اس تنظیم کا مقصد غریبی کو حتی الوسع دور کرنا، عمومی وسیع صنعت و حرفت کا فروغ اور بے روزگاری کو مناسب کام تلاش کرنا ہوگا۔

تنظیم کی اشد ضرورت

جو لوگ پرانے ڈھرے پر چلنے کے عادی، پرانی لکیر کے فقیر اور پرانا حلوہ مانڈا سیدھا کرنے میں رہتے ہیں ان لوگوں کی طرف سے اس قسم کی تنظیم کی سخت مخالفت کی جائے گی، مضحکہ اڑایا جائے گا۔ کہا جائے گا کہ ہندوستان میں سو کروڑ کا سرمایہ بھی فراہم ہونا ممکن نہیں، آج کل کی کساد بازاری میں سرمایہ کا نکالنا اور لگانا خطرہ سے خالی نہیں اور نہ تمام موجودات ومالک ہند کی ضرورتوں کے لئے کفایت کرنے والوں کی عظیم الشان صنعتی تنظیم کے لئے تیار روپیہ حرکت میں لایا جا سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ، وہ لوگ اعداد و شمار و حقائق کی بنیاد پر کہیں گے کہ ہندوستان مینجنگ ایجنسی سسٹم کی بدولت اپنی ضرورتوں کا خود کفیل بن چکا ہے بالخصوص لوہے، فولاد، روئی، سوتی کپڑے، سیمنٹ اور شکر کے معاملہ میں انفرادی سرمایہ اور مینجنگ ایجنسی سسٹم کی بدولت کافی ترقی نظر آتی ہے۔ جو لوگ ہندوستان کی تجارت سے ذرا بھی مرانتق رکھتے ہیں انہیں یہ امر فوراً معلوم ہو جائے گا

کہ یہ تمام دلیلیں قومی مفاد کے مقابلہ میں ذاتی فائدہ کی نیت پر زیادہ مبنی ہوتی ہیں، کسے خبر نہیں کہ سوتی کپڑے کی صنعت اس وقت اضمحلال کی حالت میں ہے، ضرورت ہے کہ اس کی تجدید کی جائے اس کے علاوہ کانکنی کی صنعت، خام اسٹیل، کی بڑی صنعت کا بیکار پڑا رہنا اور بہت سی ایسی صنعتیں جنہیں بڑی صنعتوں کی کنجی کہا جاتا ہے تنظیم وتجدید حیات کی منتظر بیٹھی ہیں، انجینئرنگ کے بہت سے کام اور پیٹرولیم کی طرف ابھی کچھ بھی توجہ نہیں ہوئی ہے پیٹرولیم سے بننے والی بہت سی چیزیں ابھی تک ہندوستان کے خواب میں بھی نہیں آئیں، مہنگائی کا جھولا جو کوئلے کی وجہ سے بہت سی تحقیق صنعتیں چلنا ابھی جاری تھیں، وغیرہ کی منتظر ہیں سب سے بڑھکر ایک "قومی مجلس تجارت صنعت" کے قیام کی ضرورت ہمارے سامنے ہے،

ضرورت ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس اب فوراً صنعتی میدان میں آ جائے اور تمام ملک کے لئے جامع کوئی تعمیری تنظیمی اسکیم عوام الناس کی خوشحالی اور صنعتوں کے فروغ کے لئے پیش کرے۔

قومی آزادی کے حصول میں جو دیر لگ رہی ہے اس کی وجہ سے ملک کی صنعتی ترقی کا رکنا مناسب نہیں ہے، جدید دستوری عہد کے آغاز ہی سے ایک وسیع و عریض پروگرام پر جلد از جلد عمل درآمد شروع ہو جانا چاہیئے۔

بمبئی کی نئی کانگریسی وزارت



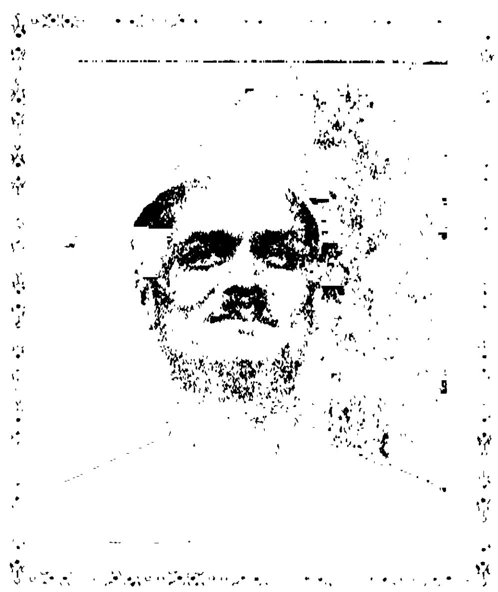
مسٹر ڈیے



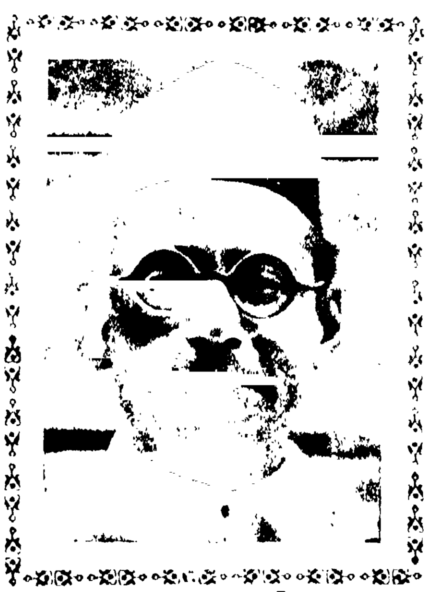
مسٹر کے-ایم- منشی



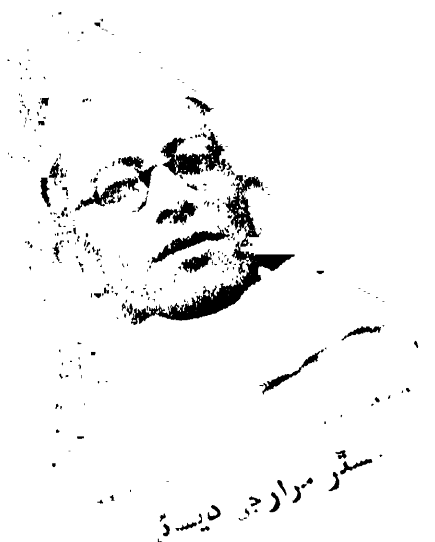
مسٹر یاسین



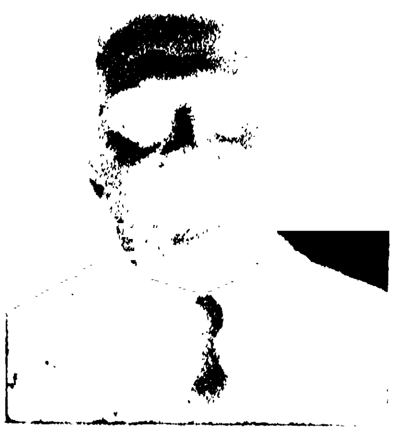
آنریبل جی-وی- ماولنکر
سپیکر بمبئی اسمبلی



مسٹر بی-جی- کھیر
وزیراعظم بمبئی



مسٹر مرارجی ڈیسائی



ڈاکٹر ایم-ڈی- گلڈر



مسٹر ایل-ایم- پٹیل



بلباؤ کی شکست کے بعد ... کے ... کو ...
... ہیں



... کے ہوائی دستہ کی بمباری کے بعد شہر بلباؤ کی تباہی کا ایک منظر



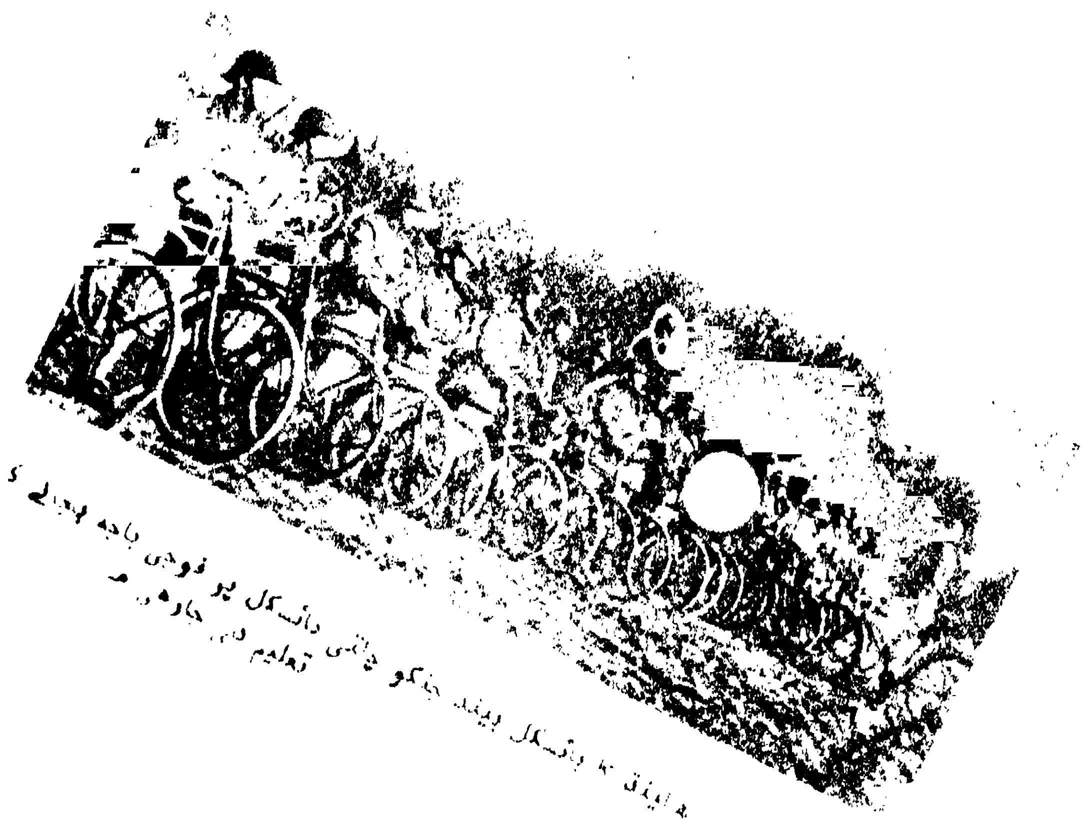
... ہوا باز ... ایم ... کی بلندی تک پرواز
کا ... ریکارڈ قائم کیا ہے ... تصویر ... ہے



انگلستان میں ... کے سامنے ایک آن ... کی طرف سے لڑکیوں کی ورزش
کا مظاہرہ



کوہستان ہمالہ میں ایک رومانی بنگلہ کا دلفریب منظر



... بائیسکل ... بائیسکل پر ... تعلیم دی جا رہی ہے

مدراس کی کانگریسی وزارت
اور
اسمبلی کے سپیکر، ڈپٹی سپیکر۔ کونسل کے پریذیڈنٹ اور ڈپٹی پریذیڈنٹ



شریمتی سی۔ راجگوپال آچاریہ
وزیراعظم مدراس



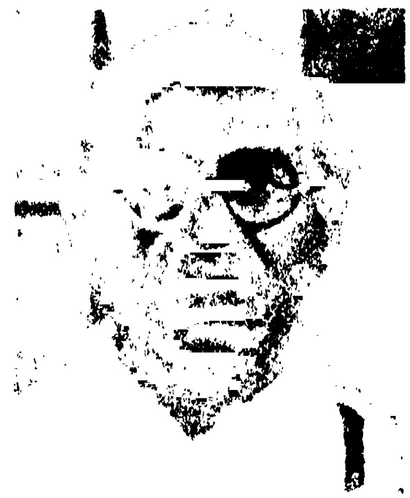
ڈاکٹر ٹی۔ ایس۔ایس۔ راجن



مسٹر یعقوب حسن



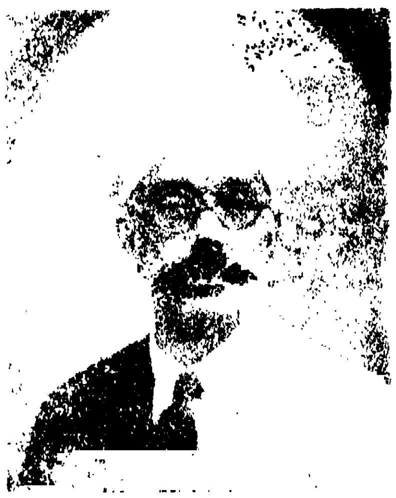
مسٹر ٹی۔ پرکاشم



آنریبل ایس۔ سمبامورتی
سپیکر مدراس اسمبلی



آنریبل مسز رکمنی لکشمی پتی
ڈپٹی سپیکر مدراس اسمبلی



آنریبل ڈاکٹر یو۔ راماراؤ
پریذیڈنٹ مدراس کونسل



آنریبل بی۔ وینکٹ سوامی نیڈو
ڈپٹی پریذیڈنٹ مدراس کونسل



مسز لکشمی اڈو
وہپ مدراس اسمبلی



مسٹر بی۔ گوپال ریڈی



مسٹر وی۔وی۔ گری



ڈاکٹر پی۔ سبرائن

کامیابی کی طرف دیکھتے رہو

(بہن اوشا سیتلوادنے لکھا)

تکلیفوں اور دکھوں کو تلاش مت کرو، صرف کامیابی کی طرف دھیان رکھو! دل اداس نہ ہونے دو، کبھی فیل ہونے کا خیال نہ کرو، امنگ کے ساتھ کامیابی کی طرف بڑھے چلو، اگر سایہ آ بھی جائے تو سمجھ لو کہ اس کے پیچھے سورج ضرور چمک رہا ہوگا ۞ کبھی چہرے پر ناک بھوں نہ چڑھاؤ، اگر کوئی ناکامی پیش آ بھی جائے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں، اپنے دکھوں کا خیال کرکے پریشان نہ ہو، آئندہ سورج چمکنے والا ہے، اس کا خیال کرکے اپنے کام کو اچھا بناؤ، دکھ اور پریشانیاں جلد جاتی رہیں گی، جو آدمی سورج کی طرف دیکھتا ہے اسے اپنا سایہ کبھی دکھائی نہیں دیتا۔ ایسے ہی تم بھی کامیابی کے سورج کی طرف دیکھتے رہو۔ اور پریشان کرنے والی باتوں یا تکلیفوں سے اپنا دل تھوڑا مت کرو!

شاگرد:۔ زمین کے ٹکڑے بہت ہیں کیونکہ زلزلہ (بھونچال) سب کو ہلا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے ۞

(۲) **استاد:**۔ اصغر چار موسموں کا نام لو؟

اصغر:۔ نمک، مسور، سرکہ، مرچ،

(۳) **استانی:**۔ اکبر کے بعد کون آیا تھا شکنتلا؟

شکنتلا:۔ اکبر کے بعد ـــــــ رضیہ

(بے دھیانی میں) کمرہ میں آئی تھی اور کوئی بھی نہیں آیا!

کیا تم جانتے ہو؟

کلکتہ، بمبئی سے آبادی میں زیادہ ہے! ـــــــ دن میں سب سے زیادہ سردی صبح ۵ بجے ہوتی ہے ۞

انسانوں کے سر میں ۷۷ پٹھے ہوتے ہیں ۞

بحر منجمد شمالی و جنوبی میں کوئی پختہ اور ٹھوس چٹان نہیں پائی جاتی،

جن کے بال ہلکے رنگ کے ہوتے ہیں سیاہ رنگ کے بالوں والوں سے بہت زیادہ عرصہ تک زندہ رہتے ہیں ۞

انگلستان اور ویلز میں ـــــ ۲۷،۰۰۰،۰۰۰ مرغیاں ہیں ۞

بال سبھا!

"تیج ویکلی" کا نیا ڈیپارٹمنٹ

(از رام دیال انچارج بال سبھا، تیج ویکلی دہلی)

ہم نے اس ہفتے ہندوستان کے بچے بچیوں کا آپس کا میل جول بڑھانے، اخلاقی تعلیمی اور دماغی ترقی کو دور دور کے دوستوں تک پہنچانے کے لئے ایک "بال سبھا" قائم کی ہے اس میں صرف طلبہ و طالبات بلاقید مذہب و ملت اور صوبہ و رنگ شریک ہو سکتے ہیں،

کہانیاں، مضمون، چٹکلے، کھیل اور دیگر تعلیمی و تفریحی معلوماتی چھوٹے چھوٹے آپ اس ڈیپارٹمنٹ کے نام بھیجئے، جنھیں (اگر ضرورت ہوئی) درست کرکے ہم چھاپ دیں گے ۞

اس ڈیپارٹمنٹ کو اور اچھا بنانے کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں، آپ بھی اپنی قیمتی رائے لکھ کر اس کام کو سپھل بنایئے، آپ کا مشورہ ان کالموں میں شکریہ کے ساتھ درج کیا جائے گا۔ چٹھی کا پتہ: انچارج "بال سبھا" ڈیپارٹمنٹ تیج ویکلی پوسٹ بکس نمبر ۱۱۲ دہلی کا ہے

۱۹۳۷ء کا مقولہ

ہاتھ کا ایک پرندہ جھاڑی کے دو پرندوں سے اچھا ہوتا ہے،

ہاتھ میں تیج ویکلی دہلی کی ایک کاپی الماری یا میز پر رکھی ہوئی دو کاپیوں سے اچھی ہوتی ہے

پتھروں کی دوڑ کا کھیل

(بھائی جعفر نے لکھا)

اس کھیل میں کئی کھلاڑی شریک ہو سکتے ہیں، زمین پر ایک لمبی لائن کھینچی جاتی ہے یا کوئی لمبی رسی زمین پر پھیلا دی جاتی ہے۔ کھلاڑی لوگ اس لائن سے چھ گز کے فاصلہ پر قطار باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، ہر کھلاڑی کے پاس ایک ایک چھڑی اور ایک ایک پتھر ہوتا ہے اور کھیل اس طرح شروع کیا جاتا ہے:۔

کھلاڑی چھڑی سے اپنے پتھر کو لائن کی طرف دھکیلتا ہے ـــــ یاد رہے کہ پتھر کو زور سے نہیں مارا جائے گا، بلکہ سرکایا جائے گا۔ چھڑی پتھر سے ہمیشہ چھوتی رہے۔ یہاں تک کہ کھلاڑی سامنے والی لائن تک پہونچ جائے ۞

اگر کبھی بھی چھڑی پتھر سے ہٹ گئی یا کھلاڑی نے زور سے پتھر کو مار دیا تو وہ "آؤٹ" ہو جائے گا۔ اس طرح بہت سے بچے کھیل کے میدان سے باہر چلے جائیں گے، اور جو لڑکا سب سے پہلے "گھر" تک یعنی لائن تک پہنچے گا "راجہ" مانا جائے گا، آج اس کھیل کو اپنے میدان میں کھیلو ۞

آغوشِ مادری

(مولانا خورشید عالم ہاشمی
خاص "تیج ویکلی" کے لئے)

سحر کن فضا میں خاموش چاندنی میں
ماں، اپنے دل میں نغمے خوشیوں کے گا رہی ہے
سوتا ہے ننھا بچہ، ہونٹوں پہ ہے تبسم
وہ دیکھئے فرشتہ اس کو ہنسا رہا ہے
معصومیت ہے نازاں محبوبیت ہے قرباں
گر کھولتا ہے آنکھیں وہ نیند ہی میں ڈر کر

سوتا ہے ننھا بچہ آغوش مادری میں
جذبات میں نمایاں ہیجان پا رہی ہے
گویا وہ ہو رہا ہے آمادۂ تکلم
رحمت کے جھولنے میں جھولا جھلا رہا ہے
چہرے پہ کس قدر ہے پاکیزگی نمایاں
سو جاتا ہے وہیں پھر خود، دودھ منہ میں لے کر

ناآشنائے غم ہے، ناواقف الم ہے
اس زندگی کی قیمت جتنی بھی ہو وہ کم ہے

ذرا ہنسئے!

(بھائی وینکٹ اور بہن عابدی نے لکھا)

استاد:۔ زمین کے کتنے ٹکڑے ہیں؟

مہاتما گاندھی کے اقوال

انمول لعل شق

مرتبہ جناب سعید احمد خاں قائم گنج۔ فرخ آباد

(۱) بدگمانی وجہ اور سبب کی پابند نہیں۔

(۲) مجھے معلوم ہے کہ سچے آدمی کو ہم کس بھی سہنا چاہئے۔

(۳) سچی دوستی روحانی اتحاد کا نام ہے جو اس دنیا میں بہت کم ہے

(۴) بیوی شوہر کی لونڈی نہیں بلکہ اس کی رفیق اور مددگار اور اس کی رنج و راحت میں برابر کی شریک ہے

(۵) مجھے معلوم ہے کہ خودکشی کرنا آنا سہل نہیں جتنا اس کا ارادہ ہے

(۶) ہر ایک آدمی اس کا خیال رکھے کہ جتنا روپیہ اس کے ہاتھ میں آئے گا اور خرچ ہوگا سب کا حساب رکھے اس سے آگے چل کر بڑا فائدہ ہوگا۔

(۷) بہت سے تجربوں سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ ذائقہ کا تعلق اصل میں زبان سے نہیں بلکہ دل سے ہے۔

(۸) میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ میری زبان سے یا میرے قلم سے کوئی لفظ بے سوچے سمجھے نہیں نکلتا ہے۔

(۹) انسان کو معمولی سی ملاقات سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

(۱۰) جب تک اپنے مذہب کو اچھی طرح نہ سمجھ لو کسی دوسرے مذہب کے اختیار کرنے کا خیال دل میں لانا مناسب نہیں ہے۔

(۱۱) ایک ہی چیز مختلف صورتوں میں مختلف نقطہ نظر سے دیکھی جا سکتی ہے۔

(۱۲) مجھے زندگی بھر خود حق پرستی نے یہ سبق دیا ہے کہ صلح کی خاطر کسی قدر دب جانا بہت اچھی چیز ہے۔

(۱۳) معرفت الٰہی کا ذریعہ صرف خدمت ہی ہے

(۱۴) وہ خدمت جس میں خوشی نہ ہو نہ خادم کے کام آتی ہے نہ مخدوم کے لیکن دلی مسرت کے ساتھ جو خدمت کی جائے اس کے آگے دنیا کی ساری راحت و دولت ہیچ ہے۔

(۱۵) اپنا فرض انجام دیتے ہوئے مرجانا کوئی عیب نہیں لیکن جو دوسری راہیں تلاش کرتا ہے وہ ہمیشہ مارا مارا پھرے گا۔

(۱۶) ایسا کون سا حجاب ہے جسے محبت دور نہ کرسکے۔

(۱۷) مجھے تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ دوسروں سے انصاف چاہنے کا سب سے زود اثر طریقہ یہ ہے کہ آدمی خود دوسروں کے ساتھ انصاف کرے۔

(۱۸) اگر گھر سلیقہ کا ہو تو جو تعلیم بچے خود بخود اس فضا میں حاصل کرتے ہیں وہ بورڈنگ ہاؤس میں کسی طرح حاصل نہیں کرسکتے۔

(۱۹) آزادی کی خاطر ان پر صرہ کر پتھر پھوڑنا اس سے اچھا ہے کہ آدمی زنجیروں میں جکڑا ہوا ادبی تعلیم پاتا ہو۔

(۲۰) بچہ پہلے پانچ سال میں جو چیزیں سیکھتا ہے وہ بڑا ہو کر کبھی نہیں سیکھ سکتا۔

(۲۱) خادم کی وفاداری بیوی کی محبت سے بدرجہا بہتر ہے۔

(۲۲) ضد نہ کرنے سے انسان ترغیبوں میں گرفتار رہتا ہے

(۲۳) مجھے یہ گوارہ نہیں کہ اپنی قوم کی کمزوریوں پر پردہ ڈالوں یا ان سے چشم پوشی کروں۔ اگر میں ایک طرف اپنی قوم کے حقوق کے لئے لڑتا ہوں تو دوسری طرف اس کے عیوب کی بھی اصلاح کرتا ہوں۔

(۲۴) لوگوں کو کسی کام پر آمادہ کرنے کے لئے بے حد صبر کی ضرورت ہے۔

(۲۵) میرا یہ راسخ عقیدہ ہے کہ قومی کام کرنے والوں کو قیمتی تحفے قبول نہیں کرنا چاہئے

(۲۶) حق کی تلاش ہی زندگی کی معراج ہے۔

(۲۷) یہ امید فضول ہے کہ کسی کی اولاد یا وہ بچے جو اس کی ولایت میں ہیں اسی راہ ارتقا پر چلیں گے جس پر وہ خود چلتا ہے۔

(۲۸) ہم میں سے ہر شخص بحر حقیقت کا قطرہ ہے اور قطرہ بحر کی طرح لامحدود ہے کسی قطرے کو حقیر سمجھنا دریا کی حقارت کرنا ہے۔ کسی بندے کا دل دکھانا سارے خدائی کو دکھ دینا ہے۔

(۲۹) میرا یہ عقیدہ ہے کہ جب مصیبت آتی ہے تو اس کا چارہ اور چارہ گر خود پیدا ہو جاتے ہیں

(۳۰) سچ پوچھئے تو سچا حسن پاک دامنی اور پاک باطنی میں ہے۔

(۳۱) انسان کا جوہر اور انسانیت کا معیار ہی تو ضبط نفس ہے۔

(۳۲) روحانی کمال یا عصمت بغیر توفیق ایزدی کے حاصل نہیں ہوسکتی۔

(۳۳) ضبط نفس خواہ کسی نیت سے کیا جائے انسان کے لئے ہمیشہ مفید ہوتا ہے۔

(۳۴) دل کی عیاشی کا علاج سوائے اس کے کچھ نہیں کہ انسان سختی سے اپنے نفس کا احتساب کرے اور خدا کے سامنے عاجزی سے سر جھکا دے۔

(۳۵) میرے نزدیک تعمیری سیرت تعلیم کی بنیاد ہے۔

(۳۶) میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ طالب علم کے لئے بہترین درسی کتاب اس کا استاد ہے۔

(۳۷) حق کے طالب کو کوئی کام رسمی خیالات سے متاثر ہو کر نہیں کرنا چاہئے۔

(۳۸) اہنسا عجز و انکسار کی آخری حد کا نام ہے۔

ناقد

(از پنڈت [illegible] مرادآبادی)

خاص تیج ویکلی کے لئے

[illegible] ایم اے پاس کر لینے کے بعد [illegible] شروع کر دیا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ایک بار زور سے [illegible] اپنے شعر [illegible] کر دیا

[illegible] ایک بار [illegible] کبھی کبھی ہم [illegible] کسی دوست سے کہا تھا۔ [illegible] [illegible] کر دیکھ پاؤں [illegible] [illegible] کروں گا [illegible] [illegible] بنا کر نہ بھیجوں

[illegible] پہنچ جاتا۔ اس کے بعد میرا تمام وقت ادب [illegible] بچپن ہی سے مجھے شاعر بننے کی زبردست [illegible] نہ ہو سکا مگر قسمت کے تغیر و تبدل سے [illegible] ناقد بن بیٹھا جو وقت میں ناقد بن رہا [illegible] مجھے آج بھی ہنسی آ جاتی ہے۔

اس وقت میں انٹرنس کا طالب علم تھا۔ [illegible] سے میری بڑی [illegible] کچھ نہ کچھ سنایا کرتا تھا [illegible] پوچھتا تھا۔ اپنے سے اچھے اشعار کو بھی میں [illegible] کیا کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ منوہر لال میری [illegible] ہو گیا۔ اور شعر سنانا بند کر دیا۔

ایک دن میں اپنے کمرے [illegible] بیٹھا ہوا ادھر اُدھر کی [illegible] کہ اسی وقت منوہر [illegible] جیب سے کاغذ نکال میرے ہاتھ میں دے [illegible] کہا۔ بہت عرصہ کے بعد میں نے چند [illegible] ذرا دیکھو تو کیسے ہوئے ہیں۔

عرصہ کے بعد ایسا موقعہ ملنے پر میں خوش ہو رہا تھا۔ تنقید کی [illegible] بہت تیز ہو گئی تھی۔ میں نے اشعار پڑھے [illegible] دیر تک [illegible] اس کے بعد منہ بنایا سا اور بول اٹھا۔

شعر بہت معمولی ہیں تصحیح کی ضرورت ہے۔ اس کے چہرہ [illegible] مجھے بہت تعجب ہوا۔ وہ خوش ہو رہا تھا۔ اس نے [illegible] سے ایک کتاب نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔

اس نالائق نے مجھے بیوقوف بنانے کے لئے [illegible] مرادآبادی کے چند اشعار نقل کر کے مجھے دکھا دیئے تھے جن [illegible] معمولی بتایا تھا۔ میں سست [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] کی کوشش نہ کرتا۔ تو بہت اچھا ہوتا۔ مگر میری قسمت میں کچھ اور ہی لکھا تھا اس لئے یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ آہستہ آہستہ میں مشہور ہونے لگا۔ اور میری تنقیدیں مشہور رسائل میں شایع ہونے لگیں۔

{۲}

میں کوشش کرنے پر بھی شاعر نہ ہو سکا۔ شاید اسی وجہ سے شاعروں پر سخت نظر رکھتا تھا۔ میرے قلم کی نوک نے بہت سے نوجوان شاعروں کو ہمیشہ کے لئے ناامید کر دیا۔ آجکل ایک نئے مشاعر کی تصنیف کرنے کر مشغول ہوں۔ چھ ماہ سے رسالہ کشکول میں شانتی دیوی کی نظم شایع ہو رہی ہے۔ چار پانچ نظمیں شایع ہو جانے کے بعد میں نے ان کی بہت سخت تنقید لکھی اور اسے اخبار خدمت میں شایع کرا دیا لیکن میں نے تعجب کے ساتھ دیکھا کہ کشکول کے اگلے نمبر میں پھر شانتی دیوی کے اشعار شایع ہوئے ہیں۔ غصے نے دماغ کا توازن ٹھیک نہ رکھا۔ اور میں فوراً ان کی تنقید لکھنے کے لئے بیٹھ گیا۔ لکھنا ختم کرنے کے بعد گھڑی کی طرف دیکھا تو بارہ بج گئے تھے۔ [illegible] جا کر بستر پر لیٹ گیا مگر نیند نہ آتی تھی۔ سوچ رہا تھا کہ میرا ریویو انتقام کی آگ سے بھرا ہوا ہے یہ سخت نامناسب بات تھی۔

{۳}

دوسرے دن جب میری آنکھ کھلی تو دن کے سات بج چکے تھے۔ ساڑھے سات بجے مجھے مسٹر سکینہ کے یہاں جانے پر مدعو تھا اس لئے فوراً منہ ہاتھ دھو کر باہر نکل پڑا۔

مسٹر سکینہ [illegible] کالج کے پروفیسر تھے۔ آپ کا لڑکا انگلینڈ میں سول سروس کی تیاری کر رہا تھا۔ درستی صحت کے خیال سے مسز سکینہ اپنے چھوٹے لڑکے کے ساتھ منصوری رہا کرتی تھیں۔ مسٹر سکینہ کے ساتھ صرف اُن کی بڑی لڑکی مالتی تھی۔

اتوار کا دن تھا۔ مسٹر سکینہ دوستوں سے بات چیت کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے کہا۔

"[illegible] کیوں! آج تو تم نے بڑی دیر کی۔ تمہارے لئے ہی سب انتظار کر رہے ہیں۔"

اس کے بعد چائے پیتے ہوئے بہت سی باتیں ہوئیں۔ تھوڑی دیر بعد مسٹر سکینہ کسی کام سے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ تو مالتی نے مجھ سے

"پرکاش بابو۔ آپ نے کشکول کے اس نمبر میں شانتی دیوی کی نظم تو ضرور پڑھی ہوگی۔"

میں نے کہا۔

"پڑھی کیا۔ خوب پڑھی ہے۔ ریویو بھی لکھا ہے۔ اس مرتبہ ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ناقد کیا چیز ہوتا ہے۔"

مس مالتی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ کے پہلے ریویو کا تو کچھ بھی اثر نہ ہوا۔"

میں نے جواب دیا۔

"اچھا اس مرتبہ دیکھا جائے گا۔ تم نے معانی کے عنوان سے جو نظم شایع ہوئی ہے وہ پڑھی ہے؟"

مالتی نے کہا۔

"ہاں۔ شاید وہ آپ ہی کو مخاطب کر کے کہی گئی ہے"

"اسی وجہ سے تو میں معافی چاہنے والے کو معاف نہ کر سکا۔"

مالتی نے بہت عمدگی سے جواب دیا۔

"ٹھیک کیا آپ نے۔ عورت ہو کر بھی اتنا غرور"

اُس وقت میں نہیں سمجھ سکا تھا کہ یہ الفاظ کتنے مزاحیہ تھے۔ اس لئے میں نے کہا۔

"کچھ نہیں۔ صرف تعلیم کی کمی ہی اس کا سبب ہے"

اس کے بعد میں نے مالتی کو اُبھارا کہ وہ اُردو میں کچھ کیوں نہیں لکھتی ہے؟

مالتی نے بہت ہی میٹھا جواب دیا۔

"کیوں؟ کیا شانتی کو چھوڑ کر اب مالتی کی باری ہے؟"

میں نے کہا:۔

"نہیں مالتی۔ اگر تم کچھ لکھوگی تو میری قلم سے کسی اور ہی طرح کا ریویو نکلیگا۔"

میرے ان الفاظ کو سُنکر مالتی کا چہرہ سُرخ ہو گیا جب میں گھر واپس آ رہا تھا تو مالتی نے کہا۔

"پرکاش بابو عورتوں پر مہربانی کیا کرو"

میں کچھ جواب نہ دے سکا۔ مگر میں نے دل میں یہ ارادہ کر لیا کہ اب تنقید نہ لکھا کروں گا۔

{۴}

مسز سکینہ ایک ماہ کے بعد منصوری سے واپس آ گئیں۔ اُن سے میں باتیں کر رہا تھا اور مالتی قریب ہی بیٹھی ہوئی البم میں فوٹو سجا رہی تھی۔

مسز سکینہ نے کہا۔

پرکاش بابو منصوری میں ہر ہفتہ تمہارا خط [illegible] کر بتانا ہے سے دل کو راحت ہوتی تھی۔ امتحان میں پاس ہونے کی خبر

(باقی اگلے صفحہ پر)

جذباتِ ضیا

(از جناب ضیا فتح آبادی۔ ایم اے۔ خاص تیج ویکلی کے لئے)

کچھ بتا دے تو ہی تاروں کی درخشانی مجھے
مضطرب رکھتی ہے کیوں دل کی پریشانی مجھے

شمع تو کچھ وقت تک میری حریف شام ہے
جاودانی مل گئی ہے گریہ سامانی مجھے

اب مجھے کیوں سوز ارزانی کا شکوہ مجھ سے ہے
کیوں بنایا تھا چراغِ محفلِ فانی مجھے

خشک یہ ساحل نہیں میری متاعِ آرزو
تو بہائے چل کہیں بہتے ہوئے پانی مجھے

ضبط نے تعلیم دی پاسِ وفائے عشق کی
ہو گئی آخر یہ مشکل بھی اک آسانی مجھے

کیوں نہ اپنی موت کا میں آپ ہی ساماں کروں
فیضِ فطرت سے ملی ہے فطرتِ فانی مجھے

میں کروں اسبابِ ناکامیِ دل پر تبصرہ
چین لینے دے اگر غم کی فراوانی مجھے

عقل کی تقلید ہے میرے لئے توہینِ عشق
دل جو کہتا ہے وہی ہے حکمِ ربانی مجھے

چاہتی ہے پھر اُسی جلوے کو بیتابیِ دل
سونپ دی جس نے متاعِ دردِ پنہانی مجھے

مل گیا جو جس کی قسمت میں تھا آتے ہی بہار
خندۂ گل باغ کو اور چاکِ دامانی مجھے

عشق کا حاصل نہیں کچھ بھی سوائے فکرِ دوست
عقل کیوں دیتی ہے تعلیمِ ہمہ دانی مجھے

اے ضیا تاروں نے پھر چھیڑا وہی سازِ جنوں
یاد پھر آنے لگی اپنی پریشانی مجھے

(پچھلے صفحہ سے)

شکریہ مجھے بہت خوشی ہوئی تھی۔ایل۔ایل۔بی میں تمہارے اوّل نمبر پر پاس ہونے کی امید ہم لوگ بہت دنوں سے لگائے بیٹھے تھے اور تمہارے پروفیسر صاحب تو تمہاری تعریف کرتے تھکتے نہیں۔

ملازم آکر میز پر اخبار رکھ گیا۔ یہ شکنتلا تھا۔ دیکھا کہ شانتی دیوی کی ناقدری کے عنوان سے نمایاں جگہ پر ایک مزاحیہ نظم شایع ہو رہی ہے۔ یہ کہنا فضول ہے کہ یہ نظم میں نے مجھے ہی مخاطب کر کے لکھی گئی تھی۔ اس کا سب لباب یہ تھا کہ کسی مصوّر نے ایک خوبصورت کی تصویر تیار کی تھی۔ تصویر نہایت عمدہ بنی تھی۔ مگر ایک بے وقوف نے تصویر کو اُلٹا پلٹا کر کہا تھا کہ تصویر تو اچھی ہے۔ قلم کا بہترین نمونہ ہے۔ مگر عورت کے پیر اوپر کی طرف ہیں اور سر نیچے کی طرف ہے۔

نظم پڑھ کر مجھے بہت غصہ آیا۔ نگاہ اوپر اُٹھی تو کیا دیکھا کہ مسز سکینہ باہر چلی گئی ہیں۔ اور مالتی البم سنبھالے بیٹھی ہوئی ہے۔

میں نے شکریہ غصے سے کہا۔

"تمہارا شکنتلا آیا ہے"

مالتی میری طرف دیکھ کر بولی:۔

"اس مرتبہ شاید شانتی دیوی کا بالکل ہی بائیکاٹ ہوگا"

میں نے کہا:۔

"نہیں ایک بد تہذیب کی طرح بہت ذلیل"

میں بے چین ہو کر مالتی نے میرے ہاتھ سے اخبار لے لیا اور ایک سانس میں وہ نظم پڑھ ڈالی۔ اور بولی:۔

"آپ بے حد غصے میں ہیں پرکاش بابو۔ آپ خاموش رہیں تنقید کہیں بد تمیزی نہ ہو کر۔ ایسی بد تہذیبی ناقابلِ معافی ہے"

میں نے کہا:۔

"نہیں۔ اس نظم کا جواب دے کر میں بھی بد تہذیب کہلانا پسند نہ کروں گا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ منظومات کسی عورت کی نہیں بلکہ عورت کے پردے میں کوئی مرد لکھتا ہے"

مالتی کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ مُسکرا کر اس نے کہا:۔

"ہو سکتا ہے"

{۵}

چار پانچ دن کے بعد مسز سکینہ کا ایک خط ملا جس میں مالتی کے ساتھ میری شادی کا ذکر تھا۔ مجھے کچھ بھی تعجب نہ ہوا کیونکہ میں جانتا تھا کہ کسی نہ کسی دن یہ خیال ضرور ظہور میں آئے گا۔

اس دن مجھے بڑی مسرت ہوئی۔

دوپہر کے وقت ایک اور خط ملا۔ اس میں شام کو چائے پینے کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ میں ٹھیک چار بجے مسز سکینہ کے گھر پہنچ گیا۔ وہاں مالتی کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس کے والدین ٹہلنے کے لئے باہر گئے ہوئے تھے۔ گھر پر صرف مالتی ہی میری وجہ سے رکی ہوئی تھی۔ سب باتیں میری سمجھ میں آ گئیں۔

مالتی نے کہا:۔

"پرکاش بابو چائے پی کر بھاگ نہ جائیے گا"

میں نے کہا:۔

"نہیں گفتگو کے ساتھ تھوڑا سا نمک بھی چائے میں ڈال دیجئے۔ تب شکر بھی ادا کر سکوں گا"

مالتی ہنس پڑی۔

میں اس وقت بہت غور سے مالتی کی بڑی بڑی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا جن سے شرمیلی فطرت جھلک رہی تھی۔ میں نے اُسے پیار سے پکارا:۔

"مالتی"

تعجب سے میری طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا:۔

"کہئے پرکاش بابو"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بیٹھ گئی۔ جیب کے اندر سے میں نے مسز سکینہ کا وہ خط نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

آہستہ آہستہ پڑھ کر اس نے مجھے وہ خط واپس کر دیا۔

میں نے دریافت کیا:۔

"تمہیں کوئی عذر تو نہیں ہے مالتی؟"

وہ کچھ نہ بول سکی۔ میں نے پھر کہا:۔

"یہ وقت جواب کا نہیں ہے۔ تمہیں اگر عذر نہ ہو تو میں انکار کر دوں گا"

اس نے بہت نرمی سے کہا:۔

"مجھے کچھ کہنا ہے"

میں نے کہا:۔

"کہو نہ پھر۔ خاموش کیوں ہو؟"

اس کے چہرہ پر خوف کے آثار دکھائی دینے لگے۔ دبی ہوئی آواز میں اس نے کہا:۔

"میں ہی شانتی دیوی ہوں"

میں نے پوچھا۔ "یعنی؟"

اس نے کہا:۔

"میری ہی منظومات شانتی دیوی کے نام سے شکنتلا میں شایع ہوا کرتی تھیں"

مجھے شیر قالین کی نظموں کی تصویر بھی یاد آ گیا۔ مگر یہ واقعہ اس سے بھی زبردست تھا۔ میرا منہ پھٹے کا پھٹا رہ گیا۔ اور میں شرم سے پانی پانی ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اس سے عاجزی سے کہا:۔

"معاف کر دو مالتی"

اس نے جواب دیا:۔

"معاف آپ کریں گے یا میں؟"

میں نے کہا:۔

"تم نے تو مجھے معاف نہ کیا"

اس نے کہا:۔ "کس طرح؟"

اسی وقت مسز سکینہ اپنی بیوی کے ساتھ ہنس کر کمرے میں آ پہنچے۔

مسز سکینہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا:۔

"پرکاش تمہاری چائے ابھی تک نہ پی۔ ٹھنڈی ہو گئی ہوگی"

مالتی کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا:۔

"چائے بدل دو بیٹی"

{۶}

مالتی سے میری شادی ہو گئی۔ آج کل وہ خوب نصف شوہر سے نظم کہہ رہی ہے۔ مگر میں اب بھول کر بھی ریویو نہیں لکھتا۔ لکھنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔ مالتی کبھی کبھی ٹوک دیتی ہے کہ ریویو کیوں نہیں لکھتے ہو۔

اس وقت غصہ ہو کر میں کہتا ہوں:۔

"پھر وہی بات؟"

مفلس ہندوستان

(از جناب آصف علی جعفری دھلی)

...عرف عالم کا ہندوستان۔ رام راج کا ہندوستان۔ اکبر اعظم والا ہندوستان۔ سونے کی چڑیا کہلانے والا ہندوستان۔ دودھ گھی والا ہندوستان جس کی دولت و ثروت بے انتہا تھی ور دنیا کی للچائی ہوئی نظریں اس کی طرف لگی رہتی تھیں۔ یہ وہ ملک تھا جس کو فتح کرنے کا آرزو مند تھا جہاں پر کسان و کاشتکار بہ سر پیکار تھے۔ نہ مزدور و سرمایہ دار آپس میں دست و گریباں تھے۔ ہر ایک ہندی چین کی نیند سوتا تھا۔ اس کی صنعت و حرفت زمانہ میں مشہور تھی اور اس کا مال دنیا کی منڈیوں میں جاتا تھا اور خوب منافع ہوتا تھا۔ ایک اہل مغرب مصنف تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"اہل ہندستان نے قدیم میں مغرب کا کمال حاصل کر لیا تھا جس کے سبب شاہی دربار ہندوستان کے نقری اور طلائی ظروف سے زرق برق تھے آج سے صدیوں پیشتر ان کی ململ تمام دنیا میں شہرت رکھتی تھیں۔"

اسی طرح مسٹر ایڈورڈ اپنی کتاب "سلطنت ہند" میں لکھتے ہیں۔

"جس زمانہ میں برطانیہ کے وحشی باشندے اپنے جسم ننگے رکھتے تھے۔ عنکبوت کی سی باریک ڈھاکہ کی ململ کشمیر کے نفیس شال اور دہلی کے کار چوبی ریشمی کپڑے قیصر روم کے دربار میں بڑے بڑے امراء بڑے شوق سے زیب تن کرتے تھے۔"

ان تمام حقیقتوں کے بعد آجکل کا ہر ہندوستانی یہ سمجھنے میں بالکل حق بجانب ہے کہ ستارھویں اور اٹھارھویں صدی کا ہندوستان بیسوی صدی کے ہندوستان سے بالکل مختلف تھا وہ ایک صناع و کاریگر اور صنعت پیشہ ملک تھا۔ اس کے مال کی کھپت یورپ اور ایشیا کی منڈیوں میں ہوتی تھی لیکن برطانوی سامراجی نظام نے لنکا شائر اور مانچسٹر کی تجارت کو فروغ دینے کے لئے ہندوستانی صنعت و حرفت کو سخت نقصان پہنچایا۔

مشہور مورخ ایچ۔ ایچ ولسن کا بیان ہے کہ۔

"برطانی صناعوں نے سیاسی ناانصافی کے بل بوتے پر ایک حریف کو نقصان پہنچانے میں پس و پیش نہیں کیا جس سے مساوی شرائط پر مقابلہ ناممکن تھا" دوسری جگہ بیان فرماتے ہیں "ہندوستانیوں کو سب سے زیادہ بھروسہ انگلستان پر تھا اس کے ساتھ ترقی کی کمیشن کے روبرو شہادت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہندوستانی سوتی اور ریشمی پارچہ جات انگلستان کے بنے ہوئے پارچوں کے مقابلہ میں خود انگلستان میں پچاس ساٹھ فیصدی کم قیمت پر فروخت کرنے میں معقول منافع مل سکتا تھا۔ حکومت برطانیہ نے ہندوستانی کپڑے کی درآمد پر انگلستان میں ستر اور ۸۰ فیصدی محصول لگا دیا اور جب اس سے بھی ہندوستانی کپڑوں کی درآمد کی تو درآمد قانونی طور پر ممنوع قرار دیدی گئی ۱۸۱۳ء کی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ سے ہندوستانی مال پر جو انگلستان میں محصول لیا جاتا تھا وہ حسب ذیل ہے:۔

ریشمی پارچہ	درآمد ممنوع۔ چھینٹ	۔ ۲ ۔ فی صدی	
زربفت	"	۔ بنت کا رائشی سامان	۱۱ فیصدی
دری قالین	۶۸ فیصدی	ململ و سوتی پارچہ	۳۷ فیصدی
شکر تقریباً	۔ ۱۸ روپے من		

اگر ہندوستانی صنعتوں کے ساتھ یہ سلوک نہ ہوتا تو آج مانچسٹر اور لنکاشائر کے کارخانے اتنے ترقی پذیر نہ ہوتے۔ جیسا کہ

نیز موک نے لکھا ہے:۔

"انگلستان میں عیش و آرام کی فراوانی ہوگئی اور اسی طرح تجارت و صنعت کے طبقات مالامال ہوگئے۔

اس کے علاوہ معدنیات کی پیداوار بھی دنیا کے دوسرے ممالک سے کم نہیں ہے۔ یہ سرزمین اپنے سینہ میں بہت سی قیمتی معدنیات چھپائے ہوئے ہے۔ چندر گپت کے زمانہ کے یونانی سفیر میگستھینز نے لکھا ہے کہ "ہندوستان میں زمین کے اندر ہر قسم کی دھاتوں کے بیشمار ذخیرے دبے پڑے ہیں" اسی طرح معدنیات کے مشہور ماہر مسٹر ڈی بال "معاشی ارضیات ہند" میں تحریر فرماتے ہیں: جہاں تک معدنیات کا تعلق ہے اعلیٰ سے اعلیٰ اور مہذب سے مہذب زندگی کی شایان

باقی اگلے صفحہ پر

(پچھلے صفحہ سے)

ہی کوئی ایسی ضرورت ہوگی جس کو ہندوستان مہیا نہ کر سکے۔"

حکومت ہند کے مشہور سکرٹری ریاضیات سر تی ایلیئٹ ہندوستان میں معدنیات کی کثرت بتاتے ہیں۔ ڈاکٹر مارشن لکھتے ہیں کہ تمام دنیا میں سونا چاندی خصوصاً چاندی کی برآمد ہندوستان کی بہت پر منفعت تجارت تھی۔ روئے زمین پر کوئی اور ملک اپنی ضروریات کے مقابلہ میں اتنا مستغنی نہ تھا جتنا ہندوستان تھا لیکن بدیسی حکومت کی برکت سے اربوں روپے کا سرمایہ زریں انگلستان کی طرف پرواز کر چکا ہے اور کر رہا ہے۔ سر جو دیتی گیٹ لکھتے ہیں کہ:

سرسری اندازہ کے بعد بڑی آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ جنگ پلاسی اور جنگ واٹرلو کے درمیانی عرصہ میں ہندوستان سے انگلستان کو پندرہ ارب روپیہ گیا۔ گھر والے نان شبینہ کو محتاج ہیں لیکن سات سمندر پار والوں کی پرورش ہماری دولت سے ہوتی ہے۔ اگر ملک کا روپیہ ملک ہی میں رہتا تو لوگ اس قدر قلاش نہ ہوتے۔ مفلسی اور بے روزگاری میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے۔

صنعت و حرفت سے زیادہ اہم مسئلہ زراعت کا ہے چونکہ ہندوستان ہمیشہ سے زراعت پیشہ رہا ہے اور اس کی حقیقی آبادی گاؤں اور دیہاتوں میں ہے۔ گزشتہ مردم شماری کی رو سے تیس یا اکتیس کروڑ کی آبادی ان دیہاتوں کی آبادی بتائی جاتی ہے اور چار یا پانچ کروڑ کی آبادی شہروں میں ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ کی حالت پر ذرا غور کیجئے سنہ میں بنگال دنیا کا سب سے زیادہ مالدار اور آباد اور زرخیز ملک تھا۔ بنگال کی تحقیقات سنہ ۱۸۱۲ء اس کے علاوہ پارلیمنٹ کے سامنے لارڈ کلائیو نے شہادت دیتے ہوئے سنہ میں کہا تھا کہ شہر مرشد آباد در بنگال اس قدر وسیع اور خوشحال اور دولتمند ہے جس قدر خود لندن۔ فرق یہ ہے کہ مرشد آباد میں لوگوں کی ذاتی جائدادیں ہیں اور لندن سے بہت زیادہ ہیں اور اس کی آبادی بھی کئی لاکھ ہے۔"

اب ذرا موجودہ حالت کو دیکھئے کہ ہندوستان کی اس حقیقی آبادی کی کیا حالت ہے کہ جس کی خوشحالی ہندوستان کی خوشحالی ہے اور جس کی ترقی ملک کی ترقی ہے ان کے لئے نہ کھانے کو روٹی ہے نہ رہنے کو کٹیا ہے نہ تن ڈھانکنے کو کپڑا

یہ لوگ ساہوکاری، زمینداری اور مہاجنی سسٹم کی وجہ سے قریباً ۵ ارب روپے کے قرضہ کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں۔ سر ولیم ہنٹر نے عرصہ ہوا کہا تھا "ہندوستان کے چھٹے حصہ سے زیادہ آبادی کو مدت العمر پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں ملتا۔" سر گائی فلیٹ ووڈ ولسن ممبر سرکار ہند کے سابق وزیر مال نے فرمایا ہے کہ:

"ہندوستان کی بڑی جماعت غریب ہے اور ایک خاص جماعت تو بہت ہی غریب ہے"۔ یقیناً اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہندوستان میں متوسط طبقہ کے لوگوں کو بھی تن پرور غذائیں نہیں ملتیں جن کی وجہ سے وہ لوگ لاغر ہوتے ہیں اور عمریں بھی یورپ کے مقابلہ میں کم ہوتی ہیں۔

سر فریڈرک شونڈیر نے سنہ ۱۹ء میں لکھا تھا:

"ہندوستان کا نظارہ دماغ پر افلاس اور افسردگی کے اثرات چھوڑتا ہے۔ ہر ملک سے زیادہ اس ملک کے باشندے مفلوک الحال اور اداس نظر آتے ہیں۔ وہ اس قدر کمزور اور خستہ حال ہیں کہ ایک ٹکڑا روٹی حاصل کرنے کے لئے جانوروں سے زیادہ محنت کرتے ہیں۔ وہ لاغر اور مرجھائے ہوئے مزدور ہیں اور ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی ہے۔"

ل کا ایک مزدور صبح سے شام تک مزدوری کرتا ہے لیکن اس کو تن ڈھانکنے کے لئے کپڑا نہیں ملتا۔ ایک معمار جو دن رات عمارات بناتا ہے اس کے رہنے کے لئے ایک کٹیا میسر نہیں ہندوستان کی عام مفلسی کے بارے میں لارڈ لارنس نے سنہ ۱۸۶۶ء میں کہا تھا کہ:

"ہندوستان کی آبادی اس قدر مفلس ہو چکی ہے کہ اس کے پاس زندگی برقرار رکھنے کے لئے پوری آسائش مہیا نہیں اور آرام تو کجا وہ اپنے بال بچوں کی شکم پروری بھی مشکل سے کر سکتا ہے۔"

عام علم کا یہ فرق ہے کہ انگلستان کے ایک باشندے کی اوسط یومیہ آمدنی چار سو پیسہ ایک آنہ ہے اور ایک ہندوستانی کی یومیہ اوسطاً آمدنی پانچ پیسہ کے قریب ہے۔ خیال کرنے کا مقام ہے کہ پانچ پیسہ یومیہ میں دو وقت کی پوری روکھی روٹی بھی میسر نہیں آسکتی کجا اچھی اور صحت بخش غذا۔ اب رہا سوال ہندوستان کی اس غربت و فلاکت اور بیروزگاری کو دور کرنے کا تو اس سلسلہ میں حکومت کا اصلاحی پروگرام ملاحظہ فرمایئے۔ نہ تو قرضہ جات کی تنسیخ کی جاتی ہے اور نہ ٹیکس اور لگان میں تخفیف کی جاتی ہے بلکہ اس مجبور دیہاتی کی اصلاح ریڈیو کے ذریعہ کی جاتی ہے جو اسی صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے جبکہ انسان کا شکم پُر ہو۔ لیکن وہاں کسان بھوکے "روٹی روٹی" پکارتے ہیں تو ان کی تواضع طبلہ اور سارنگی سے کی جاتی ہے جب لگان کی کمی کا مطالبہ کرتے ہیں تو کچہری اور عدالت سے بہلایا جاتا ہے اور جب روٹی کا سوال اٹھاتے ہیں تو بھجنوں اور ملہار سے تسلی دی جاتی ہے۔ حکومت کو غالباً یہ خبر نہیں کہ یہ سب باتیں پیٹ بھروں کی ہیں۔ یہ وعظ افارغ البال لوگوں کا ہے چند سامان مہیا کر دینے سے ان کی مفلسی دور نہیں ہو سکتی بلکہ اس کو صحیح معنوں میں ان کی اصلاح کرنی چاہئے

تاکہ ہندوستان کی اس حقیقی آبادی کی مفلسی دور ہو کر خوشحالی ہو۔ لیکن حکومت سے زیادہ ہماری سب سے بڑی قومی سیاسی انجمن کانگرس سے توقع ہے جو عوام الناس کی نمائندہ جماعت ہے اور جس کی بدولت کچھ نہ کچھ اصلاح ہو سکے گی۔ اور اب جبکہ ان چھ صوبوں میں جہاں کانگرس کی اکثریت ہے تین ماہ کے غور کے بعد کانگریسی وزارتیں قائم ہو گئی ہیں جو صحیح طور پر غریبوں کی حکومت کہلانے کی مستحق ہے اس کا سب سے پہلا فرض ان غریبوں کے دکھ درد دور کرنے سے اپنے وعدوں کو پورا کرنا ہے۔

[illegible] سیاسی حالات [illegible] میں [illegible] قدر جدید جمہوری [illegible] تمام یورپ سے لے کر اپنے اپنے معاملات میں [illegible] ہوئے ہیں کسی کو دوسرے کی خبر لینا محال ہو رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے پڑوسی ملک یعنی سیام میں [illegible] بیچارے [illegible] ولے ابھی تک [illegible] قدر خوش ہیں کہ ہم ہی توجہ اس طرف نہیں دے سکے سیام کے پولیٹکل انقلاب کا بہت اثر ہوا اور رعایا کے تمام مطالبات پورے ہو گئے۔ لیکن اتنے بڑے انقلاب کے [illegible] سیاسی لوگ نہایت پرامن رہے کسی قسم کی خونریزی نہیں ہوئی اور حکومت وقت اور رعایا کے درمیان کسی قسم کی [illegible] بہتری یہاں ذمہ دار حکومت قائم کرنے کا معاملہ پورا کر دیا گیا۔ بلکہ اس کے علاوہ بعد شاہ سیام اپنی رعایا کی بہتری کے پیش نظر سلطنت کی گدی سے دستبردار ہو گئے۔ اور اب [illegible] میں [illegible] بہتری [illegible] کے [illegible] رہے ہیں۔

یورپ میں ایسے بہت سے انقلاب ہوتے آئے ہیں مگر ان سب میں وہاں راجا کو قید کرنا اسے گدی سے اتارنا اور عدالت میں اس کے خلاف باقاعدہ مقدمہ چلانا اور اس کی جان تک لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ فرانس میں انیسویں صدی میں جو وہاں کی مطلق العنان حکومت کے خلاف کئی ایک منظم بغاوتیں ہوئیں، اور آخرکار فرانسیسی لوگوں نے شہنشاہیت کا خاتمہ کر کے ملک میں مکمل ذمہ دار حکومت قائم کی۔ اسی طرح زار روس جنگ عظیم کے بعد معہ شاہی خاندان قتل کر دیا گیا اور روس میں بالشویکوں نے جمہوریت کی سنگ بنیاد رکھی۔ گذشتہ جنگ عظیم میں قیصر جرمنی کو بھی گدی سے علیحدہ کر کے جلا وطن کیا گیا اور جرمنی میں جمہوریت قائم ہوئی۔ تازہ ترین مثال شاہ اسپین کو گدی سے اتارنے کی ہے۔ وہاں بادشاہ کو گدی سے اتار کر قید کرنے کی سازش کی گئی لیکن بادشاہ کو وقت پر پتہ لگ جانے سے اس نے بھاگ کر جان بچائی۔ اب پولیٹکل طاقت حاصل کرنے کے لئے وہاں کی کمیونسٹ گورنمنٹ اور [illegible] خیالات کے پرچارک جنرل فرانکو میں جس طرح بے دردی سے [illegible] کے خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے وہ سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ابھی معلوم نہیں کہ یہ بغاوت کیا کیا گل کھلائے گی۔ بہت ممکن ہے یہ شرارت کی چنگاری ایسی خوفناک صورت اختیار کر جائے کہ امن عالم خطرہ میں پڑ جائے اور ایک دفعہ پھر دنیا کو جنگ عظیم جیسا تلخ تجربہ حاصل کرنا پڑے اور یورپ کی تمام تہذیب و تمدن اسی خوفناک جنگ میں بھسم ہو جائے۔

سیام میں پولیٹیکل انقلاب

(از جناب اندر سین کوہلی۔ بی۔ اے)

جنگ یورپ کے بعد مغربی ممالک میں جمہوری خیالات کا زور ذرا کم ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ اور وہاں جمہوریت کی جگہ ڈکٹیٹرشپ زیادہ مقبول ہو گئی ہے جیسا کہ اب تک روس۔ اٹلی جرمنی۔ وغیرہ سربرآوردہ ممالک میں ڈکٹیٹرشپ کا ہی طوطی بولتا ہے۔ لیکن ایشیائی ممالک میں ابھی جمہوریت کو ہی ممتاز درجہ حاصل ہے۔ اور جمہوری خیالات بڑی سرعت سے مشرقی ممالک میں پھیل رہے ہیں۔ اس وقت تقریباً تمام مشرقی ممالک میں جمہوری طرز حکومت کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ قدیم رواج کے مطابق پرانے زمانے کے بعد لوگ راجا کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اور حکومت کی مکمل باگ ڈور راجا ہی کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ لیکن مغربی خیالات کے زیر اثر ایشیا میں بھی راجاؤں بادشاہوں کا وہ درجہ نہیں رہا جو پہلے تھا، راجا بادشاہ عموماً عیش پرست بن گئے ہیں۔ ادھر رعایا نے بھی بادشاہ کے ظلم و ستم کے خلاف آواز اٹھانی شروع کر دی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد ایشیائی ممالک میں بھی مکمل ذمہ دار حکومتیں قائم ہو جائیں گی۔

سیاسیات سیام کو سمجھنے کے لئے پہلے ہمیں وہاں کی جغرافیائی اور تاریخی حالات کا تھوڑا بہت مطالعہ کر لینا چاہیئے۔ ملک سیام ہندوستان کی مشرقی سرحد پر برما سے ملا جلا ہے۔ اپنے پڑوسیوں یعنی ہندوستان اور چین کے مقابلہ میں بالکل چھوٹا دکھائی دیتا ہے، لیکن یورپ کے فرانس یا جرمنی کے برابر ہے۔ اس کا رقبہ ۲۰۰۲۳۴ مربع میل اور آبادی ۱۵۰۰۶۲۰۷ ہے۔ سیامی لوگ زیادہ تر بدھ مذہب کے پیرو ہیں۔ اس ملک میں تقریباً ۱۶۰۰۰ بدھ مندر ہیں سیامی اپنے ملک کو تھائی یا ماگ تھائی کے نام سے پکارتے ہیں جس کا مطلب ہے آزاد لوگوں کا ملک سیام کا دارالخلافہ بنکاک ہے اور وہاں کے سابق مہاراجہ کا نام پرجادھیپوک ہے۔ یہ ۱۹۲۵ء میں گدی نشین ہوئے۔

ایشیا کے دوسرے ملکوں کی طرح مہاراج پرجادھیپوک بھی مطلق العنان حکمران تھے۔ ملک میں انھیں ہر طرح کے اختیار حاصل تھے۔ امرا وزرا کا تقرر مہاراج خود کرتے تھے۔ مہاراج کے صلاح مشوروں کے لئے ایک پریوی کونسل اور ایک سپریم کونسل تھی، لیکن ان کے ممبروں کو بھی مہاراج خود اپنی مرضی سے ہی نامزد کرتے تھے۔ سپریم کونسل کے ممبر تو اکثر شاہی خاندان کے لوگ ہی ہوتے تھے۔ جن کی صدارت مہاراج خود فرماتے تھے۔

سیامی لوگ اس آئین سے مطمئن نہ تھے۔ اس کے ساتھ ہی ملک میں بیکاری اور کساد بازاری کی وجہ سے لوگ سخت پریشان حال تھے لوگوں نے اس سب کے لئے مہاراج کی سیاسی پالیسی کو ہی ذمہ دار ٹھہرایا۔ چنانچہ موقعہ پاکر سیاسی لوگوں نے گورنمنٹ کے خلاف ایجی ٹیشن شروع کر دیا۔ مہاراج پرجادھیپوک اس وقت دارالخلافہ سے باہر ساحل سمندر پر ہوا خوری کے لئے گئے ہوئے تھے۔

۲۴ جون شکروار ۱۹۳۲ء کی صبح بنکاک میں سخت ہل چل سی مچ گئی۔ شہر میں مسلح فوج گھسنے لگی اور محلات کی طرف بھی ایک پلٹن روانہ ہو گئی۔ باغیوں کے لیڈر نہایت سمجھ دار اور دوراندیش واقع ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ بحری اور بری فوج دونوں کی پوری ہمدردی تھی، باغیوں نے اس ڈر سے کہ کہیں شاہی خاندان کے لوگ یا مہاراج خود ہمارے خلاف اعلان جنگ نہ کر دیں شاہی محلات کے تمام لوگوں کو اپنے محاصرہ میں لے لیا، اور اعلان کر دیا کہ اگر ہم لوگوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا گیا تو شاہی خاندان کے تمام ممبر جو اس وقت ہمارے قبضہ میں ہیں، وہ محفوظ نہ رہ سکیں گے" ان کے علاوہ بہت سے سرکاری افسر اور وزرا بھی قید کر لئے گئے۔ میجر جنرل سنیا سنگرام نامی ایک فوجی افسر جنھوں نے باغیوں کو نقصان پہنچانا چاہا اس کو گولی سے ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ اور کوئی قتل کی واردات نہیں ہوئی، باغیوں نے جگہ جگہ پوسٹر بانٹنے شروع کر دیئے۔ اور کچھ پرچے ہجوم کو پڑھ کر سنائے گئے، جس میں لکھا تھا "ہم موجودہ مہاراج کی حکومت سے بالکل ناخوش ہیں، کیونکہ جب سے یہ گدی پر بیٹھے ہیں انھوں نے بڑی بڑی آسامیوں پر صرف شہزادہ کو یا ایسے ہی نکمے لوگوں کو تعینات کر رکھا ہے جو رعایا سے رشوت لیکر غریبوں کا خون چوستے ہیں، اور انھیں بے حد تنگ کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ملک میں مالی بدحالی۔ بیکاری۔ اور کساد بازاری اس قدر بڑھ چکی ہے کہ رعایا سخت نالاں ہو رہی ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم مطلق العنان حکومت کا خاتمہ کر کے یہاں ذمہ دار حکومت قائم کریں جو رعایا کی بہتری اور بہبودی کا خیال رکھے وغیرہ وغیرہ"

ایک تیز ہوائی جہاز کے ذریعہ مہاراج کو بگڑی ہوئی صورت حالات سے مطلع کیا گیا، اور پبلک کی طرف سے ایک میمورنڈم بھیجا گیا جس میں درج تھا کہ رعایا آپ کی حکومت سے بالکل مطمئن نہیں، ملک میں بیکاری اور کساد بازاری سے عوام سخت پریشان ہو رہے ہیں، لیکن آپ کی گورنمنٹ نے پبلک کی شکایات کا تدارک فرمانے کی تکلیف بھی کبھی گوارا نہیں کی، اندریں حالات رعایا نے مناسب سمجھا ہے کہ وہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں رکھے تاوقتیکہ آپ ملک میں ذمہ دار حکومت رائج کرنے کا وعدہ نہ کریں۔ رعایا کے اس مطالبہ کے ساتھ ملٹری اور سول حکام کی پوری پوری ہمدردی ہے۔ راجکمار سنگھ سورگ۔ اور شاہی خاندان کے دیگر ممبران کو یرغمال کے طور پر ہم نے نظربند کر رکھا ہے۔ اگر ہم لوگوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا گیا تو شاہی خاندان کے یہ ممبر جو اس وقت ہمارے قبضہ میں ہیں ان کی خیریت کے ہم ذمہ دار نہ ہوں گے لہذا آپ سے مودبانہ درخواست ہے کہ آپ دارالسلطنت کو واپس تشریف لے آویں اور رعایا کی مرضی کے مطابق حکومت کریں، اگر جناب ہمارے مطالبات کو ٹھکرا دیں گے یا اس چٹھی کے ملنے کے ایک گھنٹہ بعد تک جواب نہ دیں گے تو پبلک یہاں ذمہ دار حکومت کا اعلان کر دے گی بعد کی دوسرے راجکمار کو جس کو وہ مناسب سمجھے گی راجہ تسلیم کرے گی"

اس کے جواب میں مہاراجہ کا تار آیا جس میں لکھا تھا کہ وہ شہر کے ملٹری کمانڈر کی سب شرائط منظور کرتے ہوئے دارالخلافہ میں واپس آ رہے ہیں۔

مہاراج کے واپس آنے پر سب لوگوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ اس کے بعد انہوں نے باغی لیڈروں سے تبادلہ خیالات کیا اور ان کے مطالبات پر غور کرنے

(باقی اگلے صفحہ پر)

کتابوں کی صحبت

از جناب من موہن دہلوی ایم۔ اے پروفیسر ہندو سبھا کالج امرتسر

کسی آدمی کا اچھا یا برا ہونا اکثر اس بات سے ہی ناجانا ہو کر وہ کیسی صحبت میں رہتا ہے۔ روصحبت سے اس کے تعلقی یعنی دیگر انسان مراد ہوتے ہیں لیکن جاننا چاہئے کہ اس کے علاوہ ایک اور صحبت بھی ہوتی ہے جس کو صحبت کتب کہتے ہیں اور جس کا اثر انسان پر صرف اتنا ہی نمایاں بلکہ زیادہ پر زور ہو سکتا ہے داناؤں کا قول ہے کہ آدمی کو ہمیشہ بہترین صحبت میں رہنا چاہئے خواہ وہ دوست و احباب کی ہو خواہ کتب کی۔

ایک عمدہ کتاب کا شمار بہترین دوستوں کے زمرہ میں کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ کبھی تبدل پذیر نہیں ہے۔ وہ آج ایسی ہی ہے جیسی کہ ہمیشہ سے تھی اور آئندہ بھی اس میں تبدیلی ہونے کا کوئی گمان نہیں ہو سکتا۔ کتاب ایک نہایت ہی صابر اور زندہ دل دوست ہے افلاس و نکبت میں یہ ہم کو پیٹھ نہیں دکھاتی اور ہمیشہ مہربانی سے ہی پیش آتی ہے شباب میں کتاب سبق آموز اور لطف اندوز ہے اور پیری میں راحت رساں اور تسکین نشاں

جس طرح دو بشر ایک تیسرے شخص کے مداح ہونے کے باعث آپس میں ایک دوسرے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اکثر اوقات ایک ہی کتاب کو پسند کرنے کے سبب دو اشخاص میں ایک دوسرے کے لئے رغبت اور محبت ہو جاتی ہے اور یہ دوسری قسم کا میلان مقابلتاً زیادہ پائدار اور با اعتبار ہے۔ لوگ اپنے مشترکہ دلپسند مصنف کے ذریعہ ایک دوسرے کے ہمخیال اور ہمدرد ہو سکتے ہیں۔

کتابیں ہمارے دلوں جاگزیں ہوتی ہیں۔ اور اشعار ہم کو خوش کرتے اور جوش دلاتے ہیں۔ جوانی میں ہم انھیں پڑھتے اور بڑھاپے میں یاد رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہم دیگر اشخاص کے تجارب اور دانشمندی سے بھی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ ایک اچھی کتاب اپنے مصنف کے بہترین خیالات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ کیونکہ ہماری زندگی کی دنیا زیادہ تر ہم خیال پر مبنی ہے۔ پس عمدہ کتب بہترین الفاظ اور عالی خیالات کے خزانے ہیں جو ہماری دافع مصائب و معائب اور دائمی مصاحب ہو سکتی ہیں۔

کتب ایسے اجزا سے مرکب ہوتی ہیں جن کا کبھی ناش نہیں ہوتا اور انسانی کوشش کا سب سے زیادہ پائدار نتیجہ ہی ہیں۔ عبادت خانے مسمار ہو جاتے ہیں۔ تصاویر اور بت برباد ہو جاتے ہیں لیکن کتب لازوال ہوتی ہیں۔

عالی خیالات وقت کی قید سے بری ہیں اور آج ایسے ہی تروتازہ معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ صدیوں پہلے اپنے مصنف کے دل و دماغ میں تھے وقت کے گذرنے سے صرف اتنا ہوتا ہے کہ زمانہ کی چھاج اور چھلنی میں یہ خیالات چھٹکے اور چھانے جاتے ہیں۔ برے خیالات تو صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ہیں لیکن اچھے خیالات بچ رہتے ہیں۔ کیونکہ علم ادب میں صرف وہی خیالات حیات دوام پاسکتے ہیں جو فی الحقیقت عالی پایہ کے ہوں۔

کتابیں ہم کو بہترین سوسائٹی کی سیر کراتی ہیں۔ بڑی بڑی ہستیوں تک پہنچاتی ہیں۔ جو کچھ انھوں نے کہا یا کیا ہم سنتے ہیں۔ ان کے ہم خیال بنکر ان کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرتے ہیں اور انکے خوشی اور رنج کے تجربوں میں اس طرح حصہ لیتے ہیں گویا ان کے زمانہ میں ہم ان کے ساتھ ہی ہر وقت موجود تھے۔

نیک اور عالی دماغ انسان امر ہوتے ہیں اس دنیا میں بھی ان کی روح انکی تصنیفات میں موجود رہتی ہے۔ کتاب ایک زندہ آدمی کی مانند ایک قوت ہے جس کو ہم خوب محسوس کرتے ہیں۔

منو جی۔ والمیک جی۔ کالیداس۔ شیکسپیئر اب بھی زندہ ہیں۔ سری کرشن جی اب بھی فلسفہ گیتا سناتے ہیں اور ان کی مُرلی متھرا اور گوکل میں اب بھی گونجتی ہے۔ مہاتما گوتم بدھ۔ گورو نانک جی۔ کبیر داس اور سور داس ہر وقت ہمارے دلوں میں جاگزیں ہیں۔

میراں بائی اور تان سین کی راگ راگنیوں سے ہم اب بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ تلک اور گوکھلے اب بھی ہمارے قومی رہنما ہیں سوامی دیانند ساما نند اور شردھا نند کو ہم اپنا ہر وقت دستگیر و معاون سمجھتے ہیں۔ مفلس سے مفلس اور غریب سے غریب آدمی ان قابل قدر ہستیوں کی روحانی سوسائٹی میں بلا کسی مداخلت کے باریاب ہو سکتا ہے۔

خوشی اور رنج دولت اور نکبت میں ہم انکی ہی تصنیفات اور ہدایات سے آرام و تسکین حاصل کر سکتے ہیں۔

لہذا ہم کو چاہئے کہ کتابوں کی قدر و منزلت کو سمجھیں۔ ان کی صحبت حاصل کریں اور ان کے اعلےٰ روحانی اثر سے فیضیاب ہوں۔

(پچھلے صفحے سے)

سے لئے کچھ مہلت مانگی اس کے کچھ دن بعد مہاراج نے سرکاری طور پر یہ اعلان کیا جس کی رو سے پبلک کے تمام مطالبات تسلیم کرتے ہوئے ذمہ دار حکومت کا اصول منظور کیا۔ اور رعایا کی بغاوت کو جائز قرار دیتے ہوئے کہا کہ مہاراج بذات خود کچھ عرصے سے ملک میں ذمہ دار حکومت رائج کرنے کا وچار کر رہے تھے پبلک کے لیڈروں کی نیت بالکل صاف تھی۔ اگر اس دوران میں قانون کی خلاف ورزی کی گئی ہے تو وہ قابل معافی ہے۔" اس اعلان کے فوراً بعد سیام میں امن قائم ہو گیا جب ذمہ دار حکومت کیلئے یورپ میں کئی بار سینکڑوں ہزاروں لوگوں کے قتل و خون ہوئے۔ بڑی بڑی ہڑتالیں ہوئیں لاکھوں روپیہ کا نقصان ہوا اور اس کے بعد کہیں کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ لیکن سیام کے لوگوں نے اپنی دور اندیشی سے صرف چند دن کے اندر بغیر کسی قسم کی خونریزی کے ذمہ دار حکومت حاصل کرلی۔

اس کے تین سال بعد آغاز ۱۹۳۵ء میں جب مہاراج پرجا ادھیپوک بحالی صحت کے لئے سوئٹزرلینڈ میں تھا مہاراجہ نے اپنی کیبنٹ سے اختلاف کی بنا پر اپنے نابالغ بھتیجے مہاراج کمار آنند جن کی عمر صرف دس سال تھی کے حق میں کمال بے تکلفی کیساتھ دستبردار ہو گئے۔

کیا ملک سیام میں سیاسی بیداری اور مہاراج پرجا ادھیپوک کی تخت و تاج سے دست برداری تہذیب یافتہ مغربی ممالک کیلئے سبق آموز نہیں ہے؟ اور یہ ثابت نہیں کرتی کہ ایشیا پسماندہ ہونے کے باوجود اب بھی اپنی پرانی تہذیب عدم تشدد، اہنسا اور تیاگ سے اپنے مقصد کو حاصل کر لینا اُپدیش دیتی ہے بس اسی میں مشرقی تہذیب کی برائی اور بزرگی مضمر ہے اور حصول مقصد کا یہی بہترین ذریعہ ہے

تو اور میں!

(از جناب امیر چند بہار دلیپھم)

میں سفر پر ہوں اشک آنکھوں کی میں چھپائیں کر تو شہر سے تیرے پیچھوں پر آثار ناہوا تھا۔

عقل میری پیروا ہوئی ۔۔۔ حسن فانی ہے!

کیا تیرا حسن بھی فانی ہے میرے محبوب لیکن میری الفت تو فانی حسن سے بہت دور ایک عرفانی فضا میں ہے۔

لیکن میرے دل کا وہ ذرہ تیرے حسن کی شعاعوں پر فدا ہو رہا ہے ۔۔۔ تیری زندگی ان شعاعوں کی طرح ہے جو پھیلے جکنو کی تلاش کیلئے ریت پر پھیلتے ہیں کا منتظر ہے جو راستے بے نشان کرنیکے لئے بے چین ہے

مگر اے تو اے میرا دل تیری محبت میں ایک عرفانی ہستی تلاش کر چکا ہے ۔۔۔ تو نہ ہوگا ۔۔۔ نہیں نہیں میں بھی نہ ہونگا۔

لیکن ہمیری روح اسیر جذبہ میرا دل میرے جسم کا ذرہ ذرہ تیری خاک پر پروانہ وار قربان ہوتا رہے گا۔

تندرستی ہزار نعمت ہے

(از جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی)

جس طرح ایک زمانہ کلوروفارم یا کونین کا گذرا ہے اور جس طرح کہ اس زمانہ میں آیوڈین کا زور ہے اسی طرح کیلسیم کا نام ہر ڈاکٹر اور اس کا توالقہ ہر مریض کی زبان پر موجود ہے ہم اسی قدر جوش اور عقیدت مندی کے ساتھ کونین اور آیوڈوفارم کو بھی استعمال کرتے رہے ہیں، اور اب اسی تندرستی اعتقاد اور شدت خلوص کیساتھ آیوڈین اور کیلسیم کو بھی "ہر مرض کی دوا درود شریف" کا مصداق بنا کر کام میں لا رہے ہیں۔ چوٹ ہو تو آیوڈین کھلا ہوا زخم ہو تو آیوڈین سوزش ہو تو آیوڈین، درد اور ورم ہو تو آیوڈین، غدود بڑھ جائیں تو آیوڈین، طاعون ہو تو آیوڈین گلے آ جائیں تو آیوڈین، دق ہو تو آیوڈین، اور پسوڑے پھول جائیں تو آیوڈین۔ الغرض کہ بعض فقیری "دو چٹکلوں" کی طرح آیوڈین ہر بیماری میں کام دیتا ہے اور ادھر کچھ دنوں سے کیلسیم کی بھرمار بھی کچھ اسی طرح شروع ہوئی ہے، اور اکثر ڈاکٹر بہت سے مریض بھی خود اپنے لئے اس کا شربت یا اس کے انجکشن تجویز کر لیا کرتے ہیں، کیلسیم ہمارے خون کا ایک ضروری جزو ہے، اور تحقیقات نے اب یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے خون اور ہمارے جسم میں جس قدر معدنی نمکیات پائے جاتے ہیں ان کی مجموعی مقدار میں تین چوتھائی حصہ کیلسیم کا ہے ہمارے بدن میں سب سے زیادہ کیلسیم ہڈیوں کی ساخت اور بافت میں پایا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہڈیوں کی سختی اور مضبوطی تقریباً تمام تر اسی کیلسیم پر منحصر ہے۔ ہڈی کو اگر بعض تیزابوں میں ڈال کر اس کا کیلسیم دور کر دیں تو وہ ربڑ کی طرح نرم اور لوچدار ہو جاتی ہے، ہڈیوں کے علاوہ اس کی ایک بڑی مقدار ہمارے خون میں شامل

ہوتی ہے، اور خون کی یہ خاصیت کہ وہ جسم سے باہر نکلتے ہی جم جاتا ہے اسی کیلسیم کی بدولت ہے، جن لوگوں کے خون میں کیلسیم کی کمی ہوتی ہے ان کے اگر ذرا سا بھی زخم ہو جائے تو خون بند نہیں ہوتا، نکسیر پھوٹ جائے تو بہت کچھ تدارک کرنے پر بھی خون بہا چلا جاتا ہے ہم اپنی زبان میں "خون ریز" ان لوگوں کو کہا کرتے ہیں جو دوسروں کا خون بہاتے ہیں لیکن درحقیقت یہ نام سب سے زیادہ ان لوگوں کے لئے موزوں ہے کہ جن کے خون میں کیلسیم کم ہو اور ذرا ذرا سی خراش سے بہت سا خون بہہ جاتا ہے۔

کیلسیم کی اتنی مقدار ہمارے جسم کو ہماری غذا کے ذریعہ میسر آتی ہے . . . . ۹۰۰، دودھ، بعض پھل اور سبز ترکاریاں خاص ذرائع ہیں۔ غذا کے طور پر پیٹ میں پہونچنے کے بعد اس کا بیشتر حصہ ہمارے معدے اور امعاء اثنا عشری کے ذریعہ جذب ہو کر خون میں شامل ہوتا ہے جسم سے اس کا اخراج فضلے کے ہمراہ ہوتا ہے البتہ کچھ حصہ پیشاب کے ساتھ بھی خارج ہو جاتا ہے، تازہ ترین تحقیقاتوں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اگر آنتوں کے اندر تھوڑا سا چکنائی موجود ہو تو اس سے تعامل کر کے کیلسیم کا صابون بن جاتا ہے اور اس طرح اس کے جذب ہونے میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔

کیلسیم کے محلول کو جیسا کہ چونے کا پانی ہوتا ہے اگر دودھ کے ساتھ ملائیں کہ جس میں خود بھی ایک اچھی خاصی مقدار کیلسیم کی موجود ہوتی ہے، اور کسی قدر خمیر اس میں شامل کر دیں تو دودھ کا تمام کیسی نوجن نہایت اچھی کیزین میں تبدیل ہو جاتا ہے جو کہ پانی میں حل ہو سکتی ہے اور پھر جم کر دہی بن جاتا ہے بالکل اسی طرح خون کے انجماد کے وقت فائبرنوجن فائبرن میں تبدیل ہو کر جلدی سے جمنے لگتا ہے اور خون کے سیلان کو روک دیتا ہے،

عضلات پر کیلسیم کا اثر بہت عجیب ہوتا ہے، اس صفت خاص میں وہ بیریم سے بہت مشابہ ہے، مینڈکوں پر اس کا تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کے اثر سے دل کا انقباض بڑھ جاتا ہے۔ خون میں پٹاسیم اور میگنیشیم کے جو مرکبات ہوتے ہیں، وہ اس کے خلاف اثر کر کے اعتدال قائم رکھتے ہیں۔ جدید ترین تحقیق ... [illegible] ... قلب کے عضلات پر نہیں بلکہ قلب کے اعصاب پر ہوتا ہے اور ان کے واسطہ سے عضلات اثر پذیر ہوتے ہیں۔

کیلسیم کا ایک بہت ہی مخصوص اثر یہ ہے کہ یہ جسم کے اندر اشتعالی کارروائیوں کو روک دیتا ہے، اگر ہم بلی کی آنکھ میں ایک ذرا سا سرسوں کا تیل ڈال دیں تو فوراً آشوب کی کیفیت پیدا ہو جائے گی لیکن اسی بلی کے پہلے سے کیلسیم کے کسی نمک کی پچکاری زیر جلد لگا دی گئی ہو گویا اس کے خون میں کیلسیم کی ایک مقدار پہونچ دی گئی ہو تو یہ اشتعالی کیفیت یعنی آشوب چشم پیدا نہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے پھوڑے پھنسی زیادہ نکلتے ہیں تو کیلسیم کے استعمال سے انھیں بہت فائدہ پہونچتا ہے

جانوروں پر اس قسم کے تجربے بھی کئے جا چکے ہیں کہ انھیں کیلسیم سے خالی غذا میں کچھ عرصہ تک کھلا کر ان کے بدن میں کیلسیم کی کمی پیدا کر دی، اس قسم کے تجربے کبوتروں پر یا اسی طرح کے اور پرندوں پر کئے گئے تو یہ دیکھا گیا کہ ان جانوروں کی ہڈیاں بے حد نرم اور لچکدار پڑ گئیں، چوپایوں میں بھی یہی بات مشاہدے میں آئی کہ ان کی ہڈیوں کا نشوونما بالکل رک گیا، انسانی بچوں میں اکثر رکٹس کی بیماری دیکھنے

(باقی اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ سے

ہیں آتی ہے جس میں بچے کی ہڈیاں بہت نرم ہوتی ہیں اور ان کا نشو ونما رک جاتا ہے اس مرض کی اصلیت بھی یہی ہے کہ ان بچوں کے بدن میں کیلسیم کی بہت کمی ہوتی ہے کیلسیم کا استعمال خصوصیت کے ساتھ امراض عدہ اور امراض جلد میں کیا جاتا ہے، اور تجربہ شاہد ہے کہ ان امراض میں کیلسیم بہت ہی مفید اور کارآمد دوا ہے، کریانکٹ کا شربت جسے عام طور پر لال شربت یا شربت جوانا کہتے ہیں سل کے مرض یا پرانی کھانسی میں اس قدر کثرت سے استعمال ہوتا ہے کہ اب عوام بھی اسے اچھی طرح جان گئے ہیں۔ اور اب اوقات دیکھا گیا ہے کہ جس طرح نزلہ زکام کے لئے ہر عامی وبائی نور اجوشاندہ تجویز کر دیتا ہے اسی طرح اب کھانسی اور دق کے مریضوں کو شخص لال شربت پینے کا مشورہ دیتا ہے، جلد کے امراض میں بھی اس کا استعمال بہت ہی عام ہو گیا ہے اور اب ڈاکٹر صاحبان اکثر کیلسیم کے انجکشن اور پچکاری لے تیار بیٹھے رہتے ہیں، جو مریض اپنے حالات بیان کر چکا اور ادھر انہوں نے کیلسیم کا انجکشن لگا دیا۔

چند روز پیشتر تک کیلسیم کے تین مرکبات یعنی کیلسیم ہائپو فاسفیٹ، کیلسیم گلیسرو فاسفیٹ، اور کیلسیم لیکٹیٹ بکثرت استعمال کئے جاتے تھے، کیلسیم لیکٹیٹ خصوصیت کے ساتھ ایسے مریضوں کو دیا جاتا تھا جن کے پھیپھڑوں سے خون آتا ہو۔ ان کے علاوہ کیلسیم کا ایک مرکب اور بھی کثرت سے استعمال ہوتا تھا اور وہ کیلسیم سلفائڈ ہے۔ جلدی امراض کے لئے ڈاکٹر بالعموم یہی مرکب استعمال کرایا کرتے تھے لیکن اب تحقیق اور تجربے نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ کیلسیم لیکٹیٹ اتنی آسانی سے جزو بدن نہیں ہوتا کہ جیسے کیلسیم گلیوکونیٹ ہو جاتا ہے جو ایک نو دریافت شدہ مرکب ہے یہی وجہ ہے کہ اب اس نئے مرکب کا استعمال روز بروز زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ تجربے سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کوئی سا ایک مرکب تنہا دینے کی بہ نسبت اگر مریض کو کیلسیم کے دو یا تین ایسے مرکبات ملا کر استعمال کرائے جائیں کہ جو آسانی سے جزو بدن بن جاتے ہیں تو فائدہ بہت زیادہ ہوتا ہے اب عام رجحان یہ ہے کہ کیلسیم گلیوکونیٹ، کیلسیم گلیسرو فاسفیٹ اور کیلسیم لیکٹیٹ تینوں کو ملا کر استعمال کیا جاتا ہے بہت سے ڈاکٹر انہی مرکبات کے ہمراہ بعض غدود کے ست بھی ملا دیا کرتے ہیں اور اس مصرف کے لیے تھائرائڈ غدود کا ست سب سے زیادہ اچھا خیال کیا جاتا ہے کیونکہ خیال یہ ہے کہ کیلسیم کو صحیح اور مناسب طریق پر جزو بدن بنانے کا کام اسی غدود سے متعلق ہے۔

کیلسیم ایک ایسی نادر الوجود دوا ہے کہ جو بیماروں سے زیادہ تندرستوں کے استعمال میں آتی ہے، اور صبح شام تک کروڑوں کی تعداد میں ہندوستان کے باشندے اسی کا ایک مرکب یعنی کیلسیم ہائیڈریٹ چونے کے نام سے پانوں میں لگا لگا کر کھاتے یا شاید چکھتے رہتے ہیں، سائنس کی ترقیوں نے اس وقت تک بہت

ہمارا افسانہ ایڈیشن

معزز معاصر پیشوا دہلی نے تیج دہلی کے افسانہ ایڈیشن پر مندرجہ ذیل ریویو تحریر کیا ہے۔

لٹریچر کا ایک اہم شعبہ افسانہ ہے جس کے ذریعہ حیات انسانی کے ہر شعبہ کی اصلاح ہو سکتی ہے اچھے افسانے کسی ملک اور قوم کی کایا پلٹنے اور معراج کمال پر پہونچانے میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ آزادی اور انقلاب کے لئے ملک کو تیار کرتے ہیں خوشی کا مقام ہے کہ سٹر دیش بندھو گپتا خادم اعلیٰ تیج دہلی نے ملک قوم کی اس اہم ضرورت پر توجہ فرما کر اپنے خوبصورت مصور کثیر الاشاعت اخبار کا خوشنما اور شاندار افسانہ ایڈیشن نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، جس میں بیس سے زیادہ دلچسپ

سی ایسی چیزوں کو مفید ثابت کر دیا ہے کہ جو اہل مشرق کی خصوصیات تھیں اور اہل مغرب انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، کون کہہ سکتا ہے کہ بارہ برس نہ سہی، بارہ صدیوں کے بعد ہمارے پان کے بھی دن نہ پھریں گے اور یہ غلیظ عادت مشرقیوں تک ہی محدود نہ رہے گی۔ یہ خیال تو نازیبا ہے مغرب میں اب بھی کسی حد تک پھیل چلا ہے کہ ہونٹوں کو غیرت لعل و یاقوت بنانے کے لئے جس رنگ کا استعمال کیا جاتا ہے وہ مضر صحت ہے، اور دبی زبان سے ہی سہی لیکن بعض بعض زبانوں پر بھولے سے یہ جملہ آ ہی جاتا ہے کہ اس خدمت کو پان بہترین طریقے پر انجام دے سکتا ہے۔

موثر اور مصور افسانے مشاہیر اہل قلم کے لکھے ہوئے شائع کئے گئے ہیں اور ایک جدت یہ بھی ہے کہ بعض افسانے نظم میں پیش کئے گئے ہیں غرضیکہ تیج کا یہ افسانہ ایڈیشن اردو کی ایک لاجواب اور یادگار خدمت ہے جس کا سہرا مسٹر وفا کے سر ہے قارئین پیشوا سے درخواست ہے کہ وہ ... مینجر اخبار تیج ویکلی دہلی کے نام بھیج کر اس حسین اور دلچسپ اور ... افسانہ ایڈیشن کا مطالعہ کریں۔

پھول

(از جناب خورشید صدیقی بی اے)

پھول سے خورشید رخصت ہو چکی جس نے تمہاری محبت کی طرح میرے مشام جان کو معطر کر رکھا تھا۔

اس کا خوشنما رنگ اڑ چکا جو تمہاری محبت کی ضیا سے منور تھا۔

اب یہ مرجھایا ہوا بیجان۔ بے رونق پھول میرے غم سے بھرے ہوئے سینہ پر پڑا

میرے دل کا مذاق اڑاتا ہے جس میں ابھی تک کچھ گرمی باقی ہے۔

میں روتا ہوں۔ لیکن میرے آنسو اسے شگفتہ نہیں کر سکتے

میں آہیں بھرتا ہوں لیکن میری آہیں اسے تر و تازہ نہیں کر سکتیں

اسے اب کسی سے شکوہ نہیں۔ آہ! اسکی خاموشی ....

اس کی حالت میرے مستقبل سے ملتی جلتی ہے۔

زراعت کے بعد دوسرا درجہ گھریلو صنعتوں کا ہے، مغربیت اور مشینوں کی آمد سے گھریلو صنعتوں کا وجود مٹتا جا رہا ہے۔ کلوں اور ملوں کے رواج سے بڑے بڑے سرمایہ دار دولت کر تو بڑھاتی ہے، مگر عوام کی غربت اور بیکاری میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک کل کے جاری ہوتے ہی ہزاروں اور لاکھوں لوگ بیکار ہو جاتے ہیں، کلوں سے صرف چند آدمیوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ کلیں عام طور پر ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں ملکی یا غیر ملکی سرمایہ داروں نے جاری کر رکھی ہیں، وہ چند مزدوروں کو کام پر لگا کر منافع کا بیشتر حصہ اپنے کام میں لاتے ہیں۔ ملک کی ۹۰ فیصدی آبادی گاؤں میں بستی ہے اور ۷۳ فیصدی لوگوں کا گذارہ زراعت پر ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ تقریباً ۲۴ فیصدی دیہاتی آبادی دستکاری یا اسی قسم کے دوسرے کاموں پر گذراوقات کرتی ہے۔ لیکن زراعت پیشہ لوگ بھی سال بھر میں کم و بیش پانچ ماہ بیکار رہتے ہیں اور اپنی اس جبری بیکاری کے دنوں میں کسی نہ کسی دستکاری سے اپنا پیٹ پالتے ہیں، کلیں ان غریب دیہاتیوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں۔ بیلوگ اپنی زمینوں اور بال بچوں کو چھوڑ کر گاؤں سے بہت دور شہر کی کسی مل میں کام کرنے کے لئے نہیں جا سکتے، اور اگر بغرض محال گاؤں چھوڑنے پر آمادہ بھی ہو جائیں تو اتنے لوگوں کے لئے ملوں میں کام کرنے کی گنجائش کہاں؟ حکومت یا کانگریس تب ہی دیہات سُدھار کے کام میں کامیابی حاصل کر سکتی ہے جب وہ ان لوگوں کو گھر بیٹھے ہی کوئی کام دے سکے گی۔

دیہات سُدھار کیسے ہو؟

از شری یت اوم پرکاش ترکھا، لاہور
(خاص پیج ویکلی کے لئے)

پرانے بھارت کی خوش حالی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی، کہ اس زمانہ میں دیہات کی گھریلو صنعتوں کا بول بالا تھا، انگریزوں، اور دیگر یورپی طاقتوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کی گھریلو صنعتوں کا درجہ بہت بلند تھا، یہاں کی سب سے ترقی یافتہ صنعت چرخہ کھڈی کی تھی، بھارت ورش کا کپڑا دنیا کی تمام منڈیوں میں مقبول عام تھا، ڈھاکہ کی ململیں ہندوستان کی چھینٹیں اور دوسرے کپڑے اپنی باریکی کے لئے بہت مشہور تھے۔ ڈیڑھ دو سو سال پہلے تک انگلستان کی نازک مزاج عورتیں ہندوستان کی ململ اور چھینٹ زیب تن کرنا باعث فخر خیال کرتی تھیں۔

یہی حال ہماری دوسری صنعتوں کا تھا، لوہے کے اوزار۔ سونے چاندی اور دیگر دھاتوں کے برتن یہاں بنتے تھے۔ سنگتراشی اور فن تعمیر کے بیش بہا نمونے اب بھی موجود ہیں، ریشمی اور سوتی کپڑوں کے علاوہ کمبل اور قالین یہاں کے بہت مشہور تھے۔ چمڑے کا ہر قسم کا سامان یہاں تیار ہوتا تھا، اور ملتان میں اونٹ کے چمڑے پر نقاشی کا کام ہوتا تھا جو اپنا جواب نہیں رکھتا، کمہار کا درجہ اب بھی بہت بلند ہے، مٹی کے برتن ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں بنائے جاتے ہیں اور ان پر نقاشی کا کام بھی ہوتا ہے، ہاتھی دانت کے نمائشی برتن، کھلونے اور زیورات بڑے بڑے سائنس دانوں کو محو حیرت کر دیتے ہیں، مصوری اور عمارت کا نمونہ دیکھنا منظور ہو، تو ایک دفعہ آگرہ کا روضہ تاج محل دیکھ لیجئے، لیکن یہ تمام صنعتیں تباہ و برباد ہو گئی ہیں، اگر کوئی باقی ہے تو وہ جانکنی کی حالت میں ہے۔ ہماری یہ ترقی یافتہ گھریلو دستکاریاں کس طرح تباہ و برباد ہوئیں یہ ایک لمبی داستان ہے،

مہاتما گاندھی جی نے ہمیشہ ملک کی گھریلو صنعتوں اور دستکاریوں کے از سر نو زندہ کرنے پر زور دیا ہے اُن کی کوششوں سے کانگرس کے تعمیری پروگرام میں چرخہ اور کھدر کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے، لیکن کانگرس کے ذریعہ جملہ گھریلو صنعتوں کی از سر نو ترقی کی امید نہ پا کر آپ نے ۱۹۳۵ء میں آل انڈیا ویلیج انڈسٹریز ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی تب سے ہی یہ ایسوسی ایشن گاندھی جی کی زیر نگرانی چل رہی ہے، اس عرصہ کے کام کے نتائج نہایت حوصلہ افزا ہیں، اگرچہ بظاہر اطوار پر کام کا بہت پھیلاؤ نظر نہیں آتا، اس کی کئی وجوہات ہیں، ایک تو یہ ہے کہ گاندھی جی دکھلاوے اور نمائش کے سخت خلاف ہیں وہ چاہتے ہیں، کہ بغیر کسی پروپیگنڈہ کے ہم ٹھوس کام کرتے چلے جاویں، دوسری وجہ یہ ہے کہ صدیوں کے تغیر و تبدل اور غلامانہ ذہنیت نے ہمارے دیہاتی نظام کو کھوکھلا کر دیا ہے، ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ سات لاکھ دیہات میں اکتیس کروڑ سے اوپر پسماندہ انسانوں کی اصلاح کوئی معمولی کام نہیں اس کے لئے وقت ہمت اور استقلال کی ضرورت ہے، تیسری وجہ ایک اور بھی ہے اور وہ اچھے کارکنوں کا نہ ملنا ہے۔ اس زمانہ میں مخلص کارکنوں کی کمی ہے، لیکن آہستہ آہستہ گرام سیوکوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہر ایک گاؤں میں گرام سیوک پھیل جائیں گے، دیہات سُدھار تبھی پایۂ تکمیل کو پہنچ سکیگا۔

گھریلو صنعتوں کے از سر نو زندہ ہو جانے پر عوام کی طاقت خرید بڑھ جائے گی، مفلسی اور بیکاری کا خاتمہ ہو جائے گا، ملک کی دولت مساوی طور پر لوگوں میں تقسیم ہوتی رہیگی، اونچ نیچ اور امیری غریبی کا سوال مٹ جائے گا۔ مثال کے طور پر صرف ایک صنعت کھدر ہی کو لیجئے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اوسطاً پچپن کروڑ کا کپڑا ہر سال ممالک غیر سے ہندوستان میں آتا ہے اور اتنی ہی قیمت کا ہندوستانی ملوں کا بنایا ہوا کپڑا خرچ ہوتا ہے جس میں سے تین چوتھائی حصہ ہندوستان سے باہر چلا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم ہاتھ کا کتا ہوا اور ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا استعمال کریں تو کم و بیش ۹۲ کروڑ روپیہ ہر سال اپنے ننگے اور فاقہ کش لوگوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، بدیسی اشیاء کے عوض اگر ہم سودیشی اشیاء استعمال کرنے لگ جائیں تو کئی ارب روپیہ ہر سال ملک سے باہر جانے سے روکا جا سکتا ہے، روپیہ کی اس سے بہتر تقسیم کا اور کوئی طریقہ نہیں، آج جو لوگ ایک ایک دانہ کے لئے ترستے ہیں، کل وہی خوشحال ہوں گے۔ ملک

(باقی اگلے صفحہ پر)

ریویو

”کفرِ عشق“

اس نام سے دہلی کے مایۂ ناز ادیب و شاعر جناب پنڈت امرناتھ صاحب ساحرؔ کا دیوانِ غزلیات شائع ہوا ہے، جناب ساحرؔ کی ذاتِ گرامی دہلی کی ان چند مقدس ہستیوں میں سے جن کی ذات سے اس عروس البلاد میں شعر و ادب کا چراغ اب تک روشن ہے۔ ہم نے اگرچہ پنڈت جی موصوف کے اس مجموعہ کلام کو ”دیوانِ غزلیات“ کہا ہے مگر جیسا کہ دیباچہ میں کہا گیا ہے ہر غزل کا موضوع کوئی خاص مسئلہ توحید و تصوف ہے اور اس التزام سے ہر غزل بجائے خود ایک نظم بھی ہے۔ اور یہ کل دیوان ایسے حقائق و معارف کا ایک مکمل دفتر ہے جو عشقِ الٰہی کی مختلف منزلوں اور مرحلوں سے تعلق رکھتے ہیں، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفیؔ نے صحیح فرمایا ہے کہ حضرت ساحرؔ کے شعر نہیں واردات قلبی کا آئینہ ہیں، اُن کی آواز نہیں بلکہ وُہ مقدس نغمہ ہے جو تارِ نفس کے ارتعاش سے پیدا ہو ہمارا خیال ہے کہ خالص الہامی کلام کی اصلی تعریف یہی ہے اور خود جناب ساحرؔ کا یہ شعر اس پر صادق آتا ہے

ازل سے ہم نفسی ہے جو جانِ جاں سے ہمیں
پیام و سدہ آتا ہے لامکاں سے ہمیں

حضرت ساحرؔ کے کلام بلاغت نظام پر تبصرہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے ”کفرِ عشق“ میں اشعار کی صورت میں جو کچھ ہمارے سامنے ہے وہ الفاظ کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ وُہ ”مقامات“ ہیں جہاں سالک راہِ حق بہت سی منزلیں طے کرنے کے بعد پہنچتا ہے ہر شعر ایک گہرے مطالعہ کا اور ہر لفظ ایک تشریح کا طالب ہے ”کفرِ عشق“ مدت العمر کے صرف مشاغل شعری نہیں بلکہ رُوحانی ریاض کا نتیجہ ہے، دنیائے اُردو میں مجموعہ کلام اپنی مثال آپ ہے، مختلف شعرا نے اپنے اشعار میں کہیں کہیں تصوف و سلوک کی منزلوں میں قدم رکھا ہے اور کبھی کبھی اسرارِ حقیقت کو پیرایہ مجاز میں ظاہر کیا ہے لیکن جس التزام کے ساتھ جناب ساحرؔ نے غزلوں کو خالص حقیقت کے رنگ میں پیش کیا ہے، اس کا جواب دنیائے شاعری میں نہیں مل سکتا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہر صاحب ذوق اس دفتر معرفت کا مطالعہ کر کے بقدر استعداد فیضیاب ہوگا۔ ظاہری حیثیت سے بھی ”کفرِ عشق“ ایک بہت خوبصورت اور دیدہ زیب کتاب ۔۔۔ لائق ہے کہ ہر کتب خانہ کی زینت ۔۔۔ کی ۔۔۔ پریس کے ۲۸۴ صفحات نہایت آب و تاب سے شائع کئے گئے ہیں اور اس کی سبز جلد پر طلائی کاری ۔۔۔ جاذب نظر ہے۔ قیمت فی جلد مع محصول ڈاک ایک روپیہ ۸؍

ملنے کا پتہ:۔

پنڈت امرناتھ مدن ساحرؔ تحصیلدار پنشنر۔ لال حویلی محلہ چوڑیگراں۔ دہلی

نقشہ وزیرستان

دہلی کے مشہور نقشہ نویس منشی عبدالقدیر صاحب نے خالد کمپنی دہلی کے لئے وزیرستان کا ایک مکمل اور پُر از معلومات اُردو نقشہ ۲۰ × ۳۰ کی تقطیع کے ایک صفحہ پر شائع کیا ہے، اس نقشہ میں وزیرستان کی تمام سرحدیں ریلوے لائنیں، شہر، قصبات اور عام مقامات درہ کرہ، اور پہاڑی لائنے وغیرہ نہایت وضاحت کے ساتھ دکھلائے گئے ہیں اور مقامات کی ایک فہرست بھی جو حروف تہجی کی ترتیب سے تیار کی گئی ہے اس نقشہ میں شامل ہے قیمت سادہ نقشہ کی آٹھ آنے اور رنگین نقشہ کی بارہ آنے ہے، اس وقت جبکہ وزیرستان میں ہنگامہ آرائی دنیا کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اس جنگ کے حالات مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ نقشہ بہت کارآمد ثابت ہوگا۔

ملنے کا پتہ:۔ خالد کمپنی نمبر ۳۴۹ چھتہ لال میاں دہلی

شعلۂ شباب

یہ چھوٹی سی کتاب جناب سیفر جعفری (صفی شہری) کے چند مختصر اور دلچسپ افسانوں کا مجموعہ ہے سیفر جعفری صاحب ملک کے اُن مایۂ ناز نوجوان ادیبوں میں ہیں جن کے افسانے اور مضامین مشہور ادبی رسالوں میں شائع ہو کر عام مقبولیت حاصل کر چکے ہیں، شعلۂ شباب میں جو چھ افسانے شائع ہوئے ہیں اُن کے نام یہ ہیں۔ (۱) پہلا بوسہ (۲) گناہ کی دیوی (۳) افسانہ نگار عالم سکرات میں (۴) شبستان کی شکارگی (۵) ملاقی (۶) شاہ صاحب۔ یہ تمام افسانے اپنی دلچسپی، ادب نوازی اور نتیجہ خیزی کے اعتبار سے بلند پایہ ہیں اور فریدہ صاحب نے ان کی تصنیف میں اپنے تخیل اور جذبات نگاری سے پورا کام لیا ہے قیمت ۴؍

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جدید ۳۱ سی بیلو۔ شملہ

(پچھلے صفحے سے)

کے متعلق عوام کی طاقت خرید میں اضافہ کرنے کا بھی ایک گر ہے۔ اس کے بغیر ہماری اقتصادی بدحالی دور نہیں ہو ۔۔۔ اور ہم آزادی سے اپنا سر بلند نہیں کر سکتے

جیسا کہ زراعت کی ترقی کے لئے انجمن ہائے امداد باہمی کی ضرورت ہے۔ اسی طرح گاؤں میں تیار کی گئی دستکاریوں کی کھپت کے لئے بھی ضرورت ہے۔ ایسی انجمن کے بغیر کوئی صنعت ترقی نہ کر سکیگی دستکاروں کے لئے ضرورت ہے ۔۔۔ اپنے مال کی فروخت شکل ہو جائے گی وہ دل برداشتہ ہو کر اپنے کام کو چھوڑنے پر آمادہ ۔۔۔

ہفتے کی اہم مختصر خبریں

معلوم ہوا ہے کہ یو۔ پی پراونشل اسمبلی کا بجٹ سیشن ستمبر کے پہلے ہفتہ میں ہوگا۔

بزگار کے فوجی گودام میں ۵۰ ہزار ٹن بارود کو آگ لگنے سے بھیانک حادثہ کی اطلاع ملی ہے جس میں کم از کم پانچ اشخاص ہلاک اور ۳۰ زخمی ہوئے۔ سینکڑوں مکانات گر پڑے اور بہت سی بیل گاڑیاں ہلاک ہو گئیں نیز یہی ایک کارخانہ تھا وہ بھی تباہ ہو گیا ہے۔

حکومت ہند نے مسٹر جے نرائن ویاس جنرل سکریٹری آل انڈیا ریاستی کانفرنس پر ایک نوٹس تعمیل کر دیا ہے جس کے ذریعہ ان کو جودھ پور میں داخل کی ممانعت کر دی ہے۔

---

۵۰ اشخاص ہلاک اور ۶۰ کے قریب زخمی ہوئے جبکہ باغیوں کے ہوائی جہازوں نے بارسلونا پر بمباری کی بیان کیا جاتا ہے کہ رات کو جبکہ چاندنی رات خوب چٹکی ہوئی تھی، باغیوں کے ہوائی جہاز شہر کے اوپر منڈلانے لگے اور بیسیوں بم بندرگاہ وغیرہ پر برسائے، شہر والوں نے توپوں اور بندوقوں سے ہوائی جہازوں پر گولیاں چلائیں،

جاپان کی بیس فوجی لاریاں زبردستی سے شہر کے دروازہ میں داخل ہو رہی تھیں جبکہ چینی اور جاپانی فوجوں میں مقابلہ کی جنگ شروع ہو گئی چینیوں کا بیان ہے کہ پہلے جاپان نے گولی چلائی اس پر چینی محافظوں نے جو دروازے پر پہرہ دے رہے تھے جاپانیوں پر بم کے گولے پھینکے،

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کولہاپور کو کمانیہ تلک مہاراج کی برسی منانے کے سلسلہ میں جلسہ کرنے کی ممانعت کر دی۔

یو۔ پی کی کانگریسی وزارت مکمل ہو گئی ہے جو مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل ہے۔

پنڈت گووند ولبھ پنت وزیر اعظم مسٹر جے لکشمی، پنڈت ڈاکٹر کے این کیٹجو، مسٹر رفیع احمد قدوائی، پنڈت پیارے لال شرما اور حافظ محمد ابراہیم۔

دریائے پاربتی میں طغیانی کی وجہ سے ۲۰ فٹ پانی چڑھ گیا ہے، موضع نگرہ جو پاربتی اسٹیشن سے بالکل قریب ہے تباہ ہو گیا ہے۔ مویشی اور مکانوں کا نام و نشان باقی نہیں رہا، دن میں طغیانی آنے کی وجہ سے دیہات کے لوگ بھاگ کر اپنی جان بچا سکے

معلوم ہوا ہے کہ مدراس کانگریسی وزارت نے اخباروں کی ضمانتیں واپس کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے،

وزارت نے ضلع سیلم میں شراب کی ممانعت کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے سب سے پہلے ضلع میں تجربہ کیا جائے گا۔ دیگر صوبہ کے حصوں میں اس اسکیم پر عمل ہوگا چنانچہ اس ضلع میں تاڑی کی دکانوں کا نیلام بند کرنے کے احکام جاری کر دئے ہیں۔

گیارہ ممبران سوشلسٹ پارٹی کی ممبری سے مستعفی ہو گئے کیونکہ ان کے خیال میں اب سوشلسٹ پارٹی کی موجودگی غیر ضروری ہے ان کا بیان ہے کہ ہماری رائے میں اب سوشلسٹ پارٹی کی موجودگی سے ملکی آزادی کے مقصد کو سخت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔

میسور کے تین ہزار مزدوروں نے کام چھوڑ دیا، مالکان کے خلاف ان کی شکایت یہ ہے کہ انھوں نے ان کی مزدوری اور سالانہ بونس میں تخفیف کر دی ہے۔

دھاراپور کی میونسپل کمیٹی کے ۵۰۰ ملازم بھنگیوں نے صوبہ مدراس میں قومی وزارت قائم ہونے کی خوشی میں ہمیشہ کے لئے شراب ترک کرنے کا عہد کر لیا ہے۔

انگس جیوٹ ملز ضلع ہگلی کے ایک سو سے زائد مرد و عورت مزدور دو ہفتے سے ہڑتال پر ہیں، ہڑتالیوں کو مکانات سے فوراً نکل جانے کا حکم دیا گیا ہے۔

آج منتظمان مل نے سب ہڑتالیوں کو ان کے کوارٹروں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ ان کی تعمیل حکم نہ کرنے پر ضلع مجسٹریٹ نے زیر دفعہ (ج) بنگال سپیشل سیکیورٹی ایکٹ ۱۹۳۲ء ان کے نام نوٹس جاری کر کے انہیں فوراً ضلع سے باہر نکل جانے اور ایک مہینے تک واپس نہ آنے کا حکم دیا۔

سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ جاپانی فوج نے پیکنگ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر واقع شہر ٹنگ چو پر قبضہ کر لیا ہے موجودہ لڑائی میں پہلی مرتبہ ہوائی جہاز استعمال کئے گئے، چینی سفیر مقیم لندن کا بیان ہے کہ مشرقی ہوپی پر قبضہ یقینی ہے

گیارہ جاپانی ہوائی جہازوں نے پینگ اور نواحی علاقہ پر بم برسائے، ایک ہوائی جہاز گولی سے گرا دیا گیا۔ اور سات ہوائی جہاز پکڑ لئے گئے،

راشٹرپتی پنڈت جواہر لال نہرو، پنڈت گووند ولبھ پنت وزیر اعظم یو۔ پی کے ساتھ سائیکل میں بیٹھے تھے جبکہ یو۔ پی کی کانگریس پارٹی کے ممبروں کا عظیم الشان جلوس حلف وفاداری اٹھانے کی رسم کے سلسلہ میں وزیر اعظم کے بنگلے سے کونسل ہال کو روانہ ہوا۔ اس وقت کا نظارہ بے نظیر تھا۔ کونسل ہال کے باہر آدمیوں کا سمندر امنڈ رہا تھا۔ تمام ٹریفک بالکل بند کر دیا گیا تھا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس نظارہ کو دیکھنے کے لئے کم سے کم ایک لاکھ اشخاص جمع تھے،

گرمیوں میں ادھر رُخ کیجئے

ہر سال موسم اپنے معین وقت پر بدلتا رہتا ہے۔ لیکن انسان بحیثیت ایک پیاسی مخلوق کہ ہمیشہ اس تلاش میں رہتا ہے کہ پیاس بجھانے والی چیز جاڑوں میں بھی اتنی ہی یقین کے ساتھ کارگر ہو جتنی کہ گرمیوں میں پیاس بجھانے کے لئے ایسی کوئی چیز نادر الوجود معلوم ہوتی ہے۔ مگر درحقیقت نادر نہیں اس کا تلاش کرنا آسان ہے، خریدنا اس سے بھی آسان ہے۔ اور جتنی مرتبہ کوئی پینا چاہے۔ نہایت ہی آسانی سے پی جا سکتی ہے۔ اور اب ہندوستان کے ہر گوشہ میں اس کی شہرت پھیلی ہوئی ہے، یہ تمام خوبیاں سوا ر چائے کے اور کس میں ہو سکتی ہے،

بہت سے ایسے لوگ ہیں جو سردیوں میں گرم چائے کی ایک پیالی پی کر اپنے تئیں گرم رکھ کر آرام حاصل کرتے ہیں۔ مگر گرمیوں میں گرم چائے پینے سے گھبراتے ہوں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ شرم ان کی ناواقفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ انھیں اس بات کا علم نہیں کہ گرمیوں کے دنوں میں چائے نہ صرف پیاس بجھاتی ہے، بلکہ پژمردگی کو دور کر کے تر و تازگی بھی بخشتی ہے۔ گرم سے گرم تر دن میں چائے کی ایک پیالی بہ نسبت سرد اشیاء کے بدن کی حرارت کو دور کر کے ٹھنڈک پہونچانے کی خاصیت رکھتی ہے۔ جو لوگ انسانی بدن کے بارے میں ماہر تصور کئے جاتے ہیں، وہ اس نقطہ پر متفق ہیں، کہ گرم چائے پسینہ بڑھاتی ہے۔ جس سے جلد کے مسام کھل جاتے ہیں۔ اور بدن کی حرارت جاتی رہتی ہے۔ علاوہ ازیں چائے پینے کے بعد کئی گھنٹوں تک ٹھنڈک اور آرام ملتا ہے۔ اس لئے گرمی میں گرم چائے کا استعمال ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے حد درجہ مفید ہے،

اس ملک کے عام لوگوں کے دلوں سے اب یہ خیال رفتہ رفتہ دور ہو رہا ہے۔ کہ چائے صرف سردیوں ہی میں پینے کی چیز ہے، ناظرین پر اب یہ واضح ہو گیا ہے، اور ان کی ایک بڑی تعداد نے گرمیوں میں گرم چائے کا استعمال شروع کر دیا ہے، گذشتہ سال دوران گرمی میں چائے کے "پروپیگنڈا" کی ترقی پر نظر ثانی کرتے ہوئے انڈین ٹی مارکیٹ ایکسپینشن بورڈ کے کمشنر مسٹر اندیانے فرمایا ہے

زیر غور عرصہ میں نصف سے زیادہ حصہ موسم گرما کا تھا۔ اور عام طور پر انھیں مہینوں میں چائے کی فروخت اور چائے پینے کا استعمال کم ہو جاتا ہے۔ چائے خانے بند ہو جاتے ہیں۔ اور چائے کے پھیری کرنے والے چائے کو چھوڑ کر ٹھنڈی چیزیں فروخت کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اور چائے کے "اسٹاک" میں بھی اختصار پیدا ہو جاتا ہے،"

ہندوستان کے ہر گوشہ سے جو خبریں موصول ہوئی ہیں۔ ان سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے۔ کہ اس موسم چائے کی فروخت میں بہ نسبت اور گرم موسموں کے اضافہ ہوا ہے۔ بہت کم چائے خانے بند ہوئے ہیں، بلکہ بعض مقامات پر تو نئے چائے خانے کھلے ہیں"

اس طرح کی اصلیت اور اس کی دلیل ہے کہ گرمیوں میں چائے کے استعمال کا رواج ملک کے طول و عرض میں ترقی پذیر اور مقبول عام ہو رہا ہے۔ اس بارے میں ہم ایک بہت بڑے شکاری مسٹر رچرڈ گوری کے تجربہ کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ موصوف نے اپنے مشہور کتاب "آفریقہ کے بیچ" میں گرمیوں میں گرم چائے کے فوائد کا ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"پینے کے لئے ہمیں اکثر چائے ملا کرتی تھی، بلکہ چائے کے کوڑے، مجھے اپنے امریکی دوستوں میں اس کی عادت ڈالنے میں بہت دقت لگانا پڑا، لیکن جب انھیں معلوم ہو گیا کہ پیاس بجھانے اور چستی پیدا کرنے کے لئے چائے سے بڑھکر اور کوئی دوسری چیز نہیں تو انھوں نے فوراً اسے اختیار کر لیا۔ درحقیقت قانون یہ ہے۔ کہ "گرم سے گرم چیز ہو"۔ سخت گرمی کے دوران پیاس بجھانے کے لئے پانی سب سے آخری چیز ہے۔ گرم چائے سب سے عمدہ اور بہترین پینے کی شئے ہے۔"

گرمیوں میں کسی روز سخت کام کرنے کے بعد یا کوئی تھکا دینے والا کھیل یا مشکل سفر یا کسی جسمانی یا دماغی محنت کے بعد گرم چائے کی ایک پیالی پیجئے اور دیکھئے کہ آپ کتنی ٹھنڈک اور تازگی محسوس کرتے ہیں،

چند ڈائرکٹر اور اُن کی فلمیں

تماشائی کے قلم سے

ہندوستانی فلموں کے ڈائرکٹروں اور اُن کے کارناموں کا ایک مختصر سا تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

چندو لال شاہ کی بہترین فلم "بیرسٹر کی بیوی" ہے اور یہ ان کی تمام فلموں میں فنی اعتبار سے سب سے زیادہ بلند ہے۔ اس کے بعد چاہیے تھا کہ وہ بتدریج ترقی کرتے جاتے اور نقش ثانی نقش اول سے روشن تر ہوتا جاتا۔ لیکن صورت واقعہ اس کے برعکس ہے حقیقت یہ ہے کہ چندو لال شاہ کو فن سے زیادہ روپیہ عزیز ہے۔

رام شنکر چودھری کے کمال فن کا مخصوص ترین کارنامہ "مادھوری" اور "ٹیمپس بلز" ہیں۔ ان کی باقی فلموں میں ان دونوں سے زیادہ بلند کوئی بھی نہیں ہے۔ سب ان سے فروتر ہیں۔ رام شنکر کی قابلیت میں کلام نہیں، لیکن خبر نہیں وہ اپنے جوہر قابلیت سے کام کیوں نہیں لیتے؟ انہوں نے حال ہی میں ایک انٹرویو کے دوران میں کہا تھا کہ وہ تا ہنوز ایک عجیب حالت میں مبتلا ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنے کمال فن کے اظہار سے قاصر ہیں۔ تاہم ان کا آغوش دل تمناؤں سے خالی نہیں۔ ان کی آرزوئیں مچل مچل کر وقت کا انتظار کر رہی ہیں۔

مسٹر نتین بوس اور مسٹر پرمتھیش بروا "نیو تھیٹرز" (کلکتہ) کے ڈائرکٹر ہیں اور انہیں کی متعدد کامیاب اور مشہور فلمیں پبلک میں آچکی ہیں، لیکن حقیقتاً یہ ہے کہ ان فلموں کی کامیابی کا تمام تر امتیاز و اختصاص انہیں کو حاصل ہے یا اس میں ان کے دوسرے رفقائے کار بھی حصہ دار ہیں۔

نیو تھیٹرز کے فلموں کی کامیابی کا سب سے زیادہ انحصار اس کے بیک گراؤنڈ میوزک اور موسیقی پر ہے اور اس کا کامل امتیاز مسٹر آر۔ سی بوس کو حاصل ہے۔ علاوہ ازیں مسٹر کندن لال سہگل اور کے۔ سی ڈے۔ جیسے موسیقی طراز اشخاص کمپنی میں موجود ہیں۔ جن کی نغمہ ریزی اور ترنم آفرینی نے ملک کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ ہندوستان کا باکمال اداکار مسٹر پرتھوی راج کپور اس کمپنی کی شہرت و ناموری کو چار چاند لگا رہا ہے مسٹر سہگل، پہاڑی سانیال اور نواب جیسے ماہر فن اداکار یہاں کی فلموں میں کام کرتے ہیں۔ ہندوستان کی ممتاز ترین ایکٹریس اس [illegible] حسینہ [illegible] جمنا، [illegible] راج کماری اسی کمپنی کی فلموں کی رونق و دلکشی اور مقبولیت میں اضافہ کر رہی ہیں۔ نیو تھیٹرز کے کیمرہ مین اور سدا بند بھی اپنے فن میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں مسٹر [illegible] ملک، مسٹر کدار اور مسٹر سدرشن جیسی قابل ہستیاں بھی یہیں موجود ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر یہ کہا جانا ہوگا کہ "نیو تھیٹرز" کی فلموں کی رفعت و برتری میں ... نتین بوس اور بروا کے علاوہ ان اشخاص کی کارفرمائیاں بھی شامل ہیں۔

مسٹر شانتا رام "پربھات" [illegible] کامل اقتدار و تصرف رکھتے ہیں اور پربھات ہندوستان کی فارغ البال کمپنی ہے۔ اس لئے وہاں شانتارام کو ہر طرح کی آسانیاں حاصل ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں مسٹر فتے لال اور مسٹر [illegible] دار جیسے اہل فن کی اعانت حاصل ہے اس لئے "پربھات" کی فلمیں صرف شانتارام کی دانش فن کی مرہون منت نہیں۔ دوسرے اسباب کی سازگاریاں بھی ان کے محاسن کا باعث ہیں

نیتن بوس نے اب تک تین فلمیں تیار کی ہیں۔ یعنی "چنڈی داس" "ڈاکو منصور" اور "بھاگیہ چکر" (تقدیر کا چکر) ان میں سے "ڈاکو منصور" کی فلم بندی اس زمانہ میں ہوئی تھی جب نیو تھیٹرز اپنے نصب العین میں تغیر کرنا چاہتی تھی اور اس کا رجحان "بزنس ٹائپ" کی جانب ہو رہا تھا۔ اس لئے "ڈاکو منصور" کا معیار ادنیٰ طور پر پست ہے۔

"چنڈی داس" کے لئے بھی نتین بوس کو کوئی امتیاز نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس سے قبل ایک متبحر اہل فن اسے تیار کر چکا تھا

"بھاگیہ چکر" بے شک فنی حیثیت سے ایک بلند پایہ ادبی معیاری فلم ہے۔ لیکن اس کا بھی تمام تر امتیاز مسٹر نتین بوس کو [illegible] کہانی میں [illegible] فلم کا [illegible] بنیاد ہوتا ہے۔ اور "بھاگیہ چکر" مسٹر سدرشن کی کاوش کا نتیجہ ہے [illegible] میں اس [illegible] اداکاری اور موسیقی [illegible] اس لئے "بھاگیہ چکر" کو ایک گراں پایہ [illegible] اسے صرف نتین بوس کا کارنامہ نہیں کہا جاسکتا۔

مسٹر بروا کی شہرت کو "دیوداس" [illegible] مشہور ہوگئے ہیں۔ لیکن ان [illegible] و تجزیہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان [illegible] حصہ ان کے [illegible] اہل قلم شرت چندر چٹرجی کے ناول [illegible]



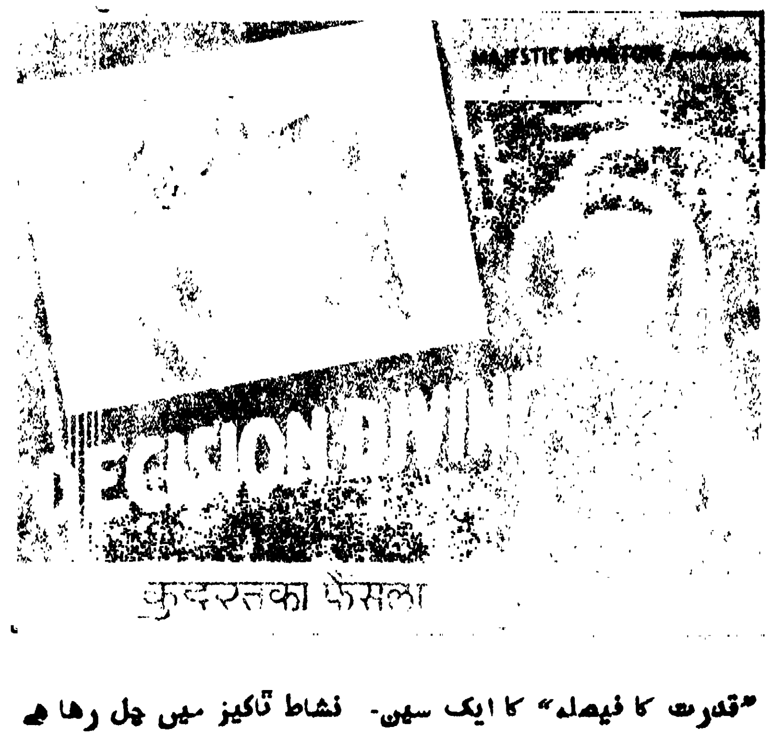
"سنہری زمانہ" کا ایک سین—عنقریب آنیوالا ہے



سرلادیو اور نوین یاجنک "زمبو" میں
ہولناکی پردہ کشی کا بہترین فلم جوکہ جوبلی ٹاکیز میں چل رہا ہے



"گنگاوترن" کا ایک سین—ناولٹی ٹاکیز میں آرہا ہے



"قدرت کا فیصلہ" کا ایک سین- نشاط ٹاکیز میں چل رہا ہے

Regd. L. No. 1517

FAME AND FORTUNE

AT YOUR DOORS.

THE achievement of fame and fortune is the immediate aim of every Business Man,

IF you are one of the aspirants of these heavenly blessings send your message through the Krishna Number of the Tej to the millions of this Country.

IT will bring the fame and fortune at your doors.

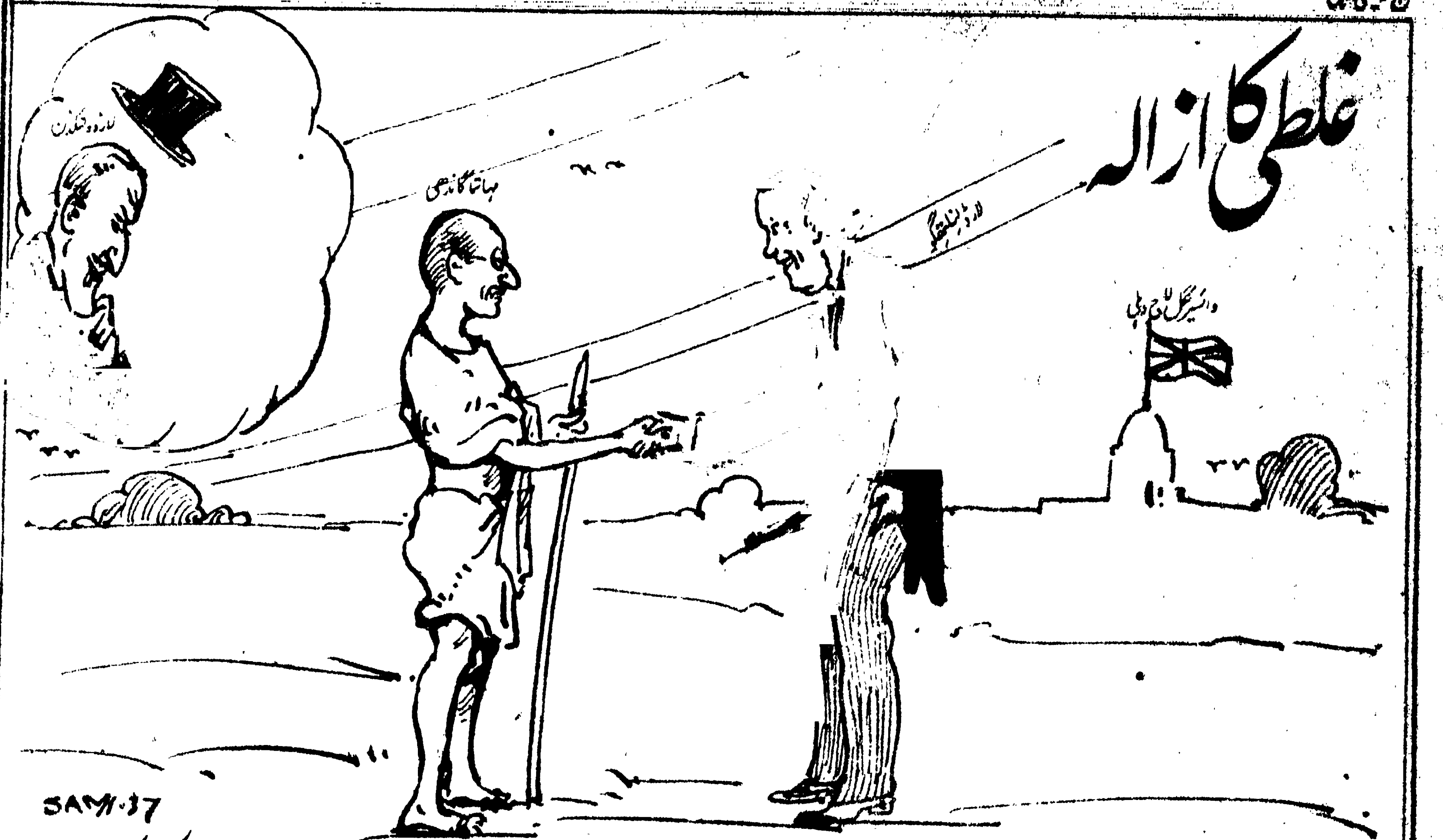
FOR RATES AND PARTICULARS

PLEASE WRITE TO:—

B. N. Gupta—*Advt. Manager.*

THE DAILY TEJ LIMITED, DELHI.

Printed and published by Dharampal Gupta at the TEJ Press Burn Bastion Road, Delhi.



لارڈ لنلتھگو موجودہ وائسرائے ہند نے مہاتما گاندھی سے مُلاقات کرکے آج سے پانچ سال پیشتر کی ایک شدید سیاسی غلطی کا (جبکہ لارڈ ولنگڈن نے گاندھی جی سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تھا) ازالہ کر دیا ؟

آج کی خبریں

سی پی میں ترک نشیات
نئی وزارت کے زریں کارنامے

مدراس ۷ اگست کی مصدقہ اطلاع ہے کہ ترک نشیات کے سلسلہ میں گاندھی جی کی تجویز سی۔ پی کی وزارت کے زیر غور ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ہریجن اخبار میں شائع شدہ گاندھی جی کا مضمون یہاں کے آبکاری کے افسران کے پاس بھیجا گیا ہے تاکہ وہ اپنی رائے اور تجویز سے وزارت کو مطلع کریں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ نرسنگھ پور ڈویژن کو سب سے پہلے یہ حکم جاری کرنے کے لئے منتخب کیا جائے گا۔ یہ بھی تجویز ہو رہی ہے کہ صوبہ میں قومی تعلیم کے سکولوں کو از سر نو منظم کیا جائے اور انہیں حکومت کی جانب سے گرانٹ اور امداد دی جائے۔ ایسے سکولوں کی تعداد سات ہے۔ (ی۔ پ)

”ایڈوانس“ نے ضمانت داخل کر دی

کلکتہ ۷ اگست ۔ چیف پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی عدالت میں معاصر ”ایڈوانس“ کی طرف سے دو ہزار روپیہ کی ضمانت داخل کر دی گئی۔ اور مسٹر آر۔ ایف فرے پنشر پبلشر بن گئے۔ ساد عن پریس جہاں ”ایڈوانس“ چھپتا ہے کے کیپر مسٹر انل رت گپتا نے بھی دو ہزار روپیہ کی ضمانت داخل کر دی۔

یو۔ پی کانگرسی وزارت کی میٹنگ
پہلی مرتبہ گورنر صاحب کی شمولیت

لکھنؤ ۷ اگست ۔ جب سے کانگرس نے یو۔ پی میں وزارت قائم کی ہے گورنر نے پہلی بار وزارت کی میٹنگ میں شرکت کی۔ میٹنگ کئی گھنٹوں تک جاری رہی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں کانپور کی ہڑتال اور صوبہ کے دیگر انتظامی معاملات پر غور و خوص کیا گیا۔ (ی۔ پ)

مقدمہ سازش مدراس کے اسیر کی رہائی
حکومت مدراس کا حکم

مدراس ۷ اگست ۔ خیال کیا جاتا ہے کہ مدراس گورنمنٹ نے آج مقدمہ سازش مدراس کے اسیر مسٹر کمندلال سرکار کی رہائی کے احکامات صادر کر دیئے ہیں مسٹر سرکار سنٹرل جیل میں چار سال کی سزا بھگت رہے تھے (ی۔ پ)

انڈمان کے سیاسی اسیروں کی بھوک ہڑتال
پنڈت نہرو کی ہمدردی

کلکتہ ۷ اگست ۔ ایک مقامی کانگرسی لیڈر کے خط کا جواب دیتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو صدر کانگرس نے یوں لکھا ہے۔ ”انڈمان میں اپنے ہم وطنوں کی حالت سے ہم سب کو بڑی تشویش ہو رہی ہے اور ہم اس سلسلہ میں جو ہم سے ہو سکیگا کریں گے۔ وہاں کے سیاسی قیدیوں کی بھوک ہڑتال نے اس سوال کو اور بھی اہم اور سنگین بنا دیا ہے۔ ان کے ساتھ ہماری پوری ہمدردی ہے۔ اور ہم ان کے لئے جو بھی کچھ کر سکیں گے ضرور کریں گے۔“ (ا۔ پ)

سونا چلا ہی جا رہا ہے

بمبئی ۷ اگست ۔ آج ختم ہونے والے ہفتہ میں بمبئی سے غیر ممالک کو ۰۶ ۷ ۶۶ ۴۴ روپیہ کا سونا گیا۔ طلائی معیار کے ترک ہونے کے وقت سے اب تک ہندوستان سے غیر ممالک کو تین ارب سے زائد کا سونا جا چکا ہے (ی۔ پ)

کانگرس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس
۱۴ اگست کو وردھا میں ہوگا

الہ آباد ۷ اگست ۔ ان اطلاعات کے جواب میں جن میں ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کی تاریخوں میں تبدیلی کی درخواست کی گئی تھی صدر کانگرس پنڈت جواہر لال نہرو نے کانگرس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کی تاریخوں میں تبدیلی کرکے ۱۴ اگست مقرر کر دی ہے۔ میٹنگ وردھا میں ہوگی اس سلسلہ میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے باقاعدہ اعلان شائع کر دیا ہے۔ (ی۔ پ)

تقسیم فلسطین پر تحریک التوا اجلاس
سندھ اسمبلی میں پیش ہونے کی اجازت نہیں ملی

کراچی ۷ اگست ۔ آج سندھ اسمبلی میں ... کے بعد تقسیم فلسطین مشرقی ممالک میں برطانوی حکومت کی پالیسی اور عربوں کے ساتھ ... نے ... بخش الہی نے تحریک التوا اجلاس پیش کی ... سپیکر نے اس بنا پر نامنظور کر دیا کہ فلسطین کے ... کا ہندوستان سے کوئی تعلق نہیں ہے ...

(باقی اگلے صفحہ پر)

کانپور میں ہڑتال کی رفتار

ہڑتالیوں کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی

کانپور ۸ اگست ۔ کانپور کے مختلف ہڑتالی کاریگروں کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی ہے ۔ اسوقت جن ملوں میں ہڑتال ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں ۔ موئیر ملز ۔ سوادیشی کاٹن مل ۔ کانپور کاٹن ملز ۔ کانپور ٹیکسٹائل ملز ۔ جیوٹ ملز ۔ ... ملز ۔ الگن ملز ان کے علاوہ چار دیگر ملوں میں جزوی ہڑتال ہے ۔ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے باوجود ہڑتالیوں کے جتھے سرخ جھنڈے لئے ہوئے گھوم رہے ہیں ۔ صورت حالات آج پرسکون رہی ۔ کبھی کبھی مقام پر ہڑتالیوں نے موٹر کار پر پتھر پھینکے ۔ پولیس تمام علاقہ کا گشت کر رہی ہے ۔ ایک دو جگہ پولیس نے لاٹھی چارج بھی کیا ۔ ہڑتال کے سلسلہ میں کل دوپہر تک یو ۔ پی کے وزیر اعظم بھی یہاں پہنچ رہے ہیں ۔ (اے ۔ پی)

مدرسین بنگال کی کانفرنس

سر حسن سہروردی کی تقریر

کلکتہ ۸ اگست ۔ آل بنگال پرائمری تعلیم مدرسین کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے سر حسن سہروردی سابق وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی نے فرمایا کہ اگر ابتدائی تعلیم کے لئے ہمارے وزرا کسی طرح روپیہ فراہم نہیں کر سکتے تو انہیں اپنی تنخواہوں میں تخفیف کر کے اس کام کے لئے روپیہ فراہم کرنا چاہئے ۔ مسٹر بینت سرینت چند بوس نے اس امر پر اظہار افسوس کیا کہ جبکہ ہر سال دیگر انتظامی معاملات کے لئے بھاری رقمیں فراہم ہو جاتی ہیں تو ہمارے نام نہاد وزرا ابتدائی تعلیم کے لئے کیوں روپیہ نہیں دے سکتے ۔ کانفرنس کی صدارت آنریبل مسٹر پی ۔ سی ۔ ... نے کی ۔ (اے ۔ پی)

تازہ تجارتی سماچار

لندن صرافہ

لندن ۸ اگست

چاندی حاضر فی اونس ۲۰ پنس ۔ بازار خاموش مگر مضبوط ہے ۔

	پنس	شلنگ	پونڈ
سونا	۶	۱۹	۶

لیورپول روئی

اکتوبر وعدہ بند ہونی	۶٫۰۳

نیویارک روئی

اکتوبر وعدہ کھلی	۱۰٫۸۵
بند ہونی	۱۰٫۹۴

بمبئی ہسن کیسہ ... سندہ

سوموار کو بیوپار بہت ہلکے ہی پیمانہ میں ہوا بازار خاموش ہے ۔ اکتوبر وعدہ کل کے بند بھاؤ سے ۳ پوائنٹ مندہ کھلا ۔ پنجاب اور بدیش کی بکوالی سے بھاؤ گرے پروپیگنڈہ نہ ہونے کے کارن بازار خاموش تھا ۔

لیورپول روئی

بازار خاموش کھلا اکتوبر ... ۱۰۲ اور دسمبر ... ۱۰۳ شلنگ پر بازار خاموش تھا ۔ بدیش ... زیادہ کام نہیں ہوا ۔

شکاگو گیہوں

پنجاب داموں کی بکوالی اور کاشت کے زور پر کہ بھاؤ گرے ہوئے ہیں مگر اجناس کی مضبوطی سے قدرے مضبوط ہو گئے ۔

بمبئی بند بازار صرافہ

چاندی حاضر	۰	۱۳	۵۱	سو تولہ
" پہلا وعدہ	۰	۱۵	۵۱	"

لکھنؤ میں ہیضہ

لکھنؤ (سماچار) ۸ اگست ۔ یہاں ہیضہ بہت زوروں پر ہے ۔ ... پانچ اموات روزانہ ہو جاتی ہیں ۔ ہیضہ خوفناک صورت میں پھیلا ہے لوگ شہر چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانے کا خیال کر رہے ہیں ۔ اس وقت تک ... اموات ہو چکی ہیں ۔ حفظان صحت سپیشل ہیلتھ آفیسر ... انسدادی تدابیر اختیار کر رہے ہیں ۔ مزید احکام جاری ہونے تک سکول ، کالج ، سینما ، ہوٹل بند کر دیئے گئے ہیں ۔

آل انڈیا فلسطین کانفرنس

ورکنگ کمیٹی میں رپورٹ پر غور

نئی دہلی ۸ اگست ۔ لاہور میں ۱۰ اگست کو آل انڈیا فلسطین کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہو گا جس میں فلسطین کی سیاسی حالت پر غور کیا جائے گا ۔ نیز مسلمانوں نے ... کی جائے گی ... کمیٹی میں فلسطین کے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے ... کمیٹی میں شرکت کے لئے لاہور روانہ ہو گئے ہیں ۔ (اے ۔ پی)

" ...	۰	۱	۵۲	"
سونا حاضر	۹	۷	۳۴	فی تولہ
دوسرا وعدہ	۰	۵	۳۴	"

کلکتہ میں جلوس ممنوع

کلکتہ ۸ اگست ۔ کلکتہ کے پولیس کمشنر نے پولیس ایکٹ کے ماتحت حکم جاری کیا ہے جس کی رو سے ایک خاص عرصہ کے لئے مرکزی اور جنوبی کلکتہ میں تمام جلسے جلوس اور دیگر مظاہرے ممنوع قرار دے دیئے گئے ہیں ۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ۱۳ اگست کو کلکتہ میں آل بنگال انڈمان ڈے منایا جا رہا ہے ۔ (اے ۔ پی)

ابر بہار کا افسانہ

(از جناب منشی بشیشور پرشاد صاحب منور لکھنوی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

جس نے دیکھا منظر مستانۂ ابر بہار
جھومتا ہے دیکھ کر دیوانۂ ابر بہار
اسراف بھی ہو رُخ پیمانۂ ابر بہار
ہوش میں آئے دل دیوانۂ ابر بہار
مرحبا رنگینیٔ افسانۂ ابر بہار
دفتر معنی ہے سیلِ رنگی گردش میں نہاں
ہے عیاں ہر قطرۂ باراں سے اعجاز نسیم
آہ وہ دل جو نہیں لطف آشنائے برق باد
بادکیا ہے اک نگارِ مست رعنائی کی موج
کھا رہا ہے چرخ پر کیا کیا جھکولے دیکھئے
کس کی مست فلک منزل فرمائش جہاں
جس بگولے کی نہ سمجھی ہم نے پہلے خاک قدر
برہمی مثل مزاج یار کہساروں میں تھی
اسکی محرومی قسمت کتنی یاس انگیز ہے
کر دیا پانی اسے آخر جو دل کی آگ تھی
شمع کس محفل کی ہے وہ جس کا دلدادہ یہ ہے
دھوپ جب پڑتی ہے بن جاتا ہے سونے کا محل
پڑ گیا ہے اسپہ شاید پرتوِ تقدیر شمع
روح پر ہے وجد طاری الکوہ حق فرنصیب
بجلیوں کے کوندنے سے آئینہ ہوتا ہے یہ

ہوش کھو کر ہو گیا دیوانۂ ابر بہار
زینت دوش ہوا میخانۂ ابر بہار
ہم بھی دیکھیں موجہ مستانۂ ابر بہار
تو نے کچھ سمجھا بھی ہے افسانۂ ابر بہار
ہو رہا ہے اک جہاں دیوانۂ ابر بہار
لوح گردوں پر ہے درج افسانۂ ابر بہار
قصۂ منظوم ہے افسانۂ ابر بہار
آہ وہ آنکھیں جو ہوں بیگانۂ ابر بہار
برق کیا ہے اک چراغ خانۂ ابر بہار
اک ہنڈولا ہے کہ ہے کاشانۂ ابر بہار
آ گیا اڑ کر وہیں میخانۂ ابر بہار
بن رہا ہے سرخیٔ افسانۂ ابر بہار
چوٹیوں میں جا کے الجھا شانۂ ابر بہار
تنگ ہو جیسے لئے پیمانۂ ابر بہار
دیدنی ہے جوہر پروانۂ ابر بہار
مضطرب ہے رخ پہ پروانۂ ابر بہار
گرچہ گھر چاندی کا ہے کاشانۂ ابر بہار
ہو پپیہا ورنہ کیوں پروانۂ ابر بہار
کوک کوئل کی ہے یا افسانۂ ابر بہار
ہے سراپا سوز دل پروانۂ ابر بہار

گوہر افشانی منور خوب کی برسات میں
ہے غزل تیری کہ اک افسانۂ ابر بہار

فخرِ ایشیا جواہر لال

(از جناب حاجی نبی احمد بریلوی)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

کچھ دنوں سے ہو چلے تھے منتشر اجزائے قوم
قسمتِ ہندوستاں بگڑی ہوئی تقدیر تھی
ڈوبنے ہی کو تھی کشتی ناخدا کوئی نہ تھا
اے جواہر لال اے جادو بیانِ ایشیا
تو اٹھا آگے بڑھا ہندوستاں پر چھا گیا
واقعہ یہ ہے حقیقی رہنمائی تو نے کی
مادرِ گیتی کا تو نے نام روشن کر دیا
واقعات ایثار و قربانی کے سب کو یاد ہیں
درس ہیں خدمات تیری ساری دنیا کیلئے
قوتِ بازو پہ تیری اہل دل کو ناز ہے
منہمک تو سعیٔ آزادی میں صبح و شام ہے
رات دن صرفِ عمل ہے مضطر و بےچین ہے
دردمندِ قوم تجھ سے بڑھ کے ہو سکتا ہے کون
انقلاب انگڑائی لیتا ہے تری ہر بات میں
معترف ہے ساری دنیا تیرے احسانات کی
جانبِ منزل چلا ہے تو نرالی شان سے
کھل گئیں آنکھیں زمانے کی تری ایثار سے

تھے خزاں کے رنگ میں ڈوبی ہوئی کلیاں قوم
رائیگاں تھیں کوششیں ناکام ہر تدبیر تھی
جز خدا کے زندگی کا آسرا کوئی نہ تھا
رہنمائے ایشیا، اے گلہ بانِ ایشیا
قوم کی خاطر لٹا اور قوم کے کام آ گیا
ڈوبتی کشتی کو روکا ناخدائی تو نے کی
خاکدانِ ہند کو تصویرِ گلشن کر دیا
تیرے احسانات لامحدود و لاتعداد ہیں
حوصلے پیدا کئے تو نے تمنا کے لئے
صورِ بیداری جسے کہیئے تری آواز ہے
بچے بچے کی زباں پر آج تیرا نام ہے
خدمتِ ملک وطن ہی تیرا نصب العین ہے
نخلِ آزادی کا خونِ دل سے بو سکتا ہے کون
آگ سی تو نے لگا دی مضمحل جذبات میں
گونج ہے بزمِ جہاں میں تیرے پیغامات کی
مسکرا کر پار ہو جاتا ہے ہر طوفان سے
آ رہی ہے یہ صدا اب ہر در و دیوار سے

توصلہ خدمات کا اپنی یقیناً پائے گا
ایکدن ہندوستاں آزاد پھر ہو جائے گا

صفحہ سائنس

کیا ہم پانچ سو سال تک زندہ رہ سکتے ہیں؟

حیات بخش غدود کے متعلق جدید سائنس کی دریافت

(از ڈاکٹر سنتوش کمار مکرجی، ایم، بی)

میں نے ایک روز ایک فقیر کو ایک پیسہ دیا، اس نے اس خیرات کے عوض میں مجھے یہ دعا دی کہ "تم ایک سو برس تک زندہ رہو" ان الفاظ نے میرے دماغ میں خیالات کا ایک نیا سلسلہ پیدا کر دیا میں سوچنے لگا "صرف ایک سو برس؟"

کیا انسانی زندگی کی آخری حد یہی ہے؟

ست جگ کے زرین زمانے میں انسان کی عمر ایک ہزار سال ہوا کرتی تھی، ممکن ہے اسے بوڑھی عورتوں کی کہانی یا مبالغہ آمیز بیان سمجھا جائے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کل جگ میں انسانی حیات ایک سو برس سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتی، وہ بھی صرف گنتی کے دو چار آدمی ہونے میں جو اس عمر تک پہنچتے ہیں، بہت ہی شاذ و نادر کوئی ایسا شخص پایا جاتا ہے جو سو برس کی معینہ حد سے آگے بڑھتا ہو، بالخصوص ہندوستان کے مفلس اور نادار باشندوں کی حیات پچاس اور ساٹھ سال کے درمیان ختم ہو جاتی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان اگر صحیح طریقہ پر زندگی بسر کرنے کا علم حاصل کرے تو اس کے لئے ایک سو برس تک زندہ رہنا اب بھی کچھ مشکل نہیں ہے، ہم حیوانات کی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک کچھوا دو سو یا ڈھائی سو برس تک زندہ رہ سکتا ہے کلکتہ کے عجائب خانے میں ایک کچھوا ہے جو ڈیڑھ سو برس کا ہو چکا ہے اور ابھی بالکل تندرست اور جوان ہے۔ وھیل مچھلی کی حیات تقریباً پانچ سو برس ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ وھیل مچھلی جو ہندوستان میں بابر کی آمد کے وقت پیدا ہوئی تھی، وہ اب تک زندہ ہے، کچھوا اور وھیل مچھلی نیچے درجہ کے حیوانات میں ہیں۔ ان کی جنس سینکڑوں برس تک زندہ رہتی ہے اور ہم انسان جو خدا کی مخلوق میں سب سے بلند درجہ رکھتے ہیں ان کو صرف چند سال کی عمر پر صبر کرنا پڑتا ہے۔

ہم نے دوسرے حیوانات کا تذکرہ نہیں کیا ہے لیکن صرف کچھوے اور وھیل مچھلی ہی کی حیات سے انسانی حیات کا مقابلہ کرنے کے بعد ہم کو اپنے متعلق بہت غور و فکر کرنے کا ایک میدان مل جاتا ہے سوال یہ ہے کہ اگر ایک قسم کا جاندار پانچ سو برس تک زندہ رہ سکتا ہے تو انسان بھی اتنی ہی عمر کو کیوں نہیں پہونچ سکتا؟ یا یقینی امر ہے کہ انسان ان حیوانات سے کسی طرح کم نہیں ہے؟ اس لئے ہمیں اس سوال کا جواب کچھوے اور وھیل مچھلی کی حیات کے اسرار کا مطالعہ کرنے میں ملے گا۔

زیادہ دنوں تک زندہ رہنے کی تمنا انسان کے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہے، دنیا کی پیدائش سے لے کر اب تک لوگ یہی خواب دیکھتے رہے ہیں انسان نے بڑھاپے اور موت پر فتح پانے اور امر ہو جانے کی کوشش ہمیشہ کی ہے، جب دنیا اپنی ابتدائی منزلوں میں تھی تو دیوتاؤں اور راکشسوں نے اکٹھا سمندروں کو متھ کر امرت نکالنے کی کوشش کی تھی، دیوتاؤں نے یہ امرت پی لیا اور امر ہو گئے، لیکن انسانوں کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ یہ بیچارے اب تک بیماری اور موت کے شکار بنے ہوئے ہیں۔

یورپ کے کیمیاگروں اور ہندوستان کے سادھوؤں نے اکسیر بنانے کی کوشش کی تاکہ حیات انسانی کا پیمانہ بڑھایا جا سکے لیکن افسوس ہے کہ بیماری اور موت کے پنجے سے نجات حاصل کرنے کے لئے اب تک کوئی چیز دستیاب نہیں ہوئی ہے۔

جاہتا تھا بڑھنے کی گردی، بڑھاپے اور موت کا علاج تلاش کرنے کے لئے اپنی بیوی، بچے اور سلطنت کو چھوڑ دیا۔ لیکن جو علاج انہوں نے معلوم کیا وہ روحانی علاج تھا اور موت کے بعد کی زندگی سے تعلق رکھتا تھا۔ ان لوگوں کے لئے یہ نسخہ مفید ثابت نہیں ہوا جو کچھوے اور وھیل مچھلی کی طرح اپنے مادی اور فانی جسم کی حیات کو بڑھانا اور پانچ سو برس تک زندہ رہنا چاہتے ہیں؟

کیا یہ حقیقت میں ناممکن ہے کہ انسان کو موت کو جلد آنے سے روک دے یا موت پر فتح حاصل کرے انسانی جسم کی مشینری اور کل پرزے اب ہمارے لئے ایک بند کتاب کی حیثیت نہیں رکھتے اور گذشتہ چند برس میں ہم نے ان پراسرار غدود کے عمل کا راز دریافت کر لیا ہے جو انسانی صحت اور حیات پر اثر انداز ہوتے ہیں اس علم کو عملی طریقہ پر استعمال کر کے ہم یہ امید کر سکتے ہیں کہ مستقبل قریب میں اپنی حیات میں گراں قدر اضافہ کر سکیں۔

زندگی کو کنٹرول کرنے والے غدود

انسانی جسم کے اندر رطوبت خارج کرنے والے غدود کے متعلق معلومات حاصل کرنے سے ہمیں اس راز کا پتہ لگ گیا ہے کہ ایک بچہ کس طرح جوان ہوتا ہے

باقی صفحہ ۲۶ میں

سیاسی اُفق کی قوس قزح
سُرخ، زرد، گلابی، اور سفید خطرے

شفق نہیں مغربی اُفق پر یہ جوئے خون ہے یہ جوئے خوں ہے
طلوعِ فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ
وہ فکرِ گستاخ جس نے عُریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اُس کا آشیانہ
(اقبال)

(از جناب محمد عبد السبحان علوی حیدرآبادی)

(خاص سچ دکلی کے لئے)

کائنات عالم میں غلغلہ برپا ہے کہ مستقبل قریب میں عالمگیر جنگ ہونے والی ہے۔

جس وقت حبش اور اطالیہ کی آویزش شروع نہیں ہوئی تھی پیشین گوئیاں کی جا رہی تھیں۔ کہ عجب نہیں جو تاریخ اقوام عالم کی تاریخ کو الٹ کر رکھ دے۔ کوئی کہتا تھا کہ جرمنی کی ذہنی اپنے پر فوج کشی سے سارے عالم میں آگ لگ جائیگی۔ کوئی بتلاتا تھا کہ ترکی کا درہ دانیال پر دوبارہ قبضہ دنیا یقینی رنگ لائے گا کسی کے نزدیک چین پر جاپان کی دست درازیاں عالمگیر کشت وخون کا موجب تھیں کوئی اسپین و فلسطین کے موجودہ کشت وخون کو جنگ کا پیش خیمہ بتلا رہا ہے۔

غرض اب بھی عوام مشکوک نہیں بلکہ بڑے بڑے ماہرین جنگ کا فیصلہ ہے کہ جنگ ضرور ہوگی، جنگ کو تھوڑے عرصہ کے لئے روکا جا سکتا ہے مگر قطعی طور سے روکا نہیں جا سکتا۔ اٹلی برطانیہ سے لڑے یا جاپان چین سے نبرد آزما ہو یا جرمنی روس سے برسرپیکار ہو یا اٹلی ترکوں سے جنگ آزمائی کرے بہرحال ان سب کو میدان کارزار گرم کرنا ہوگا۔ ایک قوم خوشی سے آگ، خون سے ہولی کھیلنے کے لئے تیار ہوگی تو دوسری کو مجبوراً حالات پر اس کا ساتھ دینا ہوگا اس طرح خرمن امن کے جلکر خاکستر ہونے کا آغاز ہوگا۔ اگر یہ خیال درست ہے کہ دور رس اور واقعات کی گہرائیوں میں اتر جانے والی نظریں قرائن سے مستقبل کے واقعات کی صحیح تصویر پیش کرتی ہیں تو ان ہی خیالات کی گہرائیوں پر ایک ہلکی سی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امن عالم کے بربادی کے باب میں کوئی تنہا ذمہ دار نہیں بلکہ سارے یورپ پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، برطانیہ، اطالیہ اور جرمن پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں تو جاپان، روس اور فرانس ان ہی کے نقش پا کو لینے والے

خطروں کی علامات

جس طرح طوفان آنے سے پہلے طوفانی ہوائیں چلنے لگتی ہیں، برسات آنے سے پہلے موسم بدلتا ہے آسمان پر اودی اودی گھٹائیں چھا جاتی ہیں اسی طرح جنگ آنے سے پہلے علامات جنگ بھی نمایاں ہوتے ہیں آغاز جنگ کی نمایاں علامتوں میں سب سے پہلی علامت یہ ہوتی ہے کہ اقوام عالم مختلف جتھوں میں تقسیم ہو جاتی ہیں دوسری علامت یہ ہے کہ ہر گروہ میں علیحدہ علیحدہ دفاعی معاہدوں کا پیچیدہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے،

تیسری علامت یہ ہے کہ جنگی اسلحات اور سازو سامان کی مہیب فہرستوں سے دھمکایا جاتا ہے چوتھی علامت یہ ہوتی ہے کہ آہستہ آہستہ محاذ جنگ کو [illegible] کرنے کے بعد تجاوز کیا جاتا ہے پھر چھیڑ چھاڑ شروع ہو جاتی ہے ان سب علامتوں میں سے کون سی ایسی علامت رہ گئی ہے جو آشکار نہیں، کیا اقوام عالم کی خلیج اختلاف وسیع سے وسیع تر نہیں ہو رہی ہے؟ کیا دفاعی معاہدے زور و شور سے جاری نہیں، کیا جنگی بجٹ شائع نہیں ہو رہے ہیں؟ کیا ایک ملک دوسرے ملک کو جنگی الٹی میٹم نہیں دے رہا ہے؟ کیا محاذ جنگ کو مستحکم نہیں بنایا جا رہا ہے؟ کیا اقدام نہیں کیا جا رہا ہے؟ غرض وہ سب علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں جن کا ظاہر ہونا اندازہ جنگ کے یقین ہونے کے لئے لابدی تھا، خطرات جنگ میں سُرخ خطروں کا خدشہ سارے عالم پر طاری ہے جس کو ان سب میں زیادہ اہمیت ہے اس لئے ہم اس کا سب سے پہلے تذکرہ کریں گے۔

سرخ خطرات!

"مدبرین انگلستان تیز رفتاری کے ساتھ فوجیں ترتیب دے رہے ہیں، اور فوجی بجٹ میں انتہائی کشادگی کیساتھ اضافی رقمیں دے رہے ہیں، ان اضافوں اور تیاریوں کے مطلب کی وضاحت کی حاجت نہیں،

برطانیہ کی جانب سے دو وجوہ کے باعث امن عالم کو شدید خطرہ پیدا ہونے کا امکان ہے ایک اس کی فارورڈ پالیسی دوسرے اس کا خاصہ کہ جہاں کہیں اس کو عارضی یا مستقل اقتدار حاصل ہو جاتا ہے وہاں بہر دوام ثبت کرنے کی کوشش کرتا ہے یہی پالیسی فلسطین اور سرحد ہند پر کارفرما ہے۔ اور اسپین کی خانہ جنگی کی آگ کو ہوا دے رہا ہے گو اس وقت آلات جنگ کی عدم تکمیل کے باعث میدان جنگ میں للکارتا ہوا دکھائی نہیں دیتا ہے مگر اپنے قبضہ کو حد دوام تک پہنچانے کے لئے خشکی و تری کے حدود کو تبدیل کرنے کے ارادوں پر تلا ہوا ہے۔ اس کو سب سے بڑی تشویش بحر روم کے ہوس اقتدار اور جرمن نوآبادیات کی عدم واپسی اور عالمگیر وعدہ خلافی کے باعث ہو رہی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو آج اتنی بڑی فوجیں ہوتیں اور نہ خدشۂ جنگ بلکہ امن عالم کا قیام یقینی ہو جاتا مطلع جنگ پر بظاہر اطالیہ و جرمنی مخالف محاذ سے علانیہ طور پر دکھائی دے رہے ہیں لیکن حقیقت میں اس اقدام کی ذمہ داری دوسروں کے سر بھی ہے، اسپین کے معاملہ کو سامنے رکھیں یا بحر روم کی طرف نظر دوڑائیں یا جرمن نوآبادیات کے معاملہ کو لیں یا متوقع امداد چین کو خیال میں لائیں اطالیہ، جرمنی، جاپان، آسٹریلیا کا اس کے خلاف صف آرا ہو جانا یقینیات سے دکھائی دے رہا ہے فلسطین کی تقسیم کی تجویز ہے۔

زرد خطرے!

ان خطروں سے زیادہ اہمیت اطالیہ و جرمنی کے خطرات کو ہے لیکن جاپان کو برطانیہ سے آب و ہوا اور رنگ و روپ میں زیادہ مشابہ ہونے کے باعث "برطانیہ مشرق" کہتے ہیں وہ برطانیہ کا تتبع کر رہا ہے اس لئے یہاں اس کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے چین کی زرخیزی کو دیکھ کر اس کے دل میں بھی ہوس پیدا ہو گئی ہے اسی باعث روس منچوکو کی سرحد پر فوجی استحکامات کرنے کے لئے بیتابی کے ساتھ اقدام کر رہا ہے اس اقدام کے باعث کشت وخون کا آغاز ہو چکا ہے مستقبل کی جنگ خواہ کسی گوشہ سے شروع ہو بین الاقوامی جنگ میں تبدیل ہو جانے کے قوی تر امکانات اپنے اندر رکھتی ہے اس لئے ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ یہ جنگ جاپان چین اور روس کے مابین نہیں ہوگی بلکہ ہر ان حکومتوں کے ساتھ ہوگی جن کے ان کے ساتھ اپنے مفادات ہیں برطانیہ اور امریکہ ایک آن کے لئے بھی چین میں جاپان کے اقتدار کو نہیں دیکھ سکتے۔ یقینی چین کی کھلے بندوں امداد پر تل جائیں گے اور روس اپنے حریف مقابل کو نیچا دکھانے کے لئے تا امکان امداد کرے گا اور فرانس بھی اپنے ہمنوا کو میدان جنگ میں دیکھ کر کسی طرح خاموش نہیں رہے گا اس صورت میں اٹلی، جرمنی، اور آسٹریلیا کو قدرتی طور پر جاپان سے ہمدردی ہو جانا لابدی ہے الغرض بدامنی کے شعلے اس طرح خرمن امن کو پھونک کر رکھ دیں گے۔

گلابی خطرے

اب ان خطرات کو پیش کیا جائے گا جو اٹلی کی جانب سے پیش آ رہے ہیں، سائنور مسولینی ایک مدت سے بحر روم اور بحر احمر پر قبضہ کر کے برطانیہ کے مشرقی راستہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دینا چاہتا ہے چنانچہ اسی اسکیم کے پیش نظر تیز رفتاری کے ساتھ اقدام کرتا چلا جا رہا ہے طرابلس کو زیرنگیں کیا گیا اور اب حبش پر قبضہ کیا جا چکا ہے اس کے بعد بتدریج طور پر طرابلس اور حبش کی درمیانی کڑی یعنی مصر کا نمبر ہے اور یمن پر بھی ڈورے ڈالنے کے منصوبے ہو رہے ہیں۔ اطالیہ کا مصر پر حملہ آور ہونا اور یمن کو زیرنگیں کرنے کی سعی کرنا سارے عالم کے لئے عموماً اور عالم اسلامی کے لئے خصوصاً دعوت جنگ دینے کے مرادف ہے۔

ترک، ایران، افغانستان، عراق، حجاز، فلسطین، شرق اردن وغیرہ جن کی پشت پر اس صورت میں برطانیہ اور بل برطانیہ کی قوتیں بھی ہوں گی یقینی اس اقدام کا مزہ چکھانے کے لئے سر بکف سامنے نکل آئیں گے، ادھر اطالیہ اپنے پشت پناہ جرمن آسٹریلیا، جاپان جس کے دم پر آج کود رہا ہے میدان مقابلہ میں بلائیگا اسی طرح دنیا کی عظیم الشان قوتیں متصادم ہونگی

سفید خطرے

جرمنی ۱۹۱۴ء کے کھوئے ہوئے وقار کو واپس لینے کے لئے دہشت انگیزی کے خونی راستوں پر آ کھڑا ہے اس کا سب سے بڑا مطالبہ یہ ہے کہ اس کی نوآبادیات جن پر یورپ کی دیگر جماعتیں قابض ہیں واپس کر دی جائیں اگر اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی تو تلواروں کی نوک سے اپنا مقصد حاصل کرنے کی سعی کرے گی چنانچہ ان ہی ارادوں کو تکمیل کی حد تک پہونچانے کے لئے ایک طرف اپنی نوآبادیوں کی واپسی کا مطالبہ کر رہا ہے تو دوسری طرف اپنی مغربی سرحد کو مستحکم بنا رہا ہے آجکل رائن لینڈ کی خفیہ قلعہ بندی کی جا رہی ہے ٹینکوں کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنے کے لئے خفیہ راستوں کی جستجو کی جا رہی ہے فوجی تیاریوں پر زر کثیر صرف کیا جا رہا ہے جو برطانیہ اور فرانس و روس کے لئے تشویش کا باعث ہے معاہدہ ورسیلز کی رو سے یہ علاقہ غیر فوجی منطقہ کا ایک حصہ تھا لیکن ہٹلر نے ہلگولینڈ کے استحکامات عمل میں لا کر ساری ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال، اب اس استحکام کے باعث برطانیہ کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے اس صورت میں جرمنی کے تباہ کن جہاز ایک ہی پرواز میں عمدگی کے ساتھ لندن پر حملہ آور ہونا چاہیں تو بخوبی کر سکیں گے اور ہلگولینڈ کے استحکامات برطانیہ کو جوابی حملے سے قاصر رکھیں گے۔

برلن پر فوج کشی کرنے کے لئے فضائی لائن سے گزرنا ضروری ہوگا، اور یہاں جرمن فوج اور اس قدر جنگی ساز و سامان موجود ہوگا جس کی زد سے برطانیہ کا ایک ہی جہاز صحیح و سالم نہیں رہ سکے گا۔

غرض جرمنی کے یہ استحکامات انگلستان کے لئے فضائی تحدید کا درجہ رکھتے ہیں مسولینی اور ہٹلر کے اتحاد اور معاہدہ آسٹریلیا نے انگلستان کی خارجی پالیسی کو متزلزل بنا دیا ہے۔ جس کو استوار کرنے کے لئے برطانیہ کا کمل کھڑا ہونا یقینیات سے دکھائی دے رہا ہے جس کے بعد امن عالم کا انتظام ندیرہ ہونا اور بس ہو جائے گا۔

بے رنگ خطرے

اب تک جن خطرات کا ذکر کیا گیا وہ ایسے تھے جو امن عالم کو خاکستر بنانے والے تھے، اب ان خطرات کا ذکر کیا جائے گا جو امن عالم کو (باقی اگلے صفحہ کالم ۳ پر)

دنیائے ادب

بنسری والا

(از جناب گوردھن داس صاحب بی۔ اے)
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

بنسری والے نے اپنی بنسری اٹھائی اور بے فکری سی بجانے لگا۔ بنسری سے ایک سریلا راگ نکلا۔ ایک شیریں نغمہ جس سے روح کائنات لطف اندوز ہونے لگی۔

تیتریوں نے پھولوں کے گرد ناچنا چھوڑ دیا۔ بہوا مست ہو کر ایک پتی پر بیٹھ گیا۔ بلبل ایک شاخ پر سر دھننے لگی۔ بہتی ہوئی ندیاں ٹھہر گئیں۔ چلتی ہوئی ہوا رک گئی۔ آسمانوں پر بادلوں نے اپنی دوڑ بند کر دی۔ ایسا معلوم ہوا سورج تک غروب ہونا بھول گیا۔ فضا خاموش اور کائنات ایک نیم مدہوشی میں محو خواب ہو گئی۔ بانسری والا خود بھول گیا کہ وہ کون ہے۔ اس کا گرد و پیش کیا ہے اور وہ کیا کر رہا ہے۔

یکا یک بنسری اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ راگ بند ہو گیا۔ نغمہ ختم ہو گیا۔

کائنات پھر جاگ اٹھی سورج اپنے سفر پر پھر رواں ہو گیا۔ رنگ برنگ کے بادل آسمان پر پھر دوڑنے لگے ہوا پھر بہنے لگی ندیاں پھر بہہ نکلیں۔ تیتریاں پھر اڑنے لگیں۔ بھونرا پھر گانے لگا اور بلبل پھر چہکنے لگی۔

مگر اس مرتبہ کچھ رنگ ہی اور ہے کائنات حیران! فضا مضطرب! آفتاب کا چہرہ ماند ہو گیا۔ جیسے اس کے دل پر کوئی کاری زخم لگا ہو یا جیسے کوئی برسوں کا بیمار۔ بادل گھبرائے ہوئے ہیں۔ ہوا سراسیمہ ہے۔ ندیاں کانپ رہی ہیں، لرزہ براندام ہیں۔ موجیں لب ساحل سے سر پٹکتی ہیں۔ تتلیاں بھونرے۔ بلبلیں سب بدحواس، مضطرب، بے قرار۔

بنسری والا بے ہوش پڑا ہے۔

راگ بند نہیں ہوا۔ وہ تو شروع ہوا ہے نغمہ ختم نہیں ہوا۔ وہ ختم نہیں ہو سکتا۔ وہ کبھی ختم ہوگا۔

پریم

(از جناب ماسٹر امر سنگھ سکیلاح)
(خاص تیج ویکلی کے لئے)

اے کمبخت! کیا کسی خوبصورت شے کو دیکھ کر تیرا دل خوش نہیں ہوتا۔ کیا تیرا دل موم ہونا نہیں چاہتا۔ کیا تو جانتا ہے پریم کس کو کہتے ہیں۔

پریم نام ہے سب کچھ دے دینے کا۔ سب کچھ دوسرے پر نثار کر دینے کا۔ پریم میں بیگانہ اور یگانہ کوئی نہیں ہے ایک اور دو کا۔ اگر تو کسی کا دیدار کرنا چاہتا ہے تو تجھے اپنے سوا اور کسی کا دیدار نہیں ہوگا۔

پریم ایک کرم ہے جس کا نتیجہ آنند ہے اگر تو پریم کرتا ہے تو آنند ملتا ہے لیکن آنند کے لئے پریم مت کر، یہ ایک خواہش ہے۔ پریم تو اس وجد کا نام ہے جب تو اپنے آپ کو ہی اپنا محبوب سمجھنے لگے۔ تجھے سب میں اپنی ہستی ہی دکھائی دینے لگے گی۔ یہی ہے پریم کی منزل مقصود۔

اگر تو اس منزل پر پہنچ گیا ہے تو سمجھ لے کہ تیری زندگی کا آغاز ہوا ہے تو سچا پریمی بن اور بھول جا کہ تو خود کون ہے۔ اسی کا نام پریم ہے۔

زندگی

شروع میں زندگی اس پھول کی مانند تھی جس نے کہ موسم بہار میں اپنی دو تین پنکھڑیاں گرا دیں لیکن وہ پنی اس کی کو محسوس نہیں کرتا۔ جوانی کے ختم ہونے پر زندگی ایک پھل کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے جس کے پاس کچھ نہیں ہے اور شیرینی کے ساتھ خود اپنے ہی کو صدقہ کر دینے کا انتظار کر رہی ہے۔ (ترجمہ از فاروقی)

پچھلے صفحے سے

یقینی ہلاکت کے نئے ذریعے ہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی استعماری تین چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو حریصانہ اور للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی ہیں جس کے باعث انہیں شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے بالخصوص وہ چھوٹے چھوٹے ممالک جو بحیرہ احمر و بحر قلزم کے ساحل پر واقع ہیں اپنے بچاؤ کی بہت زیادہ ضرورت محسوس کر رہے ہیں اس لئے کہ اول تو مستقبل کے جنگ کا محل وقوع غالباً یہی بحرین ہوں گے دوسرے قبضہ حبش کے بعد سولینی کی گرم گرم نگاہیں یمن حجاز اور مصر کی طرف تیز تیز پڑ رہی ہیں چنانچہ ان ہی خطرات کی بنا پر ان ممالک نے اپنے تحفظ کی وسیع پیمانہ پر تیاریاں شروع کر دی ہیں۔

مصر کی فوجی استحکامات روز بروز بڑھ رہی ہیں فوج اور ہوائی طاقت میں شب و روز اضافہ کیا جا رہا ہے عنقریب عام بھرتی کا اعلان کر دیا جائے گا تاکہ دفاعی قوت کو زیادہ مستحکم کر دیا جائے سوڈان کی سرحد پر مصری افواج کو ہر وقت تیار رہنے کا حکم دیا جا چکا ہے حدود طرابلس پر افواج کو تقویت دی جا رہی ہے۔

حکومت حجاز نے بھی اس طرف کافی توجہ مبذول کر دی ہے مدینہ منورہ میں ہوائی طاقت کو مزید استحکام عطا کرنے کے لئے مرکز ہوا بازی اور مجلس پرواز قائم کر دئے گئے ہیں جس کے لئے مستقل فنڈ کی منظوری بھی دی جا چکی ہے۔

خطرات سے بچاؤ

اگر متلاشیان امن ان خطرات سے بچنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے انہیں یورپ کی استعمار پرستانہ و جابرانہ حکمت عملی سے کنارہ کش ہو جانا چاہیئے۔

تبجرے ویکلی ہائے

۱۰ اگست سنہ ۱۹۳۷ء

مہاتما گاندھی اور وائسرائے ہند

چھ سال کی تلخیوں کا ایک خوشگوار ازالہ

ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی طویل مدت میں بہت سے تاریخی دن ہیں جو کسی نہ کسی پہلو سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں، ایک تاریخی دن پہلی اگست ہے جس کے متعلق ایک نوٹ اس اشاعت میں موجود ہے۔ دوسرا تاریخی دن "یوم آزادی" ہے اور اسی طرح کے مزید چند تاریخی دن اپنی اپنی اہمیت کے اعتبار سے آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اسی فہرست میں ہم پانچویں اگست کو بھی شامل کرتے ہیں کیونکہ اس روز لارڈ لنلتھگو نے مہاتما گاندھی سے ملاقات کرکے ساڑھے پانچ یا چھ سال کی ان تلخیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کی جو ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان شدید ترین کھنچاوٹ کا باعث بنی ہوئی تھی ہم نے "کوشش" کا لفظ قصداً استعمال کیا ہے کیونکہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ برطانیہ کی تمام ملوکیت پرستیاں اور استعماری حرص و ہوس صرف وائسرائے اور مہاتما گاندھی کی ملاقات کے باعث یکایک حسن عمل اور نیک نیتی سے بدل جائیں گے ہم یقین کے ساتھ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اب کانگریس اور عمال حکومت کے درمیان کبھی کوئی تلخی پیدا ہی نہیں ہوگی، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہندوستان کے متعلق برطانیہ کے مقاصد کچھ اور ہیں اور خود ہندوستانیوں کے مقاصد کچھ اور ہیں، ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ ابھی ہم آزادی کی منزل تک نہیں پہنچے ہیں اور ہمیں ایک طویل اور سخت ترین جدوجہد کے خار دار اور نہایت پُرخطر راستے سے گزرنا ہے جس میں تلخی اور تصادم لازمی درمیانی منزل ہوگی، پھر بھی اس کا کیا سبب ہے کہ مہاتما گاندھی اور لارڈ لنلتھگو کی ملاقات کا خیر مقدم کررہے ہیں؟

اس کا جواب بہت سادہ اور صاف ہے اس میں کوئی ایسی پیچیدگی نہیں ہے جو کسی کی سمجھ میں نہ آئے موجودہ دنیا کی ہر شخص کو دیکھ کر یہ حقیقت کسی کی آنکھوں سے چھپی نہیں رہ سکتی کہ ہندوستان کو آج یا کل ایک نہ ایک روز آزاد ہونا ہے برطانیہ بھی اس سے اچھی طرح واقف ہے، ایسی حالت میں برطانیہ ہندوستان کے ساتھ دو طرح کے سلوک کرسکتا ہے ایک تو ہندوستان کی محکومی کی زنجیروں کو کچھ عرصہ کے لئے مضبوط کرنا اور آزادی کی منزل کو اس سے بہت دور کردینا جیساکہ جدید آئین کے ذریعہ کیا گیا ہے اور دوسرے ہندوستان کو آزادی کی منزل کی طرف لے جانا در حصول مقصد میں اس کی خاطر خواہ مدد کرنا، ظاہر ہے کہ اول الذکر طرز عمل اگرچہ آزادی کی راہ کو ہمیشہ کے لئے بند اور مسدود نہیں کرسکتا۔ مگر سخت ترین تلخیاں اور نہایت ناخوشگوار حالات پیدا کرسکتا ہے اور موخرالذکر سلوک برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان خلوص اور اعتماد پیدا کرسکتا ہے اور دونوں ممالک کو خوشگوار تعلقات کی زنجیروں میں باندھ سکتا ہے

اب مہاتما گاندھی اور لارڈ لنلتھگو کی ملاقات کو اگر آپ اس زاویہ نگاہ سے دیکھیں گے تو اس کی اہمیت سمجھ میں آجائے گی یعنی اگر لارڈ لنلتھگو صرف برطانی تدبر اور دوراندیشی کو کام میں لاکر مہاتما گاندھی کی ملاقات کے ذریعہ ہندوستان کو خوش کرکے برطانیہ کا کوئی استعماری مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں (اور ہمیں ایسا خیال کرنے کا کوئی خاص سبب نہیں ہے) تو اس سے کوئی خوشگوار نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔ اور اگر وائسرائے نے اس ملاقات کو برطانیہ کی بدلی ہوئی ذہنیت اور ہندوستان کے متعلق خلوص و نیک نیتی کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے تو سارا ہندوستان اس کا تہ دل سے خیر مقدم کرے گا اور پرتمنا ہے یہ دعا کرے گا کہ صرف ایک ہی ملاقات پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ملاقاتوں کا ایک مستقل سلسلہ جاری ہوجائے اور ہندوستان کو اس خوشگوار راستہ سے، امن اور صلح کے ذریعہ سے خلوص و محبت کے رشتہ سے وہ چیز حاصل ہوجائے جس کے لئے اس کو ایک تلخ اور تکلیف دہ راستہ سے گزرنا ہوتا ہے ؛

برطانیہ کو کئی بار تجربہ ہوچکا ہے کہ مہاتما گاندھی جیسا صلح جو انسان اس وقت دنیا میں موجود نہیں ہے جہاں خلوص اور نیک نیتی کا موقع ہوتا ہے وہاں مہاتما جی کا قدم سب سے پہلے آگے بڑھتا ہے ہم جانتے ہیں کہ جیسا کہا گیا ہے لارڈ لنلتھگو اور مہاتما جی کی یہ ملاقات ایک ذاتی اور شخصی ملاقات تھی۔ بحث اور مفاہمت کے لئے کوئی خاص اہم مسئلہ پیش نظر نہ تھا لیکن ممکن ہے یہ ملاقات خود ہی ایک خوشگوار فضا اور اچھے نتائج کی بنیاد بن جائے۔ چھ صوبوں میں قبول وزارت کے سلسلہ میں جب گورنروں اور کانگریسی پارٹیوں میں کھنچاوٹ ہوگئی تھی اور انٹیرم وزارتیں قائم کی گئی تھیں، اسی وقت سے ہر طرف یہ خیال ظاہر کیا جارہا تھا کہ وائسرائے کو خود مہاتما گاندھی سے ملاقات کرنی چاہیئے۔ تاکہ غلط فہمیاں دور ہوجائیں مگر افسوس ہے اس وقت لارڈ لنلتھگو نے لوگوں کے اس مطالبہ کی طرف توجہ نہ دی، اگر یہ ملاقات صرف چند ماہ پہلے ہوجاتی تو غالباً اتنی تلخی اور ناخوشگواری بھی پیدا نہ ہوتی، لیکن بہرحال اس ضرب المثل کے مطابق کہ "دیر سے کوئی کام کرنا قطعاً کام نہ کرنے سے بہتر ہے" ہم لارڈ لنلتھگو کی اس پیش قدمی پر اظہار مسرت کرتے ہیں جس نے لارڈ ولنگڈن کی پیدا کی ہوئی ساڑھے پانچ سال کی تلخیوں کو دور کردیا ہے ؛

جیساکہ عام قاعدہ ہے اس اہم ملاقات کے متعلق خیال آرائیاں شروع ہوگئی ہیں اور جو لوگ پردۂ راز کے اندر جھانکنے کے عادی ہیں انہوں نے پہیلیاں بوجھنی شروع کردی ہیں لیکن ہم اس سلسلہ میں قیاس و گمان سے کوئی کام لینا نہیں چاہتے ہیں سردست یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت ایک محدود دائرے سے باہر نکل آئی ہے اور مہاتما گاندھی سے وائسرائے کی ملاقات اس امر کی طرف ایک اشارہ ہے کہ وہ مہاتما جی کے اثر و اقتدار کو اچھی طرح پہچانتی ہے اخبار "ہندوستان ٹائمز" کے ایڈیٹر نے صحیح کہا ہے کہ "وائسرائے آتے رہیں اور وائسرائے جاتے رہیں لیکن ہندوستان کے عامۃ الناس پر مہاتما گاندھی کا غیرمعمولی اثر ہر وقت قائم ہے" کاش یہی احساس حکومت برطانیہ کو آزادیٔ ہند کے متعلق ایک صحیح راستہ پر لگادے!

آئینۂ تاریخ!

انڈمان کے قیدیوں کی بھوک ہڑتال

جزیرہ انڈمان میں ۳۰۲ سیاسی قیدیوں میں سے ۲۰۰ کی بھوک ہڑتال اور اس تعداد میں ۷۰ قیدیوں کی روز افزوں شرکت کی خبر نے ہندوستان کے عرض و طول میں سخت بے چینی پیدا کردی ہے، ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ کانگریس کے قبول وزارت نے اور حکومت اور کانگریس کے درمیان موجودہ خوشگوار تعلقات نے سکون و اطمینان کی جو فضا پیدا کردی تھی وہ بہت جلد مکدر ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اصولی طور پر ہم اسے ایک لمحہ کے لئے تسلیم کئے لیتے ہیں کہ ان قیدیوں کے مطالبات حکومت ہند کی نگاہ میں وسیع ہیں اور جنرل پالیسی سے تعلق رکھتے ہیں مگر صرف اتنا ہی کہہ دینے سے حکومت ہند کی ذمہ داری ختم نہیں ہوجاتی، حکومت ہند اگر نظم و نسق کی جنرل پالیسی کی نگراں ہے تو وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوسکتی اس کا یہ جواب تسلی بخش نہیں ہے کہ انڈمان کے قیدیوں کا مسئلہ ان صوبجاتی حکومتوں سے تعلق رکھتا ہے جہاں کے قیدی وہاں بھیجے گئے ہیں، سوال یہ ہے کہ حکومت ہند نے صوبجاتی حکومتوں کے لئے اس بدنام نوآبادی اور اس کی کال کوٹھریوں کو قائم ہی کیوں رکھا ہے؟ اب رہا صوبجاتی حکومتوں کا مسئلہ تو ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں سب سے بڑی ذمہ داری حکومت بنگال کی ہے کیونکہ بھوک ہڑتال کرنیوالے ۲۰۰ قیدیوں میں ۱۵۶ قیدی بنگال کے باشندے ہیں، بنگال میں اس خبر سے بہت زیادہ اضطراب پھیلا ہوا ہے اور اسمبلی کے اجلاس کے دوران میں بنگالیوں نے "حق منسٹری" کے خلاف مظاہرہ بھی کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر فضل الحق کی وزارت کی بدنامی اور نامقبولیت اس مسئلہ کے باعث انتہائی حد تک پہنچ جائے گی، اس وزارت کو غالباً خبر نہیں ہے کہ بھوک ہڑتالیوں کے مطالبات کو ٹھکرانا اہل بنگال کے جذبات سے کھیلنا ہے یو۔پی اور بہار کے صوبوں کی اطلاع ہے کہ وہاں کی حکومت اپنے قیدیوں کو انڈمان سے واپس بلا لینا چاہتی ہے لیکن یہ صرف چند قیدیوں کا معاملہ ہے۔ اس موقعہ پر اصلی ذمہ داری بنگال کی ہے، قیدیوں کی بھوک ہڑتال کو دو ہفتے گزر چکے ہیں اب اس معاملہ میں تاخیر اور لیت و لعل کرنے کا وقت باقی نہیں رہا ہے کوئی حکومت جو ایسے خطرناک حالات کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کرلے صحیح معنوں میں حکومت نہیں کہی جاسکتی ؛

سورگیہ تلک کی برسی!

ہندوستان میں پہلی اگست کا دن ایک بہت بڑی تاریخی اہمیت رکھتا ہے اسی روز بھارت کے سپوت اور آزادیٔ ہند کے رہنمائے اول لوکمانیہ تلک کا سورگباش ہوا تھا تلک کے دیس کے گوشہ گوشہ میں تلک کی اٹھارویں برسی بڑی شردھا کے ساتھ پہلی اگست کو منائی گئی، تلک ہی نے اپنے مرنے سے پہلے ہندوستان کو یہ فقرہ سکھلا دیا تھا کہ "سوراج میرا پیدائشی حق ہے، میں اسے ضرور حاصل کروں گا" راشٹرپتی پنڈت جواہرلال نے اس برسی کے موقعہ کو بہترین طریقہ پر استعمال کیا اور اسی کو "یوم وزارت" قرار دیکر تمام کانگریسی آرگنائزیشنوں کے ذریعہ ملک کو یہ بتلا دیا کہ کانگریس کا وزارت قبول کرنا غیر ملکی اقتدار کو تسلیم کرنا نہیں ہے بلکہ مکمل آزادی کی راہ میں صرف ایک قدم ہے، کوئی سبب نہیں کہ ہم راستہ کو منزل اور ذریعہ کو مقصد سمجھ لیں لوکمانیہ تلک ہندوستان کے لئے قومی آدرش کا ایک مجسمہ تھے اور ہندوستانیوں کو انکی زندگی سے بہترین سبق لینا چاہیئے

وزیر ہند کی خوش فکری!

چند ہندوستانیوں اور انگریزوں نے لندن میں مسٹر سرینواس شاستری کو جو پارٹی دی تھی اس میں تقریر کرتے ہوئے وزیر ہند لارڈ زٹلینڈ نے کہا ہے: "مجھے یقین ہے کہ حکومت کے نظم ونسق اور گورنروں اور وزیروں کے درمیان رشتہ کے تجربہ کے بعد موجودہ فضا صاف ہو جائے گی اور میں اس وقت کا منتظر ہوں جب ہندوستان اور برطانیہ آپس میں اتحاد عمل کر کے آگے بڑھتے ہوئے نظر آئیں گے۔" لارڈ زٹلینڈ کی امید اور خوش فکری پر ہم کوئی اعتراض نہیں کرتے لیکن خود لارڈ زٹلینڈ اگر اپنے اس خواب کی تعبیر چاہتے ہیں تو ان کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ برطانوی مدبروں کو ہندوستان کے متعلق اپنا طرز عمل بہت بڑی حد تک بدل دینا ہوگا موجودہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ خود بھی اس لائق نہیں ہے کہ اسے ہندوستان کے کسی مستقل مفاد کے لئے چلایا جا سکے، کیا وزیر ہند اس بات پر راضی ہیں کہ وہ ہندوستان کو ہندوستانیوں کی مرضی کے مطابق کوئی آئین عطا کر دیں؟

یو۔پی وزارت کا پروگرام!

صوبہ یو۔پی کے وزیر اعظم پنڈت گووند بلبھ پنت نے اپنی حکومت کا وہ پروگرام واضح کر دیا ہے جو فوری عمل کے اعتبار سے ان کے سامنے ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم کانگریس کے اعلان کی رو سے کراچی ریزولیوشن کے مطابق ان بنیادی حقوق کو ہمیشہ سامنے رکھیں گے جن کے ذریعہ ہندوستان کے ہر شہری کے لئے اور ہر ذات اور جماعت کے لئے آزادانہ اظہار خیال، آزادانہ اجتماع اور آزادی ضمیر کی ضمانت دی گئی ہے اور یہ حق عطا کیا گیا ہے کہ پبلک اخلاق اور امن کے تحت میں ہر شخص اپنے مذہب کی پیروی کرے گا۔ اس کے علاوہ ان کے پروگرام میں کسانوں کی بہبودی اور فرقہ وارانہ اتحاد وغیرہ بھی شامل ہیں، ہم صرف چند روز کے اندر یو۔پی وزارت کے کارناموں کو دیکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ کانگریسی وزارتوں کا مستقبل بہت امید افزا ہے اور جیسا کہ کانگریس کا عام مقصد ہے کبھی کسی فرقہ یا طبقہ کو ان سے کسی طرح کی شکایت پیدا نہ ہوگی، اس وقت تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یو۔پی وزارت تمام دوسرے صوبوں کی رہنمائی کر رہی ہے۔

کھدر کا لباس اور سرکاری افسر!

حکومت مدراس کے چیف سیکرٹری مسٹر سی ایف۔ بریکن سیری نے شریمت راجگوپال اچاریہ وزیر اعظم کو جو پارٹی دی تھی اس میں انہوں نے خود کھدر کا لباس پہنا تھا، یہ کھدر شریمت راجگوپال اچاریہ نے وزارت قبول کرنے کے بعد ہی مسٹر بریکن سیری کو تحفہ کے طور پر دیا تھا اگر کھدر کا لباس زیب تن کرنے کو ہم دفتری ذہنیت میں ایک خوشگوار تبدیلی سمجھ لیں تو بیجا نہ ہوگا، ایک زمانہ وہ تھا جب کھدر کا لباس آہنی ڈھانچہ کی ملازمتوں کے لئے خفگی کا باعث ہوا کرتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریمت راجگوپال اچاریہ نے پہلے ہی روز سے کانگریس اور اس کے نصب العین کا وقار ملازمتوں کے دل میں پیدا کر دیا ہے اس سلسلہ میں وزیر اعظم اور ان کے چیف سیکرٹری دونوں مستحق مبارکباد ہیں، کھدر دیسی کپڑا ہونے کے باعث صرف ہندوستانی قومیت ہی کی علامت نہیں بلکہ خالص خدمت کی علامت بھی ہے بہتر ہے کہ تمام سرکاری ملازمین بھی اب دیسی کپڑے کا لباس استعمال کیا کریں۔

یو۔پی اور بہار میں سیلاب!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بارش کے دیوتا ہندوستان سے خفا ہیں اور اس خفگی کا اظہار دو صورتوں میں ہو رہا ہے ایک طرف تو ہم دہلی والے اور اس کے قرب وجوار کے لوگ بارش کے لئے ترس رہے ہیں اور گرمی اور دھوپ کی تیزی سے جھلس رہے ہیں دوسری طرف یعنی یو۔پی اور بہار سے یہ خبریں آ رہی ہیں کہ کثرت باراں کے باعث زبردست سیلاب آ گیا ہے دریاؤں کے ساحل سے پانی گزر کر بستیوں اور آبادیوں کو تباہ کر رہا ہے یو۔پی میں بنارس ضلع کا اور بہار میں چھپرہ، پٹنہ اور مونگیر کا حال خطرناک ہو گیا ہے اور انسانوں اور مویشیوں کے ساتھ جائدادیں اور کھیتیاں بھی برباد ہو رہی ہیں، کانگریسی وزارتوں کے دور میں ہم حکومت کو امدادی کارروائیوں کی طرف توجہ دلانا غیر ضروری سمجھتے ہیں دیسی وزراء انہیں دیسی مصیبت زدہ برادران وطن ہیں اور ہمیں اس کا پورا یقین ہے کہ حاجتمندوں کو ریلیف کے متعلق اب کوئی شکایت پیدا نہ ہوگی۔

اڑیسہ کی وزارت اور جدید آئین!

خیال کیا جا رہا ہے کہ اڑیسہ اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں وزارت کی طرف سے ایک ریزولیوشن اس مطالبہ کے ساتھ پیش کیا جائے گا کہ موجودہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مسترد کر دیا جائے اور مخلوط انتخاب اور بالغ حق رائے دہی کے اصول پر ایک آئینی اسمبلی طلب کی جائے جو ہندوستان کے لئے نیا آئین مرتب کرے ہمیں مسرت ہے کہ کانگریسی وزارتیں بار بار اپنے اس مقصد کو واضح کر رہی ہیں کہ وہ جدید آئین کو چلانے کے لئے ایوان وزارت میں داخل نہیں ہوئی ہیں اس سلسلہ میں اڑیسہ کی وزارت کا یہ ریزولیوشن لائق استحسان ہے ہم امید کرتے ہیں کہ گورنر اڑیسہ اس ریزولیوشن کے پیش ہونے میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو سارے ہندوستان نے ایک زبان ہو کر نامنظور کر دیا ہے کانگریسی وزارتوں کے قیام کے باعث کسی پارٹی کو یہ دھوکا نہیں ہونا چاہیئے کہ کانگریس اس آئین کو چلانے کیلئے تیار ہو۔

سرحد میں "قومی" وزارت کا حشر!

اخبار روزانہ پربھات اس خبر کا ذمہ دار ہے کہ صوبہ سرحد کے چیف منسٹر سر عبدالقیوم نے اپنی وزارت کے لئے اکثریت کی تائید حاصل کرنے سے ناامید ہو کر اپنا استعفا گورنر کی خدمت میں پیش کر دیا ہے کہا نہیں جا سکتا کہ یہ اطلاع صحیح ہے یا غلط، لیکن اگر ہم یہ بھی سمجھ لیں کہ سر عبدالقیوم کی وزارت استعفا داخل کرنے کے مسئلہ پر غور کر رہی ہے جب بھی یہ کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی غالباً اب وہ وقت قریب ہے کہ اس وزارت کو اسمبلی کی اکثریت کی تائید سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور صوبہ سرحد میں دوسری وزارت قائم ہو جائے گی، مذکورہ بالا اخبار لکھتا ہے کہ گورنر نے اس وزارت کو ۱۰ اگست تک کی مہلت دی ہے تاکہ وہ اکثریت کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کرے ہمارا خیال ہے اب موجودہ وزارت کی تمنا پوری نہیں ہو سکتی آج نہیں کل اسے نئی وزارت کے لئے جگہ خالی کرنی ہی پڑے گی۔

سائنس کی توہین

انسانی زندگی کی تعمیر سائنس کی ترقی کا حقیقی مقصد تھا، مگر اس عہد نااتفاقی کشمکش اور جنگ وجدل کے دور میں سائنٹفک تحقیقات جس طرح "تخریب" کے لئے استعمال کی جا رہی ہیں اس کی جدید ترین مثال ایک خبر کی صورت میں سپین کے محاذ جنگ سے ہمارے سامنے آئی ہے۔ وہاں دو فرانسیسی ٹائفس بخار اور دوسرے خطرناک اور مہلک امراض کے جراثیم لوگوں میں پھیلاتے ہوئے پکڑے گئے۔ کورٹ مارشل کے ذریعہ ان لوگوں کو موت کی سزا دی گئی اور گولی مار دی گئی۔ اس خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب پستی کی طرف جاتا ہے تو اس کی ذہنیت کس طرح شیطانی خصلت اختیار کر لیتی ہے۔ گویا جدید جنگ آزما قوموں نے بمباری اور زہریلی گیسوں کا استعمال بھی ناکافی سمجھا ہے، اور انسانوں کا خاتمہ کرنے کے لئے ان کو مہلک امراض کے جراثیم سے بھی کام لینا ضروری ہو گیا ہے! سائنس کے ہاتھوں میں انسان کا مستقبل کس قدر خطرناک ہو گیا ہے۔

ہندوستانی فلم انڈسٹری

حکومت ہند کے کامرس ممبر سر سلطان احمد جب بمبئی گئے، تو ان کے پاس سر فیروز سیٹھنا کی رہنمائی میں "موشن پکچر سوسائٹی" کی طرف سے ایک ڈیپوٹیشن بھیجا گیا جس نے سنسر کاری سنسر کی سختیوں کے خلاف پروٹسٹ کرتے ہوئے پریس کی طرح پردہ تصویر کی آزادی کا بھی مطالبہ پیش کیا اور جدید خبروں اور واقعات (NEWSREEL) کے مظاہرے کی ضرورت کی طرف کامرس ممبر کی توجہ دلائی۔ کچھ روز پہلے حکومت ہند سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان میں دوسری فلموں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی تعلیمی فلموں اور خبروں کی فلموں کا مظاہرہ بھی لازمی قرار دے دیا جائے لیکن حکومت ہند نے اس سلسلہ میں خاموشی اختیار کی۔ فلم انڈسٹری کسی ترقی کرنے والی قوم کے لئے کتنی بڑی طاقت کی حامل ہے اس کا تذکرہ بارہا کیا جا چکا ہے۔ اگر حکومت ہند موشن پکچر سوسائٹی کے مطالبات کو منظور کرے تو ایک طرف اس سے ملک کو بہت بڑا تعلیمی فائدہ پہنچے گا اور دوسری طرف ہندوستان کی فلم انڈسٹری جدید لائن پر ترقی کرے گی اور اس کے وہ نقائص دور ہو جائیں گے جو ہمیشہ جائز اعتراضات کا باعث بنے ہوئے ہیں۔

وہ چھوٹی سی خلیج جو پاٹی نہ جا سکی

کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتہ کے لئے لکھنؤ میں جو جد وجہد شروع ہوئی تھی وہ ختم ہو گئی اور دو ہفتہ کا شور وہنگامہ خاموشی سے بدل گیا، مولانا ابوالکلام آزاد نے اس سلسلہ میں ایک بیان شائع کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ نے کانگریس کے مطالبات منظور نہیں کئے اور مسلم لیگ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہی، اس سمجھوتہ کی جد وجہد کا سلسلہ کس نقطہ پر آ کر ٹوٹ گیا اس کے متعلق کوئی تفصیل ہمارے سامنے نہیں آئی ہے، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یو۔پی کے ارکان مسلم لیگ یہ چاہتے تھے کہ وہ ایک الگ جماعت کی طرح اسمبلی میں موجود رہ کر کانگریسی وزارت سے فائدہ اٹھائیں، بہرحال سبب خواہ کچھ بھی ہو سردست سمجھوتہ کا دروازہ کچھ بند سا نظر آتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا ہے کہ ایک چھوٹی سی خلیج باقی رہ گئی تھی جو پاٹی نہ جا سکی۔ ہمیں بھی اس پر افسوس ہے، لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر کانگریس کا "مسلم ماس کانٹیکٹ پروگرام" کامیاب ہو گیا تو یہ چھوٹی سی خلیج خود لاپتہ ہو جائے گی۔

مدعی سست گواہ چست

صوبہ اڑیسہ کے باہر مسلمانوں کے فرقہ پرست حلقے ہیں جس میں معاصر "زمیندار" آج کل بہت پیش پیش نظر آتا ہے، اڑیسہ کی کانگریسی وزارت کے خلاف زہر پھیلایا جا رہا ہے اور یہ کہہ کر تعصب کی آگ کو بھڑکایا جا رہا ہے کہ اڑیسہ کی وزارت میں کوئی مسلمان وزیر شامل نہیں کیا گیا لیکن اس کے مقابلہ میں اب یہ دیکھئے کہ خود اڑیسہ کے مسلمان کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے وزراء کو ایک ایڈریس پیش کیا ہے جس میں اہل کانگریس کے بے شمار ایثار اور قربانیوں کا اعتراف کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ کانگریسی ہندو مرد اور مسلمانوں نے مل کر مادر وطن کی جو خدمات انجام دی ہیں ان کے لئے وہ مستحق مبارکباد ہیں۔ ایڈریس کے چند الفاظ یہ ہیں: "ہم فخر کرتے ہیں کہ اڑیسہ ایک ایسا صوبہ ہے جہاں فرقہ وارانہ سوال موجود نہیں ہے اور جہاں اہل کانگریس ہر فرقہ کے مفاد کے نگہبان اور علمبردار ہیں۔" اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا باہر کے مسلمان خود اڑیسہ کے مسلمانوں سے زیادہ ان کے مفاد کو جانتے ہیں؟ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ "مدعی سست اور گواہ چست"۔

ایک نیا فتنہ

لندن کی پرائیویٹ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس اور فرقہ پرست مسلمانوں کے درمیان جو خلیج حائل ہے وہ زیادہ وسیع کی جا رہی ہے اخبار لیڈر کا نامہ نگار رقمطراز ہے کہ سر آغا خان عنقریب ہندوستان آنے والے ہیں تاکہ مسلم لیگ کی جگہ پر ایک آل انڈیا مسلم فیڈریشن قائم کریں۔ اس خبر کی تصدیق ابھی نہیں ہوئی ہے لیکن دوسرے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب فرقہ پرستوں کی طرف سے کوئی نیا فتنہ اٹھایا جانے والا ہے۔ قوم پرست مسلمانوں کو اس کے مقابلہ کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

اشارات

کسی شاعر نے کسی خاص مقصد سے متاثر ہو کر ایک شعر کہا تھا۔ اس شعر میں کون سی صنعت استعمال کی گئی ہے اس کا علم اس خاکسار کو نہیں ہے لیکن چونکہ اس کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ بہارستان شملہ کی حالت پر چسپاں ہوتا نظر آتا ہے اس لئے ہم اس ادبی شاہکار سے اپنے ناظرین کو محروم رکھنا نہیں چاہتے۔ وہ شعر یہ ہے سنئیے ؎

ہم گھڑی دیکھتے ہیں آتے ہیں آنیوالے
ہم گھڑی دیکھتے ہیں جاتے ہیں جانیوالے

آپ سمجھے اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ کہ شملہ میں پنجاب کی صوبجاتی اسمبلی کا اجلاس ختم ہو جانے کے بعد اس کے ایم ایل اے حضرات اپنا بوریا بستر باندھ کر روانہ ہو گئے لیکن مرکزی اسمبلی کے اجلاس کے لئے مرکزی ایم ایل اے دگرں کی جماعت میدانوں کی طرف سے شملہ کی چوٹیوں پر چڑھتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے ؎

یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

دیکھنے والے کہتے ہیں کہ اسمبلی کے اجلاس سے پہلے خداوندان شملہ مزے اڑاتے رہتے ہیں۔ کوئی گاتا ہے، کوئی بجاتا ہے، کوئی ناچتا ہے، کوئی کھیلتا ہے اور کوئی شملہ کی قابل رشک حالت میں مبتلا ہو کر زور زور سے خراٹے لیتا ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا سکریٹریٹ میں لکھنے پڑھنے کا کام نام کو ہوتا ہے۔ دفتری دواتیں خشک ہو جاتی ہیں اور جنتا ہی آنکھوں پر دو دو ہفتے تک عینک نہیں لگتی۔

لیکن جونہی مرکزی اسمبلی کے اجلاس کا زمانہ قریب ہوتا ہے یکایک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے جادو کا ڈنڈا گھما کر مقصد کے سلسلے کو بیدار کر دیا۔ سرکاری دفتروں کا حال یہ ہوتا ہے کہ افسر، اسسٹنٹ، کلرک اور سپرنٹنڈنٹ بڑے ہی فائلیں اپنی اپنی سبز بلیوں کے ساتھ ایک میز سے دوسری میز کی طرف اس تیزی سے اُڑنے لگتی ہیں جیسے فضائے آسمانی میں پتنگ کے پتنگ اُڑ رہے ہوں۔ ممبران اسمبلی کے مقصد بیش و تحریک التوا اور سوالات کی بھرمار کا خوف دلوں پر طاری ہو جاتا ہے اور عیش پرستیوں کے خواب کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔

یہی حال اس وقت شملہ کا ہو رہا ہے۔ ایک پرانی ضرب المثل ہے کہ خانۂ خالی را دیو می گیرد یعنی خالی مکان پر جنوں اور بھوتوں کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مرکزی اسمبلی کے ایوان پر پنجاب کی "حکومت خود اختیاری" نے جو حقیقت میں "حکومت بے اختیاری" ہے کچھ دنوں کے لئے قبضہ کر لیا تھا اور ان دنوں میں تمام مہان ان کرسیوں کو اپنا گھر سمجھ بیٹھا تھا۔ اب خدا خدا کر کے یہ مہمان روانہ ہو گئے اور میزبانوں نے اپنا ڈیرہ ڈال دیا ہے۔

لوگوں کا خیال ہے اور اس خیال میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کا مقصد صرف سیر و تفریح اور نظر بازی ہے کہ جب مرکزی ایم۔ایل۔اے کے ایک سو سپاہیوں کی فوج شملہ میں پہنچ جاتی ہے تو شملہ مسکراتا ہے۔ ہمارا خیال اس کے کسی قدر برعکس ہے۔ اس موسم میں بارش زیادہ ہوتی ہے۔ ایک طرف ابر روتا ہے اور دوسری طرف سکریٹریٹ کے کلرک کام کی کثرت کے باعث آنسو بہا کر کہتے ہیں ؎

یہ جو کہہ دو ابر بہاراں سے اگر برسے تو یوں برسے
کہ جیسے ہمیشہ برستا ہے ہمارے دیدۂ تر سے

حقیقت یہ ہے کہ رونے کا فلسفہ بھی عجیب ہے۔ کوئی زیادہ غم سے روتا ہے اور کسی کی آنکھوں میں خوشی کے باعث آنسو بھر آتے ہیں۔ اگر ایک طرف ایک قسم کے ایم۔ایل۔اے حضرات کی آمد کی خوشی میں شملہ کی چوٹیوں پر بہار ہوتی ہے تو دوسری طرف دوسری قسم کے صوبجاتی ایم۔ایل۔اے حضرات کی روانگی کے وقت اس کا یہ حال ہوتا ہے ؎

نو بہار است و من و یار ستادہ بوداع
من جدا گریہ کناں ابر جدا یار جدا

بس اب شملہ آئندہ تبصرہ اجلاس اسمبلی کی کارروائیوں تک ملتوی کیا جاتا ہے۔

ایک اطلاع آئی ہے کہ امریکہ کے ایک سائنسدان نے زمین کا وزن ۶,۵۶۷,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ ٹن بتلایا ہے۔

اگر کوئی دوسرا سائنسدان زمین کو تول کر اس وزن کو غلط ثابت کر دے تو اس کو انعام دیا جائے گا!

"ہندوستان آج اور کل" ایک کتاب ہے جو مسز ارتھیا والیس نے تصنیف کی ہے۔ اس میں ہندوستانیوں کو "غیر مہذب" کہا گیا ہے اور ان کی نطرت ذہنیت پر حملے کئے گئے ہیں اور کانگریس کی تحریک کو "MOB-RULE" یعنی شور و فساد پیدا کرنے والے عوام کی شورش کا خوبصورت خطاب عطا کیا گیا ہے۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ ایک مس میو کے بعد چند مس میو پیدا ہو جائیں تو اس سے ہمیں کیا، لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات ہم آپ کو بتلاتے ہیں اور وہ یہی ہے کہ اسی عورت کے شوہر کو آل انڈیا ریڈیو کا نیوز ایڈیٹر مقرر کیا گیا ہے۔

یو پی کے ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ابتدائی تعلیم پر بہت روپیہ ضائع ہو رہا ہے۔

یہ تو ہم بھی جانتے ہیں صرف فوج اور پولیس پر روپیہ ضائع نہیں ہو رہا ہے باقی ہر مفید محکمہ پر ضائع ہو رہا ہے۔

لالہ زار

(انگریزی میں ایک مثل ہے کہ صبح سے دن کی حالت کا پتہ چل جاتا ہے۔ ایک دوسرا مقولہ یہ ہے کہ جب کوئی بنیاد ٹیڑھی رکھی جاتی ہے تو دیوار بھی آسمان تک ٹیڑھی ہی اٹھتی چلی جاتی ہے۔ یہی حال مسلم لیگ کا ہے۔ اب سے پچیس سال پہلے مولانا شبلی مرحوم نے مسلم لیگ کی حالت پر ایک نظم لکھی تھی، دیکھئے آج تک وہ اس لیگ کی حالت پر کس طرح صادق آتی ہے۔ وہ نظم ذیل میں درج کی جاتی ہے اور اسی ضمن میں ایک دوسری نظم بھی حاضر ہے جو لیگ کی موجودہ حالت پر مزید روشنی ڈالتی ہے۔ ایڈیٹر)

مولانا شبلی کی نظم

لیگ کی عظمت و جبروت سے انکار نہیں
ملک میں غلغلہ ہے شور ہے کہرام بھی ہے

ہے گورنمنٹ کی بھی اس پہ عنایت کی نگاہ
نظرِ لطف نمایاں خوش انجام بھی ہے

کون ہے جو نہیں اس حلقۂ قومی کا اسیر
اس میں زہاد بھی ہیں رندِ مے آشام بھی ہے

صدمۂ حبش و فلسطین سے آنکھیں ہیں پُر آب
دل میں غمخواری ترکانِ نکونام بھی ہے

مختصر اسکے فضائل کوئی پوچھے تو یہ ہیں
محسنِ قوم بھی ہے خادمِ حکام بھی ہے

ربط ہے اسکو گورنمنٹ سے بھی ملک سے بھی
جس طرح "صرف" میں اک فاعل و مفعول بھی ہے

اسکے آفس میں بھی ہر طرح کا سامان ہے درست
ورقِ سادہ بھی ہے کلکِ خوش اندام بھی ہے

چند یورپ کے سند یافتہ ہیں سر پر ہیں
کچھ آرسنتہ نہیں کچھ حلقۂ خدام بھی ہے

ہو جو تعطیل میں تفریح و سیاحت مقصود
سفرِ دیدۂ اول کے لئے دام بھی ہے

یہ تو سب کچھ ہے مگر ایک گزارش ہے حضور
گرچہ یہ سوء ادب بھی ہے اور الزام بھی ہے

مجھ سے آہستہ مرے کان میں ارشاد ہو یہ
سال بھر حضرت والا کا کوئی کام بھی ہے؟

"تیج ویکلی" کے خاص شاعر کی نظم

طرفہ معجون مرکب ہی یہ مسلم لیگ
فعل سے پتہ فیقوں کے جو بد نام بھی ہے

وہی اصحاب جنھیں ہے طلب حریت
اور غلامی کی طرف کوشش اقدام بھی ہے

کرتے ہیں خدمت خالص کا زباں سے دعویٰ
پھر خطابات کی دل میں طمع خام بھی ہے

کانگریس سے کبھی ترک تعلق کا خیال
اور کبھی سلسلۂ نامہ و پیغام بھی ہے

کبھی پردے میں نہاں اور کبھی عالم میں عیاں
خلوت خاص بھی ہے انجمن عام بھی ہے

بعض ارکان کو ہے شوق تماشائے جمال
بعض ارباب کو ذوق مے گلفام بھی ہے

نام آزادی کا دن رات لیا کرتے ہیں
شغل ہے سرد پرستی سحر و شام بھی ہے

وہ نہیں جانتے دنیا نے بدل دی کروٹ
ان کو پرواہ نہیں کہ آغاز کا انجام بھی ہے

لیگ کے صدر سے جا کر کوئی اتنا پوچھے
آپ کو کچھ خبر گردش ایام بھی ہے؟

ہندوستان کے چند سانپ

اُن کی قسمیں اور اُن کا طرزِ عمل

برسات کے موسم میں ہندوستان کے تمام صوبوں میں اور خصوصاً بنگال میں سانپوں کی کثرت ہو جاتی ہے اور سانپ کے ڈسنے سے بہت سی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں، اُمید ہے کہ اس زمانہ میں بمبئی نیچرل ہسٹری سوسائٹی کے کیوریٹر مسٹر ایس۔ ایچ۔ پریٹر کے مضمون کا جو السٹریٹڈ ویکلی میگزین میں شائع ہوا ہے مندرجہ ذیل خلاصہ دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائیگا۔ مضمون کے متعلق تصویریں صفحہ نمبر ۲۰ پر دیکھئے۔ ایڈیٹر

جس طرح ہم پرندوں کو مختلف اقسام میں تقسیم کرتے ہیں اسی طرح سانپوں کی مختلف جنسوں کو بھی جاننا اور پہچاننا ضروری ہے کیونکہ ان کی ساخت اور اُن کی زندگی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے جہاں تک تحقیقات سے معلوم ہوا ہے ہندوستان میں سانپوں کے نو خاندان یا نو قومیں موجود ہیں جو اپنے جسم اور اپنے ماحول کی نسبت سے پہچانے جاسکتے ہیں بعض سانپ ایسے ہیں جو زمین کے اندر رہتے ہیں بعض درختوں پر اور جنگلوں میں رہتے ہیں اور بعض پانی میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔

زمین کے اندر رہنے والے سانپوں کی چار قسمیں ہیں جن میں ایک قسم کا سانپ اندھا ہوتا ہے۔ یہ کسی کو گزند نہیں پہنچاتا، اور نہ اس کے کوئی دانت ہوتا ہے۔ اس کا بدن چکنا، دم بہت پتلی اور رنگ مٹیالا ہوتا ہے۔ اس کو اگر آپ ہاتھ میں اٹھالیں تو وہ آپ پر حملہ نہیں کرے گا اور اگر اسے زمین پر رکھ دیں گے تو وہ فوراً کسی سوراخ میں گھس جانے کی کوشش کرے گا چیونٹیاں اور چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے اس کی غذا ہیں۔

سانپوں کا دوسرا خاندان وہ ہے جسے سائنس کی اصطلاح میں "بوئیڈی" کہتے ہیں۔ اس میں دو قسم کے بہت بڑے سانپ ہوتے ہیں، ایک "کڑ بوا" اور دوسرے "اژدھا"۔ (اژدھا) کہتے ہیں وہ سانپ جسے تماشا کرنے والے سپیرے دو منہ والا سانپ کہتے ہیں "کڑ بوا" اسی کی ایک قسم ہے اس کا جسم ایک سرے سے دوسرے سرے تک برابر ہوتا ہے اور منہ چھوٹا ہوتا ہے کاہلی اس کی عادت میں داخل ہے اور یہ کھیتوں یا جنگلوں میں خاموشی سے پڑا رہتا ہے جب کوئی چوہا یا چھوٹا جانور اس کے پاس سے گذرتا ہے تو یہ تیزی سے اس پر حملہ کرتا ہے اور اُسے اپنی گرفت میں لیکر ہلاک کرتا ہے اس کے بعد اس کو نگل جاتا ہے۔

ہندوستان میں اژدھے کی صرف دو قسمیں اس ملک میں پائی جاتی ہیں۔ ایک برما اور جزیرہ ملایا کا اژدھا اور دوسرا ہندوستانی پہاڑوں کا اژدھا۔ ہندوستان کے باشندے اس سانپ کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اسے "دھامن" کہتے ہیں ... فقیر اور ... اپنی گردن میں لپیٹے پھرتے ہیں ... بہت ... اپنی زندگی کا زیادہ حصہ یہ سونے میں بسر کرتا ہے۔ زیادہ تر صرف غذا کھانے کے وقت یہ صحیح معنوں میں بیدار ہوتا ہے۔ جس جانور یا پرندہ کو یہ پکڑ لیتا ہے اسے اپنی غذا بنا لیتا ہے۔ اگر اژدہا جسامت میں بہت بڑا ہو تو انسان کو بھی اپنی آہنی گرفت میں لا سکتا ہے۔ سانپ کے جبڑوں کی ساخت ایسی ہوتی ہے کہ وہ اپنے شکار کو چبا نہیں سکتا صرف نگل سکتا ہے

سانپوں کی سب سے بڑی قوم "کولوبریڈی" ہے جس میں اُن کی بہت سی قسمیں داخل ہیں۔ ان میں زمین کے اندر رہنے والے بعض سانپ بھی ہیں۔ اور جنگل اور پانی میں رہنے والے سانپ بھی۔ انھیں میں ایک قسم ان سانپوں کی ہے جن کے جبڑوں کے پیچھے زہر کی تھیلی رہتی ہے، بعض بعض سانپ کسی قدر کم زہریلے ہوتے ہیں اور ان کا زہر صرف اتنا ہی کام کرتا ہے کہ ان کے چھوٹے چھوٹے شکار کو عارضی طور پر مفلوج اور بے حس و حرکت کردے۔ لیکن اُن کی سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک قسم "ناگ" اور "کریت" ہے جن کا زہر ہر سال سینکڑوں آدمیوں کی موت کا باعث ہوتا ہے جسمانی نشانات اور خطوط و رنگ کے اعتبار سے "ناگ" اور "کریت" مختلف ہوتے ہیں اور ہندوستان کے لوگ ان زہریلے سانپوں کو عام طور سے پہچانتے ہیں۔

اسی قوم کا ایک سانپ پانی میں رہتا ہے جس کو عام طور پر پانی کا سانپ کہتے ہیں، مچھلی اور مینڈک اس کی نہایت پسندیدہ غذا ہے اور یہ ہر تالاب جھیل اور کنوئیں میں پایا جاتا ہے۔ ناگ اور کریت کی طرح اس کا مزاج بھی بہت تیز ہوتا ہے اور اُسے جلد غصہ آجاتا ہے یہ پورے ارادے کے ساتھ اپنے شکار پر حملہ کرتا ہے اور یہ حملہ ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔ اسی خاندان میں "سبز سانپ" بھی شامل ہے لیکن اس کی ایک قسم زہریلی اور دوسری قسم معصوم ہوتی ہے۔

ایک دوسری قسم کا سبز سانپ بعض درختوں کی شاخ میں سبز بیل کی طرح لپٹا رہتا ہے اس کا شکار دھوکے میں آکر اس کے قریب پہنچ جاتا ہے یا درخت کی بیل سمجھ کر کوئی چڑیا یا چھپکلی اس پر آبیٹھتی ہے اور اس کی فوری گرفت میں آکر اس کی غذا بن جاتی ہے۔

ان زہریلے سانپوں میں ایک وہ سانپ ہے جسے "رسل وائپر" (RUSSELLS VIPER) کہتے ہیں، اس کے دانت جبڑے اور زہر کی تھیلی کا نظام اس قدر مکمل ہوتا ہے کہ اس کا حملہ کبھی خطا نہیں کرتا اسکا رنگ بھورا اور داغدار ہوتا ہے جاڑے کے موسم میں اکثر یہ میدانوں میں لیٹ کر دھوپ کھانے کا شغل اختیار کرتا ہے یہ سانپ بہت زیادہ تعداد میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ یہ میدانوں میں بھی رہتا ہے، جنگلوں میں بھی اور انسان کے گھروں میں بھی اس کے بچے بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔

نوٹ:- پروڈآ انیسویں صدی کے نہایت مشہور و معروف زیک مُصنفوں میں سے تھا، بحیثیت شاعری، ڈرامانویسی، ایڈیٹری، تنقیدی کام اور افسانہ نویسی اُس نے اپنے ملک کے روزافزوں علم وادب میں اصلیت کا رنگ لئے ہوئے دلفریب کتب کا اضافہ کیا وہ ۱۸۳۴ء میں پرگ میں پیدا ہوا تھا۔ اُس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اخبار نویسی اور گراں پایہ کتب لکھنے میں صرف کیا۔ "مقبوضہ" اُس کے بہترین افسانوں میں سے ایک علی وجہ کا افسانہ ہے

افسانہ

از شریمتی بسنت مالا انبالوی

از نسخہ بکلی کے

ہم قسطنطنیہ سے سیر وسیاحت کے جہاز میں سفر کرتے ہوئے پرنکیپو کے جزیرے کے کنارے پر اُترے، یہاں جہاز سے اُترنے والے مسافروں کی تعداد زیادہ نہ تھی، بس ایک پول قوم کا خاندان یعنی ماں باپ، ایک نوجوان لڑکی اور اُس کے منگیتر پر مشتمل تھا، مرد اشخاص ہم خود تھے، مجھے یہ بیان کرنا بھی نہ بھولنا چاہئیے کہ ہم ابھی اُس لکڑی کے پل پر سے گذر ہی رہے تھے جو گولڈن ہارن کے پار قسطنطنیہ تک جاتا ہے کہ ایک یونانی شخص جو ابھی نوجوان ہی معلوم ہوتا تھا، ہمارے زمرہ میں شامل ہو گیا۔ وہ غالباً مصوّر تھا۔ کیونکہ اُس نے بازو کے نیچے ایک چھوٹا سا بقچہ دبا رکھا تھا جیسا کہ مصوّر کاغذ، پنسل وغیرہ رکھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، اُس کے کالے کالے دراز بال شانوں تک بکھرے ہوئے تھے رنگ زرد اور آنکھیں اندر کو گھسی ہوئی تھیں، ابتداء میں تو میں اس میں دلچسپی لیتا رہا۔ کیونکہ وہ گردو نواح کے علاقے سے بخوبی واقف تھا لیکن بعد ازاں چونکہ وہ حد سے زیادہ گفتگو کرتا تھا اس لئے میں دوسری جانب متوجہ ہو گیا۔

پول قوم کا خاندان اس شخص سے زیادہ پسندیدہ ثابت ہوا۔ یہ لوگ شریف طبع اور ملنسار تھے، لڑکی کا محبوب ایک نوجوان خوبرو شخص تھا۔ اطوار و عادات کا نیک اور راست گو، وہ خاندان اس جگہ اپنی چہیتی لڑکی کی صحت کی خاطر موسم بہار کے چند ماہ گزارنے کے لئے آیا تھا، وہ تھوڑے سے بیمار تھی، اُس کا رنگ زرد تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس حسین لڑکی نے ابھی یا تو بیماری سے شفا پائی تھی یا کوئی مہلک بیماری آہستہ آہستہ اُس پر تسلط جما رہی تھی، ضعف کے باعث وہ اپنے منگیتر کے بازو کا سہارا لے کر چل رہی تھی، اور گاہ بگاہ تکان سے چُور ہو کر آرام کرنے کے لئے بیٹھ جاتی تھی، اس حالت میں ہلکی ہلکی کھانسی اُس کی سرگوشیوں میں خلل انداز ہوتی تھی، جب کھانسی اُٹھتی تو اُس کا ساتھی ٹھہر جاتا، اور غمزدہ ہو کر ہمدردی اور محبت سے اُس کی طرف دیکھتا۔ مگر وہ اُس کی طرف دیکھ کر خوشی سے مسکرا اُٹھتی، گویا کہ وہ بالکل خوش و خرم ہے، ان دونوں کا عقیدہ یہ تھا کہ زندگی خوشی سے گزارنی چاہئیے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب صحت بدرجۂ کمال حاصل ہو۔

آگے جا کر وہ ہم سے جُدا ہو گئے اور یونانی نوجوان کے تبلائے ہوئے ہوٹل میں چلے گئے، وہاں انہوں نے کمرے کرائے پر لے لئے ہوٹل کا مالک فرانسیسی تھا۔ اُس کا ہوٹل نہایت عالیشان تھا۔ اور آرام دہ طریق پر آراستہ تھا۔

(۲)

ایک روز ہم لوگوں نے اکٹھا ناشتہ کیا اور بعد از دوپہر جب دھوپ کی سختی ذرا کم ہو گئی ہم باہر چٹانوں کے پاس سیر کے لئے چلے گئے، اور وہاں سرو صنوبر کے اشجار کے سایہ میں بیٹھ کر گردونواح کے دلفریب مناظر سے لطف اندوز ہونے لگے، ابھی ہم آرام سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ وہی نوجوان مصوّر آ پہنچا۔ اس نے ہمارے ساتھ بے تکلفی سے مصافحہ کیا۔ اور چاروں طرف نظر دوڑا کر چند قدم کے فاصلہ پر جا بیٹھا اور بقچہ کھول کر تصویر کشی میں مصروف ہو گیا۔

میں نے کہا، میرے خیال میں وہ ارادتاً چٹانوں کی طرف پُشت کر کے بیٹھا ہے تاکہ ہم اُس کا خاکہ نہ دیکھ سکیں"

پول نوجوان نے جواب دیا۔ "ہم کو دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے ہمارے سامنے دیکھنے کے لئے اور کافی دلکش مناظر موجود ہیں"

پھر کچھ وقفہ کے بعد بولا: "مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ اس وقت ہمارا ہی خاکہ کھینچنے میں مشغول ہے، سارا منظر اس کے زیر قلم ہے اور ہم ایک معمولی جزو کی حیثیت سے اس کے خاکے کو آراستہ کر رہے ہیں خیر ہمیں کیا کھینچنے دو" واقعی ہمارے سامنے نہایت عجیب و دلفریب منظر موجود تھا۔ دنیا بھر میں پرنکیپو کے جزیرے سے زیادہ خوشنما اور دلخوش کُن اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ آئی رین سیاسی شہید جو کہ چارلزوی گریٹ کے زمانے میں گزرا ہے وہ یہاں ایک ماہ بطور جلاوطنی کے رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں یہاں اپنی زندگی کا ایک ماہ بسر کروں تو مجھے یقین کامل ہے کہ میری زندگی کے باقی دن یہاں بسر کئے ہوئے ایام کی یاد دلا کر مجھے خوش رکھیں گے۔ اس جگہ کا گزرا ہوا ایک دن بھی میں فراموش نہیں کر سکتا!!

بادِ صبا بلور کی مانند صاف و شفاف تھی، وہ روح کو مسرور کرتی ہوئی اور ناز و انداز کے ساتھ اٹھلاتی ہوئی چل رہی تھی، ہمارے دائیں جانب سمندر پار ایشیا کے پہاڑوں کی بھوری چوٹیوں کے کنارے نکلے ہوئے نظر آتے تھے بائیں سمت یورپ کے ڈھلواں ساحل ابرغوانی دکھائی دیتے تھے، پاس ہی ایک چھوٹا سا جزیرہ صنوبر اور شمشاد کے درختوں سے ڈھکا ہوا خاموش چٹانوں کے درمیان اس طرح نظر آتا تھا جیسے مسرت سے بھری ہوئی زندگی میں کوئی المناک و غمگین خواب پریشاں، وہاں درختوں سے بالاتر ایک عمارت بھی تھی، جو دیوانوں کے لئے جائے امن مہیا کئے ہوئے تھی۔

ماتمورا کے سمندر میں قدرے طلاطم بپا تھا۔ اور زمرد کی طرح قسم قسم کے رنگوں کی جھلک اس میں عجیب دلفریب مناظر پیدا کر رہی تھی، کچھ فاصلہ پر سمندر دودھ کی مانند سفید نظر آتا تھا، پھر اس سے پرے سُرخی کا رنگ غالب تھا۔

دو جزیروں کے درمیان سمندر کا رنگ تر و تازہ نارنگی کے مانند زرد و سُرخ اور ہمارے پاس زمرد جیسا دلکش تھا، یہ خود اپنے ہی دل آویز حسن سے چمک رہا تھا کہیں بھی بڑے بڑے جہاز نظر نہ پڑتے تھے، صرف دو چھوٹے جہاز برطانیہ کا جھنڈا لہراتے ہوئے ساحل کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے، آسمان میں گاہ بگاہ خاموش عقاب دو ابر پاروں کے درمیان راہ نوردی میں مشغول نظر آ جاتے تھے ہمارے آس پاس کی تمام زمین رنگین و شاداب پھولوں سے معمور تھی جن کی خوشبو سے ہوا معطر ہو رہی تھی، پاس ہی ایک چھوٹے سے قہوہ خانے میں سے موسیقی کے جانفزا و دل نشین نغمے ہوا کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے دھیمے دھیمے سنائی دیتے تھے۔

اس کا اثر یہ تھا کہ ہم بے خود ہو رہے تھے۔ خاموشی طاری تھی ہماری نظریں ان بہشتی نظارہ میں محو تھیں، نوجوان پول لڑکی سبزے پر اپنے عاشق کا سہارا لئے ہوئے بیٹھی تھی اس کے نرم و نازک زرد چہرے پر ہلکی ہلکی سُرخی جھلک رہی تھی یکا یک اس کی نیلگوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، نوجوان بھی غالباً ایک حساس طبیعت کا آدمی، وہ اس سے بہت متاثر ہوا۔ اسکی ماں کا بھی دل بھر آیا۔ اور میں؟ میرے دل میں بھی درد محسوس ہونے لگا۔

لڑکی نے مدہم لہجہ میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا:- یہاں جسم و جان دونوں کو تندرست ہو جانا چاہئیے، آہ! یہ سرزمین بھی کیسی دل نواز ہے۔

اُس کے باپ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا، خدا شاہد ہے میرا کوئی بھی دشمن نہیں لیکن اگر ہوتا بھی تو میں یہاں ضرور اُس کو مُعاف کر دیتا"

(باقی اگلے صفحہ پر)

رباعیاتِ فراق

(از پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق ایم۔ اے گورکھپوری)

(۱)
محجوب نگاہوں سے تجھے دیکھا تھا
مشتاق نگاہوں سے تجھے دیکھا تھا
وہ دل ہی تھا جس نے تجھے غافل پا کے
بے باک نگاہوں سے تجھے دیکھا تھا

(۲)
اے دوست ترے غم کے گھونٹ پینے والے
چپ چاپ تڑپتے ہیں شکایت بھی
اف تک نہیں کرتے ہیں ... جینے والے
اپنے ہونٹوں سے ہونٹ سینے والے

(۳)
مجبور ہے ... محبت ... کہانی تیری
... مہربانی تیری
اپنی ہی پڑی ہے سب کو اے دل
سنتا ہی نہیں کوئی کہانی تیری

(۴)
کھوتے ہیں اگر جان تو کھو لینے دے
اے دوست جو ہو رہا ہے وہ ہو لینے دے
تجھ سے ... کبھی ... لینے دے
اک وقت تو کھل کے رو لینے دے

(پچھلے صفحہ سے)

کیا پھر ہم خاموش ہو گئے، ہم سب ایسی خوشگوار و پُر اطمینان حالت میں تھے کہ اس کو الفاظ ادا کرنے کی تاب و طاقت نہیں رکھتے، ہر شخص اپنے لئے مسرت کی دنیا بنائے ہوئے تھا، اور اپنی مسرت کو تمام دنیا کے ساتھ مشترک کرنے پر رضا مند تھا، سب ایک ہی قسم کا جذبہ محسوس کر رہے تھے اور یہی وجہ ہے ایک دوسرے کے لئے خلل کا باعث نہ بن کر اپنے ہی خیالات میں گم تھے، ہم اس حد تک مدہوش تھے کہ ہم نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ یونانی نوجوان ایک گھنٹہ پہلے کر اٹھ گیا اور نیچے پہنچ کر سب سے سلام عرض کر کے ہم سے رخصت ہو گیا تھا۔ ہم وہیں کے وہیں بیٹھے رہے۔

(۳)

آخرکار جب وقت کافی گزر گیا، دور فاصلے پر گہری سرخ روشنی پھیلنے لگی اور جنوب میں نہایت پُر سحر دلکش نظارہ پیدا ہو گیا تو لڑکی کی والدہ نے یاد دلایا کہ واپس چلنے کا وقت آ پہنچا، ہم اٹھ کھڑے ہوئے اور بے فکر لڑکوں کی مانند قدم اٹھاتے ہوئے ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر ہم ہوٹل کے خوشنما کشادہ صحن میں بیٹھ گئے،

ہم ابھی اچھی طرح بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ پیچھے سے گالی گلوچ اور جھگڑے کا ہنگامہ عظیم سنائی پڑا۔ ہمارا یونانی ساتھی ہوٹل کے منتظم کے ساتھ جھگڑ رہا تھا۔ ہم بھی تفریح کی خاطر اس مکالمے کو سننے لگے۔

لیکن ہماری تفریح کچھ عرصے تک قائم نہ رہ سکی، کیونکہ ہوٹل کا منتظم غراتا ہوا بولا۔

"اگر میرے اور مہمان نہ ہوتے . . . "

اور زینوں پر چڑھ کر ہماری جانب آنے لگا۔

پول نوجوان نے مودبانہ لہجہ میں دریافت کیا "جناب بندہ پرور یہ تو بتائیے کہ یہ ہے کون؟ اس قدر جھگڑالو شخص!"

"کسی کو کیا معلوم کہ اس کم بخت کا نام و نشان کیا ہے؟"

اس نے قہر آلود نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا اور پھر کچھ وقفہ کے بعد بولا: "ہم تو اس کو شیطان کے معزز لقب سے سرفراز کرتے ہیں!"

"کیا وہ مصور ہے؟"

"ہاں! بہت عمدہ ڈھنگ کا، وہ صرف لاشوں کی تصویریں کھینچتا ہے جوں ہی قسطنطنیہ یا گرد و نواح میں کوئی مر جاتا ہے اسی روز اس کے پاس سے مردہ شخص کی مکمل تصویر برآمد ہوتی ہے اُن کا خاکہ موت سے پیشتر ہی تیار کر لیتا ہے اور کبھی بھی غلطی نہیں کرتا۔ گدھ کی طرح مکمل اندازہ لگاتا ہے۔"

یکایک عمر رسیدہ پول عورت خوفزدہ ہو کر چلانے لگی، اس کے بازوؤں میں اُس کی نو عمر دختر بے ہوش پڑی تھی اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

اس کا عاشق صادق دفعتاً کود کر زینے سے نیچے اتر گیا اور ایک ہاتھ سے یونانی کا گلا پکڑ کر دوسرے سے اسکا بقچہ کھولا ... دو تصویر ... پر لڑکی ... صاف ... جوان ... لڑکی کا چہرہ ... کھینچا ہوا پڑا تھا

جوہی!

(از جناب نثار احمد خاں نثار — بارہ بنکی)

(خاص پنچ ویکلی کے لئے)

بلند دماغ کی شکن دور کرنے کے لئے شبنم آلود پھولوں سے کر بیٹھ گئی اور زمین پر گرے ہوئے پھولوں کے رباب کو اپنے

آہ آتشیں

(از جناب تاباں نقوی امروہوی)

(خاص پنچ ویکلی کے لئے)

آہ اے مجبوریٔ اے شعبۂ مشکلات
فخر کے قابل نہیں ابتک ترا عزمِ حیات
زندگی ہے جنگ اور دنیا ہے اک میدانِ جنگ
جینے والوں ہی کو بس زیبا ہے دعوائے ثبات
صاحبانِ عزم جو لیتے ہیں آزادی کی سانس
دیکھتے ہیں آہنی پنجے سے نبضِ کائنات
خونِ دل کی تیز رَو سیراب کرتی ہے اسے
آنسوؤں سے پھولتی پھلتی نہیں کشتِ حیات
اعتمادِ باہمی اور اعتمادِ ذات سے
قوم کے سینہ کو گرماتا ہے آہنگِ حیات
نااُمیدی کے لئے دوزخ جہانِ رنگ و بو
مردِ مسلم کے لئے جنت جہانِ ممکنات
فلسفیٔ بے عمل کی طرح جینا ہے عبث
توڑ دیگی وقت کی رفتار سارے کلیات
خود بخود بن جائے گا اک صنعتی زرعی نظام
اجتماعی زندگی کی ہوں اگر پیدا صفات

جہل و تاریکی کو پہلے دُور ہونا چاہیئے
ہے برابر آجکل مشرق کا دن مغرب کی رات

لے کے درخت کے پاس آ کھڑا ہوا۔ جو خوشبو اور نغمہ کا دیوتا معلوم ہوتا تھا۔ صبح کی دوشیزہ کرنیں اپنی سواریوں کو معطر بنا رہی تھیں، ہوائیں اپنے آنچل کو گل بداماں کر رہی تھیں، شہد کی مکھیاں اور بھونرے فضائے بسیط میں منڈلاتے ہوئے بہار کا رس چوسنے کے لئے وارفتگی کے عالم میں اس پر پھندے ہوئے تھے ننھے ننھے طیور اپنی لنگی اور چہچہاہٹ سے پھولوں کو لوریاں دے رہے تھے میں گھنٹوں لمبی لمبی سانسیں لیتا اور اپنے پھیپھڑوں کو اس معطر و صاف و صحت بخش سنہری ہوا سے تازہ دم کر رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ میرے قدم اس کے فردوسی ماحول میں جم گئے تھے۔

✦ ✦ ✦ ✦ ✦ ✦ ✦

میں عطر اور موسیقی کے عالم میں کھویا ہوا کھڑا تھا جو ہی تیز رفتاری کے ساتھ آئی درخت کے نیچے اپنے دامن کو سمیٹ

رنگین اور حنائی لمبی لمبی انگلیوں سے چڑھنے لگی اس کا حسین جمیل چہرہ اس عالم رنگ و بو میں صبح کی کرنوں کے جھرمٹ میں دمک رہا تھا۔ اس کے گیسو ابرو اور چمکدار سیاہ پلکیں حیا کے بوجھ سے جھک رہی تھیں ہمپی رخساروں میں لا تعداد حسن کی سحر کاریاں بیدار نظر آتی تھیں، سڈول اور گداز بازوؤں میں طیور و موسیقیت کی موجیں اُبھر رہی تھیں، وہ رنگ و بو کی ایک پری معلوم ہوتی تھی یا شعلۂ گو کرنوں کی ایک رقصاں تیتری۔ اس نے گاؤں کی آزاد فضاؤں کی چوڑی بہاریں دیکھی تھیں، اس کی معصومیت میں ہزاروں جاں نواز ادائیں پوشیدہ تھیں جن سے وہ غیر مانوس اور نا واقف تھی۔

✦ ✦ ✦ ✦ ✦ ✦ ✦

میں اس مست اور روح افزا گھنٹے اس کے چلے جانے کے بعد بیٹھا رہا۔ اور اس یادگار صبح کو اپنے دل کی رگ

رگ میں جان آفریں کی طرح کروٹ لیتا جب کبھی میں ... اس درخت کے پاس آ کر میں ہوں ... تو وہ رنگین ... نظارہ میری نگاہوں کے سامنے پھر جاتا اور جوہی کا حسن معصوم میرے دل میں چٹکیاں لینے لگتا، اور درخت کے نیچے اسی طرح لمبی لمبی سانسیں لیکر تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو جاتا۔

✦ ✦ ✦ ✦ ✦ ✦

میں اپنی ملازمت پر چلا گیا، وقت اور اس کے بہاؤ کے تقاضے کی دوری سے جوہی کی یاد آتی۔ میں ملازمت کی مجبوریاں اور طویل دوروں کی وجہ سے پانچ برس گھر نہ آ سکا کبھی کبھی خطوں میں جوہی کا سلام میرے دل میں ایک ناقابل ... محبت فرو پیدا کر دیتا تھا، جوہی میرے تصور میں ... اور نگاہوں میں حسن و معصومیت کی دیوی بنی تھی۔

✦ ✦ ✦ ✦ ✦ ✦

پچھلے سال کے آغاز میں چھ ماہ کی رخصت لیکر مکان پر آیا، ایک مغموم شام میں اسی درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ چڑیاں نہ دیکھا کر گھر جا چکی تھیں، نغمہ و موسیقی کا ایک سنسان تھا سلسلہ ہم ان پر ختم ہو رہا تھا، بھونرے اور زخم آلود مٹتے ہوئے زرد آفتاب کی خمیدہ کرنیں بکھر رہی تھیں، ایک سیاہ فام طائر درخت پر آ کر شام کا مغموم راگ الاپنے لگا، کوئی میرے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ اور نفس کی تیزی میں اضطراب لہلہا رہا تھا۔

✦ ✦ ✦ ✦ ✦

تھوڑی دیر کے بعد ایک اداس لڑکی میرے پاس آئی اور کہا: "جوہی نے بلایا ہے" میں نے استفہامیہ کہا کون سی باجی؟ اس نے کہا، "جوہی آپ کو یاد کر رہی ہیں"!

اس کے ان الفاظ میں نہ معلوم کون سا جادو تھا کہ میری نگاہوں کے سامنے درخت کا شباب اور رنگ و بو کا سماں اور جوہی کا حسین چہرہ دکھنے لگا۔ میرے پیر ڈگمگانے لگے اور میں لڑکی کے ہمراہ چل پڑا۔

ایک ستھرے اور صاف کمرے میں چھپکلی نما ... تھا، اس کے بڈھال چہرے پر کچھ نہیں پڑھی تھیں اس نے کراہ کر کہا کروٹ لیکر میری طرف منہ کیا۔ وہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ معلوم ہوتی تھی، چہرہ کی شادابی اور حسن کی رنگینیاں ... تھیں، نرگسی آنکھوں کا خمار گوشۂ چشم میں افسردہ تھا اس کی کمزور اور چمکیلی پلکوں پر آنسو کا ایک موتی سا قطرہ جھلک ... اور اس نے مجھے اشارہ وار ہاتھوں سے سلام کر کے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں اس پُر اسرار انقلاب سے ہوش کی دنیا سے کھو گیا تھا دل بیٹھ گیا نبضیں ساکت معلوم ہوتی تھیں، اس نے کچھ کہنا چاہا مگر آواز ہونٹوں کی لرزش میں آ کر تحلیل ہو گئی، میں اس کے مسلسل گرنے والے آنسوؤں میں اس کی داستان غم کو پڑھ رہا تھا میرے دل کی حرکت پسلیوں سے ٹکرانے لگی تھی۔

✦ ✦ ✦ ✦ ✦

میں گم سُم کتنی دیر بیٹھا رہا، معلوم نہیں جوہی نے اپنی اُکھڑی ہوئی سانس کو درست کر کے مجھ سے کہا آپ نے کبھی کوئی خط نہیں لکھا، آپ سنتے ہیں آئے کہ میں آخری ہچکیاں لے رہی ہوں آپ کو میں ابدی خواب گاہ میں دیکھتی رہوں گی پھر اس کی آواز رک گئی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور روح پرواز کر گئی۔

تانگے والا

مزاحیہ

(از جناب حسن عثمانی ... اخبار ...)

حالات تیجر و بکلی کے لئے

وہ دیکھیے تانگے والا
نخاس کے اڈے پر اپنا تانگہ لئے کھڑا ہو
اس کی نگاہیں کیسی تیز رو، وہ سر اٹھا کر سنبھالے
بانے کو معنی خیز تعریف سے دیکھتا جاتا ہے کہ شاید کسی کی جیب
میں اس کی قسمت کی کنجی ہو، اگر اس وقت سواریوں کی دو آدکا
موقعہ ہے تو وہ پوری قوت سے کچھ اس طرح آوازیں لگاتا نظر آئیگا
"آؤ ایک سواری چاندنی چوک، چاندنی چوک، قواب، فتحوری
صدر بازار، ایک سواری آؤ آؤ چلے آؤ، جب کوئی اللہ کا بندہ
آکر بیٹھ جائے گا تو پھر صدا لگانی شروع کرے گا، چلے آؤ
چلے آؤ قاضی حوض، اجمیری گیٹ ایک سواری، آؤ کوئی پہاڑ
گنج، قرول باغ ایک سواری چلے آؤ چلے آؤ (کسی راہ گیر سے)
آپ نے سٹیشن کے اوپر آیئے (دوسرے سے) آؤ جودھری پہاڑ
گنج چلوگے (تیسرے سے) آؤ لالہ جی ... ...
آؤ یہ رہا تانگہ ابھی پانچ منٹ میں پہونچاتا ہوں،
"کیا لوگے" لالہ جی پوچھیں گے۔
"جو جی چاہے دے دینا" اپنا تانگہ ہے کوئی مانگے کا
تھوڑے ہی ہے۔
"نہیں تم بتاؤ تو کیا لوگے" لالہ جی پھر کہیں گے،
"آؤ آؤ چار پیسے" تانگے والا کہے گا۔
"تین پیسے دیں گے" لالہ جی بولیں گے،
تانگے والا کچھ نہیں بولے گا اور ٹک ٹک کرتا ہوا گھوڑے
کو بڑھائے گا پھر پیچھے گھوم گھوم کر دیکھتے ہوئے کہے گا آؤ کوئی
تم سے زیادہ لے لیں گے (پھر تانگے بڑھ کر) بات پیسے کی
اکنی میں بھی پیسے کی کھوٹ ہوئی جا رہی ہے اچھا آؤ بیٹھو!
اگر کوئی سواری نظر نہ آرہی ہو اور کوئی امید نہ ہو تو
تانگے والا نہایت اطمینان سے پشتی کی ٹیک لگا کر بیٹھ جائے
گا اگر ذوق لطیف کا بھی حامل ہے تو کوئی رکارڈ کی غزل
لمبی تان سے گانی شروع کر دے گا اور اگر ظریف الطبع اور منچلے
قسم کا ہے تو نہایت بے تکلفی سے کوئی حسب ذیل اپنے
مطلب کی چیز الاپنی شروع کرے گا۔

مرے مولا طبیدہ کھلا دو مجھے
آ آ آ —— طبیدہ —— مرے ——
—— مولا طبیدہ —— آ آ کھلا دو مجھے ——

بعض مرتبہ وہ گانے میں مست ہو کر سواریوں کی طرف
سے بالکل ہی بے نیاز ہو جائے گا۔ اس اثنا میں اگر آپ
کہیں جانا چاہیں اور قریب جا کر پوچھیں۔
"چل رہے ہو" تو کہے گا تین آنے پیسے ہوں گے (اور پھر
گنگنانے لگے گا)

بالم آؤ بسو مورے من میں!
ہاں " بالم " مورے "

آپ پھر بولیں گے،
"کیا چلنا نہیں ؟"

"چلنے کے لئے
تو آئے ہی ہیں، اچھا بولئے
ڈھائی آنے بیٹھئے گا"
بالآخر آپ بیٹھ جائیں گے اور وہ گاتا ہوا گھوڑے کو
ٹک ٹک آگے بڑھائے گا۔
کسی بڑے اسٹیشن پر جب سواریوں کی گرم بازاری
ہو تو تانگے والوں میں ایک کھلبلی سی مچی نظر آئے گی اور اس
ہنگامہ رستخیز میں طرح طرح کی آوازیں سنائی دیں گی
اور شور مچ رہا ہوگا: "مرزا جی ادھر آیئے" "ادھر یہ رہا میرا تانگا"
"بڑا جی کا ڈنڈا پکڑ کر کھینچتے ہوئے تانگے والا کہے گا۔ کسی کا
بستر بیگ پکڑتے ہوئے یقین دلانے کی کوشش کریگا کہ
میرا تانگہ بگھی سے کم نہیں، کسی کا صندوق اور پوٹلی چھین کر
اس طرح اپنے تانگے کی طرف دوڑے گا کہ ایک سادہ لوح
آدمی سمجھنے لگے کہیں لیکر بھاگا جا رہا ہے: "ایک سواری اور
آجاؤ ایک آنہ ایک آنہ، کوئی بس اس طرح مسلسل چیخ رہا
ہوگا کہ گویا قیامت آگئی ہے کوئی دوسرے تانگے پہ پھبتی کستا
ہوا یوں سواری بلائے گا کیا سڑیل تانگے پہ بیٹھیے گا سرکار
دیکھیے میرا تانگہ صرف دو سو روپے کا گھوڑا جوت رکھا ہے اسپر
دوسرا تانگے والا بگڑ جائے گا اور اس بات پر کہ تیرا تانگہ اچھا یا
میرا تانگہ، تکرار شروع ہو جائے گی اور ایک تیسرا آکر سواری
اچک لے جائے گا۔ اس وقت دونوں ملکر تیسرے کو کوئی
نہایت موٹی قسم کی گالی دیکر پھر ہانک لگانے لگیں گے،
آجاؤ آجاؤ کوئی چوک آجاؤ نخاس نخاس، ایک آنہ ایک
آنہ، آجاؤ آجاؤ ایک سواری!
رات کے دس بجے جب سواریوں کا پتہ نشان نہ
ہوگا تانگے والے بھاگے بھوت کی لنگوٹی والی آس لگائے
آپس میں یوں مصروف تکلم نظر آئیں گے،

ایک: ۔ مرے یار آج تو ایک روپے کی بھی مزدوری
نہیں ہوئی۔

دوسرا۔ ابے جا جا مجھ سے باتیں بنا رہا ہو
سب سے زیادہ تو نے ہی کمایا ہے۔ اور کہہ رہا ہو مزدوری
نہیں ہوئی۔

تیسرا۔ ابے چھوڑو آجکل سواری تو یہ چاہتی
ہے کہ مفت بٹھال لو ایک آنہ کی مزدوری ہو گی تو دو ہی
پیسے لگائیں گے۔

پہلا، ہاں زمانہ بڑا خراب لگ رہا ہے کاروبار
مندا ہے۔

دوسرا، کیوں سبے وفاتی نوٹنکی میں چلے گا۔

چوتھا (وفاتی سے) بھئے
نوٹنکی کی پڑی دی ہے یہاں
گھر والی بیمار ہے اور دوا دارو کو دھیلا نہیں پاس،

دوسرا۔ کمایا نہیں کچھ آج،

وہی: ۔ تو بھی کیا پوچھ رہا ہے مرے یار تین آنے
گھوڑے کی گھاس کے ہوئے ایک آنہ پان تمباکو میں خرچ
ہوگیا۔ بوحجن کا ادھار دیا یہ رہے ساڑھے سات آنے پیسے
اس میں کیا گھر والا ہوگا۔

دوسرا۔ لا پھر یہی مجھے دے دے آج
تماشا بڑا اچھا لگ رہا ہے دیکھ آؤں۔

پہلا، چل ہٹ بڑا چلا وہاں سے تماشہ کا شوقین،

ایک، یار و کوئی سواری نہیں آرہی اسوقت!

دوسرا۔ سواری (گالی دے کر) کیا آئے
وہ بھی تو کنگال ہو رہی ہے۔

تیسرا (بیڑی سلگاتے ہوئے) سواریوں
کا حال نہ پوچھو، ان کے بس میں ہو تو مرکے قبرستان
بھی پیدل جایا کریں۔

پہلا۔ ان کی ..... (گالی دیتے ہوئے) ٹرام
گاڑیوں اور بسوں نے ہمارا ستیاناس کر کے رکھ دیا نہیں
تو پانچ روپے روز کی مزدوری کہیں گئی نہیں تھی،

دوسرا۔ ہاں مگر اسپر بھی پولیس والے
اس فکر میں رہتے ہیں کہ ذرا کوئی چوک ہو اور تانگے والے
کا چالان کریں،

تیسرا: ۔ چوک! ارے بھیا یہ جہنم کے دار وغہ تو
بے قصور بھی چالان کرنے سے نہیں چوکتے۔ پرسوں رمضانی
کا اتنی سی بات پر چالان کر دیا کہ کنارے سے ہٹ کے کیوں
کھڑا ہو گیا تھا۔

ایک: ۔ عدالت بھی ان کی سن کے جرمانہ کر دیتی ہو

دوسرا، یار دیکھ تانگہ یونین کے ممبر بنو، ایکے
سے بڑا فائدہ ہے۔

تیسرا، اپنی قسمت تو مالک نے تانگہ بپن کے کانٹے
سے لکھی ہے۔

چوتھا، تانگہ ہانکنے میں اب کچھ رہا نہیں۔
اتنے میں ایک سواری آجاتی ہے اور سب بیک
وقت اسپر دھاوا بول دیتے ہیں ادھر آؤ میاں ادھر
اسپر آجاؤ میاں جی، ... .
... ...
... ...

ابھی پہونچائے
دیتا ہوں۔ ارے یہ رہا میرا
تانگہ تین منٹ میں ٹھکانے پر لگائے
آتا ہوں (ایک) آؤ دو آنے لوں گا۔
(دوسرا) سات ہی پیسے دیدینا۔ (تیسرا) آؤ بیٹھو چھ ہی پیسے
دینا (چوتھا) چلو میں پانچ ہی لے لوں گا (پانچواں)
میاں اکنی دینا ہے تو ادھر آؤ " " ہاں " "
ابھی پہونچایا ٹک ٹک ٹک
جب مزدوری کر کرا کے تانگے والا ایک بجے رات کو گھر
پہونچتا ہے تو اس کی بیوی سو چکی ہوتی ہے بچے کوئی زمین
پر کوئی کھری چارپائی پر الٹے سیدھے سوئے ہوتے ہیں
تانگے والا گھوڑے کو کھول کر اسے تھپکیاں دیتا ہے اور اس
کے سامنے گھاس ڈال کر گھر میں دالان یا کوٹھری کے
اندھیرے کی طرف بڑھتا ہے اور چھینکے پر سے دن کی روٹی
اور ٹھنڈا سالن اتار کر نوش جان کرتا ہے اور پورے تین
کٹورے پانی کے چڑھا کر قریب کی چارپائی پر پڑ کر غرغوں
ہوجاتا ہے صبح ہوتے ہی پھر تانگہ سنبھالتا ہے اور نخاس
کے اڈے کی طرف چل دیتا ہے دل میں بھول امیدوں
کی ایک بے کیف دنیا لئے ہوئے۔

ادبِ لطیف:۔

"بھکارن"

"تمہارے میں سے کون غریبوں کو کھانا کھلانے کا
اہم فرض سرانجام دیگا؟" مہاتما بدھ نے اپنے مریدوں
سے دریافت کیا۔
ان دنوں شراوستی نگری کے قرب وجوار میں
قحط زور شور سے پھیلا ہوا تھا اور لوگ بھوک کے مارے تنگ
تھے، رتناکر ساہوکار نے سر جھکا کر کہا: "مہاراج امیری تو
ساری دولت بھی غریبوں کو کھانا کھلانے کے لئے ناکافی
ہوگی"
راجہ کے سپہ سالار جے سین نے جواب دیا۔
"میں تو بخوشی اپنی زندگی تک بھی نثار کرنے
کے لئے تیار ہوں لیکن کھانا اتنا میرے گھر میں کہاں؟"
دھرم پال جس کے پاس سینکڑوں بیگھہ زمین
تھی آہ سرد بھر کر بولا۔ کاش میں یہ کام کر سکتا لیکن کروں
کیا میرے تو کھیتوں میں خشک سالی کے باعث بالکل اناج
نہیں ہوا۔ راجہ کا لگان بھی کہاں سے ادا کروں گا"
تب بھکاری کی لڑکی سوپریا اٹھی اس نے سب کو
جھک کر نمسکار کیا اور عاجزی سے بولی: "مہاراج میں بھوکوں
کو کھانا کھلاؤں گی" سب حیران ہو کر بولے، "تو اپنے
وعدے کو کیسے نبھائے گی تو تو خود غریب ہے بس اور سکیں

سکہ

از جناب رام سروپ بھٹناگر چندوسی (ضلع مراد آباد)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

سکہ دنیا کے لئے ایک نعمت عظمیٰ ہے خواہ وہ کسی دھات کا ہو یا کاغذ کا تسلیم کیا گیا ہو۔ جب سکہ نہ تھا اسوقت دنیا کو [illegible] کا سامنا تھا لیکن جب سے دولتمندوں [illegible] ایجاد کیا ہے [illegible] سکہ ایجاد کیا گیا دنیا کی [illegible] [illegible] ہوئی [illegible] تو غلہ کی ایک [illegible] [illegible] چیزوں [illegible] [illegible] بالخصوص دوسری [illegible] زندگی [illegible] وقتیں ہوتی [illegible] مشکلات موجود تھیں۔ ملازم [illegible] صاحب [illegible] کے [illegible] گرفتار ہوتے اور ممکن تھا کہ ریلوے کے ملازمین [illegible] روپے کے کرایہ [illegible] تنخواہ میں پاتے اور [illegible] [illegible] موصول [illegible] نیز ٹکٹ کلرک [illegible] زیادہ قصہ [illegible] دونوں چھوٹی روپیہ وغیرہ کے شمار میں صرف کرتے ہیں ان چیزوں کی الگ الگ ڈھیریاں نکالنے لگا تو پریشان ہو جاتے، ٹکٹ گھر کی کھڑکی [illegible] معلوم [illegible] تاکہ وہ تمام [illegible] ٹکٹ کے بدلے میں موصول ہوتیں آسانی یا [illegible] اور موصول [illegible] کو ایک نیا محکمہ قائم کرنا پڑتا۔ [illegible] ریلوے کو کیا نفع یا نقصان ہوتا [illegible] ان تمام مشکلات کو دور کیا اس [illegible] دی جائیں کم ہیں اور [illegible] درگاہ میں [illegible] کیا جائے کہ [illegible] ہماری روزانہ کی مشکلات کو کم کیا ہے [illegible] قائم کی ہے یعنی ہر بادشاہ کا نام [illegible] سکے سے چل جاتا ہے۔ جب کوئی چیز [illegible] ہوتی ہے ترقی اس کے ساتھ ساتھ دوڑتی چلی [illegible] حال سکہ کا ہوا۔ [illegible] ایسی [illegible] دنیا میں پیدا ہوتی رہیں جو سکہ کے اندر تراش خراش پیدا کرتی رہیں۔

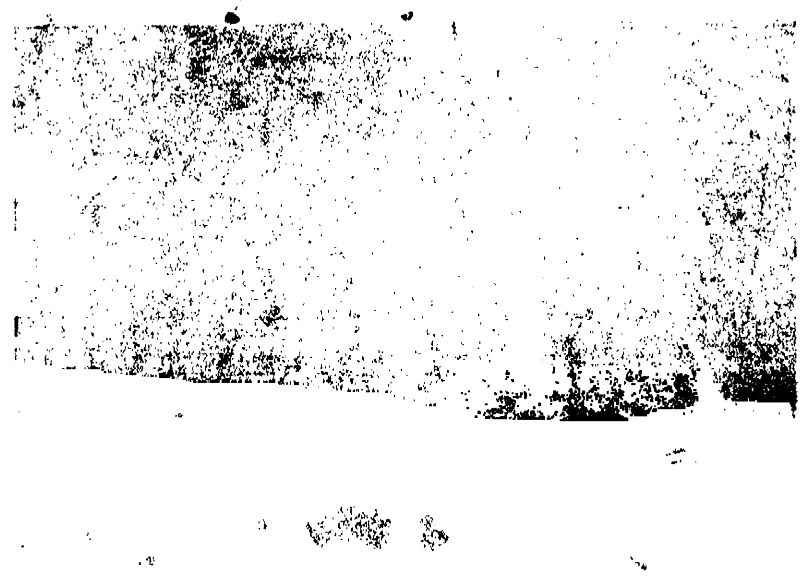
چنانچہ ہر ملک کا سکہ الگ الگ ناموں سے موسوم ہے اور ان کی بناوٹ بھی الگ الگ ہے چین کا سکہ اپنی بناوٹ میں سب سے الگ ہے یعنی اس کے بیچ میں سوراخ ہوتا ہے اور [illegible] کے باشندے بجائے اس کے کہ روپیہ پیسے اپنی جیبوں کو [illegible] گلے کا ہار بناتے ہیں۔ اب ہم

ہر ملک نے سکہ کا نام الگ الگ تجویز کر رکھے ہیں۔

نام ملک	مروجہ سکہ کا نام
گریٹ برٹن	ساورن
امریکہ	ڈالر
فرانس	فرینک

نام ملک	مروجہ سکہ کا نام
اٹلی	لیرا
بلجیم	فرینک
جرمنی	مارک
آسٹریا	گلڈرس
زیکوسلاویکیا	کراؤن
ڈنمارک	کرون
فن لینڈ	فن مارک
یونان	ڈرکما
ہالینڈ	فلورن
ہنگری	کراؤن
ناروے	کرون
پولینڈ	مارک (زلوٹی)
پرتگال	ایڈک بوڈو
رومانیہ	لیو
روس	روبل
اسپین	پیسیٹا
سویڈن	کرونا
سوئٹزرلینڈ	فرینک
یوگوسلاویا	دینار
چین	ٹائل
جاپان	ین
جاوا	فلورنا

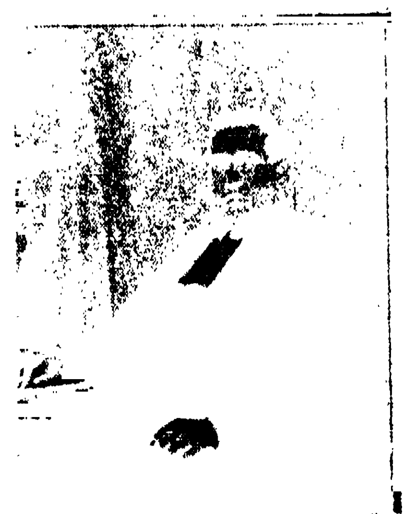
فلی پائن	پیسو
برازیل	مل ریس
ارجن ٹائن	ڈالر



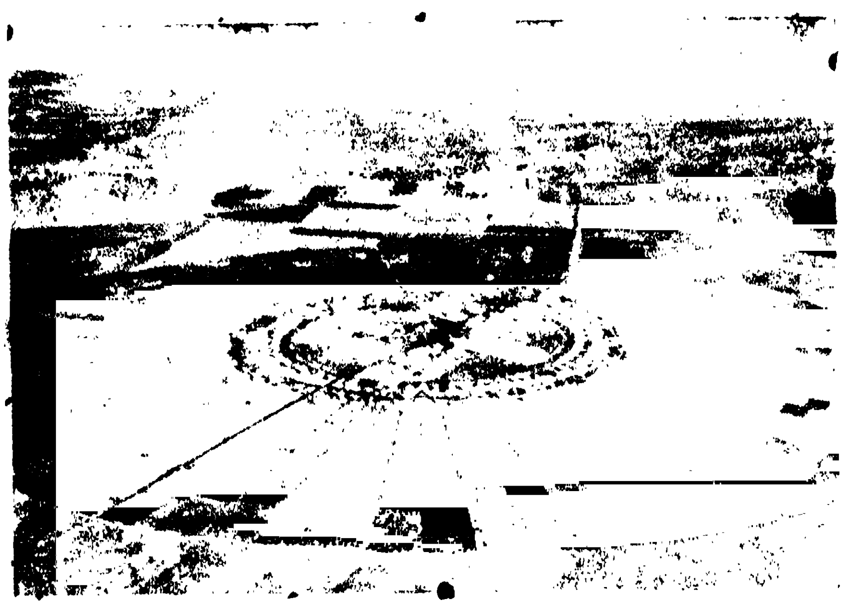
وزیرستان میں سرکاری فوجوں کو ہوا سے پیراشوٹ کے ذریعہ رسد پہنچائی جارہی ہے



شریمت بابو راجندر پرشاد
آپ کو گورنر بہار نے ملاقات کیلئے مدعو کیا ہے



آنریبل سر سیتارام
آپ یو۔ پی۔ کونسل (اپر ہاؤس) کے پریذیڈنٹ منتخب ہوئے ہیں



تعمیر شہر کا ایک نیا نقشہ جو فلسطین میں یہودی نوآبادی کیلئے تیار کیا گیا ہے



ایک قسم کا زہریلا سانپ جسے "رسیل وائپر" کہتے ہیں



آنریبل مسٹر فضل الحق
وزیراعظم بنگال
آپنے جزیرہ انڈمان کے قیدیوں کو تار دیا ہے کہ وہ اپنی بھوک ہڑتال ترک کردیں



برما کی ایک پھل بیچنے والی عورت اپنے قومی لباس میں



فلسطین میں نارنگی کی کاشت کا طریقہ۔ یہاں درختوں کو چادر سے چھپا دیا
جاتا ہے تاکہ تیز دھوپ پھلوں کے رس کو خشک نہ کرے

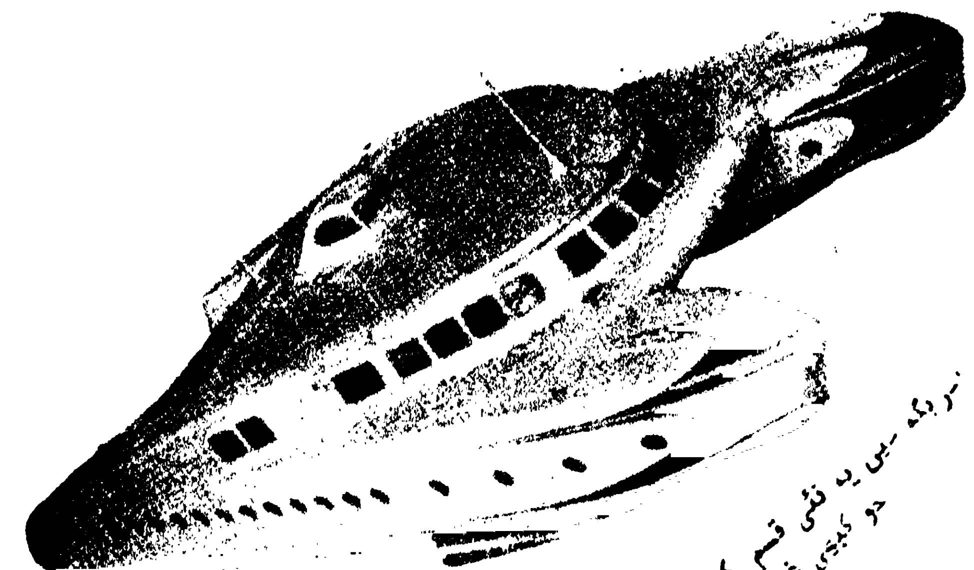
ایک درۂ کوہ میں فقیر ایپی کی کمین گاہ۔ اب اس جگہ پر انگریزوں
نے قبضہ کرلیا ہے



ماوری قوم کی عورتوں میں تندرستی کے لئے رقص اور جسمانی ورزش کا نیا طریقہ



لنڈن سے اڈنبرک جانے آنے والی لاریوں کے جدید قسم
کے اسٹریم لائن انجن



امریکہ میں یہ نئی قسم کی کشتی ایجاد کی گئی ہے
جو کبھی غرق نہیں ہوسکتی

سانپوں کی دنیا

(مضمون صفحہ ۱۴ پر دیکھئے)

مشہور زہریلا سانپ ناگ

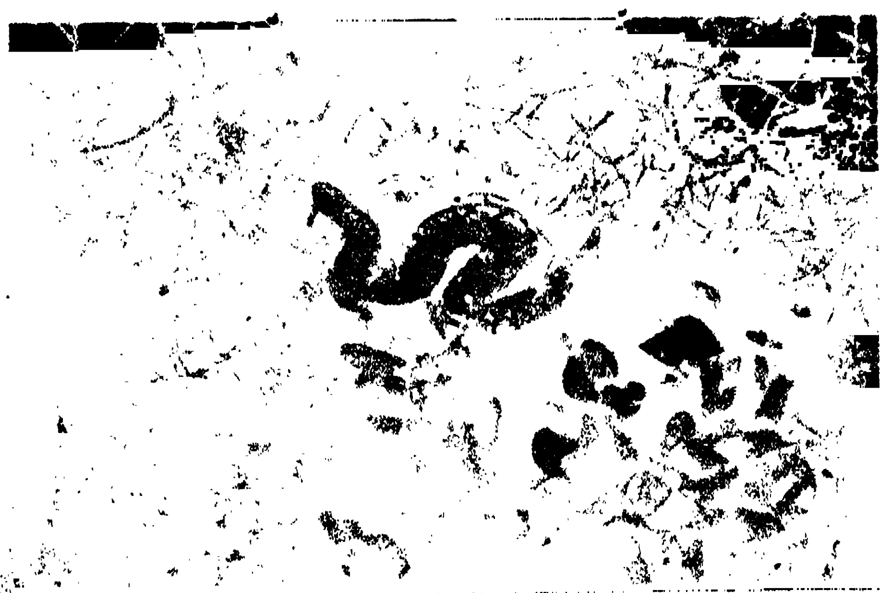




پانی میں رہنے والا سانپ

دهامن سانپ





سرخ رنگ کا سانپ جو مٹی کے اندر رہتا ہے

کیا "ممی" پھر زندہ ہو گئی؟

جسم میں لرزہ پیدا کر دینے والے حیرت انگیز واقعات

"MUMMY LIVES AGAIN!"

ڈاکٹر نین ڈور فوڈر!

دنیا کے مشہور ماہر و محقق اس مضمون میں ممی (مسالہ لگی ہوئی پرانی لاشیں) کے بارے میں چند نہایت حیرت انگیز اور غیر معمولی واقعات کا حال بیان کرتے ہیں، جن کی تشریح کوئی نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ دوسری دنیا سے روحیں ہمیں تنبیہ کرتی ہیں مگر ہم ان تنبیہوں کا مطلب نہیں سمجھ سکتے!

مصر کے قدیم مقبروں، کھنڈروں اور محلات سے جو مسالہ لگی ہوئی ہزاروں سال کی لاشیں برآمد ہوئی ہیں ان میں انسانوں کے علاوہ جانوروں کی بھی ممیاں پائی جاتی ہیں۔ ان ممیوں یا پرانی لاشوں کو نکال کر لوگ اپنے اپنے ملکوں کے عجائب خانوں میں لے گئے ہیں۔ مصریات کے ماہرین نے مقبروں اور محلات کو توڑ کر یا کھود کر کے ممیاں نکالی ہیں ان میں بعض سے عجیب و غریب اور پراسرار واقعات ان کے پاس محفوظ ہیں۔ کہ آفتوں پر آفتیں ایسے لوگوں پر نازل ہوئیں جنہوں نے لاشوں کو نکالا تھا۔ ان تمام واقعات کی ہم چشم پوشی نہیں کر سکتے۔

مصر میں آثار قدیمہ کے انسپکٹر ڈاکٹر ویگل نے ایک بلی کی ممی کسی قدیم کھنڈر سے برآمد کی تھی اس کا قصہ ایسا حیرت انگیز اور تھرتھری پیدا کرنے والا ہے کہ آپ سنکر ششدر رہ جائیں گے۔

ڈاکٹر ویگل کا خیال تھا کہ یہ بھی دفن شدہ چیز کسی بلی کی لاش کی ممی ہے۔ اور وہ اس کی ممی نکالنے کے خیال سے رغنی مٹی لگا یہ حالت اپنے گھر لے گئے مگر مسالہ میں کوئی جوڑ دکھائی نہیں دیا۔ جو رغنی مسالہ الگ کر کے اندر کا اصل جانور کو نکالا جا سکتا۔ اس لئے آپ یہ مسالہ دار بلی اپنے سونے کے کمرہ میں میز پر ایک طرف رکھ دی۔

اس رات کو ڈاکٹر ویگل کو نیند نہ آئی، ان کے دماغ میں ہر وقت ایک بلی پھدکتی رہتی تھی، سامنے بلی چلتی دکھائی دیتی تھی بہت دیر تک وہ اس بلی کے خیال سے لڑتے رہے آخر کار انہیں نیند آ ہی گئی، ایک سخت اور تند آواز نے آپ کو جلدی جگا دیا۔

قبر کا انتقام!

یہ تند آواز سنکر آپ چونک پڑے، ان کے حواس بجا نہ تھے، اور وہ ششدر رہ گئے جب یہ دیکھا کہ ایک بھوری بلی پیچھے چھوڑ کے ان کی طرف چھلانگ مار کر زخمی کرنے کو بڑھ رہی ہے۔ یہ زد سے بچ گئے اور بلی کھڑکی کی راہ سے باہر نکل گئی، خود ان کی اپنی بلی باہر صحن میں تھی اور ایک کے پیچھے سے سہم کر ایک طرف کھڑی ہو گئی تھی! حملہ آور بلی رات کی تاریکی میں غائب تھی جب ہوش آیا میز کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ رغنی مٹی کی ممی ٹوٹ چکی ہے بیچ میں سے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں اور اندر سے خالی ہے یعنی اندر کی ممی بلی زندہ ہو کر باہر نکل گئی ہے۔ اور باہر کی رغنی بلی تیز نگاہوں سے ان کی طرف ایستادہ حالت میں گھور رہی ہے۔

اس کے علاوہ برطانوی عجائب گھر میں جو مشہور مصری بادشاہ "طوطنخ آمن" کے تابوت کے بارے میں کہانیاں مشہور ہیں اس سے زیادہ پہلے سے مسلسل ہوتی رہی ہیں اور اتنی ہوتی ہیں کہ انکار کا موقعہ نہیں رہتا۔ اس کی کوئی وجہ بتانی پڑے گی، اس ممی کی بددعا کا اثر ایک دو نہیں بیسیوں لوگوں کی زندگی پر پڑا ہے جنہوں نے کبھی بھی اس تابوت کو چھوا ہے یا کسی طرح بھی تابوت کے سلسلہ میں کوئی کام یا حرکت کی ہے ان حادثات کی طویل فہرست ہے اور کوئی اس بددعا سے انکار نہیں کر سکتا۔

"طوطنخ آمون" کے مقبرے کے سلسلہ میں کتنے لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے لارڈ کارنارون مشہور محقق نے جب اس مقبرہ کو کھولا تو ایک بڑی پارٹی دی۔ یہ تمام چیزیں مصری بادشاہوں کی روح کے لئے بے عزتی کا باعث ہوئیں اور انہوں نے ان سب لوگوں کو حادثات کے ذریعہ مار دیا جنہوں نے ان کے قدیم راز کو معلوم کرنے اور مقبرہ کے کھولنے کی فکر کی تھی۔

ہولناک بددعائیں اور شگون

لارڈ کارنارون اس قدیم مقبرہ میں جو بیش قیمت نشانات کا ایک جلسہ کرنا چاہتے تھے، میزیں بچھائی گئیں ان پر سفید میز پوش بچھائی گئیں اور ایک محفل رقص و نغمہ بھی منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ڈاکٹر ویگل اس بارے میں بہت توجہ سے کام لے رہے تھے، چنانچہ اس کے بارے میں لکھا ہے:۔

"اگر یہ شخص اسی جذبہ سے کام لے کر کام کرتا رہا تو چھ ہفتے کے اندر اندر مر جائے گا ورنہ اسے اپنی روش بدلنی پڑے گی۔"

جس وقت یہ لوگ مقبرہ میں پہلی بار داخل ہوئے تو بدشگونی اور بددعاؤں کے اثر کو دیکھ لیا چنانچہ پہلی مرتبہ جب مقبرہ کے دروازہ اوّل پر پہنچے تو ایک زبردست طوفان ریگستان سے اٹھا حالانکہ اس سے پہلے ذرا ہوا نہیں چل رہی تھی، یہ طوفان بہت دیر تک مقبرہ کے گرد شور مچاتا رہا اور پھر غائب ہو گیا۔

اس کے فوراً ہی بعد ایک عقاب (جو قدیم زمانہ میں نشان شاہی مانا جاتا تھا) منڈلاتا ہوا مقبرہ کے اوپر آیا۔ اور تھوڑی دیر تک منڈلانے کے بعد نظروں سے غائب ہو گیا اور آخرکار جب محقق مسٹر ہاورڈ کارٹر اصل مقبرہ میں پہلی بار داخل ہوئے تو ان کے کناری پرندہ کو انہوں نے بڑے چاؤ سے پالا تھا۔ ایک سانپ نگل گیا۔

یاد رہے کہ طوطنخ آمون اور مصر کے دیگر فرعونوں کا شاہی نشان سانپ ہی تھا۔

ایک اور واقعہ!

دنیا کی مشہور سیاح خاتون مس ربیکا ویسٹ کی سکرٹری مسز "ایو برکن بری" نے طبعیات (فزکس) کی تحقیقاتی مجلس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ایک عجیب واقعہ بیان کیا:۔

مسز برکن بری خود ایک مشہور سائنس داں ہیں اور اس سوسائٹی کی ریسرچ افسر رہ چکی ہیں اور بین الاقوامی مجلس سائنس کی آنریری سیکرٹری رہ چکی ہیں۔ جو واقعہ انہوں نے سنایا وہ کسی قدر قصہ معلوم ہوتا ہے اور ایک عقل پرست سائنسداں کے شایان شان نہیں مگر کہا جائے کہ وہ واقعہ ہے اور واقعہ سے کوئی کیا انکار کرے گا۔

چند سال ہوئے کہ انہیں کسی نے ایک عجیب چیز تحفہ میں دی تھی یہ ایک خوبصورت مصری خاتون کا سر تھا انہیں اس سر کے بارے میں کوئی بات معلوم نہ تھی نہ یہ معلوم تھا کہ یہ سر کس کا ہے اور کیا بات ہے نہ ہی انہیں ممیوں کے بارے میں ہولناک واقعات کا کچھ علم تھا ورنہ وہ یہ تحفہ ہرگز قبول نہ کرتیں۔

جب سے کہ وہ سر ان کے گھر میں آیا وہ یونہی لپٹا ہوا ایک جگہ رکھا رہا۔ اور کوئی خاص بات ظہور میں نہ آئی۔ ماسوا اس امر کے کہ میاں بیوی دونوں کو رات کو نیند نہیں آتی تھی، مسٹر برکن بری خود ایک انجنیئر اور موجد تھے۔

دوسری رات کو یہ سر نکالا گیا اور اسے ایک الماری پر رکھا گیا جہاں رغنی مٹی کا بنا ہوا ایک خوبصورت چینی دیوتا بھی سجاوٹ کے طور پر رکھا ہوا تھا۔

یہ الماری اس دیوار سے لگی ہوئی رکھی تھی جو ان کی خوابگاہ سے ملی ہوئی تھی، اس رات کو بھی نہ معلوم کیوں، انہیں نیند نہیں آئی،

مگر یکایک برابر کے کمرہ سے ایک دل دہلانے والی ریوالور کی سی گونج کی آواز سنائی دی،

میاں بیوی دونوں گھبرا گئے اور کسی نامعلوم خوف نے ان کے حواس باختہ کر دئے ان کی گھگی بندھ گئی، اور اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ اٹھ سکے۔

وہ اس ممی کا خیال کئے بغیر بھی نہ رہ سکے،

پرانی چیزوں اور ممیوں کی بددعاؤں کے اثر کے واقعات جس قدر انہوں نے اپنی زندگی میں سنے تھے یکے بعد دیگرے ذہن میں آنے شروع ہو گئے۔

اس بات کے باور کرنے میں کوئی شبہ نہ تھا کہ یہ آواز برابر کے کمرہ سے آئی ہے جہاں ممی کا سر رکھا ہوا تھا پیچھے کے مکان میں کوئی نہ تھا اور یہ آواز اس قدر تریب کی اور معین قسم کی تھی کہ سوائے اس کمرہ کے اور کسی جگہ سے نہیں آ سکتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ برابر کے کمرہ میں کوئی ہولناک پراسرار طاقت اپنا کام کر رہی تھی۔

طلسمی طاقت

اس آواز کے بعد اور کوئی حادثہ رونما نہ ہوا اور رفتہ رفتہ خوف کم ہو جانے کے بعد دونوں میاں بیوی سو گئے مگر رات کو سخت تکلیف ہوئی، بہت برے برے خواب دکھائی دئے بیوی نے دیکھا کہ بہت سے سر کٹے مرد اس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور وہ ایک غار میں گھر گئی ہے۔ میاں نے بھی بہت سے لرزہ خیز خواب دیکھے،

رات کا باقی حصہ انہوں نے جاگ کر ہی گذار دیا صبح کو دیکھ وہ بستر سے اٹھے مگر کسی نامعلوم طاقت نے انہیں برابر کے کمرہ میں جانے سے روکے رکھا یا یہ خوف تھا، مگر جب سڑک پر ٹریفک کی آواز آنے لگی تو ان کی بھی ذرا ہمت بندھی اور یہ ڈرتے ڈرتے کمرہ میں داخل ہوئے انہوں نے دیکھا کہ سر اپنی جگہ جیسا رکھا تھا ویسا ہی رکھا ہے مگر چینی دیوی کی مورتی گر کر الماری کے عین نیچے چلی گئی ہے جو وہاں لڑھک کر نہیں جا سکتی تھی بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے عمداً رکھی ہے۔

باقی صفحہ ۳۴ پر

دیہات سدھار کیسے ہو؟

(از جناب اوم پرکاش ترکھا لاہور)

خاص تیج پیپر

اس مضمون میں دیہات سدھار کے کام میں دلچسپی لینے والے کارکنوں کیلئے چند ہدایات درج کی جاتی ہیں جن پر عمل کرنے سے سدھار کے کام کو تقویت حاصل ہوگی۔

(۱) کارکن ہر گاؤں میں رہ کر گرام سیوا کا کام کرنا چاہتے ہیں اسے آل انڈیا ویلیج انڈسٹریز ایسوسی ایشن یا اس کی کسی صوبائی برانچ کے ماتحت کام کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ یہی ایک صحیح اور منظم جماعت ہے جو مہاتما گاندھی جی کی رہنمائی میں کام کر رہی ہے۔ اس جماعت کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں۔ دیہات کی از سر نو تنظیم اور تعمیر، یہ دیہاتی صنعت و حرفت کو از سر نو جاری کرنا اس کی ترقی اور اس کی اصلاح کرنا اس کے علاوہ عوام کی مجلسی۔ اخلاقی اور جسمانی ترقی بھی شامل ہے۔

(۲) کام شروع کرنے سے پیشتر کچھ گاؤں کی مکمل رپورٹ یعنی SURVEY تیار کر لینی چاہیے جس گاؤں میں زیادہ سہولت حاصل ہو پہلے وہاں ہی کام جاری کرنا چاہیے جب اس گاؤں میں مناسب طور پر جاری ہو جائے اور کارکن کی امداد کیلئے کچھ دیہاتی لوگ میدان میں نکل آئیں تب کارکن کو ساتھ کے کسی دوسرے گاؤں میں اپنی سرگرمیوں کو جاری کرنا چاہیے۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ دیہات سدھار کا دائرہ وسیع بنانا چاہیے۔ لیکن کام کو اس حد تک بڑھایا جائے جس حد تک کارکن اپنے جاری کئے ہوئے کام کو آسانی سے کر سکے۔ گاؤں کی SURVEY کرتے وقت حسب ذیل امور کا خیال رکھا جائے۔

۱۔ آبادی اور رقبہ

۲۔ گھروں کی تعداد

۳۔ مذہب کے لحاظ سے تقسیم

۴۔ مویشیوں کی تعداد (گائے بھینس وغیرہ)

۵۔ عام روزانہ خوراک

۶۔ حفظان صحت کی نوعیت

۷۔ تعلیم بچوں۔ طالب علم لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد

۸۔ عادات۔

۹۔ چرخوں اور سوت کاتنے والوں کی تعداد۔

۱۰۔ کھڈیوں اور جولاہوں کی تعداد۔

۱۱۔ عادتاً کھدر پہننے والوں کی تعداد

۱۲۔ کولہو اور تیل کی کھپت

۱۳۔ خراس اور ہاتھ کی چکیوں کی تعداد۔

۱۴۔ آٹا پیسنے اور چاول صاف کرنے والی کلوں کی تعداد

۱۵۔ محنت کش طبقہ کی عام اجرت کیا ہے۔

۱۶۔ کیا مال کیا کیا ہوتا ہے۔

۱۷۔ گاؤں کی درآمد و برآمد

۱۸۔ گاؤں کی پیداوار اور موجودہ دستکاریاں کیا ہیں

۱۹۔ مردہ جانوروں کو کیونکر ٹھکانے لگایا جاتا ہے۔

۲۰۔ چمڑے کی رنگائی ہوتی ہے یا نہیں؟

۲۱۔ آبپاشی کے ذرائع۔

۲۲۔ مال کی کھپت کی نزدیکی منڈی۔

۲۳۔ عام طور پر کس قسم کی بیماریوں سے واسطہ پڑتا ہے؟

۲۴۔ طبی امداد کے ذرائع کیا ہیں۔

(۳) کارکن گاؤں کے لوگوں کی ضروریات اور مشکلات کا بغور مطالعہ کرتا ہے اور جہاں تک ہو سکے ان کے تدارک کی کوشش کرتا رہے۔ بڑا بن کر رہنے کی بجائے گاؤں والوں کا ساتھی اور خدمتگار بن کر رہے۔ ان کی شادی اور غمی میں شریک رہے، اس طرح وہ ان کا دلی اعتماد حاصل کر سکیگا اور تھوڑے عرصہ میں زیادہ سے زیادہ کام کرنے کے قابل ہو سکیگا۔

(۴) دیہات کے باشندے اپنی انتہائی غربت اور بےبسی کی وجہ سے ذرا بھی نقصان اٹھانا پسند نہیں کرتے۔ دیہات سدھار کے متعلق کسی تجویز کا عملی مظاہرہ جس سے ملی فائدہ حاصل نہ ہو یا اخراجات میں کمی واقع ہو نہایت مفید ثابت ہو کر ... سمجھانا چاہیے ... ایسی کوئی بات نہ کی جائے جو دیہاتی عوام کو ایسی ...

(۵) کارکن کا طرز زندگی نہایت سادہ اور ... ہونا چاہیے۔ گاؤں والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ کارکن ... استعمال میں آتی ہو گاؤں کے لوگوں کی تیار شدہ ہو ضرورت سے زیادہ کوئی چیز استعمال میں نہ لائی جائے جیسا کہ مہاتما گاندھی جی بار بار دیسی چیزوں کے متعلق کہتے ہیں خیال کرتے ہیں۔

(۶) گاؤں کے دستکار، مزدور اور کسان ہر ایک کو اپنا بھائی تصور کرو۔ غریبوں اور مصیبت زدہ لوگوں کو اپنا بنا لو۔ دیہاتی آبادی جو زیادہ تر کسانوں پر مشتمل ہے افلاس کے ہاتھوں نالاں ہو ... غربت کی وجہ سے ... مصیبت اور بیماری ... کاشتکار کی یہ خواہش رہتی ہے کہ وہ اپنی زمین کے ... ایکڑ کی کاشت کرے۔ مگر اس کے پاس ... زمین کو زرخیز بنانے کیلئے ... کو بنا ... اپنا سر ... دیہاتی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ کاشتکار کو اس امر کے سمجھانے کی ضرورت ہے کہ وہ کم سے کم زمین کی کاشت کرے ... اور اچھے طریقے سے کرے۔ تاکہ وہ اپنی محنت کا ... فائدہ اٹھا سکے۔



لال املی کے اونی دھاگے ہر ایک بُننے کے کام کیلئے مختلف خوشنما رنگوں میں ملتے ہیں



نمونہ جات ڈیپارٹمنٹ نمبر ۳۵ سے طلب کیجیے

دی کانپور وولن ملز۔ کانپور

مقصد تھا ہم نے یہ صلاح کر رکھی تھی کہ چھٹی کے دن کسی ہوٹل ہی میں ناشتہ کیا جائے کیونکہ آپس میں جھگڑا کرنے یا تلخ باتیں کی جاتیں۔ ہر وقت کسی کے آ جانے یا سن لینے کا خوف رہتا ہے لیکن ہوٹل کے کمرہ میں بیٹھ کر ہر قسم کی گفتگو بغیر کسی خلل و خوف کے کی جا سکتی ہے۔

ہم کوئی پانچ دوست ایک کمرہ میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ مختلف موضوع پر باتیں بھی کر رہے تھے۔ رفتہ رفتہ ادھر ادھر کی باتوں سے گزر کر گفتگو ایک ایسے مضمون پر جا پہنچی جو نہایت دلچسپ تھا یعنی ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے کسی گزشتہ سفر کا تذکرہ سنا رہا تھا۔ شیو پرشاد نے کلکتہ میں ایک شب "بیان کیا جو بے حد دلچسپ تھا۔ اس کے بعد دیوی سہائے نے اپنے سفر کے حالات بیان کرنے شروع کئے ہی تھے کہ ہمارے کمرہ میں ایک اجنبی معاف کیجئے گا کہتے ہوئے داخل ہوا، ہمیں کو قصد ایسی بے ادبیت اکھری اور ساز مزہ کرکرا ہو گیا ہم سب نے اس کی طرف بغور دیکھا وہ ایک درمیانہ قد کا نوجوان تھا اس کا لباس گو امیرانہ تھا لیکن میلا میلا سا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مہینوں سے نہیں دھلا۔ اس کے بال گھنگھریالے تھے لیکن اس وقت خشک اور پریشان تھے چہرے پر افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے میز کے قریب بیٹھتے ہوئے جیب سے رومال نکالا اور منہ پونچھا۔ ہم سب اب قریب سے خاموش بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔ "میں تو آپ لوگوں کی باتیں سن کر آیا ہوں ورنہ میں اس ساتھ والے کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا لیکن اب آپ خاموش کیوں ہو گئے ہیں؟"

اب ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہم بعض دفعہ جوش میں بہت اونچی آواز میں بولتے رہے تھے۔ دیوی سہائے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ہم تو یوں ہی ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ کوئی خاص بات تو تھی نہیں!" یہ سنتے ہی اجنبی بھی مسکرا دیا اور اس کی آنکھوں میں مسرت کی جھلک آگئی اس نے کہا، "اگر آپ میری موجودگی سے خاموش ہو گئے ہیں تو میں اٹھ جاتا ہوں"، یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا میں بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ چلا جائے اور ہم پھر سلسلۂ کلام شروع کریں لیکن شیو پرشاد نے اُسے روکتے ہوئے کہا، آپ نہ جائیے، بات تو بات سے ہی نکلتی ہے جس طرح افسانہ در افسانہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح بات پر بات پیدا ہو جاتی ہے" اجنبی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تو شروع کیجئے، "کلکتہ میں ایک شب" تو بہت دلچسپ افسانہ تھا۔ اب دوسرا جو شروع کیا گیا ہے اُسے پورا کیا جائے" ان چند لمحوں کی ملاقات سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اجنبی بھی ہم میں سے ایک تھا اور تمام اجنبیت دور ہو چکی تھی۔

ہم نے دیوی سہائے کی طرف دیکھا لیکن اس نے اجنبی سے کہا، "اب آپ ہی اپنے کسی سفر کے حالات سنائیے۔"

اجنبی نے بغیر اصرار کے ہی کہنا شروع کیا۔ "تو سنئے میں ایک دولت مند خاندان سے تعلق رکھتا ہوں میرے والد صاحب سرگباشی ایک اعلیٰ پایہ کے بیرسٹر تھے جس وقت موت نے انہیں اپنے پاس بلا لیا تو والد صاحب مجھے اس دنیا میں تنہا چھوڑ کر راہی عدم ہوئے میری والدہ صاحبہ پہلے ہی گذر چکی تھیں۔ میں تمام جائیداد کا واحد مالک تھا مجھے ملازمت کی ضرورت تو تھی نہیں مجھے صرف یہی فکر تھی کہ اس جائیداد کا خاطر خواہ انتظام ہو تاکہ میں بے فکر ہو کر اپنی زندگی کے دن گذار دوں۔ گو یہ تمام انتظامات میں خود بھی کر سکتا تھا لیکن میرا ارادہ سیاحت کا تھا کہ کم از کم ہندوستان کے تمام صوبوں اور مشہور شہروں کی سیر کروں۔ آخر کار مجھے میرا ایک پرانا دوست مل گیا، اور میں نے اپنی تمام جائیداد کا انتظام اس کے حوالے کر دیا چند ماہ اس کے ساتھ رہ کر اُسے تمام حالات سے آگاہ کیا اور کام سے واقف کر دیا جس وقت وہ تمام انتظامی کام سے بخوبی واقف ہو گیا تو میں اپنا پروگرام مرتب کرنے میں مشغول ہوا مجھے سب سے بڑی مشکل یہ درپیش تھی کہ میں پہلے کہاں جاؤں الہ آباد، بمبئی، کلکتہ، دہلی وغیرہ تمام شہر مجھے دیکھنے تھے، بہت غور و خوض کے بعد میں نے لاہور جانے کا فیصلہ کر لیا، اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ لاہور کی میں نے بہت تعریف سنی تھی، لاہور کو ہی ہندوستان کا پیرس کہا جاتا ہے اس لئے میں نے لاہور کو ترجیح دی۔ لیکن مجھ سے ایک غلطی ہوئی کہ میں نے موسم پر خیال نہ کیا، ہندوستان کے تمام صوبوں کی آب و ہوا اس قدر مختلف ہے کہ انسان حیران ہو جاتا ہے، بمبئی اور کلکتہ میں جس وقت گرمی ہوتی ہے اس وقت دہلی اور لاہور میں کافی سردی ہوتی ہے اور بمبئی اور کلکتہ میں برسات موسم کو خوشگوار بنا دیتی ہے میں نے اس بات پر توجہ ہی نہیں دی اور سامان سفر تیار کرنے لگا۔"

۲

جون کا مہینہ تھا میں صبح سات بجے لاہور پہنچا اور ایک ہوٹل میں قیام پذیر ہوا، ابھی دس ہی بجے ہوں گے کہ میں نے ہوٹل سے باہر قدم رکھا ارادہ تھا کہ ذرا بازار کی سیر کی جائے لیکن مجھے اس قدر گرمی کا احساس اس سے پیشتر نہ تھا لاہور پر سورج دیوتا اپنی خاص نظر عنایت فرما رہے تھے اس قدر شدید گرمی کہ لوگ راہ چلتے چلتے گرتے اور ٹھنڈے ہو جاتے۔ تانگوں کے گھوڑے گر گر کر مر جاتے۔ آسمان کی طرف تو دیکھا نہ جاتا تھا، لیکن میں ادھر ادھر پھرتا ہی رہا گو کپڑے پسینہ سے شرابور ہو رہے تھے، لیکن خیال تھا کہ جب آئے ہی ہیں تو پھر اچھی طرح سے شہر دیکھا جائے، لاہور کی خوب سیر کی جائے۔" اجنبی نے جیب سے پھر رومال نکالا اور منہ پونچھنے لگا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اب بھی وہی گرمی محسوس کر رہا تھا، اور ایسا ہوا بھی کرتا ہے کہ جب ہم کسی خاص واقعہ کا ذکر کر رہے ہوں تو بعض موقعوں پر ایسا خیال ہونے لگتا ہے کہ کہنے والا اس واقعہ کے کرداروں میں اپنے آپ کو شامل سمجھتا ہے اور متاثر ہوتا ہے۔ شاید اسی لئے اس اجنبی نے گرمی کا احساس کیا ہو ورنہ سردی کے دن تھے اور پسینہ کا نام تک نہیں تھا، رومال کو جیب میں رکھتے ہوئے اس نے پھر کہنا شروع کیا "پھرتے پھراتے میں اپنی قیام گاہ سے بہت دور شہر کی دوسری طرف جا نکلا۔ گرمی بدستور بڑھ رہی تھی، میں نے جب گھڑی دیکھی تو ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ اب مجھے بھوک محسوس ہوئی اور گرمی بھی ناقابل برداشت ہو گئی تھی، سڑک لوہار کی بھٹی کی طرح گرم ہو گئی تھی جوتوں کے اندر پاؤں جل رہے تھے

رومال

خاص تحریر

آسمان سے سورج دریا لاہور پر آگ برسا رہا تھا اور آگ کی بارش ہو رہی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج قیامت کا دن ہے، میں چلتے چلتے کئی بار دکانوں کے برآمدہ میں کھڑا ہو کر سستاتا اور پھر آگے بڑھتا، ایسی حالت میں اپنی قیام گاہ کو واپس جانا میرے لئے ناممکن تھا میں نے ایک آدمی سے قریب کے کسی ہوٹل کی بابت دریافت کیا، تقریباً آدھے فرلانگ پر ایک ہوٹل تھا جہاں کھانا اچھا ملتا تھا اس نے مجھے راستہ بتا دیا۔

میں ابھی اس ہوٹل سے چند گز دور ہی تھا کہ میں نے آدمیوں کا ایک ہجوم دیکھا میں بھی ہجوم میں گھس گیا اور ادھر ادھر دھکیلتے ہوئے ہجوم کے عین وسط میں پہنچ گیا، لوگ بڑبڑاتے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے، ایک نوجوان ریشمی سوٹ میں ملبوس زمین پر چت پڑا تھا اس کی فلیٹ کیپ اس سے دور پڑی تھی، بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرہ زرد پڑ چکا تھا، اس کے ایک ہاتھ میں ایک ریشمی رومال تھا اور دوسرا ہاتھ پھیلا ہوا تھا، اس ہاتھ کی انگلی میں ایک قیمتی ہیرے کی انگوٹھی تھی۔ میں نے لوگوں کو مرتے ہوئے دیکھا تھا لیکن مجھ پر جو اثر اس ناگہانی اور جوانا مرگ نے کیا اس سے پیشتر کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں اس نظارے کی تاب نہ لا سکا، میں نے گھبرا کر اپنی آنکھیں دوسری طرف پھیر لیں، لیکن اب ہجوم سے باہر نکلنا دشوار تھا۔

میں حیران تھا کہ آخر اب تک پولیس کیا کر رہی ہے اسے اٹھوا کر ہسپتال میں کیوں نہیں لے جاتے۔ میں انھیں خیالات میں محو تھا کہ پیچھے سے کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا میں نے گھبرا کر پیچھے دیکھا، میں حیران رہ گیا، میرے ساتھ ایک نوجوان نازنین بنفشی ساڑھی میں ملبوس کھڑی تھی، اس وقت تمازت سے اس کا چہرہ سرخ ہو کر چمک رہا تھا سیاہ چمکدار زلفوں کے سروں پر پسینہ کی بوندیں جن میں چہرے کی سرخی کا انعکاس ہو رہا تھا یاقوت کے چھوٹے چھوٹے ریزوں کی طرح چمک رہی تھیں، اس کی بڑی بڑی آنکھیں گو اس نظارے سے متاثر معلوم ہوتی تھیں لیکن پھر بھی اس کا جادو موجود تھا، اس کے کان گو سیاہ زلفوں میں پوشیدہ تھے لیکن فیشن کے مطابق لمبے لمبے آویزے کی چمک کا عکس صراحی دار نازک گردن پر پڑ رہی تھی۔ وہ گھبرائی ہوئی معلوم ہوتی تھی، میں نے اس کے متناسب و دراز قد میں ایک خفیف سی لرزش محسوس کی، میں کچھ دیر اس کی طرف متحیرانہ دیکھتا رہا ان چند لمحوں میں پولیس بھی آگئی اور لوگوں کو دھکے دے کر ہٹانے لگی مجھے بھی اپنی مجبوری کا احساس ہوا، ایک پولیس مین نے ٹھوکر کر اُس نازنین کی طرف دیکھا، وہ گھبرا گئی، اس نے نہایت تندی سے مجھ سے کہا، مجھے ان سے بچائیے" میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا، اس کے ہاتھ میں ایک رومال تھا، اس کی نازک انگلیاں میری انگلیوں میں مضبوطی سے بندھ گئیں، میں نے بڑی مشکل سے اُسے ہجوم سے نکالا۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے ہم ایک دوسرے کو مدتوں سے جانتے ہیں۔ ہجوم سے نکل کر میں اُسے ایک دکان کے سایہ میں لے گیا۔

گو ہم ایک دوسرے سے بالکل ناآشنا اور ناواقف تھے لیکن وہ مجھ سے اس طرح آزادانہ باتیں کر رہی تھی جیسے کسی عزیز دوست سے کی جاتی ہیں۔ اس نے آنکھیں نیم غشی کی حالت میں کہا کیا دردناک واقعہ ہے!"

میں خاموش رہا مجھ پر خود فراموشی کی حالت طاری تھی میں کچھ سمجھ نہیں سکا۔ میں سوچتا کہ آخر اس مرنے والے جوان کا اس نازنین سے کیا تعلق تھا، اس قدر سخت گرمی میں جبکہ چیل اپنے گھونسلے سے نکلنے کی ہمت نہیں کر سکتی یہ کیوں اپنے گھر سے نکلی؟ لیکن کچھ میری سمجھ میں نہ آیا میں نے ایک تانگہ والے کو بلایا اور اسے ایک روپیہ دیتے ہوئے کہا۔ انھیں پہنچا دو!"

تانگہ والے نے میری طرف ایک عجیب انداز سے دیکھا وہ تانگہ میں بیٹھ چکی تھی۔ اس نے حسرت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور غائب ہو گئی۔

وہ جا چکی تھی، میں نے ہجوم کی طرف دیکھا وہاں بھی کوئی نہ تھا لیکن ... لیکن اس نازنین کا رومال میرے ہاتھ میں ہی رہ گیا۔ میں سوچنے لگا کہ کیا یہ رومال بھول سے رہ گیا ہے یا وہ جان کر چھوڑ گئی ہے۔ لیکن میں کچھ فیصلہ نہ کر سکا۔

۳

رومال کی موجودگی نے مجھے بے قرار کر دیا۔ اسے دیکھتے ہی مجھ پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی اور میں اُسے بہت دیر تک دیکھتا رہتا۔ میں نے رومال کو پورا کھول کر دیکھا۔ اس کے ایک گوشہ پر ایک خوبصورت گلاب کا پھول کاڑھا ہوا تھا اور اس پھول کے عین درمیان میں "گلاب" لفظ بھی تھا۔

(باقی صفحہ ۴۴ پر)

روزی کمانے کے آسان وسائل

عرق کافور بنانا

ریکٹی فائڈ سپرٹ (الکحل) چمک نمبر ۹ ڈیڑھ پونڈ۔ کافور ۵۔ اونس۔ پیپرمنٹ آئل ۴۔ اونس۔ پہلے کافور کے ٹکڑے کرکے اسپرٹ کی بوتل میں ڈال کر خوب مضبوط ڈاٹ لگا کر دھوپ میں رکھ دو اور بار بار ہلاؤ جب کافور اچھی طرح مل جائے تب پیپرمنٹ کا تیل بھی ملا دو۔ سب سے بڑھیا عرق کافور تیار ہو گیا۔

بازاری عرق کافور میں پیپرمنٹ آئل نہیں ہوتا، اس لئے فائدہ بھی کم کرتا ہے۔ یہ عرق ہیضہ، دست، قے وغیرہ کے لئے بہت اچھی دوا ہے۔

بال امرت بنانا

ہائپو فاسفیٹ آف سوڈا ایک ڈرام۔ ہائپو فاسفیٹ آف لائم ایک ڈرام۔ دانہ دار چینی کا گاڑھا شربت ڈیڑھ پونڈ۔ باڑنگ کا عرق ½ اونس۔ رنگ شربت حسب پسند اور حسب ضرورت، سب چیزوں کو ملا کر بوتلوں میں بھر لو۔

مرہم

ولایت سے آکر ہزاروں روپوں کی یہاں بکتی ہے۔ آپ گھر پر تیار کر لیں نسخہ یہ ہے:۔

سفید موم ایک اونس، ویسلین ایک اونس۔ برگنڈی ریزن ½ اونس۔ زیتون کا تیل نصف اونس۔ تارپین کا تیل نصف اونس۔ یوکلپٹس آئل ½ اونس۔ بورک ایسڈ ½ اونس، کاربالک ایسڈ ½ اونس۔ ملیڈ ہر ½ اونس سب کو ملا کر ایک برتن میں نرم آنچ پر پکنے کے لئے رکھ دو اور دس منٹ تک آہستہ آہستہ لکڑی سے چلاتے رہو، پھر برتن کو اتار کر ایک دم ٹھنڈے پانی میں رکھ دو۔ مرہم جم جائے گا، پھوڑے پھنسی، زخم، ٹھوکر، درد، خارش کے لئے اکسیر ہے، جلن دار کھجلی، اگزیما، اور بواسیر میں لگانے سے یہ حیرت انگیز فائدہ کرتی ہے۔

نمک سلیمانی

نمک سانبھر، نمک سیاہ، نمک لاہوری، مرچ سیاہ، سونٹھ، سونف، اجوائن دیسی، زیرہ سفید۔ تمام چیزوں کو ہموزن لے کر کوٹ کر کپڑے سے چھان لیں پھر اس تمام دوائی کا چالیسواں حصہ جوہر پودینہ یعنی پیپرمنٹ (اسنس) ملادیں اور شیشیوں میں بھر لیں۔

بس نہایت عمدہ نمک سلیمانی تیار ہو گیا، دو تین ماشہ کھانے سے ہر قسم کا پیٹ کا درد، بدہضمی، قبض، کے لئے مفید ہے اور دستوں کی حالت میں گرم پانی یا عرق سونف سے کھلائیں، کھانا کھانے کے بعد اس کی ایک چٹکی کھا لینے سے کھانا بہت جلدی ہضم ہو جاتا ہے۔

کلنج یعنی شیشہ پر لکھنا

کلنج یعنی شیشہ پر لکھنے کے لئے ہائیڈروفلورک ایسڈ استعمال کرنا چاہیئے جس کلنج کے اوپر لکھا جائے پہلے اس کو گرم کرکے موم کی پتلی تہہ یا "پیرافین" کا چھڑ دینا چاہیئے۔ ٹھنڈا اور کڑا ہو جانے پر کسی مضبوط تیز چاقو یا اوزار سے موم کاٹ کر جو کچھ لکھنا ہو لکھ ڈالیں اور اس پر ہائیڈروکلورک ایسڈ ڈال دیں۔ چار پانچ منٹ بعد موم کو کاٹ کر نکال دینے سے کلنج پر لکھا ہوا صاف دکھائی دینے لگتا ہے۔

سودیشی چائے

اس چائے کو بچہ، بوڑھا، جوان سب پی سکتے ہیں اس کے پینے سے تھکاوٹ دستی دور ہو کر طبیعت بشاش ہوتی ہے، کام کرنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے، زکام، کھانسی وغیرہ کی شکایات دور ہوتی ہیں، بھوک خوب لگتی ہے ولایتی چائے دل اور دماغ کو بہت نقصان پہنچاتی ہے۔ اس لئے ہم یہاں دیسی چائے کا نسخہ لکھتے ہیں:۔

تلسی کے پتے دو تولہ۔ برہمی بوٹی دو تولہ۔ چھوٹی الائچی کے بیج دو تولہ۔ جائفل آدھا تولہ۔ جاوتری آدھا تولہ۔ خشخاش آدھا تولہ۔ سونٹھ آدھا تولہ۔ کیسر تین ماشہ دال چینی ایک تولہ۔ سونف دو تولہ۔ بچ ایک تولہ۔ کنکول ایک تولہ۔ سب چیزوں کو کوٹ کر رکھ لیں۔ ایک سیر ابلتے ہوئے پانی میں چائے کی طرح ڈال کر یا ایک دو ابالے دے کر چھان لیں اور دودھ کھانڈ وغیرہ ملا کر پئیں ایک سیر ابلتے ہوئے پانی میں ایک تولہ دیسی چائے کافی ہوگی۔

مچھّر بھگا تیل

یورپ سے ہزاروں روپیہ کا ہندوستان میں آکر فروخت ہوتا ہے اس کا درست اور آزمودہ نسخہ یہ ہے:۔

سائی ٹرونیلا، سنگترہ جیسی ایک نہایت تیز خوشبو ہے جس کو عام دوکاندار سنگترہ کی روح کہہ کر فروخت کرتے ہیں۔ حالانکہ سنگترہ سے اس کا کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ یہ تیل دراصل ایک خاص قسم کی گھاس سے کشید کیا جاتا ہے۔ یہ گھاس ملک برہما میں عام ملتی ہے اور وہاں اس کا تیل نکال کر تجارت کی جاتی ہے جزیرہ لنکا میں بھی یہ گھاس کثرت سے پیدا ہوتی ہے وہاں اس کا تیل نکالنے کا بڑا کارخانہ ہے۔ ایک روپیہ دو آنہ پونڈ کے حساب سے وہ فروخت کرتے

کرشن نمبر کے متعلّق ضروری اطلاع

کرشن نمبر کے متعلق کچھ حالات پیشتر بیان کئے جا چکے ہیں۔ آپکو یہ معلوم کرکے خوشی ہوگی کہ امسال کرشن نمبر کیلئے تمام رنگین تصاویر خاص طور پر بنوائی گئی ہیں اور ہم یقین کیساتھ کہہ سکتے ہیں۔ ایسی تصاویر اس سے پہلے پبلک کے سامنے نہیں آئیں۔ اس کے علاوہ تصویروں کی تعداد میں اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔ فوٹو کی تصویریں بھی نہایت دلکش اور نئی وضع کی ہونگی۔ غرضیکہ امسال کا کرشن نمبر اپنی خوبیوں کے لحاظ سے پچھلے تمام کرشن نمبروں سے بڑھ چڑھ کر ہوگا۔ اس کا ٹائیٹل خاص طور پہ سہ رنگا بنوایا گیا ہے جو نہایت دلکش ہے اور دیکھنے ہی سے تعلّق رکھتا ہے۔

قیمت وہی چھ آنہ ہوگی

پچھلے سال ہم نے کرشن نمبر کی قیمت میں اضافہ کرنیکا اعلان کر دیا تھا۔ اور کاغذ کی بڑھتی ہوئی قیمت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے مناسب بھی یہی تھا کہ قیمت بڑھا دیجائے لیکن اس قدر خوبیوں کے باوجود ناظرین کی سہولیت اور آسانی کو مدّ نظر رکھتے ہوئے قیمت میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ یعنی امسال بھی قیمت فی کاپی چھ آنے ہی ہوگی اگر آپ نے ابھی تک اپنا آرڈر نہیں بھیجا ہے تو فوراً بھیج دیں۔ ورنہ بعد میں آرڈر کی تعمیل کرنا ہمارے لئے مشکل ہو جائے گا۔

ضروری ہدایات برائے ایجنٹس

(۱) آرڈر کے ہمراہ کل روپیہ پیشگی آنا چاہیئے۔ (۲) اپنا پتہ مکمّل اور صاف اور ریلوے اسٹیشن کا نام جہاں پرچہ منگانا ہے۔ خاص طور پر تحریر کریں ورنہ دفتر ذمہ دار نہ ہوگا (۳) ڈاک کے ذریعہ پرچہ منگانے کیلئے ایک آنہ فی پرچہ بطور ڈاک خرچ زیادہ بھیجیں (۴) کرشن نمبر کی قیمت ۶ آنہ فی کاپی ہے۔ ایجنٹ کو ۲۵ فیصدی کمیشن دیا جائے گا۔ مگر بقایا پرچے کسی صورت میں بھی واپس نہیں لئے جاوینگے۔ (۵) کرشن نمبر بذریعہ وی۔ پی نہیں بھیجا جاویگا۔ (۶) جن ایجنٹس کی طرف پچھلے حساب کا روپیہ باقی ہے۔ انکو چاہیئے۔ کہ ۱۵ اگست تک روپیہ بھیجکر حساب صاف کر دیں۔ بصورت عدم ادائیگی انکو کرشن نمبر نہیں بھیجا جائیگا۔

مشتہرین کو ضروری اطلاع

کرشن نمبر میں اشتہاروں کے لئے جسقدر صفحے وقف کئے گئے تھے، وہ تقریباً مکمّل ہو چکے ہیں صرف چند صفحے باقی رہ گئے ہیں۔ اگر آپنے اپنا اشتہار ابھی تک نہیں بھیجا ہے۔ تو فوراً بھیجیں۔ ورنہ پھر کسی قیمت پر بھی اشتہار کرشن نمبر میں نہیں جا سکیگا۔ اور آپکو تجارتی ترقی کے اس نادر موقع سے محروم رہنا پڑیگا۔

مینیجر "تیج" دہلی

کیا ہم پانچسو برس تک زندہ رہ سکتے ہیں؟

(صفحہ نمبر (۶) سے آگے)

اور اس کے جسم میں قوت و طاقت کیونکر پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ قدرت کے اس راز پر ابھی پردہ نہیں اٹھا ہے تاہم کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ ہمارے وثوق کو بڑھاتا ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ زیادہ عرصہ تک زندہ رہنے اور موت پر فتح پانے کا خواب جلد ہی شرمندۂ تعبیر ہو جائے گا۔

جدید سائنس نے بتلا دیا ہے کہ مردوں کی جنسی طاقت اور عورتوں کی تندرستی و خوبصورتی صرف چند ایک غدود کے عمل پر منحصر ہے جو جسم کے اندرونی حصوں میں رطوبت خارج کرتے رہتے ہیں۔ عورت کے اعضا کے عمل پر غور کیجئے تو حیرت انگیز باتیں معلوم ہوں گی اگر کسی پریشانی سے رحم کی حالت خراب ہو جائے یا نکال دیا جائے تو عورت بانجھ ہو جائے گی اور جنسی احساس باقی نہیں رہے گا۔ اگر اس طرح کا کوئی آپریشن بچپن کے زمانے میں ہو تو جوانی کے آثار نمایاں نہیں ہوں گے اور جسم کو بیتی اور فروغ نہ حاصل ہونے کی وجہ سے عورت ہمیشہ پوری جسامت اور مکمل تندرستی و توانائی کی منزل تک نہیں پہنچ سکے گی اور اس میں زنانہ اطوار بھی پیدا نہ ہوں گے۔

بیا مردوں کے جنسی و لطائف و جنسی طاقت کے غدود کا راز معلوم کیجئے۔ جدید سائنس کا قدیم مسئلہ ہیں یہی بتلاتا ہے کہ مردوں کی ہمت، طاقت، جنسی تندرستی پر منحصر ہے اگر یہ غدود بیکار کر دئے جائیں تو مرد کسی حالت میں مرد باقی نہیں رہتا۔

ہیجڑوں کو دیکھئے کہ کس طرح ان کی تمام مردانہ عادات و خصلت ضائع ہو جاتی ہے اور ان میں زنانہ عادات و اطوار پیدا ہو جاتے ہیں۔

بڑھاپے میں ساٹھ برس کی عمر کے بعد جسمانی غدود میں رطوبت کم ہو جاتی ہے اس لئے وہ خشک ہونے لگتے ہیں اور کافی رطوبت خارج نہیں کر سکتے یہی سبب ہے کہ بوڑھے آدمی میں جنسی احساس کم ہو جاتا ہے۔ انسان کے جسم میں دو چھوٹے چھوٹے غدود ہیں جو جنسی غدود پر حکمرانی کرتے ہیں ان میں سے ایک گلٹی دماغ میں ہوتی ہے جسے پچوٹری گلینڈ (PITUITARY GLAND) کہتے ہیں اور دوسری گلٹی پیٹ کے حصہ میں گردے کے اندر ہوتی ہے جسے ایڈرینل گلینڈ (ADRENAL GLAND) کہتے ہیں تمام جسمانی غدود کے کام الگ الگ ہیں جب سن بلوغ آتا ہے تو پچوٹری غدود میں سے رفتار رطوبت خارج ہونی شروع ہوتی ہے اور یہ رطوبت خون میں شامل ہو کر انسان کو اس طرح طاقت و توانائی بخشتی ہے جیسے کسی جادو کے ذریعہ ایک انقلاب پیدا کر دیا ہو آپ دیکھتے ہوں گے کہ کا یک لڑکا بڑے زور سے [illegible] اور [illegible] ہو رہے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے پچوٹری غدود کا عمل [illegible] اچھا اور تیز ہوتا ہے اگر شباب [illegible] رطوبت [illegible] ہو سکتی ہے

تو انسانی وزن اور جسم بہت طاقتور ہو جاتا ہے اور ہڈی اور گوشت میں بھی اتنا اضافہ ہو جاتا ہے کہ انسان جسامت میں دیو پیکر بن جاتا ہے۔

ایک دوسری گلٹی جسے تھائی رائڈ گلینڈ کہتے ہیں جسمانی نظام میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ یہ غدود گردن کے اگلے حصے میں واقع ہے۔ اگر بچپن میں اس کی رطوبت کم مقدار میں خارج ہونے لگے تو بچہ کی تربیت رک جاتی ہے اور اس میں جسمانی نقائص کے ساتھ حماقت کا مادہ بھی پیدا ہو جاتا ہے

جسم کی نگرانی

دنیا میں ہر ایک مشین جس کی اچھی طرح نگرانی اور دیکھ بھال کی جائے بہت دنوں تک کام کرتی ہے مشین کے پرزے میل کے [illegible] صاف رکھا جائے [illegible] تیل دیا جائے اور اس سے کام لینے کے بعد اس کو تھوڑے تھوڑے وقفہ کے لئے آرام دیا جائے زیادہ کام لینے سے مشین کی حیات کم ہو جاتی ہے اور قطعاً کام ہی نہ لیا جائے تو مشین زنگ آلود اور بیکار ہو جاتی ہے۔ انسان کے پیچیدہ جسمانی نظام کا حال بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ کام کی زیادتی، دماغی پریشانی، فکر و تردد، [illegible] تکلیف سے انسان کے قلب کو عصبی نظام کو اور دوسرے جسمانی حصوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے جسم کو تندرست رکھنے کے لئے کام، ورزش اور آرام ضروری ہے اور اس کام اور جد و جہد زندگی کے باعث جسم کے جو حصے [illegible] استعمال کے باعث کم ہوتی ہیں ان کی مرمت اور ان کی امداد کے لئے صحت بخش غذا بھی لازمی ہے غذا اور ہوا کے آکسیجن سے انسانی جسم کی مشینری کو وہ ایندھن ملتا ہے جس سے انسان کی آتش زندگی قائم رہتی ہے اور بجھنے نہیں پاتی۔

صاف، طاقت بخش اور متوازن غذائیں جن کی مختصر تفصیل ذیل میں درج ہے انسانی صحت کیلئے ضروری ہیں

(۱) پروٹین اور نمک کے کانی اجزا جو صرف شدہ مادوں کی کمی کو پورا کریں اور عضلات کو امداد پہنچائیں۔

(۲) کاربو ہائیڈریٹ اور چربی والی غذائیں جو کام کے لئے [illegible] اس طرح پیدا کریں جیسے مشین میں تیل دیا جاتا ہے

(۳) وٹامنز (حیاتین) جو زندگی کو برقرار رکھتی ہیں اور قوت حیات بخشتی ہیں۔

رطوبت خارج کرنے والے اندرونی غدود کو بھی نگرانی [illegible] رطوبت [illegible] رکھا جا سکتا ہے، وہ [illegible] دوران خون کا باعث ہے پچوٹری غدود کے پچھلے حصے کے اخراج رطوبت کے [illegible] اور ایڈرینل غدود کا اندرونی حصہ اس کا [illegible] ضروری ہے کہ ان دونوں غدود کو [illegible] کہا جائے۔

گوسائیں تلسی داس کی شاعری

(از جناب مہیش چندر شرما سکریٹری امپریل اسپورٹس کلب ...)

مہاتما تلسی داس کی شاعری ایک سحر ہے اعجاز ہے حقیقی معنوں میں آپ کی شاعری میں وہ بجلی کی زبردست لہر ہے جو مردہ دلوں میں ایک زندگی بخش حرکت پیدا کر دیتی ہے۔ آپ کے کلام کا اثر پڑھنے اور سننے والے دونوں پر یکساں ہوتا ہے۔

علامہ شوکت میرٹھی فرماتے ہیں کہ مہاتما تلسی داس اصلی معنوں میں رموز فطرت کا واقف کار ہے اس کا کلام تیرہ مضامین سے پُر ہے۔ نازک خیالی جگہ بہ جگہ کلام کو نازک اور بلند پایہ بناتی ہے۔ اس نے تشبیہات اور استعارات کا استعمال برمحل اور پاکیزہ طور پر کیا ہے۔ آپ کے کلام میں سلاست، بلاغت، اور فصاحت سونے پر سہاگہ کا کام کر رہی ہیں

کا مصداق واقعی آپ کے کلام پر صادق ہوتا ہے،
ایسے بلند پایہ شعرا دنیا سے صرف روشناس کرایا جا
(غالب) آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشہ کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
سے ہے عدا در آگ سے اپنے مسجود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں،،

غالب مرحوم کے مندرجہ بالا اشعار میں کمال درجہ نازک خیالی اور بلند معنی مضمر ہے جو کہ عام فہم انسان کے لئے خیال میں لانا ناممکن ہے۔ ایسی ہی بہت سی خوبیاں مہاتما تلسی داس جی کے کلام میں مضمر ہیں جو کہ دیکھنی ہیں۔ اس جگہ گوسوامی جی کے پاکیزہ کلام سے وہ نظارہ جہاں راجہ رام چندر جی کو دوران سحر نوردی میں موسم برشگال (برسات) شروع ہوتا ہے۔ ناظرین کی تیج دیکھنے کے سامنے پیش کرتے ہیں

(۱) دامنی دمک رہت گھن ماہیں،
کھل کی پریت یتھا تھر ناہیں

بجلی بادلوں میں چمک کر اس طرح چھپ جاتی ہے، یعنی اس کو ایسے قیام نہیں ہے جس طرح بدمعاش اور کم ظرف لوگوں کی محبت کو قرار اور قیام نہیں ہے۔ سبحان اللہ بجلی کا بار بار چمکنا اور غائب ہو جانا نالائق انسانوں کی محبت سے کس قدر مشابہ ہے۔ کہ ابھی قائم ہوتے دیر نہیں گذرتی کہ فوراً ٹوٹ جاتی ہے۔

(۲) برسہیں جلد بھومی نیر اسئے،
یتھا نویں بدھ ودیا پائے

بادل زمین کے نزدیک آ کر اس طرح برستے ہیں جیسے فاضل پنڈت تعلیم پا کر جھک جاتے ہیں اور دنیا کو فیض پہنچانے میں مصروف کا شعر ہے،

لیتے ہیں ثمر شاخ ثمر ور کو جھکا کر،
جھکتے ہیں سخی وقت کرم اور زیادہ

دونوں معجزہ بیان شعرا کے دونوں اشعار کو نظر عمیق اور انصاف پسندیدہ نظر سے دیکھئے کہ نیچر کا انسانی عادات و اطوار سے کس خوبی اور عمدہ پیرائے میں مقابلہ کیا ہے

(۳) بوند اگھات سہیں گری کیسے
کھل کے بچن سنت سہہ جیسے

بوندوں کے زور و شور سے پہاڑ بھی تکلیف سے مضطرب ہو کر اس طرح برداشت کرتے ہیں جس طرح نالائق اور بد اوصاف لوگوں کی باتوں کو نیک دل، پرہیزگار، اور فرشتہ سیرت انسان برداشت کر لیتے ہیں

(۴) کشودر ندی چلی اترائی
جس تھورے دھن کھل بورائی

برسات میں عموماً ایسے بہت سے ندی نالے چڑھ جاتے ہیں جن میں قرب و جوار کا تھوڑا بہت پانی جمع ہو کر بہہ نکلتا ہے اور سال کے باقیماندہ مہینوں میں خشک رہتے ہیں۔ مگر برسات کے مہینے میں [illegible] دریاؤں کو شکست دیتے ہیں۔ گوسوامی جی فرماتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی ندیاں تھوڑے سے پانی پر اس طرح مغرور ہو کر رفتار ہو جاتی ہیں، جیسے کمینہ اور نیچے درجے کے آدمی تھوڑا سا دھن اور دولت مل جانے پر تکبر اور مغرور ہو جاتے ہیں۔ کیا خوب! پانی کا زور و شور سے لہریں مار کر بہنا غرور و تکبر سے عین مشابہ ہے۔

(۵) بھومی پرت بھا ڈھابر پانی
جمہیں جیو ہیں مایا لپٹانی،

پانی زمین پر پڑتے ہی اس طرح میلا ہو جاتا ہے جس طرح روح مادے کی دلفریبیوں میں گرفتار ہو کر دور از خدا اور ناپاک ہو جاتی ہے اس شعر میں نادر تشبیہ ہے اور یک بخت انگلینڈ کے مشہور نیچرل شاعر ورڈس ورتھ (WORDS WORTH) کی یاد آ جاتی ہے وہ بھی فرماتے ہیں کہ بچہ جوں جوں بڑھتا ہے، دنیاوی عیش و عشرت میں گمراہ ہوتا جاتا ہے اور خدا کو اپنی رفتار سے بھولتا جاتا ہے اور بہشت کو جسکو وہ اپنا گھر سمجھا کرتا تھا جبکہ زمین پر پڑا سکو ناقابل جانا ہے اسی فانی دنیا کو اپنا گھر تصور کرنے لگتا ہے اسی طرح جیو مایا میں لپٹ کر حقیقت کو کھو بیٹھتا ہے۔

(۶) سمٹ سمٹ جل بھریں تلاوا جیمیں سد گن سجن پہ آوا۔

تالاب میں بارش کا پانی سمٹ سمٹ کر ایسے جمع ہو جاتا ہے جیسے نیک عادات و اوصاف نیک طبع انسانوں میں جمع ہو جاتے ہیں تالاب سے ہزاروں جاندار پانی پیتے ہیں اسی لئے سوامی جی اسے نیک سیرت انسانوں سے مشابہ کرتے ہیں اسی طرح ان میں سادگی اور بلند معنی گستردہ پائی جاتی ہے۔

(۷) سرتا جل جل ندی میں جائی۔ ہو یہ اچل جیسے جیمیں ہر پائی
ندیوں کا پانی سمندر میں جا کر اس طرح ساکن ہو جاتا ہے جس طرح روح قلب الہی سے تسکین حاصل کرتی ہے مرحبا کیا پاکیزہ خیال ہے ندی پانی کو سمندر ہی میں سکون حاصل ہوتا ہے یہی عالم روح کا ہے روح کو بغیر خدا اور سمندر کے سکون میسر نہیں

اس مضمون میں خادم نے صرف گوسوامی جی کے خیالات مختصر ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے ان کی شاعری کے تمام محاسن پیش نظر نہیں ڈالی جو ہندی سے واقف کار ہیں اور خاص شاعری سے لگاؤ رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں

دُکھی بہنوں سے ایک اپیل

(از شریمتی لاڈورانی زتشی، الہ آباد)

آج کل ہندوستان میں جو عورت ذات کا سوال پیدا ہوا ہے کہ ہندوستان کی عورتیں کس طرح کمزوری سے ... دور کی جاویں۔ یہ ٹھیک ہے مہاسبھائیں اور ... کانفرنس کر کے ان کو دور کر رہی ہیں۔ کانگریس تمام ملک کی حالت سدھارنے میں لگی ہے۔ ہندوستان کی عورتیں بھی آزادی کے واسطے ... جان توڑ کر کوشش کر رہی ہے

جب سے مہاتما گاندھی نے گاؤں سدھار کا بیڑا اٹھایا ہے۔ گورنمنٹ نے بھی جھٹ یہی سوال اٹھا دیا۔ اور اپنا محکمہ ... کھول دیا۔ اس کے افسر گاؤں گاؤں ... سب کو بتاتے ہیں۔ کہ سرکار سے زیادہ کوئی ہمدرد نہیں ہے لوگوں کے طریقہ کار سے چاہے کسی کو اختلاف ہو لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ لوگوں کے دلوں میں ہر وقت یہ خیال رہتی ہے کہ کچھ نہ کچھ کام ہونا چاہیے۔ ... ملک بھی ترقی یافتہ ملکوں جیسا ہو۔ اور یہ کلنک کا ٹیکہ ہندوستان کے ماتھے سے دور ہو۔

اس سلسلہ ترقی پر عورتوں کا قدم بھی آگے بڑھ گیا ہے۔ اور وہ اپنی حالت سے آگاہ ہو رہی ہیں۔ تعلیم کا چرچا بھی ہو چلا ہے۔ پرانے بندھن بھی ٹوٹ رہے ہیں۔ ان کی مہاسبھائیں بھی بنی ہیں جو برائے نام ہی ہیں لیکن کچھ کام کرنے کی کوشش کر رہی ہیں ابھی ترقی سے عورتیں کوسوں دور ہیں۔ لیکن دل میں خیال ضرور پیدا ہو چلا ہے اور امید ہے ... شاید کسی وقت اپنی کوشش سے اپنے آپ کو بہ... نہ سکیں گی پھر بھی عورتوں کے طبقہ کا بڑا حصہ ابھی اندھیرے میں ہے اور بڑی تکلیفوں میں ہے۔ بڑے بڑے ظلم اس پر ابھی تک ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بہت سی قانونی باتوں کے لئے گورنمنٹ ذمہ دار ہے۔ لیکن عورتوں پر گھروں میں جو سختیاں اور ظلم ہوتے ہیں، ان میں گورنمنٹ کا کچھ ہاتھ نہیں، اس کا بننا بگڑنا سوسائٹی اور اس کے طریقہ پر منحصر ہے۔ عورتوں کے دکھ کی کہانیاں تو بہت ہیں، ان پر الگ الگ بحث کرنا کسی الگ وقت کا کام ہے۔ میرا مطلب اس وقت ان غریب عورتوں کی حالت پر روشنی ڈالنا ہے۔ جن کو سوسائٹی ذرا سے قصور پر نکال دیتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص اگر کسی لڑکی کو بہکا کر لے جائے یا خود ہی دھوکے میں آ کر وہ لڑکی گھر چھوڑ دے یا کوئی اور غلطی ہو جائے تو سوسائٹی اس کی دشمن ہو جاتی ہے مردوں سے تو کبھی پرسش نہیں ہوتی سزا سوسائٹی ان کو نہیں دیتی، لیکن ہزاروں لاکھوں لڑکیاں بن بیاہی یا بیوہ عورتیں اس مصیبت کا شکار ہوتی رہتی ہیں، پھر کسی حالت میں سوسائٹی کے ڈر سے ان کے ماں باپ یا ان کے رشتہ دار ان کو واپس لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے ایشور ان کے گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔ لیکن دھرم کے ٹھیکیدار اور سوسائٹی والے کبھی معاف نہیں کرتے۔ چاہے ان کو دوسرے دھرم والے لے جائیں ان کی حالت کتنی ہی خراب ہو جائے لیکن سوسائٹی کے ڈر سے ان کے گھر والے ان کو سڑے انگ کی طرح کاٹ کر پھینک دیتے ہیں اور مذہب کے نام پر کتنی بے کس اور غریب عورتوں کا بلیدان آئے دن ہوا کرتا ہے۔

تیرتھ برت کے مقامات اور دیوی دیوتاؤں کے مندر ان سے بھرے رہتے ہیں۔ ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی ہے۔ سننے سے کلیجہ کانپنے لگتا ہے اور یہ خیال آتا ہے کہ کس طرح سے اپنی سوسائٹی ایک ضروری حصہ کو مصیبت میں دھکیل کر آرام سے رہ سکتی ہے، اکثر اخبارات میں بہت سے واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں پھر بھی بہت سے حالات ایسے ہیں جو اخبار والوں تک پہنچتے بھی نہیں اور اگر پہنچتے بھی ہیں تو لکھنے والے شاید لکھتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

میں اپنے سوشل ریفارمر بھائیوں سے پوچھتی ہوں کہ ایسی ابلاؤں کے لئے انھوں نے کیا کیا؟ اپنی دانی بہنوں سے دریافت کرتی ہوں کہ ان کی مصیبت کو کم کرنے کے لئے انہوں نے کبھی سوچا؟ میں کہتی ہوں کہ ہندوستان کی نئی عمارت کی بنیاد اپنی بہنوں کے خون سے مت ڈالو وہ کبھی قائم نہ رہی گی، اُن کی آہوں کا اثر آسمان کو بھی ہلا دے گا۔ ان کو دکھ میں دیکھ کر خود بھی آرام کی نیند سونا نہ ملیگا، اپنی ہزاروں بہنیں جو رات دن ہمارے بڑے بڑے تیرتھ جاتراؤں کی جگہ پر پڑی رہکر مصیبت کی زندگی گذارتی ہیں۔ سوسائٹی اور دیش کے نام کو کلنکت کرتی ہیں، اُن کو بچاؤ۔ یہ کلنک ان کا نہیں ہے بلکہ دھرم کے ان ٹھیکیداروں کا ہے جو اپنے قانون کو برہما کے قانون سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں گو ہندوستان آج کل غریب ہو گیا ہے لیکن پھر بھی دان کے لئے جس وقت ہمارے بھائی ارادہ کر لیتے ہیں اس وقت وہ کوبیر کو پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔

ہردوار، رشی کیش اور دوسرے تیرتھ کی جگہوں میں ہزاروں روپیہ کا دان ہوتا ہے۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جو روپیہ دان کی نیت سے گھر لاتے ہیں وہ کسی نہ کسی طرح دان دے کر ہی گھر واپس جانا چاہیے۔ غلط اور صحیح دان کی طرف ان کا خیال نہیں جاتا، سینکڑوں لوگ ایسے ہی دان سے تیرتھ کی جگہوں میں بڑے بڑے امیر بن گئے ہیں

کیا میں اپنے دانی بھائیوں سے اپنی دکھی بہنوں کے دکھ نیوارن کے نام پر اپیل کر سکتی ہوں کہ وہ اس طرف توجہ دیں؟ میں جانتی ہوں کہ ان عورتوں کو جن کو گھر والوں نے نکال دیا ہے اور وہ گلی گلی کی ٹھوکریں کھا رہی ہیں ان میں سے کچھ عیسائی مشن لے جاتے ہیں۔ اور کچھ دوسرے مذہب میں جا کر پناہ لیتی ہیں، ان کے لئے آشرم کھولیں (RESCUE HOUSE) قائم کریں، وہاں ایسی مصیبت زدہ عورتوں کو رکھا جاوے، ان کو اس

(باقی اگلے صفحہ پر)

بلبل

ایک انگریزی شاہکار کا ترجمہ

(از صدیقہ بیگم صاحبہ سیوہارہ ضلع بجنور)

(۱)

"اے حسین پرند — تو جہاں سے آیا ہے — وہ جگہ کس قدر حسین — فرحت افزا — اور جاذب نظر ہوں گے۔ ہاں — جہاں تونے یہ جادو بیانی سیکھی ہے — سمرقند — وہاں کی وادیاں اور کہسار پھولوں سے لدے ہوں گے۔ بتا — اے خوبصورت پرند مجھے بھی بتا — کہ وہ جگہ کہاں ہے! وہ حسین روح افزا صحرا کہاں ہیں! میں جانا چاہتا ہوں۔ کہ میں بھی دلفریب صحرائی سیر کروں۔ جہاں حسین پھول اپنی رعنائیوں سے ہر دیکھنے والے کے دل پر مقناطیسی اثر پیدا کرتے ہیں جن کی ہر پنکھڑی حسن دلربائی کی ایک سچی تصویر ہے — یا کتاب حسن کے ایک ورق کا عکس کھینچتی ہے میں چاہتا ہوں کہ تیری طرح ان کے دلکش کہسار — حسین مناظر سرسبز و شاداب وادیوں سے لطف اندوز ہوں"۔

(۲)

نہیں — وہاں کے کہسار صنسان پڑے ہیں — ان میں کوئی بھی کشش نہیں — وہاں نہ سرسبز وادیاں ہیں — نہ خوبصورت جھیلیں نہ دلکش کہسار — وہاں نہ پھول کھلتے ہیں — نہ کلیاں مسکراتی ہیں اور نہ باد صرصر نازک — حسین پھولوں کی پنکھڑیوں کے بوسے لیکر محبت کے راگ چھیڑتی ہیں —۔

ہمارے سحر آفریں راگ — ہمارے دل کے ٹوٹے ہوئے ساز کے وہ پرسوز نغمے ہیں — جو فضا میں بلند ہو کر — ہر طرف غم — بد نصیبی اور ناامیدیوں کی گھٹائیں چھا دیتے ہیں — فضا میں ڈوبتے ہوئے درد انگیز نغمے — خرمن دل کو جلا دینے والے نالے — ہمارے پرسوز نغموں کی ترجمانی نہیں کر سکتے —۔ جب آفتاب دنیا کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے چادر فلک میں روپوش ہو جاتا ہے — ہر طرف تاریکی چھا جاتی ہے — اس وقت ہم اپنے درد بھرے نغموں سے ساری فضا کو مترنم کرتے ہیں — لیکن جونہی سحر — بہ دہ افق پر نمودار ہوتی ہے تو نونہالان چمن اپنا سرسبز جامہ زیب تن کرتے ہیں اور صدہا حسین پرند بہار کی آمد میں دلکش نغمہ الاپتے ہیں — ہم اس وقت بالکل خاموش ہو جاتے ہیں"

کسان کا گیت

راج کریں دھن دولت والے اپنے نگر میں راج،
میرے نے ہے سب سے اچھا اپنے گھر میں راج
اپنی کھیتی، اپنا کپڑا، اپنا ساگ اناج

۲

سب سے میٹھا کھانا وہ جو اپنے من کو بھائے
سب سے اچھا کپڑا وہ جو اپنا تن پر آئے
سب سے اچھی سندری وہ جو سندرہ آپ کمائے

۳

دکھ تیرا سنسار میں یہاں بات کسی سے سہنا
سب سے اچھا اپنا مالک آپ ہی بن کر رہنا
من کو جو بھایا سو کرنا جو آیا سو کہنا،

۴

نیند سے آنکھ کھلی جو سویرے، جاگا سانجھ سویرے
بلبل کی یہ میٹھی بولی، آئی کان میں میرے
ایسا سکھ نہیں راج دوارے، جیسا اپنے ڈیرے

۵

رات آکاش کی کھیتی میں، مالک نے بیج جو ڈالا
پھوٹا تاروں کی کھیتی سے سورج کرنوں والا
اٹھ کر میں بھی دیکھوں ذرا قدرت کا کھیل نرالا

۶

ہے معمول سویرے اٹھ کر اپنے کھیت پہ جانا
اپنے کام میں کھو جانا اور ہل چلاتے گانا
دیا رب کھیتی سب کی ہری ہو سب کے گھر میں دانا

جناب عطاء اللہ کلیم

(پچھلے صفحے سے)

قابل بنایا جاوے کہ وہ عزت سے اپنی روٹی کما سکیں، سوسائٹی کے لئے اور ملک کے لئے ایک کارآمد انسان بن جائیں۔

ہزاروں دودھ پیتے بچے جو آئے دن مر جاتے ہیں ان کے خون کا پاپ ہماری سوسائٹی پر ہے۔ اور ان پنڈتوں پر ہے جنھوں نے مردوں کے لئے ایک قانون بنایا ہے، اور استری جاتی کے لئے دوسرا۔ وہ کس منہ سے اپنی پیشانی کی ڈینگیں ہانکتے ہیں

جو بہنیں اپنی بہنوں کے درد دکھ کو نہیں سنتیں اور اس میں شریک نہیں ہوتیں، وہ چاہے روز صبح اشنان گنگا نہائیں یا روزانہ پوجا کریں لیکن ان کو اس کا کچھ بھی پھل نہیں مل سکتا ہے، اور ان کی آتما کو کبھی شانتی نہیں مل سکتی ہے صوبوں کے ذرا بھی اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ ہر بڑی بڑی تیرتھ کی جگہ پر آشرم قائم کریں اور کوشش کریں کہ ایسی دکھی عورتیں جن کو دنیا میں کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے۔ انکو اسی آشرم میں رکھا جاوے، ان کے پاس اس وقت طاقت بھی ہے اور روپیہ بھی ہے کیا وہ اپنے کام کے لئے کچھ روپیہ بھی نہیں خرچ کریں گے؟ بہنوں اور بھائیوں سے بھی میں اپیل کرتی ہوں کہ جن کو ایشور نے دیا ہے وہ اس کام کے لئے دھیان دیں اور اس کام کا بیڑا اٹھائیں مجھے امید ہے کہ یہ اپیل رائیگاں نہ جاوے گی اور تھوڑے دنوں میں مجھے اس خواہش کے پورے ہونے کے سامان نظر آئیں گے۔

سب سے زبردست خواہش

جنسی تعلق کی خواہش تمام جاندار چیزوں میں چاہے وہ کیڑے مکوڑے یا چرند پرند ہوں یا انسان سب سے زبردست ہوتی ہے۔ اس پر شرم کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ نسل انسانی کی بقاء کے لئے جو کہ ایک الٰہی انتظام ہے جنسی تعلق کی خواہش ایک قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ یہ خواہش صرف ایک معمولی فطری میلان ہے۔ جس کو سوسائٹی معاشرتی اور اخلاقی قوانین کے مطابق پورا کرنا ضروری ہے۔ فی الحقیقت زندگی سے اظہار محبت کا سب سے زیادہ یہی ایک عملی طریقہ ہے۔ کیونکہ جنسی خواہشوں کو صحیح طریقہ سے پورا کرنے میں بالعموم باہمی محبت۔ وابستگی اور یکجہتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ برعکس اس کے اس کی تکمیل میں کسی قسم کی خامی ہونے کی صورت میں ایک مضطربانہ اور بے چین خواہش باقی رہ جاتی ہے۔ جس کے نتائج بہت ناخوشگوار اور تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ مثلاً اجنبیت۔ غیر وفاداری۔ محبت کی کمی اور اس کے نفسیاتی نتائج جیسے کہ کمزوری اعصاب۔ ہسٹریا۔ بدمزاجی لڑائی جھگڑے کی طرف طبیعت کا میلان ہونا وغیرہ پیدا ہونے لگتے ہیں۔ یہ کمزوری فرائض زوجیت کو قطعی طور پر ادا نہ کرنے یا ناقص طریقے سے ادا کرنے کی حالت میں ظاہر ہوتی ہے۔ جو عام طور سے اعضائے اسفل کا بکثرت استعمال کرنے یا اس سے غفلت برتنے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ جسم کی مشین کا یہ سب سے نازک حصہ ہوتا ہے۔ ان کمزوریوں میں مبتلا ہونے والے اشخاص بالعموم اناڑیوں سے مشورہ لیتے ہیں۔ جو ان کو محرک ادویہ دیدیتے ہیں جو کہ قطعی طور پر مضرت رساں ہوتی ہیں عارضی طور پر ممکن ہے۔ کہ ان ادویہ سے کوئی تقویت یا تحریک پیدا ہو سکتی ہو۔ لیکن ان ادویہ کا ردعمل بالعموم بہت مضرت رساں ہوتا ہے۔ اور آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ کمزوری اور بڑھ جاتی ہے۔ اور اعضائے مذکور زیادہ کمزور ہو جاتے ہیں۔

اس قسم کی کمزوری کیلئے کوئی مقوی دوا رتی سے بڑھکر دنیا بھر میں نہیں مل سکتی۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس سے ذرہ برابر بھی نقصان نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ہر شخص کو فائدہ کرتی ہے۔ جن کی زندگی نے مشکلات کو دور رکھتی ہے۔ اس لئے ... کو دنیا بہتر بنا سکیے۔

بیماری سے بے پروائی

از محترمہ بیگم صاحبہ ڈاکٹر ایم۔ اے۔ انصاری مرحوم

اگر یہ صحیح ہے کہ بیمار مائیں قوم کو تندرست اور اچھے بچے پیش نہیں کر سکتیں اور اگر یہ بھی سچ ہے کہ قوم کی تندرستی ماؤں کی تندرستی پر منحصر ہے تو ہم آسانی سے اپنے مردوں کی تندرستی کا اندازہ کر سکتے ہیں جنھیں قوم کہا جاتا ہے، وہ قوم کی مائیں اور جسم کی دُکھیاری مائیں جس قسم کے بچے پیدا کر سکتی ہیں اس کا نمونہ ہمارے سامنے موجود ہے شہروں میں جو میونسپل کمیٹیوں کی طرف سے اکثر بچوں کی نمائشیں ہوتی رہتی ہیں جن میں اچھے بچوں کو انعامات بھی ملتے ہیں جو اوروں سے زیادہ تندرست ہوں لیکن آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہو گی کہ نمائش میں تندرستی کے انعامی مقابلہ کے لیے جو بچے آتے ہیں وہ اگرچہ اپنے پڑوس کے بچوں سے کچھ زیادہ تندرست ہوں لیکن اتنے درست نہیں ہوتے کہ ان پر فخر کیا جاسکے عام طور پر اسکولوں اور کالجوں میں طالبعلموں کا ڈاکٹری معائنہ ہوا کرتا ہے اور اس معائنہ کی جو رپورٹ تیار ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستر اور اسی فی صدی طالبعلموں کی آنکھیں خراب ہوتی۔ چالیس پچاس فیصدی نزلہ زکام اور گلے آجانے کی مصیبتوں میں مبتلا ہیں پچیس تیس فی صدی کا وزن ان کے قد کی مناسبت سے کم ہے بہت سوں کی تلیاں بڑھی ہوئی ہیں اور تقریباً نوے فیصدی کے اعصاب کمزور ہیں یہی بچے بڑے ہو کر جوان ہوتے ہیں اور وہ "ہماری قوم" کہلاتے ہیں لیکن میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا ایسی قوم کو "بیماروں کی قوم" اور ایسے ملک کو ایک بڑے ہسپتال کے سوا اور کچھ کہا جا سکتا ہے؟

لیکن یہ بیماروں کی قوم ایک اور بڑے مرض میں مبتلا ہے اور میرا خیال ہے کہ جب تک اس کا علاج نہ ہوگا اس وقت تک ہمارا ان چھوٹے چھوٹے روگوں سے چھٹکارا محال۔ مولینا حالی مرحوم نے لکھا ہے کہ حکیم بقراط سے کسی نے یہ پوچھا کہ آپ کے خیال میں کون کون سی بیماریاں مہلک ہیں تو اس نے یہ کہا کہ خدا نے ہر بیماری کا علاج پیدا کیا ہے مگر ایک بیماری ایسی ہے کہ جو سب سے زیادہ مہلک ہے اور جس کا کوئی علاج نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی بیماری کا احساس نہ ہو اور وہ بیماری کی طرف سے بے پروا ہو جائیں اور طبیب جو کچھ ہدایتیں کرے اسے مجذوب کی بڑ سمجھا کریں۔

مجھے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری قوم بھی شاید اسی مرض میں مبتلا ہے، ہم رات دن اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہمارے جوان جوان کڑیل بیٹے اور ہماری پھول سی نازک اور حسین بیٹیاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑتے ہیں لیکن ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی انہی بیمار بیٹوں اور بیٹیوں کے شادی بیاہ ہم بڑے شوق سے رچاتے ہیں، اور ان کی بجائے ان بچیوں کیلئے سونے چاندی کے زیورات گھڑواتے وقت ہمیں ایک مرتبہ بھی یہ خیال نہیں آتا کہ یہی روپیہ اگر بچی کی صحت درست کرنے پر صرف ہوتا تو بہتر تھا جیسی کے انتقال کے بعد ہم ان زیورات کو کبھی اس بد نصیب کو پہننے بھی نصیب نہ ہوئے تھے ایک ایک کر کے گنتے ہیں، اور سنبھال کر دوسری بچی کے لئے رکھ دیتے ہیں لیکن ایسا کرتے وقت ایک مرتبہ بھی اپنی غلطی پر ندامت یا پشیمانی نہیں ہوتی۔ لاکھوں ناشگفتہ پھول مرجھا مرجھا کر ہماری آنکھوں کے سامنے دنیا کو اپنی مہک سے محروم کرتے رہتے ہیں لیکن ہم میں کہ ایک ادائے بے پروائی کیساتھ اسی کو غنیمت خیال کر لیتے ہیں کہ اولاد کی عمر دس برس دو برس یا بارہ برس کی ہو گئی۔

اب وہ زمانہ گیا کہ جب بیماری اور دکھ کو ایک تقدیری معاملہ سمجھ لیا جاتا تھا اب انسان اتنا بھولا نہیں ہے کہ اپنے قصور قسمت کے سر تھوپ کر مطمئن ہو جائے۔ خوردبین اور اسی طرح تحقیقات کے دوسرے ذریعوں نے بیماریوں کے سبب در اصلیت کے متعلق بہت کچھ بتا دیا ہے، موت پر انسان کا قابو نہ ہو لیکن ایسی ناگہانی اور اتفاقی موتوں کو بہت سی حالتوں میں ٹالا جا سکتا ہے جو بیماریوں کی وجہ سے ظہور میں آتی ہیں۔

میں اپنی بہنوں سے جو کچھ کہنا چاہتی ہوں وہ یہی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تندرستی کو دنیا کی ہر چیز پر مقدم سمجھیں اور اپنی تمام کوشش اور اپنا تمام سدبیر اسی بات پر صرف کیا کریں کہ وہ خود تندرست بچے پیش کر سکیں قوم میں بیماروں اور اپاہجوں کی تعداد بڑھانا قوم کے ساتھ دشمنی ہے۔ [illegible] بہنوں میں ایسی بہنیں ہیں جو گھروں کی حالت دیکھتی ہیں جنھیں خدا نے سب کچھ دے رکھا ہے اور بہت سی بہنیں ایسی ہیں جنھیں زندگی کی آسانیاں میسر نہیں ہیں، ایسی ہزاروں بہنوں کو بھی جانتی ہوں جو خدا کے فضل سے ترقی یافتہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، اور ایسی ہزاروں بہنوں سے بھی واسطہ ہے کہ جو علم سے بالکل بے بہرہ ہیں، لیکن ان سب میں مجھے ایک چیز ایسی نظر آئی جو سب میں مشترک ہے یعنی خواہ وہ غریب ہوں یا امیر اور بے پڑھی ہوں یا پڑھی لکھی سب کی سب عام طور پر اپنی تندرستی کی طرف سے کافی بے پروا ہیں۔

ممکن ہے کہ میری بعض بہنوں کو میرا یہ خیال عجیب سا معلوم ہو لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کل ہماری قوم میں مشکل ہی سے کوئی ایسا خوش نصیب خاندان ملے گا جس میں کوئی نہ کوئی مریض کسی مہلک اور لاعلاج مرض کا موجود نہ ہو، شہر کے کتنے ہی گھروں کو چھوڑ کر باقی سب گھر ہیں بھی جوان بچیاں بھی ایسی کچھ لاغر کمزور اور مضمحل ہوتی ہیں نظر آتی ہیں کہ انھیں دیکھ کر خواہ مخواہ بھی ترس آجاتا ہے۔ کوئی شہر یا قصبہ لے لیجیے میں نے تو عام طور پر شریف گھروں میں لڑکیوں کے چہروں پر وہ رونق نہیں پائی جسے تندرستی کی رونق کہا جاتا ہے ہماری اکثر و بیشتر لڑکیاں سولہ سترہ برس کی عمر میں جو کہ صحت کی ترقی اور بدن کے نشو و نما کا زمانہ ہے طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور ان میں سے بعض بچیاں اس قدر بے زبان ہوتی ہیں کہ ماں سے اپنی تکلیف کا ذکر بھی نہیں کرتیں: اسی حالت میں ان کی شادی ہو جاتی ہے اور ان کی ایک بڑی تعداد ایسی ہوتی ہے کہ پہلا بچہ ان کے لئے موت کا فرشتہ ثابت ہوتا ہے۔ بعض دائم المرض بن جاتی ہیں اور ان کی باقی تمام عمر کچھ اسی طرح گزرتی ہے کہ بیگم صاحبہ کی ذرا دلی مجھ سے عادت ہے یا ڈاکٹر کی موٹر بیگم صاحبہ کے گھر پر کھڑی رہے جس باغ میں نو شگفتہ کلیاں اس طرح مرجھا جانے کی عادی ہوں اس میں کبھی بہار آنے کی کیا امید ہو سکتی ہے!

جواہر پارے

ایک بنیا کئی برس تک ادھر ادھر سفر کرنے کے بعد وطن واپس آیا۔ اس کے پانچوں بھائی اسٹیشن پر لینے آئے سب کے لمبی لمبی ڈاڑھیاں تھیں۔ لالہ جی نے پوچھا یہ اتنی بڑی بڑی ڈاڑھیاں کیوں رکھ چھوڑی ہیں پانچوں بھائی بولے مدآپ استراجو لے گئے تھے۔

استاد۔ جب پانی برف کی صورت میں بدل جاتا ہے تو اس میں کیا فرق ہو جاتا ہے؟
شاگرد (بیساختہ) اس کی قیمت میں فرق ہو جاتا ہے

استاد۔ ایک چیز دوسری چیز سے گھٹانے کے لیے جنس یکساں ہونی چاہیے مثلاً ہم چار کتابوں سے تین ... یا ۲۱ بلیوں میں سے چار ہاتھی نہیں نکال سکتے!
ذہین شاگرد۔ لیکن جناب پانچ بکریوں سے دو سیر دودھ نکال سکتے ہیں۔

ایک گنوار مسافر۔ بھائی ۱۲ بجے والی ٹرین یہاں سے کَے بجے چھوٹتی ہے
دوسرا مسافر۔ وہ یہاں سے غالباً دس بج کر ۵ منٹ پر ضرور چھوٹ جائے گی۔

استاد۔ (نقشے کی طرف اشارہ کر کے) اسٹریلیا دکھاؤ
بیوقوف لڑکا۔ (منہ آگے کر کے) لیجئے دیکھ لیجئے۔

اقوالِ زرّیں

ہم ادب کو محض تفریح اور تعیش کی چیز نہیں سمجھتے ہمارے کسوٹی پر وہ ادب کھرا اترے گا جس میں تفکر ہو، آزادی کا جذبہ ہو، حسن کا جوہر ہو، تعمیر کی روح ہو، زندگی کے حقائق کی روشنی ہو، جو ہم میں حرکت، ہنگامہ اور بے چینی پیدا کرے سلائے نہیں کیونکہ اور زیادہ سونا موت کی علامت ہو گی۔

(پریم چند)

استاد۔ (خفا ہو کر) اب ملا تو نقشے میں دکھلا
بیوقوف لڑکا (نقشے کے پیچھے کھڑا ہو کر) لیجئے مگر یہاں سے آپ مطلقاً نہیں دیکھ سکیں گے۔

استاد۔ (لڑکوں سے) بتاؤ سردی اچھی ہوتی ہے یا گرمی؟
ایک لڑکا۔ گرمی
استاد۔ کیوں
لڑکا۔ گرمیوں میں ہمیں رات کو پڑھنا نہیں پڑتا۔

باپ۔ مگر ابھی تمہاری عمر بہت کم ہے۔ تم صرف اکیس سال کے ہو بھلا میں کیسے اپنی لڑکی کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں، جب تم جانتے ہو کہ اس کی عمر ۲۰ سال کی ہے۔ ہاں ایک صورت ہے تم سات آٹھ سال تک رک جاؤ تب تمہاری شادی منظور کر لوں گا۔

جب مرد اپنی محبت میں ناکام ہوتے ہیں تو بعض وقت ان کا عقیدہ خدا کی طرف سے بھی زائل ہو جاتا ہے۔

کسی نے آج تک اتنی ہمت نہیں کی ہے کہ محبت کے افسانے کو مکمل طور پر بیان کر دے۔

(ایچ۔ جی۔ ویلز)

دُنیا کے تقریباً سب بزرگ حلیم الطبع تھے۔

(مارشل)

گانا رُوح کی غذا ہے۔ (ٹیگور)

نگاہ دلی جذبات کی دکھیں ہے،

دُنیا کا کام نکتہ چینیوں کے بغیر چل سکتا ہے، مگر کام کرنے والوں کے بغیر دنیا کا کام نہیں چل سکتا۔

(ہرمشلر)

نیند کیا ہے چند گھنٹوں کی موت۔ موت کیا ہے ہزار سال کی نیند۔ (فلیچر)

برائی کرتے وقت انسان کامل ... بار گزرتا ہے ...

ام ہو ہے جوان خود پیدا کرے، والدین کا رکھا ہوا نام فرضی ہوتا ہے۔ (افلاطون)

نشہ و جھوٹ کہ محبت سے دنیا کی تعمیر کرو۔

(حکیم گورکی)

آزادی سب سے بڑی نعمت ہے

ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ اطمینان قلب کے لیے موجود ہے

(حکیم گورکی)

بچہ کا خواب

(بہن ارملا نے لکھا)

میں شور و غل کی دنیا سے گھبرا کر یہاں خوابوں کی دنیا میں آگئیا ہوں اسے سپنا کہتے ہیں۔

کیا ہی اچھی جگہ ہے، سندر، خوبصورت، وچھی، دلچسپی اور دل بہلاؤ کی کیا کیا چیزیں نہیں ہیں یہاں، ایک ایک چیز دیکھنے اور سمجھنے کی ہے ۔

میں نے اپنے سارے فکر اور چنتا چھوڑ دئے ہیں، اور یہاں مزے سے پھرتی ہوں ۔

میں جو چاہوں کروں یہاں کوئی روکنے والا نہیں ہے سپنا نگری کیسی سندر ہے۔

میں یہاں کیسے کیسے حیرت انگیز کارنامے کرتی پھرتی ہوں کبھی پریوں سے ملاقات، کبھی ان کے محلوں اور باغوں میں جانا۔ ان کے ہتھیار دیکھنا، ان کے جنگلوں میں شیروں سے اور چیتوں سے لڑنا میرا کام ہے میں سمندروں میں تیرتی پھرتی ہوں ۔

کبھی میں امریکہ کی "سال ہندوستانی" بن جاتی ہوں اور ایک موٹا ڈنڈا اٹھائے پھرتی ہوں،

کبھی میں سمندر میں جہاز پر سیر کرتی پھرتی ہوں، اور کبھی میں ایک شہزادہ بن جاتی ہوں اور ایک نرغہ میں گھری ہوئی سندری کو بچانے کے لئے جاتی ہوں ۔

یہاں کیسی خوشی ہے کیسی عجیب جگہ ہے ۔

یہاں امی یا نرس یا استانی موجود نہیں ۔

میں جہاں جاکر لطف اٹھانا چاہوں کوئی قاعدہ مجھے روک نہیں سکتا میں اپنی سپنا نگری میں رات کے اندھیرے میں کیسی نڈر اور بے جھجک گھومتی پھرتی ہوں اور ہیرو (دویر) بن کر دنیا کو دیکھتی پھرتی ہوں میں اب بچہ نہیں ہوں بلکہ ایک "مرد ویر" کی طرح بہادر جانباز ہوں۔

جب امی یا گھر کی ماما اندھیرا کرکے مجھے سلاکر چلی جاتی ہیں تو میں اپنے تکیہ پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیتی ہوں ۔

اور ہوا میں تیرتی ہوئی پریوں کی دنیا میں ان کے محلوں اور قلعوں کی سیر کرتی پھرتی ہوں ۔

تمام پریاں مجھ سے ملاقات کرنے آتی ہیں۔

یہاں تک کہ نیند ختم ہو جاتی ہے اور صبح امی آکر کہتی ہیں "بیٹی اٹھو اب صبح ہو گئی"، میرے خیالی جانور، جنگل، چرند پرند، پریاں، جن اور ساری سندر سبھا چلی جاتی ہے، اور میں پھر اس دنیا میں "سبق" یاد کرنے کے لئے واپس آجاتی ہوں ۔



بال بجھا

اور وہ ان پر کھڑی ہے مگر ٹانگیں نہیں ہیں (پہاڑ)

(۲)

وہ کون سا تین حرفی لفظ ہے جسے آپ ہمیشہ غلط بولیں گے؟ (غلط) غ ل ط

(۳)

کیلے کے چھلکے سڑک پر پڑے ہوں تو انہیں دیکھ کر جی خراب ہوتا ہی اس سے زیادہ خرابی کب محسوس ہوتی ہے (جب پیر پھسل جائے اور پہلے دکھائی نہ دیں بلکہ گرنے کے بعد دکھائی دیں)

دمدار ستارے

(از ملک سلطان الارشد فاروقی)

(خاص تیج دہلی کے لئے)

بچو! تم جانتے ہو کہ دُم دار ستارہ کیا چیز ہے؟ میں نے کسی کتاب میں ایک مضمون اس کے متعلق پڑھا تھا آج تمہاری معلومات کے لئے اس کا ترجمہ لکھتا ہوں۔ دُمدار ستارا ایک بہت عجیب چیز ہے کوئی شخص اس کے متعلق صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا، خیال کرو کہ زمین اگر گرمی کی شدت سے ایک دہکتا ہوا انگارا بن جائے تو اس کے جل اٹھنے سے تمام زمین رانگ کی طرح پگھل جائے گی اس حالت میں زمین ایک دُمدار ستارہ بن جائے گی ۔

دُمدار ستارے اور نظام شمسی

دُمدار ستارے کی جسامت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ہیلی کے دُمدار ستارے کا قطر ۳۵۰۰۰ میل تھا۔ اور اس کی دُم کا طول ۹۶۱۰۰۰ میل تھا۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں جو دُمدار ستارہ نظر آیا تھا اس کی دُم ستر لاکھ میل لمبی تھی سنہ ۱۸۸۲ء میں جو ستارہ نظر آیا، اس کی دُم کا قطر ۴۰۰۰۰ میل تھا،

دُمدار ستاروں کی رفتار

ہیلی کے دُمدار ستارے کی رفتار ایک لاکھ میل فی گھنٹہ تھی۔ یہ زمین سے ساڑھے سات کروڑ میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور کچھ دن بعد اس کا فاصلہ سوا چار کروڑ میل رہ گیا۔ اس کے چار دن بعد اس کا فاصلہ پونے تین کروڑ میل تھا۔

دُمدار ستارے کے اثرات

اگر کوئی دُمدار ستارہ زمین کے قریب سے بھی گزر جائے تو زمین پر انقلاب عظیم پیدا ہو جائے اور اس میں آگ لگ جائے، زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے یا اپنے محور سے ٹل جائے یا اس کی کشش سے اس کے ساتھ کھنچ جائے، سنہ ۱۹۱۰ء میں جب ہیلی کا دُمدار ستارا نمودار ہوا تھا تو ایک سائنس داں نے یہ کہا تھا اگر اس کا رخ زمین کی طرف ہو گیا تو زمین فوراً جل کر خاک ہو جائے گی۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اپنے دوستوں سے ذرا پوچھنا

۱۔ کیا چیز ہے جس کے پیر ہیں۔

ملکہ اتفاق سے واقع ہوئی تھی کیا وہ اس کی زندگی لینا چاہتا ہے! اس نے جواب دیا کہ اس کی خاطر جمع ہو گئی اور وہ نقد کی صورت میں قصاص سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا۔ نورجہاں کو محل واپس بھیج دیا۔ جب جہانگیر دربار سے محل میں آیا تو ملکہ کو بہت غمگین اور رنجیدہ پایا۔

نورجہاں بیگم اتنی نازک بدن ہوئی تھی کہ ہتھکڑیوں کے نشان اس کے ہاتھ پر پڑ گئے اور بہت عرصہ تک قائم رہے۔ جہانگیر نے ان نشانات کو چھپانے کے لئے نورجہاں کے لئے ایک شہری زیور تیار کرایا جو جہانگیر کے نام پر جہانگیریاں کہلاتی ہیں۔

قانون سب کے لئے برابر ہے

(از جناب چمن بہاری لال ایم۔اے۔ دہلوی)

شہنشاہ جہانگیر اپنی ملکہ نورجہاں سے بے حد الفت و محبت کرتا تھا، اپنی سلطنت کا تمام نظام اس کے سپرد کر رکھا تھا یہاں تک کہ کسی بات کا فیصلہ بلا اس کے مشورہ کے نہ کرتا تھا۔ نورجہاں کو بھی اس بات کا احساس تھا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ نورجہاں اپنے محل کے باغ میں سیر کر رہی تھی کہ ایک اجنبی شخص ادھر آنکلا۔ اس کی نظر نورجہاں کے خوبصورت چہرے پر پڑی، نورجہاں نے اس شخص کو قہر آلود نگاہ سے دیکھا۔ اور ایک تیر سے اس پر چلانے کا حکم دیا۔ وہ شخص جو زبردستی اس باغ میں داخل ہو گیا تھا، اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ بلکہ نورجہاں کو گھورتا رہا۔ نورجہاں یہ خیال کر کے کہ زبانی حکم کارآمد ثابت نہ ہوگا۔ آگے بڑھی اور اس زور سے اس کے پیٹ پر ٹھوکر لگائی کہ وہ زمین پر بیہوش ہو کر گر پڑا اور چند لمحہ بعد اس عالم فانی سے رخصت ہو گیا۔

اس واقعہ کی خبر بجلی کی تیزی کی طرح پھیل گئی۔ مقتول کا والد جہانگیر کے دربار میں پہنچا اور انصاف طلب کیا۔ اس نے تمام واقعات جو کہ اس کے اکلوتے لڑکے کی موت کا باعث ہو چکے تھے۔ بیان کئے۔ بادشاہ نے فوراً شہر کے قاضی کو بلایا اور دریافت کیا کہ قانون کے مطابق اس جرم کی کیا سزا ہونی چاہئے۔ قاضی نے عرض کیا۔ قاتل کا سر تن سے جدا کر دینا چاہئے۔ بادشاہ نے قانون کا فیصلہ بہت غور و فکر کے ساتھ سنا۔ نورجہاں کے عشق کے باوجود اس نے اپنے ہوش و حواس کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور انصاف کو قائم رکھنے کے لئے شاہی مجرم کو بھی یہی سزا عطا کی، وہ جانتا تھا کہ اس قسم کی سزا صرف رعایا کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ وہ شاہی خاندان کے ممبروں پر بھی عائد ہو سکتی ہے۔

شاہی حکم جاری ہو جانے پر فوج کے سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ ملکہ کو ایک معمولی قیدی کی حیثیت سے دربار میں لایا جاوے۔ سپاہی تو حیرت میں تھے کہ یہ کیا غضب ہو رہا ہے مگر کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ وہ احکام شاہی بجا لانے کے لئے محل پہنچے۔ نورجہاں گھبرا گئی۔ اور اس کو محض مذاق تصور کر کے آنے سے انکار کر دیا۔ سپاہی پھر واپس آئے اور اس مرتبہ زبردستی گرفتاری کا حکم لیکر آئے۔ ملکہ نے اپنی رہائی کی کوئی صورت نہ دیکھتے ہوئے اپنے آپ کو سپاہیوں کے حوالے کر دیا۔ اسکو دربار میں ہتھکڑی پہنا کر لایا گیا۔ اور عام قیدیوں کی جگہ کھڑا کر دیا گیا۔ اس سے اس واقعہ کے تمام حالات دریافت کئے گئے جن کو کہ اس نے بالکل درست طور پر بیان کر دیا۔

نورجہاں بھی اپنے فعل پر بہت نادم تھی۔ لیکن اب کچھ نہ ہو سکتا تھا، کیونکہ سزا کا حکم پیشتر ہو چکا تھا۔ ملکہ فیصلہ سن کر گو خوفزدہ ضرور ہو گئی۔ مگر اپنے دماغ کو حاضر رکھا۔ اور قاضی سے دریافت کیا کہ ایسے قتل میں جو ارادتاً نہ کیا گیا ہو بلکہ صرف ایک ٹھوکر مارنے سے اتفاقی موت واقع ہو گئی ہو کیا مجرم مقتول کی۔ زندگی کے عوض میں روپیہ دے کر رہا ہو سکتا ہے؟۔

قاضی نے معاملہ پر غور کر کے کہا "اگر مجرم مقتول کے پس ماندگان کی تسلی و تشفی کر دے۔ اور وہ لوگ اس معاوضہ کے لینے پر راضی ہو جائیں تو نجات مل سکتی ہے۔ چنانچہ نورجہاں نے مقتول کے باپ سے دریافت کیا کہ اس کے بیٹے کی موت کے عوض میں جو قتل کے ارادہ سے نہیں

ہفتہ کی اہم مختصر خبریں

لڈیٹے گنگا میں پانی برابر چڑھ رہا ہے سطح آب اس ریکارڈ حد تک پہنچ گئی ہے جو کہ پٹنہ کے اوپر ہو چکا ہو کئی مقامات پر پانی اوپر آگیا ہے کئی سڑکوں پر بھی پانی بھر گیا ہے دریائے گنگا میں طغیانی کی وجہ سے دریائے پون پون پانی کو خارج کرنے سے معذور ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ قریبی علاقوں میں پانی بھر گیا ہے ۔

معلوم ہوا ہے کہ بمبئی گورنمنٹ نے مہاتما گاندھی کی یادگار میں گورنمنٹ پر ایک مکان تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کچھ نقد روپیہ بھی گورنمنٹ دے رہی ہے ۔

مدھیہ پردیش گورنمنٹ کا ایک کمیونک مظہر ہے کہ حکومت نے آزادی پریس کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی غیر جانبدارانہ پالیسی کے ماتحت یہ طے کیا ہے کہ کسی اخبار کے ایڈیٹر یا مینیجر سے سیاسی نظریات کی بنا پر کوئی تفریق نہ کی جائے گی اور سرکار کے معیار سے تمام اخباری اشتہارات عدالت کے نوٹس اور چھپائی کا کام غیر جانبدارانہ اصول سے طے کیا جائے گا ۔

برما کے سیلاب کے متعلق جو تازہ ترین اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پچاس اشخاص ڈوب گئے ہیں۔ تین چار ہزار کے قریب افراد بے گھر ہو گئے ہیں اور تقریباً چار لاکھ روپیہ کا نقصان ہوا ہے۔ ریلوے لائن کی ابھی تک مرمت نہیں ہوئی لیکن تار رسانی کا سلسلہ کام کر رہا ہے صورت حالات حکام کے قابو میں ہے ۔

دہلی کے ایک ہوائی جہاز کو پرواز کے دوران میں آگ لگ گئی جس سے جہاز چکنا چور ہو گیا۔ تمام مسافر اور جہاز کے افسر جن کی تعداد نو تھی ہلاک ہو گئے۔ خیال ہے کہ سب ہلاک شدگان اخباری تھے ۔

معلوم ہوا ہے کہ یو پی کی حکومت نے صوبہ کے سب پولیس افسروں کے نام ایک خفیہ سرکلر ارسال کیا ہے کہ وہ قومی جھنڈے کا احترام کریں اور جب پبلک تقریبات کے موقعہ پر گیت گائے جائیں تو پولیس افسروں کو کھڑے رہنا چاہئے ۔

نئی دہلی ۱۹ اگست۔ وائسرگل ہاؤس سے مندرجہ ذیل سرکاری بیان شائع کیا گیا ہے ہز ایکسیلنسی وائسرائے اور دولت مشترکہ نے مہاتما گاندھی کو شرف ملاقات بخشا۔

وائسرائے ہاؤس میں ہز ایکسیلنسی کے پرائیویٹ سیکرٹری نے مہاتما جی کا خیر مقدم کیا مہاتما جی کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی اور ان کے جسم پر ایک لنگوٹ کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ تھا ۔

تازہ ترین اطلاع بذریعہ ٹیلیفون موصول ہوئی ہے کہ ملتان ڈویژن کے جنرل شہری حلقہ سے پنجاب اسمبلی کے ضمنی انتخاب میں کانگریسی امیدوار منشی ہری لال ۹۴۲۰ ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہو گئے۔ جبکہ آپ کے مخالف امیدوار رائے بہادر کنور لال جی کو صرف ۲۱ ووٹ مل سکے اور ان کی ضمانت بھی ضبط ہو گئی ۔

مدراس کارپوریشن کے ایک کانگریسی کونسلر نے کارپوریشن کی آئندہ میٹنگ میں ایک ریزولیوشن پیش کرنے کا نوٹس دیا ہے جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ لارڈ میڈن پاول جیسے اسکاؤٹ کے حال ہی کے ریمارکس کے خلاف پروٹسٹ کے طور پر کارپوریشن کی تمام عمارتوں سے ان کی تصویروں کو ہٹا دیا جائے ۔

میرٹھ میں دو ہزار سے زائد نوجوان پولیس لائن میں جمع ہوئے جبکہ دو سو کانسٹیبلوں کے نئے امیدواروں کا انتخاب ہو رہا تھا امیدواروں میں میٹرک پاس طلباء کی بھی ایک کثیر تعداد تھی ۔

لکھنؤ میں پولیس نے شاہ جہاں پور کے ایک جلوس پر جس میں بہت سی عورتیں بھی شامل تھیں لاٹھی چارج کیا جس سے تقریباً ۵۰ افراد زخمی ہو گئے مجروحین میں عورتیں بھی شامل ہیں تین کی حالت نازک بتائی جاتی ہے ۔

ڈسٹرکٹ بورڈ مظفر نگر کا ایک سرکلر یہاں کے بورڈ اسکولوں میں آیا ہے جس میں ہر ایک اسکول کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے اسکولوں کی عمارتوں پر ترنگا جھنڈا لہرائیں اور روزانہ لڑکوں سے قومی گیت کے ساتھ جھنڈے کی سلامی کی جائے۔ یہ ایک بڑا اہم قدم ہے جو کہ ڈسٹرکٹ بورڈ مظفر نگر نے اپنی زندگی میں اٹھایا ہے ہر ایک شخص اس حکم پر مسرت محسوس کر رہا ہے ۔

شریمتی مہادیو دیسائی اور مسٹر پیارے لال شرما کے ہمراہ وارد دھلی پہنچ گئے۔

سیٹھ جمنا لال بجاج بھی اسی ذریعہ سے آئے مہاتما جی بارش ہی میں سیوا گاؤں کو روانہ ہو گئے ۔

فلم نامچہ

(صفحہ ۴۳ سے آگے)

اخبار رکھنے کی ضرورت کی وجہ سے اخبارات اپنے ساتھ ہی نہیں عوام کے ساتھ بھی یہ زبردست ناانصافی کرتے ہیں کہ فلموں پر صحیح نکتہ چینی اور تنقید شائع نہیں کرتے۔ کتابوں اور ڈراموں پر جیسی کھلی تنقید کرتے ہیں فلموں کے بارے میں ہم رائے عامہ کو درست کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے ۔

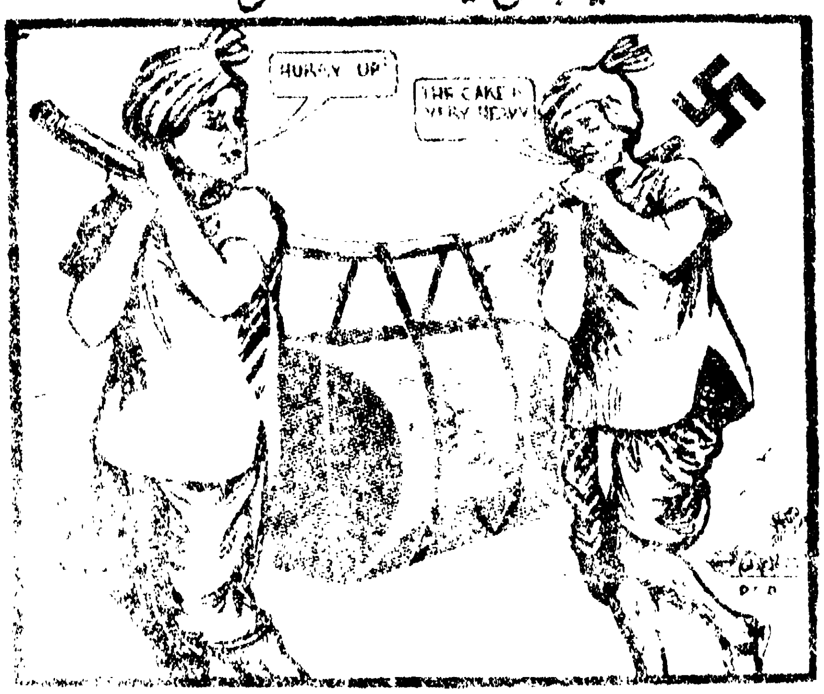
متحرک فلموں کے ساتھ جب آواز بھی شامل ہو جاتی ہے یعنی ٹاکی تو وہ کتاب سے بھی زیادہ حقیقی اثر پیدا کرنے والی چیز بن جاتی ہے اور اس کے نقوش ان مٹ ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ فلمیں برے اور خاص خیالات و اثرات چھوڑنے کی وجہ سے کتابوں سے زیادہ ہماری تمدن کے لئے خطرناک سمجھے جاتے ہیں کہ اس الزام کو دور کرنا ایک ہوشمند ملک کا کام نہیں ہے !!

کانتی

سوستیک کانتی

خانگی استعمال کے لئے غسل کا بہترین صابن ہے۔ اس کی بھینی بھینی خوشبو نہایت دلپسند ہے ۔

ٹکیہ بڑی قیمت تھوڑی



اس کی اصلی خصوصیات ۔۔۔ خوبصورتی ۔۔۔

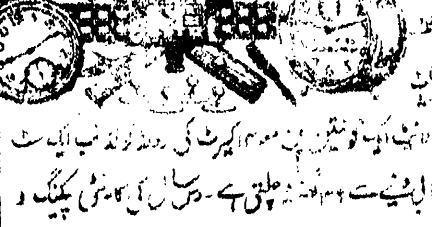
اسٹریٹ ۔۔۔ سوستیک ڈیلیشس سٹور لوچہ ۔۔۔

۔۔۔ کی ضرورت ہے

SWASTIK OIL MILLS LIMITED
WADALA BOMBAY 15.

---

۴ گھنٹہ میں ۵۰۰ خوبصورت تحائف صرف ۔۔۔



ایک روپیہ ۔۔۔ قیمت ہمارے آؤ دل خوش کن ۔۔۔ دو کی شیشیاں خریدنے والے کو ایک ریلوے ٹائم پاکٹ واچ ۔۔۔ ایک سنہری فاونٹین پین ایک ۔۔۔ ایک آئینہ ایک کنگھا ۔۔۔ بین ۔۔۔ انگوٹھی ایک جرمن ٹائم پیس ۔۔۔ پیکنگ و پوسٹیج علاوہ ۔

پتہ

دی انگلش واچ کمپنی پوسٹ بکس نمبر ۱۲۲۱۴ کلکتہ (T.D.)

صفحہ ۱۲ سے آگے

سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ دیوی کی ناک انگلیا گہنے ٹوٹی نہیں بلکہ معمولی چوٹ لگی نوں رہی۔

لنا ہی تا تھا کہ کتے کو بھی کسے غیر معمولی طلسمی طاقت کا علم قدرتی اور پر لگ گیا تھا جوں ہی کہ یہ سر گھر میں لایا گیا تھا پالتو کتے نے اس کی طرف سے ہی بھونکنا شروع کر دیا تھا۔ جب اس کا مالک اپنے کتے کو اس سر کے قریب سے بھی لے کر گذرتا تھا بجز خوف کے کلبلانے لگتا تھا اور سر کے گھر سے اٹھا لیا گیا تھا۔ آج کے واقعہ کے بعد اس نے کمرہ کی سے گذرنے سے بھی انکار کر دیا اور زمین پر لوٹ گیا۔ اور بھونکنے لگا اور بیتر بیب سے اٹھ کر بھاگ گیا کمرہ کی طرف رخ بھی نہ کیا

اس کے بعد مسٹر بریٹن بری نے یہ سر کبھی گرد سے دیا بعد میں کئی لوگوں کے پاس رہا مگر کسی کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا۔ سوا ایک شخص کے کہ جسے رات کو برے برے خواب دکھائی دیتے تھے۔

چاہے سوال کر سکتا ہے کہ آیا کیوں ہوا کہ یہ مورت چینی دیوی کی مورت نے ہی کو ناراض کر دیا تھا یا قدیم مصر نے جس کے تصیر یا راقھا۔

مصری شہزادی کے دماغ میں کیا بنی مورت نے کسی پہلے تعصب کی کنکٹ بھڑکا دی تھی۔ یا کیا بات تھی اس کی وجہ سے یہ ماوثہ ہوا۔ کوئی نہیں جانتا۔ کوئی نہیں بتا سکتا !!!

صفحہ ۳۴ سے آگے

کھول کر ہم کے ساتھ ہی اس کا لفظ۔ اپنے نام کو ظاہر کرنے کا بہترین طریقہ تھا۔

میں کتنے دنوں تک اس تردد میں رہا کہ کس طرح اسے اس کی مالک تک پہنچا جائے اور یہ امانت اسے واپس دی جائے لیکن کوئی ترکیب نہیں سوجھتی تھی بعض دفعہ خیال آتا کہ اخبارات میں کسی خاص پیرایہ میں اشتہار چھپوا دوں لیکن اس ترکیب میں بھی قباحت ہوس ہوتی اور رسوائی کا بھی اندیشہ تھا۔

رومال کو دیکھتے ہی میری آنکھوں کے سامنے وہ تمام واقعات کی تصویر کھنچ جاتی ہے اور اس نازنین کی موجودگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔"

اجنبی کہتے کہتے رک گیا۔ ہم سب خاموش اس کی طرف دیکھ رہے تھے وہ شدید متاثر معلوم ہوتا تھا اور ہم سب بھی ایسا محسوس کر رہے تھے کہ جیسے ہم سے کوئی عزیز چیز کھو گئی ہے۔

آخر اس نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "کیسی عجیب بات ہے کہ ایک حقیر سی چیز جس کی کبھی کوئی پروا تک نہیں کرتا۔ بعض دفعہ دل پر یہ قبضہ پا لیتی ہے کہ پھر جدا کی ہی نہیں جا سکتی۔ کپڑے کا ایک ٹکڑا جو بالکل غیر ارادی طور پر اچانک مجھے مل گیا۔ جس کی مالکہ کے نام تک سے میں واقف نہ تھا جس کی شکل کو کبھی خواب میں بھی دیکھنے کا خیال نہ تھا لیکن اس کے پھر کے دیکھنے سے وہ اثر پیدا ہوا کہ کبھی کسی وقت اہم سے جدا نہ ہو سکے۔

میرا ... نامچہ

از قلم مسٹر فلم گمار (بی۔ اے)

"میٹنی" (MATINEE) ایک زمانہ تھا جو گروں کے لئے شام کے وقت دکھایا جاتا تھا۔ مگر اب چھوٹے بڑے شام کو یا صبح بھی "میٹنی" دیکھ سکتے ہیں۔

مذہبی کتابوں کے علاوہ اور کوئی چیز فلم سے زیادہ عوام کی دلچسپی اور عام مباحث کا موضوع نہیں بن سکتی ہے۔ "لاس اینجلز" کے ایک فلمی اشاعت ان کتابوں کے علاوہ اور بیسیوں کے پروپیگنڈے سے زیادہ وسیع ہوتی ہے۔

سنجیدہ طالب علم حاجتی تصویریں دیکھنے کے لئے طالب علم غیر طالب علموں سے تعداد میں دو گنے آتے ہیں۔

جن فلموں میں ڈرامی عنصر زیادہ ہوتا ہے وہ سب کے لئے بہتری کا باعث ہوتی ہیں۔ خاص کر بالغ انسانوں کے ذہن و قلب کے لئے تو یہ تصویریں قیامت اور فتنہ سے کم نہیں ہوتیں۔

تصویر کے افسانہ اور پلاٹ کی خوبی تو اپنی جگہ ایک خود ستور چیز ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تصویر کے دیگر جزیات مثلاً اسم اداکار کی ایسی فن تعمیر و آرائش ، زینت نگاری جغرافیائی ماحول اور تاریخی نزاکتیں وغیرہ۔

یہ سب چیزیں اگر درستی کے ساتھ دکھائی جائیں تو ان جگہ بجائے خود بہت زیادہ دلچسپ ثابت ہوتی ہیں۔

زمانے کے خیر کرنے امداد ایک بڑے سماجی مسئلہ کے طور پر حل کرنے کے لئے جہاں ایک مضبوط پریس اور پلیٹ فارم کی ضرورت ہے وہاں ایک اچھے اور بہتر فلمی تصویری نمائش کی بھی ضرورت ہے۔ آج فلم سے بڑا پرچار کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

ہر ہفتہ (۲۵۰۰۰۰۰۰) مرد اور عورتیں اور بچے دنیا میں سینما دیکھتے ہیں انسانی نوع انسان کی ابتدائی تاریخ سے آج تک دنیا کی کسی تعلیم یا تفریح میں اتنے لوگ ایک ساتھ شریک نہیں ہوئے جب ہم یہ حالت دیکھتے ہیں تو فلم سازی کی اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے

اور دنیا کی یہ تشویش کہ فلموں کے ذریعہ ہمارے لئے جو ذہنی اور مادی چیزیں پیش کی جاتی ہیں ان کا معیار کیا ہونا چاہیئے بالکل درست اور حق بجانب معلوم ہوتی ہے۔

ہر نوجوان کا دل یہ چاہتا ہے کہ فلمی کہانی کے کسی مختصر منظر میں وہ ہیرو دکھائی دے !! جوان کے خواب ایسے ہی ہونے چاہئیں !!

جنگ و جدال لڑائی جھگڑے ۔۔۔ خوف و دہشت کے مناظر ہمارے جسموں میں اعصابی لرزش اختلاج قلب اور دیگر عارضے پیدا کر دیتی ہیں۔

متحرک تصاویر کی عمر ابھی صرف ایک سن اگر اس قلیل مدت میں اس نے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اور ہماری تہذیب میں جو حیثیت حاصل کر لی ہے اسے دیکھتے ہوئے

ہمیں یہ خیال ہی نہیں ہوتا کہ فلم کو ہماری زندگی سے نکالا بھی جا سکے !

"سکرین" ایک مکتب ہے، ایک کھلی ہوئی کتاب ہے مکمل ضابطہ ہے تعلیم و تربیت کا۔ نوجوانوں کے لئے اعلیٰ کی سیرت بنانے کے لئے زندگی سدھارنے کے لئے۔ مگر ہوتا اسی کے برعکس ہے !

ایک ڈرامی فلم دیکھنے کے بعد بالغ انسانی جذبات اور خیالات کھو سے جاتے ہیں بچے اس کا اثر اپنے دماغوں میں جذب کر لیتے ہیں ہماری نسلوں کا بچوں کے اخلاق اور ان کے ذہنوں پر منفی اثر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فلم کیسے نتیجے چھوڑتے ہیں۔

یہ بات کسی نے نہیں سنی کہ فلم نے بچوں ... بڑھ جائے۔ بدعملی کے راستہ دکھلائے ... کی طرف اشارہ کیا اور گھناؤنی زندگی کے نقشے پیدا کر دیئے۔ عبرت کے نئے نقش کھینچے

(باقی صفحہ ۳۳ پر)



ہندوستان کا بہترین باتصویر ہفتہ وار اخبار

SINGLE COPY | NO 220 DELHI: 17TH AUG. 1937 V. NO 15 | قیمت فی پرچہ دو آنہ



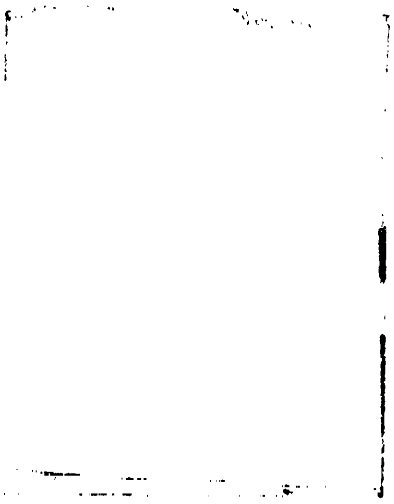
زندگی کے سفر کا آغاز



شریمت ڈاکٹر ستیہ پال
صدر پنجاب پراونشل کانگریس کمیٹی
آپنے ایک سرکلر میں پنجاب کی
کانگریس کمیٹیوں سے اپیل کی ہے
کہ وہ کانگریس کے زیادہ سے زیادہ
ممبر بنانے کا کام پورے زور کے
ساتھ شروع کردیں



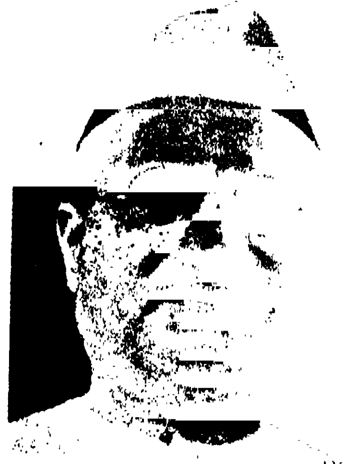
آچاریہ سر پی-سی-رائے
آپنے بنگال کے سیاسی قیدیوں کے
سلسلہ میں ایک بیان دیتے ہوئے
کہا کہ بنگال کی وزارت کا رویہ
دل چاک کرنے والا ہے



آنریبل پنڈت گوبند ولبھ پنت
وزیراعظم یو-پی-
آپ کی نیک کوششوں سے کانپور
کے مزدوروں کی ہڑتال ختم ہوگئی



شریمت بھولابھائی ڈیسائی
لیڈر کانگریس پارٹی مرکزی اسمبلی
آپنے واردھا جاتے وقت نمائندہ قومی
سے فرمایا کہ صوبہ سرحد اور آسام
میں بھی کانگریسی وزارتیں قائم
ہوجائینگی



آنریبل مسٹر منگل داس پکواسا
آپ بمبئی کونسل (اپرہاؤس) کے
بلا مقابلہ صدر منتخب ہوئے ہیں



آنریبل مسٹر مکند پرشاد داس
آپ اڑیسہ اسمبلی کے اسپیکر منتخب
ہوئے ہیں



آنریبل مسٹر راماراؤ دیش مکھ
اپ کو سی-پی- کی کانگریسی وزارت
میں لیا گیا ہے



آنریبل ڈاکٹر این-بی-کھرے
وزیراعظم سی-پی-
آپنے گورنر سی- پی- کو کھدر بطور
تحفہ پیش کیا

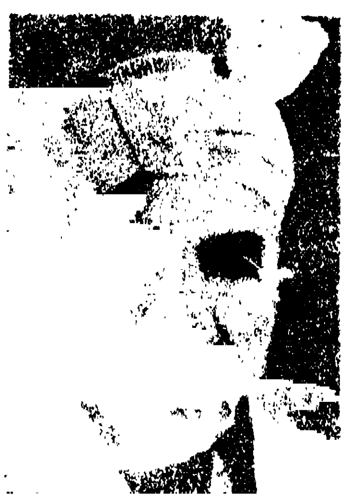


مولانا احمد سعید
ناظم جمعیت العلما ہند

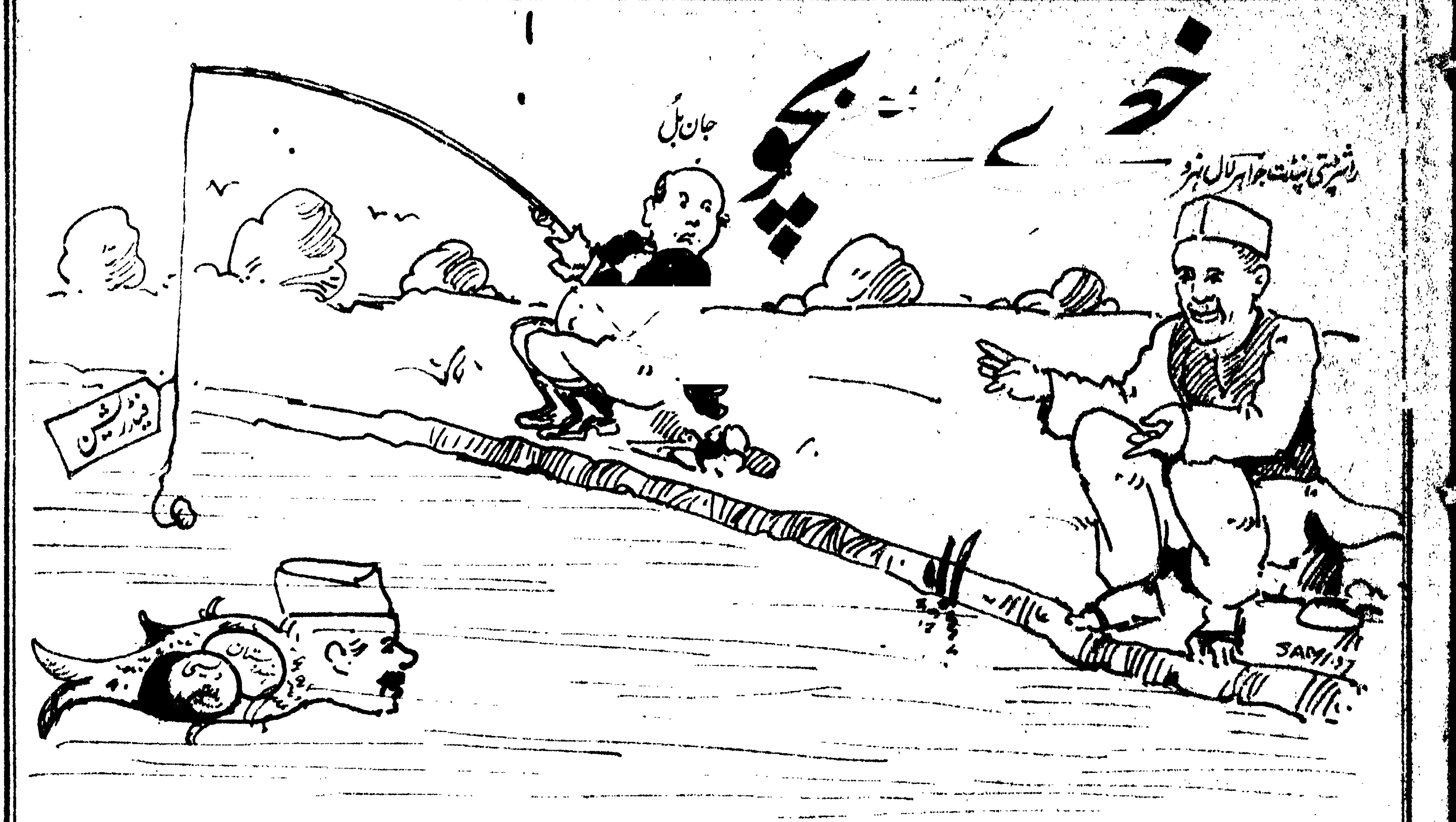


مسٹر محمد علی جناح

آپ دونوں کے درمیان کانگریس سے اشتراک عمل کرنے کے سلسلہ
میں اہم خط و کتابت ہورہی ہے



آنریبل سر عبدالقیوم
وزیراعظم سرحد
ایک خبر ہے کہ آپنے استعفیٰ
دیدیا ہے جو گورنر سرحد نے
منظور کرلیا ہے



فیڈریشن ایک خطرناک جال ہے، ہندوستان کو اِس سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے!

(جواہر لال نہرو)

کلکتے میں انڈمان ڈے اہل جلوس پر لاٹھی چارج

ایک سو کے قریب آدمی زخمی۔ بہت سے سرکردہ اصحاب گرفتار

کلکتہ ۱۳؍ اگست آج بعد دوپہر کلکتہ میں انڈمان ڈے کے سلسلہ میں ایک عظیم الشان جلوس نکالا گیا۔ جبکہ گھوڑ سواروں۔ سارجنٹوں اور دیگر سپاہیوں نے جلوس پر لاٹھی چارج کر کے جلوس کو منتشر کر دیا۔ لاٹھی چارج ٹاون ہال کے بالکل قریب سٹرینڈ روڈ پر ہوا۔ یہاں سے اہل جلوس انڈمان ڈے کے سلسلہ میں پبلک جلسہ میں شرکت کے لئے جا رہے تھے۔ انہیں سب سے پہلے یہاں روکا گیا اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ قومی جھنڈے کو نیچا کریں۔ اور دس دس کے دستوں میں آگے بڑھیں۔ ایسا کرنے سے انکار کرنے پر انہیں منتشر ہونے کے لئے دس منٹ کی مہلت دی گئی۔ جلوس کے منتشر نہ ہونے پر پولیس نے لاٹھی چارج کر دیا جس سے متعدد آدمی اور عورتیں زخمی ہو گئے۔ قومی جھنڈے جو لڑکیوں کے ہاتھ میں تھے پولیس نے چھین لئے۔

گرفتاریاں

خیال کیا جاتا ہے کہ گرفتار شدگان میں ڈاکٹر جے۔ ایم داس گپتا ایگزیکٹنگ پریذیڈنٹ بنگال پراونشل کانگرس کمیٹی اور مسٹر بھٹی گرجی بھی شامل ہیں۔ تقریباً پچاس آدمی اور عورتیں گرفتار کی گئیں۔ زخمیوں کی تعداد کا اندازہ ایک سو کے قریب کیا جاتا ہے۔ جن میں چند لڑکیاں بھی شامل ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پولیس نے قومی جھنڈے چھین کر پھاڑ ڈالے۔ زخمیوں میں سے تیس کو میڈیکل کالج ہسپتال میں بھیجا گیا جہاں پندرہ کو علاج کے لئے روک لیا گیا۔ باقیوں کی مرہم پٹی کر کے ان کے گھر پہنچا دیا گیا۔ چار کی حالت نازک بیان کی جاتی ہے۔ جو عورتیں گرفتار کی گئی ہیں ان میں سٹر ستی منی بھی شامل ہیں۔ جلوس میں طلباء۔ مزدور۔ دیویاں اور شہر کے دیگر آدمی شامل تھے۔ ہائی کورٹ کو رنمنٹ تمام علاقہ پولیس کے محاصرہ میں معلوم ہوتا تھا۔ ایک ہزار سے زائد مسلح اور سوار پولیس علاقہ میں پولیس کمشنر کی زیر سرکردگی گھوم رہی تھی۔ اس کے علاوہ ایمبولنس کار اور جیل خانہ کی گاڑیاں بھی تیار کھڑی ہوئی تھیں (ا۔پ)

جلسہ

آج شام کو ٹاؤن ہال میں جو جلسہ ہوا اس میں آج کے افسوسناک واقعہ کی سخت مذمت کی گئی اور قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔ شری یت سرت چندر بوس نے آج کے واقعہ کے پس پشت پالیسی کی سخت مذمت کی اور کہا کہ موجودہ وزارت اس کی ذمہ دار ہے۔

گرفتار شدگان کی رہائی

آج لاٹھی چارج کے بعد جو آدمی گرفتار کئے گئے تھے انہیں ذاتی مچلکوں پر رہا کر دیا گیا۔ ایسوسی ایٹیڈ پریس کو سرکاری طور پر مطلع کیا گیا ہے کہ اس خبر میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ پولیس نے اہل جلوس سے قومی جھنڈے نیچا کرنے کے لئے کہا تھا (ا۔پ)

بمبئی میں انڈمان ڈے مکمل ہڑتال

بمبئی ۱۳؍ اگست آج بمبئی میں انڈمان ڈے کے سلسلہ میں مکمل ہڑتال رہی۔ ایسٹ انڈیا کاٹن ایسوسی ایشن مارواڑی بازار۔ کاٹن رینگ۔ بمبئی شاک ایکسچینج۔ بمبئی بلین مارکیٹ۔ گیہوں ایسوسی ایشن اور دیگر سرکردہ کاروباری بازار بالکل بند رہے (ا۔پ)

دہلی میں انڈمان ڈے

سرکردہ لیڈروں کی تقریریں

دہلی ۱۴؍ اگست۔ آج شام کو انڈمان ڈے کے سلسلہ میں آزاد پارک میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں ڈاکٹر یدھ ویر سنگھ۔ لالہ دیش بندھو گپتا ممبر اسمبلی۔ پنڈت اندر۔ لالہ شنکر لال۔ مولانا محی الدین۔ شریمتی ستیہ وتی۔ شری منجی جنیا۔ مہابیر اور مولانا سمیع اللہ کی تقریریں ہوئیں۔ جن میں انڈمان کے سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔

کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس

وار دھا ۱۴؍ اگست پنڈت جواہر لال نہرو نے ڈاکٹر خان صاحب کو تار دیا ہے کہ اگر ممکن ہو تو آپ فوراً وار دھا پہنچیں تاکہ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں شریک ہو سکیں۔ ڈاکٹر خان صاحب اپنی اہلیہ کی بیماری کی وجہ سے پشاور میں ہی ٹھہر گئے تھے۔ خیال ہے کہ ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۱۷ اور ۱۸؍ اگست کو بھی ہوگا۔ وزراء کے ساتھ مشورہ جلد ہی ختم کیا جا رہا ہے تاکہ وہ اپنے فرائض ادا کرنے کے لئے جلد ہی واپس جا سکیں۔ کل سے ورکنگ کمیٹی اپنے مختلف پروگرام پر غور کرے گی۔ (ا۔پ)

کانگریسی صوبوں میں ترکِ منشیات کی تحریک
ورکنگ کمیٹی میں وزراء سے مشورہ

واردھا ۱۴ر اگست۔ آج کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں تین کانگریسی صوبوں کے وزیر اعظم ڈاکٹر این۔ بی کھرے بمبئی۔ بی۔ جی کھیر اور مسٹری سری کرشن سنہا شریک ہوئے۔ یونائیٹڈ پریس کے نمائندہ کو معلوم ہوا کہ ان حضرات کے ساتھ جو بات چیت ہوئی اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں اس امر کا پورا احساس ہے کہ ان کے صوبوں میں ترک منشیات کی تحریک جاری کرنے سے حکومت کی آمدنی میں بڑا ذریعہ ترقی ہو جائے گا۔ بہار میں آبکاری سے کل آمدنی کا پانچواں حصہ آتا ہے۔ چنانچہ گاندھی جی کے روبرو یہی مشکلات پیش کی جائیں گی تاکہ وہ کوئی راستہ بتا سکیں۔ جہاں تک ابتدائی تعلیم کا تعلق ہے معلوم ہوا ہے کہ گاندھی جی کی یہ خواہش ہے کہ اس سکیم کے چلانے میں کسی قسم کا نقصان نہ ہو۔ جیلوں میں صنعتی تربیت کو رواج دینے کے سلسلہ میں بھی وزراء سے گفتگو ہوئی۔ (ی پ)

انڈمان کے ایک بھوک ہڑتالی کی نازک حالت

شملہ ۱۴ر اگست۔ ایسوسی ایٹیڈ پریس کے نمائندہ کو معلوم ہوا ہے کہ جزیرہ انڈمان سے جو تازہ ترین اطلاع موصول ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ چار بھوک ہڑتالی قیدیوں کو ہسپتال میں بھیجا گیا ہے۔ جن میں سے ایک کی حالت نازک بیان کی جاتی ہے۔ (ا ی پ)

بہار میں زبردست سیلاب

مادھوبنی (بہار) ۱۴ر اگست۔ مادھوبنی میں سیلاب سے پیدا شدہ صورت حالات زیادہ خراب ہوتی جا رہی ہے۔ اور پانی برابر چڑھتا جا رہا ہے جس کے باعث بہت سے مکان گر گئے ہیں جس سے دیہاتی بے گھر ہو گئے۔ اور انہیں کھانا وغیرہ کچھ نہیں مل رہا ہے۔ ایک ہزار سے زائد آدمی مادھوبنی قصبہ میں پناہ گزیں ہیں۔ پانی مادھوبنی کی طرف بھی تیزی سے بڑھتا ہوا آ رہا ہے۔ (ا پ)

ضلع بہرائچ میں زبردست سیلاب
لوگوں کی قابل رحم حالت

یو۔ پی ۱۴ر اگست۔ یو۔ پی کے ضلع بہرائچ میں زبردست سیلاب آنے کی خبر ہے۔ جس سے یہاں کے لوگوں میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ اس وقت پچیس میل کے رقبہ میں پانی ہی پانی بھرا ہوا ہے۔ اور بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ تحصیل قیصر گنج کے دیہات کے لوگوں کی حالت بڑی قابل رحم ہے۔ یہ لوگ اپنا سامان پانی میں ہی چھوڑ کر ادھر اُدھر اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ رہے ہیں۔ ضلع کے افسران ان مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کے لئے ہر طرح کے ذرائع اختیار کر رہے ہیں۔ (ی پ)

بہار کے پارلیمنٹری سکریٹریوں کا تقرر

پٹنہ ۱۴ر اگست۔ ہز ایکسیلنسی گورنر بہار نے مندرجہ ذیل ممبران بہار اسمبلی کو پارلیمنٹری سکریٹری مقرر کیا ہے۔ اور ان کو ذیل کے کام سپرد کئے ہیں:۔

(۱) بابو شیو نندن پرشاد منڈل (جیل)
(۲) بابو کرشن وللبھ سہائے (ریونیو۔ سیاسیات)
(۳) بابو جگت نارائن لال (کامرس اور سیاسیات)
(۴) بابو جیت بہن (زراعت امداد باہمی و ایکسائز)
(۵) بابو رگھو نندن (لوکل سیلف گورنمنٹ و پبلک ہیلتھ)
(۶) بابو سر نگیند ر نارائن سنہا (تعلیم)
(۷) بابو جگ جیون رام (ڈویلپمنٹ)
(۸) مولوی عبدالحق (زراعت) (ی پ)

تازہ تجارتی سماچار

لیورپول روئی

لیورپول ۱۴ر اگست

اکتوبر وعدہ بند ہوئی ۔ ۴.۹۲

نیویارک روئی

نیویارک ۱۴ر اگست

اکتوبر وعدہ کھلی ۱۰.۵۵

بند ہوئی ۱۲ ۔

بیرونی سے اچھے سماچار آنے مغربی علاقہ میں سوکھا ختم ہونے اور قرضہ ملنے کی آشا پر بازار مضبوط رہا۔ اکتوبر وعدہ کل کے بند بھاؤ سے دس پوائنٹ اونچا کھلا اور کھلنے میں بھاؤ بڑھے۔ اونچے بھاؤ پر نفع ایسچیج والوں کی بکوالی سے بھاؤ گرے اور بازار ۱۰.۶۰ پر بند ہوا۔

لیورپول گیہوں

لیورپول ۱۴ر اگست

بازار خاموش کھلا۔ اکتوبر ۱۰۳ اور دسمبر ۱۰۳ پر ہلکی سیوالی پر کھلنے میں ترنج مضبوط رہا۔ موسم میں کاشت کے کارن بھاؤ ملائم رہے۔

شکاگو گیہوں

شکاگو ۱۴ر اگست

کھلنے میں نئی فصل کے مندہ کی موافقت میں بیوپاریوں کی بکوالی رہی۔ بعد میں بیرونی سیوالی نکلنے پر بھاؤ بڑھے۔

لندن صرافہ

لندن ۱۴ر اگست

چاندی حاضر فی اونس ۲۰ پنس

پنس۔ شلنگ۔ پونڈ

سونا ۶ ۔ ۱۹ ۔ ۶

{از جناب جوشؔ ملیح آبادی}

اٹھی گھٹا، وہ رنگ و بو کا کارواں لئے ہوئے
جلو میں کائنات کی، جوانیاں لئے ہوئے

لئے ہوئے پیامِ جاں، ہر ایک رس کی بوندیں
ہر ایک رس کی بوندیں، پیامِ جاں لئے ہوئے

لئے ہوئے ہوا کے نرم بازوؤں پہ بوستاں
ہوا کے نرم بازوؤں پہ، بوستاں لئے ہوئے

دھواں دھواں لئے ہوئے بلندیوں پہ چرخ کی
بلندیوں پہ چرخ کی، دھواں دھواں لئے ہوئے

زمینِ تشنہ کام کی جماہیوں کے سامنے
شرابِ لالہ رنگ کی گلابیاں لئے ہوئے

وفورِ سوز و ساز میں، ہجومِ پیچ و تاب سے
رقیق و نرم دامنوں میں بجلیاں لئے ہوئے

ہر ایک سو رواں دواں کبھی یہاں کبھی وہاں
بتانِ شوخ و شنگ کی سی، شوخیاں لئے ہوئے

صدائے برق و رعد میں، ہوائے تند و تیز میں
نزاعِ جوش و ہوش کی کہانیاں، لئے ہوئے

ہوا میں اینڈتی ہوئی فضا میں جھومتی ہوئی
تحمل و شکیب کی تباہیاں، لئے ہوئے

بہشتِ حسن و عشق کو، جہانِ رقص و کیف کو
فضائے آب و رنگ میں کشاں کشاں لئے ہوئے

ادا و ناز و دلبری کی رنگ بیز چھاؤں میں
نئی نئی جوانیوں کی جھلکیاں لئے ہوئے

لئے ہوئے ہواؤں پر سیاہ و سرخ کشتیاں
ہوائے تند کشتیوں کے بادباں لئے ہوئے

لئے ہوئے بلندیوں پہ ولولے حیات کے
حیات بخش ولولے بلندیاں لئے ہوئے

سیاہیوں کے سلسلے میں، تیرگی کی موج میں
جنوں فروش کاکلوں کی داستاں لئے ہوئے

کدھر ہے جوشؔ! بدلیاں رواں ہیں سوئے میکدہ
سیاہیوں کے حاشئے پہ سرخیاں لئے ہوئے

دُنیاکاعجائب خانہ

خوشبو دار فلم

فلمیں جب تک خاموش تھیں تو باصرہ نواز ہی اب وہ باتیں بھی کرتی ہیں تو سامعہ نواز بھی ہیں اور یہ کوششیں ہو رہی ہیں کہ وہ شامہ نواز بھی ہو جائیں۔ مثلاً اگر فلم میں کہیں گلاب کا تختہ آ جائے تو گلاب کی مہک سے سنیما معطر ہو جائے کسی باورچی خانے میں اگر کھانا پکتا ہوا دکھایا جائے تو اس کی بو بھی آنے لگے۔

کتوں سے صفائی کا کام

انسان، جانوروں سے کس قدر کام لے سکتا ہے اس بات کی اس سے بڑھ کر شاید مثال نہیں مل سکتی کہ انگلستان میں کتے نالیاں صاف کرتے ہیں ایک بڑا برش نالی میں ڈال دیا جاتا ہے کتا اس کے رسے کو منہ میں پکڑ کر دھکیلتا ہے اور اس طرح نالی صاف ہو جاتی ہے دنیا بھر کا یہ واحد ملک ہے جس میں کتوں سے یہ کام لیا جاتا ہے۔

دیواروں میں بچے

ایک مغربی فلم میں دکھایا گیا ہے کہ ایک والدہ باہر جاتے وقت اپنے بچے کو دیوار میں رکھ جاتی ہے، وہاں دیوار میں ایک شوراخ ہوتا ہے لوگ اس معمہ کو سمجھ نہیں سکے رائے ڈی زنیرو اور ہوانا میں مکانوں کی دیواروں میں بڑے بڑے سوراخ ہوتے ہیں مائیں باہر جاتے وقت بچوں کو ان میں لٹا جاتی ہیں اور وہ آرام سے وہاں پڑے رہتے ہیں۔

سُست رفتار موٹر

دنیا کے ہر ایک ملک میں ٹریفک کو کنٹرول کرنے کی نئی نئی ترکیبیں اختیار کی جا رہی ہیں مگر ان کے باوجود حادثوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے اب جرمنی کی حکومت نے ایک نئی ترکیب سوچی ہے، دو سال ہوئے حکم جاری ہوا تھا کہ کوئی موٹر تیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ تیز نہ چلائی جائے مگر اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اب حکومت نے تمام موٹروں میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی ہے جس سے ان کی رفتار ۳۰ میل سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتی۔

چوہے کی طاقت

پچھلی بڑی لڑائی کے زمانہ میں بہت سے قیدی اسکاٹ لینڈ کے شہر پرتھ میں نظر بند کئے گئے انہیں فوجی حاکموں نے اجازت دے دی تھی کہ وہ ہاتھ سے چھوٹی چھوٹی کارآمد چیزیں بنا کر فروخت کر سکتے ہیں تاکہ اپنی ضروریات کے لئے روپیہ پیدا کر سکیں چنانچہ شہر کے لوگ قیدیوں کی بنی ہوئی چیزیں خریدتے تھے ایک قیدی کو یہ سوجھی کہ اس نے لکڑی کا ایک پنجرا بنایا اس میں ایک پہیہ لگایا اور ایک چوہے کو پنجرے میں بند کر دیا، چوہا اس پہیے پر چڑھتا تو وہ گھومنے لگتا، شہر کے ایک کارخانے دار نے دیکھا یہ چوہے کی طاقت سے پہیے کو گھومتے دیکھا تو پنجرہ خرید لیا اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جب گھوڑے کی طاقت سے کام لیا جا سکتا ہے تو چوہے کی طاقت سے کیوں نہ کام لیا جائے، چنانچہ اس نے چوہے کی طاقت سے دھاگے بنانے کا تجربہ شروع کیا، اس تجربہ میں اسے امید سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ چوہے کی خوراک کا خرچ وضع کرنے کے بعد اسے ایک سال میں ۵ شلنگ (تین روپے بارہ آنے) کا منافع ہوتا ہے۔

بجلی کی آنکھیں

امریکہ کے ریڈیو کارپوریشن نے ایک حیرت انگیز ایجاد پیش کی ہے جس سے تیز موٹر چلانے والے فوراً متنبہ کر دئے جاتے ہیں، وہ برقی آنکھیں موٹر کی رفتار دیکھتی رہتی ہیں۔ اور بجلی کے جس نظام سے ان کا تعلق ہوتا ہے وہاں موٹر کی رفتار کا اندازہ صحیح صحیح درج ہوتا رہتا ہے جوں ہی رفتار حد سے زیادہ تیز ہوئی یہ طلسمی ایجاد دو میں سے ایک بات کرتی ہے یا تو ایک سرخ جھنڈی موٹر ڈرائیور کے سامنے کر دیتی ہے جس پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ "تمہاری رفتار حد سے زیادہ تیز ہے" یا کسی پولیس مین کو آواز دیتی ہے۔

چار یار قسم کا کمبل

امریکہ کے ایک موجد نے ایک ایسا کمبل تیار کیا ہے جس کی بناوٹ میں برقی تار لگے ہوئے ہیں سوتے وقت بجلی کی بیٹری سے جو پلنگ کے سرہانے رکھی رہتی ہے ایک تار کے ذریعہ اس کا تعلق کر دیا جاتا ہے باہر خواہ سردی کتنی ہی شدید ہو سونے والا نہایت آرام سے سوتا رہتا ہے مشین میں یہ رعایت بھی رکھی گئی ہے کہ کمبل کو حسب ضرورت گرم کرنا چاہیں کر سکتے ہیں لیکن کمبل حد سے زیادہ گرم ہو جائے تو برقی رو خود بخود منقطع ہو جاتی ہے اور سونے والے کو تکلیف نہیں ہوتی۔

برقی ٹائپ رائٹر

حال ہی میں ایک جدید قسم کا برقی ٹائپ رائٹر ایجاد کیا گیا ہے جس میں وقت اور زحمت کو بچانے کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کاغذ اور کاربن کے اوراق ایک کشتی میں رکھ کر اس ٹائپ رائٹر کے سامنے رکھ دئے جاتے ہیں اور یہ خود بخود کھینچ کر مشین میں لگا لیتا ہے ٹائپ کرنے والے کو یہ زحمت نہیں کرنی پڑتی ایک ورق کے ختم ہونے کے بعد دوسرا خود بخود مشین میں لگ جاتا ہے۔

سائنس کا صفحہ

ذرہ کی سرگزشت

ہمارے احساسات سے دور لیکن حقیقت سے قریب

از شریت کے رائے

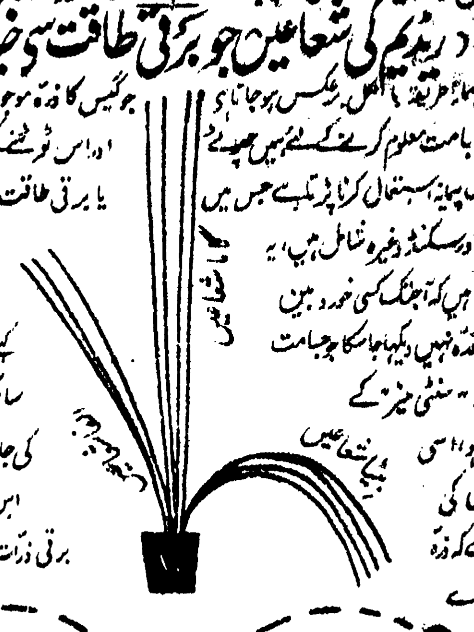
اس مضمون کا عنوان کسی قدر تعجب انگیز ہے لیکن اس میں ایک سائنٹفک سچائی پنہاں ہے جو تشریح کے بعد ظاہر ہو جائیگی ہم مختلف چیزوں کو مثلاً بڑے بڑے ستاروں اور سیاروں کو دلچسپی سے دیکھتے ہیں مگر اس ذرہ پر غور نہیں کرتے جو ہم سے قریب ہے اور ہر وقت ہمارے آس پاس موجود رہتا ہے حقیقت کی صفت اور ذرہ کی بے بضاعتی اور کم حیثیتی ایک پرانی تشبیہ ہے لیکن سائنس نے اب یہ حقیقت دریافت کرلی ہے کہ ہر ذرہ اپنی ساخت و اندرونی نظام کی حیثیت سے بجائے خود ایک نظام شمسی ہے ایک مکمل نظام شمسی اپنی ذات میں پنہاں رکھتا ہے اور انہیں ذرات یعنی ATOMS اور ELECTRONS کے مجموعہ سے ہماری دنیا اور اس کی تمام چیزیں وجود میں آئی ہیں، آج اس مضمون میں برقی ذرہ کے متعلق کچھ معلومات پیش کی جاتی ہے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اجرام فلکی اور ذرات کا علم حاصل کرنے سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا اور اگر ایک ذرہ حقیر کی سرگزشت ہمیں معلوم ہو جائے گی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی وہ ذرہ ہے جس میں قدرت کے تمام اسرار موجود ہیں ایک تو علم وہی انسان کے لئے مفید ترین چیز ہے، دوسرے تمام تحقیقیں اس طرح ایک دوسرے کو قریب ہیں کہ سارا نظام عالم ایک ہی زنجیر میں منسلک نظر آتا ہے، دوسرے "ایٹم" اور "الکٹرون" خود ہماری زندگی کا ایسا جزو بنے ہوئے ہیں کہ ان کا علم حاصل کرنا ضروری ہے یہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں مثلاً ایکس ریز کا پیدا ہونا، وائرلس اور ریڈیو کا عمل، ریڈیم کے ذریعہ علاج، یہ سب کچھ "ایٹم" اور "الکٹرون" ہی کے مختلف کارنامے ہیں اور ہم اپنی زندگی میں انہیں ذرات کی خدمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

زمانہ قدیم کے فلسفیوں کا یہ خیال تھا کہ مادی دنیا پانچ عنصر سے مرکب ہے آگ، پانی، ہوا، مٹی اور اثیر لیکن اب معلوم ہوا کہ یہ عناصر نہیں ہیں بلکہ خود دوسرے عناصر سے بنے ہوئے ہیں مثلاً پانی کو لیجئے تو یہ ہائڈروجن اور آکسیجن کا مرکب ہے ہوا نائٹروجن، آکسیجن، کاربن وغیرہ گیسوں کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اب پرانے نظریات صحیح نہیں رہے۔

اس وقت تک جتنے کیمیاوی اجزا یا عناصر معلوم کئے گئے ہیں ان کی تعداد (۹۲) ہے جنمیں ہائڈروجن سب سے زیادہ ہلکا اور یورینیم سب سے زیادہ بھاری ہے یہ تمام چیزیں بجائے خود بہت ہی چھوٹے چھوٹے ذرات پر مشتمل ہیں اور انہیں ذرات کے مجموعے سے ان کی ایسی مقدار ظہور میں آتی ہے جو دیکھی جا سکے مختلف اشیاء کے ذرات کی قسمیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔

اگرچہ مادہ کی یہ "ذراتی" ترکیب قدیم ہندوستانی اور یونانی فلسفیوں کو بھی معلوم تھی، لیکن سائنٹفک ذرائع سے اس کا ثبوت بہم نہیں پہونچایا گیا تھا اور نہ اس کے متعلق کوئی دعویٰ کیا گیا تھا لیکن ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۸ء کے درمیان جان ڈالٹن نے اس نظریہ کو دوبارہ زندہ کیا اور ۱۸۰۸ء میں اس نے کھلے الفاظ میں مشہور "ذراتی نظریہ" پیش کیا۔

اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ ذرہ کی جسامت اور وزن کیا ہے؟ ستاروں، اجرام فلکی کے وزن اور پیمائش کے لئے ہم میل، ٹن اور روشنی کے سال کا پیمانہ استعمال کرتے ہیں لیکن ذرہ کے معاملہ میں ہمارا طریقہ بالکل برعکس ہو جاتا ہے اور اس کا وزن اور جسامت معلوم کرنے کے لئے ہمیں چھوٹے سے چھوٹا سائینٹفک پیمانہ استعمال کرنا پڑتا ہے جس میں سنٹی میٹر، گرام اور سکنڈ وغیرہ شامل ہیں، یہ اتنے چھوٹے پیمانے ہیں کہ آجتک کسی خورد بین کے ذریعے کوئی ایسا ذرہ نہیں دیکھا جا سکا جو جسامت میں ۱۰۰۰۰۰۰ / ۱ سنٹی میٹر کے برابر یا اس سے کم ہو، اسی لئے ہم نے مضمون کی سرخی میں یہ کہا ہے کہ ذرہ ہماری نظر اور ہمارے احساسات سے پرے ہے، لیکن پھر بھی ان کا وجود ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔



(ریڈیم کی شعاعیں جو برقی طاقت سے خارج ہوتی ہیں)

یہ نہیں ہے ۱۹۱۱ء میں سر ای رودرفورڈ نے ایک تجربہ کیا تھا۔ خلا رکھنے والی ایک نلکی میں جب برقی لہر پہونچائی گئی تو اس کے اندر جو گیس کا ذرہ موجود تھا۔ وہ ٹوٹ کر منقسم ہوگیا اور اس ٹوٹنے کے عمل میں اس نے ایک برقی روشنی یا برقی طاقت خارج کی، یہ برقی روشنی کیا چیز تھی ذرہ کے وہ برقی ٹکڑے جسے آج سائنس کی اصطلاح میں "الکٹرون" کہتے ہیں اور جن کی حیرت انگیز طاقت پر سائنٹفک تحقیقات کی ساری عمارت تعمیر کی جارہی ہے۔

اس سے ظاہر ہوگیا کہ معمولی ذرہ میں بھی برقی ذرات ہیں جو مادہ کی تخلیق و ترکیب کا سبب بنے ہوئے ہیں، چنانچہ مختلف تجربات کے ذریعہ ان برقی ذرات کا وجود بہ آسانی معلوم کیا جا سکتا ہے مثلاً اگر کسی دھات کی سطح پر "الٹرا وائلٹ" شعاعیں ڈالی جائیں تو الکٹرون تیزی سے خارج ہونے لگتے ہیں ریڈیو کے "تھرمیونک والوز" بھی برقی ذرات ہی خارج ہونے کا باعث عمل کرتے ہیں۔



ذرات کے دو نمونے (۲) ہائڈروجن کا ذرہ ہیلم کا ذرہ

حقیقت یہ ہے کہ تمام اشیاء "مثبت" (POSITIVE) اور "منفی" (NEGATIVE) برقی ذرات کا مجموعہ ہیں، منفی ذرہ کا نام الکٹرون ELECTRON اور مثبت ذرہ کا نام "پروٹون" PROTON ہے، پروٹون اور الکٹرون دونوں میں برقی طاقت کی مقدار برابر ہوتی ہے لیکن یہ طاقتیں ایک دوسرے کے برعکس ہوتی ہیں معمولی ذرہ میں دونوں اقسام کے برقی ذرات کی تعداد برابر ہوتی ہے اگر ایک قسم کے ذرات کی تعداد زیادہ ہو تو اسی قسم کا برقی اثر اس میں زیادہ ہو جائے گا۔

اس سلسلہ میں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اگرچہ دونوں قسم کے ذرہ میں برقی چارج کا حصہ برابر ہوتا ہے لیکن ان کے وزن بالکل مختلف ہوتے ہیں اور جسامت بھی جداگانہ ہوتی ہے عام طور پر پروٹون کی جسامت الکٹرون سے ۱۸۵۰ گنا زیادہ ہوتی ہے اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ایک معمولی ذرہ (ایٹم) کا جسم جس میں پروٹون بھی ہوتے ہیں اور الکٹرون بھی، دراصل پروٹون ہی کے مجموعہ سے بنتا ہے۔

مجموعہ کی حیثیت میں ذرات کا عمل دلچسپ ہے اگر یہ ذرات کسی ٹھوس چیز میں ہوتے ہیں تو اپنی جگہ پر کم و بیش مضبوطی اور استقلال سے قائم رہتے ہیں ان میں صرف ایک اندرونی ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور جب اس ٹھوس مادہ کو گرمی پہونچائی جاتی ہے تو وہ اس ارتعاش کے باعث جسامت میں بڑھ جاتے ہیں، کسی سیال چیز میں ان کے ذرات ادھر ادھر گھومتے پھرتے اور سفر کرتے رہتے ہیں، مثلاً سیاہی کا ایک قطرہ اگر پانی سے بھرے ہوئے پیالے میں ڈال دیا جائے تو وہ پھیل کر پانی میں مل جاتا ہے اسی طرح گیس اور بخارات کے ذرے پورے کمرے یا پورے مکان میں بہ آسانی پھیل جاتے ہیں۔

ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ ذرہ کس قدر چھوٹی چیز ہے لیکن جدید سائنس داں کے لئے اس مختصر سی جسامت کے باوجود ہر ذرہ ایک آفتاب کی حیثیت رکھتا ہے آپ اس پر حیرت زدہ نہ ہوں، ڈالٹن کے نظریہ کے مطابق "ذرہ" وہ چیز ہے جو جسمانی یا کیمیاوی حیثیت میں کبھی تقسیم نہ کیا جا سکے اور نہ اس کے ٹکڑے ہو سکیں، لیکن ذرہ کی اصلی حالت ہی کے مجموعہ سے بنتا ہے۔

اب ہم ایک ایسے ذرہ کا تصور کریں جو بیحد چھوٹا ہونے کے باعث دیکھا جا سکتا ہو تو اس میں کیا پروٹون اور الکٹرون کے ذرات ایک ساتھ رہ کر اور ایک ساتھ قیام کرکے اس ذرہ کے وجود کو قائم رکھتے ہیں؟ بہت سے حالات اس سوال کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔

پروفیسر رودرفورڈ اور آر۔ بوہر نے ذرہ کے ایک ایسے خیالی نمونے کی تصویر پیش کی ہے جو دیکھے ہوئے حالات سے مطابقت کرتی ہے، یہ نمونہ حقیقت میں نظام شمسی کا ایک نمونہ ہے، ان سائنسدانوں کا خیال ہے کہ ہر ذرہ کے پروٹون اور الکٹرون کا اندرونی نظام ایک مکمل نظام شمسی ہے اور بالکل اسی طرح عمل کرتا ہے جیسے آفتاب کے گرد سیارے عمل کرتے ہیں یعنی ذرہ کے اندر پروٹون اپنے وزن اور جسامت کے اعتبار سے ایک آفتاب کی حیثیت رکھتا ہے اور الکٹرون اس کے چاروں طرف چکر لگاتے رہتے ہیں یہ تشبیہ قطعاً مکمل نہیں کہی جا سکتی، لیکن حالات کی تشریح کے لئے کافی سمجھی جا سکتی ہے "پلینیٹری سسٹم" اور "الکٹرونک سسٹم" میں طاقت کے کنٹرول کا انتظام بالکل جداگانہ ہے۔

ہر ذرہ کے مرکزی حصہ میں مثبت برقی ذرات یعنی ذرتی پروٹونوں کا ایک اجتماع ہوتا ہے اور اس کے ساتھ تھوڑی تعداد میں الکٹرون یعنی منفی برقی ذرات بھی ہوتے ہیں، جو پروٹونوں کو باہمی کشش سے جوڑنے میں سمینٹ کا کام دیتے ہیں لیکن ان کے گرداگرد اور بھی الکٹرون ہوتے ہیں جو نہایت تیزی سے اپنے اپنے محور پر سیاروں کی طرح گردش کرتے رہتے ہیں چونکہ پروٹونوں کا اجتماع ذرہ کے وسط میں ہوتا ہے اس لئے صحیح معنوں میں یہی کہہ سکتے ہیں کہ ذرہ کا اصلی مادہ یہی ہے۔

اگر کسی ذریعہ سے ذرہ کی یہ برقی ساخت بدل دی جا سکے تو یہ ذرہ کسی اور چیز کا ذرہ بن جائے گا اس کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے دنیا میں مختلف چیزیں اور مختلف عناصر اس لئے موجود ہیں کہ ان کے ذروں کی برقی ساخت اور پروٹون اور الکٹرون کی تنظیم جداگانہ ہے۔ لیکن کسی ذرہ کی ساخت کو بدل دینا اور اس کو کسی دوسری چیز کا ذرہ بنا دینا اب تک سائنس دانوں کے امکان میں نہیں آیا ہے قدیم زمانے میں جو لوگ کیمیا بنانے کے خواہشمند تھے، ان کا مقصد بھی دوسرے معنوں میں یہی تھا کہ ذرہ کی ساخت و تنظیم کو بدل دیں مثلاً کوئی دوسری دھات اس وقت سونے میں مبدل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے ذرات کی برقی ساخت اور ان کے پروٹونوں اور الکٹرونوں کا باہمی رشتہ نہ بدل دیا جائے، چونکہ ان کا عمل سائنٹفک طریقوں پر مبنی نہ تھا اس لئے ان کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی،

انسان اگرچہ ایک عنصری دھات کو دوسری عنصری دھات میں تبدیل کرنے میں کامیاب نہیں ہوا ہے لیکن فطرت بعض حالتوں میں یہ عمل کرتی ہے اور ریڈیم کو یورینیم بنا کر سیسہ تک مبدل کر سکتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ برقی ذرات کے خارج ہونے سے ان کی ہیئت تبدیل ہو جاتی ہے۔

(باقی صفحہ ۲۸ پر)

ساون کا سماں

ٹھہر ... اور ... دیکھ

(از جناب برجیندر سنگھ عارف خورجوی جرنلسٹ)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

مدتوں تک بابا کے تقاضے ایک دن عقدہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں کوئی عشرہ ہفتہ خالی جاتا ہوگا کہ بیٹے کے ایک دو دفعہ ساون کا پیغام لیکر نہ پہنچ جاتے ہوں لیکن صاف جواب دنیا انسانی بہیمت کے خلاف تھا، بیوی اور شوہر کی حیات ابدی محبت کے باریک باریک تاروں سے بندھی ہوتی ہے میں چند روز کی رخصت لیکر گھر کی طرف روانہ ہوا، سفر کی تکان اور آنکھ میں سپنے بدلے جانے کا خیال سودا بن رہا تھا۔

راستہ نہایت ہی سہاؤنا تھا، باغ باغیچوں کے ہجوم دل بہلا رہے تھے ساون کی شروع فصل ابر پاہلی پلکش منظر پیش کر رہی تھی کچھ آواز آ رہی تھی ... میرے کانوں میں ... شیریلی ... پُردرد ... برہ کا گیت ...

... لیکن میں بڑھا چلا جا رہا تھا اور منظر اسے نکل چکا تھا کسی کے گلے کی آواز سنائی دی،

کون دیش پیا چھائے — میگھوا ساون میں گھر آئے
سن سن گرج گھمڈا مرکی ... برہن نیر بہائے
میگھوا ساون میں،
پڑے پھوار چھکے تن میرا — برہا دئے جلائے
میگھوا ساون میں ...

کچھ دیر کو راگ ساکت ہو گیا لیکن اب معلوم ہو رہا تھا کہ فضائے آسمانی مرتعش ہو گئی ہے تھوڑی دیر کے بعد گانے کی آواز آئی،

راگ سے جو خوشی اور انبساط ایک لمحہ کو حاصل ہوتا ہے وہ آج مجھے بھی محسوس کر رہا تھا، میں نے دل میں سوچا کہ چلوں بڑھ کر دیکھوں کیا ماجرا ہے؟

مجھے دور سے نظر آیا ایک پُردرد آواز کے ساتھ کوئی عورت دوسری چند عورتوں کے جھرمٹ میں بیٹھ کر گا رہی تھی۔

جھولے پہ جھولت سکھی للنا — گاوت راگ ملہار
جھولے پہ جھولت ...
ننھی ننھی بُندین جھڑ لگو — برست موسل دھار
جھولے پہ جھولت ...
پیو پیو پپیہا رٹ رہیو — پائل کی جھنکار
جھولے پہ جھولت ...

میں نزدیک پہنچ گیا تھا میں نے ہرچند کوشش کی کہ اس جگہ سے بچ کر نکل چلوں، لیکن راستہ اُدھر ہی سے گزرتا تھا

میں کچھ دیر رکا پھر آگے بڑھا ایک غیبی آواز نے مجھے چلنے سے روکا اور کہا کہ

"ٹھہر اور دیکھ"

میں ایک جھاڑی کی اوٹ میں کھڑا ہو کر دیکھنے لگا، کہ جب وہ مجمع اپنا گیت ختم کرتا تو کسی کے بانسری بجانے کی آواز آنے لگتی اور یہ معلوم ہونے لگتا کہ کوئی کہہ رہا ہے

باغن ہیں مجھوں تنے کرشن مرار
ستر کے گوالے ... للنا کے پران ادھار
باغن میں ...

ہم اس نغمہ کو سنکر چونک پڑے بڑی حیرانی و پریشانی کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ میری طرح کوئی شخص ایک قدم کے درخت کی اوٹ میں کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں بانسری ہے اور وہ اس طرح چھپا ہوا ہے کہ کسی کو نظر نہیں آتا،

عورتوں کا وہ جھرمٹ اس آواز کی تلاش میں بے قرار تھا، چند حسین عورتیں ... سُرخ لباس میں ملبوس ... نرم و نازک غنچہ کی طرح وہاں سے اس کی تلاش میں نکلیں، اِدھر اُدھر ڈھونڈا لیکن ان کے چہرے کے رنگ سے معلوم ہوتا تھا کہ اُن کا چاہت چہیتا کہیں نہیں ملا۔ میں خاموش کھڑا ہوا سب کچھ دیکھ رہا تھا وہ آئیں اور ایک جگہ بیٹھ کر گانے لگیں اس مرتبہ اُن کے راگ میں ایک نیا سوز تھا، درد تھا اور مایوسی ٹپکتی تھی، انسان اپنی کوششوں میں ناکامیاب ہو کر دل بے قرار کو تسکین دینے لگتا ہے، میں نے سنا، وہ گا رہی تھی،

بن بن کھوجت تو ہے بہاری
جمنا تٹ سب کھوج پھری میں — کنج کنج جھک ماری
بن بن کھوجت ... بہاری
ہا یو پتا کہوں نا نیسرو — رم گیا کت بنواری
بن بن کھوجت ...
گھر بن پیرو بھیو سگرو — سنے خبر ہماری
بن بن کھوجت

مایوسی کا عالم طاری تھا، اور امید جواب دے رہی تھی، لیکن وہ ہنس کر پھر گانے لگیں، میں دیکھتا رہا بہت دیر تک یہی منظر رہا۔

وہ چھپا ہوا شخص مست ہو کر جھوم رہا تھا کبھی کبھی اپنی بانسری بجا دیتا اور پھر چپ ہو جاتا جونہی راگ ختم ہوا وہ اپنی بانسری ہاتھ میں لئے ہوئے گاتا ہوا چل دیا۔

تو آگئے کرشن مراری — کہاں ہے للنا پیاری
بن کھوجے مل گئی گرداری — تو آگئے کرشن مراری

سب عورتیں وہاں سے بھاگ نکلیں ... بجز ایک حسینہ کے ... وہ منتظر تھی اپنے چت چور کی اس نے من موہن کو پا لیا۔ میں اس دیدار کی تاب نہ لا سکا میں گھبرا کر وہاں سے چل دیا لیکن میں نے سنا کوئی مجھے چلنے سے روک رہا تھا باغوں کے درخت پتے کہہ رہے تھے کہ:

"ٹھہر اور دیکھ"

ہر طرف سے صدا آ رہی تھی گیتا کی ہر بات کا یہی جواب ہے کہ ٹھہر اور دیکھ!

......

دہلی ڈائری

۱۷ اگست ۱۹۳۷ء

بھوک ہڑتالوں کا بڑھتا ہوا سلسلہ
صورتِ حال کو بہتر بنانا حکومت کا فرض ہے

جزیرہ انڈمان کے سیاسی قیدیوں کی بھوک ہڑتال کا سلسلہ تیزی سے بڑھتا ہوا نظر آتا ہے جس وقت تک ہماری یہ کاپی پریس میں جا رہی ہے ہمیں یہ اطلاع مل چکی ہے کہ دیولی کیمپ کے ۲۰۰ اسیروں نے بھی انڈمان کے قیدیوں سے اظہارِ ہمدردی کے لئے دسویں اگست سے ہڑتال شروع کر دی ہے یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا بعض دوسرے جیل خانوں میں بھی بھوک ہڑتال کے پھیلنے کی خبریں فضا میں موجود ہیں، کہا جاتا ہے کہ نینی جیل کے سیاسی اسیر بھی بھوک ہڑتال کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں اور ملتان سنٹرل جیل میں ابھی ستر سیاسی قیدیوں نے بھوک ہڑتال شروع کر دی ہے معلوم نہیں یہ سلسلہ کہاں تک بڑھے گا اور کہاں پر ختم ہوگا۔ یہ تمام ہڑتالیں انڈمان کے بھوک ہڑتالیوں کے ساتھ ہمدردی کے طور پر جاری کی جا رہی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ خطرات بڑھتے جا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ملک میں بے چینی بھی پھیلتی جا رہی ہے۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ اس خطرناک صورتِ حال کو بہتر بنانے، ایک طرف سیاسی اسیروں کو فاقہ کشی کی موت سے بچانے اور دوسری طرف ملک میں بڑھتے ہوئے اضطراب کو دور کرنے کے لئے کون سا طریقہ استعمال کرنا چاہیئے، حکومت ہند نے اپنے کمیونک میں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جب تک انڈمان میں اسیروں کی بھوک ہڑتال جاری رہے گی ان کے مطالبات یا انکی طرف سے دوسرے قیدیوں کے مطالبات پر کوئی غور نہیں کیا جائے گا، حکومت بنگال جس کی ذمہ داری اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ہے پریسٹیج کا متعدی مرض اپنی ہمسایہ حکومتوں سے ورثہ میں لے چکی ہے۔ اس سلسلہ میں دو طرح کی ذمہ داریاں ہمارے سامنے آتی ہیں جہاں تک قیدیوں کے مطالبات اور جنرل پالیسی کا تعلق ہے اس ذمہ داری کو حکومت ہند نے لیا ہے، لیکن انڈمان سے قیدیوں کو ہندوستان واپس بلا لینے کی ذمہ داری ان صوبجاتی حکومتوں پر عائد ہوتی ہے۔ جن سے ان قیدیوں کا تعلق ہے۔

اس سلسلہ میں حکومت ہند اور حکومت بنگال دونوں ضرورت سے زیادہ سختی سے کام لے رہی ہیں قیدیوں کو واپس بلا لینے کے متعلق مسٹر فضل الحق کی وزارت نے کہہ دیا ہے کہ جب تک بھوک ہڑتال ترک نہیں کی جائے گی اس مسئلہ پر غور نہیں کیا جائے گا

دوسری طرف "اسیرانِ انڈمان کی امدادی کمیٹی" کے سیکرٹری یہ اطلاع دیتے ہیں کہ انڈمان سے ۲۳ بھوک ہڑتالی جن کی حالت خطرناک ہے علی پور جیل میں لاکر رکھے گئے ہیں، بہرحال ان تفصیلی امور میں جانے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے اصلی صورتِ حال واضح ہے قیدیوں کی بھوک ہڑتال کو کافی مدت گزر چکی ہے اور ظاہر ہے کہ اگر بھوک ہڑتال ترک نہ کی گئی تو یہ تمام کی تمام جانیں ضائع ہو جائیں گی اور جیسا کہ راشٹرپتی پنڈت جواہر لال نہرو اپنے بیان میں فرما چکے ہیں "ہندوستان میں غصہ کی آگ بھڑک اٹھے گی، وہ اس واقعہ کو فراموش نہیں کرے گا اور نہ ان لوگوں کو معاف کرے گا جن پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی"۔

اس سلسلہ میں ہم "حق وزارت" کے طرزِ عمل پر سخت سے سخت اعتراض و احتجاج کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم بھوک ہڑتال کو عام طور پر مطالبات کے منوانے کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی یہ کہتے ہوئے کہ اسیرانِ انڈمان نے مجبور و مایوس ہو کر بھوک ہڑتال شروع کی ہے اس کا اعتراف کیا ہے کہ بھوک ہڑتال کا طریقہ ان کو ناپسند ہے صوبوں میں جب ذمہ دار حکومتیں موجود ہیں تو مطالبات کے سلسلہ میں دوسرے آئینی طریقے بھی کام میں لائے جا سکتے تھے اور مشکلات پیش تھیں تو چند روز صبر کرنے کی ضرورت تھی لیکن اتفاق سے یا دوسروں کی سختیوں سے اگر قیدیوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہی ہو چکا ہے تو حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے آہنی نظام میں کچھ انسانی جذبات کا عنصر داخل کرے اور اسیروں کے دل و دماغ کی ساکھ کو اور بیکل حالت کو سمجھنے کی کوشش کرے، حکومت کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر بات کی آخری ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے اور اگر وہ چاہے تو صورتِ حال کو بہ آسانی بہتر بنا سکتی ہے۔

حکومت ہند نے سب سے بڑی غلطی یہ کی ہے کہ مسٹر موہن لال سکسینہ کو ان کی درخواست پر انڈمان جانے کی اجازت نہ دی، ہمارا خیال ہے کہ اگر وہ یا چند دیگر ذمہ دار کانگریسی حضرات انڈمان جا کر ان قیدیوں کو بھوک ہڑتال ترک کر دینے کی ترغیب دیں تو یقیناً ان کی کوشش کامیاب ہو جائے گی، شریمتی بھولا بھائی دیسائی، مسٹر سیتا موتی اور مسٹر آصف علی نے انڈمان کے بھوک ہڑتالیوں کو بذریعہ تار یہ مشورہ بھی دے دیا ہے کہ وہ فوراً بھوک ہڑتال کو ترک کر دیں ضرورت اس امر کی تھی کہ حکومت بھی اپنے قول اور عمل سے اس مفید کوشش میں لوگوں کی امداد کرتی نہ کہ یہ کہ مذکورہ بالا قسم کا کمیونک شائع کر کے اپنے آہنی پریسٹیج کا ثبوت دیتی، یہ بھی ممکن ہے کہ اصول اور وقار کو قائم رکھتے ہوئے انسانی جذبہ کام میں لایا جائے اور رعایت و مروت کے ذریعہ دلوں کی تسخیر کی جائے،

اس خطرناک اور بھوک ہڑتال کو ترک کرانے کا دوسرا آسان ذریعہ یہ ہے کہ ہر صوبجاتی حکومت اپنے اپنے قیدیوں کو انڈمان سے واپس بلا لے، اگر یہ لوگ ہندوستان کے جیل خانوں میں آجائیں گے تو ان کو بھوک ہڑتال کے ترک کر دینے پر راضی کرنا کوئی مشکل کام نہ ہوگا، بہت دنوں سے ہندوستان یہ مطالبہ بھی کر رہا ہے کہ جزیرہ انڈمان میں قیدیوں کے بھیجنے کا عمل ہی ترک کر دیا جائے، حکومت ہند اور صوبجاتی حکومتوں خصوصاً حکومت بنگال کا یہ فرض ہے کہ وہ اس موقعہ کی اہمیت کو سمجھے اور اس تلخ و ناگوار فضا کو دور کر کے ہندوستانیوں کو مطمئن کر دے، سارا ہندوستان اس وقت انسانیت اور انصاف کے نام پر اپیل کر رہا ہے کہ حکومت اس وقت اپنے اولین فرض کو محسوس کرے تاکہ بھوک ہڑتال کا یہ بڑھتا ہوا سلسلہ اور اس کے خطرناک نتائج خود بخود ختم ہو جائیں۔

اپنا خیال

تیج ویکلی کے خریداروں اور ایجنٹوں سے!

جیسا کہ ہر سال اس موقع پر ہوا کرتا ہے اس مرتبہ بھی کرشن نمبر کی اشاعت کے باعث تیج ویکلی ایک ہفتہ کے لئے بند رہے گا اور دوسرے ہفتہ میں اس کی جگہ پر تیج کا وہ شاندار کرشن نمبر جو ہندوستان کی دنیائے صحافت میں اپنی مثال نہیں رکھتا ناظرین کے پاس حاضر ہوگا۔ ویکلی کے التوائے اشاعت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ پریس کی تمام مشینیں کرشن نمبر کی کاپیوں کو چھاپنے کے لئے وقف ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ روزانہ اخبار بھی ان مشینوں سے چھاپنا پڑتا ہے اور اسٹاف پر بھی کام کا بار بہت زیادہ ہو جاتا ہے اس لئے ہم اعلان کرتے ہیں کہ تیج ویکلی مورخہ ۲۴ اگست شائع نہیں ہوگا اور تیج ویکلی مورخہ ۳۱ اگست کے عوض میں۔ کرشن نمبر بھیجا جائے گا اس کے بعد تیج ویکلی مورخہ ۷ ستمبر شائع ہوگا، ابتدائے ستمبر سے تیج ویکلی کے مضامین اور حسنِ ترتیب میں بہت سی شاندار تبدیلیاں ہوں گی اس فرصت میں آپ بھی اپنے حلقۂ اثر میں اپنے مقبول اور ہر دلعزیز پرچہ کی توسیعِ اشاعت کے لئے کوشش فرمایئے۔

انعام نہیں بلکہ ذریعۂ خدمت!

چونکہ کانگریس کے قبولِ وزارت کے فیصلہ میں مہاتما گاندھی کا ہاتھ زیادہ تر عمل کر رہا تھا۔ اس لئے مہاتما گاندھی ہی کو یہ حق بھی یقیناً حاصل ہے کہ وہ اپنی ہدایت سے کانگریس وزراء کے طرزِ عمل کی رہنمائی کریں اور ان کو بتلائیں کہ قوم کی ان سے کیا توقعات ہیں، مہاتما گاندھی نے اخبار "ہریجن" میں ایک مضمون کے ذریعہ کانگریسی وزراء سے یہ فرمایا ہے کہ وزارتوں کا عہدہ ان کے لئے ان کی گذشتہ قومی خدمتوں کا انعام نہیں ہے بلکہ مزید مخلص خدمت کرنے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ چند صوبوں سے مہاتما جی کے پاس ایسے خطوط پہونچے ہیں جن میں بعض اہلِ کانگریس نے ترکیبِ وزارت میں اپنے حقوق کے نظر انداز کئے جانے کی شکایت کی ہے مہاتما جی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ کانگریسی وزارتیں کانٹوں کا تاج ہیں ملمع نمود کا ذریعہ نہیں ہیں۔ تمام اہلِ کانگریس کا فرض ہے کہ وہ کانگریس کے ڈسپلن کو برقرار رکھیں، ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آزادی کی اصلی جنگ ایوانِ وزارت کے اندر نہیں بلکہ باہر ہے اور یہی وہ مقصد ہے جس کے حصول کی کوشش سب کو کرنی چاہیئے یقین ہے کہ مہاتما گاندھی کی یہ زرّیں ہدایات سب کو مطمئن کر دیں گی۔

کھلے تشدد کا جواب تشدد سے!

پنڈت جواہر لال نہرو نے کانپور کے ہڑتالیوں پر کانگریسی وزارت کے دور میں گولی چلائے جانے کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ کھلے تشدد کا جواب صرف تشدد ہی سے دیا جا سکتا ہے اگر کھلے تشدد کی اجازت دیدی جائے گی تو شہری کاروبار، تجارت اور لوگوں کی زندگی کو نقصان پہونچے گا ہر حکومت کا فرض ہے کہ اس کا انسداد کرے دنیا جانتی ہے کہ پنڈت جواہر لال سے زیادہ مزدوروں کا کوئی حامی اور طرفدار نہیں ہے اگر پر امن ہڑتالیوں پر گولی چلائی جاتی تو پنڈت جی سب سے پہلے آدمی ہوتے اور اپنے سینے کو مزدوروں کی سپر بنانے کے لئے تیار ہو جاتے لیکن ان کا یہ خیال صحیح ہے کہ تشدد کے ذریعہ اپنی بات منوانے کا طریقہ قابلِ اعتراض ہے اور کوئی حکومت جو قوم کو ترقی کی راہ پر لیجانا چاہتی ہو تشدد اور کھلے ہوئے فتنہ و فساد کو برداشت نہیں کر سکتی۔

ابتدائی تعلیم کے لئے روپیہ!

ابتدائی تعلیم کا مسئلہ کسی قوم کی ترقی کی راہ میں پہلی منزل کا مسئلہ ہے لیکن ہندوستان پر غیر ملکی حکمرانی کے دوران میں جو کچھ ہوتا رہا ہے وہ اس طرح جیسے گاڑی کو گھوڑے کے آگے جوڑ دیا جائے، حکومت کے کاموں میں ظاہری نمائش کا عنصر زیادہ تھا اور اصلی خدمت اور مفاد کا عنصر بہت کم، یہی حال ابتدائی تعلیم کے مسئلہ کا بھی تھا لیکن جب سے نیا آئین نافذ کیا گیا ہے صوبوں میں یہ مسئلہ کسی نہ کسی صورت میں تمام وزارتوں کے سامنے آگیا ہے، کلکتہ میں ایک آل بنگال پرائمری اسکول ٹیچرز کانفرنس سر سی پی رائے کی صدارت میں ہوئی تھی جس میں تقریر کرتے ہوئے کانگریسی پارٹی کے لیڈر شری سرت چندر بوس نے اس امر پر اظہار افسوس کیا کہ موجودہ وزارت کے دور میں بھی جو عوام کی وزارت کہی جاتی ہے جنرل نظم و نسق اور پولیس وغیرہ کے لئے تو روپیہ جیسے تیسے مل جاتا ہے مگر ابتدائی تعلیم کے لئے محض چھوٹی اور ذلیل سی رقم بھیک کی طرح دے دی جاتی ہے۔ اسی سلسلہ میں کلکتہ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر مسٹر حسن سہروردی کہتے ہیں کہ اگر پرائمری تعلیم کے لئے روپیہ کی کمی ہو تو وزیروں کو چاہیئے کہ اپنی تنخواہوں میں تخفیف کر کے اس کے لئے روپیہ فراہم کریں۔ کانگریسی صوبوں میں تو یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا مگر ہمارا خیال ہے کہ تمام دوسرے صوبوں کو اس تجویز سے سبق لینا چاہیئے اور وزراء کو اس معاملہ میں سنجیدگی سے سوچنا چاہیئے کہ اس افلاس زدہ اور بے تعلیم یافتہ ملک کی اقتصادی حالت سے ان کی تنخواہوں کا تناسب کیا ہے؟

زمینداری سسٹم!

الہ آباد میں ایسوسی ایٹڈ پریس کو انٹرویو دیتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو نے زمینداری سسٹم کا خاتمہ کر دینے کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ کانگریس کے لئے اس وقت یہ ممکن نہیں ہے کہ اس بنیادی مسئلہ کے متعلق فیصلہ کرے اس لئے اس وقت اس کا فوری مقصد یہی ہوگا کہ کسانوں اور چھوٹے چھوٹے زمینداروں کا بار ہلکا کر دیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ دیہاتوں کا اقتصادی مسئلہ ملک کے صنعتی اور فنی مسئلہ کی زنجیر میں بندھا ہوا ہے اور جیسا کہ پنڈت جی کا خیال ہے یہ مسئلہ قومی خدمات کی بہت سی پیچیدہ حالتوں سے منسلک ہے اس لئے جب تک ملک کو مکمل سیاسی اور اقتصادی اختیارات حاصل نہ ہوں اس بڑی اصلاح کے لئے کوئی کامیاب قدم نہیں اٹھایا جا سکتا، یہ تو ظاہر ہے کہ زمینداری سسٹم پرانے زمانے کی ایک یادگار ہے اور اب اپنی افادی حیثیت قطعاً کھو چکا ہے، لیکن اس وقت یہ بھی غنیمت ہے کہ ان کسانوں کا بار ہلکا کر دیا جائے جو لگان کی زیادتی اور بڑے زمینداروں کی سختیوں کے باعث نہایت پریشان حال ہیں۔

بگڑی ہوئی ذہنیت!

وہ غاصب اور پست ذہنیت جس کی جڑیں کسی محکوم ملک کے افسروں کے دل و دماغ کے اندر مضبوط و مستحکم ہو جاتی ہیں بڑی مشکل سے بدلی جا سکتی ہے، اس حقیقت کا ثبوت میسور (؟) صوبہ مدراس کے ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل افسر نے پیش کیا ہے جن کا ایک عمل یہ ہے کہ [illegible] ڈاکٹر [illegible] سیتارامیہ کی مشہور کتاب "انڈین نیشنل کانگریس کی تاریخ" کا تیلگو (؟) [illegible] لائبریری میں رکھا جانا ممنوع قرار دے دیا ہے۔ اس افسر کی دلیری کتنی تعجب انگیز ہے جس نے اس [illegible] میں جب کانگریسی وزارت مدراس میں قائم ہے ایک کانگریسی مصنف کی بہترین تصنیف کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے، اطلاع ملتی ہے کہ اس حکم کے خلاف حکومت مدراس کے چیف منسٹر کے پاس ایک عرضداشت پیش کی گئی ہے ہمیں امید ہے کہ اب اس افسر کو غالباً یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس کا یہ کارنامہ جس زمانے میں قابل تعریف و انعام سمجھا جاتا وہ زمانہ اب گذر چکا ہے۔

آرام کرسی والے سیاستداں!

جمیعت العلماء ہند کے اسسٹنٹ سیکریٹری مولانا نورالدین بہاری نے پریس کو ایک بیان دیتے ہوئے بابو راجندر پرشاد اور مسٹر جناح کے سلسلہ بیانات اور سوال و جواب کے متعلق چند معقول باتیں کہی ہیں ان کا خیال ہے کہ بابو راجندر پرشاد کو مسٹر جناح کے ساتھ سمجھوتہ کی کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ جن لوگوں نے جدوجہد آزادی کی راہ میں کسی طرح کی قربانی نہیں پیش کی وہ اس لائق نہیں ہیں کہ کانگریس ان سے آزادی کے سلسلہ میں کوئی مشورہ کرے یہ تو وہ لوگ ہیں جو آرام کرسیوں پر بیٹھ کر سیاست دانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے عیش محلوں سے پریس کو بیانات بھیجا کرتے ہیں، ہم اس خیال میں مولانا موصوف سے بالکل متفق ہیں، کانگریس کسی ایک فرقہ کی انجمن نہیں ہے جو دوسرے فرقوں سے سمجھوتہ کرتی پھرے، یہ تو تمام ہندوستانیوں کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم ہے جہاں سے آزادی کی آواز بلند کی جاتی ہے ہمارا خیال ہے کہ اس لفظی جنگ کے چھیڑنے سے مسٹر جناح کا مقصد بھی غالباً یہی ہوگا کہ ان کو مسلمانوں میں کھوئی ہوئی اہمیت اور شہرت حاصل ہو جائے لیکن ظاہر ہے کہ مسلمان بھی اب کافی بیدار ہو چکے ہیں!

کانگریس اور پرجا پارٹی!

ہم اسے ایک خوش خبری اور فال نیک سمجھتے ہیں کہ بنگال کی "حق وزارت" کے قابل اعتراض کارناموں کے سلسلہ میں بنگال کی اسمبلی کے کانگریسی ارکان اور پرجا پارٹی میں تبادلہ خیالات شروع ہو گیا ہے۔ پچھلے ہفتہ میں ان دونوں پارٹیوں کے ارکان نے ایک غیر رسمی مشاورتی کانفرنس منعقد کی تھی، یہ سچ ہے کہ سر دست کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا۔ لیکن اس سے یہ مفید نتیجہ ضرور برآمد ہوا کہ پرجا پارٹی کے ارکان اس امر پر رضا مند ہوئے کہ موجودہ وزارت کو نومبر تک کا نوٹس دے دیا جائے کہ اگر اس سے پہلے تمام سیاسی قیدی رہا نہیں کئے گئے تو پرجا پارٹی کانگریس کے ساتھ مل کر موجودہ وزارت کو نکال باہر کرے گی جبکہ ہندوستان کے کانگریسی صوبوں میں تمام سیاسی قیدیوں کو رہائی دے دی گئی ہے وزارت بنگالہ کو نومبر تک کی مہلت دینا بھی صحیح عمل نہیں کہا جا سکتا لیکن اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "حق منسٹری" اپنی کرتوتوں کے باعث اب بہت دنوں کی مہمان نہیں ہے۔ ایک تو اس نے اپنے انتخابی منشور کو پس پشت ڈال دیا ہے دوسرے انڈمان کی بھوک ہڑتال کے متعلق اس کے عمل نے اس کو اور بھی بدنام کر دیا ہے۔

کانگریسی پالیسی کو خراج تحسین

انگلستان کا مشہور اخبار "مانچسٹر گارڈین" چھ صوبوں کی کانگریسی وزارتوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہے اور سیاسی قیدیوں کی رہائی اور اخبارات کی ضمانتوں کی واپسی کے متعلق کہتا ہے کہ جن لوگوں کا یہ خیال تھا کہ سیاسی قیدیوں کو رہا کرنے اور اخبارات کی ضمانت منسوخ کرنے سے ملک میں آتش زبان کمیونسٹ رسالوں اور فتنہ پرداز مخالف انگریزوں کا سیلاب آ جائیگا، ان لوگوں کو یقیناً مایوسی ہوئی ہوگی، ان وزارتوں کے عمل نے ظاہر کر دیا ہے کہ مکمل یا نیم مکمل برطانوی حکمرانی کے مقابلہ میں ان دیسی کانگریسیوں کے پاس حکمرانی کا بہتر طریقہ موجود ہے اور یہ لوگ بہ آسانی زیادہ سے زیادہ آزادی اور کم سے کم انتشار و ابتری کے اصول پر کاربند ہو سکتے ہیں، ہم اس خراج تحسین کو کوئی بڑی اہمیت نہیں دیتے لیکن مسٹر فضل الحق اور سر سکندر حیات کی وزارتوں کے لئے اس میں ایک مفید سبق پنہاں ہے۔

دہلی کے بھنگیوں کے مطالبات

اس ہفتہ دہلی میونسپل کمیٹی کے اجلاس میں دہلی کے بھنگیوں کے وہ مطالبات زیر بحث لائے گئے جو کچھ دنوں سے معرض التوا میں پڑے ہوئے تھے، ان مطالبات کی تعداد دس بارہ ہے جن میں نگراں اسٹاف کی رشوت ستانی کا انسداد، بھنگیوں کی تنخواہوں اور اجرتوں میں اضافہ، رہائشی مکانات کی تعمیر وغیرہ شامل ہے اس اجلاس میں کانگریس پارٹی کے زاویہ نگاہ کو لالہ دیش بندھو گپتا ایم ایل اے نے پیش کیا اور غور و بحث کے بعد ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی جو بھنگیوں کے مطالبات پر غور کر کے فیصلہ کرے گی اور اس کا فیصلہ آخری ہوگا۔ بھنگیوں نے ایک ہفتہ کی مہلت دی ہے کہ اگر اس اثنا میں ان کے مطالبات کا تشفی بخش حل نہیں ہوگا تو یہ لوگ ہڑتال کر دیں گے، ہم امید کرتے ہیں کہ یہ کمیٹی جلد سے جلد اپنے فرض سے سبکدوش ہوگی، اور مصیبت زدہ بھنگیوں کو مطمئن کر کے شہر کو ان کی ہڑتال کے برے نتائج سے بچائے گی۔

تنخواہ بر سطح معیار زندگی

جب سے کانگریسی وزیروں نے اپنے لئے پانچ سو روپیہ ماہانہ کی تنخواہ معین کی ہے، یہ مسئلہ نمایاں طور پر ملک کے سامنے آ گیا ہے کہ سول سروس کے ملازموں کی بڑی بڑی تنخواہوں میں بھی تخفیف ہونی چاہیئے، اس سلسلہ میں تین شخصیتیں نہایت دلچسپ طریقہ پر ہمارے سامنے آتی ہیں، شری راجگوپال آچاریہ نے سول سروس کے ملازموں کے نیک اخلاق اور فیاضی سے اپیل کی ہے کہ وہ خود بخود اپنی تنخواہوں میں اتنی تخفیف کریں جو ہندوستان جیسے غریب و نادار ملک کے حالات سے مناسبت رکھتی ہو، اس پر مسٹر ایف۔ ای جیمس کہتے ہیں کہ اس طرح کی اپیلوں سے ملازمتوں میں بے اطمینانی اور خرابی پیدا ہوگی، بڑے افسوس کی بات ہے کہ جب سول سروس کی تنخواہیں آئین کی رو سے وزارتوں کی دخل اندازی سے بالاتر ہیں تو مسٹر جیمس ان وزارتوں کو اس کا حق بھی نہیں دیتے ہیں کہ وہ انسانی جذبات و اخلاق کے نام پر تخفیف تنخواہ کیلئے اپیل کریں۔ مسٹر جیمس کا یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے کہ تنخواہوں کی تخفیف کے باعث سرکاری ملازموں کا معیار زندگی پست ہو جائیگا کیونکہ زندگی کا معیار بنگلے میں ٹھاٹھ سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اچھے خیالات، نیک کردار، بلند مقصد، شریفانہ عمل اور فرض کے احساس سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی سلسلہ میں سر جیمس گرگ نے [illegible] کی تنخواہوں کے متعلق کہا ہے کہ تخفیف تنخواہ سے ان کا معیار زندگی ختم ہو جائیگا اس بیان پر اظہار خیال بیکار ہے۔ سر جیمس گرگ کو کانگریسی صوبوں کے وزراء کے [illegible] سے سبق حاصل کرنا چاہیئے اور اس شعر کو بھی دہائی یاد کر لینا چاہیئے

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

فرسٹ کلاس کا کرایہ

اگر یہ صحیح ہے کہ حکومت بمبئی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسمبلی کے ممبروں اور سرکاری افسروں کو جب وہ افیشل کاموں کے لئے سفر کرتے ہوں ریل گاڑی کے فرسٹ کلاس کا کرایہ دینے کا قاعدہ منسوخ کر دیا جائے تو ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح کی کفایت شعاری مفید ثابت ہوگی فرسٹ کلاس کا سفر صرف ان پرائیوٹ دولتمندوں کے لئے ہونا چاہیئے جو اپنا ذاتی روپیہ خرچ کرتے ہیں لیکن ہندوستان جیسے افلاس زدہ ملک میں غریب پبلک کی ادا کی ہوئی رقموں میں سے اتنا روپیہ ضائع کرنا ہرگز جائز نہیں کہا جا سکتا، گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی رو سے بعض مصارف ایسے ہیں جن میں تخفیف کرنیکا کوئی اختیار وزارت کو نہیں ہے، پھر بھی بہت سے ایسے اخراجات سفر ہیں جن میں بہ آسانی تخفیف کی جا سکتی ہے۔ غالباً اس سے ایک فائدہ ہوگا کہ ریلوے کمپنیاں نچلے درجوں کو بہتر بنانے کی کوشش کریں گی۔

نقلی کھدر

۱۹۳۴ء میں شری گیا پرشاد سنگھ نے مرکزی اسمبلی میں کھدر پروٹیکشن ایکٹ کے نام سے اصلی کھدر کی تجارت کے تحفظ کا قانون پاس کرایا تھا تاکہ دوسرے کپڑوں کو جو حقیقت میں کھدر نہیں بازار میں کھدر کے نام پر فروخت نہ کیا جا سکے۔ گورنمنٹ کی طرف سے اس قانون میں ایک مزید دفعہ کا اضافہ کر دیا گیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ جب تک صوبجاتی حکومتیں مقامی گزٹ کے ذریعہ اس کے نفاذ کا اعلان نہیں کریں گی یہ قانون نافذ نہیں کیا جا سکے گا، چونکہ کسی صوبجاتی حکومت نے ایسا اعلان نہیں کیا اسلئے "کھدر پروٹیکشن ایکٹ" اب تک بیکار پڑا ہوا ہے، شری گیا پرشاد نے چھ کانگریسی صوبوں سے اپیل کی ہے کہ اس قانون کے نفاذ کا اعلان ہو جانا چاہیئے، مہاتما گاندھی نے بھی نقلی کھدر کی فروخت کی ہمیشہ مخالفت کی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ شری گیا پرشاد سنگھ کی تجویز کو جلد عملی جامہ پہنایا جائے گا۔

افسانہ

ارملا

از جناب تاراچند سالک کاشمیری
(خاص "تیج ویکلی" کے لئے)

...[illegible] تھے، بڑے صاحب ثروت تھے، کئی دیہات کا مالک ہونے کے علاوہ کئی کارخانوں کے بھی مالک تھے۔ ذکر بھی ... اور کارخانوں کے لئے بہت تھے۔ کام کی وجہ سے ان کو اپنے خانگی امورات کی طرف ... دینے کی فرصت نہ ملنے کے باعث بہت کم ان کو اپنے گھر میں بیٹھ کر سوچ بچار کرنے کا موقع ملتا تھا۔ ان کی دھرم پتنی چاہا کرتی ... کبھی ایک بچی ہی ہوتا۔ بارہا اپنے پتی سے کہتی تھی کہ مہاراج کوئی وقت نکال کر میری چند باتوں کی طرف دھیان دیجئے لیکن وہ بیچارے ... مصروف کار رہتے تھے، وہ کل کا وعدہ کرتے تھے، مگر کل کبھی نہیں آتا تھا جس روز وہ اپنی دھرم پتنی کی بات سُن کر سوچ لیتے۔

ایک روز اتفاق سے اُن کو موقعہ ملا وہ شام کے وقت گھر میں آ گئے کہاں آدھی رات کو آنا اور کہاں سر شام ہی گھر میں داخل ... کوئی کام رہتا ابھی اُس روز نہ تھا جسے وہ اپنے منشی اور منیموں سے گھر پر بھی مصروف کار رہتے۔ گویا اُس روز اتفاقاً کوئی کام ... ان کی دھرم پتنی نے خوش قسمتی سے یہ موقعہ غنیمت جانا، جھٹ اپنے سوامی کے پاس آئی، نوکروں کو منع کیا کہ اُس کمرہ میں جس میں وہ ... پتنی تھے کوئی نہ آئے اب صرف دونوں بیٹھے تھے پتنی کہنے لگی:۔

"مہاراج! ایشور کی کرپا سے ہر قسم کا سُکھ تو ہم کو حاصل ہے، دھن، دولت، مکان، زمین، باغ، نوکر، چاکر، غرضیکہ ہر قسم ... دیا ہے مگر مجھے ڈر ہے کہ ہمارے گھر میں نہ بیٹا نہ بیٹی، اس لئے مجھ کو یہ نہ دنیا کی عمل، یہ خوشنما باغ، بے شمار دولت، یہ سب ... نظر یہاں تک کہ دل معلوم ہوتی ہے مجھ کو تو اب کبھی خوشی کسی چیز سے نہیں، میرا خیال ہے کہ پران ناتھ کے ہر وقت ہی کلیش ... ہے یہ سب کیوں ہے!"

کدار چند نے کہا "مجھے تم سے زیادہ اس بات کا دل میں صدمہ ہے کہ یہ کلیش ہے، ہر قسم کے اپائے کئے، منتر جنتر، جپ پاٹ کئے۔ تم ... ہو کہ ہماری سوکامنا کبھی پوری نہ ہوئی۔ کیا کروں بے بس ہوں، لاچار ہوں کسی کام میں میرا دل نہیں لگتا جو کاروبار کر رہا ہوں ... صرف غم بھلانے کے لئے کر رہا ہوں، اسی باعث میں کبھی گھر میں نہیں رہتا، یہاں کوئی وقت گھر میں رہنا پسند نہیں کرتا"۔

دونوں کچھ دیر اسی طرح بات چیت کرتے رہے اور دیر تک اپنے آپ کو دھکار دینے کے بعد کچھ کھا پی کر بستر پر ہی سو گئے، نوکر چاکر ... سے مگر کچھ بول نہ سکتے تھے وہ بھی چپ رہتے گویا گھر میں کوئی ماتم تھا، ہر طرف اداسی ٹپکتی تھی۔

(۲)

جب صبح ہوئی، دونوں بیدار ہوئے، کدار چند نے اپنی پتنی کو کہا تم تمہارا تم نے کوئی سپنا دیکھا، اس نے کہا پران ناتھ کیا آپ نے بھی کوئی سپنا دیکھا؟ اس نے کہا ہاں، بیوی نے کہا مہاراج پہلے میں سننا چاہتی ہوں کہ میں نے کیا دیکھا پھر آپ اپنے سپنے کا حال سنانا۔ میں نے دیکھا کہ پاس ہی جھاڑیوں میں جو شہر سے باہر ہیں ایک ... بدصورت ڈاکو بھی آیا اور ایک پیارا سی ننھی کنیا کو لایا۔ اس کے جسم پر جو زیورات تھے وہ ایک ایک کرکے اتار لئے پھر دو رسے ... کے ہاتھ پاؤں باندھ کر جھاڑیوں کے پیچھے چھوڑ کر چلا گیا۔

کدار چند نے کہا کہ میں نے بھی یہی سپنا دیکھا بلکہ اس سے زیادہ یہ دیکھا کہ ہم دونوں گئے اور اس کنیا کو جب اس حال میں دیکھا تو ایک برہمن نے ہم سے کہا "تو اس کنیا کو اٹھاؤ، تم ہردے سے کہ تم پُتر ہو بھگوان نے کرپا کر کے یہ کنیا تم کو دی" میں نے جا کر اس کے جسم کو چھوا ہی تھا کہ میری آنکھیں کھل گئیں۔

ان کی دھرم پتنی نے کہا "ہاں ہاں میں نے بھی یہی دیکھا مگر میں بھول گئی تھی، ایک اور بات بھی مجھے یاد آئی وہ یہ کہ اس کے گلے میں لال رنگ کا ایک بڑا سا موتی کا دانہ تھا۔ کدار چند نے یاد کرکے اس کی تائید کی۔

(۳)

یہ دونوں میاں بیوی یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ باہر سے نوکر نے آواز دی، مہاراج! اب شہر والی جھاڑیوں کے پاس سے چیخنے کی آوازیں آ رہی ہیں نہ معلوم کیا واقعہ ہے۔ رات بھر میں یہ شور سنتا تھا مگر باہر نہیں گیا کہ مبادا مہاراج کی نیند کھل جائے اس پر کدار چند نے کہا "ذرا ٹھہرو" پھر دونوں معہ اس نوکر کے باہر نکلے، اور جھاڑیوں کے پاس جہاں سے یہ رونے، چیخنے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں گئے، دیکھا کہ ٹھیک وہی کنیا ہے کہ جس کو ان دونوں نے رات کو خواب میں دیکھا تھا بیچاری سخت مصیبت میں تھی ہاتھ پاؤں رسی سے بندھے تھے اور وہ ہل نہیں سکتی تھی معلوم ہوتا تھا کہ اگر ادھ چند منٹ تک وہ اسی حالت میں رہتی تو وہ ہمیشہ کے لئے اس ... کم بخت بدذات ڈاکو کے لئے ہتیا کا پاپ چڑھا کر دھاڑکوں میں ڈرانے کی موجب بنتی، مگر ایشور کو منظور نہ تھا کہ وہ پران تیاگ کرتی، ... دہنے لگا تھی، دونوں سے یہ آواز اٹھتی کہ اس اپرادھی ڈاکو کا بیڑا غرق ہو جس نے اس ناکردہ گناہ معصوم کی اس کے زیورات اتار کر ایسی دُرگت کی تھی۔

دونوں میاں بیوی اپنے نوکر کی امداد سے اس غریب کنیا کو زنجیروں سے آزاد کرکے گھر لائے، اس کا چندرماں جیسا صاف ... مستور بدن جو مٹی میں لت پت ہو گیا تھا اور زخموں کے باعث خون آلودہ ہو گیا تھا، صاف کیا، عمدہ کپڑے پہنائے خوب کھلایا پلایا، وہ بہت ہی معصوم تھی، چہرہ نہایت عمدہ، گول گول آنکھیں، خوشنما جسم، گلاب جیسا چہرہ تھا، اس کو اب ان دونوں نے اپنے گھر کا چراغ اور تمام مال و جائداد کا مالک قرار دیا۔

اس کے گلے میں جو لال رنگ کے موتی کا ایک دانہ تھا اس کو اتار کر بکس میں محفوظ رکھا۔ اب یہ گھر ویران نظر نہیں آتا تھا۔ کدار چند اور ان کی بیوی اس بچی کے ساتھ رات دن کھیلا کرتے تھے ہر قسم کا سکھ وہ اس سے سمجھتے تھے اس کا نام انہوں نے "پرمیشوری" رکھا کیونکہ پرمیشور نے ہی اس کنیا کو انہیں دیا تھا۔

(۴)

جب یہ دس بارہ برس کی ہو گئی تو چندرماں جیسی معلوم ہوتی تھی، ایک روز صبح کے وقت ایک بڑھیا جو گیا رنگ کی دھوتی پہنے اس کے پھاٹک پر بیٹھی گانے میں محو تھی، اس کے سفید بال ہوا میں اُڑ رہے تھے، وہ جو دین آواز میں گا رہی تھی "نات مات بھرات بندھو اپنا ناہیں کوئی" پرمیشوری ایک سانس میں دوڑتی ہوئی باہر نکلی وہاں کا نظارہ دیکھ کر حیران ہو گئی، وہ اس کا گانا سننے لگی۔ یکایک بڑھیا نے گانا بند کر دیا۔ بڑھیا نے پرمیشوری سے کہا "بچے! ایشور تمہارا بھلا کرے کچھ دے دو، تمہارا گن مانوں گی، پرمیشوری بوڑھی عورت کی طرف تھوڑی دیر تک غور سے دیکھتی رہی اس کو کیوں اس کی طرف کوئی خاص خیال سا پیدا ہوا۔ بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا "ٹھہرو ماتا! ابھی کچھ لاتی ہوں"، یہ کہہ کر وہ جلدی جلدی کمرہ میں چلی گئی جہاں اس کی ماں تھی اس سے کہنے لگی، ماں کچھ دے دو ایک ساد ھنی آئی ہے اس کو دے دوں گی، ماں نے کہا ٹھہرو ابھی دیتی ہوں جلدی کیا ہے، فقیرنی ہے تو ٹھہرنے دو، مگر اس کو صبر کہاں! وہ جلدی جلدی کہنے لگی، نہیں جلدی دیدو، ماں جھنجھلا کر بولی، جا اُس فقیرنی سے کہہ دے یہاں سے چلی جائے یہ سنکر پرمیشوری کو ماں پر بڑا غصہ آیا مگر غصہ روک کر کہا، ماں ذرا سی کوئی چیز دیدو، بیچاری بہت بوڑھی ہے ماں نے کہا جا ہٹ! مجھے کام کرنے بھی دیتی ہے یا نہیں؟ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ماں اس قدر خفا کیوں ہوتی ہے کیوں اس بڑھیا کے بدلے گانے کے لئے اس قدر سختی سے کہہ رہی ہے مگر پرمیشوری بڑھیا کو وعدہ دے آئی تھی وہ سوچنے لگی کہ اب کیا کروں اتنے میں بڑھیا کی آواز پھر سنائی دی اب اُس کو اضطراب پیدا ہو گیا گڑگڑا کر بولی، ماں کچھ دے دو، اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے، ماں نے دیکھ کر کہا، بیٹی! صبح صبح مت روؤ، جاؤ چھوٹی ڈبلیا لے اور تھوڑا سا آٹا لے کر دے آ، وہ پیار دنا بھول گئی اور خوشی سے اچھلتی ہوئی ڈبیا اٹھا لائی۔ بڑھیا نے کہا بیٹی کیا لائی ہو؟ اس کے ان الفاظ نے کوئی خاص قسم کی محبت و پریم کی جھلک سی اس کنیا کے دل میں پیدا کر دی۔ اور وہ دل ہی دل میں کہنے لگی کیسی سادھنی ہے کاش میں بھی اس کے ساتھ ہی جاتی اور مزے سے گایا کرتی۔ پرمیشوری نے آنکھیں نیچے کرکے کہا ماتا آج تو آٹا ہی لائی ہوں پھر کبھی آنا تب اور اچھی سی چیز دوں گی۔

جب بڑھیا آشیرباد دیکر جانے لگی تو اس نے اسے روک کر کہا ایک بار اپنا گیت پھر سنا دینا (

باقی اگلے صفحہ پر)

وطن میں آ

(از جناب بال مکند صاحب عرش ملسیانی بی اے)

نہ فرات و دجلہ پہ ناز کر نہ فریب گنگ و جمن میں آ
یہ جہان سب ہے ترا وطن تو کدھر ہی اپنے وطن میں آ

ترے حسن نرگس و نسترن ہی تجھی سے رونق یاسمن
ترے منتظر ہیں گل و سمن تو بہار بن کے چمن میں آ

تجھے لاکھ لوگ حسیں کہیں تجھے لاکھ درشن کہیں
تری قدر ہو گی فقط یہیں تو حریم دل کے عدن میں آ

جو خیال خلد میں ہو گم ہو مگن ہیں جس کا من
جو وطن میں رہ کے ہو بے وطن اسے کیا کہوں کہ وطن میں آ

یہ بہار باغ یہ محفلیں تری خلوتوں پہ نثار ہوں
تجھے کام غنچہ و گل سے کیا تو چمن کو چھوڑ کے بن میں آ

رہ و رسم عشق پہ رکھ نظر ہو جہان نو کا پیامبر
نہ تو عہد رفتہ کی یاد کر نہ فریب چرخ کہن میں آ

یہ کھلا نہ ہم پہ کہ تو کہاں ئے شعر ہی کے نکل گیا
تجھے یاد کرتے ہیں عرش سب کبھی پھر بھی بزم سخن میں آ

(پچھلے صفحہ سے)

مجھے تمہارا یہ گیت بہت پسند آیا ہے۔

بڑھیا کے منہ پر ہلکی سی مسکراہٹ چھا گئی، وہ بولی تمہیں ایسا گیت سننا نہیں چاہیئے۔

پرمیشوری نے کہا کیوں نہیں سننا چاہیئے؟

بڑھیا بولی یہ تو میری جیسی سنیاسیوں ہی کے لئے ہے۔

پرمیشوری سادگی سے بولی، تو میں بھی سنیاسی بن جاؤں گی

بڑھیا نے ہنس کر کہا، بیٹی ایسا مت کہو ابھی تم بہت چھوٹی ہو، بڑے آدمی کی لڑکی ہو تم کو ایسا خیال بھی نہ کرنا چاہیئے،

پرمیشوری نے کہا نہیں، میں کچھ نہیں جانتی، مجھے تمہارا گیت بہت پسند ہے۔

بڑھیا نے کہا، بیٹی اچھا جب تم کو میرا یہ گیت گانا پسند آیا ہے تو میں کبھی کبھی آکر تمہیں یہ گیت سنایا کروں گی،

اچھا سنو! "تات مات بھرات بندھو اپنو نا ہی کوئی" ا

پھر بڑھیا چلی گئی اور حسب وعدہ وہ کبھی کبھی آکر کنیا کو یہ گیت گا کر سنایا کرتی تھی۔

ایک روز حسب معمول بڑھیا گا رہی تھی تو پرمیشوری نے اس سے پوچھا کیوں ماتا! کوئی بھی اپنا نہیں ہوتا!

بڑھیا نے سر ہلا کر کہا: بیٹی کوئی بھی نہیں،

اس سے پرمیشوری کے دل پر عجیب اثر ہوا۔

گر اس کی ماں کو اس کنیا کا اس قدر اس بڑھیا کی طرف اور گیت کی طرف رجوع ہو جانا پسند نہ تھا نہ معلوم اس کی کیا خاص وجہ تھی، اس لئے وہ سخت ناراض رہتی تھی، اور بیٹی کو ہر وقت یہ گیت سننے کے لئے منع کرتی تھی ایک روز باوجود اس کے بھی دیکھا کہ بڑھیا گا رہی ہے اور پرمیشوری اس میں محو ہے اور اپنی کچھ سدھ بدھ نہیں اس پر وہ ناراض ہوئی، پرمیشوری کو رنج ہوا۔ کہ معلوم اس بڑھیا پر میرے ماں باپ کیوں ناراض ہیں۔

شام کو ایک روز یہ بڑھیا حسب اپنے وقت پر نہیں آئی تو پرمیشوری کو بڑا اضطراب پیدا ہوا وہ بار بار جھانکنے لگی، دل میں سوچا کہ اس کی کیا وجہ ہے شاید میرے ماں باپ نے روک لیا ہو برا بھلا کہہ کر نکال دیا ہو گیا سچ مچ اب وہ نہیں آئے گی، یکایک باہر سے وہ دلکش آواز آئی پرمیشوری نے چپکے سے چاروں طرف دیکھا کہ کوئی نہیں ہے وہ جھٹ باہر نکل اگرچہ بڑھیا کو کئی چھند اور اس کی بیوی نے بہت ڈانٹ بتلائی تھی کہ اس گھر میں نہ آیا کرنا لیکن بڑھیا کے منہ پر شانتی چھا رہی تھی، گویا کچھ ہوا ہی نہیں ہے پرمیشوری نے بڑی خوشی سے کہا "ماں تم آگئی ہو، مجھے خیال تھا کہ تم اب نہ آؤ گی، بڑھیا نے کہا بیٹی تمہیں ماں باپ کی وہ باتیں یاد نہیں جو انھوں نے کہی تھیں، مگر سنیاسیوں کو ایسی باتیں چونکہ یاد نہیں رہتیں اور وہ یاد بھی نہیں رکھا کرتے اس لئے "ارملا" میں آئی ہوں،

اس پر پرمیشوری نے کہا تو اچھا مجھے بھی سنیاسی بنا دو اپنے ساتھ لے چلو، مجھے معلوم نہیں کہ تمہارا اور تمہاری گیت کا اس قدر مجھے کیوں پریم ہے؟ میں ایک دم بھی تم سے دور رہنا نہیں چاہتی، تمہارے گیت کی آواز ہر وقت میرے کانوں میں گونجا کرتی ہے۔

بڑھیا نے کہا۔ ارملا ایسی باتیں نہ کرو، ایشور تم کو اقبال دے عزت دے تم کبھی کو سنیاسی بنوگی، پرمیشوری نے کہا تم تو کہتی تھیں کہ کوئی کسی کا نہیں ہوتا تو پھر مجھے کیوں ماں باپ اقبال، عزت وغیرہ کا لالچ دیتی ہو؟

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ پرمیشوری کی ماں آگئی، وہ تمتما کر بڑھ کر کہا بڑھیا تم میری لڑکی کے پیچھے کیوں پڑی ہو؟ میرے اگر کوئی لڑکا ہے تو یہی لڑکی ہے تو یہی میری سب کچھ یہ اسی سے وابستہ ہیں، یہ کہتے کہتے پرمیشوری کی ماں آپے سے باہر ہو گئی بڑھیا اور کچھ کہنے لگی:۔

"میں تو صرف دیکھنے آتی ہوں اگر تم کو اس سے دکھ ہوتا ہے تو اب اسے دیکھنے نہ آؤں گی لیکن جانے سے پیشتر میں کنیا "ارملا" کو ایک چیز دینا چاہتی ہوں کیا اسے لینے دو گی؟

بڑھیا کا یہ کلام پرمیشوری اور اس کی ماں کے دل پر اثر کر گیا پرمیشوری کی ماں بولی اچھا تم جو دینا چاہتی ہو وہ اس کو دیدو میں لینے سے نہیں روکوں گی تم کو اسے دینے سے بھی میں منع نہیں کرتی ہوں، میں تو کہتی ہوں کہ اس کو ویراگ کی باتیں مت سکھاؤ، بچی ہے سب سمجھے۔ کہیں اس کے دل پر اس کا برا اثر نہ ہو، اس لئے میں منع کرتی ہوں،

بڑھیا نے تو پرمیشوری کی ماں کو کوئی جواب نہ دیا، مگر پرمیشوری کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی،

"آؤ بیٹا ارملا تمہیں میں ایک انگوٹھی پہناؤں گی جب کبھی اسے دیکھو میری یاد کر لینا، پرمیشوری نے اپنا ہاتھ بڑھا کر بڑھیا کی طرف کر دیا بڑھیا نے ایک پرانی انگوٹھی نکال کر اس کی انگلی میں پہنا دی، اس انگوٹھی کو پرمیشوری نے دیکھا کہ نگینہ پر "ارملا" کھدا ہوا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ کیا میں اب "ارملا" ہو گئی

اس پر پرمیشوری کی ماں نے بڑھیا سے کہا کہ تم میری پرمیشوری کو ارملا کیوں کہتی ہو؟

بڑھیا نے کہا کہ میں یہ بھی بتلائے دیتی ہوں سنو! میں ۴۱ سال کی عمر میں بدھوا ہو گئی تھی، میری صرف ایک لڑکی تھی جس کا میں نے بیاہ کر دیا تھا جب میں ۳۵ سال کی تھی تو وہ پیدا ہو گئی تھی میں نے ۱۲ سال کی ہی عمر میں اس کی شادی کر دی تھی، خیال یہ تھا کہ زندگی کا بھروسہ نہیں، نہ معلوم کب یہ آنکھیں بند ہو جائیں،

بہرحال جب وہ اٹھارہ سال کی ہو گئی اس کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کے بعد میری لڑکی بیوہ ہو گئی اور ایک ہی سال کے اندر وہ مر گئی میں اس ایک بیٹی کی بچی کو لا کر پالنے لگی، اس کا نام "ارملا" تھا میں اسے گویا اپنی طرح سمجھا یہی میری صبح و شام کا مشغلہ بن گیا تھا، بہت جلد وہ کی عمر ایک سال ہو گئی میں نے ایک روز خیال کیا کہ میں زیور اس لڑکی کے لئے میں نے بنوائے ہیں ایک روز میں اسے پہنا کر دیکھوں کہ اس کی صورت کیسی معلوم ہوتی ہے چنانچہ میں نے گہنیں سے نئے لا کر پہنا دیئے اور پھر گھر کے کام دھندے میں لگ گئی، دیکھتے دیکھتے وہ باہر نکل گئی پھر اس کا پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گئی، اس کو کون لے گیا؟ میرا بہت برا حال ہوا وہ ارملا کو معلوم ہوا اس کے بعد میں اسی بھیس میں جنگلوں، پہاڑوں میں ارملا کو ڈھونڈتی بھٹکتی رہی اور دیس بدیس میں پھرتی ہوں آج تک ڈھونڈتی پھرتی ہوں کوئی بھی جواب نہیں دیتا، تمہاری اس لڑکی کی صورت میری ارملا سے ملتی ہے بس دیکھ کر میرے دل میں پیار کی دھارا بہنے لگتی ہے۔ اس کارن اس کو میں نے ارملا کہا۔ اور جو انگوٹھی میں نے ارملا کے لئے بنوائی تھی وہی یہ انگوٹھی ہے جو اس کو پہنا دی ہے۔

پرمیشوری کی ماں نے کہا، تمہاری ارملا کو گم ہوئے کتنے سال ہو گئے؟

بڑھیا نے کہا کہ نو سال ہو گئے وہ اب تک نہیں ملی

پرمیشوری کی ماں:۔ کیا گلے میں کوئی چیز پہنے ہوئے تھی؟

بڑھیا۔ ہاں ایک لال رنگ کا موتی،

پرمیشوری کی ماں:۔ تمہاری ارملا کے جسم پر کوئی نشان بھی تھا یا نہیں؟

بڑھیا۔ ہاں پھوڑے کا نشان تھا۔ اس کی بانہہ پر ایک پھوڑا نکلا تھا جو چیرا گیا تھا پیچھے اس کا نشان ہو گیا تھا

اس پر پرمیشوری کی ماں گئی اور بکس میں سے وہ لال رنگ کا موتی کا دانہ لائی، اور کہا یہی وہ دانہ ہے نا؟

بڑھیا۔ ہاں ہاں یہی دانہ ہے۔

پرمیشوری نے اس کی بانہہ کو کھول کر دکھلایا دیکھو یہی نشان ہے نا؟ بڑھیا نے کہا ہاں یہی نشان ہے

اس کے بعد پرمیشوری کی ماں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پرمیشوری کو پکڑا اور کہا اچھا آؤ اپنی نانی کو پرنام کرو، گلے لگ کر پیار کرو،

پرمیشوری حیران ہو رہی تھی کچھ سمجھ نہ سکی کہ کیا بات ہے

پرمیشوری کی ماں بولی کہ تمہاری ارملا کو یہ حال کچھ معلوم نہیں،

سنو! میں سارا حال سناتی ہوں، تم جو تلاش کر رہی ہو یہی تمہاری وہ ارملا ہے جس کی خاطر تم دس سال سے خاک چھانتی رہی ہو اپنا گھر بار چھوڑ کر سنیاسی بنی ہوئی ہو،

میرے ہاں کوئی بچہ نہ تھا ایک دن ہم دونوں میاں بیوی اس کا پتا ہی شوک میں تھے کہ ہمارے سوا ب میں ایک سچا واقعہ معلوم ہوا کہ کوئی سنگدل، قدرتی شخص ایک کنیا کو

(باقی صفحہ ۴۴ پر)

مالن کی لڑکی

(از جناب کاشف)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

اُس وقت، جبکہ سورج مغرب میں چھپ رہا تھا | اُس وقت، جب مسافر منزل پہ جا چکا تھا
جب چرخ نیلگوں پر تارے چمک رہے تھے | جب انجمن میں روشن فانوس ہو چلے تھے
کچھ روشنی تھی لیکن معدوم ہونیوالی | ہر چیز چھپ رہی تھی معلوم ہونے والی

مالن کی ایک لڑکی گجرا بنا رہی تھی، | کچھ مسکرا رہی تھی کچھ گنگنا رہی تھی!
پھولوں کا ڈھیر اُس کے آگے رکھا ہوا تھا، | ساری بندھی ہوئی تھی اور سر کھلا ہوا تھا

پھولوں کی ٹوکری میں کلیوں کے شعبدے تھے | ہالے میں چاند کے کچھ تارے چمک رہے تھے
بھیگی جو رات، اُس نے اپنی سبد اُٹھائی | انگڑائی جوش میں لی اک بار مسکرائی
وہ روح باغ بنکے رخصت ہوئی چمن سے | نکلی وداع ہو کر نسرین و نسترن سے
پھولوں کو نیند آئی، کلیوں نے سر جھکایا | خاموش اک اندھیرا صحن چمن میں چھایا

حسن صبیح لیکن اُس کا چمک رہا ہے
جو نقش پا میں اُسکے ابتک دمک رہا ہے

خان خاناں کی ہندی شاعری!

(از جناب کوثر چاندپوری)

(خاص تیج ویکلی کے لئے)

دنیا کی تمام زبانوں میں کم و بیش شاعری کا وجود پایا جاتا ہے اور ایسا ہونا باعث تعجب بھی نہیں، شاعری بشرطیکہ صحیح معنے کے اندر ہو، انسان کے لطیف ترین جذبات اور دقیق ترین احساسات سے براہ راست تعلق رکھتی ہے اور وہ چیز ہیں کسی زبان کی ملکیت نہیں، جہاں دل و دماغ ہوں گے، وہاں جذبات و احساسات کا پیدا ہونا لازمی ہے، جو شاعری کی سب سے پہلی تحریک انسان کے اعصاب و عروق میں پیدا کرتے ہیں۔ بایں ہمہ ہر زبان اور ملک کی شاعری میں چند ایسی امتیازی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو دوسری زبان اور ملک میں نہیں ملتیں۔ مثلاً عربی شاعری میں حریت اور بیباکی عربی شاعری کا خاص حصہ ہے، لیکن قوموں کے اختلاط اور میل جول سے ان کے تمدن اور معاشرت پر بھی اثر پڑتا ہے چنانچہ شعر و سخن پر بھی قومی ادبار کسی طرح اثر انداز ہوتا ہے جس وقت عربی تمدن کی بزم عجم میں بچھی اور عجمی تاثرات پھیلنا شروع ہوئے تو یہ چیز باکل فنا ہو گئی فارسی شاعری سے عربی شاعری کے بہترین پیمانے یعنی فارسی پر اگر شاعری نے کروٹ بدلی اور اسی ایک کروٹ کے ساتھ اس کی کائنات بھی بدل گئی، اور شعراء نے اپنا مرکز محبت باکل تبدیل کر دیا، عرب میں مرد، عورت کو مخاطب کرتا تھا اس صورت میں باکل فطری جذبات قلب و زبان سے ادا ہوتے تھے، فارسی میں یہ بات نہیں رہی اور مرد، مرد ہی کو مخاطب کرنے لگا۔ اسی وجہ سے وہ اثر بھی باقی نہیں رہا جو قدرتی اور فطری جذبات کا ہونا چاہیئے اگرا س کو فلسفہ تصوف، تاریخ اور مذہبی تفوق سے سہارا نہ پہونچتا تو اس کا مرتبہ پست ہوتا جو اب ہے۔

ہندی شاعری کے جذبات فطرت کے باکل مطابق ہوتے ہیں بلکہ اس میں ایک خاص قسم کا لوچ، مٹھاس اور رس دوسری زبانوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہندی میں عورت، مرد سے خطاب کرتی ہے اور یہ بے پناہ انداز بیان کے ساتھ جوڑوں کو تڑپانے اور دماغوں کو مجروح کرنے میں خاص اثر رکھتا ہے۔ جیسے سوکھی ہوئی گھاس میں آگ کی چنگاری رکھ دی جاتی ہے اور دفعتاً شعلے بھڑکنے لگتے ہیں، یہی صورت جذبات کے مشتعل پذیر ہونے کی ہوتی ہے عورت کے منہ سے محبت کے میٹھے بول سنتے ہی مرد کے قلب و دماغ اور حسی صوبات میں قیامت برپا ہو جاتی ہے پپیہے کی پی کہاں، کوئل کی کوکو اور موروں کی چیخیں، روزانہ سننے میں آتی ہیں۔ لیکن برکھا رت کے شباب میں یہی آوازیں ایک مہجور و بیتاب عورت کے کانوں میں پڑتی ہیں تو وہ ان سے معلوم کس قسم کے خیالات اخذ کرتی ہے، شرم و حیا اور عصمت و عفت ہندی عورت کا نہایت قدیم طرۂ امتیاز ہے، وہ موربی کی طرح مست و بیخود ہونے پر بھی لجونتی کی طرح شرما جانے کی فطری استعداد رکھتی ہے اس لئے جب یہاں کی عورت کے منہ سے اس کے جذبات موزوں ہو کر نکلتے ہیں تو ان میں وہ عریانی اور کم ظرفی نہیں ہوتی جس سے عموماً عشاق کے آہ و بکا اور نالہ و شیون کا خمیر تیار ہوا کرتا ہے وہ چمنستان حسن و شباب میں سرو قمری بھی بنتی ہے بلبل اور قمری کی حیثیت بھی اختیار کرتی ہے مرد کی طرف ایک مقناطیسی قوت سے کھنچتی بھی ہے مگر کیونکر، سنبھل کر، بچا کر اور آنکھیں نیچی کر کے یہی جذبۂ مستغرقانہ ہے جو ایک ہندی عورت کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنا اظہار محبت اپنے شوہر کو بنائے، اس کا معشوق اس کا پتی ہو وہ محبت کرے مگر جائز اور شریفانہ چنانچہ ہندی شاعری کا قابل ذکر سرمایہ اسی خصوصیت کا حامل ہے۔

ہندی شاعری میں جو سادگی، حلاوت، معصومیت اور دوشیزگی پائی جاتی ہے وہ ہر زبان کی شاعری کو میسر نہیں، ہندی میں ایسے ایسے نشتر موجود ہیں کہ اُن کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو حسن و عشق اور محبت و شوہر پرستی کی ایسی ایسی مثالیں سامنے آ جائیں جو دلدوز بھی ہوں اور بے پناہ بھی، تریاق بھی ہوں اور زہر بھی جراحت بھی اور اس کا مرہم بھی،

ایک شوہر پرست بیوی جس کا پتی صبح ہوتے ہی اس سے بچھڑنے والا ہے رات کی تاریکی اور خاموشی میں کس قدر سادہ، فطری اور معصوم خواہش کا اظہار کرتی ہے؛

سجن سکارے جائیں گے اور نین مرینگے روئے

بدھنا ایسی رین کرے جو بھور کبھی نا ہوئے

میرا محبوب صبح کو چلا جائے گا اور میری آنکھیں صدمۂ فرقت میں اشکبار ہوں گی، خدا کرے کہ یہ رات اتنی طویل ہو جائے کہ صبح ہی نہ ہو، کیسا پاکیزہ، لطیف اور بھولا خیال ہے پھر تخیل کیسا اثر آفریں اور تمنا کس درجہ کیف انگیز ہے، ایک ایک لفظ نشتر تیز سر ہے جو آپ ہی آپ دل میں چُھپا جا رہا ہے افسوس ہے کہ خان خاناں کی ہندی شاعری پر تمہید لکھ رہا ہوں جس میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں کہ محض ہندی شاعری میرا موضوع سخن ہوتی تو اس ذخیرے سے ایسے ایسے تیر و نشتر پیش کرتا کہ پڑھنے والوں کی نگاہیں مجروح ہو جاتیں۔ وقت نے مساعدت کی تو کسی اور موقعہ پر دعوت قلب و جگر کا یہ سامان مہیا کیا جائے گا!

خان خاناں کے ہندی کلام پر موجودہ فضا میں کچھ لکھنا جبکہ اردو اور ہندی کی مفروضہ اور لفظی جنگ عرصۂ ہند پر چھڑی ہوئی ہے میری رائے میں وقت کی سب سے بڑی ضرورت کو لبیک کہنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں ہندو شاعروں کی فارسی یا اردو شاعری پر لکھنے کی جگہ خان خاناں کی ہندی شاعری کو عنوان بحث بنا رہا ہوں، جس سے ظاہر ہوگا کہ مسلمان ارباب علم نے ہندی زبان سے کس حد تک اعتنا کیا ہے یہ مضمون بہت طویل بھی ہو سکتا تھا جبکہ میں مسلمان شعراء کی ہندی شاعری پر قلم اٹھاتا لیکن میں نے بہا نقلکے مسلمان شاعروں میں سے ایک ایسی ہستی کا انتخاب کیا ہے جو کلام کی مقبولیت ہر دلعزیزی اور دوسرے شاعرانہ کمالات میں خود ہندو شعراء کی صف میں نمایاں جگہ حاصل کر چکی ہے؛

خان خاناں کا نام عبدالرحیم تھا۔ یہ محمد بیرم خان خاناں کا اکلوتا بیٹا ہے جو بہت کم سنی میں باپ کی آغوش محبت سے محروم ہو گیا تھا۔ مگر پھر بھی سن رشد کو پہونچکر اس نے ان تمام قابلیتوں کا اظہار کیا جن کی بہترین تربیت کے بعد ایک بہترین انسان سے توقع ہو سکتی ہے شجاعت تدبیر، حسن انتظام سخاوت و علم دوستی غرض کوئی انسانی وصف ایسا نہیں، جسمیں خان خاناں نے اپنی قابلیت بلکہ یکتائی کا ثبوت نہ دیا ہو مغلوں کے عہد حکومت میں اور بھی بہت سے نیک نام عہدیدار تھے جن کو مختلف شاہی درباروں سے ”خان خاناں“ کا خطاب حاصل ہوا لیکن جس طرح مغلوں کی حکومت کا مفہوم صرف اکبر کی ذات میں پنہاں ہے اسی طرح عبدالرحیم کا یہ لقب اس سے مخصوص ہو گیا ہے آج تاریخ کے طالب علم کو چھوڑکر کوئی جانتا بھی نہیں کہ عبدالرحیم کے علاوہ اور کوئی شخص بھی خان خاناں تھا جب خان خاناں کا لقب زبان پر آتا ہے تو اس سے محض عبدالرحیم کی ذات مقصود ہوتی ہے

خان خاناں عربی، فارسی، ترکی، ہندی اور سنسکرت کا عالم تھا، فارسی اور بھاشا میں بے تکلف شعر کہتا تھا، رحیم تخلص تھا ہندی دوہوں میں اکثر رحمٰن نظم ہوا ہے عبدالرحیم کی خوش قسمتی ہے کہ اس کا فارسی اور ہندی کلام نہایت مقبول ہے چنانچہ اس کا یہ شعر

شمار شوق ندانستہ ام کہ تا چند است

جزایں قدر کہ دلم سخت آرزومند است

سیکڑوں دیوانوں پر بھاری ہے، سخت آرزومندی میں حسرت و ارمان کا جو طوفان موجزن ہے اس میں دلوں کی ہزاروں کشتیاں ڈوب سکتی ہیں؛

رحیم کی تصانیف میں اس کا (۱) فارسی دیوان (۲) واقعات بابری کا ترکی سے فارسی میں ترجمہ (۳) رحیم ست سئی (۴) بروئے نانگا بھید (۵) راس پنچا دھیائی (۶) شرنگار سورٹھ (۷) مدنا شٹک مشہور ہیں، لیکن بروے نانگا بھید کے علاوہ تمام ہندی تصانیف نایاب ہیں البتہ ”ہندی مندر پریاگ“ نے ایک کتاب ”رحیم“ نام کی شائع کی ہے جو عبدالرحیم کے تمام ہندی کلام کا مجموعہ ہے میرے پاس یہ کتاب نہیں ہے صرف بروے نانگا بھید ہے اور کچھ ہندی کے مختلف دوہے ہیں جن کو میں نے نہایت تلاش و جستجو سے بہم پہونچایا ہے یہی ذخیرۂ کلام میرے موجودہ مضمون کی بنیاد و اساس ہے

عبدالرحیم صرف شاعر ہی نہ تھا بلکہ شاعر پرست بھی تھا بے شمار مشہور عالم شعراء اس کے دامن تربیت سے وابستہ تھے، فارسی کا مشہور شاعر نظیری اسی کا پروردہ تھا عرفی پر بھی خان خاناں کے احسانات ہیں ہندی کا مقبول سخن گو گنگ کوی بھی خان خاناں سے وابستہ تھا تلسی داس سے عبدالرحیم کے دسیع تعلقات تھے؛

گنگ کوی نے خان خاناں کی یہ مدح لکھی۔

چکت بھنور ہوئی گیو گی نہیں کرت کنول بن

اہی پھنی منی نہیں لیت تیج نہیں بہت پون گھن

ہنس مانسر تجیو چک چکی نہ ملے اتی

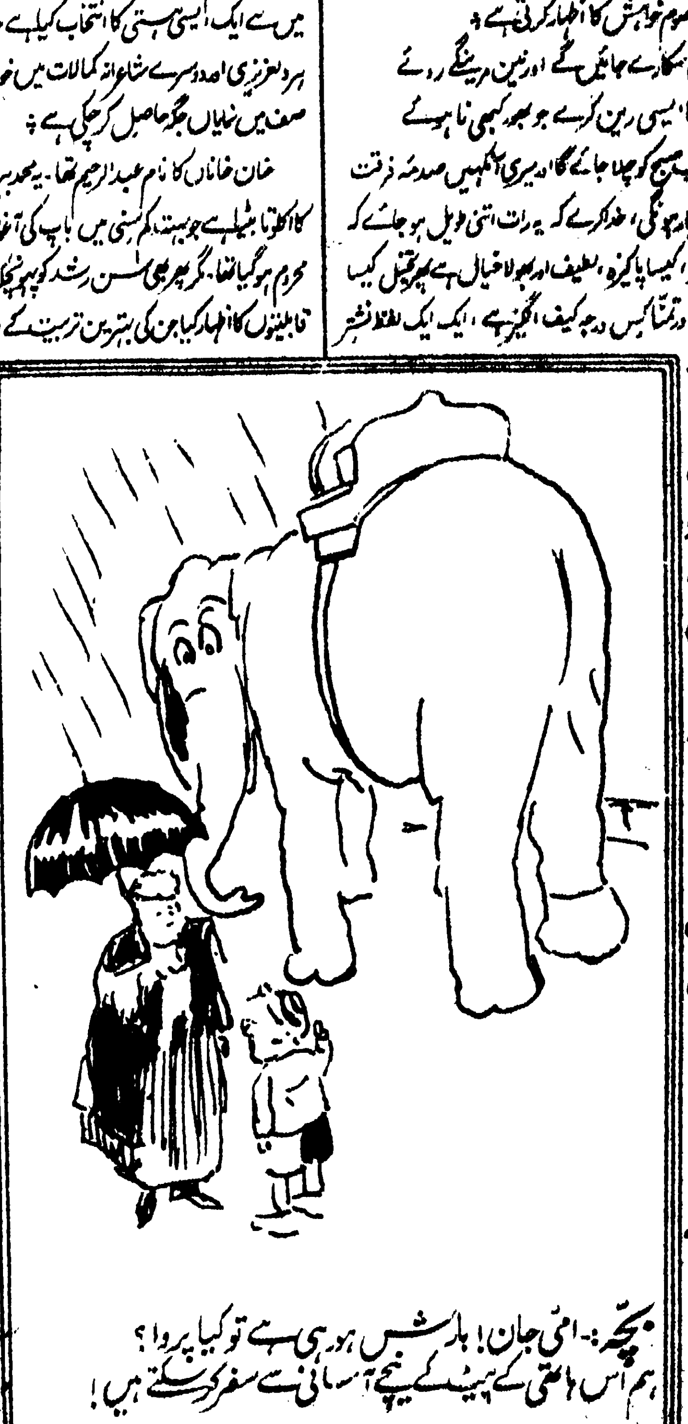
بہو سندری پدمنی پرش نہ چہیں نہ کریں رتی

کھل بھلت سیس کوی گنگ بھنی امت تیج روی رتھ کیو

خان خاناں بیرم سون جو دن کرودھ کر تنگ لیو

یعنی بیرم خاں کا بیٹا خان خاناں جب غضبناک ہو کر گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تو بھونرا حیران ہو جاتا ہے اور کنول کے پھولوں پر اڑنا بھول جاتا ہے، سانپ کے مَن میں چمک نہیں رہتی، بادل ہوا میں چلتے چلتے رک جاتے ہیں ہنس مانسرور چھوڑ دیتے ہیں، چکوا چکوی میں وصل کی خواہش نہیں رہتی۔ مرد خوبصورت عورت کو نہیں چاہتے، سیس ناگ مضطرب ہو کر پیچ و تاب کھانے لگتے ۔۔۔ سورج کی عظمت

باقی اگلے صفحہ پر



بچہ:- امی جان! بارش ہو رہی ہے تو کیا پروا؟ ہم اس ہاتھی کے پیٹ کے نیچے آسانی سے سفر کر سکتے ہیں!

پچھلے صفحہ سے

وصال کا رشتہ اپنی جگہ سے ہٹ جاتا ہے۔

خان خاناں نے گنگ کوی کو ۳۶ لاکھ کی ہنڈی، جو خزانے میں جمع ہونے کو آئی تھی صلہ میں دے دی۔ ممکن ہو آج کل اس واقعہ کو مبالغہ پر محمول کیا جائے لیکن مستند تاریخوں میں خان خاناں کی داد و دہش کے متعلق جو واقعات مذکور ہیں ان کو دیکھتے ہوئے اس میں مبالغہ کا شائبہ نظر نہیں آتا تاہم جو لوگ مطمئن نہ ہوں وہ ۳۶ لاکھ کو ۳۶ ہزار ہی سمجھ لیں یہی خانخاناں ہے جس نے نظیری کو ایک لاکھ محض اس بناء پر دے دئے تھے کہ اس نے حسرت ظاہر کی تھی کہ میں نے کبھی ایک لاکھ کا ڈھیر نہیں دیکھا۔

خان خاناں کے ہندی کلام میں تصوف کی رنگ آمیزی کافی حد تک پائی جاتی ہے اخلاقیات کی تعلیم بھی اس کے مختصر دوہوں میں موجود ہے اور وہ بڑے بڑے مضامین کو چھوٹے چھوٹے دوہوں میں نہایت خوبی سے ادا کر جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ خانخاناں ہندی کا مستند شاعر مانا جاتا ہے اس کے کلام میں روانی، سادگی اور شیرینی ہے۔ تشبیہ دوہوں کے لکھنے میں خان خاناں کو زبردست قدرت حاصل تھی اب ہم خان خاناں کے ہندی کلام کا ایک مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں:-

رحمن انگیا نیل کی رت میں ہیچی رتہک
منو کسوٹی بھسم پر دئی ہیم کی لیک

نیلگوں انگیا جو تھوڑی سی مسک گئی ہے ایسی معلوم ہوتی ہے کہ سونے کی کسوٹی پر لکیر کھینچ دی گئی ہو۔

کسوٹی پر سونے کی لکیر کھینچ کر اسے اصلی اور نقلی ہونے کی تمیز کی جاتی ہے کسوٹی کا رنگ نیلا ہوتا ہے جس پر ذرا سی لکیر کھینچی جاتی ہے انگیا بھی تھوڑی سی مسکی ہے تشبیہ کی ندرت شاعر کی قوت فکر و خیال پر دلالت کرتی ہے۔

من سے کہیں رحیم پربھ درگ سو کہیں دان
دیکھ نین جو اگر نین من تیتی ان بکھ جان

قلب سے بہتر بادشاہ اور آنکھ سے بہتر کوئی وزیر نہیں آنکھ جس کی عزت کرتی ہے قلب بھی اُسی کا ہو جاتا ہے

رحمن دھاگا پریم کا جن توڑو چٹکائے
توڑے سے جڑے نہیں جڑے گانٹھ پڑ جائے

رحمن محبت کے رشتہ کو ہرگز نہ توڑو کیونکہ یہ ٹوٹ کر جڑتا نہیں بلکہ درمیان میں گانٹھ پڑ جاتی ہے۔

جیہہ رحیم تن من دیو کیو ہریے ہیں بھون
تاسے دکھ سکھ کہے کی رہی کہتا اب کون

جس کو اپنا تن من سپرد کر دیا جس کو دل میں بسا لیا اب اس کی تکلیف اور آرام کا کیا ذکر ہے وہ تکلیف پہونچائے یا آرام پہنچائے۔

رحمن نیچن سنگ بسے لگت کلنک نہ کاہی
دودھ کلارن ہاتھ لکھی مد سمجھیں سب تاہی

رحمن رذیل آدمیوں کی صحبت سے کلنک کیوں نہ لگے گا، کلال کے ہاتھ میں دودھ بھی ہوتا ہے تو دیکھنے والے اُسے شراب ہی سمجھتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ بری صحبت میں آدمی ضرور بدنام و رسوا ہو جاتا ہے،

کہے رحمن سمپتی سگے بنت بہت بہو ریت
وپت کسوٹی جو کسے تیہی سانچے میت

اچھے وقت کے ساتھی بہت ہیں ہزاروں دوست بن جاتے ہیں مگر مصیبت کی کسوٹی پر جو کھرا اترے وہی سچا دوست ہے

جل سو کھے پنچھی اڑیں اور سرن سمائیں
دین میں بن پونچھ کی کہو رحیم کہتے جائیں

تالاب کا پانی سوکھ جاتا ہے تو پرند تالاب کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں اور کوئی دوسرا ٹھکانا بنا لیتے ہیں لیکن غریب مچھلیاں کہاں جا سکتی ہیں ان کی زندگی اور موت اسی تالاب سے وابستہ ہے چنانچہ وہ وہیں مر جاتی ہیں۔

رحمن دیکھے بڑن کو لگھو نہ دیجئے ڈار،
جہاں کام آوے سوئی کہاں کرے تلوار،

بڑی چیز کو حاصل کر کے چھوٹی چیز کو نہ کھو دینا چاہیئے، جہاں سوئی کام آجاتی ہے وہاں تلوار سے کچھ نہیں ہو سکتا

رحمن تر ہو واں بھلو جب تک سیل سمرج
سیل حسین جب دیکھئے ترت کیجے کوچ

رحیم اُس جگہ اسی وقت تک رہنا چاہیئے جب تک میزبان کی خوشامدانہ اخلاق نہ ہو اور جب اخلاق خراب ہو جائے تب جگہ کو خیر باد کہنا چاہیے ہر کہ اب وہ وقعت نہیں رہی تو فوراً وہاں سے چل دینا چاہیے۔

رحمن یہ جن کی دیتیا سن ہی لگو کوئے
سن اٹھی ہیں لوگ سب بانٹ نہ لیں کوئے

رحمن دل کا درد دل ہی میں رکھنا چاہیے اگر کسی سے بیان کرو گے تو سن کر سب ہنسیں گے درد کو تقسیم کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

رحمن مور سماوحات تتر بیچ میں ہوئے
پگ دا برو رہے رہیں پر سم سے ہو سرے

رحمن میری قبر معشوق کی گذرگاہ پر بنائی جائے تا کہ اس کے پاؤں قبر پر پڑتے رہیں اور میں چین سے سوتا رہوں

بولن بسیں سبھی لاگوکن گواتے
رحمن تجتے سو کسے ناکن ہوتے

بگاڑی بات اگر ہیں بنے کہی نہیں بنی سمواج
دودھ کو بلوے سے مکھن نہیں نکلت

رحمن وسے نیر میں کیوں لاگی جاتی
اپنے پہلے وہ مر سے من کر کٹ سات ہیں

وہ لوگ مردہ ہیں جو دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں مگر اس سے پہلے وہ مر جاتے ہیں جن کے منہ سے نہیں نکلتی ہے

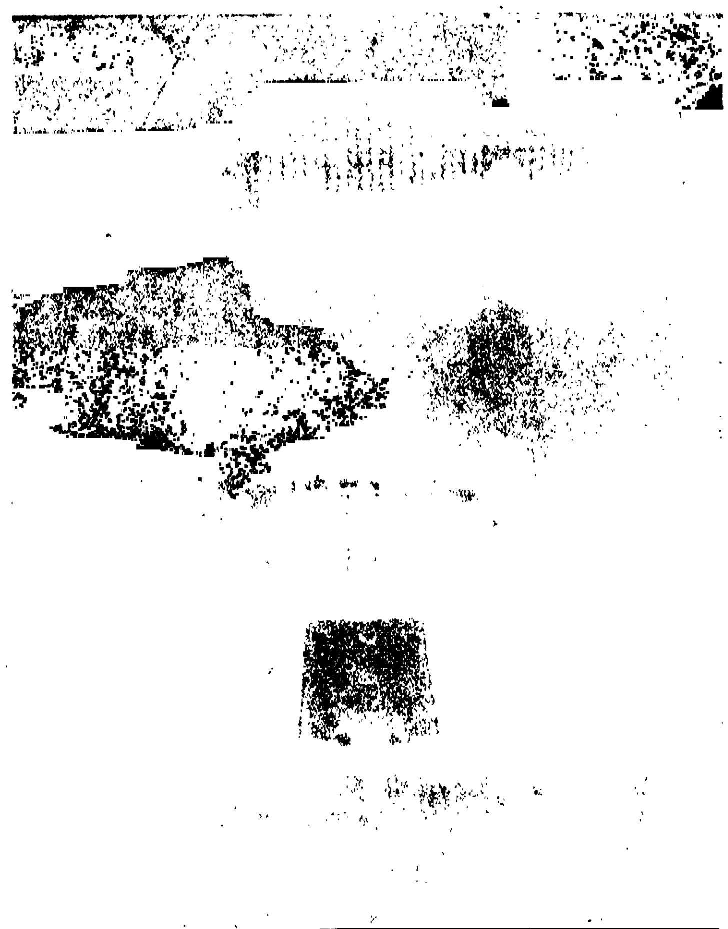
تج کر کر یار حیم کہی سدھی بھاوی کے ہاتھ
پانسے اپنے ہاتھ میں داؤں نہ اپنے ہاتھ

باقی صفحہ ۲۲ پر

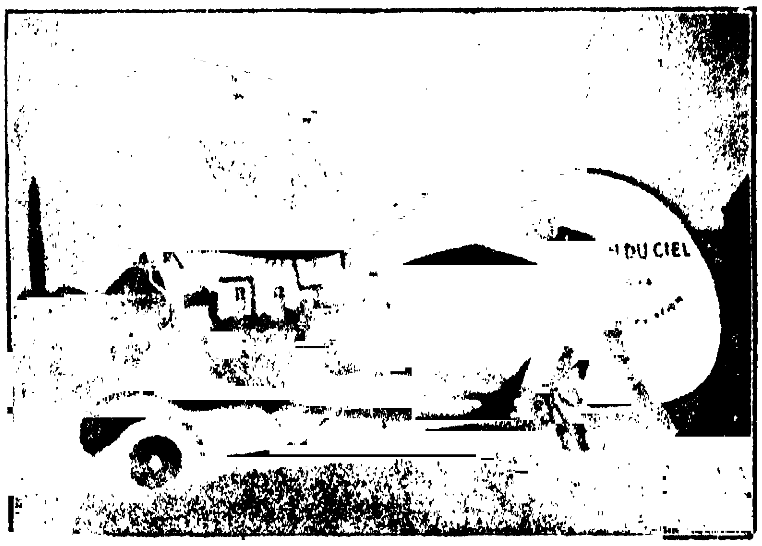




پیرس جرمن آرٹ کے افتتاح کے وقت ایک دلچسپ جلوس

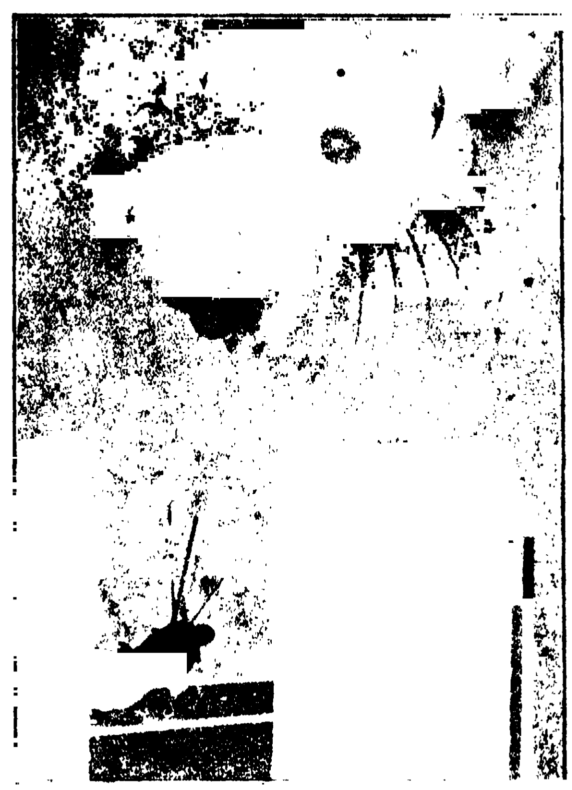


جہازوں اور کشتیوں کو آتش زدگی سے بچانے کیلئے لندن کے
دریائی فائر بریگیڈ کا اسٹیشن



جنگ میں بمب گرانے کیلئے ایک نیا ہوائی جہاز تیار
کیا گیا ہے

۱۱



پیراشوٹ کے ذریعہ بمبار طیارے کی
پرواز



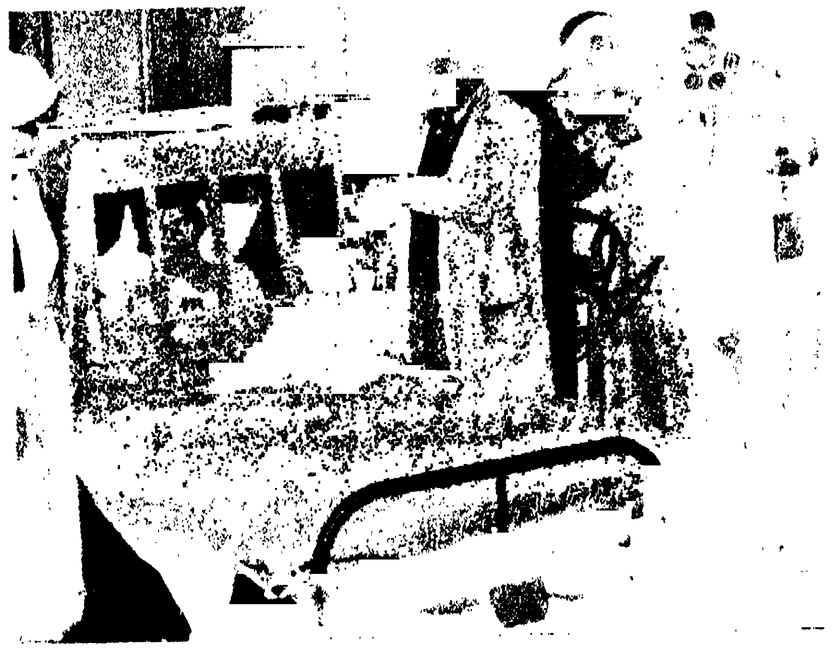
ردن کا وہ حیرت انگیز پل جو صرف ایک محراب پر بنا ہوا ہے



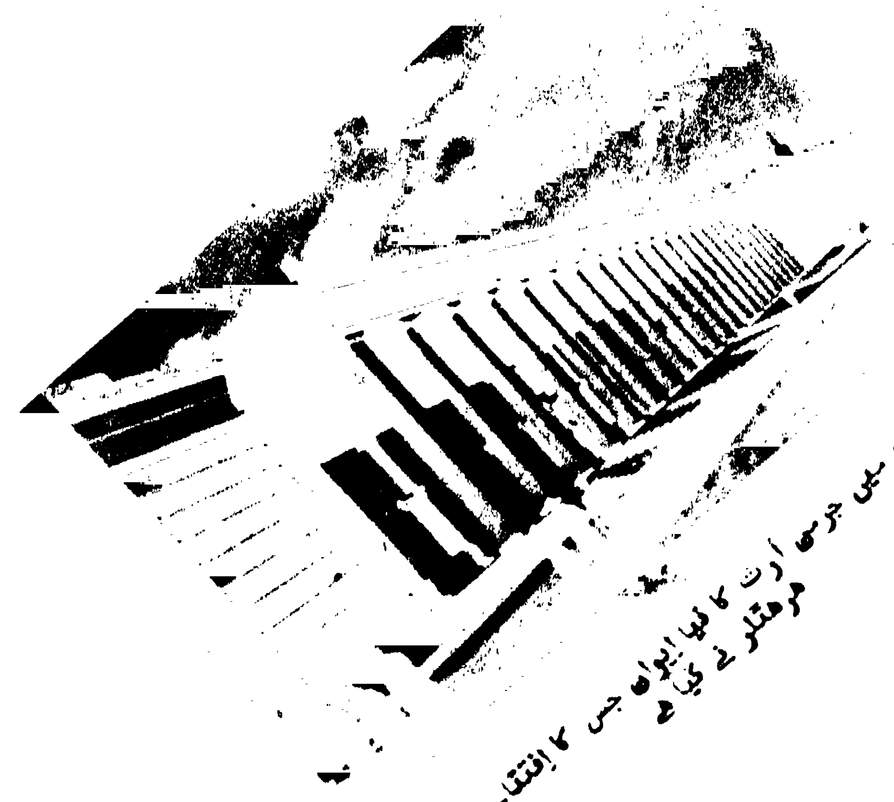
جدید طریقہ جنگ کے دہشتناک اثرات — لوگ گیس ماسک پہن کر بمباری اور زہریلی گیس سے تباہ شدہ محلہ کے رہنے والوں کو بچا رہے ہیں



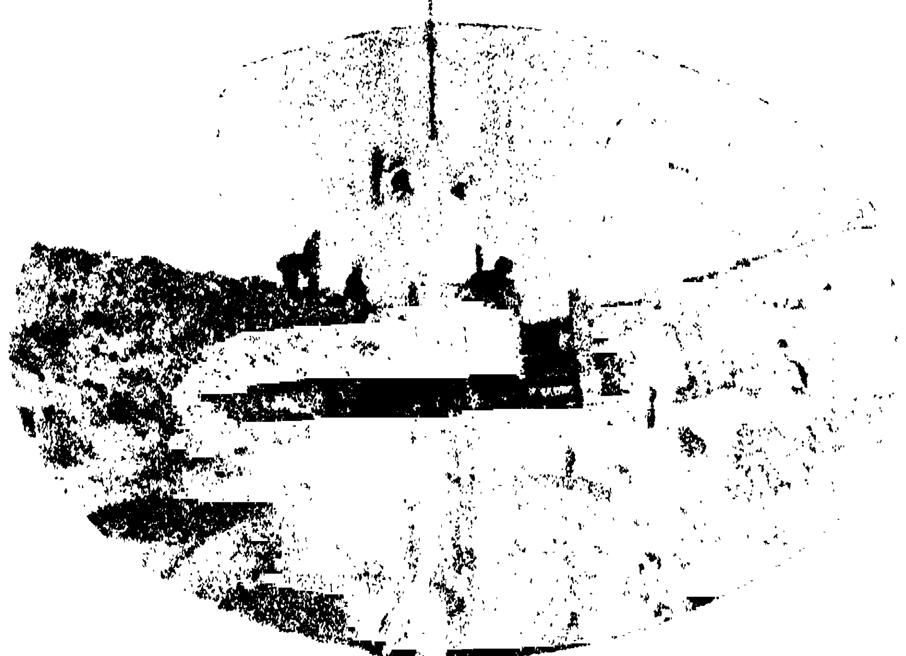
وائرلس کی "پیدائش" کا منظر — ۲۱ اکیس سال کی عمر میں مارکونی کا پہلا کامیاب تجربہ جس میں اُسنے ایک خود ساختہ برقی مشین استعمال کی تھی



اکسیجن گیس کا خیمہ جس میں زہریلی گیس کی ایک مریضہ کا علاج کیا جارہا ہے



میونخ میں جرمنی آرٹ کا نیا ایوان جس کا افتتاح ہر ہٹلر نے کیا ہے



فوجی نقل وحرکت یا سڑک سازی؟ ایک نئی مشین جو سرحد کے پہاڑی مقامات میں فوجی سڑک بنانے کیلئے استعمال کی جارہی ہے



روس میں جسمانی تندرستی کی تحریک جس میں روس کے ہر صوبہ کی لڑکیاں شریک ہیں



دائرہ کے اندر رقص کا مظاہرہ



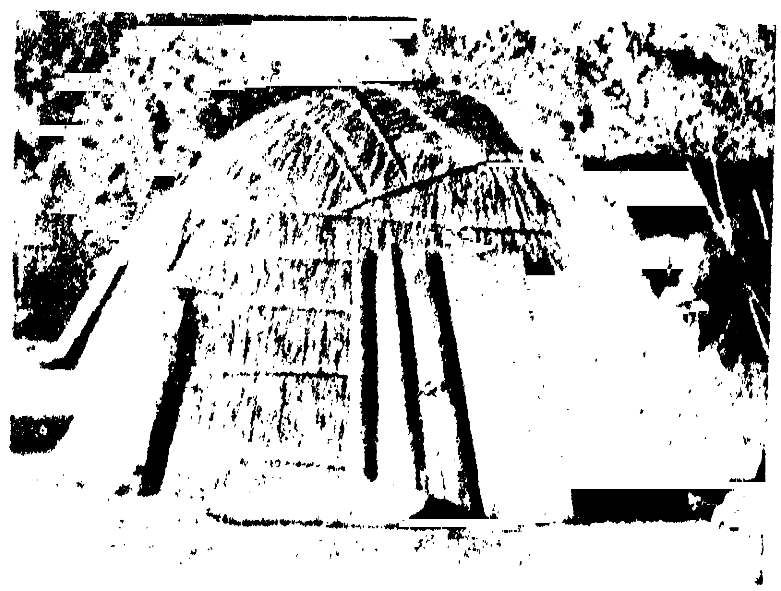
حکیم عبدالاحد شرف‌الدین پوری
آپ امتحان بورڈ طبیہ کالج دہلی
۳۷ء میں فرسٹ ڈویزن میں فرسٹ
آئے ہیں



یورپ میں تحریک تندرستی کے
سلسلہ میں عورتوں کی جسمانی
ورزش کا نیا طریقہ



کیلیفورنیا یونیورسٹی کی یہ
لڑکی مس پاریرا فن غوطہ‌زنی
میں عالمگیر شہرت رکھتی ہے



جزیرہ مارشیش میں پتھر کی
جھونپڑی جسکی چھت اور دیوار
گھاس سے مزین کی جاتی ہے

بال سبھا

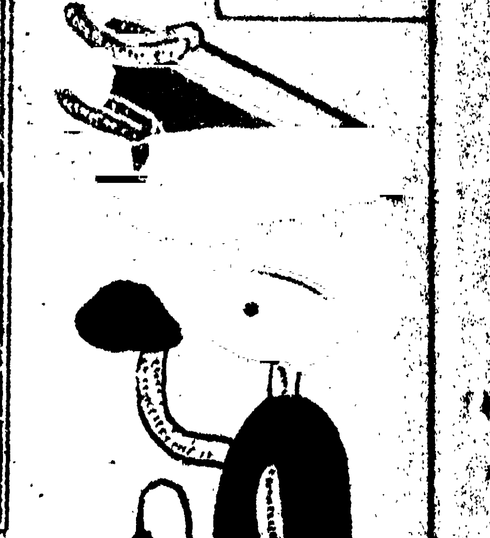
سیپ اور گھونگوں کے کھلونے

(از مسز ستیش پال گپتا)

اگر چھٹیوں کے دنوں میں آپ لوگ کسی سمندری جگہ یا کسی دریا کے کنارے پہنچ جائیں تو کھیلنے کے لئے گھونگھوں اور سیپوں کوڑیوں وغیرہ سے بڑھ کر اور کوئی دلچسپ چیز نہیں ہو سکتی، ہم آپ سے کہنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ جاتے ہو تو سیپیاں اور گھونگے کی بجوں میں جمع کرکے رکھ لیں ان سے بہت سی خوبصورت، دلچسپ اور کار آمد چیزیں تیار کرنے کی ترکیبیں بتاتے ہیں۔



ان گھونگوں کے علاوہ جن چیزوں کی



ضرورت ہوگی وہ یہ ہیں:- پائپ صاف کرنے کی تیلی کئی عدد، پلاسٹر آف پیرس ایک مصالحہ جو جلد جم جاتا ہے، پانی کا گلاس، سلولوز مصالحہ کی سمنٹ، مختلف رنگ اور وضع طرح کے دانوں اور منکوں کی کئی لڑیاں،

سلولوز مصالحہ کی سمنٹ ایسی باریک چیز ہوتی ہے کہ اس کے آر پار دیکھ سکتے ہیں چیزیں جوڑنے کے لئے یہ مصالحہ لگانا چاہیئے اور اگر کسی جگہ مصالحہ گرم کرنے سے آگ بھڑک اٹھے تو فوراً پانی کا گلاس استعمال کرو، سیپیوں کے ٹکڑوں پر سمنٹ چپکنے سے پہلے پانی کا ایک کوٹ کر دینا چاہیئے۔

منکوں اور دانوں سے بہت سی خوبصورت آنکھیں جانوروں کی تم بنا سکتے ہو، یہ سب چیزیں کیونکر بنائی جا سکتی ہیں ذرا ان کا حال ان تصویروں (چھوٹوں) میں دیکھو۔

(۱) سیپیں، مصالحہ، پائپ صاف کرنے کی تیلیاں اور دیگر سامان۔

(۲) سیپ میں ایک سوار کھڑا کیا گیا ہے جسے میز پر رکھا جا سکتا ہے سگرٹ کی راکھ جھاڑنے کی کیسی اچھی چیز تم نے اپنے پتاجی کے لئے بنائی ہے۔

(۳) ایک بہت خوبصورت راکھ دان جسے میز پر رکھا جا سکتا ہے ایک لڑکا سمندر کے کنارے بیٹھا کچھ سوچ رہا ہے ذرا دیکھنا کیسا بھلا مانس معلوم ہوتا ہے۔

(۴) سیپی کی ایک بنی ہوئی سندر چیز،

(۵) سیپوں کے پیٹ میں پلاسٹر آف پیرس مصالحہ بھر دو، برابر کی تصویر میں چھید کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے،

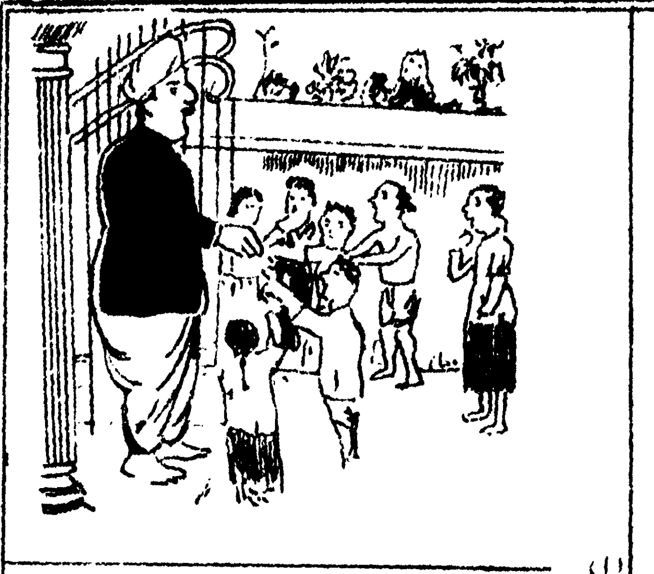
(۶) ایک "جنٹلمین" اور اس کی چھڑی اور کتا!

صبر کا میٹھا پھل

(بھائی راجہ رام نے لکھا)

جنوبی ہندوستان کے ایک گاؤں کا ذکر ہے کہ وہاں ایک بھلا آدمی رہتا تھا جو بوڑھا تھا اور بہت اچھی طبیعت کا تھا، اسے دان خیرات کرنے کا بہت شوق تھا وہ اپنے گاؤں کے غریب بچوں کو روزانہ کھانا، مٹھائیاں، کپڑے وغیرہ دیا کرتا تھا یہ غریب اور بے گھر مفلس بچے روزانہ اس امیر کے گھر کے سامنے بھیڑ لگا کر کھڑے ہو جاتے تھے اور دان کی چیزیں ایک دوسرے سے پہلے چھیننے کے لئے وہ بہت جھگڑتے تھے، ایک دوسرے کو کہنیاں مارتے تھے اور دھینگا مشتی کرتے تھے ان ہی غریب بچوں میں ایک لڑکی آتی تھی، جو ہمیشہ بہت دھیرج اور صبر سے کام لیتی تھی، اس کا نام بھی ایسا ہی سندر تھا، شانتی شانتی سب کہتے تھے، وہ ان بچوں کے ساتھ جھگڑتی نہیں تھی بلکہ ایک طرف کو کونے میں کھڑی ہو جاتی تھی تاکہ پہلے سب لے لیں تو وہ آخر میں اپنا ہاتھ پھیلائے۔

بوڑھا امیر آدمی روز لڑکی آتا دیکھتا تھا



(۱)
ایک غریب چھوٹی لڑکی ہمیشہ صبر سے کام لیتی تھی!



(۲)
وہ اُس لڑکی کو اپنے گھر لے گیا

اور اس کے گُن کو مانتا تھا، ایک دن اُس نے سب بچوں کو چاول کی میٹھی ٹکیاں بانٹیں سب سے آخر میں وہی لڑکی شانتی رہ گئی جسے سب سے چھوٹی ٹکیہ ملی، مگر جب اس نے اپنی ٹکیہ توڑی تو اس میں سے سونے کی چمکتی ہوئی اشرفی نکلی لیکن وہ ایک ایماندار لڑکی تھی اس لئے یہ سمجھا کہ بھول سے اشرفی ٹکیہ میں آگئی ہے، وہ اسے امیر آدمی کے پاس لوٹانے گئی امیر آدمی لڑکی کے صبر اور اس کی ایمانداری سے ایسا خوش ہوا کہ وہ اسے اپنے گھر میں لے گیا اور اپنی لڑکی کی طرح اُسے پالنے پوسنے لگا بے شک صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے اگرچہ ان پھلوں کے ساتھ کچھ کانٹے بھی ہوتے ہیں مگر ان سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔

ٹوٹنے والے تارے

(از ملک سلطان الارشد فاروقی) (خاص تیج دہلی کیلئے)

بچو! تم سے ہر ایک نے تاروں کو ٹوٹتے ہوئے دیکھا ہوگا، آج اس کے متعلق کچھ تم کو بتاتے ہیں

تارے کیسے ٹوٹتے ہیں؟ جب کبھی تارا ٹوٹتا ہے تو ایک زور کی آواز پیدا ہوتی ہے اگر یہ رات کو ٹوٹتا ہے تو روشنی بھی نظر آتی ہے، جب تک یہ آسمان پر رہتا ہے وہ کسی چیز سے رگڑ نہیں کھاتا، لیکن ہوا میں آتے ہی اس کے ساتھ رگڑ کھاتا ہے جس سے کہ اس میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے بعض اوقات اتنی گرمی ہوتی ہے کہ چھوٹے ستارے جلکر راکھ ہو جاتے ہیں اور بڑے تارے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں!

تاروں میں کیا ہوتا ہے؟ تارے عموماً تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) لوہے کے جس میں لوہے کا زیادہ حصہ ہوتا ہے (۲) پتھر کے جو صرف پتھر کے ہوتے ہیں (۳) لوہے اور پتھر کے جس میں یہ دونوں ملے ہوتے ہیں قسم اوّل و دوم کے تارے بہت پائے جاتے ہیں تیسری قسم کے تارے ابھی تک بہت کم معلوم ہوئے ہیں، ان دھاتوں کے علاوہ اس میں فاسفورس، گندھک، الومینیم، کاربن میگنیشیا، کیلسیم، سوڈا، سنکھیا اور پوٹاش بھی شامل ہوتے ہیں!

ٹوٹتے ہوئے تاروں کی رفتار! جتنے زور سے تارا اوپر سے گرتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ زمین میں گھس جاتا ہے سائنسدانوں نے اس کی رفتار ایک سکنڈ میں ۴۵ میل بتائی ہے۔

ایسے مقامات جہاں بڑے بڑے تارے گرے ایک تارا سانوں صدی میں گرا جو کعبہ شریف میں سنگ اسود کے نام سے مشہور ہے، ایک تارا ایلوچین (بوہمیا) میں ہے دوسرا تارا جرمنی میں ہے ۱۸۵۶ء میں اٹلی کے پاس سپین میں تاروں کی بارش ہوئی ۱۸۵۹ء بکرمی بنارس میں کئی تارے آسمان سے گرے،

پیرس کے قریب لائل میں تین ہزار سے زیادہ تارے گرے۔

نیا ہن ہنگری میں ایک سو آٹھ من کا تارا گرا تھا

صفحہ ۱۶ سے آگے

کام اپنے ہاتھ میں ہے مگر نتیجہ بس میں نہیں جیسے پانسہ لیتے ہاتھ میں ہے مگر داؤں پر کوئی قابو نہیں۔

پریتم چھبی نین بسی پر چھبی کہاں سمائے
بھری سرائے رحیم لکھی آپ پتھک پر جائے

میری آنکھوں میں اپنے پریتم کا حسن سمایا ہوا ہے کسی اور کا حسن کیونکر اس میں جگہ پا سکتا ہے بھری سرائے کو دیکھکر مسافر خود ہی لوٹ جاتا ہے۔

جیسے پرے سو سہہ رہے کہی رحیم یہہ دیہہ
دھرتی ہی پر پرت سب شیت گھام اور میہہ

رحیم اس جسم پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے برداشت کرے کیونکہ سردی گرمی اور بارش کے مصائب زمین ہی پر نازل ہوتے ہیں۔

رحمن چپ ہو بیٹھئے دیکھ دن کو پھیر
جب نیکے دن آئیں گے بنت نہ لگہیں بیر

رحمن خاموشی کے ساتھ زمانہ کی گردش اور دنوں کے پھیر کو دیکھئے پر جب اچھے دن آئیں گے تو سارے کام خود ہی بن جائیں گے۔

سمے پائے ستے وہن اد سہے سہو رحیم
سبھا دشاسن پٹ گہیو گدا لئے رہے بھیم

مصیبت کے وقت اچھی بری باتیں سب برداشت کر لینی چاہئیں سبھا میں دشاسن نے درو پدی کا چیر اتار الیکن بھیم گرز لئے خاموش ہی کھڑے رہے۔

نرور پھل نہیں کہات ہیں سرور پئیں نہ پان
کر رحیم پر کاج ہت سمپتی سنچہیں سجان،

درخت اپنے پھل آپ نہیں کھایا کرتے اور تالاب کا پانی آپ نہیں پیتے، رحیم خدا کے نیک بندے اپنے مال و متاع دوسروں کی خدمت پر صرف کر دیتے ہیں۔

جال پرے جل جات بہہ تج مینن کو موہ
رحمن مچھلی نیر کو تیو نہ چھاڑت چھوہ

جال کو جب پانی سے نکالتے ہیں تو پانی مچھلی کی محبت سے منہ موڑ کر بہہ جاتا ہے اور مچھلی اس بیوفائی کے باوجود بھی پانی کی محبت نہیں چھوڑتی ہے

رحمن بپرا ہو بھلی جو تھوڑے دن ہوئے
ہیت اہیت یا جگت میں جان پڑت سب کوئے

رحیم مصیبت بہت ہی اچھی اور کار آمد چیز ہے بشرطیکہ تھوڑے دن رہے کیونکہ مصیبت کے وقت دوستوں کی محبت کا امتحان ہو جاتا ہے۔

رحمن انسو نین ڈھل جیا دکھ پرکٹ کرے
جاہی نکالو گہہ تے کس نہ بھید کہہ دے

رحیم آنکھ سے آنسو بہہ کر دل کا درد ظاہر کر دیتا ہے اسی طرح اگر تم کسی کو اپنے گھر سے نکال دو گے تو وہ دنیا میں تمہارے سارے راز کہہ ڈالے گا۔

اب رحیم مشکل پڑی گاڑھے دوؤ کام
سانچے سے تو جگ نہیں جھوٹے لے نہ رام

رحیم جان عجب کشمکش میں ہے، سچ بولتے ہیں تو دنیا میں گزارا نہیں اور جھوٹ بولتے ہیں تو خدا تک رسائی نہیں ہوتی، غرض دونوں میں دشواری کا سامنا ہے۔

جو رحیم اوچھے بڑھے تو اتی ہی اتراسے
پیادا سے فرزیں بھیو ٹیڑھو ٹیڑھو جائے

شطرنج کا اصول ہے کہ پیادہ فرزیں کے گھر تک پہنچکر فرزیں بنجاتا ہے اور فرزیں ٹیڑھا ہی چلتا ہے رحیم ادنٰی فطرت کے لوگ جب کسی مرتبہ پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کے غرور کی حد نہیں رہتی، پیادہ جب فرزیں بن جاتا ہے تو سیدھا چلنے کی جگہ ٹیڑھا ٹیڑھا چلتا ہے۔

کھیرا کو منہ کاٹ کر ملیت لون لگائے
رحمن کڑوے مکھن کو چاہیے یہی سزائے

رحیم کھیرے کا سر کاٹ کر اس پر نمک ملتے ہیں تاکہ کڑواہٹ دور ہو جائے۔ ہر شخص جو تلخ کلامی کا عادی ہو اسی سزا کے لائق ہے

جو رحیم اتم پرکرتی کا کری سکت کسنگ
چندن وش ویاپت نہیں لپٹے رہت بھجنگ

رحیم جو لوگ پاک طینت اور صاف طبع ہیں ان پر بری صحبت کا اثر نہیں ہوتا سانپ صندل کے پیڑ سے لپٹے رہتے ہیں مگر اس میں زہر نہیں ہوتا۔

امین پیاوت مان بن رحمن ہمیں نہ سہائے
پریم سہت مریبو بھلی جو وش دیت بلائے

رحیم بے آبروئی سے کوئی آب حیات بھی پلائے تو گوارا نہیں اور محبت کیساتھ کوئی زہر بھی پلا دے تو انکار نہیں

جو بڑیں کو لگھو کہو نہیں رحیم گھٹ جا ہیں
گردھر مرلی دھر کہے کچھ دکھ مانت ناہیں

گردھر (پہاڑ اٹھانے والا) اور مرلی دھر دونوں کرشن جی کے نام ہیں مگر پہلے نام میں جو عظمت ہے وہ دوسرے میں نہیں ہے رحیم کہتا ہے کہ بڑے آدمیوں کو چھوٹا کہہ دینے سے ان کی عزت میں کمی نہیں آتی ہے اگر گردھر کو مرلی دھر کہہ دیا جائے تو برا نہیں مانتے۔

جیوں رحیم گت دیپ کی کل کپوت گت سوئے
بارے اجیارو لگے بڑھے اندھیرو ہوئے

بارے اور بڑھے دونوں الفاظ دو معنی ہیں چراغ کے لئے یہ جلانے اور بجھانے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور کپوت کے لئے بچپن اور شباب کے معنی دیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے رحیم ناخلف لڑکے کی مثال بالکل چراغ کی سی ہے جیسے چراغ جلانے سے روشنی ہوتی ہے اور بجھانے سے اندھیرا ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح نالائق لڑکا آنکھوں کا نور تو ہوتا ہے مگر بڑا ہو کر اندھیرے یعنی افلاس و تباہی کا باعث ہو جاتا ہے۔

بتمام شد

روس کی تھیٹری اکاڈمی اور ملکی فنونِ لطیفہ

ماسکو کا بلکہ تمام یورپ کا سب سے بڑا، عظیم الشان تھیٹر وہ ہے جس کا نام ماسکو اکاڈمک آرٹ تھیٹر ہے۔

روسی رقص کی طرح یہ تھیٹر بھی روسی ڈرامہ کو بہترین طریق پر پیش کرنے میں بے نظیر مانا جاتا ہے جن لوگوں کو ماسکو یا لینن گراڈ میں اس تھیٹر کے کھیل دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ اس کی فنی بلندی کے ضرور قائل ہونگے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رقص بجائے خود ایک مکمل رنگین آرٹ ہے موسیقی کے ساتھ مل کر رقص کسی تھیٹر کے لئے جان ہو جاتا ہے۔ جذبات کے لئے اس سے بہتر کوئی طریق انسان کو معلوم نہیں۔ تھیٹر رقص وغیرہ کے مجموعہ کا دوسرا عنوان ہے۔ کھیل کے ساتھ اگر تھیٹر کو ہم تعمیر قومی اور فروغ فنون لطیفہ کا ذریعہ بنائیں تو یہ چیز ہر عمر اور ہر وقت اور ہر وضع قطع کے انسان کے لئے وجہ تعلیم و تفریح بن سکتا ہے۔ ڈرامہ چونکہ قومی لباس، زبان اور عادات و معاشرت کا پورا آئینہ دار ہوتا ہے اس لئے کسی قوم کی صحیح تصویر اس کے سٹیج پر جلوہ گر ہوتی ہے مگر اس کی پوری آہٹ سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اس ملک کی زبان اور عادات سے واقف ہوں تاکہ اداکاروں کے کام سے آپ پورا پورا لطف اٹھا سکیں۔

اس تھیٹر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے ایکٹر اور ایکٹریس اس قدر بے مثل اداکاری کرتے ہیں۔ ان کے جذبات آفریں ایکٹنگ میں اتنی موثر اور دلکش خوبی ہوتی ہے کہ اگر آپ زبان نہیں بھی جانتے تب بھی دل پکڑ بیٹھیں گے۔ آپ بغیر زبان جانے یہ سمجھ لیں گے کہ کہاں ہنسنا چاہیے اور کہاں رونا چاہیے۔ ماسکو آرٹ تھیٹر کے اداکار واقعی ایسا جادو کرتے ہیں کہ لوگ ششدر رہ جاتے ہیں۔

آرٹ تھیٹر کوئی نئی درسگاہ یا انسٹی ٹیوشن نہیں ہے بلکہ ایک قدیم ادارہ ہے جس کے پیچھے روسی روایات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے۔ مگر اس میں کوئی بات آپ ایسی نہ پائیں گے جسے قدامت پرستی یا رسم پرستی کہہ سکیں۔ یہ ہر نئی چیز کو اپنانے اور نئے جلوے میں پیش کرنے کا قائل ہے۔ اگرچہ اس نے قدامت کی خوبیوں کو برقرار رکھنا اپنا نصب العین بنا لیا ہے لیکن اس کا آدرش میں پستی، ذہنی غلامی یا آرٹ کی رسمی حالت پر زور دینا نہیں ہے بلکہ اس کے آرٹ کی قدامت کو جدید تمدن کے متوازی چلانا مقصد اول ہے۔

"میٹر ہولڈ تھیٹر" نے انقلاب روس کے بعد بڑے پن سے پروپیگنڈے کا کام شروع کیا تھا۔ دیکھتے دیکھتے لوگ تنگ آ گئے مگر اس تھیٹر نے جدت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ لوگ کہتے تھے کہ ہمیں بہت سے پروپیگنڈے کی اب ضرورت نہیں ہے نئے خیالات سے لبریز، نئے حالات کے حامل اور نئے اطوار سے مرصع ڈراموں کی ضرورت ہے۔

اکتوبر ۱۸۹۸ء میں ماسکو میں ادیبوں اور مصوروں اور اداکاروں کی ایک انجمن بنائی گئی تھی۔ اسی کے ممبروں نے اس تھیٹر کی بنیاد رکھی۔ اس کے صدر مسٹر کے۔ ایس۔ ستاں سلف سکی جو روس کے بہترین ماہر ڈرامہ نگار مانے جاتے ہیں سابق مسٹر نمیرووچ دانچنکو جو کہ اس کے صدر دوم ہیں

مسٹر چیخوف معروف داں چیکوف تھے۔ ان کے بہت سے شاگرد اس تھیٹر میں آ کر ایکٹر بنے۔

سب سے پہلا ڈرامہ جو اس تھیٹر نے کھیلا وہ طالسطائی کا ڈرامہ "زار فیڈر" تھا۔ اس ڈرامہ نے ماسکو کی ڈرامہ پسند سوسائٹی میں ایک ہلچل پیدا کر دی اور اب تک یہ ڈرامہ اس قدر خوبی سے کھیلا جاتا ہے اور اس قدر پسند کیا جاتا ہے جس قدر روز اول میں ہوتا تھا۔ اس تھیٹر کے قائم کرنے والوں نے اپنے سامنے جو آدرش قائم کیا تھا وہ یہ تھا "قومی و ملکی کلاسیکل ڈراموں اور بہترین مصنفین کے شاہکار ڈراموں میں نقل کرنا" دنیا کے بڑے ناٹک کاروں کے کارناموں سے اپنے ملک کو مالا مال کرنا۔ بہترین منظر آرائش اور بہترین ایکٹنگ کا معیار پیدا کرنا۔"

اس مقصد کے پیش نظر اس تھیٹر نے دنیا کے بہترین ناٹکی جواہرات اپنے لئے منتخب کر لئے ہیں مثلاً شکسپیر۔ گولڈونی۔ چارلس ڈکنز۔ مولیئر۔ لارڈ بائرن۔ میکسم گورکی۔ لیو طالسطائی۔ استنوف۔ چیخوف۔ الگزنڈر رشکن۔ گوگل۔ دوستوسکی۔ گریبو دیف۔ ترجنیف وغیرہ وغیرہ سینکڑوں شہرۂ آفاق مصنفین کے افسانے انہوں نے سٹیج کئے ہیں نہ صرف قدیم مصنفین بلکہ جدید روسی ڈرامہ نگاروں کے ڈرامے بھی اس تھیٹر نے سٹیج کئے ہیں جن میں ترینیف۔ ایوانوف۔ لیونوف۔ کاتاف۔ اور شا اور کارن شوخ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس تھیٹر کو انقلاب روس سے قبل بھی ایسی ہی شہرت حاصل ہوتی جیسی کہ بعد کو ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دنیا کے مشہور ناٹک کاروں مثلاً ابسن۔ گورکی۔ طالسطائی اور

روس قومی تعمیر میں آرٹ سے کیا کام لے رہا ہے

شکسپیر کو روشناس کرا رہا تھا۔

زار کے عہد میں اس تھیٹر کے سرکاری سنسر کا ہونا ضروری تھا طالسطائی اور گورکی اس کے سخت مخالف تھے کہ آرٹ کو زار کی مرضی اور قطع برید کے ماتحت رکھا جائے مگر لکان نے ایک درمیانی راستہ نکالنے کی کوشش کی مگر یہ خطرہ لاحق ہونے لگا کہ اگر رد عمل پالیسی برتی گئی تو تھیٹر کی پرانی شہرت اور آرٹ کے لئے قربانیاں کرنے کی آن جاتی رہے گی۔ تھیٹر کے ارکان سخت حیران تھے کہ کیا کریں مگر آخرکار انقلاب کی آواز بلند ہوئی۔ اس تنگ دور میں ممکن تھا تھیٹر بھی قضا کا شکار ہو جاتا لیکن عوام الناس نے روسی ناٹک اور قومیت کے علمبردار ادارہ کو اپنی اخلاقی اور مادی امداد پہنچا کر تباہی سے بچا لیا۔ اس کے بعد اس تھیٹر نے ایک ایسی پالیسی اختیار کر لی جس سے ملک کی نئی فضا مانوس ہو گئی اور سب پارٹیاں مطمئن بھی ہو گئیں۔

اس تھیٹر نے بڑا کام یہ کیا ہے کہ اداکار بڑے غضب کے پیدا کئے [illegible]

اچھے۔ بُرے۔ مرد و زن اس قدر بڑی تعداد میں اپنے حلقے میں پیدا کر لئے ہیں، او خواہ ان کا کام کس قدر ہی معمولی کیوں نہ ہو انہیں اپنے کام پر فخر کرنے کا ایسا سبق دیا ہے کہ اداکار کام کرتے وقت واقعی جان پر کھیل جاتے ہیں اور اپنا کام سمجھ کر کام کرتے ہیں جبھی تو یہ لوگ جب کام کرتے ہیں تو اصلیت کا نقشہ ہو بہو آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے مجھے حال ہی میں ایک واقعہ کا علم ہوا ہے۔ ایک ایکٹر سے "پروفیسر می آرت" نامی ایک فلم میں کام کرنے کے لئے بتایا گیا۔ ماہروں کی رائے میں یہ شخص ایک اچھا ایکٹر تھا۔ مگر ۷۰ سال کے ایک بوڑھے پروفیسر کے لئے جیسا ہونا چاہیے تھا اس نے وہ اداکاری اپنے آزمائشی امتحان میں نہیں دکھلائی اس لئے مسترد کر دیا گیا۔ دوسری مرتبہ اس نے پھر زیادہ بوڑھا ہو کر کام کرنے کی کوشش دکھائی مگر اس دفعہ بھی اسے ججوں نے ناپسند کیا۔ آخرکار تیسری مرتبہ پھر اس نے بوڑھا ہونے کی مشق کی۔ عام زندگی اس نے بوڑھے کی بتائی۔ چال ڈھال، گلی کوچہ میں بات چیت کرنا۔ مکان۔ دکان پر لوگوں سے ملاقات غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اس نے ایسی تبدیلی پیدا کی کہ لوگ اس تبدیلی پر چہ میگوئیاں کرنے لگے مگر آخرکار اس کا فن مکمل ہو گیا اور اسے اس فلم میں کام کرنے کے لئے لے لیا گیا۔ میں نے آج تک ایسی نادر اداکاری نہیں دیکھی۔ ایسا آرٹ تھیٹر ماسکو کے سٹیج پر روزانہ ہوتا ہے۔

ماسکو آرٹ تھیٹر کے چند مشہور کھیل یہ ہیں:۔

(۱) "فیڈر آمرن آفتح" - "اینا کرینا" - "قیامت" (از طالسطائی)

(۲) "چیری کا باغ" "چیکا" "تین بہنیں" "چچا آمرن" (از چیخوف)۔ (۳) "تحت الثریٰ" پاتال، مثانی "سورج کے بچے" (از میکسم گورکی) (۴) "ڈاکٹر شاک مین" (از ابسن) (۵) "کٹھ پتلیاں اور پردے" "تیلے بلایا مہمان" "اندر" (از مسٹر لنک)

(۶) "ایک مرد کی زندگی" "اناتما" "ایک خیال" (از ابسن) (۷) جیون ناٹک "جیون کے پنجے میں" (از ہیمسن) وغیرہ وغیرہ۔

اس تھیٹر کے بانی اور آرٹ اور آرائش کے انتظام کرنے والے مسٹر ستانا دسکی اور میتھی وان چیخوف اگرچہ بوڑھے ہو گئے ہیں مگر ان کے دل و دماغ ابتک جوان ہیں اور اب تک وہ ابھی انہماک سے اپنا کام کر رہے ہیں جس طرح پہلے کر رہے تھے۔ گذشتہ سال کی ساٹھویں سالگرہ کے موقع پر حکومت روس نے اس تھیٹر کو میکسم گورکی کے نام پر ایک خاص فرمان کے ذریعہ معنون (ڈیڈی کیٹ) کر دیا تھا۔ اور اس تھیٹر کے ارکان کو "آرڈر آف لینن" کا مشہور خطاب بھی حکومت روس کی طرف سے ملا ہے۔

یہ دونوں ماہر فن کے بھی خاص ماہر ہیں، اور انہوں نے اس مقصد کے لئے علیحدہ رقص و سرود کے تھیٹر بھی کھول رکھے ہیں۔

اس تھیٹر کے مشہور ایکٹروں میں وی۔ آئی۔ کاخا کوف خاص طور پر ہیرو کا کام کرنے کے لئے مشہور ہے، اور روس ان جیسے اداکاروں پر بجا طور پر ناز کر سکتا ہے۔

آئی۔ ایم ماسکون اور ایم لیونوڈیف بھی مشہور ایکٹر ہیں اور اس تھیٹر کے ستون کا کام کرتے ہیں۔ انہیں سوویٹ روس کے لوگوں کا، کارِ عرف عام میں کہا جاتا ہے۔

ان ایکٹروں کو حال ہی میں "آرڈر آف لینن" کا خطاب عطا کیا گیا ہے۔ مادام لیلی پانا اور مادام سینرچیخوف ایکٹریسوں میں یگانۂ روزگار مانی جاتی ہیں اور بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔

جدید نسل کے ایکٹروں اور ایکٹریسوں کی بھی ایک بڑی لمبی چوڑی فہرست ہے۔ اس میں مسز سٹے تارا سوا اور کمیم لیت نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس تھیٹر کی شہرت روس سے نکل کر تمام یوروپ میں پہونچ چکی ہے۔ پیرس کے لوگوں نے ماسکو آرٹ تھیٹر کو خاص طور پر اپنے یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔

اس تھیٹر نے وہاں پر جا کر کئی کھیل کئے اور لوگ تعریف کرتے کرتے دوہرے ہو گئے۔ خاص طور پر "قیامت" اور "اینا کرینا" کے ڈرامے "طالسطال" بہت پسند کئے گئے۔

چنانچہ حال ہی میں یہ لوگ پیرس میں ان کے منفرد مرات کا انتظام کر رہے ہیں۔ جن کو دیکھ کر یورپ کے لوگ روس کے ڈرامائی عروج اور آرٹ کی عمومی ترقی کا کچھ اندازہ لگا سکیں گے۔

بنارسی ساری

(از شریمتی ایلا سین صاحبہ)

بنگالنوں کے اوپر سرزدگی پیدا ہوتی اور اور ہر انہوں نے
اسی وقت سے اس کے لئے بنارسی ساری کی وضع تجویز اور
پسند کرنی شروع کردی اور اپنے ماحول میں پرورش پاکر
[illegible] اثر پیدا ہوتی اور اس کا مقصد سمجھنے لگتی ہے تو
اس کی ہی زینت ہو جاتی ہے۔ اس خاموش طریقے
پر بنارسی ساری سامنے تمام تہواروں، شادی بیاہ کی
رسموں [illegible] ساتھ دلی تمناؤں، ہماری مسرتوں ہمارے
غموں میں شریک [illegible] ہو جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا
[illegible] کا تانا اور بانا ساری مسکراہٹوں [illegible] آنسوؤں سے
بنا ہوا ہے [illegible] ہماری زندگی کا ہر واقعہ [illegible] ہر لمحہ
[illegible] جو یادگار چھوڑ جاتا ہے وہ یہی بنارسی ساری سے
[illegible] لڑکیوں کا سرخیا۔ آلودہ قدم جو زندگی کے راستے پر پڑتا
ہے اس کی رہنمائی کے لئے جہاں [illegible] وہاں یہی کلابتون
اور رنگ کا مجموعہ موجود ہے۔

بچی ابھی ماں کی گود سے الگ نہیں ہونے پاتی اور اس
کی عمر صرف سات مہینے کی ہوتی ہے کہ اسے اس کی پہلی لال
بنارسی ساری پہنائی جاتی ہے یہ ساری ننھی سی ہوتی ہے
مگر بڑی ساریوں کی ہو بہو نقل ہوتی ہے اور [illegible]
[illegible] رواج پھیلنے کی رسم اسی موقعہ پر دی جاتی
ہے [illegible] بیتسمہ دینا کہا جاسکتا ہے۔ اس تقریب
[illegible] کو بنارسی ساری پہنائی جاتی ہے اور اسے سر سے پاؤں
تک [illegible] سونے کے زیوروں سے لاد دیا جاتا ہے
[illegible] اور مٹھائیاں [illegible] چاندی یا پیتل کی تھالیوں
میں رکھے جاتے ہیں اور لڑکی کا ماموں بچی کے منہ میں اناج کا
پہلا نوالہ ڈالتا ہے۔ سنکھ بجائے جاتے ہیں دوستوں اور عزیزوں
کو دعوت دی جاتی ہے اور اس طرح بچی کو بتیسمہ مل جاتا ہے
اس کے بعد دن مہینے اور سال گذرتے چلے جاتے
ہیں لڑکی [illegible] بڑھتی جاتی ہے۔ اور اس کا ننھا سا دل
کلابتونی کناروں کی طرح بنارسی ساری کے لئے تڑپتا رہتا
ہے جو اسے اپنی بڑی بہن کے جسم پر نظر آیا کرتی ہے۔ اب وہ
مبارک گھڑی بھی آجاتی ہے کہ جب سالگرہ کے دن ماں اس
کے لئے [illegible] لال [illegible] بنارسی ساری خرید لاتی ہے،
اور اسے باندھ کر بڑے فخر کے ساتھ وہ میزبان کی حیثیت سے
اُن مہمانوں کی خاطر تواضع کرتی ہے جو اس کی اس تقریب
میں شریک ہونے کے لئے آتے ہیں۔ یہ ساری اس کا محبوب
ترین لباس بن جاتی ہے اور بڑی احتیاط سے رکھی رہتی ہے
اور صرف خاص خاص تہواروں اور تقریبوں ہی کے موقعوں
پر پہننے کے لئے نکالی جاتی ہے درگا پوجا کے موقعہ پر جبکہ ماں
اور ہر باپ کا دل اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو تحفوں سے لاد دینے
کے لئے بیقرار ہوتا ہے تو اس وقت بھی بنگالی مائیں محبت بھری
مسکراہٹ کے ساتھ اپنی لڑکیوں کو بنارسی ہی ساری دیتی ہیں
وہ خوشی سے پھولی نہیں سماتیں اور ان کا دل مسرت [illegible]
کے جذبات سے لبریز ہوتا ہے جب وہ یہ تحفہ پاکر مندر کے احاطے
میں اتراتی پھرتی ہیں۔ اور اپنی ظاہری شان بالکل ایسی بنا
لیتی ہیں گویا وہ پوری عورتیں ہیں۔

اب وہ گھڑی آجاتی ہے کہ جسے سہرے کی گھڑی کہا جاتا
ہے اور جب دھڑکتے ہوئے دل کیساتھ ایک نازک سی بالی بچی
معصومیت کے خوشنما باغ سے نکل کر نسائیت کے حرم کی دہلیز
پر قدم رکھتی ہے۔ اپنی زندگی کے اس اہم ترین اور مقدس موقع
پر بھی اس کے جسم کی پردہ پوشی یہی بنارسی ساری ہوتی ہے اور
دستور کے مطابق یہ بھی ضروری ہے کہ ہر بنگالی لڑکی اس موقع پر
سرخ ہی ساری باندھے جس کے پلو اور آنچل سنہرے ہوں،
غریب سے غریب لڑکی بھی اس موقع پر [illegible] ساری نہیں
باندھ سکتی بیاہ کی ساری خواہ کم قیمت ہو لیکن ہو بنارسی
ہی چاہیے اور وہ بھی لال رنگ کی لال کے سوا اس موقع کے لئے
ہر دوسرا رنگ منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ اور سیاہی مائل یا سیاہ
رنگ تو قطعاً ممنوع ہے۔ بات چیت ٹھہرنے کے زمانہ میں دولہا
کی طرف سے بھی ہمیشہ ہر رسم کے موقع پر بنارسی ہی ساری بھیجی
جاتی ہے، اور جب لڑکی ہمیشہ کے لئے ماں باپ سے رخصت ہوتی
ہے اور جب وہ پہلی مرتبہ اپنی سسرال میں کھانا کھاتی ہے تو ان
موقعوں پر بھی اس کا بدن بنارسی ساری کا زیر بار منت
[illegible]
ہے تو اس کی ماں اور اس کا [illegible]
اور [illegible] سے آراستہ کرتی ہیں [illegible]
ساری پہنانا [illegible] کے بعد جب [illegible]
[illegible]
[illegible]
ان ساریوں کی دلفریبی ساری دنیا میں مشہور [illegible]
زمانہ قدیم میں جبکہ ہندوستان کی دولت کا [illegible]
تھا اور یہاں کے چاندی سونے کے [illegible]
کے متعلق [illegible] دنیا میں مشہور [illegible]
بھی یہی بنارسی [illegible] اور بنارسی ساریاں [illegible]
دنیا بھر کی نگاہوں میں [illegible]
قدیم ترین صنعتوں میں سے ایک صنعت [illegible]
ہمیشہ سونے اور چاندی کے تاروں سے [illegible]
وہ کسی کو نہیں [illegible]
یہ ہے کہ یہ ساریاں خاندانی تحفہ [illegible]
رہتی ہیں اور ماں سے بیٹی [illegible]
آج بازاروں میں بہت سے دلفریب اور خوشنما [illegible] نظر آتے ہیں
جن کی باریکی اور نزاکت [illegible] لیکن بنارسی [illegible]
ساری اب بھی ان سب میں [illegible] ریشم کی [illegible]
[illegible] اور ان کے دلکش [illegible]
[illegible] مقبول اور ہر دل عزیز [illegible]
[illegible]
[illegible] انسان کے لباس پر [illegible]

وہ کون ہے؟

(از جناب رام سروپ بھٹناگر بنڈل کھنڈی (فاضل تیج دہلی کے لئے))

جو کامل درویش ہے، مگر زرد لباس زیب تن نہیں کرتا سنیاسی بھبوت نہیں رماتا، ظاہری عبادت نہیں کرتا دربدر گدائی نہیں کرتا کسی کے آگے دست تمنا نہیں پھیلاتا لیکن اگر اس کی ریاضت اور عبادت پر غور کیا جائے تو حیرت ہوتی ہے وہ سردی، گرمی میں یکساں محنت کرتا ہے، موسم گرما کی کڑی دھوپ میں ماگھ پوہ کے جاڑے کی سخت ... میں کام کرتا ہے، ننگا رہتا ہے۔

اس کو اپنے کام سے کام ہے، وہ دوسروں کی عیب جوئی نہیں کرتا۔ تنہائی میں رہنا پسند کرتا ہے سب کا روزی رساں ہے۔ مگر خود فاقہ کرتا ہے۔ سب کو لباس پہناتا ہے، مگر خود عریاں رہتا ہے وہ سینما نہیں دیکھتا۔ مگر قدرتی فلم کے مشاہدے اس کا دل اس کا دماغ اس کی روح باغ باغ ہو جاتی ہے۔ وہ اچھے اچھے کھانوں سے اپنا دسترخوان نہیں سجاتا روکھی سوکھی روٹی کھاتا ہے اور صبر کرتا ہے وہ سوڈا واٹر نہیں پیتا مگر تازہ پانی پیکر اپنے دل کو ترو تازہ کرتا ہے، وہ بڑا مہمان نواز ہے، اس کے در پر جو جاتا ہے، بامراد واپس آتا ہے، وہ اپنے مکان پر نفیس اسباب نہیں رکھتا بلکہ جھونپڑی میں زندگی

بسر کرتا ہے اور خدا کا شکر ادا کرتا ہے اس کی جھونپڑی میں برقی پنکھے نہیں ہوتے لیکن باد نسیم ہر روز مژدہ دیتی ہے اور اس کی خدمت بجالاتی ہے بجلی کے ملبب وہاں روشن نہیں مگر ماہتاب کی چمک اس کو منور کرتی ہے وہ گھڑی کا محتاج نہیں، مگر ستاروں کی چال سے وقت کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگاتا ہے اور اپنے کام میں مصروف رہتا ہے وہ سچا اسکاوٹ ہے اور سروقت خدمت خلق میں مصروف رہتا ہے دوپہر تک انسانی خدمات ادا کرتا ہے اور بعد دوپہر اپنے مویشیوں کی خدمت بجالاتا ہے اپنے جانوروں کو جان سے عزیز جانتا ہے اپنے آرام کو ان پر نثار کرتا ہے، اس کی زندگی پاک اور سادہ ہے، اور دروغ گوئی اور ریاکاری ار سے مبرا ہے۔ اس دور میں وہ ایشور کا سچا بھگت ہے ہر وقت

رام نام جپتا ہے آخر وہ کون ہے؟ وہ بدنصیب ہندوستان کا بدقسمت کسان ہے۔





ذرہ کی سرگذشت
صفحہ ۲ کا باقی مضمون

اب دنیا کی مشہور دھات ریڈیم کے ایک ذرہ کی ساخت اور اس کے پروٹون اور الکٹرون کے عمل کو دیکھیے۔ ریڈیم جس معدنی چیز سے نکالا جاتا ہے اسے "پچ بلنڈ" (PITCH BLEND) کہتے ہیں جو یورینیم کا ایک کیمیاوی مرکب ہے اس معدنی پچ بلنڈ کے سیکڑوں ٹن وزن سے سخت و شدید محنت اور نہایت پیچیدہ کیمیاوی عمل کے بعد صرف چند ملیگرام "ریڈیم" نکلتا ہے یہی سبب ہے کہ یہ دھات دنیا کی تمام دھاتوں سے زیادہ بیش قیمت ہے۔

ریڈیم کا عمل یہ ہے کہ خود بخود اور مسلسل طریقہ پر تین اقسام کی حرارت شعاعوں کی صورت میں خارج کرتا رہتا ہے۔ یہ شعاعیں اہل سائنس کی اصطلاح میں "الفا" (ALPHA) شعاعیں "بیٹا" (BETA) اور "گاما" (GAMA) شعاعیں کہی جاتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ "الفا" اور "بیٹا" کو شعاع کہنا غلط ہے کیونکہ یہ صرف مثبت و منفی ذرات ہیں جو ریڈیم سے خارج ہوتے رہتے ہیں۔ ہر الفا شعاع سے جو برقی ذرات نکلتے ہیں ان میں چار پروٹون اور دو الکٹرون ہوتے ہیں اور یہی وہ چیزیں ہیں جو ہیلیم کے ایک ذرہ کے مرکزی حصہ میں پائی جاتی ہیں

بیٹا شعاعیں یا "بیٹا" ذرات بھی معمولی الکٹرونوں کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہیں۔ یہ دونوں قسم کے برقی ذرات ریڈیم سے نہایت تیزی کے ساتھ خارج ہوتے ہیں ان کی سرعت رفتار سیکڑوں میل فی سکنڈ ہے "گاما" شعاعیں بھی صرف چھوٹی لہروں والی "ایکس ریز" شعاعیں ہیں۔ ریڈیم کی یہ تینوں قسم کی شعاعیں اس زمانے میں بڑی طبی اہمیت رکھتی ہیں اور بعض امراض مثلاً سرطان وغیرہ کے علاج میں بہت مفید ثابت ہوئی ہیں۔

ریڈیم کے ذرہ کی سرگذشت سب سے زیادہ عجیب

ہو جائیگا کہ ریڈیم کی تینوں قسم کی شعاعیں برقی طاقت میں کس طرح منتقل اور منقسم ہو جاتی ہیں چونکہ "الفا" اور "بیٹا" شعاعیں ایک دوسرے کی برعکس یعنی مثبت و منفی برقی طاقت رکھتی ہیں اس لئے مخالف سمتوں میں خارج ہوتی ہیں ان میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوتی۔

ریڈیم اور اس سے قریبی رشتہ رکھنے والے عناصر مثلاً "یورینیم" اور "تھوریم" وغیرہ دوسرے ذرات کی برقی ساخت میں بھی بلا واسطہ امداد دیتے ہیں۔ اب سائنس

ذرہ کے عمل پر زیادہ گہرائی سے غور کرنے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "مادہ طاقت ہے"

(MATTER IS ENERGY)

ذرہ کی ترکیب میں الکٹرونوں اور پروٹونوں کے علاوہ جو مادہ برقی طاقت کے بنیادی اجزا ہیں ماہرین سائنس نے پچھلے دنوں ذرہ ذرہ کے کچھ مزید اجزا بھی معلوم کئے ہیں جو برقی طاقت خارج نہیں کرتے اور بے حس و

کا اصطلاحی نام دیا گیا ہے کیونکہ ان میں برقی ... ڈاکٹر چیڈوک کے ذرہ "نیوٹرون" کی سرگذشت ... کے صلہ میں ۱۹۳۵ء کا نوبل پرائز دیا گیا تھا۔

ذرہ کی ترکیب اور عمل کا گہرا مطالعہ اس وقت سائنس کی ایک بڑی اہم شاخ بنا ہوا ہے اور سائنس داں شب و روز نئی تحقیقات میں مصروف ہیں۔ ذرہ کی یہی سرگذشت ہے جو مادہ کی اصلیت کا پتہ دیتی ہے۔

خواب کی ماہیت اور انسانی صحت

تندرستی اور آرام کیلئے اس مضمون کا مطالعہ کیجئے

ڈاکٹر پریو گوپال مکرجی

بہت سے لوگ خواب دیکھتے ہیں لیکن خواب کی اصلی تشریح و تعبیر یا اغراض سے متعلق آگاہ بہت کم لوگ ہیں جانتا اور نہ کوئی خواب کی ماہیت اور اصلیت سے واقف ہیں۔ حقیقی خواب ہو سکتا ہے نیند کی حالت میں جب نیند گہری ہو یا معمولی غنودگی ہو انسان کے خیالات بگولہ کی طرح چکر لگاتے اور دماغ پر چھائے رہتے ہیں۔ یہ تصورات ہوتے ہیں جو اس نے کبھی کئے تھے اور حالت خواب میں وہ بیدار اور نمودار ہو کر باطنی آنکھ کے سامنے آ جاتے ہیں۔ انسان جب ہوش میں ہوتا ہے تو انسان کے اعصاب میں ہمیشہ قوت احساس اور بیداری ہوتی ہے۔ اور یہ اس طرح پیوست ہیں کہ ایک کی خبر دوسرے کو ہو جاتی ہے مگر حالت خواب میں انسان کی یہ پیوستگی کسی قدر ہلکی ہو جاتی ہے اس لئے احساس باطل ہو جاتا ہے جب انسان میں خواب اور گہری نیند کی حالت میں نہ ہو تو یہ احساسات پوری طرح پُرسکون حالت میں نہیں ہوتے اور یہ پُر اضطراب حالت خواب پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔

نیند کے پہلے دو گھنٹے تو کامل گہری نیند کے ہوتے ہیں اس کے بعد نیند جب گہری نہیں رہتی معمولی سی بیرونی چیز نیند میں اضطراب اور خرابی کر سکتی ہے بلکہ بیداری بھی پیدا کر دیتی ہے۔ مرکزی نظام اعصابی اپنے ریزیدہ کی شدّی پر مرتب ہوتا ہے مگر دماغ پر بہت جلد اثر ہونے لگتا ہے اور اگر گہری نیند نہ ہو تو باہر کی ذرا سی چیز دماغ پر اثر انداز ہو کر خواب پیدا کرنے میں ممد ہوتی ہے، خواب ہمیشہ اسی نیم بیداری نیم خوابی کی حالت میں دکھائی دیتے ہیں اس وقت ہمارا احساس اور شعور ذہنی بالکل موقوف نہیں ہوتا بلکہ یادداشت کے ساتھ ہم اپنے پچھلے واقعات زندگی، تصورات اور پُر اضطراب کیفیات ذہنی خوابوں کی صورت میں سوتی دیکھ لیتے ہیں، اور یہ دماغ کے حصہ پچھلے واقعات کو اس طرح واپس طالبیہ ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ جن چیزوں کو ہم بھول جاتے ہیں انھیں بھی واپس لے آتا ہے۔

انسان کے دماغ میں جو بھورا حصہ پایا جاتا ہے وہاں تصورات محفوظ رہتے ہیں، آکاتی اور اطراف ریشے آپس میں پیوست ہوتے ہیں اور ذرا سی جنبش سے بیدار ہو کر ہوش کا احساس پیدا کر لیتے ہیں اور مرکز رابطے مل کر ایک قسم کا تابع شعور پیدا کر لیتے ہیں اور یہ سب عمل برقی سرعت کے ساتھ عمل میں آتا ہے اور ہمارے سامنے خواب فلم کی تصویروں کی طرح آنے لگتے ہیں،

اس ارتباط ذہنی کا اونچے سے اونچے درجہ جس ہوتا ہے جب جسم اور روح بالکل بے حال ہو کر تھکی ہوئی ہو نیند کی حالت میں یہ حصہ دماغ بہت زیادہ تھکا ہوا اور بہت کم شعور کا مالک ہوتا ہے۔ یہ حصہ انسان کے بھیجے میں وسط میں واقع ہوتا ہے اس سے نچلے حصہ میں کچھ نہ کچھ عمل شعور تیزی سے جاری رہتا ہے اور وہ ایک ہیجان کا سبب بنتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خواب پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ خواب انسانی دماغ کے غیر شاعر (UNCONSCIOUS MIND) کے ذہنی اضطراب کے ظہور کا دوسرا نام ہے۔

خواب کیونکر پیدا ہوتے ہیں،

(SUB CONSCIOUS MIND)

انسان کے نفس تحت شعوری" میں خیالات کا ذخیرہ بھرا ہوتا ہے خواہ وہ خیالات حال کے ہوں یا قدیم عہد کے جب ماتحت ذہنی ہکاتی ریشوں (ASSOCIATION FIBRES) کے ذریعہ پرسکون اور غافل حصہ دماغ کی طرف تصور کی لہریں پھینکتا ہے تو اس طرح اضطراب پیدا ہوتا ہے جیسے کسی پرسکون سطح آب کے پتھر پیدا کرنے سے حلقہ اور لہریں پیدا ہوتی ہیں یہ حالت خواب کا نقشہ پیدا کرنے میں دماغ کو مدد دیتا ہے۔ جس شخص کے ذہن میں "تصویر آفرینی" (VISUALISING) کی عادت کم ہو یا جس کے کان کے پردے پیدائش سے کم عمل رہے ہوں، یہ جان ہی نہیں سکتا کہ دیکھنا اور سننا حقیقت میں کس چیز کو کہتے ہیں۔ تصور آفرینی اور سن کر کسی چیز کے تصور کرنے کی پوری قوت ایسے اشخاص میں نہیں پائی جائے گی۔ اس لئے انسان کے لیے نفس تحت شعوری کا ہونا لازمی ہے۔

انسان کی صحت پر اس کے خوابوں کو کس کر حکم لگایا جا سکتا ہے۔

علم طب میں خواب کی اہمیت کا اندازہ ان نکات سے لگ سکتا ہے:-

(۱) جن لوگوں کے نظام اعصابی میں خرابی ہو۔ کمزوری ہو، طبیعت میں انتشار ہو یا کسی بیرونی وجہ سے جسم مضطرب ہو تو ایسے لوگوں کو خواب زیادہ دکھائی دیں گے۔

(۲) بدخوابی یا کم خوابی میں ذرا سے خواب بھی مرض کی زیادتی کے نتیجہ کی وجہ سے دکھائی دیتے ہیں۔

(۳) بعض حالتیں بدخوابی کی ایسی ہوتی ہیں کہ جن سے دیکھے ہوئے خوابوں میں کوئی تعلق اور ربط نہیں ہوتا بلکہ انتہائی اضطراب گڑبڑ اور بے تکے پن کا مظاہرہ ہوتا ہے

(۴) دماغی خرابی کی حالت میں بھیانک خواب دکھائی دیتے ہیں جو بالکل بے سر و پا یا صرف خیالی ہوتے ہیں۔

(۵) دل کی کمزوری کی حالت میں پُر اضطراب خواب، بے تکے تصور، غنودگی اور بے قراری ذہن ظاہر ہوتی ہے

(۶) کمی خون کے مریضوں میں برے برے خواب ضرور دکھائی دیتے ہیں، کیونکہ ایسے مریض آنتوں میں بری ریاح کے پیدا ہونے کی وجہ سے برے تصورات کا ہیولیٰ دماغ میں رکھنے اور لانے کے لئے بہت صلاحیت رکھتے ہیں اور یہ ریاحی رو دماغ کی طرف راجع ہو کر ناپسندیدہ اور گھناؤنے خوابوں کے پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔

(۷) نہایت تیز بخار، سرسام اور بحران کی حالت میں دماغ بے قابو ہو جاتا ہے اور طوفانی خواب دکھائی دیتے ہیں جس سے دماغ نبرد آزما نہیں ہو سکتا اور وہ بڑبڑانے لگتا ہے۔ رات کو سونے کی حالت میں اٹھ کر چلنے پھرنے کی بیماری بھی اسی نوعیت کی ہے جس میں دماغ بالکل بگولہ کی طرح افتاں و خیزاں رہتا ہے۔

(۸) جن لوگوں کے اعصاب مفتوح اور مضمحل ہو چکے ہوں، جن کی عادات مزاج میں اعتدال اور سکون نہ ہو ان کو سانپ، بچھو اور دیگر زہریلے جانور خاص طور پر دکھائی دیتے ہیں (وغیرہ وغیرہ)

ہندوستان میں شہری آبادی ۱۱ فی صدی اور دیہاتی ۸۹ فی صدی ہے، انگلستان میں شہری آبادی ۸۰ فی صدی اور دیہاتی ۲۰ فی صدی ہے،

ہندوستان کی کل آبادی میں ۶ ر ۳۴ کھیلنے والے ہیں۔

اس وقت تک ایک کروڑ ۲۰ لاکھ شورٹ ہو کر تباہ ہو چکی ہیں۔

عوام اور کسان فرقہ پرست نہیں ہیں

"ہند" کلکتہ کے ایک مضمون کا اقتباس

"ہندوستان کے دو زبردست صوبوں یعنی بنگال اور پنجاب کو فرقہ پرستی کا مرکز اور گہوارہ کہا جاتا ہے دیکھا بھی گیا ہے کہ پنجاب میں لاہور اور امرت سر وغیرہ اور بنگال میں کلکتہ اور ڈھاکہ جیسے مرکزوں نے ہمیشہ فرقہ پرستی کی لعنت کو اپنایا اور یہاں کے ان "زبردست" لیڈروں نے جو خطاب یافتہ ہیں اور برطانوی شہنشاہی کے حامی ہیں ہمیشہ اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے شہروں اور صنعتی مرکزوں میں زیادہ سے زیادہ فرقہ پرستی یا ہندو مسلم سوال کو اٹھایا ہے۔

ان غرض کے بندوں کا سدا سے یہی دستور چلا آتا ہے جس کی وجہ ہر ہندو مسلمان بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ ان لوگوں نے ان بھولے بھالے عوام کا نام لے کر آج تک غلط فائدہ اٹھایا ہے جو ہندو مسلمان کے نام سے صرف اسی حد تک آشنا ہیں جس تک اپنے طریق عبادت کا تعلق ہے لیکن روزانہ زندگی، کاروبار، پیشہ اور آپس کے تعلقات و مراسم میں کبھی ان کے اندر فرقہ وارانہ سوال پیدا نہیں ہوا۔

دیہاتوں میں ہندو اور مسلمان کسان فرقہ وارانہ اختلاف سے بالکل بے خبر ہیں وہ آپس میں بڑی خوشدلی دوستی اور محبت کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے جو حال ہی میں دیہات سے واپس آئے ہیں اپنے اس قسم کے تجربہ کو ذیل کے الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔

دیہاتی کسانوں میں سے اکثر مسلمان تھے اور اگرچہ بنگال کے اندر فرقہ وارانہ احساسات کے متعلق اخبارات میں بڑا ہی ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے لیکن میں نے ایسے جذبات کا وہاں کوئی نشان یا علامت نہیں پائی۔

یہ بالکل صاف اور کھلی ہوئی سی بات ہے کہ دیہات کے کسان اور شہر کے مزدور و عوام کے سامنے صرف "روٹی" اور معاش کا مسئلہ سب سے اہم ہے جس کے حل ہوئے بغیر ان کی زندگی ناممکن ہو جائے گی۔ شہر کے لیڈر اسی "روٹی" کا نام لیکر دیہاتیوں کو دھوکا دیا کرتے ہیں اور اس کے بعد وہ حاصل کی ہوئی طاقت کو بحال رکھنے کے لئے ان کے واسطے "روٹی" فراہم نہیں کرتے بلکہ فرقہ پرست اور حکومت کی خوشامدی بن جاتے ہیں۔"

"عندلیب شیدا"

(از جناب رشدی بھوپال)

(خاص تیج ویکلی کے لیے)

خزاں کا دور تھا .... برگ و بار
.. خشک ہوتے جا رہے تھے ..... پھول
مرجھاتے جا رہے تھے ..... عندلیب کے
درد ناک نغمے ... اب بھی .. سرشتہ ...
چھا رہے تھے! دل گداز .... آہ و زاری
ایک گل اب بھی شگفتہ تھا ....
موسم بہار کی رنگینی نمایاں ہو رہی ... تھی
... خوشبو سے معطر .... عطر بیز
شبنم کے ننھے ننھے ..... پاکیزہ ....
قطرے ... سینکڑوں ..... بکھرے پڑتے
تھے! وہ بالکل ... سرخ تھا ... شفق کی
طرح خونچکاں! سرخ ...... گہرا ......
سرخ .. گہرا .. سرخ ... خون کے مانند
خوشبو ... آغوش شبنم ... جو رقص تھا
... تھر تھرا رہا تھا ... لیکن یہ کیا!
عندلیب شیدا ... فرش خاک پہ بے حس پڑا
تھا ... اور جسم میں ... خون کا ...
نام نہ تھا ... سینہ فگار تھا ... آہ اپنا خون
... گل محبوب کو پلا چکا تھا ... اور خود
محبوب پہ قربان ہو گیا ...... !
خونی پھول! ... بے حس نعش کو دیکھ رہا تھا ..

جواہر پارے

مرتبہ جناب شیام بہاری نگم ایم۔ اے

سب سے بڑی خوبی کو بہت غور سے دیکھو (ناوسن ڈگلس)

تعلیم یافتہ لوگوں کے واسطے حسین چیزیں محض حُسن کی حقیقت رکھتی ہیں۔ (آسکر وائلڈ)

کائنات ایک عظیم الشان معموں پہیلیاں ہے مگر بے اصولی نہیں ہے۔ (ڈگلس تامس)

کسی شعر یا تصویر کے حسن کو محسوس کرنا، اس کو علیحدہ کرنا اور بیان کر دینا۔ یہ ہیں تین درجے تنقید کے۔

اس رنگے ہوئے پردے کو نہ اٹھاؤ کیونکہ زندگی ایک دم ہے جسے جو زندہ رہنے میں زندگی کہتے ہیں۔ (شیلے)

کون جلاوطن اپنے آپ سے بھاگ سکتا ہے۔ (بائرن)

کیا دنیا ایک خوابوں کا جزیرہ ہے؟ (ہیرک)

والٹیر مہذب لوگوں کی تفریح کے لئے لکھتا تھا، ڈاکٹر جانسن تاریخی ادب پیدا کرنے کے لئے لکھتا تھا روسو تھا۔ سوسائٹی کی اصلاح کے لئے لکھتا تھا۔ آج کل۔ جنسیت کی ترقی کے لئے لکھتے ہیں۔

لطیفے

مرتبہ جناب احمد حسن خان

بیوی۔ پیارے

یہ گناہ ہے کہ ہم شاعری سے روحانی غذا کی امید کریں (آئی۔ اے۔ رچرڈس)

خالص ذوق سلیم ہمیشہ نامکمل ذوق ہوا کرتا ہے اسلئے کہ ہم واقعی نامکمل لوگ ہیں۔ (ٹی۔ ایس ایلیٹ)

تنقید کا فرض جانبدارانہ فنا پسندگی سے تذلیل یا تعظیم نہیں ہے بلکہ شمع صداقت ہے کہ جو کچھ مل سکے دیکھنا اور صداقت جو حکم لگائے بیان کرنا ہے۔ (ڈاکٹر جانسن)

فضلائے عالم میں گہوارے بھی ہیں اور مقبرے بھی نئے ستارے اور نئی دنیا میں تعمیر ہو رہی ہے اور پرانی برباد ہو رہی ہے

خاوند۔ ہاں میری......

بیوی۔ میں اپنے کتے کو بلا رہی ہوں، چپ رہو۔

چندی۔ آج کونسی تاریخ ہے۔

موہن۔ تاریخ کی کیا فکر ہے، امتحان کی فکر کرو۔

چندی۔ میرا خیال تھا کہ میرے پرچوں میں کوئی چیز تو صحیح ہو۔

اُستاد (شاگرد سے) کیا تمہیں سوال پریشان کر رہا ہے

شاگرد (بڑی متانت سے) نہیں جناب مجھے تو جواب نے پریشان کر رکھا ہے۔

مسافر۔ جلد تانگہ روکو کیونکہ میرا سوٹ کیس دیں رہ گیا ہے۔

تانگہ والا۔ حضور فکر نہ کریں میں صرف آپ کا ہی کرایہ لوں گا۔

مسافر (دوکاندار سے) کیا تمہارے پاس کھانے کی چیز مل سکتی ہے۔

دوکان دار۔ جی ہاں جناب مل سکتی ہے۔

مسافر۔ کیا ہے؟

دوکان دار۔ جناب کیا تو نہیں ہے۔

ماں۔ دیکھو بیٹا بسکٹوں کی الماری مت کھولنا اس میں جن رہتا ہے۔

بچہ۔ اماں جان وہی جن بسکٹ اور مٹھائیاں کھا جاتا ہے، آپ ناحق میرا نام لیا کرتی ہیں۔

شاعر صاحب ایڈیٹر کے پاس ایک غزل لے کر گئے اور کہا غزل حاضر ہے جو کچھ غلطی ہو درست کر لیجئے۔ اور..... اور..... عنایت کر دیجئے۔

ایڈیٹر نے چیک بک سے ایک ورق نکال شاعر صاحب کے حوالے کر دیا۔ شاعر صاحب نے دیکھا کہ نہ تو اس پر دستخط ہیں اور نہ ہی رقم لکھی ہوئی ہے ایڈیٹر صاحب سے مخاطب ہو کر بولے حضرت یہ کیا۔

ایڈیٹر صاحب نے جواب دیا جو کچھ غلطی ہو درست کر لیجئے

ایک کابل سفر میں نکلا راستہ میں جگہ جگہ رک رک کر گئے پڑھتا تھا، اکثر تبہ کنوئیں میں گر پڑا جب ہوش میں آیا تب کہنے لگا خیر اکیلا نہیں ...

ٹھنڈک کیسے پہونچائی جائے

جب موسم گرما شروع ہوتا ہے تو ہر شخص کے خیال میں پہلی بات ہوتی ہے کہ ٹھنڈک کیسے ہم پہونچائی جائے۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں کے کثیر التعداد لوگ میدانوں میں رہتے ہیں وہ گرمی کی شدت اور اس کی ناگواریوں سے نجات نہیں پا سکتے۔ گرم کمروں کی گلا گھونٹنے والی آب و ہوا سے نکل کر بعض اوقات ٹھنڈے پارک یا باغیچوں میں جانا اور شام کے ناشتہ میں چائے پینا ایک حد تک ہر شخص کی پژمردگی کو دور کر دیتا ہے۔

ہر شخص کھلے میدانوں کا خیال دل میں لاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ چائے کا بھی۔ تازہ ہوا میں سانس لینا اور عمدہ بنی ہوئی چائے کی ایک پیالی پینا گرمیوں میں دھوپ کی چمک اور غبار سے بچنے اور شہری زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لئے سب سے سستا نسخہ ہے۔

اپنے تئیں ٹھنڈک پہونچانے کے لئے ہر شخص اپنے خیال کے مطابق کوشش کرتا ہے اور بہ پری طریقہ پر تمام باتوں کو کام میں لاتا ہے۔ مگر بہت کم لوگ اس مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ چائے پینے والے کہتے ہیں کہ ٹھنڈک پہنچانے والی عام اشیاء کے استعمال کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ جتنا گرم دن ہو اتنی ہی گرم پینے کی چیز ہونی چاہیے۔ اس لئے وہ سخت گرمیوں میں سوائے گرم چائے کے اور کچھ نہیں پیتے۔ گرمیوں میں باہر یا باغیچوں میں تفریح طبع کے لئے جاتے وقت ہمراہ گرم چائے کی بھری ہوئی فلاسک لیجانا خوشی کو دوبالا کر دیگا۔

چائے پینے والوں کا ایمان ہے کہ دل خوش کرنے والی پیالی بہت ہے اور جس سے سستی اور غنودگی دور ہو جاتی ہے ایک طویل تجربہ کے بعد حاصل ہوا ہے گرم چائے سے ٹھنڈک حاصل کرنے کا خیال ایک بڑے اصول پر مبنی ہے ہم اپنے قارئین کے فائدے کے لئے ذیل میں برطانیہ عظمیٰ کے تین بہت مشہور اخبارات کی رائے جو ڈاکٹروں نے ٹھنڈک بہم پہنچانے کے بارے میں دی ہے نقل کرتے ہیں وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ برف سے ٹھنڈی کی ہوئی پینے کی چیزیں بھلی معلوم ہوتی ہیں، مگر گرم چائے جلد سے جلد ٹھنڈک پہونچانے میں مدد دیتی ہے۔ اس کی وجوہات یہ ہیں۔

سب سے زیادہ ٹھنڈک پہونچانے والی چیز جو آپ حاصل کر سکتے ہیں وہ ہندوستان سے آتی ہے اور وہ چائے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چائے دوسری پینے والی چیزوں کی طرح خون کی نالیوں کو سکیڑتی ہے اور جلد کے مساموں سے خون کھینچتی ہے اسی سے آپ ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں (ڈیلی ایکس پریس)

بے شمار تجربات اور غور و خوض کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اور کوئی پینے کی ایسی چیز نہیں جس کو چائے پر ترجیح دی جائے۔ برف سے ٹھنڈی کی ہوئی چیزیں پینے سے شاید

آپ یہ خیال کرتے ہوں کہ آپ کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ مگر کیمیاوی اصول یہ ہے کہ گرم چائے پسینہ بڑھاتی ہے جس سے جسم کی حرارت فوراً دور ہو جاتی ہے۔ (ڈیلی ڈیسپیچ)

اگر ہم تندرست رہنا چاہتے ہیں تو ہمارے بدن کی حرارت ۹۸۰۶ ڈگری کم و بیش ہونی چاہیئے۔ اگر گرمیوں میں ہمارے جسم میں قدرتی طور پر پانی کی روانی جاری رہے تو ہمارا جسم بہت جلد زیادہ گرم ہو جاتا ہے۔ پانی جسم کے اندر تمام مقامات سے گذرتا ہے پھر لاکھوں چھوٹے چھوٹے اور باریک سوراخوں کے ذریعہ پسینہ بن کر جلد کے باہر پہنچتا ہے اور ہوا کی گرمی سے بخارات بن کر اڑ جاتا ہے۔ بخارات سے ہمارے جسم اور جلد کو ٹھنڈک پہنچتی ہے اور ہمیں زیادہ گرم ہونے سے روکتی ہے گرم چائے ہم کو ٹھنڈک پہونچاتی ہے اس سے پسینہ بڑھتا ہے اور جب پسینہ بخارات بن کر اڑتا ہے تو ہمارے جسم کی بچاس گنا حرارت جو چائے پینے سے بڑھتی ہے بالکل دور ہو جاتی ہے (ڈیلی ٹیلیگراف لندن کے ہے)

اپریل کے آخر میں کلکتہ کے اندر گرمی کی شدت کا جو دور دورہ رہا اس کے متعلق اسٹیٹس مین اخبار نے اپنی اشاعت ۳۰ اپریل میں کلکتہ کے ایک ڈاکٹر کی رائے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ برف سے ٹھنڈی کی ہوئی پینے کی چیزوں کی بجائے گرم چائے کا استعمال زیادہ دیر تک ٹھنڈک پہنچا سکتی ہے۔

لیموں کے کرشمے

(۱) لیموں گرم کر کے شکر کے ساتھ چوسنے سے جی مچلنا اور سفینہ میں فائدہ ہوتا ہے مقدار خوراک ایک تولہ یعنی دو لیموں (سفینہ میں لیموں) اور پیاز کے رس میں شکر ملا کر شربت تیار کریں ضرورت پڑنے پر تھوڑا تھوڑا چاٹیں۔

(۲) دودھ کے ساتھ پینے سے خونی دست اور پیچش کو آرام ہوتا ہے

(۳) نمک کے ساتھ لیموں چاٹنے سے بخار کے جراثیم مر جاتے ہیں

(۴) کالی مرچ کے ساتھ لیموں کھانسی، دمہ، اور بخار کو دور کرتا ہے۔

(۵) الائچی کے ساتھ لیموں قے میں فائدہ کرتا ہے قے کی صورت میں لیموں کو گرم نہ کرنا چاہیئے۔

(۶) ہسٹریا میں بھنی ہوئی ہینگ کے ساتھ لیموں فائدہ کرتا ہے۔ مقدار خوراک ایک رتی ہینگ اور لیموں ۶ ماشہ لیموں کا رس۔ ایک مہینے تک روز کھانے سے فائدہ ہوگا۔

ہفتہ کی اہم مختصر خبریں

ایک اطلاع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ بابو شن لال سنگھ ممبر مسلم لیگ کو کانگریس نے بہار کونسل کے ضمنی انتخاب کے لئے مظفر پور ہزاری باغ کے حلقہ سے کھڑا کیا تھا بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔

تازہ ترین قیاس آرائیاں منظر ہیں کہ فیڈریشن جنوری ۱۹۴۷ء میں نافذ ہو جائے گا اس موقعہ پر ایک دربار کیا جائے گا اور اگر سیاسی صورت حالات خوشگوار رہی تو اس میں ملک معظم اور ملکہ بھی شریک ہوں گی۔ اس اثناء میں فیڈریشن کے نفاذ کے سلسلہ میں سب کارروائیاں عمل میں لائی جائیں گی۔

کان پور سے تازہ ترین اطلاع موصول ہوئی ہے کہ پنڈت گووند ولبھ پنت وزیر اعظم یو پی کی کوششوں کے نتیجہ کے طور پر کان پور کے کارخانوں میں ہڑتال ختم ہو گئی۔

مسٹر منشی اہتہ ممبر بمبئی کونسل کو وزیر اعظم مسٹر کھیر نے پارلیمنٹری سیکرٹری بننے کے لئے مدعو کیا ہے۔ آپ پہلی منسٹری ہیں جن کو جدید ایکٹ کے ماتحت سرکاری عہدہ ملا ہے۔

چونکہ حکام نے راولپنڈی موٹر ڈرائیوروں کے مطالبات منظور کر لئے ہیں، اس لئے ہڑتال ختم ہو گئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حکام نے موٹر ڈرائیوروں کو یہ اجازت دے دی ہے کہ وہ کشمیری روڈ پر ۲۴ من بوجھ بھر کر لیجا سکیں۔

یونائیٹڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ ورکنگ کمیٹی کی اگلی میٹنگ میں جو وردھا میں ہو گی سکریٹریٹ اور دیگر سرکاری عمارتوں پر قومی جھنڈا لہرانے کے سوال پر غور کیا جائیگا بمبئی کے کانگریسی حلقوں میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کچھ صوبجاتی افسروں اور غیر کانگریسی پارٹیوں نے ہز ایکسیلنسی وائسرائے کی توجہ اس اندیشہ کی جانب مبذول کرائی ہے جس کا تعلق کانگریس کی حکومتوں سے ہے۔

تازہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ افغان نظر بند سردار محمد عمر خان اور سردار سرور خان کو یورپین حوالات سے رہا کر دیا گیا۔ حکام سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ دونوں سرداروں پر جو گذشتہ پانچ برس سے ۱۸۱۸ء کے ریگولیشن نمبر تین کے ماتحت ہندوستان کی جابندی عائد تھی۔

سوامی گیان سروپ آنند ممبر رام کرشن مشن جو حال ہی میں بنگال سے واپس آگئے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ دامودر کو کھائی دریاؤں کے درمیان ۵۵ مواضعات زیر آب ہو گئے ہیں، جس سے جان کا زبردست نقصان ہوا ہے۔ طغیانی کی وجہ سے امداد کا کام ناممکن ہو گیا ہے۔

لوکل گورنمنٹ کی ہدایت کے مطابق کوٹھا ہاتم سر اسکول آف پالیٹکس کے منتظم مسٹر اسے کا میشو رداؤ کے خلاف مقدمہ واپس لے لیا گیا ہے۔

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا احمد سعید سکریٹری جمعیۃ علماء ہند اور مسٹر ایم اے جناح کے درمیان تصفیہ کرانے کے متعلق کچھ خط و کتابت ہوئی ہے۔ .... اس خط و کتابت کا آغاز اس ملاقات سے ہوا ہے جو سال میں ہی مولانا صاحب نے الہ آباد میں صدر کانگریس پنڈت جواہر لال نہرو سے کی تھی۔

بمبئی کانگریس ہاؤس میں مقامی اخبار نویسوں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے انٹرویو کیا جبکہ پنڈت جی نے مختلف صوبوں میں کانگریسی وزارتوں کے پروگرام کے متعلق مختلف مسائل پر اظہار رائے کیا۔

دن پورہ بمبئی میں مسلمانوں کے ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے راشٹرپتی پنڈت جواہر لال نہرو نے مسلم عوام اور کانگریس کے درمیان تعلقات کا ذکر کیا اور کہا کہ کانگریس ایک قوم پرست آرگنائزیشن ہے مسلمان اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سرحدی وزارت کا جو اجلاس ایبٹ آباد میں گورنر صوبہ سرحد کی صدارت میں تین گھنٹہ تک ہوا تھا اور جس میں موجودہ صورت حالات پر تبادلہ خیالات کیا گیا تھا، اس میں نواب سر عبد القیوم خان وزیر اعظم صوبہ سرحد کا استعفیٰ گورنر نے منظور کر لیا ہے اس خبر کی سرکاری طور پر ابھی تک تصدیق نہیں ہو سکی



کلاس کو فلم کمپنیوں کے مالکان اچھے افسانہ کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ (... راحمد)

فلم اور اُس کا افسانہ

(از جناب ایم۔ امیر علی صاحب مشیار پوری)

... د کی فلمی شکل دیدیں زندگی ... ہمیں ... طوفان ... کوتی ... نوجوان ... کی ... مرجھا جائے گی ... تصور ... کی توت ... امید ... کی اطمینان کے گوشے ... زندگی کی روح ... دن دور نہیں جبکہ موجودہ فلم انڈسٹری ... مرجھائے ہوئے پھولوں کا ہار بن جائے، جہاں تک تخیل کی نگاہ دوڑائی جا سکتی ہے۔ پھولوں اور کھیلوں سے لدے ہوئے حقیقت کی سخاوت کے علمی پودے ... اچھا ... خشک پتہ بھی کہانی نہیں ... البتہ ڈیوداس کی دھندلی سی یاد ہمارے دلوں میں سکون اور اطمینان کا ... رہی ہے جس نے محبت کا پاکیزہ اور عجیب مرقع پیش کر کے پبلک کو ... پرجوش ... سرشار کر دیا ہے۔ بڑی ... اور ... کے بعد یہ کہنا پڑا ہے۔ کہ خواہ کتنی ہی کوشش کی جائے ... دن میں سے ایک دفعہ گذرا ہوا پانی پھر واپس لوٹ کر نہیں آتا ... بالم ... موسیٰ ... میں ... الیس ...

کو سدھار گئے۔ لیکن ہمیشہ کے لئے وہ معصوم شوخیاں ... نگاہیں ... بھولی بھالی مسکراہٹ۔ میٹھی میٹھی سرگوشیاں ... شان خاموشی ... نظر ... میں چھوڑ گئے۔ ... اور پبلک کو تو بالتصور کرتے اپنی طرف کھینچ ... دلوں کو موہ لینے والے نازک گھنڈر اب بھی ... یہ گلشن ہستی کبھی شان دار تھا۔ مگر ... باوجود بھی متعدد فلم کمپنیوں پر ضعف کا عالم طاری ہو رہا ہے۔ مجھے سوداسے ہم خیال ہو کر کہنا پڑتا ہے کہ ... کا نوجوان حسرتی بگھونا دلہن کے گھر تک پہنچتے پہنچتے بڈھا ہو گیا۔

موجودہ فلموں کو بے کر دینے والی صحیح وجہ افسانہ کی کمزوری ہوتی ہے بھلا فلم کمپنیوں کے ڈائرکٹر ہر روز نیا افسانہ کہاں سے لائیں۔ وہ یا تو پرانی کتابوں کی چھان بین کریں گے۔ یا دیرینہ گڑے ہوئے مردے اکھاڑینگے جوان کے لئے متحرک تصاویر بن جائیں، لہذا انہیں باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جن سے امید کی کچھ بھی توقع نہیں، پبلک کو مایوسی کی آخری منزل میں قدم رکھنا پڑا ہے، اور یہ قدم اس وقت تک نہیں اٹھ سکیگا جب تک کہ مختلف کمپنیوں کے ڈائرکٹر صاحبان اپنی سرد مہری کو بالائے طاق نہ رکھدیں۔

سودا بیان کرتا ہے کہ "کنجوس کا گھوڑا رات کے وقت تاروں کو دانے سمجھ کر بے قراری کے ساتھ آسمان کو دیکھتا ہے"۔ سو ایسی فلم کمپنیاں فلمیں پیش کر کے پرجوش دلوں کو سرد کر دیتی ہیں۔

آج کل ایسی فلمیں بن رہی ہیں جن سے خاموشی ہی اچھی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس وقت "مدھم" ... اور "دھیوت" کو توٹ عربی کی سی نازک خیالی میں چھوڑ دیا جائے۔ اور زمانے کی روش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمدردی کی روح پھونکنے کی کوشش کی جائے

صفحہ ۱۴ سے آگے

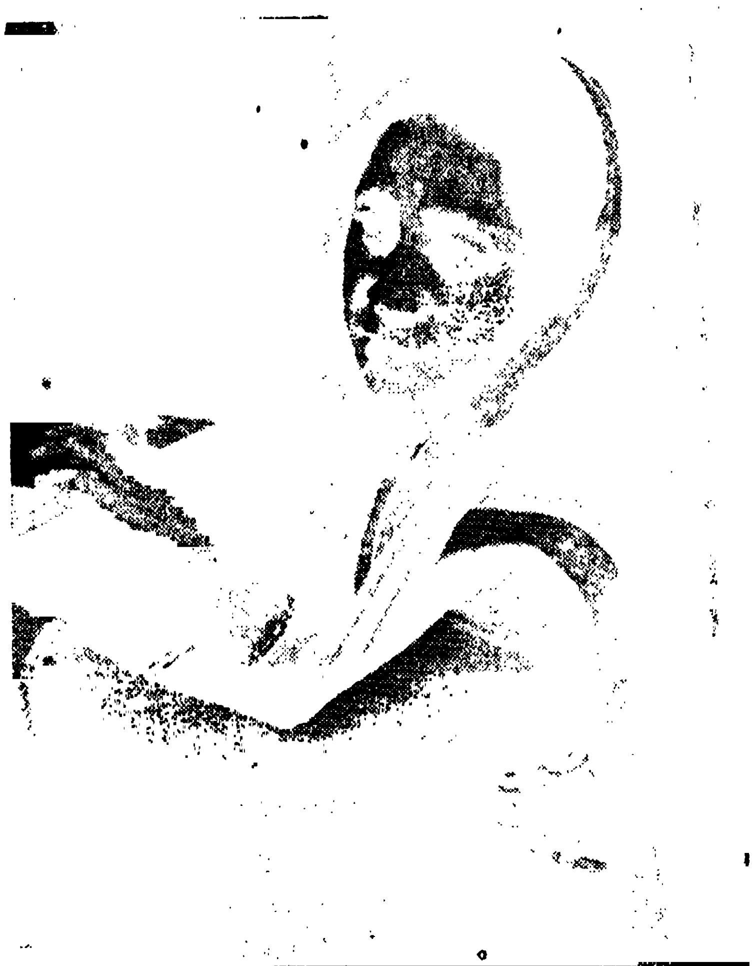
... ہمارے گھر کے قریب جو جشمہ ہے اس کے پاس ہی جو جھاڑیاں ہیں ان میں اس کو لے جا کر تمہارا گہنا زیور وغیرہ جو اس کو پہنایا تھا اُتار لیا اور اس بے گناہ معصوم بچے کے ہاتھ پیر باندھ کر بری حالت میں چھوڑ کر چلا گیا ہے اور ہم نے ایک سپاہی کے کہنے پر کہ ہم کو ایشور نے اولاد بخشی ہے اس کو اٹھا لیا، اس کے بعد جب بیدار ہوئے تو ہم دونوں نے اپنا اپنا سپنا ... دیکھا ہوا واقعہ باہم سنا دیا اتنے میں باہر سے لوگوں نے آواز دی کہ پاس والے چشمہ کی جھاڑیوں سے ... چیخ و پکار کی آوازیں آ رہی ہیں معلوم ... کیا ... اس پر ہم تینوں وہاں گئے اور اس ... ہاتھ پیر جکڑ دیئے گئے تھے، کھول آزاد کیا ... اور ... بہ ہماری لڑکی بنی ہے اور ہمارا گھر آباد ... اس کو ... اپنے دل کو خوش رکھتے ہیں ابھی ... مال و متاع کی مالک ہے اور ہماری آنکھوں کی نور ... نے "ارملا" کو اپنی گود میں بٹھا لیا ... اور ... "ارملا" ایک بار مجھے اپنی ... کر ... اس نے کہا ... نے اٹھا کر اس کی ماں کی گود میں ڈالا ... مبارک ہو۔ یہ تمہاری ہی بیٹی ہے میرے ... ایک دفعہ ارملا" کو صحیح سلامت دیکھو ... نکلا۔ اس کی عمر دراز ہو۔ پہلے ... کو اس کا سکھ دیکھنا نصیب ... ہیں مری ہے۔ اس کے بعد وہ چلی ... نہ ملا۔

یعقوب اور ببو "کیپٹن کرتی کمار" میں



جوکہ میجسٹک سنیما میں چل رہا ہے

اندرا واڈکر "زیمو" میں



جوبلی ٹاکیز میں چل رہا ہے



"دلاور" کا ایک سین جوکہ راکسی سنیما میں چل رہا ہے



"چیلنج" کا ایک سین نیو امپیریل ٹاکیز
میں چل رہا ہے

Regd. L. No. 1517

FAME AND FORTUNE

AT YOUR DOORS.

THE achievement of fame and fortune is the immediate aim of every **Business Man,**

* * *

IF you are one of the aspirants of these heavenly blessings send your message through the Krishna Number of the Tej to the millions of this Country.

* * *

IT will bring the fame and fortune at your doors.

FOR RATES AND PARTICULARS

PLEASE WRITE TO

B. N. Gupta—*Advt. Manager.*

THE DAILY TEJ LIMITED, DELHI.